الا بذکر الصالحین تنزل البرکۃ

قرع

عبداللہ

(اک بندۂ خدا)

سوانحِ حیات

بحر العلوم حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ

سابق پروفیسر وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

تالیف

مولوی ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی انوارؔ

خلیفہ و عبۂ بحر العلوم

باہتمام: محمد عباس علمبردار صدیقی

ناشرین

حسرت اکیڈیمی صدیق گلشن نزدِ پرانا پُل حیدرآباد

طباعت اوّل (جملہ حقوق محفوظ) (۱۰۰۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام کتاب : عبداللہ (اک بندۂ خدا)

سوانحِ حیات بحرالعلوم حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرؔت

فن : سوانح

تالیف : مولوی ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی انوؔار

سائز : ۱/۸ کراون

صفحات : ۶۶۰ (۶۴۴ اور ۱۶ صفحات تصاویر)

اشاعت اوّل : ۱۰۰۰ (نومبر ۲۰۰۴)

کمپیوٹر کمپوزنگ : شیخ محمود علی

طباعت : ایمرالڈ پرنٹرس ۔ عقبِ مسجدِ معظم پورہ ملے پلی حیدرآباد

قیمت : ہندوستان میں ۳۰۰ روپئے ۔ بیرونی ممالک کے لئے ۳۰ ڈالر امریکی یا ۱۵ پاونڈ برطانوی

اہتمام : محمد عباس علمبردار صدیقی

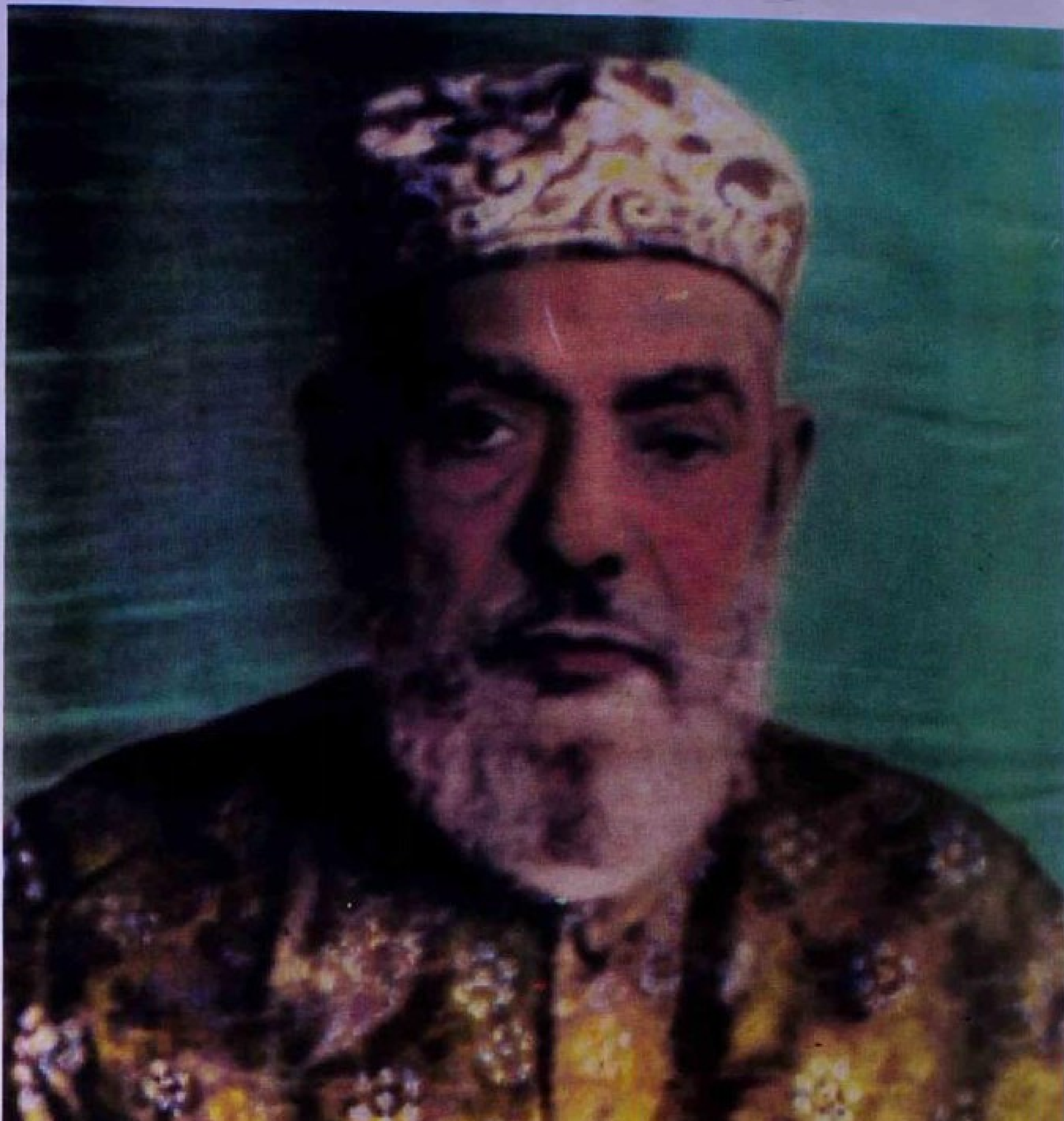
ملنے کے پتے : ۱ ۔ دفتر حسرت اکیڈیمی صدیق گلشن حیدرآباد

۲ ۔ اسٹوڈنٹ بک ہاوس

چارکمان ۔ حیدرآباد

۳ ۔ دار الکتاب ۔ میور کامپلکس

مقابل اسٹیٹ بنک آف حیدرآباد



عرض ناشر

الحمد للّٰہ بنعمته تتم الصالحات و علی نبیه افضل الصلوات والتسلیمات و علی اهل بیته الطیبین والطاهرات وعلی اصحابه ومن تبعهم باحسان الی یوم لاریب فیه - و ان ذکر الصالحین کفارة -

اما بعد :

برادر مکرم مولوی محمد انوار الدین صدیقی رحمتہ اللہ علیہ نے بحرالعلوم حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت قدس سرہ العزیز کی سوانحِ حیات بنام عبداللہ (یعنی اک بندۂ خدا) تحریر فرمائی تھی - مرحوم نے اپنے سفرِ حج سے قبل اس کتاب کی اشاعت کا کام میرے ذمّہ اس اندیشہ سے کردیا تھا کہ اگر وہ بحیات نہ رہیں تو اس ذمّہ داری کو میں پورا کروں - چنانچہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اور آپ کا انتقال حج کی ادائیگی کے فوری بعد مکہ مکرمہ میں ہوا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ - اور وہیں جنت المعلاۃ میں تدفین عمل میں آئی - وذلک فضل اللّٰه -

مرحوم کے وارثین اور وابستگان نے ان کے منشاء کے مطابق یہ کام میرے ہی سپرد کردیا - میں نے بعد مشورہ اس کتاب کو کمپیوٹر پر تحریر کروایا اور سائز میں بھی تبدیلی کی - میں نے ایک چار رکنی کمیٹی بھی تشکیل دی جو ان اصحاب پر مشتمل تھی (۱) جناب محمد اعظم الدین صدیقی (۲) جناب مصطفےٰ عتیق الدین صدیقی (۳) جناب محمد عبدالکریم صدیقی اور (۴) محمد عباس علمبردار صدیقی - اس کمیٹی کے ارکان نے کتابت کی غلطیوں کا ازالہ کیا اور ہر زاویہ سے اس کتاب کو تعمق نظر سے دیکھا کہ کہیں کوئی گوشہ ایسا نہ ہو کہ جو نقد ونظر میں کھٹکے - الحمد للہ ایسی کوئی بات نہ پائی گئی - پھر بھی کہیں کوئی سوء نظر یا سہو رہ گیا ہو تو میں اس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں -

خاندانی اور بزرگانِ دین کے شجرہائے سلسلہ بھی شریک کئے گئے - خاندانی شجروں کو حتی الامکان update کیا گیا ہے اور کچھ فوٹوز بھی شامل کئے گئے ہیں - تصاویر کے لئے برادرزادگان نعمان اور ندیم کی خدمات لائق تشکر ہیں -

میں اُن تمام اصحاب کا شکرگزار ہوں جن کی محنت و کاوش کے نتیجہ میں یہ کتاب آپ کے سامنے پیش کی جاسکی - اس ضخیم کتاب کی طباعت کے لئے ایک معتدبہ رقم درکار تھی جسے الحمد للہ مختلف حضرات نے اپنے مالی تعاون سے آسان کردیا - فجزاهم اللّٰه خیر الجزاء -

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مرحوم مؤلف کو ان کی اس تیس سالہ محنت کا صلہ دے اور ارشاد ذکر الصالحین کفارة کے طفیل ان کی خطاوں کو درگزر فرما کر اپنے محبوبین میں مقام عطاء کرے - آمین -

مخلص

محمد عباس علمبردار صدیقی
مہتمم
حسرت اکیڈیمی و کتب خانۂ بحرالعلومؒ

صدیق گلشن - حیدرآباد دکن - انڈیا
شوال ۱۴۲۵ھ نومبر ۲۰۰۴

فہرست کتاب ''عبداللہ'' سوانحِ بحرالعلومؒ

مقدمہ

سوانح نگاری میں مسلمانوں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے سلسلہ میں سیرت نگاری کو بہت فروغ دیا جو سوانح نگاری کی اہم ترین شاخ ہے۔ حضورؐ کے اخلاق و عادات کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ کے غزوات کا تذکرہ بھی ضروری سمجھا گیا۔ علمائے حدیث نے حدیث کی صحت کی تعیین کے لئے ہزاروں راویانِ حدیث کے حالاتِ زندگی کو جمع کرنا شروع کیا اور ان کی پوری طرح چھان بین کی جو اصطلاحاً فن رجال کے نام سے موسوم ہے۔ محض ناموروں کی سوانح لکھنے کا خیال شخصی حکومت کے زیر اثر پیدا ہوا۔ عربی ادب میں بادشاہوں سے کہیں زیادہ ادیبوں، عالموں، ظریفوں، بخیلوں یہاں تک کہ اندھوں بہروں بلکہ مجانین کے مرقع تک کتابوں میں جگہ پاگئے۔ قدیم اسلامی ادب میں تذکرہ نگاری کے فن کو اتنی ترقی ہوئی کہ تذکرہ بالآخر سوانح نگاری کی بیشتر شاخوں پر غالب آگیا۔ نامور افراد کی سوانح عمریاں تیرھویں صدی عیسوی سے پہلے کم اور اس کے بعد زیادہ تعداد میں لکھی گئیں۔ ان میں بادشاہوں کے علاوہ اولیاء و اصفیاء کی سوانح عمریاں بھی ہیں۔ بادشاہوں کی سوانح عمریاں، سوانح سے زیادہ تاریخ ہیں اور اولیاء و اصفیاء کی سوانح میں سوانح کم اور ان کے کرامات و خوارقِ عادات کا تذکرہ زیادہ ہے جو ملفوظات، مناقب اور اقوال کی صورت میں ہے اور بحیثیت سوانح زیادہ لائقِ استفادہ نہیں۔

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ہندوستان میں عیسائی مبلغین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مقدس نامورانِ اسلام کے حالاتِ زندگی اس انداز میں پیش کرنے شروع کئے جن کے پڑھنے سے آدمی کے ذہن میں اسلام کی حقانیت کے متعلق شبہات اور غلط فہمیاں پیدا ہوں۔ اس زمانہ کی عیسائی اور ہندو تاریخ نگاری کی اصلی روح در اصل یہی ہے۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ مسلمان مفکرین میں تاریخ نگاری اور سوانح نگاری کی ایک جوابی تحریک پیدا ہوئی چنانچہ سر سید احمد خان کی کتاب خطبات احمدیہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے سر سید کے دور کے سب سے بڑے سوانح نگار مولانا شبلی اور مولانا حالی تھے۔ ان کے علاوہ جن لوگوں نے سوانح عمریاں لکھی ہیں ان میں ذکاء اللہ، نذیر احمد، چراغ علی اور عبدالحلیم شررؔ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ذکاء اللہ کا سارا سوانحی کام ملکہ وکٹوریہ کی سوانح حیات تک محدود ہے۔ نذیر احمد اور چراغ علی کی سوانح عمریاں محض مناظرانہ ہیں۔ البتہ شررؔ کی سوانح عمریوں میں نصب العین سوانحی ضرور ہے مگر وہ خالص سوانح نگار نہیں ہیں۔ کیونکہ موضوعات کی بھرمار نے ان کو مختصر لکھنے اور زیادہ سے زیادہ موضوعات کا احاطہ کرنے کی طرف مائل کردیا تھا۔ البتہ ان کے خاکے ضرور قابلِ توجہ اور عمدہ ہیں۔

اردو میں شبلی اور حالی کے زیر اثر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں دار المصنفین کا سلسلہ نامورانِ اسلام یعنی صحابہ تابعین وغیرہ کی سوانح کا سلسلہ بڑا اہم ہے مرزا حیرتؔ اور عبدالرزاق بھی قابلِ ذکر ہیں جن پر شبلی اور حالی کے اثرات نمایاں ہیں۔ مولانا سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا حبیب الرحمٰن شروانی بھی اس زمرہ میں قابلِ تذکرہ ہیں۔

اس دور کی سوانح عمریاں قوم کی ترقی کے خیال سے لکھی گئی ہیں۔ مولانا حالی نے غالب کے حالاتِ زندگی پر اس لئے قلم اٹھایا کہ غالب کی خوش طبعی اور ظرافت سے قوم میں زندہ دلی اور شگفتگی پیدا ہو۔ حیاتِ سعدی اور حیاتِ جاوید کا نصب العین بھی قوم کی ترقی ہی ہے۔ حالی اور شبلی اور ان کے پیرو اور متبعین کی سوانح عمریوں میں ان کی تمام تر توجہ اسلاف کے قابلِ فخر کارناموں پر مرکوز ہے

جس سے احیائے قومی کے لئے مواد حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ ان حضرات نے سوانح کو دراصل اپنے مقصدِ خاص کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے ۔

ایک اور سوانح نگار جن کا تعلق سر سید کے زمرہ سے ہے محمد حسین آزاد بھی ہیں ۔ مگر ان کی سوانح نگاری تاریخی ناول کے حدود میں جا پہنچی ہے ۔ تاریخی ناول میں شخصیتیں تاریخی ہوتی ہیں ۔ اور جزئیات مخلوط، کچھ خیالی اور کچھ واقعی ۔ آزاد کی سوانح نگاری بھی اس کے قریب قریب ہے ۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ آزاد کو شخصی جزئیات سے بڑی دلچسپی ہے ۔ اور یہ ایک سوانح نگار کا خاص رجحان ہے ۔

فنی محاسن کا اعتبار کرتے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے بڑے سوانح نگار مولانا حالی اور مولانا شبلی ہیں ۔ جن کی سوانح عمریوں میں بڑی حد تک وہ ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں جو فنِ سوانح نگاری کے لئے ضروری قرار دی جاتی ہیں ۔ مولانا شبلی کی " الفاروق " سوانح نگاری میں اپنا خاص مقام رکھتی ہے ۔

بعض سوانح عمریاں تو ایسی بھی ہیں جن میں اشخاص کی حیثیت وہی رہ جاتی ہے جو ایک دائرہ کے درمیان نقطہ کی ہوتی ہے ۔ بس نقطہ کی طرح اشخاص کا حال نہایت مختصر مگر اس زمانے کی تہذیب و ثقافت بلکہ جغرافیہ یہاں تک کہ ان کے وطن سے باہر دور دور کے حالات بھی ان میں آگئے ہیں ۔

اس تمہید سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کسی کی سوانح عمری لکھنا کہ جو فنِ سوانح نگاری پر پوری اتر سکے آسان نہیں ۔ سوانح عمری میں شخصیتوں کو اس نقطہ نظر سے بھی دیکھا جاتا ہے کہ سماج اور اجتماع سے الگ ان کی اپنی ذاتی اور نجی زندگی کیا تھی ۔ یعنی وہ احوال و افعال جو صرف ان کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور جن سے سماج بحیثیت سماج متعلق نہیں ۔

زیر نظر کتاب " عبداللہ " بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی قادری حسرت سابق پروفیسر و صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی کے حالاتِ زندگی کے بارے میں پیش کی گئی ہے ۔ عوام اس کو حضرت کی سوانح سمجھ لیں تو سمجھ لیں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اس پر سوانح کی تعریف صادق نہیں آتی ۔ یہ مختلف جہات میں جستہ جستہ پرچھائیاں ہیں جو دکھائی گئی ہیں ۔ مگر اس میں تو کلام نہیں کہ یہ پرچھائیاں حضرت عبدالقدیر ہی کی پرچھائیاں ہیں ۔ اس میں جہاں کہیں حضرت کی سیرت پیش کی گئی ہے حضرت ہی کی سیرت ہے ۔ سیرت نگار انوار الدین کی سیرت نہیں ہے ۔ ورنہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ سیرت نگار غیر شعوری طور پر موضوع کی سیرت کے چوکھٹے میں اپنی سیرت کا عکس پیش کردیتا ہے اور بخیالِ خود یہ سمجھتا ہے کہ اس نے فلاں کی سیرت کی نقش گری کی ہے ۔ اپنا تصورِ خیر و شر، اپنا تصورِ جمال اپنی سیاسی و سماجی آویزش، اپنا عقیدہ مذہب و روحانیت یعنی اپنی شخصیت کے آئینہ میں اپنے موضوع کی شخصیت کو دیکھتا ہے ۔ میں نے اپنے ذاتی مشاہدات و تجربات کی مدد سے سیرت کے خد و خال بنائے ہیں ۔ معتبر اور غیر معتبر روایات کے رنگوں سے موضوع کی تصویر نہیں بنائی ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ سیرت نگار کو غیر جانب دار اور غیر جذباتی ہونا چاہئیے ۔ صاحبِ سیرت کے محاسن کے ساتھ اس کے معائب کو بھی دو ٹوک بیان کر دینا چاہئیے تا کہ پوری شخصیت اپنے تمام محاسن اور معائب کے ساتھ سامنے آجائے ۔ یہ مطالبہ اپنی جگہ کتنا ہی درست ہو مورخ سے کرنا چاہئیے سیرت نگار سے یہ توقع بے جا اور غیر نفسیاتی ہے ۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عبدالقدیر اللہ کا ایک ایسا بندہ تھا جو جامع الجہات تھا ۔ ہر فن مولا تھا ۔ ہر جہت اپنا الگ حق مانگتی ہے ۔

اور ہر فن اپنا الگ مطالبہ رکھتا ہے جن کو پورا کرنا اور کامل حق دینا مجھ جیسے ہیچمداں سے قطعاً ممکن نہیں ۔ یہ کام البتہ شاید ان سے ممکن ہو جو ہر فن پر تحقیقی نظر رکھتے ہیں اور خود بھی جامع الجہات ہیں ۔

حضرت عبدالقدیر عالم فقیر تھے ۔ عالم فقیر ہی اپنی مخصوص بصیرت کی بناء پر مزاجِ نبوت سے بہت قریب ہوتا ہے اور مشربِ محمدی کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔ ہر قسم کی افراط و تفریط سے بچا کر راہِ اعتدال یعنی صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کی خاص قابلیت رکھتا ہے ۔ ایسے عالم فقیر ہی وہ علمائے حق ہیں جو جادہ حق میں مرتبہ صالحین سے مرتفع ہو کر شاہدینِ حق سے بھی آگے نکل جاتے ہیں اور مرتبہ صدیقیت پر پہنچ کر انسانیتِ کبریٰ کے اس مقام پر فائز رہتے ہیں جو مقامِ نبوت کے راست تحتِ قدم اور زیر اثر ہوتا ہے ۔ ان میں سے بعض کو مزید امتیازِ خاص حاصل رہتا ہے جن کو پروردگارِ عالم بطورِ خاص چن لیتا ہے ۔ ایسے اخص الخواص کا نورِ علم و عمل مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ اور ان کا ہر قدم طریقِ منہاجِ نبوت پر گامزن رہتا ہے ثلة من الاولین و قلیل من الاخرین (پ ۲۷ الواقعه) یعنی" وہ (مقربین) اگلے لوگوں میں بہت سے ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے" ۔ یہ وہ نفوسِ عالیہ ہیں جو درسگاہِ نبوت کی پہلی جماعت کے بہ اعتبارِ صفات شریکِ حال ہیں ۔ جن کا ظہور دنیا میں مدتوں انتظار کے بعد ہوتا ہے ۔ دین کو ان کی بدولت نئی زندگی ملتی ہے ۔ یہ اپنے عہد کی اقلیمِ روحانیت کے باطنی سلطان ہوتے ہیں ۔ انسان کی ذہنی نفسی اور روحانی و معنوی بیماریوں کو بیک نظر پہچان لینا اور اس کی حالت و استعداد کے مطابق درجہ بہ درجہ صحیح علاج کرنا اور ہر مریض کے لئے اس کی حالت کے مطابق ٹھیک ٹھیک نسخہ تجویز کرنا انبیاء کرام کے بعد یہ مقام صرف انہی نفوسِ عالیہ کو حاصل ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے تو یہ خبر دی جو ابوداؤد میں حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے ۔ " ان اللہ یبعث لھذہ الامة علیٰ راس کل ماة سنة من یجددلھا دینھا " ۔ اللہ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایسے لوگ اٹھاتا رہیگا جو اس کے لئے اس کے دین کو تازہ کریں گے " ۔ اس حدیث کی روشنی میں کیا عمرابن عبدالعزیزؒ کے بعد اس شان کا ہر صدی کے آغاز یا اختتام پر کوئی شخص بتلایا جاسکتا ہے ؟ تاریخ تو پیش نہیں کرسکتی ۔ تو پھر کیا حدیث سے انکار کردیں گے ؟ من کا لفظ عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے من سے مراد ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور بہت سے اشخاص بھی ہوسکتے ہیں ، گروہ بھی ہوسکتے ہیں ۔ ایک ہی وقت میں بہت سے ملکوں یا مقامات پر بہت سے آدمی تجدیدِ دین کے لئے سعی کرنے والے ہوسکتے ہیں ۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ پیغمبر کی طرح وہ مجدد ہونے کا دعویٰ بھی کریں یا ان کو قوم مجدد کے خطاب سے نواز بھی دے ۔ یا پھر یہ توقع رکھنا کہ مجدد کوئی ایسا کام دنیا کے سامنے پیش کرے گا یا ایسے اصول پیش کرے گا جس میں انوکھا پن ہوگا ۔ یا کوئی خاص جدت ہوگی ۔ لوگ متجدد اور مجدد میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ایسا گمان رکھتے ہیں ۔ دین میں نئی باتیں نکالنے والا متجدد ہے اور دین میں نئی نکالی ہوئی باتوں کو خارج کرکے دین کی اصل باتوں کا پھر سے احیاء کرنے والا اور حق و باطل میں تمیز کروانے والا مجدد ہوتا ہے ۔

دوسرے شیوخ اور پیرانِ طریقت کے مقابلہ میں حضرت کے لئے یہ بات مابہ الامتیاز تھی کہ آپ کی ذاتِ واحد میں تمام سلاسل کی مابہ الامتیاز تعلیم جمع ہوگئی تھی ۔ اور یہی وجہ تھی آپ کی فکرِ رسا اور روحانی بصیرت نے ان تمام نظریوں اور افکار اور اشکال کو جو اسلام کی حقیقی روح سے ہم آہنگ نہ تھے چن چن کر مسلکِ تصوف سے خارج کردیا اور اپنی اس نسبتِ خاصہ اور فیضِ روحانی کے ذریعہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم سے آپ کو باطناً حاصل تھی بعد آنے والوں کے لئے اس دروازہ کو پھر سے کھول دیا جو عہد نبوت اور عہد صحابہ کی طرف

کھلتا ہے۔

حضرت سے قریب رہنے اور حضرت کی محبت اور چاہت لینے کی بدولت حضرت کی صحبت میں میں نے جو کچھ آنکھوں سے دیکھا، کانوں سے سنا اور ایمان سے سمجھا امکان بھر دیانت سے قلمبند کردیا ہے۔ تاہم غلطی سے مبرا ہونے کا ہرگز دعویٰ نہیں۔ بظاہر دیکھنے کو بیان صاف صاف ہے۔ عام مشاہدات اور تجربات ہیں۔ مگر ایمانی نکات اور عرفانی اشارات موقع بہ موقع ذرا نازک آگئے ہیں تا کہ پڑھنے والوں کے قلب کو قوت اور روح کو راحت، اخلاص و للہیت کے ساتھ ساتھ حضرت کی روح سے ربط قائم ہوسکے اور علم صحیح اور فیوض و برکات کے حصول کی بدولت اللہ اور اس کے رسول سے نسبت اور تعلق استوار ہونے میں مدد ملے۔ یہی ہمارا مقصدِ اصلی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت کی کہی ہوئی باطنی احوال کی باتیں جو حضرت کے ربط خصوصی، انشراح اور قلب کی کیفیت ہے یا حضرت کے مقام کی بات ہے کس طرح کوئی بیان کرے، ضبط قلم کرے، نامحرم سے کہنا بات کھونا ہے۔ جو انکار کرے اس کو ڈبونا ہے۔ جس کا دل جتنا صاف ہوگا بس اتنا عکس قلب میں آئے گا۔ مگر راز کی باتوں کو مطلقاً راز رکھنا اس کے اہل تک نہ پہنچانا اس کو حقائق سے محروم رکھنا ہے۔ حضرت کی زندگی کیا ہے، کتاب و حکمت کے دروازے کھلے ہیں، قول و فعل قرآن میں گھلے ہیں۔ صدیقؓ کے پوتے ہیں علیؓ کے نواسے ہیں۔ زندگی میں مردنی ہے۔ علم و عرفاں کے دریا موجزن ہیں۔ اور افعال سے ظاہر ہیں۔

کتاب " عبداللہ " حاضر ہے، پیش خدمت ہے۔ طالبین کے لئے خوانِ یغما ہے۔ اہل علم و فضل کے لئے خوانِ خاصہ ہے۔

وما توفیقی الا باللہ

خادمِ عبدالقدیر

ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی قدیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی کا

سلسلۂ نسب

احمد آباد سے اورنگ آباد پھر حیدرآباد میں آمد

اجداد:

صفحہ

اجداد

حضرت شاہ عبدالغفور قدس سرہ

حضرت بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی کے جدِ اعلیٰ حضرت شاہ عبدالغفور قدس سرہ خاص احمد آباد گجرات کے متوطن تھے ۔ جن کا سلسلہ نسب تئیسویں (۲۳) پشت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے شاہ صاحب (نواب قمرالدین چین قلیچ خاں) نظام الملک آصفجاہ اول مغفرت مآب کے ہم عصر تھے ۔ نہایت مقدس رہنمائے طریقت تھے ۔ آپ کو اپنے والد حضرت محمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی اجازت حاصل تھی ۔ جو حضرت شیخ حسام الدین محمد فرخ چشتی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے ۔

اس طرح شاہ عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے بیعت میں سولھواں واسطہ تھا ۔ اور یہ سلسلہ بذریعہ اجداد حضرت (بحرالعلوم) کو پہنچا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

حضرت عبدالقادر جیلانی ۔ شیخ شہاب الدین سہروردی ۔ سید محمد بغدادی ۔ شرف الدین ۔ مخدوم حسین ۔ میاں بایزید ۔ شیخ قطب ۔ شیخ سعدی ۔ شاہ صفی ۔ عبدالواحد ۔ عبدالجلیل ۔ سید اویس ۔ شیخ رکن الدین ۔ جمال الدین ۔ حسام الدین محمد فرخ چشتی ۔ محمد علی ۔ شاہ عبدالغفور ۔ صدر الصدور حکیم الحکماء شاہ عبدالقادر قادر یار خان محی الدولہ بہادر ۔ محمد علی قادر یار خان ۔ محمد فضل اللہ ۔ محمد عبدالقادر صدیقی ۔ بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی ۔

علاوہ ازیں شاہ عبدالغفور سے سلسلہ عشقیہ چینکیہ کا فیض بھی جاری تھا جو ان کو اپنے والد بزرگوار شیخ محمد علی چینکی ابن تاج الدین محمد شہید سے پہنچا ہے ۔

حضرت (بحرالعلوم) نے فرمایا کہ " ہمارے سلسلہ نسب کی ایک خوبی یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ہر بیٹا اپنے باپ سے روحانی اعتبار سے بھی فیضیاب ہے ۔ چنانچہ حضرت نے تمام سلاسل کا جو شجرہ " شجرۃ السلاسل " کے نام سے مرتب فرمایا تھا اس میں یہ سلسلہ بھی موجود ہے ۔ اس شجرہ کی طباعت بھی ۱۳۸۸ ھ میں عمل میں آچکی ہے ۔

شاہ عبدالغفور قدس سرہ نے ۴ ۔ محرم الحرام کی شب وصال فرمایا ۔ مزار گجرات میں بمقام احمد آباد اندرون شہر واقع ہے ۔ سنہ وفات کا پتہ باوجود کوشش کے نہ چل سکا ۔

آپ کے دو صاحبزادے بوقتِ وصال بقید حیات تھے ۔

(۱) مولانا حکیم شاہ عبدالقادر قادر یار خاں بہادر محی الدولہ اول ۔ (۲) مولانا حکیم محمد جعفر ، جعفر یار خاں بہادر محی الدولہ دوم ۔ (ملاحظہ ہو شجرہ)

حضرت مولانا حکیم شاہ عبدالقادر چینکی

المخاطب بہ صدر الصدور حکیم الحکماء نواب محی الدولہ قادر یار خاں بہادر

مولانا ۱۱۰۹ ہجری میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد نامور اساتذہ سے استفادہ کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں جمیع علوم معقول و منقول اور فن طب میں پورے ماہر اور فاضل ہوگئے۔ مولانا کو اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالغفور قدس سرہ سے بیعت اور خرقۂ خلافت حاصل تھا۔ چنانچہ ان کو اپنے والد و مرشد سے سلاسل علیۂ چینکیہ۔ سہروردیہ اور قادریہ سلسلے پہنچے تھے۔ نہایت خلیق اور ذی مروت تھے۔ اپنے پدرِ بزرگوار کے حد درجہ اطاعت گذار تھے۔

خواب میں دیدارِ رسول اور اورنگ آباد میں آمد

ایک روز شاہ عبدالقادر نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ "دکن میں ہدایت کی غرض سے جا"۔ مولانا تعمیل حکم نبوی پر آمادہ ہی تھے کہ آپ کے والد حضرت شاہ عبدالغفور نے اس حکم باطنی پر واقف ہوکر اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ "تم تعمیل حکم میں کیوں تاخیر کرتے ہو"۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر نے تنِ تنہا اورنگ آباد کا راستہ لیا اور شاہ مسافر صاحب کے تکیہ میں اقامت گزیں ہوئے۔ علماء سے ملاقات کرنے کا بیحد شوق رکھتے تھے۔ جب سنا کہ اورنگ آباد میں ایک عالم مولوی قمر الدین ہیں تو ان کے مکان پر پہنچے۔ اس وقت وہ میر زاہد اور قاضی مبارک کی تدریس میں مصروف تھے۔ یہ دیکھ کر مولانا خوش ہوئے۔ صحن میں کھڑے رہے اور دیر تک استاد اور شاگرد کی باہمی بحث سماعت فرماتے رہے۔ بالآخر مولوی قمر الدین سے ملاقات فرمائی۔ مولوی صاحب نے بھی حضرت شاہ عبدالقادر سے نہایت عزت و احترام سے ملاقات کی اور اپنے پاس مہمان رکھ لیا۔ ساتھ ہی شہر اورنگ آباد میں اس بات کا چرچا ہوگیا کہ ایک نئے عالم، مولوی صاحب کے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں۔ شدہ شدہ اس کی اطلاع صوبہ دار اورنگ آباد عبداللہ خاں کو ہوئی۔ اس زمانہ میں منجانب بادشاہ دکن صوبہ دار کو حکم تھا کہ اگر کوئی صاحب علم و فضل شخصیت وارد ہو تو اس کی اطلاع فوری سرکار میں ہوا کرے۔ لہذا مولانا کی اورنگ آباد میں آمد کی اطلاع شاہ دکن کو دی گئی۔ تاریخ لچھمن لال صفحہ ۲۷ پر آپ کے ورود و ملازمتِ سرکار عالی میں داخل ہونے کی تفصیل اس طرح درج ہے۔

"نواب صلابت جنگ مرحوم کے عہد میں جب کہ غفراں مآب (نظام علی خان) صوبہ داری برار کے کاموں میں مشغول تھے، عبدالقادر نامی طالب علم جید عم عزت یار خاں بندر سورت سے اورنگ آباد میں آئے اور شاہ محمود صاحب کے تکیہ میں فروکش ہوئے اور محمد غوث خاں بخشی کے ذریعہ سے برار میں آپ نے حضرت غفراں مآب کی ملازمت حاصل کی اور قضایائے لشکر کی خدمت سے سرفراز فرمائے گئے اور جب غفراں مآب، صلابت جنگ کے دیوان ہوئے تب عبدالقادر حکیم قادر یار خاں کے خطاب سے ممتاز کرائے گئے۔ اس کے بعد غفراں مآب نے اپنے عہد ریاست میں خدمت صدارت و احتساب بلدہ حیدرآباد سے سرفراز فرمایا۔

نگارستان آصفی مؤلفہ منشی التفات حسین مرحوم میر منشی رزیڈنسی تحریر کردہ ۱۲۲۸ھ صفحہ ۴۷، سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

صوبہ دار صاحب کی لڑکی سے عقد

اسی زمانہ میں صوبہ دار عبداللہ خان صاحب اپنی لڑکی کی شدید علالت کے باعث سخت پریشان تھے اطباء وقت کو لڑکی کی صحت سے نا امیدی ہو چکی تھی ۔ ایک روز مولانا ، صوبہ دار صاحب سے ملنے گئے ان کو متفکر دیکھ کر سبب دریافت کیا ۔ صوبہ دار صاحب نے مریض و مرض کے تعلق سے تفصیلات بیان کیں ۔ اس پر مولانا نے مریضہ کو ایک نظر خود بھی دیکھنے کی خواہش کی ۔ صوبہ دار صاحب نے کہا " کیا آپ کو فن طب میں بھی دخل ہے " ؟ مولانا نے جواب دیا " ہاں کچھ جانتا ہوں " صوبہ دار صاحب نے مریضہ کو دکھلایا ۔ مریضہ نے کہا " حکیم صاحب اگر میں زندہ رہ سکتی ہوں تو علاج کیجئے ۔ ورنہ بے فائدہ ہے ۔

مولانا جوان تھے ہنستے ہوئے ان کو ظرافت آمیز انداز میں فرمایا " تم زندہ رہوگی ، صحت ہوگی اور مجھ جیسا بوڑھا تم کو ملے گا " ۔ اور تشخیص کے بعد علاج شروع کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں وہ صحتیاب ہوگئیں ۔ صوبہ دار صاحب کو اپنی لڑکی کی صحتیابی سے نہایت مسرت ہوئی ۔ مولانا سے وہ واقف ہو ہی گئے تھے چاہا کہ لڑکی کا عقد جن کا نام جمیلہ بیگم تھا مولانا ہی سے ہوجائے ۔ چنانچہ مولانا نے لڑکی سے عقد فرمالیا

ایک روایت یہ بھی ہے کہ صوبہ دار صاحب کی دختر جمیلہ بیگم صاحبہ کی شادی مولانا عبدالقادر صاحب کے ساتھ نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے اصرار پر ہوئی ۔

عطائے خطابات و جاگیرات

جب نظام علی خان بہادر سریر آرائے دولتِ آصفیہ ہوئے تو مولانا کو محتسب و صدرالصدور بلدہ حیدرآباد مقرر فرماکر حکیم الحکماء، قادر یار خاں محی الدولہ بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور جاگیرات مواضع چلکو روتر کاپلی و گرم چرو اور گندم گوڑہ عنایت فرمائے ۔ جاگیر کی سند ۱۱۸۰ ھ کی ہے جس میں حکیم الحکماء کا لفظ بھی درج ہے ۔ اور ہر بادشاہ کے عہد میں اس کی تجدید بھی ہوتی رہی ۔

وصال

حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر کے حقیقی چچازاد بھائی مولوی محمد شمس الدین صدیقی منصف و مؤلف تاریخ شمسیہ کی تحریک پر جملہ حصہ داران جاگیر کی جانب سے مولانا کا سالانہ فاتحہ بھی ہوا کرتا ہے ۔ جس کے مصارف درج موازنہ جاگیر رہا کرتے تھے ۔

مولانا کے مرید و خلیفہ شاہ معین الدین صاحب نے مولانا کے وصال پر جو تاریخ منقبت کہی تھی درج ذیل ہے ۔

آنکہ سلطان واصلین بودہ ۔۔۔ ہم سراج محققین بودہ
گویم از غوث اولیاء ہرجا ۔۔۔ کہ بد او شاہ و سرور عرفا
نامِ او عبدِ قادر است عیاں ۔۔۔ چینی الاصل صاحبِ وجداں
ہفدہم از جمادی الاخری بود ۔۔۔ روز جمعہ کے انتقال نمود
صد و ہشتاد وہشت بعدِ ہزار ۔۔۔ بود از ہجر احمدِ مختار
روح اللہ روحہ ابدا ۔۔۔ بنبی والہ السعدا

صدارتِ بلدہ پر چھوٹے بھائی کی تعیناتی

مولانا کے انتقال کر جانے کا شاہِ وقت نواب نظام علی خاں بہادر کو بیحد ملال ہوا ۔ پسماندگان سے ہمدردی فرمائی ۔ چونکہ بوقت انتقال مولانا کے دونوں صاحبزادے نابالغ تھے اس لئے مولانا کے چھوٹے بھائی حکیم محمد جعفر جن کو مولانا ہی کی سفارش پر حکیم جعفر یار خاں کے خطاب سے سرفرازی ہوئی تھی ۔ مولانا کی جگہ خدمت صدارت پر فائز کیا گیا اور بعد میں محی الدولہ دوم کے خطاب سے سرفراز بھی کئے گئے ۔

اس واقعہ کے متعلق تاریخ لچھمن لال ۳۰ میں حسب ذیل تفصیل درج ہے ۔

" محمد جعفر والد عزت یار خاں نے اپنے بھائی قادر یار خاں کے پاس آکر حضرت غفراں مآب کی ملازمت حاصل کی ۔ قادر یار خاں نے اپنی بیماری میں حضور پرنور کی پیشگاہ میں سفارش کی تو حکیم جعفر یار خاں کے خطاب سے سرفراز ہوئے ۔ اور بعد انتقال قادر یار خاں کی خدمتِ صدارت حکیم جعفر یار خاں سے متعلق کی گئی ۔ اور محی الدولہ کا خطاب بھی عطا ہوا "۔

تزکِ آصفیہ میں مذکور ہے " حکیم قادر یار خاں کہ حاوی علوم صوری و معنوی بود باستقلال تعلقہ احتساب فرخندہ بنیاد سرفراز شدند " ۔

اور اسی کتاب سے پایا جاتا ہے کہ ربیع الاول ۱۱۸۲ ھ میں یہ سرفرازی ہوئی صفحہ ۱۹۵

اولاد

جمیلہ بیگم صاحبہ کے بطن سے مولانا کو دو صاحبزادے (۱) محمد علی قادر یار خاں ثانی (۲) محمد حسین قادر نواز خاں اور دو صاحبزادیاں ہوئیں ۔ دونوں صاحبزادیوں نے اپنی والدہ کے حینِ حیات انتقال کیا ۔

مولانا نے ایک نکاح اور فرمایا تھا ۔ چنانچہ منکوحہ کے بطن سے ایک لڑکی امۃ السلام بیگم تولد ہوئیں جن کو دو لڑکے ہوئے ۔

مولانا کی جملہ اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

حضرت شاہ محمد علی المخاطب بہ قادر یار خاں ثانی

حضرت مولاناشاہ عبدالقادر قادر یار خاں محی الدولہ اول کے فرزند اکبر شاہ محمد علی صدیقی چینکی المخاطب بہ قادر یار خاں ثانی ہیں ۔ ان کی عمر والد ماجد کے انتقال کے وقت صرف نو (۹) سال تھی ۔ نواب نظام علی خاں بہادر آصفجاہ ثانی کے دربار میں ابتداءً اپنے عم بزرگوار حکیم جعفریار خاں کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے ۔ اس کے بعد نواب سکندرجاہ بہادر آصفجاہ ثالث کے دربار میں بطور خود جانے لگے ۔

نواب نظام علی خاں نظام الملک آصفجاہ بہادر اور علیاحضرت تہنیت النساء بیگم نے جو مکاتیب حضرت قادر یار خاں کو لکھے تھے ان کے نقول تاریخ شمسیہ کے ضمیمہ اول میں مندرج ہیں ۔ ان سے نہ صرف حضرت قادر یار خاں کی عظمت اور قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ نظام الملک آصفجاہ اور علیاحضرت تہنیت النساء بیگم کی اس عقیدت کا بھی پتہ چلتا ہے جو ان دونوں کو حضرت قادر یار خاں اور ان کے بھائی سے تھی ۔

مسجدِ قادر یار خاں حضرت محمد علی قادر یار خاں اور ان کے برادر خرد محمد حسین قادر نواز خاں ہر دو نے مل کر محلہ پتھر گٹی میں سرِ راہ مسجد بنائی تھی جو آج بھی موجود ہے ۔ اور شاہراہ کے درمیان واقع ہے ۔ اس مسجد کی استرکاری کے لئے پیشگاہ نواب سکندر جاہ بہادر آصفجاہ ثالث سے سیپ کا چونہ بھی عطا ہوا تھا ۔

گلزار آصفیہ ۹۰ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب نظام علی خاں آصفجاہ ثانی کا مقبرہ اور جالی کی تیاری ان دونوں بھائیوں کے زیر اہتمام ہوئی تھی ۔

بیعت و خلافت حضرت قادر یار خاں رحمتہ اللہ علیہ بڑے عالم فاضل اور زبردست صاحب دل بزرگ تھے ۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم کے زیر سایہ ہوئی ۔ و نیز آبائی سلسلہ کی اجازت سے بھی سرفراز رہے ۔ مگر حضرت قادر یار خاں کے پیر بیعت و صحبت حضرت شیخ جی حالی رحمتہ اللہ علیہ ہیں ۔ جن کی نگاہ کیمیا اثر نے ان کو پروان چڑھایا اور کمال پر پہنچا دیا ۔ اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کیا ۔

سلاسلِ بیعت سلاسلِ بیعت حسب ذیل ہیں :۔

نقشبندیہ :۔ حضرت بہاء الدین محمد نقشبندؒ ۔ علاء الدین غجدوانی ۔ محمد یعقوب چرخی ۔ خواجہ عبید اللہ احرار ۔ محی الدین ۔ محمد یحیٰی ۔ امیر عبداللہ احراری ۔ میر ابوالعلا نقشبند ۔ سید دوست محمد ۔ مرزا شاہ محمد فرہاد ۔ برہان الدین ۔ محمد عزت اللہ ۔ محمد قاسم شیخ جی حالی ۔ شاہ محمد علی قادر یار خاں ۔

چشتیہ :۔ خواجہ اعظم معین الدین چشتی ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۔ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ۔ نظام الدین محبوب الہٰی ۔ سراج الدین ۔ علاء الحق والدین ۔ نور الدین نور قطب عالم ۔ شیخ حسام الدین مانکپوری ۔ احمد مانکپوری ۔ حداد مانکپوری ۔ معروف جونپوری ۔ نظام الدین ۔ عبدالرزاق ۔ نظام الدین احمد ۔ مرزا شاہ محمد فرہاد ۔ برہان الدین ۔ محمد عزت اللہ ۔ محمد قاسم شیخ جی حالی ۔ شاہ محمد علی قادر یار خاں ۔

حضرت شیخ جی حالی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ جی حالی رحمتہ اللہ علیہ کا اسم مبارک محمد قاسم تھا شیخ جی پکارنے کی وجہ شیخ زادہ انصاری ہوتا ہے ۔

قادریہ :۔ حضرت عبدالقادر جیلانی ۔ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی ۔ شہاب الدین سہروردی ۔ سید محمد بغدادی ۔ شرف الدین ۔ مخدوم حسین ۔ میاں بایزید ۔ شیخ قطب ۔ شیخ سعدی ۔ شاہ صفی ۔ عبدالواحد ۔ عبدالجلیل ۔ سید اویس ۔ شیخ رکن الدین ۔ جمال الدین ۔ حسام الدین ۔ محمد علی ۔ شاہ عبدالغفور ۔ شاہ عبدالقادر قادر یار خاں محی الدولہ اول ۔ محمد علی قادر یار خاں ۔

دلچسپ واقعہ حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ کی مریدی کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے ۔ اور سبق آموز بھی ہے ۔ حضرت قادر یار خاںؒ اپنے ایک کمسن فرزند محمد طاہر کے انتقال کی وجہ سے بے حد رنجیدہ تھے ۔ سکون قلب کی خاطر درگاہ حسین شاہ ولی میں نقل مقام کیا تھا ۔ ایک روز افسردہ دل سرِ راہ تشریف فرما تھے کہ ایک قافلہ جو شمالی ہندوستان سے آرہا تھا درگاہ کے سامنے سے گزرا ۔ اس قافلہ میں حضرت شیخ جی حالی

محفل سماع میں آپ پر وجد و حال بیحد غالب رہتا تھا اس لئے آپ کا لقب حالی ہوگیا ۔ اور دنیا آپ کو شیخ جی حالی کے نام سے جانتی ہے ۔ اصل اسم گرامی سے بہت کم لوگ واقف ہیں ۔ سنہ ولادت ۱۱۰۵ھ ہے ۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت غلام محمد تھا ۔ جو خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد میں تھے ۔ شیخ جی حالی کا مقام پیدائش قصبہ جھونجھوں (راجستان) ہے ۔ چودہ سال کی عمر میں شاہ عزت اللہ ابوالعلائی عرف میاں صاحب قبلہ سے بیعت فرمائی ۔ شاہ عزت نے اپنے وصال کے وقت آپ کو سینہ سے لگا کر نعمت باطنی کی امانت حوالے کی ۔ مرشد کی فاتحہ سیوم کے بعد مرشد کے حکم کی تعمیل میں ۱۲۰۹ھ میں بعہد نواب نظام علی خاں نظام الملک آصفجاہ دوم حیدرآباد میں رونق افروز ہوئے ۔ اور ابتداءً منڈی میر عالم کے قریب مسجد ایلچی بیگ میں قیام فرمایا ۔ بعد میں حضرت نے اردو شریف میں ایک مکان خریدا اور اس میں فروکش ہوگئے ۔ مکان کے متصل جو اراضی تھی بعد وصال اسی زمین میں تدفین عمل میں آئی ۔ سنہ وصال ۲۹ ۔ ربیع الثانی ۱۲۳۸ھ ہے ۔ آپ نے شادی نہیں کی ۔ اپنے ہمشیرزادہ سید عمر علی شاہ ابن سید ناصر علی صاحب کو آغوش میں لے کر اپنا وارث قرار دیا اور خرقہ خلافت سے سرفراز کرکے بذریعہ وصیت نامہ اپنا جانشین مقرر فرمایا ۔

حضرت خواجہ حسین شاہ ولی قدس سرہ :۔ آپ کا اسم گرامی " حسین " عرف حسین شاہ ولی کنیت " ابو عبداللہ " اور لقب نصیر الدین ہے ۔ سلسلہ نسب چھٹی پشت پر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے ۔ جو حسب ذیل ہے ۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ۔ سید شاہ محمد اکبر حسینی ۔ سید صفی اللہ ۔ سید عسکر اللہ ۔ سید صفی اللہ ثانی ۔ میاں اسد اللہ ۔ حضرت خواجہ حسین شاہ ولی ۔

والی گولکنڈہ ابراہیم قطب شاہ جب گلبرگہ گئے وہاں حسین شاہ ولی سے ملاقات ہوئی ۔ جب حضرت گلبرگہ سے گولکنڈہ تشریف لائے تو بادشاہ وقت ابراہیم قطب شاہ نے آپ کے استقبال کے لئے امراء و وزراء سلطنت کو بھیجا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ دربار شاہی میں لائے گئے ۔ آپ کے تقدس اور صاحبِ کشف و کرامات ہونے کی وجہ سے متاثر ہوکر عقیدت مندی سے اپنی لڑکی پیسر ماں صاحبہ کا بیاہ آپ سے کردیا ۔ جن کے بطن سے ایک صاحبزادہ تولد ہوا تو سلطان نے نومولود کو امام الملک کے خطاب سے موسوم کیا ۔ صاحبزادے جوان ہوئے تو ان کا رجحان امارت و حکومت کی طرف بڑھنے لگا ۔ یہ بات حضرت کو ناگوار ہوئی اور شہزادی یعنی بیوی سے ناراض ہوگئے ۔ اور اس وقت تک راضی نہ ہوئے جب تک کہ انھوں نے سابقہ شان و شوکت کو خیرباد نہیں کیا ۔ مگر افسوس اس بات کا

رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے ۔ جب ان کی نظر قادر یار خاں صاحب پر پڑی تو دیکھتے ہی فرمایا " قادر یار خاں دل لگی اس سے کرنی چاہیئے جو ہمیشہ کے لئے اپنا رفیق ہو ۔ ایسے سے محبت کرنا کیا فائدہ دے سکتا ہے جو خود فانی ہو " ۔ جب قافلہ آگے بڑھ گیا تو قادر یار خاں کو حیرانی ہوئی کہ آخر یہ صاحب ہیں کون ؟ جن سے نہ تو میں واقف ہوں اور نہ وہ مجھ سے واقف ۔ پھر میرے نام اور حالِ دل سے ان کو واقفیت کیسے ہوئی ؟ یہ سوچ کر فوراً بلدہ روانہ ہوئے اور حضرت شیخ جی حالیؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان کی بزرگی سے بیحد متاثر ہوئے ۔ اور مرید ہونے کی خواہش ظاہر فرمائی ۔ شیخ جی حالی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو ٹال دینا چاہا ۔ ان کی جانب سے جب اصرار بڑھا تو فرمایا " تم اپنے درباری لباس میں مع سامان مریدی پا پیادہ آؤ تو البتہ میں تم کو مرید کرسکتا ہوں " ۔ چنانچہ مرید صادق نے اپنی ارادت کا مظاہرہ کیا ۔ اور حسب ارشاد درباری لباس میں سر پر کشتی لے کر پاپیادہ درِ دولت پر پہنچے شیخ جی حالیؒ نے ان کو مطابق ارشاد آتا ہوا دیکھا تو فرمایا " قادر یار خاں بیڈھب پیچھے پڑے ہیں ۔ اور ہمارے امتحان میں کامل اترے " ۔ چنانچہ ان سے بیعت لی فیضانِ باطنی سے فیضیاب کیا اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز فرمایا ۔

بیعت و خلافت قادر یار خاں صاحب کو شیخ جی حالی صاحب سے جو سلسلہ طریقت حاصل ہے اس کا تذکرہ بھی گلزار آصفیہ صفحہ ۳۲۹ پر درج ہے ۔

مرتبہ ولایت حضرت قادر یار خاں قدس سرہ کے مرتبہ ولایت پر فائز رہنے اور ان کی عظمت و بزرگی کا اندازہ کرنے کیلئے صرف ایک ہی واقعہ کا تذکرہ کافی ہے ۔ جو ذیل میں مندرج ہے ۔

کرامت منجھلی بیگم صاحبہ کے فرزندان دلاور پاشاہ اور سنگی پاشاہ ، حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ کے بیحد معتقد تھے اور ہمیشہ حاضر خدمت ہوا کرتے تھے ۔ ایک روز حالت بیماری میں حضرت قادر یار خاں نے سنگی پاشاہ سے فرمایا " جس طرح ہم آپ سے زندگی میں ملتے ہیں انتقال کے بعد بھی ملیں گے ۔ سنگی پاشاہ نے عرض کیا کہ کس طرح ملاقات ہوسکے گی ؟ اور ذریعہ ملاقات کیا ہوگا ؟ فرمایا " تم اس راز کو کسی سے نہ کہنا ، شب جمعہ ہماری قبر پر آیا کرنا ہم تم سے اسی طرح ملاقات کریں گے جیسے ہم اب زندگی میں تم سے ملاقات کیا کرتے ہیں " ۔ چنانچہ بعد وصال سنگی پاشاہ شب جمعہ قبر پر جاتے ۔ قادر یار خاں قدس سرہ حسب وعدہ قبر سے برآمد ہوتے اور ملاقات فرماتے ۔ کچھ مدت

ہے کہ امام الملک عین نوجوانی میں داغ مفارقت دے گئے ۔ ابراہیم قطب شاہ کی دختر حضرت کی دوسری بیوی تھیں ۔ پہلی بیوی سے آپ کا سلسلہ اولاد چلا شہزادی کی کوئی اولاد بقید حیات نہ رہی ۔

ابراہیم قطب شاہ نے حضرت کی نگرانی میں ایک تالاب بنوایا اور اس کا نام ابراہیم ساگر تجویز کیا لیکن باوجود انتہائی کوشش کے نام نہ چل سکا اور حسین ساگر ہی مشہور ہوگیا ۔

حضرت حسین شاہ ولی کے آثار متبرکہ سے عصاء ، تلوار ، خرقہ ، اور ٹوپی آج تک محفوظ ہیں ۔

حضرت کے دو عرس ہوتے ہیں ایک آپ کے وصال کی تاریخ ۱۴ ۔ جمادی الثانی کو اور دوسرا عرس خواجہ بندہ نواز کے عرس کے موقع پر ۔ اس دوسرے عرس کا مقصد یہ ہے کہ جو حضرات بندہ نواز کے عرس میں شرکت سے قاصر رہے یہاں کے عرس میں شریک ہوکر سعادت حاصل کریں ۔ آپ کی درگاہ پر بموقع عرس شاہِ دکن نظام رابع نواب ناصر الدولہ نے بھی شرکت کی ۔

حضرت حسین شاہ ولی کی مزار اور متعلقہ مسجد قطب شاہی دور کی یادگار ہیں ۔ حضرت کی مزار کے علاوہ اندرون گنبد جو مزارات ہیں وہ محل محترمہ ، پیرماں صاحبہ ۔ اور صاحبزادہ امام الملک کی ہیں ۔ ایک خانقاہ بھی ہے جہاں دن میں حضرت کی گدی لگی رہتی ہے یہ خانقاہ سکندر جاہ بہادر کی والدہ تہنیت النساء بیگم کی تیار کردہ ہے ۔

گزرنے کے بعد دلاور پاشاہ نے اپنے چھوٹے بھائی سنگی پاشاہ سے دریافت کیا کہ آخر تم ہر شب جمعہ کہاں جایا کرتے ہو؟ سنگی پاشاہ نے ظاہر کرنے سے انکار کردیا۔ اس طرح کئی مہینے گزر گئے۔ اور ادھر سے اصرار بھی حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ مجبور ہو کر سنگی پاشاہ نے سارا راز بھائی سے بیان کردیا۔ اس تاریخ سے سنگی پاشاہ کو حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نصیب نہ ہوسکی۔

یہ روایت مؤلف تاریخ شمسیہ کو نواب تہنیت یاور الدولہ، نواب نصیر جنگ اور حضرت حبیب علی شاہؒ سے براہ راست پہنچی ہے۔ کہ اس واقعہ کو ان سہ حضرات نے خود سنگی پاشاہ کی زبانی سنا تھا۔ چنانچہ مؤلف نے اس واقعہ کو تاریخ شمسیہ صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے۔

مرض استسقاء اور وفات

حضرت قادر یار خاںؒ اپنی عمر کے آخری زمانہ میں تقریباً دو سال مرض استسقاء میں مبتلا رہے۔ ایک شب خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قادر یار خاں ہم تمہارے منتظر ہیں۔ قادر یار خاں صاحب نے عرض کی کہ سرکار دو عالم مجھ ناچیز کے لئے تشریف لائے ہیں۔ ارشاد ہوا "رحمۃ للعٰلمین کا منشاء یہی ہے"۔ انھوں نے عرض کیا "غلام حاضر ہے" نیند سے نہایت شاداں و فرحاں بیدار ہوئے۔ اپنے چچازاد بھائی نواب عزت یار خاں بہادر محی الدولہ ثالث کو طلب کیا اور اپنے تیسرے صاحبزادے مولوی محمد فضل اللہ صدیقی کے فوری عقد کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ جس کی تفصیل آگے خود ان کے حالات کے ضمن میں آئے گی۔

حضرت قادر یار خاں قدس سرہ نے ۲۰۔ ربیع الاول ۱۲۳۹ ھ میں انتقال فرمایا۔ بود علی شاہ صاحب کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

حضرت محمد علی قادر یار خاں بہادر کے انتقال پر حضرت الحاج حافظ سید غلام غوث شطاری نے حسب ذیل منظوم تاریخ وصال کہی۔

آنکہ قادر یار خانِ بے بدل — عالم و عارف ز اسرارِ ازل
بد بہ باطن در طریقت پیش رو — گرچہ در ظاہر شد از اہلِ دول
ایں چنیں زیبا روش کمتر بود — دل بیار و دست مشغولِ عمل
کرد چوں از دارِ فانی انتقال — زاں حزیں شد ہر غنی و مبتذل
بہرِ سالش آمد از ہاتف ندا — شد وفاتِ منبعِ علم و عمل
۱۲۳۹ ھ

حضرت قادر یار خاں کی پہلی بی بی کے انتقال کے بعد شمس النساء بیگم بنت خواجہ غلام سرور اکرام جنگ بہادر سے شادی کی تھی جو نواب فتح الدولہ بہادر کی پوتی تھیں اور جن کا سلسلہ نسب بتوسط امام حسن عسکری حضرت علی مرتضیٰ تک پہنچتا ہے۔ ان کے علاوہ دو منکوحات اور بھی تھیں۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

حضرت الحاج حافظ شاہ محمد فضل اللہ صدیقی قدس سرہ

ولادت حضرت محمد علی قادر یار خاں کے فرزند سوم ۔ حضرت محمد فضل اللہ صدیقی ۔ شمس النساء بیگم (بنت خواجہ غلام سرور اکرام جنگ بہادر ابن نواب فتح اللہ بہادر) کے بطن سے ہیں ۔ جن کی ولادت باسعادت ۱۲۲۰ ہجری میں ہوئی ۔

حضرت فضل اللہ صدیقی کی ولادت کے تعلق سے ایک پیش گوئی لائق ذکر ہے ۔ اللہ جس کو چاہتا ہے غیب پر مطلع فرماتا ہے ۔ حضرت قادر یار خاں رحمتہ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت شیخ جی حالی رحمتہ اللہ علیہ ایک روز خلاف عادت رات کے نو بجے تشریف لائے اور قادر یار خاں رحمتہ اللہ علیہ کو بشارت دی کہ تمہارے صلب سے ایک صالح لڑکے کا حمل قرار پانے والا ہے اور ایک شیریں انار عنایت فرمایا اور کہا کہ تم اس کو اپنی بی بی کو کھلاؤ ۔ جب یہ لڑکا تولد ہوگا تو ہم اس کا نام ابوالعلا رکھیں گے ۔ حسب ارشاد استقرار حمل ہوا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔ جب مولوی فضل اللہ صاحب تولد ہوئے تو حضرت شیخ جی حالیؒ نے ابوالعلا کے نام سے موسوم فرمایا

مولوی فضل اللہ صدیقی نے حضرت حکیم غلام حسین خان صاحب ناظم عدالت دیوانی کے زیر نگرانی تعلیم پائی ۔

حکیم صاحب ایک جید عالم ، نہایت متقی اور پرہیز گار شخص تھے ۔ مؤلف تاریخ شمسیہ نے حکیم صاحب کے حالات پر ایک مستقل رسالہ موسوم بہ " یادگارِ شمسیہ " لکھا ہے ۔ نیز حکیم صاحب کے حالات گلزار آصفیہ میں بھی مذکور ہیں ۔

حکیم غلام حسین خاں صاحب دہلی سے جب حیدرآباد تشریف لائے اور حضرت قادر یار خاں صاحب نے حکیم صاحب کے علم و فضل اور تقوے کی شہرت سنی تو ان سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے ۔ آپس میں محبت بڑھی تو ایک دوسرے کے پاس آمد و رفت شروع ہوگئی ۔ ایک روز قادر یار خاں صاحب نے حکیم صاحب سے فرمایا آپ اس طرح تنہا کب تک رہیں گے ۔ اپنے اہل و عیال کو یہیں بلوالیں تو ٹھیک رہے گا ۔ اور رہائش کی سہولت کے مدنظر اپنے مکان میں قیام کرنے کا پیشکش بھی کردیا ۔ حکیم صاحب نے قادر یار خاں صاحب کے اصرار پر اپنے اہل و عیال کو طلب کرلیا اور قادر یار خاں کے پیشکش کے مطابق ان کے مکان واقع پتھر گٹی میں فروکش ہوگئے ۔

حضرت غلام حسین خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ

حضرت حکیم غلام حسین خان صاحب بروز چہار شنبہ ۱۷ ۔ رجب ۱۱۹۲ ھ تولد ہوئے آپ کا مولد خاص دہلی ہے آپ کا سلسلہ خاندانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے آپ کے والد عبدالقادر صاحب مخاطب بہ معرفت خاں خلف میمنت خاں صاحب طبیب خاص محمد شاہ بادشاہ تھے ۔ آپ کی والدہ دردانہ بیگم تھیں ۔ آپ کو صغر سنی سے علوم کا شوق اور عبادت الہٰی کا ذوق رہا ۔ تقریباً دو ہزار کتابیں آپ کے زیر مطالعہ تھیں ۔ ان میں بیشتر کتابیں حکیم صاحب کی قلمی تھیں ۔ یا پھر کتابوں پر حضرت ممدوح کے حاشیے تھے آپ کے دولت خانہ پر صدہا آدمی جمع رہتے تھے اور انھوں نے آپ کے علوم و ہدایت پر عمل پیرا ہ کر غیر معمولی استفادہ کیا تھا ۔ حکیم صاحب مختلف علوم و فنون میں تبحر رکھتے تھے ۔ حافظ قرآن تھے ۔ نسخ و نستعلیق میں اچھا دخل تھا خوش قلم تھے ۔ تیر اندازی اور بندوق چلانے میں بھی مہارت حاصل تھی ۔

قادر یار خاں کے علم میں جب یہ بات آئی کہ حکیم صاحب کو ایک لڑکی بھی ہے تو اپنے لڑکوں میں سے جس کو مناسب خیال کریں اس سے عقد کردینے کی تحریک پیش کی اور اپنے لڑکوں کو حکیم صاحب کی خدمت میں لا کھڑا کیا۔ پہلے تو وہ مسکرائے پھر کہا "اپنے لڑکوں کو آپ بہتر جانتے ہیں" اور انتخاب قادر یار خاں صاحب ہی پر چھوڑ دیا۔ موصوف نے فرمایا بچے تو سب ہی میرے ہیں اور سب ہی الحمد للہ اچھے ہیں مگر آپ کی دامادی کے لائق میں محمد فضل اللہ کو سمجھتا ہوں۔ یہ رشتہ منظور کرلیا گیا۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد بے حد وسیع ہے۔ ان کے منجملہ چند نام یہاں پیش کردئے جاتے ہیں۔

حضرت مولوی محمد فضل اللہ صدیقی۔ محمد عبدالرحیم۔ حکیم احمد یار خاں محی الدولہ بہادر (چہارم) محمد یار خاں محی الدین۔ قطب یار جنگ۔ تہنیت یاور الدولہ بہادر۔ نواب باقر نواز جنگ بہادر۔ نواب محترم جنگ بہادر نبیرہ اعتصام الدولہ بہادر۔ حکیم میر لطف علی شفائی خاں بہادر۔ ان حضرات کو حضرت حکیم صاحب سے نہ صرف تلمذ حاصل تھا بلکہ غیر معمولی عقیدت بھی تھی۔

تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں ۱۲۲۰ھ میں برار میں آپ داخل ہوئے۔ جہاں عدالت دیوانی کی خدمت آپ کے تفویض ہوئی۔ سترہ سال تک آپ کا وہاں قیام رہا۔ اس کے بعد آپ اورنگ آباد تشریف لائے اور راجہ گوبند بخش بہادر کے پاس پانچ سو روپیہ تنخواہ پر آپ کا تقرر ہوا اور ان کے مصاحب و مقرب خاص تھے۔ راجہ گوبند بخش کو آپ سے خاص عقیدت تھی۔ چنانچہ وہ تحریر میں آپ کو "مرشدی" سے خطاب کرتے تھے۔ تقریباً دس سال اورنگ آباد میں قیام رہا پھر وہاں سے حیدرآباد تشریف لائے ابتداءً یہاں راجہ چندو لعل کے مصاحب رہے۔ ۱۲۵۲ھ میں شرف الدین صاحب کی موقوفی کی وجہ سے راجہ چندو لعل نے غلام حسین صاحب اور مولوی محمد مظہر صاحب کو عدالت دیوانی کی نظامت کے لئے منتخب کرکے پیشگاہ نواب ناصر الدولہ بہادر میں پیش کردیا۔ نواب ناصر الدولہ نے حکیم صاحب کو پسند کیا اور تقرر منظور فرماکر خلعت سے سرفراز کیا۔ خلعت میں جامہ، کمر بند، دستار عنایت ہوئی تھی۔ تادم زیست آپ عدالت دیوانی کے ناظم رہے۔ بزمانہ نظامت عدالت، سرکاری قلم دوات و کاغذ سے اپنا ذاتی لکھنے کا کام نہیں لیا۔ نہایت متشرع و پرہیزگار تھے۔ بازار کا دودھ، دہی بالائی، مسکہ اور شیرنی کبھی استعمال نہیں کیا۔

ایک وقت آپ نے ایک مقطعہ کسی شخص کا بطور تعہد چند سالہ اس کا محاصل بالمقطع قرار دے کر اس شخص سے لیا اور کچھ رقم بطور قرض حسنہ بھی دی تھی۔ جب تعہد کی مدت ختم ہوگئی تو مالکِ مقطعہ کو بالاصرار فرمایا کہ تمہارا مقطعہ واپس لے لو۔ اس شخص نے عرض کی سردست اتنی رقم نہیں ہے جس سے ادائی قرض کرسکوں۔ اس پر حکیم صاحب نے مقطعہ کا تفصیلی حساب بتلا کر فرمایا کہ ان سالوں میں تمہارے مقطعہ کا محاصل اس قدر حاصل ہوا ہے کہ ایصال شدہ رقم اس قدر زائد ہے لہذا اس کا مقطعہ اس کو واپس کردیا۔

حکیم صاحب نے ایک جیبی گھڑی نیلام میں ارزاں خریدی تھی۔ بعد معلوم ہوا کہ وہ طلائی اور بہت قیمتی گھڑی ہے۔ لہذا وہ گھڑی آپ نے مالک کو واپس دے دی اور فرمایا کہ دھوکے سے وہ گھڑی نیلام میں ارزاں آگئی ہے۔ مالک نے ہرچند اس کے لینے سے انکار کیا۔ لیکن آپ نے باصرار اس کو واپس کردیا۔

حکیم صاحب نہایت گورے، متوسط جسم اور کلاں چشم تھے۔ عمر بھر آپ نے آئینہ نہیں دیکھا۔ دستار بھی بغیر آئینہ دیکھے باندھ لیتے تھے۔ اس لئے اس کی بندش میں صفائی نہیں رہتی تھی۔ گھر میں معمولی لباس، سفید ٹوپی ململ یا جگتانی کی پہنتے۔ فواکہ میں آم بہت

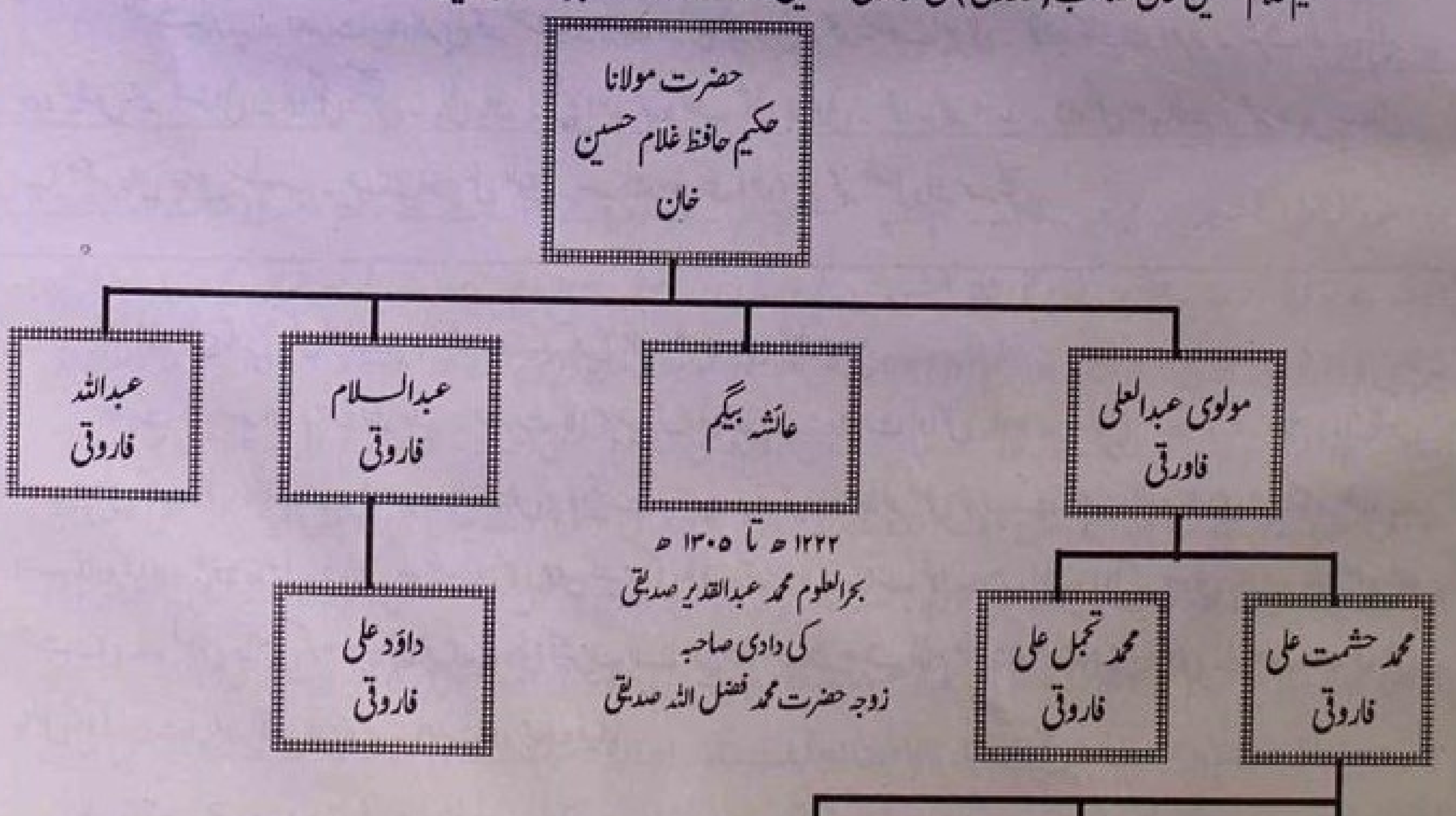
عقدِ مبارک حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے جب وہ خواب دیکھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ " قادر یار خاں ہم تمہارے منتظر ہیں " ۔ اس خواب سے بیدار ہوتے ہی مولانا نے اپنے چچازاد بھائی نواب عزت یار خاں محی الدولہ ثالث کو طلب کر کے کہا کہ " میں فضل اللہ کا عقد اسی وقت کر دینا چاہتا ہوں " انھوں نے جواب دیا " شام تک یہ کارِ خیر انجام پاجائے گا ۔ اس پر مولانا نے فرمایا " میں شام تک زندہ نہیں رہوں گا " ۔ چنانچہ حکیم غلام حسین صاحب فوری بلائے گئے اور مولوی فضل اللہ صدیقی کا عقد حکیم صاحب کی صاحبزادی عائشہ بیگم صاحبہ سے چند معززین کی موجودگی میں بہ عجلت ممکنہ کردیا گیا ۔ وداعی کی تقریب بعد میں انجام پائی ۔

مرغوب تھا ۔ اس لئے اس کے تخم دوسرے مقامات سے حاصل کر کے اپنے مقطعہ میں لگوائے تھے ۔ اور ان آموں کے نام اعزالثمر ۔ سلطان الثمر تجویز کئے تھے ۔ چنانچہ اس قسم کے آم اب تک دستیاب ہوسکتے ہیں ۔ اس وقت کے رزیڈنٹ صاحب نے اس آم کا نام " غلام حسین خاں پسند " رکھا تھا ۔ اور نہایت خواہش سے کھاتے تھے ۔

حکیم صاحب نے کالی کمان کے متصل ایک دیوڑھی خریدی تھی بعد انتقال یہ دیوڑھی ان کی صاحبزادی عائشہ بیگم صاحبہ نے خریدلی تھی ۔ بعمر ۰، سال بعد نماز صبح ۱۲ ۔ جمادی الاول ۱۲۶۲ یوم شنبہ برض ہیضہ آپ کا انتقال ہوا ۔ بعد انتقال آپ کے جسم پر مکھی نہیں بیٹھی ۔ آپ کا دفن بود علی شاہ صاحب (بودلے شاہ صاحب) کے مقبرہ کے متصل سید جعفر صاحب کے مقبرہ میں ہوا ۔ تاریخ گلزار آصفیہ کے صفحہ ۴۴۰ پر بھی آپ کا تذکرہ ہے ۔

مولوی محمد شمس الدین صاحب صدیقی مؤلف تاریخ شمسیہ نے حکیم صاحب کے حالات پر ایک رسالہ یادگارِ شمسیہ کے نام سے لکھا ہے جو مطبوعہ ہے ۔ مندرجہ بالا حالات اسی رسالہ کے اقتباسات ہیں ۔

حکیم غلام حسین خاں صاحب (فاروقی) کی اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ مندرجہ ذیل



مولوی فضل اللہ صاحب نے اپنے خسر و استاد محترم کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی ۔ حکیم صاحب نے بھی اپنے داماد و شاگرد کی تعلیم و تربیت میں کچھ فروگذاشت نہ کی ۔

میر مجلس عدالت العالیہ مولوی فضل اللہ صاحب نے خسر محترم کے علاوہ مولوی کرامت علی صاحب اور مولوی نیاز محمد صاحب سے متعدد علوم حاصل کئے ۔ حکیم صاحب کے انتقال کے بعد بلحاظ علم و فضل ، پرہیزگاری ، دیانت داری و فراست مولوی فضل اللہ صاحب ہی کو حکیم صاحب کی جگہ ناظم عدالت دیوانی مقرر کیا گیا ۔ ۱۲۸۱ ہجری میں نواب مختار الملک اول وزیر اعظم حیدرآباد نے عدالتوں کی تنظیم اور عدالت العالیہ کے قیام کا ارادہ کیا تو عدالت العالیہ کی میر مجلسی کے لئے مولوی فضل اللہ صدیقی سے بہتر اور موزوں کسی اور کو نہ پایا اور پیشگاہ اقدس و اعلیٰ میں موصوف ہی کا نام پیش کر کے منظوری حاصل کرلی ۔ چنانچہ مولانا تادم زیست میر مجلس عدالت العالیہ (Chief Justice) رہے ۔

حفظ قرآن آبائی سلسلہ کی اجازت کے علاوہ مولوی فضل اللہ صدیقی کو بیعت و خرقہ خلافت حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا ۔ اپنے پیر و مرشد کی خدمت بابرکت میں ہر روز حاضری دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ شاہ سعد اللہ صاحبؒ کی ان پر بڑی عنایت رہی ۔ اور پیر کے فیضان باطنی کا انجذاب کا فضل اللہ صاحب کو بہت موقع ملا ۔ شاہ سعد اللہ صاحبؒ کی خانقاہ سے متصل مسجد میں ہر سال ماہ رمضان المبارک میں محراب بھی سنایا کرتے تھے ۔ شاہ سعد اللہ صاحبؒ شریک جماعت رہتے اور اقتداء فرماتے ۔

سلاسل بیعت سلاسل بیعت حسب ذیل ہیں ۔

نقشبندیہ ۔ حضرت بہاء الدین محمد نقشبند ۔ علاء الدین غجدوانی ۔ محمد یعقوب چرخی ۔ خواجہ عبید اللہ احرار ۔ شرف الدین زاہد ۔ درویش محمد اسفرانی ۔ خواجگی امکنگی ۔ باقی باللہ ۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی ۔ خواجہ محمد سعید ۔ شاہ گل عبدالاحد ۔ محمد عابد سنامی ۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید ۔ عبداللہ غلام علی علوی ۔ سید شاہ سعد اللہ احمدی ۔ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

نصر اللہ خاں تاریخ دکن صفحہ ۲۸ و صفحہ ۵۰ ۔۔۔ تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۶۲۶

حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۔ حضرت کا اسم مبارک " سعد اللہ " ولادت اوائل ۱۱۹۹ ھ مطابق ۱۷۸۴ء ، اور مقام پیدائش قصبہ اچڑی ملک پکل پنجاب ہے جو سرحد افغانستان پر واقع ہے ۔ آپ کے آباء و اجداد نسلِ عرب سے تھے ۔ علوم ظاہری میں اکابر علماء سے استفادہ کیا اور عبور حاصل فرمایا ۔ مگر طبیعت کا رجحان فقیری کی طرف تھا ۔ ایک رات خواب میں اشارہ ہوا کہ " دہلی جاؤ اور غلام علی شاہ نقشبندی سے فیض حاصل کرو " ۔ چنانچہ آپ دہلی تشریف لائے اور شاہ عبداللہ عرف غلام علی شاہ نقشبندی دہلوی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر بیعت کی اور لگاتار بارہ برس ریاضت اور مجاہدہ فرمایا ۔

حضرت خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند ۔ علماء الدین عطار ۔ محمد یعقوب چرخی عبید اللہ احرار ۔ محمد شرف الدین زاہد ۔ محمد درویش ۔ خواجہ محمد کلنگی ۔ خواجہ باقی باللہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ۔ خواجہ محمد معصوم ۔ شیخ سیف الدین ۔ حافظ محمد محسن ۔ سید نور محمد بدایونی ۔ حبیب اللہ شمس الدین ۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید ۔ شاہ عبداللہ المعروف غلام علی شاہ دہلوی ۔ شاہ سعد اللہ ۔ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

چشتیہ صابریہ ۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۔ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ۔ علاء الدین صابر کلیری ۔ شمس الدین ترک پانی پتی ۔ جلال الدین عثمانی کبیر الاولیاء ۔ احمد عبدالحق ردولی ۔ شیخ احمد مصطفےٰ عارف ۔ محمد جیو عیسیٰ روحی ۔ احمد عبدالقدوس گنگوہی ۔ علامہ رکن الدین گنگوہی ۔ مخدوم عبدالاحد ۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی ۔ خواجہ محمد سعید ۔ شاہ گل عبدالاحد ۔ محمد عابد سنامی ۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید ۔ عبداللہ غلام علی علوی ۔ شاہ سعد اللہ احمدی ۔ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

قادریہ ۔ غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانی ، عماد الدین ابو نصر ۔ محمد محسن ۔ عبدالقادر ۔ سید موسیٰ ۔ احمد جیلی ۔ ابراہیم ایرچی ۔ احمد عبدالقدوس گنگوہی ۔ علامہ رکن الدین گنگوہی ۔ مخدوم عبدالاحد ۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی ۔ خواجہ محمد سعید ۔ شاہ گل عبدالاحد ۔ محمد عابد سنامی ۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید ۔ عبداللہ غلام علی علوی ۔ سید شاہ سعد اللہ ۔ محمد فضل اللہ ۔

کرامت حضرت بحر العلوم کے دادا مولانا فضل اللہ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نماز میں ہوتے ، بچے دوڑتے بھاگتے کھیلتے رہتے ۔ بعض وقت بچے کھیلتے کھیلتے مولانا کے پاس پہنچ جاتے ۔ ایک بچہ حضرت کا ایک پیر پکڑ لیتا اور دوسرے سے کہتا یہ پیر میرا ہے اور پیر کو اٹھانے کی کوشش کرتا ، مولانا دورانِ نماز پیر زمین سے اٹھالیتے ۔ دوسرا بچہ دوسرے پیر سے لپٹ جاتا اور کہتا یہ پیر میرا ہے اور پیر کو اٹھانے کی کوشش کرتا دوسرا پیر بھی زمین سے اٹھالیتے اور نماز جاری رہتی ۔ اس وقت تک حالت قیام میں رہتے جب تک بچے خود سے چلے نہ جاتے ۔

اور متعدد طریقوں نقشبندیہ ۔ مجددیہ ۔ قادریہ ۔ چشتیہ ۔ سہروردیہ ۔ اور کبرویہ کے سلوک طے کئے ۔ اور مرشد کی خلافت اور اجازت بیعت سے سرفراز ہوئے ۔ حضرت غلام علی شاہ نقشبندی کے وصال ۲۲ ۔ صفر ۱۲۴۰ھ م ۱۸۲۰ء کے بعد بغرض حج و زیارت حرمین شریفین کا سفر فرمایا ۔ بعد حج وزیارت بر بناء حکم نبویؐ جو آپ کو باطناً ہوا تھا ہندوستان واپس آئے اور ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء بزمانہ ناصر الدولہ بہادر آصفجاہ رابع حیدر آباد تشریف لائے ۔ اور مسجد الماس اندرون دروازہ علی آباد فروکش ہوئے ۔ اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا ۔ دو سال یہاں مقیم رہنے کے بعد جیون خاں قلعدار گولکنڈہ کے باغ واقع مغلپورہ میں منتقل ہوئے یہاں بھی دو سال قیام رہا ۔ اسی عرصہ میں آپ نے اردو شریف میں نواب جان کے باغ کا ایک حصہ خرید لیا ۔ اور اس حصہ میں منتقل ہو کر مستقل سکونت اختیار کرلی ۔ ابتداءً حافظ مولوی عبدالرحیم صاحب (فرزند قادر نواز خاںؒ نے جو حضرت کے مرید تھے) اسی حصہ میں ایک سفالی مسجد اور ایک حوض بنوا دیا تھا ۔ جہاں حضرت سعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجوقتہ نماز باجماعت ادا فرماتے تھے ۔ بعد میں حضرت نے اس کو پختہ اور خوبصورت مسجد میں تبدیل فرما دیا ۔ اور اپنے لئے رہائشی مکان اور مریدوں کے لئے خانقاہ بنوائی جو خانقاہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہوئی ۔ حضرت بالکل متوکل تھے ۔ ہر وقت ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے ۔ حضرت کے توکل اور استغناء کا یہ عالم تھا کہ مہاراجہ چندو لعل دیوان ریاست حیدر آباد اور دوسرے نوابوں اور امیروں نے گزر بسر کے لئے تنخواہ اور یومیہ مقرر کرنا چاہا تو حضرت نے قبول نہیں فرمایا ۔ اس قدر توکل کے باوجود ایک

حضرت (بحر العلوم عبدالقدیر) بطور اظہار تشکر فرمایا کرتے تھے ۔ " میرا ننھیال اگر اچھا ہے تو میرا دادھیال بھی اچھا ہے ۔ کیسے کیسے لوگ گذرے ہیں "۔

انتقال

حضرت مولوی فضل اللہ صدیقی کا انتقال مرض ہیضہ میں بتاریخ ۱۵ ۔ ذیقعدہ ۱۲۸۳ ھ روز جمعہ بوقت ظہر ہوا ۔ کثرت باراں کے باوجود مولانا کی تجہیز و تکفین میں خلائق کی کثرت تھی ۔

حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی گنبد کے بیرونی گوشہ میں گنبد سے ملحق مدفون ہیں ۔

مندرجہ ذیل تاریخ انتقال مولوی حافظ الحاج سید غلام غوث صاحب شطاری نے کہی ۔

حضرتِ مولوی فضل اللہ — آنکہ بد ناظمِ عدالتہا
عالم و حافظِ کلامِ حق — زاہد و متقی و مردِ خدا
زود ناحق زحق جدا میشد — پیشِ انصاف و عدل او قضا
حیف صد حیف ایں چنیں عادل — گشت پنہاں زچشم ہائے ما
بہر سالِ وفاتِ او گفتم — از جہاں رفت عادلِ یکتا

ولہ ایضا

بود جناب فضل اللہ — والہ حضرت سعد اللہ
دیدہ نہ دیدہ مانندش — عالم و حافظ حق آگاہ
میرِ عدالتہا دکن — ملک نظام آصفجاہ
خلق خدا شد از عدلش — از باطل ہا سوئے راہ
عاش تقیا فی الدنیا — حتی اذا جآء امر اللّٰہ
راح الی دار الخلد — صارلہ فیہا مثواہ
بہر سنش ہاتف گفتہ — رہنمائے فضل اللہ

" مولوی حاجی محمد فضل اللہ "۔ ۱۲۸۳ ھ

" حافظ مرحوم " ۱۲۸۳ ھ

سو نفوس مریدین و معتقدین حضرت کے دستر خوان پر ہم طعامی کا شرف حاصل کرتے تھے ۔ حضرت کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی اپنے مریدوں کو روزانہ دو وقت بعد نماز فجر اور بعد نماز عصر حلقہ بنا کر بٹھاتے اور مراقبے کی تعلیم دیتے تھے ۔ حضرت دونوں پاؤں کے معذور تھے اس لئے چل پھر نہیں سکتے تھے ۔ خاص خاص موقعوں پر جب کبھی باہر نکلتے تو اپنے کسی مرید کی پیٹھ پر سہارا لے کر نکلتے تھے ۔ شاہ صاحب اپنے وقت کے صاحب کمال بزرگ گزرے ہیں ۔

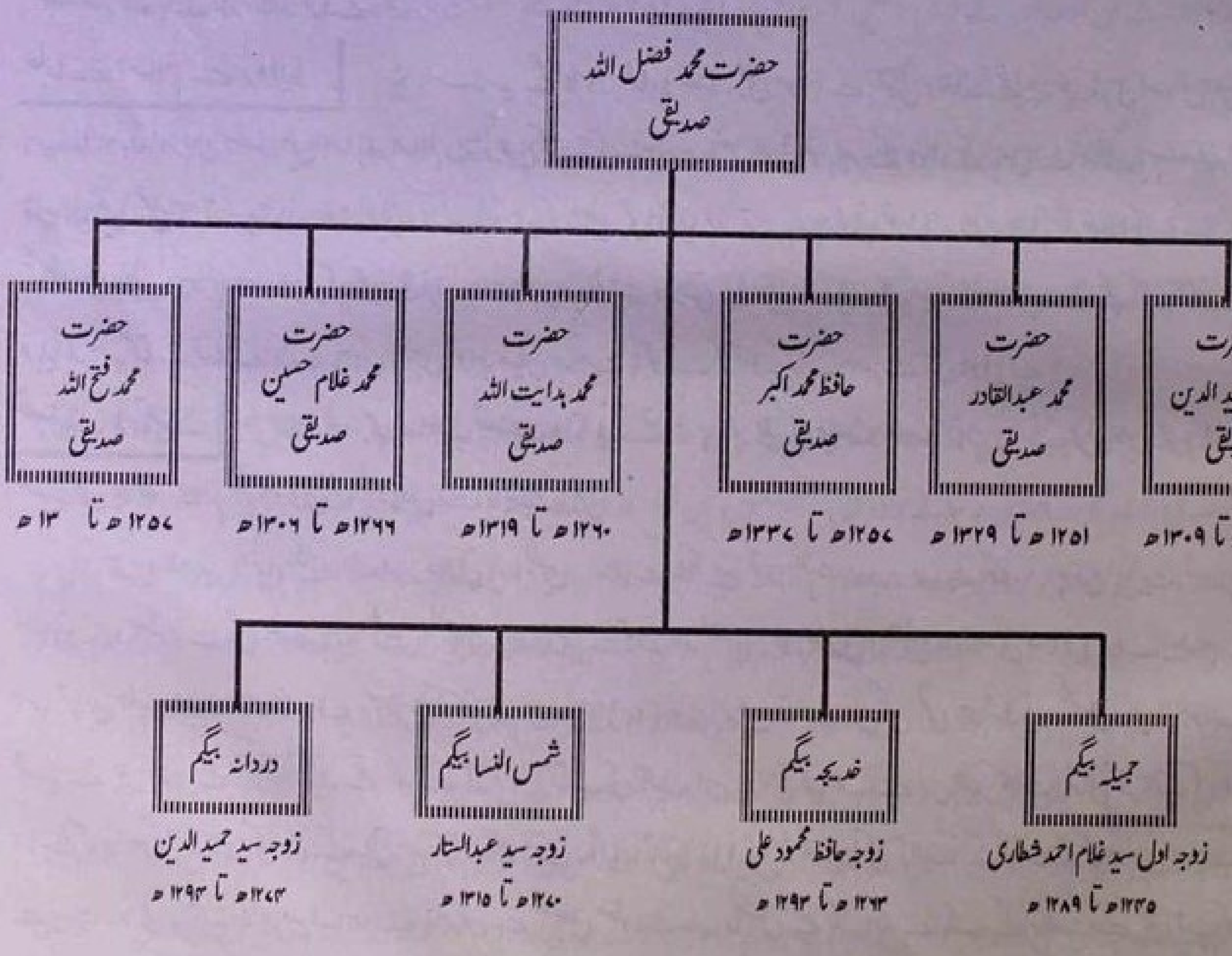
۲۸ ۔ ماہ جمادی الاول ۱۲۷۰ ھ / ۱۸۵۴ء بعہد آصفجاہ رابع انتقال فرمایا اور اردو شریف ہی میں دفن ہوئے ۔ مزار پر حضرت کے مرید و خلیفہ مولوی محمد حسین مرحوم نے عالیشان گنبد بصرفہ ذاتی تعمیر کروایا ۔ حضرت کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے ۔

سلسلہ مادری حضرت محمد فضل اللہ صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کا مادری سلسلہ حسب ذیل ہے ۔

حضرت علی مرتضیٰ ۔ حضرت امام حسین ۔ حضرت امام علی زین العابدین ۔ حضرت امام محمد باقر ۔ حضرت امام جعفر صادق ۔ حضرت امام موسیٰ کاظم ۔ حضرت امام علی رضا ۔ حضرت امام محمد تقی ۔ حضرت امام علی نقی ۔ حضرت امام حسن عسکری ۔ خواجہ ابراہیم ۔ خواجہ عبید اللہ ۔ خواجہ مودود چشتی ۔ شیخ محمد حسین ۔ شیخ محمد تاج ۔ شیخ محمد ۔ شیخ محمد حسین ۔ شیخ محمد تاج ۔ خواجہ فتح اللہ نظام بدوی ۔ خواجہ محمد عیسیٰ تاج ۔ خواجہ احمد عیسیٰ تاج ۔ محمد صدر خواجہ حسین ۔ خواجہ محمد ۔ شیخ فضل اللہ ۔ شیخ محمد ۔ شیخ فضل اللہ ۔ شیخ محمد وارث ۔ محمد فضل اللہ ۔ شیخ محمد وارث ۔ محمد فضل اللہ ۔ فتح الدولہ ۔ غلام خواجہ سرور (اکرام جنگ) شمس النساء ۔ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

حضرت محمد فضل اللہ صدیقی کو عائشہ بیگم بنت حضرت حکیم غلام حسین خان صاحب فاروقی کے بطن سے چھ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں بوقت وصال موجود تھے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔



حضرت الحاج مولانا شاہ محمد عبد القادر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد فضل اللہ صدیقی قدس سرہ کے فرزند دوم حضرت مولانا شاہ محمد عبدالقادر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ بیگم بنت حکیم غلام حسین خان صاحب فاروقی کے بطن سے ہیں۔ ولادت ۹۔ ربیع الآخر ۱۲۵۱ ہجری میں ہوئی۔

ذوق تعلیم و مطالعہ ابتدائی تعلیم اپنے برادر اکبر محمد حمید الدین صدیقی کے ساتھ مولوی عبداللہ خان صاحب سے پائی۔ مولانا کے اساتذہ میں مولوی محمد زماں خاں صاحب شاہجہاں پوری، مولوی نیاز محمد صاحب اور حضرت مولانا شاہ فضلِ رسول رحمۃ اللہ علیہ قابلِ ذکر ہیں۔ جن سے مولانا نے علوم مشرقیہ کی تعلیم حاصل کی۔ بالخصوص حدیث، فقہ اور تفسیر کی تکمیل کی۔

مولانا کو حصولِ علم کا ذوق اور مطالعہ کتب کا بے حد شوق تھا۔ رفتہ رفتہ اتنی کتابیں خریدیں اور فراہم کیں کہ مختلف علوم و فنون پر حاوی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا۔ جس میں نایاب اور بیش قیمت کتابیں تھیں۔ چنانچہ ایک بڑے کتب خانہ کی شکل پیدا ہوگئی۔

مولانا کے برادر نسبتی حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے یہاں بھی بڑا کتب خانہ تھا پھر بھی وہ مولانا کے کتب خانہ سے کتابیں مستعار لے جاتے اور مطالعہ فرماتے تھے۔

علمائے اسلام سے روابط بلا د اسلامیہ کے نامور علماء و فضلاء بھی مولانا سے بخوبی واقف تھے چنانچہ شرعی مسائل میں اشکال پیدا ہوجاتا اور اس سلسلہ میں علمائے اسلام سے رجوع کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی تو باہر کے علماء کے پاس سے مختلف استفتاء مولانا کی خدمت میں بھی آتے رہتے اور مولانا اپنی رائے سے ان کو مطلع بھی فرمایا کرتے۔ جب کوئی تصنیف شائع ہوتی تو مولانا کی خدمت میں بھی بھیجی جاتی۔ چنانچہ حضرت کے چھوٹے فرزند مولانا محمد عبدالمقتدر صدیقی نے فرمایا " ایک دفعہ میرے والد ماجد نے مجھے ایک کتاب دے کر فرمایا کہ " یہ کتاب تمہارے بڑے ماموں (یعنی خواجہ میاں صاحب) کو دے کر کہو یہ کتاب مصر سے آئی ہوئی ہے "۔

تصنیف و تالیف مولانا خود بھی صاحب تصنیف و تالیف تھے۔ چنانچہ ان کی مؤلفہ و مصنفہ کتابیں حسب ذیل ہیں جن کا ذکر تاریخ شمسیہ میں موجود ہے۔ مگر افسوس کہ یہ کتابیں اب ناپید ہیں۔

تذکرہ قادریہ۔ چہار گلزار شہداء۔ منازل السالکین۔ مقامات شاکرین تحفہ نقشبندیہ۔ صد پند نعمان۔ چراغ ہدایتِ نسوان۔ گوہر مقصود۔ رد معقولات مجمع الحسنات۔ شمس الضحیٰ۔ بدرالدجیٰ۔ تحفۃ العاشقین۔ نور الہدیٰ۔ تبلیغ الاحکام فی مسائل آداب الطعام۔ کوکب آسمانجاہی المعروف بہ موئد الاحناف، آخر الذکر کتاب سترہ (۱۷) جلدوں میں ترتیب دی گئی تھی جو تشنۂ تکمیل رہی۔ مؤلفِ تاریخ شمسیہ نے جو مولانا کے حقیقی بھتیجے تھے لکھا ہے کہ " اس کتاب کی تالیف میں مولوی صاحب نے اس قدر محنت اٹھائی کہ آپ کی بصارت نہایت کمزور ہوگئی۔ جس کی وجہ سے باقی حصہ کتاب کا ملتوی رہ گیا۔ تاریخ ہذا (تاریخ شمسیہ) کی ترتیب کے وقت مجھ کو مولوی صاحب مرحوم سے بہت مدد ملی۔ آپ کو نہ صرف ہمارے خاندان سے متعلق معلومات عامہ حاصل تھے بلکہ ہمارے ملک کے حالات سے بھی آپ کو پوری واقفیت حاصل تھی "۔

کتاب " موئد الاحناف " کی ایک نقل رہ گئی ہے۔ جو ترکہ میں آدھی کتاب حضرت بحرالعلوم کے حصہ میں آئی اور آدھی کتاب مولانا عبدالمقتدر صاحب صدیقی کے حصہ میں گئی۔

تاریخ شمسیہ ۵۲

مولانا عبدالمقتدر صاحب کے فرزند اکبر محمد عبدالغفور صدیقی مرحوم نے خود بیان کیا تھا کہ "حیدرآباد کے ایک اسکالر دوران تعلیم یا دوران تحقیقات علمیہ جرمنی پہنچے تو جرمنی کے کتب خانہ میں ایک شوکیس میں بڑے اہتمام سے ایک ضخیم کتاب رکھی دیکھی ۔ تعارفی کارڈ کو دیکھا تو کتاب کا نام "کوکب آسمانجاہی" المعروف بہ موید الاحناف " مؤلفہ مولانا محمد عبدالقادر صدیقی لکھا ہوا تھا ۔ اور صراحت میں یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ کتاب حیدرآباد انڈیا کے ایک زبردست عالم کی مرتب شدہ اور خود ان کی قلمی ہے "۔

نہ معلوم وہ کتاب یہاں سے کس طرح غائب ہوئی اور شدہ شدہ جرمنی کے کتب خانہ میں کیونکر پہنچی ۔ اس بات کو سننے کے بعد اتنا تو اندازہ ہوا کہ باہر کے لوگوں میں علم اور علماء کی کس حد تک قدردانی ہے ۔

مزاج ، شخصیت ، فنونِ سپہ گری مولانا کو فنون سپہ گری میں بھی کافی دسترس تھی ۔ نہایت شجیع اور بہادر تھے ۔ ہاتھ میں تلوار ہمیشہ مسلح ، مرد مجاہد ، بارعب چہرہ ، متاثر کن شخصیت ، بڑی سے بڑی طاقت مولانا کی نظروں میں ہیچ تھی ۔ صاحبانِ ثروت اور امرائے وقت کو خاطر میں نہ لاتے ۔ حق بات کہہ دینے میں بڑے بے باک ۔ کسی کی امارت کی پروا کئے بغیر حق بات منہ پر کہہ دیتے ۔ مزاج میں گرمی تھی ۔ مولانا کے ان اوصاف نے جہاں انھیں فائدہ پہنچایا وہیں خود ان کے لئے نقصان کا باعث بھی ثابت ہوئے ۔ چنانچہ آنے والے واقعات سے اس کا بخوبی اندازہ ہوگا ۔

اپنے والد بزرگوار کی موجودگی ہی میں نواب سر سالار جنگ بہادر سے اپنے امور شخصی طور پر بلاواسطہ خود طے کرلیا کرتے ۔ نواب صاحب کو مولانا کی ہمت و شجاعت اور مستعدی بہت پسند تھی ۔ وہ اس بات کے متلاشی تھے کہ کوئی مناسب خدمت مولانا کے تفویض کی جائے ۔ چنانچہ جب حالاتِ سلطنت کے مدنظر محکمہ قضایائے عروب کے قیام کی ضرورت لاحق ہوئی تو مولانا ہی کو اس محکمہ کا ناظم مقرر فرمایا ۔

مولانا کے اجلاس پر قتل کے مقدمات پیش ہوتے ۔ ان مقدمات کی سماعت کرنا ، فیصلہ دینا ، اور مطابق فیصلہ عمل آوری کروانا مولانا کے حصہ کی بات تھی ۔ اجلاس پر جاتے تو دونوں جیبوں میں لوڈ کئے ہوئے پستول ساتھ رہتے ۔ بھرے اجلاس پر بعض وقت دورانِ سماعتِ مقدمہ یا بموقع فیصلہ مجرمین کی جانب سے مولانا پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے ۔ باوجود اس کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ آسکی ۔ عروب کی جہالت محتاج بیان نہیں ۔ مولانا نے نہایت جرأت اور بہترین صلاحیت کا مظاہرہ کیا ۔ سرپھرے اور حددرجہ بے قابو عروب کو مطیع کیا ۔ ان سربکف جاہل عربوں کو جو ذرا ذرا سی بات پر لڑنے بھڑنے اور مارنے مرنے پر تل جاتے تھے اپنے اثر سے قابو میں کیا ۔

ایک خاص واقعہ یہاں ایک واقعہ قابل ذکر ہے جس سے مولانا کی شجاعت ، دلیری ، مردانگی اور بلند حوصلگی کا ثبوت ملتا ہے ۔

عبداللہ بن علی جمعدار جو قبیلہ عولق کے سرداروں میں سے تھا ۔ اور جس کی دیوڑھی قاضی پورہ میں واقع تھی ، اس کے ماتحت ہزار سے زائد عروب تھے ۔ جن میں سے ہر روز دو سو عروب پہرہ پر حاضر رہا کرتے ۔ ایک مرتبہ جمعدار مذکور نے ایک قاتل کو پناہ دی ۔ حکومت نے قاتل کو طلب کیا ۔ اس نے حوالہ کرنے سے انکار کردیا ۔ بہت کوشش کی گئی مگر بے سود ۔ اس پر زیادہ سختی عروب کے اشتعال کا باعث بنتی ۔ مصلحت سے کام نکالنے کی غرض سے یہ مہم مولانا کے سپرد کی گئی کہ مولانا قاتل کو جمعدار کی تحویل سے حاصل کرکے حکومت کے

حوالے کردیں ۔ چنانچہ مولانا اس کی دیوڑھی پر گئے اور اپنے آنے کی اطلاع کرائی ۔ جمعدار نے مولانا کو دیوڑھی میں بلایا ۔ مولانا تنہا اس کے پاس پہنچے ۔ اچانک اور بے وقت آنے کا سبب پوچھا ۔ مولانا نے ارشاد فرمایا " میں قاتل کو تمہاری تحویل سے گرفتار کر کے لے جانے آیا ہوں " اتنا سننا تھا کہ وہ لال پیلا ہوگیا ۔ پھر طنزیہ ہنسا اور درشت لہجہ میں کہا " بھلا عبداللہ بن علی کی دیوڑھی سے گرفتار کر کے لے جانے کا کس میں حوصلہ ہے "۔ اور اشارہ سے پہرہ کے عروب کی طرف مولانا کو متوجہ کیا ۔ مولانا نے دیکھا کہ دو سو عرب مولانا کا محاصرہ کئے کھڑے ہیں اور بندوقوں کی نالیاں مولانا کی طرف ہیں ۔ مولانا پر فائر کرنے صرف حکم کی دیر ہے ۔ مولانا نے نہایت لا پروائی اور حقارت سے ان کی طرف دیکھا اور جذبہ میں آکر جمعدار سے کہا " میں ایسی باتوں سے گھبرانے والا نہیں ۔ میں بادشاہ کا نمک خوار ہوں ۔ اس کو یہاں سے لئے بغیر نہ جاؤں گا ۔ عبداللہ بن علی مولانا کے خسر محترم حضرت بادشاہ میاں صاحبؒ کا بے حد معتقد تھا ۔ مولانا کی ہمت ، عزم اور استقلال دیکھ کر کہنے لگا ۔ کیا کروں بادشاہ میاں کی صورت آڑے آرہی ہے کیونکہ آپ ان کے داماد ہیں ۔ قاتل کو مولانا کے حوالے کردیا ۔ مولانا نے وہیں اس کو ہتکڑی پہنائی اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس کو دیوڑھی سے باہر لے آئے اور حکومت کے حوالے کردیا ۔

اسی قبیل کے کتنے ہی خطرناک موقعوں پر مولانا نے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر وہ حیرت انگیز کام انجام دیئے کہ شاہ و گدا سب نے آفریں و مرحبا کی صدائیں بلند کیں ۔ رعایا امراء اور عہدہ دارانِ ریاست کی نظروں میں مولانا کا مرتبہ بہت بلند ہوگیا ۔

خدمت سے سبکدوشی ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مدار المہام سرکار عالی سے کسی بات میں مولانا کا شدید اختلاف ہوگیا ۔ بات آگے بڑھ گئی ۔ ادھر کرسی حکومت کا زور اور ادھر استغناء و بے باکی کا مظاہرہ بات بگڑتی گئی نوبت بہ اینجا رسید کہ مولانا کو طبیعت کے غصہ کی بناء پر خدمت ہی سے ہاتھ دھونا پڑا ۔ مدار المہام کے عہدہ کے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکومت نے ۱۲۹۰ ہجری میں مولانا کو خدمت سے سبکدوش کردیا ۔ مگر ساتھ ہی ان کی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے سرکار کی جانب سے ماہانہ دو سو چلنی منصب ان کے فرزندوں کے نام اجراء کردیئے گئے ۔

سفرِ حرمین شریف خدمت سے ہٹنے کے بعد مولانا کی ساری توجہ تصنیف و تالیف اور خدمتِ دین کی طرف منعطف ہوگئی ۔ چنانچہ جب خوشدامن صاحبہ (محل مبارک حضرت میر پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی) اپنے شوہر کے وصال کے بعد دوسری مرتبہ اپنے فرزند اکبر حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے ہمراہ عازم سفر حرمین شریفین ہوئیں تو اس سفر میں حضرت خواجہ محبوب اللہ کی اہلیہ محترمہ اور برادرِ خورد حضرت سید عمر قادری " بہن اور بہنوئی (یعنی مولانا محمد عبدالقادر صدیقی) اور دونوں خرد سال صاحبزادگان یعنی حضرت بحرالعلوم اور مولانا محمد عبدالمقتدر صدیقی سفر میں ساتھ ہوگئے ۔ مولوی محمد فتح اللہ صدیقی بیان فرماتے ہیں کہ صغر سنی سے ہی اپنے برادر محترم مولانا محمد عبدالقادر صدیقی کے زیر پرورش تھا اس لئے اس سفر میں بھی ساتھ تھا ۔

سلاسلِ بیعت و خلافت مولانا محمد عبدالقادر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو حسب ذیل شیوخ سے مختلف سلاسل میں بیعت و خلافت حاصل تھی ۔

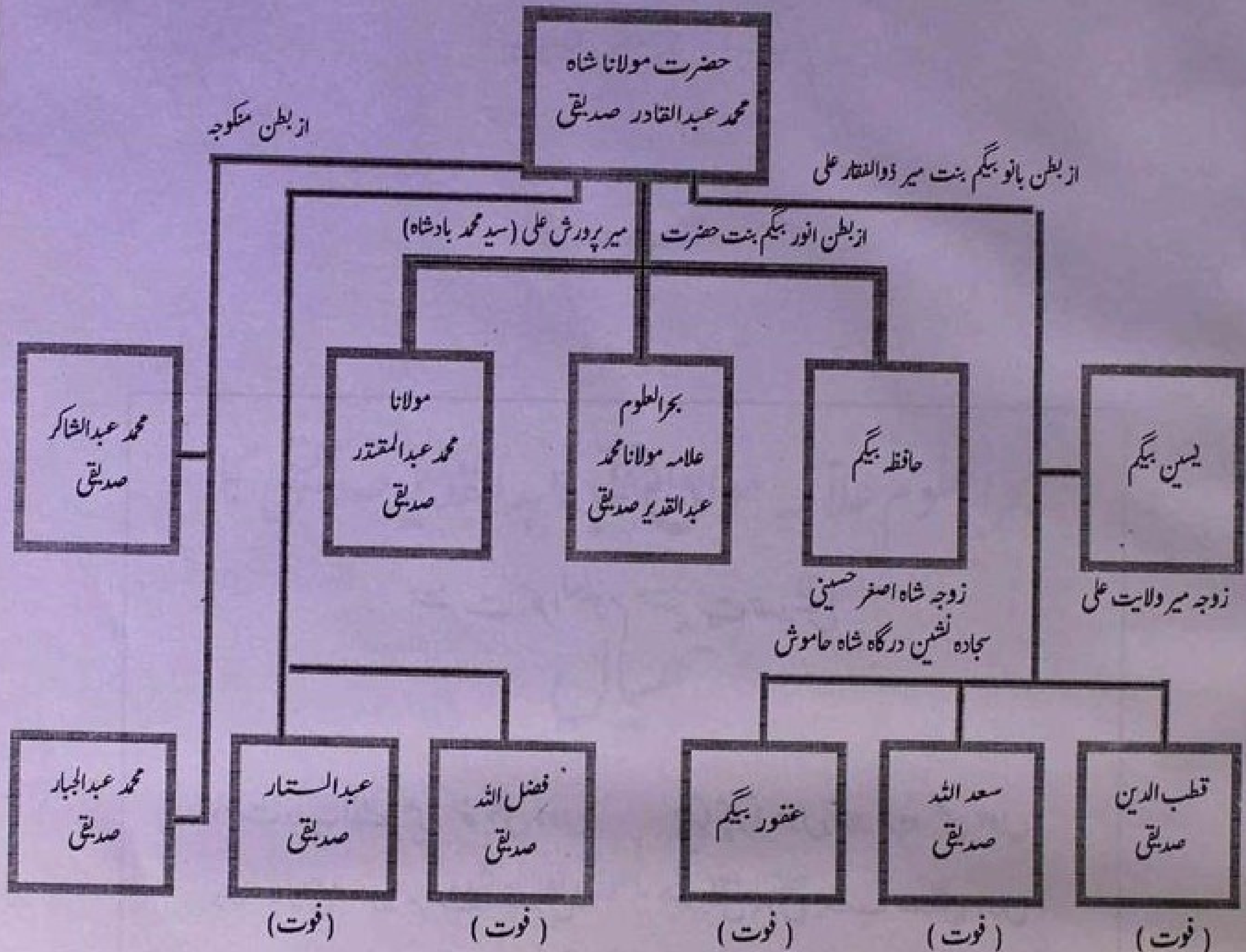
۱ ۔ والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

۲ ۔ حضرت شاہ فضلِ رسول صاحبؒ (مولانا کے استاد بھی تھے)

۳ ۔ حضرت سید شاہ سعد اللہ صاحبؒ ۔ ۴ ۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ (بزمانہ حج)

وصال و تدفین مولانا کا وصال ۳ ۔ ذی الحجہ ۱۳۲۹ ہجری کو ہوا ۔ آپ کے داماد حضرت سید شاہ اصغر حسینیؒ کے منشاء کی بناء پر احاطہ درگاہ شاہ خاموشؒ میں مدفون ہوئے ۔

مولانا کی جملہ اولاد کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شجرہ مندرجہ ذیل ۔



رباعی

حضرت بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ

دست رب العلےٰ میں کٹھ پتلی ہوں چلتا پھرتا ہوں اور مردہ بھی ہوں
دادا صدیقؓ اور مرشد صدیقؒ صدیقی ہوں جناب صدیقی ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحرالعلوم علاّمہ مولانا محمدؐ عبدالقدیر صدیقی کا

ننھیال

حضرت کے ماموں اور مرشد

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے

خاندان کی خدمات

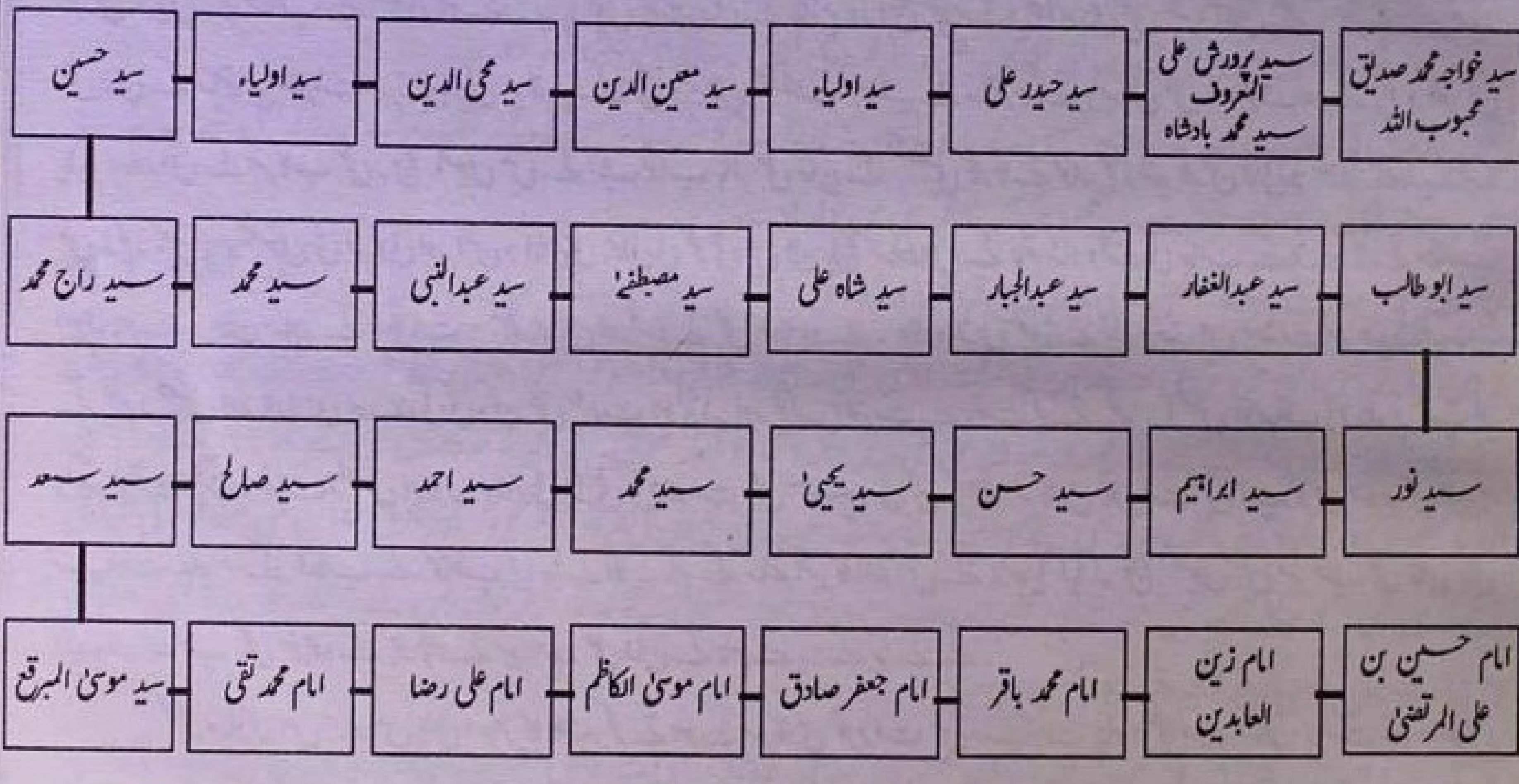
ننھیال صفحہ

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ کے جدّ اعلیٰ کی ہند میں آمد

حضرت خواجہ محمد صدیق قدس سرہ کے جد اعلیٰ حضرت سید محی الدین قدس سرہ ۔ بعہد اورنگ زیب عالگیر بغداد سے واردِ ہندوستان ہوئے اور ایک عرصہ تک آپ کا خاندان برہان پور میں مقیم رہا ۔ چنانچہ حضرت سید محی الدین قدس سرہ کے پوتے حضرت سید اولیاء ابن سید معین الدین قدس سرہ کا مزار مبارک برہان پور میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ جو مقبرہ سید اولیاء کے نام سے مشہور ہے ۔ اور ہر سال بڑے پیمانہ پر عرس بھی ہوتا ہے ۔

حضرت سید محی الدین کا سلسلہ نسب بیس واسطوں سے امام محمد تقی تک پہنچتا ہے ۔ اس طرح حضرت خواجہ سادات حُسینیہ سے ہیں ۔

شجرہ نسبی حسب ذیل ہے ۔



حضرت خواجہ کے جدِ امجد کی برہان پور سے دکن میں آمد

حضرت خواجہ محمد صدیق کے جد امجد حضرت میر حیدر علی ابن سید اولیاءؒ عربی اور فارسی کے جید عالم اور صاحب دل بزرگ تھے۔ ان کو ورثہ میں علم و فضل اور تقویٰ اور طہارت کے ساتھ ساتھ شجاعت و سخاوت کے جوہر بھی ملے۔ بڑے بہادر تھے۔ اور فنون سپہ گری میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

برہان پور سے دکن میں طلبی دشمنانِ سلطنت آصفیہ کی سرکوبی کے لئے اطراف و اکناف سے مسلمان بہادر افسر لے جانے لگے تو والی دکن نواب میر نظام علی خان نے حضرت میر حیدر علی خان کو برہان پور سے طلب فرمایا۔ ان کے ساتھ خاندان پنج بھیا بھی واردِ دکن ہوا۔ پنج بھئیوں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان میں چار حقیقی بھائی حضرت زید شہید بن سیدنا امام زین العابدین کی اولاد سے تھے۔ اور ایک ان چاروں کے دوست تھے۔ جن سے کوئی نسبی تعلق نہ تھا صرف آپس کے برادرانہ تعلقات کی وجہ سے (پنج بھئیے) پانچ بھائی سمجھے جاتے تھے۔ اور پنج بھیوں کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ یہ پانچوں تختِ دہلی کے ملازم اور اپنی شجاعت و جوانمردی میں شہرہ آفاق تھے۔ حضرت میر حیدر علی خان کے ساتھ یہ حضرات سرزمین دکن پر قدم رکھتے ہی دشمنانِ سلطنتِ آصفیہ کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف ہوگئے فتح و ظفر ان پانچ بہادروں کے ہمرکاب تھی۔ پنج بھیوں میں کے ایک نواب باقر علی خان کے تفصیلی کارنامے تواریخ رشید الدین خانی و گلزار آصفیہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ دشمنوں کی سرکوبی اور امن و امان کی بحالی کی خوشی میں ان پانچ بہادروں کے نام شاہ وقت کی جانب سے بڑے بڑے مناصب اجراء ہوئے۔ خان بہادر کے خطابات، سلحداریاں اور میانے بھی عطا ہوئے۔ علاوہ ازیں تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت میر حیدر علی خان کے علم و فضل اور خدارسی اور بزرگی کی دکن میں شہرت ہوگئی۔ اور لوگ حضرت سے بیعت کرنے لگے۔ انھیں اوصاف کی بناء پر آپ کو ولیعہد وقت شہزادہ نواب افضل الدولہ بہادر کی اتالیقی کی خدمت بھی سپرد کی گئی۔ اور سرکاری تحریرات میں آپ کو میر حیدر علی اکبر" سیادت پناہ" کے خطاب سے مخاطب کیا جانے لگا۔ نام کے ساتھ اکبر کا لفظ اس لئے بڑھایا گیا کہ پنج بھیوں میں میر حیدر علی خان نامی ایک اور صاحب بھی موجود تھے جو چھوٹے میر حیدر علی خان کے نام سے یاد کئے جانے لگے۔

مخفی مباد کہ اس زمانہ میں ذاتی اعزاز کا اعتبار کرتے ہوئے سرکاری تحریرات میں سیادت پناہ، شجاعت شعار، رفعت پناہ، حقائق آگاہ جیسے خطاب سے صاحبان فضل و کمال کو مخاطب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اور بھی حضرات سیادت پناہ کے خطاب سے مخاطب کئے جاتے تھے۔

حضرت کو بیعت و خلافت سلسلہ عالیہ قادریہ، نقشبندیہ ورفاعیہ میں اپنے والد ماجد سے تھی۔

وصال ۲۰ جمادی الاخری ۱۲۵۸ ہجری کو واصل بحق ہوئے۔ حضرت کا مزار قریب درگاہ حضرت برہنہ شاہؒ، مقبرہ حضرت سید عبداللہ شہید واقع ہے۔ جو مقبرہ شہداء کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت عبداللہ شہیدؒ اور حضرت میر حیدر علی خاںؒ کا مزار ایک ہی چبوترہ پر واقع ہے۔

اولاد آپ کی زوجہ محترمہ الفت النساء بیگم بنت سید باقر علی خاں ابن سید غلام حسین خاں شہید تھیں۔ جن کے بطن سے آپ کے بوقت وصال ایک صاحبزادہ میر پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی اور ایک صاحبزادی وقار النساء بیگم بقید حیات تھے۔

ملاحظہ ہو شجرہ

حضرت میر پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی المتخلص بہ شاہ

حضرت میر حیدر علی خاں قدس سرہ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادہ میر پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی اپنے والد کے جانشین ہوئے ۔ یہ بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح متقی و پرہیزگار تھے ۔ اس لئے مناصب اور سرکاری اعزازات کی برقراری کے ساتھ ساتھ شہزادہ صاحب کی اتالیقی کی خدمت پر بھی اپنے والد کی جگہ فائز کئے گئے ۔ اس خدمت کو انھوں نے ایک عرصہ تک انجام دیا ۔ جب ارض مقدس حجاز کا سفر کیا اور دربار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو اتالیقی کی خدمت سے یہ کہہ کر مستعفی ہوگئے کہ " ایسی بڑی سرکار میں ہاتھ باندھنے کے بعد اب میں کسی اور کے سامنے ہاتھ باندھنا نہیں چاہتا " ۔ اور گوشہ نشینی اختیار فرمائی ۔

وظیفہ سرکار نواب افضل الدولہ بہادر نے اپنے دور حکومت میں حضرت کی گزر بسر کے لئے از خود کچھ وظیفہ مقرر فرما دیا تھا جس کو حضرت نے قبول فرمالیا اور قوت بسری کے لئے اسی وظیفہ پر اکتفاء کیا ۔ اس طرح فکر معاش سے آزاد ہوکر مجاہدات ، عبادات ، خلق اللہ کی خدمت وابستگان سلسلہ کی روحانی تربیت اور تشنگانِ علم و معرفت کی فیض رسانی میں مصروف ہوگئے ۔

حج وزیارت حضرت سید محمد بادشاہ حسینی نے بارہ یا تیرہ حج وزیارت کا شرف حاصل فرمایا ۔ ایک مرتبہ مع زنانہ بھی تشریف لے گئے تھے ۔ چنانچہ ایک صاحبزادہ حضرت سید محمود مکی مکہ معظمہ ہی میں تولد ہوئے ۔

لیاقت حضرت بادشاہ حسینی عربی ادب میں فرد فرید اور فارسی کے بہترین انشاپرداز تھے عربی اور فارسی میں بے تکلف گفتگو فرماتے تھے ۔ اس زمانے میں دکن میں عربوں اور سدیوں کی کثرت ہوگئی تھی ۔ کیونکہ شاہانِ وقت کو انھیں ملازم رکھنے کا بے حد شوق تھا ۔ چنانچہ یہاں کے عربوں اور سدیوں کا سب سے بڑا جمعدار عبداللہ بن علی مدبر جنگ تھا جو قبیلہ عولق کے بڑے سرداروں میں سے تھا ۔ اس کے متعلقین اور ماتحتین کی تعداد کم و بیش ایک ہزار تھی ۔ قاضی پورہ کے جانبِ غرب بیج بھیوں کی اولاد مقیم تھی ۔ اور شمال مغرب میں سکھ قوم کی آبادی ترقی کرگئی تھی ۔ درمیانی حصہ میں عبداللہ بن علی مدبر جنگ مع عربوں اور حبشیوں کے ساتھ مقیم تھا ۔ اس سے یہ حصہ عرب کا ایک خطہ نظر آتا تھا ۔ اس طرح قاضی پورہ جنگجو اقوام کا مرکز بنا ہوا تھا ۔

قاضی پورہ میدانِ کارزار عرب اور بیج بھیے حضرت سید محمد بادشاہ حسینی سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور ان میں سے اکثر کو آپ سے بیعت حاصل تھی ۔ جب کبھی ان جنگجو اقوام میں فساد برپا ہوتا تو اس سے تمام شہر خطرے میں پڑجاتا ۔ ان میں باہم تصفیہ کے لئے حضرت ہی مقرر ہوتے اور ایک فریق کو سمجھا بجھا کر فساد کو دفع فرمادیتے ۔ اس زمانہ میں سب سے بڑا فساد سکھوں اور عربوں کے درمیان برپا ہوا ۔ جس میں فریقین کی بہت ساری جانیں تلف ہوئیں ۔ کہتے ہیں کہ یہ جھگڑا نماز کے وقت باجا اور گھنٹے بجانے پر شروع ہوا عربوں نے سکھوں کو بہت کچھ فہمائش کی مگر انھوں نے اپنی کثرت کے گھمنڈ میں ایک نہ مانی ۔ اطراف و اکناف سے سکھ جمع ہونے لگے آخر لڑائی چھڑ گئی ۔ عربوں نے حضرت کو اپنا قائد مقرر کیا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت حرب کرکے سکھوں کے مقابلہ میں آکھڑے ہوئے ۔ ان ہر دو مسلح قوموں میں سخت معرکہ آرائی ہوئی ۔ آخر میں سکھوں نے شکست کھا کر بھاگنا شروع کیا اور عربوں نے تعاقب کیا ۔ قاضی پورہ اور شاہ علی بنڈہ کے محلے میدانِ کارزار بن گئے ۔ ہر طرف لاشے پھڑکتے نظر آنے لگے ۔ بالآخر عربوں کو فتح نصیب ہوئی ۔

حضرت نے اپنے وقت میں بہت ساری ملکی و قومی خدمتیں انجام دیں ۔ اس زمانے کے طبقۂ علماء و مشائخین میں بہت ممتاز تھے ۔ سَرزمینِ دکن میں کون تھا جو حضرت کے اسمِ گرامی سے واقف نہ تھا ۔

درسِ تفسیر و حدیث حضرت بادشاہ حسینی کے حلقہ درسِ تفسیر و حدیث میں جو روزانہ بعد نمازِ فجر ہوا کرتا تھا عربوں کی کثیر تعداد حاضر رہا کرتی اور حضرت ان کو عربی میں تفہیم فرماتے عربوں میں حضرت کی مقبولیت کا اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جمعدار عبداللہ بن علی بھی حضرت کے بے حد متعقد تھے ۔ ان کی عقیدت کی یادگار " مسجد النور " حضرت کے دولت خانہ سے متصل آج بھی موجود ہے ۔

مسجد النور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن علی جمعدار نے خواب میں دیکھا کہ اپنی ڈیوڑھی کے شرقی جانب زمین سے آسمان تک ایک نورانی ستون کھڑا ہوا ہے ۔ صبح کو بیدار ہوتے ہی انھوں نے حضرت کو بلاکر خواب بیان کیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ وہاں ایک مسجد تعمیر کروں ۔ حضرت نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ " ہماری اولاد کا نور شہرہ آفاق ہوگا ۔ مگر حضرت نے عبداللہ بن علی جمعدار کے خیال کو بھی رَد نہ فرمایا اور اس مقام پر مسجد بنانے کی اجازت دے دی ۔ اور ان مکانات کو جو حضرت کی ملک تھے اور جن سے ماہانہ کرایہ وصول ہوتا تھا تعمیر مسجد کے لئے پیش کردیا ۔ چنانچہ ان مکانات کو توڑ کر اسی جگہ یہ مسجد تعمیر ہوئی ۔ جس کی تکمیل ۱۲۷۲ ہجری میں ہوئی ۔ اس مسجد کی تولیت حضرت ہی کے خاندان میں چلی آرہی ہے اور حضرت نے جو تعبیر لی تھی وہ بھی الحمد للہ پوری ہوتی چلی جارہی ہے ۔

رحم دلی اور ہمدردی حضرت بادشاہ حسینی قدس سرہ ، کی طبیعت میں بے حد استغناء تھا جو فقیری کا لوازمہ ہے ۔ فطرۃً حلیم الطبع ، رحم دل اور ہمدرد تھے ۔ اہل محلہ ، قرابت دار ، مریدین ، معتقدین اور ملنے جلنے والوں کا بڑا خیال رکھتے ۔ ان کی بذات خود خبر گیری فرماتے ۔ ان کی خوشی اور غمی میں برابر کے شریک رہتے ۔ ضرور تمندوں کی تابمقدور مدد فرماتے ۔

بے نفسی حضرت کی بے نفسی اور ہمدردی کا اس واقعہ سے بڑا اندازہ ہوتا ہے ۔ ایک مرتبہ رات دیر گئے اپنے مکان کو لوٹ رہے تھے راستوں پر دور حاضر کی طرح روشنی کا معقول انتظام نہ تھا ۔ راستہ میں ایک ضعیفہ چکی کے پاٹ لئے بیٹھی تھی اور کسی مزدور کی فکر میں تھی تاکہ اس کے ذریعہ ان کو اپنے گھر لے جائے ۔ اتنے میں اس کی نظر حضرت پر پڑی ۔ صاحب الغرض مجنون ، غور کئے بغیر اس نے حضرت کو آواز دی اور خواہش کی کہ یہ چکی کے پاٹ اس کے گھر تک پہنچادیں تو وہ مزدوری دے دے گی ۔ حضرت نے خاموشی سے چکی کے پاٹ سر پر اٹھالئے اور ساتھ ہوگئے ۔ گھر پہنچنے پر جب چکی کے پاٹ اتارنے اس نے مدد دینا چاہا تو دیکھا کہ چکی کے پاٹ خود اس کے پیر و مرشد سر پر لئے کھڑے ہیں ۔ قدموں پر گرگئی ۔ روتی جاتی تھی اور معافی مانگتی جاتی تھی ۔ حضرت نے مسکراکر فرمایا ، کیا حرج ہے ۔ انسان سے انسان ہی کو سابقہ پڑتا ہے ۔

شعر گوئی حضرت کو شعر و سخن سے بھی خاص دلچسپی تھی ۔ شاہ تخلص فرماتے تھے ۔ آپ کا کلام " دیوان سیادت پناہ المعروف بہ کلام شاہ " کے نام سے طبع ہوچکا ہے ۔ جو غزل ، قصیدہ ، مثنوی اور رباعی سب ہی اصناف پر مشتمل ہے ۔

بیعت و خلافت حضرت کے پیر بیعت، قطب وقت حضرت الحاج مولوی میر شجاع الدین حسین قدس سرہ ہیں ● جن سے انھیں قادریہ، چشتیہ، رفاعیہ، سہروردیہ، مداریہ، شاذلیہ، اکبریہ اور غزالیہ طریقوں میں خلافت اور اجازت حاصل تھی۔ مولوی شجاع الدین حسین قدس سرہ، حضرت (سید محمد بادشاہ حسینی) کو بیحد چاہتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے "مجھے جو کچھ دینا تھا وہ میں نے بادشاہ میاں (سید محمد بادشاہ حسینی) کو دے دیا ہے۔ اب جس کسی کو ضرورت ہے وہ ان سے رجوع ہو سکتا ہے۔

پابندی شریعت و اتباع سنت حضرت کی زندگی میں شریعت مطہرہ و سنت نبوی کی اتباع کا گہرا رنگ جھلکتا ہے ان کی تعلیم کا اصل اصول یہی تھا۔ ان کی اولاد بھی خصوصاً ان کے فرزند اکبر حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ میں اتباع سنت کا شدید شوق و شغف نظر آتا ہے۔

عبداللہ بن علی جمعدار کے خواب کی جو تعبیر حضرت نے لی تھی اس کی تکمیل خود حضرت اور ان کے فرزند اکبر کے مزارات کی صورت میں ہوئی جو مسجد کے بیرونی صحن میں ہیں۔ اور طالبانِ نور معرفت کا مرجع بنے ہوئے ہیں۔

● حضرت مولوی میر شجاع الدین حسین قدس سرہ العزیز سادات علوی سے تھے۔ برہان پور میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب میر جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچتا ہے۔ جو حضرت خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں سے تھے اور شہنشاہ اکبر کے عہد میں قضاءت جلیلہ پر مامور تھے۔ والد بزرگوار حافظ میر کریم اللہ خاں کا وصال کمسنی میں ہوجانے سے اپنے نانا خواجہ صدیق عرف غلام محی الدین خاں متولی جامع مسجد برہان پور کی نگرانی اور سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل فرمائی چنانچہ قرآن پاک حفظ کر لینے کے بعد بہت جلد قراءت سبعہ کی سند حاصل کی بیس سال کی عمر میں حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ۱۲۱۶ ہجری میں بعمر ۲۵ سال مع اہل و عیال بلدہ حیدرآباد تشریف فرما ہوئے۔ یہاں سے قندھار ضلع ناندیڑ جاکر حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے بیعت فرمائی اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے علاوہ چشتیہ، نقشبندیہ، رفاعیہ اور دیگر سلسلوں میں خلافت اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔ اور حیدرآباد لوٹ آئے اس زمانہ میں حضرت نے قرآن شریف کا ہندی میں ترجمہ فرمایا تھا۔ نواب سکندر جاہ آصف جاہ سوم کو حضرت سے بیحد عقیدت تھی حضرت کے حالات مناقب شجاعیہ میں قاضی امیر اللہ صاحب نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ مولانا شجاع الدین علیہ الرحمہ شہر حیدرآباد میں چارمینار سے قریب کی جامع مسجد میں فروکش ہوئے اور اس مسجد کو آباد کیا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ حضرت کے شاگردوں اور مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ سینکڑوں غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے آپ کے لنگر خانہ سے روزانہ دو وقت ہزاروں آدمی مستفید ہوتے تھے۔ جن میں مرید، معتقد، شاگرد اور دیگر مسافر و غریب کھانا کھاتے تھے۔ حضرت کی کئی تصانیف مشہور ہیں جن میں کشف الخلاصہ آج تک مقبول ہے۔ ۴/ محرم الحرام ۱۲۶۵ ھ م ۱۸۴۸ء روز جمعہ چوہتر (۷۴) سال کی عمر میں وفات پائی۔ نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا ہوئی۔ میر جملہ تالاب کے مشرقی کنارے مدفون ہیں۔ جس پر عالیشان گنبد بنوائی گئی جو آج تک موجود ہے۔ سالانہ عرس ہوا کرتا ہے۔ حضرت کے اکلوتے فرزند حاجی عبداللہ کے شہید ہوجانے سے حضرت نے ان کے بیٹے یعنی اپنے پوتے میر محمد دائم کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرماکر اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ وہی آگے چل کر سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت کی زوجہ محترمہ عوض بیگم مولوی شجاع الدین حسین کی پوتی تھیں ۔ جو سید عبداللہ شہید کے صلب اور حیدرآباد کے مشہور و معروف خاندان صدیقیہ کی خاتون حافظہ لطف النساء بیگم بنت قادر نوازخان کے بطن سے تھیں ۔ •

وصال حضرت پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی کا وصال ۲۲ / ربیع الآخر ۱۲۸۶ کو ہوا ۔ سنہ وصال لفظ " غفور " سے نکلتا ہے ۔ روبرو " مسجد النور " قاضی پورہ میں مدفون ہیں ۔ عرس نہایت سادہ طریقہ سے منایا جاتا ہے ۔ جس میں حضرت کے متوسلین شرکت کی سعادت حاصل کرتے ہیں ۔

رحلت کے وقت چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی زندہ تھیں ۔ جن میں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت سیدی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ ہیں جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

• قادر نواز خاں حیدرآباد کے جید عالم و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بسا بزرگ اور جلیل القدر عہدہ صدر الصدوری پر فائز تھے ۔
حضرت قادر نواز خاں ۱۱۸۱ ہجری میں تولد ہوئے ۔ آپ کا نام محمد حسین ہے ۔ قادر نواز خاں خطاب ہے ۔ حضرت محمد علی قادر یار خاں کے آپ حقیقی چھوٹے بھائی تھے ۔ نہایت مقدس بزرگ تھے ۔ حضرت شاہ عیسیٰ صاحب قادری مجددی قدس سرہ سے بیعت کا افتخار حاصل تھا ۔ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوچکے تھے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ راہ میں خضر علیہ السلام سے آپ نے شرف ملاقات حاصل کیا اور علوم لدُنی سے فیضیاب ہوئے ۔ آپ نے بزمانہ قیام مدینہ منورہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و سلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ فدوی کے تین معروضے ہیں اس کی قبولیت کا امیدوار ہوں ۔

پہلا معروضہ یہ کہ ، ہمارے بادشاہ نواب نظام علی خان بہادر آپ کی زیارت اور دیدار سے سرفراز ہوں ۔

دوسرا یہ کہ " فدوی کی والدہ جو مبروص ہیں ان کی یہ شکایت دفع ہوجائے " ۔

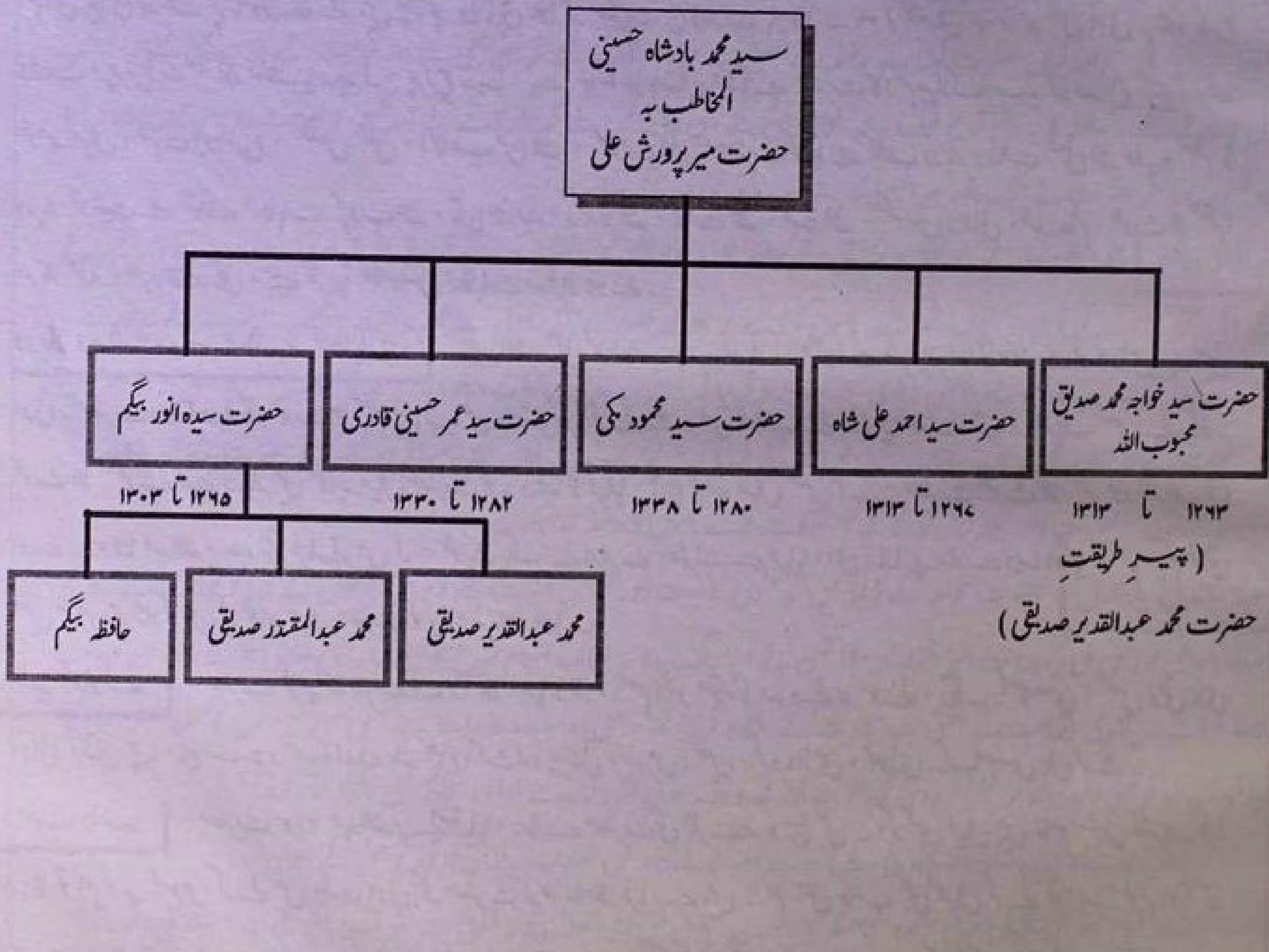
تیسرا یہ کہ " انتقال کے وقت سرکارؐ کے دیدار سے غلام سرفراز ہو " ۔

یہ تینوں معروضے پیشگاہِ رسالت سے منظور فرمالئے گئے ۔ اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ جب آپ حرمین شریفین کی زیارت سے فارغ ہوکر گھر واپس آئے تو آپ کی والدہ صاحبہ نے کہا " میاں ! تم نے تو اپنی والدہ کا حق خوب ادا کیا ۔ آپ کا خیال ہوا شائد مفارقت کے رنج سے ایسے کلمات فرماتی ہیں ۔ لیکن اس کے بعد آپ کی والدہ نے کہا " سرکار عالم صلی اللہ علیہ و سلم میرے خواب میں تشریف لائے تھے ۔ اور لبِ مبارک سے کوڑھ کے دھبوں کو دور فرما دیا ۔ اس کے بعد نذر کے لئے غفراں مآب نے نذر لیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ " تابعدار اس کا مطلب نہیں سمجھا " تابعداری کا حق تو قادر نواز خاں تم ہی نے ادا کیا آپ نے عرض کی کہ " تابعدار اس کا مطلب نہیں سمجھا " غفران مآب نے فرمایا کہ " سرکار عالم صلی اللہ علیہ و سلم میرے خواب میں تشریف لائے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ " قادر نواز خاں کی تمنا اسی میں تھی کہ میں تمہارے خواب میں آؤں " ۔

غفران مآب قادر نواز خاں سے فرماتے تھے کہ " مجھ کو اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر حیدرآباد کے برابر ایک اور ملک مل جاتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی ۔

غرض شعبان ۱۲۳۸ ہجری میں آپ کا انتقال ہوگیا اور پتھر گٹی کی مسجد کے صحن کے ایک گوشہ میں آپ دفن ہوئے ۔ (تاریخ شمسیہ ۷۹ ۔ ۸۰)

آپ کی اولاد کی تفصیل حضرت بحرالعلوم کے اجداد کے ضمن میں آئے گی ۔


سید محمد بادشاہ حسینی
المخاطب بہ
حضرت میر پرورش علی
حضرت سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ
۱۲۶۳ تا ۱۳۱۳
(پیرِ طریقت
حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی)
حضرت سید احمد علی شاہ
۱۲۶۷ تا ۱۳۱۳
حضرت سید محمود مکی
۱۲۸۰ تا ۱۳۳۸
حضرت سید عمر حسینی قادری
۱۲۸۲ تا ۱۳۳۰
حضرت سیدہ انور بیگم
۱۲۶۵ تا ۱۳۰۳
محمد عبدالقدیر صدیقی
محمد عبدالمقتدر صدیقی
حافظہ بیگم

حضرت سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ

"یہ ہمارا بچہ ہے" حضرت کی ولادت سے قبل والدہ ماجدہ نے بزمانہ حمل خواب دیکھا کہ جھولے میں ایک لڑکا ہے جس کی ڈوری سیدۃ نساء العالمین بی بی فاطمۃ الزہراؓ کے دست مبارک میں ہے اور وہ اس کو ہلا رہی ہیں۔ حضرت خواجہ کی والدہ فرماتی ہیں کہ مجھے دیکھ کر حضرت سیدہ نے بلایا، اس جھولے کی ڈوری میرے ہاتھ میں دی اور ارشاد فرمایا "یہ ہمارا بچہ ہے" اس کی چند روز خدمت کرکے ہمارے پاس چلے آؤ" سیدہ کے حکم کی تعمیل میں جھولا جھلانے لگیں۔ جب خواب سے بیدار ہوئیں تو اپنے شوہر حضرت سید محمد بادشاہ حسینی سے خواب عرض کیا۔ حضرت نے خواب سن کر تعبیر دی کہ تم کو لڑکا ہوگا، جس کے جھولے کی ڈوری سیدہ نے تمھیں سرفراز فرمائی ہے اور ہم اس بچہ کی خدمت پر مامور کئے گئے ہیں چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ حضرت کی ولادتِ باسعادت ۲۹ / شعبان ۱۲۶۳ھ میں ہوئی۔ مادہ تاریخ ولادت "چراغ ہند" اور لطف یہ ہے کہ "چراغ مدینہ" سے ۱۳۱۳ھ وصال نکلتا ہے حضرت کا اسم مبارک سید محمد صدیق حسینی عرف خواجہ میاں، کنیت ابوالفرح، تخلص خلق، الخاطب من اللہ، محبوب اللہ، حضرت کو بذریعہ کشف دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم و دربار غوثیت سے مختلف خطابات محبوب اللہ، تاج الاولیاء، رحمۃ اللہ، برکت اللہ، ھبۃ اللہ، نفس رحمانی، قبلہ عالم، غوث الاعظم، سرکار مختار، عبدالقادر ثانی، جیسے تقریباً پچیس خطابات سرفراز ہوئے۔

دربار رسالت سے عطائے خطابات عبدالقادر ثانی کا خطاب جب دربار رسالت سے سرفراز ہوا تو حضرت کو تھوڑی بے چینی ہوئی۔ حضرت روزآنہ بارگاہ غوث الاعظم میں بہ باطن حاضری دیا کرتے تھے۔ اس خطاب کے ملنے پر حضرت شرماکر تشریف نہیں لے گئے۔ غوث الاعظم نے اپنے دربار میں خواجہ میاں حضرت کو نہ دیکھا تو فرمایا "آج خواجہ میاں نہیں آئے" حضرت غوث الاعظم خود تشریف فرما ہوئے۔ مولانا عبدالقدیر صدیقی فرماتے ہیں کہ "غوث پاک نے ہمارے حضرت سے فرمایا، اجی ہمارا بچہ ہمارے ویسا ہوگیا تو کیا ہم کو خوشی نہیں" اس ارشاد کو سن کر خواجہ میاں حضرت کو بیحد مسرت ہوئی۔

حلیہ مبارک حضرت خواجہ کا سر مبارک بڑا تھا، میانہ قد، جسم اطہر متوسط، نہ دبلے نہ موٹے، رنگ چمپئی آنکھیں بڑی بڑی متوالی، کتابی چہرہ، پیوستہ و خمیدہ ابرو، بلند بینی، کشادہ پیشانی، سر میں زلفیں، گرد داڑھی، ٹھوڑی کے پاس بال کم تھے۔

رعب داب حضرت مولانا عبدالقدیر نے فرمایا "ہمارے حضرت کی نظر بے حد وسیع تھی۔ اگر کسی خیال میں خاموش تشریف فرما رہتے تو ہم کو یہ محسوس کرنے میں دقت ہوتی کہ حضرت کدھر ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ ہم جس جانب بھی خیال کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت ادھر ہی متوجہ ہیں۔ حضرت کے چہرہ مبارک پر اس قدر رعب تھا کہ کوئی شخص بھی حضرت سے یک بیک ہمکلام نہ ہوسکتا تھا"۔

لباس لباس نہایت سادہ ہوا کرتا۔ عام طور پر چوبغلہ، اور سر پر کپڑے کی ٹوپی جمعہ، عیدین یا خاص تقاریب میں عمامہ بھی باندھتے تھے۔ پیر میں چڑاؤں جوتا، کاندھے پر رومال، ہاتھ میں اکثر چھوٹی سی تسبیح رہا کرتی۔

مسلک حضرت کا فقہی مسلک حنبلی تھا۔ ابتداء میں حنفی المشرب تھے لیکن بعد میں بر بناء حکم باطنی حضرت نے تبدیل مسلک فرمایا۔ چنانچہ فقہ حنبلی میں ایک کتاب موسوم بہ "زاد آخرت" لکھی جو طبع ہوچکی ہے۔

مطالعہ اور تبحرِ علمی حضرت مولانا عبدالقدیر فرماتے ہیں کہ "میں حاضر خدمت ہوتا رہتا جب کبھی حضرت مسائل تصوف پر تقریر فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا علم کا دریا بہہ رہا ہے۔ بعض اوقات مجھ سے ارشاد ہوتا "مولوی! فلاں مسئلہ کے متعلق فلاں کتاب میں کیا لکھا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے"۔ میں عرض کرتا اس طرح لکھا ہے۔ پھر آپ اس مسئلہ کی تقسیم فرماتے اور ایسے ایسے نکات بیان فرماتے کہ کسی کتاب میں کسی مصنف نے نہیں لکھے۔

فرمایا "ہمارے حضرت نہایت کثیر المطالعہ تھے۔ والد مرحوم فرماتے تھے میں نے اپنے کتب خانہ کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہمارے کتب خانہ کی تمام کتابوں کا خواجہ میاں یعنی حضرت نے مطالعہ کیا ہے۔ خود حضرت کے کتب خانہ میں ہر قسم اور مختلف فنون کی کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا۔ حضرت سید عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عالم تھے اور یہ فقیر بھی کچھ پڑھا لکھا ہے مگر جب ہم حضرت کے سامنے جاتے تو معلوم ہوتا کہ ہم کچھ نہیں جانتے"۔

حفظِ قرآن خواجہ میاں حضرت قبلہ کے حافظہ کے تعلق سے فرمایا "آپ حافظ قرآن بھی تھے اور نہایت اچھے قاری بھی تھے۔ محراب بھی پڑھاتے تھے۔ حافظہ کا یہ عالم کہ جو لوگ مرثیہ خوانی میں گئے ہیں وہ بتائیں گے کہ گھر آنے کے بعد کسی کو مصرعے دو مصرعوں سے زیادہ یاد نہیں رہتا مگر حضرت نے ایک دفعہ میر انیس کا مرثیہ سنا تو کئی بند آکر سنا دیئے"۔

خداداد حافظہ بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی کے برادر خورد مولانا محمد عبدالمقتدر صدیقی فرماتے ہیں۔ "ایک دفعہ میرے والد ماجد نے مجھے ایک کتاب دے کر فرمایا یہ کتاب تمہارے ماموں کو دے کر کہو کہ مصر سے آئی ہوئی ہے آپ ضرور دیکھئے۔ حضرت نے دوسرے یا تیسرے روز کتاب میرے ہاتھ سے واپس فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ "میں نے پوری کتاب دیکھ لی"۔ غالباً کتاب مطبوعہ مصر دو سو اور تین سو صفحات کے درمیان تھی۔ جب ملاقات ہوئی تو والد نے فرمایا کہ "کیا آپ نے فلاں فلاں مسائل دیکھے؟ تو حضرت نے ان مقامات کی عبارت سنادی۔ حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ "تمہارے بڑے ماموں کا حافظہ خداداد ہے"۔

شریعت کی پابندی حضرت خواجہ کے زمانہ میں بدعتوں کا بہت زور تھا۔ حضرت پہلے فرد ہیں جنھوں نے ان کو توڑنے کے لئے کمر ہمت باندھی اور ان ہی کی بدولت اکثر فقراء و مشائخین نے اپنا رنگ بدلا۔ خلافِ احکام شرع جو بیجا رسوم جاری ہوگئے تھے ان کو سخت ناپسند فرماتے۔ پابندی شریعت کے تعلق سے حضرت نے اشارہ فرمایا تھا "یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس میں کسی طرح کا خطرہ نہیں۔" تاکید فرماتے کہ قرآن و حدیث پر عمل کرو اس کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ حدودِ شریعت سے ذرا سا تجاوز بھی ناگوار خاطر گذرتا"۔

حضرت کے والدین کے مزار پہلے گچ کے پختہ بنے ہوئے تھے بعد میں حضرت نے ان کو توڑ کر مٹی کے بنوادیا۔

زمانہ قیام حجاز میں بزبان عربی متعدد مواعظ بھی ہوئے۔ جس میں اہل حجاز بے حد شوق سے شریک رہا کرتے اور استفادہ کرتے۔

مقامِ غوثیت اور سیرِ باطنی حضرت خواجہ کو غوث الاعظم سے خاص عشق تھا۔ چنانچہ حضور غوث پاک ہی کی باطنی تعلیم و سرفرازیوں سے وہ کمالات حضرت خواجہ کو حاصل ہوئے کہ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ حضرت کو مقام غوثیت سے سرفرازی حضرت غوث پاک ہی کی تائید کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

حضرت خواجہ محبوب اللہ اپنی مدینہ طیبہ میں حاضری کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں۔ "جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو اس وقت تک مجھ پر کشف باطنی نہ ہوا تھا ایک دفعہ اپنی قیام گاہ کی چھت پر جہاں سے روضہ اطہر صاف نظر آتا تھا بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوا۔ پچاس

مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا تھا کہ انشراح قلب ہوکر سیر باطن سے سرفراز ہوا "۔

آپ کا مرتبہ معاصرین کی نظر میں ہمعصر شیوخ کے ساتھ بھی حضرت کے روابط نہایت مشفقانہ تھے ۔ ایک دفعہ حضرت ایک محفل سماع میں تشریف لے گئے ۔ حضرت مرزا سردار بیگ صاحبؒ بھی تشریف رکھتے تھے ۔ مرزا صاحب کے ایک مرید نے حالت وجد میں اپنے مرشد کے سامنے نذر پیش کی مرزا صاحبؒ اس کا ہاتھ اسی طرح تھامے ہوئے حضرت خواجہ کی خدمت میں لے آئے ۔ محفل برخواست ہوئی تو انہوں نے فرمایا " جس محفل میں خواجہ میاں صاحب موجود ہوں اس محفل میں کسی دوسرے کو نذر لینے کی مجال نہیں ۔ یہ تھی اس دور کے بزرگوں کی رتبہ شناسی حقانیت ، بے نفسی اور للہیت ۔

محمد شاہ صاحبؒ سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ خاموشؒ جو خود بھی بسا بزرگ تھے ● ۔ حضرت خواجہ محبوب اللہ ان کے پاس کی محفلوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے ۔ جب کبھی حضرت خواجہ ان کے پاس کی محفلوں میں تشریف لاتے تو حضرت محمد شاہ صاحبؒ سروقد تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے اور چند قدم آگے بڑھ کر استقبال کرتے ۔ اکثر فرمایا کرتے کہ " حضرت خواجہ میاں صاحب بڑے زبردست شیخ ہیں "۔

حضرت مولانا احمد خیر الدین صدیقیؒ صاحب نسبت و صاحب حال ، عالم و فاضل بزرگ تھے ۔ حضرت خواجہ ان کے پاس کی محفلوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے ۔ جب کبھی نبی خانہ پتھر گٹی میں ان کے مواعظ ہوتے بڑا کثیر مجمع رہتا ۔ انھیں حضرت مسکین شاہ صاحبؒ ● سے بیعت تھی ۔ مسکین شاہ صاحب کا بڑا چرچہ تھا ۔ مولانا کے وعظ میں وہ خود تشریف لاتے حضرت محبوب اللہ بھی اکثر مولانا کے وعظ میں شرکت

● حضرت محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سید شاہ محمد ہاشم حسینی نام اور محمد شاہ عرف تھا ۔ شہر حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے ۔ اور والد بزرگوار حضرت سید شاہ پیراں حسینیؒ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت پاکر معقول و منقول میں دستگاہ حاصل کی ۔ اپنے حقیقی چچا حضرت سید خواجہ معین الدین شاہ خاموش (بیدری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہوئے ۔ اور طریقہ چشتیہ و صابریہ میں انہی کے مرید و خلیفہ تھے ۔ ابتداء میں حضرت سلاطین آصفی کے دربار میں سندھی افواج کے صدر جمعدار ، ہاتھی ، گھوڑا ، پالکی اور میانہ سے سرفراز تھے ۔ لیکن مرید ہوکر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد ملازمت چھوڑدی اور تمام عمر صوفیانہ اور فقیرانہ سیرت و صورت پر گزار دی ۔ حضرت سرخ و سفید اور دبلے پتلے متوسط قد و قامت کے تھے ۔ چہرہ سے رعب و جلال ٹپکتا تھا ۔ جسم پر سفید یا گیروے رنگ کا کرتہ اور تہمد ، سر پر کپڑے کی ٹوپی استعمال فرماتے ۔ آخر عمر میں تمام دنیوی تعلقات سے کنارہ کش ہوکر وعظ و نصیحت اور حاجت روائی خلق اللہ میں مصروف ہوگئے تھے ۔ ہزاروں لوگ حضرت کے مرید اور حضرت کے فیض روحانی سے فیضیاب ہوئے ۔

۲۴ / محرم الحرام ۱۳۳۹ ھ (۱۹۲۰ ء) کو ۸۴ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور درگاہ حضرت شاہ خاموشؒ واقع نامپلی حیدرآباد میں مدفون ہیں ۔ حضرت کے تین صاحبزادے تھے ۱۔ سید اکبر حسینی ۲۔ سید اصغر حسینی ۳۔ سید بندہ نواز حسینی ۔ بعد وفات حضرت کے منجھلے فرزند سید شاہ اصغر حسینی (جو حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر کے حقیقی بہنوئی تھے قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے)

● حضرت مسکین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

محمد نعیم نام اور مسکین شاہ لقب تھا ۔ بمقام شاہجہان آباد ۱۲۰۰ ھ میں تولد ہوئے ۔ قادریہ و نقشبندیہ سلسلہ کے زبردست شیخ تھے ۔

فرمایا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ (مسکین شاہ صاحب اور خواجہ محبوب اللہ) وعظ میں تشریف فرما تھے ۔ وعظ ہو رہا تھا ۔ اثنائے وعظ خواجہ محبوب اللہ نے اپنے چوبغلہ کے بند کو حرکت دینی شروع کی ۔ محفل کی حالت متغیر ہونے لگی ۔ کیف بڑھتا گیا ۔ چیخ و پکار مچ گئی حتیٰ کہ خود واعظ صاحب پر کیفیت سے یہ حال ہوا کہ روتے روتے بیہوش ہوگئے ۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی حضرت خواجہ وہاں سے لوٹ گئے ۔ ختم وعظ کے بعد مولانا نے اپنے مرشد مسکین شاہ صاحب ؒ سے عرض کیا ۔ " حضرت آج کی کیفیت تو بہت ہی خاص تھی " ۔ تو مسکین شاہ صاحب نے جواب دیا " یہ تمام خواجہ میاں کی برکت تھی جو اس طرح محسوس ہو رہی تھی ۔

خواجہ محبوب اللہ کے وصال کے بعد فاتحہ سیوم کے موقع پر حضرت سید غلام شیخن احمد شطاری جو سلسلہ شطاریہ کے ایک ممتاز بزرگ تھے بچشم پرنم مزار کی جانب دیکھ کر فرمایا " آہ ! خواجہ میاں تم کو کوئی سمجھ نہ سکا " ۔

جامعیت حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ جامع الکمال تھے ۔ جید عالم تھے ۔ حافظ قرآن تھے ۔ بہت اچھے قاری تھے ۔ رمضان میں محراب بھی سناتے تھے ۔ عربی ، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں مہارت تھی ۔

شاعری میں حافظ شمس الدین صاحب فیض ؒ کے شاگرد تھے ۔ پرگوئی کا یہ عالم تھا کہ ایک مشاعرہ کے لئے ،، مطلع اور تین سو (۳۰۰) شعر کہہ دیئے ۔ کلام کا مجموعہ " افکار غیب " کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔

طب میں حکیم رضا علی صاحب کے شاگرد تھے ۔ پتوں کو جوش دے کر اس کے پانی سے علاج حضرت کی ایجاد تھی ۔ آخر میں معالجات چھوڑ کر تعویذ دینے لگے تھے ۔ چلیپہ کی تعویذ حضرت ہی کی ایجاد ہے ۔ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے ۔ فارسی خط میں باقر صاحب کا تتبع فرماتے ۔ فنِ سپہ گری تو اس خاندان کا امتیاز خاص تھا ۔ جوانی میں سات سو ڈنڈ نکالتے تھے ۔ بہت اچھے پیراک تھے ۔ بندوق کا نشانہ اچھا لگاتے تھے ۔

حضرت کے سلوک کے تعلق سے " گلدستہ تجلیات " کے مقدمہ میں بحرالعلوم عبدالقدیر لکھتے ہیں :-

" میرے خیال میں ان کا مابہ الامتیاز ہمیشہ تحتِ امر رہنا اور قربِ فرائض میں جاگزیں ہونا ہے ۔ دوامِ حضور تو ان کا خاصہ تھا ۔

حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی سے بیعت و خلافت حاصل تھی ۔ جو شاہ غلام علی دہلوی کے خلیفہ تھے اور یہ خلیفہ تھے حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ۔ شاہ صاحب بعہد نواب ناصر الدولہ (۱۲۴۴ تا ۱۲۷۳ ھ آصفجاہ رابع بلدہ حیدرآباد تشریف لائے اور محلہ علی آباد میں سکونت پذیر ہوئے ۔ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے کافی شہرت حاصل ہوئی تھی ۔ ہزاروں آپ کے مرید اور معتقد تھے ۔ آپ کی تصنیفات میں " مراقبات سلوک " مشہور تصنیف ہے ۔ آصفجاہ سادس نواب میر محبوب علی خان کو شاہ صاحب سے شرف بیعت حاصل تھا وہ متعدد مرتبہ خدمت میں حاضر ہو چکے تھے ۔ ۱۴ ۔ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۴ ھ (۱۸۹۵ ء) کو بعمر ۱۱۴ سال وفات پائی ۔ نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا ہوئی ۔ ہزاروں آدمی جنازہ کے ساتھ تھے ۔ آصفجاہ سادس نے بھی دور تک حضرت کے جنازہ کو کندھا دیا ۔ اندرون دروازہ علی آباد مسجد الماس کے صحن میں مدفون ہوئے ۔

(دیکھو تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر سوم ۔ تذکرہ مخطوطات جلد اول ۲۰۴ آصفجاہ سادس ۲۹) مولانا سید شخین احمد شطاری کامل ؒ کے جدامجد ۔

ایک دفعہ آسمان سے اولے برسے ۔ مسجد میں حضرت سید محمود کی صاحب، فقیر اور دیگر حضرات بھی تھے ۔ اولے کیا تھے ایک سنگباری تھی کہ ہورہی تھی ۔ حضرت نے فرمایا "تجھے معلوم ہے کہ میں نے پانی بھی بغیر تیرے حکم کے نہیں پیا ۔ اب کیا کرتا ہے کر" ۔ اور صحن مسجد میں نکل آئے ۔ ژالہ باری فوراً موقوف ہوگئی ۔ استخارے سے کام کرنے والے حضرات، تحت امر رہنے والے قرب فرائض کے مدعی اپنے اپنے سینوں پر ہاتھ رکھیں اور اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا وہ بھی ایسے ہیں؟ یہ رحمت خاص کی جلوہ گری ہے و اللّٰہ یختص برحمتہ من یشاء یہی فضل مولیٰ ہے ۔ ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء اور یہی اس کا کرم و عنایت ہے جو بدرجہ غایت ہے و اللّٰہ ذو الفضل العظیم

أعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ

ھوالمسک ماکررتہ یتضوع

ارشاداتِ عالیہ خود حضرت خواجہ محبوب اللہ فرماتے ہیں " جس طرح نوافل اور فرائض میں فرق ہے اسی طرح قرب نوافل اور قرب فرائض میں فرق ہے ۔ اگر کوئی کام استخارہ قلبی سے کیا جائے تو وہ قرب فرائض میں داخل ہوگا ورنہ قرب نوافل میں ۔ پس ہر کام میں استخارہ کرلیا کرو ۔

اس ارشاد کی توضیح میں اس قدر صراحت کافی ہے کہ قادری دو (۲) قسم کے ہوتے ہیں ۔ ایک وہ جو اپنے مقاصد، نسبت عالیہ قادریہ کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں ۔ ان کی توجہ فرمان غوثیہ ان لم یکن مریدی جیدا فانا جید پر ہے یعنی اگر میرا مرید قوی نہ ہو تو کیا ہوا میں تو قوی ہوں لو کشفت جیدا فانا عورۃ مریدی بالمغرب وانافی المشرق لسترتہ ۔ یعنی اگر میرا مرید مغرب میں ہو اور میں مشرق میں رہوں اور مرید کا عیب کھل جائے تو میں اس کو ڈھانک دوں گا ۔ ایسے لوگ قربِ نوافل کے قادری ہیں ۔

دوسری قسم کے قادری وہ ہیں جو بے حکم کوئی کام نہیں کرتے ۔ ان کا ہر فعل تحتِ امر الٰہی ہوتا ہے ۔ خواہ حکم الٰہی معصوم یعنی پیغبر کے ذریعہ سے معلوم ہو خواہ بذریعہ الہام و امر قلبی ۔ یہ لوگ صاحبِ قرب فرائض ہیں ان کا مرجع حضور غوث پاک کا فرمانِ واجب الاذعان ہے کن کالمیت فی ید الغسال کالکرۃ تحت صولجان الفارس و کالولد الرضیع فی حجر ظئرہ ۔ یعنی خدا کے ہاتھ میں ایسا ہوجا جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں یا گیند پولو کھیلنے والے شہسوار کے چوگان کے نیچے یا شیر خوار بچہ انا کی گود میں ۔ ان پر و ماینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی کا پرتو پڑتا ہے ۔ وہ بے ارادہ رہتے ہیں ۔ بے خواہش جیتے ہیں ۔ ان کا عمل مافعلت عن امری پر رہتا ہے ۔

سلسلہ عالیہ قادریہ جاری تھا لیکن صرف قرب نوافل کا سلوک ہی مقبول و مروج تھا لوگ قرب فرائض کو بھول گئے تھے ۔ اس تعلیم کو حضرت نے زندہ کیا ۔ لوگوں کو بے ارادہ جینا سکھایا ۔ حکم پر چلنے کی تعلیم دی ۔

حضرت خواجہ محبوب اللہ کی زوجہ محترمہ " قمر النساء صفیہ " ● حضرت غلام شیخن احمد شطاری کی صاحبزادی تھیں جو خاندان شطاریہ کے مشہور و معروف بزرگ گذرے ہیں ۔

● حضرت قمر النساء صفیہ کی والدہ حضرت سعدو بنے صاحب کی صاحبزادی تھیں ۔ جو خاندان شطاریہ کے ممتاز بزرگ گذرے ہیں ۔ آپ کا کوٹلہ اب تک مشہور ہے آپ کا مزار بیرون دروازہ دبیر پورہ لب سڑک واقع ہے ۔ حضرت سعدو بنے کا اصلی نام حضرت سید شاہ غلام حسن ثانی شطاری تھا ۔ جن کے والد ماجد کا نام سید شاہ عسکری شطاری عرف پیراں صاحب شطاری تھا جو حضرت سید شاہ غلام حسن

وصال حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ ۱۸ ۔ ذیقعدہ ۱۳۱۳ ہجری روز شنبہ کی شب میں یعنی انیسویں شب بوقت سحر اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اور اپنے پیر اور والد بزرگوار کے پہلو میں بمقام مسجد النور قاضی پورہ حیدرآباد دکن آرام فرما ہیں ۔

شطاری (اول) عرف سید شاہ ابن صاحب شطاری کے اکلوتے فرزند تھے ۔ حضرت سید شاہ ابن شطاری حضرت سید احمد گجراتی کی اولاد سے تھے نواب نظام الملک آصفجاہ اول کے عہد میں اورنگ آباد سے بلدہ حیدرآباد تشریف لائے اور ہمیشہ کے لئے یہیں رہ گئے ۔ سنہ وفات ۱۸ / شوال ۱۲۰۹ ھ ہے ۔ حضرت کا مزار اندرون حویلی قدیم گول مقبرہ کے اندر واقع ہے ۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ تنہائی پسند تھے ۔ عوام سے بہت کم ملتے اور بات چیت بھی بہت کم کرتے تھے ۔ سارا وقت ذکر و شغل اور یادِ الہٰی میں گذرتا تھا ۔ اہل و عیال کی طرف بھی بہت کم متوجہ ہوتے تھے ۔ نواب نظام علی خان آصفجاہ ثانی اور بخشی بیگم صاحبہ والدہ محترمہ آصفجاہ ثانی کو حضرت سے گہری عقیدت تھی بخشی بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ موجودہ مشائخین میں جو بھی بزرگ خواب میں آکر مجھے مرید کریں گے میں ان کی مرید ہوں گی ۔ چنانچہ حضرت نے ان کے خواب میں پہنچ کر ان کو مرید کرلیا ۔ چنانچہ خواب دیکھتے ہی بخشی بیگم صاحبہ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت سے شرفِ بیعت حاصل کیا ۔

(ماخوذاز تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم ۶۵)

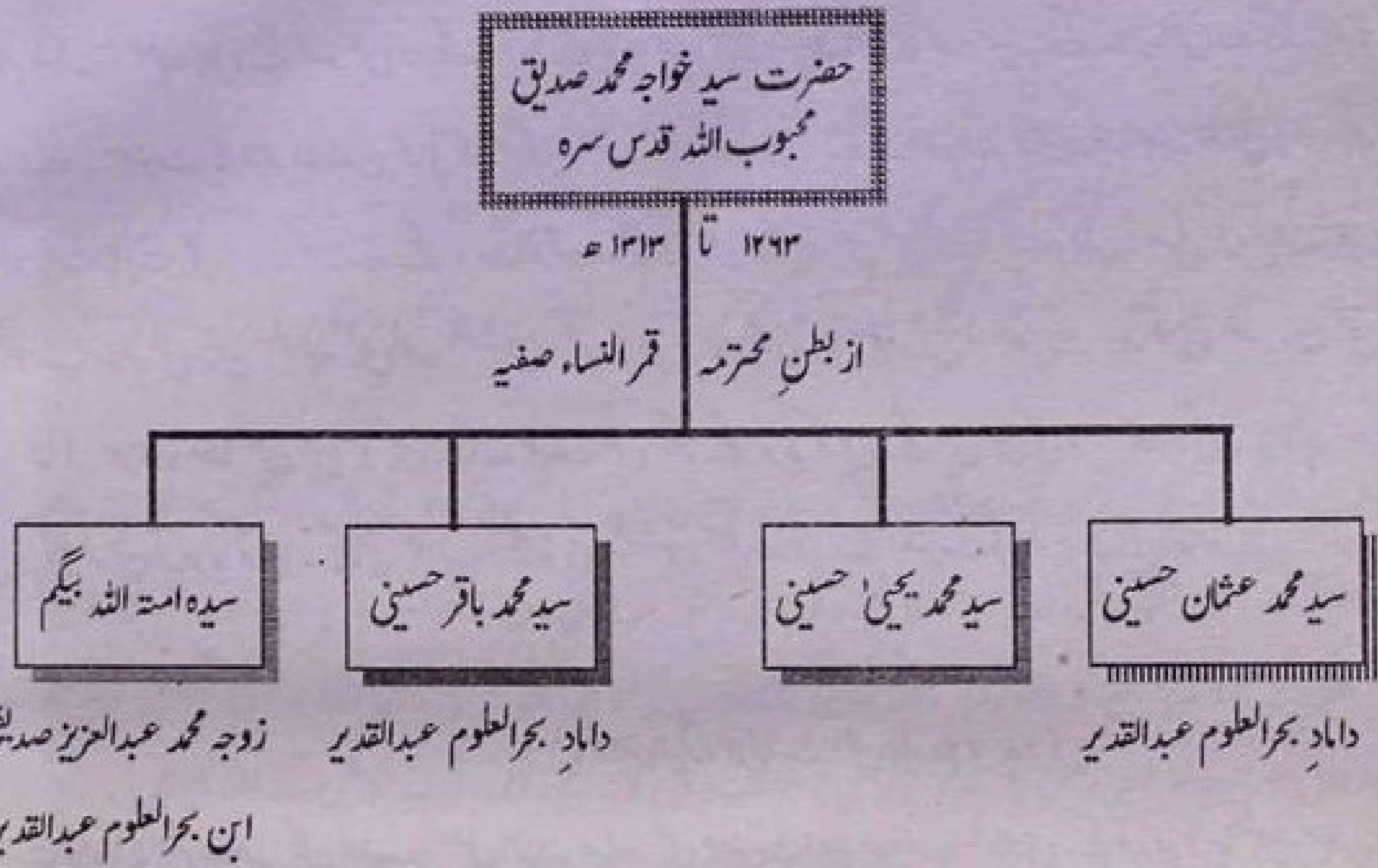
حضرت چاندنی بیگم صاحبہ محل نواب افضل الدولہ بہادر بھی حضرت ابن صاحب شطاری کے فرزند و جانشین حضرت پیر ان صاحب شطاری کی مرید تھیں ۔

حضرت شیخن احمد شطاری رحمتہ اللہ علیہ

سلسلہ شطاریہ کے بانی اول مولانا سید عبداللہ صاحب قادری کو ان کے شیخ طریقت مولانا عبدالوہاب نے " شطار " سے ملقب فرمایا تھا ۔ موجودہ سلسلہ شطاریہ کے مورث اعلیٰ حضرت سید احمد قادری گجراتی تھے حضرت کا مزار شہر اورنگ آباد میں ہے ۔ ممدوح کا سالانہ عرس ۱۴ ۔ صفرالمظفر کو اہتمام سے ہوتا ہے ۔ اس سلسلہ میں حضرت غوث گوالیاری رحمتہ اللہ علیہ بھی ہیں جو گوالیار میں مدفون ہیں اور جن کا گنبد فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ حضرت سید احمد گجراتی کے فرزند اکبر مولانا سید شہاب الدین محمود المعروف بہ گونگے صاحب کے فرزند حضرت شیخن احمد شطاری اولیٰ بلدہ حیدرآباد میں تشریف فرما ہوئے ۔ اندرون دروازہ دبیر پورہ (حیدرآباد دکن) ایک مسجد تعمیر کروائی جو مسجد شطاریہ کے نام سے موسوم ہے ۔ حضرتِ شیخن احمد شطاری رحمتہ اللہ علیہ اسی مسجد کے صحن میں مدفون ہیں ۔ حضرت کے مزار کے بازو مشرقی حصہ کا مزار آپ کے فرزند حضرت حافظ عسکری شطاری کا ہے ۔ عسکری شطاری کے مزار کے پائیں میں حضرت کے فرزند اکبر حضرت حافظ غلام شیخن احمد شطاری کا مزار ہے جو حضرت خواجہ محبوب اللہ کے خسر محترم ہیں (ملاحظہ ہو شجرہ)

وصال کے وقت تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حینِ حیات تھے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔ (اگلے صفحہ پر)


حضرت سید خواجہ محمد صدیق
محبوب اللہ قدس سرہ
۱۲۶۳ تا ۱۳۱۳ ھ
از بطنِ محترمہ قمر النساء صفیہ
سید محمد عثمان حسینی
دامادِ بحرالعلوم عبدالقدیر
سید محمد یحییٰ حسینی
سید محمد باقر حسینی
دامادِ بحرالعلوم عبدالقدیر
سیدہ امۃ اللہ بیگم
زوجہ محمد عبدالعزیز صدیقی
ابن بحرالعلوم عبدالقدیر

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کی اولاد

۱۔ حضرت سید محمد عثمان حسینیؒ

حضرت کے فرزند اکبر حضرت سید عثمان حسینی رحمۃ اللہ علیہ ماہ صفر ۱۲۹۰ھ میں تولد ہوئے۔ والد محترم کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

عربی، فارسی اور اردو میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ صاحب تصنیف و تالیف تھے۔ ان کی مجالس وعظ میں لوگ کثرت سے شریک ہوتے۔ زمانہ دراز تک مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے۔

شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ فائقؔ تخلص فرماتے تھے۔ ان کا کلام "اذکار غیب" کے نام سے طبع ہوچکا ہے۔

طبیعت میں سادگی بہت تھی دیسی پارچہ خصوصاً کھادی کے استعمال کو سب سے پہلے حضرت عثمان حسینی ہی نے رواج دیا۔ زمانہ دراز کے بعد کانگریسی قائدین نے اس کے استعمال پر زور دیا۔

اتباع سنت کے نہ صرف شدت سے پابند تھے بلکہ اپنے مریدین معتقدین اور متوسلین کو بھی سختی سے پابندی کی تاکید کیا کرتے تھے۔ اگر مریدین میں کوئی نماز تہجد کا پابند نہ ہوتا تو اس سے کوئی کام لینے یا بات کرنے سے احتراز فرماتے تاکہ اس میں احساس ندامت پیدا ہو اور پابند ہوجائے۔

اتباع سنت کا اس قدر خیال تھا کہ حضرت نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین کے نمونہ پر نعلین بنوائی۔ پہلے نعلین کا رواج نہ تھا۔

اتباع سنت کا نتیجہ تھا کہ کثرت سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت سے مشرف ہوتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے تھے کہ "اگر چار روز اس طرح گذر جائیں کہ سرکارؐ کا جمال مبارک نہ دیکھوں تو جی بے چین ہو جاتا ہے"۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ "ایک عرصہ سے میری ہر نماز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ادا ہورہی ہے۔ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو آقائے نامدارؐ کو امام پاتا ہوں"۔

طبیعت میں استغناء بہت تھا۔ امراء اور رؤسا سے زیادہ میل جول ناپسند تھا۔ نواب میر محبوب علی خان آصفجاہ سادس نے متعدد مرتبہ آپ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی لیکن آپ نے اجازت نہ دی۔

۲۱۔ شعبان ۱۳۲۶ ہجری کو حسب عادت کچھ مریدین کے ساتھ پا پیادہ پہاڑی شریف (بابا شرف الدین) فاتحہ کی غرض سے حاضر ہوئے۔ آصفجاہ سادس اس زمانہ میں سرکاری باغ واقع پہاڑی شریف ہی میں قیام پذیر تھے۔ حضرت واپسی میں جب بنگلہ کے سامنے سے گزرے، اس وقت اعلحضرت سامنے برآمد تھے۔ جوں ہی ان کی نظر حضرت پر پڑی مصاحبین سے دریافت کیا کہ "کیا حضرت عثمان میاں صاحب قبلہ یہی ہیں؟ تصدیق کے ساتھ ہی نکل پڑے چوبدار نے دوڑ کر حضرت سے عرض کیا سرکار تشریف لارہے ہیں۔ حضرت نے خیال کیا کہ شاید بازو ہٹ کر چلنے کہہ رہا ہے کنارے ہٹ کر چلنے لگے اور رفتار تیز کردی۔ چوبدار پر چوبدار دوڑایا گیا کہ حضرت سے معروضہ کریں کہ سرکار ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ محبوب علی پاشا نے حضرت کو تیزی سے چل کر ملانے کا جو ارادہ کیا تو ایک پیر کا جوتا بھی پیر سے نکل گیا۔ اطلاع ملنے پر عثمان میاں حضرت ٹھیر گئے۔ اور اعلحضرت اسی حالت میں قریب آگئے۔ مؤدبانہ سلام عرض کیا اور حضرت کا دست مبارک لے کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تھوڑی دیر خاموشی میں گزری۔ عثمان میاں حضرت نے پوچھا کچھ فرمائیں گے؟ اعلحضرت نے عرض کیا قدمبوسی کا اشتیاق تھا آج خوش نصیبی سے پورا ہوا، میرے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا دی

اور آگے بڑھ گئے۔ اس ملاقات کے دسویں روز طغیانی رودِ موسیٰ کا واقعہ پیش آیا الحمد للہ کہ اعلحضرت مع رعایا اس آفتِ عظیم سے بچ گئے۔ ●

حضرت عبدالقدیر فرماتے ہیں " عثمان میاں صاحب اور مجھ میں بے حد محبت تھی "۔

فرمایا۔ " مسجد کے ایک کونے میں عثمان میاں صاحب اور دوسرے کونے میں میں بیٹھ جاتا اور ہم دونوں ذکر جہر کرتے مسجد ئخ ئخ بولتی تھی "۔

فرمایا " ایک مرتبہ ہم دونوں ورنگل گئے معشوقِ ربانی کی درگاہ پر پہنچے درگاہ میں کوئی نہیں تھا اور قفل لگا ہوا تھا۔ میں نے کہا ہم آگئے ہیں تو زیارت کرکے جائیں گے۔ قفل پکڑ کر کھینچا تو قفل کھل گیا۔ ہم اندر پہنچے بعد زیارت واپسی میں قفل پھر سے لگا دیا "۔

عثمان میاں صاحب نے ارضِ مقدس حجاز کا سفر فرمایا۔ آخری مرتبہ واپسی میں اثنائے راہ بمقام جدہ بیالیس سال کی عمر میں ۱۵۔ صفر ۱۳۳۲ ہجری واصل بحق ہوئے۔ اس روز حیدرآباد میں اختلاف مطالع کی بنا پر ۱۴۔ صفر تھی۔ اس بنا پر حضرت کا عرس یہاں پر صفر کی تیرہ (۱۳) ۔ چودہ (۱۴) ۔ پندرہ (۱۵) تاریخ ہوتا ہے۔ اور ماہانہ فاتحہ ہر ماہ ۱۴ تاریخ ہوتی ہے۔

حضرت کی پہلی زوجہ محترمہ عزیز النساء بیگم تھیں جن کے بطن سے ایک صاحبزادی امۃ المحبوب، مولانا حافظ سید شاہ عبدالوہاب شطاری ابن علامہ سید شاہ محمد علی شطاری کی زوجہ ہیں ان کے علاوہ تمام نرینہ اولاد کمسنی میں انتقال کرگئی۔ اب صاحبزادی صاحبہ ہی سے آپ کی آل کا سلسلہ جاری ہے۔

پہلی زوجہ محترمہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی آخری سفرحج و زیارت سے پہلے محترمہ فاطمہ بیگم بنت بحرالعلوم مولانا عبدالقدیر صدیقی سے فرمائی۔ جن کا وصال حضرت کے وصال سے پانچ روز قبل جدہ ہی میں ہوا۔ دونوں میاں بیوی جدہ ہی میں دفن ہیں۔

(آل کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

۲۔ حضرت سید محمد یحییٰ حسینیؒ

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت سید محمد یحییٰ حسینی رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو اپنے برادر معظم کے بعد جانشین ہوئے۔ ان کی کنیت ابو السعادات تھی۔ یحییٰ پاشاہ کے عرف سے مشہور تھے۔ حاذقؔ تخلص فرماتے تھے۔ صفر ۱۳۰۳ ہجری میں تولد ہوئے اور ۲۔ صفر ۱۳۷۳ ہجری کو وصال فرمایا۔

نو یا دس سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ برادرِ معظم سید عثمان حسینیؒ کے زیر سرپرستی پرورش پائی۔ مدرسہ دارالعلوم میں مولوی عالم تک تعلیم حاصل کی پھر اپنے عم محترم حضرت سید عمر حسینیؒ سے قرآن کی روایت اور فن تجوید میں سند حاصل کی ونیز تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور خسر محترم علامہ سید غلام غوث شطاری اور برادر بزرگ بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی سے علوم متذکرہ صدر کی تکمیل فرمائی۔ والد ماجد کے ساتھ حجاز کا سفر کیا اور ایک سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ تو وہاں بھی علامہ حسین احمد مدنی اور دیگر اساتذہ سے استفادہ فرمایا۔

خوشنویسی و خطاطی میں نسخ و نستعلیق ہر دو سے واقف تھے۔ اس فن کو مولوی ہاشم علی صاحب سے سیکھا تھا۔

● یکم رمضان ۱۳۲۶ ہجری

شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی ۔ ابتداءً اپنے برادر معظم حضرت فائق سے پھر استاد جلیل سے ● اور پھر ثاقب بدایونی سے تلمذ حاصل کیا ۔

شرف بیعت اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہؒ سے تھا ۔ خلافت بڑے بھائی نے عطا کی ۔

طبیعت میں بہت سادگی تھی ۔ تکلفات سے ہمیشہ متنفر رہا ۔ اپنے نام کے ساتھ صرف یحیٰی قاضی پورہ والا تحریر فرمایا کرتے ۔ نمود و نمائش سے احتراز کرتے ۔ لوگ قدمبوسی کرنا چاہتے ۔ پیر کو ہاتھ لگانے نہ دیتے ۔

لوگوں کے قلبی کیفیات حضرت یحیٰی پاشاہ کے سامنے مثل آئینہ تھے ۔ شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادری نے فرمایا کہ متعدد مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ رات میں میں نے جو خواب دیکھے صبح ملاقات ہونے پر حضرت نے خود سے بیان کردیئے ۔

حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر صدیقی اکثر فرمایا کرتے " یحیٰی پاشاہ کو دیکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبت متشکل ہوکر زمین پر اتر آئی ہے ۔ اور فرماتے تھے ۔ " یحیٰی پاشاہ گلاب کا پھول ہیں " ۔

حضرت یحیٰی پاشاہ کی تصانیف میں " نورِ ہدایت " قابل مطالعہ ہے جو طبع ہو چکی ہے ۔ اس رسالہ میں زیارت قبور ، توسل ، ندا ، علم غیب جیسے مختلف فیہ مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

گوشہ نشین رہتے ہوئے بھی سینکڑوں کو فیضیاب کیا ۔ ان کے مریدین و متعقدین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے ۔

حضرت یحیٰی پاشاہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت خاص حاصل تھی ۔ انھوں نے ۱۳۳۱ ہجری میں جب دوسری مرتبہ ارض مقدس حجاز کا سفر کیا تو مدینہ طیبہ کی حاضری کے ضمن میں خود ہی فرماتے ہیں ۔

" ایک روز میں نے حرم نبوی میں رات کے قیام کی اجازت لی ۔ میرے ساتھ غلام حسین نامی ایک ساتھی بھی تھے ۔ اس زمانے میں مدینہ طیبہ میں ایک مجذوب رہتے تھے جن کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ بڑے صاحب باطن اور صاحب حکومت ہیں ۔ اور مجذوب صاحب کو روزانہ حرم اطہر میں رات میں ٹھیرنے کی اجازت تھی ۔ عشاء کی نماز کے بعد حرم شریف سے تمام لوگ برخواست کردیئے گئے ۔ اب صرف میں اور میرے ساتھی غلام حسین صاحب اور مجذوب صاحب رہ گئے ۔ مجذوب صاحب روضہ انور کے بالکل محاذی بیٹھے ہوئے اپنے میں آپ اشارے کرتے اور مسکراتے جاتے تھے ہم بھی ان کے پیچھے بیٹھ گئے ۔ دو تین مرتبہ ایسا ہوا کہ مجذوب صاحب اشارے کرتے کرتے پلٹتے اور جب ہمیں دیکھتے رک جاتے ۔ مجھے خیال ہوا شاید ہماری وجہ سے ان کے اشغال میں فرق آرہا ہے ۔ لہذا غلام حسین صاحب کو ساتھ لے کر ایسے مقام پر جا بیٹھا جہاں سے روضہ انور کا نظارہ تو ہوتا تھا مگر مجذوب صاحب دکھائی نہ دیتے تھے ۔

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی گہری نیند میں خراٹے لیتا ہے ۔ ہمیں خیال ہوا شاید مجذوب صاحب کی آنکھ لگ گئی ہے ۔ دیکھا تو وہ اپنے راز و نیاز میں مصروف ہیں ۔ خیال ہوا شاید ہماری طرح کسی اور نے بھی قیام کی اجازت لی ہے اگر ایسا ہے تو ان کو بیدار کردینا مناسب ہے کہ یہ مقام ادب ہے ۔ چنانچہ قریب جاکر دیکھا تو ایک صاحب نظر آئے عربی لباس پہنے ہوئے مواجہ شریف کی جانب پیر کئے ہوئے آرام فرما رہے ہیں ۔ میں اس خیال سے لرز گیا کہ اس مقام پر سوجانا ہی بے ادبی ہے اور خراٹے لینا تو بڑی ہی بے ادبی کی بات ہے ۔ اس پر طرفہ مواجہ شریف کی جانب پاؤں کرکے سونا

● جلیل ۔ مانک پوری فصاحت جنگ بہادر جانشین امیر مینائی ۔

تو قیامت تھا ارادہ کیا کہ فوری جگا دینا چاہئیے ۔ چہرہ پر نظر پڑی تو وہ انوار نمایاں ہیں کہ نظر نہیں ٹھیر سکتی ۔ ہم عجب کشمکش میں تھے کہ بیدار کریں یا نہ کریں ۔ کہ کسی اور کی ایسی جرأت و ہمت تو ہو نہیں سکتی ، بیدار کرنا بے ادبی ہے اور اگر زائرین میں سے کوئی ہو اور نیند کی غفلت میں پیر ادھر ہوگئے ہوں تو ہمارا خاموش ہوجانا بھی سوء ادبی ہے اس سوچ بچار میں دس پندرہ منٹ گزر گئے ۔ بالآخر دبی زبان سے دو دفعہ آواز دے دی ۔ مگر وہ بیدار نہ ہوئے تو قدم کو چھوکر آواز دی تو وہ کروٹ بدلتے دکھائی دیئے ۔ دل کا یہ عالم تھا کہ قابو سے باہر ہوا جارہا تھا ۔ عجب کیفیت گزر رہی تھی ۔ ہم اپنے مقام پر واپس آگئے ۔ مگر وہ صورت کچھ ایسی نظر آئی تھی کہ دوبارہ دیکھنے کو دل بیقرار تھا ۔ دل سے مجبور ہوکر چند منٹ کے بعد پھر اٹھا جب اس مقام پر پہنچا تو ان کو نہ پایا ۔ تمام حرم اطہر میں تلاش کیا مگر سوائے میرے اور میرے ساتھی غلام حسین صاحب اور وہ مجذوب صاحب کے چوتھا آدمی حرم اطہر میں نظر نہ آیا ۔ اس وقت یقین ہوگیا کہ وہ میرے آقا والی دو جہاں روحی فداہی تھے "۔

یہ ہیں یحییٰ پاشا جنہوں نے نہ صرف جمالِ انور کو دیکھا بلکہ جسم اطہر کو ہاتھ سے چھونے کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے ۔

حضرت کی زوجہ محترمہ " میمونہ بیگم صاحبہ " علامہ مولانا سید شاہ غلام غوث صاحب شطاری کی صاحبزادی تھیں ۔ ان کے بطن سے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بقید حیات ہیں ۔ •

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ مندرجہ ذیل ۔

حضرت سید محمد یحییٰ حسینی

۱۳۰۳ تا ۱۳۷۳ ھ

از بطنِ محترمہ میمونہ بیگم صاحبہ

- حافظ الحاج سید محی الدین حسینی
- حافظ الحاج سید ابراہیم حسینی
- الحاج حکیم سید عثمان حسینی
- الحاج سید محمد قادری
- قمر النساء بیگم (زوجہ اکرام الدین علی خان مرحوم)

۳ ۔ حضرت سید محمد باقر حسینیؒ

حضرت خواجہ محبوب اللہ کے تیسرے صاحبزادے حضرت سید محمد باقر حسینی ہیں ۔ جن کا عرف فقیر پاشا اور کنیت ابوالفتح ہے ۔ طارق — تخلص فرماتے تھے ۔ ۱۱/ رمضان ۱۳۰۵ھ میں تولد ہوئے اور ۱۷/ ذیقعدہ ۱۳۷۹ ھ میں وصال فرمایا ۔ مزار باقر نگر نزد عیدگاہ جدید متصل تالاب میر عالم واقع ہے ۔

تعلیم و ذوقِ شعر و سخن عرصہ تک والدہ ماجدہ کے ساتھ حجاز میں قیام رہا ۔ مدرسہ فخریہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم رہے ۔ وہاں سے واپسی کے بعد مدرسہ دار العلوم میں علوم مشرقیہ کی تعلیم پائی ۔ اور عم مکرم حضرت سید عمر صاحب اور برادر بزرگ و خسر محترم حضرت بحرالعلوم

• چاروں صاحبزادے یکے بعد دیگرے وصال فرماگئے اور ریاض مدینہ میں مدفون ہیں ۔ (ایڈیٹر)

محمد عبدالقدیر صدیقی سے آپ نے تکمیل فرمائی ۔

شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی ۔ ان کا کلام اکثر نعتیہ ہے ۔ کچھ حصہ طبع بھی ہوا ہے ۔

رسالہ النور ایک عرصہ تک فقیر پاشاہ کے زیر ادارت رسالہ النور شائع ہوتا رہا ۔ انہوں نے اس رسالہ کے ذریعہ مسلمانوں میں مذہبی ، علمی ، ایجادی اور اجتہادی قوتوں کو پیدا کرنے اور ان میں اولوالعزمی ، عالی حوصلگی ، جرات ، استقامت ۔ محنت و جفاکشی ، ایثار و قربانی کے اوصاف پیدا کرنے اور ان کو ترقی و کامیابی کے راستہ پر لگانے کی بڑی سعی فرمائی ۔

چنانچہ حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر صدیقی نے اس رسالہ کے تعلق سے جو رائے تحریر فرمائی ہے وہ رسالہ النور کی جلد ۶ میں طبع ہوئی ہے ، درج ذیل ہے ۔

" اس میں علمی ، اخلاقی ، صوفیانہ اور دیگر مضامین کے نہایت بلند پایہ مضامین درج ہوتے ہیں علاوہ جناب مدیر صاحب کے جو خود بھی ایک فاضل ہیں دیگر افاضل کے رشحات قلم بھی رہتے ہیں ۔ اس عرض مدت میں جتنے اور جیسے مضامین رسالہ النور میں شائع ہوئے ہیں وہ باعث امتیاز ہیں ۔ جناب مدیر صاحب نے اس طول طویل مدت میں قلم اور رقم دونوں کا بار اٹھایا اور بڑی سینہ زوری سے کام چلایا " ۔

حضرت کی رائے کے ساتھ پروفیسر سید مناظر احسن گیلانی کی مندرجہ ذیل رائے بھی شائع ہوئی ہے ۔

" جس رسالہ نے دکن کے خورشید مخفی کی شعاعوں کو نہ صرف عہد حاضر کے لئے بلکہ پچھلی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا ۔ اس کی جلیل خدمات کا اندازہ کون کر سکتا ہے ۔ تم نے تو فقط یہ خیال کیا کہ رسالہ النور جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر ، شعبۂ دینیات کے صدر ، دکن کے عالم و شاعر ، صدیقیوں کے گھرانے کے ایک فاضل مولانا عبدالقدیر حسرت کی نظم و نثر کی اشاعت سے سعادت اندوز ہے ۔ لیکن عبدالقدیر میں حقیقی قدیر کی قدرت اور کون کے تماشہ کا موقع ملا ہے ۔ ان سے پوچھو کہ النور نے کیا کیا اور کیا کر رہا ہے اور کیا کرے گا " ۔

حضرت فقیر پاشا کو تاریخ سے خاص دلچسپی تھی ۔ فن تعبیر میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا ۔ اس فن میں بزبان اردو ایک بسیط تصنیف فرمائی ہے جو ہنوز محتاج اشاعت ہے ۔ اس کے کچھ حصے رسالہ النور میں شائع ہو چکے ہیں ۔ محترم قاری بھی تھے ۔ خطاطی میں دخل تھا ۔ اچھے طبیب بھی تھے ۔ علاج معالجہ کا سلسلہ بھی جاری رہا ۔ آسیبی علاجات میں حضرت کو ید طولیٰ حاصل تھا ۔ ان کے تعویذوں کی بہت شہرت تھی ۔ دور دور سے اہل غرض آتے اور مستفید ہوتے تھے ۔

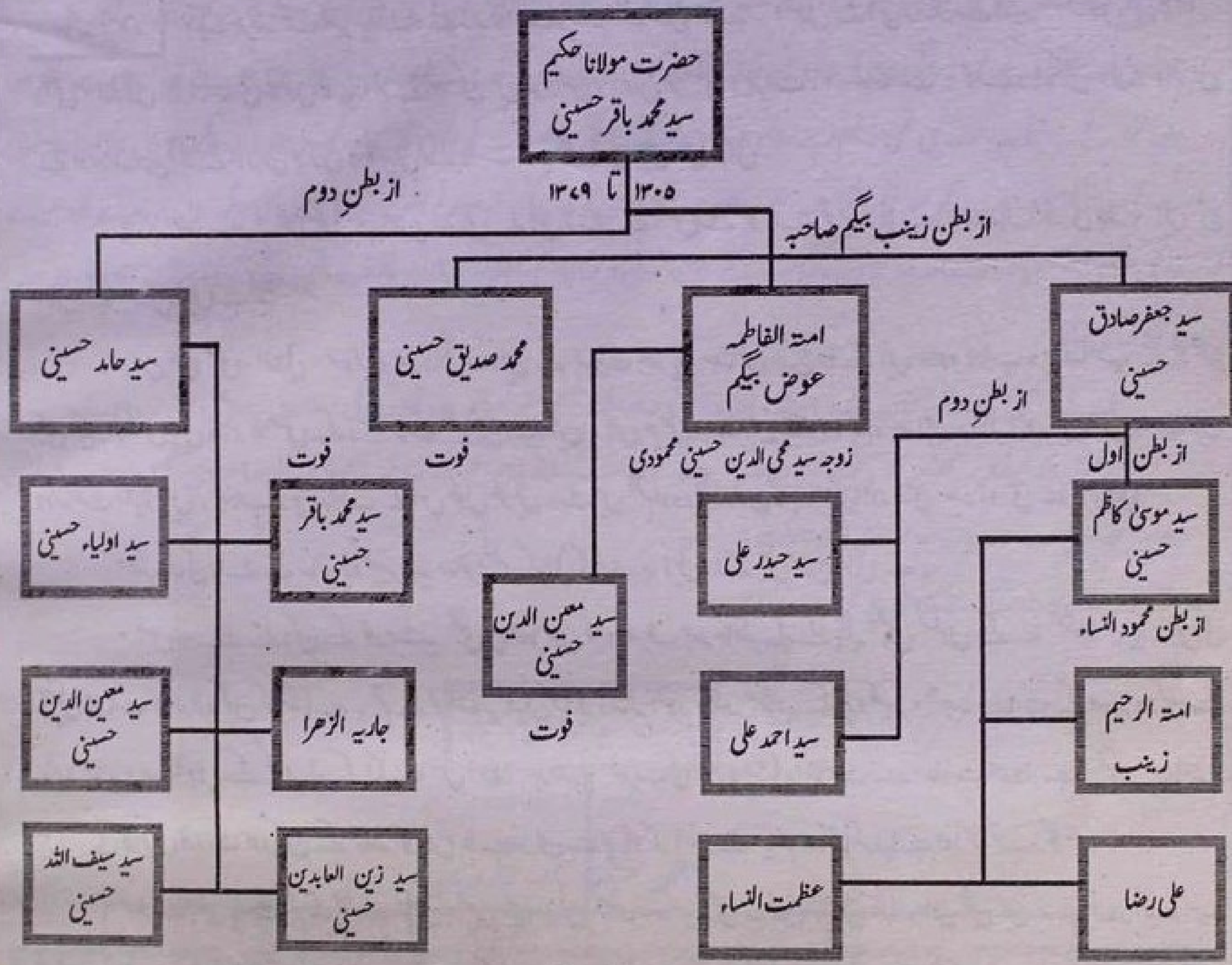
طبیعت میں سادگی اور استغناء بہت تھا ۔ اچھے اچھوں کا ذکر کیا کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے ۔

بیعت بیعت اپنے والد ماجد قدس سرہ ہی سے کی تھی ۔ حضرت خواجہ محبوب اللہ کے وصال کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال کے لگ بھگ تھی ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔ مریدین بھی بکثرت تھے ۔

اولاد حضرت سید محمد باقر حسینیؒ کی زوجہ محترمہ " حضرت زینب بیگم صاحبہ " حضرت بحرالعلوم مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی کی بڑی صاحبزادی تھیں ۔ ان کے بطن سے بوقت وصال ایک صاحبزادہ اور ایک صاحبزادی بقید حیات تھے ۔

زوجہ محترمہ کے وصال کے بعد حضرت نے ایک عقد فرمایا تھا ۔ ان کے بطن سے سید حامد حسینی بقید حیات ہیں ۔ جو اپنے بڑے بھائی کے وصال کے بعد والد کے جانشین ہوئے ہیں ۔ [یہ بھی ۱۴۲۴ھ میں انتقال کر گئے ۔ ۔ اکیڈمی]

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ منسلکہ



حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے بھائی اور ان کی اولاد

۱۔ حضرت سید احمد علی شاہؒ

حضرت خواجہ محبوب اللہ کے بھائی حضرت سید احمد علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ ۲۹ ۔ رمضان ۱۲۷۱ ہجری میں تولد ہوئے اور ۲۵ ۔ ربیع الآخر ۱۳۳۱ ہجری میں وصال فرمایا ۔

اچھے عالم تھے ۔ حافظ و قاری بھی تھے ۔ ہر سال رمضان المبارک میں محراب سنایا کرتے ۔

شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی لائق تخلص تھا ۔

فقہ حنبلی میں ایک کتاب موسوم بہ " راہِ عقبیٰ " تحریر فرمائی تھی جو طبع ہو چکی ہے ۔

حضرت کو ابتداء ہی سے فنونِ سپہ گری سے خاص دلچسپی تھی ۔ اس لئے فطرۃً سپاہیانہ جوش تھا ۔ خدا داد قوت کے حامل تھے ۔

دل بہ یار و دست بہ کار حضرت بحرالعلوم مولانا نے بیان فرمایا کہ " فقیر کے منجھلے ماموں صاحب ، چھوٹے ماموں (یعنی سید عمر صاحب) کو اور مجھے کشتی سکھاتے تھے ۔ ہمارے زمانہ میں بناوٹی یا سیاسی مشائخ نہ تھے ۔ ہنستے بولتے ، کھیلتے کودتے ، پاسِ انفاس بھی کرتے ، ذکر و شغل بھی کرتے ۔ بمصداق دل بہ یار و دست بکار " ۔

غیر معمولی روحانی قوت کے مالک تھے ۔ ضعیفی کے زمانہ میں جب کبھی وجدانی کیفیت طاری ہوتی تو کوئی ان کو سنبھال نہیں سکتا تھا ۔ کشف نہایت عمدہ تھا ۔ جو بات فرماتے وہ اٹل ہوتی ۔ حق گوئی میں لومۃ لائم کا خیال نہ فرماتے ۔ اگر کوئی بات ناگوار گزرتی تو فوراً ٹوک دیتے ۔ خواہ مخاطب کیسی ہی شخصیت کا حامل کیوں نہ ہوتا ۔

بیعت و خلافت بیعت و خلافت برادرِ معظم حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ سے تھی ۔ حضرت کے ارادتمندوں ، معتقدین اور مریدین کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی ۔ ان کا سلسلہ فیض الحمد للہ آج بھی جاری ہے ۔

حضرت کا مزار اولیاء باغ نزد گنبد شریف مولانا میر شجاع الدین حسین قدس سرہ زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

حضرت کی زوجہ محترمہ ولایت النساء بیگم مفتی محمد مسیح الدین محبوب نواز الدولہ کی صاحبزادی تھیں ان کے بطن سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بوقت وصال بقید حیات تھے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ منسلکہ ۔

حضرت شائق حضرت سید احمد علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر میر اعظم علی شائق تھے ۔

حضرت شائق ۱۷ ۔ ربیع الاول ۱۲۹۴ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۵ ۔ محرم ۱۳۲۸ ھ کو وفات پائی ۔ مادہ تاریخ وفات " عاشق رسول اللہ شائق دکنی " ہے ۔

ابتدائی تعلیم کا انتظام حضرت شائق کے نانا مفتی محبوب نواز الدولہ نے کیا ۔ فن سپہ گری ، فقہ و حدیث اور ادب کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور چچا حضرت سید محمد عمر حسینی سے حاصل فرمائی ۔ مفتی اول بلدہ کی خدمت پر فائز تھے ۔

حضرت شائق کو حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کا شرف حاصل تھا ۔

شاعری حضرت شائق کے خاندان کا مزاج رہی ہے ۔ چنانچہ اس کا اثر بچپن ہی سے آپ پر بھی ظاہر ہوا ۔ بہت کم عمری سے شعر کہنے لگے ۔ ابتداءً اپنا کلام حضرت سید عثمان حسینی فائق ؒ کو دکھاتے رہے بعد کو ڈاکٹر احمد حسین مائل سے اصلاح لی ۔

حضرت شائق ؒ کا سرمایہ شعری صرف حمد ، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے ۔ موسیقی سے بھی لگاؤ تھا ۔ اس لئے نعتیہ غزلوں کے علاوہ انہوں نے نعتیہ ٹھمریاں اور گیت بھی لکھے ہیں ۔

" کلیات شائق " پہلی بار ۱۳۲۰ ہجری میں شائع ہوا ۔ کلیات شائق کے اتنے ایڈیشن نکلے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے ۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان سے بھی کئی ایڈیشن نکلے ۔

ان کے نعتیہ کلام میں جو اثر انگیزی پائی جاتی ہے اس سے ان کے عشق رسول کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ان کا خلوص ، جوش عقیدت و نسبت اور وارفتگی جذبات ان کی نعتوں کی مقبولیت کا راز ہیں ۔

" ارمان شائق " اس میں خواجہ معین الدین چشتی کی منقبتیں ہیں ۔ یہ کلام ۱۳۱۴ ھ میں شائع ہوا نمونہ قیامت معروف بہ " دریائے غم " ایک منظوم رسالہ رودِ موسیٰ کی طغیانی پر لکھا جو ۱۳۲۶ میں شائع ہوا " یاد محمدی " المعروف بہ " نجات شائق " ہے یہ کلام ۱۳۳۱ ھ میں شائع ہوا ۔

" دعائے سحر " المعروف بہ " مناجات شائق " جو ۱۳۳۷ ھ میں شائع ہوئی ۔

حضرت شائق کی زوجہ محترمہ " فاطمہ بیگم " تھیں ۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بوقت وصال بقید حیات تھے اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

۲ ۔ حضرت سید شاہ محمود مکیؒ

حضرت خواجہ محبوب اللہ کے منجھلے بھائی حضرت سید شاہ محمود مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔

عوام میں مکی میاں کے نام سے مشہور تھے ۔ ۳۰ ۔ ذالحجہ ۱۲۸۰ ہجری مکہ معظمہ میں تولد ہوئے ۔ اور ۵ ۔ محرم الحرام ۱۳۳۸ ھ میں واصل بحق ہوئے ۔ حضرت کا مزار حسینی ٹیکری نزد کشن باغ زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

حضرت حافظ تھے قاری تھے ۔ عربی و فارسی پر خاصا عبور تھا ۔ فقہ حنبلی میں ایک منظوم کتاب موسوم بہ " توشہ عقبیٰ " تحریر فرمائی جو طبع ہو چکی ہے ۔

شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی " ہنر " تخلص فرماتے تھے ۔ ان کی ٹھمریاں بہت مقبول و مشہور ہیں ۔

حضرت میں وضعداری کے ساتھ ساتھ بے حد سادگی تھی ۔ سب سے مستغنی تھے امراء و عہدیداروں سے میل جول ناپسند تھا ۔ کسی کام کو آغاز کرتے تو انجام تک پہنچاتے ۔ بہت رحم دل اور ہمدرد تھے ۔ روحانی کیفیت بھی بہت ممتاز تھی ۔ آسیبی علاجات میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ گھر پر ذکر کے حلقے ہوتے ۔ روز آنہ ارادتمندوں اور حاجتمندوں کا تانتا بندھا رہتا ۔ جو آتا فیضیاب ہوتا ۔

حضرت کو بیعت و خلافت اپنے برادرِ معظم حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ سے حاصل تھی ۔ کشف و کرامات کے بہت سے واقعات مشہور ہیں ۔

حضرت سید شاہ محمود مکی رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ " امیر بیگم صاحبہ " تھیں جو میر ولایت علی ابن میر قربان علی شہید کی صاحبزادی تھیں ۔

جن کے بطن سے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں ۔
امیر بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد آپ نے دوسرا عقد فرمایا جن کے بطن سے ایک صاحبزادہ سید محمد صادق عرف جعفر پاشا ہوئے ۔
جن کی اولاد موجود ہے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

حضرت سید شاہ محمود مکی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر **سید محمد مسعود حسینی قادری محمودی** تھے ۔

۔ میاں محمد صاحب " کے عرف سے مشہور تھے ۔ ۲۶ ۔ ذیقعدہ ۱۳۷۸ ہجری میں وصال فرمایا ۔

مولانا اپنے والد کے بعد ان کے جانشین ہوئے ۔ نہایت متشرع تھے چہرہ سے سیادت ٹپکتی تھی ایک چھوٹی سی تسبیح دن رات ہاتھ میں رہتی جس پر درود اور اذکار جاری رہتے ۔ طبیعت میں استغنا حد سے زیادہ تھا ۔ تنہائی پسند تھے ۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے ۔ کسی پر کم زیادہ بار ڈالنے سے احتراز فرماتے ۔ نہایت پاک صاف اور ہمیشہ باوضو رہتے ۔ ان کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا کہ ایک فرشتہ ہے جو زمین پر اتر آیا ہے ۔ چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ کھیلتے رہتی ۔

سنت کے پیش نظر تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا تھا ۔ ابتداء میں بادشاہی عاشور خانہ کے قریب منیاری سامان کی دوکان شاہ راہ پر لگائی تھی ۔ بعد میں نامپلی کی شاہ راہ پر حضرت کی دوکان تھی ۔ اسی دوکان پر حضرت سے نیاز حاصل کرنے کا مجھے دو یا تین بار موقع ملا ۔

گھر کے صحن پر مختلف قسم کے کروٹن اور ہمہ اقسام کے پودوں کے بے شمار کونڈے قرینے سے جاکر رکھتے تھے ۔ ان پودوں کی پرداخت ان کا تنہائی کا مشغلہ تھا ۔ عمدہ قسم کے انگور کی بیلیں نہایت اہتمام سے لگائی تھیں ۔ عزیز و اقارب ملاقات کے لئے جاتے تو انتہائی شفقت اور محبت سے پیش آتے ۔ باوجود یہ کہ بیوی کا انتقال ہوچکا تھا ۔ مگر سسرال سے تعلقات کو اسی طرح برقرار رکھا جس طرح بیوی کی زندگی میں تھے ۔ چنانچہ عیدین میں مولانا عبدالمقتدر صاحب کے پاس بہ پابندی تشریف لے جایا کرتے ۔ وہ اپنی بیٹی کی زندگی کے زمانہ کی طرح عید کی سلامی پیش کرتے اور داماد کو لینے پر مجبور کرتے ۔ اور فرماتے " پاشا یہ ہماری طرف سے آپ کی خدمت میں حقیر نذر ہے " ۔

مولانا کی اپنی اولاد زندہ نہ رہی تھی ۔ چھوٹے بھائی سید محمد صادق حسینی عرف جعفر پاشاہ کو بڑے ہی نازوں سے اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا ۔ پڑھایا لکھایا ۔ مگر ان سے کسی قسم کی غرض وابستہ نہیں رکھی تھی ۔

جعفر پاشاہ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم ۔ اے کیا ۔ اس کے بعد طبیہ کالج میں شریک ہوئے اور حکمت کا پورا کورس مکمل کیا ۔ بعد میں ملازمت ملی تو تعلیمات کی ۔ ضلع پر کسی سرکاری مدرسہ کے برسوں صدر مدرس رہے ۔

مولانا سید مسعود حسینی محمودی صاحب نے پہلی شادی حضرت غلام غوث شطاری کی صاحبزادی سے کی تھی ان سے اولاد ہوئی مگر کمسنی میں فوت ہوئی ۔ ان کے انتقال کے بعد دوسری شادی اپنے حقیقی پھوپھی زاد بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحب صدیقی کی بڑی صاحبزادی فاطمہ امۃ اللہ سے فرمائی ۔ ان سے دو لڑکیاں ہوئیں جو کمسنی میں فوت ہوئیں ۔ دوسری بیوی کے انتقال کر جانے کے بعد مرنے تک کوئی اور شادی نہیں کی ۔ تجرد کی زندگی بسر فرماتے رہے ۔ بمقام حسینی ٹیکری اپنے والد کے پائیں میں مدفون ہیں ۔

حضرت سید شاہ محمود مکی کے فرزند دوم **مولانا سید قطب الدین احمد محمودی** تھے ۔ ۶ ۔ ربیع الاول ۱۳۰۷ ہجری بمقام قاضی پورہ تولد ہوئے ۔ سحرؔ تخلص فرماتے تھے ۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوئے اور مولوی کامل کا امتحان کامیاب کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی کامیاب کئے ۔

مولانا کو بچپن سے حضرت بحرالعلوم مولانا عبدالقدیر صدیقی سے علوم ظاہری و باطنی میں تلمذ اور اکتساب فیض کا موقع حاصل ہوا ۔ چنانچہ مولانا بطور فخر فرمایا کرتے تھے کہ انھوں نے پندرہ سال کی عمر سے پچپن سال کی عمر تک حضرت سے اکتساب فیض کیا تھا ۔ حضرت بحرالعلوم اپنے مخصوص شاگردوں کا ذکر فرماتے تو ان میں مولانا کا نام خصوصیت سے لیتے تھے ۔

چادرگھاٹ ہائی اسکول پر بحیثیت مددگار ، مدرس عربی و دینیات پچپن سال کی عمر تک کارگذار رہے ۔ اور وہیں سے ۱۹۴۳ ء میں وظیفہ حسن خدمت پر ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی ۔

ملازمت کے ابتدائی دور میں چادرگھاٹ ہائی اسکول کے پرنسپل مشہور نومسلم انگریز مارماڈیوک پکتھال تھے جنھوں نے قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا جو بہت مشہور ہے ۔ محمد پکتھال صاحب ، مولانا کی عربی دانی سے بہت متاثر تھے اور مولانا سے اکثر عربی میں گفتگو کیا کرتے تھے ۔ ●

● پکتھال ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے مطالعہ کے زور سے اسلام کی صداقت پر ایمان لائے تھے ۔ پکتھال کے اسلام لانے سے انگلستان کے ادبی حلقوں میں ہلچل سی مچ گئی تھی وہاں کے ادیبوں کا خیال تھا کہ جس مذہب کو پکتھال جیسا شخص قبول کرسکتا ہے وہ بالضرور قابل احترام ہونا چاہیئے ۔ پکتھال بمبئی آئے اور بحیثیت ایڈیٹر کام کرتے رہے ۔ اگسٹ ۱۹۲۴ ء سے علیحدگی اختیار کی ۔ کچھ دنوں تک اسکول آف آرٹ (بمبئی) کے پرنسپل سولومن گلیڈسٹون کے مہمان رہے پھر نظام دکن میر عثمان علی خان آصفجاہ کے ایما پر حیدرآباد پہنچے اور چادرگھاٹ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور ریاست کے سول سروس کے اتالیق مقرر ہوئے ۔ دوران ملازمت انھوں نے دو سال کی چھٹی لی اور مصر جاکر قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ مکمل کیا ۔ یہ پہلا ترجمہ ہے جسے ایک نومسلم انگریز نے دنیا کے سامنے پیش کیا ۔ تمہید میں انھوں نے لکھ دیا تھا کہ " ایک ایسا شخص جو کسی مقدس کتاب کے الہامی ہونے کا قائل نہ ہو وہ کبھی اس کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتا " ۔ اس لئے عیسائی دنیا اس ریمارک سے بہت چراغ پا ہوئی ۔

وہ اٹھارہ برس کے تھے کہ مشرق اور اسلامی دنیا کی سیر و سیاحت کیلئے نکلے اور مسجد اقصیٰ میں شیخ جامعہ سے عربی پڑھتے پڑھتے انھوں نے تبدیل مذہب کا اشتیاق ظاہر کیا ۔ شیخ معمر تھے اور تجربہ کار انھوں نے انھیں اپنے والدین سے مشورہ کرنے کی رائے دی ۔ پکتھال کہتے تھے کہ " اس مشورہ نے میرے دل پر عجیب اثر کیا اس لئے کہ میں یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ مسلمان دوسروں کو اپنے مذہب میں لانے کے لئے بیتاب رہتے ہیں ۔ مگر اس گفتگو نے میری رائے بدل دی اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوگیا کہ مسلمانوں کو خواہ مخواہ متعصب ظاہر کیا جاتا ہے ۔ انھوں نے لندن جاکر اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا ۔ ان کا انتقال ۶۱ برس کی عمر میں ۱۹۳۶ ء میں بمقام لندن ہوا ۔ (اقتباس از عظمت رفتہ مؤلفہ ضیاء الدین احمد برنی) ۔

مولانا دراز قد تھے۔ جسم اکہرا، رعب دار چہرہ، داڑھی گھنی اور لمبی، سر میں زلفیں تھیں۔ گھر پر کرتہ اور پاجامہ پہنتے اور سر پر کپڑے کی گول ٹوپی رہتی تھی۔ باہر نکلتے تو سر پر عمامہ، جسم پر انگرکھا جس کو چوبغلہ بھی کہتے ہیں ہوتا۔ گلے میں تلوار حمائل رہتی۔ پاؤں میں مخصوص وضع کی نعلین پہنے رہتے۔

مولانا کو تلاوت قرآن اور اس میں غور و فکر کا بے حد شغف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بعض وقت قرآن بھی تلوار کے ساتھ گلے میں حمائل رہتا تھا۔ دیکھنے میں بیک وقت مولوی، مشائخ اور سپاہی نظر آتے تھے۔

مولانا بلا کے ذہین اور ہر فن مولا تھے۔ فن بنوٹ۔ تلوار اور داؤ پیچ کا فن حضرت عبدالقدیر سے سیکھا تھا۔ مولانا کو ریاضی اور طبیعات سے گہری دلچسپی تھی۔ نجوم اور جفر کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ خاندان کے اکثر حضرات کے زائچے بنا ڈالے تھے۔ جو نہایت دلچسپ اور بڑی حد تک درست نکلے۔ مولانا نے خود میری پیدائش کے بعد زائچہ بنایا تھا اور زائچہ کی بڑی تعریف کی تھی۔ اس زائچہ کی خاندان تمام میں بڑی شہرت ہوئی۔ خاندان کے اکثر افراد والد سے ملنے آتے تو زائچہ خصوصیت سے دیکھتے اور خوش ہوتے تھے۔

طب یونانی سے بھی دلچسپی تھی۔ نبض شناسی میں غیر معمولی درک حاصل ہوگیا تھا علاج شمسی کے ضمن میں مختلف رنگ کے شیشوں میں پانی بھر کر دھوپ میں رکھتے اور اس پانی سے علاج کرتے اس طریقہ علاج سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی تھی۔ مختلف قسم کی دوائیں اور تیل بھی تیار کئے تھے۔ نمائش مصنوعات ملکی میں اسٹال بھی لگوایا تھا۔ جس میں مختلف دوائیں اور تیل رکھوائے تھے۔

مولانا نے ۱۹۵۶ء میں ایک کتاب " سائنس و تصوف " کے نام سے شائع فرمائی تھی۔ جس میں موجودہ دور کے مادہ پرست نوجوانوں کو تصوف کے حقائق سے روشناس کرانے کی خاطر ایک سائنس داں اور ایک مولانا کے باہمی مناظرہ کی شکل میں پیش فرمایا ہے۔ جس میں سائنس داں ہر مسئلہ پر الجھتا اور سوال پر سوال کرتا ہے اور مولانا اس کو تشفی بخش انداز میں سائنس کی مثالوں کی روشنی میں سمجھاتے جاتے ہیں۔ (صفحات ۱۲۸)

مولانا کی دوسری کتاب " نماز کا برقی نظام " یہ ۲۰۴ صفحات کی مجلد سرورق والی کتاب ہے اس کے گرد پوش پر مولانا کی تصویر اس حالت میں دی گئی ہے کہ مولانا ہاتھ اٹھائے دعا کر رہے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں مولانا نے پاکستان کراچی سے شائع کی ہیں۔

مولانا کا ایک مقالہ بہ عنوان " روحانی زندگی " رسالہ القدیر میں بالاقساط شائع ہوا ہے۔

مولانا کو شعر و سخن ورثے میں ملا تھا۔ صوفیانہ اور عارفانہ رنگ تغزل کے بعد جو رنگ شاعری سب سے زیادہ پسند تھا وہ اکبرالہ آبادی کا طنزیہ اصلاحی رنگ تھا۔ انھوں نے اس رنگ کو بڑے سلیقہ اور قرینہ سے اپنا لیا تھا۔ مولانا کی بعض رباعیات ان کی تصانیف میں شائع ہوئی ہیں۔

مولانا مشاعروں میں بھی تشریف لے جایا کرتے اور اپنی مزاحیہ نظموں سے سامعین کو اس قدر ہنساتے کہ بعض وقت پیٹ میں بل پڑجاتے۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد مولانا کے ایک پیر میں ناسور ہوگیا تھا۔ اس کے لئے عمل جراحی ضروری تھا۔ جس کے لئے بے ہوش کرنا ناگزیر تھا۔ مولانا بیہوش ہونے تیار نہ تھے۔ اور حیدرآباد کا کوئی ڈاکٹر بے ہوش کئے بغیر جراحی کرنے تیار نہ تھا۔ پولیس ایکشن کے بعد وہ اپنے دونوں صاحبزادوں سید ناصرالدین عرف قبلہ پاشا اور سید محمد مدنی کے اصرار پر جو پاکستان منتقل ہوگئے تھے

وہیں ہجرت فرمائی ۔ کراچی میں جب تکلیف بہت بڑھ گئی تو مولانا کا پیر ٹخنے سے کچھ اوپر قطع کر دیا گیا ۔ اس کے بعد لکڑی کا مصنوعی پیر بنالیا گیا تھا ۔ اسی کی مدد سے وہ چلتے پھرتے تھے ۔ راضی بہ رضا تھے ۔ اس مصنوعی پیر کے ساتھ وہ پاکستان سے حیدرآباد دوبار تشریف بھی لائے تھے ۔

مولانا کو بیعت و خلافت اپنے والد محترم سے حاصل تھی ۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا ۔

مولانا نے ۲۷ ۔ رمضان المبارک ۱۳۸۲ ہجری بمقام کراچی پاکستان انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں ۔

مولانا کی زوجہ محترمہ ان کی ماموں زاد بہن " دردانہ بیگم " بنت میر امانت علی صاحب تھیں ۔ جن کے بطن سے چار صاحبزادے موجود ہیں ۔

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

حضرت سید شاہ محمود مکی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند سوم " مولانا سید محمد صدیق محمودی " تھے آپ کا عرف خواجہ پاشا تھا ۔ محرم ۱۳۱۸ میں تولد ہوئے ۔ رمزؔ تخلص فرماتے تھے ●۔

علوم مشرقیہ میں منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات کامیاب کئے غیر معمولی ذہانت اور علمی صلاحیت لے کر پیدا ہوئے تھے ۔ آپ کو تعلیم و تعلم دونوں میں مہارت تھی ۔ عربی فارسی اردو تینوں زبانوں پر حاوی تھے ۔ ادیب بھی تھے اور شاعر بھی ، مقرر بھی تھے مگر تقریر بچوں کو پڑھانے کے انداز کی ہوا کرتی ۔ انگریزی سے کورے نہ تھے ۔ سائنس کی نئی تحقیقات پر نظر رکھتے تھے ۔ جوانی میں مختلف مسائل دینیہ میں خوب گرما گرم بحث کیا کرتے تھے ۔ ضعیفی میں حلم اور سنجیدگی کا پیکر بن گئے تھے ۔ خود اعتمادی بلا کی تھی ۔ کسی علمی مسئلہ کی تحقیق کے بعد اپنی رائے کی انفرادیت پر بڑے اٹل رہتے ۔ بحر العلوم حضرت علامہ عبدالقدیر صدیقی کا علمی رنگ ان میں سرایت کر گیا تھا ۔ برسہا برس حضرت سے علمی و روحانی استفادہ فرمایا تھا ۔ حضرت کے شاگردانِ خاص میں کے ایک تھے ۔

مزاج میں نہایت سادگی تھی ۔ بناوٹ نام کو نہ تھی ۔ کسی عزیز یا دوست سے ملتے تو انتہائی دلی خلوص و محبت سے ملتے ۔ دوستی و قرابت کا بڑا پاس و لحاظ رکھتے تھے ۔ نہایت متواضع ، منکسر المزاج خلیق اور بامروت تھے ۔ کردار نہایت بلند تھا ۔

یوں تو آپ ایسے خاندان کے فرد تھے جن میں عشق رسول ہر فرد کی گھٹی میں پڑا تھا ۔ تاہم آخری زمانہ میں عشق رسول بھڑک اٹھا تو باوجود کثیر العیال ہونے کے حج و زیارت کا ارادہ کرلیا اور ۱۳۸۴ ھ میں بغرض حج و زیارت عازم سفر ہوئے ۔

۱۷ ۔ ذیحجہ ۱۳۸۴ ء کو عین حرم کعبہ میں کعبۃ اللہ کے روبرو ، زمزم کے قریب شب جمعہ واصل بحق ہوئے ۔ مزید خوش نصیبی یہ کہ دوسرے دن بعد نماز جمعہ کم و بیش چھ لاکھ حجاج کرام نے نماز جنازہ ادا کی ۔ عاشق رسول کا جنازہ تھا ۔ لاکھوں پروانہ ہائے شمع نبوت کے بے پناہ ہجوم نے مقام مدفن تک پہنچ کر جنت المعلیٰ میں سپرد خاک کیا ۔

آپ کے پدر بزرگوار حضرت سید شاہ محمود مکی مکہ میں پیدا ہوئے تھے ۔ فرزند ارجمند نے مکہ میں وفات پاکر جہاں کی مٹی تھی وہیں پہنچادی ۔ و اللہ یختص برحمتہ من یشاء ۔

● آپ کا انتقال میں ہوا اب مولانا محمد صدیق محمودی رمزؔ کے فرزند یوسف پاشاہ صاحب جانشین مقرر ہوئے ہیں ۔

اپنے برادر معظم سید مسعود قادری کے وصال کے بعد اپنے والد بزرگوار کے جانشین قرار پائے تھے ۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے منجھلے بھائی مولانا قطب الدین محمودی کے فرزند اکبر مولوی شجاع الدین حسین محمودی کو جانشین مقرر کیا گیا ۔

مولانا رمز محمودی کی شادی جمال احمد صاحب منصف کی صاحبزادی سے عمل میں آئی ۔ جن کے بطن سے چار فرزند اور پانچ دختران ہیں ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

۳ ۔ حضرت سید عمر حسینی قادریؒ

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے چھوٹے بھائی حضرت سید عمر حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ ۱۲۸۲ ہجری میں تولد ہوئے اور ۱۹ ۔ صفر ۱۳۳۰ ھ کو انتقال فرمایا ۔ آپ کا مزار بمقام قادری چمن نزد فلک نما زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

حضرت بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی نے حضرت ممدوح کے تعلق سے ایک تعارفی مضمون تحریر فرمایا تھا جو رسالہ القدیر کی جلد دوم کے شمارہ ۲ میں طبع ہوا ہے اس سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں ۔

" آپ اپنے والد کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے ۔ چار برس کی عمر ہی میں آپ کے والد ماجد نے انتقال فرمایا ۔ اس لئے آپ کے بڑے بھائی حضرت خواجہ میاں محبوب اللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اور دوسرے بھائیوں کے کفیل رہے ۔

حلیہ :- بلند قامت ، نہایت خوبصورت ، سڈول ہاتھ پاؤں ، بڑی بڑی آنکھیں ، ستواں ناک ، رنگ گورا گندمی ، سر میں پٹے بال نہایت سیاہ چمکیلے ، سر میں صلع تھا ۔ (یعنی تالو کے اگلے حصہ پر بال کم تھے) خوبصورتی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ راستے سے گزرتے جسم کے تناسب اور چہرہ کے نورانی پن میں کچھ ایسی دلکشی تھی کہ چلتے لوگ آپ کو گھورتے کھڑے ہوجاتے ۔

لباس :- عام طور پر چوبغلہ یا بڑا کرتہ ، صدری ، بعض دفعہ پاجامہ بعض وقت تہبند ، سر پر سفید عمامہ مگر بہت بڑا نہیں ہوتا تھا ۔ اکثر کپڑے کی سفید ٹوپی پہنتے ، کندھے پر رومال ، پاؤں میں آپا شاہی جوتا یا نعلین ۔

تعلیم و تربیت :- ابتدائی تعلیم گھر پر والدہ محترمہ یعنی فقیر (حضرت بحرالعلوم) کی نانی صاحبہ نے دی ۔ بعد ازاں مدرسہ محبوبیہ میں شریک کئے گئے جہاں مولوی امیر احمد صاحب کو ہاٹی سے نحو ، صرف ، ادب ، منطق وغیرہ پڑھا ۔ حدیث کی کتابیں حضرت مولانا منصور علی صاحب سے پڑھیں ۔ حکیم حضرت عبدالوہاب صاحب انصاری نابینا صاحب سے بھی غالباً حدیث کا درس لیا ہے ۔ صحاح ستہ کی تکمیل مولانا عباس علی خان صاحب سرحدی افغانی مقیم حیدرآباد سے کی ۔ آپ کے ہم درس مولانا سید غلام غوث صاحب شطاری ، مولانا محمد علی شطاری ، مولانا اشرف شمسی ، نواب ضیاء یار جنگ ، اور اسد اللہ حسینی صاحب (والد ماجد پروفیسر قاری کلیم اللہ صاحب) تھے ۔ اس درس کا ایک عجیب واقعہ مولانا شمسی کی روایت سے قاری کلیم اللہ حسینی صاحب کی زبانی سننے میں آیا کہ مولانا شمسی نے فرمایا " ہماری جماعت حدیث کے سب لوگ جب جمع ہوجاتے تو اس کے بعد ایک صاحب نہایت حسین و جمیل سفید شفاف لباس پہنے درس میں شریک ہوتے اور جب درس ختم ہوجاتا تو وہ سب سے پہلے اٹھ کر چلے جاتے ۔ اثنائے درس میں اگر ان سے آنکھیں چار ہوتیں تو ہماری

نظریں جھک جاتیں ۔ بعد میں معلوم ہوا وہ قوم جن سے تعلق رکھتے تھے "۔

حضرت سید محمد تونسی کے پاس آپ اور آپ کے ساتھ مولوی غلام غوث صاحب شطاری نے سبعہ قراءت سے تمام قرآن سناکر سندیں حاصل کیں ۔

روحانی تعلیم :- آپ کی روحانی تعلیم آپ کے بڑے بھائی حضرت سید محمد صدیق محبوب اللہ رحمۃ اللہ علیہ وقدس سرہ ، العزیز نے فرمائی ۔ چنانچہ خود مولانا نے اپنی ایک تالیف " رہبر طریقت " کے دیباچہ میں یوں تحریر فرمایا ہے ۔

" مجھے علم ظاہری میں اسی خضر کی بدولت راہ ملی اور علم باطنی میں بھی انہی کے مبارک ہاتھ سے خلافت کی کلاہ ملی "۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت محبوب اللہ علیہ الرحمہ خود چھپے رہے اور مولانا سید عمر صاحب اور دیگر خلفاء وغیرہم کو ظاہر فرمادیا ۔ چنانچہ مولانا نے حضرت کے سامنے مکہ مسجد میں بعد نماز جمعہ قرآن مجید کی تفسیر اور وعظ فرمانا شروع کیا تھا ۔ آپ کے مواعظ میں لوگ بکثرت آتے اور روحانی فیوض سے استفادہ کرتے ۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ حضرت قبلہ بھی آپ کے وعظ میں شریک رہتے اور سماعت فرماتے ۔ مگر عموماً کسی گوشہ میں چھپے رہتے ۔ اپنے کو ظاہر نہ فرماتے ۔

ایک مرتبہ فرمایا " بابا جمعہ عید المومنین ہے آٹھ دن میں ایک دفعہ تم کو اجازت ہے اطمینان سے اپنے کاروبار انجام دو ۔ اپنے بال بچوں میں ہنسو بولو ۔ ہر ایک کو ان کا حق دو وات کل ذی حق حقہ کا آخر مطالبہ کیا ہے ؟ حق بحقدار برسانید ۔ صبح کو اٹھو اپنے گھریلو کاروبار سے فراغت پاکر نہا دھوکر نماز جمعہ ادا کرلو ۔ نماز جمعہ تک خرید و فروخت یا اور دوسرے ایسے کاروبار بند رکھو ۔ نماز جمعہ سے فارغ ہوکر پھر اللہ کے فضل سے اپنے کاروبار میں لگ جاؤ " ۔ اس کہنے کا کیا اثر ہوا ۔ لوگ کم از کم جمعہ کی نماز کی پابندی کرنے لگے ۔ پھر دوسری نمازوں کے ادا کرنے کا شوق ہوا ۔ یہی مکہ مسجد اس وقت بھی تھی مگر مشکل سے آدھی مسجد بھی مصلیوں سے جمعہ کے دن نہ بھرتی تھی ۔ یہ ان بزرگوں کے کہنے سننے کا اثر تھا کہ اللہ نے مسلمانوں پر اپنا فضل فرمایا اور روز بروز مصلیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا ۔

اتباع سنت :- آپ روزمرہ کاروبار ، کھانے پینے ، چلنے پھرنے غرض ہر کام میں احکام خدا و رسول کو پیش نظر رکھتے ۔ قرآن شریف اور احادیث کا بکثرت ورد رہتا ۔ مواعظ میں بالکلیہ قال اللہ و قال الرسول ہی کی تشریح فرمایا کرتے تھے ۔ اسی لئے آپ پر احادیث کے فیوض کا غیر معمولی اثر تھا ۔ اور غالباً ان ہی اثرات کے سبب آپ حنبلی المشرب ہوگئے تھے ۔ اتباع سنت کے ضمن میں فقیر نے تو ایسا بھی دیکھا ہے کہ ایک ہی کرتہ باربار دھو دھوکر پہنتے پھٹ جاتا تو پیوند لگالیتے ۔ حالانکہ خدا کا دیا سب کچھ تھا ۔ صلہ رحمی بھی آپ خوب فرماتے اور کسی کو دینا ہوتا تو اس طرح دیتے کہ دوسرے کو خبر تک نہ ہوتی ۔

اگر کسی چیز پر شبہ ہوتا تو اسے ہرگز نہ کھاتے اور نہ استعمال کرتے ۔

اور اد و وظائف کے بھی پابند تھے ۔ چنانچہ سورہ فاتحہ کی زکوٰۃ بھی ایک ہفتہ کی تنہائی اور ترک حیوانات جلالی و جمالی سے حضرت مولانا شجاع الدین صاحب قبلہ کی گنبد کی مسجد کے بازو والے کمرہ میں بیٹھ کر دی ۔ بعد میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ سورہ فاتحہ بہت ہی سریع الاثر اور قوی العلاج ہے ۔

ورزش :- مولانا کو ورزش کا بھی شوق تھا ۔ کم و بیش روزانہ سات سو ڈنڈ پیلتے ۔ ہزار سے زیادہ بار مگدر کی جوڑی ہلاتے ۔ آپ کا سنگ تولہ بھی کافی وزن تھا جسے آپ اٹھایا کرتے تھے ۔ اس کا مولانا کو بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ اتنی دیر میں سات سو ڈنڈ کرلوں گا ۔ پس دل میں لا الہ الا اللہ کہتے جاتے اور ایک ایک ڈنڈ پیلتے جاتے ۔ مگدر پھرانے میں زیادہ وقت لگتا ہے اس لئے اونچے پایوں کی

چوکی سامنے رکھ کر اس پر قرآن رکھتے ۔ قرآن شریف پڑھتے جاتے اور مکدر ہلاتے جاتے ۔ صفحہ الٹنا ہو تو کسی بچہ کو اشارہ فرما دیتے وہ ورق الٹ دیتا پھر آپ پڑھنے لگتے ۔ اس طرح ان کی ورزش بھی سراپا عبادت تھی ۔

اخلاق و عادات:۔ طبیعت میں بڑی ہمدردی تھی ۔ پڑوسی ، مریدین اور قرابت دار ہر ایک کا بڑا لحاظ کرتے ۔ ایثار کا عملی نمونہ تھے ۔ کسی کی تکلیف آپ سے دیکھی نہ جاتی تھی اور دوسروں کی آفت اور مصیبت کے وقت خود آڑے آجاتے ۔

حیدر آباد میں ۱۹۰۸ء میں طوفان آیا ۔ موسیٰ ندی میں طغیانی ہوئی ۔ ہزاروں گھر ویران اور سینکڑوں آدمی غرقاب ہوگئے ۔ بڑے بڑے راستوں پر پانی سیلاب کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا اس وقت فقیر پتھر گٹی کے مکان میں تھا ۔ مولانا فقیر کے گھر تشریف لائے ۔ فرمایا کہ " پانی بڑھتا جارہا ہے ۔ مکانات گر رہے ہیں ، شاہ علی بنڈہ بلندی پر ہے انشاء اللہ پانی نہ آسکے گا ۔ بابا ہمارے پاس چلو " ۔ فقیر کی بیوی نے کہا " ماموں جان میرے گھر میں دوسرے اور لوگوں نے پناہ لی ہے جب تک وہ لوگ میرے گھر سے چلے نہ جائیں میں نہیں چل سکوں گی " ۔ یہ سن کر متبسمانہ انداز میں فرمایا ۔ " بیٹا تم اپنے جملہ متعلقین کے ساتھ چلو کوئی اندیشہ نہ کرو " ۔ یہ فرمایا اور خود عبداللہ صاحب میوہ فروش کے گھر جاکر ان کی سواری لی اور ہمارے گھر میں جتنے لوگ تھے ان سب کو اپنے گھر پہنچایا ، جلد لے جانے کے لئے ایک ٹانگہ والے کو بھی بلالیا اس سے فرمایا ۔ " بابا کرایہ کرو گے ؟ اس نے عرض کیا ۔ " حضور میری جان آپ پر سے صدقہ ہے کرایہ کا کیا سوال ہے " اس ٹانگہ والے نے بھی ہمارے گھر کے لوگوں کو منتقل کرنے میں کافی مدد دی ۔ ہم سب لوگ جس قدر بھی مولانا کے مکان پر آکر ٹھیرے تھے انہیں تین دن تک مولانا نے اپنی طرف سے کھانا کھلایا اپنی ہر چیز پناہ گزین حضرات کے لئے وقف فرمادی ۔ جب پانی کا زور پوری طرح کم ہوگیا اور حالات ٹھیک ہوگئے تو اس وقت لوگ وہاں سے واپس ہوئے ۔

ہر سال ربیع الاول اور ربیع الثانی کے مبارک مہینوں میں کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلاتے ۔ دستر خوان پر بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہیں رہتا ۔ سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ۔ خود بھی شریک ہو جاتے ۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ کھانا تیار کرنے کے انتظام میں آپ بھی حصہ لیتے ۔ کبھی پانی کا گھڑا کندھے پر اٹھا کر لاتے ۔ کبھی اور کام کر لیتے ۔ مریدین عرض کرتے تو آپ فرماتے آخر مجھے بھی تو کچھ کرنا ہی چاہئیے ۔ تم لوگ کام کرتے رہیں اور میں کھڑا منہ تکتا رہوں بھلا یہ کیسے ممکن ہے ؟ آپ کے اخلاق کے نہ صرف اپنے بلکہ اغیار بھی مداح تھے ۔

ان دنوں جب کہ قادیانی فتنہ زور پکڑ رہا تھا ۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا ۔ آپ نے اس کے رد میں کئی رسالے لکھے ۔ اور انھیں دعوت مباہلہ بھی دی ایک دعوت نامہ متعدد علماء و مشائخین حیدر آباد کی دستخطوں سے ان لوگوں کے پاس بھیجا بھی گیا مگر ادھر سے کوئی نہ آیا ۔ اور نہ اس کا کوئی جواب ہی دیا گیا ۔

بڑے ماموں صاحب قبلہ کے ساتھ نانی اماں صاحبہ کی ہمراہی میں مولانا نے بھی حج کا سفر کیا ۔ سفر میں ہم بھی تھے ۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ گئے اور وہاں نو دس مہینے رہے پھر مکہ معظمہ آکر دوسرا حج ادا کیا پھر حیدر آباد واپس ہوئے ۔

ایک دفعہ مولانا ہند کے مشہور عالم و محدث مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب سے ملنے بھی ان کے پاس تشریف لے گئے ۔ ان دونوں حضرات میں بڑی محبت تھی ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے ۔

تصنیف و تالیف:۔ یوں تو حضرت کے قلمی مسودات بہت تھے مگر ان میں چار پانچ سے زیادہ شائع نہ ہوسکے ۔ لوگوں کا عام مذاق اس طرف بہت ہی کم تھا ۔ وہ تو ان ہی بزرگوں کا طفیل ہے کہ لوگوں میں مذہبی ذوق پیدا کیا گیا ۔ ان حضرات نے اپنے فیوض و کردار

سے کچھ اس طرح ان زنگ آلودہ قلوب کو مانجھ دیا کہ اندر کا جوہر چمک اٹھا۔

۱۔ ۱۳۱۴ھ میں حضرت شیخ تاج الدین عطاء اللہ (سکندری رحمۃ اللہ علیہ) المتوفی ..، ھ کی مشہور تصنیف الموسوم بہ "رسالہ تاج النفوس الحادی تہذیب النفوس" کا اردو زبان میں بامحاورہ سلیس ترجمہ کرکے شائع فرمایا اور اس کا نام "رہبر طریقت" رکھا۔

۲۔ **تصریف القادری** - فارسی افعال کی گردان جس طرح آمدن سی لفظی میں بلحاظ ترتیب حروف ابجد کی گئی ہے اسی نہج پر عربی افعال کو ترتیب دے کر ایک مختصر رسالہ بنام "تصریف القادری" شائع فرمایا۔ اس رسالہ میں صرف صغیر اور صرف کبیر دونوں کو آسان اور سلیس انداز میں جمع فرمایا ہے۔

۳۔ **"تفسیرِ قادری"** جیسا کہ اس سے قبل ضمناً ذکر کیا جاچکا ہے۔ مولانا ہر جمعہ کی نماز کے بعد مکہ مسجد میں آیات قرآنی کا عام فہم ترجمہ کرکے مسائل دینیہ سمجھاتے تھے۔ یہ طریقہ اتنا موثر ہوا کہ لوگ آپ کے وعظ میں بکثرت شریک ہونے لگے۔ اور آپ نے بھی قرآن شریف کی مسلسل تفسیر شروع فرمائی۔ چودہ پاروں تک یہ سلسلہ چلاتا تھا۔ مریدین اور معتقدین نے اس تفسیر کو شائع کرنے کا مطالبہ شروع کیا۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل یعنی پندرھویں پارہ سے اس کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ الغرض یہ تفسیر ہر ماہ ایک رسالہ کی شکل ۳۰۔۴۰ صفحات پر شائع ہونے لگی۔ اس کا تاریخی نام "تفسیر کشف القلوب" رکھا گیا تقریباً بارہ پارے بارہ (۱۲) سال ہی کی مدت میں دو ہزار سے کچھ زائد صفحات پر ہونے پائے تھے کہ صفر ۱۳۳۰ھ میں مولانا کا وصال ہوگیا۔ اور یہ سلسلہ ناتمام رہ گیا تھا۔ اب مولانا کے بڑے فرزند مولوی سید محمد بادشاہ قادری سلمہ نے اس سلسلہ کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ خدا انھیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اور یہ کام جلد سے جلد پورا ہو۔

۴۔ **"فرائض القادری"** علم المیراث کے احکام بھی زبان اردو میں واضح طور پر نہ ہونے سے تقسیم ترکہ میں دشواریاں تھیں مولانا نے اس دقت کو رفع کرنے کی نیت سے ورثہ کے حصص وغیرہ کی تفصیلی طور پر ایک مثنوی بحر رمل مسدس میں ۱۶۴ صفحہ کی مدون فرمائی اور اس کا تاریخی نام "قائم الفرائض" (۱۳۲۲ھ) رکھا۔ اس رسالہ کے باعث مسلمانوں کو تقسیم ترکہ میں بڑی سہولت ہوئی۔

"مجلس موید الاخوان":۔ مولانا کا ایک بڑا کارنامہ بلکہ صدقہ جاریہ یہ ہے کہ قرضۂ حسنہ کی ایک مجلس بنام "موید الاخوان" قائم فرمائی۔ اس کے سبب ایک تو مسلمانوں کو سودی قرض لے کر کاروبار کرنے سے نجات مل گئی۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ اس مجلس میں ہر شخص کو کچھ نہ کچھ پس انداز کرکے جمع کروانے کی رغبت دلائی جاتی تھی۔ اور مسرفانہ رسوم اور ناجائز تقاریب سے روکا جاتا تھا۔ یہ مولانا کی نیک نیتی تھی کہ وہ مجلس اب تک قائم ہے۔

انتقال:۔ افسوس ہے کہ اس مجموعہ محاسن و خوبی نے عالم شباب میں یعنی (۴۸) اڑتالیس سال کی عمر میں اس دنیائے ناپائیدار سے منہ موڑ کر خلد بریں کی راہ لی ۱۳۳۰ھ میں حیدرآباد میں مرض طاعون شدت سے پھوٹ پڑا تھا۔ سینکڑوں آدمی شکار ہوئے۔ ماہ صفر ۱۳۳۰ھ کے اوائل یعنی آٹھ دس دن آپ کو بخار آیا اس کے بعد ہی کنج ران میں گلٹی نمودار ہوئی۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص طاعون سے مرے وہ شہید ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو درجۂ شہادت سے بھی سرفراز کیا۔ جمعہ کے دن بیسویں صفر کو آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ منتی

آپ کا عقد ۱۳۰۴ھ میں سید شاہ اسد اللہ حسینی قادری مشائخ جنیر (پونا) کی منجھلی صاحبزادی "امۃ المجید بیگم" سے سکندرآباد میں ہوا تھا۔ جن سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادریؒ

شیخ الشیوخ حضرت مولانا سید عمر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر " شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادری " رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ لئیق — تخلص فرماتے تھے ۔ قاضی پورہ بلدہ حیدرآباد میں ۱۷ ۔ ذیقعدہ ۱۳۱۷ ہجری کو پیدا ہوئے ۔ مادہ تاریخ ولادت " متواضع " ہے ۔ اور ۱۶ ۔ ربیع الآخر ۱۳۸۴ ، مطابق ۲۵ ۔ اگسٹ ۱۹۶۴ ، روز سہ شنبہ بوقت ۵ ۱/۲ ساعت شام وصال فرمایا اور اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہیں ۔

ابتدائی تعلیم تیرہ (۱۳) سال کی عمر تک اپنے والد محترم سے حاصل فرمائی ۔ پھر جامعہ نظامیہ میں شریک ہوئے اور درس نظامیہ کی تعلیم حاصل کی ۔ ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ بروز جمعۃ الوداع بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت نے علماء کرام کی موجودگی میں مولانا حبیب الرحمنٰ خاں شروانی ، نواب صدر یار جنگ صدر الصدور میر مجلس جامعہ نظامیہ کے ساتھ منبر مکہ مسجد پر دستار فضیلت باندھی ۔ جس کا دعوت نامہ حضرت کے نام سے شائع ہوا تھا ۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا انوار اللہ خان صاحب فضیلت جنگ ، مولانا عبدالکریم صاحب شیخ جامعہ ، مولانا شاہ محمد صاحب شطاری شیخ الادب ۔ مولانا سید ابراہیم صاحب ادیب پروفیسر عربی جامعہ عثمانیہ ، اور مولانا مفتی رحیم الدین صاحب شیخ جامعہ نظامیہ قابل ذکر ہیں ۔

جامعہ نظامیہ نے جس چراغ کے لئے تیل فراہم کیا تھا بحرالعلوم علامہ عبدالقدیر نے اس چراغ کو روشن چراغ بنادیا ۔ جس کو آج دنیا شیخ الاسلام کے نام سے یاد کرتی ہے ۔ حضرت بادشاہ حسینی نے تقریباً ۳۰ سال حضرت سے مختلف علوم و فنون میں استفادہ فرمایا ۔ بحرالعلوم عبدالقدیر نے پچھلے اکابر علم اور علمائے ربانیین کے فیض علوم کا وہ جوہر جامع جو حضرت میں جمع ہوگیا تھا حضرت علامہ سید عمر قادری کے نور نظر کے سینے میں بہت کچھ منتقل کردیا ۔ چنانچہ حضرت بادشاہ حسینی ایسی جامع الجہات شخصیت بن کر ابھرے کہ آج کی دنیا میں جن کی نظیر ملنی مشکل ہے ۔

واعظ مکہ مسجد انھوں نے ہر جمعہ مکہ مسجد میں بعد نماز جمعہ اپنے والد کے وعظ کو اپنی ساری زندگی جاری رکھا ۔ ہر سال ۱۱ / ربیع المنور کو اور ۲۶ / رجب کو مکہ مسجد میں وعظ فرمایا کرتے جس میں حضور نظام آصف سابع بپابندی شرکت فرماتے ۔ اور بیحد محظوظ ہوتے تھے حضور نظام کی موجودگی میں دوران وعظ جہاں اہلبیت اطہار کی محبت پر زور دیتے وہیں صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت و توقیر کا اس انداز میں اظہار فرماتے کہ رافضیت کے پرخچے اڑجاتے ۔

ہر سال ابتداء میں گھر پر بمقام قاضی پورہ ، جب قادری چمن منتقل ہوگئے تو قادری چمن میں یکم ربیع الاول سے ۱۲ / ربیع الاول اور یکم ربیع الآخر سے (۱۱) ربیع الآخر تک اور یکم محرم سے (۱۰) محرم تک وعظ فرمایا کرتے ۔ سامعین کے قلوب ایمان ، عشق خدا اور رسول اور محبت اولیائے کرام سے معمور ہوجاتے ۔ ایک عرصے تک حضور نظام نے قادری چمن میں وعظ میں شرکت کی غرض سے حاضری دی ہے ۔ ہر اتوار کو تفسیر کا درس ہوتا ۔ حلقہ ذکر ہوتا ۔ نعت پڑھی جاتی ۔ ہر ماہ تاریخ مقررہ پر سماع کی محفل سجتی بڑا ہی کیف و رنگ رہتا ۔

بحیثیت معتمد صدر مجلس علمائے دکن تقریباً چالیس سال فقہی و شرعی امور کی نگرانی اور ان کی عمل آوری کے اہم فرائض انجام دیتے رہے ۔ پولیس ایکشن کے بعد امور شرعیہ سے متعلق جو نازک اور پیچیدہ حالات پیدا ہوئے ان کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا ۔ اور بڑی حد تک ان کی

پاسبانی فرمائی ۔ جب بے روح موحدین نے جو مار آستین تھے ، استعانت بالاولیاء ، مروجہ فاتحہ ، حیات بعد الممات ، ایصال ثواب ، معراج جسمانی ، حیات النبی جیسے مسلمہ مسائل اہلسنت و الجماعت کے بارے میں زہر افشانی و فتنہ پردازی شروع کی اور جاہل مسلمانوں کے قلوب سے محبت و عظمتِ رسول کا سرقہ نئے نئے عنوانات سے شروع کیا تو ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوگئے ۔ مکہ مسجد کے منبر سے عقائد صحیحہ کا پرچار کیا اور لٹریچر شائع کر کے مسلمانوں کے دین و ایمان ، عشق نبی ، حب اہلبیت اطہار ، عظمت صحابہ کرام و نسبت اولیائے عظام کی ممکنہ حد تک حفاظت فرمائی ۔

جسٹس ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ کی مدت اختتام پر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ کے میر شعبہ منتخب ہوئے اس وقت مولانا مناظر احسن گیلانی صدر شعبہ دینیات تھے اس عہدہ کی مدتِ اختتام کے بعد جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ مذہب و ثقافت سے دلچسپی لیتے رہے ۔

سیاسیات کی پُر خاروادیوں میں کانٹوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے وہ جولانیاں دکھائیں کہ مسلمانوں کے حقوق تلف ہونے سے بچے ۔

شاہ سعود جس وقت حیدر آباد تشریف لائے تھے اعلحضرت نے سپاسنامہ بزبان عربی مولانا سے پڑھوایا ۔ اس وقت کا منظر قابلِ دید تھا ۔ مولانا کے سیدھے جانب شاہ سعود اور بائیں جانب اعلحضرت حضور نظام اور دونوں کے قریب اور سامنے کے رخ پر مولانا کھڑے سپاسنامہ پیش فرما رہے تھے ۔ حضور نظام نے مولانا کا تعارف پر عظمت انداز میں شاہ سعود سے فرمایا تھا ۔

مولانا نے جس وقت بغرض حج و زیارت مکہ معظمہ و مدینہ منورہ حاضری دی تو شاہ سعود نے بطور خاص مولانا کو خاصہ پر مدعو فرمایا اور نہایت تکریم سے پیش آئے ۔

آپ کو بیعت و خلافت اپنے والد ماجد سے حاصل تھی ۔ یوں تو دیگر سلاسل میں بھی آپ کو اجازت حاصل تھی مگر آپ سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت لیتے تھے کیونکہ آپ قادری المشرب تھے ۔ آپ کے مریدین و معتقدین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی ۔

مولانا سید محمد بادشاہ حسینی کا عقد اکیس سال کی عمر میں ۱۹ / ذی الحجہ ۱۳۳۸ ھ کو جمعہ کے دن حضرت افتخار علی شاہ چشتی وطن علیہ الرحمہ کی پوتری یعنی حضرت سید شاہ معین اللہ حسینی چشتی کی چھوٹی صاحبزادی رحمت النساء بیگم سے ہوا تھا ۔ جن کے بطن سے تین صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے بوقت وصال موجود تھے ۔

مولانا کی وفات کے بعد مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا الحاج حبیب محمد عمر حسینی اپنے والد کے جانشین ہوئے ● ۔

اولاد کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

● ان کے انتقال پر مولانا الحاج حبیب قاسم حسینی صاحب اس وقت جانشین ہیں ۔ (اکیڈیمی)

حیات

حیات

صفحہ

۱۔ ولادت

حضرت شاہ محمد عبدالقادر صدیقی کے فرزند اکبر سیدی و سندی ۔بحرالعلوم علامہ مولانا الحاج محمد عبدالقدیر صدیقی قادری قدس سرہ تھے ۔ حضرت کی والدہ محترمہ حضرت سیدہ انور بیگم صاحبہ حضرت میر پرورش علیؒ المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینیؒ کی صاحبزادی اور حضرت خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ کی حقیقی بہن تھیں ۔

حضرت کی ولادت باکرامت محلہ قاضی پورہ شریف حیدرآباد دکن میں اپنے نانا کے گھر ۲۷ ۔ رجب المرجب ۱۲۸۸ ھ روز جمعہ ۱۱ ساعت دن ہوئی ۔

کنیت ابو العباس ہے ۔ حسرت تخلص فرماتے تھے ۔ خاندان میں بڑے میاں اور عام طور پر بڑے مولوی صاحب سے مشہور تھے ۔

حضرت کا سلسلہ پدری ۲۸ ۔ واسطوں سے حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ، مادری سلسلہ ۳۲ واسطوں سے حضور سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملتا ہے ۔

(ملاحظہ ہو شجرہ)

۲۔ بھائی بہن

حضرت محمد عبدالمقتدر صدیقی

حضرت کے حقیقی چھوٹے بھائی حضرت مولانا شاہ محمد عبدالمقتدر صدیقی قادری فضل حضرت سے عمر میں ڈھائی سال چھوٹے تھے۔

ولادت ۶۔ محرم الحرام ۱۲۹۱ ہجری میں ہوئی۔ مولانا کی تسمیہ خوانی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم کے روضہ اقدس کے پاس مواجہ شریف میں ہوئی۔ مولانا کے بڑے ماموں اور پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ نے بسم اللہ پڑھائی۔

مولانا کا عقد ۱۲ سال کی عمر میں ان کی حقیقی چچازاد بہن حضرت امیر بیگم صاحبہ سے جو مولانا کے عم محترم حضرت غلام حسین صدیقی کی چھوٹی صاحبزادی تھیں عمل میں آیا۔ اس طرح مولانا حضرت بحرالعلوم کے بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ہم زلف بھی تھے۔

تعلیم ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اس کے بعد مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوئے پنجاب یونیورسٹی سے منشی، مولوی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات کامیاب کئے مولانا کو ممتاز علماء مثلاً علامہ ابوبکر بن شہاب، مولانا نادر الدین، مولانا عون الدین وغیرہ سے تلمذ حاصل رہا۔ مولانا نے منصور علی صاحب سے حدیث پڑھی۔ اور بعد میں صحاح ستہ کی سند حضرت مولانا عبدالباقی صاحب فرنگی محل مہاجر مدینہ منورہ سے حاصل فرمائی۔ قرآن مجید تجوید کے ساتھ اپنے چھوٹے ماموں حضرت مولانا سید عمر قادری قدس سرہ کو سنایا۔

امتحان مولوی فاضل کی تیاری کے زمانہ میں جب کہ وقت کم تھا اور نصاب زیادہ اور جلد اس کی تکمیل کی ضرورت تھی، ادق کتابیں اپنے برادر معظم حضرت مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی قدس سرہ سے پڑھیں۔ ذہین طلباء کا جب کبھی تذکرہ نکلتا تو حضرت آپ کا نام ضرور لیتے اور فرماتے "عبدالمقتدر صاحب کے جیسا ذہین میں نے کسی کو نہ پایا۔ نہایت ادق کتابیں، اہم اور نازک علمی مسائل جب میں ان کو پڑھاتا یا سمجھاتا تو فوراً ان کی سمجھ میں آجاتے اور یاد ہوجاتے۔

حیدرآباد کے مشہور خوشنویس مولوی قدرت اللہ صاحب سے عربی خط کی اور اپنے چچا مولوی محمد اکبر صدیقی (پدر بزرگوار نواب اظہر جنگ و نواب صدیق یار جنگ) سے فارسی خط کی اصلاح لی۔

طب یونانی کی بھی تعلیم پائی لیکن امتحانات میں شرکت کا موقع نہ مل سکا۔ مولانا کی نبض شناسی کی ہر شخص تعریف کرتا تھا۔ اہل قرابت اور معتقدین کا کامیاب علاج بھی کرتے تھے۔ اور مفید مشورے دیتے تھے۔

بیعت مولانا کو اپنے بڑے ماموں حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ سے کئی سلسلوں میں خصوصاً سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت اور روحانی تعلیم حاصل کرنے کا شرف حاصل تھا۔ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ مولانا کی خلافت کے بارے میں تفصیلات "گلدستہ تجلیات" سوانح حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ، خلفاء کے عنوان کے تحت درج ہیں۔

علاوہ ازیں خود مولانا نے جو تفصیل بیان فرمائی اس کا حاصل ذیل میں درج ہے۔

خلافت حضرت خواجہ میاں صاحبؒ اپنے وصال کے قریب اپنے بعض مریدوں کو خلافت عطا فرمارہے تھے۔ مولانا کو بھی یاد فرمایا۔ مولانا موجود نہ تھے۔ مولانا کو بلانے کے لئے اپنے ایک مرید کو روانہ کیا لیکن مولانا اس وقت گھر میں تشریف فرما نہ تھے۔ خواجہ میاں صاحبؒ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد مولانا کے چھوٹے ماموں سید عمر صاحبؒ نے باطنی طور پر خواجہ میاں صاحبؒ کا حکم پاکر خلافت دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مولانا نے پوچھا یہ خلافت آپ کی ہے یا پیر و مرشد کی؟ (یعنی خواجہ میاں صاحبؒ کی) سید عمر صاحب نے بتایا کہ یہ خلافت پیر و مرشد (خواجہ میاں صاحبؒ) کی ہے جو بہ تعمیل حکم دی جارہی ہے۔ یہ سننے کے بعد مولانا نے خلافت قبول فرمائی۔ اور سب کی

متفقہ رائے سے حضرت، خواجہ میاں صاحبؒ کے خلفاء میں آپ کا شمار ہوا ۔ علاوہ اس کے مولانا کو اپنے والد ماجد سے بھی متعدد سلسلوں میں یعنی قادریہ ، چشتیہ ، سہروردیہ ، رفاعیہ ، مداریہ اور قلندریہ کی اجازت حاصل تھی ۔

مولانا کا ابتدائی تقرر مدرسہ وسطانیہ میدک کی صدارت پر ہوا ۔ ناظم تعلیمات الملطیفی کے زمانہ میں تبادلہ ترقی کے ساتھ اولاً چادر گھاٹ ہائی اسکول پر پھر سٹی ہائی اسکول پر کیا گیا ۔ چند سال یہاں کام کرنے کے بعد مولانا کو میدک کے مدرسہ کی صدارت پر بھیجا گیا جو اب ترقی کرکے فوقانیہ کا درجہ حاصل کر چکا تھا ۔ تقریباً ڈھائی سال بحیثیت گزیٹڈ افسر خدمت انجام دینے کے بعد مولانا کا تبادلہ جاگیردار کالج پر بحیثیت مددگار پروفیسر عربی ہوا ۔ وہاں سے جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں حدیث کے مددگار پروفیسر کی حیثیت سے خدمت دی گئی ۔ اس وقت حضرت بحرالعلوم صدر شعبہ دینیات تھے ۔ چند سال توسیع پانے کے بعد مسٹر میکنزی کے دور میں وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوگئے ۔

حج و زیارت صغر سنی میں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ ایک سفر میں دو حج کئے ۱۳۴۹ھ میں زوجہ محترمہ اور فرزند اکبر مولوی محمد عبدالغفور صدیقی کے ساتھ دوسرا سفر حجاز فرمایا ۔ ۱۳۵۰ھ میں بغداد شریف ، کربلائے " معلیٰ " نجف اشرف اور دیگر زیارتوں کی غرض سے زوجہ محترمہ اور فرزند دوم مولوی محمد عبدالصبور صدیقی کے ہمراہ سفر فرمایا ۔ مولانا نے آخری حج ۱۳۵۶ھ میں زوجہ محترمہ کے ہمراہ کیا ۔

بچپن میں والد اور والدہ کے ساتھ اور کبر سنی میں دوبارہ اجمیر شریف ، دہلی آگرہ کا سفر فرمایا ۔

مولانا صورت شکل اور وجاہت میں اپنے برادر معظم سے مشابہ تھے ۔ البتہ بچپن میں چیچک نکل آئی تھی ۔

حق گوئی مولانا کا وصف خاص تھا ۔ نہایت رقیق القلب واقع ہوئے تھے ۔ کسی کی تکلیف سے جلد متاثر ہوجاتے ۔

بوقت مناجات مولانا کی گریہ وزاری اور بوقت سماع رقت بڑی متاثر کن تھی ۔

وعظ و خطاب ہر سال ۱۰ ۔ محرم کو مسجد کالی کمان میں اور ۱۲ ۔ ربیع الاول و ۱۲ ۔ ربیع الآخر کو اپنے مکان (" مقتدر منزل " (واقع براق پنچی) پر زیارت آثار مبارک کی محافل میں وعظ فرماتے ۔ وعظ عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہوتا ۔ خود بھی روتے ، دوسروں کو بھی رلاتے ۔ سامعین کی دستیاں تر ہوجاتیں ۔ مولانا کے رخسار پر آنسو کی لڑیاں بہتی رہتیں ۔

خوش مزاجی مولانا نہایت خوش مزاج واقع ہوئے تھے ۔ بات میں بات ایسی پیدا کرتے کہ لوگ ہنس پڑتے اور خود مسکراتے ۔

محافل ہر ہفتہ شب جمعہ ذکر الٰہی کا حلقہ ہوتا ۔ بڑی برکت محسوس ہوتی ۔

ہر ماہ ہلالی کی دسویں تاریخ گیارہویں شب میں محفل سماع منعقد ہوتی ۔ مریدین اور خاندان کے لوگ شریک محفل رہتے ۔ علی بخش قوال (واعظ قوال) مولانا کا مرید تھا ۔ گرہ پر گرہ لگاتا خوب واہ واہ ہوتی اور ساتھ ساتھ وجدانی کیفیت بھی طاری رہتی ۔ علی بخش مولانا ہی کے مقبرہ میں پائین میں مدفون ہے ۔

درس و تدریس گھر پر درس و تدریس کا سلسلہ بھی برسوں جاری رہا ۔

طبیعت میں نزاکت بلا کی تھی ۔ ذرا سی بات بھی ناگوار خاطر گذرتی ۔ لوگ طبیعت سے واقف رہنے کی وجہ سے مولانا کے روبرو اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے ۔

حقوق العباد مولانا ایسے وقت ٹوٹ پڑتے جب کسی پر رنج و غم بیماری پریشانی کا وقت آن پڑتا ۔

حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد ہر وقت پیش نظر رہے۔ اہل و عیال پر فرداً فرداً توجہ فرماتے اور ان کی ہر ضرورت پر نظر رکھتے۔ دامے۔ درمے سخنے ہر طرح مدد فرماتے اور بڑا خیال رکھتے۔

مولانا نے اپنے فرزند دوم مولوی محمود عبدالصبور صدیقی کی بی۔ اے میں کامیابی کی خوشی میں ان کی گلپوشی کی۔ خاندان کے اکثر حضرات کو مدعو کیا۔ حضرت بحرالعلوم کی خصوصی دعوت تھی۔ کیونکہ وہ حضرت کے داماد تھے۔ گلپوشی حضرت کے دست مبارک سے کروائی گئی۔ بعد گلپوشی حضرت نے ان کو دعا دی "اللہ تم کو چچا کا علم اور باوا کا تقویٰ عطا کرے"۔ مولانا نے فوراً کہا "بھائی آپ یہ کیا فرما رہے ہیں" "میں آپ کی قسمت کی آدھی قسمت لے کر پیدا ہوا ہوں"۔ یہ جملہ سن کر مجھے مولانا کی للہیت کا اندازہ ہوا۔

مجلس قادری مولانا نے حیدرآباد کے قادری المشرب حضرات کے آپسی میل ملاپ اور باہمی اتحاد کے مقصد کے تحت ایک "مجلس قادریہ" کے نام سے قائم کی تھی۔ اس مجلس کے شرکاء سلسلہ وار ہر ماہ کسی ایک رکن کے گھر پر جمع ہوتے، باہمی تبادلہ خیالات ہوتا۔ نعت پڑھی جاتی اور چائے خوری کے بعد سب برخواست کرتے۔

مولانا نے نئی پود کی اپنے بزرگوں کے حالات اور ان کے مدفن سے واقفیت کی غرض سے مولوی شمس الدین صدیقی مؤلف تاریخ شمسیہ کے تعاون سے ایک تختہ تیار کیا تھا جس میں تاریخ ماہ اور مقام مدفن ظاہر کیا گیا تھا۔ خاندان کے افراد میں اس پرچہ کو طبع کرواکر تقسیم کروایا تھا۔ تاریخ مقررہ پر تمام خاندان کے افراد مزار پر بہ پابندی وقت جمع ہوتے۔ بچوں کو ساتھ لاتے۔ قرآن خوانی ہوتی۔ صاحب مزار کے تعلق سے معلومات آفریں تقاریر ہوتیں پھر سب وہاں سے برخواست کرتے۔

تقاریر کی تربیت مولانا نے نوجوانوں میں قوت گویائی بڑھانے اور جھجک نکالنے کے مقصد کے مدنظر ایک ڈبیٹنگ سوسائٹی بھی قائم فرمائی تھی جس میں خاندان کے نوجوان حصہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مجھے بھی کئی بار اس سوسائٹی کے جلسوں میں تقریر کرنے کا موقع ملا۔

علمی محافل اپنی زوجہ محترمہ کو قرآن حفظ کروایا۔ حدیث وفقہ پڑھائی۔ سالانہ مجالس آثار مبارک میں وہ وعظ کیا کرتی تھیں۔ وعظ سننے کے لئے مستورات کثرت سے جمع ہوتیں۔ پند و نصائح سے وعظ بھرپور رہتا۔ بڑی متقی، عارفہ اور زاہدہ بی بی تھیں۔ خود ان کے حالات پر کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ ان کی زندگی عورتوں کے لئے درس عمل تھی۔ شوہر کی حد درجہ اطاعت گذار اور فرمانبردار ان جیسی بیوی نظر آنا مشکل ہے۔ شوہر کی خدمت میں انھوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ رات دن میاں کی نظر دیکھتی رہتیں اور ان کو اپنے سے راضی رکھتیں یہ جوڑا بچپن کا جوڑا تھا۔ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد زندہ رہیں مگر اس صدمہ جانکاہ کے بعد صحت متاثر رہنے لگی۔ آخر زمانہ تو عالم استغراق میں گذرا۔ چنانچہ بیشتر اوقات مدینہ طیبہ کے دھیان میں رہتیں۔ عشق رسول میں نعت شریف کے اشعار نہایت درد کے ساتھ پڑھا کرتیں۔ عشق رسول کا یہ عالم تھا کہ دن رات گریہ وزاری میں گزرتی۔ مدینہ شریف کو جانے کی دھن میں وصال فرمایا۔ (تاریخ وصال ۱۴۔ رجب ۱۴۰۵ھ روز دوشنبہ بعمر ۸۱ سال ۵ ماہ) سنتے ہیں کہ جو جہاں کی دھن میں مرتا ہے قبر سے لاش وہیں منتقل کردی جاتی ہے۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ اپنے محترم شوہر کے پہلو میں مدفون ہیں۔

ایک مرتبہ مولانا کی خدمت میں مقتدر منزل حاضر ہوا۔ پردہ اٹھا کر اندر جو پہنچا تو دیکھا کہ مولانا کمرے کے بازو پیش دالان کی زہ پر دونوں پیر سیڑھیوں پر رکھے تشریف فرما ہیں منور چہرہ پر جونہی نظر پڑی ہمارے حضرت کی صورت آنکھوں میں پھر گئی آگے بڑھ کر میں نے مولانا کے قدم چوم لئے۔ فرمایا "بابا تم اپنے نانا اور پیر کے قدم چوما کرنا یہ میرے قدم کیوں چوم رہے ہو"۔ میں نے عرض کی "میں نہ

نانا کے قدم چومتا ہوں اور نہ آپ کے قدم چوما ہوں میں تو آپ حضرات کو رسول اللہ کی چلتی پھرتی ، جیتی جاگتی تصویر سمجھتا ہوں " ۔ یہ سن کر مولانا نے فرطِ مسرت سے میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور بھرائی آواز میں کہا " بابا یہی چیز کل کام آنے والی ہے " ۔

ناسازیٔ مزاج زندگی کے آخری زمانہ میں مولانا کی صحت متاثر ہوگئی تھی ۔ سخت اختلاج رہا کرتا تھا اور مولانا کے شدید اختلاج کا ایک مرتبہ حضرت کے سامنے تذکرہ آیا تو فرمایا ۔ " چھوٹے میاں جس زمانہ میں مجھ سے پڑھا کرتے تھے میں ان کی طرف بے حد متوجہ تھا ان کی یہ گھبراہٹ اور اختلاج میری اس زمانہ کی توجہ کا اثر ہے " ۔ عام آدمی کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اختلاج فقیر کی باطنی غذا ہے ۔ اگر فقیر اختلاج میں کمی محسوس کرے تو اس کو ایک دوسرے قسم کا اختلاج شروع ہو جاتا ہے ۔

تازہ فتنہ اگر بپا نہ ہوا ÷ ہم سمجھتے ہیں ہم کو بھول گئے (حسرت صدیقی)

اختلاج کے ساتھ ساتھ مولانا کو سنگ مثانہ کی شکایت پیدا ہوگئی تھی ۔ علالت نے طول پکڑا تو دواخانہ عثمانیہ میں اپریشن کیا گیا اور پتھری نکالی گئی ۔ کئی روز تک مولانا دواخانہ میں شریک رہے اسی زمانے میں میری شادی ہوئی تھی ۔ دلہن چونکہ مولوی عبدالرحیم صاحب (ابن بحرالعلوم مولانا عبدالقدیر) کی صاحبزادی ہیں اور رحیم پاشاہ حضرت کو مولانا نے گود لے لیا تھا اسی وجہ سے خصوصی لگاؤ تھا ۔ علاوہ ازیں میری والدہ بھی ان کو بے حد عزیز تھیں ۔ لہٰذا دولھا دلہن کو دواخانہ ہی میں یاد فرمایا ۔ چنانچہ ہم دواخانہ میں مولانا کی خدمت میں پہنچے ۔ پھولوں کے ہار ہم دونوں کو پہنائے اور موسمی سے تواضع کی ۔ پھر اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا " اب تم ان دونوں کا منہ لال کرو " چنانچہ محترمہ نے پان پیش کرتے ہوئے یہ مصرع پڑھا ۔

" پان یہ پان کھائے جا ، جاناں سے دل لگائے جا "

مولانا نے مسکراتے ہوئے حکیمہ انداز میں فرمایا " تم دونوں ایک دوسرے کو اپنے ہاتھ سے پان کھلاؤ " چنانچہ ہم کو تعمیل حکم کرتے بنی ۔ مولانا جو منظر دیکھنا چاہتے تھے پیش ہوا تو مسرت سے چہرہ کھل اٹھا ۔ اہل خاندان کو مولانا کی اس ناسازی طبیعت کے موقع پر اس قدر مسرور ہونا غنیمت معلوم ہوا اور ان میں بھی مولانا کی مسرت دیکھ کر خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔

آخری محفلِ آثارِ مبارک آپریشن کے بعد مولانا آخردم تک تقریباً ایک سال سوائے دودھ کے اور کوئی غذا استعمال نہ کر سکتے تھے ۔ ماہ ربیع الاول میں آثار مبارک کی محفل میں مولانا نے وعظ نہیں فرمایا ۔ اندر نعمت خانہ ہی میں لیٹے لیٹے اپنے بڑے فرزند عبدالغفور صدیقی عرف بڈھے حضرت کا وعظ سنتے رہے ۔ نعمت خانہ کے دروازوں پر چلمن پڑی ہوئی تھی ۔ حاضرین نے بجائے مولانا کے ان کے فرزند کو وعظ کرتا ہوا اور ان کی جگہ تخت پر بیٹھا ہوا دیکھا تو رو پڑے خود بڈھے حضرت کا دورانِ وعظ یہ عالم تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی ۔ جب آثار مبارک کی برآمدی سے پیشتر سلام گزرانا جانے لگا تو نعمت خانہ کی چلمن اٹھی اور مولانا وائل کا کرتہ پہنے لنگی باندھے اپنے دو رشتہ داروں کے سہارے جھکے ہوئے برآمد ہوئے تو سب کے منہ سے بے اختیار درود نکل گیا ۔ گویا کہ یہ بھی ایک اثر مبارک ہیں ۔ چہرہ کی کیفیت اور آب و تاب ناقابل بیان تھی ۔

وصال جب مولانا عالم سکرات میں تھے انتقال سے کچھ دیر پیشتر میں پہنچا ۔ مولانا دوسری طرف تھے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کے دونوں پیر پکڑ لئے کہ عاشق رسول قریب ہے کہ اپنے معشوق سے جا ملے ۔ مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میں برقی کے خزانہ کو چھو گیا ہوں ۔ میری نس نس میں برقی اثر محسوس ہوا ۔ مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ مولانا میں بے انتہا سکونی کیفیت ہے شاید یہ اور چند دن سلامت رہیں ۔ اطمینان محسوس کرکے گھر واپس ہوا ۔ راستہ میں مجھے اطلاع ملی مولانا کی روح قفس عنصری سے آزادی حاصل کر چکی ہے ۔

مولانا بعمر ۷۶ سال ۱۹ ربیع الاول ۱۳۶۷ ہجری بروز یکشنبہ شب کے تقریباً ۱۱ بجے اس دار فانی سے اپنے محبوب کے پاس تشریف لے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حیدرآباد کے مشہور خوشنویس مولوی حشمت علی صاحب قادر رقم نے قرآنی آیت سے حسب ذیل سن وصال نکالا۔

" ان المتقین فی جنت وعیون "
۱۳۶۷ ھ

مرقد عشاق حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قدس سرہ کی گنبد کے قریب مولانا اپنی خرید کردہ زمین میں مدفون ہیں۔ خود مولانا نے اس مقبرہ کا نام " مرقد عشاق " رکھا تھا۔

حضرت نے مولانا کے تعلق سے فرمایا تھا " چھوٹے میاں کے ویسا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے۔ ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں "۔ انتقال کی خبر سنتے ہی فرمایا " میرا سیدھا بازو آج مجھ سے جدا ہوگیا "۔

اولاد مولانا کی اولاد از بطن امیر النساء بیگم صاحبہ تین فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ منسلکہ) تینوں صاحبزادیاں مولانا کے حین حیات انتقال کر گئیں جو صاحب اولاد تھیں۔ مولانا کے وصال کے بعد بڑے فرزند اور چھوٹے فرزند نے انتقال کیا منجھلے فرزند مولوی محمد عبدالصبور صدیقی جو حضرت کے داماد تھے کچھ عرصہ قبل انتقال کر گئے۔

مولوی الحاج محمد عبدالغفور صدیقی فاضل مولانا کے فرزند اکبر اپنے والد کے بعد ان کے جانشین ہوئے تھے۔ ممدوح سے سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا۔ اپنے والد بزرگوار کی قائم کردہ مجالس و محافل کو بحسن و خوبی تادم زیست جاری رکھا اور اپنے والد کے مریدوں کو مجتمع رکھا۔ بتاریخ ۲۳۔ محرم الحرام ۱۳۸۹ ھ میں انتقال کیا۔ اور اپنے والد کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

حضرت کی بڑی بہن حضرت حافظہ بیگم صاحبہ حضرت سید محمد شاہ اصغر حسینی چشتیؒ ● سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب تھیں۔ حضرت سے تقریباً ڈھائی سال بڑی تھیں۔ نہایت ذی اثر اور معزز خاتون تھیں۔ جس محفل میں چلی جاتیں محفل کی صدارت ان کے قدم چومتی۔ دونوں بھائی ان کا بڑا احترام کرتے۔ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتے۔ نہایت عالی دماغ بلند حوصلہ، کشادہ قلب اور غریب پرور تھیں۔ ان کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جل سکتا تھا۔ دونوں بھائی ان کے حق میں ان کی دونوں آنکھیں تھے۔ بھائیوں سے ان کی محبت اور بھائیوں کی ان سے محبت مثالی تھی۔ ۶۔ ذلجہ ۱۲۸۵ ھ کو تولد ہوئیں اور ربیع الاول ۱۳۴۲ ھ کو وفات پائیں۔ احاطہ درگاہ شاہ خاموش میں مدفون ہیں۔

اولاد کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ فرید النساء بیگم زوجہ سید ولی اللہ حسینی ابن سید اکبر حسینی

۲۔ داؤدی بیگم زوجہ سید عبدالوہاب حسینی

۳۔ سید محمد شاہ صابر حسینی

● حضرت سید محمد شاہ اصغر حسینیؒ۔ سید محمد اصغر حسینی نام۔ منجھلے میاں عرف اور اصغر تخلص تھا۔ سید شاہ ہاشم حسینی عرف محمد شاہ میاں (برادرزادہ جانشین حضرت شاہ خاموشؒ) کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۷۴ ھ میں اپنے موروثی مکان محلہ اعتبار چوک بلدہ

حضرت کے بھانجے سید محمد شاہ صابر حسینی چشتی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ صابر میاں عرف اور صابرؔ تخلص تھا۔ بلدہ حیدرآباد کے مشہور صوفی حضرت سید ہاشم حسینی عرف محمد شاہ میاں کے پوتے اور سید محمد شاہ اصغر حسینی کے فرزند، مرید اور خلیفہ تھے۔

تعلیم و تربیت ۲۱۔ ذیقعدہ ۱۳۱۳ ھ کو اپنے ننھیالی مکان واقع کالی کمان بلدہ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والدین کی نگرانی میں ہوئی۔ سن شعور کو پہنچے تو شہر حیدرآباد کی قدیم ترین اور مشہور درسگاہ دارالعلوم میں شریک ہوئے مولوی کا امتحان کامیاب کیا۔ اس کے بعد امتحان جوڈیشیل بھی کامیاب کیا۔ آپ کے اساتذہ میں۔ حضرت امجد حیدرآبادی، مولانا شمسی، مولانا نادر الدین، اور مولانا شیر علی قابل ذکر ہیں۔ مگر آپ کی تعلیم و تربیت میں آپ کے ماموں بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی کا بڑا حصہ رہا۔ حدیث، فقہ، منطق اور فلسفہ کی تکمیل کرائی اور ان کے پیچھے بڑی محنت فرمائی۔ حضرت کے شاگردان خاص میں سے تھے۔

شاہ صابر حسینی غیر معمولی ذہانت کے حامل تھے۔ حافظہ قوی تھا۔ مزاج میں نہایت سادگی تھی۔ دوستی و قرابت کا بڑا پاس و لحاظ رکھتے تھے۔

محفلِ سماع تیرھویں کی محفل جو خانقاہ عقب مکہ مسجد میں ہر ماہ منعقد ہوتی تھی۔ میں جب کبھی حاضر ہوتا دیکھتے ہی قریب بلالیتے اور اپنے بازو بٹھالیتے تھے۔ باوجودیکہ میں کم عمر تھا اور رشتہ میں بھانجہ بھی تھا مگر حضرت کے خیال سے نذر تک پیش فرمادیتے۔ نہایت متواضع، منکسر المزاج، خلیق اور بامروت تھے۔ حیدرآباد کے چوٹی کے مشائخین میں آپ کا شمار تھا۔ نہایت ذی اثر تھے۔ ہندوستان کی تمام بارگاہوں کے سجادہ نشینوں سے خصوصی مراسم و تعلقات تھے۔ آپ کے معتقدین و مریدین کا حلقہ وسیع تھا۔

حیدرآباد پیدا ہوئے۔ علامہ سید نورا الاصفیاء خلف نورالحسن قادر اور مولانا سید خلیل سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ اور قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد ۱۲ سال کی عمر میں حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ منازل سلوک والد نے طے کرائے اور خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنا جانشین مقرر فرمادیا چنانچہ والد ماجد کے انتقال کے بعد ۱۳۳۹ ھ میں مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ بہت لوگ آپ کے مرید و معتقد تھے۔

شاہ اصغر حسینی نہایت حسین اور ذی وجاہت تھے۔ چہرہ سے سیادت ٹپکتی تھی۔ اچھے شاعر اور بہترین قاری تھے۔ فن سپہ گری میں مہارت رکھتے تھے۔ فن تعمیر کا ذوق بھی اچھا تھا۔ حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ کا عالیشان گنبد اور سماع خانہ آپ ہی کے ذوق کی یادگار ہے۔

آصفجاہ سادس نواب میر محبوب علی خان آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ ۲۷۔ ذالحجہ ۱۳۴۸ ھ ۳۷ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا ہوئی اندرون گنبد مدفون ہیں اندرون گنبد جنوب مشرقی گوشہ کا دوسرا مزار حضرت ہی کا ہے آپ کے بعد آپ کے فرزند سید محمد شاہ صابر حسینی جانشین ہوئے جن کو آپ نے اپنی زندگی میں جانشینی کے لئے نامزد کردیا تھا۔

حضرت صابر حسینی کا جسم بھاری ۰ چہرہ آفتابی تھا ۔ دیکھنے کا انداز اور مسکراہٹ کی کیفیت حضرت سے مشابہ تھی ۔ حق گوئی اور بے باکی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ مولانا سید شاہ حسین محمد محمد الحسینی سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز (گلبرگہ) پر جب شاہی عتاب ہوا تو مولانا نے حضور نظام نواب میر عثمان علی خان کو لکھ بھیجا کہ " جاگیرات ضبط کرلئے جاسکتے ہیں لیکن ایک بڑی درگاہ کے سجادہ نشین کو جو چھیڑا جارہا ہے ۰ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ سانپ کی بل میں انگلی ڈال رہے ہیں " ۔ حضور نظام آپ کا احترام فرماتے تھے ۔ آپ کو اور حضرت سید محمد بادشاہ حسینی المعروف بڑے پاشاہ کو اکثر دیوڑھی یاد فرمایا کرتے تھے ۔ اور دونوں کا بڑا پاس و لحاظ اور احترام ملحوظ رکھتے تھے ۔

وصال حضرت صابر حسینی علیہ الرحمہ نے ۴ ۔ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ کو حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس یہ کہہ کر خاص اہتمام سے منایا کہ یہ ہمارا آخری عرس ہے آئندہ سال ہم نہیں رہیں گے ۔ چنانچہ یہ پیش گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی ۔ یعنی ۳ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء کو ۶۵ سال کی عمر میں راہی جنت ہوئے ۔

نماز جنازہ بوقت عصر مکہ مسجد میں ادا ہوئی ۔ جنازہ کے ساتھ شہر حیدرآباد کے اکثر علماء و مشائخین اور ہزاروں عوام شریک تھے ۔ حضور نظام نواب میر عثمان علی خان آصفجاہ نے افضل گنج سے معظم جاہی مارکٹ تک جلوس جنازہ میں پا پیادہ شرکت کی ۔ اور جملہ مصارف تجہیز و تکفین بھی خود برداشت کئے اور قطعہ تاریخ وفات بھی لکھ کر روانہ کیا جو حسب ذیل ہے ۔

شاہِ عثمان نے تاریخِ وفات کہی

قطعہ تاریخِ وفات

از چمن بیں گل نادر رفتہ — بے بہا آمدہ عثمان تاریخ

ماہِ غم بود کہ طاہر رفتہ — از جہاں شادچہ صابر رفتہ

۱۳۵۸ + ۲۰ = ۱۳۷۸ھ

تدفین محلہ ناملی حیدرآباد میں گنبد حضرت شاہ خاموش کے جنوبی چبوترہ سے متصل اپنے اجداد کے پائیں میں جہاں ممدوح اپنی زندگی ہی میں قبر تیار کروا چکے تھے دفن ہوئے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

۳۔ کمسنی

کمسنی میں حضرت کے جسم پر اکثر گرمی دانے نکل آتے تو بہت بے چین ہوجاتے کرتا اٹھائے ہوئے والد کے پاس پہنچتے اور تخت پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑے ہوجاتے ۔ حضرت کے والد پیٹھ سہلانے لگتے اور حضرت ان سے مختلف سوالات کرتے جاتے ۔ یہ کیا ہے ، وہ کیا ہے ، اللہ کیسا ہے ، کہاں رہتا ہے ، کیا کھاتا ہے ، کیا پیتا ہے ۔ حضرت کے والد سوالات سے خوش ہوتے اور مطابق عقل تشفی بخش انداز میں جوابات دیتے ۔ حضرت کی والدہ مسلسل سوالات سے اکتا کر کہتیں کیا باوا کو تنگ کر رہا ہے ۔ اور اپنے شوہر سے کہتیں "آپ بھی خوب ہیں جو جوابات دینے سے تھکتے نہیں ۔ مولانا جواب دیتے اگر میں جواب نہ دوں گا تو یہ کسی اور سے پوچھے گا اور غلط جوابات پائے تو اس کا نقصان ہوگا ۔ اسی قبیل کے جرحی سوالات کا سلسلہ لامتناہی والدہ سے شروع ہوجاتا تو پہلے تو جوابات دیتیں آخر میں تنگ آکر ڈانٹ دیتیں ۔ حضرت کے والد سن پاتے تو بیوی سے فرماتے ، اس کو ڈانٹا نہ کرو ، اس میں تجسس کا مادہ ہے ۔ ذرا اس کی عمر کو دیکھو ! اس کے سوالات کو دیکھو ! اس کو عام بچوں پر قیاس مت کرو ۔ یہ آئندہ بہت بڑا مولوی نکلے گا ۔

حضرت کی طبیعت میں بچپن سے بے حد حدت اور حرارت تھی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کی والدہ اپنی والدہ یعنی عوض بیگم صاحبہ بنت سید عبداللہ شہید ابن مولوی میر شجاع الدین حسین کے ساتھ اپنی پھوپھی (وقار النساء بیگم زوجہ مفتی خواجہ وحید الدین خاں یعنی والدہ حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ) کے پاس تشریف لے گئیں ۔ حضرت کی والدہ صاحبہ اور بڑے ماموں حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ دونوں کمسن تھے ۔ حضرت کی والدہ اپنے بھائی سے سال ڈیڑھ سال ہی چھوٹی تھیں ۔ حضرت کی نانی صاحبہ اپنی نند سے مصروف گفتگو ہوگئیں اور یہ دونوں بچے کھیلتے گھر کا جائزہ لیتے گھومنے لگے جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے ۔ وہاں گھر میں پلی ہوئی ایک پروردہ چھوکری بھی تھی جو ان دونوں سے عمر میں کچھ بڑی تھی ۔ ملازمین کے کمرہ میں ایک اونچے مقام پر چوہوں کو مارنے لائی ہوئی سنکھیا کی پڑی رکھی ہوئی تھی ۔ تینوں نے تجسس میں کسی طرح اس پڑی کو اس مقام سے نکالا کھول کر دیکھا تو کھڑی سمجھ کر اس کو بانٹ کر کھانا چاہا ۔ تقسیم کے لئے اپنی پھوپھی کے پاس لے آئے وہ اپنی بھاوج سے مصروف گفتگو تھیں ۔ بچوں نے اس کے تین حصے کرنے کی فرمائش کی تو انھوں نے باتوں میں کچھ خیال نہ کیا اور تین حصے کر دیئے ۔ بڑا حصہ حضرت کے ماموں نے اور اس سے چھوٹا حصہ حضرت کی والدہ نے اور سب سے چھوٹا حصہ پروردہ لڑکی نے کھالیا ۔ حضرت کی نانی صاحبہ اپنے گھر واپس آگئیں ۔ یہاں ان دونوں معصوموں کی حالت خراب ہونے لگی قے اور دست شروع ہوگئے اور وہاں اس چھوکری کی حالت دگرگوں ہوگئی ۔ تحقیقات پر معلوم ہوا کہ جس چیز کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا تھا وہ سنکھیا تھی جس کو ان تینوں نے کھالیا ہے ۔ اسی وقت حضرت کی نانی صاحبہ نے اپنی صاحبزادی کے پاس اطلاع کرائی فوراً علاج کیا گیا ۔ تینوں سنبھل گئے ۔ مگر سنکھیا کا اثر دونوں بھائی بہن پر زندگی بھر رہا ۔ نہ صرف ان کی ذات ہی متاثر رہی بلکہ اولاد پر بھی اس کا اثر آیا ۔

۴۔ لڑکپن

حضرت کی عمر لگ بھگ ، سال ہوگی ۔ حضرت کی نانی صاحبہ نے جب دوسرے سفر حرمین شریفین کا ارادہ کیا تو حضرت کے والد اور والدہ مع اپنے دونوں خرد سال بچوں کے ان کے ساتھ عازم سفر ہوئے ۔ بعد فراغ حج مدینہ شریف میں تقریباً ۸ ماہ قیام رہا ۔ دوسرا حج کر کے وطن واپس ہوئے ۔

حضرت کے چھوٹے چچا حضرت مولوی محمد فتح اللہ صدیقی جوحج میں اپنے بھائی کے ساتھ تھے (کیونکہ حضرت عبدالقادر صدیقی نے ان کو گود لے لیا تھا اور وہ بھائی کے زیر پرورش تھے) بیان کرتے ہیں کہ اہل حرمین خواجہ میاں صاحب (یعنی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ جو حج میں اپنی والدہ کے ساتھ تھے) کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کو بڑا بزرگ سمجھتے تھے ۔ اس طرح حضرت کی نانی صاحبہ بھی پیرانی بی کے نام سے مشہور ہوگئی تھیں ۔ اہلِ مدینہ پیرانی بی کا بڑا احترام کرتے اور اپنے لئے ان سے دعا کے طالب ہوتے ۔ پیرانی بی صاحبہ کا زیادہ وقت حرم شریف میں گزرتا ۔ ہر نماز حرم شریف میں باجماعت ادا ہوتی ۔ روزانہ تہجد کے بعد سے اشراق تک وہیں حاضر رہتیں ۔ اشراق کے بعد قیام گاہ کو لوٹتیں ۔ نانی صاحبہ کے ساتھ نواسوں کو حرم شریف میں زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملتا ۔ این سعادت بزور بازو نیست ۔ حرم شریف میں خوب کھیلتے اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر خوب دوڑتے بھاگتے ۔ خدام حرم دونوں بھائیوں کو بہت عزیز رکھتے تھے ۔ اہل حرم میں بھی یہ دونوں معصوم جو نہایت خوبصورت تھے بے حد ہر دل عزیز تھے ۔ اس دور میں برقی روشنی کا انتظام نہ تھا ۔ مغرب کے وقت حرم شریف کے لنتر روشن کرنے کا وقت آتا تو خدام حرم آواز دیتے یا عبدالقدیر یا عبدالمقتدر تعال یعنی یہاں آؤ آواز سنتے ہی دونوں بھائی بجلی کی طرح لپکتے ۔ خدام حرم کاندھوں پر بٹھا لیتے اور دونوں بھائی حرم شریف اور مسجد نبوی کے لنتر روشن کرتے ۔ دونوں بھائیوں کو یہ سعادت مہینوں نصیب رہی ۔

مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنی بہت ہی مرتاض بزرگ قیام پذیر تھے ۔ حضرت کے والد ان سے طالب ہوئے تو انھوں نے مولانا کو خلافت سے سرفراز کیا اور سلسلوں کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ حضرت کے والد نے حضرت کو بھی ان کی خدمت میں پیش کیا ۔ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پر توجہ فرمائی اور اپنی کلاہ مبارک حضرت کو پہنادی ۔ حضرت کی عمر اس وقت ، سال تھی ۔ حضرت نے بارہا فرمایا کہ " شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ فرمائی تو اسی وقت سے مجھے کشف شروع ہوگیا اور شاہ عبدالغنی کی توجہ کے اثر کو میں نے محسوس بھی کیا تھا ۔ اس وقت میری عمر سات (۷) یا آٹھ (۸) سال تھی ۔

حضرت بچپن سے نہایت ذہین واقع ہوئے تھے اور اچھی بات کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی فطری تھی ۔ ماحول علمی اور مذہبی تھا ۔ بزرگوں کی باتیں غور سے سنا کرتے اور یاد رکھتے تھے ۔ ایک مرتبہ اپنی والدہ سے ایک آنہ مانگا ۔ والدہ نے پوچھا کیا کروگے ۔ جواب دیا میں یہ تو نہیں بتلاتا میں مانگ رہا ہوں آپ دے دیجئے ۔ والدہ نے کہا جب تک تم ضرورت ظاہر نہ کروگے اس وقت تک میں نہیں دونگی ۔ حضرت یہ سن کر خاموش ہوگئے تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا آگیا تھا ایک شعر موزوں کیا اور ایک کاغذ کے پرزہ پر اس کو لکھ کر والدہ کے پاندان میں چپکے سے رکھ دیا ۔ شعر یہ تھا ۔

ایک آنہ کے پیسوں کے لئے حیلے حوالے ؛ سچ ہے کہ خدا کام کسی سے بھی نہ ڈالے

جب پان کھانے کے لئے انھوں نے پاندان کھولا تو اس پرچہ کو ملاحظہ فرمایا۔ شعر پڑھ کر اپنے شوہر سے کہا ذرا دیکھئے آپ کے برخوردار نے کیا لکھا ہے؟ حضرت کے والد نے شعر پڑھا تو مسرت سے چہرہ چمک اٹھا۔ واقعہ دریافت کیا تفصیل سن کر بیوی سے کہا۔ ایک آنہ کی بات ہی کتنی تھی دے دینا تھا۔ انھوں نے جواب دیا پیسے دینے سے بچوں کی عادتیں بگڑ جاتی ہیں۔ حضرت کے والد نے فرمایا۔ وہ پیسے لے کر کیا کرتا یہی پنسل۔ ربر۔ کاغذ خریدنا چاہتا ہوگا۔

سید عبدالرحمنؒ صاحب نامی ایک رسا بزرگ تھے جن سے حضرت کے خاندانی روابط تھے۔ جید حافظ۔ مرتاض اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ حضرت ان کے پاس آیا جایا کرتے تھے اس وقت حضرت کا سن نو دس سال ہوگا حضرت فرماتے تھے "مجھے دیکھتے ہی حافظ عبدالرحمنؒ صاحب سرو قد کھڑے ہوجاتے۔ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتے اور فرماتے "آؤ میاں صاحبزادے آپ بڑے ہونگے تو بہت بڑے آدمی ہونگے"۔

حضرت نے ارشاد فرمایا "میرا لڑکپن تھا ہمارے حضرت (یعنی حضرت کے ماموں اور مرشد خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ) کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھا رہا تھا مشتاب میں سے کھانا درمیان سے لیا۔ حضرت نے فوراً ٹوکا اور فرمایا "اپنے سامنے کے حصہ سے کھانا لینا چاہئیے۔ کھانا کھانے کا طریقہ تک بتلایا۔ میری تربیت میں ہمارے حضرت کا شروع سے بڑا حصہ رہا ہے"۔

عام طور پر لوگ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں صرف کردیتے ہیں مگر حضرت کا دس گیارہ سال کی عمر میں یہ حال تھا کہ کتاب لے کر کسی گوشہ میں جا بیٹھتے اور کوشش کرتے کہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل رہیں تا کہ مطالعہ میں خلل واقع نہو۔ جس کا ثمرہ طلائی تمغوں کی شکل میں اور پھر نوجوانی ہی میں علماء اور اساتذہ کی صف میں شمولیت سے ملا۔

حضرت حافظ سید عبدالرحمنؒ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حافظ سید عبدالرحمنؒ رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ جیون قدس سرہ کے ہم زلف۔ مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کے مرشد نے ان سے کہا تھا کہ "ایک بات یاد رکھو؛ رات کو زمین کو کبھی پیٹھ نہ لگانا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمنؒ صاحب نے مرشد کے حکم کی تعمیل میں تقریباً ۶۴ چونسٹھ سال کبھی رات میں زمین کو پیٹھ نہ لگائی۔ رات بھر شب بیدار رہتے اور عبادت اور یاد الہٰی میں مصروف رہتے۔ کبھی طبیعت خراب رہتی تو گاؤ تکیہ سامنے رکھ کر کچھ دیر کیلئے اس پر سر رکھ دیتے۔ حالت نزع میں جب ان کے سامنے یٰسین شریف پڑھی جانے لگی اور پڑھنے والے پریشانی میں کہیں غلطی کر جاتے تو درست کردیتے۔ جب زبان بے قابو ہوگئی تو اشارہ سے متنبہ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ ۱۴۔ شعبان، ۱۳۲۷ ھ کو شب برات میں وصال ہوا۔ بھونرے کی کھڑکی سانولے صاحب کے تکیہ میں مدفون ہیں۔

حافظ عبدالرحمنؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کے فرزند مولوی عبدالرحیم صدیقی کی اہلیہ محترمہ حیدری بیگم صاحبہ کے حقیقی نانا تھے۔

۵ - تعلیم و اساتذہ

حضرت نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ابتداءً مدرسہ محبوبیہ واقع درسگاہ مولانا محمد زماں خاں شہید میں مولوی میر احمد علی صاحب کہاٹی سے اور پھر اپنے چچا مولوی غلام حسین صاحب صدیقی سے (جو بعد میں حضرت کے خسر بھی ہوئے) تعلیم پائی ۔ اس کے بعد مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوئے ۔ جس کا قیام آصفجاہ رابع نواب ناصر الدولہ بہادر کے دور حکومت میں ۱۴ - جمادی الاول ۱۲۷۲ ھ م ۱۸۵۶ ء میں ہوا تھا ۔ مدرسہ دارالعلوم کا افتتاح مختار الملک سالار جنگ اول وزیر اعظم حکومت آصفجاہ رابع کے معطیہ مکان واقع پتھرگٹی میں ہوا ۔ یہ تاریخی عمارت آج بھی موجود ہے ۔ یہاں ایک عرصہ تک سٹی ہائی اسکول رہا اور فی الوقت دواخانہ علاج حیوانات قائم ہے ۔ یہ درسگاہ علوم مشرقی کی ایک بڑی درسگاہ تھی کوئی دوسرا مدرسہ اس کے مدمقابل نہ تھا ۔ درالعلوم اس زمانہ میں پنجاب یونیورسٹی سے ملحق تھا ۔ جس کی جانب سے فارسی اور عربی امتحانات مقرر ہوتے تھے اور اسناد دیئے جاتے تھے ۔ یعنی منشی منشی عالم ، منشی فاضل ۔ مولوی ، مولوی عالم اور مولوی فاضل ۔ ان چھ امتحانات میں حضرت نے اعزاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی ۔ اور بعض امتحانوں میں تمام پنجاب یونیورسٹی میں اول آکر طلائی تمغے پاتے رہتے ۔

میرے استفسار پر حضرت نے اپنے اساتذہ کے تعلق سے ارشاد فرمایا ۔

مولوی سید محمد سعید صاحب نے پوری درسی کتابیں پڑھائیں ۔ کلکتہ کے رہنے والے تھے ۔ ● ۲

مولوی عون الدین صاحب ادب کی کتابیں مجھے بہت شوق سے پڑھاتے تھے ۔ میں مدرسہ کے سوا ان کے گھر پر جاتا ۔ مغزیات اور چائے سے روز آنہ تواضع فرماتے ۔ میں عرض کرتا روز آپ کیوں بار اٹھاتے ہیں تو فرماتے مجھے جورو بچے تو ہیں نہیں جو کچھ ہیں تم ہی ہیں ۔ مدراس کے رہنے والے تھے ۔

فرمایا حبیب بوبکر بن شہاب نے عربی علم ادب کی انتہائی کتابیں پڑھائیں ان کے پڑھانے میں خصوصیت یہ تھی کہ عربیت کا ذوق پیدا ہوا ۔ میں عبارت لکھ کر لے جاتا ۔ حبیب کے سامنے پیش کرتا کبھی کاٹ کر نہیں بناتے بلکہ فرماتے دیکھو یہ لفظ اس جگہ درست نہیں ہے ۔ میں سوچ کر دوبارہ لکھ کر لے جاتا ۔ حضر موت کے مشہور شہر تریم کے رہنے والے تھے ۔ ان کو اپنے شاگرد پر بہت ناز تھا ۔ کہتے تھے کہ " اس وقت عربی میں فی البدیہ خطبہ صرف دو آدمی دے سکتے ہیں ، ایک میں اور ایک عبدالقدیر ۔

● ۱ جریدہ جزوثانی بابت ۱۳۰۶ ھ ۳۴۹ ، ۲۶۱ نشان سلسلہ ۲، ۸

● ۲ شمس العلماء مولانا سید محمد سعید کلکتہ کے مشاہیر علماء میں سے تھے اور علوم اسلامیہ و عربیہ کے ساتھ انگریزی سے بھی واقف تھے ۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تعلیم حاصل کی تھی ۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہاں مدرس بھی رہ چکے تھے ۔ اور نواب عماد الملک کے استاد بھی تھے ۔ چند سالہ ملازمت کے بعد وظیفہ لے کر حرمین شریفین چلے گئے تھے ۔

فرمایا ۔ مولوی سید نادر الدین صاحب منطق اور فلسفہ پڑھانا ان کا حصہ تھا مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی کے شاگرد خاص تھے ان کے پڑھانے کی خصوصیت یہ تھی کہ جو بھی مسئلہ سامنے آئے اول شاگرد کی استعداد کے مطابق تقریر فرماتے تقریر ایسی واضح اور بہتر ہوتی کہ اصل مضمون کے سمجھنے میں زیادہ دقت نہ ہوتی ۔ پھر کتاب پڑھاتے ۔ کتاب سے مضمون کو منطبق کرنے کے واسطے پوچھنے کی ضرورت ہوتی تو سمجھاتے ۔ ورہ کا گاں (سرحد) کے رہنے والے تھے ۔ ●۱

فرمایا ۔ مولوی عبدالصمد صاحب قندھاری سے بھی میں نے منطق پڑھی ہے ۔

میں نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ کے اساتذہ آپ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے ؟ حضرت نے ارشاد فرمایا " ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ ان کی بقا عبدالقدیر کی وجہ سے ہے " ۔

حضرت نے بارہا اپنے اساتذہ کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ " حصول علم کے لئے مجھے باہر جانے کی نوبت نہ آئی ۔ اپنے اپنے فن میں کامل اساتذہ کو اللہ نے میرے لئے یہیں بھیج دیا ۔

ان اساتذہ کے علاوہ حضرت نے مولوی الٰہی بخش صاحب سے بھی تلمذ حاصل کیا تھا جو پٹنہ کے رہنے والے تھے ۔ علم معقول اور منقول اور طب یونانی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے ۔ مولوی الٰہی بخش صاحب مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگرد تھے ۔

حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری المعروف بہ حکیم نابینا صاحب سے بھی حضرت کو تلمذ حاصل رہا ۔ مولوی منصور علی صاحب سے بھی حضرت نے علم طلب فرمایا ۔

دارالعلوم میں بحیثیت استاد کام کرنے کے زمانہ میں جب دار العلوم میں سائنس کے شعبوں طبعیات و کیمیا کی تعلیم کا آغاز ہوا تو حضرت اس میں بھی دلچسپی لینے لگے اور بابو امرت لال سائنس ٹیچر سے اس جدید علم میں بھی دست رس حاصل کرلی ۔

حضرت جس زمانہ میں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے ۔ انگریزی میں بول چال کی مشق بڑھانے کے سلسلہ میں ایک انگریز کو مقرر فرمایا تھا ۔ جو گھر پر روزآنہ ایک گھنٹہ حضرت سے انگریزی میں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا اور صحیح گفتگو کرنے میں حضرت کی مدد کرتا تھا ۔

تجوید کی تعلیم کے سلسلہ میں حضرت نے قاری سید محمد تونسی کے پاس شاطبیہ پڑھی اور سبعہ سے قرآن شریف کے ڈیڑھ دو جز سنائے ۔ جب انھوں نے یہاں سے مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا تو حضرت نے اپنے چھوٹے ماموں حضرت مولانا سید عمر حسینی صاحبؒ کے پاس حضرت امام عاصم کوفی کی قراءت اور سیدنا شعبہؒ اور سیدنا حفص دونوں حضرات کی روایت کے مطابق پورا قرآن سنایا ۔ ●۲

●۱ علامہ سید نادر الدین کے استاد عبدالحق خیر آبادی ۔ ان کے استاد بحرالعلوم عبدالعلی صاحب تھے ان کے استاد نظام الدین صاحب ۔ سید نادر الدین صاحب کو سقراط سے لے کر بو علی سینا تک کے تمام نظریات فلسفہ ، منطق و کلام ازبر تھے ۔ ان کے تشریف لانے سے دارالعلوم کی وقعت میں اضافہ ہوا ۔

●۲ امام القراء حضرت سید محمد تونسیؒ مہاجر مدنی دو دفعہ حیدرآباد تشریف لائے انہی کی بدولت حیدرآباد میں فن تجوید کا چرچا ہوا ۔ پہلی مرتبہ تشریف فرمائی کے زمانہ میں مولانا غلام غوث شطاری (والد ماجد مولانا شیخین احمد شطاری کامل) مولانا شاہ سید عمر حسینی قادری (حضرت کے چھوٹے ماموں) مولوی قاری محمود حسین صاحب اور مولوی قاری اسد اللہ حسینی صاحب نے تجوید و قراءت عاصم کوفی و سبعہ قراءت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی مکمل تعلیم حاصل کی ۔ دوسری مرتبہ کی تشریف آوری کے موقع پر قراءت سبعہ میں مولانا محمد علی شطاری ، قاری محمد ابراہیم صاحب ، قاری سید ابراہیم صاحب سعد اور قاری نظام الدین صاحب شریک درس تھے ۔ اور تکمیل کی تھی ۔ اسی زمانہ میں حضرت نے بھی قاری تونسی صاحب سے شاطبیہ پڑھی اور سبعہ سے قرآن کے دیڑھ دو جز سنائے تھے ۔

قرآن شریف جس روایت کے ساتھ تمام دنیا میں رائج ہے اور پڑھا جاتا ہے وہ سیدنا حفصؒ کی روایت ہے جو امام عاصم کوفیؒ کے شاگرد دوم تھے شاگرد اول شعبہ ہیں جن کی روایت میں سیدنا حفصؒ سے کہیں معمولی سا لفظی اختلاف ہے جس سے معنیٰ میں فرق نہیں آتا ۔ اگر حفصؒ کی روایت کے ساتھ شعبہؒ کی روایت کو بھی شامل کرلیا جائے تو ان دونوں کے استاد سیدنا عاصمؒ کی قراءت کہلائے گی ۔

" سیدنا عاصم کوفیؒ " ابوبکر عاصم بن عبداللہ اسدی کوفی تابعی تھے اور حضرت حارث بن حسانؒ کی صحبت سے مشرف ہوئے تھے ۔ ابوعبدالرحمن اسلمی کے بعد کوفہ میں سیدنا عاصمؒ کی وجہ سے فن تجوید کی بڑی اشاعت ہوئی امام عاصم کوفیؒ نے ۱۲۰ ہجری میں وفات پائی ۔

" سیدنا شعبہؒ " ابوبکر شعبہ بن عیاش بن سالم اسدی کوفی ۹۵ ہجری بمقام کوفہ پیدا ہوئے آپ نے امام عاصم کوفیؒ سے قرآن مجید کی تعلیم پائی ۔ اہلسنت و الجماعت کے زبردست علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے ۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ کی بہن رونے لگیں تو فرمایا " کیوں روتی ہو دیکھو میں نے اس کونے میں بیٹھ کر اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا ہے ۔ سیدنا شعبہؒ جمادی الاول ۱۹۳ ھ میں وفات پائی ۔

" سیدنا حفص " ابوعمرو حفصؒ بن سلیمان بن مغیرہ اسدی کوفیؒ ۹۰ ھ میں اپنے آبائی وطن کوفہ میں پیدا ہوئے امام عاصم کوفیؒ کے فرزند ربیب تھے (ربیب یعنی بیوی کا وہ لڑکا جو اس کے پہلے شوہر سے ہو) امام عاصم کی قراءت کے یہ سب سے بڑے عالم تھے ۔ ابن منادی نے لکھا ہے کہ متقدمین حفظ قراءت میں حفص کو شعبہ پر ترجیح دیتے تھے ۔ اور ان کی مہارت فن کی بہت تعریف کرتے تھے ۔ یہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے قاری تھے ۔ اور امام اعظم کے ہمدرس تھے ۔ امام حفصؒ کی روایت قراءت سبعہ و عشرہ میں سب سے آسان اور سہل ہے ۔ سیدنا حفصؒ نے ۱۸۰ ھ میں وفات پائی ۔ کوفہ میں مدفون ہیں ۔

۶۔ تاہل

حضرت نے یکے بعد دیگرے (یعنی ایک بیوی کے انتقال کر جانے پر دوسری) چار شادیاں کیں۔

پہلی شادی حضرت کی چچازاد بہن بادشاہ بیگم صاحبہ بنت حضرت مولانا غلام حسین صدیقی ابن حضرت محمد فضل اللہ صدیقیؒ سے بعمر پندرہ (۱۵) سال ہوئی (اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ) موصوفہ کی رحلت کے بعد

دوسری شادی عائشہ بیگم صاحبہ بنت حضرت مولانا شاہ احسان الحق صاحب سے عمل میں آئی۔

(اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ) موصوفہ کی رحلت کے بعد

تیسری شادی فرخ بیگم صاحبہ بنت حکیم حضرت حبیب الرحمٰنؒ صاحبؒ سے عمل میں آئی۔ یہ زوجہ محترمہ صرف نو ماہ زندہ رہیں

چوتھی شادی سیدہ رابعہ بیگم (عرف رابعہ مدنی) بنت حضرت مولانا سید شاہ اکبر علی صاحب سے عمل میں آئی۔

(اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

۷۔ گھریلو زندگی

اس باب میں ہم کو ایک ایسی شخصیت کی گھریلو زندگی پر نظر ڈالنی ہے جس کی ذات میں بیشمار جہتیں وقت واحد میں جمع تھیں۔ حضرت کی زندگی مختلف اور متضاد حیثیتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ وہ ایک ہی وقت میں مصنف بھی تھے۔ اور مفکر بھی، ادیب بھی تھے اور شاعر بھی، اہل قلم بھی تھے اور اہل سیف بھی۔ زندگی کے ہر دور میں وہ طالب علم بھی تھے اور استاد بھی، اور وقت واحد میں اپنی اولاد کے باپ بھی تھے۔ استاد بھی تھے اور مرشد بھی تھے۔ بیوی کے جہاں محب تھے وہیں محبوب بھی تھے۔ محبت کے جواب میں جہاں محبت طلب کرتے وہیں جواب محبت سے بے نیاز بھی تھے۔ جہاں بیوی کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتے وہیں اس کی مرضی کی پوری رعایت فرماتے۔ جہاں بڑی سے بڑی بات کو نظر انداز کر جاتے وہیں معمولی سی بات کی گرفت فرما لیتے۔ زندگی کے مرحلوں میں جہاں قہر و غضب کی بجلیاں چمکتی نظر آتی ہیں وہیں فضل و رحمت کی بارش بھی برستی نظر آتی ہے۔ کوئی جہت کسی جہت سے پیچھے نہیں۔ ایک ساتھ سب کا حق ادا ہو رہا ہے اور پورے کمال کے ساتھ ادا ہو رہا ہے۔ خدا کی قدرت کا ایک تماشا تھا جو نظر آتا تھا۔

جس طرح ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا حال خدا جانتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ایک گھر کے اندر کی زندگی ہوتی ہے اور ایک گھر کے باہر کی۔ کہیں کسی شخص کے باہر والے مداح ہیں تو گھر والے انتہائی شاکی، اور کہیں گھر والے مداح ہیں تو باہر والے شاکی۔ اور خود گھر ہی کے اندر کبھی کوئی راضی ہے تو کوئی ناراض۔ دراصل وہی زندگی کامیاب زندگی سمجھی جاتی ہے جو ہر جہت میں متوازن رہے اور حکمت کے ماتحت رہے۔ جس طرح سونے کو کسوٹی پر کس کر دیکھتے ہیں اسی طرح انسان کو دیکھنا ہو تو اس کی گھریلو زندگی دیکھنی پڑتی ہے۔

گھریلو زندگی ہی انسان کی شخصیت کا اصل روپ نکھار کر سامنے لاتی ہے۔ اس کے بغیر انسانی تصویر کے نقوش ابھر کر سامنے نہیں آسکتے۔ اس میں تو کلام نہیں کہ بے عیب خدا کی ذات ہے مگر واقعات بھی اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ انکی توجیہ اور واقعات اور حالات کے باہم انطباق اور اخذ نتائج میں نظر تعمق سے نہ دیکھنے کی وجہ سے غلطی کے امکانات کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حکمت اگر سمجھ میں نہ آسکے تو اس میں حکیم کا نہیں سمجھنے والوں کی عقل کا قصور ہوتا ہے۔

حضرت کی گھریلو زندگی کو ہم کئی ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

پہلا دور :۔ " پہلی بیوی سے شادی کے بعد سے ان کی وفات تک کا زمانہ "

منگنی اور شادی حضرت کے چچا مولانا غلام حسین صدیقی نے جو بسلسلہ ملازمت ایک عرصہ سے میڑچل میں مقیم تھے، اپنے منجھلے بھائی مولانا محمد عبد القادر صدیقی (یعنی حضرت کے والد ماجد) کو مع اہل و عیال میڑچل آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مولانا مع اہل و عیال تشریف لے گئے۔ جیسا کہ عام طور پر بچوں کی عادت ہوتی ہے، سواری سے اترتے ہی حضرت اپنے چچا کے گھر میں دوڑے۔ حضرت کی چچازاد بہن جو اپنی بہنوں میں بڑی تھیں اور نہایت خوبصورت تھیں عمر تقریباً تیرہ (۱۳) کے لگ بھگ ہوگی اور حضرت کی عمر چودہ (۱۴) سال تھی، خوبصورتی بھی تھی، جوانی بھی تھی۔ اچانک حضرت گھر میں داخل ہوئے نظریں چار ہوئیں، حضرت چونک پڑے اور وہ سٹپٹا گئیں چند روز مہمان داری رہی۔ اسی دوران دونوں بھائیوں کی نسبت کی قرار داد ہوگئی تین بہنوں میں سے بڑی بہن بادشاہ بیگم صاحبہ حضرت سے اور چھوٹی بہن امیر بیگم صاحبہ جن کی عمر اس وقت سات (۷) سال سے کچھ سوا تھی حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا عبد المقتدر صاحب سے منسوب کردی گئیں۔

سال ڈیڑھ سال کے اندر باہر دونوں بھائیوں کی شادی ایک ہی دن تاریخ میں کردی گئی ۔ دونوں دلہنیں گھر آئیں مگر معاملہ دونوں کا مختلف رہا ۔ چھوٹی بہن جن کی عمر اس وقت نو سال تھی اپنی حقیقی چچی اور خوشدامن کے قریب رہیں ۔ حضرت کی شادی پندرھویں سال ہوئی اور سولھویں سال مولوی محمد عبدالعزیز صدیقی فرزند اکبر کی پیدائش سے حضرت باپ بھی بن گئے ۔

دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے محب اور محبوب تھے ، ایک جان دو قالب تھے ، ہم خیال تھے ۔ بیوی وہی کرتیں جو میاں چاہتے ، میاں وہی کرتے جو بیوی چاہتیں ۔

ملازمت و ذمہ داریاں حضرت کی آمدنی کے دو ذرائع تھے ۔ ایک تو حضرت کو ۸۴ روپئے آٹھ آنے منصب ملا کرتی تھی جو حضرت کی پیدائش کے ساتھ ہی جاری ہوئی تھی ۔ دوسرے مدرسہ دار العلوم میں بحیثیت استاد ملازم ہوجانے سے ۴۵ روپئے تنخواہ ملا کرتی تھی ۔ اس طرح حضرت کی کل آمدنی ۱۲۹ روپئے آٹھ آنے تھی ۔

حضرت کی شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت کی والدہ انور بیگم صاحبہ کا ۹ ۔ رمضان ۱۳۰۲ ھ کو وصال ہوگیا ۔ (جن کا مزار محلہ قاضی پورہ مسجد النور کے صحن میں جہاں موصوفہ کے برادر معظم حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ اور والد ماجد اور والدہ ماجدہ کے مزارات ہیں ۔ اپنی والدہ محترمہ کے ٹھیک پائیں میں ایک ہی چبوترہ پر واقع ہے) اب گھر کی ساری ذمہ داری حضرت اور حضرت کی زوجہ محترمہ کے سر آگئی ۔

جیسا کہ مولانا عبدالقادر صدیقی کے حالات کے ضمن میں بتلایا جاچکا ہے کہ وہ ناظم قضایائے عروب کی خدمت سے کسی مسئلہ میں مدار المہام سے شدید اختلاف کے باعث خدمت سے سبکدوش کردیئے گئے تھے ، جاگیر کی آمدنی کے علاوہ ان کو اور کوئی آمدنی نہ تھی البتہ ان کے صاحبزادوں کو ۲۰۰ چلنی سرکار سے جو منصب اجراء کردی گئی تھی اس منصب سے مولانا ہی استفادہ کرتے تھے اور گھر کا خرچ چلتا تھا ۔ گھر کا دھندا بڑا تھا ، کیونکہ مولانا عبدالقادر صدیقی نے ایک اور عقد کرلیا تھا ان کے بطن سے بھی مولانا کو دو لڑکے تھے ۔ بعد میں ان دونوں کی بھی شادیاں کردی گئی تھیں ۔ اس طرح مولانا عبدالقادر کے زیر پرورش ایک بڑا کنبہ تھا ۔ اس سارے کنبہ کی سربراہی مولانا کے زیر سرپرستی حضرت کو اور حضرت کی زوجہ محترمہ کو جو گھر کی بڑی بہو تھیں سرانجام دینی پڑتی تھی ۔

حضرت کو سال بہ سال بچے ہوتے گئے ، کثیر العیالی بڑھتی گئی ۔ حضرت کا اپنا ذاتی خرچ بھی زیادہ ہوتا گیا ۔ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحب مدرسہ دار العلوم میں اعزازی مدرس مقرر ہوئے تھے لہذا ابھی تنخواہ پانے کا سوال ہی نہ تھا ۔ کچھ عرصہ تک وہ اعزازی خدمت ہی پر مامور رہے ۔ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا " باوا ! ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے اوڑھنے بچھانے کی تکلیف تھی ۔ سرما کا زمانہ تھا رات میں دیکھا کہ بچہ سردی سے اکڑ رہا ہے ۔ اپنا گرم کوٹ اتار کر اس کو اڑھا دیا اور خود بیٹھا رہا ۔ بعد میں اللہ نے خوب نوازا " ۔

حضرت کے یہاں مولوی عبدالعزیز صاحب فرزند اکبر (۱۷ شوال ۱۳۰۴ ھ) کے بعد ایک صاحبزادی زینب بیگم (۱۳۰۶ ھ) تولد ہوئیں پھر دوسرے فرزند مولوی عبدالرحیم صاحب (۱۷ شوال ۱۳۰۸ ھ) تولد ہوئے تو حضرت کی زوجہ محترمہ نے ان کو مولانا عبدالمقتدر صاحب کے گود میں ڈال دیا کیونکہ وہ ابھی صاحب اولاد نہیں ہوئے تھے ان کے بعد ایک اور صاحبزادی عائشہ بیگم (۱۳۱۰ ھ) تولد ہوئیں اس طرح حضرت چار بچوں کے باپ بن گئے ۔ اس دوران میں عبدالمقتدر صاحب کی زوجہ محترمہ اس لائق ہوگئیں کہ اپنے شوہر کے ساتھ متاہل زندگی گذار سکیں ۔ مولوی عبدالرحیم صاحب کی دیکھ ریکھ سب چچا اور خالہ ہی کے ذمہ تھی ۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب کے ہاں مولوی عبدالغفور صاحب (یکم ذیحجہ ۱۳۱۱ ھ) کی ولادت ہوئی اور ساتھ ہی ان کا تقرر مدرسہ وسطانیہ میدک کی صدارت پر عمل میں آیا ۔ چنانچہ وہ میدک تشریف لے گئے ۔

حضرت کے والد حضرت ہی کے ساتھ رہے۔ گھر دھندا سب کا الگ ہوجانے کی بناء پر ہر ایک کو اپنی منصب سے استفادہ کا موقع دے دیا گیا۔ حضرت کے پاس ایک اور صاحبزادی خدیجہ بیگم (۱۳/شعبان ۱۳۱۲ھ) تولد ہوئیں حضرت کے اخراجات اور بڑھ گئے۔

مولوی عبدالرحیم صاحب جب چار برس کے ہوئے تو مولانا عبدالمقتدر صاحب نے ان کی تسمیہ خوانی کی تقریب بڑی دھوم دھام سے کی اور ان کی تعلیم پر بہت توجہ دینے لگے باوجودیکہ ان کے یہاں بھی اولاد کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا مگر دونظری قطعاً پیدا نہ ہوئی۔

ایک گھر میں کئی خاندانوں کا باہم مل کر رہنا اور اختلاف سے بچے رہنا اس وقت بہت مشکل ہوجاتا ہے جب بچے زیادہ ہوجائیں اور نوکر چاکر ہر ایک کے الگ الگ ہوں۔ کیونکہ آپسی اختلافات کا باعث زیادہ تر نوکر چاکر ہوتے ہیں یا پھر بچوں کے آپسی طفلانہ جھگڑے۔

بعد میں عبدالرحیم صاحب اپنے والد و والدہ کے ساتھ رہنے لگے مگر چچا و خالہ ان کو اپنا بچہ ہی سمجھتے رہے اور زندگی بھر ان کو اور ان کی اولاد کو اپنی اولاد جیسی محبت دی۔

حضرت اپنے ماموں خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ کے مرید ہوچکے تھے۔ حضرت کی زوجہ محترمہ بھی حضرت خواجہ ہی کی مرید ہوگئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی خوب ذکر و شغل کرتے، نمازیں پڑھتے، راتوں میں عبادتیں کرتے۔ تہجد کا اہتمام کرتے۔ حضرت کا علمی مشغلہ پڑھنا پڑھانا اور رات دن کا مطالعہ برابر جاری رہتا اور حضرت کی زوجہ محترمہ اپنے میاں کی خدمت، بچوں کی دیکھ بھال اور گھر کے دھندے کی مصروفیت اپنے مقام پر برابر جاری رکھتیں۔ زیر سماں راتوں میں گھنٹوں دامن پساری کھڑی رہتیں۔ اپنے شوہر کے لئے، خود اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے بارگاہ رب العزت میں دست بہ دعاء رہتیں۔

زوجہ محترمہ کا سلیقہ اور کردار بادشاہ بیگم صاحبہ بڑے سلیقہ کی خاتون تھیں اور تھوڑی سی آمدنی میں گھر کا خرچ اس طرح سے چلاتیں کہ اہل خاندان حیران رہتے۔ خدا نے صحیح معنوں میں ان کے ہاتھ میں برکت دے رکھی تھی۔ وہ اپنے میاں کی بہترین رفیق زندگی تھیں۔ درحقیقت تمام نسوانی اوصاف کی حامل تھیں۔ بڑی فیاض، فراخ دست، متوکل اور قانع تھیں۔

چھٹا لڑکا (۱۳۱۴ھ) پیدا ہوتے ہی فوت ہوا۔ مزید کئی بچے تولد ہوئے فاطمہ بیگم (۱۳۱۷ھ)، کلثوم بیگم عرف حاجی بیگم (۱۳۱۹ھ)، حبیبہ بیگم (۱۳۲۱ھ) پھر ایک لڑکا تولد ہوا (۱۳۲۳ھ) جو پیدائش کے ساتھ ہی فوت ہوگیا۔ گیارھویں ابوتراب علی صدیقی عرف علی پاشاہ (۷ شوال ۱۳۲۴ھ) پھر میمونہ بیگم عرف خواجہ بیگم (۷ ذیحجہ ۱۳۲۵ھ)، ابوالقاسم محمد صدیقی عرف محمد پاشاہ (۱۵ شعبان ۱۳۲۶ھ)، حسین شجاع الدین عرف حسینی پاشاہ (۶ شوال ۱۳۲۷ھ)، اور آخر میں ایک لڑکا ہوا (۱۳۲۸ھ) جس کا نام حسن رکھا گیا۔ تین ماہ بقید حیات رہا اس طرح حضرت کو بادشاہ بیگم صاحبہ سے پندرہ بچے ہوئے۔

حبیبہ بیگم اپنی والدہ کے سامنے مرض چیچک سے انتقال کرگئیں۔

بڑی بیٹی کی شادی بڑی صاحبزادی زینب بیگم صاحبہ کی شادی سید محمد باقر حسینی صاحب کے ساتھ بادشاہ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ سید محمد باقر حسینی صاحب حضرت کے پیر و مرشد اور بڑے ماموں کے چھوٹے فرزند تھے۔ حضرت بیٹی داماد کو بلا کر رکھتے اور بے حد خوش ہوتے۔ یہ شادی خواجہ میاں صاحب کے وصال کے بعد آپ کے جانشین اور بڑے صاحبزادے مولانا عثمان حسینی صاحب کے دور میں ہوئی

اتنے بچے ہوجانے کے باوجود حضرت کی زوجہ محترمہ کی صحت پر زیادہ اثر مرتب نہیں ہوا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت پچھلی سے جب ورزش کرتے تو یہ خود بھی اپنے اعتبار سے ہلکی سی ورزش کیا کرتی تھیں۔

ذکر و شغل اشا کرتیں کہ عام طور پر لوگ اندازہ لگانے میں دشواری محسوس کرتے تھے کہ میاں کی روحانیت زیادہ ہے یا بیوی کی۔ فقیر کامل کی بیوی، اس کی محل نظر، اس کی چاہت و محبت اور اس کی توجہ کی بدولت ایسی ہی ہوسکتی ہے۔

بادشاہ بیگم کے تصرف باطنی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ " محبوب پاشا (یعنی نواب میر محبوب علی خان آصفجاہ) ہمارے بنگلہ کے سامنے آکر کھڑے رہیں اور پھر یہیں سے دیوڑھی واپس ہوں " انداز کچھ ایسا تھا گویا وہ ان کو حکم دے رہی ہوں۔ ان کے اس طرح فرمانے پر ہنسنے والے ہنسے، کہنے والوں نے کہا کہ بادشاہ وقت کو دیکھو اور ان کے گھر کے دروازہ کے سامنے آکر کھڑا ہونا دیکھو۔ بہر حال جتنے منہ اتنی باتیں۔ اتنے میں سیٹیاں شروع ہوئیں اور سب نے دیکھا کہ محبوب پاشاہ گھوڑے پر تراٹ چلے آرہے ہیں۔ حضرت کے بنگلے (واقع پتھر گٹی روبرو مسجد پتھر گٹی) کے روبرو آکر گھوڑے کو روک دیا۔ اور بنگلہ کی طرف رخ کرکے چند منٹ کھڑے رہے پھر گھوڑا پلٹا کر وہیں سے سیدھے دیوڑھی واپس روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں عام طور پر لوگ محبوب علی پاشاہ کو ولی سمجھتے تھے۔ کسی نے کہا محبوب علی پاشاہ کا کمال ہے۔ کسی نے کہا یہ بادشاہ بیگم کی روحانیت کا کرشمہ ہے۔ جب یہ سوال حضرت سے کیا گیا کہ آخر کمال کس کا ہے؟ تو حضرت نے ارشاد فرمایا " کمال تو دونوں کا ہے "۔

ایک دفعہ حضرت کے صاحبزادہ محمد بادشاہ کو جو کمسن تھے شدت کا بخار چڑھ گیا۔ بادشاہ بیگم صاحبہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے " بخار جہنم کی بھاپ سے ہے، پانی سے اس کو ٹھنڈا کرو " (متفق علیہ) اور بچہ کو سرد پانی سے حمام کروا دیا۔ بخار میں اور زیادتی ہوگئی موصوفہ نے فرمایا " نبی سچا بخار جھوٹا " دوسرے دن پھر سرد پانی سے حمام کروایا۔ بخار پھر بھی نہ اترا۔ گھر کے لوگ پریشان ہوگئے مگر کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے۔ تیسرے روز یہ کہہ کر سہ بارہ حمام کروایا " نبی سچا بخار جھوٹا " الحمد للہ بخار اتر گیا۔ لوگ ان کے حدیث پر یقین اور ان کی ایمانی قوت کا اندازہ کرکے حیران رہ گئے۔

بادشاہ بیگم صاحبہ کی قادریت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ پیاس لگی تو پانی کے گھڑے کے پاس گئیں گلاس میں پانی لیا، پینے کے لئے منہ کے قریب لے گئیں پھر بغیر پئے گلاس رکھ کر اپنی جگہ واپس آگئیں۔ کسی نے پانی نہ پینے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا " حکم نہیں ہوا "۔

بادشاہ بیگم صاحبہ اور ان کی بہن امیر بیگم صاحبہ پر خواجہ میاں صاحب قبلہ کی خاص نظر عنایت تھی۔ چنانچہ آپ کی جانب سے بادشاہ بیگم کو " بادشاہ صادقات " اور امیر بیگم کو " امیر عارفات " کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا۔

خواجہ میاں حضرت نے فرمایا تھا " ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے دربار میں ہمارے سلسلہ کی عورتوں کی پیشی ہوئی۔ پیرانی بی (یعنی خود خواجہ میاں حضرت کی زوجہ محترمہ) سب سے پہلے آئیں اور ان کے جلو میں بڑی بیگم اور چھوٹی بیگم آئیں (یعنی حضرت کی زوجہ محترمہ بادشاہ بیگم اور عبدالمقتدر صاحب کی زوجہ محترمہ امیر بیگم)۔

زوجہ محترمہ کی علالت اور انتقال آخر زمانہ میں بادشاہ بیگم صاحبہ پر جذب کی کیفیت زیادہ طاری ہوگئی تھی۔ کھانا پینا چھوٹ گیا تھا۔ دنیا کی طرف زیادہ توجہ نہ رہی تھی نہ سر میں تیل نہ کنگھی نہ چوٹی۔ حضرت عبدالمقتدر صاحب تشریف لاتے اور کہتے بھابی صاحبہ خاصہ ملاحظہ فرمائیے تو جواب دیتیں۔ " چھوٹے بھائی کھانا کیسے کھاؤں دانہ دانہ میں پیر و مرشد نظر آرہے ہیں " وہ کہتے " آپ مرشد میں فنا ہوگئی ہیں۔ پیر و مرشد دراصل آپ کی آنکھوں میں ہیں اس لئے آپ جدھر دیکھتی ہیں وہ نظر آتے ہیں۔ ذرا آپ اپنی طرف نظر کیجئے آپ اپنی جگہ پیر و مرشد ہی کو پائیں گی "۔

حضرت کا یہ عالم تھا اپنے ہاتھوں سے کھانا ملا کر منا منا کر کھلاتے ۔ بیوی کے سر میں تیل ڈالتے کنگھی تک کردیا کرتے ۔ اتنی سخت واردات گذرتی رہنے کے باوجود میاں سے غافل نہ ہوتیں ۔ حضرت کی کسی بات کو نہ ٹالتیں ۔ خود حضرت کا بیوی سے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ زندگی بھر ان کی طرف کبھی پیٹھ نہ کی ۔ کروٹ بدلنا چاہتے تو اٹھ کر دوسرے بازو آلیٹتے ۔

بادشاہ بیگم صاحبہ پر جذب کی کیفیت جب غالب ہونا شروع ہوئی تو ان کو اپنے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالعزیز صاحب کی شادی کی فکر رہنے لگی ۔ ان کی شادی دیکھنے کی بڑی آرزو مند تھیں ۔ ان کی نسبت خواجہ میاں حضرت کی صاحبزادی امۃ اللہ بیگم سے طے ہوچکی تھی ۔ چنانچہ عثمان میاں حضرت نے اپنی بہن کی شادی کا سرانجام کیا ۔ پیر و مرشد کی صاحبزادی بہو بن کر گھر آئیں تو حالتِ جذب میں بھی بہو کو پہچانا اور بیحد مسرت کا اظہار کیا ۔ مولوی عبدالعزیز صاحب کو خواجہ میاں حضرت ہی سے بیعت تھی ۔

بادشاہ بیگم صاحبہ نے حضرت کے ساتھ ۲۶ سال گذارنے کے بعد بعمر ۴۰ سال ۱۲ ۔ شوال ۱۳۲۹ ھ وصال فرمایا ۔ بمقام محبوب آباد حال باقر نگر نزد عیدگاہ جدید تالاب میر عالم مدفون ہیں ۔ (اولاد و احفاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

دوسرا دور :- پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کرنے تک کا زمانہ

بادشاہ بیگم جیسی چہیتی اور چاہنے والی بیوی کے انتقال کی وجہ سے حضرت بہت مغموم رہتے تھے پیر و مرشد کا وصال ہی زندگی کو بے مزہ کردینے کیا کچھ کم تھا کہ مزید صبر آزما اک اور صدمہ جانکاہ درپیش ہوگیا ۔

بادشاہ بیگم نے اپنے پیچھے ایک نہیں تیرہ بچے چھوڑے تھے جن میں چھ لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں جن میں سے صرف بڑے فرزند اور بڑی صاحبزادی کی شادیاں ہوئی تھیں ۔ مابقی کے منجملہ اور چار صاحبزادیاں سن شعور کو پہنچ چکی تھیں اور باقی بچے چھوٹے تھے ۔ گھر کا انتظام حضرت کے فرزند دوم مولوی عبدالرحیم صاحب اور حضرت کی صاحبزادی خدیجہ بیگم کے ذمہ تھا ۔ ان دونوں بھائی بہن سے جس طرح بن پڑتا گھر کا انتظام کرتے اور چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ ریکھ اور سنبھال بھی انہی کے ذمہ تھی ۔

بڑی بہو صاحبہ کا انتقال بادشاہ بیگم کا وصال ہو کر دو مہینے ہی ہوئے تھے کہ اک اور غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ۔ پیر و مرشد کی صاحبزادی حضرت کی بڑی بہو مولوی عبدالعزیز صاحب کی زوجہ محترمہ صرف چار مہینے کی دلہن داغ مفارقت دے گئیں ۔ بعارضہ طاعون ۱۴ ۔ ذی الحجہ ۱۳۲۹ ھ کو انتقال فرمایا ۔ (یہ حیدرآباد میں دوسرا طاعون تھا) ۔ حضرت خواجہ میاں صاحب قبلہ کے وصال کے وقت ان کی عمر تخمیناً چار سال تھی ۔ ان کی تمام تر تعلیم و تربیت ان کی والدہ ماجدہ اور برادرِ معظم حضرت عثمان حسینی صاحب کی زیر نگرانی ہوئی تھی ۔

عبدالعزیز صاحب کی بیقراری اہل خاندان سے دیکھی نہ جاتی تھی ۔ بیوی کے مزار پر جو بادشاہ بیگم صاحبہ کے مزار سے متصل ہے جا بیٹھتے ۔ آنسو بہاتے ، قرآن ، درود جو ہوسکتا پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے جاتے ۔ حضرت کا یہ حال کہ بہو جو مرشد کی صاحبزادی تھیں اور بڑے ہی ارمانوں سے بیاہ کر لائی گئی تھیں ان کے غم نے اور کئی غموں کی یاد تازہ کردی ۔ بیٹے کی بیقراری سوہان روح بن گئی تھی ۔ ایک غمزدہ کا دوسرے غمزدہ کو تلقینِ صبر کرنا ، تسلیم و رضا کا عملی درس دینا کچھ آسان کام نہ تھا ۔ بچے ماں کو یاد کرکے آنسو بہاتے ، ان کے آنسو حضرت سے دیکھے نہ جاتے خود بھی آبدیدہ ہوجاتے ۔ تنہائی کا احساس الگ وحشت پیدا کرتا ، گھبراہٹ طاری ہوجاتی ، دل کہیں نہ لگتا تو اپنے چچازاد بھائی ، دوست اور برادر نسبتی مولوی احمد حسین صاحب صدیقی کے مکان واقع متصل کالی کمان مع بچوں کے ان کے پاس چلے جاتے اور دنوں رہ جاتے ۔ بعض اوقات سر کے بال پراگندہ رہتے ، لوگ توجہ دلاتے تو فرماتے ۔ سر میں تیل ڈالنے والی تو رہی نہیں ۔

اس دور میں حضرت کے سر میں گھنی گھنگر والی زلفیں تھیں ۔

دوسری صاحبزادی کا انتقال اسی دوران حضرت کی ناکتخدا صاحبزادی عائشہ بیگم مرض طاعون میں مبتلا ہوئیں ۔ دوران بیماری انہوں نے خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم کو دیکھا اور عرض کیا " یا رسول اللہ میری تین خواہشیں ہیں وہ پوری ہوں ۔ پہلی خواہش تو یہ ہے کہ میں نے آپ کے جمال مبارک کو دیکھا ہے اب میں کسی اور کو نہ دیکھوں " ۔ ارشاد ہوا " منظور " دوسری خواہش یہ ہے کہ میرے باوا حسن کی شادی دیکھیں فرمایا " منظور " تیسری خواہش انہوں نے کیا پیش کی تھی جس پر سرکار صلی اللہ علیہ و سلم نے منظور فرمایا تھا اس کو انہوں نے میری والدہ سے بیان ضرور کیا تھا اور والدہ نے اس خواب کا تذکرہ کرتے وقت مجھ سے بیان بھی کیا تھا مگر وہ الفاظ میرے ذہن سے اتر گئے ۔

جب عائشہ بیگم خواب سے بیدار ہوئیں تو آنکھوں کی پتلیوں پر پردہ آگیا ۔ چنانچہ پہلی خواہش تو فوراً پوری ہوگئی ۔ عائشہ بیگم صاحبہ کی اس بیماری میں میری والدہ خدیجہ بیگم صاحبہ نے تیمارداری کی تھی اور بہن کی خوب دعائیں لی تھیں ۔ اسی بیماری میں عائشہ بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا ۔ کچھ ہی دنوں بعد حضرت کے سب سے چھوٹے کمسن صاحبزادہ حسن جو تین ماہ کے تھے چل بسے اور اپنی ماں کی یاد اپنے باپ کے لئے تازہ کر گئے ۔ حسن کی شادی دیکھنے کی خواہش اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت نے اپنے پوتے حسن ، فرزند مولوی ابوتراب علی صدیقی کی شادی میں شرکت فرمائی اس وقت حضرت کی عمر شریف ۹۰ سال کے قریب تھی ۔

چھوٹے ماموں کے انتقال کا صدمہ انہی دنوں میں حضرت کے چھوٹے ماموں حضرت علامہ سید عمر صاحب قدس سرہ نے ۱۹ ۔ صفر ۱۳۳۰ ھ بعارضہ طاعون وصال فرمایا ۔ حضرت کو اپنے چھوٹے ماموں سے بے حد محبت تھی اور وہ بھی حضرت کو دل سے چاہتے تھے ۔ ان کے وصال سے حضرت کے قلب پر انتہائی صدمہ گزرا ۔

یہ دور حضرت کے لئے انتہائی صبر آزما اور امتحانی دور تھا یا قدرت کی جانب سے حضرت پر بلاؤں کے دروازے کھول دیئے گئے تھے تاکہ آپ کا نفس پوری طرح گداختہ ہوجائے اور آپ پر اللہ کی خصوصی رحمت اور نعمت کے دروازے کھول دیئے جائیں ۔

بھاگوں جو سن کے یارسے میں نامِ امتحاں
کچھ بوالہوس کا رنگ پریدہ نہیں ہوں میں (حسرت صدیقی)

بیٹی اور داماد کا جدہ میں انتقال بادشاہ بیگم صاحبہ کا وصال ہو کر پورے دس ماہ گذر چکے تھے ۔ حضرت کے ماموں زاد بھائی اور پیرزادے حضرت سید عثمان حسینی صاحب سجادہ نشین نے جن کی زوجہ محترمہ نے اسی طاعون میں انتقال فرمایا تھا جس میں حضرت عثمان میاں کی بہن یعنی حضرت کی بہو امۃ اللہ بیگم زوجہ عبدالعزیز صاحب نے انتقال کیا تھا ۔ چونکہ حضرت عثمان میاں اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے جانا چاہتے تھے جنہوں نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا لہٰذا حضرت کی صاحبزادی فاطمہ بیگم کے لئے پیام روانہ کیا ۔ جس کو حضرت نے منظور فرما لیا ۔ باوجودیکہ ان سے بڑی بہن خدیجہ بیگم صاحبہ کی ہنوز شادی نہیں ہوئی تھی گو ان کی نسبت کا قرار داد ہو چکا تھا مگر موقع کا خیال کرتے چھوٹی بہن فاطمہ بیگم صاحبہ کا عقد ۲۵ / شعبان ۱۳۳۰ ھ کو کردیا گیا ۔ اور شوال ۱۳۳۰ ھ میں حضرت عثمان میاں نئی دلہن اور صاحبزادہ و صاحبزادی کو لے کر اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ عازم حرمین شریفین ہوئے ۔ تقریباً ایک سال بعد ۱۳۳۱ھ میں حضرت سید محمد یحییٰ حسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے برادر معظم کو مجبور کیا کہ وہ چند ماہ کے لئے ہی سہی حیدرآباد چلیں اور عرض کیا کہ سارے لوگ آپ کے دیدار کے لئے

بے چین ہیں ۔ بھائی کے بے حد اصرار پر مواجہ شریف میں مراقبہ کیا۔ سرکار مدینہ سے اجازت ملی ۔ دوسرے روز پھر مراقبہ کیا ۔ دوسرے روز بھی اجازت ہی ملی ۔ تیسرے روز پھر مراقبہ کیا اور عرض کیا " سرکار کو چھوڑ کر جانے دل نہیں چاہتا " تو ارشاد ہوا " اگر تم کو ہماری جدائی بار گزر رہی ہے تو چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں " حیدرآباد کے لئے سفر شروع ہوا ۔ محل محترم علیل تھیں ۔ سفر کی تیسری منزل پر حضرت عثمان میاں کو بخار آگیا ۔ ۳۰ ۔ محرم کو جب جدہ پہنچے تو دونوں میاں بیوی کی حالت خراب ہوگئی اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا ۔ بالآخر ۸ ۔ صفر ۱۳۳۲ھ کو گیارہ بجے شب محل محترم فاطمہ بیگم صاحبہ کا انتقال ہوگیا اور جدہ میں تدفین عمل میں آئی ۔ حضرت عثمان میاں بالکل فریش تھے ۔ تدفین میں شرکت نہ فرماسکے ۔ ۱۳ ۔ صفر ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ صبح ، بجے خود حضرت عثمان میاں بھی وصال فرماگئے انا للہ و انا الیہ راجعون جدہ ہی میں تدفین عمل میں آئی (اس واقعہ کی پوری تفصیل حضرت عثمان میاں کے ضمن میں ص۔۔۔ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے) ۔

بیٹی داماد کے انتقال کی خبر جب اچانک حیدرآباد پہنچی ہوگی تو حضرت کے دل پر کیا گزری ہوگی اندازہ مشکل ہے ۔ ادھر لخت جگر اور چار مہینے کی دلہن اُدھر عزیز از جان پیرزادہ اور پھر جانشین خواجہ ۔

آپ کے جو جی میں آئے کیجئے بندگی بے چارگی ہم کیا کریں (حسرت صدیقی)

محبت اور پھر شکوہ شکایت غیر ممکن ہے اگر شکوہ نکل جائے تو جل جائے زباں میری (حسرت صدیقی)

میں عین کامرانی اس کو سمجھوں راہِ الفت میں اگر اڑ جائیں کوئے دلربا میں دھجیاں میری (حسرت صدیقی)

بادشاہ بیگم صاحبہ کا وصال ہو کر دو سال کا عرصہ گزر چکا تھا ۔ حضرت کی صحت خراب رہنے لگی ۔ حکیم عبدالوہاب صاحب المعروف بہ حکیم نابینا صاحب نے حضرت کو طبی مشورہ دیا کہ " آپ کی طبیعت جو ناساز رہتی ہے دوسری شادی ہی اس کا واحد علاج ہے ۔ مولوی احمد حسین صاحب برادر نسبتی اور دوست نے ایک طرف حضرت کے علمی مشاغل اور دوسری طرف احساس تنہائی ،کبیدہ خاطری اور خرابی صحت کے مدنظر باوجود یکہ ان کو اپنے بہن کی اولاد نہایت عزیز تھی ۔ حضرت کو دوسری شادی کرلینے کا مشورہ دیا ۔ مگر بادشاہ بیگم کی محبت نے حضرت کو اس قابل نہ رکھا تھا کہ محبت میں کسی اور کو حقدار بناسکیں ۔ چنانچہ جب بھی شادی کا مشورہ دیا جاتا حضرت سنی ان سنی کردیتے ۔

حضرت کے چند مخلص دوست تھے ، مولوی غلام جیلانی صاحب ، مولوی غلام دستگیر صاحب ، مولوی فیض الدین صاحب ، مولوی مسیح الدین صاحب ، اور خود حضرت کے برادر نسبتی مولوی احمد حسین صدیقی صاحب ، ان دوستوں کی بیٹھک مولوی غلام جیلانی صاحب کے بنگلہ پر رہتی تھی جو مسجد کالی کمان سے ملحق تھا ۔ یہ بیٹھک بلاکسی اختلاف و شکر رنجی برسوں قائم رہی ۔ بقول خود حضرت کے ابتداءً صرف گپ شپ ہوا کرتی ۔ حضرت نے تحریک کی کہ اس بیٹھک کو بامقصد بنا دیا جائے ۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ ناول پڑھے جائیں تا کہ تفنن طبع کا سامان بھی ہو اور علمی اور ادبی صلاحیت بھی بڑھے ۔ چنانچہ حضرت کے تحریک پر فسانہ " آزاد " طلسم ہوش ربا ، اور ان کے علاوہ مختلف صاحب طرز ادیبوں کا لٹریچر پڑھا جانے لگا ۔ چنانچہ بیسیوں کتابیں پڑھی گئیں اور ایک اچھا خاصا علمی اور ادبی ماحول پیدا ہوگیا ۔ یہ سارے دوست نہایت سنجیدہ ، مہذب ، پابند صوم و صلوٰۃ اور خاندانی لوگ تھے ۔ حضرت کا اور مولوی احمد حسین صاحب کا دل سے احترام کرتے گو دوستی کی بے تکلفی اپنے مقام پر برقرار ضرور رہتی ۔

ان چاروں دوستوں نے بھی دوسری شادی پر بہت زور دیا بالآخر حضرت نے مولوی احمد حسین صاحب صدیقی سے فرمایا " احمد حسین میاں اب کچھ فکر کرنی ہی چاہیئے "۔

اس نوبت پر حضرت نے پہلے اپنے فرزند مولوی عبدالعزیز صاحب کی دوسری شادی کی طرف توجہ فرمائی ۔ کئی نسبتیں ان کے سامنے رکھی گئیں ۔ ان کو یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اگر میں دوسری شادی کرلوں تو پیر و مرشد کا داماد کہلانے کے علاوہ کسی دوسرے کا بھی داماد کہلاؤں گا ۔ یہ بات ان کو قطعاً ناپسند تھی ۔ چنانچہ تمام نسبتوں کو انہوں نے رد کردیا اور اپنے خیال پر اٹل رہے ۔ بالآخر ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ۔

حضرت کی ناکتخدا صاحبزادی خدیجہ بیگم صاحبہ کسی عرس کے موقع پر شاہ احسان الحق صاحب کی صاحبزادیوں سے ان کی ملاقات ہوئی ۔ خصوصاً ان بہنوں میں چھوٹی بہن عائشہ بیگم صاحبہ جو ناکتخدا تھیں ان سے خدیجہ بیگم کی بہت دوستی ہوگئی ۔ خدیجہ بیگم جب گھر لوٹ آئیں تو انہوں نے اپنے والد سے عائشہ بیگم کے اوصاف ، ان کی محبت ، خلوص ، تواضع ، حسن اخلاق ، صورت شکل اور ان کی خوبصورتی ، رنگ روپ کی بہت تعریف کی ۔ اپنی بیٹی کی زبانی عائشہ بیگم کی تعریف سن کر حضرت ان سے نسبت دینے پر مائل ہوگئے ۔

چنانچہ حضرت نے مولوی احمد حسین صدیقی صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ سلطان جہاں بیگم صاحبہ سے عائشہ بیگم کے تعلق سے تذکرہ فرمایا ۔ جو رقیہ سلطان جہاں بیگم کی حقیقی بھانجی تھیں ۔ ان کو اپنی نند پاشاہ بیگم صاحبہ مرحومہ اور ان کی اولاد نہایت عزیز تھی ۔ وہ یہ نہ چاہتی تھیں کہ ان بے ماں کے بچوں پر سوتیلی ماں آئے ۔ دوسری طرف ان کو یہ بات بھی ناپسند تھی کہ ان کی حقیقی بھانجی ایسے گھر میں جائے کہ شادی کے ساتھ ہی ایک بڑے گھر دھندے کی ذمہ داریوں کا بوجھ اچانک ان کو سنبھالنا پڑے ۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت کے علم و فضل ، وجاہت ظاہری ، اوصاف حسنہ اور بزرگی کے تعلق سے وہ رطب اللسان ضرور تھیں اور ان کو اس بات کا بھی بخوبی اندازہ تھا کہ حضرت کے جیسا آدمی تقدیر ہی سے ملتا ہے ۔ باوجود اس کے وہ اس نسبت کے سلسلہ میں پیشقدمی کے لئے تیار نہ تھیں ۔

مولوی احمد حسین صاحب نہایت بامروت ، ولی صفت آدمی تھے ۔ حضرت خواجہ میاںؒ نے ان کے اور ان کے برادر خرد مولوی شریف حسین صاحب عرف پیارے میاں کے تعلق سے فرمایا تھا کہ " یہ دونوں بھائی ولی ہیں " علاوہ ازیں موصوف جو مجسم اخلاق اپنی خاص وضع کے پابند ، ذی وجاہت اور عہدہ دارانہ شان کے آدمی تھے حضرت کو اس نسبت کے بارے میں پوری طرح کوشش کرنے کا تیقن دے چکے تھے ۔ رقیہ سلطان جہاں بیگم صاحبہ کو مجبوراً اپنے شوہر کا ساتھ دینا پڑا ۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی نے شاہ احسان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس نسبت کا تذکرہ کیا تھوڑی سے پس و پیش کے بعد وہ اپنی بیٹی حضرت کو بیاہ دینے راضی ہوگئے ۔ اور نسبت کا قرار داد عمل میں آیا ۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت کے فرزند دوم مولوی عبدالرحیم صاحب سے مولوی احمد حسین صاحب کی بڑی صاحبزادی حیدری بیگم صاحبہ بچپن سے منسوب تھیں گو ابھی شادی نہیں ہوئی تھی ۔ مگر نسبت برقرار تھی ۔ حضرت کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ عائشہ بیگم اگر گھر آئیں تو آئندہ ساس بہو میں پہلے سے قرابت قریبہ ہونے کے باعث باہم خلوص و محبت سے گزرے گی ۔ چنانچہ حضرت کی یہ توقع بعد میں صحیح ثابت ہوئی ۔

تیسرا دور ۔ " دوسری بیوی عائشہ بیگم صاحبہ سے شادی کے بعد سے تیسری بیوی فرخ بیگم صاحبہ کے انتقال تک کا زمانہ "۔
تقریباً ۴۳ سال کی عمر میں حضرت کی دوسری شادی عائشہ بیگم صاحبہ بنت شاہ احسان الحق صاحب فاروقی کے ساتھ عمل میں آئی حضرت کی ساری اولاد ان کو دلہن اماں جان کے نام سے پکارا کرتی تھی ۔ اور اسی نام سے ان کو آج تک یاد کرتی ہے ۔ عائشہ بیگم صاحبہ نے اپنی فطری صلاحیتوں کی بناء پر دانشمندی سے اپنے مقام مادری کو اس طرح نبھایا کہ سب نے داد دی ۔ ان کی محبت اور خلوص نے سوتیلے بچوں کو وہ پیار دیا کہ ہر ایک کے دل میں ان کی عظمت و عقیدت سگی ماں کے مثل قائم ہوگئی ۔ یہ عائشہ بیگم صاحبہ کے اخلاق کا نتیجہ تھا جو ذاتی اغراض سے پاک تھا ۔ نمائشی نہ تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی محبت گھر کے ہر ایک فرد کے دل میں گھر کرگئی تھی ۔ اس سے ان کی روح کی لطافت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کس قدر للہیت کا پہلو غالب تھا ۔

شادی کے ابتدائی دور میں عائشہ بیگم صاحبہ کے خواب میں بادشاہ بیگم صاحبہ اکثر آیا کرتیں ۔ شادی کے دوسرے ہی روز وہ عائشہ بیگم صاحبہ کے خواب میں تشریف لائیں اور ان سے سوال کیا کہ تم نے کس کے پہلو میں رات گذاری ؟ خواب میں اکثر ہدایت کر جاتیں کہ دیکھو ! میرے بچوں کا خیال رکھنا ، ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا ۔ کچھ دن اس طرح سے گذرے ایک روز عائشہ بیگم صاحبہ نے حضرت سے تذکرہ کیا کہ میں بچوں کے ساتھ کونسا برا سلوک کر رہی ہوں کہ بادشاہ بیگم ہر شب خواب میں آکر مجھے بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی تاکید کرجاتی ہیں ۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا " اچھا میں ان سے کہہ دیتا ہوں ۔ وہ تمہارے خواب میں آئندہ نہ آیا کریں گی " چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ پھر خواب میں تشریف نہ لائیں ۔

سالک رام کی گلی کے مکان میں حضرت کی صاحبزادی خدیجہ بیگم صاحبہ کی شادی حضرت کے حقیقی چچازاد بھائی مولوی محمد نور الدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ اکبر مولوی محمد انور الدین صدیقی (یعنی میرے والد ماجد) کے ساتھ ۲ ۔ شعبان المعظم ۱۳۳۵ ھ عائشہ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں انجام پائی ۔ یہ شادی اس دور کے ہر اعتبار سے مثالی شادی تھی ۔ جس میں وقت کی پابندی ، ترک تکلفات ، و رسومات کو بطورِ خاص پیشِ نظر رکھا گیا تھا ۔

اس دور میں دعوت نامہ میں از صبح تا نصف النہار لکھا جاتا تھا مگر صورتِ حال یہ تھی کہ صبح ہی عقد ہوتا اور عقد کے ساتھ ہی مہمانوں کی طعام سے ضیافت کی جاتی اور شام تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ۔ اور رات میں جلوہ دیا جاتا دلہن کی رخصتی تک کافی رات ہوجاتی ۔ دن تمام مہمانوں کو دلہن کے مکان پر وقت گذارنا پڑتا ۔ مولوی نور الدین صاحب قبلہ کو یہ تضیع اوقات ناپسند تھی ۔ انہوں نے حضرت سے خواہش ظاہر کی کہ جلوہ دن کے بارہ بجے سے پیشتر دے دیا جائے تا کہ دلہا دلہن باراتیوں کے ساتھ دوپہر کا خاصہ دولھا کے مکان پر کھاسکیں ۔ حضرت نے اس بات کو پسند فرمایا اور رواج کے خلاف اس خواہش کی ٹھیک وقت پر تکمیل فرمادی اور دن کے ۱۲ بجے سے پیشتر جلوہ دے دیا گیا اور ساڑھے بارہ تک رخصتی عمل میں آئی ۔ دراصل یہ جانبین کی اصول پسندی ، ہم خیالی ، یگانگت ، خلوص اور محبتِ قلبی کا کامل مظاہرہ تھا ۔

ترپ بازار کے اسی مکان میں شادی کی ایک اور تقریب عائشہ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں انجام پائی وہ حضرت کے فرزند دوم مولوی محمد عبدالرحیم صدیقی صاحب کی شادی کی تقریب تھی جو ان کی حقیقی ماموں زاد بہن حیدری بیگم صاحبہ بنت مولانا احمد حسین صاحب صدیقی کے ساتھ انجام پائی ۔ حیدری بیگم صاحبہ اور عائشہ بیگم صاحبہ دونوں رشتہ میں خالہ زاد بہنیں تھیں اور رضاعی بہنیں بھی تھیں کیونکہ عائشہ بیگم

نے اپنی خالہ کا دودھ پیا تھا ۔ یہاں رشتہ میں پھر نزاکت پیدا ہوئی ایک بہن ساس ایک بہن بہو ۔ دونوں نے اپنا اپنا کمال دکھایا ۔ بہن ہوتے ہوئے بھی بہو نے اسی احترام کو ملحوظ رکھا جو ساس کے شایانِ شان ہوا کرتا ہے ۔ اور ساس نے ایسا انداز اختیار کیا کہ بیٹے کے پاس تو وہ ان کی ماں کا بدل ثابت ہوتی رہیں مگر بہو یہ نہ محسوس کرسکے کہ اسے بہن سے نہیں ساس سے سابقہ پڑا ہے اس طرز عمل سے انہوں نے نہ صرف حضرت کے دل میں جگہ پائی بلکہ خاندان والوں کی نظروں میں بھی ان کا وقار بلند ہوگیا ۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ عائشہ بیگم صاحبہ بڑی مستقیم اوپر اور دقیقہ شناس واقع ہوئی تھیں ۔ سوتیلے بچوں نے بھی ماں کا پیار پایا ۔ چھوٹے بچے تو سگی ماں کو بڑی حد تک بھول ہی گئے تھے ۔

اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی کسی نہ کسی عنوان سے حضرت بادشاہ بیگم کا تذکرہ ضرور نکالا کرتے اور ان کو یاد کیا کرتے ۔ بمقتضائے فطرت عائشہ بیگم صاحبہ کو رشک ہوا ۔ ایک دن انہوں نے حضرت سے سوال کر ہی دیا کہ بادشاہ بیگم آپ کو زیادہ چاہتی تھیں یا میں زیادہ چاہتی ہوں ۔ حضرت نے جواب دیا " یہ بات مت پوچھو " جب اصرار سے پوچھا تو حضرت نے فرمایا " بادشاہ بیگم مجھے چاہتی تھیں ۔ اور تم کو میں چاہتا ہوں " ۔ یہ جواب سن کر عائشہ بیگم صاحبہ نے کہا " میرا دل چاک کر کے دیکھو اس میں آپ کی کتنی محبت ہے " !

عائشہ بیگم صاحبہ کی گفتگو انتہائی دلچسپ اور شگفتہ ہوتی تھی ۔ ان کا طرز تکلم اس قدر شیریں تھا معلوم ایسا ہوتا گویا منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں ۔ ظرافت کا پاکیزہ مذاق بھی قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا ۔ اکثر حضرت کو اپنی گفتار سے ہنسا دیتی تھیں ۔ ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت ان پر خفا ہونے لگے ۔ عائشہ بیگم صاحبہ ہنسنے لگیں ۔ حضرت نے ان سے کہا " میں خفا ہو رہا ہوں اور تم ہنس رہی ہو " انہوں نے جواب دیا " کیا کروں آپ غصہ میں اتنے حسین نظر آرہے ہیں کہ بے اختیار ہنسی نکلی جارہی ہے " یہ جملے اس درجہ والہانہ انداز میں ادا ہوئے کہ حضرت بھی ہنس پڑے ۔

اولاد از بطنِ عائشہ بیگم صاحبہ عائشہ بیگم صاحبہ کے بطن سے حضرت کو تین صاحبزادے تولد ہوئے ۔ پہلے فرزند کا نام حضرت نے حسَن رکھا ۔ حالانکہ لوگ اس بات کو برا خیال کرتے تھے کہ جو بچہ گزر جائے اس کا نام دوبارہ کسی بچہ کا رکھا جائے ۔ حضرت نے اس وہم کو توڑنا چاہا ۔ مقدرات ٹلتے نہیں صاحبزادے کمسن فوت ہوئے ۔ دوسرے فرزند تولد ہوئے تو حضرت نے ان کا نام حسن محی الدین صدیقی (عرف محی الدین پاشا) رکھا ۔ (حسن بار بار رکھنے کے پس پردہ بشارت تھی جو حضرت کی صاحبزادی کو مرض طاعون کے دوران ملی تھی کہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے معروضہ کیا تھا کہ میرے باوا حسن کی شادی دیکھیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا تھا ۔ تیسرے فرزند کا نام عبدالقادر معین الدین عرف قادر پاشا رکھا گیا ۔

خدا نے عائشہ بیگم صاحبہ کو اچھی صورت اور اچھی سیرت عطا کی تھی ۔ یہ بادشاہ بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد ان کا اچھا بدل ثابت ہوئیں ۔ اور حضرت کے دل میں بادشاہ بیگم صاحبہ کی یاد کے ساتھ ساتھ اپنی بھی یاد چھوڑ گئیں ۔ اور اپنی شفقت اور محبت کے صرف پانچ سال کے قلیل عرصہ میں وہ نقوش چھوڑے کہ بادشاہ بیگم صاحبہ کی اولاد ان کو آج تک بھلا نہ سکی ۔

عائشہ بیگم صاحبہ کی رحلت حضرت عائشہ بیگم صاحبہ نے ۲۶ ۔ ذالحجہ ۱۳۳۰ھ کو دار فانی سے رحلت فرمائی اور بمقام محبوب آباد ۔ حال باقر نگر نزد عیدگاہ جدید تالاب میر عالم مدفون ہیں ۔

تیسری شادی عائشہ بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد حضرت نے تیسری شادی فرخ بیگم صاحبہ سے کی جو حکیم حبیب الرحمنٰ صاحب ابن حافظ سید عبدالرحمنٰ صاحب کی صاحبزادی تھیں ۔ حضرت اس زمانہ میں مدرسہ دارالعلوم سے متصلہ مکان میں کرایہ سے مقیم تھے ۔ یہ زوجہ محترمہ شادی کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہیں ۔

چوتھا دور (آخری اور درخشاں دور)

حضرت نے فرخ بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد چوتھی شادی سیدہ رابعہ بیگم صاحبہ (رابعہ مدنی) بنت مولانا سید اکبر علی حسینی صاحب سے فرمائی ۔ مولانا دہلی کے رہنے والے تھے ۔ حضرت کی تیسری بیوی فرخ بیگم صاحبہ کے دادا حافظ سید عبدالرحمنٰ صاحب کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے ۔ بڑے عالم فاضل اور صاحب تصنیف و تالیف بزرگ تھے ۔ چنانچہ ان کی ایک کتاب بیحد مقبول ہوئی تھی ۔ اور اس کے کئی ایڈیشن بھی چھپے تھے ۔ مولانا عاشق رسول تھے ۔ ظاہری دوری گوارہ نہ ہوئی تو ترک وطن کرکے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی ۔ ہجرت کر جانے کے بعد کسی سلسلہ میں ایک بار ہندوستان تشریف لائے تھے ۔ کچھ دن قیام رہا ۔ دوران قیام بیمار ہوئے تو اس ڈر سے کہ کہیں ہندوستان میں انتقال نہ ہوجائے حالت بیماری میں فوراً مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد انتقال فرمایا ۔ مولانا نے مدینہ طیبہ میں اپنی رہائش کے لئے ایک مکان بھی خرید لیا تھا ۔ اس مکان کے تعلق سے حضرت نے بلاد اسلامیہ کے اپنے سفرنامہ میں اس طرح تذکرہ فرمایا ہے ۔

" چہارشنبہ ۹ ۔ ذیقعدہ (۱۳۴۵ھ) کو مولوی عبدالباقی صاحب کے پاس چائے خوری کی دعوت ہوئی یعنی صبح کا کھانا ہوا مطبق اور میٹھی چکولیاں بھی تھیں ۔ وہاں سے اٹھ کر امین افندی کے مکان کو گئے اور ان سے بھائی اصغر علی شاہ صاحب (حضرت کے برادر نسبتی) کے والد اکبر علی صاحب کے مکان کا پتہ دریافت کرلیا ۔ سید یسٰین مرحوم کے فرزند عبدالقادر زندہ ہیں ۔ سید احمد عبدالحمید بھی ہیں ۔ افغانی ان کے گھروں میں اترتے ہیں ۔ نجدی رشوت نہیں لیتے ۔ مستحقین کو حق پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اگر اصغر علی شاہ صاحب یہاں آئیں ، ساتھ حجتہ و توریث نامہ لائیں تو مکان سہولت سے مل سکتا ہے "۔

حافظ عبدالرحمنٰ صاحب کے فرزند دوم سید محمد الطاف الرحمنٰ صاحب (حضرت کی پہلی زوجہ محترمہ بادشاہ بیگم کی منجھلی بہن وزیر بیگم صاحبہ کے شوہر) سے مولانا اکبر علی صاحب کی خط و کتابت رہا کرتی تھی ۔ جب الطاف الرحمنٰ صاحب کو اطلاع ملی کہ مولانا انتقال فرماچکے ہیں تو انہوں نے مولانا کی صاحبزادی رابعہ بیگم صاحبہ اور ان کے بھائی اصغر علی شاہ صاحب کو مشورہ دیا کہ دونوں حیدرآباد آجائیں تو بہتر ہے کہ ان کے یہاں کئی رشتہ دار موجود ہیں ۔ چنانچہ دونوں بھائی بہن والد کا خرید کردہ مکان کسی موزوں شخص کے سپرد کرکے مدینہ طیبہ سے سیدھے حیدرآباد پہنچے ۔ اور فرخ بیگم صاحبہ کے والد حافظ حکیم سید حبیب الرحمنٰ صاحب کے مکان میں فروکش ہوئے ۔ خاندانی تعلقات کی بناء پر حکیم صاحب نے ان دونوں بھائی بہن کا پورا پاس و لحاظ کیا اور اپنے مکان میں بخوشی جگہ دی اور ہر طرح سہولت بہم پہنچائی ۔

دراصل رابعہ بیگم صاحبہ کی تقدیر ان کو مدینہ طیبہ سے حیدرآباد کھینچ لائی کیونکہ ان کی تقدیر میں حضرت عبدالقدیر جیسی برگزیدہ ہستی کی آئندہ شریک حیات بننا لکھا تھا ۔ رابعہ بیگم صاحبہ کی عمر کا کچھ حصہ مدینہ طیبہ میں گذرا تھا اسی بناء پر وہ رابعہ مدنی سے معروف ہوگئیں ۔ اور عام طور پر اہل خاندان ان کو مدینہ والی بی بی سے مخاطب کرنے لگے تھے ۔

رابعہ بیگم صاحبہ صوم صلوٰۃ کی سختی سے پابند ، نہایت حسین و جمیل اور سرخ و سفید تھیں اور فرخ بیگم صاحبہ کی ہم عمر تھیں ۔

رشتہ میں ان کی پھوپھی ہوتی تھیں ۔ دونوں میں باہم بے حد محبت تھی ۔ چنانچہ حیدرآباد آجانے کے بعد وہ اکثر اپنی بھتیجی سے ملنے حضرت کے گھر آیا کرتی تھیں ۔

فرخ بیگم صاحبہ کے وصال کے بعد حضرت کے لئے پھر وہی مسائل سامنے آگئے جو بیوی کے گھر میں نہ ہونے سے پیدا ہوتے ہیں ۔ مجبوراً حضرت نے پھر شادی کرلینے ہی کو بہتر خیال کیا ۔ چنانچہ حضرت نے اپنی پہلی بیوی کی منجھلی بہن وزیر بیگم صاحبہ زوجہ الطاف الرحمن صاحب کو جو حافظ عبدالرحمن صاحب کی بہو تھیں اور رابعہ بیگم اور ان کے بھائی سے سسرالی رشتہ داری کی وجہ سے تعلقات استوار تھے رابعہ بیگم صاحبہ سے نسبت کی قرار داد کے سلسلہ میں پیشقدمی کرنے کے لئے منتخب فرمایا ۔ چنانچہ موصوفہ کی کوشش سے نسبت کا قرارداد ہوگیا اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی ۔

مولانا احمد حسین صدیقی اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ سلطان جہاں بیگم نے جو حافظ عبدالرحمن صاحب کی صاحبزادی تھیں دلہن کی جانب سے شادی کے انتظامات میں بھرپور حصہ لیا ۔ اور اپنے مکان سے دلہن کو رخصت کیا ۔

حضرت کی بڑی بہن حافظہ بیگم صاحبہ زوجہ سید شاہ اصغر حسینی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ خاموش بقید حیات تھیں وہ اپنی سرپرستی میں بھاوج کو بیاہ کر اپنی معیت میں حضرت کے گھر آئیں ۔ حضرت اس وقت دارالعلوم سے متصلہ مکان میں مقیم تھے ۔

رابعہ بیگم صاحبہ سے شادی کرنے کے بعد حضرت دار العلوم کے متصلہ مکان سے اٹھ کر شسوار جنگ کے مکان میں منتقل ہوگئے جو گھوڑوں کی چوک نزد شاہ علی بنڈہ میں واقع ہے ۔ اس مکان میں رابعہ بیگم صاحبہ کے بطن سے فاطمہ بیگم تولد ہوئیں ۔ (سنہ ولادت ۱۳۴۰ھ)

شسوار جنگ کے مکان پر کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد حضرت قبلہ گیا پرشاد وکیل کے مکان میں منتقل ہوگئے جو شاہ علی بنڈہ مارکٹ سے متصل تھا ۔

کچھ عرصہ کے بعد پتھرگٹی کا مکان فروخت ہوا ۔ ترکہ میں جو رقم حضرت کے حصہ میں آئی اس سے حضرت نے محلہ رکاب گنج اردو شریف میں ایک مکان خرید لیا اور اس میں منتقل ہوگئے ۔ اس مکان کے تین قطعے تھے ۔ دو قطعے پختہ اور ایک سفالی ۔

رابعہ بیگم صاحبہ کا دور حضرت کے لئے مادی اور روحانی ترقیوں کا مبارک اور درخشاں دور ثابت ہوا ۔

مدرسہ دارالعلوم میں حضرت کا ابتدائی تقرر ۲۵ روپیہ ماہوار پر ہوا تھا ۔ عائشہ بیگم صاحبہ کے دور میں حضرت پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے ۔ رابعہ بیگم صاحبہ کے ابتدائی دور میں ۳۵۰ تا ۶۰۰ کا گریڈ ملا ۔ اس کے بعد حضرت ترقی کرتے ہوئے صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ مقرر ہوئے اور ماہانہ ایک ہزار روپے ماہوار پانے لگے ۔

مولانا عبدالمقتدر صاحب نے اپنے دوسرے فرزند محمود عبدالصبور صاحب کے لئے اپنی بھتیجی اور بیوی کی حقیقی بھانجی خواجہ بیگم کو بیاہ لانے کو زیادہ مناسب سمجھا ۔ ایک بات تو یہ تھی کہ بادشاہ بیگم صاحبہ مرحومہ کی وہ ایک ہی صاحبزادی ناکتخدا رہ گئی تھیں ۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ اس رشتہ کی بدولت بھائیوں میں باہم محبت کا رشتہ مزید قوی ہوجانے کی توقع تھی ۔ چنانچہ یہ شادی رابعہ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں اچھے انداز میں تکمیل پائی ۔ اور دونوں بھائیوں کے گھرانے قریب آگئے ۔ آمد و رفت بڑھ گئی ۔

حضرت علی پاشا اور تین صاحبزادوں کی شادی

رابعہ بیگم صاحبہ نے اپنی سرپرستی میں ابوتراب علی صدیقی عرف علی پاشا کی شادی

ایسے زمانہ میں کی اور بہو کو بیاہ کر گھر لائیں جب کہ وہ کالج میں زیر تعلیم تھے ۔ ان کے ملازم ہونے تک بہو بیٹے کا پورا بار اٹھایا ۔ ابوالقاسم محمد صدیقی صاحب، حسن محی الدین صدیقی صاحب اور عبدالقادر معین الدین صدیقی صاحب کی شادیاں بھی انہی کے زیر سرپرستی ہوئیں ۔

حضرت کے جہاں ہزار ہا مرد مرید تھے وہیں ہزار ہا عورتیں بھی مرید تھیں ۔ صبح سے شام تک ایک تانتا بندھا رہتا ۔ رابعہ بیگم صاحبہ بالطبع تنہائی پسند تھیں ۔ غیر ضروری اور طول طویل گفتگو ان کو ناپسند تھی ۔ گھر کا کام دھندا چھوڑ کر ان عورتوں سے کوئی کہاں تک بسر آتا ۔ عورتیں اپنے حالات ، گھریلو قصے سنانے لگتیں تو ان کو حضرت کے پاس بھیج دیتیں ۔ بالآخر زچ آکر ایک روز حضرت سے کہہ دیا " میاں میں تو آپ کے مریدوں سے تنگ آگئی ہوں " ۔ حضرت نے جواب دیا " بیوی یہ سب میری زندگی تک ہے میں جب تک زندہ ہوں یہ برابر آئیں گے ۔ میرے بعد تمہارے پاس کوئی نہ پھٹکے گا " ۔ حضرت کا جواب سن کر خاموش ہوگئیں ۔ حضرت نے زنانہ کے لئے بھی مردانہ کی طرف ہی کا راستہ مقرر فرمادیا ۔ ایسی خواتین جن کو حضرت خود بھیج دیتے کہ جاؤ پیرانی ماں سے ملو ۔ تو ان سے بے حد التفات و شفقت سے پیش آتیں کسی کی چاء سے اور کسی کی پان سے تواضع کرتیں ۔ اگر کوئی بیوی حضرت سے کچھ عرض کرنے کی خواہش کرتی اور خود راست عرض کرنے کی جراءت نہ کر سکتی تو اس کو ساتھ لے جاکر اس کا مدعا حضرت سے عرض کر دیتیں ۔ اگر مردانہ رہنے کی وجہ سے یہ صورت بھی ممکن نہ ہوتی تو ان کی خواہش پر خود پڑھ کر دم کر دیتیں ۔ ان کا دم کرنا تیر بہ ہدف ہوتا ۔ زبان میں غیر معمولی تاثیر تھی ۔ مقبول الدعا تھیں ۔ اگر کسی کے لئے دعا فرمادیتیں تو اس کو کامیابی ہوجاتی ۔

نواب میر عثمان علی خان کی بہو بیٹیاں یا امراء کی بیویاں یا بہو بیٹیاں حاضر خدمت ہوتیں تو ان کا لحاظ ضرور فرماتیں ۔ اگر ان کے ساتھ ہی دوسری عورتیں بھی آجاتیں تو ان کو نظر انداز کبھی نہ فرماتیں ۔ ایک ہی نظر سے سب کو دیکھتیں ۔

ایک مرتبہ محلات شاہی میں کسی کی زچگی رکی ہوئی تھی ۔ اعلحضرت نے موٹر میں کسی کو روانہ کیا کہ صدیقی صاحب سے پانی دم کروا کر لاؤ ۔ حضرت مکان پر نہیں تھے اس نے جاکر عرض کیا کہ حضرت مکان پر تشریف فرما نہیں ہیں گلبرگہ شریف عرس میں شرکت کے لئے گئے ہیں ۔ فرمایا " وہ گھر پر نہیں ہیں تو کیا ہوا ان کے گھر والے تو ہیں جاؤ ان سے پڑھوا کر لاؤ " ۔ چنانچہ رابعہ بیگم صاحبہ نے پانی دم کرکے دیا ۔ پانی پلاتے ہی زچگی ہوگئی ۔ اعلحضرت نے کہا " کیوں نہ ہو صدیقی صاحب کی بیوی ہیں " ۔

رابعہ بیگم صاحبہ نہایت دور اندیش خاتون تھیں ۔ ان کو روپیہ خرچ کرنے کا سلیقہ تھا ۔ کب اور کتنا خرچ کرنا چاہیئے ان کو اس کا صحیح اندازہ تھا ۔ سلامت روی ہمیشہ مدنظر رہی ۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ملک پیٹھ میں ایک بڑا اور پختہ بنگلہ خریدا جس کے تحت کافی اراضی تھی ۔ سامنے کے حصہ میں جدید پختہ مکان بنوایا ۔ قدیم مکان کو سرکاری گودام پر اٹھایا ۔ بنگلہ کے عقب میں جو کشادہ زمین تھی اس کو باغ کی شکل دے دی اور منتخب میوؤں کے درخت لگوائے ۔ گلاب اور موتیا کے تختے ڈلوائے اور ذرائع آمدنی میں اضافہ کیا ۔ حضرت اپنے پیسے کا صحیح استعمال دیکھ کر خوش ہوتے ۔

دنیاوی معاملات میں اپنی رائے کو حضرت کی رائے پر ترجیح دیتیں ۔ اکثر معاملات وہ خود اپنی مرضی سے طے کر دیتیں ۔ ان میں خود اعتمادی بہت تھی ۔ بعض وقت کسی معاملہ میں حضرت دلچسپی لینے لگتے تو پھر اپنی مرضی کے خلاف کچھ سننا ہی نا چاہتے اور بالآخر وہی ہوتا جو حضرت چاہتے ۔ کبھی کسی مسئلہ میں کوئی بات حضرت کی مرضی کے خلاف ہوجاتی اور حضرت خفا ہونے لگتے تو حضرت کو منوانا چاہتیں ۔

بعض وقت حضرت انجان ہوجاتے اور بعض وقت بہت برہم ہوجاتے تو دم بخود ہوجاتیں اور موقع کی منتظر رہتیں ۔ اور گفتگو کا موضوع اس سلیقہ سے بدل دیتیں اور گفتگو کا انداز ایسا اختیار کرتیں کہ چند ہی منٹ میں حضرت ایسے ہوجاتے گویا کوئی بات ہوئی ہی نہ تھی ۔ دیکھنے سننے والوں کے لئے حیرت کی انتہاء نہ رہتی اور ان کی اس صلاحیت پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکتے ۔

ایک مرتبہ رابعہ بیگم صاحبہ نے فرمایا " میں بھی مرید ہونا چاہتی ہوں مگر ہوں تو کس کی ؟ باہر نظر ڈالتی ہوں تو نظر کہیں نہیں جمتی ۔ میاں کی مرید ہونے کو جی تو چاہتا ہے مگر رکتی اس لئے ہوں کہ بیوی ہوں ۔ ان کے گھر کی پوری ذمہ داری مجھ پر ہے ۔ کبھی کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف ہو اور حالات کے لحاظ سے اس کی تکمیل کرنی پڑتی ہو تو مرید ہوجانے کے بعد پھر تو مجھے مجبور ہوجانا پڑے گا اور گھر کا انتظام برقرار نہیں رہے گا " ۔ وہ کوئی تصفیہ کر نہیں پائی تھیں کہ خواب میں دیکھا کہ وہ دست شریف حضرت غوث الاعظم پر بیعت کر رہی ہیں ۔ لہذا انہوں نے حضرت نقیب الاشراف بغداد شریف کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کر لیا ۔ حضرت جب سفرحج و زیارت کے لئے روانہ ہونے لگے تو اپنے خواب اور ارادہ سے مطلع کر کے خواہش کی کہ نقیب الاشراف صاحب سے عرض کردیں کہ وہ مجھے داخل سلسلہ کرلیں ۔ چنانچہ حضرت جب بغداد شریف حاضر ہوئے تو اس زمانہ میں حضرت پیر سید عبدالرحمٰن نقیب الاشراف تھے ۔ بہت معمر اور ضعیف تھے ۔ اور حضرت پیر سید محمود حسام الدین نقیب الاشراف کے فرائض انجام دے رہے تھے ۔ حضرت نے ان کی خدمت میں حیدرآباد کے قاعدہ کے مطابق ایک اشرفی اور چار روپے عریضہ کے ساتھ روانہ کئے ۔ پیر حسام الدین صاحب قبلہ کے وکیل کی حیثیت سے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ بعد میں حضرت نے بیوی سے فرمایا " تم مجھ سے بہت بچنا اور بھاگنا چاہتی تھیں مگر بالآخر پیر صاحب کے حکم سے گٹھ گئیں ۔ اور میرے ہی ہاتھ پر پیر صاحب کے وکیل کی حیثیت سے ہی سہی بیعت کرنی پڑی " ۔ عالم شہادت میں خواب کی تکمیل اس طرح ہوئی ۔

صاحبزادی قطب النساء کی شادی

حضرت کی صاحبزادی قطب النساء بیگم کی شادی قاضی بشیر الدین فاروقی صاحب سے طے پائی ۔ زیور، جہیز کے کپڑے اور سامان کی خریدی شروع ہوئی ۔ سونے کا سارا زیور حضرت کے نواسے بھائی وقار الدین صدیقی کی نگرانی میں تیار کروایا گیا ۔ عقد کے روز ایک ہال میں تمام جہیز قرینہ سے جا دیا گیا حضرت جہیز کا سامان ملاحظہ فرمانا چاہتے تھے ۔ نانی اماں صاحب نے مجھے یاد فرمایا میں حاضر خدمت ہوا تو کہا ۔ تمہارے نانا جہیز دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اب تمہارا کام ہے نانا کے ساتھ رہ کر جہیز تفصیلی طور پر بتلانا میں نے عرض کیا جہیز کا سامان کس کی تحویل میں ہے ؟ ہال کی کنجی کا ذمہ دار کون ہے ؟ وہ کسی موزوں آدمی کے تعلق سے سوچنے لگیں ۔ میں نے عرض کیا صابر حسینی صاحب کی بڑی بہن (فرید النساء بیگم عرف بڈھی ماں) بڈھی بیگم خالہ اماں کو بلوا کر ان کے ذمہ کردیا جائے تو مناسب ہے ۔ (حضرت اپنی اس بھانجی کو بے حد عزیز رکھتے تھے) نانی اماں نے فوراً موٹر روانہ کی اور ان کو بلوایا اور ان سے فرمایا " آپ کے ماموں جہیز دیکھنا چاہتے ہیں ۔ آپ جہیز کا سارا سامان اپنی نگرانی میں لے لیں " انہوں نے ہال کی کنجی لے لی ۔ اور حضرت کی آمد کی منتظر ہوگئیں " نانی اماں نے حضرت سے عرض کیا " میاں آپ جہیز دیکھنا چاہتے تھے تیار ہے ایک نظر دیکھ لیں " اور ساتھ ہی فرمایا " صمدانی پاشا تم نانا کے ساتھ رہ کر سارا جہیز تفصیل سے دکھلاؤ " چنانچہ میں حضرت کے ساتھ ہوگیا ۔ ہال کے دروازہ پر بڈھی بیگم صاحبہ کو دیکھا تو حضرت بے حد مسرور ہوئے فرمایا " باوا آپ آگئے " وہ حضرت سے ملیں اور ہال میں آکر ٹھیر گئیں ۔ حضرت ہال میں داخل ہوئے اور سامان اور کپڑوں پر اچٹتی ہوئی نظر دوڑائی

پھر پوچھا "یہ سامان کس کی تحویل میں ہے" اور قفل کی کونجی دکھلائی۔ حضرت نے فرمایا "تم سے بہتر اور کون ہوسکتا ہے" بال میں آگے بڑھتے گئے کپڑوں اور دیگر اشیاء کا تفصیلی جائزہ لیتے گئے۔ اور سارا جہیز دیکھ کر مسکراتے ہوئے واپس ہوئے بیوی کی انتظامی صلاحیت سلیقہ اور کپڑوں اور اشیاء کے انتخاب پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ حضرت میں جمالیاتی ذوق اعلیٰ درجہ کا تھا۔

رابعہ بیگم صاحبہ پر تقریباً دو سال بھول اور گمشدگی کی کیفیت طاری رہی۔ ڈاکٹروں کا علاج چلتا رہا۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ دماغی کینسر ہے۔ مگر حضرت کا خیال تھا کہ ان پر جذب کی کیفیت طاری ہے وہ ادھر نہیں ہیں۔ محترمہ نماز کی سختی سے پابند تھیں۔ مقررہ اذکار ناغہ نہ فرماتی تھیں۔ بھول کے اس زمانہ میں بغیر یاد دہی ٹھیک وقت پر نماز کے لئے متوجہ ہوتیں۔ اور نماز ادا فرماتیں، تسبیح پڑھتیں، پان ملاحظہ فرماتیں۔ ڈبیا میں پان کی گلوریاں لگا کر حضرت کی خدمت میں بھجواتیں۔ خاصہ کا وقت آتا تو حضرت کے تخت کے سامنے میز رکھا جاتا اور خاصہ چن دیا جاتا اور خادمہ آکر محترمہ سے عرض کرتی "خاصہ تیار ہے حضرت یاد فرمارہے ہیں۔ حضرت کا نام سنتے ہی فوراً چلنے کو تیار ہوجاتیں۔ خادمہ ہاتھ پکڑ کر حضرت کے کمرہ میں لے آتی جو بازو ہی تھا۔ حضرت کو دیکھتے ہی السلام علیکم فرماتیں اور قریب جاکر حضرت کے چہرہ مبارک کی بلائیں لے کر ہاتھ اپنے چہرہ پر پھیر لیتیں۔ حضرت کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ فرماتے تو کرسی پر تشریف فرما ہوجاتیں حضرت اپنے دست مبارک سے کھانا سالن رکابی میں ڈالتے اور فرماتے "بیوی کھاؤ" فوراً کھانا کھانے لگتیں۔ حضرت آدھا پانی خود پی کر گلاس بڑھادیتے۔ حضرت کا بچا ہوا پانی پی لیتیں۔ اور حضرت کے چہرہ مبارک کو دیکھنے میں پھر گم ہوجاتیں۔ چائے آتی اور سامنے رکھدی جاتی حضرت خود چائے نوش فرمانے لگتے اور فرماتے "بیوی چائے پیو" تو چائے پی لیتیں اور پان کی ڈبیا حضرت کی طرف بڑھا دیتیں۔ حضرت پان ملاحظہ فرماتے پھر کہتے "اچھا اب جاؤ آرام کرو خادمہ محترمہ کو پھر کمرہ میں پہنچادیتی۔

بھول کے اس زمانہ میں کبھی کبھی بیہوشی کا دورہ بھی پڑتا تھا جو چند منٹ رہتا۔ ایک مرتبہ پلنگ پر سے اٹھ کر ضرورت سے جانا چاہتی تھیں کہ بیہوشی کا دورہ پڑا جھوک نکلنے لگا قریب تھا کہ وہ فرش پر گر جاتیں موسیٰ ماموں اور میں اتفاقاً کمرہ میں داخل ہوئے۔ موسیٰ ماموں فوراً لپکے اور ان کو ہاتھوں پر اٹھالیا۔ جسم کو ہاتھ لگتے ہی اس حالت میں بھی ناگواری محسوس کی اور ڈانٹ کر پوچھا "کون ہے"؟ موسیٰ ماموں نے عرض کیا "اماں جان میں موسیٰ آپ کا بیٹا" انھوں نے اطمینان محسوس کیا اور پھر بے ہوش ہوگئیں۔ موسیٰ ماموں نے اپنی والدہ کو پلنگ پر لٹادیا۔ میں حضرت کی خدمت میں پہنچا اور یہ چشم دید سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اور عرض کیا "حضرت ان کو بیہوشی کی حالت میں بھی اپنی عفت کا کتنا خیال ہے۔ حضرت کے چہرہ مبارک پر ایک سرخی دوڑی اور مجھ سے فرمایا "باوا! آخر سیدانی ہے"۔

صاحبزادی قمر النساء کی شادی اس بھول کی کیفیت کے زمانہ میں حضرت کی صاحبزادی قمر النساء عرف لطیف شہزادی کی شادی خواجہ ولی الدین صاحب سے ہوئی، شادی کے سارے مراسم محترمہ ہی کے ہاتھوں انجام پائے۔ جب محترمہ کی بھول جاتی رہی اور وہ صحت مند ہوگئیں۔ ان کے گود میں بچی کو دیکھ کر پوچھا "یہ تمہارے گود میں کس کی بچی ہے" انھوں نے جب بتلایا کہ یہ خود ان کی اپنی بچی ہے تو پوچھا کہ "کیا شادی ہوگئی" انھوں نے جواب دیا "اماں جان شادی کے سارے انتظامات اور مراسم خود آپ ہی نے تو انجام دیئے تھے" فرمایا "مجھے کچھ یاد نہیں" داماد کو بلوا کر دیکھا، ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی پھر پوترا پوتری، نواسہ نواسی جو اس دوران تولد ہوئے تھے ان سب کو بلوا کر دیکھا اور

نہایت مسرور ہوئیں ۔

رابعہ بیگم صاحبہ میں عرب عورتوں جیسی ہمت اور شجاعت تھی ۔ پستول چلانا جانتی تھیں ۔ نشانہ اچھا تھا ۔ ایک مرتبہ رکاب گنج کے مکان میں قیام کے زمانہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں فساد ہوگیا ۔ یہ نواب میر عثمان علی خان آصفجاہ کا دور تھا ۔ محترمہ کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ مکان کی پھاٹک کے پاس جمع ہوگئے ہیں ممکن ہے پھاٹک میں گھس آئیں ۔ اس وقت نہ تو حضرت مکان میں تھے اور نہ بچے ہی موجود تھے ۔ گھر میں بچیاں پریشان ہونے لگیں فوراً برقعہ پہن کر پستول لوڈ کیا ۔ پھاٹک کے اندر مکان میں داخل ہونے کا جو دروازہ تھا اس میں آکر کھڑی ہوگئیں اور ڈانٹ کر کہا " خبردار جو کسی نے پھاٹک میں داخل ہونے کی کوشش کی اور پستول تان کر اس کا رخ مجمع کی طرف کردیا ۔ فسادیوں نے جو پستول دیکھا فوراً رفوچکر ہوگئے ۔ اس واقعہ سے باوجود عورت ہونے کے ان کی ہمت اور شجاعت کا اندازہ ہوا ۔ یہ واقعہ جس کسی نے سنا حیرت کرنے کے بجائے یہ کہا " آخر حضرت کی بیوی ہیں "۔

رابعہ بیگم صاحبہ نے اپنی سوتیلی اولاد کے ساتھ شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ اس قدر احسانات بھی فرمائے کہ اولاد کا سر نیاز ماں کے قدموں پر پورے احترام کے ساتھ ہر وقت جھکا رہا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا " مجھے اپنی پیٹ کی اولاد سے زیادہ پاشاہ بیگم کی اولاد سے توقع ہے کہ یہ میرا ساتھ دے گی ۔

حضرت کے وصال کے بعد حضرت کے جانشین رحیم پاشاہ صاحب سے فرمایا " رحیم صاحب میاں آپ وقتاً فوقتاً آیا کرو آپ اپنے باوا سے بہت مشابہ ہیں ۔ آپ کو دیکھنے سے سکون ہوتا ہے "۔

آخری زمانہ میں جب حج و زیارت کی غرض سے حاضر حرمین ہوئیں تو وہاں حضرت کے فرزند محمد پاشا صاحب کو ماں کی خدمت کا بہت موقع ملا ۔ جو خود بھی حج و زیارت کی غرض سے وہاں حاضر تھے مناسک حج کی ادائی میں ان کو ہر طرح سہولت بہم پہنچائی اور خوب دعائیں لیں ۔

بعد انتقال مراسم تدفین کی سعادت ساری اولاد کو حاصل رہی ۔ البتہ موصوفہ کے بطنی دو بڑے صاحبزادے پاکستان منتقل ہونے کے سبب تدفین میں شرکت نہ کرسکے ۔ ●

حضرت کی پوری اولاد میں جو تین بیویوں سے ہوئی باہم سوتیلے پن کا احساس مطلقاً نہ تھا ۔ ہر ایک کے دل و دماغ پر حضرت ہی ہر وقت چھائے رہے ۔

حضرت کی پہلی زوجہ محترمہ بادشاہ بیگم صاحبہ کے بطنی تین صاحبزادوں اور ایک صاحبزادی اور حضرت کی دوسری زوجہ محترمہ کے بطنی دو صاحبزادوں کی شادیاں اور خود محترمہ کی اپنی چار لڑکیوں اور دو صاحبزادوں کی شادیاں حضرت کی سرپرستی میں محترمہ کے ہاتھوں انجام پائیں ۔ البتہ چھوٹے صاحبزادے (حضرت غوث پاشا صاحب) کی شادی حضرت کے وصال کے بعد خود محترمہ کی سرپرستی میں ہوئی ۔

تین پوتوں ، چھ پوتیوں ، پانچ نواسوں اور دو نواسیوں کی شادیاں حضرت کی سرپرستی میں محترمہ کے ہاتھوں انجام پائیں ۔ خود میری شادی میں جو حضرت عبدالرحیم صاحب قبلہ کی منجھلی صاحبزادی سکینہ بیگم صاحبہ سے ہوئی نواسے کو اپنے گھر میں رکھا اور پوتری اور نواس بہو کو ان کے نانا کے گھر سے بیاہ کر اپنے گھر لائیں چونکہ میری والدہ میری شادی سے بہت پہلے گذر چکی تھیں ۔ حضرت نے ولیمہ کا خرچ خود برداشت فرمایا ۔ موصوفہ نے پوری مسرت کے ساتھ سارے انتظامات کئے ۔

● حضرت ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمن صدیقی اور حضرت مولوی احمد عبدالشکور صدیقی صاحبان ۔

حضرت کے وصال فرما جانے کے بعد سات (۷) پوتوں دو (۲) پوتیوں اور دو (۲) نواسیوں کی شادیاں محترمہ کی سرپرستی میں ہوئیں ۔ اپنے نواسے میرے پانچویں بھائی مصطفےٰ پاشا کو ان کی شادی کے موقع پر اپنے گھر رکھا ۔ گھر پر نوبت بٹھائی اور بڑے اہتمام سے شادی کی تقریب انجام دی ۔ نواس بہو جو بڑی پوتری عائشہ بیگم صاحبہ کی بڑی صاحبزادی (خدیجہ بیگم) ہیں بیاہ کر گھر لائیں اور نہایت مسرور ہوئیں ۔ اس طرح حضرت کی آل و اولاد کی جملہ بتیس شادیاں محترمہ کے ہاتھ پر ہوئیں ۔

رابعہ بیگم صاحبہ کے بطن سے حضرت کو چودہ بچے ہوئے جن میں سے بعض کمسن فوت ہوئے اور بعض کچھ عمر پانے کے بعد ۔ البتہ ایک صاحبزادی آمنہ بیگم صاحبہ نے عین جوانی میں انتقال کیا ۔ چودہ میں سے صرف تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں موجود ہیں ۔ اور سوائے بڑی صاحبزادی فاطمہ بیگم صاحبہ کے باقی سب صاحبِ اولاد ہیں ۔

حج و زیارت اور انتقال عمر کے آخری حصے میں حضرت کے وصال کے بعد فریضۂ حج ادا کیا اور حج سے واپس آنے کے ایک ہفتہ بعد وصال فرمایا ۔ اور صدیق گلشن بارگاہ حضرت عبدالقدیر میں مدفون ہیں ۔

حضرت کے ساتھ اگر کسی کی یاد سب کے دلوں میں آج بھی باقی ہے تو وہ حضرت رابعہ بیگم صاحبہ ہی کی ہے ۔

اولاد و احفاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

۸ ۔ ملازمت و وظیفہ حسنِ خدمت

مدرسہ دار العلوم حیدر آباد پر حضرت کا ابتدائی تقرر بیافت ۴۵ روپیہ عمل میں آیا ۔ ترقی ہوتی گئی ۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو ۵۰۰ روپیہ تنخواہ ملنے لگی ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۲۰۰ تا ۶۰۰ کا گریڈ ملا بعد میں کلیہ جامعہ عثمانیہ میں بحیثیت پروفیسر و صدر شعبۂ دینیات وظیفہ حسنِ خدمت پانے تک کارگذار رہے اور ایک ہزار روپئے ماہوار برسوں پاتے رہے ۔

دارالعلوم کا وہ زمانہ جس میں حضرت بحیثیت طالب علم حصولِ علم میں مشغول تھے یا وہ زمانہ جس میں حضرت بحیثیت استاد تشنگانِ علم کی سیرابی فرما رہے تھے دار العلوم کی تاریخ کا نہایت زرین دور ہے ۔ اور یہ ۱۶ سال کا قلیل عرصہ ہے جس عرصہ میں سینکڑوں طلباء نے جامعہ پنجاب کے مشرقی اعلیٰ امتحانات میں کامیابی حاصل کی ۔ ملازمت ، وکالت ، صحافت ، شاعری ، مضمون نگاری ، خدمت ملک غرض جس شعبہ میں بھی یہ لوگ گئے انہوں نے اپنا سکہ بٹھایا اور اپنا اثر چھوڑا ۔ ان لوگوں کے علمی اور عملی کارنامے مملکتِ آصفیہ کی ترقی کے اساس اور پیش خیمہ ثابت ہوئے ۔ اس دور سے پہلے دارالعلوم پر سے دو دور گذر چکے تھے ۔

پہلا دور اس کے قیام ۱۲۷۲ھ م ۱۸۵۶ء تا ۱۳۰۰ھ م ۱۸۸۳ء کا دور ہے جس میں اسناد تعلیم پر مدار المہام کے دستخط ہوا کرتے تھے ۔ اور بعد کامیابی ملازمت مل جاتی تھی ۔ یہ طلباء اس دور کے فارغ التحصیل شمار ہوتے تھے ۔ اور ان کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی ۔ بعد میں نصاب تعلیم میں اضافہ کیا گیا ۔ اور چھ سالہ تعلیم کردی گئی ۔

دار العلوم کا دوسرا دور ۱۳۰۱ھ م ۱۸۸۴ء تا ۱۳۰۷ھ م ۱۸۹۰ء کا دار العلوم کے انحطاط کا دور ہے ۔ جس میں ملک میں سرسید مرحوم کی تحریک کے زیر اثر انگریزی تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی انقلابی تحریک شروع ہوئی ۔

دار العلوم کا تیسرا دور ۱۳۰۸ھ م ۱۸۹۱ء تا ۱۳۲۴ھ م ۱۹۰۷ء تک کا دور ہے جس میں دارالعلوم کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے ہوگیا تھا ۔ یہی وہ دور ہے جس میں حضرت بحیثیت طالب علم بھی دار العلوم سے متعلق رہے اور ختم تعلیم کے بعد بحیثیت استاد بھی ۔ اس زمانہ میں شمس العلماء سید محمد سعید صاحب صدر مہتمم دار العلوم تھے ۔ جب موصوف چند سالہ ملازمت کے بعد وظیفہ لے کر حرمین شریفین چلے گئے تو ان کی جگہ مولوی الٰہی بخش صاحب کو مامور کیا گیا ۔ جو دارالعلوم کے کارگذار صدر مدرس تھے ۔

مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب حضرت کے تعلق سے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں ۔

" راقم الحروف ۱۳۲۸ھ م ۱۹۱۰ء میں مدرسہ دارالعلوم کی وسطانی جماعت میں شریک ہوا تھا ۔ اس وقت سے مولانا صدیقی سے واقف ہوا ۔ اساتذہ میں اکثر ایسے تھے جو خاص خاص شعبوں میں مہارت رکھتے تھے ۔ مثلاً مولانا نادر الدین فلسفہ و کلام کا درس دیتے ۔ مولوی حبیب الرحمن حدیث پڑھاتے ۔ مولوی محمد عباس فارسی کی اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے ۔ مولوی سید شاہ مصطفیٰ قادری فقہ و اصول فقہ وغیرہ کا درس دیا کرتے مگر مولانا عبدالقدیر صدیقی ہر فن مولا کی حیثیت رکھتے تھے ۔ آپ تفسیر و حدیث کی تعلیم دیتے تو اس کے ساتھ ساتھ فقہ اور اصولِ فقہ کا درس بھی دیتے تھے ۔ منطق ، فلسفہ اور کلام پڑھاتے تو شعر اور ادب بھی آپ سے متعلق ہوتا تھا ۔ غرض تمام اساتذہ میں صرف

مولانا صدیقی کی ذات والا صفات ہی ایسی تھی جو جماعت ہائے فاضل اور کامل کے تمام شعبوں کا درس دیا کرتے۔

حضرت کی عمر میں ایک دن ایک رات بھی ایسی نظر نہیں آتی جس کو آپ نے غیر ضروری باتوں میں صرف کیا اور مفید مشاغل اور حصول علم میں منہمک نہ رہے ہوں یہی وجہ ہے کہ حضرت نے حصولِ علم میں جو مدت صرف کی وہ اس مدت سے زیادہ ہے جو عام طور پر دوسرے علماء نے حصولِ علم میں لگائی ہے۔ اسی لئے کم عمری ہی میں حضرت کو اپنے ممتاز اساتذہ کی صف میں بحیثیت متجر عالم شامل ہونے اور ان کے ساتھ زمرہ اساتذہ میں کام کرنے کا موقع بھی الحمد للہ حاصل ہوا۔

۱۳۲۴ھ م ۱۹۰۷ء سے دارالعلوم کا چوتھا دور شروع ہوتا ہے کہ دارالعلوم کے عین بہار کے دور میں لارڈ کرزن وائسرائے کے نافذ کردہ قانون جامعات برطانوی ہند کی بناء پر جامعہ پنجاب نے دارالعلوم حیدرآباد سے اپنے امتحانات عربی و فارسی کا ایسے وقت (۱۹۰۷ء) انقطاع کیا جب کہ طلباء تیاری امتحان میں مصروف و منہمک تھے۔ برطانوی حکومت کا اس سے مقصود یہ تھا کہ خود جامعہ مدراس ایسے امتحانات کا سلسلہ قائم کرے اور انگریزی عربی و فارسی سب ہی امتحانات دارالعلوم حیدرآباد پر جامعہ مدراس کو عمل و دخل حاصل ہو۔ مگر جامعہ مدراس سے اس کے انتظام میں دیر ہوئی اور جامعہ پنجاب نے عجلت سے انقطاع کی قطعی اطلاع دے دی۔ اس پر ممالک محروسہ کے ان تمام مدارس میں کھلبلی پیدا ہوگئی جہاں عربی و فارسی تعلیم ہوتی تھی۔ اس موقع پر ڈاکٹر ارگوناتھ فوراً میدان عمل میں آگئے اور انھوں نے ایک پرائیوٹ اکاڈیمی کے طور پر امتحانات کو "انجمن معیار العلوم" کے ذریعہ سے لئے جانے کا اعلان کردیا۔ اس میں متعدد طلباء شریک ہوئے۔ امتحانات مستند علماء کے ذریعہ لئے گئے پھر ڈاکٹر صاحب نے سرکار دولت آصفیہ سے اس اکاڈیمی کی سرپرستی کی استدعا کی۔

نواب فخر الملک نے تجویز کی کہ خود سرکاری طور پر ایسے امتحانات کا انتظام ہونا چاہئیے۔ بیرونی جامعات کی طرح غیر سرکاری طور پر ایسے امتحانات کا انتظام ہونا چاہئیے بیرونی جامعات کی طرح غیر سرکاری انجمن کی بھی ضرورت نہیں۔ اس سے قبل بھی نواب فخر الملک متعدد بار حیدرآباد کے لئے یونیورسٹی کی ضرورت کے مسئلہ کو پیش کرچکے تھے۔ اس مرتبہ مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت مدار المہام نے اس سے اتفاق کرلیا۔ قواعد و ضوابط نافذ کرکے امتحانات ابتداءً جامعہ پنجاب ہی کے نصاب و قواعد کے مطابق شروع کئے گئے۔

اس اثناء میں مولوی عزیز مرزا معتمد عدالت ہوگئے، مولانا صفی الدین ان کے مددگار صیغہ تعلیمات تھے۔ محمد اکبر حیدری معتمد فینانس تھے۔ ان سب کو دارالعلوم اور علوم مشرقیہ سے ہمدردی تھی چنانچہ اب یہ تحریک معتمد عدالت و امور عامہ سرکار عالی نے منظور فرمائی کہ ضروریات ملک و قوم کے مدنظر سلسلہ نصاب میں مناسب ترمیم کرکے ضابطہ امتحان بنایا جائے اور مدرسہ دارالعلوم کی تنظیم جدید کے لئے ایک اسکیم بنائی جائے جس کے لئے مولانا شبلی نعمانی کو طلب کیا جائے اور ان سے یادداشت مرتب کرائی جائے پھر اعلیٰ حکام اور علماء ملک کی ایک کمیٹی اس پر غور کرے۔ چنانچہ ایک کمیٹی نواب فخر الملک کی صدارت میں قائم ہوئی اور مولانا انوار اللہ خان فضیلت جنگ، مولوی سید محمد یوسف الدین اور محمد اکبر حیدری اور صدر مہتمم دارالعلوم مولانا سید نادر الدین اور مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی اس کمیٹی میں شامل کئے گئے۔

مولانا شبلی نے مختلف مرحلوں کے بعد ایک تجویز پیش کی جس میں ان کی کمیٹی کے دیگر ارکان مولانا یوسف الدین، مولانا عبدالقدیر، مولانا نادر الدین اور مولانا الٰہی بخش کی تجاویز اور یادداشتوں کو شامل کیا اور طبع کروا دیا۔ جس کو بعد میں نواب عماد الملک اور شمس العلماء سید علی بلگرامی کی موجودگی میں مناسب اصلاح کے ساتھ منظور کرلیا گیا۔

اس اثنا میں نواب میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ ہفتم کے علم پرور دور کا آغاز ہوا ۔ وزارت پر نواب سالار جنگ ثالث اور ان کے مشیر خاص نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی مقرر ہوئے اور سرشتہ امور مذہبی مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ کے تفویض ہوا ۔ اور نظامت تعلیمات پر ڈاکٹر الماللطیفی مامور ہوئے تو مولانا شبلی کو پھر حیدرآباد میں تعلیمی اسکیم پر رائے دینے طلب کیاگیا۔

۔ مولانا شبلی نعمانی صاحب جس وقت نصاب کی تدوین کے ضمن میں حیدرآباد تشریف لائے تھے ، ان کے ساتھ عبدالحلیم شرر بھی تھے ۔ کمیٹیوں میں حضرت کی شبلی صاحب سے بڑی ردو قدح رہتی ۔ شرر تو ایک دو جلسوں میں چپ رہتے البتہ شبلی صاحب بڑی ردو قدح فرماتے بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچتے جو حضرت کا مدعا رہتا ۔ اجلاسوں میں کبھی وہ وقت سے پہلے پہنچ جاتے تو کہتے کہ کہاں ہیں وہ جواں سال مولوی صاحب جو علوم پر بڑی اچھی نظر رکھتے ہیں ۔ جب کمیٹی کی رائے اور نصاب تعلیم حکومت کے سامنے پیش کیاگیا تو اس میں نصاب کا بڑا حصہ وہ تھا جس کو حضرت نے پیش کیا تھا۔

ڈاکٹر الماللطیفی کے نظامت تعلیمات پر مامور ہونے کے بعد دار العلوم کی ترقی کی طرف توجہ بڑھ گئی ۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم ایک پروفیسر سائنس کا تقرر تھا ۔ اور بابو امرت لال سیل کے باعث کئی جماعتوں میں سائنس کی تعلیم اردو میں ہونے لگی ۔ ساتھ ہی مولوی الہٰی بخش کو وظیفہ ہوگیا ۔ اور صدارت دار العلوم پر مولوی حمید الدین فراہی بی ۔ اے مامور ہوئے جو مولانا شبلی کے قریبی رشتہ دار تھے ۔ الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر عربی ہونے کے علاوہ عام علمی شہرت بھی رکھتے تھے ۔

اسی زمانہ میں ۱۳۳۲ ہجری میں طلبہ کی انجمن ثمرۃ الادب کا احیاء ہوا جو ۱۳۱۱ ھ میں قائم کی گئی تھی ۔ جس کے بانی مولانا عبدالقدیر تھے ۔ اور آپ کے شرکائے کار مولوی اکبر علی مدیر صحیفہ مولوی مرزا محمد بیگ ، مولوی عبدالباسط (سابق ناظم عدالت) مولوی غلام حسین صاحب (ناظم عدالت) مولوی حافظ محمد مظہر ، مولوی حبیب الزماں خاں ، رائے کیشو پرشاد (از خاندان راجہ شیوراج بہادر) وغیرہ تھے ۔

اس کے مقاصد توسیع معلومات ، مطالعہ اخبارات وکتب ، مشق تقریر ، تہذیب اخلاق ، اتفاق و اتحاد طلباء تھے ۔ چنانچہ اس انجمن کے زیر اہتمام ہفتہ وار تقریریں ہوتیں ، اخبارات و رسائل آتے اور کتابیں فراہم کی جاتیں ۔ دائرۃ المعارف نے بھی اس انجمن کو اپنی کتابیں دی تھیں ۔ مولوی رضی الدین کیفیؔ بھی اس انجمن کے سرگرم کارکن تھے ۔ اس انجمن کا پہلا سالانہ جلسہ ملا عبدالقیوم کی صدارت میں ہوا ۔

انجمن کے ایک جلسہ کی صدارت معتمد تعلیمات مولوی عزیز مرزا نے بھی کی تھی ۔ جس میں محمد اکبر حیدری ، بخشی رگوناتھ وغیرہ معزز عہدہ دار بھی شریک ہوئے تھے ۔ دارالعلوم کے قدیم طلباء بھی جمع ہوئے تھے ۔ اور گروپ فوٹو بھی لیاگیا تھا ۔

جب خود مدرسہ میں اضمحلال پیدا ہوا تو انجمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی ۔

۱۳۳۲ ھ میں انجمن ثمرۃ الادب کا دوبارہ احیاء ہوا اور دار العلوم کی ساٹھ سالہ سالگرہ منائی گئی جو دار العلوم کے قدیم دور کا شاندار کارنامہ اور جامعہ عثمانیہ کی بنیاد کا آغاز تھا ۔ ●

● ماخوذ از تذکرہ دارالعلوم مولفہ مولوی نصیرالدین ہاشمی ۔

جامعہ عثمانیہ کے قیام میں سرگرم کوشش کرنے والوں میں نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی، مسٹر گلانسی صدر المہام فینانس، سر راس مسعود صاحب ناظم تعلیمات، مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو و ناظم الترجمہ، تھے۔ اور بعد کو مولوی حبیب الرحمنؒ خاں صاحب شروانی نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور امور مذہبی۔ لیکن مستقل اور علمی تعلق ابتداء سے سر اکبر حیدری کا رہا۔ جامعہ عثمانیہ اعلحضرت سلطان العلوم نواب میر عثمان علی خان آصفجاہ ہفتم کی فیاضانہ علم پروری کی شاندار یادگار ہے۔ جب یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو حضرت وظیفہ حسن خدمت پانے تک بحیثیت پروفیسر شعبۂ دینیات و صدر شعبہ کارگذار رہے۔

زمانہ ملازمت میں کبھی رخصت بیماری یا رخصت خاص نہیں لی۔ گیارہ سال توسیع پانے کے بعد ۱۹۳۲ء میں وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ حضرت نے عثمانیہ یونیورسٹی کی ہر جہتی ترقی سے دلچسپی لی۔ حضرت کی ذات بابرکات سے شعبۂ دینیات کی کرسی صدارت ہی نہیں بلکہ عثمانیہ یونیورسٹی بھی زینت پاتی رہی۔ حضرت کو تاحیات ۵۰۰ پانچ سو روپیہ وظیفہ ملتا رہا۔

وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہونے کے بعد حضرت نے ۹۴ سال کی عمر تک درس و تدریس کا سلسلہ گھر پر جاری رکھا۔

۹۔ سفرِ حج و زیارت

حضرت یکم رمضان ۱۳۴۵ ھ م ۶۔ مارچ ۱۹۲۷ء روز یکشنبہ شب دوشنبہ کو حیدرآباد سے راہی بمبئی ہوئے اور ۲۹۔ ذالحجہ ۱۳۴۵ ھ م ۳۰۔ جون ۱۹۲۷ء بعد فراغتِ حج و زیارت گھر لوٹ آئے۔ چار ماہ کے عرصہ میں بغداد، عراق، شام، فلسطین اور حجاز کا سفر فرمایا۔ حضرت اور آپ کے رفقاء کا قیام بغدادِ شریف اور ملحقاتِ شریفہ میں دو ہفتے، دمشق میں ایک ہفتہ، بیت المقدس میں ایک ہفتہ، مدینہ منورہ میں تین ہفتے، مکہ معظمہ میں دو ہفتے، غرض ہر مقام پر مختصر سہی مگر سفر کا اعتبار کرتے کافی قیام رہا۔ حضرت نے سفرنامہ لکھا ہے جو کافی طویل ہے جس سے ضروری اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں، یہ سفرنامہ رسالہ النور میں بالاقساط طبع ہوا ہے۔ جو نایاب ہے۔

حضرت کے رفقاء سفر حسب ذیل تھے۔

۱۔ پروفیسر محمد الیاس برنی ۲۔ کرنل حبیب علی قادری ۳۔ حافظ سید لطف احمد مددگار ناظم طبابت اس طرح یہ چار درویش کا قافلہ روانہ ہوا۔ حضرت نے اپنا امیر سفر پروفیسر الیاس برنی صاحب کو بنایا تھا۔

کرنل حبیب علی صاحب اپنے سفرنامہ "سفرنامہ مقامات صدق و صفا" میں لکھتے ہیں۔

حضرت قبلہ نے تقسیمِ کار یوں فرمایا تھا " ۱۔ امیر قافلہ الیاس برنی صاحب۔ ۲۔ حبیب علی صاحب کھانا پکانے والے ۳۔ حافظ سید لطف احمد صاحب ان کے مددگار (ہم دونوں کا نام حضرت نے " اولی النعمہ " رکھا تھا) ۴۔ فقیر (خود حضرت قبلہ) سے کیا ہوسکتا ہے سامان کی نگرانی اور دعا کرتے بیٹھنا۔

کرنل صاحب اپنے سفرنامہ میں " روانگی از حیدرآباد تا بمبئی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

" شہر کے اکثر مشائخین علماء، عمائدین، عہدہ دار سبھی اس قافلہ کو وداع کرنے اسٹیشن پر پہنچے۔ جب میں حضرت یحیٰی پاشا قبلہ قدس سرہ سے قدم بوسی کے لئے بڑھا تو آپ نے گلے سے لگالیا۔ اس وقت میں بے ساختہ رو رہا تھا تو پاشا قبلہ نے فرمایا " حبیب تم بڑے خوش نصیب ہو کہ عالم شباب ہی میں تمہاری یاد دربار رسالت سے ہوئی تمہیں تو خوش ہونا چاہیئے۔ رونا ان کو چاہیئے جن کی ابھی یاد نہیں ہوئی "۔

اقتباساتِ سفرنامہ

۲/ رمضان کو ۱۰ بجے شب بمبئی پہنچے۔ وکٹوریہ کرایہ پر لی گئی اور مسافرخانہ صابو صدیق میں اترے۔ ماہ رمضان کے پہلے جمعہ کو نکلنے کا ارادہ تھا مگر میل (Mail) کے جہاز کو سرکار نے اپنی فوجی ضرورتوں کے لئے کرایہ سے لیا تھا۔ مجبوراً ایک ہفتہ اور بمبئی میں رہنا قبول کیا گیا۔ اس اثناء میں مختلف محلے دیکھے۔ سمندر میں شیخ مہائمی (المعروف حاجی علی) صاحبِ تفسیر کی درگاہ ہے۔ صاحب قبر، بزرگ اور صاحب برکت معلوم ہوتے تھے۔

سفر بغداد شریف و ملحقاتِ شریفہ

جمعہ کے دن ۱۰ بجے کے بعد جہاز پر سوار ہوئے، دو ہزار ٹن کا جہاز تھا۔ " وریلا " نام تھا۔ ہم کو پچھلے عرشہ یعنی ڈک پر بہت آرام کی جگہ ملی۔ پہلے روز تو بغرض امتحان روزہ نہ تھے۔ پھر برابر روزہ رکھتے آئے۔ اتوار کو کراچی میں اتارے گئے۔ بستروں کو بھپارہ دیا گیا۔

چہارشنبہ کو دس بجے بصرہ پہنچے۔ محصول خانہ سے فراغت کے بعد سباراؤ نامی ایک ہندوستانی ہندو نے جو ریل کا عہدہ دار تھا

ہمارے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا ۔ آرام دہ ڈبہ میں لے جا کر بٹھایا ۔ ریل مکینہ اسٹیشن پر ٹھر گئی رات پر وہیں رہے گرمی میں حیدر آباد سے تین گھنٹوں کا فرق ہوگیا تھا ۔ مکینہ سے بغداد جانے والے الگ ڈبوں میں بٹھائے گئے اور کربلا جانے والے الگ ڈبوں میں ۔

دربارِ غوثیہ شنبہ کی صبح کو بفضلہ ہم بغداد شریف پہنچے ۔ یہاں چند دلال ہیں جو زائرین کو بہت گھیرتے ہیں ۔ لیکن بفضلہ ہم پر کسی کا قابو نہ چل سکا ۔ ہم نے پہلے سید احمد شرف الدین کلید بردار صاحب سے ملاقات کی ۔ فقیر ہیں ۔ فقیر بے نفس مقدس عالم ۔ رات دن کنجی لئے دروازہ حجرہ مبارک پر بیٹھے رہتے ہیں ۔ حجرہ ہمیشہ بند رہتا ہے ۔ ہر نماز کے وقت کھلتا ہے ۔ دربار غوثیہ میں حاضر ہوئے تو دل سرور سے ، آنکھیں نور سے بھر گئیں ۔

یہ منقبت سنائی ۔

سرورِ دلِ مصطفیٰ غوث اعظم — تجلیِ نورِ خدا غوثِ اعظم
ہیں زیر قدم تیرے سر اولیاء کے — ہے اعلیٰ ترا مرتبہ غوثِ اعظم
تم اچھے ہو اللہ کے ہو پیارے — میں اچھا نہیں ہوں تو کیا غوث اعظم
بھلوں کی تو ہوتی ہے ساری خدائی — برے کو بھلا کیجے یا غوثِ اعظم
کہاں چھوڑتے ہیں گنہگار دامن — کہ وابستہ تیرے ہیں یا غوثِ اعظم
اغثنی اغثنی اغثنی اغثنی — مدد اپنے خادم کی یا غوثِ اعظم

خبر بھی ہے کچھ حسرتِ بے نوا کی
کہ کیا حال اس کا ہے یا غوثِ اعظم

اور عربی غزل

الا ان قلبی فی قیود الهویٰ عان — ولوعة وجد قد اضرت بجثمانی
وعینی تجری بالدموع صبابة — واحشائی ملای من توقد نیران
ولی زفرات قد علت ذروة السما — بهجر جمیل الخلق والخلق ذی الشان
جمیل الحیاو السجایا وقدوة ال — برایا حبیب الله صفوة رحمان
غیاث و غوث للانام و امنهم — امام الوری شمس الهدی فخر عدنان
له قدم تعلوا الروس وعزة — لها تنحنی اعناق حن و انسان
بالف تباع البیض منه و فرخه — علاقدده من ان یسام باثمان
لوانکشف بالشرق عورة خادم — و بالغرب مولانا لغطی بغفران
ولا باس ان کانت فعالی قبیحة — فان مرادی جید اهل احسان
اغث یا صفی الله یا عبد قادر — فانی اسیر فی سلاسل عصیانی
اغث یا ولی الله یا ابن محمد — شفیع الوری فی یوم فوز و حرمان
فکن موئلی من شر نفسی وزیغها — و کن لی حرزا من مکائد شیطان
علیک صلٰوة الله ثم سلامه — الی ان تشذی الزهو فی روض بستان

مسجد مبارک نہایت عالیشان ہے ۔ مسجد کا گنبد بہت بڑا ہے ۔ مزار مبارک کا گنبد چینی کا کام کیا ہوا ہے ۔ داخلی مسجد میں چار حصے ہیں ۔ شافعی مصلی ۔ مصلی حنفی جس پر بڑا گنبد ہے ۔ ایک کے بازو ایک حجرہ میں پہنچنے کے بعد قبلہ رو ایک دروازہ ملتا ہے جو حجرہ مبارک میں کھلتا ہے ۔ قبر مبارک کے اطراف چاندی کی جالی ہے ۔ بیچ میں صندوق مبارک ہے جس پر سبز مخمل کا کارچوبی کام کیا ہوا غلاف ہے ۔

شہر بغداد کے دو حصے ہیں ۔ بغداد شریف اور بغداد ۔ بغداد شریف میں حضرت غوث الاعظم اور امام غزالی و شیخ شہاب الدین سہروردی کی قبور متبرکہ ہیں ۔ (سفرنامہ کی عبارت ختم)

ایک مرتبہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے تعلق سے اور طریقہ عالیہ سہروردیہ کی تعلیم کے متعلق حضرت سے پوچھا تو فرمایا" ان کا کیا حساب کتاب ہے ، کیا معاملہ ہے مجھ پر نہیں کھلا ۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا " سارے سادات مجھ پر کھلے ، جزئیات میں نہ معلوم کیا بات ہے شیخ شہاب الدین سہروردی نے میری طرف توجہ نہیں کی "۔

(عبارت سفرنامہ شروع)

کاظمین شریفین

یکشنبہ کے روز کاظمینِ شریفین چلے ۔ درگاہِ شریف نہایت عمدہ ہے ۔ مطلا گنبد ہے ۔ احاطہ بہت بڑا ہے ۔ دیواروں پر چینی کا کام ہے آیات قرآنی اور احادیث لکھے ہوئے ہیں ۔ جاتے ہی عجب حالت طاری ہوجاتی ہے ۔ یہاں ایک ہی روضہ میں حضرت امام موسیٰ الکاظم اور حضرت امام محمد تقی علیہما السلام کی مزاریں ہیں ۔ محسوس ہوا ائمہ کی الفت عظمت خاص رکھتی ہے ۔ (عبارت سفرنامہ ختم)

ایک مرتبہ ائمہ کا تذکرہ تھا حضرت نے فرمایا " میری عادت تھی روزانہ بارہ اماموں کی فاتحہ دیا کرتا ۔ ایک مرتبہ دیکھا ایک صاحب نظر آنے لگے ۔ بغدادی وضع سبز رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے ، ہٹنے کا نام نہیں ۔ ہمارے حضرت (یعنی حضرت کے مرشد خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ) کو پکارا تشریف لائے اور سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے ۔ میں اتنا سمجھ گیا کہ ضرور کوئی بڑی ہستی ہے یا تو پیغمبروں میں سے ہیں یا اولیاء میں سے ۔ حسب عادت فاتحہ دینے لگا جب حضرت امام علی تقی کے نام پر پہنچا تو حضرت نے مسکرا دیا ۔ میں نے عرض کیا " حضرت آپ ہیں " فرمایا " تمہاری ایک شکل ہمارے ساتھ کردو ہم بھی تربیت کریں گے "۔ میں نے عرض کیا " میری شکل ہی کیا میں خود حاضر ہوں "۔ ایک شکل امام کے ساتھ ہوگئی ۔حج میں دوبارہ نظر آئے وہ شکل بھی ساتھ تھی ، نہایت منور آفتاب کے جیسی ، نگاہ نہیں ٹھہر سکتی ۔ انشاء اللہ وہ شکل کل قیامت میں اللہ کے سامنے ساتھ لے جاؤں گا ۔

(عبارت سفر نامہ شروع) کاظمین شریفین کے قریب پل کے دوسرے جانب حضرت امام اعظم کا مزار ہے ۔ چینی کا گنبد ، عالی شان مسجد ہے ۔ دیواروں پر آیات قرآنی و احادیث لکھے ہوئے ہیں ۔ مسجد کے احاطہ میں ایک مدرسہ ہے طلباء باقاعدہ یونیفارم میں نظر آئے ۔ حضرت کی زیارت کی گئی نسبت میں نہایت متانت اور سنجیدگی محسوس ہوئی (عبارت سفرنامہ ختم)

ایک مرتبہ امام اعظم کا تذکرہ تھا ، فرمایا " عالم باعمل ، زاہد ، عابد ، امام علوم شرعیہ تھے ۔ مبالغہ کرنے والے کے مبالغہ اور تعریف کرنے والے کی تعریف سے زیادہ بزرگ تھے "۔

(عبارت سفرنامہ شروع) بغداد شریف میں حضرت امام غزالی کی زیارت کی گئی افسوس اہل بغداد نے اس حجۃ الاسلام کی کوئی قدر نہیں کی۔ ظاہری کروفر کا وہاں نام و نشان نہیں۔ بالکل معمولی چوکھنڈی میں جس پر چھت تک نہیں اور جس کا دروازہ تک شکستہ ہے اسلام کا وکیل، دین کا رکن آرام فرما ہے۔

کربلائے معلی

دو شنبہ کی صبح کی ریل میں راہی کربلا ہوئے ــــــ کربلائے معلی میں عجیب حالت ہے۔ کوئی مسجد میں پڑا ہوا ہے۔ کوئی زمین پر پڑا ہوا ہے۔ کوئی دوسرے کو پھلانگ رہا ہے، کھندل جاتا ہے اور پروا نہیں، جو کھندلا جاتا ہے اس کو بھی کوئی خیال نہیں۔ نماز پڑھنے والے نماز پڑھ رہے ہیں سامنے سے گذرنے والے سامنے سے گذر رہے ہیں۔ عورتیں مرد، شیعہ سنی ایک جوش میں ہیں اور کسی کو کسی کی خبر نہیں۔ ایک شخص دعا کر رہا ہے ایک سلام پڑھوا رہا ہے۔ ایک شخص کو دو سو عورتیں گھیری ہوئی ہیں اور وہ شہادت کا ذکر کر رہا ہے۔ یا دعائیں پڑھواتا ہے۔ عاشقانِ حسین جالی کو چمٹے ہوئے معروضات کر رہے ہیں، عمامے، چادر، کفن کے لئے جالی مبارک کے ہر گوشہ میں ملتے ہیں۔ روتے چیختے زمین پر پٹکیاں کھانے والوں کی گنتی ہی نہیں۔ جزو رسول ہیں۔ جگر گوشہ بتول ہیں، وہی رنگ ہے، وہی خوشبو ہے۔ دین یہاں ہے۔ ایمان یہاں ہے۔ ایسی مدہوشی کی حالت میں آپ کے غلام نے یہ غزل پڑھی جس نے سنا خوش ہوا۔ سنی ہو یا شیعہ یہی نقطہ ہے جہاں شیعہ سنی ایک ہو جاتے ہیں۔

همه شاهان ز غلامانِ حسین — قدسیاں حلقه بگوشانِ حسین
سرورِ جمله جوانانِ بهشت — مرحبا رتبه ذی شانِ حسین
بوسه می داد رسولِ مقبول — آفریں بر لب و دندانِ حسین
هر یکے بوئے امامت دارد — وه چه گلهاست به بستانِ حسین
نیک و بد از درِ والا خوش کام — همه عالم شده مهمانِ حسین
من چه پروائے قیامت دارم — دستم و گوشهٔ دامانِ حسین
پائے بر دولتِ دنیا زده ام — که گدایم زگدایانِ حسین
بو که محروم نه کردم هرگز — دست بکشاده سوئے خوانِ حسین

سرِ من باد فدایش حسرت
دل و جانم همه قربانِ حسین

سات جالیاں ہیں۔ ایک جالی میں حضرت علی اکبر اور عبداللہ الرضیع جن کو ہمارے یہاں کے لوگ علی اصغر کہتے ہیں۔ دوسری جالی میں حضرت قاسم کے ساتھ بہت سے شہداء ہیں۔ اور ایک جالی میں گنج شہیداں ہے۔ وہیں حضرت کا مقتل ہے۔ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ حرشہید کی قبر کچھ دور پر ہے۔ گاڑی میں بیٹھ کر جانا پڑتا ہے۔ راستے میں بدو کے بچے صدا دیتے ہیں یا حسین، یا علی، یا رسول اللہ، یا قرآن شریف، خاطر المظلوم، خاطر البتول۔ ان کے لئے پیسے بنائے تھے دیتے رہے۔ رات بھر کربلا میں سید ہاشم صاحب کے پاس رہے۔ کھانا، بچھونا ہر طرح کی آسائش تھی۔

نجفِ اشرف

صبح کو کربلا سے فورڈ موٹر لی اور نجفِ اشرف روانہ ہوگئے ۔ چہار شنبہ کو نجف اشرف میں حاضری ہوئی ۔ گنبد مبارک عالیشان ہے ۔ اندر باہر سونا ہے ، آئینہ کا کام ہے ۔ یہ سونا نادر شاہ نے چڑھایا ہے ۔ گنبد کے اندر ایک ڈبہ میں اس کے چڑھائے ہوئے جواہرات بھی ہیں ۔ ناصرالدین قاچار کا تاج بھی ایک ڈبہ میں ہے ۔

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے ساتھ آدم و نوح علیہما السلام بھی ہیں ۔ اس دربار کا کیا کہنا میں تو مدہوش تھا ۔ الیاس برنی صاحب اور حبیب علی صاحب میرے بازو پکڑے ہوئے تھے ۔ عجب کیف تھا نہ سر کی خبر نہ پیر کی ۔

میں نے مواجہ شریف میں یہ غزل سنائی :

دلِ من رہنِ تمنائے علی — سرم آشفتہ سودائے علی
اے قبائے شرفِ عزّ و علا — چست بر قامتِ رعنائے علی
ہمچو موجے کہ سرِ بحر بود — بود بر دوشِ نبی جائے علی
سُرمہ در دیدہ مشتاق کنم — یا ہم از خاکِ کفِ پائے علی
اے ادب دامنِ شوقم بگذار — تا بیفتم بہ سرِ پائے علی
اے خوشا بخت کہ روزے برسد — سرِ سودا زدہ بر پائے علی

حسرتا نازم و بر خود بالم
کہ منم بندہ ادنائے علی (عبارت سفرنامہ ختم)

حضرت مولیٰ کا تذکرہ تھا ۔ دورانِ تذکرہ فرمایا - ایک مرتبہ آنکھ کی پتلی تڑک گئی ۔ حسینی پاشا کا ہاتھ پکڑے ٹہل رہا تھا ۔ سخت تکلیف تھی ۔ اتنی تکلیف کہ بیان نہیں کرسکتا ۔ اس وقت یہ شعر لکھا :

درد تو لا علاج بن او شبِ غم دراز ہو ÷ میں رہوں اور بیکسی کوئی نہ چارہ ساز ہو

میں کیا دیکھتا تھا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں پاس بیٹھا ہوا ہوں ۔ اس وقت مجھے اپنے تمام مرشدوں سے ملنے کا خیال آیا سرکار سے عرض کیا ۔ ارشاد ہوا جاؤ دروازہ کھٹکھٹاؤ اور کہو السلام علیکم ارسلنی الیک النبی صلی اللہ علیہ و سلم سب سے پہلے ہمارے حضرت کے گھر پر گیا کھٹکھٹایا اور عرض کیا السلام علیکم ارسلنی الیک النبی صلی اللہ علیہ و سلم حضرت نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر فرمایا اھلا و سھلا حضرت مولیٰ کے گھر پر پہنچا اور کھٹکھٹایا اور عرض کیا السلام علیکم ارسلنی الیک النبی صلی اللہ علیہ و سلم مولیٰ نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھتے ہی ڈانٹا ۔ کیا گھر گھر دھنڈلاتے پھر رہے ہو ۔ میں نے عرض کیا میں کہاں گیا اپنے ہی پیروں کے پاس ۔ فرمایا - ہاں ہاں پیر سہی مگر تم اٹھے کہاں سے ؟ میں بٹھا کر آیا تھا ۔ تم وہاں سے اٹھے کیسا؟ مولیٰ کے تعلق سے حضرت نے ارشاد فرمایا " ارسلنی الیک النبی صلی اللہ علیہ و سلم سننے کے بعد ڈانٹا ، تربیت کرنا بے شک مولیٰ ہی کا کام ہے "۔

(عبارت سفرنامہ شروع) اسی دن کوفہ میں جانا پڑا ۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ کی ایک مسجد وہاں ہے ۔ چھت باقی نہیں جو دیواری رہ گئی ہے ۔ حضرت علیؓ کے زخمی ہونے کی جگہ وہیں ہے ۔ بعض مقامات اس مسجد میں ایسے ہیں کہ ائمہ نے وہاں نماز پڑھی ہے ۔

لوگ ان کو مصلائے فلاں فلاں کہتے ہیں ۔ عصر کی نماز کا وقت قریب الختم تھا ایک مصلے پر نماز پڑھ لی ۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ وہ مصلی جناب مولیٰ کا تھا ۔ والحمد للہ ۔

کوفہ میں حضرت یونس علیہ السلام کی اور نجف اشرف میں ہود و صالح علیہما السلام کی قبریں بھی تھیں ۔ بے شک شان پیغمبری ہے ۔ بالکل بے رنگی اور عبدیت ہے ۔ سبحان اللّٰہ و بحمدہ ۔

پھر ایک لاری میں بیٹھے اور ڈھائی گھنٹوں میں کربلائے معلی پہنچے ۔ اور وہاں سے ہدایا خریدے ۔ واپسی کا ٹکٹ ساتھ تھا ہی دو بجے ریل میں بیٹھے پانچ بجے داخل بغداد شریف ہوگئے ۔

بغداد کو واپسی

بغداد شریف واپس ہونے کے بعد سید حسین صفاء الدین (ابن سید محمد زین العابدین صاحب مدفون حیدرآباد) نے دعوت دے کر خدمت عالی میں یاد فرمایا ۔ خدائے تعالیٰ نے حسنِ صورت و سیرت عطا کی ہے ۔ گلشن قادری کے گلاب کا پھول ہیں ــــــ آپ نے جو سنا کہ ہم سامرا جانے والے ہیں تو کمال مہربانی سے وہاں کے ایک عہدہ دار کے نام ایک رقعہ لکھ دیا ۔ بہر حال ایک معصومیت کی شان دیکھی گئی ۔

فقیر کے اہل خانہ نے خواب میں دیکھا تھا ، دستِ شریف حضرت غوث اعظمؒ پر بیعت کی ہے ۔ لہذا وہ حضرت نقیب صاحب کی مسلک ارادت میں منظم ہونا چاہتی تھیں ۔ چونکہ حضرت پیر سید عبدالرحمٰن صاحب نقیب الاشراف مدظلہ بہت معمر اور ضعیف ہیں اور تمام کام حضرت پیر سید محمود حسام الدین صاحب مدظلہ ، انجام دیتے ہیں لہذا مجھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا ضرور تھا ۔ حسبِ قاعدہ حیدرآباد ایک اشرفی اور چار روپے معہ عریضہ کے عربی میں لکھ کر بھیجے گئے ۔ عریضہ دیکھ کر ہمارے نامہ پر سید احمد صاحب سے فرمایا "یہ شخص بڑا ادیب اور فاضل ہے میں ان کو دیکھنا چاہتا ہوں ۔ مغرب کے بعد فقیر کو ، پروفیسر برنی اور حبیب علی اور لطف احمد کو دسترخوان عالیشان پر یاد فرمایا ۔ ہم بھی درباری لباس عمامہ اور جبہ سے تیار ہوکر دربار عالی میں پہنچے ۔ ہر ایک کا نام اور عہدہ پوچھا ۔ مغرب کی نماز ہم نے حضرت ہی کے پیچھے پڑھی ۔ میز پر محمد علیشاہ کے فرزند مظہر الدین شاہ قاچاری بھی تھے ۔ آپ نے سابق شاہ ایران کو بائیں ہاتھ کی کرسی پر اور خادم نوازی سے فقیر کو سیدھے ہاتھ کی کرسی پر جگہ دی ۔ حضرت اور محمد علی شاہ کے ساتھ خوب گفتگو ہوئی ــــــ دسترخوان سے فارغ ہوکر محمد علی شاہ تو چلے گئے اور ملاقات کے کمرہ میں ہم سب حضرت کے ساتھ جا بیٹھے مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی ــــــ اہل خانہ کے شجرہ کے لئے یاد دہی کی تو فرمایا شجرہ جلد تیار کرو ۔ مگر اس میں یہ نہ لکھو کہ وہ بغداد میں حاضر ہوئی تھیں ۔ پھر مجھے فرمایا " میں تم کو اپنے خاندانی طریقہ کی اجازت دیتا ہوں اور تم کو اپنا وکیل بناتا ہوں کہ اپنی بیوی کو اپنی طرف سے کلمہ طیبہ کی تلقین کریں اور بیعت لیں ۔ اور فرمایا

اوصیکم وایاھا بتقوی اللّٰہ و الصدق والعمل بھٰذہ الایۃ الجامعۃ ان اللّٰہ یامرکم بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشآء والمنکر و البغی یعظکم لعلکم تذکرون ۔ پھر سلسلۃ الذھب یعنی بتوسط امام علی الرضیٰ و شیوخ طریقت خاندان علیہ قادریہ یہ حدیث روایت کی لا الہ الا اللّٰہ حصنی من قالھا دخل فی حصنی ومن دخل فی حصنی امن من عذابی ۔ اس روایت کو سن کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دست و زانوں کو بوسہ دیا تو استغفر اللہ کہا ۔

نمازِ عید اور عنایاتِ خصوصی عید کے دن صبح کی نماز کے لئے مسجد بھر گئی تھی ۔ تھوڑی تھوڑی دیر سے تکبیر پڑھی جاتی تھی ادھر آفتاب عالمتاب طلوع ہوا اور نماز عید آغاز ہوگئی ۔ یوسف افندی نے خطبہ پڑھا ۔ آہستہ ضرورت سے زیادہ متانت سے ۔ لوگ خطبہ سے فارغ ہوکر حاضر دربار غوثیہ ہوئے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوگئے ــــــ (حضرت سید احمد شرف الدین) کلید بردار صاحب اخلاق کے پتلے ، مجسم نیکی و محبت و اخلاق کی تصویر ہیں ۔ تین دفعہ اپنے دستر خوان پر یاد فرمایا ۔ جب ملتے بڑے خوش ہوتے ۔ اکثر فرماتے " مولوی صاحب تم ہمارے جگر کا ٹکرا (ٹکڑا) ہے ۔ ہمارا محبوب ہے " سینے سے لگالیتے ہیں ، فرماتے ہیں " تم حضور کا مقبول فقیر کا محبوب ہے " ۔ کبھی اردو میں کبھی عربی میں دعا دیتے ۔ کسی نے بطور مناجات کے شجرہ لکھا تھا مگر غیر موزوں تھا ۔ مجھے دکھایا کہ یہ غیر موزوں ہے میں نے ایک شجرہ مناجاتی نظم کردیا تو بہت خوش ہوئے ۔ فرمایا " یہ تمہارا یادگار ہے ۔ فقیر تم کو ہمیشہ یاد کرے گا " ہم حضرت کو دیکھتے خوش ہوتے ۔ حضرت بھی ہم کو نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتے فرماتے " ہم محبت کا بھوکا ہے " ۔

یہاں عید یکشنبہ کو ہوئی ۔ مغرب کے بعد ہم پیر سید حسین صفاء الدین صاحب کے مکان پر حاضر ہوئے مگر پہلے حضرت نقیب صاحب کے پاس حاضر ہوئے تو دن بھر کے تھکے ماندے تھے آرام فرما چکے تھے ۔ دوسری بار عشاء کے بعد پھر حاضر ہوئے تو ملاقات سے مشرف فرمایا ۔ بہت دیر تک گفتگو رہی ۔

اس آستانہ کے لئے جیسے عالی مرتبت ، قائم مقام کی ضرورت ہے ، حضرت بس ویسے ہیں ۔ تہنیت عید کے لئے امراء ، عمائد ، پارلیمنٹ کے ممبر اور حکام حاضر ہو رہے ہیں مگر سب کو پانچ پانچ منٹ میں رخصت ہونا پڑتا ہے ۔ کوئی مصافحہ نہیں کرسکتا ۔ دامن مبارک کو ہاتھ لگا نہیں سکتا ۔ مگر ذرا حیدرآباد کے چار درویشوں کو دیکھو دو دو گھنٹے بیٹھے ہیں ، بے تکلف گفتگو جاری ہے ۔ تخاطب تو دیکھو ــــــ مجھ جیسے ادنیٰ غلام کو سیدی تک فرما دیتے ہیں ۔ میں نے تہنیت عید میں چند شعر لکھے تھے الغرض تاج تحسین سے سرفراز فرمایا ۔ ہر شعر پر اس کے لائق ریمارک کئے اسعیٰ لذالک کہیں استغفر اللہ کہیں انا اعلم بحالی کہیں وفقنا اللہ کہیں آمین آمین ۔ ــــــ بہر حال مجھے حضرت نقیب صاحب مدظلہ ، میں کمال عظمت اور کلید بردار صاحب میں فقر و مسکنت اور سید حسین صاحب میں معصومیت کے جلوے نظر آئے ۔ جو جس جگہ ہے اس کا اہل ہے جیسی درگاہ ویسے ہی اس کے متعلقین ہیں ۔ جس نے اس دربار سے منہ پھیرا اس کو دو جہاں میں پناہ نہیں ۔

سفر نامہ شام

دمشق

پنجشنبہ کے روز گیارہ بجے بغداد شریف سے دمشق روانہ ہوئے ــــــ بعد مغرب رطبہ پہنچے وہاں کچھ کھایا پیا اور روانہ ہوئے ۔ صبح تدمر (تدمور) کے کھنڈر ملے جو بی بی بلقیس کا دار السلطنت تھا ۔ اب وہاں صرف ایک گاؤں آباد ہے ــــــ برفانی پہاڑیوں میں سے ہوتے ہوئے دمشق پہنچے ــــــ مغرب کی نماز ہم نے جامع اموی میں پڑھی ۔ بڑی عالیشان مسجد ہے ۔ تین منارے ہیں ۔ متعدد عالی شان دروازے ہیں ۔ دیواریں سنگ مرمر کی ۔ فرش سنگ مرمر کا ۔ بیچ میں بڑی کمانیں ہیں ۔ جن پر بڑا گنبد ہے ۔ ہر ایک جانب گیارہ گیارہ کمانیں ہیں ۔ مگر بیچ کی کمان کے برابر نہیں ۔ عرض میں تین درجے ہیں ۔ مسجد میں وسط سے قریب حضرت یحییٰ علیہ السلام کی جالی ہے اس پر سبز گنبد ہے ۔ گنبد مسجد کے چھت کے نیچے ہے ۔ منارہ مشرقی دکھایا گیا ۔ جہاں سے حضرت عیسیٰ کے نزول کی امید ہے ۔

چمن بھی بہت بڑا ہے ایک جانب یزید کا دربار حال ہے ۔ ایک جانب ایک حجرہ ہے جہاں سَرِ جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام رکھا گیا تھا ۔ صحن کے ایک گوشہ میں سلطان صلاح الدین اعظم ایوبی اور اس کے وزیر کی قبر ہے ۔ ان کی ایک تصویر بھی ہے ـــــ مسجد کے قریب وہ حجرہ ہے جہاں اہلبیت اطہار ٹھیرائے گئے تھے ۔ اس کے قریب ستنا رقیہ بنت علی کی قبر مبارک ہے وہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ قدم کا پتھر ہے ۔ بڑی خیر و برکت کی جگہ ہے ۔ قبرستان کے قریب حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ امین ھذہ الامۃ کی قبر شریف ہے ۔ قبر مٹی کی اور زیر سماء ہے ۔ کیا پروا ہے ۔ شیر گوی میں سوتا پڑا ہے ـــــ قبرستان میں ستنا میمونہ ستنا ام سلمہ ، ستنا ام حبیبہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ستنا زینب بنت علیؓ ۔ ستنا ام کلثوم بنت علیؓ ۔ ستنا سکینہ معصوم و فاطمہ صغریٰ بنات حضرت امام حسین علیہ السلام ۔ حضرت عبداللہ بن عثمان ۔ حضرت عبداللہ بن جعفر صادقؓ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار بھی وہیں ہیں ۔ حضرت ابوہریرہؓ حضرت بلال حبشیؓ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، عبداللہ بن مکتومؓ موذن رسول بھی وہیں ہیں ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ، ابی بن کعبؓ اور دحیہ کلبی کی قبریں وہیں ہیں ۔

امیر معاویہؓ کا مقبرہ امیر معاویہؓ کے مقبرہ میں گودام ہے ۔ یزید کی قبر مٹا دی گئی ہے ۔ کیونکہ حضرات شیعہ اس پر پتھر مارا کرتے تھے ۔ سید عبدالوہاب اور سید عبدالعزیز فرزندان غوث پاک کے قبور بھی وہیں ہیں ۔

ٹرام میں بیٹھ کر شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کی مزار کو پہنچے ۔ آپ کا مزار اور مسجد نہایت شاندار ہے ۔ قبر مبارک منبع علم معرفت ہے توحید کی سخت کیفیت محسوس ہر آن ہے ـــــ قریب ہی (جبل طیبہ) بلند پہاڑ ہے ۔ اس کے قریب ہی ذوالکفل علیہ السلام ، حضرت محمد بن حنیفہ کے مزارات ہیں ۔ پہاڑ کی ایک چوٹی پر مغارہ اصحاب کہف اور دوسری چوٹی پر مقتل ہابیل ہے ۔ خون کا نشان اب تک باقی ہے گو ہزار ہا سال سے اس پر بارش ہو رہی ہے ۔

دمشق میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے تصانیف ملے ۔ قدس سے ان کو پارسل کر کے حیدرآباد روانہ کر دیا گیا ۔

دمشق میں ایک بہت بڑے عالم ہیں ۔ احادیث بہت یاد ہیں ۔ سو (۱۰۰) سال سے کچھ زیادہ عمر کے ہیں ـــــ تمام شہر پر ان کا اثر ہے ۔ ان کا نام علامہ بدرالدین ہے ۔ ان کے ہزار ہا مریدین بھی ہیں اور ہزار ہا شاگرد بھی ۔ ان کے زیر نگرانی ایک دارالحدیث ہے ۔ بہت سے دینی مدارس ہیں ۔ مدرسہ شمسیہ کو میں بھی گیا تھا ـــــ راستہ سے برنی صاحب و حافظ صاحب و شیخ عبدالرحمٰن صاحب الہندی (شیخ زاویۃ الہنود) جا رہے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ کوتوالی ادب سے کھڑی ہے دوکاندار دوکان سے اتر کر نیچے کھڑے ہوگئے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ شیخ بدرالدین صاحب راستہ سے گذر رہے ہیں ۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ عرب علماء کی بہت عزت کرتے ہیں ۔ اور ہندوستان کے لوگ مشائخین کی ۔ عرب میں مشائخ عالم ہی ہوتے ہیں ۔ ان دونوں حاجیوں کا تعارف شیخ عبدالرحمٰن الہندی نے علامہ بدر الدین سے کیا ۔ پوچھا تم دو ہی ہو یا تمہارے اور رفقاء بھی ہیں ۔ شیخ عبدالرحمٰن نے کہا دو اور ہیں ۔ جن میں ایک بڑا عالم ہے ۔ سب کو دعائے توفیق و تائید اور ہم کو سلام کہلا بھیجا ۔ امیر صاحب ● نے مجھ سے کہا ایک رقعہ لکھیے فرصت کا وقت معلوم ہونے پر ہم ان سے ملیں گے ۔ کیوں کہ وہ بڑے مقدس آدمی ہیں ۔ عربی میں ایک رقعہ لکھا ۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب نے رقعہ پہنچایا ۔ رقعہ دیکھتے ہی یاد فرمایا ۔ شیخ زاویۃ الہنود کے ساتھ ہم لوگ ہوگئے ۔ حدیث میں تو گفتگو نہیں ہوئی ۔ قاضی صمد اور ملا حسن ، بحر العلوم زوائد ثلاثہ کے متعلق گفتگو ہوئی ـــــ میں نے حدیث میں الدین جو کتاب لکھنی شروع کی ہے اس کو سنایا ۔ غرض کہ اچھی صحبت رہی ۔ خود ہم کو دعائیں دیں اور التماس دعا بھی کیا ـــــ (عبارت سفر نامہ ختم) ۔

● مولانا الیاس برنی

مولانا الیاس برنی صاحب اپنے سفرنامہ مقامات مقدسہ " صراط الحمید " میں علامہ بدر الدین سے ملاقات کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں ۔

" حضرت علامہ بدر الدین صاحب مدظلہ ، اپنے زمانے کے بڑے جید عالم مانے جاتے تھے ۔ صدہا علماء ممالک اسلام سے آکر حضرت کے درس میں شریک ہوتے ہیں ۔ تفسیر اور حدیث حضرت کا خاص مضمون ہے دیکھنے کو ضعیف اور سن رسیدہ ہیں لیکن ہمت جوان ہے ۔ تعلیم سے ازحد دلچسپی ہے ۔ شب و روز یہی مصروفیت رہتی ہے ۔ حضرت کی توجہ سے کئی عربی مدارس آباد ہیں ۔ عوام و خواص امیرو غریب سب حضرت کا احترام کرتے ہیں ۔ عقیدت کا دم بھرتے ہیں ۔ حضرت کا اثر دیکھ کر حکومت فرانس بھی دبتی ہے ۔ بہت لحاظ اور ادب کرتی ہے ۔ ہم لوگوں پر حضرت کی بہت خاص شفقت عنایت رہی اور حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب مدظلہ ، کی تو ایسی قدر شناسی فرمائی کے دمشق کے تمام علماء میں چرچہ ہوگیا کہ ہندوستان سے ایک بڑا عالم آیا ہے ۔ ایسی صحبت کہاں نصیب ہوتی ہے ۔ جو کچھ استفادہ کرلیں غنیمت ہے ۔ لیکن قیام بہت مختصر تھا سب کی زبان پر تھا ۔ ع

" حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد "

کرنل حبیب علی صاحب نے جو سفر میں حضرت کے ساتھ تھے اس ملاقات کا تذکرہ ہم سے بارہا اس طرح فرمایا تھا ۔

" علامہ بدرالدین صاحب نے مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کے بعد حضرت کے تبحر علمی کا اندازہ کرلیا تو حضرت کی نسبت قادریہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مراقبہ کیا ۔ حضرت قبلہ نے خیال کیا کہ آپ نقشبندی ہیں میری قادری نسبت کا کیا اندازہ کرسکیں گے ۔ میری نقشبندی نسبت دیکھیں ۔ چند منٹ کے بعد علامہ بدرالدین کی زبان سے بے ساختہ اللہ اکبر نکلا اور ہماری طرف متوجہ ہوگئے ۔ ان کو شاہ نقشبند نظر آئے اور ارشاد فرمایا " بہاء الدین ہے سو عبدالقدیر ہے عبدالقدیر ہے سو بہاء الدین ہے " ۔ بدر الدین صاحب حضرت قبلہ سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ باہر نکل کر اعلان کردیا کہ ہندوستان سے علم و معرفت کا شمس الشموس دمشق آیا ہوا ہے ۔ علماء حاضر خدمت ہوں ۔ اپنے شکوک رفع کرلیں ۔ اپنی تصانیف حضرت کے ملاحظہ میں پیش کریں ۔ ورنہ علماء کی ناقدری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو دمشق نہیں بھیجے گا " ۔

(عبارت سفرنامہ شروع)

سفرِ فلسطین

چہارشنبہ ۱۰ شوال کے ، بجے حیفا جانے کے لئے اسٹیشن پہنچے دن بھر سبزہ زار ، برفانی کوہسار ، آبشاروں کو دیکھتے رہے ۔ یہ سفر کیا تھا سیر و تفریح تھی ۔ پونا اور بمبئی کے درمیان گھاٹ اور سرنگیں ان مناظر کے سامنے ہیچ ہیں ۔

قدس یا یروشلم

زاویۃ الہند ، مسجدِ اقصیٰ اور صخرہ معلق

بہر حال بروز پنجشنبہ ۱۱ / شوال کو بیت المقدس یا قدس یروشلم پہنچے ۔ یہ شہر پہاڑ پر بلکہ پہاڑوں پر واقع ہے ۔ ایک قلعہ بھی ہے جابجا مورچے بھی ہیں ۔ شہر پر کفر کے آثار ظاہر و محسوس ہوتے ہیں ۔ یہودیوں اور نصرانیوں کا زور ہے باب ظاہریہ میں گھستے ہی زاویۃ الہند ملتا ہے ۔ کہتے ہیں یہاں ایک تہہ خانہ میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے چلہ کیا تھا ۔ جو اب تک موجود ہے ۔ اس زاویہ کے شیخ مولوی ناظر حسن صاحب انصاری ہیں ____ مولانا انصاری کے ساتھ ہم مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے ۔

ماشاء اللہ دل کیف سے بھر گیا ۔ حرم بڑا ہے ۔ مسجد عالیشان ۔ صخرے پر جس کو تخت اللہ کہتے ہیں عظیم الشان گنبد بنا ہے ۔ اس گنبد کو عبدالملک بن مروان نے بنایا ہے ۔ اس میں جواہر اور قیمتی پتھروں کا کام ہے ۔ سونا صلاح الدین نے لگوایا ہے ۔ نیچے صخرہ ہے جو بہت بڑا پتھر ہے اور ایسی دیواروں پر قائم ہے جو کسی طرح اس کو اٹھا نہیں سکتیں ۔ صخرہ کے نیچے ایک معمولی ستون ہے ۔ بہر حال صخرہ معلق سا ہے ۔ مسجد میں صلاح الدین اعظم کا نذر کیا ہوا منبر بھی ہے ۔ جس میں مطلقاً کیلے نہیں ۔ وہیں ایک مسجد ہے جس میں حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی تھی ۔ ہم نے پانچ نمازوں کی قضاء صخرہ میں پڑھ لی ـــــ عشاء کی اذاں جیب علی صاحب نے عمدگی سے دی ۔ لوگ پلٹ پلٹ کر دیکھتے اور تعریف کرتے ۔ اس مسجد میں ایک گنبد ہے ۔ بعض روایات میں ہے وہاں سے سرکارؐ کا معراج ہوا تھا ۔ یہ گنبد سال میں ایک دفعہ کھلتا ہے مسجد میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا بنایا ہوا فوارہ ہے ـــــ ایک اور گنبد ہے جو حبس الجن یعنی جنات کا محبس ہے ۔ مسجد کے نیچے تہہ خانہ یا اصل و قدیم تعمیر ہے جہاں سلیمان علیہ السلام کا اصطبل تھا ۔ ـــــ جمعہ کی نماز کے لئے ہم دس بجے ہی سے مسجد میں پہنچ گئے تھے ۔ قضاء نمازیں پڑھتے رہے ۔ خطبہ بڑا شاندار اور مقتضائے حال کے مطابق تھا ـــــ شنبہ کو زیارت مقاماتِ مقدسہ کیلئے موٹر لی ـــــ پہاڑ کے بعد پہاڑ آبشاروں اور نالوں سے تر یا کبھی سبزہ سے ہرے ۔ کہیں بلندی کہیں پستی ۔

۳۰ ۔ ۳۵ میل کے بعد مدینۃ الخلیل یا خلیل الرحمٰن پہنچے ۔ یہ شہر پانچ چھ ہزار سال کا ہے ۔ اور قدس سے پہلے کا بناء کردہ ہے ۔ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام وستنا سارہ ۔ اسحٰق علیہ السلام و ستنا رقیہ ۔ یعقوب علیہ السلام اور ستنا رابعہ والدہ یہودا وغیرہ اور یوسف الصدیق علیہ السلام کی زیارتیں ہوئیں (الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم) حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ راحیل کی قبر راستہ میں ملتی ہے ۔ یہ مقام کیا ہے جنت کا روضہ ہے ۔ یہود کے لئے ایک خاص مقام ہے اندر جانے نہیں دیتے ۔ سیڑھیوں پر دیوار میں ایک سوراخ ہے ۔ جو قبر خلیل کے محاذی ہے ۔ یہود وہاں کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں ۔ عرضیاں لکھ کر اس سوراخ میں ڈالتے ہیں ۔ یہ تمام عمارتیں ایک غار پر بنائی گئی ہیں ۔ جس کا وہاں راستہ بھی ہے مگر کوئی اس میں نہیں اترتا ۔ کہتے ہیں جو اترتا ہے وہ ارواح کو مجسم دیکھتا ہے یا یہ کہو کہ اس پر فوراً عالم مثال کھل جاتا ہے ۔ اور پھر وہ جلد مرجاتا ہے ۔ یا مجذوب ہوجاتا ہے وہیں ایک غار یا کنواں ہے جہاں بہت سے انبیاء دفن ہیں اسے بئر الارواح یا مرقد الانبیاء کہتے ہیں ۔

بیت اللحم قبروں کی زیارت سے فارغ ہو کر شہر بیت اللحم پہنچے ۔ جو ایک پہاڑ پر آباد ہے ۔ آبادی صاف ستھری اور عیسائیوں کی ہے ۔ یہاں یہود کا بالکل گذر نہیں ۔ عیسائیوں کی زبان عربی ہے کیونکہ ان کی قوم عرب ہے ۔ ایک دوکان میں سے چند صدف کی تسبیحیں ہم نے لیں ۔ یہاں صدف کے کام کی بہت چیزیں بنتی یا ملتی ہیں ۔ صلیب ، تسبیحیں ، ہار اور دوسری آرائش کی چیزیں نہایت خوبصورت ملتی ہیں ۔ بہر حال مولد جناب عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچے ۔ نہایت عالیشان کلیسا تھا ۔ تمام زرین کام ہے ۔ اصل مولد ایک مغارہ (غار) میں ہے لوگوں نے منتوں کی قندیلیں بھی جابجا لٹکا دی ہیں ۔

ایک بڑی داڑھی والے پادری صاحب غار کے دروازہ پر کھڑے تھے انھوں نے ہم کو اھلاً وسھلاً کہا ۔ ہم کو دیکھ کر دراویش دراویش کہنے لگے ۔ میں نے دل میں کہا سبحان اللہ تو چاہتا ہے تو غیر مذہب والوں سے بھی تصدیق کروا دیتا ہے ۔ ہاتھوں میں موم بتیاں دی گئیں اور ہم غار میں اترے ۔ سونے کے کام سے غار چمک رہا تھا ۔ تولد کی جگہ ، وہاں سے لے جا کر رکھنے کی جگہ ، کھجور کے درخت کی جگہ دیکھی گئی ۔ پھر جناب ستنا مریم کی قبر مبارک دیکھی گئی ۔ جو غار میں تھی ۔ وہاں بھی تمام سونے کا کام اور قندیلیں لٹکی تھیں ۔ جہاں جہاں

پھرتے وہی موم بتیاں ہاتھ میں تھیں ـــــ وہاں سے جناب عیسیٰ کو آسمان پر اٹھائے جانے کے مقام پر پہنچے۔ جو جبل زیتون کے نام سے موسوم ہے۔ اس جا ہائی کمشنر فلسطین کا مقام بھی ہے۔ یہودیوں کی یونیورسٹی بھی وہیں ہے ـــــ قدس میں کلیسائے قیامہ بھی ہے جس کے دروازہ پر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تھی تا کہ اندر نماز پڑھنے سے کلیسہ پر کوئی اثر نہ پڑے۔ اب وہاں مسجد بنائی گئی ہے عیسائی گھنٹہ بجاتے ہیں، مسلمان مسجد میں اذاں دیتے ہیں۔ مگر اب تک کوئی نزاع نہیں پیدا ہوا۔ خدائے تعالیٰ آئندہ بھی اختلاف پیدا ہونے نہ دے۔

مسجدِ اقصیٰ

مسجدِ اقصیٰ کے نیچے اصطبل سلیمانی ہے۔ عمارت قدیم و عالیشان ہے باوجودیکہ تہہ خانہ ہے مگر روشن بلند اور وسیع ہے۔ مسجد کے دروازہ کے باہر ایک جگہ ہے جہاں یہود عبرانی زبان میں دعائیں کرتے ہیں کہ " خدایا تو ہم پر غضبناک ہے تو نے ہمارے معبد صخرہ کو ہمارے قبضہ سے نکال لیا"۔ ان کا خیال ہے کہ جب تک صخرہ ان کے قبضہ میں نہ آئے ان کی ارواح آسمان و زمین کے درمیان معلق رہیں گی اور بہشت میں داخلہ نہ ہو سکے گا۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ادھم بلخیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کی قبور مبارک بھی یہیں ہیں۔ مگر افسوس کہ پریشانی کی وجہ سے زیارت میسر نہ ہو سکی کیونکہ ہمارا سفر دراز تھا اور مدت کم ـــــــــ مولوی ناظر حسین صاحب انصاری کو علمائے قدس نے ایک جلسہ میں دستار بندی کر کے ان کو شیخ تسلیم کر لیا تھا ان کی خواہش تھی کہ یہ کام کسی فقیر کے ہاتھ سے ہونا چاہیے قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند۔ طریقہ علیہ قادریہ میں شریک کر لئے گئے۔ اور قادریہ و نقشبندیہ کی اجازت بھی دی گئی۔ خاندانی اذکار و اشغال کی تلقین کی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے خواجہ کی نسبت کو انھوں نے محسوس بھی کر لیا۔ حزب البحر اور طریقہ شاذلیہ کی اجازت بھی دی گئی۔ اگری رنگ کا عمامہ ان کے سر پر رکھ دیا گیا

نہرِ سویز چہارشنبہ ۱۷/ شوال ۲/۱ ۸ بجے قدس سے نکلے ـــــ مغرب کے قریب قنطرہ پہنچے ـــــ قنطرہ کے معنیٰ پل کے ہیں۔ یہاں پل تو نہیں ہے بلکہ نہر سویز کو کشتی کے ذریعہ عبور کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے کنارے پر ریل تیار تھی ـــــ سامان ریل میں پہنچ گیا ـــــ گھنٹہ بھر بعد اسمعیلیہ پہنچے ـــــ صبح کو محمد بن محمود علبہ (ایجنٹ کا لڑکا) ہم کو حجاز کونسل خانہ لے گئے اور پاسپورٹ پر کونسل کی دستخط کرادی پھر تامس لے گئے پہلے ہم کو قدس کے دفتر سے رسید ملی تھی اب اس کے دکھانے پر اصل ٹکٹ مل گئے۔

خلیجِ عقبہ اور طورِ سینا ۱۹/ شوال روز جمعہ ۱۰ بجے صبح کے قریب جہاز خلیج عقبہ میں قریب طور سینا ٹھیرے۔ سامان اتارا گیا بعض لوگ بھی اترے۔ مسافر کہتے ہیں بحیرہ قلزم یا بحیرہ احمر (Red Sea) میں ہمیشہ گرمی اور حبس ہوتا ہے مگر ہمارے لئے سردی شدت سے تھی۔ پچھلے سے ہوا بڑی زور سے بہہ رہی ہے۔ جہاز کھڑا بھی ہے تو سرمستِ محبت کی طرح جھومتا۔ طور سینا سے آگے بڑھنا تھا کہ ہوا نے طوفانی صورت اختیار کی۔ کوہ پیکر موجیں اٹھتی تھیں اور جہاز کے پہلو پر آ کر ٹکر مارتیں۔ غریب جہاز ہل جاتا ہے۔ قبطان جہاز کو ترچھا کر کے لے چلتا ہے۔ حتیٰ کہ ساحل آفریقہ کے قریب سے گذر رہا ہے۔ لائٹ ہوز یا منارے تک نظر آتے ہیں۔

۲۰/ شوال شنبہ کا دن ہے۔ دھوپ روشن ہے۔ مطلع صاف ہے دشت کی ہوا بڑی شدت سے چل رہی ہے ـــــ یکشنبہ کی رات کو آنکھ کھل گئی۔ ہوا کی شدت نے نیند بالکل ہی اڑادی ـــــ اب دن نکل گیا ہے۔ سب کو گرمی ہو رہی ہے۔ مجھے رات ہی سے گرمی ہو رہی ہے۔ گویا کہ بخار ہے۔ ڈاکٹر جہانگیر (ساکن حیدرآباد) کے پاس کی پوڑیاں اور گولیاں کھالیں۔ مزاج کچھ صاف ہو گیا ہے۔

سفرنامہ حجاز

۲۱ / شوال یکشنبہ کے روز ۱۰ بجے ینبوع پہنچے ایک کشتی میں بیٹھے جہاز سے اترتے ہی سید مصطفےٰ صاحب کے بھائی مل گئے۔ انہوں نے سامان اٹھوالیا۔ پھر سید مصطفیٰ صاحب سے ملاقات ہوئی ______

۲۳ / شوال سہ شنبہ کو سید مصطفےٰ صاحب نے اونٹ کرایہ پر مقرر کروادیئے۔

۲۴ / شوال چہارشنبہ کو ۴ بجے کے قریب قافلہ نکلا۔ ایک شغدف اس میں فقیر اور حافظ صاحب اور ایک اونٹ پر سامان کے ۴ شلیسطے ان پر شبری (شبری میں جناب برنی صاحب و حبیب علی صاحب) شبری میں بڑی تکلیف ہوئی جھوک قائم نہیں رہتا۔ ____ اونٹ کا سفر سمندر کے سفر سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ بشرطیکہ سمندر طوفان خیز نہ ہو ____ بہر حال ۴ بجے نکلے اور گیارہ بجے منزل بئر عباس۔ پانچویں روز مدینہ منورہ۔ چھٹے دن صبح کو مدینہ منورہ داخل۔

مدینہ منورہ

یکم ذیقعدہ روز دوشنبہ کی صبح کو ہم مدینہ شریف پہنچ گئے۔ آخری منزل پر پچھلی رات ہم سب اتر گئے۔ راستہ میں صبح کی نماز پڑھ لی۔ آفتاب طلوع ہونے کے بعد مدینہ شریف پہنچے ____ لوگوں سے پوچھتے ہیں حسین بی کی رباط کہاں ہے؟ کوئی نہیں بتاتا۔ بلکہ وہاں لے جاکر پہنچایا۔ وہاں کے داروغہ کا نام عبدالغفور تھا۔ ان کا واقعی نام عبدالقاہر ہونا چاہیئے تھا۔ سیدنا مولانا عبدالغفور صاحب نے اتنا کہلا بھیجا کہ یہ حسین بی کی رباط نہیں ____ اتفاقاً اس رباط میں مولوی سید نظام الدین صاحب پر میری نظر پڑی وہ خضر راہ بن کر محمد جعفر داغستانی کے پاس لائے ____ ان دونوں صاحبوں نے ہمارا سامان اتروا دیا۔ ایک سرکاری مکان میں جس میں دونوں رہتے تھے ہم کو اتارا ____ مکہ شریف میں معلم، مزور یا مطوف کا مقرر کرلینا حاجی کے اختیار میں ہے جس کو چاہا مقرر کرلیا۔ مدینہ شریف میں معلم کا مقرر کرنا اختیاری امر نہیں ہے بلکہ اس کا تعین خود حکومت نے کردیا ہے ____ محمد جعفر داغستانی نے ہم کو حرم میں پہنچایا۔

سلام در دربارِ اقدس دربار قدسی مدار میں پیش کر کے سلام پڑھوایا۔ پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں۔ پھر ہٹ کر جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں۔ پھر ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پڑھوایا۔

زیارت جنت البقیع دوسرے روز ہم جنت البقیع پہنچے۔ تمام گنبد شہید کردیئے گئے ہیں۔ گذشتہ سال قبریں بھی نہ تھیں۔ مگر اب قبریں بنادی گئی ہیں مگر پتھر اور مٹی کی۔ یہ منظر بڑا جگر خراش ہے ____

سیدتنا فاطمۃ الزہرا، سیدنا عباس عم رسول اللہ، ان کے بائیں جانب امام حسن مجتبیٰ۔ امام علی زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق رضوان اللہ علیہم سیدھی جانب بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستنا رقیہ، ستنا زینب، ستنا ام کلثوم۔ ایک طرف ازواج مطہرات۔ ستنا عائشہ۔ ستنا صفیہ۔ ستنا حفصہ وغیرہا چند ازواج مطہرات دمشق میں بھی ہیں۔ ستنا خدیجہ مکہ شریف میں جنت المعلی میں ہیں۔ ایک طرف فاطمہ بنت اسد، ام سیدنا علیؓ۔ سید عبداللہ بن صفیہ۔ سیدنا عقیل، ایک طرف سیدنا عثمانؓ بن عفان، ایک طرف سیدنا ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ایک طرف امام مالک، اور ان کے سرہانے نافع مولیٰ ابن عمر بقیع کے باہر ستنا صفیہ عمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باہر ایک طرف سیدنا اسمٰعیل بن جعفر صادق، حضرت اسمٰعیل کو اثنا عشری نہیں ملتے۔ بواہیر حضرت موسیٰ الکاظم کو نہیں ملتے۔ ہم نے دونوں جگہ زمین بوسی کی۔ الحمدللہ۔ باقی تمام لوگوں کی قبریں صاف کردی گئی ہیں۔

بقیع میں امام زین العابدین کی قبر شریف کے قریب بیٹھ کر میں نے پورا صحیفہ سجادیہ پڑھا۔ جوشن کبیر، فتوحات ربانی پڑھا۔ جتنی عورتیں پہچانت کی تھیں کیا چھوٹی کیا بڑی حضرت سیدہ کی خدمت میں ان کو پیش کرتا گیا۔ السلام علیک یاسیدۃ نساء العٰلمین عرض کرتا گیا۔ قبر مبارک حضرت سیدہ و قبور ائمہ اہل بیت اطہار پر ہاتھ پھیر کر خاک کو منہ پر ملا اور کہتا گیا، او خاک پاک! تو میرے منہ پر انوار بن کر چمک۔ ایمان بن کر چمک۔ اخلاص بن کر چمک۔ ان سعادت کے چراغ عبودیت میں سے شرارہ بن کر چمک (عبارت سفرنامہ ختم)۔

۱۔ ایک مرتبہ سیدہ کی عنایتوں کا تذکرہ فرمایا "میں کیا کرتا تھا۔ مسجد میں جاکر پڑا رہتا تھا۔ اس وقت ایک تجربہ ہوا۔ ذکر نہ ہو۔ تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ایک آدمی ہے ذکر کرنے کا عادی، اس کو ذکر نہ کرنے کے قابل کر دیا جائے تو کیا کچھ مصیبت نہیں آتی۔ اس وقت قرآن پڑھنے سے آرام ہوتا ہے۔ پچھلی رات کو اٹھا گرمی کا موسم تھا بچہ باہر سو کر زنجیر لگا یا تھا۔ اب کیسے باہر جاؤں پکار کر اٹھانا اور اس کی نیند خراب کرنا اچھا نہیں۔ اگر اللہ اللہ کرنا ہے تو یہیں بیٹھ کر کرو۔ یکایک میرے دل میں تکلیف ہوئی۔ بی بی فاطمہ کو پکارا۔ اماں! رسول اللہ کی قسم ہے اس وقت سنبھال لے مجھے۔ حضرت علی اور بی بی زہرا نے اپنے اس غلام کو کبھی پیٹھ نہ دی۔ اسی وقت سکون ہوگیا۔ بی بی فاطمہ نے فرمایا " ارے پریشان کیوں ہوتا ہے گلی میں اندھیرا رہتا ہے، تو اسے پار کرنا پڑتا ہے۔ اس پار تو روشنی ہے۔ بس ذرا گلی پار کر لینے تک پریشانی ہے۔ اس سے کیا گھبرانا"۔

۲۔ جنت البقیع میں حضرت امام حسن کی مزار مبارک کی زیارت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا " جنت البقیع میں امام حسنؓ کی مزار مبارک کے پاس بیٹھ کر دلائل الخیرات پڑھ رہا تھا آواز آئی " عبدالقدیر " پڑھنے میں منہمک تھا، پھر آواز آئی " عبدالقدیر " چونکا، عرض کیا لبیک یا امام! فرمایا " تم کو وہ حدیث پہنچی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپری جسم سے میں مشابہ ہوں اور نیچے کے جسم سے حسین مشابہ ہیں " عرض کیا پہنچی ہے " فرمایا " کیا مطلب سمجھے؟ عرض کیا " میں کیا سمجھ سکتا ہوں جو امام سمجھائیں۔ فرمایا " اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم علوی سے جتنا ربط ہے عالم سفلی سے بھی ہے۔ عالم علوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ربط تھا اس کا مظہر میں ہوں اور عالم سفلی سے جو ربط تھا اس کا مظہر حسین ہیں۔ کچھ نہیں مانگنا سیکھنا ہے تو مجھ سے سیکھو۔ مانگنا ہے تو حسین سے مانگو۔ دین مانگو دنیا مانگو جو چاہو مانگو"۔

(عبارت سفرنامہ شروع) سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریف میں ایک ایک شخص کی طرف سے جوشن کبیر کی ادعیہ میں سے ایک حصہ، قرآن شریف کا ایک سورہ پڑھتا گیا اور بخشتا گیا۔ جنت کے ٹکڑے میں زندوں مردوں کے لئے نماز پڑھ کر دعا کی۔ دلائل الخیرات، حزب الاعظم و فیوضات ربانی وغیرہ پڑھتا جاتا ہوں۔

۵۔ ذیقعدہ شنبہ کو دو مجیدیوں پر گاڑی کرایہ کرکے مسجد قبا گئے

مسجد قبا میں نماز کی بڑی فضیلت ہے۔ اس مسجد میں وہ جگہ بھی ہے جہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو کعبتہ اللہ شریف دکھایا تھا۔ تاکہ آپ کو تسکین و تسلی ہو۔ وہ جگہ بھی ہے جہاں اپ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ وہیں ایک کنواں ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔ اس کنویں کا پانی پیا۔

حضرت سیدہ جس جگہ رہتی تھیں وہاں ایک مسجد بنائی گئی تھی۔ اب اس کو سعودیوں نے شہید کردیا۔

۶ ۔ ذیقعدہ یکشنبہ کو بذریعہ معلم ابو مسعود محمد جعفر داغستانی ، امیر مدینہ و شیخ الاغوات سے مسجد مبارک میں شب باشی کی اجازت لی گئی ۔ ۱/۲ ۸ بجے اغوات کے چبوترہ پر ہماری حاضری ہوئی ۔ باب المجید کے قریب ایک دروازہ ہے اس دروازہ سے سیڑھیاں چڑھ کر خارج مسجد طہارت خانہ و وضوگاہ ہے ۔ ایک خواجہ سرانے ہم کو یہ مقامات بتادیئے ـــــــ اس موسم میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہم کو شب باشی کی اجازت ہوئی ۔ دو تین اور صاحب بھی تھے مگر وہ چادر تان کر سوتے رہے اور صبح کو اٹھے منبر اور جالی مبارک کے درمیان روضۂ جنت ہے اس میں مصلی نبوی ہے جہاں سرکار نماز میں سجدہ کرتے تھے وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محراب بنا دیا ہے ۔ اب لوگ سرکار کے موضع قدم پر سجدہ کرتے ہیں ۔

ہر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود ÷ سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اس مصلے پر نماز پڑھنے کی ہر شخص کوشش کرتا ہے اس رات میں نے وہاں دو رکعتیں قضاء نماز کی پڑھ لیں ۔ اور تمام قرابتدار اور دوستوں کی طرف سے (۱۰) رکعتیں قضاء کی پڑھیں ۔ جب بجلی کی روشنی خاموش ہوگئی اور چند تیل کے گلاسوں کی روشنی رہ گئی تو ایک عظمت اور ہیبت کا اثر دل پر پڑنے لگا ۔ ہم سب مواجہ شریف میں حاضر رہے ۔ میں ہر ایک کی طرف سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھتا گیا اور ہر ایک کو خدمت عالی میں پیش کرتا گیا ۔ (عبارت سفرنامہ ختم)

اسی تذکرہ کے سلسلہ میں حضرت نے فرمایا " میں نے دیکھا کہ آسمان سے دو ہار اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دونوں ہار میرے گلے میں ڈال دیئے "

(عبارت سفرنامہ شروع) حاصل زندگی ، خلاصہ عمر ہماری یہی رات تھی ۔ رات تمام ہماری آنکھوں پر بھور گئی ۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دنیا کی حکومت مل گئی ہے ۔ آقا کا دربار خاص ، محبوب کی خلوت ، مالک کا دیدار ۔ غرض کہ رات بھر ہم کو طہارت کی ضرورت ہوئی نہ وضو کی ۔ صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے ۔ آنکھوں میں نور تھا ، دل میں سرور تھا ۔

بجلی چمک چمک کر گرتی ہے چار جانب ÷ ہے ایک طورِ سینا گویا تری گلی میں
کھل جائے اب دریچہ ہوجائے ایک جلوہ ÷ سب منتظر کھڑے ہیں مولیٰ تری گلی میں

سہ شنبہ ۸ ۔ ذیقعدہ کو جبل احد جانا ہوا ۔ حضرت حمزہ کی قبر شریف کا نشان تو باقی ہے ۔ باقی چبوترہ کو توڑ ڈالا ہے ۔ کھود ڈالا ہے ۔

- مسجد کو صاف کردیا ہے ۔ جہاں دندانِ رسول مقبول دفن تھا قبہ توڑ کر اس کو بھی پتھروں کا ایک ڈھیر کردیا ہے ۔ حضرت حمزہ کے مصرع کا گنبد بھی توڑ ڈالا ہے ۔ مسجد رُماۃ یعنی وہ جگہ جہاں حضرت نے پچاس تیر اندازوں کو گھات میں بٹھایا تھا ۔ اور ان میں سے ۴۰ سے زیادہ آدمی فتح کے بعد مالِ غنیمت لوٹنے دوڑ پڑے ، اس جانب سے کفار نے حملہ کیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں مبدل ہوگئی ۔ وہاں ایک مسجد بنائی گئی تھی نجدیوں نے اس کو بھی شہید کردیا ہے ۔ اس کے قریب حضرت امام جعفر صادق کے فرزند امام علی العریضی کی قبر مبارک ہے ۔

- یہ مسجد ، مسجد حمزہ کے نام سے موسوم تھی ۔ نجدیوں نے غالباً اس خیال کے تحت کہ یہ غیر اللہ کے نام سے موسوم ہے شہید کرڈالا ہے ۔ حالانکہ مسجد تو اللہ کا گھر ہوتی ہے ۔ لہٰذا کسی کے نام سے موسوم ہوئی تو کیا ۔

چہار شنبہ ۹۔ ذیقعدہ کو مولوی عبدالباقی صاحب (فرنگی محلی) کے پاس چائے خوری کی دعوت ہوئی یعنی صبح کا کھانا ہوا۔ مُطَبّق اور میٹھے چکولیاں بھی تھیں۔

وہاں سے اٹھ کر امین افندی کے مکان کو گئے اور ان سے بھائی اصغر علی شاہ صاحب (حضرت کی چوتھی بیوی رابعہ بیگم صاحبہ کے حقیقی بھائی) کے والد اکبر علی صاحب کے مکان کا پتہ دریافت کرلیا۔ سید یٰسین مرحوم کے فرزند عبدالقادر زندہ ہیں۔ سید احمد عبدالحمید بھی ہیں۔ افغانی ان کے گھر میں اترتے ہیں۔ نجدی رشوت نہیں لیتے۔ مستحقین کو حق پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر اصغر علی شاہ صاحب یہاں آئیں ساتھ حجتہ و توریث نامہ لائیں تو مکان سہولت سے مل سکتا ہے۔

ترکوں کے زمانہ میں اہلِ مکہ و اہلِ مدینہ اور بدوؤں پر بے دریغ روپیہ صَرف ہوتا تھا اور جوش اعتقادی سے ان کی غلطیوں سے درگذر کرتے تھے۔ بدو پہلے حاجی کو مار ڈالتا پھر کر ٹٹولتا تھا۔ ترک ان کے مظالم سے درگذر کرتے تھے۔ پھر شریف حسین کا زمانہ آیا۔ بے شک ان کا نسب عمدہ تھا اور بس۔ پھر آلِ سعود کا نمبر آیا۔ حاجیوں کی جان و مال کو بالکل امن ہے۔ نہ ڈاکہ ہے نہ چوری ہے۔ مگر قبورِ متبرکہ کی توہین جگر پاش ہے، دل سوز ہے، جانگداز ہے۔

آرام ہو تو کیونکر راحت ملے تو کیسے ÷ ہر دم ہے تازہ فتنہ برپا تری گلی میں (حسرت صدیقی)

جالیِ مبارک کو بوسہ

ایک مصرن آتی ہے جالیِ مبارک کو بوسہ دیتی ہے۔ سعودی کہتا ہے شرک شرک! مصرن کہتی ہے شرک دل کا کام ہے۔ ہم اپنے عقیدے سے بہ نسبت تمہارے زیادہ واقف ہیں۔ پھر بوسہ دیتی ہے اور پھر کہتی ہے یہ لو۔ پھر بوسہ دیتی ہے اور چل دیتی ہے۔ سعودی منہ تکتا رہ جاتا ہے۔

ایک افغانی آتا ہے جالی کو بوسہ دینا چاہتا ہے۔ سعودی روکتا ہے اور اس کا ہاتھ جالی کو لگتا ہے۔ افغانی سعودی کے ہاتھ کو بوسہ دے کر چل دیتا ہے۔ ایک افغانی آتا ہے۔ سلام پڑھتا ہے۔ جالی کو بوسہ دیتا ہے۔ سعودی بلاتا ہے جھنجوڑتا ہے، وہ بوسہ دے کر سیدھا چلا جاتا ہے۔

جنت البقیع سے واپس جانے لگا تو ایک سعودی سپاہی نے کہا اُدھر جاؤ اُدھر اسمٰعیل بن جعفر ہیں اور قبر کی طرف اشارہ کیا جو ذرا گلی میں ہے۔ اور ابن سعود نے اس کی چوُدیواری کا دروازہ چین دیا ہے۔ ایک دفعہ ایک بچے نے ایک جھاڑو لاکر مجھے دی کہ تم بھی جھاڑو۔ میں بھی اس سعادت میں شریک ہوا۔ اس بچے کو ایک قرش دیا۔ دوسروں نے مانگا تو ان کو بھی دیا پہلے بچے نے کہا یہ سب مفت لیتے ہیں۔ میں نے تم کو جھاڑو لاکر دی تھی۔ ایک اور قرش اس بچے کو دیا تو خوش خوش چلاگیا کہ دوسروں سے ممتاز تو رہا۔ یکشنبہ ۲۰/ ذیقعدہ۔ ● جناب ضیاء الدین قادری نے خواب دیکھا کہ میں (عبدالقدیر) باب السلام کے پاس کھڑا ہوں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ پکڑ کر دربارِ اقدس میں لے جاتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں یارسول اللہ ھذا ابنی میں سر جھکا دیتا ہوں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک میری پشت پر رکھ دیتے ہیں۔ روحی و روح العٰلمین لک الفداء یا رسول اللہ (عبارت سفرنامہ ختم)

● مولوی ضیاء الدین صاحب مرحوم پنجابی تھے قادری المشرب تھے۔ کئی سال بغداد شریف میں رہے بعد میں کئی سال مدینہ منورہ میں بحیثیت مہاجر مقیم رہے۔ اور حال ہی میں انتقال فرمایا ہے۔

اصل میں ہوا یہ کہ مولوی ضیاء الدین صاحب نے جب حضرت کا نام سنا اور ساتھ صدیقی تو ان کو خیال ہوا کہ بعض غیر سید بھی اپنے نام کے ساتھ سید لکھ لیتے ہیں ۔ بلا تحقیق سید بن جاتے ہیں ۔ یہ صاحب بھی صدیقی ہیں تو نہ معلوم کیسے صدیقی ہیں ؟ چنانچہ انھوں نے یہ خواب دیکھا ۔ یہ تفصیل بھی حضرت نے ارشاد فرمائی ۔ ضیاء الدین صاحب خواب سے بیدار ہوئے تو حضرت سے ملنے بے قرار ہوگئے ۔ صبح ہوئی تو اپنی اولین فرصت میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنا خواب بیان کیا اور عرض کیا آپ کی عظمت و بزرگی کا مجھے اس سے اندازہ ہوا کہ آپ کے صدیقی ہونے کے بارے میں صرف خطرہ آیا تو نہ صرف آپ کے صدیقی ہونے کی تصدیق کروادی گئی بلکہ آپ کے طفیل حضرت صدیق اکبر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی بیک وقت زیارت بھی نصیب ہوگئی ۔

(عبارت سفرنامہ شروع) دوشنبہ ۲۱ ۔ ذیقعدہ ۔ آج پچھلی سے مواجہ شریف میں ہم سب حاضر تھے ۔ معلم لوگوں کو الوداع پڑھاتے تھے ۔ لوگوں کے ساتھ ہم بھی روتے تھے ۔ ظہر کی نماز کے بعد احرام باندھ کر حاضرِ مسجدِ مبارک ہوئے ۔ دو رکعتیں نفل پڑھیں ۔ پہلی رکعت میں قل یا ایھا الکفرون ۔ دوسری میں قل ھو اللہ احد نیت احرام پڑھ لی ۔ لبیک للعمرۃ اللھم انی اریدالعمرۃ فیسر ھا لی و تقبلھا منی اور پھر لبیک کہا لبیک الہ الخلوۃ لبیک اور کہا اللھم لبیک ، لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک۔ لبیک ، لبیک و سعدیک والخیر بیدیک والرغباء الیک والعمل ۔ پھر یہ دعا پڑھی اللھم انی اسئلک رضاک والجنۃ و اعوذبک من غضبک و النار ۔

محمد جعفر داغستانی ہمارے معلم کے نائب ہم کو سلام اور وداع پڑھانے آئے ۔ دل نے سرکارؐ کو وداع کرنے سے انکار کیا ۔ سرکارؐ کی معیت ہماری زندگی و وجود کا منشاء ہے ۔ اور یہی معیت ہمارے دل کی تسکین و قوت کا باعث ہے ۔ میں نے معلم صاحب سے کہا الوداع کے عوض الوداد پڑھئے ۔ اسی طرح پڑھا گیا ۔ چلتے وقت بجائے رونے کے دل میں بڑی قوت پیدا ہوگئی کہ سرکارؐ ہمارے ساتھ ہیں ۔ طبیعت شاداں و فرحاں تھی ۔ دل سے نکل رہا تھا ۔ خدا اس معیت پر دم آسان کرے ۔ (عبارت سفرنامہ ختم)

مدینہ منورہ تا مکہ معظمہ اونٹوں کے سفر ، منزلوں پر اترنے ، پکانے کھانے ، راستہ میں اونٹوں کے بھڑک جانے وغیرہ کا حال سفرنامہ میں حضرت نے مفصل لکھا ہے ۔

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک کل گیارہ منزلیں ہیں جن کو حضرت اور حضرت کے رفقاء نے دس دن میں اونٹوں پر طے کیا ۔ پہلی منزل بئرِ علی ، دوسری بئرِ درویش ، تیسری وتر ، چوتھی ابیارِ حسن ، پانچویں بئرِ شیخ ، چھٹی مستورہ ، ساتویں رابغ ، آٹھویں قدیمہ ، نویں عسفان ، دسویں وادی فاطمہ ، گیارھویں مکہ معظمہ ۔ حضرت ۲۱ / ذیقعدہ کو مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے اور یکم ذیحجہ بوقت مغرب مکہ معظمہ پہنچ گئے ۔ الحمد للہ ۔

(عبارت سفرنامہ شروع)

مکہ معظمہ

شہر میں داخل ہوتے وقت ہم نے یہ دعا پڑھی ۔

اللھم ان ھذا الحرم حرمک والبلد بلدک والا من امنک و العبد عبدک جئتک من بلاد بعیدۃ بذنوب

کثیرۃ و اعمال سیئۃ اسئلک مسالۃ المضطرین الیک المشفقین من عذابک ان تستقبلنی بمحض عفوک و ان تدخلنی فسیح جنتک جنۃ النعیم ، اللھم ان ھذا حرمک و حرم رسولک فحرم لحمی و دمی وعظمی علی النار۔ اللھم امنی من عذابک یوم تبعث عبادک اسالک بانک انت اللہ لا الہ الا انت الرحمٰن الرحیم ان تصلی و تسلم علیٰ سیدنا محمد و علیٰ الہ تسلیما کثیرا ابدا۔ بہرحال بفضلہ تعالیٰ ہم مکہ معظمہ میں داخل ہوگئے۔

للہ الحمد نہ مردیم و رسیدیم بیار ÷ آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ ما

مکہ معظمہ بہ نسبت مدینہ منورہ کے بہت بڑا شہر ہے۔ مکانات کئی کئی منزلہ ہیں۔ آبادی بہت گنجان ہے۔ دوکانیں بڑی بڑی مالامال ہیں۔

طوافِ قدوم

ہم دلاور النساء بیگم صاحبہ کی رباط میں اترے۔ جبیب اللہ صاحب اس کے داروغہ یا منتظم ہیں۔ نہایت مخلص اور خوش اخلاق ہیں۔ رات کو ہم نے طوافِ قدوم کیا۔ رات زیادہ ہوگئی تھی۔ باب السلام سے حرم شریف میں داخل ہونا نہ ہوسکا۔ بلکہ قریب تر دروازہ سے داخل ہوئے۔ مسجد میں داہنا پاؤں رکھا اور یہ دعا پڑھی۔ اللھم افتح لنا ابواب رحمتک و سھل علینا ابواب رزقک پھر میں نے یہ دعا پڑھی اللھم صلّ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد مراۃ ذاتک و اول تجلیاتک و مظھر اسمائک و صفاتک ومنبع آیاتک و کمالاتک بعدد جمیع معلوماتک۔

بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو اللہ اکبر لا الہ الا اللہ تین دفعہ پڑھا۔ اس وقت کی خوشی ناقابلِ بیان ہے۔ دل سینہ میں اچھل رہا ہے۔ پھولے نہیں سماتا۔ کیا یہ سینہ توڑ کر باہر آئے گا؟ آنکھیں دل پر ناز کرتی اور اتراتی ہیں کہ ان کی نظریں دروازے ہی سے بیت اللہ تک پہنچ گئیں۔ اور حضرت دل ہیں کہ اپنی ہی جگہ پڑے اچھل رہے ہیں۔ دل میں جو آیا دعا کی۔

اللھم افردنی لما خلقتنی لہ ولا تشغلنی بما تکفلت لی بہ ولا تحرمنی وانا اسئلک ولا تعذبنی و انا استغفرک یا رب العٰلمین۔

اللھم ارزقنی لذۃ النظر الیٰ وجھک الکریم و الشوق الی لقائک پھر یہ دعا پڑھی۔ اللھم انت السلام و منک السلام فحینا ربنا بالسلام۔ اللھم زدبیتک ھذا تعظیما و تشریفا و تکریما و مھابۃ و زد من حجہ او اعتمرہ تشریفا و تکریما و تعظیما و برا۔ (عبارت سفرنامہ ختم)

اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ حضرت کے ایک مرید نے عرض کیا" میں جب نماز کی رکعت باندھتا ہوں تو میرے سامنے مقام سجدہ پر آپ کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں"۔ حضرت نے پوچھا" میری پیٹھ رہتی ہے یا اس شکل کا چہرہ سامنے رہتا ہے"۔ انھوں نے عرض کیا" حضرت کا رخ میری طرف رہتا ہے اور مجھے ملاحظہ فرماتے رہتے ہیں"۔ حضرت نے فرمایا" باوا اگر میں رہا تو پیٹھ رہے گی۔ سجدہ لینے کا بندہ کو کیا حق ہے۔ وہ اللہ کی تجلی ہے۔ بڑے مرشدوں کی تشبیہ میں اللہ کی تجلی نظر آتی ہے تمہارے مرشد نے کیا قصور کیا۔ وہ سرفراز کرنے پر آئے تو اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے"۔

(عبارت سفرنامہ شروع)

مطاف

یعنی اس جگہ کے اطراف جہاں طواف کرتے ہیں کمانیں قائم کی گئی ہیں۔ ایک کمان یا دروازہ کا نام باب بنی شیبہ ہے جو مقام ابراہیم سے قریب ہے۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجدِ معظم اتنی ہی تھی جتنی مطاف ہے اور باب بنی شیبہ

اس کا دروازہ تھا۔ غرض کہ اسی میں سے ہم مطاف میں داخل ہوئے۔ برنی صاحب معلم کا کام دے رہے تھے۔ جس طرح معلم زور زور سے پڑھتا ہے اور حاجی اس کی نقل کرتے ہیں اسی طرح برنی صاحب پکار کر پڑھتے اور ہم اس کی نقل کرتے تھے۔

حجرا سود کے پاس کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ اٹھاکر جیسا نماز میں اٹھاتے ہیں یہ پڑھا۔ بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ وللّٰہ الحمد۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ۔ اللّٰھم ایمانابک و تصدیقا بکتابک و وفاء بعھدک واتباعا لسنۃ نبیک محمد صلی اللّٰہ علیہ و سلم۔

کعبہ شریف کو بائیں جانب رکھ کر حطیم کی طرف دعا مانگتے چلے ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ پہلے تین شوط یعنی گردش میں رمل بھی کیا یعنی نزدیک نزدیک قدم ڈالتے ہوئے دوڑے، مونڈھے ہلائے۔ اس گردش میں حجرِ اسود کو واپس آنے سے پہلے ایک گوشہ خانہ کعبہ آتا ہے۔ اس کا نام یمانی ہے۔ اس کو صرف ہاتھ لگاکر بوسہ دیا۔

طواف میں لوگ یہ دعاء پڑھتے ہیں رب قنعنی بما رزقتنی و بارک لی فیھا اعطیتنی و اخلف علیّ کل غائبۃ لی منک بخیر لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر۔

جب حجرِ اسود کو پہنچتے وہی دعا پڑھتے۔ (بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر الخ) ہوسکتا تو بوسہ دیتے نہیں تو دوری سے اشارہ کرتے۔ جب سات شوط یعنی چکر ہوچکے تو حجرِ اسود کا آٹھواں استلام کیا یعنی بوسہ دیا۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھیں اور جو دل میں آیا دعا کی۔ اللّٰھم انک تعلم سری و علانیتی فاقبل معذرتی و تعلم حاجتی فاعطنی سؤلی و تعلم ما فی نفسی فاغفرلی ذنوبی۔ اللّٰھم انی اسالک ایمانا یباشر قلبی و یقینا صادقا حتیٰ اعلم انہ لا یصیبنی الا ما کتبتہ علی فارضنی بما قسمتہ لی یاذا الجلال و الاکرام۔ اس کے بعد زم زم کا پانی پیا۔ ایک اور دفعہ استلام حجرِ سود کیا اور اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ تین دفعہ پڑھا۔

صفاو مروہ　ہم سعی کو چلے صفا مروہ دوڑنے کے لئے۔ سعی کے وقت بڑے بادشاہ (سید محمد بادشاہ حسینی قادری) پھر مل گئے تھے۔ ساتھ مریدوں کا جمگھٹا تھا۔ ایک طرف زنانہ بھی تھا۔ بدرالدین معلم کا نائب مناسب دعائیں پڑھتا جاتا اور سب لوگ اس کی نقل کرتے۔ بڑے بادشاہ کبھی ہمارے ساتھ ہوجاتے کبھی اپنے مریدوں کے ساتھ۔ پہلے ہم کوہ صفا پر چڑھے، حرم مبارک کی طرف منہ کرکے دو ہاتھ اٹھاکر بلند آواز سے پڑھا اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔ اور میں نے یہ درود بھی پڑھا۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد زنۃ عرشک و مداد کلماتک و منتھیٰ علمک کلما ذکرک و ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرک و ذکرہ الغافلون۔

لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد۔ یحی و یمت وھو علیٰ کل شیء قدیر۔ لا الہ الا اللّٰہ وحدہ و صدق وعدہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔ یہ پڑھ کر دعا، پھر سہ بارہ پڑھ کر دعا۔ یہ دعا بھی ماثورہ ہے۔ اللّٰھم انک قلت ادعونی استجب لکم وانک لا تخلف المیعاد۔ وانی اسالک کما ھدیتنی للاسلام ان لا تنزعہ حتی تتوفانی و انا مسلم۔

اس کے بعد مروہ کا راستہ لیا۔ خدا ترکوں کا بھلا کرے انھوں نے سعی کے پورے میدان یا راستہ کو مسقف کردیا ہے۔ نہ دھوپ سے تکلیف ہوتی ہے نہ بارش سے۔ راستہ میں سبز ستون ملتے ہیں۔ وہاں سے تھوڑی دور پر اور ستون ہیں ان دونوں ستونوں کے درمیان اوسط دوڑ دوڑتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کا دوڑنا مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مروہ کی پہاڑی پر چڑھ کر پھر وہی ذکر، دعا درود پڑھا جاتا ہے۔

صفا سے مروہ تک ایک شوط۔ مروہ سے صفا تک دو شوط ہوئے۔ بعض پڑھے لکھے حاجیوں نے صفا سے مروہ ہوکر صفا پہنچنے کو ایک شوط سمجھا۔ اور اپنے مقلدین کو سات کے عوض چودہ شوط دوڑائے۔ سعی میں میں نے اپنے ایک ایک دوست کی طرف سے اللھم انی اسالک رضاک والجنۃ و اعوذبک من سخطک والنار پڑھتا گیا۔ سعی سے فارغ ہوکر دو رکعتیں مسجد معظم میں پڑھیں کیونکہ مستحب ہے والحمدللہ۔

سعی کے مقام پر دو طرف بڑی بڑی دوکانیں ہیں، روشنی بھی ہے، چائے شربت کی دوکانیں بھی ہیں۔ ہم نے آئسکریم یا برف کی ملائی بھی کھائی۔

یوم ترویہ قاری عبدالغنی صاحب بشیر جو ہارون خان صاحب شیروانی پروفیسر عثمانیہ کالج کے قرابتدار ہیں ہمارے معلم بنائے گئے۔ چھ (۶) کی مغرب کے بعد نجدیوں کے قاضی نے اعلان کیا کہ آج سات (۷) تھی کل آٹھ (۸) ہے اور یوم ترویہ ● ہے۔ تمام شہر میں گڑبڑ ہوگئی اور لوگ سرگرم انتظام ہیں۔ ۸/ کی عصر کو احرام باندھ کر ہم بھی عبدالغنی صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ پروفیسر ہارون خان صاحب انہی کے گھر میں اترے ہوئے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد قافلہ چلا۔ علاوہ پیدل چلنے والوں کے چار شغدف اور چار شبریاں ہیں۔ قاضی عبدالغنی صاحب کے تین بھائی، ایک دوست، پانچ جمّال ساتھ ہیں۔ بڑے انتظام سے ہمارا چھوٹا سا قافلہ چل رہا ہے۔ سب مل کر کوشش کررہے ہیں کہ ہمارے اونٹ کسی سے نہ ٹکرائیں۔ چھ، چھ سات، سات قطاریں مل کر چل رہی ہیں۔ اور ٹکڑیوں سے چیخ و پکار ہے۔ یہ اونٹ گرا وہ اونٹ گرا۔ عبدالغنی صاحب خود بھی احرام باندھے ہوئے ہیں۔ باوجودیکہ خود ان کا ایک اونٹ ہے مگر نہیں، وہ پیدل چل رہے ہیں۔

منیٰ منیٰ میں عشاء کی نماز پڑھی گئی۔

عرفات ۹/ تاریخ کی صبح عرفات پہنچے۔ عرفات کا میدان کیا ہے، میدان حشر ہے۔ ڈیڑھ لاکھ حاجی ان کے اونٹ اور جمال سب ایک کونے میں لگ گئے۔ اس وقت دل پر ایک سخت رقت طاری ہے۔ بہت دور سے اہلِ وطن وطن کو چھوڑ کر بغرض حج حاضر ہوئے ہیں۔ لبیک لبیک کی صدا دے رہے ہیں۔ معلوم نہیں ہمارا حج دربارِ خداوندی میں قابلِ قبول ہے یا نہیں۔

● یوم الترویہ سے مراد ۸/ ذی الحجہ ہے اس تاریخ کی شب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا خواب دیکھا تھا۔ اسی تاریخ کو حاجی مکہ معظمہ سے حج کے واسطے جانب عرفات روانہ ہوتے ہیں اور ۹/ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ اس میدان کے تین طرف پہاڑی کا سلسلہ ہے۔ میدان میں ایک طرف چھوٹی سی پہاڑی ہے جو جبل رحمت کہلاتی ہے۔ (۸ تاریخ کو حاجیوں کے لئے منیٰ میں پانی اکٹھا کیا جاتا تھا اس لئے بھی اسے یوم الترویہ کہتے ہیں)۔

خدائے تعالیٰ کے کون سے نیک بندے ہیں کہ ان کا حج قبول ہوگیا۔ ان کے طفیل سے دوسرے حاجیوں کا حج بھی مقبول ہوگیا ہے۔ اللھم لاتجعل منا شقیا او مطرودا۔ امام زین العابدین کی "صحیفہ کاملہ" میرے ساتھ ہے اس میں سے دعائے عرفات پڑھ لی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس نفس قدسی کے وسیلے سے اس دعا کو میرے لئے بھی قبول فرمالے۔ جبل الرحمۃ ہمارے سامنے ہے۔ نہ کسی خطیب کو ہم نے خطبہ پڑھتے سنا۔ نہ توپوں کی سلامی ہی ہوئی۔ نہ حاجیوں نے مبارک بادی کے طور پر رومال ہلائے۔

گرمی بڑی شدت کی ہے۔ میں ہمیشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت پر عمل کرتا ہوں۔ علیکم بالشمس فانھا حمامات العرب یعنی دھوپ میں کبھی چھتری نہیں لیتا۔ نیز حیدرآباد خود ایک گرم ملک ہے۔ کشمیری، مغربی، ایرانی، دمشقی جو سرد ممالک کے رہنے والے ہیں ان کو سخت تکلیف ہے۔ ہاں اُن حیدرآبادیوں کو بھی تکلیف ہے جو بگھیوں میں بیٹھتے بھی تھے تو خس کی ٹٹیاں چھوڑ کر۔ بہرحال گرمی سے لوگوں کے دماغ مختل ہوئے جارہے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے سرسام ہوا جارہا ہے۔ مرنے والے مرتے بھی جاتے ہیں۔

| مزدلفہ اور منیٰ | زوال کے بعد سے جانے والے جانے لگے۔ ہم عرفات سے مغرب کے بعد نکلے اور "مزدلفہ" اتر پڑے۔

مزدلفہ سے منیٰ لے جانے کے لئے اونٹ والوں نے دیر کی لہٰذا ۸ یا ۱۰ بجے ہم پہنچے۔ ہارون خاں صاحب نے منیٰ میں ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ خیمے بھی تھے۔ شغدف اور شبریاں بھی تھیں۔ ●

ہارون خان صاحب نے اس نفسا نفسی کی جگہ ہم کو اپنا مہمان کرلیا۔ امیر صاحب نے اپنے پاس جو کچھ کھانے کا سامان تھا ان کے حوالے کردیا۔ ہارون خان صاحب نے خوب مہمان داری کی۔ لو خوب چل رہی تھی۔ ملک الموت اپنے فرائض بڑی مستعدی سے ادا کرتے نظر آرہے ہیں۔ راستہ کے ایک طرف ہم ہیں اور دوسری طرف مسجد خیف۔ جو مرتے ہیں سب مسجد خیف کے پاس جمع کئے جاتے ہیں۔ سرکاری طور سے معلوم ہوا کہ اس دن پانچ ہزار آدمی مرے۔ ہم لیموں کا شربت، تخم ریحاں کا شربت، آلو بخارا، تربوز کھاتے خدائے تعالیٰ کے دامنِ فضل و کرم میں پاؤں پھیلائے لیٹے ہیں۔ دوپہر کے وقت ہارون خان صاحب نے اس گھر میں جو صرف پتھر پر پتھر رکھ کر بنایا ہوا ایک کوٹھا ہے۔ بیچ میں پردہ باندھ دیا اور ہم وہاں مزے سے خراٹے لیتے سوتے رہے۔ یہ ہارون خاں صاحب کے اخلاق ہیں۔ اصل یہ ہے کہ خدا کا فضل ہے جو مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہورہا ہے۔

● وقوف مزدلفہ "۹/ ذلجہ کی شام کو غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانہ ہوکر حجاج ۱۰/ ذلجہ کی شب کو مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں اور فجر کی نماز کے بعد وقوف کرکے مزدلفہ سے روانہ ہوکر منیٰ پہنچ جاتے ہیں۔

وقوف منیٰ "اول عرفات جاتے ہوئے ۹/ دلجہ کی شب کو حجاج منیٰ میں ٹھیرتے ہیں ۹/ ذی حجہ کے دن عرفات میں بسر ہوتا ہے۔ ۱۰/ ذی حجہ کی شب کو مزدلفہ میں قیام رہتا ہے پھر ۱۰/ ذی حجہ کی صبح سے ۱۲/ ۱۳/ ذی حجہ کی شام تک منیٰ میں قیام کرتے ہیں۔ مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے ۷۰ ستر کنکریاں رات ہی میں لے لیتے ہیں۔ ۱۰/ ذی حجہ کی صبح جمرۃ العقبہ کو سات کنکریاں مارتے ہیں۔ اپنے مقام پر واپس آکر قربانی کرتے ہیں (پھر رمی اور قربانی سے فارغ ہوکر) سر منڈالیتے ہیں جس کو حلق کہتے ہیں۔ عورتیں قصر کرتی ہیں۔ اس کے بعد مکہ معظمہ جاکر طواف و سعی کرنے کے بعد پھر منیٰ واپس ہوجاتے ہیں۔ پھر ہر روز ۱۱/ ۱۲/ ذی حجہ تینوں جمار کو یعنی پہلے پھر جمرۃ الاولیٰ پھر جمرۃ الوسطیٰ اور پھر جمرۃ العقبہ اسی ترتیب سے سات سات کنکریاں مارتے ہیں۔

جمرہ عقبہ | ۱۰/ ذی حجہ جمرہ عقبہ کی رمی ● کے لئے پیدل نکلے ۔ رمی جمار کے بعد ہم اپنے مستقر کو واپس ہوئے ۔ چار روپیہ چار آنے کو (قربانی کے لئے) بکری ملی جابجا جانور ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں ۔ جس سے ہر طرف تعفن ہے ۔ سر مونڈنے کی دکانیں بھی ہیں ۔ چار آنے دیجئے دو چار انگل سر مونڈ دے گا ۔ اور اتنا ہاتھ تیز چلائے گا کہ کچھ نہ کچھ چرکا ضرور لگ جائے گا ۔ ہم غریب ہندوستانی زخموں کو کیونکر برداشت کرسکتے ہیں ۔ ہمارا "حلق" دوسرے روز پر موقوف رہا ۔ ایک ہندوستانی حجام مل گیا جس نے بڑے اطمینان اور صفائی سے حجامت بنائی ۔ آج ہمارے پاس ہمارے جمال حاجی عبداللہ آئے تھے ۔ میں نے ٹسر کا عمامہ دیا ، حافظ صاحب نے کرتا دیا ، امیر صاحب نے پائجامہ اور کمربند ۔ حبیب صاحب نے نعلین دیئے ۔ کپڑے پہنا کر میں نے کہا " جب تم گھر پہنچو گے تو تمہاری دلہن کا دل باغ باغ ہوجائے گا کہ دولہا بڑے شاندار لباس میں ہے " اور آئینہ دیا کہ صورت دیکھئے ۔ آئینہ دیکھ کر مجھ سے کہا " شیخ میں شیخ الجمالین نہیں شیخ العرب معلوم ہوتا ہوں ۔ ہم نے چائے پلائی ۔ بڑے خوش خوش ہم سے رخصت ہوئے ۔

۱۱/ ذی الحجہ کو فی کس ایک ریال دے کر اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر مکہ شریف پہنچے اور طواف و سعی کی ۔ طواف و سعی سے فارغ ہوکر ہم پھر منیٰ کو واپس چلے گئے ۔

۱۲/ ذی الحجہ کو ہم لوگ رمی جمار سے فارغ ہوکر مکہ شریف آگئے ۔

۱۴/ ذی الحجہ پروفیسر ہارون خاں صاحب نے ہمارے لئے شاہ نجد کے پاس سے بعد مغرب کے داخلہ کی اجازت حاصل کرلی ۔ کل صبح ہماری روانگی ٹھیر چکی ہے ۔

طوافِ صدر | عشاء کے بعد طواف صدر یا طواف وداع کا اردہ کیا ، عبدالغنی صاحب معلم ہمارے ساتھ تھے ۔ بخار کی وجہ سے میرے لئے سبزہ رنگ دراز گوش لایا گیا ۔ بہ تعمیل حکم امیر صاحب و تکمیل قاعدہ سفر عرب تھوڑی دیر کے لئے دراز گوش یعنی گدھے پر سوار ہوکر اتر گیا ۔ عبدالغنی صاحب نے اس پر ضروری سامان لاد کر موٹر کے پاس روانہ کردیا ۔ طواف صدر کے وقت بڑی برکت اور سرفرازی کے آثار پائے گئے ۔ کیا تعجب ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہمارا حج قبول فرمائے ۔ اپنے اور اپنے قرابتداروں اور محبوں کے لئے دل کھول کر دعائیں کیں ۔ امید ہے کہ وہ قبول ہوگئی ہوں گی ۔ پھر موٹر کے قریب کے قہوہ خانہ میں جاکر سو رہے ۔ موٹر نئی اور عمدہ کارخانہ کی ہے ۔

۱۵/ ذی الحجہ صبح ہورہی ہے ۔ قہوہ خانہ کی صراحیوں سے پانی جمع کرکے ہم نے وضو کیا اور وہیں ایک جانب نماز پڑھ لی ۔ ۳/۴ ۴ بجے ہیں اور موٹر روانہ ہورہی ہے ۔ ، بجے جدہ جاپہنچے ۔ جدہ میں قاعدہ ہے کہ مکہ شریف میں معلم رہتے ہیں ان کا وکیل یہاں بھی رہتا ہے جو حجاج کی ضروریات کا انتظام کرتا ہے ۔ غرض کہ خالد کے مکان میں خاصی جگہ ہم کو مل گئی ۔

● " رمی جمار " ۔ منیٰ میں ۱۰ ذیحجہ سے ۱۲/ یا ۱۳/ ذی الحجہ تک قیام کرتے ہیں ۔ ۱۰/ ذی الحجہ کو صرف جمرۃ العقبہ کو سات کنکریاں مارتے ہیں ۔ پہلے روز طلوع آفتاب سے دوپہر تک وقت مسنون ہے ۔ زوال سے غروب آفتاب تک مباح ، بعد غروب مکروہ الاضعفوں اور عورتوں کے کہ ان کے لئے بعد غروب مکروہ نہیں ۔ باقی دنوں میں رمی کا وقت زوال سے غروب آفتاب تک ہے ۔ قبل زوال جائز نہیں ۔

۱۸/ ذی الحجہ خالد جو شمشیر براں ہیں ہم پر مہربان ہیں۔ اصل میں خدا ہم پر مہربان ہے۔ یا تو اندیشہ تھا کہ ہم کو جدہ میں ایک مہینہ تک انتظار کرنا پڑے گا یا تین دن میں ٹکٹ مل گیا۔ یہ مسبب الاسباب کے فضل و کرم کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے۔ بیدک الخیر انک علیٰ کل شیء قدیر مکہ شریف سے سامان اونٹوں پر بار ہوکر آ گیا۔

۱۹/ ذی الحجہ حبیب علی صاحب کا مکہ کا ٹکٹ مل گیا۔ ۲۱/ کو جہاز روانہ ہوگا۔

جہاز سے واپسی　تجربہ سے ثابت ہوا کہ خالد ہمارے لئے رحمتِ خدا ہے۔ خود پہنچانے ساحل تک آئے۔ سامان کشتیوں میں احتیاط سے رکھوا دیا اور ہم کو بھی سوار کرادیا۔ پردے کی کشتی ہے اور ہم کو اڑائے لئے جارہی ہے۔ جہاز کے قریب پہنچے تو کشتیوں کا ہجوم ہے۔ آدمیوں کی کشمکش ہے۔ کشتیوں پر سے کودتے پھاندتے امیر صاحب اور سیدھا چاند صاحب جہاز پر چڑھ گئے۔ بڑی دیر کے بعد ہماری کشتی کا نمبر آیا اور وہ جہاز سے جا لگی۔ کشتی سے سیڑھی تین چار فٹ بلند ہے۔ قدم خطا کرے تو سمندر میں غوطہ۔ برنی صاحب اوپر سے دیکھ رہے ہیں۔ بسم اللہ کہہ کر سیڑھی کا ڈنڈا پکڑ کر ایک جست کی بس سیڑھی پر تھا۔ پھر کیا تھا اپنے رفیقوں سے جاملا۔

۲۲/ ذی الحجہ کو جہاز عدن کے قریب سے گذر گیا۔

۲۴/ ذی الحجہ مون سون کی ہوا بہت زور سے بہنے لگی۔

۲۵/ ذی الحجہ۔ جہاز میں یالطیف کی زکوٰۃ دے رہا تھا۔ (لاکھ سوا لاکھ پڑھنے کو صوفیہ زکوٰۃ کہتے ہیں) آج یکایک مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میری دونوں کنپٹیوں سے سرچ لائٹ سے زیادہ تیز روشنی نکلی۔ اس روشنی سے میرا دل و دماغ پریشان ہوگیا۔ سخت اختلاج ہونے لگا۔ سکرات کا مزہ آگیا۔ اس وقت پڑھنا چھوڑ دیا اور بے قرار ہوکر کھڑا ہوگیا۔ امیر صاحب نے پریشانی کی جو حالت دیکھی تو مجھے ہاتھ پکڑ کر عرشہ یعنی ڈک پر لے گئے۔ سکنڈ کے سامنے کے حصہ میں تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ اس واقعہ سے کئی دن تک میرے دل و دماغ پر اثر رہا۔

۲۷/ ذی الحجہ: صبح کے قریب بمبئی کا منارہ نظر آنے لگا۔ یعنی لائٹ ہاؤس دنیا یا خشکی کو پہنچنے کی جو امید بندھی تو گھر دار، بیوی بچے، دوست آشنا یاد آنے لگے۔ ۹ بجے جہاز گودی پر پہنچا۔ اول بیمار اتارے گئے۔ پھر تندرستوں کو اترنے کی اجازت ہوئی۔ گودی پر اترتے ہی ایک پان والا ملا۔ ہم سب نے لے کر پان کھایا۔ یا تو میں پان اور تمباکو (زردہ) دن بھر کھاتا تھا یا مہینوں ہوگئے ہیں۔ نہ پان ہے نہ تمباکو۔

واپسی بمبئی تا حیدرآباد از ریل　سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور ریل میں جا بیٹھے۔ اتنا بڑا سفر کل چار مہینوں میں ختم ہوا۔ میں تو اس قابل نہ تھا کہ لوگ میرے آنے کو اس قدر اہمیت دیتے۔ حیدرآباد کا اسٹیشن استقبال کے لئے آنے والوں سے بھر گیا۔ میں نے حضرت یحییٰ پاشاہ (حضرت کے مرشدزادے) کو دیکھا تو دل بے قرار ہوگیا۔ میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ بادشاہ سے ملوں اور وہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے باپ کے غلام سے ملیں۔ مگر ہجوم کی وجہ سے ملنا دشوار ہوگیا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ جلوس کے ساتھ گھر چلیں۔ مگر ملتے ملتے بہت دیر ہوگئی ہے۔ مغرب کا وقت قریب آگیا ہے۔ مولوی انوار الحق صاحب اور دوسرے حضرات کی موٹریں تیار ہیں۔ گلے میں کے پھول موٹروں میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ راستے والے سلام کرتے جاتے ہیں۔ گھر پر بہت لوگ جمع ہیں۔ زنانہ میں تمام قرابتدار بیبیاں اور قادریات جمع ہیں۔ گھر پر بھی پھول پہنائے گئے اور مصافحے اور التماس دعا کا سلسلہ چلتا رہا۔

(حضرت کا روزنامچہ سفر عرب ختم ہوا)۔

۱۰ ۔ حلیہ

حضرت کا قدمیانہ مائل بہ قصر ۔ رنگ گندمی سرخی لیا ہوا ۔ غصہ اور مسرت کے موقع پر بہت زیادہ سرخ ۔ گٹھیلا مضبوط بدن ، زیادہ موٹے نہیں مگر وجیہہ سر بڑا حلق کیا ہوا ، جب حلق نہیں فرماتے تھے تو گھنی گھنگھروالی زلفیں تھیں ۔ چہرہ بارعب روشن کتابی قدرے گولائی لیا ہوا ، پیشانی نورانی بلند و کشادہ ۔ وسط پیشانی میں ہلال واضح ۔ چوڑی کمانیدار قریب بہ متصل ابرو ۔ پر خمار غلافی بڑی بڑی خوبصورت اور خوب نورانی آنکھیں ۔ آنکھوں میں لال ڈورے ۔ پتلی سبزی مائل جس میں غیر معمولی چمک ۔ کوے کھلے ہوئے ۔ پلکیں ڈاٹ لمبی لمبی ۔ ناک بلند اور نتھنے کشادہ ۔ رخسار ابھرے ابھرے ۔ دہانہ قدرے کشادہ ۔ داڑھی گھنی سفیدی غالب ۔ سینہ کشادہ ۔ جوڑ بند چوڑے ۔ اعضاء میں تناسب ۔ شکم ابھرا ہوا ۔ ہتھیلیاں نرم کشادہ ۔ انگلیاں پر گوشت ۔ چلتے تو قدم اٹھا کر تیز تیز اور نزدیک قدم ڈال کر چلتے ۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے اوپر سے اترتے ہیں ، سنت کا نمونہ ہیں ۔ ہر عضو سے سنجیدگی و متانت نمایاں ۔ چہرہ کے خد و خال وضع قطع اور نشست و برخواست سے عربیت نمایاں تھی ۔ دیکھنے میں بالکل مدنی معلوم ہوتے تھے ۔

ایک مرتبہ بعد نماز جمعہ حاضر خدمت ہوا ، دور سے چہرہ پر نظر پڑی تو محسوس طور پر کچھ تبدیلی نظر آئی ۔ قریب آکر دیکھا ، داڑھی بہت چھوٹی ہوگئی تھی ۔ عرض کیا حضرت ! کیا کسی نئے اصلاح ساز نے اصلاح بنائی ہے ؟ فرمایا ، نہیں ۔ عرض کیا پھر یہ اصلاح ساز کو کیا سوجھی تھی کہ داڑھی بہت زیادہ چھوٹی کردی (عام طور پر دیکھنے میں حضرت کی داڑھی ایک مٹھی کے اتنی نظر آتی تھی) فرمایا " داڑھی ذرا زیادہ بڑھ گئی تھی ۔ لوگ زیادہ آنے لگے تو خیال ہوا ، داڑھی کے بڑھ جانے سے چہرہ سے شاید تقدس ظاہر ہورہا ہے اس لئے اصلاح ساز سے کہا داڑھی چھوٹی کردے " ۔

ایک مرتبہ حسینی پاشاہ حضرت نے پوچھا " باوا جان یہ آپ کی آنکھوں میں اتنا نور کیسے ہے ؟ حضرت نے جواب دیا " باوا ! جوانی جیسی جوانی گذر گئی کسی عورت کو آج تک نظر بھر کر نہیں دیکھا " ۔

ایک دفعہ ایک خاتون حاضر خدمت ہوئیں اور سلام کیا ۔ حضرت نے سرسری انداز سے جواب دے دیا ۔ انھوں نے بطور گلہ عرض کیا " حضرت ! آپ نے مجھے پہچانا نہیں ہے ؟ میں فلاں ہوں ، حضرت نے فرمایا " میں کسی عورت کو یاد رکھنے کی نظر سے دیکھتا ہی نہیں " ۔

ایک مرتبہ فرمایا " اپنی آنکھوں سے کب دیکھ رہا ہوں ، میں محمدؐ کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں " ۔

۱۱۔ لباس

حضرت ہر قسم کا لباس پہنتے تھے۔ اپنا کوئی خاص بانا مقرر نہیں فرمایا تھا۔

گھر میں عام طور پر سفید لمبا کرتا، پاجامہ اور سر پر عربی وضع کی سفید ٹوپی اور رومال یا شال گلے میں حمائل رہتا۔ تسبیح بھی گلے میں ڈالے رہتے تھے۔ جب دل چاہتا گلے میں سے تسبیح اتار کر پڑھنے لگتے۔

دعوتوں یا شادی بیاہ کی تقاریب میں تشریف لے جاتے تو جامہ وار کی شیروانی زیبِ تن فرماتے۔ عمدہ قسم کا عمامہ باندھتے اور ہاتھ میں تلوار رہتی۔

کالج کے دور میں سرج کے سیاہی مائل نیلے رنگ کی شیروانی۔ نرم بالوں کی اونچی دیوار کی سیاہ ٹوپی پہنتے۔ دوہرا پاجامہ پہنا کرتے۔ پاؤں میں قیمتی پمپ شوز رہتا اور گلے میں ناسی یا گجگی رنگ کا قیمتی شال حمائل ہوتا۔

وظیفہ پر بیٹھنے کے بعد حضرت آلیوگرین یا شاہ خاموشی رنگ کے دبیز کپڑے کا کرتا اور پاجامہ ایک عرصہ تک پہنا کئے۔ سر پر رومال لپیٹ لیتے۔ ہاتھ میں بنوٹ کی لکڑی جس کے دونوں کناروں پر نوک دار شام لگی ہوئی رہا کرتی۔ پاؤں میں نعلین یا پمپ شوز بڑی سے بڑی دعوت میں اٹھے اٹھے چلے جاتے قطعاً کوئی اہتمام نہ فرماتے۔

اعراس میں شرکت کی غرض سے تشریف لے جاتے تو چوبغلہ بھی کبھی کبھار پہن لیا کرتے تھے۔

کہیں جلسوں کی صدارت یا سرکاری مجالس میں جانا ہوتا تو شاہا، عبا، عمامہ پہننے کا اہتمام فرماتے تھے۔

سرما میں حضرت نے کوٹ اور سوئٹر بھی پہنا ہے۔

آخری زمانہ میں گدڑی بھی استعمال فرمائی۔ سر پر ٹوپی بھی اسی کے ساتھ کی پہنتے تھے۔

حضرت کا ڈیل ڈول اور چہرہ مہرہ ایسا تھا کہ ہر لباس آپ پر خوب پھبتا تھا۔

۱۲۔ خور و نوش

ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا ۔ حضرت دو پہر کے خاصہ پر تھے ۔ خاصہ تناول فرمانے کے انداز کو بغور دیکھتا رہا ۔ عام لوگوں کی طرح خشکہ اور سالن ملاتے نہیں تھے ۔ تھوڑے سے خشکہ پر سالن رکھتے اور پھر سالن پر خشکہ اور نوالہ اٹھاتے صرف اوپر کی پوریں ہلکی سی متاثر ہوتیں بعد میں ان کو چوس لیتے تھے ۔

حضرت کے خاصہ سے فارغ ہونے کے بعد عرض کیا ۔ آپ کے خاصہ تناول فرمانے کے انداز کو بغور دیکھا ۔ فرمایا " کیا دیکھے اور کیا سمجھے " ؟ عرض کیا دسترخوان پر تین سالن تھے ۔ حضرت نے تینوں سالنوں کو یکے بعد دیگرے خشکہ میں ملاکر خاصہ تناول کیا ۔ پھر پہلے اور دوسرے سالن کو ملاکر ، پھر دوسرے اور تیسرے سالن کو ملاکر ۔ اس کے بعد پہلے اور تیسرے سالن کے ساتھ ، آخر میں تینوں سالنوں کو ملاکر خاصہ ملاحظہ فرمایا ۔ حضرت نے ارشاد فرمایا " کتنے مزے ملے ۔ اگر تینوں کو ملاکر کھاتا تو ایک ہی مزہ ملتا " ۔

ایک مرتبہ فرمایا " خوش ذائقگی ایک معنیٰ ہے ۔ لیکن یہ جب کبھی پائی جائے گی کسی نہ کسی شکل میں پائی جائے گی ۔ جیسے لیمو یا شکر میں ۔ اصل میں شکر یا لیمو جیسی شئے کے ساتھ روح مَس کرتی ہے تو ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے ۔ وہ کیفیت کہاں پیدا ہوئی ؟ مجھ میں پیدا ہوئی ۔ زبان ایک مادی چیز ہے ۔ اس کو کھٹا اور میٹھا کہاں محسوس ہوتا ہے ۔ یہ تمام ذائقے میں محسوس کرتا ہوں ۔ اس کا علم میری ذات کو ہورہا ہے ۔ آپ نے عطر سونگھا ۔ آپ کی ناک کیا سونگھے گی ۔ عطر سے آپ کی روح نے مس کیا تو اس میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی ۔ اس کا نام خوشبو ہے ۔

یہاں ایک واقعہ صرف اس غرض سے بیان کرتا ہوں کہ مزے کے تعلق سے رہبری ہوتی ہے ۔ فصوص الحکم کا درس چل رہا تھا ۔ آخری فص ، فصِّ محمدی کے آخری حصہ کی ایک عبارت پڑھنے کے بعد کرنل جبیب علی صاحب نے عرض کیا ۔ " سرکار ! اس مقام کو ذرا تفصیل سے سمجھائیں " حضرت نے فرمایا " آگے بڑھو " ۔ حاضرین میں سے چند حضرات نے اصرار کیا تو فرمایا " میں اس کے اہل کو سمجھاؤں گا آگے بڑھو " ۔ فص ختم ہوئی ، کتاب ختم ہوئی ۔ کچھ لوگ واپسی کے لئے دست بوسی کرنے بڑھے ۔ حضرت نے دریافت فرمایا " صمدانی کہاں ہے " ؟ فوراً حاضر خدمت ہوگیا ۔ فرمایا " بیٹھو " ۔ بیٹھ گیا ۔ " قریب آؤ " قریب ہوا ۔ " اور قریب آؤ " بالکل قریب ہوگیا ۔ فرمایا " ان سب کو (یعنی اہلِ درس حضرات کو) چلے جانے دو " اور ہاتھ کے اشارہ سے سب کو چلے جانے کا اشارہ کیا ، انداز کچھ ایسا تھا کہ لوگ بغیر ملے سامنے سے ہٹ گئے ۔ حضرت مدینہ منزل کے نئے مکان کے دالان میں درس دے رہے تھے بعض لوگ پھاٹک کے باہر ہوگئے اور بعض کمرہ میں ۔ اور بعض ورانڈے میں جو دالان سے ملحق تھا تیزی سے ہٹ گئے ۔ جب تخلیہ ہوگیا تو حضرت نے مسئلہ سمجھایا پھر فرمایا " یہ لوگ گئے نہیں ٹھیرے ہوئے ہیں تم سے پوچھیں گے ، تم ان سے صرف اتنا کہنا ۔ آم اللہ کا عطیہ ہے ۔ آم ہم کھا رہے ہیں ، آم کھایا جارہا ہے ۔ آم مزہ دے رہا ہے اور ہم مزہ لے رہے ہیں ۔ نہ ہم نہ آم ، مزہ ہے مزہ ہی مزہ ہے ۔ کیا مزہ ہے " ۔ مزہ کی خاص حالت میں چہرہ پر مزہ کی کیفیت نسبت الی الحق کے ساتھ پیدا ہونے پر جو محویت اور خود فراموشی پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں میں جو چمک اور نشہ کی سی کیفیت نمایاں ہوتی ہے وہ تاثر پیش کیا اور اس کو اپنے چہرے سے نمایاں کیا تاکہ بات پوری طرح پلے پڑجائے تاکہ آئندہ اپنے وقت پر صحیح طور پر عمل میں آسکے ۔ اور ماسویٰ اللہ سے بے خبری ہوسکے ۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ایک مرتبہ فرمایا" حواس دو قسم کے ہوتے ہیں۔
۱۔ فنا کے پہلے تو بھی تھا، تیری لذت بھی تھی یہ شرک ہے۔
۲۔ فنا کے بعد جو لذت ملتی ہے وہ اللہ ہی کو ملتی ہے۔

ہمارے یہاں کا مسئلہ ارتقاء کا ہے۔ فنائیت کے بعد سب کا حق ادا کرنا ہوتا ہے۔ ہم غفلت کی آرزو نہیں کریں گے۔

ایک مرتبہ فرمایا" حضرت بایزید سلطان العاشقین کہلاتے ہیں۔ آپ ایک مرتبہ فرمائے کہ دودھ پیا تھا، پیٹ میں درد ہورہا ہے۔ بس اتنی سی بات پر پکڑ ہوئی۔ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے۔ پوچھا گیا ہمارے لئے کیا تحفہ لائے؟ عرض کیا تیری معرفت۔ جواب ملا خوب معرفت ہے کہ پیٹ کا درد کا سبب دودھ بن رہا ہے"۔

ایک مرتبہ فرمایا" ایک وقت ایک بہت زہریلا بچھو پیٹھ میں ڈنک مارا تو اس جگہ اتنی تکلیف تھی کہ چھالا آگیا۔ میں اس وقت لوائح جامی پڑھ رہا تھا۔ کسی دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہو تو میں بولتا، ارے میں کہاں ہوں؟ تو وہ درد غائب ہوجاتا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہونے لگتا کہ نہیں تو ہے اور میں تجھے ڈنک مارا ہوں۔ پھر میں کہا۔ ارے! کہاں ہوں میں؟ تیرے بولنے سے میں شرک کرتا ہوں؟"

ایک مرتبہ فرمایا" بھوک لگنا کیا ہے؟ گویا رزاق پوچھ رہا ہے بندے سے کہ تجھے کھانا ہونا کیا؟ اسی طرح تمام فطری طلبوں کا حال ہے۔ تجھے کھانا ہونا کیا؟ نیند ہونا کیا؟ بول تجھے کھانا دیتا ہوں۔ گویا سب کام ان ہی کے ذمہ ہیں۔ کھانے کی طلب، کھانا دینا، اور کھانا بن کر آنا۔ آدمی کچھ اسی وقت مانگے گا جب اس کے دل میں آئے گا۔ اور یہ دل میں آنا رزاق کی طرف سے ہے۔ اور یہ ہر بندے کو پیش آتا ہے۔ یہی مطلب ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (اقبالؒ)

میری عمر لگ بھگ آٹھ یا نو سال ہوگی۔ ہم لوگ والدہ کے ساتھ حضرت کے پاس مہمان گئے۔ حضرت رکاب گنج کے گھر میں تھے۔ حضرت بڑے گھر میں رہتے تھے۔ اور منجھلے گھر میں لوگوں سے ملاقات کرتے۔ منجھلے گھر میں دالان در دالان کے ایک طرف لمبا کمرہ تھا۔ جس میں حضرت کا کتب خانہ تھا۔ اس کے بالمقابل ایک اور لمبا اور کشادہ کمرہ تھا، جس میں حضرت آرام فرماتے تھے۔ اس میں حضرت کی مسہری، ورزش کا سامان اور کپڑوں کی الماری تھی۔ یہ کمرہ بسنتی کمرہ کے نام سے موسوم تھا۔ اس میں سے بڑے گھر میں جانے کے لئے دروازہ تھا۔ دلہنوں کو بھی برکتاً اسی کمرہ میں اتارا جاتا تھا۔ میں جو والدہ کے ساتھ پہنچا اور حضرت کو بڑے گھر میں نہ پایا تو حضرت سے قدم بوسی حاصل کرنے کے شوق میں منجھلے گھر میں بھاگا۔ دیکھا تو دالان میں حصیر پر بیٹھے حضرت ایک صاحب کو درس دینے میں مشغول ہیں۔ وہ صاحب سفید عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ اور داڑھی سفید تھی۔ حضرت ان کو توحید کا مسئلہ سمجھا رہے تھے۔ اور بالکل منہمک تھے۔ میرے قریب آجانے کا بھی حضرت کو احساس نہ ہوا۔ میں حضرت سے ملے بغیر خاموش کھڑا ہوگیا۔ اور گفتگو سننے لگا حضرت ان سے فرما رہے تھے" باوا! کھانا کھاتے وقت خیال کرنا" اللہ کی تجلی کھانے کی صورت میں ہے، اور یہ تجلی ظاہر سے باطن

میں جارہی ہے ۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی ۔ حضرت نے مثال دی " جیسے بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل لیتی ہے ظاہر سے باطن کرلیتی ہے اپنا جزو بدن بنالیتی ہے "۔ اتنی واضح مثال کے بعد بھی بات ان کے پلے نہیں پڑ رہی تھی ۔ مگر میں پوری طرح سمجھ رہا تھا ۔ مجھے خیال آرہا تھا کہ حضرت یہ سمجھارہے ہیں کہ اللہ کی تجلی کھانے کی صورت میں کھائی جارہی ہے ۔ اور اللہ کی تجلی کھانے والے کی صورت میں اس تجلی کو جو کھانے کی صورت میں ہے کھا رہی ہے ۔ ظاہر سے باطن کر رہی ہے ۔ اپنا جزو بدن بنا رہی ہے ۔ یہ سوچتے ہوئے بے اختیار سوال کر بیٹھا " حضرت یہ تو کھانا کھاتے وقت کی بات ہوئی ۔ ضرورت سے بیت الخلا جائیں تو کیا خیال کرنا ؟ " حضرت میری طرف اب تک متوجہ نہیں ہوئے تھے ۔ اچانک سوال پر چونک پڑے اور نظر اٹھاکر بغور میری طرف دیکھا چہرہ سے تعجب اور آنکھوں سے غیر معمولی محبت کا اظہار جھلکا مگر ساتھ ہی ڈانٹ کر کہا " یہ تمہارے کرنے کا سوال ہے ، جاؤ کھیلو ۔ میں گھبرا کر بغیر ملے بڑے گھر کی طرف رخ کیا ۔ مگر یہ بات میرے دل و دماغ میں شدت کے ساتھ اور پورے یقین کے ساتھ اتر گئی اور تصوف سے میری دلچسپی کی ابتداء بن گئی ۔

(میں نے حضرت سے جو سوال کیا تھا اس کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ آپ کے خیال میں بچہ ہے اور آپ نے خیال کیا کہ بچہ پیشاب کر رہا ہے ۔ اور آپ کا خیالی بچہ پیشاب سے فراغت بھی حاصل کیا ۔ اس کے پیشاب کرنے سے آپ کی ذات پر کیا اثر آیا ؟ کچھ اثر نہ آیا اور نہ آپ کی پاکیزگی ہی متاثر ہوئی ۔ آپ کے خیالی بچہ نے پیشاب کیا نہ کہ آپ نے ۔ خارج میں تو آپ ہیں بچہ تو آپ کے خیال میں ہے اور وہ خارج میں آ بھی نہیں سکتا ۔)

بچپن کا یہ تذکرہ جب آہی گیا ہے تو آگے کا حال بھی سن لیجئے اگر چہ موضوع سے ہٹا ہوا ہے ۔ مگر ہے اسی دن کا ۔ حضرت درس ختم کرکے اندر تشریف لائے اور والدہ نے حضرت سے قدم بوسی حاصل کی ۔ میری والدہ حضرت کی نہایت چہیتی صاحبزادی تھیں ان کو اپنے والد سے عشق تھا ۔ گھر میں اکثر فرمایا کرتی تھیں " باوا جان رسول اللہ میں فنا ہیں ۔ میں ان کو دیکھ دیکھ کر درود پڑھتی ہوں "۔ یہ بات والدہ نے اتنی بار کہی تھی کہ ہمارے ذہن پر چھا گئی تھی ۔ والدہ کے زیرِ اثر ہماری نظر کھلی تو بجائے نانا کے مظہر رسول پر نظر پڑنے لگی تھی ۔ حضرت والدہ سے باتیں کر رہے تھے اور پان ملاحظہ فرما رہے تھے اور میں بچوں کے ساتھ بھاگ دوڑ میں مصروف تھا مگر حضرت سے غافل نہ تھا ۔ اسی کھیل کود کے دوران حضرت کے قریب سے گزرا تو مجھے مخاطب کرکے فرمایا " بیٹے ! ذرا میری پیٹھ پر کودو ۔ اور حضرت دیوار سے قریب سرکنے لگے اور دیوار کے قریب لیٹ گئے ۔ مجھے حضرت کی خدمت کا یہ پہلا موقع تھا ۔ ذہن میں احترام کی وجہ سے تھوڑا تامل تو ہو رہا تھا مگر تعمیل حکم کا خیال خدمت کا شرف حاصل کرنے پر مائل بھی تھا ۔ اور اس بات کا تردد بھی تھا کہ حضرت ، رسول اللہ میں فنا ہیں میں یہ خدمت کیسے کروں ، ساتھ ہی دل میں خیال آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اپنے نواسوں کو پیٹھ پر بٹھا لیتے تھے حضرت اس ترکیب سے یہ سنت پوری فرما رہے ہیں کیونکہ میں بھی حضرت کا نواسہ ہوں ۔ اتنے میں حضرت نے پیٹھ پر کودنے کے مقصد سے " ہوں " کہا ۔ میں فوراً امام حسنؓ کا تصور کرکے پیٹھ پر چڑھا اور کودنے لگا ۔ حضرت نے فرمایا " ہوں " کودو زور زور سے کودو ۔ میں خیال کرتا گیا کہ میں نہیں کود رہا ہوں ، امام حسنؓ کود رہے ہیں ۔ اور دیوار پکڑ کر زور زور سے اچھل اچھل کر کودنے لگا ۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا " اچھا اب بس شاباش "۔

ایک مرتبہ حضرت پانی پی رہے تھے ۔ فرمایا " باوا ! پانی میں حیات کی تجلی ہے ۔ قرآن میں ہے کل شی ء حی من الماء ۔ یہ حیات کی تجلی ظاہر سے باطن ہورہی ہے ۔ پانی پیتے وقت پانی جب حلق سے اترتا ہے تو حلق سے حی کی آواز نکلتی ہے ۔ حی حی کا خیال کرتے ہوئے پانی پینا چاہیئے "۔

ایک مرتبہ دوپہر کے وقت کمرے میں داخل ہوا ۔ حضرت تنہا تھے ۔ پیٹھ دروازے کی طرف تھی ، کچھ مصروف تھے ۔ میں قریب پہنچا اور قدم بوسی حاصل کی ۔ دیکھا تو جوار کی چھوٹی سی روٹی ، روغنی روٹی کے اتنی ہاتھ میں ہے اور ایک المونیم کے کٹورے میں انباڑے کی بھاجی ۔ مجھے بڑا تعجب ہوا ۔ ہوسکتا ہے ۔ کسی عقیدت مند نے اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہو ۔ حضرت نے مجھے دیکھا تو فرمایا " فقیروں کی غذا ہے کھاتے ؟ " میں سمجھا کہ کیا فرمارہے ہیں ۔ طلب کرنے سے ڈرا اور عرض کیا " حضرت آپ خود کھلائے تو کھاتا ہوں "۔ (یعنی کھلانے ، کھانے اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ گزرنے والا ہے اس کو اٹھانے کی ساری ذمہ داری آپ کی) ۔ حضرت نے اس روٹی میں سے پاؤ روٹی توڑ کر عنایت فرمائی ۔ میں حضرت کے ساتھ اسی کٹورے میں سے بھاجی لیتا گیا اور کھاتا گیا ۔ ع

وہ خود کریں نگاہ تو پھر کیا کریں گے ہم

ایک مرتبہ درس میں فرمایا " اپنے کسب کی روٹی کھاؤ اور اگر بغیر محنت اللہ تعالیٰ دے دے تو اس کا شکر ادا کرو "۔

موسم گرما تھا ۔ دوپہر کے وقت مدینہ منزل کے بیرونی مکان کے کمرہ میں حضرت تخت پر لیٹے ہوئے تھے اور چند حضرات حضرت کو گھیرے کھڑے تھے ۔ میں بھی پہنچا اور ان کے پیچھے جہاں جگہ ملی کھڑا ہوگیا ۔ حضرت نے فرمایا " پان " ایک صاحب دوڑے ، گلاس میں پانی لیا اور تھرماس میں سے برف کے چند ٹکڑے ڈال کر حضرت کے ملاحظہ میں پیش کیا ۔ حضرت نے فرمایا " یہ کیا ؟ میں پان کہا تھا " پھر حاضرین سے مخاطب ہوکر استفسار فرمایا " کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے پانی پیا جائے یا نہیں "۔ بعض لوگوں نے عرض کیا حضرت کی مرضی ۔ فرمایا " میری مرضی ہوتی تو پوچھتا کیوں تھا "۔ حضرت سے معروضہ کیا گیا یہ جب لاہی لئے ہیں تو ملاحظہ فرمالیں ۔ فرمایا " اچھا اٹھاؤ " حضرت کو سہارا دے کر اٹھایا گیا ۔ حضرت گاؤ تکیے سے لگ کر بیٹھ گئے ، اور گلاس لے کر پانی پینے لگے ۔ برف کی ڈلی منہ میں آئی تو فرمایا " یہ برف کی ڈلی ہے کتے ، اس کو چبانا کتے " حضرت کے دانت آخر تک مضبوط رہے برف چبانے کی آواز سنائی دی ۔ پھر حاضرین پر نظر دوڑائی اور گلاس میری طرف بڑھادیا ۔ گلاس لے کر میں نے باآواز بلند کہا " یہ میں ہوں کتے " یہ گلاس ہے کتے ، اس میں پانی ہے کتے ، اس کو پینا کتے ، اور پانی پینے لگا ۔ برف کی ڈلی منہ میں آئی تو کہا " یہ برف کی ڈلی ہے کتے ، اس کو چبانا کتے ، اور برف چبانے لگا ۔ سب لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے ۔ خود حضرت بھی ملاحظہ فرمارہے تھے اور میری آواز بھی سن رہے تھے ۔

(کتے کے مفہوم کو اس طرح سے سمجھئے ، مثلاً کوئی یہ کہے " فلاں بات ایسی ہے کتے " کتے کہنے سے ایک قسم کا مطلب میں جھول پیدا ہوگیا ۔ یعنی فلاں بات ایسی بھی ہوسکتی ہے اور نہیں بھی ہوسکتی ہے ۔ کتے (دکھنی زبان کا لفظ) کہنے سے بات غیر یقینی ہوجاتی ہے ۔) حضرت کا شعر ہے ۔

حسرت بخدا عجب تماشہ ہوں میں ÷ میں ہوں بھی سہی اور نہیں ہوں بھی سہی

اصل میں موجود تو اللہ ہے ، وجود تو اسی کا ہے ۔ اور ساری تعینات وجود ہی کے ہیں ۔ مگر اللہ ہی کے علم کے عین مطابق ۔ موجود تو وجود ہے مگر تعین تو علمی ہے ۔ انتزاعی ہے ، خیالی ہے ۔ اللہ کو جس طرح دیکھو خارج میں ہے اور بندے کو جس طرح بھی

دیکھو عدمی اور خیالی ہے۔ اسی بات کو حضرت نے دکھنی زبان کے ایک لفظ کتے سے ظاہر فرمایا۔ حضرت کا ایک شعر ہے۔

علم میں ساری خلقت ہے ÷ خارج میں ہے اصل وجود

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا "شیخ سے صرف علم ہی نہیں احساسات بھی ملتے ہیں۔ استاد سے صرف علم۔ اصل چیز احساسِ وجود ہے، جو فقیر کی توجہ کے بغیر حاصل ہونا دشوار ہے"۔

ایک مرتبہ فرمایا "جنت، دوزخ، خدا کے سوا سب استعارہ ہے۔ ہم منطقی ہیں ہم بولتے ہیں خدا کے سوا سب انتزاعی۔

حضرت اکثر ناشتہ نہاری کلچوں سے فرماتے تھے۔ شہد کا استعمال بھی رکھتے تھے۔ اکثر رات کے کھانے کے بعد بالائی ملاحظہ فرماتے تھے۔

حضرت کو چپاتی (الٹے توے کی پتلی روٹی) روغنی روٹی اور خمیری روٹی پسند تھی۔ کھانوں میں جوگن ماتھی اور سالنوں میں شب دیگ، دہی کی کڑھی، بیگن کا دلمہ پسند تھا۔ تلی ہوئی مچھلی شوق سے کھاتے تھے۔ مچھلی کے کانٹے کو مسکہ کی طرح گلا دینے کے سلسلہ میں حضرت نے کئی تجربات کرائے کانٹا گلا ضرور مگر حضرت جیسا چاہتے تھے ویسا نہ گل سکا۔ ٹٹی کا گوشت بھی شوق سے کھاتے تھے۔ دل چاہتا تو تیار کرواتے۔ آم کا مربہ۔ پکا ہوا آم رس، انار کا شربت اور فالسہ کا شربت پسند تھا۔ رحیم پاشا صاحب گرما کی چھٹیوں میں جب مدارس کو تعطیل ہوجاتی، میدک سے حیدرآباد تشریف لاتے تو انار کا شربت، آم کا مربہ اور پکا ہوا آم رس نہایت اہتمام سے گھر میں تیار کرواکر ان کے کئی مرتبان اور شیشے ساتھ لاتے اور حضرت کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت اس کو محفوظ رکھواتے اور کئی دن تک استعمال میں لاتے اور ذائقوں کی تعریف کرتے جاتے۔

بھٹوں کے زمانہ میں دودھیا بھٹے چن چن کر خریدتے اور رومال میں باندھ کر خود لے آتے۔ بھنے ہوئے بھٹے پسند تھے۔ دانتوں سے کتر کتر کر بڑے سلیقے سے کھاتے تھے۔

ایک بیوی نے سُسٹے کا میٹھا بناکر ملاحظہ میں پیش کیا۔ حضرت نے اس کو بے حد پسند فرمایا۔ اتفاقاً میں پہنچا تو سُسٹے کا میٹھا چکھایا۔ اس کے ذائقہ کے تعلق سے دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا " حضرت اگر گھاس کو بھی کھویا یا بالائی ڈال کر پکایا جائے تو میٹھا تیار ہوجائے گا"۔ یہ سن کر حضرت کو ناگواری ہوئی۔ فرمایا " تم پہلے یہ بتاؤ سُسٹے کی بو اور ذائقہ باقی ہے یا نہیں؟ عرض کیا بو اور ذائقہ دونوں یقیناً باقی ہیں۔ پھر فرمایا " اس کے باوجود میٹھے میں لذت ہے یا نہیں؟ عرض کیا لذت بھی ہے۔ فرمایا " سُسٹے کی بو اور ذائقہ بھی باقی ہے اور لذت بھی ہے پھر یہ گھاس کیا بات"۔

میٹھوں میں پورن پوری۔ بادام کی جالی پسند تھی۔

مغزیات میں بادام اور پستے بکثرت استعمال کرتے تھے۔ جیبوں میں پڑے رہتے تھے۔ آم کی آئس کریم پسند تھی۔ اکثر گرما میں گھر میں تیار کرواتے اور سارے گھر والوں کو چھکنے تک کھلاتے۔ رنجبک بے حد پسند تھی۔ اپنے ذوق کے مطابق اس کا ایک خاصہ نسخہ مرتب فرمایا تھا۔ رمضان شریف کے اوائل میں اپنی ذاتی نگرانی میں تیار کرواتے۔ چھوٹے مرتبان یا روغنی کلیاں منگواتے اور اس میں رنجبک بھر کر رشتہ داروں اور قریبی ملنے جلنے والوں کے پاس پینڈ کھجور کے ساتھ تحفتہً روانہ کرتے۔ رنجبک کا نام رنجبک قدیری رکھا تھا۔ رنجبک قدیری کا نسخہ حسبِ ذیل ہے۔

امچور ۲۰ تولہ۔ املی ۲۰ تولہ۔ لسن ۸ تولہ۔ ادرک ۱۲ تولہ۔ مرچ سرخ ۲۰ تولہ۔ کلونجی ۲ تولہ۔ رائی ۲ تولہ۔ سونف ۲ تولہ۔ اجوائن ایک تولہ۔ مرچ سیاہ ۳ تولہ۔ پودینہ خشک ۲ تولہ۔ کھجور ۵ تولہ۔ شکر ۲۰ تولہ۔ منقی ۵ تولہ۔ سرکہ ۸ تولہ۔

سہ پہر کی چائے

حضرت جب مردانہ حصہ میں رہنے لگے اور زنانہ مکان میں حضرت کی آمد و رفت کمزوری کی وجہ سے مشکل ہوگئی تو حضرت نے گھر کے تمام افراد کو حضرت کے ساتھ مل بیٹھنے اور وقت گزارنے کا موقع سہ پہر کی چائے کے وقت فراہم کیا۔ تخت کے اطراف کرسیاں رکھ دی جاتیں، درمیان میں میز رکھا جاتا۔ اور وقت مقررہ پر حضرت کی زوجہ محترمہ کے ساتھ حضرت کی بہو بیٹیاں، پوترا پوتری نواسہ نواسی، صاحبزادے اور داماد جو بھی اس وقت گھر میں رہتے جمع ہوجاتے۔ حضرت ان سے باتیں کرتے، ہنستے بولتے اور چائے کا دور چلنے لگتا۔

حضرت اپنے دل کو کبھی بجھنے نہیں دیتے تھے۔ کوئی حالت ہو۔ کوئی جگہ ہو۔ حضرت کا دل ہمیشہ مسرور رہتا۔ اگر کسی شخص نے حضرت سے ہر حال میں خوش رہنے کا سلیقہ سیکھ لیا تو یقین جانئے اس نے زندگی کا سب سے بڑا گر سیکھ لیا۔ سہ پہر کی چائے کا یہ وقت تمام افراد خاندان کے اوقات کا سب سے زیادہ پر کیف وقت ہوتا تھا۔

حضرت کو بغیر دودھ کے سادہ چائے پسند تھی۔ فنجان میں پینے کو ترجیح دیتے تھے۔ کئی قسم کے فنجانوں کے سٹ موجود تھے۔ طلائی بھی اور سادہ بھی۔ فنجان پیالیوں کے مقابلہ میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اگر بے ذوقی کے ساتھ پیجئے تو صرف دو گھونٹ میں ختم ہوجائیں۔ حضرت چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے اور سب کو دیکھتے جاتے، تبسم فرماتے جاتے۔ کبھی فنجان کو اوپر اٹھاکر چائے کا رنگ دیکھتے اور رنگ کی تعریف کرتے۔ چائے کی چسکی لیتے اور ذائقہ کی تعریف کرتے۔ چائے کے (فلیور) خوشبو کی طرف متوجہ کرتے۔ موقع کی ایک آدھ بات بیوی بچوں سے کرتے، اس طرح کتنی دیر میں فنجان ختم ہوتا تو دوسرے کے لئے ہاتھ بڑھاتے۔ سب کو حضرت کا ساتھ دینا پڑتا۔ اگر کوئی ایک ہی فنجان پر اکتفا کرنا چاہتا تو اس سے فرماتے فنجان کو اوندھا رکھدو، ورنہ مزید چائے کی حسن طلب سمجھی جائے گی۔ عربوں کے چائے پینے کے انداز اور چائے کے دور کے طور طریق سے آگاہ کرتے۔ کسی سے بدذوقی کا مظاہرہ ہونے ہی نہ پاتا ہر شخص یہ محسوس کرتا جیسے اس کی طبیعت کا انقباض اچانک دور ہوگیا ہو۔ انشراح اور شگفتگی نے اس کی جگہ لے لی ہو۔

چائے کے سلسلہ میں حضرت کا ذوق دوسروں سے مختلف تھا۔ حضرت چائے کو چائے کے لئے پیتے تھے۔ بازار میں دستیاب ہونے والی سب سے بہتر قسم کی چائے استعمال فرماتے۔ چائے میں شکر کم استعمال کرتے تاکہ ہلکی سی تلخی جو چائے میں ہوتی ہے باقی رہے جو چائے کا حقیقی ذائقہ ہے۔

حضرت چائے میں چوکور دانوں کی موٹی قند استعمال کرتے تھے۔ چائے کا حقیقی ذائقہ اسی سے کھلتا ہے۔ چائے کا مزاج اس قدر لطیف واقع ہوا ہے کہ کوئی چیز جو خود اس کی طرح صاف اور لطیف نہ ہو وہ اس سے میل نہیں کھاتی۔ وہ نہ ملے تو قند، اگر معمولی شکر کی چائے پیش کی جاتی تو پی تو لیتے مگر حضرت کے ذوق کی تکمیل نہ ہوتی۔ کیونکہ چائے کا مزہ دراصل اس کی لطافت و کیفیت کے ذوق و احساس میں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت نے چائے میں مزید لطافت و کیفیت اور خوشبو پیدا کرنے کے خیال سے مجھے ایک تجربہ کرنے فرمایا۔ چند چیزیں منگوائیں، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، الائچی، عنبر دانہ، سادہ چائے کئی فنجانوں میں بھری گئی۔ ایک میں عرق گلاب کا خفیف سا جزو

دوسرے میں عرق کیوڑہ کا خفیف سا جزو تیسرے فنجان میں الائچی کے چند دانے اور چوتھے میں عنبر دانہ کے چند دانے ڈالے گئے۔ مگر چائے کی لطافت نے کسی اور کی شرکت گوارا نہ کی۔ عرق گلاب کا خفیف سا جزو کچھ ساتھ ضرور دیا مگر چائے کی اصلی خوشبو برقرار نہ رہ سکی۔ لہذا حضرت نے کسی چیز کی ملاوٹ کو پسند نہ فرمایا۔ بعض لوگ چاکلیٹ مکسچر کو پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ چائے کے پتے کو کیوڑے کے پھول میں بساتے ہیں۔ اپنی اپنی پسند ہے۔

اگر کوئی دعوت دیتا یا خود بغرض ملاقات کسی کے پاس تشریف لے جاتے، وہاں کافی یا دودھ کی چائے پیش کی جاتی تو خوشی سے نوش فرماتے۔

طشتری میں کوئی چائے پیتا تو ٹوک دیتے اور فرماتے طشتری پیالی رکھنے کے لئے ہے، چائے پینے کے لئے نہیں۔ پیالی سے چائے پینا چاہیئے۔

ایک مرتبہ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالمقتدر صدیقیؒ بغرض ملاقات حضرت کے دولت خانہ پر تشریف لائے ان کے ذوق کے مطابق زیادہ شکر کی چائے اور حضرت کے ذوق کے مطابق کم شکر کی چائے پیش کی گئی۔ انھوں نے چائے کا ایک گھونٹ لیا اور مزید شکر طلب کی اور اس میں ملائی۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا "یہ تو شربت ہے" مولانا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "بھائی آپ جو پی رہے ہیں وہ تو جوشاندہ ہے۔ میں تو چائے میٹھے کی خاطر پیتا ہوں" اس نوک جھوک سے سب لوگ نہایت محظوظ ہوئے۔

۱۳۔ سیرت

سیدی و سندی حضرت عبدالقدیر جامع الکمالات تھے۔ عالم تھے، عارف تھے، صاحبِ تمکین تھے، صاحبِ یقین تھے۔ دوامِ حضور ان کی جان تھا۔ عشق و محبت ان کا ایمان تھا، عبدیت ان کا مقام تھا، ہر ایک کو اس کا حق دینا اُن کا کام تھا۔ اللہ کو اللہ کا، بندہ کو بندہ کا۔ احوال تابع شریعت تھے۔ اتباعِ سنت سے ساری عزت و حرمت ملی تھی۔ اپنے کو گمنامی میں رکھنے کے لئے کسی ایک چیز کو اپنا اوٹ بنالیتے۔ کبھی علم کو تو کبھی فقیری کو۔ کسی مسئلہ کی وضاحت فرماتے تو سامعین کے لئے اس سلسلہ میں ایسی شمع علم روشن کرتے جو اس اجمال کے دھندلکے پر تفصیل کی روشنی پھیلادے، جہل اور تردد کو علمِ یقین میں مبدل کردے۔ کبھی کسی جملہ کو بار بار دھراتے تو ہر وقت ایک نیا معنیٰ دیتے، نئی فہم ملتی اور سننے والے سر دھنتے۔ جہاں علم دیتے وہیں احساس بھی عطا کرتے۔ شادی اور خرمی کی روشنی ان کے در و دیوار سے نکلتی تھی۔ جس کو نظر اٹھا کر دیکھ لیتے۔ رنج و غم، درد و دکھ سب کافور ہوجاتا۔ ہر ایک اپنی صلاحیت کے مطابق فیضانِ ظاہری و باطنی سے حصہ پاتا۔ بلکہ اس کو امید سے زیادہ ملتا۔ دربار گہربار سے لوٹتا تو چہرہ پر نورِ سکینہ نمایاں رہتا۔ اس بندہ کی شان ہی کچھ نرالی تھی۔ اطراف عاشقوں، عارفوں اور جمال اللہ • کا جمگھٹا رہتا۔ صبح سے شام تک ہر روز ایک نیا ہی تماشا رہتا۔ اپنے دیوانوں کو دیکھتے جاتے، مسکراتے جاتے، ان کی ایک ایک حرکت سے محبت ظاہر ہوتی تھی۔ خدا معلوم وہ کیا دیکھتے تھے؟ اور کیوں مسکراتے تھے؟

نہ سمجھیں یہ تو حیرت ہے جو سمجھیں یہ تو حیرت ہے

ان کو کسی نے عالم سمجھا، کسی نے عارف سمجھا، کسی نے فقیہہ سمجھا، تو کسی نے محدث، کسی نے صالحین میں شمار کیا تو کسی نے صدیقین میں جانا۔ کسی نے قطبِ وقت سمجھا تو کسی نے غوثِ زماں جانا۔ اپنی تو شروع سے عبداللہ پر نظر ہے۔ جو دکھایا دیکھا، جو سنایا سنا، جو سمجھایا سمجھا۔

حسرت جو مرے علم میں ہے جلوہ فگن آج ؛ کل آئے گا وہ بن کے تماشا مرے آگے

اللہ کے بعض بندے ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن کا پتہ کہیں نہیں ملتا۔ حاضر عند اللہ اور غائب عن الناس۔ یہی تو عینِ حضور ہے۔ باہمہ بے ہمہ یہی لوگ ہیں۔ خلوت در انجمن ان کا وصف ہے۔ ان کی نظر اطلاق و تقیید پر بیک وقت رہتی ہے۔ اگر یہ مجاز کو استعمال بھی کرتے ہیں تو بالذات سے ہوشیار بھی رہتے ہیں۔ ایسے انسانوں کو عوام تو کیا خواص بھی عام انسانوں سے بالاتر سمجھنے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔

ایسے آدمیوں میں مذہبی قدروں کے ساتھ ساتھ دنیاوی قدروں کا بھی کمالِ ظہور رہتا ہے اور یہی انسانیت کا کمال ہے کہ آدمی دو گھڑے اٹھائے سیدھا چلتا رہے اور توازن بگڑنے نہ پائے۔ یہی صفت حضرت کے لئے باعثِ امتیاز تھی جبھی تو آپ کی شخصیت جامع الجہات تھی۔ پھر بعض باتیں آپ میں ایسی جمع ہوگئی تھیں کہ باید و شاید۔ مثلاً ضعیفی میں جسم ضعیف فکر جوان، بحالتِ غم آنکھیں پرنم اور قلب رضائے الٰہی سے شاد، مولویت اور فقیری کا اجتماع۔ کافر کے کفر کے دشمن پھر بحیثیت اس کے کہ وہ بھی

• عاشقانِ الٰہی کی جماعت

خدا کا بندہ ہے اس پر مہربان، بندگانِ خدا سے ہر طرح محبت۔ پھر غیر اللہ سے کمالِ استغناء، ایسے ہی بے شمار متضاد کیفیات کے آپ کی ذات میں اجتماع کے باعث آپ کی شخصیت کو سمجھنا ہی مشکل تھا۔

ذات

آپ کی ذاتِ مجمع البرکات میں صفاتِ جمیلہ و فضائلِ حمیدہ جمع تھے۔ آپ جیسے اوصاف کا شیخ نظر سے نہیں گذرا۔ بہ نسبت کلام کرنے کے آپ کا سکوت زیادہ ہوا کرتا تھا۔ نہایت درجہ خدا ترس، بارعب اور مستجاب الدعوات شخصیت تھے۔ آپ کی روش سے مکارم اخلاق عیاں تھے۔ اپنے نفس کے لئے کبھی غصہ نہ کرتے اور نہ خلافِ رضاءِ الٰہی کسی کی مدد کرتے۔ توفیق و تائیدِ الٰہی آپ کے ساتھ تھی۔ حضرت نے اللہ کی راہ میں اپنی ساری توانائیاں لگادیں اور اہلِ باطن نے آپ سے قوت حاصل کی۔

مسلک

آپ کا مسلک ہر حال، ہر اعتبار اور ہر حکم میں توحید تھا۔ دل میں اطمینان اور مشاہدہ حق میں دوام حاصل تھا۔ آپ کے سامنے بڑی سے بڑی قوت ناقابلِ لحاظ تھی۔ اللہ نے آپ کو ایسے مقام میں پہنچایا تھا جہاں تنزل کو راہ نہیں۔ مخلوقِ خدا کے ساتھ رہتے ہوئے ان کے حقوق ادا کرتے ہوئے بھی آپ کے مجاہدات اشغال اور عبادات جاری و ساری رہتے۔ آپ کا یہ طریق کا ملین کے طریقوں میں کمال پر تھا۔

مخلوق سے آپ کا تعلق منقطع تھا، ان کے نفع سے مستغنی اور ان کے ضرر سے بے خوف تھے۔ اسبابِ ظاہری نظر سے ساقط تھے۔ اور مالک الملک، مسبب الاسباب پر نظر قائم تھی۔ وہی آپ کا مجیب اور کارساز تھا۔ مشیتِ الٰہی کے سامنے آپ کا ارادہ فنا ہوچکا تھا۔ فعل اللہ آپ کے اندر جاری تھا۔ آپ کے اعضاء جوارح فعل اللہ کے سامنے ساکن تھے۔ آپ قدرتِ الٰہی کے ہاتھ میں تھے۔ خوارقِ عادات اور کرامات جو حقیقت میں افعالِ الٰہی ہیں آپ سے منسوب تھے۔ حضرت سے خوارقِ عادات ایسے متواتر ظاہر ہوتے تھے کہ قریب رہنے والوں کو خرقِ عادت بھی عادت معلوم ہوتی تھی۔ کثرتِ خوارق نہ ریاضت شاقہ کا نتیجہ تھے اور نہ عدمِ نزول اس کا سبب تھا۔ بلکہ یہ تقادیرِ الٰہی کا جریان اور ارادہ حق کا سریان تھا۔

اللہ نے آپ کو کمالات عالیہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ زہد بھی تھا اور طہارتِ باطن بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت الی الحق سے تعلق استوار تھا۔ نورِ صدق و یقین آپ کے چہرہ سے عیاں تھا۔ نورِ ولایت سے آپ کی پیشانی تاباں تھی۔ اپنے ملنے والوں کو تقویٰ کی تاکید فرماتے۔ محرمات، مشتبہات، بے کار اعمال اور خیالات سے بچنے کی ہدایت فرماتے۔ ہر ایک کو ذکرِ خدا کی طرف مائل کرتے۔ حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں کے ادا کرتے رہنے کا حکم فرماتے۔ اقتضائے شریعت و معرفت کے مطابق خود بھی مستعد رہتے اور دوسروں کو مستعد بناتے۔ اچھی اور کام کی بات کی ترغیب دیتے۔ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ پیدا کرتے۔ کسی میں کوئی برائی دیکھتے تو ایسی بات بتلاتے جس سے وہ برائی اس پر خود منکشف ہوجائے۔ ضمیر کی ملامت سے خجل ہوکر خود تائب ہوجائے۔ آپ جیسا پابندِ قول، بامروت و وفا، وسیع حوصلہ، درگذر کرنے والا، اور دوستی نباہنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ صدیق کے پوتے، علی کے نواسے، جلال کے ساتھ جمال، مستی میں ہوشیار، بےخودی میں خوددار، دل کے سخی، زبان کے سچے، محبت کرنے اور کئے جانے کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ باوجود عظمت و بزرگی و فضیلت علمی چھوٹوں تک کے لئے کھڑے ہوجاتے، بڑوں کی تعظیم کرتے۔ ہر چھوٹے بڑے کو سلام میں سبقت کرتے۔ دیکھتے ہی مسکراتے۔ گھنی پلکوں کے نیچے سے آنکھیں بھی مسکرانے لگتیں۔ امیر غریب کے ساتھ نہایت مہربانی اور التفات سے پیش آتے۔ کھل کھلا کر ہنستا ہوا حضرت کو دیکھا نہیں گیا۔ پان کثرت سے

کھاتے تھے ۔ آنکھوں سے محبت اور توحید کی مستی اور چہرے سے معصومیت ٹپکتی ۔ جو لوگ آپ کے فیضِ صحبت سے کسی مجبوری کی وجہ سے دور ہوجاتے تو آپ ان کا حال دریافت فرماتے رہتے ۔ انھیں یاد رکھتے ، بھول نہ جاتے ۔ آپ سے ہر ملنے والا یہ یقین رکھتا کہ حضرت سب سے زیادہ اسی کو چاہتے ہیں ۔

حافظہ حضرت کا حافظہ خدا داد اور ذہن رسا تھا ۔ نظر نقاد تھی ۔ طبیعت میں غیر معمولی نزاکت تھی ۔ کسی کے متعلق کوئی رائے قائم کرلیتے تو وہ پتھر کی لکیر ہوتی ۔ اس سے ٹلتے نہ تھے ۔ مگر رائے جن بنیادوں پر قائم فرماتے وہ بہت ٹھوس ہوتیں ۔ کبھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو رنجیدہ ہوجاتے ۔ مگر دل میں کینہ یا بغض نہیں رکھتے تھے ۔ عمر بھر وہ بات ذہن سے نہ نکلتی ۔ کبھی برسوں میں غصہ آجاتا تو پوری باتیں گنا دیتے کہ فلاں وقت یہ تکلیف پہنچی ۔ فلاں وقت یہ ، اظہارِ ندامت پر غیر معلولی التفات سے پیش آتے ۔ کوئی شخص حضرت کے پاس سے ناخوش ، مغموم اور مایوس نہ لوٹتا ۔ البتہ اپنے بچوں یا مریدانِ خاص پر خفا ہوتے تو اس قدر خفا ہوتے کہ ان کو اپنی آخرت کی فکر شروع ہوجاتی ۔ غصہ دیر تک رفع نہ ہوتا ۔ جب رفع ہوتا تو اس قدر مائل بہ کرم ہوتے کہ گویا کبھی خفا یا ناراض ہی نہ ہوئے تھے ۔ اتنی دعائیں دینے لگتے کہ آدمی مارے خوشی کے رو پڑے ۔

بات کرتے تو صرف کام کی بات کرتے اور دوسروں کو بے کار باتوں کا موقع نہ دیتے ۔ کوئی شخص کسی کی غیبت اور عیب جوئی کرنے کی حضرت کے سامنے جرأت نہ کرسکتا ۔ سبق ختم ہوا یا کوئی کام ، کوئی محفل ختم ہو یا گفتگو فوراً اچھا جاؤ فرمادیتے ۔ اگر اپنے ہی کمرہ میں ہوتے تو مطالعہ شروع فرمادیتے یا تسبیح پڑھنے لگتے اور لوگوں کو اٹھ جانا پڑتا ۔

حضرت کے حضور میں چونکہ قدرتی ہیبت و وقار تھا ۔ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ آپ کے سامنے مزاح کرسکے ۔ اگرچہ حضرت خشک طبیعت نہیں تھے ۔ آپ بھی مزاح فرماتے تھے مگر غایت درجہ لطیف اور بعض وقت تو اتنا بلیغ ہوتا کہ سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے ۔

حضرت سلاطین اور امراء کے پاس جانے ان سے روابط رکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے ۔ دوسروں کو بھی منع فرماتے تھے ۔ کیونکہ ہر شخص تو ایسا نہیں ہے کہ اپنی خواہشات اور آرزوں کو سلاطین یا امراء سے منقطع کرچکا ہو ۔

حسنِ سلوک حضرت اپنے اہلِ خاندان ، مریدوں ، شاگردوں اور ملنے والوں کی شادی بیاہ یا دیگر خوشی کی تقاریب میں بہ نفسِ نفیس شرکت فرمایا کرتے تھے ۔ اور ان کی خوشیوں کو دوبالا کردیا کرتے تھے ۔ چند تقاریب حضرت کو پسند تھیں ۔ ولیمہ ، بسم اللہ کی تقریب اور بچوں کے ختم قرآن کی تقریب ، روزہ کشائی ۔ مگر ساتھ ہی حضرت کا ایک شعر بھی سن لیجیے ۔

یہ چلہ یہ چھٹی یہ بسم اللہ خوانی ÷ سب اسراف ہے جبکہ ناداریاں ہیں

بعض دوست احباب اور رشتہ داروں کے عازمِ حج ہونے پر ان کو وداع کرنے یا واپسی پر خوش آمدید کہنے اسٹیشن بھی تشریف لئے گئے ہیں ۔ حضرت کے سمدھی اور دوست مولانا الیاس برنی صاحب جب دوسری بار ۱۹۳۲ ، میں بعدِ فراغتِ حج حیدرآباد واپس آرہے تھے تو حضرت ان کو لینے وقار آباد اسٹیشن تک تشریف لے گئے تھے ۔ چنانچہ مولانا الیاس برنی صاحب اپنے سفرنامہ صراط الحمید جلد دوم میں لکھتے ہیں :۔

" وقار آباد ریل پہنچی تو دیکھا کہ سابق رفیق حضرت محترم مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی پلیٹ فارم پر کھڑے حسب عادت تبسم فرمارہے ہیں ۔ موسیٰ سلمہ بھی ساتھ تھے ۔ ریل رکتے ہی میں اترا تو حضرت آکر بغل گیر ہوئے ۔ حسبِ قاعدہ دعا چاہی پھر

خوب دعا فرمائی " موسنی بھی محبت سے لپٹ گئے "۔

کسی کی موت کی خبر حضرت کو دی جاتی تو جس حالت میں ہوتے فوراً روانہ ہوجاتے اور غسلِ میت کے وقت موجود رہتے۔ نماز جنازہ میں شرکت فرماتے اور دفن کے بعد گھر تشریف لاتے۔ زیارت کے موقع پر قرآن خوانی میں شریک رہتے اور میت کے ورثاء کو تلقینِ صبر فرماتے اور ان کی دلجوئی کرتے۔

شہرت پسندی فطری بات ہوتی ہے۔ اس سے بچنا صاحبانِ کمال کے لئے قریب قریب محال ہے۔ گو بعضوں نے اس کو فطری ضعف کہا اور بعضوں نے ضروری چیز سمجھا۔ خواہ کچھ ہو حضرت نے اپنے لئے اس کو برا سمجھا۔ اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ مگر گوشہ نشین رہتے ہوئے بھی اتنوں کو درست کیا اور فائدہ پہنچایا کہ مشاہیر باوجود شہرت رکھنے کے نہ کرسکے۔

ایک مرتبہ گلبرگہ شریف عرس میں شرکت کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ ہمارے کئی پیر بھائی ساتھ تھے۔ کرنل جبیب علی صاحب بھی ساتھ تھے۔ اور میں بھی تھا۔ حضرت درگاہ سے اپنے ٹھکانہ کی طرف تشریف لارہے تھے۔ لوگ کثرت سے دست بوسی اور قدم بوسی حاصل کرنے لگے۔ بعض تو حضرت کو دیکھ کر درود پڑھ رہے تھے۔ حضرت کو آگے بڑھنا دشوار ہورہا تھا۔ عورتیں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لا لاکر قدموں میں ڈال رہی تھیں۔ حضرت سیاہ رنگ کا عبا پہنے ہوئے تھے۔ جبیب علی صاحب سے فرمانے لگے "کیا جبیب چور نعل صاحب والی بات تو نہیں؟ لوگ سجادہ ہونے کا دھوکا تو نہیں کھا رہے ہیں" جبیب علی صاحب نے عرض کیا " میاں سجادہ صاحب سے لوگ خوب واقف ہیں کہ وہ جوان آدمی ہیں" فرمایا " پھر تو یہ عبا نکال دو۔ شاید یہ عبا کی وجہ سے ہے"۔ جبیب علی صاحب نے عرض کیا " مگر میاں صورت کو کیا کریں گے۔ یہ صورت ہی کچھ ایسی ہے کہ کھینچ رہی ہے لوگ عبا کو نہیں صورت دیکھ کر درود پڑھ رہے ہیں۔

جیسا کہ میں نے حضرت کا حلیہ بیان کرنے کے سلسلہ میں لکھا ہے۔ لوگوں کو زیادہ رجوع ہوتا دیکھ کر حضرت نے ایک مرتبہ داڑھی تنک چھوٹی کرادی تھی کہ شاید داڑھی بڑھ جانے سے تقدس نمایاں ہورہا ہے اور اس کے زیر اثر لوگ رجوع ہورہے ہیں۔ اصل میں حضرت عوام کی عقیدت کو بڑی ابتلاء سمجھتے تھے۔

حضرت جن باتوں سے نام آوری، طلبِ شہرت اور ریا پیدا ہونے کا امکان سمجھتے ان باتوں سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بچانے کی فکر کرتے تھے۔

ایک مرتبہ پتھر گٹی سے مچھلی کمان مولانا احمد حسین صاحب صدیقی کے مکان کی طرف تشریف لے جارہے تھے۔ میں حضرت کے ساتھ تھا۔ راستہ چلنے والے، حضرت کو دیکھ کر بعض سلام کرنے لگے اور بعض قریب آکر حضرت کی دست بوسی کرنے لگے۔ مچھلی کمان سے جب مڑے اور کوچہ نسیم سے گزرنے لگے تو فرمایا " میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ کی زکوٰۃ دے رہا تھا، جدھر سے گزرتا لوگ ملنے دوڑ پڑتے، مجھے خیال ہوا میں سورہ فاتحہ کی زکوٰۃ دے رہا ہوں شائد اس سے تسخیر کا عمل ہورہا ہے، پڑھنا چھوڑ دیا"۔ میں نے عرض کیا مگر حضرت اس وقت آپ سورہ فاتحہ کی زکوٰۃ تو نہیں دے رہے ہیں۔

حضرت کی زندگی میں عبادتِ بدنی اور اعمالِ ظاہری میں شدت اور مبالغہ نظر نہیں آتا۔ نہ تو عبادتِ شاقہ اور سخت سے سخت ریاضتیں کرتے اور نہ خلق اللہ سے دور اذکار و اشغال میں مصروف رہتے۔ دل بیار و دست بکار، باہمہ و بے ہمہ آپ کا

طریقہ تھا۔ خلق اللہ کے ساتھ رہتے ہوئے اور ان کے حقوق ادا کرتے ہوئے بھی ان سے الگ کے الگ تھے۔

دل کسی سے نہ لگا دست فشاں سب سے رہے ÷ عمر بھر قیدِ تعلق سے ہم آزاد رہے (حسرت صدیقی)

اصلاحِ قوم قوم و ملت کی اصلاح و تعمیر و تہذیب کا کام تھا جو آپ کے پیشِ نظر تھا۔ دن رات نوافل میں لگے رہنے کے لئے وقت کہاں تھا۔ آپ حصولِ فضائل پر زور نہیں دیتے تھے بلکہ تعمیلِ حکم آپ کے پاس سب سے زیادہ اہم تھا۔ ظاہری پاکی صفائی میں مبالغہ اور آرائش و زیبائش پر زیادہ توجہ نہ دیتے تھے۔ آپ کو پڑھنے پڑھانے سے فرصت کہاں تھی جو ان جزئیات میں وقت گنواتے۔ البتہ دل کی پاکیزگی اور طہارت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی ہمیشہ پیشِ نظر رہی۔ غیر ضروری تکلفات میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ حضرت کو بس ایک دھن تھی کہ مسلمانوں میں یہ شعور پیدا ہوجائے کہ وہ کیا تھے؟ کیا ہیں؟ اور ہونا کیا چاہئیے؟ اس بے دینی اور الحاد کے زمانے میں اُن کے ایمان پر ڈاکہ نہ پڑجائے۔ خدا اور رسول سے ان کی نسبت استوار رہے۔ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مشعلِ راہ رہے۔ ان کے ہاتھ حبل اللہ کو مضبوط تھام لیں۔ ان کے اخلاق اور ان کا کردار اسلامی رہے۔ ان میں قوتِ عمل پیدا ہو۔ اس کے لئے حضرت نے ہر ایک کو وہ تعلیم دی جو اس کے لائق تھی۔

تہذیبِ نفس تہذیبِ نفس پر بہت زور دیتے تھے۔ ایسے اعمال کی ہدایت فرماتے جو مخاطب پر آسان ہوتے۔ حضرت کا ارشاد ہے "ایک دشمن پہلو میں اور ایک گھات میں بیٹھا ہوا ہے یعنی نفس اور شیطان، دیکھو! ان سے ہوشیار!"۔

حضرت کو یہ بات ناپسند تھی کہ ابتداء میں کام میں زور و شور رہے اور بعد میں وہ کام ہی چھوڑ دیا جائے۔ تھوڑا کام مگر پابندی اور اخلاص سے کیا جانا زیادہ پسند تھا۔

حضرت کی روش میں عجب خصوصیت تھی۔ سپاہیانہ انداز میں فقیرانہ طور پوری طرح نمایاں تھا۔ اور پھر مولویانہ عظمت و تمکنت اپنی جگہ برقرار تھی۔ صاحبانِ ثروت و عزت کی حضرت کے سامنے بات کرتے سٹی گم ہوجاتی۔ بات کرنا بھول جاتے۔ کہنا کچھ چاہتے منہ سے کچھ نکل جاتا۔ پسینہ پسینہ ہوجاتے۔ مجبوراً حضرت کو راست خطاب کرنے کے بجائے اپنے بچوں اور خادمین میں سے کسی نہ کسی سے کہنا پڑتا کہ پوچھو یہ کیا کہنا چاہتے ہیں، ان سے ایسا ایسا کہو۔ باریاب ہونے کے بعد باہر نکلتے تو کتنی دیر سنبھلنے نہ پاتے

ایک ہلکا سا تبسم ہر وقت آپ کے چہرہ پر نمایاں رہتا۔ باوجود اس کے رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ جتنے آپ کے ملنے والے تھے وہ ہر وقت آپ سے مرعوب رہتے اور خود سے کچھ بولنے کی جرات نہ کرسکتے تھے۔

صحبت کی برکت حضرت کی صحبت بابرکت میں وساوس دور ہوجاتے، ضمیر جاگتا، شعور بیدار ہوتا۔ اچھے برے کی تمیز تو جانوروں میں بھی ان کے لائق ہوا کرتی ہے۔ حضرت کے ملنے والوں میں خیر اور خیر الخیر، شر اور شر الشر کی تمیز پیدا ہوتی تھی۔ ساری کمزوریاں روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتیں۔ دنیا نظروں میں بے حقیقت ہوجاتی، نظر کھلتی، بصیرت پیدا ہوتی اور مقصدِ حیات بلند ہوجاتا۔ صفاتِ حمیدہ سے متصف ہوتا، اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دوستوں اور محبوبوں سے محبت پیدا ہوتی اور ربط ہوجاتا۔ مذہب کی تعلیمات کے اسرار منکشف ہوتے۔ مقصدِ خدا اور رسول کو سمجھنے کی اہلیت پیدا ہوتی۔ اعدائے دین کے مقابل ہتھیار ملتے۔ عقل روشن ہوتی، قوتِ روحانی پیدا ہوتی، بڑھتی، ماسوی اللہ کے کھیل ہونے، لہو و لعب ہونے کا یقین ہوجاتا۔ تکالیف اور مشکلات میں ہنستے ہنستے گزر جانے کا درس ملتا۔ خدا سے رضامندی پیدا ہوتی اور ایک طرح کا اطمینان اور سکونِ قلب پیدا ہوتا۔

نورِ نبوت سے دیکھنے اور ذاتی کشف و عقل پر اعتمادِ کلی رکھنے کا فرق محسوس ہونے لگتا، معرفتِ الٰہی نصیب ہوتی۔ اپنی عدمیت نظر آتی۔ خدا ہی کے موجود بالذات ہونے کا یقین آجاتا۔

حضرت کی صحبت میں کچھ ایسی برکت تھی کہ بعض کندہ ناتراشیدہ جاہلِ مطلق، نہایت کند ذہن بھی چند روز میں ایسے جلا پاتے کہ حیرانی ہوتی۔ دیکھنے میں بالکل بدھو نظر آتے مگر جب ان سے بات کی جاتی تو ایسی ایسی باتیں اور نازک مسائل اپنی روزمرہ کی زبان میں بیان کرجاتے کہ تعلیم یافتہ بھی ششدر رہ جاتے۔

حضرت استاذ الاساتذہ ہونے کے باوجود کم عمر اور کم سواد بچوں کی تعلیم کو اپنے لئے کسرِ شان یا تضییعِ اوقات نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مصروف تھا۔ حضرت بچوں سے تک تم سے نہیں آپ سے مخاطب فرماتے تھے اور ان سے بہت کھل کر بات کرتے تھے۔ فرماتے "ہاں کچھ اِدھر اُدھر کی سناؤ"۔ اس سے مقصد ان کی قوتِ تقریر اور مافی الضمیر کی صحیح ادائی کی مشق کروانا ہوتا۔ جھجک دور کرنا، خود اعتمادی پیدا کرنا رہتا۔ خود بھی باتیں کرتے جاتے۔ سوالات ایسے کرتے کہ بچہ جواب دینے میں اپنے حافظہ پر زور ڈال سکے۔ اس کے علاوہ بچوں میں جو معصومیت، بھولاپن اور گفتگو میں جو بے تکلفی اور بے ساختہ پن ہوتا ہے اس کا لطف لیتے جاتے اور مسکراتے جاتے تھے۔ اصل میں یہی وقت ہوتا ہے جس میں ان کو بہت کچھ سکھایا جاتا ہے۔

اظہارِ حق اور بے غرضی

حضرت کو امرِ حق کے اظہار میں کوئی قوت مانع نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی ایک وجہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا منصب تھا۔ دوسری وجہ للّٰہیت تھی تیسری وجہ عمر بھر کسی کے ممنونِ احسان نہ ہوئے کہ احسان کا بوجھ انسان کی آزادی کو متاثر کردیتا ہے۔ اگر کسی نے کچھ خدمت کی اور حضرت نے اس کا دل رکھنے کی غرض سے قبول بھی فرمالیا تو ساتھ ہی دوسرے طریقہ سے اتنا احسان فرمادیا کہ اس کو اپنی خدمت بے حیثیت نظر آئی۔ حضرت نے کسی سے اپنی کوئی غرض وابستہ نہیں رکھی تھی۔ اللہ نے اتنا کچھ عطا کیا تھا کہ سب سے مستغنی تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے "میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب کا مجھ پر حق ہے مگر میرا کسی پر کوئی حق نہیں" یہ بھی فرمایا کرتے تھے "پیدا ہوا تو ۱۰۰ روپئے منصب ساتھ لایا، ماں باپ پر بھی بار نہ بنا۔ کبھی ملازمت کے دوران کسی بات کے لئے درخواست تک نہیں دی۔ سب کام خود ہی ہوتا گیا۔ ہزار روپیہ تنخواہ تک پایا۔ بھالی کا بختاور سنتے آئے ہو مجھے دیکھو، میری تقدیر اچھی ہے، ایسی کہ اس کی قسم کھائی جاسکتی ہے"۔

جسم دشمن نہیں عقیدہ دشمن

حضرت کے جاننے والے جب کسی مشکل میں پھنس جاتے جس سے نکلنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آتی وہ وسائل جن پر بھروسہ تھا سب منقطع ہوجاتے، خدا سے دعا کرتے مگر استجابت نہ پاتے تو جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچ جاتا ہے اسی طرح حضرت کے پاس دوڑ پڑتے اور حضرت کی توجہ اور دعا کے طالب ہوتے۔ کافر بھی حضرت کے پاس اللہ کا بندہ تھا۔ لہٰذا اس کی بھی گنجائش تھی۔ وہ بھی خالی نہ جاتا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے "ہم جسم دشمن نہیں عقیدے کے دشمن ہیں۔ بھوکا آئے گا تو کھانا کھلائیں گے۔ بیمار کو ہماری ضرورت ہوگی تو تیمارداری کریں گے۔ اگر وہ ہمارے قتل کے درپے ہو تو مار کر پھینک دیں گے۔ ہندو لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ڈنڈوت بجالاتے، کہتے تم دیوتا ہو، اوتار ہو، بہرحال ہر قوم و مذہب کا آدمی حضرت کو اپنے آڑے وقت کا سہارا سمجھتا تھا۔ خدا جانے حضرت میں کیا بات تھی کہ ہر شخص انھیں ہمیشہ اپنے دل کے قریب پاتا تھا۔ حضرت خود بھی اپنے ملنے والوں سے خواہ وہ مرید ہی کیوں نہ ہو یا شاگرد کیوں نہ ہو، اپنے لئے دعا کرنے کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ لوگ عرض کرتے، حضرت ہم محتاجِ دعا ہیں تو فرماتے، میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں تم میرے لئے دعا کرو۔

حضرت اپنے علم سے مخلوقِ خدا کو استفادہ کا ہر وقت موقع فراہم رکھتے تھے۔ آپ کا شمار اُن گنی چنی شخصیتوں میں سے ایک تھا جن کا دروازہ باوجود بہت بڑی شخصیت کے حامل ہونے کے ہر ایک کے لئے ہر وقت کھلا رہا۔

اللہ نے حضرت کو علمِ صحیح کے ساتھ ساتھ عملِ صالح، کمالِ ایمان و یقین و اطمینان کے ساتھ اخلاص و عبدیت، للہیت اور بصیرت عطا کی تھی۔ جو بھی آپ کے پاس آتا وہی چیز پاتا جو آپ کے پاس تھی۔ پھر کبھی اس کو وہم و شک کی بے چینی رہتی تھی اور نہ جہل و ظلمت کا ہراس۔ بلکہ نورِ حقیقت اور مشکوٰۃِ معفرت کا ایک باب اس کے لئے کھل جاتا تھا۔

حضرت کے انوارِ تعلیم سے کتنے ہی سرگشتگانِ وادیِ جہالت، شاہ راہِ ہدایت پر آچکے ہیں اور کتنوں ہی کی قوتِ نظری اور عملی کی تکمیل ہوئی اور آج بھی ہورہی ہے۔ حضرت کی زندگی ہم کو بے شمار قیمتی سبق دیتی ہے۔ بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھ، سمجھنے والا دماغ اور محسوس کرنے والا دل ہو۔

۱۴۔ خوشی اور غم کے مواقع

مولف کتابِ ہذا کی شادی

حضرت کی صاحبزادی میری والدہ خدیجہ بیگم صاحبہ نے میری نسبت اپنی بھتیجی سکینہ بیگم بنت مولوی محمد عبدالرحیم صاحب صدیقیؒ کی منجھلی صاحبزادی کے ساتھ لڑکپن ہی میں طے فرمادی تھی۔ والدہ کے انتقال کے بعد یہ شادی حضرت کے زیرِ سرپرستی انجام پائی۔ حضرت نے زندگی بھر اپنے نواسوں کو اتنی محبت دی تھی کہ وہ والدہ کی کمی کو کسی وقت بھی محسوس نہ کرسکیں۔ عین شادی سے پیشتر ایک روز مجھے یاد فرمایا۔ میں حاضرِ خدمت ہوا، تو ارشاد فرمایا "اگر تمہاری شادی ہمارے گھر ہوگی تو تمہاری شادی کا میں ذمہ دار" میں نے عرض کیا "حضرت یہ تو میری عین خوش نصیبی ہے"۔ حضرت نے نانی اماں صاحبہ کو یاد فرمایا وہ تشریف لائیں تو کہا "بیوی دولھا اپنے نانا کے گھر اور دلہن اپنے نانا کے گھر" محترمہ نے نہایت مسرت سے جواب دیا "اس سے بہتر اور کیا بات ہوسکتی ہے"؟ حضرت نے فرمایا "پھر تو بات طے ہوگئی"۔ مولوی عبدالرحیم صاحب قبلہ حضرت کے گھر میں مقیم تھے اور شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ انھوں نے حضرت کا تصفیہ سنا تو اپنے سسرال واقع مچھلی کمان (کوچہ نسیم) اپنے ماموں اور خسر مولانا احمد حسین صاحبؒ کے گھر مع ساز و سامان منتقل ہوگئے اور میرے والد حضرت کے گھر آگئے۔

عام رواج کے مطابق مانجھے شروع ہوئے۔ گلپوشی کے موقع پر حضرت خود بھی رونق افروز رہتے۔ ماموں، خالہ اور دیگر اعزاء جمع ہوتے۔ نانی اماں صاحبہ اپنے ہاتھوں سے پھول پہناتیں۔ ماموں صاحبان اور سارے بھائی نعتیہ اشعار بطور کورس پڑھتے اور حضرت دیکھ دیکھ کر محظوظ ہوتے۔ بڑی خیر و برکت محسوس ہوتی۔

حضرت فرمایا کرتے تھے "زندگی میں خوشی کی ساعتیں مختصر ہوتی ہیں۔ اگر ان کو تھوڑا سا طویل کرلیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں"۔

دلہن کے مانجھوں کو البتہ پسند فرماتے تھے کہ لڑکی ایک نئی زندگی شروع کرنے والی ہے۔ شادی سے پیشتر اس کا شرم و حیا کے باعث سب سے الگ تھلگ رہنا فطری ہے۔ علاوہ ازیں مانجھوں کے اہتمام کی غرض و غایت نفسیاتی طور پر اس نئی زندگی کے لئے اس کو تیار کرنا بھی ہے۔

مانجھوں کے پہلے دن گل پوشی کے لئے دولھا کو مسند پر بٹھایا جانے لگا تو نانی اماں صاحبہ سے فرمایا "بیوی میری شادی کی صندلی رنگ کی جامہ وار کی شیروانی کہاں ہے؟ نانی اماں صاحبہ فوراً اٹھیں اور شیروانی نکال لائیں اور میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا "لو یہ نانا کی شیروانی پہن کر مسند پر بیٹھو"۔ مانجھوں میں مجھے حضرت کی شیروانی پہنتے رہنے کی سعادت نصیب رہی۔

دولھا دلہن کی خاطر حضرت نے خود اپنا رہائشی کمرہ خالی فرمادیا اور دوسرے کمرہ میں منتقل ہوگئے اور اپنا تخت جس پر حضرت آرام کرتے تھے دولھا دلہن کے لئے کمرہ ہی میں رہنے دیا۔

عقد کے روز مجھے بخار آگیا تھا۔ حضرت کو اطلاع ہوئی تو فرمایا "اچھا ہوا، مجھے بھی عقد کے روز بخار آگیا تھا۔ عقد کا وقت ۶ بجے شام تھا۔ تین بجے کے عمل میں مجھے کسی نے کہا کہ حضرت مچھلی کمان تشریف لے جارہے ہیں اور موٹر میں تشریف فرماچکے ہیں۔ یہ سنتے ہی میں دوڑا، موٹر اسٹارٹ ہوچکی تھی۔ عرض کیا۔ حضرت مجھے یہ خیال تھا کہ حضرت کی معیت کی سعادت مجھے نصیب ہوگی۔ فرمایا "باوا! وہاں جاکر بیٹی کو دیتا ہوں اور بہو کو بیاہ کر گھر لاتا ہوں"۔ میں نے عرض کیا "زہے نصیب" اور موٹر روانہ ہوگئی۔ دلہن کی جانب سے حضرت خود داعی تھے۔

عقد ٹھیک وقتِ مقررہ پر ہوا۔ قاضی صاحب کو پیشتر سے پابند کردیا گیا تھا۔ عام طور پر شادی کا خطبہ حضرت اپنے ماموں زاد بھائی اور پیر زادے حضرت یحیٰی پاشا یا پھر دوسرے ماموں زاد بھائی مولانا سید محمد بادشاہ حسینیؒ صاحب سے پڑھواتے تھے۔ اس مرتبہ فرمایا خطبہ میں دوں گا چنانچہ حضرت نے خطبہ خود ارشاد فرمایا۔ اس قابلِ رشک اہتمام پر سب حیران تھے۔ عقد کے ساتھ ہی نمازِ مغرب ادا کی گئی۔ اسنے میں حضرت کے ایک مرید کار لے کر پہنچے اور عرض کیا "سرکار غلام زادی کی شادی ہے۔ حضرت تشریف لے چلیں موٹر حاضر ہے۔ حضرت نے فرمایا " باوا میرے گھر اس وقت ایک نہیں دو شادیاں ہیں (دولھا نواسہ دلہن پوتری) انھوں نے عرض کیا " میری لڑکی بھی تو حضرت ہی کی باندی ہے " حضرت نے فرمایا " اگر تم جلد لاکر پہنچانے کا وعدہ کرتے ہو تو میں چلتا ہوں۔ مجھے جلوہ میں شریک رہنا ہے۔ انھوں نے عرض کیا " سرکار آدھے گھنٹہ کے اندر واپس لے آتا ہوں "۔ حضرت نے میری طرف دیکھا اور نہایت محبت بھرے انداز میں فرمایا " باوا! ابھی آیا "۔ چنانچہ حضرت تشریف لے گئے اور عین جلوہ سے پیشتر واپس ہوئے۔

جلوہ کے پلنگ کے سامنے کرسی رکھی گئی اور حضرت اس پر تشریف فرما ہوگئے۔ دولھا دلہن کو اڑھانے حضرت کی بھانجی (صابر حسینیؒ صاحب کی بڑی بہن) سرخ چادر لائیں تو فرمایا " یہ کیا ہے "؟ انھوں نے عرض کیا " ماموں! آرسی مصحف کی رسم کے لئے چادر " فرمایا " فقیر کا رومال " اور گلے سے رومال نکال کر بڑھا دیا۔ چنانچہ دولھا دلہن پر " فقیر " کا رومال اڑھا دیا گیا۔ دولھا دلہن کو دکھانے قرآن کے ساتھ آئینہ لایا گیا تو اشارہ سے آئینہ کو روک دیا۔ اور فرمایا " فقیر صورت دکھائے گا " چنانچہ رومال کا ایک گوشہ اپنے سر پر ڈال لیا اور دونوں کی طرف باری باری توجہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا گیا " دیکھ باوا، دیکھ بیٹے۔ دیکھ باوا، دیکھ بیٹے (حضرت مردوں کی طرح عورتوں سے بھی باوا، بیٹے ہی سے مخاطب ہوتے تھے)۔

ختمِ جلوہ پر حضرت مدینہ منزل روانہ ہوئے۔ سواری سے اترنے کے بعد دولھا دلہن کے انتظار میں حاضرین سے مخاطب رہے، تھوڑے تھوڑے وقفہ سے استفسار فرماتے جارہے تھے۔ " دولھا دلہن ابھی نہیں آئے "؟ حاضرین نے دیکھا کہ حضرت کھڑے ہوئے ہیں اور انتظار میں ہیں یکے بعد دیگرے کئی موٹریں اطلاع دینے کی غرض سے روانہ کردی گئیں کہ حضرت باہر ہی برآمد ہیں اور دولھا دلہن کے بے چینی سے منتظر ہیں۔ اطلاع ملتے ہی فوراً وداعی عمل میں آئی۔ دولھا دلہن کی موٹر آتی ہوئی نظر پڑی تو نہایت مسرور ہوئے۔ ساتھ لے کر مکان میں داخل ہوئے۔ پانی طلب فرمایا۔ کچھ دعائیں پڑھ کر پانی پر دم کیں۔ اور دونوں پر پانی چھڑکتے گئے۔ اور فرماتے گئے " رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے حضرت علیؓ اور بی بی فاطمہؓ پر اسی طرح پانی چھڑکا تھا۔

ولیمہ کا انتظام بھی حضرت نے اپنی جانب سے کیا۔

شادی کے ضمن میں جو رسومات حیدرآباد میں رائج ہیں اُن میں سے بعض میں تو حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں اور بعض غیر اقوام سے لی ہوئی ہیں۔

سہرہ سے ناپسندیدگی

مثلاً دولھا کا سہرہ باندھنے کا رواج۔ دولھا اگر سہرہ باندھ کر آتا تو حضرت سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ اور نہایت ناگواری سے فرماتے " کیا دولہا کے منہ پر ناک نہیں ہے؟ یہ تو ڈنکے کی چوٹ شادی ہورہی ہے اس میں منہ چھپانے کی کیا بات ہے "؟ سہرہ کی لڑیاں منہ پر سے ہٹوا دیتے اور کاندھوں پر دلوادیتے۔ البتہ شادی میں سامعہ نوازی کو پسند فرماتے مگر اس میں اسراف ناپسند تھا۔ پسند فرمانے کی وجہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد مبارک ہے جو حسبِ ذیل ہے۔

" محمد بن حاطب جمحیؓ سے روایت ہے اور وہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے کہ آپ نے فرمایا کہ " حلال اور حرام میں فرق یہ ہے کہ نکاح میں صوت اور دف ہوتا ہے (احمد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ)

حیدرآباد کے ایک معزز اور متمول صاحب نے حضرت کو اپنے لڑکے کی شادی میں مدعو کیا اور ان کی خواہش تھی کہ خطبہ نکاح حضرت پڑھیں ۔ چنانچہ حضرت محفلِ عقد میں تشریف لے گئے ۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دولہا سہرہ باندھے ہے ۔ حضرت فوراً پلٹ گئے اور واپس جانے موٹر کے قریب تک پہنچ گئے ۔ دولہا کے والد کو اطلاع ہوئی کہ حضرت تشریف لائے تھے مگر واپس ہو رہے ہیں ۔ وہ دوڑتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپس تشریف لے جانے کا سبب دریافت کیا ۔ حضرت نے فرمایا " دولہا سہرہ باندھا ہوا ہے جو اسلامی شعار کے خلاف ہے ۔ میں شریک ہونا نہیں چاہتا ۔ انہوں نے عرض کیا سہرہ ابھی ہٹا دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ فوراً سہرہ ہٹا دیا گیا ۔ حضرت شریک عقد تو ہوئے مگر باوجود اصرار کے خطبہ نکاح نہ پڑھا تا کہ آئندہ لوگ اس سے احتراز کریں ۔

دھینگانہ سے سخت ناپسندیدگی

دھینگانہ کی رسم بھی سخت ناپسند تھی ۔ بعض اقوام میں جب برات دلہن کے گھر پہنچتی تھی تو دلہن والے برات کو روکتے تھے ۔ یہ گویا مزاحمت ہے ۔ اور یہ اسی زمانہ کی یادگار چلی آرہی ہے ۔ جب دلہن کو بذریعہ تاخت اڑا کر لایا جاتا تھا ۔ مگر حضرت اس کو مثل خرچی • متصور فرماتے تھے ۔

حضرت کے صاحبزادے ابو القاسم محمد صدیقی عرف محمد پاشا کی شادی میں جب دولہا کی موٹر دلہن کے گھر پہنچی تو گیٹ اندر سے بند کرلیا گیا اور کھولنے کے لئے کچھ رقم کا مطالبہ کیا گیا ۔ یہ بات حضرت کو ناگوار گزری ۔ حضرت نے اپنے فرزند موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی اور مجھے حکم فرمایا کہ " قلعہ فتح کرو " یہ سنتے ہی ہم دونوں بجلی کی طرح گیٹ پر چڑھ کر اندر کود پڑے اور گیٹ بند کرنے والوں کو بزور ہٹا کر گیٹ کھول دیا اور دولہا کی موٹر گیٹ میں داخل ہوگئی ۔

گھر داماد لینا بھی حضرت کو ناپسند تھا ۔ بعض حالات میں داماد کا ضرورتاً بیوی کے ساتھ سسرال جاکر کچھ دن رہ جانا اور بات ہے ۔

گھوڑے جوڑے کی رقم ناپسندیدہ

گھوڑے جوڑے کی رقم جو خسر سے وصول کی جاتی ہے اس کو حضرت معیوب خیال کرتے تھے ۔ اس مذموم رواج کا نتیجہ ہے کہ بہت سی لڑکیاں جن کے والدین کم معاش ہوتے ہیں ان بیاہی رہ جاتی ہیں ۔ اس کے باعث قوم میں بداطواری کی راہ ملتی ہے ۔ بنگالیوں میں اس لعنت کا رواج پاجانے کی وجہ سے بہت سی بنگالی لڑکیوں نے شادی سے مایوس ہو کر خود کشی تک کرلی ہے ۔

روپیہ لے کر ماں باپ کا نو عمر لڑکیوں کو ضعیف آدمیوں سے بیاہ دینا بھی حضرت کے پاس دولت کے عوض لڑکی کو فروخت کرنا ہے ۔ سنا گیا ہے کہ افغانستان میں یہ طریقہ رائج ہے جس کو افغانی اپنی اصطلاح میں " حقِ شیرِ مادر " کہتے ہیں ۔

مہر حسبِ حیثیت باندھا جائے

بعض لوگ مہر بہت ہی کم باندھتے ہیں تا کہ جب چاہیں بہ آسانی چھٹکارا حاصل کرسکیں ۔ حضرت فرماتے تھے کہ مہر سے عورت کی عزت ہے ۔ اس کی حیثیت اور اپنی حیثیت دونوں کو پیش نظر رکھ کر مہر باندھنا چاہئیے ۔ ساتھ ہی زیادہ مہر باندھنے کے نقصانات کو اس طرح پیش فرماتے ہیں ۔

• بیسوا کی اجرت ۔

"اس زمانہ میں مہر بہت ہی بڑا باندھا جاتا ہے۔ آپس میں ناچاقیاں بھی ہوجائیں تو جدائی کی کوئی صورت نہیں۔ مرد طلاق نہیں دیتا کہ مہر دینا پڑے گا۔ عورت خلع نہیں لیتی کہ مہر معاف کرنا پڑے گا۔ اس کا نتیجہ طرفین کے حق میں برا ہے۔ رکھنا ہو تو دستور کے موافق رکھو اور چھوڑنا ہو تو خوشی کے ساتھ چھوڑدو۔ یہ ساری خرابیاں نکاحِ ثانی کو مکروہ سمجھنے سے پیدا ہورہی ہیں۔ غیر مسلموں کی صحبتِ بد کا اثر ہے۔ یہ خوب یاد رکھو؛ طلاق اگرچہ جائز ہے مگر بدترین جائز ہے"۔

حضرت دل شکستہ ہوکر فرماتے تھے" موجودہ زمانہ کی آب و ہوا سخت ناگوار ہوگئی ہے۔ نہ اگلا سا میل ملاپ ہے نہ اتحاد و اتفاق ہے۔ اب لطفِ زندگی نہیں رہا"۔

سانچق مہندی حضرت کے پوتے حسن فضل اللہ صدیقی فرزند ابو تراب علی صاحب صدیقی کی شادی کے موقع پر سانچق مہندی کے رسومات کی ادائی کے سلسلہ میں لوگ مختلف الخیال ہوگئے۔ دلہن کے والد حکیم سید عبدالرحیم صاحب جو مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب کے مرید اور خلیفہ تھے وہ ان رسومات کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے مگر عورتیں مصر تھیں۔ یہ مسئلہ حضرت کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت نے فرمایا" باوا! یہ خوشیوں کو ذرا طویل کرلینا ہے۔ ان کا انجام دینا بھی ضروری نہیں۔ اور اگر یہ انجام دی جائیں تو کچھ ہرج بھی نہیں۔ مگر اسراف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ یہ رسومات نہایت خوشدلی کے ساتھ اور انتہائی سادہ انداز میں انجام دی گئیں۔

پھول شکر نچھاور کرنا دولہا جب دلہن کے گھر پہنچتا ہے تو دلہن کو دروازہ کے قریب لاکر ایک نظر دلہن کو دیکھ لینے کا دولہا کو موقع فراہم کیا جاتا ہے اور دونوں پر سے پھول شکر نچھاور کئے جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا" اس میں مصلحت یہ ہے کہ ابھی نکاح نہیں ہوا ہے۔ اگر دلہن ناپسند ہو تو دولہا اب بھی واپس جاسکتا ہے"۔

بعض نالائق دکھاتے تو ایک لڑکی کو ہیں اور عین وقت پر عقد کے لئے دوسری لڑکی بٹھادی جاتی ہے۔ یہ اس کی روک تھام ہے۔ پھول شکر نچھاور کرتے وقت چونکہ دولہا دلہن کو دیکھ لیتا ہے لہذا اب اس کے بدلنے کا موقع باقی نہیں رہتا۔

تیسری مصلحت یہ کہ ذہنی طور پر دونوں کو ایک دوسرے سے قریب کردینا ہے۔

آرسی مصحف کی رسم آرسی مصحف کی رسم جو وداعی سے پیشتر بوقت جلوہ انجام دی جاتی ہے اس کی مصلحت حضرت نے یہ بتلائی کہ دولہا دلہن پر چادر ڈال کر آئینہ میں دولہا کو ایک نظر دیکھ لینے کا دلہن کو موقع فراہم کیا جاتا ہے تاکہ دلہن دولھے کی پرچھائیں دیکھ لے اور اس کی صورت شکل سے واقف ہوجائے۔ بعض وقت ایسے واقعات بھی پیش آجاتے ہیں کہ آدمی مجبوراً شادی کرلیتا ہے اور اپنی حالت کا اندازہ کرا دینے اور شادی سے انکار کردینے کی جرات نہیں رکھتا۔ اور اپنا عیب پوشیدہ رکھنے کی خاطر حجلہ عروسی میں عین وقت پر اپنے کسی دوست کو پہنچا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں لڑکی دولہا کی پرچھائیں دیکھ لینے کے باعث اجنبی کے شر سے بچ جاتی ہے۔

جمعگیوں کا مقصد پہلے پانچ جمعگیوں تک دلہن کو گھونگھٹ میں رکھتے تھے۔ اب یہ رسم ختم ہوتی جارہی ہے۔ حضرت فرماتے تھے اس میں مصلحت یہ ہے کہ دلہن کو گھونگھٹ میں سے گھر کے طور طریق سسرالی عزیزوں کے رشتے ناتوں سے واقف ہوجانے اور ان کی طبیعتوں کا اندازہ لگالینے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ خود کو ماحول کے مطابق ڈھال سکے اور ہر ایک سے اس کے اعتبار سے روابط قائم کرسکنے میں اس کو مدد ملے۔

دوسرا مقصد دونوں طرف کے افراد خاندان میں باہم خلوص و محبت اپنائیت اور یگانگت پیدا ہوسکنے کے مواقع فراہم کرنا بھی ہے۔

بیک وقت دو پوتیوں کی شادی

عام طور پر جاہلوں میں دولھوں کا آمنا سامنا کسی ایک پر بھاری خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت نے اپنے صاحبزادے مولوی حسن محی الدین صدیقی کی دو لڑکیوں کی شادی ایک ہی دن تاریخ ، ایک ہی وقت میں اپنے دولت خانہ پر مقرر فرمائی تھی۔ دو مسندیں بازو بازو بچھائی گئی تھیں۔ اور پھولوں کا منڈپ یہاں سے وہاں تک تھا۔ حضرت درمیان میں تھے۔ بڑی لڑکی کا دولھا حضرت کی سیدھی جانب اور دوسری لڑکی کا دولھا بائیں جانب کی مسند پر رونق دہِ محفل تھا۔

پہلے بڑی لڑکی کا عقد میرے چوتھے بھائی محمد اعظم الدین صدیقی سے ہوا۔ اس کے بعد دوسری لڑکی کا عقد حضرت کے چچازاد بھائی نواب اظہر جنگ بہادر کے نواسہ اور نواب میر یسٰین علی خاں چیف انجنیئر ریلوے کے فرزند عابد علی خاں عرف عابد نواب سے ہوا۔

شادی کی یہ تقریب بھی تاریخی تھی۔ ایک فقیرِ کامل کا نواسہ دوسرا جلیل القدر نواب کا نواسہ ایک نہایت سادہ ، دل موہ لینے والا۔ دوسرا نہایت زرق برق اثر انداز ہونے والا۔

ان دونوں کی آمد کا حال بھی سنئے۔ ہمارے والد نے وقت پر پہنچنے کا پورا اہتمام کیا۔ عقد کا وقت ٹھیک چھ بجے شام دیا گیا تھا۔ والد ، دولھا کو ساتھ لے کر گھر سے ایسے وقت نکلے کہ دو تین منٹ قبل حضرت کے دولت خانہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ دولھا کی موٹر جب مدینہ منزل کے گیٹ میں داخل ہوئی تو چھ بجنے میں ایک منٹ باقی تھا۔ حضرت نے گھڑی دیکھی اور حاضرین سے پوچھا کونسا دولھا آیا؟ لوگوں نے بڑھ کر عرض کیا حضرت بڑا دولھا آیا ہے۔

ادھر نواب یسٰین علی خان اپنے فرزند کو ساتھ لئے بیانڈ ، باجوں اور برات کے ساتھ آرہے تھے۔ چادر گھاٹ کے پل سے آگے بڑھنے کے بعد انھوں نے گھڑی دیکھی اور شوفر سے کہا گاڑی نہایت تیز رفتاری کے ساتھ لے چل۔ بیانڈ والے اور سارے براتی دیکھتے رہ گئے اور دولھا کی موٹر نظروں سے غائب ہوگئی۔ جس وقت موٹر مدینہ منزل کے گیٹ میں داخل ہوئی اس قت ٹھیک چھ بجے تھے۔ ابھی بڑا دولھا سیڑھیاں چڑھ ہی رہا تھا کہ دوسرا دولھا بھی پہنچ گیا۔ حضرت کے پاس وقت کی پابندی کا بڑا لحاظ تھا۔ دولھوں کی اس طرح آمد پر لوگ حیران ہوئے اور داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

دولھوں کی آمد پر جو سینیارٹی قائم رہی اس پر لوگوں نے بطور خاص ہم کو مبارکباد دی۔ خود حضرت بھی بے حد محظوظ ہوئے

دونوں کا خطبہ نکاح یکے بعد دیگرے مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب نے پڑھا۔ عقد کے بعد لوگ مبارکباد دینے پہنچنے لگے تو دونوں مسندوں پر ایک اژدھام ہوگیا۔ جب لوگ مل کر ہٹے تو موقع کے منتظر دونوں دولھے آگے بڑھے۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دی اور فرطِ مسرت سے باہم بغل گیر ہوگئے۔

الحمد للہ دونوں صاحبِ اولاد ہیں اور نہایت خوش و خرم ہیں۔ اس مثالی تقریب کے بعد اسی قبیل کی کئی شادیاں دیکھنے میں آئیں

میرے منجھلے بھائی مولوی محمد وقار الدین صدیقی کی شادی حضرت کی پوتی مولوی عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی صاحبزادی کلثوم بیگم سے حضرت ہی کی سرپرستی میں ہوئی۔ دولھا کو حضرت اپنی موٹر میں مدینہ منزل سے کالی کمان مقامِ عقد پر

ساتھ لائے۔ دولھا ہلکے پنک کلر کی شیروانی اور رومی ٹوپی میں تھا۔ گلے میں پھولوں کے ہار اور رومی ٹوپی پر پھولوں کا سر پیچ لپٹا ہوا ڈرائیور کے بازو دولھا اور پیچھے کے حصہ میں حضرت اور میرے والد مع اپنے چھوٹے فرزندوں کے حضرت کے ساتھ تھے۔ جب حضرت کی موٹر ملک پیٹ صرفخاص پلٹن کی مسجد کے سامنے سے گزرنے لگی تو دولھا کو یاد آیا کہ نمازِ عصر ادا کرنا رہ گیا ہے۔ انھوں نے دبی آواز سے والد سے عرض کیا۔ والد نے حضرت سے معروضہ کیا کہ "حضرت اجازت ہو تو دولھا مسجد میں نماز پڑھ لیتا ہے" حضرت نے فرمایا "باوا! مسجد میں نماز ایسے دولھوں کو پڑھایا جاتا ہے جو نماز نہیں پڑھتے کہ کم از کم شادی کے دن تو نماز پڑھ لیں۔ یہ تو نماز کا پابند بلکہ دوسروں کو نماز پڑھانے والا ہے۔ اس کو نماز پڑھانے کی کیا ضرورت؟ والد ادباً خاموش ہوگئے۔ اور یہ عرض نہ کرسکے کہ دولھا نماز عصر ادا کرنا چاہتا ہے۔ موٹر آگے بڑھ گئی۔ اتنے میں حضرت نے شوفر سے کہا "موٹر روکو" پھر والد سے کہا "میں پیسوں کا بٹوا گھر میں بھول آیا ہوں کسی بچہ کو دوڑا کر منگوالو"۔ چنانچہ میرے ایک بھائی دوڑے اور پرس لاکر خدمت میں پیش کردیا۔

محفلِ عقد میں پہنچنے کے بعد حضرت نے گھڑی دیکھی اور فرمایا "ہم وقتِ مقررہ سے چند منٹ تاخیر سے پہنچے ہیں۔ مگر یہ تاخیر دولھا کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ میری وجہ سے ہوئی ہے۔ دولھا نے وہیں ایک بازو نماز عصر ادا کی اور مسند پر آ بیٹھا۔ جن لوگوں نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی وہ دولھا کے پیچھے صف بستہ ہوگئے۔ سید محمد بادشاہ حسینی صاحب نے خطبہ دیا۔ نمازِ مغرب کی امامت بھی دولھا نے کی جس میں حضرت شریک تھے۔

جلوہ کے موقع پر حضرت کی جو عنایتیں میرے شریکِ حال تھیں وہی عنایتیں بھائی وقار کو بھی نصیب ہوئیں۔ الحمد للہ۔

حضرت کا خوشیوں کی تقاریب میں شرکت فرماکر خوشیوں کو دوبالا کردینے کا سب کو احساس اس وقت شدت سے ہوا جب کہ حضرت کی پوتی مولوی عبدالرحیم صاحب صدیقی کی منجھلی لڑکی حسینی بیگم کی شادی ان کے ماموں زاد بھائی محمد امجد حسین صدیقی سے مدینہ منزل میں ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ حضرت کے تمام جسم پر سوائے چہرہ انور کے چھالے نکل آئے تھے اور ان چھالوں میں شدید تکلیف تھی۔ چھالوں کو اسٹرلائیز انجکشن کی سوئی سے چھوکر اس میں کا پانی جو گرم ہوتا تھا کپڑے میں جذب کرلیا جاتا تھا۔ اس سے حضرت کو گونہ تکلیف ہوتی تھی۔ چھالے جب پانی سے بھر جاتے تو بے انتہا خراش کی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ سوزش اس قدر تھی کہ جسم پر کپڑا رہنا نہایت تکلیف دہ ہوتا تھا۔ مجبوراً حضرت کرتے اور لنگی میں رہا کرتے تھے۔ اسی تکلیف کے عالم میں جب عقد کا وقت قریب آیا تو حضرت نے کپڑے منگوائے۔ کرتہ اور پاجامہ پہنا۔ جامہ وار کی شیروانی زیب تن فرمائی۔ سر پر عمامہ باندھا اور اس طرح محفلِ عقد میں شریک ہوئے جس طرح صحت کی حالت میں شرکت فرماتے تھے۔ چہرہ مسرت سے کھلا ہوا تھا عقد کے بعد لوگ مبارکباد دینے ملنے لگے تو اسی مسکراہٹ کے ساتھ ان سے ملاقات فرمائی جو ہمیشہ کی عادت تھی۔ ہم لوگ نہایت متفکر اور پریشان تھے کہ اس وقت شیروانی میں ملبوس ہونے کے باعث نہ معلوم جسم کا کیا حال ہورہا ہوگا اور حضرت پر کیا کچھ نہ گزر رہی ہوگی۔ ناواقف تو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ حضرت کس حال میں ہیں۔ دلہن والوں کی جانب سے مہمانوں کی جو ضیافت کی جاتی ہے وہ حضرت کی جانب سے تھی۔ جب عام مہمان رخصت ہوئے اور صرف اعیان رہ گئے تو حضرت نے اپنے کمرہ میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ خادمین جو خدمت میں حاضر رہتے تھے اور تیمارداری کرتے تھے۔ ان کے سہارے کمرہ میں تشریف لے گئے۔ شیروانی اور عمامہ اتارا گیا۔ کرتے اور پائجامہ کا یہ عالم تھا کہ جسم کو چمٹ گیا تھا۔ لوشن سے کپڑوں کو تر کیا گیا تاکہ علحدہ کرنے میں آسانی ہو۔

باوجود اس کے کرتہ اتارتے وقت آبلے کرتے کو چمٹ جانے کے باعث علٰحدہ ہوتے گئے اور سارا جسم لہولہان ہوگیا۔ مگر حضرت اس قدر اطمینان سے گفتگو فرمارہے تھے گویا کوئی بات ہی نہیں ہے جو قابلِ توجہ ہو۔

اسی تکلیف کے دوران حضرت کے چچازاد بھائی نواب صدیق یار جنگ بہادر رکنِ عدالت العالیہ کے فرزند اکبر احسن اللہ صاحب کی شادی میں اپنے مرحوم بھائی کی نیابت کے مدنظرِ شرکت فرمائی تھی اور پورے اہتمام کے ساتھ اور موٹر میں دولھا کے ساتھ تھے وہاں بہت دیر تک ٹھہرے بھی رہے۔ جب گھر واپس ہوئے تو تبدیلِ لباس کے وقت وہی حالت درپیش ہوئی جو اوپر بیان ہوئی۔

غم کے مواقع

صاحبزادی آمنہ بیگم کا انتقال حضرت کی صاحبزادی آمنہ بیگم عین عالمِ شباب میں داغِ مفارقت دے گئیں۔ یہ صاحبزادی حضرت رابعہ بیگم صاحبہ کے بطن سے تھیں۔ جب بیماری نے شدت اختیار کی اور حالت نوبتِ احتضار تک پہنچی تو حضرت کی زوجہ محترمہ نے حضرت سے عرض کیا "میاں بچی کے لئے دعا فرمایئے۔ آپ کی بچی ہے کچھ تو کیجئے"۔ حضرت نے جواب دیا "تمہارے پاس روپیہ ہے پیسہ ہے ڈاکٹروں کو بلواؤ جو ہوسکتا ہے کرو"۔ مولانا بادشاہ حسینی صاحب جو عیادت کی غرض سے تشریف لائے تھے حضرت کے اس جواب سے بے چین ہوگئے۔ رہا نہ گیا تو عرض کیا "حضرت دعا فرمائیں" حضرت نے ارشاد فرمایا "دعا کرنے سے میں نے کسی کو روکا تو نہیں ہے اگر آپ سے ہوسکتا ہے تو کیجئے"۔ حضرت کے اس طرح جواب دینے سے ان کو اندازہ ہوگیا کہ یہ سب کچھ منشائے الٰہی کے تحت ہورہا ہے اور واپس ہوگئے۔

یہ واقعہ رکاب گنج کے گھر کا ہے۔ حضرت بڑے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اور صاحبزادی منجھلے گھر میں عمر کی گھڑیاں پوری کررہی تھیں۔ دم آنکھوں میں کھیل رہا تھا اور نظریں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ کسی نے حالت کا اندازہ کرکے حضرت سے جاکر عرض کردیا "حضرت صاحبزادی آپ کو پکار رہی ہیں" حضرت بڑے گھر میں تھے یا پھر منجھلے گھر میں بچی کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔ رنگ متغیر ہوگیا۔ وہی دو منتظر آنکھیں مایوس نظروں سے سب پر گزرتی ہوئیں حضرت کے چہرہ مبارک پر رکیں اور جم گئیں۔ یکایک چمک اٹھیں۔ زبان پر اللہ کا نام جاری ہوا اور اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ حکمِ الٰہی جب نافذ ہوتا ہے تو پھر کسی کی کچھ نہیں چلتی۔ حضرت کی خاموشی اور سکوت منشائے الٰہی تھا۔ جب جانے والی جاچکی تو حضرت بڑے گھر میں واپس آگئے۔ انتظامات کرنے والے تجہیز و تکفین کے بندوبست میں لگ گئے۔

صبر کا وقت صبح سے حضرت نہایت خاموش تھے، ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ رابعہ بیگم صاحبہ نے حضرت کے لئے چاء تیار فرمائی۔ اسنے میں مولانا بادشاہ حسینی صاحب صاحبزادی کی کیفیت معلوم کرنے دوبارہ تشریف فرما ہوئے۔ محترمہ نے حضرت کے ساتھ بادشاہ حسینی صاحب کے سامنے بھی چائے پیش فرمائی۔ مولانا نے چائے پیتے ہوئے صاحبزادی کی کیفیت دریافت کی۔ محترمہ نے جواب دیا "پاشا جو ہونا تھا ہوچکا جس کی امانت تھی اس کو پہنچ گئی"۔ مولانا نے فرمایا "آپ کا اطمینان دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ چائے بنارہی ہیں حضرت بھی نوش فرمارہے ہیں اور تواضع بھی فرمارہی ہیں خیال ہوا شاید طبیعت سنبھل گئی ہے" محترمہ نے فرمایا "پاشاہ وہ حرکت کا وقت تھا اور اب صبر کا وقت ہے، رو پیٹ کر اللہ سے راضی ہوجانا بھی کوئی راضی ہونا ہے۔ وقت پر راضی رہنا ہی اصل ہے"۔

صاحبزادی خدیجہ بیگم کا انتقال حضرت کی صاحبزادی میری والدہ خدیجہ بیگم صاحبہ عرف بی جانی تقریباً ۴۹ سال کی عمر میں وفات پائیں اور اپنے پیچھے چھ نرینہ اولاد چھوڑ گئیں۔ اپنے باپ سے جو مرشد بھی تھے ان کو عشق تھا اور نسبت بڑی قوی تھی اور یہی نسبت اُن کے ہمیشہ پیشِ نظر رہی۔ یا رسول اللہ کا ایک ورد تھا جو ان کی سانس سے جاری تھا۔ راضی بہ رضا رہنا مشکلات میں سے ہنستے ہنستے گزر جانا ورثہ میں ملا تھا حضرت نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔ فقیرنی ہے، عورتوں میں کی مرد ہے" آخری زمانہ میں مرض استسقاء میں مبتلا ہوئیں۔ بیماری نے طول کھینچا تو حضرت کی بڑی صاحبزادی نے جو حضرت کے ماموں اور مرشد حضرت خواجہ میاں کی بہو تھیں بیمار بہن کو مع متعلقین اپنے گھر قاضی پورہ بلوالیا۔ والدہ کا آخری زمانہ خواجہ کے قدموں میں گزرا۔

حضرت کے نانا اور دادا پیر حضرت میر پرورش علی صاحب المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی قدس سرہ کے عرس کا زمانہ تھا۔ والدہ کی طبیعت زیادہ خراب تھی۔ زندگی کی گھڑیاں پوری کر رہی تھیں مگر ہوش و حواس پوری طرح درست تھے۔

۲۴/ ربیع الثانی کو چراغوں کی محفل میں حضرت کی تشریف آوری ہوئی۔ نمازِ مغرب کے بعد کچھ دیر صحنِ مسجد ہی میں تشریف فرما رہے۔ اندر والدہ، باوا کا نام سنتے ہی ملنے بے چین ہوگئیں۔ بار بار کہنے لگیں "باوا جان سے کوئی جاکر کہے ذرا تشریف لائیں میں مل لیتی ہوں۔ صورت دیکھ لیتی ہوں۔

حضرت کے ایک خادم بھائی غلام حسین بیگ وکیل جو حضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ والدہ کا پیام سنا تو بڑھ کر عرض کیا "حضرت صاحبزادی بیمار ہیں، حالت نازک ہے۔ یاد کر رہی ہیں۔ ملنے بے قرار ہیں" حضرت نے جواب دیا "ان سے کہو اللہ کو یاد کریں، جب دوبارہ معروضہ کیا گیا تو فرمایا "کیا باوا باوا۔ اللہ کو یاد کرو بولو"۔

صحنِ مسجد سے اٹھے سماع میں شرکت فرمائی۔ خادمین کو ساتھ لے کر تبرک نوش کیا۔ عرس کے بازار سے بچوں کے لئے کھلونوں میں لکڑی کی تلواریں۔ لکڑی کے جھنے اور ہوائی پستول خریدے اور موٹر میں سوار ہوگئے۔ بھائی غلام حسین بیگ نے پان پیش کرتے ہوئے عرض کیا "صاحبزادی قدم بوسی کرنے اور صورت دیکھنے بے قرار ہیں اگر سرکار تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے تو ان کو تسکین ہوجاتی"۔ حضرت نے جواب دیا "ہم تو گھر جارہے ہیں" غلام حسین بیگ صاحب نے جرأت کر کے عرض کیا۔ آپ مرشد ہیں مریدنی کی ایسی حالت میں تشریف نہ لے جائیں تو پھر کس دن کے لئے؟ ارشاد ہوا "باوا وہ بیٹی بھی تو ہے" انھوں نے اصرار کیا تو فرمایا "ارے بھولے! جب تک دنیا کے رشتے نہ ٹوٹیں خدا سے رشتہ نہیں جڑ سکتا۔ السلام علیکم، ہم تو چلے" اور موٹر روانہ ہوگئی۔

۲۵/ ربیع الثانی کو ختم کی محفل میں خلافِ عادت تشریف فرمائی نہیں ہوئی۔

محفلِ سماع حضرت یحییٰ پاشا قبلہ سجادہ نشین کی سرپرستی میں نہایت پُر کیف انداز میں جاری تھی۔ ایسے میں حضرت کے فرزند ابو القاسم محمد صدیقی عرف محمد پاشا کو بہن کی یاد ستائی تو سماع سے اٹھ کر اندر پہنچے۔ ان کا بیان ہے کہ میں "آپا سے ملا تو ہاتھ اٹھا کر خوب دعائیں دیں اور سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ان کے قلب کا میرے قلب پر اثر پڑا تو میرے قلب سے بے اختیار یا رسول اللہ جاری ہوگیا"۔ ادھر صاحبزادے صاحب باہر نکلے اُدھر صاحبزادی یا رسول اللہ یا رسول اللہ کہتے کہتے رسول اللہ کے اللہ پر ختم ہوگئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اور ساتھ ہی عرس کی محفل بھی اختتام کو پہنچی۔ والدہ کے انتقال فرماجانے کی خبر نہایت سرعت کے ساتھ

عرس میں شرکت کرنے والوں میں پھیل گئی ۔ والدہ نہایت ہر دلعزیز تھیں اور حضرت عبدالقدیر کی صاحبزادی تھیں ۔ سارے لوگ میت کے گھر میں ٹوٹ پڑے ۔ حضرت کو فوری اطلاع دی گئی ۔ حضرت تشریف لائے ۔ سفید چوبغلہ زیب تن تھا۔ لوگوں نے پہلی بار حضرت کو سیاہ عمامے میں دیکھا۔ جس میں حضرت کی آنکھیں شدت غم کی ترجمان تھیں ۔ حضرت سیدھے اپنے خواجہ کی مزار پر پہنچے اور چوکھنڈی کے قریب رومال کا حدوا ڈال کر تشریف فرما ہوگئے ۔ حضرت کا یہ نواسہ قدم بوس ہوا تو سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ماں کی جدائی پر شدت غم میں قدموں سے لپٹ گیا تو فرمایا " باوا ! ایک اللہ مل گیا تو سب مل جاتے ہیں ۔ سرکار (صلی اللہ علیہ و سلم) بھی مل جاتے ہیں اور ماں بھی مل جاتی ہے "۔ حضرت کے اس ارشاد سے دل میں سکون اور اطمینان کی کیفیت پیدا ہوگئی ۔

غسلِ میت کے بعد آخری دیدار کے لئے خاندان جمع ہوا تو حضرت بھی اندر تشریف لائے ۔ چھوٹے چھوٹے بچے نانا کو حسرت سے کھڑے تک رہے تھے ۔ ماں کی میت بھی دیکھتے جاتے تھے ۔ نہایت حسین ، خوبصورت اور منور چہرہ آج تک نظروں میں ہے ۔ حضرت پہلے سے تین بیویوں اور کئی بچوں کا غم اٹھاچکے تھے ۔ اس مرتبہ خلافِ عادت حضرت کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بے شمار آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے ۔ عورتوں کے آنچل اور مردوں کی دستیاں تر ہوگئیں ۔ فقط آنسو تھے جو سب کی آنکھوں سے رواں تھے ۔ نہ بین نہ ماتم نہ ہائے ہائے نہ وائے وائے ۔ والد جو نہایت سنجیدہ و متین انسان تھے ان کی آنکھیں سرخ سرخ ہوگئی تھیں اور بڑی مشکل سے خود کو قابو میں رکھے ہوئے تھے ۔ حضرت کی آنکھوں سے آنسو رواں دیکھ کر وہ حدیث پیش نظر ہوگئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صاحبزادے ابراہیم کے انتقال کا ذکر ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ و سلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے ۔ اور فرمارہے تھے " اے ابراہیم ! ہم تمہاری جدائی میں مغموم ہیں "۔ مگر سرکارؐ کا دل اللہ سے راضی تھا ۔ یہی اقتضاء تھا جسے حضرت پورا فرمارہے تھے ۔ آنکھوں کو ان کا حق دے رہے تھے ۔ اور آنسو رواں تھے ۔ اور دل کو اس کا حق دے رہے تھے اور دل خدا سے راضی تھا۔ فقیر کے لئے بڑی مشکل ہے ۔ ذرا ذرا سے میں گرفت ہے ۔ تکلیف کا اثر بھی قبول کرے اور خدا سے ناراضگی کی کیفیت کا شائبہ بھی دل پر نہ آنے دے ۔ ان متضاد کیفیات کا بہ یک وقت حق دینا اور پورے کمال اور اعتدال کے ساتھ دینا بجز اللہ کے فضل کے ممکن نہیں ۔

نمازِ جنازہ وہیں مسجد النور میں ادا کی گئی اور تدفین محبوب آباد حال باقرنگر نزد عیدگاہ جدید قریب تالاب میر عالم عمل میں آئی جہاں حضرت کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت بادشاہ بیگم اور دوسری زوجہ محترمہ حضرت عائشہ بیگم ، حضرت کے فرزند اکبر مولوی عبدالعزیز صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ امۃ اللہ بیگم اور حضرت کی دیگر صاحبزادیاں اور صاحبزادے اور کئی محترم ہستیاں آسودہ خاک ہیں ۔

بعدِ تدفین حضرت نے اپنے بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحب سے فرمایا " چھوٹے میاں ، تلقین تم کرو "۔ انھوں نے عرض کیا " بھائی آپ خود تلقین کریں تو مناسب ہے "۔ حضرت نے فرمایا " تم اور میں الگ ہیں ؟ " تم تلقین کرو "۔ چنانچہ عبدالمقتدر صاحب قبلہ نے قبر پر ہاتھ رکھ کر تلقین شروع کی اور حضرت نے آسمان کی طرف ایک نظر ڈالی اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا " تیرے گلے کا ہار بھلا "۔ اور واپس ہوگئے ۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد فرمایا "بی جانی کے انتقال سے میری کمر میں گرہ پڑگئی ہے"۔ ایک مرتبہ فرمایا "بی جانی کیا گئے قوالی کا مزہ جاتا رہا۔ میری والدہ قوالی بہت شوق سے سنتی تھیں۔ اور اندر چلمن میں باوا سے قریب تشریف فرما رہتی تھیں۔ عورتیں ان سے ملتیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا گویا وہ حضرت سے مل رہی ہیں۔ ان کو بڑی تسکین ہوتی تھی۔ قوالی کے بعد حضرت اندر تشریف لاتے تو پوچھتے بی جانی کہاں ہیں۔ اپنی بیٹی سے مل کر بےحد خوش ہوتے اور قوالی کے بارے میں ان کے تاثرات معلوم کرتے۔

ایک مرتبہ میری والدہ مدینہ منزل تشریف لے گئیں۔ صحن بےحد وسیع تھا۔ وہ صحن سے گزر رہی تھیں۔ حضرت کے صاحبزادے حسینی پاشاہ صاحب کا بیان ہے کہ "میں دالان میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپا کے قریب آجانے تک میں یہ سمجھتا رہا کہ باوا جان تشریف لارہے ہیں۔ اصل میں رات دن مرشد کے تصور میں رہنے کی وجہ سے بہن کی مثالی شکل دیکھ کر حسینی پاشا صاحب کو ایسا خیال ہوا۔ اس بات سے ہماری والدہ کے فنافی الشیخ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت کا والدہ کے تعلق سے یہ فرمانا کہ فقیرنی ہے، عورتوں کی مرد ہے" بلا وجہ نہیں ہے۔

حضرت قبلہ کی صاحبزادی خواجہ بیگم صاحبہ، حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحبؒ کی منجھلی بہو تھیں۔ ان کو پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے۔ بڑا لڑکا داغ مفارقت دے گیا۔ یہی وجہ تھی کہ بعد کا لڑکا عزیز از جان تھا۔ سب سے چھوٹی لڑکی کا انتقال ہوئے چار ہی دن ہوئے تھے کہ دوسرا لڑکا بھی چل بسا۔ یہ کچھ کم سانحہ نہ تھا۔ ان پر تو گویا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

حضرت مقتدر منزل واقع براق پہنچی تشریف لائے۔ صاحبزادی نہایت بےقرار تھیں، والد کو لپٹ کر خوب روئیں۔ حضرت خاموش تھے۔ عبدالمقتدر صاحب قبلہ نے عرض کیا "بھائی کچھ تسلی آمیز الفاظ فرمائیے تاکہ اس کو کچھ تو قرار آئے"۔ صاحبزادی کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا "تم اور اتنے بےقرار! میری بیٹی اور اس قدر روتی ہے! میرے پاس اپنے کلیجہ پر آپ نمک مرچ چھڑک کر اور آگ پر بھون کر چبانا ہے۔ اور اُف تک نہ کرنا ہے"۔ حضرت کے یہ ارشادات سننے کے بعد ان کی بےقراری تسلیم و رضا سے بدل گئی۔ اور وہ اللہ سے دعا کرنے لگیں کہ "ان بچوں کے نعم البدل میں بس ایک تو مل جا"۔

حضرت کے ماموں زاد بھائی اور پیر زادے حضرت یحییٰ پاشاؒ جب اپنے رب سے جاملے اور زندہ جاوید ہوگئے تو عجب عالم تھا۔ عزیز و اقارب، مریدین، معتقدین، محبین کا ایک اژدھام تھا۔ گویا قاضی پورہ میں ایک قیامت برپا تھی۔ ایسے میں حضرت کی تشریف آوری ہوئی۔ اس وقت غسل میت کے بعد عورتوں کو آخری دیدار کا موقع دیا جارہا تھا۔ حضرت کو دیکھتے ہی وفور غم سے ایک کہرام ہوا۔ حضرت جسدِ اطہر کے قریب پہنچے تو کسی نے روتے ہوئے عرض کیا "حضرت یحییٰ پاشا ابھی رہنا تھا"۔ حضرت نے جواب دیا "ہاں باوا! ہمارے حضرت بھی رہنا تھا، غوث پاک بھی رہنا تھا، میرے سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی رہنا تھا" اتنا سننا تھا کہ سب پر ایک سکوت طاری ہوگیا اور ایسا معلوم ہوا کہ سب کے سینے نور سکینہ سے معمور ہوگئے۔



استاذ العلماء شیخ المحدثین شمس المفسرین

بحر العلوم حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ رحمۃ اللہ علیہ سابق پروفیسر وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن



بحرالعلوم کی سالگرہ کے موقع پر لی گئی ایک یادگار تصویر

بائیں جانب سے: شیخ الاسلام حضرت سید محمد بادشاہ حسینی ـ حضرت پیر سید نجم الدین قادری گیلانی ـ بحرالعلومؒ ـ جناب حبیب علی صاحب اور محمد مصباح الدین صاحب خلفاء بحرالعلومؒ

۱۵۔ جشن سالگرہ کی ایک جھلک

حضرت کی سالگرہ حضرت کے اقرباء، احبا، مریدین اور معتقدین بڑے ہی اہتمام سے مناتے تھے۔ صبح سے گلپوشی کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔ حضرت اپنی سالگرہ کے موقع پر اپنے پیر و مرشد کی مزار پر چڑھانے پھول اور غلاف روانہ فرماتے۔ اسی روز حضرت کی طرف سے فدیہ بھی دیا جاتا تھا۔ نمازِ مغرب کے ساتھ ہی سالگرہ کا پروگرام شروع ہوتا۔ محفلِ سماع منعقد ہوتی۔ حیدرآباد کے بیشتر مشائخین، فقراء، پروفیسرس، شاگرد، مرید، معتقدین، محبین جن میں امراء، عہدہ دار وغیرہ سب ہی ہوتے شریکِ جشن رہتے۔ بڑا اجتماع ہوتا۔ جشنِ سالگرہ کے انتظامات میں سو (۱۰۰) کے لگ بھگ آدمی مصروف رہتے تھے۔ مفوضہ کام کی تفصیلی فہرست پہلے سے تیار کی جاتی تھی۔ اور نام کے محاذی دستخطِ اطلاع یابی لے لی جاتی تھی۔ ہر شخص اپنا مفوضہ کام پوری ذمہ داری سے انجام دیتا تھا۔ زنانہ میں قادریات انتظامات میں حصہ لیتی تھیں۔ جو زرد رنگ کے بانے میں ملبوس رہتیں۔ اور حضرت کے اسم گرامی کا مونوگرام بطورِ بیاج لگائی ہوئی ہوتیں۔ امتیازی لباس اور بیاج کے باعث ان کو انتظامات کرنے میں سہولت بہم پہنچتی اور مستورات کو ان سے ضرورت پر مدد لینے میں آسانی ہوتی۔ سالگرہ کے دوسرے دن تمام منتظمین کو حضرت اپنی طرف سے ایٹ ہوم پر مدعو فرماتے اور سالگرہ کی تفصیلات سے بھی واقفیت حاصل کرتے۔

حضرت امام جعفر صادقؓ کی فاتحہ کا اہتمام سالگرہ کے موقع پر دورانِ سماع لوگ حضرت کی خدمت میں پھولوں کے ہار پیش کرتے وقفہ وقفہ سے حضرت ہار اتارتے جاتے۔ ہاروں کے انبار لگ جاتے باوجودیکہ حضرت اپنے صاحبزادوں، خلفاء اور دیگر حضرات کو اپنے گلے سے ہار اتار کر پہنا بھی دیتے تھے۔ جس کو ہار عنایت ہوتا اس کی خوشی کی انتہاء نہ رہتی۔ دوسرے لوگ بھی اس کو خوش نصیب سمجھتے۔ حضرت کی جانب سے سالگرہ میں شرکت کرنے والوں کی تناول طعام سے ضیافت کی جاتی۔ حضرت اپنی سالگرہ کے روز حضرت امام جعفر صادقؓ کی فاتحہ کا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت پیر نجم الدین گیلانی کی شرکت اکیانویں سالگرہ کے موقع پر پیر نجم الدین گیلانی نے بھی شرکت فرمائی۔ پیر صاحب کے تشریف لانے سے پیشتر حضرت نے لوڈ اسپیکر پر اعلان کروادیا کہ "کوئی شخص پیر صاحب کو ہاتھ نہ لگائے، اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر صرف سلام کرے" پیر صاحب کے استقبال کے لئے مخصوص حضرات متعین کئے گئے تھے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے پیر صاحب کو خوش آمدید کہا گیا۔ لوگوں نے حضرت کے حجرہ شریف تک راستہ بنادیا اور دو رویہ کھڑے ہوگئے۔ مولانا بادشاہ حسینی صاحب اور حضرت کے صاحبزادے محی الدین پاشا پیر صاحب کی رہنمائی کرتے آگے آگے چل رہے تھے۔ پیر صاحب کے جلو میں حضرت کے متعین کردہ چند مخصوص حضرات تھے۔ پیر صاحب سب کا سلام لیتے آگے بڑھ گئے اور حضرت کے حجرہ میں داخل ہوگئے۔ اور حضرت سے ملاقات فرمائی۔ حضرت کرسی پر تشریف فرما تھے۔ اپنی مسہری پر حضرت نے پیر صاحب کو بٹھایا۔ حضرت کے بڑے داماد اور پیرزادے حضرت فقیر پاشا مع اپنے فرزند صادق پاشا کے حضرت کے پاس پہلے سے موجود تھے۔ مولانا بادشاہ حسینی صاحب کے لئے بھی حضرت نے کرسی رکھوائی تھی۔ خاصہ کا میز چنا گیا۔ خاصہ کے دوران پیر صاحب نے حضرت سے فرمایا" آپ کا وجود عالم کے لئے باعثِ خیر و برکت ہے۔ آپ کا نقصان قوم کا نقصان ہے۔ آپ کی ایسی کئی سالگرہ

منانا سب کو نصیب ہو" حضرت نے دریافت فرمایا "کیا آپ اس کی تصدیق فرما رہے ہیں" پیر صاحب نے جواب دیا "بے شک میں اس کی تصدیق کر رہا ہوں، اسلام میں آپ کو مرکزیت حاصل ہے" حضرت چونکہ قادری تھے۔ غوث پاک کی نسبت سے پیر صاحب کا احترام ملحوظ رکھنے لگے تو پیر صاحب نے حضرت سے فرمایا "آپ کی بزرگی مسلم ہے۔ آپ میرے جد کی جگہ ہیں۔ مجھے آپ اپنے نواسوں میں شریک فرمالیں تو میرے لئے موجبِ سعادت ہے"۔

خاصہ سے فراغت کے بعد حضرت فقیر پاشا کو جلسہ گاہ میں لایا گیا۔ حضرت نے اپنے پیر زادوں کے لئے اپنی مسند کے قریب تخت پر جگہ رکھی تھی۔ فقیر پاشا نے فرش پر بیٹھنا چاہا۔ ان سے عرض کیا گیا کہ حضرت نے تخت پر اپنے قریب آپ کی جگہ رکھی ہے چنانچہ وہ مسند کے قریب اپنے فرزند کے ساتھ تشریف فرما ہوگئے۔ مولانا بادشاہ حسینی صاحب کے ساتھ پیر صاحب کی جلسہ گاہ میں تشریف آوری ہوئی۔ پیر صاحب کی خدمت میں صوفہ پیش کیا گیا۔ وہ بھی نیچے بیٹھنے پر مصر تھے یہ معلوم کرکے کہ حضرت نے ان کے لئے بطور خاص صوفہ رکھوایا ہے۔ حاضرین کو مخاطب کرکے معافی چاہتے ہوئے فرمایا "میں حضرت کے حکم کی بناء پر بیٹھ رہا ہوں" صوفہ پر تشریف فرما ہوگئے۔ مولانا بادشاہ حسینی صاحب کو مسند کے قریب مقررہ جگہ پر بٹھا دیا گیا۔

حضرت کی صحت اس قابل نہیں تھی کہ سہارے سے چل کر جلسہ گاہ تک آسکیں۔ لہذا حضرت کو متحرک کرسی پر بٹھا کر جلسہ گاہ میں لایا گیا۔ حضرت کی کرسی جس طرف سے گزرتی لوگوں کے سر تعظیم سے جھک جاتے۔ دست بوسی یا قدم بوسی کی مجال نہیں تھی۔ سفید کرتا اور سفید پاجامہ زیب تن تھا۔ سر پر زرد رنگ کا عمامہ اور سبز رنگ کا بوٹی دار نیم آستین پہنے ہوئے تھے۔ گلے میں در نجف کی تسبیح اور مکی شال حمائل تھا۔ باوجود پیری کے چہرہ کی ملاحت اور شادابی متاثر کن تھی۔ چہرہ روشن اور آنکھیں نہایت پر نور تھیں۔ لوگ دیکھ دیکھ کر درود پڑھ رہے تھے۔ کرسی سے اتر کر مسند پر بیٹھنے تک کچھ وقت لگا۔ حضرت محفل کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ پیر صاحب بھی سب کے ساتھ کھڑے حضرت کے تشریف فرما ہونے کے منتظر ہیں۔ حضرت نے پیر صاحب سے صوفہ پر بیٹھنے کی خواہش کی۔ پیر صاحب نے فرمایا "اگر حضرت کی اجازت ہو تو میں نیچے بیٹھتا ہوں" یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت کے تمام صاحبزادگان سب کے ساتھ نیچے فرش پر تھے۔ حضرت نے پیر صاحب سے فرمایا "مجھے ضعیفی کی وجہ سے نیچے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ آپ کے لئے صوفہ میں نے رکھوایا ہے۔ اور نہایت محبت اور متواضع انداز میں صوفہ پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ پیر صاحب صوفہ پر تشریف فرما ہوگئے۔ صوفہ تخت سے متصل حضرت سے قریب تھا۔

حضرت محفل کی طرف متوجہ ہوئے تو عزیز احمد خاں وارثی نے مبارک باد شروع کی۔

ساقیا بادہ و پیمانہ مبارک باشد ÷ برتو ایں محفلِ شاہانہ مبارک باشد

گلپوشی کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت نے بعض ہار روک لئے۔ پیر صاحب کو فقیر پاشاہ صاحب اور مولانا بادشاہ حسینی صاحب کو حضرت نے ہار پہنائے۔ نذر پر نذر شروع ہوئی۔ حضرت لوگوں سے نذر قبول فرماتے اور پیر صاحب کے سامنے پیش کرتے۔ اشعار پر پیر صاحب سر دھنے لگے اور خود بھی حضرت کے سامنے نذر پیش کی۔ دو تین چوکیوں تک پیر صاحب محفلِ سماع میں تشریف فرما رہے۔ جب وقار کی ٹھمری "ہرے جھنڈے کے شہزادے جی میرے پیر دستگیر" اختتام کو پہنچی تو پیر

صاحب نے حضرت سے واپسی کی اجازت لی اور واپس ہوئے ۔ جب موٹر میں تشریف فرما ہوگئے تو مولانا بادشاہ حسینی صاحب اور دیگر قادریوں نے نعرہ بلند کیا" پیر نجم الدین زندہ باد" پیر صاحب نے جواب میں نعرہ لگایا" عبدالقدیر زندہ باد" اور موٹر روانہ ہوگئی ۔

حضرت نے لوڈ اسپیکر پر امن الرسول والی دعا پڑھی اور آخر میں فرمایا لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کلمۃ حق علیہا نحی و علیہا نموت و علیہا نبعث ان شاء اللّٰہ من الامنین مطمئنین فرحین فائزین غیر خزایا ولا نادمین ولا خائبین ولا محرومین ولا مفتونین ۔ حاضرین کی زبان سے نکلا انشاء اللہ ۔ پھر مجلس برخواست ہوئی ۔ حضرت کو زنانہ میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں قادریات پھولوں کے ہار لئے بے چینی سے منتظر تھیں ۔اس سالگرہ کے بعد بیانویں اور تریانویں سالگرہ ہی منانے کا موقع حضرت کے متعلقین کو مل سکا۔ سالگرہ کی یہ تقریب بطور یادگار آج بھی ۲۷/ رجب کو صدیق گلشن میں پورے احترام اور عقیدت کے ساتھ منائی جاتی ہے ۔

۱۶۔ ایک ناقابلِ فراموش محفل

حضرت کی عمر شریف کا ترسٹھواں (۶۳) سال تھا۔ رکاب گنج کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ ماہ ربیع الاول کی بارھویں شب تھی۔ ماہانہ محفل سماع منعقد تھی جو مولود برزنجی اور قصیدہ بردہ کے بعد ہوا کرتی تھی۔ برزنجی سے پیشتر نماز مغرب کے ساتھ ہی ذکر کا حلقہ ہوتا تھا۔ اس محفل میں میں بھی شریک تھا اور اوائل نوجوانی تھی۔ بھائی وقار بھی میرے ساتھ ہی تھے۔

قوال نے مصرع پڑھا ع

"تھام لو بیاں ہماری میں واری تم پر جاؤں نبی جی"

حضرت کو کیفیت شروع ہوئی۔ داڑھی کے بال کھل گئے۔ ایک رنگ آرہا تھا ایک رنگ جارہا تھا۔ بے خبری میں باخبری کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ آنکھوں سے ایک نور نکلتا معلوم ہورہا تھا۔ وہیں کے وہیں چکر لگانے لگے۔ پھر ہاتھ بڑھائے آگے بڑھنے لگے۔ بمصداق آتشِ شوق تیز تر گردد کیفیت تیز سے تیز تر ہونے لگی۔ یہاں تک کہ لوٹنے لگے گویا ایک بجلی تھی کہ کوند رہی ہے۔ حضرت کو خلافِ عادت اس طرح لوٹتا ہوا دیکھ کر سب کے دل بے قرار ہوگئے۔ "کشتگانِ خنجر تسلیم را" والی محفل کا خیال آیا تو ہاتھوں کے طوطے اڑگئے اور ہوش رخصت۔ بھائی حبیب جعفر اور بھائی محمد حسین چیخ پڑے، حضرت چلے۔ لوٹنے کی سکت باقی نہ رہی۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑنے لگے۔ یہاں تک کہ نبضیں ساقط ہوگئیں۔ گردن ڈھلک گئی۔ سینہ بے حرکت اور جسم ٹھنڈا پڑگیا۔ ہر طرف یا رسول اللہ یا رسول اللہ کی دل دوز چیخیں تھیں۔ لوگ دھاڑیں مارتے بے خودی میں ایک کے اوپر ایک حضرت کے اطراف گرپڑے۔ کچھ دیر اور گزرتی تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ عورتوں کا چلمنوں سے نکلنا باقی تھا۔ اتنے میں حبیب علی بھائی جو نیچے دبے ہوئے قدموں سے لپٹے ہوئے تھے، چیخ پڑے۔ اٹھنے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت کے ہاتھ پاؤں میں حرکت محسوس ہورہی تھی۔ دیوانوں میں عقل کہاں تھی جو سمجھ سکیں۔ بڑی مشکل سے عقل ٹھکانے آئی۔ خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات لئے اطراف کھڑے ہوگئے۔ کچھ دیر بعد حضرت نے آنکھیں کھول دیں۔ اٹھنے کی کوشش فرمانے لگے۔ ہاتھ پاؤں ایسے جیسے ان میں جان ہی نہیں۔ بمشکل حبیب بھائی کے سہارے اٹھ بیٹھے۔ نیم وا آنکھیں رنگت میں کبھی سپیدی تو کبھی زردی۔ حبیب علی بھائی نے قدم بوسی کی ابتداء کی۔ حضرت پوری طرح محفل کی طرف متوجہ ہوگئے۔ دیوانگانِ محبت نے اپنا مظاہرہ شروع کیا۔ قوال مسلسل دہرائے جارہا تھا" میں واری تم پر جاؤں نبی جی"۔

دوسرے دن استفسار پر فرمایا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے۔ ہاتھ دیا اور غائب ہوگیا۔ حضرت نے ہاتھ تھام لیا۔ اور ساتھ لے چلے۔ کچھ دور چلنے کے بعد فرمایا" تم سے ابھی کام لینا ہے۔ واپس جاؤ"۔ اور واپس فرمادیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت مزید ۳۰ سال بقید حیات رہے۔

۱۷۔ نیند کی نیند، بیداری کی بیداری

دنیا کے لئے رات اور رات کا وقت جو سونے کے لئے سب سے بہتر ہوتا ہے اس میں حضرت کے لئے بیداری اصل پونجی تھی۔ لوگ جن ساعتوں میں سب سے بے خبر ہوتے ہیں اور میٹھی نیند کے مزے لیتے ہیں۔ حضرت ذکر الٰہی میں محو اور قربِ محبوب اور اس کے وصل کی لذت سے شاد کام رہتے تھے۔ دنیا دیکھتی تھی کہ حضرت خراٹے لے رہے ہیں اور آرام فرما رہے ہیں۔ مگر دل حاضر رکھنے والا محسوس کرتا تھا کہ یہ خراٹے عام لوگوں کے خراٹوں کی طرح نہیں ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ اوپر کی سانس سے لا الہ کی آواز اور نیچے کی سانس سے الا اللہ کی آواز نکل رہی ہے۔ اور ذکر محو و اثبات میں مصروف ہیں۔ لاآلہ محو۔ الا اللہ اثبات پھر ایسا معلوم ہوتا کہ اوپر کی سانس سے اللہ اور نیچے کی سانس سے ھو کی آواز خراٹوں میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ پھر اچانک ایسا معلوم ہوتا کہ خراٹے بند ہیں اور حضرت گہری نیند میں ہیں۔ دراصل حضرت حبسِ دم کر لیتے اور کتنی کتنی دیر تک سانس نہ لینے کی وجہ سے سینہ بے حرکت رہتا پھر سانس چلنے لگتا اور خراٹے بلند ہو جاتے۔

حبسِ دم جو لوگ خدمت کی سعادت سے مشرف رہتے طویل حبسِ دم سے گہری نیند کا دھوکا کھاتے اور اس خیال سے کہ پیر دبانے یا چپی کرنے سے حضرت کی نیند میں کہیں خلل واقع نہ ہو آہستہ سے سَرک جاتے اور حضرت کے کروٹ لینے یا بیدار ہونے کے منتظر رہتے۔ حضرت کا دنیا سے یہ انوکھا انداز بہت کم لوگوں کے پلے پڑا ہوگا۔

کلمہ طیبہ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا " کلمہ طیبہ سے خطرات و اوہام دفع ہوتے ہیں۔ اور ماسویٰ اللہ کی نفی ہوتی ہے۔ اسم جلالہ، اللہ اللہ سے استغراق پیدا ہوتا ہے۔ بیخودی آتی ہے۔ ھو اور اللہ سے بالخصوص محویت و بے خودی آتی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا " ایک بات یاد رکھو ! کہ ہر سلیبل پر الگ توجہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے اَل اور لاہ دو سلیبل میں کہنے کے بجائے ھو۔ ھو کو جتنا چاہیں لمبا کریں۔ زبان سے کہنے کی بھی حاجت نہیں۔ بلکہ دل سے ھو کو بہت لمبا کر سکتے ہیں۔ جتنا لمبا کریں گے اتنی دیر تک کوئی دوسرا خطرہ نہیں آسکتا۔ مشق اور عادت سے خیال کو ایک نقطہ پر جمنے کی عادت ہوتی ہے۔ غیر خدا کی طرف توجہ ہی بری بلا ہے۔ ادھر اُدھر کے خطرات بہت تباہ کرتے ہیں۔

پاسِ انفاس پاس انفاس تو ضروری ہے۔ حبسِ نفس بھی کم از کم صبح کی نماز کے بعد کچھ دیر تو کرنا چاہیئے۔ ہر شئے کا حق ادا کرنا ورنہ گنہگار۔ خلوئے معدہ میں حبسِ نفس سے گرمی بہت ہوگی۔ پیٹ بھری حالت میں بد ہضمی ہو جائے گی۔

ایک مرتبہ فرمایا " جاہل لوگ واقف نہیں ہیں، حبس دم کیوں کرتے ہیں زندگی سانس کا چلنا ہے۔ اس کو بند کر دیا جائے تو آنا جانا کہاں ہے ؟ اب اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ اللہ کی طرف بے قرار ہو کر جائے۔ حرکت سانس لینے سے جو ہوتی ہے اس کو روک دیتے ہیں۔ ایک قسم کا عارضی سکون یا عارضی موت ہے۔

حضرت کا ایک شعر ملاحظہ ہو :-

بے قراری مجھی کو پہنچادے ÷ وہ ستمگر اگر نہیں آتا

بعض وقت خراٹے دھیمے رہتے ۔ اوپر کا سانس بے آواز ہوتا ۔ اور نیچے کی سانس سے قاف (ق) کی آواز سے مشابہ آواز نکلتی معلوم ہوتی ۔ غور کرنے والوں نے یقیناً غور کیا ہوگا کہ یہ یاحی یا قیوم کا سانس سے ذکر ہورہا ہے ۔ اوپر کی سانس میں یاحی اور نیچے کی سانس میں ق کی آواز اسم قیوم کی ہے ۔ بعض وقت اس آیت کا خیال آتا واللہ خیر و ابقیٰ بعض وقت یقین ہوجاتا کہ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار کی آیت کا ٹکڑا اوپر کی سانس میں لمن الملک الیوم اور نیچے کی سانس میں للہ الواحد القہار اور ق کی آواز قہار کی ہے ۔ اس طرح خراٹے لیتے لیتے حبسِ دم فرمالیتے اور جب سانس لیتے تو تیز تیز اور چھوٹے چھوٹے سانس لیتے اور ان سانسوں سے اللہ اللہ اللہ ، واحد واحد واحد ، قہار قہار قہار صاف سنائی دیتا ۔ اس طرح چھوٹے سانس اس وقت تک لیتے رہتے جب تک کہ دوبارہ حبسِ دم کے لئے سانس استوار نہ ہوجاتا ۔ جب سکون ہوجاتا تو پھر حبسِ دم کرلیتے ۔

بعض وقت اوپر کی سانس اور نیچے کی سانس دونوں سے ق سے مشابہ آواز نکلتی معلوم ہوتی میں نے اس پر کافی غور کیا ۔ مجھے بعض وقت قہار کی بعض وقت قیوم کی اور کبھی قوی کے اسماء اور بعض وقت قوی مقتدر اور بعض وقت قدیر مقتدر کے اسماء سمجھ میں آئے ۔ بعض وقت سانس گہرے لینے لگتے ۔ مجھے پورے انہماک سے سننے پر ایسا محسوس ہوا جیسے ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر کا دونوں سانسوں سے ذکر فرمارہے ہوں اور تھوڑی دیر سے حبس دم بھی جاری رہتا ۔ کبھی مختصر تو کبھی طویل ۔

حبسِ دم کی طوالت کے بارے میں میں نے اندازہ لگایا اس طرح کہ خود بھی حضرت کے ساتھ حبسِ دم کرلیتا اور خیال میں خود کو حضرت کے تفویض کردیتا ۔ مشق کرنے کی وجہ سے میں حبسِ دم کرکے آسانی سے تین سو مرتبہ اللہ کا ذکر کرسکتا تھا ۔ حضرت کے ایک حبسِ دم کے عرصہ میں مجھے کبھی دو بار اور بعض وقت تو تین سانسیں لینے پڑتے ۔ گھنٹہ پون گھنٹہ اس طرح ذکر میں مشغول رہنے کے بعد کروٹ لیتے یا کروٹ ہوں تو چت ہوجاتے ۔ پھر یہی شغل جاری رہتا ۔

چپی کرنے والے حضرت کے آرام میں خلل کا خیال کرکے جب ہاتھ روک لیتے تو خراٹے لیتے ، پیر کو اور پیر کی انگلیوں کو جنبش دیتے اور لوگ خیال کرتے کہ حضرت کی نیند بڑی ہوشیار نیند ہے فوراً چپی کرنے لگتے ۔

بعض کے ساتھ ایسا ہوتا کہ حضرت کے قرب کی وجہ سے رحمت کے زیر اثر راحت محسوس کرتے اور اونگھ جاتے ۔ حضرت یکے بعد دیگرے پیروں کی انگلیوں کو متحرک کرتے کبھی اس پیر کی تو کبھی اس پیر کی ۔ آدمی کبھی اس پیر کو دبانے لگتا تو کبھی اس پیر کو ۔ توجہ بار بار بدلنے سے نیند غائب ہوجاتی ۔

بعض حضرات کے ساتھ ایسا ہوتا کہ خدمت کرنے والا غیر شعوری طور پر حضرت کے ساتھ احدیت کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتا ۔ حضرت اپنے ساتھ اس کو بھی کھینچ لاتے اور اس کو اس کی ذات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کبھی اس پیر کو تو کبھی اس پیر کو یکے بعد دیگرے حرکت دینے لگتے ۔ آدمی کی توجہ کبھی اس پیر پر آتی تو کبھی اس پیر پر اور اس طرح اس کے حواس درست ہوجاتے

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

میرے اس طرح وثوق سے کہنے کی ایک وجہ ہے ۔

ایک مرتبہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس وقت حضرت مدینہ منزل کے جدید مکان کے کمرہ میں تشریف

رکھتے تھے ۔ کمرہ میں داخل ہوا ۔ حضرت تخت پر تنہا تشریف فرما تھے ۔ میں جب پہنچا تو اس وقت رات کے دس بجنے میں بیس منٹ باقی تھے ۔ حضرت نے سامنے کی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا ۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا ۔ اتنا یاد ہے کہ حضرت سے آنکھیں چار ہوئی تھیں ۔ کچھ دیر بعد حضرت نے زور سے " ہوں " کہہ کر مجھے مخاطب کیا حضرت کی آواز پر میں چونک گیا ۔ حضرت نے پوچھا گھڑی میں کیا بجے ہیں ؟ میں نے گھڑی دیکھ کر عرض کیا دس بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں ۔ حضرت نے استفسار فرمایا ۔ گھڑی گھنٹے بجائی ؟ میں نے عرض کیا " میں نہیں سنا " حضرت نے فرمایا " میں بھی نہیں سنا " ۔ حضرت کی بہو ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صاحب کی محلِ محترمہ (الیاس برنی صاحب کی صاحبزادی) نے بالکل جو بازو کے کمرہ میں رہتی تھیں پکار کر کہا " صمدانی پاشا گھڑی گھنٹے بجائی میں خود سنی ہوں " میں نے حضرت سے عرض کیا " موسیٰ ماموں کی دلہن فرمارہی ہیں گھڑی گھنٹے بجائی انہوں نے خود سنا ہے " حضرت نے فرمایا " گھڑی گھنٹے بجائی نہ تم سنے اور نہ میں سنا ، پھر ہم کہاں تھے ؟ میں نے عرض کیا " مجھے ساتھ لے کر نہ معلوم حضرت کہاں تھے ؟ زندگی کے یہ چالیس منٹ میری زندگی کی معراج ہیں ۔

سلوک ایک مرتبہ فرمایا " سلوک میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ۔ ایک فنائے ذات میں بے ہوش ہوجاتے ہیں ۔ نہ ذاکر رہتا ہے نہ ذکر نہ مذکور ۔ اور دوسرے لوگ فنا ہوجاتے ہیں اور ان کو احساس ہوجاتا ہے کہ نہ ذکر نہ ذاکر نہ مذکور ۔ مگر ان کو بے ہوشی طاری نہیں ہوتی یہ اکثر قادریوں پر ہوتا ہے ۔ اس طرح ایک کے سلوک کی انتہا بے ہوشی اور نیستی پر ہے اور دوسرے کے سلوک کی انتہا علم صحیح پر ہے ۔ بے ہوش ہونے والوں کے پاس فنا اور بقاء دونوں کے درمیان زمانہ اور فاصلہ نہیں ۔

ایک مرتبہ فرمایا " ایک آدمی کو نیند آتی ہے تو نیند آجانے سے قبل بیداری و خواب کی درمیانی حالت بھی ہوتی ہے ۔ اس طرح فنائیت سے پہلے ایسی نیم فنائیت رہتی ہے کہ اس میں اپنے کمال دکھانے کی طرف انسان متوجہ رہتا ہے ۔ اسی مرتبہ میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے ۔ اس درمیانی درجہ فنائیت میں ایسے ایسے خوارق سرزد ہوتے ہیں کہ اگر خدا سے ہٹ کر ان کی طرف توجہ کرے تو اس میں پھنس کر رہ جائے ۔

غفلت اور فنائیت فرمایا " لذت اور مزہ جسے کہتے ہیں نہ غفلت میں ہے نہ فنائیت میں تھوڑی غفلت ، تھوڑی فنائیت میں ہی مزہ ہے

مئے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

فنائیت کے بعد بقاء میں مزہ اس لئے رہتا ہے کہ دوام حضور تحت الشعور رہتا ہے اور دنیا کا خیال و شعور بھی رہتا ہے ۔ اس طرح وہی نیم حضوری و نیم غفلت کا عالم رہتا ہے ۔ بیستنے کی چیز پیتے تو معلوم ہوتا ۔ سمجھنے سے نہیں ہوتا ۔

لطفِ مئے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تونے پی ہی نہیں

ایک مرتبہ فرمایا " سونے سے پہلے غفلت رہتی ہے اور فنائیت سے پہلے علم رہتا ہے ۔ یاد رکھو یہ بات ۔ ایک بات معلوم ہوئی ہم اپنی طرف سے سوگئے تو غفلت ہے اور حکم ہوا کہ سوجاؤ تو صرف تعمیل حکم ہی نہیں بلکہ وہ فنائیت ہے ۔

فرمایا " فنا کے معنیٰ ہماری توجہ اِدھر اُدھر کی چیزوں پر نہیں ۔ اور فناء الفناء یہ کہ " یہ علم ہے " یہ بھی نہ رہے ۔ نیند آنے سے پہلے جو درمیانی حالت رہتی ہے جس میں خفیف سا بیداری کا علم رہتا ہے وہ فنا کی مثال ہے ۔ اور جب نیند آجائے تو

فناء الفناء کی مثال ہے ۔

سونے کے وقت کیا کیا ہوتا ہے اس پر غور کرو تو یہ مسئلہ حل ہوجاتا ہے ۔ نیند آرہی ہے تو نیند کے وقت کچھ معلوم ہورہا ہے اور یہ بھی علم ہے کہ اب چلا ، چلا کہاں ؟ ایسے مقام پر جہاں میرے ہوش چھن جائیں گے ۔ جیسے اس میں کئی درجات ہیں ۔ ویسے ہی توجہ اور فناء اور پھر فناء الفناء کے درمیان بھی درجات ہیں ۔

نیند اور فناء میں فرق صرف یہ ہے کہ نیند میں اللہ کی طرف توجہ نہیں ۔ آپ کیا کرو کہ اللہ اللہ بولتے ہوئے سونے کی عادت ڈالو تو ہوتے ہوتے توجہ ہوجائے گی ۔

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ہوشیار ہوئے تو ایسا معلوم ہوا کہ سوئے نہیں تھے ۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہم پہلے ہی سے ہوشیار ہیں ۔ تنام عینی ولا ینام قلبی ۔ بھولے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ خاص تھا نہیں ان کے وارثوں کو بھی حاصل ہے ۔

درمیان میں کسی صاحب نے کہا کہ کتاب میں تو سرکار کے ساتھ خاص تھا لکھا ہے ۔

حضرت نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا " یاروں کا تجربہ ہے ۔ جو اللہ کا نام لیا اسے اس لائق ایک حصہ ملا ۔ منطبق کرنا اسم الٰہی کو مسمیٰ کے ساتھ یعنی صرف اسم نہیں بلکہ مسمیٰ کی طرف بھی خیال رہے ۔ سوتے میں خود بخود صوتِ سرمدی آتی ہے ۔ اسے ہی لوگ کہتے ہیں نیند کے گھماٹے انا وراء عقولکم اللہ میاں ہدایت کرنا چاہیں تو نیند کو بھی حیلہ بنادیتے ہیں " ۔

رات کا ایک حصہ گزرنے پر خود اٹھ کر بیٹھ جاتے یا سہارے سے اٹھ بیٹھتے ۔ پانی پیتے ، عشاء کی نماز ادا نہ کئے ہوں تو پلٹ کر قبلہ رخ بیٹھ جاتے کمر کی تکلیف کی وجہ سے سجدہ گاؤ تکئے پر کرتے ۔ پان کھاتے ۔ حوائج ضروری سے فراغت حاصل کرتے ۔

حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا " وہ صاحب پائخانے میں بھی ہیں کہاں نہیں ؟ پائخانہ بھی ایک اضافی چیز ہے ۔ وہ منقطع الاضافات ہے ۔ نماز پڑھنے کے وقت نماز پڑھیں گے ۔ پائخانہ جانے کے وقت پائخانہ جائیں گے " ۔

حوائج ضروری سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دیوار پر تیمم کرکے یا تو لیٹ جاتے یا کچھ دیر بیٹھے باتیں کرتے ۔ پان کھاتے یا پھر سگار ملاحظہ فرماتے ۔ سگار کے ڈبے تکیہ کے بازو رکھے رہتے تھے ۔ حضرت کی عادت شریف تھی کہ سگار عام طور پر رات کے دو بجے ملاحظہ فرماتے اس میں بھی شغل جاری رہتا ۔ کش کھینچتے وقت اللہ اور چھوڑتے وقت ھو ۔

ایک مرتبہ فرمایا " اپنے خیال کو غیر محدود بنالو ۔ خیال کرو ذاتِ بحتہ کی طرف توجہ کررہا ہوں اور اپنے خیال کو اس پر منطبق کرو تو خود بخود حاصل ہوتا ہے ۔

فرمایا " دنیا کی تمام چیزوں کی تحلیل کرتے جاؤ تو مرکب کی خصوصیات مٹتی جائیں گی ۔ اور ایک " ہے " رہ جائے گا " وجود بالذات "

فرمایا " حقائق میں پھنس کر حقیقت الحقائق کو چھوڑ دینا بڑی بد بختی ہے ۔ اس کے لئے تحلیل کی عادت ضروری ہے " ۔

حضرت کے آخری زمانہ میں خادم کی تحریک پر حضرت کے پوتروں ، نواسوں اور چند پیر بھائیوں نے اپنی اپنی سہولت کو پیش نظر رکھ کر مغرب سے فجر تک ایک ایک گھنٹہ ڈیوٹی مقرر کرلی تھی تاکہ حضرت کی خدمت میں کوئی نہ کوئی حاضر رہے اور خدمت کی سعادت

سے مشرف ہوا کرے ۔ اور حضرت کو آرام پہنچے ۔ چنانچہ باقاعدہ ٹھیک وقت پر نشست و برخواست ہوا کرتی تھی ۔

عبداللہ میں نے اپنی ڈیوٹی رات کے ۲ تا ۴ مقرر کروالی ۔ دن اور رات کے مختلف حصوں میں حاضر خدمت ہوا کرنے اور حضرت کی کیفیات کا اندازہ لگاتے رہنے کی بناء پر مجھے یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ حضرت ان اوقات میں " حبیب اللہ کی شان میں خصوصیت کے ساتھ جلوہ گر رہتے ہیں ۔ حبیب اللہ در اصل وہ ہوتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول باطنی جہت میں حبیب اللہ کہہ کر مخاطب فرمائے ۔ ایسا تخاطب سوائے " عبداللہ " کے جو غوث زماں ہوتا ہے اور محلِ نظرالٰہی رہتا ہے کسی اور کو نصیب نہیں ہوتا ۔

حضرت نے عبداللہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے ۔ " کامل بندہ تو وہی ہوگا جس کو خدائے تعالیٰ کی ذاتِ مجمع کمالات سے وابستگی ہوگی ۔ اور یہی شخص " عبداللہ " کہلانے کا مستحق ہوگا ۔ وہ اپنی عدمیت محض پر رہے گا نہ کسی شئے کو اپنی ملک جانے گا ۔ نہ کسی قوت سے خود کو موصوف سمجھے گا ۔ وہ خود کو بالکل عاجز پائے گا اور خدائے تعالیٰ اس سے عظیم الشان آثار قدرت و خوارق عادات نمایاں فرمائے گا ۔ بالجملہ عبداللہ وہ ہے جو اپنا کچھ نہ سمجھے اور خدائے تعالیٰ ساری دنیا کو اس کا کردے " ۔

جو کچھ ہے وہ آقا کا کچھ بھی نہیں بندے کا

حسرت ترا بندہ ہے وہ تجھ کو بھلا کیا دے

غوث ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں " نظام ظاہر باطن کا پرتو ہے ۔ یہ دنیا نمونہ ہے آخرت کا ۔ تمام عالم پر جو پھیل گیا ہے ۔ وہ غوث ہوتا ہے ۔ چھوٹے بڑے حصے پر جو پھیلا وہ قطب ہوتا ہے ۔ ہر زمانے میں ایک قطب اعظم ہوتا ہے اسے " غوث " کہتے ہیں ۔

ایک اور موقع پر یوں تشریح فرماتے ہیں " تجلی اعظم کی تفصیل ساری دنیا میں ہونے والی تجلیات ہیں ۔ یہ تجلی دو قسم کی ہے ایک موقت ایک غیر موقت ۔ غیر موقت تجلی اعظم حقیقت محمدی ہے ۔ ایک ایک زمانہ میں ایک پیغمبر یا قطب پر موقت تجلی ہوتی ہے ۔ مگر یہ موقت تجلیات ہیں تو سب حقیقت محمدی کی تفصیل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم پر تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے پہلے تجلی اعظم کا موقتی مظہر پیغمبر تھے ۔ اور آپ کے بعد " غوث " تجلی اعظم کے مظہر ہوتے ہیں " ۔

میں نے ایک مرتبہ حضرت سے سوال کیا ، غوثِ زماں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی صورت اٹھالیتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اس کی صورت اٹھالیتے ہیں ۔

حضرت نے ارشاد فرمایا " بعض کے ساتھ ایسا ہوتا ہے اور بعض کے ساتھ ویسا " ۔ میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جس کی صورت اٹھالیتے ہیں اس کا کیا معاملہ رہتا ہے ۔ حضرت نے فرمایا " اللہ تعالیٰ اس کی تشبیہ میں جلوہ گر رہتا ہے ۔ مگر ایسا شخص صدیوں میں پیدا ہوتا ہے ۔

حضرت کو اللہ نے اور اس کے رسول نے حبیب اللہ سے مخاطب فرمایا ۔ حضرت کے باطنی ناموں میں عبداللہ کے ساتھ ساتھ حبیب اللہ کا نام بھی ہے حبیب اللہ صدیوں میں پیدا ہونے والا عبداللہ ہے ۔

ایک مرتبہ قدیم مکان (واقع رکاب گنج) میں فصوص الحکم کا درس چل رہا تھا ۔ دورانِ درس حاضرین کے اصرار پر حبیب اللہ اور محبوب اللہ کے فرق کو ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ " حبیب اللہ وہ ہوتا ہے جس کو اللہ سے ذرا سی بھی غیریت اور دوئی نہیں رہتی " ۔

ایک مرتبہ میں نے چند منقبتی شعر حضرت کی شان میں لکھ کر حضرت کو سنائے اس کا مطلع تھا ۔

شاہِ عبدالقدیر عرش مقام ÷ بندہ ذوالجلال و الاکرام

عرش مقام حضرت نے استفسار فرمایا "عرش مقام کیا بات ہے ؟ میں نے عرض کیا ۔ بیوی میاں کے ساتھ ، غلام مالک کے ساتھ ، ذوالجلال والاکرام کا بندہ ذوالجلال والاکرام کے ساتھ ۔ حضرت نے تائید میں سر کو جنبش دیتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا "دعویٰ مع دلیل ہے "

میں نے دوسرا شعر پیش کیا ۔

آئے گی سامنے یہی صورت ÷ لے کے دیکھے کوئی خدا کا نام

حضرت نے اثباتی انداز میں اپنے چہرہ مبارک پر زور دیتے ہوئے شعر کو دہرایا ۔

آئے گی سامنے یہی صورت ÷ لے کے دیکھے کوئی خدا کا نام

واردات ایک مرتبہ حضرت نے اپنے چہرہ پر زور دیتے ہوئے فرمایا تھا " یار پچاس سال سے اسی صورت میں ہے "۔

پولیس ایکشن کے دور میں جب کہ حضرت مدینہ منزل سے متصلہ محبس کے مکان میں کرایہ سے مقیم تھے اور حضرت کے جسم مبارک پر سوائے چہرہ اقدس کے ، چھالے نکل آئے تھے اور حضرت انتہائی تکلیف میں تھے ۔ اس زمانہ میں کئی آدمی حضرت کی خدمت میں دن رات لگے رہتے تھے ۔ محی الدین پاشا صاحب نے رات کے دو بجے کے عمل میں قریب کی ہوٹل میں پیسر بھائیوں کے ساتھ چائے پیتے ہوئے تذکرہ فرمایا کہ " بھائی جان اکثر فرماتے رہتے ہیں کہ باواجان غوثِ زماں ہیں ۔ بھائی جان سچ فرماتے ہوں گے ۔ مگر میں چاہتا ہوں کے باوا جان مجھ سے خود فرمائیں کہ حضرت غوث ہیں ، چائے پی کر ہم واپس پہنچے تو دیکھا کہ حضرت بیرونی ورانڈے میں بر آمد ہیں ۔ ہم لوگ حضرت کے اطراف بیٹھ گئے ۔

حضرت نے محی الدین پاشا صاحب کو مخاطب کر کے اپنی آپ بیتی بیان کرنی شروع کی تقریباً دو گھنٹے تک اپنے واردات ، کیفیات قلبی ، اور انکشافات بیان فرماتے رہے ۔ دورانِ گفتگو محی الدین پاشا صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا " باوا ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی شان قہر احدیت مجھے ہر آن فنا کر دیتی ہے اور ساتھ ہی شان رحمانیت پھر سے مجھے اعطائے وجود کرتی ہے ۔ خود میرے اندر سے موجیں نکلتی رہتی ہیں ۔ ایک موج نکلتی ہے اور سارے عالم کو فنا کر دیتی ہے اور ساتھ ہی دوسری موج نکلتی ہے اور عالم کو پھر سے قائم کر دیتی ہے "۔ اس طرح محی الدین پاشا صاحب کے خیال کے مطابق حضرت نے اپنی زبان سے ان کو مخاطب کرتے ہوئے وارداتی انداز میں اپنے غوث ہونے کا اندازہ کرا دیا ۔ حضرت نے اپنی یہ آپ بیتی پچھلی رات میں اس جملہ پر ختم فرمائی " باوا ! صمدانی فقیر ہے "۔ محی الدین پاشا صاحب نے اس سرفرازی پر مجھے مبارک باد دی ۔

تیری گویائی کی ایک ادنیٰ سی یہ تاثیر ہے

جو نکل جائے زباں سے بس وہی تقدیر ہے　　　(انوار)

میں نے بعد میں ایک موقع سے حضرت کے ان ہی وارداتی جملوں کو دہراتے ہوئے سوال کیا کہ " حضرت اس عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مبارک بھی ہے ۔ کیا حضورؐ کے جسد مبارک کو بھی غوث زماں کے ذریعہ ہر آن اعطائے وجود ہوتا ہے ؟ حضرت نے فرمایا " تم یہ کیسا سوال کر رہے ہو ۔ وہ غوث بغیر سرکارؐ کے ٹکا کیسا ؟ مجھے بات پوری طرح سمجھ میں آگئی کہ سرکارؐ جو تجلی اعظم ہیں اسی

تجلی اعظم کی موقت تجلی کا مظہر غوث ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ رسول اللہ کو پکارو میں نظر آؤں گا۔ مجھے پکارو رسول اللہؐ نظر آئیں گے۔

میرا وجود تم سے ہے میرا نمود تم سے ہے

غیب و شہود تم سے ہے میں ہوں کہاں تم ہی تو ہو (محمودؔ قادری)

ان کے قدموں میں پڑا رہتا ہوں

قدِ محبوب کا سایہ ہوں میں (حسرت صدیقی)

مرحبا صلی علی اے جانشین مصطفےٰ!

تو نہیں ہے چلتی پھرتی ان کی اک تصویر ہے (انوارؔ)

ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا۔ باوا! ایک کام کررہا ہوں۔ جو صورت سامنے آتی ہے، دیکھ کر درود پڑھتا ہوں" (یہ دراصل حقیقتِ محمدی کی طرف توجہ دلانا ہے)

ہم تو خیر حضرت کو دیکھ کر درود پڑھا ہی کرتے تھے۔ مگر اب یہ جو معلوم ہوا کہ ہم کو بھی دیکھ کر حضرت درود پڑھتے ہیں بڑی طمانیت ہوئی اور اللہ سے امید بندھی کہ انشاء اللہ، اس کے حبیب کا ہم کو دیکھ کر درود پڑھنا نہ آج خالی جائے گا اور نہ کل خالی جائے گا۔ ع

بخشنے والے کو حیلہ چاہیئے۔

اُن کا مرید ادھر حضرت کو دیکھ کر درود پڑھتا تھا مگر مرشد کو پیشِ نظر رکھ کر اور ساتھ ہی خود اپنے کو بھی دیکھ کر درود پڑھتا تھا۔ مگر حضرت کا مرید ہونا پیش نظر رکھ کر۔ ان کی ایک صورت مرشد کی شکل میں ہے اور ان کی دوسری صورت مرید کی شکل میں ہے۔ باوجود اس کے مرشد مرشد ہے اور مرید، مرید۔ ایک صورت ہے لاکھوں ہزاروں میں۔ ع

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

اختلاج بعض وقت رات میں حضرت کو سخت اختلاج رہتا تو پوتروں، نواسوں میں سے جو بھی حاضر رہتے ان سے فرماتے "ہاں! کچھ اِدھر اُدھر کی سناؤ" ان سے باتیں سنتے بظاہر ایسا معلوم ہوتا کہ اپنا خیال بٹانے اور دل بہلانے کی کوشش فرمارہے ہیں۔ نہ معلوم ان کا خدا کے ساتھ کیا معاملہ رہتا۔

وصال سے تقریباً تین ماہ پیشتر رات میں سخت اختلاج ہونے لگا۔ فرمایا۔ رحیم صاحب کو بلاؤ" رحیم پاشا صاحب دالان میں لیٹے ہوئے تھے سنتے ہی فوراً حاضر خدمت ہوئے ان سے فرمایا۔ رحیم صاحب تم میرے بازو لیٹ جاؤ اولاد سے بھی راحت پہنچتی ہے" چنانچہ رحیم پاشا صاحب تخت پر چڑھ کر حضرت کے بازو دیوار کی طرف لیٹ گئے۔ رحیم پاشا صاحب اپنے والد سے بیس سال چھوٹے تھے۔ اس وقت حضرت کی عمر شریف ترانوے (۹۳) سال ختم ہو کر چند روز ہوئے تھے۔ اور رحیم پاشا صاحب کا سن تقریباً تہتر (۷۳) سال تھا۔ اپنے والد سے نہایت مشابہ تھے۔ تخت پر دونوں کو بازو بازو لیٹا دیکھا تو بے اختیار یہ مصرع پیش نظر ہوگیا۔

ایک صورتیا میں دو دو مورتیا

کون مولا کون بندہ میں کیا جانوں

مجھے تو یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ رحیم پاشاہ صاحب کو جیسا کہ پہلے فرمایا تھا بزوں میں دیکھنے کے خیال سے ان کی حیات کا سامان کر رہے ہیں ۔ اور ان کی روح میں وہ طاقتیں بہم پہنچا رہے ہیں کہ آئندہ پڑنے والے بار کی تاب لاسکیں ۔ رحیم پاشا صاحب کتنی دیر تک باوا سے لگے ہوئے لیٹے رہے ۔ اس وقت چونک پڑے جب حضرت نے ان سے فرمایا " مجھے اب سکون ہوگیا " ۔

کیفیاتِ شب حضرت رات کا بڑا حصہ سوتے نظر آتے مگر دراصل بیدار رہتے تھے البتہ دن میں موقع ملتا تو سوجاتے تھے ۔ دن میں خراٹوں کی کیفیت رات کے خراٹوں سے بالکل مختلف ہوتی تھی ۔ گو ان خراٹوں میں بھی اللہ اللہ کی آواز ہی صاف سنائی دیتی تھی مگر انداز بالکل الگ ہوتا تھا ۔

حضرت جب نیند سے بیدار ہوتے تو آنکھوں میں بلا کا خمار رہتا ۔ کتنی دیر تک آنکھ کسی شئے پر جمی ہوئی نظر نہ آتی ۔ بلکہ نظر پھیلی ہوئی رہتی ۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کسی شئے مطلق مخفی مستور کے دیدار میں محو ہے ۔

ایک مرتبہ فرمایا " ما رایت شیئا الا ورایت اللّٰہ قبلہ ورایت اللّٰہ معہ ورایت اللّٰہ بعدہ ۔ ایک ہی آدمی پر کبھی ایک کبھی تینوں حالتیں رہتی ہیں ۔ ذات پر توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ بلکہ رہتی ہے اسی پر ۔ اور مخلوقات پر توجہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔

دوسری قسم کے لوگوں کی مخلوقات پر توجہ رہتی ہے اور ان کو ذاتِ حق پر توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور بعض لوگ دونوں سے بھی ہوشیار ہوتے ہیں ۔

فرمایا " مقصد اصل میں یہ ہے کہ احدیت پر توجہ رہے ۔ جو چیز دکھ رہی ہے اس پر زور دینے سے کیا فائدہ ۔ جو نظر نہیں آتی اس پر زور دو ۔ اتنا کہ وہی پہلے دکھائی دے ۔ ہمیشہ اپنی نظر اپنے عدم ذاتی پر رہنی چاہئیے ۔

بالکل فریش ہونے سے پہلے عام طور پر چار بجے سے اٹھ بیٹھتے ۔ نماز فجر اول وقت ادا فرماتے ۔ نماز کے ساتھ ہی ذکر الٰہی میں مصروف ہوجاتے اور ذکر بالجہر فرماتے ۔ اس ذکر کو محی الدین پاشا صاحب نے نوٹ کر کے اہل سلسلہ کے استفادہ کے لئے راتب صدیقی کے نام سے طبع کروایا ہے ۔

ذکر سے فارغ ہوکر بعض وقت چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ کھالیتے ۔ پان ملاحظہ فرماتے اور صبح کے درس میں آنے والوں کے انتظار میں گاؤ تکیہ سے لگ کر بیٹھ جاتے اور دروازہ پر نظر جمی رہتی ۔

شاہی تخت اور سر پر تاج
بیٹھے ہیں دیکھو جگ مہاراج

۱۸۔ سفرِ آخرت

علالت علالت کم و بیش سقوطِ حیدرآباد کے کچھ ہی عرصہ پہلے سے شروع ہوئی ۔ سوائے چہرہ اقدس کے سارے جسم پر آبلے آگئے تھے ۔ صحت دن بدن کمزور ہوتی گئی اس کے بعد مختلف عوارض لاحق ہوتے گئے ۔

آخری نعتیہ قصیدہ بزبانِ عربی وصال سے تقریباً دوماہ قبل ماہِ شعبان میں ایک نوٹ بک میں پنسل سے اپنے ممدوح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ۔ اپنے نواسے محمد وقار الدین صدیقی صاحب سے رات میں جب کہ وہ خدمت میں حاضر تھے تکیہ کے نیچے سے نوٹ بک نکال کر ان کو دیتے ہوئے فرمایا " پڑھ سکتے ہو کیا دیکھو " حروف کے اشکال دقتِ نظر کے طالب تھے ایک تو حضرت بیماریوں کی وجہ سے کمزور ہوگئے تھے ۔ دوسرے عمر کا تقاضہ تھا ۔ علاوہ ازیں اپنے ممدوح اور محبوب میں پورے منہمک اور کھوئے رہنے کی بناء پر تحریر کی طرف جیسے کچھ توجہ دی جاسکتی ہے ظاہر ہے ۔ وقار الدین صدیقی صاحب نے کوشش کر کے ایک ایک مصرعہ سنانا شروع کیا ۔ چند شعر سننے کے بعد فرمایا " آرام سے دیکھو " اس کے بعد لفافے منگوائے اور اپنے فرزندوں اور بعض مریدوں کے نام خطوط لکھوائے جو پاکستان ہجرت کر چکے تھے ۔ اس کام سے فارغ ہو کر وقار الدین صاحب حضرت کے قصیدہ کو صاف کرنے بیٹھے ۔ ضرورتاً سامنے سے گزرے تو فرمایا " کیا کر رہے ہو " انھوں نے عرض کیا قصیدہ صاف کر رہا ہوں ۔ حضرت نے مسرت سے فرمایا " جیتے رہو مجھے تم سے یہی امید تھی "۔ صاف شدہ قصیدہ جب ملاحظہ میں پیش کیا گیا تو اظہار خوشنودی فرمایا ۔ یہ جملہ گیارہ شعر تھے ۔ چند روز کے بعد مزید چار شعر لکھوا دئے (اس قصیدہ کو وقار الدین صاحب نے ترجمہ اور تفصیلات کے ساتھ مدیر ماہنامہ القدیر کو عنایت کیا جو حسرت نمبر میں شائع ہوچکا ہے) ۔ یہ نعتیہ قصیدہ حضرت کا آخری قصیدہ ہے ۔ اور قوم کے نام در پردہ آخری پیام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پوری عظمت کے ساتھ تھامے رہیں ان کی محبت میں مریں تا کہ مر کر بھی زندہ رہیں ۔

حضرت وصال فرمانے تک ہر روز اس قصیدہ کو پڑھا کرتے اور آنے والوں سے پڑھواتے اور خود سنتے تھے ۔ قصیدہ معہ ترجمہ بغرضِ استفادہ پیش ہے ۔

قصيدة فی نعت خير البرية

صلاة وتسبيح وازكى التحية	علىٰ خير خلق الله شمس الحقيقة
دعائے نزولِ رحمت بیانِ پاکی اور پاکیزہ ترین سلام	بہترین خلق اللہ ، آفتابِ حقیقت پر
نبی نبیه شافع و مشفع	امام همام ملجا للبرية
وہ شہرہ آفاق نبی ہیں شفاعت کرنے والے اور مقبولِ شفاعت ہیں	سردارِ عالی ہمم ہیں اور خلقت پناہ ہیں
فمن دان دين المصطفىٰ فازفی الوری	ومن حاد عنه كان غرق المصيبة
جس نے دینِ مصطفےٰ اختیار کیا کامرانِ زمانہ ہوا	اور جو اس سے الگ ہوا مصیبت میں ڈوب گیا گھر گیا

امین لوحی اللہ للدین حافظ
وحی الہٰی کا جوں کا توں پہنچانے والے ہیں محافظ دین ہیں

وھادی عباد اللہ حامی الحقیقة
بندگانِ خدا کے رہنما ، حقیقت کے حامی ہیں

وسیف لقتل الظالمین غضنفر
ظالموں کو قتل کرنے والی تلوار ہیں شیرِ مرد ہیں

وجلمود صخر عند کل کریھة
ہر شدید معرکہ کے مقابل اٹل اور مضبوط چٹان ہیں

اغث یارسول اللہ یاسید الوری
یارسول اللہ ۰ اے سردارِ زمانہ ۰ امداد !

فانی فقیر عاجز ببلیة
کہ میں محتاجِ کرم ہوں مصیبت سے عاجز ہوں

عظیم العطایا للبرایا و صادق
وہ خلائق کے حق میں داتا ہیں ۰ راست باز ہیں

حبیب اله العالمین بعظمة
خداوندِ کائنات کے محبوب ہیں جاہ و حشم کے ساتھ

ویاخیر خلق اللہ یاسید الرسل
اے بہترینِ خلق اللہ ۰ اے رسولوں کے سردار

فانی فقیر عاجز فی البریة
میں محتاجِ کرم ہوں ، ناچارِ زمانہ ہوں

جمیل المحیا صاحب المجد و العلیٰ
وہ صاحبِ شکلِ جمیل ہیں بزرگ و بلند پایہ ہیں

عظیم عباد اللہ تحت الارادة
اللہ کے بندوں میں سب سے بڑے اور اس کے تحتِ ارادہ ہیں

فانت بفضل اللہ سید الرسل
اللہ کی عنایت سے آپ رسولوں کے سردار ہیں

ونحن بفضل منک من خیر امة
اور آپ کی عنایت سے ہم بہترین امت سے ہیں

جواد کریم طاھر و مطھر
آپ سخی ہیں کریم النفس ہیں پاک ہیں پاکیزہ ہیں

رؤف رحیم قد خلقت برحمة
بہت مہرباں ہیں رحم دل ہیں سراپا رحمت ہیں

جواد کریم شافع و مشفع
آپ سخی ہیں کرم فرما ہیں شفاعت کرنیوالے اور مقبول شفاعت ہیں

وانت بفضل اللہ قاسم رحمة
اور اللہ کی عنایت سے آپ رحمت کے تقسیم کرنیوالے ہیں

علیم عظیم للخلائق عزة
صاحبِ علم و معرفت ہیں گراں قدر ہیں آپکا وجود موجودات کیلئے عزت ہے

ودین النبی واضح للبریة
نبی کا دین سارے جہاں پر واضح ہے آشکارا ہے

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر
پھر جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے

فدین النبی ظاھر فی الحقیقة
نبی کا دین تو اپنی حقانیت میں ظاہر ہے

شجاع غیور دافع الظلم و الجفا
اور بہادر ہیں غیور ہیں ظلم و جفا کو دور کرنیوالے ہیں

وللکفر ماح ذوالفقار الکریھة
کفر کو مٹا دینے والے اور معرکہ جنگ میں شمشیرِ جوہردار ہیں

مرض الموت ڈیڑھ دو سال کی علالت میں پہلوان جیسا قوی اور مضبوط بدن پوست و استخواں رہ گیا۔ سوار اس قدر قوی تھا کہ گھوڑا تاب لانے کے قابل نہ رہا۔ ڈاکٹروں نے دوائیں دیں ، انجکشن دیئے سب کچھ کرکے دیکھ لیا۔ تھوڑا بہت افاقہ ہوا لیکن قابلِ اطمینان صورت نہ ہوئی۔ کمزوری بڑھتی ہی گئی۔ سب کی تشویش بڑھی ، مایوسی بڑھی ، اور مرض الموت بڑھا۔ بالآخر ہوا وہی جس کا یقین تھا۔

ایسا یقین جو ٹالنے بہلانے کی حدوں سے باہر ہوچکا تھا۔ باوجود اس کے حضرت کی وفات سب کے لئے خلافِ توقع اور اچانک تھی۔ کیونکہ حضرت کے قوائے ذہنی پورے طور پر پر استعداد اور بیدار تھے۔ بیماری کا خاتمہ یہ بھی ہے کہ آدمی زود رنج اور تنگ مزاج ہوجاتا ہے اس وقت جب کہ وہ عمر رسیدہ کمزور اور ناتوان ہو اور مسلسل بیمار بھی رہے۔ تو طبیعت کا توازن قائم نہیں رہتا۔ حضرت میں عجیب بات یہ تھی کہ وہ اس نوبت پر بھی مسرور، سنجیدہ اور متوازن رہے ہر طرح کی تکلیفیں سہیں باوجودیکہ ۹۳ سال ختم کرچکے تھے۔ چہرہ بشرہ سے بھی مایوسی اور بیزاری کا کبھی اظہار نہ کیا نہ موت کی تمنا کی اور نہ تو کوئی ناملائم یا ناشکری کا کلمہ ہی زبان سے نکلا۔ بڈسورس (bed - sores) ہوگئے تھے۔ حضرت کو حرکت کرنا مشکل تھا۔ مرض اپنے شدائد کی آخری حدوں تک پہنچ گیا تھا۔ مگر حضرت میں اندرونی یا بیرونی خلش نہیں پیدا ہوئی۔ حضرت کی طاقتِ صبر اور قوتِ ارادی کی پختگی حیرت انگیز تھی۔

حضرت فرماتے ہیں:۔

مرضِ عشق اور جیتا ہوں ÷ میرا جینا خدا کی قدرت ہے

فرمایا "میں نے کہا (اللہ سے) مجھے اتنی تکلیف کیوں دیتا ہے" کہا "اتنی تکلیف نہ دی جائے تو تم اپنی بندگی بھول جاؤ گے"۔ خدائی طاقتوں کا معلوم نہیں کیسا لازوال خزانہ خدا کی طرف سے ان کے ساتھ تھا"۔

ایک مرتبہ فرمایا "ایک ہاتھ سے وزن ڈالتے ہیں، دوسرے ہاتھ سے سہار بھی لیتے ہیں ورنہ کمزور کیا تاب لاسکتا ہے۔

عیادت کی غرض سے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ حضرت کی تکلیف کا خیال کرکے آنے والا سلام کرکے دور ہی کھڑا رہتا تو اشارے سے قریب بلاتے مصافحہ کے لئے خود ہاتھ بڑھاتے۔ ان کی گرفت میں اب بھی توانائی تھی۔ لطف و محبت کے دو چار کلمے کہتے۔ کبھی طبیعت زیادہ ناساز رہتی تو ایسی حالت میں بھی آنے والے کا خیر مقدم آنکھوں کی پر معنیٰ و پر مسرت جنبش سے کرتے۔ اور کسی کو یہ محسوس ہونے نہ دیتے کہ کس اذیت میں مبتلا ہیں۔ حضرت کے خصوصی معالج دوسرے ڈاکٹروں کو لاتے اور حضرت کا معائنہ کرواتے تو واپسی پر ان کا شکریہ ادا کرتے۔ آنے والے ڈاکٹروں کا سر عزت و تکریم سے حضرت کے تقدس کے سامنے جھک جاتا۔ مرض الموت میں نماز کیلئے کروٹ بدلنے کی ضرورت تھی تا کہ قبلہ رخ ہوجائیں۔ خدمت گاروں کو آواز دی۔ جب کوئی حاضر نہ ہوا تو نماز کے لئے رکعت باندھ لی۔ اتنے میں خدمت گار پہنچے دیکھا کہ ہاتھ سینہ پر بندھے ہوئے ہیں۔ خاموش ٹھیرے رہے جب نماز سے فارغ ہوچکے تو انہوں نے عرض کیا، سرکار! آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف نہیں تھا۔ فرمایا "میں نے آواز دی، کوئی آیا نہیں، انتظار کیا، مجبوراً رکعت باندھ لی۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ ایسے ہی وقتوں کیلئے ہے۔

وصال سے ایک دن پیشتر گیارہ بجے دن کے عمل میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مدینہ منزل کے قدیم مکان کے اندرونی بڑے ہال میں حضرت تخت پر لیٹے ہوئے تھے۔ جو ستون سے قریب تھا۔ آخری زمانہ کے چند دن حضرت اسی مقام پر تشریف فرما رہے اور اسی مقام پر وصال فرمایا۔ حضرت کو دیکھا تو جی بھر آیا۔ تندرستی، زندہ دلی، استقلال و استقامت کا جیتا جاگتا نمونہ جو بہ یک وقت اپنے حبیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اپنے نانا مولیٰ علی اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ کی یاد دلانے والا تھا ان آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ حضرت نے اللہ کی راہ میں اپنی ساری توانائیاں پوری طرح لگادی تھیں اور اللہ کے حبیب کی ذات میں محو حق ہوچکے تھے۔ حضرت نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا جس سے مجھے آج تک سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اگر حضرت خود مجھے ٹکائے نہ رکھتے تو

شاید فنا کے گھاٹ اتر جاتا ۔ حضرت نے میری طرف اپنا دستِ مبارک بڑھایا ۔ میں نے ایک ہاتھ سے دست مبارک کو اور دوسرے ہاتھ سے کہنی کو سہارا دیا ۔ حضرت چت لیٹے ہوئے تھے ۔ حضرت نے میری طرف آہستگی سے کروٹ لی ۔ قیامت خیز نظروں سے مجھے ملاحظہ فرماتے ہوئے اپنے دستِ مبارک کو آہستگی سے کھینچا ۔ حضرت کی ہتھیلی اور انگلیاں میری دونوں ہتھیلیوں پر سے گذریں ۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی لطیف سی چیز میرے اندر سے نکل گئی ۔ میں چونکا اور شکستہ خاطر ہوا ، ساتھ ہی میری توجہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرکوز ہوگئی ۔ مظہرِ رسول نے دوبارہ دستِ مبارک بڑھایا ۔ میں نے پہلے کی طرح سہار لیا ۔ حضرت نے مجھے بغور ملاحظہ فرماتے ہوئے نہایت آہستگی سے ہاتھ کھینچا اور مجھے مسلسل محسوس ہونے لگا کہ کوئی چیز میرے اندر سے نکل جارہی ہے ۔ اسی دوران میرے دل میں خطرہ آیا کہ حضرت نے مجھے جو کچھ فیض عطا فرمایا ہے وہ میری نااہلی اور کم ظرفی کی بناء پر سلب تو نہیں فرمارہے ہیں ۔ ساتھ ہی داعیِ قلب نے اطمینان دلایا کہ حضرت حبیب اللہ ہیں دے کر کبھی واپس نہیں لیتے ۔ اور اضطراری طور پر اللہ کی طرف میری توجہ آگئی ۔ تیسری بار مظہرِ خدا نے دستِ مبارک بڑھایا ۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پہلے کی طرح سہار لیا ۔ حضرت نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تیسری مرتبہ اپنا دستِ مبارک کھینچا ۔ حضرت کی ہتھیلیاں اور انگلیاں میری دونوں ہتھیلیوں پر سے مَس کرتی نہایت آہستگی سے گزریں اور مجھے محسوس ہوا کہ میں بالکل خالی ہوچکا ہوں اور اپنے اندر اطمینان کے ساتھ ساتھ ایک مکمل خلاء محسوس ہونے لگا ۔ حضرت کو پردہ فرمائے ۲۹ سال ہونے کو آئے ہیں مگر اندرونی اطمینان اور خلاء کا احساس آج بھی اسی طرح باقی ہے ۔ اپنے اندر غور کرتا ہوں تو ایک ھُو کا میدان ہے جس کی نہ ابتداء سمجھ میں آتی ہے اور نہ انتہا ۔ باہر سارے تماشے نظر آتے ہیں اور ہر آن ایک نیا تماشا ۔

آخری ساعتیں ضعیفی ، بیماری ، مسلسل تکلیف ، کمزوری اور نقاہت مگر حضرت کو سابقہ ان عوارض سے نہیں خدا سے تھا ۔ دوسرا ہوتا تو نہ معلوم دل میں خدا جانے موت کے خیال سے جذبات کے کیسے کیسے مدوجزر ابھرتے ملتے رہتے ۔ مگر حضرت کے لبوں پر مسکراہٹ ، چہرہ پر شگفتگی و چمک ، آواز میں امید و استقامت اور آنکھوں میں روشنی جھلکتی رہی ۔ ہراس و ناامیدی کا کوئی اثر نہیں ۔ پگھل گئے مگر ملے نہیں ۔ دعائیں مقبول ہوئیں نہ دوائیں کارگر ۔ وقت ٹلتا رہا ، مشیئتِ الٰہی کو کون ٹال سکتا ہے ۔ جب کہ محبوبِ حقیقی خود اپنے محبوب کو مزید قریب کرنے اور اپنی ان نشانیوں اور قدرت کی کرشمہ سازیوں کو دکھانے پر مائل ہو جن کو آدمی اس دنیا میں رہ کر نہیں دیکھ سکتا ۔ وہ دن آپہنچا جس میں وہ ساعت بھی تھی جو ایک حبیب کو دوسرے حبیب سے ملانے والی تھی ۔

شوال ۱۳۸۱ ھ کی سترہ (۱۷) تاریخ تھی ہفتہ کا دن تھا ۔ صبح سے حضرت بے چین نظر آرہے تھے اور مسلسل عربی قصیدہ کے پہلے دو شعر پڑھتے جارہے تھے ۔ آخری زمانہ میں حضرت کے خصوصی معالج ڈاکٹر ابوالحسن صدیقی (قدیری) بھی وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے اور شریکِ مشورہ رہا کرتے ۔ جسمِ مبارک پر جلد کے نیچے سرخ دھبے صبح ہی سے بلکہ رات ہی سے نمودار ہونے لگے تھے ۔ حضرت نے اپنے پوتے ڈاکٹر عبدالعلیم صدیقی صاحب کو یاد فرمایا ۔ حضرت کے چھوٹے صاحبزادے غوث محی الدین صدیقی صاحب (عرف غوث پاشا) نے مغل پورہ پہنچ کر عبدالعلیم صدیقی صاحب کو حضرت کے یاد فرمانے کی اطلاع دی اور اپنے ساتھ مدینہ منزل لے آئے ۔ آتے ہی انہوں نے نبض دیکھی ، نبض ملی نہیں ، ٹمپریچر بھی دیکھا ہلکا سا بخار تھا ۔ اور خون کا دباؤ ٹمپریچر کی موجودگی میں جتنا ہونا چاہئیے اس سے کم تھا ۔ تنفس کی رفتار بھی کسی قدر تیز تھی ۔ اسی اثناء میں ڈاکٹر ضیاء بھی آگئے ۔ دونوں نے باہمی مشورہ سے کورامین (Coramin) کا انجکشن دیا ۔ تھوڑی دیر بعد نبض واپس آگئی ۔ دو تین روز سے حضرت کو اجابتیں بھی آگئی تھیں اس سے جسم میں پانی کی کمی ہوگئی تھی ۔ لہذا گلوکوز سلائین



نماز جنازہ کے لئے مکہ مسجد کو جاتے ہوئے

بحرالعلومؒ کے جلوس جنازہ کی چارمینار حیدرآباد پر سے لی گئی ایک تصویر

میں وٹامن سی ملا کر چڑھایا۔ ڈاکٹر ابوالحسن صدیقی بھی فون کرنے پر خدمت میں پہنچ گئے اور باہمی مشورہ سے "نارادری نالین" کا انجکشن دیا۔ اسنے میں حضرت کو قئے ہوئی اور بلغم نکل جانے سے تنفس بہت کچھ بہتر ہوگیا۔ مگر جلد کے نیچے سرخ دھبے ہاتھوں پر بھی نمایاں ہوگئے اور جسم پر بھی کافی حد تک بڑھ گئے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ جلد کے نیچے شریانیں پھٹ رہی ہیں اور اب بات معالجہ کے حدود سے تجاوز کر چکی ہے۔ اور حضرت پر سکرات کا عالم گزر رہا ہے۔

لوحِ امکاں سے آج مٹتی ہے
علم و فضل و کمال کی صورت

وصال حضرت اوپری قصیدے کے اوپری شعر پڑھتے ہوئے سنائی دینے لگے۔

صلاۃ و تسبیح و ازکی التحیۃ علیٰ خیر خلق اللہ شمس الحقیقۃ
نبی نبیہ شافع مشفع امام ہمام ملجا للبریۃ

اپنے بڑے صاحبزادے رحیم پاشاہ صاحب کا ہاتھ تھام کر توجہ فرمائی۔ پھر ڈاکٹر ضیاء سے فرمانے لگے "سید میں جاتا ہوں" کچھ دیر پیشتر یہی بات علی پاشاہ صاحب سے بھی فرمائی تھی۔ علی پاشاہ صاحب نے عرض کیا "میں جاتا ہوں" ان کا معروضہ سن کر حضرت خاموش ہوگئے۔ حضرت کے فرمانے پر ڈاکٹر ضیاء نے عرض کیا سرکار آپ سلامت رہیں اللہ سے فرمائیے کہ ہم خادموں میں سے جس کو چاہے لے لے ہم آپ پر سے قربان ہوجاتے ہیں۔ آپ کا رہنا ضروری ہے۔ حضرت نے نحیف آواز میں فرمایا "تم جیو میں جاتا ہوں" پھر حضرت نے اپنی نبض خود اپنے ہاتھ سے دیکھی اور فرمایا "اب نبض ساقط ہوچکی" اور نبض دیکھنے ہاتھ پیش فرمایا۔ علی پاشا صاحب سے فرمایا تمہاری ماں کو بلاؤ اور سب کو ہاتھ کے اشارہ سے ہٹ جانے کہا۔ پردہ کردیا گیا۔ محل محترمہ تشریف لائیں اور قریب بیٹھ گئیں۔ حضرت نے ان کو بغور دیکھا اور ہاتھ کے اشارہ سے خدا حافظ کہا۔ حضرت کا روشن چہرہ نہایت منور ہوگیا اور داڑھی کے بال کھل گئے۔ آنکھوں سے ایک نور نکلا اور صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہہ کر اپنے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ان کے رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ پھر حضرت نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں بند کرلیں اور انگشتِ شہادت بلند ہوئی اور داڑھی کے بالوں میں بلند ہوکر رہ گئی۔

تین بجکر ۴۰ منٹ پر وصال ہوا۔ ماہ ہلالی کی ۱۱ / تاریخ تھی۔ مولود برزنجی اور قصیدہ بردہ کی ماہانہ محفل میں شرکت کی غرض سے حضرت کے مریدین و معتقدین جمع ہونے لگے۔ حسب معمول محفل منعقد ہوئی۔ برزنجی اور قصیدہ بردہ ایسے عالم میں پڑھا جارہا تھا کہ سب کی آنکھیں اشکبار تھیں خود فراموشی کا عالم طاری تھا اور عجب طرح کی حضوری تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ حضرت کو حضورؐ نے اپنے حضور بلالیا تو ان کے غلاموں کو تسکین دینے خود پاس آگئے ہوں۔ یوں محسوس ہونے لگا کہ پہلے حضرت ہمارے ساتھ تھے اور حضرت کے ساتھ حضورؐ۔ اور اب حضورؐ ہمارے ساتھ ہیں۔ اور حضور کے ساتھ ہمارے حضرت۔ یہی ادراک قدریوں کا سرمایہ حیات ہے۔

ختم برزنجی پر قرآن خوانی شروع ہوگئی۔

آخری دیدار حضرت کی رحلت کی خبر آناً فاناً سارے شہر اور اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔ جس نے سنا تھوڑی دیر کے لئے اس کے حواس معطل ہوگئے اور ذہن کی فضاء تاریک اور ویران ہوگئی۔ ہر شخص اپنی اپنی شومیٔ قسمت پر کفِ افسوس ملنے لگا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ زندگی کی بڑی مضبوط طناب ٹوٹ گئی۔ دل پر غم کے بادل چھاگئے اور گریہ گلوگیر ہوگیا۔ کسی نے روکا اور کسی سے نہ رکا۔

متوسلین اور معتقدین کو یوں محسوس ہوا جیسے اب لطفِ زندگی باقی نہیں رہا۔ حضرت کیا گئے گویا سب یتیم ہوگئے۔ اور حضرت اپنے ساتھ وہ تمام باتیں بھی لے گئے جو اب کسی اور میں نہیں۔ علم کا وقار ان کے دم سے تھا۔ فقیری کی عظمت ان کی ذات سے نمایاں تھی۔ ان کی زندگی کا آغاز اور انجام دونوں مثالی اور فضلِ الٰہی و قدرتِ خداوندی کی عظیم نشانی تھے۔ جو صدیقین کی عاقبت کی دنیا میں پہچان کا مالک یوم الدین کی جانب سے اہلِ دنیا کے لئے وسیلہ ہے۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ ہر شخص اس فکر میں تھا کہ جلد سے جلد حضرت کی قیام گاہ پہنچے اور دیدار سے مشرف ہو۔ اس وقت کا حال وہی جانتے ہیں جن پر وہ عالم گزر چکا ہے۔ یا پھر ان کے دل سے پوچھئے جن کا دل ماتم کناں تھا کہ ہائے ایک نعمتِ عظمٰی ہم سے چھین لی گئی۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا شہر کے علماء، فضلاء، فقراء، پروفیسرس، عمائدین غم کے اس سیلاب کی زد سے کوئی نہ بچ سکا۔ مدینہ منزل اور اس کے اطراف و اکناف انسانی سروں کا ایک سمندر تھا۔ خاموشی کا وہ عالم تھا گویا سارا مجمع ایک ہی متنفّس ہو۔ حضرت کے پردہ فرمانے سے ہر ایک کو اپنی موت سر پر منڈلاتی معلوم ہونے لگی۔ زندگی میں ایک زبردست خلا محسوس ہونے لگا۔ جس میں گورستانی سناٹوں کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے والوں کے ذہن نے ماضی کے اوراق ایک ایک کر کے پلٹنے شروع کر دیئے۔ وہ زمانہ پیشِ نظر ہوگیا جس میں وہ کبھی حضرت کے تقدس، بزرگی اور جلالت سے ڈر کر، کبھی ان کی بے انتہا شفقت کے زیرِ اثر محبت سے بے اختیار ہو کر، کبھی ان کے الطافِ کریمانہ سے مسرور ہو کر کبھی اپنی کوتاہیوں کی بناء پر جھجک کر ان سے باتیں کی تھیں۔ ماضی کی دنیا میں غرق ہو کر میں یہ بھول گیا کہ حضرت کی وفات ہو چکی ہے۔ چونکہ تو حضرت کی حیاتِ جاودانی سے اپنی حیات کی بھیک مانگنے لگا اور پھر بے اختیار ہو کر ناممکنات کی آرزو کرنے لگا کہ کاش حضرت پھر سے زندہ ہو جاتے تو ان کے قدموں سے اپنی آنکھیں ملتا، ان کی باتیں سنتا، ان کی محفلوں میں شرکت کرتا، اور ان پر سے اپنا تن، مَن، دھن سب کچھ نچھاور کرتا اور جی بھر کر ان کی شفقت اور محبت اور مرحمت سے بھی سیر ہوتا۔ ان خیالات کی رو میں کون جانے کس پر کیا گزری، سازِ دل کے کون کون سے تار جنبش میں آگئے کہ پھر سے غم کے بھنور میں غوطہ زن ہوگیا۔ اور اندازہ لگانے لگا کہ حضور نبی کریم محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر صحابہ کرام پر کیا کچھ قیامت نہ گزری ہوگی۔ عاشقان عبدالقدیرؒ کے دل سے غیبی صدا نکلی "ایک اللہ باقی رہنے والا ہے اللہ مل جائے تو سب مل جاتے ہیں، حضورؐ بھی مل جاتے ہیں اور میں (عبدالقدیر) بھی مل جاتا ہوں" اس آواز کو کسی نے سنا نہیں، محسوس سب نے کیا۔

حضرت کی علالت کے دور میں دو تین بار خبر اڑی کہ حضرت وصال فرما گئے لوگ دوڑ پڑے۔ ہر شخص حضرت کو سایہ رحمت سمجھتا تھا۔ حضرت میں زندگی اپنی پوری تابش و تازگی کے ساتھ موجود نظر آئی تو سب اللہ کا شکر بجالائے اور مسرور ہو کر حضرت کی سلامتی کی دعائیں کرتے واپس ہوئے۔ دراصل حضرت میں اس طرح کی بڑائی تھی جس کا ہر بڑائی کو لحاظ کرنا بلکہ احترام کرنا پڑتا تھا۔

یہ بھی تقدیر کی ستم ظریفی تھی کہ زندگی میں حضرت کو سابقہ ناقدروں، تنگ ظرفوں، علم حراموں، حاسدوں اور مردہ پرستوں سے بھی پڑا تھا۔ حضرت نے ان کو علمی اور روحانی اعتبار سے فائدہ پہنچانے کی خالصۃً للہ ممکنہ کوشش کی اور زندگی بھر ان کی خیر خواہی میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اللہ نے ان سب سے حضرت کی عظمت اور فیضانِ علمی و روحی کو منوا کر چھوڑا۔ مگر اس انتقام کے ساتھ کہ حضرت کو ان سے چھین لیا۔

حضرت جب تک بقیدِ حیات رہے۔ کسی عالم، کسی مقرر، کسی فاضل یا کسی مشائخ کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ حیدرآباد میں وارد ہو کر

یہاں کے عوام کو بہکا سکے اور اپنا اثر جما سکے ۔ حضرت کیا پردہ فرمائے کہ میدان صاف دیکھ کر ہر طرف سے یورش شروع ہوئی اور حیدرآبادی مسلمانوں کے دین و ایمان اور یکجہتی پر ڈاکہ ڈالا اور ان کو مختلف جماعتوں اور مسلکوں میں منقسم کر دیا ۔ اور اس انداز میں مذہبی فریضے ادا کرنے اور بیان کرنے شروع کئے کہ یہاں کے مسلمانوں میں گمراہ رہنے اور عذابِ الٰہی میں گرفتار رہنے کا احساس و شعور جاگ اٹھے اور لوگ نجات اسی میں سمجھیں کہ ان جنت کے ٹھیکہ داروں کے ساتھ ہو جائیں ۔ علماء لیڈروں کا کھلونا بن گئے ۔ ان خدائی فوجداروں نے مذہبی مسائل میں اس طرح دخل اندازی شروع کی کہ مذہب اور ان کی سیاست گویا ایک ہی مضمون کے ذیلی عنوانات ہیں ۔ حفاظتی بند کیا ٹوٹا سب سیلاب کی زد میں آ گئے ۔ تفصیلات کا اظہار بجائے حقیقتِ حال کے مقدس چغلی سمجھا جائے گا ۔ اعترافِ حقیقت کے لئے زمانہ کی ہوا ساز گار نہیں ۔ زمانہ کی فضاء ہی نہیں اُس کا رخ بھی بدل چکا ہے ۔ حضرت جب تک رونق افروز رہے حیدرآبادی مسلمان بالخصوص اُن کے پیشواؤں میں بڑی جاذبیت اور دلکشی نظر آتی تھی ۔ بالکل اسی طرح جس طرح اعضاء کی خوبی ، جاذبیت اور دلکشی دراصل روح کی بدولت ہوتی ہے ۔ ادھر روح پرواز ہوئی ادھر اعضاء پر مردنی چھا گئی نہ جاذبیت رہی اور نہ دلکشی ۔ آوے کا آوا ہی بگڑ گیا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

آخری دیدار کا سلسلہ رات بھر چلتا رہا ۔ طویل عمر اور برسوں کی بیماری کے باوجود چہرے کی جاذبیت اور نورانیت پوری طرح برقرار تھی ۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت گہری نیند میں ہیں ۔ حضرت کا چہرہ نہایت روشن دلفریب اور تازہ تھا ۔ اور حضرت کے زندہ جاوید رہنے کا ثبوت دے رہا تھا ۔ عاشقانِ محمدی حضرت کے چہرہ مبارک کی زیارت کرتے اور ان کے منہ سے بے اختیار درود نکل جاتا ۔

تجہیز و تکفین

۱۸ / شوال ۸ ساعت صبح صاحبزادوں اور ممتاز خلفاء نے حضرت کے جسم اطہر کو مسلسل درود پڑھتے ہوئے غسل دیا ۔ نو (۹) ساعت صبح پوشاک پہنائی گئی ۔ پہلے مردوں کو آخری دیدار کا موقع دیا گیا ۔ اس کے بعد مستورات کو ۔ مرد ہوں یا مستورات سب کی آنکھیں اشکبار تھیں اور منہ سے درود جاری تھا ۔ اور سب کے قلوب پر نورِ سکینہ طاری تھا ۔ یہاں غم کا انداز بین و بکا کا نہیں ، تسلیم و رضا کا تھا ، عرفان و ایقان کا تھا ۔

جلوسِ جنازہ

۱۱ بجکر ۳۰ منٹ پر جنازہ روانہ ہوا ۔ چادر گھاٹ کا پل ، عزاخانہ زہرا سے ہوتا ہوا نیا پل ، پتھر گٹی سے گزر کر مکہ مسجد پہنچا ۔

ہر طبقہ کے لوگ غمزدہ تھے اور جنازہ کے ساتھ تھے ۔ دوکانوں اور راستہ کے دونوں جانب آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ جمع تھے ۔ انسانی سروں کا یہ سیلاب بڑھتا ہی جا رہا تھا ۔ جو کسی سیاسی یا جماعتی نعرے کی صدائے بازگشت نہیں تھا ۔ جلوس کوئی میل بھر لمبا ہوگا ۔ لوگ سراپا الم بنے ہوئے تھے ان کے چہروں کی افسردگی اور اداسی جنازہ دیکھنے کی بیقراری اور کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے سلسلہ میں ان کا اضطراب ان کے قلبی جذبات اور تاثرات کا ترجمان تھا ۔ اللہ والے کی موت کا یہ غم اس طرح کا غم نہ تھا جس کا اندازہ دوسرے غموں سے لگایا جا سکے ۔ بلکہ یہ غم ایسا غم تھا جو اس رحمتِ بیکراں کی طرف سے مغموم کے لئے مغفرت کی بشارت تھا جس کے جوار میں حضرت جا پہنچے تھے ۔

تابوت کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے تا کہ کندھا دینے والے خواہشمند مریدین و معتقدین کو کندھا دینے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے ۔ مگر کندھا دینا کسی کے بس کی بات نہ تھی ۔ جن کو موقع نصیب ہوا بس ان کی تقدیر تھی ۔

لوگوں کا کہنا تھا کہ ایسا جلوسِ جنازہ نواب بہادر یار جنگ سابق صدر مجلس اتحاد المسلمین کے جلوسِ جنازہ کے بعد آج سے پہلے

نظر نہ آیا ۔ حضرت کے جلوس جنازہ کے بعد اگر نظر آیا تو وہ نواب میر عثمان علی خان ، نظام الملک آصفجاہ کا جلوسِ جنازہ تھا ۔ مگر ہر ایک کی نوعیت جداگانہ تھی ۔

حضرت کے جلوسِ جنازہ کے اختتام پر امامیہ مذہب کا ماتمی گروہ سیاہ کپڑوں میں ملبوس بی بی فاطمہ الزہراء کے نواسے کے وصال پر اظہارِ غم کیلئے شریک جلوس تھا اور ابن الزہراء واویلا کہتے ہوئے ماتم کناں تھا ۔

نمازِ جنازہ بے پناہ ہجوم کی بناء پر جنازہ مکہ مسجد کے اندرونی حصہ میں لے جایا گیا اور منبر کے قریب رکھ دیا گیا ۔ نواب میر محبوب علی خان آصفجاہ سادس کے بعد حضرت ہی کی نماز جنازہ اندرون مسجد منبر کے قریب ادا کی گئی ۔

تقریباً دو بجے نماز جنازہ ادا ہوئی ۔ حضرت کے مرشد زادے اور بڑے داماد مولانا سید محمد باقر حسینی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ مکہ مسجد کے صحن کے پتھر بے حد گرم تھے ۔ اس کے باوجود ہزارہا مسلمانوں نے ان پتھروں پر نمازِ جنازہ ادا کی ۔ نماز ادا کرنے والوں کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ تھی ۔ مکہ مسجد اور اطرافِ صحن میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی ۔ علاوہ ازیں شفاخانہ نظامیہ کے صحن اور سڑکوں پر جو اژدھام تھا جن میں ہر قوم و مذہب کے افراد شامل تھے بے اندازہ تھے ۔ نماز کے لئے جنازہ جب مسجد کے اندرونی حصہ میں لے جایا جا رہا تھا تو ریلے کے باعث ایک افسوس ناک حادثہ پیش آیا ۔ مکہ مسجد میں سنگ مرمر کی منڈیر کا ایک وزنی ستون گر پڑا ۔ کئی افراد اس حادثہ کی زد میں آئے ۔ بعض کو شدید چوٹیں آئیں ۔ ایک شخص کا کوھلا اور ایک شخص کا پیر اور ایک شخص کی پسلیاں ٹوٹ گئیں ۔ جن کو فوراً دواخانہ عثمانیہ روانہ کر دیا گیا ۔ اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملنے پر حضور نظام نواب میر عثمان علی خان نے اپنے صرفہ سے ستون کو دوبارہ بنوا دیا ۔

جلوسِ میت کی پہلے قاضی پورہ پھر صدیق گلشن روانگی نماز جنازہ کے بعد جلوسِ میت براہِ پنچ محلہ ، شاہ علی بنڈہ سے ہوتا ہوا قاضی پورہ پہنچا ۔ مسجد النور سے ملحق حضرت کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہؒ کی مزار شریف کے پاس کچھ دیر حضرت کا جنازہ رکھا گیا ۔ اس دوران حضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عبدالرحیم صدیقی صاحب نے مزار شریف کی زیارت فرمائی اور فاتحہ گذرانی ۔ تین بجے کے عمل میں جنازہ کا جلوس پنچ محلہ ، چارمینار ، لاڈ بازار ، حسینی علم سے ہوتا ہوا " صدیق گلشن " روانہ ہوا ۔ راستہ میں حضرت عبداللہ شاہ نقشبندی نے فاتحہ گزرانی ۔ تقریباً ۴ بجے کے عمل میں جنازہ " صدیق گلشن " پہنچا ۔

تدفین پہلے سے صدیق گلشن پہنچ جانے والوں کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی ۔ اور جو جلوس پہنچا تو صدیق گلشن میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی وصال سے پندرہ دن پیشتر حضرت نے سو (۱۰۰) مربع گز چبوترہ اور اس کے وسط میں اپنے لئے مزار جناب نصر اللہ صاحب قدیری کی نگرانی میں تیار کروا لیا تھا ۔ صدیق گلشن کی یہ زمین جو ۱۲ ایکر ہے ۱۳۵۴ ھ میں حضرت نے اس کو لفٹنٹ کرنل نواب حبیب یار جنگ بہادر سے خریدی تھی ۔ تدفین کے موقع پر حیدرآباد کے بیشتر علماء فقراء مشائخین ، یونیورسٹی اور کالجس کے پروفیسر ، لکچررس اور اساتذہ ، عمائدین حضرت کے ہزاروں شاگرد اور ہزاروں مرید و معتقد موجود تھے ۔ حضرت کے قدر دانوں کا حلقہ نہایت وسیع اور متنوع تھا ۔ ہر شخص سرتا پا الم بنا ہوا تھا ۔ خاموش ، مایوس اور سر جھکایا ہوا ۔ عجب طرح کا عالم تھا جو سب پر طاری تھا ۔ سوگواروں کا یہ ہجوم ایسا ہجوم تھا جو نہایت پروقار اور تدفین میں شرکت کرنے والوں کے لئے پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا تھا ۔ حضرت کی موت بھی ان کی زندگی کی طرح ایک برگزیدہ حقیقت بن کر

سب کے سامنے آگئی ۔ ارفع و ارجمند نایاب اور گرانمایہ ۔

جب کبھی غیر اختیاری طور پر اس وقت کو یاد کرتا ہوں کہ لوگ تدفین کے دوران اور بعدِ تدفین پہلی بار مرحوم کہہ کر حضرت کی صحبتوں اور نوازشات کا تذکرہ کر رہے تھے تو آج بھی میرا دل دھک سے رہ جاتا ہے ۔

بظاہر تو ایسا معلوم ہورہا تھا کہ حضرت ہم سب سے جدا ہوگئے ۔ مگر ساتھ ہی یہ محسوس ہوا کہ حضرت کی روح ہماری روح سے اسی طرح متعلق اور قریب ہے جو وصال سے پیشتر تھی ۔ حضرت ہم سے ہرگز جدا نہیں ہوئے ۔ اور نہ آئندہ آنے والوں سے جدا ہونگے ۔ ان کے ایمان ویقین کا فیض اور ان کی زندگی کی برکتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں ۔ ان کی زندگی کی جھلکیاں اور ان کی قربت سے ملنے والی ایمان و یقین کی تقویتیں ان کی تحریروں میں آج بھی پوری طرح موجود ہیں اور رہیں گی ۔

نمازِ جنازہ غائبانہ و ایصال ثواب شہر حیدرآباد و سکندرآباد کی بعض مساجد و نیز اضلاع تعلقہ جات ، ہندوستان کے مختلف شہروں اور دیگر مقامات ۔ بالخصوص بغداد شریف اور مسجد نبوی میں حضرت کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی اور اکثر مقامات پر ایصال ثواب کیلئے ختم قرآن کیا گیا ۔

بشارتِ عظمیٰ حضرت کے وصال سے ایک روز پیشتر حضرت کے مرید و خلیفہ مولانا حامد صدیقی کا دواخانہ میں آنکھ کا آپریشن ہوا تھا ۔ حضرت کے وصال کی اطلاع تیمار داروں نے مولانا کو بطور خاص نہیں دی ۔ مگر انھوں نے روحی نسبت و تعلق کی بناء پر خواب میں دیکھا کہ حرم نبوی ان کے سامنے ہے اور حضرت حرم شریف میں تشریف لے جارہے ہیں ۔ اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی ہورہا ہے کہ " مولانا عبدالقدیر صدیقی کے استقبال کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف لارہے ہیں ۔ منظر استقبال پیش نظر ہوا تو ان کے دل میں خیال آیا شاید حضرت نے وصال فرمایا ۔ تیسرے دن ان کی تشویش اور خواب کے اظہار پر ان کے ایک عزیز نے ان کے خواب کی تصدیق کردی ۔ مولانا نے اپنا خواب اخبارات میں بھی بغرضِ اشاعت بھجوایا ۔ جس کی اخبارات میں اشاعت بھی عمل میں آئی تھی ۔

دو شعر

دیکھا تو کچھ نہ پایا سوچا تو بس یہ سمجھا — اک نام رہ گیا ہے میرا تری گلی میں
پیوندِ خاک ہوگا نقشِ قدم بنے گا — حسرت یہ جان ہی کر آیا تری گلی میں

ایک شعر

اندھیری گور میں خورشیدِ تاباں بن کے چمکے گا
مرے سینہ میں حسرت داغ عشقِ روئے احمد کا

بیعت اور رشد و ہدایت

بیعت اور رشد و ہدایت

صفحہ

بیعت اور رشد و ہدایت

لڑکپن میں شاہ عبدالغنی صاحبؒ کا حضرت پر توجہ فرمانا اور خلافت عطا کرنا

حضرت نے کمسنی میں کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی البتہ جیسا کہ حضرت کے لڑکپن کے واقعات میں تذکرہ آچکا ہے۔ حضرت کی عمر لگ بھگ ۶ یا ۷ سال کی ہوگی حضرت اپنے والد اور والدہ کے ساتھ اپنی نانی صاحبہ کے دوسرے سفر حرمین شریفین کے موقع پر جب مدینہ طیبہ میں تھے، حضرت کے والد وہاں کے ایک مرتاض بزرگ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے طالب اور مرید ہوئے تو انہوں نے حضرت کے والد کو خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت کے والد نے حضرت کو بھی شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے حضرت پر توجہ فرمائی اور کلاہِ مبارک پہنادی تھی۔ حضرت نے اس عمر میں شاہ صاحب کے توجہ فرمانے کے اثر کو محسوس بھی کیا تھا۔ اور اسی وقت سے حضرت کو کشف بھی شروع ہوگیا تھا۔ حضرت نے شاہ صاحب کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت نہیں کی تھی۔ کلاہِ خلافت عطا ہونے سے شاہ عبدالغنی صاحب کا شمار حضرت کے مرشدوں میں ضرور ہوگیا اور وہ سارے سلسلے جو شاہ صاحب کو پہنچے تھے ان سلاسل کی اجازت حضرت کو حاصل ہوگئی تھی۔

والد سے سلاسل کی اجازت

بعد میں حضرت کے والد نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو ان تمام سلاسل کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ جو ان کو اپنے اجداد اور ان کے دیگر پیروں سے ان کو پہنچے تھے۔ اور بطور اظہار خلافت دونوں کو اپنے عمامے پہنادیئے تھے۔ حالانکہ حضرت نے اپنے والد کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت نہیں کی تھی۔

مرشد کا انتخاب

حضرت کے والد گو خود صاحب سلسلہ اور صاحب اجازہ تھے مگر باقاعدہ مرید ہونے کے لئے حضرت کی نظر انتخاب دو حضرات پر جم گئی تھی۔ ایک تو خود حضرت کے بڑے ماموں حضرت سید خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ اور دوسرے قاضی پیسٹھ کے حضرت شاہ افضل بیابانیؒ کے صاحبزادے حضرت شاہ سرور بیابانیؒ۔ حضرت کے لئے ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب بے حد مشکل ہوگیا تھا۔ دونوں کی حضرت پر نگاہ کرم تھی۔ اور دونوں حضرت سے بے حد محبت فرماتے تھے حضرت کی نظر میں ہر دو کی بزرگی بھی مسلم تھی۔ دونوں بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور استفادہ علمی کے مواقع بھی حضرت کو فراہم ہورہے تھے۔ چنانچہ حضرت نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا "تصوف کے اہم مسائل شاہ سرور بیابانی مجھے اور اپنے فرزند غلام شاہ افضل بیابانیؒ دونوں کو سمجھاتے اور آپس میں بحثیں کرواتے اور خود سنتے اور خوش ہوتے۔ حضرت نے فرمایا تھا "غلام شاہ افضل بیابانیؒ اور مجھ میں باہمی دوستی اور محبت بے حد تھی۔

دوسری طرف یہ معاملہ تھا کہ حضرت اپنے ماموں حضرت خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت خواجہ مختلف مسائل خود بیان فرماتے کہ دیکھو مولوی یہ مسئلہ ایسا ہے، اس بات کا مطلب یہ ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ "میں ہمارے حضرت (خواجہؒ) سے خود کوئی سوال نہ کرتا۔ حضرت (خواجہؒ) ایک ایک مسئلہ خود بیان فرماتے۔ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا "ہمارے حضرت (خواجہؒ) مسائل تصوف پر تقریر فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا علم کا دریا بہہ رہا ہے۔

مرشد کے انتخاب کے سلسلہ میں بطور رہنمائی حضرت نے لکھا ہے۔

سوچ سمجھ کر دینا ہاتھ ورنہ پیچھے ندامت ہے
غیر سے جو کردے آزاد لازم اس کی صحبت ہے

انسانِ کامل کا معیار انسانِ کامل کا معیار بعض کے پاس کمالِ علم صحیح اور مطابق علم عمل صالح ہے ۔ جیسا علم ویسا عمل اور اس کے مطابق درجہ ۔

بعض کے پاس اللہ کے جمیع اسماء وصفات کا مظہر ہونا ہے ۔ جس قدر صفات کا اور جس پیمانہ کا مظہر ہوگا اس کے مطابق ویسا درجہ پائیگا ۔ مگر حضرت کے پاس پانا نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے اس کو کھو دینا ہے ۔ حضرت فرماتے ہیں " جو جتنا کھوتا ہے وہ اتنا پاتا ہے " فرماتے ہیں " تمہارا خیال جاتا ہے تو ذو الجلال آتا ہے کیونکہ خلو محال ہے ۔ جتنا خالی ہوتے جاؤ گے اتنا ہی بھرتے جاؤ گے ۔ جب کچھ نہ رہا تو خدا رہ جائے گا " ۔

بہرحال کہیں پانا ہے تو کہیں کھونا ہے ۔ بعض بلندی چاہتے ہیں کمال پیدا کرنا ان کے پیش نظر رہتا ہے ۔ بعض کے پاس بے کمال ہوجانا ہی اصلِ کمال ہے جو بندگی کا تقاضہ ہے ۔ حضرت فرماتے ہیں " بندے کو کمال سے کیا علاقہ بندہ سرافگندہ ۔

حضرت کا شعر ہے :-

جس کا ہے اس کو دیدے واجب رد امانت ہے

لوگوں کے مذاق مختلف ہوتے ہیں ، ان کے طبائع جدا ہوتے ہیں ، ہر شخص اپنے ہم مذاق شیخ کو ڈھونڈتا ہے ۔

حضرت خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ سے بیعت و خلافت سے سرفرازی سب کچھ کھو دینا اور بے کمال ہوجانا حضرت کے ذوق کے مطابق تھا ۔ چنانچہ حضرت نے "حضرت خواجہؒ " کے دستِ مبارک پر بیعت فرمائی ۔

حضرت کا منقبتی شعر ہے :-

تیرے آگے سر بہ زمیں ہے حسرت تابعدار ۔۔۔ اب ڈر کا ہے کا

خواجہ نے بھی فرمایا تھا " مولوی تمہاری طبیعت میری طبیعت پر ہے " اور حضرت کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا ۔

بے کمالی میں کمال پیدا ہونے کا نتیجہ تھا کہ خواجہؒ مرتبہ غوثیت پر فائز تھے ۔

حضرت خواجہؒ کو جب غوثیت سے سرفرازی حاصل ہونے کا وقت آیا تو بڑے بڑے اولیاء اور اقطاب میں اختلاف رائے پیدا ہوا تھا ۔ اور جب غوثیت سے سرفرازی ہوئی تو بعض اولیاء نے انحراف بھی کیا تھا ۔ گو بعد میں سب کو مشیئت خداوندی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانیؒ کی کوششوں کے سامنے سر خم کرنا ہی پڑا اس سلسلہ میں جو روحانی حالات درپیش ہوئے تھے حضرت نے ان کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا مگر اس کے اظہار کا یہاں محل نہیں ۔ البتہ اس سلسلے میں حضرت کا ایک جملہ نقل کردیتا ہوں ۔ " ہمارے حضرت (خواجہ) کے وقت صاحبوں میں جو مقابلے ہوئے تفصیلی طور سے جانتا ہوں ۔ خدائی قوت ان کے (غوثِ وقت کے) پیچھے رہتی ہے ۔

حضرت (عبدالقدیرؒ) خواجہؒ کے مرید ہوئے تو سب کچھ کھو کر سب کچھ پالیا اور خواجہ کے بعد ان کے باطنی مرتبہ کی جانشینی (یعنی غوثیت) سے سرفراز ہوئے ۔ حضرت کی غوثیت کے بارے میں ، میں نے حضرت کے بعض ارشادات اور واقعات " حضرت عبدالقدیرؒ

کے لیل و نہار میں نقل کئے ہیں۔

اپنے والد کی موجودگی میں اپنے ماموں کا مرید ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت نے اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت نہیں فرمائی تھی۔ البتہ والد سے خلافت ضرور حاصل کی تھی۔ خلافت تصدیق قابلیت اور باطنی طور پر سلسلہ کے فیض کے اجراء کا ذریعہ اور ظاہر میں ان کی نیابت کا اظہار ہے۔

بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ نیچے کے لوگ کمزور ہوجائیں اور اخذِ فیض اور اجراء فیض کی صلاحیت باقی نہ رہے تو کسی بڑے آدمی کو سلسلہ کی اجازت عطا کردی جاتی ہے تاکہ سلسلہ کا فیض نہ صرف منقطع ہوجانے سے بچ جائے بلکہ اس میں حیاتِ نو پیدا ہوجائے۔

بعض وقت ایسی بھی صورت پیدا ہوجاتی ہے کہ کسی مقام کے لوگ مخصوص سلسلہ میں منسلک ہونے کے خواہشمند ہوتے اور صاحب اجازت خود سکتے ہوں تو کسی اہل کو اپنے سلسلہ کی اجازت عطا کردیتے ہیں تاکہ سلسلہ کے فیض کا ان سے اجرء ہوسکے اور خواہشمند لوگ مسلک ارادت میں منظم ہوسکیں۔

شاہ احسان الحقؒ سے اجازت جو حضرت کے خُسرِ محترم (بوحلہ دوم) تھے۔

حضرت شاہ احسان الحق صاحب نے حکم باطنی کی بناء پر طریقہ قادریہ کلیمیہ کی اجازت حضرت کو عطا فرمائی۔ ان کا تشریف لاکر اجازت مرحمت فرمانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت ایک صاحب کو غالباً حامد حسن کلیمی صاحب کو کشکول کلیمی پڑھا رہے تھے۔ حضرت جب تک پڑھاتے رہتے۔ شاہ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی حضرت سے قریب تشریف فرما نظر آتے تھے۔ (کشف میں) ایک دن پڑھانے کے دوران شاہ کلیم اللہ نے حضرت سے فرمایا " ہمارے بھی سلسلہ کی اجازت حاصل کرلو "۔ حضرت نے عرض کیا " اب میں کس سے حاصل کروں "۔ فرمایا " شاہ احسان الحق تمہارے خُسر ہیں ان سے "۔ حضرت نے عرض کیا " اب میں ان کے پاس کہاں جاؤں "۔ فرمایا " اچھا وہ خود آکر پہنچادینگے "۔ چنانچہ شاہ احسان الحق صاحب بر بناء خود حضرت کے پاس تشریف لائے اور سلسلہ قادریہ کلیمیہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت نے فرمایا " چنانچہ میں سلسلہ کی اجازت ملنے پر ان سے ملا اور ان کے سامنے سر بھی جھکایا وہ میرے خُسر بھی تو تھے "۔

نقیب الاشراف حضرت پیر حسام الدین محمودؒ سے اجازت حضرت پیر حسام الدین محمود صاحب نقیب الاشراف بغداد شریف نے اپنے خاندانی سلسلہ قادریہ نقیبیہ کی اجازت حضرت کو بغداد شریف کی حاضری کے موقعہ پر عطا فرمائی تاکہ حضرت ان کے وکیل کی حیثیت سے اپنی بیوی رابعہ بیگم صاحبہ کو مرید کرسکیں جو سلسلہ قادریہ نقیبیہ کی سلکِ ارادت میں منظم ہونا چاہتی تھیں۔

مجمع السلاسل اس طرح حضرت کو اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ اور اپنے والد ماجد مولانا شاہ عبدالقادر صدیقی اور خسر محترم شاہ احسان الحق صاحب سے ان تمام سلسلوں میں اجازت حاصل ہوئی جو ان حضرات کو پہنچے تھے۔ اور چوتھے پیر حسام الدین محمود نقیب الاشراف کے ذریعہ سے ان کے خاندانی طریقہ کی اجازت حاصل ہوئی جو خاندانِ غوث الاعظم میں جاری ہے۔ چنانچہ اپنے ماموں حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ سے بیعت و خلافت اور رہا والد ماجد، خُسر محترم اور پیر حسام الدین محمودؒ سے سلاسل کی اجازت کا حضرت کو حاصل ہونا اس کی تصدیق " الاجازہ " کی عربی عبارت سے ہوسکتی ہے۔ جس کو حضرت نے اپنے خلفاء کو عطا فرمانے تحریر فرمایا تھا۔ جو طبع شدہ موجود ہے۔ اس طرح حضرت تمام بڑے سلاسل پہنچ جانے کی وجہ سے مجمع السلاسل بن گئے۔

حضرت کو جہاں قرآن و حدیث سندِ مسلسل کے ساتھ پہنچی ہیں وہیں علم باطن اور فیوض روحانی سینہ بہ سینہ جو براہِ راست تعلیمات و فیضانِ مصطفوی کا ثمرہ ہے آل و اصحابِ رسول ، تابعین و تبع تابعین سے ہوتا ہوا مختلف سلاسل کے بزرگانِ دین کے ذریعہ سے حضرت کے سینہ میں جمع ہوگیا ۔ اسی طرح حضرت کو جو سلاسل پہنچے ان میں حسب ذیل قابلِ ذکر ہیں ۔ قادریہ ، نقشبندیہ ، چشتیہ ، رفاعیہ ، شاذلیہ ، اکبریہ ، غزالیہ ، سہروردیہ ، شاہ مداریہ ، شطاریہ ، بدویہ ، حرمیہ ، قلندریہ وغیرہ ۔

طریقہ جدا جدا ہونے کے وجوہات سلاسل کی تعلیم کے مشترک اور متفق علیہ ہونے کے باوجود ان کے نام اور طریقے جدا جدا ہونے کی تفصیل حضرت نے یوں بیان فرمائی ۔

" تصوف یا علم لدنی کا ماخذ حدیث و قرآن ہے ۔ جو اصلِ اصول اور تمام سلاسل کے متفق علیہ ہیں، طریقہ عمل سے ایک سلسلہ دوسرے سلسلہ سے جدا ہوتا ہے ۔ بعض دفعہ شیوخ کے جدا ہونے سے طریقے جدا ہوجاتے ہیں ۔ گو ان کی تعلیم آپس میں جدا نہیں ۔

بعض دفعہ متفق علیہ امور میں سے کسی ایک پر کسی ایک طریقہ میں زیادہ زور دیا جاتا ہے اور دوسرے طریقہ میں دوسرے پر ۔ کسی میں محبت کسی میں توحید کسی میں عبدیت کو زور ہوتا ہے ۔ اپنا اپنا ذوق ہے ، اپنی اپنی پسند ہے ۔ اعتقادِ صحیح ، تہذیب نفس اور دوام حضور تمام سلاسل کا متفق علیہ ہے "۔

طریقہ قادریہ کی تخصیص حضرت باوجود مجمع السلاسل ہونے اور تمام عظیم المرتبت مرشدوں سے باطنی طور پر ربط و نسبتِ خصوصی حاصل رہنے کے آپ کا اصل سلسلہ قادریہ تھا ۔

سلسلہ عالیہ قادریہ جو حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانیؒ جیسی برگزیدہ اور اپنے جدا مجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عبدیت کی مکمل تصویر کے درمیان میں نمایاں ہوکر سامنے آجانے کی وجہ سے آپ کے اسم گرامی سے موسوم ہے ۔

حضرت غوث الاعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیض باطنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہر دو سے واسطہ در واسطہ پہنچا ہے ۔ ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کے فیض جاریہ کو باہم ملانے والے مجمع البحرین ہستی حضرت امام جعفر صادقؓ جگر گوشہ نبی کی ذاتِ اقدس ہے ۔ علاوہ اس کے حضرت غوث الاعظم کو قلبی و روحی اعتبار سے اپنے جدا مجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض براہ راست بھی حاصل ہے ۔

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض باطنی حضرت فاروق اعظم عمرؓ ابن الخطاب کے واسطے سے بذریعہ حضرت محمد باقرؓ اور حضرت اویس قرنیؓ و نیز حضرت ابو درداؓ صحابی رسول کے واسطے سے بذریعہ علاء المستیب و نیز حضرت انس بن مالکؓ صحابی رسول کے واسطے سے بذریعہ امام محمد بن سیرین بھی پہنچا ہے ۔ جس کی تفصیل سلسلہ عالیہ قادریہ کے شجرہ سے معلوم ہوسکتی ہے جس کو کتاب کے آخر میں سلاسل کے شجروں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ۔

ایک مرتبہ عنایت علی صاحب نے حضرت سے پوچھا " آپ چشتی بھی ہیں قادری بھی ہیں سب ہی ہیں "۔ حضرت نے جواب دیا " دیکھو مجھے کھانا دیتا ہے غوث پاک عبدالقادر میں جی رہا ہوں اس کے کھانے پر اجمیر کے خواجہ میٹھا کھلاتے ہیں ، بہاء الدین نقشبند میوے کھلاتے ہیں ۔ ایک صاحب ٹوپی پہناتے ہیں ایک صاحب شیروانی "۔

اگر کوئی شخص کسی خاص طریقہ میں بیعت کا خواہشمند ہوتا تو حضرت اس سے اسی طریقہ میں بیعت لے لیا کرتے ورنہ قادریہ طریقہ میں ۔

بعض حضرات نے چشتیہ اور قادریہ میں بیعت کی اور بعض نے نقشبندیہ اور قادریہ میں ۔ بعض نے صرف نقشبندیہ میں اور بعض نے صرف رفاعیہ طریقہ میں ۔ چنانچہ حضرت نے ان کو اسی سلوک کی تعلیم دی جس طریقہ میں وہ مرید ہوئے تھے ۔ ان طریقوں کے علاوہ دیگر طریقوں میں خواہش کرکے کسی شخص کا مرید ہونا میرے علم میں نہیں ہے ۔

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا " نقشبندیہ طریقہ کے لوگ اپنے مریدوں اور شاگردوں پر اپنی توجہ ڈالتے ہیں ان کی کمزوریوں کو قوت سے بدل دیتے ہیں ۔ شاگرد کے خطرات کو واہی تباہی وساوس کو اپنی توجہ سے اپنے ول پاور (Will power) سے اپنی اٹنشن (Attention) سے دفع کردیتے ہیں ۔

چشتیہ اپنے جذبات محبت سے ، اپنی حُسنِ توجہ سے اپنے شاگردوں میں جذباتِ محبت پیدا کردیتے ہیں ۔

اور قادریہ طریقوں میں بعض لوگ اپنی توجہ سے کام لیتے ہیں ۔ مگر اکثر کی تعلیم یہ ہے کہ ساکن القلب رہو ، اپنے نفس کو مطمئنہ بناؤ بے ارادہ رہو ، بے خواہش رہو تمہارا آقا تم کو بھی سنبھالے گا تمہارے متعلقین کو بھی سنبھالے گا جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے تمام کاموں کو اس پر چھوڑتا ہے اس کو اللہ بس ہے ۔ یہاں توجہ اور تموج اس شخص کا نہیں ۔ یہ توجہ خدا کی ہے ۔ یہ تموج خدا کا ہے "۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا " میں نے مجمع السلاسل کاہے کو لکھا ؟ سب میرے ہیں کوئی غیر نہیں ۔ اگر کسی ایک کو بھی غیر سمجھے تو اللہ کی تجلی اس سے غائب ہوجاتی ہے "۔ ساتھ ہی فرمایا " ہندوستانی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ سب کی شاگردی کرکے سب کا استاد بن جاتا ہے ۔

حضرت کا مابہ الامتیاز دوسرے شیوخ اور پیران طریقت کے مقابلہ میں حضرت کے لئے یہ بات مابہ الامتیاز تھی کہ آپ کی ذات واحد میں تمام سلاسل کی مابہ الامتیاز تعلیم جمع ہوگئی تھی ۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کی فکر رسا اور روحانی بصیرت نے ان تمام نظریوں ، افکار اور اعمال کو جو اسلام کی حقیقی روح کے مغائر تھی چن چن کر مسلک تصوف سے خارج کردیا اور اپنی اس نسبتِ خاصہ اور فیض روحانی کے ذریعہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو باطناً بالراست حاصل تھی بعد آنے والوں کے لئے اس دروازہ سے کھول دیا جو عہد نبوت اور عہدِ صحابہ کی طرف کھلتا ہے ۔

تعلیم میں بعض امور پر اہمیت حضرت حالات ، موقع محل اور افتادِ طبع کے اعتبار سے قرآن وسنت کی روشنی میں کس طرح عمل کرنا چاہئیے سکھاتے تھے ۔ حضرت کی تعلیم میں یہ خوبی ہے کہ ہر وقت قرآن کی ایک نئی جہت پیش نظر ہوجاتی ہے ۔ نہ صرف قرآن کھلنے لگتا ہے بلکہ اس پر عمل کرنے کی افادیت بھی سمجھ میں آتی ہے ۔ اور قرآنی اسرار کھلنے لگتے ہیں وقت پر جو بات قرآنی اعتبار سے قلب میں آئے وہی دراصل حضرت کے پاس کام کی بات ہے ۔ حضرت چاہتے تھے کہ قرآن حضرت کے متوسل کی زندگی میں رچ بس جائے ۔

حضرت خوابوں اور کشف پر بھی زیادہ زور نہیں دیتے تھے ۔ بعض لوگ بذریعہ کشف عالم مثال میں دیکھنے کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ صحیح العقیدہ آدمی کو معمولی عالم مثال کے انکشافات والوں سے کم سمجھتے ہیں اور اس آیت کا مصداق سمجھتے ہیں ۔

من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ ۔ ہمارے پاس علم ہی شہود ہوتا ہے ۔ جو اس دنیا میں علم صحیح نہ رکھے گا وہ آخرت میں اندھا ہی رہے گا ۔ صحیح علم نہیں تو صحیح شہود بھی نہیں ۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ پر عالم مثال کھل گیا تھا ؟ ہمارے پاس عالم مثال کے کھلنے کی اہمیت نہیں ہے علم صحیح کی اہمیت ہے "۔ حضرت کے پاس معارف کا کھلنا زیادہ اہم ہے ۔

ایک مرتبہ فرمایا " جن کو اللہ نے نفس مطمئنہ دیا ہے ۔ جن کے خواہشاتِ نفسانی مردہ ہوگئے ہوں ۔ ایسوں کے خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں "۔

فرمایا " یاد رکھو ! کہ دیکھنے والے کو جس قدر اطمینان ہوگا اُسی قدر اس کا خواب صحیح ہونے کی امید ہوگی ۔ بے قراری ۔ بے چینی خواہ کسی وجہ سے ہو خواب کو خراب کردیتی ہے "۔

فرمایا " بہت حضرات صاحب کشف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ مگر کوئی ان سے پوچھے

دیکھا تم نے کیا دیکھا اس کی کتنی وقعت ہے

کھیل تماشا لاحاصل مقصد اصلِ حقیقت ہے (حسرت صدیقی)

فرمایا " انسان کا دل کیا ہے ۔ ایک کیمرہ ہے ۔ بیت الخلاء کی طرف اس کا رخ ہوگا تو بیت الخلاء اور اس کی کھڈیاں نظر آئیں گی ۔ لوگوں کے دلوں اور گھروں کی طرف رخ ہوگا تو وہاں کے رہنے والے اور ان کے حالات نظر آئیں گے ۔

فرمایا " بہت سے لوگ لوگوں کے دل کے خطرات بیان کرکے بڑی شیخی بگھارتے ہیں ۔ اتنا کام تو ہپناٹیزم والے بھی کرسکتے ہیں ۔ علم کی عزت معلوم کی عزت سے ہے ۔ جیسی چیز جانوگے اسی درجہ کا عالم سمجھے جاؤ گے ۔ خدا کی تجلیات اور اس کے دوستوں کا دیکھنے والا اور اشراف علی الخاطر یعنی لوگوں کے دلوں کے خطرات کو جاننے والا بھلا دونوں کا کیا جوڑ ۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔ ہپناٹیزم کی قوت رکھنے والا اور خدا کا دوست کس طرح دونوں برابر ہوسکتے ہیں ؟ "۔

ایک مرتبہ فرمایا ۔ ایمان و اطمینان پر خیال کشف اور خواب کا دارمدار ہے ۔ اطمینان کے ساتھ کشف اور خواب کمال کو پہنچتے ہیں تو وحی الہٰی ہوجاتے ہیں ۔ خیال جس سے لوگ بے اعتنائی کرتے ہیں وہ بھی الہام ہوجاتا ہے ۔

اسی بناء پر حضرت نفس کی تہذیب اور ایک نقطہ پر خیال قائم کرنے پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں ۔

ایک مرتبہ حضرت نے ضعیفی میں دعا کی " اللہ نفس کے شر سے بچائے حاضرین میں سے کسی نے پوچھا ۔ کیا اب بھی آپ ایسی دعا فرماتے ہیں ؟ حضرت نے جواب دیا " نفس مرتا نہیں " ۔ بال کی کھال سے زیادہ نازک ہوکر آتا ہے خدا سے جتنا قرب بڑھتا جاتا ہے ۔ نفس نازک ہوکر آتا ہے ۔ خدا کے ہاتھ میں مردہ ہو جانا آسان بات ہے ۔ ناک کے قریب آئینہ رکھ کر دیکھتے ہیں ابھی باقی تو نہیں ہے ۔ آئینہ پر دھبہ تو نہیں آرہا ہے "۔

مراقبوں میں بھی زیادہ زور نہیں دیتے تھے ۔ کیونکہ اس میں عمریں صرف ہوتی ہیں اور فائدہ بھی موقتی دیتا ہے ۔ البتہ ارتکاز خیال پر زیادہ زور دیتے تھے کہ خیال اللہ سے ہٹنے نہ پائے ۔

خوارق عادات کے لئے جستجو ۔ کشف کونی ۔ کشف قبور اور اشراف علی الخواطر کے سلسلہ میں وظائف یا اشغال حضرت کے پاس تضیع اوقات تھا ۔ علاوہ ازیں آثار کے چکر میں پڑنا خود ایک زبردست چکر تھا ۔ ایمان و یقین میں پختگی ۔ کمال اخلاص اور دوام حضور ہی حضرت کی تعلیم میں سب سے زیادہ اہم ہیں ۔

اپنے وابستگان کو شغل مقید یا لطائف جاری کرنے کی مشقوں میں بتلانہ کرتے کیونکہ سوائے اس کے کہ اس میں خود انسان کے تصورات کام کرنے لگتے ہیں ۔ بہت کم لوگوں کو اس بات سے فائدہ پہنچتا ہے ۔ اکثر صفات کا چکر رہتا ہے یا خود اپنی ذات و قوتوں کو نمایاں

ہونے کا موقع ملتا ہے ۔ یا نسبتوں کے تھوڑے بہت تماشے نظر آجاتے ہیں ۔ یہ سب ارادہ رکھنے والوں کے پاس اہم ہیں ۔ بے ارادہ جینے والوں کے کام الگ ہیں ۔ اس کے علاوہ ہر شخص میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ پیغمبر سے لطیفہ مخصوصہ کے ذریعہ اس نور خاص کو اپنی توجہ سے جذب کرے جو اس لطیفہ سے متعلق ہے ۔ پھر اس قوت کے ذریعہ سے عالم علوی سے اپنا خصوصی ربط قائم کرسکے ۔

حضرت کے پاس اللہ میں اپنی ہستی کو فنا کرنے کی سوچ ہی اصل سلوک ہے ۔ حضرت کا ارشاد ہے " ہر شخص کی فطرت اور شان جدا ہے ایک کی فطرت عبدیت کی ہوتی ہے ، ایک کی محبت کی ، فرائض پر پابندی کرکے سب چھوڑدو اور ایک نقطہ پر قائم ہوجاؤ اور رات دن اپنی ہستی کے فنا کرنے میں مشغول ہوجاؤ " ۔

فرمایا " اپنے عدم اصلی کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا کمال معرفت ہے ۔ بے ارادہ ہمیشہ ذمہ داری سے آزاد و سبکدوش رہتا ہے ۔ اس کی توجہ خدائے تعالیٰ پر رہتی ہے اور ہر شئے میں اس کا جلوہ پاتا ہے ۔ لہذا تصرف کو خلافِ ادب سمجھتا ہے " ۔

فرمایا " اپنے ارادے سے تصرف کرنا ، اپنے ارادے سے تصرف نہ کرنا دونوں میں انسان کا ارادہ شامل ہے ۔ تصرف و عدم تصرف کا اختیار دیا جائے تو عدم تصرف کو اختیار کرنا ملغ ذمہ داری ہے ۔ تصرف کے امر کے وقت امتثال امر کرنا پھر وہی بے اختیاری ہے ۔ اور عدم اصلی ۔ یہ کام نہایت مشکل ہے اور عبدِ کامل کا ہے ۔ نہ بالارادہ تصرف نہ بالارادہ عدم تصرف بلکہ حکم تصرف کے وقت تصرف ۔

فرمایا " جزوی ارادہ رکھ کر بے ارادتی کا دعویٰ چھوٹا منہ بڑی بات ہے ۔ جھونپڑیوں میں رہنا محلوں کے خواب دیکھنا حماقت ہے

ایک مرتبہ فرمایا " مقربین سے پوچھ ہوتی ہے ۔ باپ غصہ میں ہوتا ہے ماں بیچ بچاؤ کرنے آتی ہے تو اس کو بھی ہٹا دیا جاتا ہے ۔ اب باپ کے رحم و کرم پر بات رہتی ہے ۔ سوائے قدموں پر سر رکھ دینے کے کوئی صورت نہیں رہتی ۔ سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں ۔ ارے خدا سے کس کو پالا پڑا ہے ؟ اس سے پالا پڑے تب معلوم ہو ۔ اس کے پاس تھوتھلا نیا ڈاؤں ہے ۔ ابھی ایک بات ہے ، نہیں معلوم کہ اب کیا کرتا ہے ۔ زندگی بھر یہی حالت رہتی ہے ۔ خدا ہی اپنے فضل سے خاتمہ بخیر کرے تو کرے ۔ اس کا ہاتھ کون پکڑنے والا ہے ۔ بس خدا ہی یاد آتا رہے " ۔

ایسے لوگ جو خدا کے ہاتھ میں مردہ ہوجاتے ہیں ، ان کے پاس فرمائش کرنا نہیں ہوتا ، بالکل بے ارادہ رہتے ہیں ۔ باقی بہ بقائے حق رہتے ہیں ۔ ان سے تقادیر الٰہی کا جریان اور ارادہ حق کا سریان رہتا ہے ۔ اقتضائے عبدیت اس خوبی سے پورا ہوتا ہے کہ عقلِ انسانی اس کے ادارک سے قاصر رہتی ہے ۔ ان کی ہر حرکت عقلوں سے وراء ہوتی ہے ۔ یہ جن کی طرف توجہ کرتے ہیں ، بڑی سخت تربیت کرتے ہیں ، نگرانی رکھتے ہیں ، چھوٹی چھوٹی باتوں پر تک نظر رکھتے ہیں ۔ ان کے امتحان سے خدا بچائے بڑا نازک امتحان ہوتا ہے ۔ ان کی گرفت سے کوئی نکل ہی نہیں سکتا ۔ خدا سے پالا پڑنا تو بڑی بات ہے ، ان سے پالا پڑجائے تو حقیقت کھل جائے ۔ ان کے امتحان میں کون پورا اتر سکتا ہے ۔ ایک ہاتھ سے وزن ڈالتے ہیں تو دوسرے ہاتھ سے سہار بھی لیتے ہیں ۔ ورنہ کمزور کیا تاب لاسکتا ہے ۔ قدیریوں کو سابقہ بہت بڑے سے پڑا ہے ۔ ایک زبردست بنوٹی سے بنوٹ سیکھنی ہے ۔ آسان نہیں ہے پہلے تاب لانا ہی مشکل ہے ۔ اگر ٹک گیا تو بنوٹی ۔ خدا ہی ٹکادے تو ٹکادے ۔ اس کی نظر کو دیکھتے رہنے میں سلامتی ہے ۔ ذرا نظر چوکی اور ہتھکنٹی ، کبھی سر کبھی چیر کبھی پیلٹ تو کبھی انی ۔ اللہ اس کی آنکھوں سے ہماری آنکھیں ۔ اس کے ارادے سے ہمارا ارادہ ملادے ۔ آمین ۔

حضرت کے پاس اعتدال کے بغیر کمال ہرگز پیدا ہو نہیں سکتا ۔ لوگ عام طور پر اعتدال کا خیال نہیں رکھتے ۔ عقیدہ اور عمل میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر بہک جاتے ہیں ، بھٹک جاتے ہیں ۔ منزل الگ کھوئی ہو جاتی ہے ۔

لوگ دنیا میں بے شمار قوتوں کے محکوم بن جاتے ہیں ۔ اگر چہ وہ دنیا میں دنیا کے محکوم بن کر نہیں پیدا ہوئے ۔ مگر دنیا نے ان کے پاؤں میں ہزار قسم کی بیڑیاں ڈالدی ہیں ۔ حضرت نے ان زنجیروں کو توڑ پھینکا اور اپنے متبعین کو ان زنجیروں کو توڑنا سکھایا ۔

حضرت کا تو یہ کہنا ہے کہ احکم الحاکمین کی چوکھٹ ہی وہ چوکھٹ ہے جہاں سرِ عبودیت بصد نیاز جھک سکتا ہے ۔ یہی تو وہ چوکھٹ ہے جہاں معلم اخلاق اور داعی حق محبوب رب العالمینؐ کا سرِ مبارک بھی ایسا جھکا ہے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا ۔

حضرت کی تعلیم میں جتنی اطاعتیں اور فرمانبرداریاں ، جتنی وفاداریاں اور تسلیم واعتراف ہے صرف اسی وقت تک کے لئے ہے کہ بندہ کی بات ماننے سے خدا کی بات کا خلاف نہ ہوتا ہو ۔

حضرت کو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا تھا کہ دنیا کی زندگی جو فانی خواہشات کے بہلانے کا ایک کھیل ہے اس کے پیچھے پڑکر لوگ نقد حیات ابدی کے بدلے یا اس کو بیچ کر معیشتِ چند روزہ کا سامان کر رہے ہیں ۔

حضرت کی تو یہ تعلیم ہے کہ کسی قیمت پر تم پروردگارِ عالم کو ہرگز نہ چھوڑو ۔ تم صرف دنیا کے طالب ہو ، وہ تو دنیا اور آخرت دونوں بخشنے کے لئے تیار ہے ۔ تم کیوں صرف ایک ہی پر قناعت کرتے ہو ۔

اجر و ثواب کی نیت یا سزا و عقوبت کے خوف سے بچنے کیلئے کام کرنا حضرت کے پاس ادنیٰ بات ہے ۔ حضرت ہر کام کے معاوضہ میں اللہ سے اللہ ہی کو لینا سکھاتے تھے ۔ حضرت کے پاس تو مقصود جنت نہیں جنت والا ہے ۔

حضرت فرماتے تھے " ایک مقصد رکھنا اور اس کی تکمیل کی خدا سے امید رکھنے میں کچھ خوبی نہیں ۔ بندے کو فرمائش سے کیا علاقہ ۔ ہم کو خدا کی مرضی کے مطابق ہونا چاہئیے نہ کہ خدائے تعالیٰ سے اپنی مرضی و خواہش کی فرمائش کرنا "۔

حضرت کے پاس فضائل پر عمل کرنا نہیں ہے صرف تعمیل حکم ہے حضرت کی تعلیم میں بندہ کو کسی چیز سے سروکار نہیں ، اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ خدا کے مقصد کو پورا کرے ۔ حضرت کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے اسوہ حسنہ پر چلنا ، آپ کے احکامات کی تعمیل کرنا عین منشائے رب العالمین ہے ۔ اپنی طرف سے نہ کوئی خواہش ہے نہ کوئی مراد اور نہ کسی قسم کی طلب ۔

ایک مرتبہ فرمایا " اپنی کوشش پر یا دوسروں کی امداد پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے ۔ اس کا کام ہمیشہ ناقص رہے گا جب تک کہ خدا کا ہاتھ درمیان میں نہ رہے "۔

حضرت فرماتے تھے " اپنے تمام حاجات کو اللہ جل و علا پر چھوڑ دو ۔ اسی پر اعتماد اور بھروسہ رکھو ۔ تمام حاجات کو اسی سے مانگو ۔ ماسویٰ اللہ پر تکیہ و توکل نہ کرو ۔ توحید کو اختیار کرو ، ایک توحید سب کو جامع ہے "۔

حضرت کس قسم کے قادری تھے ؟ حضرت قادری تھے مگر قربِ فرائض کے قادری تھے اور محمدی المشرب تھے ۔ حضرت فرماتے تھے " جو شخص اپنی خوشی سے ریاضتیں کرتا ہے ، نیک کام کرتا ہے ، خدا بھی اس کے مقاصد کو پورا کرتا ہے ۔ جو چاہے ہوتا ہے ۔ اس کو " صاحب قرب نوافل " کہتے ہیں ۔ جو شخص تحتِ حکم رہتا ہے نہ اس کا کوئی مقصد ہے نہ مراد ، اس کا صرف یہی مقصد ہے کہ خدا کے مقصد کو پورا کرے ایسا شخص خلیفۃ اللہ ہوتا ہے ۔ اس سے سب کو امداد ملتی ہے ۔ نام اس کا ہے کام خدا کا ۔ ایسے شخص کو " صاحب قرب

فرائض " کہتے ہیں ۔

حضرت نے ایک مقام پر لکھا ہے :۔

" اولیاء کئی طریقہ کے ہوتے ہیں ۔ بعض دین کی حمیت و غیرت رکھتے ہیں ۔ مخالفین پر تیغ برہنہ رہتے ہیں ۔ ان اولیاء کو " نوحی المشرب " کہتے ہیں ۔

بعض جوش محبت سے بھرے رہتے ہیں ، رونا ، تڑپنا بیقرار رہنا ان کا کام ہے ۔ ان کو " موسوی المشرب " کہتے ہیں ۔

بعض کا کام رضا و تسلیم ہے ۔ بڑے بڑے امتحانات میں سے ہنستے بولتے خوش و خرم نکل جاتے ہیں ان کو " ابراہیمی المشرب " کہتے ہیں ۔

بعض توحید میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں ، ان کو ان کے محبوب کے سوا کوئی نظر نہیں آتا ، ان اولیاء کو " عیسوی المشرب " کہتے ہیں ۔

بعض اقتضائے وقت کے مطابق رہتے ہیں ۔ ان کا کوئی ارادہ ہوتا ہے نہ کوئی مقصد ، نہ یہ اپنے ارادے سے کہتے ہیں ، نہ اپنے ارادے سے کوئی کام کرتے ہیں ۔ جو دکھایا دیکھا ۔ جو سنایا سنا ، کسی سے ملتے ہیں تو حکم کی وجہ سے ۔ لڑتے ہیں تو حکم کی بناء پر ۔ خدائے تعالیٰ کو دینا ہوتا ہے تو ان کے ہاتھوں سے دلاتا ہے ۔ کہنا ہوتا ہے تو ان کو گویا کردیتا ہے ۔ ما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحیٰ (پ ۲۷ ، النجم) ان کے حسبِ حال ہوتا ہے ان اولیاء کو " محمدی المشرب " کہتے ہیں ۔

فرمایا " جو صوفی ہوتا ہے وہ مجاز کو استعمال بھی کرتا ہے تو حقیقت اور بالذات سے غفلت نہیں کرتا ۔ حقیقت اور بالذات سے غفلت کرنے کو وہ شرک خفی سمجھتا ہے اور اس سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہے ۔ یہ بالذات سے ہوشیار رہنا فنائے افعال ، فنائے صفات اور فنائے ذات کو پیدا کرتا ہے ۔

مقاصد تربیت ایک مرتبہ میں نے حضرت سے سوال کیا " حضرت آپ کا طریقہ تربیت کیا ہے ؟ حضرت نے جواب دیا ارشاد فرمایا " طریقہ تربیت کیا ہے ؟ وہی ہے جو غوثِ پاک کا ہے " جواب دینے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ مجھے آگے مزید پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ غوثِ پاک کا طریقہ تربیت کیا تھا حضرت جانیں یا غوثِ پاک جانیں ۔ مگر اتنی بات ضرور سمجھ میں آگئی کہ ہر مرید کے ساتھ رہ کر اس کے لائق تربیت فرماتے ہیں ۔ مگر یہ مسئلہ میرے لئے تشنہ تھا ۔ لہذا حضرت کے طور طریق اور متوسلین اور وابستگان کے ساتھ حضرت کے خصوصی برتاؤ اور تعلیم و تربیت کے انداز پر غور و فکر شروع کیا تو کچھ باتیں کھلنے لگیں اور تربیت کے چند مقاصد سمجھ میں آئے ۔ ان کو یہاں پیش کردیا جاتا ہے ۔ اگر کسی کو راہ سلوک میں اس سے مدد ملے اور فائدہ پہنچے تو والحمد للہ ۔

حضرت کا اندازِ تربیت مخاطب کی استعداد اور صلاحیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتا جاتا تھا ۔ ابتداءً نہایت خصوصی محبت اور شفقت پھر رفتہ رفتہ غلطیوں پر معمولی گرفت مگر التفات و مہربانی بے حد ، پھر غلطیوں پر ناگواری مگر ساتھ ہی مہربانی و عنایت ۔ ترقی کے ساتھ ساتھ گرفت میں سختی مگر عفو و درگذر ۔ پھر معمولی لغزشوں پر سخت تنبیہ ، غصہ ، کراہت و ناگواری مگر ساتھ ہی چاہت و مرحمت ۔

ابتداءً ہر آنے والے کو حضرت چاہنے لگتے ۔ اس کی توقیر میں کچھ کسر اٹھا نہ رکھتے اتنی شفقت و عنایت سے پیش آتے کہ آدمی حضرت کو چاہنے پر دل سے مجبور ہوجاتا ۔ اللہ والے کی محبت و شفقت یہ تاثیر دکھلاتی کہ اللہ والا اس کی نس نس میں سما جاتا ۔ اس کی اس چاہت سے فائدہ اٹھاکر اس میں خدا و رسول کی چاہت کا جذبہ پیدا کرتے اور یہی جذبہ اس میں عرفان حق کی طلب پیدا کردیتا ۔ حضرت اس کی استعداد کے مطابق معرفت الٰہی اور صفات خداوندی کے تعلق سے درس دینے لگتے ۔ روزمرہ کی معمولی معمولی باتوں میں وہ معلومات بہم پہنچا دیتے جس سے ناواقفیت کی وجہ سے عام طور سے انسان خدا پرستی کی راہ میں ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے ۔ اور اعمال کے خواص اور نتائج سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے غلطیوں کا شکار ہوا کرتا ہے ۔ پھر موقع بہ موقع ایسی باتیں بتلاتے جس کی وجہ سے اس میں تعقل اور تفکیر کی صلاحیت اجاگر ہونے لگتی ۔ تاکہ آئندہ حضرت کے ارشادات اور ان کی تعلیمات سے استفادہ اور جذب کی قابلیت پیدا ہو ۔ ساتھ ہی ساتھ ایسی باتیں بھی بتلاتے جس سے ضبط و تربیت اور باقاعدگی کی تعلیم نکلتی ۔ یہی تعلیم ہر چیز کے حُسن و جمال اور خوبی و کمال کے امتیازات کو سمجھنے اور پرکھنے کی نظر پیدا کرتی ۔ جس کا لازمی نتیجہ مخاطب پر یہ مرتب ہوتا کہ وہ اعتراف عجز و قصور کے ساتھ اپنا سر نیاز بارگاہ رب العزت میں بندگی اور شکر گزاری کے اظہار کے لئے ٹیک دیتا ۔ یہیں سے فلاح و سعادت کی راہ نکلتی ہے ۔ جو ان کے مرید، ان کے متوسل اور شاگرد کے اخلاق و کردار کی استواری کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی نشو و نما کا باعث بنتی ہے اور اس کی روح میں ایک نئی زندگی کی امنگ اور جنبش پیدا کردیتی ہے ۔ حضرت کی باتیں، ان کی ہدایتیں، ان کی تنبیہ، ان کی نصیحتیں روحانی زندگی کی تاریکیوں میں روشنی ثابت ہوتی تھیں ۔

اس نوبت پر حضرت کی روحانی نگرانی مرید پر کڑی ہوجاتی تھی ۔ اور تربیت کا اہتمام بڑھ جاتا تھا ۔ تاکہ ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ کی روحانیت کی طرف ترقی کی منزلیں طے کرسکے ۔

حضرت کے اندازِ تربیت کا طریقہ بحث و تقریر کا نہیں تھا ۔ بلکہ براہ راست تلقین کا سیدھا سادھا طریقہ تھا ۔ و نیز کسب و عمل میں عملی نمونہ بن کر پیش ہوتا تھا ۔ جو کمال تربیت ہے ۔

حضرت کی خفگی، ڈانٹ یا تنبیہ سے مخاطب پر کچھ ناگواری یا دل برداشتگی یا مایوسی کی کیفیت یا حضرت سے دور بھاگنے کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت کی روش میں اس کی خیر خواہی، بنانے، سنوارنے، فائدہ پہنچانے اور اس کو ترقی اور کمال پر پہنچانے کے جذبہ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ڈانٹ کھاکر بھی بجائے دور بھاگنے کے اور قریب ہوجاتا تھا ۔ اور حضرت کی شفقت اور عنایت اس پر مزید بڑھ جاتی تھی ۔

طور و طریقہ تعلیم اس مختصر تمہید کے بعد حضرت کے پاس مقاصدِ تربیت کی روشنی میں چند پہلو جو حضرت کے طور طریق، تعلیم و تعلم اور انداز تربیت کی روشنی میں سمجھ میں آسکے پیش ہیں ۔

۱ ۔ اخلاق و کردار اور اعمال اس طرح ٹھیک ٹھیک اور درست ہوجائیں کہ اس کی زندگی کی ہر بات ایک خوبی، ایک حُسن ہو اور کسی گوشہ میں خلل، نقصان، پستی یا بے ڈھنگاپن باقی نہ رہے ۔ دنیا میں بھی خوبی اور کمال کے ساتھ زندہ رہے اور موت بھی خوبی اور کمال کا ثبوت بن جائے ۔ اور دنیا کی زندگی آخرت میں خیر کثیر بن کر مشہود ہوجائے ۔

۲ ۔ زندگی میں جمع و نظم کی حالت پیدا ہوجائے جو سکون اور یکسوئی کی حالت ہوتی ہے ۔ جس کے حصول کے لئے وہ تفرقہ و برہمی

سے گریز کرسکے کیونکہ یہ بھی بگاڑ کی طرف لے جاتی ہے اور سکون کمال کی طرف و نیز طبیعت میں استقلال اور کام میں مداومت کی اہمیت کا شعور بھی پیدا کرتے۔ جس کے بغیر حصول کمال ممکن نہیں۔

۳۔ اچھائی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھائی کا احساس بھی عطا کرتے کیونکہ اچھائی کا احساس ہی اچھائی اور برائی کے سمجھنے کا معیار ہوا کرتا ہے جب تک احساس نہ پیدا ہو اچھائی کے درجات اور درجات کے باہم امتیازات کھل کر سامنے نہیں آسکتے۔

۴۔ مخاطب کی تربیت طبیعت کے اقتضاء اور استعداد کے مطابق نہیں دی جاتی وہ ناقابل استفادہ ہوتی ہے۔ بلکہ انتشار خاطر کا باعث بنتی ہے۔

۵۔ تربیت میں اس بات کا بھی پورا خیال رکھتے کہ اس کی ساری جدوجہد اخلاقی اقدار کی پابند رہے اور وہ اخلاقی تنزل سے بچ سکے، اس کے لئے اس کے علمی اور اخلاقی معیار کو بلند کرتے اور تخلقوا باخلاق اللہ کو اس کے پیش نظر کردیتے۔ کیونکہ اخلاقی تنزل کی انتہائی حد میں ظاہر داری اور ظاہری رسوم کی پابندی ہی دین داری سمجھی جانے لگتی ہے اور یہ کھلا نقصان ہے۔

۶۔ حضرت کی تعلیم و تربیت میں قیاسات، تخمینے، ظنون اور اندازے کی صلاحیت بخشنا نہیں ہے بلکہ مشاہدات، تجربات اور محسوسات کے حصول کی اہلیت پیدا کرنا ہے۔

۷۔ دلوں کے اندھوں اور مردہ دلوں کو زندہ کرکے ان کے علم، ارادہ، شعور، بینائی، شنوائی اور ان کے وجود کی اصل سے واقف کرانا ہے اور ایسی تربیت کرنی ہے کہ وہ اپنے مرجع کی طرف لوٹ سکیں اور ردِ امانت کرسکیں۔

۸۔ حضرت کی تعلیم و تربیت کی ابتداء ذات سے شروع ہوکر ذات پر ختم ہوتی ہے۔ اصل اختلاف کی جڑ اور اس کا نقطہ آغاز صفات سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ہر صفت سے ذات کی طرف متوجہ کرتے جاتے اور اس بات کا یقین پیدا کردیتے کہ جہاں کہیں، جس کسی میں کوئی خوبی، کوئی کمال نظر آتا ہے جس کی تعریف کی جاتی ہے ان سب کا مرجع وہی ازلی وجود ہے۔ جو ہمارے تمام محسوسات و معلومات کے آئینہ میں اپنے کمالات کو مختلف طریقوں سے چمکا رہا ہے بلکہ خود چمک رہا ہے۔

۹۔ جذبہ دینی کے تحت انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط قائم ہوسکے تاکہ قومی امتیازات و خصوصیات ہر جہت میں نمایاں اور برقرار ہیں۔

۱۰۔ ایسی نظر پیدا ہوجائے جس سے حقیقت اور مجاز دونوں بے نقاب ہوسکیں تاکہ ان کے حقوق کی ادائی ان کے لائق ہوسکے۔

۱۱۔ زندگی کی ہنگامہ آرائیاں اس کے اسرار اور اس کی بصیرت سے پوشیدہ نہ رہ سکیں تاکہ دادِ جمال و کمال دے سکے۔

۱۲۔ لامنتہی طلب پیدا ہوجائے تاکہ لامحدود عطایائے الٰہی کے سامنے اس کا دست طلب ہروقت دراز رہ سکے تاکہ اس کے سوال سے مالک کے کمال کا اظہار ہوتا جائے اور اپنی بندگی کا کمال اس پر کھلتا چلا جائے۔

۱۳۔ وہ ایک اچھا معاشرہ پیدا کرسکے جس کے استحکام کے بغیر اعلیٰ صفات پر ثبات حاصل نہیں کرسکتا۔

۱۴۔ اس میں علم و عقل کے ساتھ عشق و محبت کا جذبہ و وجدان پیدا ہو۔ تاکہ ان کی بدولت وہ حقیقت کا پتہ لگا سکے۔ کیونکہ علم و عقل منزل کے قریب تو لاسکتے ہیں مگر بغیر عشق کی مدد کے منزل کو طے نہیں کراسکتے۔

۱۵۔ قوت عمل کو ابھارتے تھے۔ کیونکہ بغیر عمل کے مقاصد چاہے کتنے ہی اعلیٰ وارفع کیوں نہ ہوں بے معنیٰ رہتے ہیں۔ و نیز

حقیقت علم تک محدود نہ رہے بلکہ عمل میں آجائے ۔ کیونکہ یقینی علم عمل میں مضمر ہے ۔

۱۶ ۔ حقیقت دین کے جذبہ کو مختلف انداز سے پیدا کرتے تھے ۔ تاکہ اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلے میں وقت پر ہر قسم کی بازی لگا سکے اور اسلاف کے کارناموں کو پیش نظر رکھ کر اپنے زمانہ کے اقتضاء کے مطابق ان کو دہرا سکے ۔ تعلیم و تربیت میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے کہ حیاتِ جاودانی کی بشارت کا یقین محکم رہے اور اس عقیدے میں ذرا سی بھی سستی نہ آنے پائے ۔

۱۷ ۔ خارجی عمل سے عالم میں تصرف ہوتا ہے اور داخلی عمل سے انسانی سیرت کی تشکیل ہوتی ہے ۔ عمل کے ان دونوں پہلوؤں کی اہمیت میں اضافہ اور ترقی میں تیزگامی پیدا ہوجائے تاکہ کمال کو پہنچ سکے ۔

۱۸ ۔ زندگی سے گریز یا ترک دنیا کا جذبہ جنم نہ لے سکے اور جدوجہد کی ہر منزل میں ناامیدی کی کیفیت قریب نہ پھٹک سکے ۔ بلکہ ارتقاء ہی ارتقاء کی ٹھوس حقیقت ہی اس کے پیش نظر رہے ۔

۱۹ ۔ مادی زندگی کی قدر و قیمت میں غلو نہ پیدا ہوجائے کہ وہ مقصد حیات بن جائیں ۔ بلکہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور آدمی اس قابل بنے کہ کلیدِ دین سے دَرِ دنیا کو کھول سکے اور اسلامی روح اس کے ہر گوشۂ حیات میں جاری و ساری رہے ۔

۲۰ ۔ ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ روحانی اور قلبی تربیت کی اہمیت بھی پیش نظر ہوجائے ۔ تاکہ مادی تقاضوں کے ساتھ ساتھ روحانی زندگی کے تقاضے بھی پورے ہوسکیں ۔

۲۱ ۔ وہ اپنے اندر جلالی و جمالی صفات کو موزوں ترکیب کا حامل بنائے تاکہ سوز و سازِ زندگی کا رمز شناس بن سکے ۔

۲۲ ۔ وہ اپنی سعی و عمل اور ضوابط نفس کے مرحلوں سے گذر کر اعجاز عمل سے تجدید حیات کرسکے تاکہ اپنے زمانہ میں صفات عالیہ کا اظہار اپنی اعلیٰ سیرت کی شکل میں دوسروں کے آگے پیش کرسکے اور بہترین نمونہ بن جائے ۔ اور اس بلند مقام پر پہنچ کر اپنے ساتھ ایک جماعت کی جماعت کو کھینچ لائے ۔

۲۳ ۔ دوسروں پر تنقید کرنے کی بجائے خود اپنی ذات پر تنقید کے اصول سکھاتے تاکہ کبر جیسی لعنت سے بچ سکے ۔ دن رات کی تنقید اور محاسبہ کی بدولت وہ دوسروں سے آگے بڑھ سکے ۔ اور اپنے ماحول میں مصلح کا کام انجام دینے کا اہل بن جائے ۔

۲۴ ۔ نیت نیک رکھنے کی طرف بھی متوجہ کرتے تاکہ روحانی سرچشمہ سے استفادہ متاثر نہ ہو ۔ ورنہ نیت کا روحانی سرچشمہ گدلا ہوجائے تو جو بھی اعمال صادر ہونگے وہ گندے ، خلوص اور للہیت سے معرا ہونگے ۔

۲۵ ۔ اصول توحید کی طرف طرح طرح سے متوجہ فرماتے تھے ۔ کیونکہ اس سے واقفیت کے بغیر وہ اس قابل نہیں رہتا کہ غیراللہ کی زنجیروں کو توڑ سکے اور جس کے توڑے بغیر اس کی زندگی سعادت ازلی سے ہم آغوش نہیں ہوسکتی ۔

۲۶ ۔ حضرت ارادہ کی نگرانی پر بہت زور دیتے تھے ۔ کیونکہ ارادہ ہی موجب ذمہ داری ہوتا ہے ۔ زندگی جو ایک دائمی فعلیت ہے ارادہ کے ذریعہ نت نئے روپ دھارتی ہے ۔ لہذا ارادہ اگر احکام الٰہی کے تابع نہ رہے تو سوائے شر کے خیر کی توقع امرِ محال ہے ۔ اگر ارادہ تحت امر الٰہی رہے تو افعال میں خیر ہی خیر کا ظہور یقینی ہے ۔ انتہا یہ ہوتی ہے کہ ذاتی ارادہ باقی نہیں رہتا ۔ بلکہ وہ اپنے میں ارادہ الٰہی کا جریان محسوس کرنے لگتا ہے ۔ اور اس کی ساری زندگی خیر کثیر بن جاتی ہے اور یہاں تک بات پہنچتی ہے کہ وہ حق کے سریانِ وجود کو اپنے میں بلکہ ہر مخلوق میں مشاہدہ کرنے لگتا ہے ۔

۲۷ ۔ انفرادی ذمہ داری کی اہمیت کی طرف توجہ دلایا کرتے جس کی اسلامی فلسفہ تمدن میں خاص اہمیت ہے ۔ احساس ذمہ داری ہی آدمی کی عملی قوتوں کو ابھارتا ہے اس کے بغیر شعورِ ذات ممکن نہیں ۔ اسی کی بدولت عمل کے سرچشمے اُبل پڑتے ہیں ۔ انفرادی ذمہ داری اور سعی و عمل ہی زندگی کا اصلِ اصول ہے ۔ جس کی بدولت انسان کی باطنی خوبیاں پوری شان کے ساتھ اس طرح نمایاں ہوتی ہیں کہ مسجودِ ملائک کا اعزاز انسان کیلئے حق بجانب ثابت ہوتا ہے ۔

۲۸ ۔ ایسا درس دیتے اور اس طرح تربیت کرتے کہ وہ مشکلات میں سے ہنستا ہنستا گزر جاسکے ۔ اور نتیجتہً تقدیرِ الٰہی کے ساتھ ہم آہنگ ہوجائے اور اس کی شخصیت حقائق ازلی سے قرب و اتصال حاصل کر کے ابدی اطمینان حاصل کرلے ۔

۲۹ ۔ حضرت کی تربیت میں یہ بات پوری شفقت کے ساتھ پائی جاتی تھی کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی زندگی کے تعلق کو اس طرح استوار کرے کہ اس کے سارے افعال و اعمال میں اسی کے جلوے ، اسی کے مشاہدے اور حضور کی بلکہ دوام حضور کی کیفیت حاصل ہوجائے ۔ یہاں تک کہ وہ صفات الٰہیہ کا مظہر بن جائے ۔ اور قدرت الٰہی تک نزول کرسکے ۔ تا کہ اس کی ذات کے توسط سے ذاتِ مطلق خود اپنا مشاہدہ کرسکے ۔

بیعت کیا ہے ؟ بیعت تقویٰ یا بیعت طریقت جو صوفیاء فقراء اور مشائخین میں چودہ سو سال سے رائج ہے ۔ اس کے بارے میں حضرت اپنے رسالہ " نظام العمل فقراء " میں لکھتے ہیں ۔

" بیعت ایک معاہدہ ہے ۔ عربوں کی ایک عادت یہ ہے کہ کوئی معاہدہ کیا جاتا ہے تو ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں ۔ تمام سلطنتوں میں حلفِ وفاداری لیا جاتا ہے ۔ اسی طرح کسی اہم بات کی تاکید پر بیعت لی جاتی ہے ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی مسلمان ہوتا تو بیعت کرتا ۔ توبہ کرتا تو بیعت لی جاتی ● ۔

● حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس حال میں کہ آپ کے گرد ایک جماعت آپ کے صحابہ کی بیٹھی ہوئی تھی " تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو ، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ، چوری نہ کرنا ، زنا نہ کرنا ، اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا ، نہ ایسا بہتان کسی پر باندھنا جس کو تم دیدہ و دانستہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے بناؤ (یعنی اپنی طرف سے بنالو اور گھڑلو) اور کسی اچھی بات میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی نہ کرنا ۔ پس جو کوئی تم میں سے اس عہد کو پورا کرے گا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہوگا ۔ اور جو کوئی ان بری باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہوجائے گا اور دنیا میں اس کی سزا مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہوجائے گی ۔ اور جو ان (بُری) باتوں میں مبتلا ہوجائے گا اور اللہ اس کو دنیا میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ اللہ کے حوالے ہے چاہے اسے معاف کرے اور چاہے اسے عذاب کرے (عبداللہ بن صامت کہتے ہیں ہم سب لوگوں نے اس شرط پر بیعت کرلی (بخاری) یہی بیعت تقویٰ تو پیرانِ طریقت ، صوفیا ، فقراء مشائخین لیتے ہیں جو واسطہ در واسطہ ان تک پہنچتی ہے اور پورے اہتمام کے ساتھ پہنچتی ہے ۔ (مرتب)

بیعت تقویٰ و توبہ عورتوں سے بھی لی جاتی ●۔

بعض دفعہ اپنے آخری قطرہ خون بہانے کے متعلق بیعت لی جاتی جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا۔ بعض دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے کسی سے کچھ نہ مانگنے پر بیعت لی۔ ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ اگر اونٹ کی مہار گر جاتی تو اونٹ کو بٹھا کر مہار اٹھاتے مگر دوسروں سے یہ نہ کہتے کہ ذرا مہار دے دو۔ بعض دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں ثابت قدم رہنے کے لئے بھی بیعت لی ہے۔ غرض کہ کسی اہم چیز پر عہد لینے کا نام بیعت ہے●۔

فرمایا " قرآن شریف، حدیث اور کتب فقہ سب ہمارے سامنے ہیں، پھر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟

دیکھو ذرا غور کر کے اس کا جواب دو کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ چار میں سے اگر دو تفریق کریں تو دو باقی رہتے ہیں۔ حساب ایسا یقینی علم ہے کہ بہ مشکل کوئی دوسرا علم ایسا یقینی اور قطعی ہوسکتا ہے۔ مگر پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک حساب کی تعلیم اساتذہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ تب کہیں اس میں مہارت حاصل ہوتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کو اپنی غلطی معلوم نہیں ہوسکتی استاد، شاگرد کی غلطیوں کو پکڑتا جاتا ہے۔ جب ایسی بدیہی چیزوں میں غلطی ہونے سے استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو لطیف اور نازک چیزوں میں غلطیوں کا ہونا کثیر الوقوع ہے۔ استاد اپنے شاگردوں کی ہمیشہ نگرانی کرتا ہے اور ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتا ہے۔ جب دنیاوی کاموں میں استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو سلوک راہِ خدا میں استاد روحانی یا شیخ کی کیوں ضرورت نہ ہوگی ؟ "

فرمایا " اچھا ! ایک ہی شخص کی تعلیم کے پابند رہنے کی کیا وجہ ہے ؟ مختلف لوگوں کے مختلف خیالات سن کر آدمی کو حیرت لاحق ہوتی ہے۔ اس واسطے اپنی معتمد علیہ ہستی کو اپنا پیشوا، بنانا چاہیئے۔ ذرا غور کرو کہ کسی اہم مقدمہ میں ہر روز ایک وکیل بدلا جائے تو نہ پیروی برابر ہوسکتی ہے نہ کامیابی کی توقع ہے۔ اردو میں قانون کی کتابیں موجود ہیں کیا ان کو دیکھ دیکھ کر مقدمہ کو چلا سکتے ہیں ؟ نہیں۔ ہر کام میں ایک شخص ماہر ہوتا ہے۔ اسی پر اعتماد کر کے اپنے تمام مقدمات و معاملات کو اس کے حوالے کرنے کی ضرورت ہے۔

● عورتوں سے بیعت لینے کا حکم تو قرآن میں خود موجود ہے۔ یایھا النبی اذا جاءک المؤمنت یبایعنک علی ان لایشرکن باللّٰہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللّٰہ ان اللّٰہ غفور رحیم (سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ : اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آدیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں گی۔ اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی، اور نہ کوئی بہتان اپنے آگے نہ لادیں گی اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے بے شک اللہ غفور رحیم ہے " حدیث میں مردوں سے بیعت کی شرائط جو بخاری میں مروی ہے جو اوپر تحریر ہوئی اور قرآن کی روشنی میں حدیث کو پوری طرح پرکھ لیجئے۔ اور بیعت تقویٰ کی اہمیت کو اپنے پیشِ نظر رکھیے۔ (للمرتب)

عام طور پر مشائخین کرام کس طرح بیعت لیتے ہیں ؟ مَردوں کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور ان سے عہد لیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق رہیں گے ۔ اور ان سے جس قدر ہوسکے گا رذائل سے مجتنب اور فضائل پر کاربند رہیں گے ۔ مگر آدمی کی پوری تعلیم نہ ہوئی ہو تو دوسرے شیخ کی ارادت حاصل کی جاسکتی ہے اور اس کو طالب ہونا کہتے ہیں ۔

بعض لوگ کسی اچھے اور تجربہ کار مذہبی شخص (یعنی شیخ) سے دوستی پیدا کرتے ہیں اور اس کے نیک مشوروں کو سنتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں ۔ ایسے شخص کو رفیق راہ خدا کہا جاتا ہے ۔ ایسا شخص مرشد تو نہیں مگر مشیر ضرور ہوتا ہے "۔

فرمایا ۔ بیعت کے وقت استغفار و عہد کے الفاظ کہنے کے بعد ان الذین یبا یعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ ومن اوفی بماعٰہد علیہ اللہ فسیوتیہ اجرا عظیماہ (سورۃ الفتح) (ترجمہ : جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے ۔ پھر جو شخص عہد توڑے گا وبال اس پر پڑے گا ۔ اور جو شخص بات کو پوری کرے گا جس پر اللہ سے عہد کیا ہے تو عنقریب اللہ اس کو بڑا درجہ عطا کرے گا ۔) ● ۱ پڑھتے ہیں ۔ اور بعض شیخ کہتے ہیں کہ تم کو اس بات کی وصیت کرتا ہوں ان اللہ یامرکم بالعدل و الاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ۔ ترجمہ :

اس کے بعد شیخ ہمیشہ مرید کو اپنی نگرانی میں رکھتا ہے ۔ اور ہر وقت اپنے حُسنِ توجہ سے ، روحانی امداد سے اور قوتِ خیالی اور ارادی سے مرید کو بری باتوں سے روکتا ہے اور نیک اعمال کو اور ان کی نیتوں کو درست رکھتا ہے ۔

بعض دفعہ چھوٹے ، کمسن بچوں سے بھی بیعت لے لی جاتی ہے ۔ اس کو بیعت برکت کہتے ہیں ۔ یہ تو مردوں کی بیعت کا ذکر ہے ۔ عورتوں کی بیعت میں صرف زبان سے بیعت کا لینا کافی ہوتا ہے ● ۲ بزرگان دین اپنے رومال یا چادر کا ایک گوشہ خود پکڑتے ہیں اور دوسرا گوشہ عورت کو دیتے ہیں کہ پکڑے ۔ بعض لوگ لگن میں پانی رکھتے ہیں ۔ اور اس کے ایک جانب پانی میں شیخ کا ہاتھ ہوتا ہے اور دوسری جانب مرید ہونے والی عورت کا ہاتھ ۔ اکثر عورتیں معمر اور بوڑھے شیخ کے سامنے بے پردہ ہوتی ہیں ۔ مگر مرید ہونے والی عورت کا شیخ کے سامنے بے پردہ ہونا کوئی ضروری چیز نہیں ہے چاہے شیخ معمر اور بوڑھا ہی کیوں نہ ہو ۔

● ۱ : یہ آیت بیعتِ رضوان سے خاص یا مشروط نہیں ۔ مطلق ہونے کی بنا پر یہ آیت ہر اس بیعت سے متعلق کی جاسکتی ہے جو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر کی گئی ہو ۔ چاہے وہ بیعت بیعتِ تقویٰ ہو یا اسلام اور جہاد پر لی گئی ہو یا اسلام پر قائم رہنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی شرط پر لی گئی ہو یا بیعتِ رضواں ہو یا کسی شرط پر ہو ۔ معترضین یہ اشتباہ پیدا کرتے ہیں کہ صوفیا نے بیعتِ رضوان کو بیعتِ طریقت کے روپ میں پیش کیا ہے اور اس کی سند قرآن و حدیث سے ثابت ہی نہیں ۔ اس غلط فہمی کی وجہ سے لوگ بیعتِ تقویٰ کے فیض سے محروم ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے ۔ (للمرتب)

● ۲ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کو جو بیعت کرنے کے لئے آتی تھیں اس آیت سے امتحان لیتے تھے ۔ یآیھا النبی اذا جاءک المومنت یبایعنک علیٰ ان لایشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولایزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان ..... ان اللہ غفور رحیم (الممتحنۃ) پس ان میں سے جو عورتیں ان شرائط کا جو آیت میں مذکور ہیں اقرار کرتیں تو آپ ان سے فرماتے " میں نے تجھ سے بیعت لی " اور قسم ہے خدا کی آپ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو بیعت میں نہیں چھوا "۔ (بخاری و مسلم)

بیعت کے وقت مرید کی کیا عمر ہو ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جوان ہو اور بعض فرماتے ہیں کہ صاحبِ فہم و فراست ہو ۔ اچھی اور بری بات کی تمیز کرسکتا ہو ۔ جس بات کی تعلیم دی جاتی ہے اس پر کاربند رہ سکتا ہو ۔

اچھا ؛ تو شیخ کیسا ہونا چاہیئے ؟ مریدی کی غرض اور مقصد کو پورا کرنے کی قابلیت رکھنے والا ہو ۔ بعض شیوخ کا خیال ہے کہ مرشد کچھ قرآن شریف کے احکام کی آیتیں اور حدیث وفقہ کے ضروری مسائل سے بھی واقف ہو اور کسی تجربہ کار ہستی کے فیض صحبت سے باریاب ہو ۔

بعض بزرگوں نے اچھے مرشد کی یہ تمیز بتلائی ہے کہ جس کی صحبت میں وساوس ، فضول خیالات سب بند ہوجائیں اور آدمی کا خیال خدا اور رسول کے ساتھ وابستہ ہوجائے ۔

دیکھ سمجھ کر دینا ہاتھ ورنہ پیچھے ندامت ہے
غیر سے جو کردے آزاد لازم اس کی صحبت ہے (حسرت صدیقیؒ)

اچھے اور بُرے کو جانچنے کا ایک بڑا معیار انسان کی آنکھ ہے جس کا دل مستقیم ہوتا ہے اس کی آنکھ بھی ایک نقطہ پر قائم ہوتی ہے ۔ پریشان خاطر کی آنکھ بھی پریشان رہتی ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے درود شریف پڑھا جائے تو اکثر وہ پلٹ کر دیکھتا ہے اور کچھ پوچھو تو فوراً جواب دیتا ہے ۔

فرمایا " یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر شخص میں سے اس کے خیالات ، اس کی صحبت کے اثرات تموج کرتے ہیں اور چو طرف پھیلتے ہیں نیک کی صحبت سے نیکی حاصل ہوتی ہے اور بد کی صحبت سے بدی ۔ معمولی خیالات والا آدمی ، کمزور یقین کا شخص اگر کسی کامل کی صحبت میں بیٹھے تو اس کے وساوس اور واہی تباہی خیالات مضمحل اور معدوم ہوجائیں گے ۔ اور وہ کامل اور قوی ارادہ والے شخص کے اثرِ صحبت سے متاثر ہوجائے گا ۔

صحبت صالح ترا صالح کند ÷ صحبتِ طالح ترا طالح کند

اس سے بھی شیخ کامل کے اثر صحبت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے ۔ الغرض شیخ کامل کی صحبت کی ضرورت اور اس کے اثرات ناقابل انکار ہیں ۔

فرمایا " یہ بات بھی قابل یادداشت ہے کہ اگر کسی سے بیعت کے بعد کچھ خطا صادر ہو تو پھر توبہ کرے ۔ اگر بے گناہ شخص بھی استغفار کرے تو یہ اس کے حق میں اچھا ہی ہوگا ۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور کچھ دیر بعد حضرتؐ نے فرمایا کہ تم بھی بیعت کرلو ، انھوں نے عرض کیا " یارسول اللہ " میں نے تو بیعت کرلی ہے " تو حضرتؐ نے ارشاد فرمایا " کیا مضائقہ ہے پھر بیعت کرلو " ۔

فرمایا " کیا ہر شخص کو مرید ہونا ضروری ہے ؟ ایک شخص رذائل سے مجتنب اور وصائف سے متصف ہونے کو ضروری سمجھتا ہے اور اس کو ایک اعلیٰ معیار پر ادا کرنا چاہتا ہے لہذا مرید ہونا ہے ۔ اگر آپ اس کو ضروری نہیں سمجھتے تو آپ کو محرومیت مبارک ۔ بزرگوں کا مقولہ ہے من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان ۔ بے پیرے کا پیر شیطان ہوتا ہے ۔

توبہ حضرت فرماتے ہیں " خدائے تعالیٰ ہم سے حضوری کا مطالبہ فرماتا ہے اور غفلت سے ممانعت ۔ یہ غفلت اور اعراض عن اللہ جملہ گناہوں کی حقیقت اور جمیع معاصی کا سر اور تمام سیئات کی اصل اور ذنوب و آثام کا راز ہے ۔

فرمایا " اللہ پاک نور ہے ۔ جو اس سے غافل ہوگا وہ بلاشک ظلمت میں ہوگا ۔ غفلت روحانی ناپاکی اور نجاست ہے ۔ اس سے خدا اور مقبولانِ خدا کراہت کرتے ہیں "۔

فرمایا " اعمال ظاہری بمنزلہ بدن کے ہیں اور اعمالِ باطنی بمنزلہ روح کے ۔ جس طرح تن بے جان مٹی میں دفن کرنے کے قابل ہے اسی طرح عملِ ظاہری بغیر حضور و اخلاص کے قابلِ رد اور ناقابلِ قبول ہے ۔

فرمایا " تمام گناہوں کا تدارک توبہ ہے یعنی رجوع الی اللہ ہے ۔ توبہ کے چند شرائط ہیں ۔ ماضی پر ندامت ، اگر تدارک ممکن ہو تو اس کا کردینا مثلاً کسی کا حق اپنے اوپر نکلتا ہے تو ادا کردینا ۔ قابل معافی ہوں تو ان سے معافی چاہنا ۔ نماز ، روزے ترک ہوگئے ہوں تو ان کو قضاء کے طور پر ادا کردینا ۔ آئندہ خدا کی مرضی کے خلاف کام نہ کرنے کا عزم کرلینا ۔ خدا سے عاجزی اور تضرع سے معافی مانگتے رہنا ۔ توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا ۔ خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کرو خالص رجوع کرنا ۔

فرمایا " توبہ ہاتھوں کی صفت تو ہے ہی نہیں کہ ان کو رخساروں پر مار لیا اور سمجھ لیا کہ میں نے توبہ کرلی "۔

فرمایا " ابتداء میں داغِ غفلت کا اثر رہتا ہے مگر رحمت و رضائے الٰہی کا اس پر غلبہ رہتا ہے اور خدائے تعالیٰ اس کو اپنے دامنِ رحمت میں چھپالیتا ہے ۔ اس کو مغفرت کہتے ہیں ۔ غفر کے معنی ڈھانکنے کے ہیں ۔ پھر اس کا اثر بالکل دور کردیا جاتا ہے اور اس کو " عفو " کہتے ہیں جس کے معنیٰ ہیں مٹنے کے وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفوا عن السیئات ۔ یعنی اور وہ ایسا ہے توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور گناہ مٹا دیتا ہے ۔

فرمایا " توبہ سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور وہ ایسا ہوجاتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے ۔ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ "۔

فرمایا " نورِ توبہ زیادہ ہوتا ہے تو خدائے تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں میں مبدل کردیتا ہے اولئک یبدل اللّٰہ سیئاتھم حسنات یہ لوگ وہ ہیں کہ خدا ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے ۔

فرمایا " یاد رکھو ! مسلمان کا دل ہمیشہ خوف و رجاء کے درمیان رہتا ہے گذشتہ تقصیرات و کوتاہی پر نادم ہوتا ہے اور باز پرس سے خوف کرتا ہے ۔ ساتھ ہی معافی کی امید رکھتا ہے اور نیز آئندہ کی حفاظت اور اصلاح کے لئے خدا سے دعا مانگتا رہتا ہے "۔

فرمایا " گناہگار خدا سے ڈرتا ہے یہ خوف ہے ۔ اور نیک لوگ اللہ کے جلال و کمال سے مرعوب ہوتے ہیں ۔ یہ خشیۃ اللہ ہے یعنی بے گناہ کا خدا سے ڈرنا ۔ نعم العبد صھیب لولم یخف اللّٰہ لم یعصہ یعنی صہیب کیا اچھا آدمی ہے کہ اگر اس کو خدا کا خوف بھی نہ ہوتا تو کبھی خدا کی نافرمانی نہ کرتا ۔ یعنی صہیب کی فطرت ایسی اعلیٰ ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کر نہیں سکتا ۔ (خوف میں خدا سے بعد اور غفلت ہے ۔ خشیۃ میں خدا سے قرب اور حضوری کی حالت ہے ۔ (للمولف)

فرمایا " جوانوں کو گناہ سے ڈرانا چاہئیے اور بوڑھوں کو خدا کے رحم کی امید دلانا چاہیئے ۔ تا کہ وہ خوشی خوشی اپنی جان اپنی مالک کے نذر کردیں "۔

سلوک حضرت نے سلوک کی تفصیل اس طرح بیان فرمائیں :

پہلے توبہ۔ دوسرے تقویٰ فاتقو اللہ حق تقاتہ۔ ناجائز سے بچنا۔ تقویٰ کیا ہے ؟ ہر اس چیز سے کہ نقصان پہنچاتی ہے پرہیز کرنا۔ تقوے کی ابتداء توبہ کرتے ہی شروع ہوجاتی ہے۔

تیسرے توکل۔ میرے مقاصد کو اللہ پورا کرتا ہے وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔ اپنے حاجات کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی تو توکل ہے۔ کام نہ کرنے کا نام توکل نہیں ہے۔ یہ تو آرام طلبی ہے۔ اور اپنے ہاتھ پاؤں کو اپنی قوتوں کو جو خدائے تعالیٰ کے عطایا ہیں بے کار کردینا ہے۔ اور عطایائے الٰہی کی سخت ناقدری ہے۔

چوتھے صبر۔ صبر تین قسم کا ہے، صبر علی البلاء۔ صبر عبادت کی تکلیف پر، دشمن سے تکلیف اور خواہشات پورے نہ ہونے پر صبر۔ فاصبر وما صبرک الا باللّٰہ۔ سب چیزوں کو چھوڑنے سے تکلیف ہوتی ہے اس کے لئے صبر ہے صبر میں ناگواری ہے۔ مصیبت مصیبت دکھتی ہے۔ گو وہ اسے سہتا ہے مگر صبر میں ابھی لذت نہیں ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا " مرضی الٰہی اور اس کا بندے پر تلخ و ناگوار گذرنا اور سخت دشوار معلوم ہونا۔ سخت نمک حرامی اور نہایت جہالت ہے۔ خدائے تعالیٰ کریم و رحیم ہے، علیم و حکیم ہے وہ جو کچھ کر رہا ہے عین انصاف اور محض حکمت ہے۔ اور ہمارے لئے خیر محض۔

فرمایا " شیوخ طریقت میں سے اُن حضرات کا حکم جو فنافی الرسول ہوچکے ہیں کوئی حکم دیں تو وہ حضرتؐ ہی کا حکم سمجھا جائے گا۔ بعض نادان ایسے بھی ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سال کی عمر میں جیسی شکل مبارک کے ساتھ کوئی حکم دیں تو البتہ قابلِ قبول ہے ورنہ نہیں "۔

فرمایا " بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی ہوشیار ہے اور ہاتھ پیر ہیں کہ اس کے اختیار میں نہیں۔ ایک جگہ جانا چاہتا ہے اور دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے، بات منہ سے نکل جاتی ہے، ہاتھ سے کام ہوجاتا ہے اور اسے خبر نہیں۔ سوچ کر کام نہیں کرتا۔ کام کرنے کے بعد سمجھتا ہے۔ یہ خدائی راستے ہیں۔ صراط مستقیم پر قائم رکھنا صرف خدا کا کام ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا "۔

قربِ فرائض و نوافل فرمایا " اپنے ارادے سے اچھا کام کرنا قربِ نوافل ہے۔ حکم کے بعد کام کرنا قربِ فرائض ہے۔ اپنے سب کاموں کو خدا پر چھوڑنا توکل ہے۔

ایک شخص نے شب بیداری کی، رات بھر نماز پڑھتا رہا اور صبح کے قریب سوگیا۔ اور دو رکعت فجر کے کھودیئے۔ اور ایک دوسرا شخص رات بھر سوتا رہا اور صبح کو اٹھ کر فرض دو رکعتیں پڑھ لیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی دو رکعتیں شب بیداری کی سو (۱۰۰) رکعتوں سے بہتر ہیں۔ تحت امر ہیں۔ فرائض میں داخل ہیں۔ قرب نوافل کی سو (۱۰۰) رکعتیں چونکہ اپنے ارادے سے پڑھی گئی ہیں اس کی فرض دو رکعتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں "۔

فرمایا " کیا کریں کہ ہمارے تمام کام قربِ فرائض میں شامل ہوں ؟ بعض حضرات کام کرنے سے پیشتر قرآن کی ایسی آیت پڑھتے ہیں جس سے اس کام کا امر نکلتا ہے ●۔ امر دو قسم کا ہے۔ امرِ ایجابی اور امرِ امتناعی۔ امر ایجابی تو ظاہر ہے عمل کرنے کے لئے ہے۔ امرِ امتناعی نہی ہے۔ امر ایجابی کے مطابق عمل کرو اور جس کام سے نہی کی گئی ہے اس سے اجتناب کرو پرہیز کرو۔ چونکہ تحت امر کام کرتے ہیں اس لئے وہ کام قرب فرائض میں داخل ہے۔ مثلاً کھانا کھاتے وقت پہلے کلوا واشربو امن رزق اللّٰہ پڑھتے ہیں۔ پھر تعمیل حکم میں کھانا

● حدیث شریف نسائی میں ہے کہ سرکارِ دوعالمؐ نے مقامِ ابراہیم پر پہلے آیتِ شریفہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی پڑھی پھر دو رکعت نماز پڑھی (اکیڈیمی)

شروع کرتے ہیں ۔ کلمہ شریف کا ذکر کرنا چاہتے ہیں فاعلم انہ لا الہ الا اللّٰہ ۔ درود شریف پڑھتے ہیں تو پہلے یہ پڑھتے ہیں ۔ ان اللّٰہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یآ ایھا الذین امنو اصلوا علیہ و سلموا تسلیما ۔ اس کے بعد تعمیل حکم میں درود شریف پڑھتے جاتے ہیں ۔ اسی طرح و ات کل ذی حق حقہ پڑھ کر بیوی بچوں کا حق ادا کرتے ہیں ۔ اور یہ حکم کلی ہے ، ہر فعل کی ابتداء میں پڑھ کر کام شروع کرسکتے ہیں ۔

فرمایا " ایک بات یاد رکھو ! احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب نوافل والوں کے خدائے تعالیٰ ہاتھ پاؤں بن جاتا ہے ۔ یعنی وہ ان کے حاجات کو پورا کرتا ہے اور قرب فرائض والے کوئی خواہش نہیں رکھتے ۔ اس واسطے اللہ کو کچھ دینا یا کام کرانا ہوتا ہے تو ان کے ہاتھ سے کراتا ہے ۔ یہ لوگ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پاؤں بن جاتے ہیں ۔ بے غرض جیتے ہیں ۔ بے ارادہ چلتے ہیں ۔ دوسروں کے پاس حرکت میں برکت ہے اور ان کے پاس سکون میں راحت ہے عزت ہے " ۔

ابتلاء فرمایا " یہ یاد رکھو کہ اگر کوئی خدائے تعالیٰ پر پورا بھروسہ اور اعتماد رکھتا ہے تو وہ اسے بغیر وسائل کے بھی دے سکتا ہے ۔ توکل کرنے والے کے تمام کاموں کو خدائے تعالیٰ پورا کردیتا ہے ۔ جہاں کوئی خواہش دل میں پیدا ہوئی خدا نے اس کو پورا کردیا ۔ جب اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرماتا ہے کہ اس کے خیالات درست اور خدا پر اس کا اعتقاد قوی ہے اور بندہ اس کی فرمانبرداری کررہا ہے تو اب اس کا امتحان شروع ہوتا ہے ۔ دنیا تمام دشمن ہوجاتی ہے ۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ مصائب ، امراض ، فاقے اور احتیاج میں بتلا کرتا ہے ۔ اور فرماتا ہے اور الہام کرتا ہے کہ تم کو میری اطاعت کرنی چاہیئے نہ کہ مجھے تمہاری ۔ بیوی عیش و عشرت اور اچھا کھانا مانگتی ہے ۔ ایک طرف سے مفلسی آتی ہے اور ایک طرف سے امراض ۔ یہ حالت بڑی ناگوار ہوتی ہے اور اس وقت صبر کی ضرورت ہے ۔ تکالیف اور مصائب کو بادل ناخواستہ برداشت کرنے کا نام ہی تو صبر ہے ۔ ان اللّٰہ مع الصابرین اس زمانہ میں دل اور خیال کو نقطہ اعتدال پر رکھنا مردانِ خدا کا کام ہے ۔ دیکھو پارہ ۱/۲ ۹۸ درجہ پر رہے ، نہ کمی نہ زیادتی ۔ زیادتی ہوجائے تو بخار ، کمی ہوجائے تو ضعف و ناتوانی ۔ اھدنا الصراط المستقیم ۔ سیدھا راستہ ایک ہی ہوتا ہے اور سب راستوں سے چھوٹا ۔ اس پر جو گامزن ہوتا ہے مقصد تک پہنچ جاتا ہے ۔ ان اللّٰہ یحب الصابرین ۔ بندہ جب جب مصیبتوں کو برداشت کرلے اور دل پر کسی قسم کی گرانی نہ ہو ، احکامِ الٰہی بلا انکار و کراہت قبول کرلے تو اس کا نام تسلیم ہے اور یہی بزرگوں کی تعلیم ہے ۔

فرمایا " بندہ جب تکالیف برداشت کرنے کا عادی ہوجاتا ہے ۔ اور احکام الٰہی کا عمل کرنا اس پر سہل ہوجاتا ہے اور ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کرکے اس کا مزہ لیتا ہے جس طرح کڑوی افیون کھانے والا کھاتے کھاتے مزے لینے لگتا ہے اور اس کا لطف اٹھاتا ہے اس کا نام " رضا " ہے ورضوان من اللّٰہ اکبر ۔ خدا کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے " ۔

فرمایا کسی نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ " میں تکلیف کو سیدھے ہاتھ سے اور راحت کو بائیں ہاتھ سے لیتا ہوں " ۔ تو امام عالی مقام نے فرمایا " خدا ابوذرؓ پر رحم کرے میں تو رنج و راحت کو سب کو سیدھے ہاتھ سے لیتا ہوں " ۔ یہ ہے مقام کلتا یمین اللّٰہ یعنی خدا کے دونوں ہاتھ سیدھے ہی ہیں ۔

فرمایا " یہ غیر خدا سے بٹنے کے درجات تھے ۔ اب خدا کی طرف چلنا ہے ۔ یہ ذکر سے ہوتا ہے ۔ یاد رکھو ! سالک جب راہِ خدا میں قدم رکھتا ہے اور نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے اور ذکر و شغل کے ذریعہ تہذیب نفس کا خواہش مند ہوتا ہے تو اس کے دونوں دشمن یعنی شیطان اور نفس جوگھات میں بیٹھے ہیں اس کو راہِ حق سے پھیرنے اور عملِ خیر سے روکنے میں کوشاں ہوتے ہیں یہی خطرات ہیں ۔

خطرات فرمایا ” خطرے چار قسم کے ہوتے ہیں ۔

پہلا خطرہ شیطانی ہے ۔ اس کا کام ہے خدا سے بدعقیدہ بنانا ۔ اس کی یاد سے روکنا اور لہو و لعب میں ایسا مشغول کردینا کہ خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ ہی نہ کرسکے ۔

دوسرا خطرہ نفس کا ہے ۔ کھانا، پینا، پہننا، شادی کرنا، آرام سے رہنا ہی اس کا مقصد ہے ۔ مگر نفس میں یہ بات بھی ہے کہ اچھی تربیت کرو تو اچھا بھی ہوجاتا ہے ۔

گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے، پیٹھ پر ہاتھ رکھنے نہیں دیتا ۔ بڑی مشکل سے اس کو سدھاتے ہیں تو پھر وہ بگل پر تمام کام کرتا ہے ۔ آپ زبردستی کرکے پچھلی رات کو اٹھا کرو ۔ چند روز کے بعد خود بخود نیند اچٹ جائے گی اور وہ کام کرنے کو تیار ہوجائے گا ۔ شیطان اور نفس کے خطرات کی وجہ سے نفس امارہ پیدا ہوتا ہے ۔

تیسرا خطرہ ملکی ہے ۔ وہ برائیوں سے روکتا ہے ۔ بھلائی کو بھلائی اور برائی کو برائی دکھاتا ہے ۔ یہ خطرہ ملکی ہے ۔ اس کے بعد وہ (نفس) نفسِ لوامہ ہوجاتا ہے ۔

چوتھا خطرہ خدا کے پاس کا ہے خطرہ رحمانی ہے ۔ معارفِ الٰہیہ سے مالامال کردیتا ہے اس وقت وہ (نفسِ مطمئنہ) بن جاتا ہے ۔

فرمایا ” ایک بات یاد رکھو ! خطرہ وہ ہے جو آئے اور چلا جائے ۔ جب کسی چیز کا پختہ ارادہ کرلیتے ہیں وہ خطرہ نہیں رہتا بلکہ عزم ہوجاتا ہے ۔ خطرہ قابلِ معافی ہے اور عزم ناقابل معافی ۔ اگر ایک شخص نے کسی برے کام کا پختہ ارادہ کرلیا مگر کچھ واقعات ایسے مانع آگئے کہ اس کا ایسا ارادہ عملی صورت نہ لے سکا، یہ عزم ہے جو گناہ ہے ۔ اس پر سزا ہوگی، مگر فعلِ بد سے کم ۔ یوں تو صبح سے شام تک اچھے اور برے دونوں قسم کے خیالات آتے بھی رہتے ہیں اور جاتے بھی رہتے ہیں ۔ ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا ۔ عزم پر باز پرس ہے نہ کہ خطرہ پر ۔

دفعِ خطرات دفع خطرات کے سلسلے میں حضرت نے بعض مجرب طریقے بھی بتلائے ہیں جو درج ذیل ہیں ۔

۱ ۔ جب خطرات کثرت سے آئیں تو حالت کو بدلو یعنی بیٹھے ہوئے ہو تو کھڑے ہوجاؤ ۔ کھڑے ہو تو چلو یا بیٹھ جاؤ ۔ اس کا اصلِ اصول حرکت ہے تبدیل حالت ہے ۔

۲ ۔ جب تمہارے دل میں کوئی خطرہ آئے خیال میں اس سے بھاگو تھوڑی دیر میں خطرہ پیچھے رہ جائے گا ۔ اور تم نکل جاؤ گے ۔ اور اس سے رہائی پاؤ گے ۔ یا خطرہ مجھ سے بھاگ رہا ہے عالم تخیل میں سمجھو ۔ اس سے بھی خطرہ دفع ہوجائے گا ۔

۳ ۔ ہوں ہوں بول کر سانس کو زور زور سے باہر کی جانب چھوڑو ۔

۴ ۔ کوئی خطرہ آئے تو تم کہو کہ آپ ہم کو پریشان کریں گے تو پھر ہم کو پناہ کہاں ملے گی ۔

۵ ۔ جب خطرہ آئے تو بعض لوگ یہ کہتے ہیں ۔ اچھا آپ تشریف لائے آپ لاکھ صورتیں بدل بدل کر آئیں تو کیا، میں ضرور آپ کو پہچانتا ہوں ۔ اصلی وجود آپ ہیں ۔

بد کون ہے اور نیک ہے کون ÷ تو در ہر شان باکمالی (حضرت صدیقی)

جس رنگ میں آؤ کچھ نہیں ہے پروا ÷ اس ناز و ادا سے تم کو پہچانتا ہوں (حضرت صدیقی)

۶ ۔ اس آیت کو پڑھنے سے بھی خطرات کم ہوتے ہیں ۔ ان یشا یذھبکم ویات بخلق جدید وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز ۔ یہ آیت نماز میں بھی پڑھی جائے تو نماز خراب نہیں ہوتی ۔

۷ ۔ قل کل من عند اللّٰہ پڑھنا ۔

۸ ۔ الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب پڑھ کر اللہ اللہ کا ضرب دل پر لگانا ۔

۹ ۔ یاقھار کے پڑھنے سے بھی وساوس جل جاتے ہیں ۔ مگر کسی سے اجازت لے کر پڑھنا چاہیئے ۔ ورنہ اختلاج ہوتا ہے ۔ حضرت نے فرمایا ۔ فقیر اس نام پاک کو ایک کروڑ دفعہ سے زیادہ پڑھا ہے ۔

۱۰ ۔ یاخلاق یافعال یامصور یاقھار پڑھنا ۔

۱۱ ۔ اکثر لکھے پڑھے حضرات کو تخیلات کی بری عادت رہتی ہے ۔ اپنی ساری عمر کا اجمالاً آئندہ دو روز کا اقلاً تفصیلی نظام العمل دل میں تیار کرلینا چاہیئے ۔ جب تصفیہ شدہ مسئلہ کا دوبارہ خیال آجائے تو دل میں یہ کہنا چاہیئے کہ پہلے اس کا تصفیہ ہوچکا ہے ۔ بے فائدہ پھر وہی خیال کیوں آیا ؟

۱۲ ۔ جہاں کوئی خیال آئے کہ مجھے یہ چاہیئے اور میں اس امر کو اس طرح حاصل کروں گا تو فوراً اس کو دعا میں مبدل کرے اور کہے کہ " یا اللہ مجھے یہ چاہیئے میں اس کو اس طرح حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔ تو وہ شئے مجھے عطا کر ۔ اور اس کے حصول میں تو میری رہنمائی کر ۔ بس جتنا سوچنا چاہتے ہو سوچا کرو ۔ تمہارے تخیلات دعا میں مبدل ہوجائیں گے ۔ دعامخ العبادہ ہے (یعنی دعا عبادت کا مغز ہے) بھلا شیطان اس کو کیوں روا رکھے گا ۔ فوراً خطرات بند ہوجائیں گے ۔

شیطان کا مقصد تو یاد الہٰی سے روکنا اور تضیع اوقات اور بربادی عمر ہے ۔ فوراً وہ جھلا کر چھوڑ دے گا اور دوسری تدبیر سونچے گا ۔

۱۳ ۔ مگر سب طریقوں سے بہتر وہ طریقہ ہے کہ جس کی تعلیم خدا نے دی ہے اور وہ استعاذہ ہے ۔ استعاذہ دعا ہے اور دعامخ العبادہ ہے ۔ بندے ہو تو اپنی کسی قوت پر اعتماد نہ کرو ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ ۔ اپنے مالک کی پناہ میں آجاؤ ۔ وہ تم کو بالکل کافی ہے ۔ وہی مستجیب الدعوات ہے ۔ وہی کافی المہمات ہے ۔ اس سے بغاوت اس کی عدول حکمی چھوڑ کر اس کے دامنِ رحمت میں پناہ لوگے تو تم کو کون ستا سکتا ہے ۔ تم کو کون گمراہ کرسکتا ہے ۔ والذین جاھدوا فینالنھد ینھم سبلنا ۔

۱۴ ۔ فرمایا ۔ دفع خطرات میں یہ بھی ایک مجرب صورت ہے ۔ کیسا ہی بے ضرورت خیال آئے ۔ بے وقت آئے ۔ مہمل سے مہمل خیال آئے ۔ موافق خیال کو ایمانی طور سے طلب کرو ۔ اور برے خیال سے بچانے کی دعا کرو ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ۔ ادعونی استجب لکم اور الدعاء مخ العبادۃ ۔

فرمایا ۔ ہمارے جمال اللہ نے یاد فراموش باندھا تھا ۔ آپس میں بیٹھے ہوئے بات چیت کرتے ۔ کام کاج کرتے ۔ ان میں سے ایک صاحب " اللہ " پکار کر بولتے ۔ جن کا دل حاضر ہے وہ الحمد للّٰہ کہتے ۔ جن سے فراموشی ہوئی ہے وہ کہتے استغفر اللّٰہ ۔ اس یادِ فراموش کے معاہدہ سے نہ صرف دوام حضور کو مدد ملتی ہے ۔ بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے تمہارا کام للّٰہ فی اللّٰہ ہوجاتا ہے ۔

۱۵ ۔ فرمایا ۔ دیکھو ! ایک اور چیز ہے قسم قسم کے کھانے نہ کھاؤ ۔ یہ کھانے کی رنگا رنگی خیالات میں پراگندگی لاتی ہے ۔ مرکب کھاؤ گے تو توحید کہاں سے پاؤ گے ۔ ایک خدا کے بندے کے سامنے جو ہمیشہ ابلے ہوئے گولر سے افطار کرتے تھے ۔ ان کے کسی دوست کی

خاطر ابلتے وقت تھوڑا سا نمک ڈالدیا گیا۔ جب ان کے سامنے پیش کیا گیا، چکھتے ہی پھینک دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہا جس کی زبان کو یہ مزہ لگا ہو وہ خدا کی کیا یاد کرے گا۔

۱۶۔ فرمایا "آخر ان خطرات کو کس طرح دفع کیا جاسکتا ہے؟ دفع خطرات کے سلسلے میں ایک اہم اصول، نظر برقدم، خلوت در انجمن ہے۔ ہمیشہ نیچی نگاہ رکھو، ادھر ادھر نہ دیکھو۔ انسان کی صورت میں بڑی دلکشی ہے۔ جس کو دیکھو گے اس کی صورت آنکھوں سے مَن میں آجائے گی۔ چوطرف دیکھتے رہوگے تو دل پریشان ہوجائے گا۔ خاطر جمعی کہاں سے حاصل ہوگی۔ انسان کی صورت آفت ہے۔ قیامت ہے فقراء کہتے ہیں انسان کا سر تصویر رحمٰن ہے۔ سبع صفات اسی میں ہیں۔ علم اس میں ہے۔ سب تو سب انس و محبت اسی میں ہے۔ یہ آنکھیں بڑی شکاری ہیں۔ یہ سرخ ڈورے کیا ہیں کہ ایک جال ہے کہ بچھا ہوا ہے۔

صید کرتی ہیں یار کی آنکھیں　÷　لال ڈورے ہیں بندِ پائے نظر

چند روز اپنی نظر کی حفاظت کرو اور دوسروں کی نظر سے بچو۔ جب دل ایک نقطہ پر قائم ہوجائے گا، حقیقت سامنے آجائے گی۔ پھر کوئی چیز ضرر رساں نہ ہوگی۔ غیریت نہ رہے گی تو پریشانی کیونکر آئے گی۔ جس کو دیکھو گے عینیت کی عینک سے دیکھو گے۔ سنریھم ایتنا فی الافاق وفی انفسھم۔

چلہ کشی و اعتکاف فرمایا ابتدائے وحی کے زمانے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم "غار حرا" میں تشریف رکھتے اور ایسا توشہ ساتھ لے جاتے جو آٹھ آٹھ دن خراب نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آٹھ دن تک خراب نہ ہونے والی چیز گوشت گھی کی نہیں ہوسکتی، اس سے ترکِ حیوانات جلالی و جمالی نکلتا ہے۔

چلہ کیا ہے؟ اعتکاف ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں اعتکاف بیٹھتے تھے۔ حضرتؐ کی بعض بیویاں بھی اعتکاف بیٹھتی تھیں۔ ہمارے بعض بزرگ حالتِ اعتکاف میں صوم مریم بھی رکھتے ہیں۔ یعنی دن بھر بحالت روزہ کسی سے بات نہیں کرتے۔ ذکریا علیہ السلام بھی اعتکاف بیٹھتے تھے۔ اور مقبولیت کے واسطے کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں یہ بھی ہے کہ چالیس راتوں تک موسیٰ علیہ السلام اپنے بعض اصحاب کے ساتھ چلہ بیٹھے تھے۔ و اذ واعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ اسی سے اعتکاف کے لئے چلہ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

بعض حضرات ایک ہفتہ دو ہفتے، تین روز بھی اعتکاف بیٹھتے ہیں اعتکاف ایک دن کا بھی ہوسکتا ہے۔ اعتکاف کے لئے حنفی مذہب میں روزہ رکھنا اور مسجد میں ہونا ضروری ہے۔ شوافع کے پاس تو تھوڑی دیر کے لئے بھی اعتکاف ہوسکتا ہے۔ مسجد میں سب جاتے ہیں گھنٹہ دو گھنٹے کے لئے۔ اعتکاف کی نیت کرلیں تو اس میں کیا برائی ہے۔

اعتکاف میں آدمی ہمہ تن عبادت کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور اس کا خیال ایک نقطہ پر قائم ہوجاتا ہے۔ کامل توجہ عبادت کی جان ہے۔

ہمارے زمانہ میں بھی خدا کے خاص بندے دو تین مہینے اعتکاف میں گذارتے ہیں اور صوم مریم بھی رکھتے ہیں۔ منتشر خیالات سے اور بغیر دل جمعی کے عبادت کرنے سے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں ہوتا۔ بہر حال فرشتوں سے مشابہت پیدا کرنا یعنی باتیں نہ کرنا، کم سونا، حیوانی غذاؤں سے پرہیز کرنا۔ ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنا خیر و برکت کا باعث ہے۔

تصورِ شیخ فرمایا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، ہند ابن ہالہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ان سے پوچھا کہ ماموں! ماموں! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ کیسا تھا فرمائیے تاکہ آپ کے تصور سے میں وابستہ ہوجاؤں امام کے الفاظ ہیں۔ لاَ تعلق بہ۔ شیوخِ طریقت کے پاس تصورِ شیخ بڑی اہمیت رکھتا ہے"۔

فرمایا" ہمارے پاس بہترین طریقہ شیخ کا تصور ہے اس سے رسولؐ اللہ پھر اللہ کی سیر ہوتی ہے۔ میں شیخ ہوگیا، شیخ رسول اللہ کی شکل میں آگئے رسول اللہ، اللہ کی صورت میں ہوگئے۔ پھر اللہ میاں، رسول اللہ کی صورت میں آگئے۔ اور رسول اللہ شیخ کی صورت میں اور شیخ میری صورت میں۔ اور اس کو صعود و نزول کہتے ہیں۔

فرمایا۔ شیر کے تصور سے ہیبت، عورت کے تصور سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ آدمی کو عورت ہی کے تصور سے احتلام ہوتا ہے دیکھو! انسانی جسم پر خیال کا کتنا بڑا اثر ہوا۔ مرشد کا تصور آئے گا تو ادب اور دلجمعی کو اور ان اسرار کو جو مرشد میں موجود ہیں لے کر آئے گا۔ اور اس سے عظیم الشان فائدہ ہوگا۔ مرشد عالم شہادت کا ہے۔ ناسوت کا ہے۔ اسی کو ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ اس کی صورت کا جم جانا آسان ہے۔ تصور شیخ سے عالم مثال جلد کھلتا ہے۔

فرمایا:" بعض نادان تصور شیخ کو شرک، کفر خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں ان نادانوں کو عبادت کے معنیٰ بھی معلوم نہیں۔ عبادت خدا کی ہوتی ہے۔ واجب تعظیم حضرات کی تعظیم ہوتی ہے نہ کہ عبادت"۔

فرمایا بعض لوگ جن کو شیخ کا تصور بہ سہولت نہیں جمتا ان کو جو صورت نظر آئی سمجھتے ہیں کہ شیخ ہی کی صورت ہے۔ یہ شیخ کا انبساط وجود ہے ناداں کی سمجھ میں آئے نہ آئے ہم کو اپنا کام کرنا چاہیئے۔

آئینِ محبت ہے عشاق کی عادت ہے ❊ ہر ایک کی سن لینا اور دل کا کہا کرنا

فرمایا" ایک بات یاد رکھو کہ لفظ کے ساتھ معنیٰ اور معنیٰ کے ساتھ مصداق اور مصداق کے ساتھ خیال آتا ہے۔ دوست کا نام سنو گے تو خوشی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اور دشمن کا نام لیں گے تو غصہ کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت علیھم کا فرد اعلیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو ان کا خیال ان کی صورت ضرور ذہن میں آئے گی۔ اسی طرح السلام علیک ایھا النبی کہیں تو ضرور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال اور صورت ذہن میں آئیگی۔ ایک ظالم گستاخ لکھتا ہے کہ نماز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا زنا اور چوری کے خیال سے بدتر ہے۔ قبر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت دکھائی جاتی ہے اور مسلمانوں کے لئے نور ایمان اشارہ کردیتا ہے کہ یہ تو تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگرچہ وہ حلیہ مبارک سنا بھی نہ ہو۔ مگر دل کی تصدیق اور حضرت کی محبت چراغ معرفت اور ہدایت ہوجاتی ہے۔ حضرتؐ کو دنیا میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دیکھا اور ابوجہل نے بھی۔ حضرت ابوبکر صدیق کو کبھی شک نہیں آیا اور ابوجہل کو کبھی یقین نہیں آیا۔ ایمان اور دلی محبت بہت بڑی چیز ہے۔ اس سے یقین کا ہونا لازم ہے اللہ ہم کو ایمان اور یقین صادق عطا کرے۔ آمین"۔

فرمایا۔ شیخ کے تصور سے مقصود خیال کا ایک نقطہ پر قائم ہونا ہے حسبِ ذیل اذکار سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ یا علیم یا خبیر یا سمیع یا بصیر جب علیم پڑھو تو ام الدماغ کی طرف توجہ کرو کیونکہ وہی مرکز علم ہے، تاکہ عالم بالا کا علم تمہارے دل میں جاگزیں ہو۔ یا خبیر پڑھو تو اپنے دل کی طرف یا وسط سینہ کی طرف متوجہ ہو، تاکہ تم کو ساری دنیا سے باخبری ہوجائے۔ اور یا سمیع پڑھو تو اپنے

دونوں کانوں کی طرف توجہ کرو، تمہاری باطنی سماعت قوی ہوجائے گی۔ اور عالمِ علوی سے کیا بات آتی ہے اسے سنو گے۔ نہ صرف یہ بلکہ تمہاری ظاہری سماعت بھی قوی ہوجائے گی۔ اور جب یابصیر پڑھو تو آنکھوں پر زور ڈالو اور کھولو تو وہ دیکھو گے جواب تک دیکھے نہ تھے۔ بے صورت مثالی برقعہ پہن کر تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ لوگوں کے خطرات سے واقف ہوجانا اور دور دور کی چیزیں دیکھنا تو یہ سب تو ادنیٰ درجہ کی باتیں ہیں"۔

فرمایا۔ تصور جمانے کے وقت یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک تیز روشنی سرچ لائٹ کے جیسی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جارہی ہے۔ شیخ کے دل میں سے میرے دل میں پہنچ رہی ہے۔ اسی روشنی کو پوری توجہ سے اپنے دل کی طرف کھینچو۔ ان کو نرے خیالات مت سمجھو یہ باب فتوح ہے۔ ترقی کرتے ہیں تو عجیب و غریب تماشے دکھاتے ہیں۔ بے صورت کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ عالمِ مثال کھل جاتا ہے۔ خیال اور قوی ہوتا ہے۔ تو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں شیخ کی صورت میں ہوں۔ اپنا خیال کرتا ہے تو شیخ کی صورت نظر آتی ہے۔ ظاہر پر بھی اتنا اثر پڑتا ہے کہ مرید کی صورت و شکل میں شیخ کی جھلک معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ بھی اس کے شیخ کی جھلک کو محسوس کرتے ہیں۔ آواز بھی ملتی جلتی ہوجاتی ہے۔

میں نظر جس پہ کروں تو ہی مرا ہو منظور ٭ میں کہوں میں تو زباں سے مری تو ہی نکلے (حسرت صدیقی)

فرمایا" جب انسان ذکر و شغل کرنے لگتا ہے، اب کیا دیکھا؟ مرشد کو اور مرشد کے کمالات کو دیکھا اور ان سے متاثر ہوکر مرشد کے کمالات حاصل کیا۔ اس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں۔ اس درمیان میں مرشد کیا کرتا ہے خود جس طرح اللہ کو اور اللہ کے رسول کو سمجھا ہے مرید کو بھی سمجھاتا ہے۔ مگر نادان مرید سمجھتا ہے میں نے اللہ اور اس کے رسول کو دیکھا۔ بے شک تم نے دیکھا مگر مرشد کی آنکھوں سے نہ کہ اپنی۔ پھر ان میں سے بعض ایسے حضرات ہوتے ہیں اپنا مرشد جتنا دکھایا تھا وہ دیکھنے کے بعد اللہ و رسول کے ساتھ اپنا ذاتی رابطہ خاص بھی رکھتے ہیں۔ جیسے غوثِ پاک اے معروف کرخی میں تم سے دو درجہ آگے بڑھ گیا ہوں"۔

فرمایا" ایک آدمی نے مرشد کے کمالات کو دیکھا اور مرشد کو مرشد سمجھ کر، یہ "سیر للشیخ فی الشیخ" ہے یعنی شیخ کو شیخ میں دیکھا۔ پھر مرشد کی عنایت سے رسول پاک کو دیکھا اور مرشد کی عنایت سے اللہ کو بھی دیکھا تو یہ سیر لرسول اللہ فی الشیخ اور سیر للہ فی الشیخ ہے"۔

فرمایا" لرسول اللہ فی رسول اللہ، للہ فی رسول اللہ" یہ بڑے شیوخ غوث پاک وغیرہ سے خاص ہے۔ میرا شیخ اتنا بڑا ہے میں فی الشیخ میں ہی رہتا ہوں۔ لرسول اللہ بھی ہے للہ بھی ہے۔ یہ سب شیخ میں ہے"۔

فرمایا۔ فنافی اللہ دیکھنے کو فی اللہ ہے حقیقت میں فنافی الشیخ ہے مگر للہ۔

فرمایا" میں نے تو یہاں تک دیکھا وہ لوگ فنافی الشیخ ہوگئے ہیں ان کی جسمانی صورت بھی شیخ سے ملنے لگتی ہے۔ چلتے پھرتے ہیں تو لوگوں کو شیخ کی جھلک معلوم ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فنائیت کی حالت میں حضرت کے صفات، صورت شکل، چلنا پھرنا، آواز سب آجاتے ہیں۔ یہ ہیں فنافی الرسول کے معنی۔ اور آدمی اس وقت فنافی اللہ ہوتا ہے جب خدا کے سوائے کسی کا خیال باقی نہ رہے۔ یہ بے ہوشی کی حالت ہے۔ اس کے بعد تمام کھوئی ہوئی چیزیں مل جاتی ہیں اور نسبت الی اللہ سے غفلت نہیں ہوتی۔ جب اور ترقی ہوتی ہے اور شیخ سے گذر جاتا ہے تو سیر للرسول فی الرسول نصیب ہوتی ہے۔ اور آگے بڑھتا ہے تو سیر للہ فی النبی ہوتی ہے۔

نبی کے توسط سے تجلیات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے ۔ اور یہ ان بزرگوں سے متعلق ہیں جو اپنے شیوخ طریقت سے آگے بڑھ جاتے ہیں ۔ ایک رہ گیا سیر للّٰہ ، فی اللّٰہ ، من اللّٰہ ، الی اللّٰہ ۔ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے ۔ بعض دفعہ اچھی عینک کی طرح حضور شفاف ہوکر اللہ کو دکھا دیتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ میں راست خدائے تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں ۔

اگر اس آنکھ پر عینک نہ ہو پھر نور ظلمت ہے ÷ میں یہ عینک لگا کر جس کو چاہوں دیکھ لیتا ہوں

تو اے نورِ خدا بے شک حجاب روئے وحدت ہے ÷ نہ اٹھا ہے نہ اٹھے گا کبھی یہ بیچ سے پردا (حسرت صدیقی)

فرمایا " ایک جگہ شیخ محی الدین ابن العربی نے لکھا ہے کہ رسول پاک جہاں سے لیتے ہیں میں بھی لیتا ہوں ۔ اس بات سے ایسا مطلب نکلتا ہے کہ بیچ میں سرکار کا واسطہ نہیں رہتا ۔ شیخ کس چکر میں آئے سمجھے ؟ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاف ہوکر اللہ کے جلوے دکھائے تو شیخ نے سمجھا کہ وہ بغیر سرکار کے توسط کے راست دیکھ رہے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا کہ " شیخ ایسا کہتے ہیں تو میں بھی کہتا ہوں ۔ میں بھی وہیں سے لے رہا ہوں جہاں سے آپ (شیخ) لے رہے ہیں مگر اس علم کے ساتھ کہ عینک کے توسط سے ہی نظر آتا ہے ۔ مگر ہروقت عینک تصور میں نہیں رہتی "۔

فرمایا " ایک دفعہ کا واقعہ ہے جب کہ میرے مرید نہیں تھے ۔ جتنی تربیت کرنا تھی سید عمر صاحب (یعنی حضرت کے چھوٹے ماموں) کے مریدوں کی تربیت کرتا تھا ۔ اس وقت مجھے بچے (مرید) نہیں تھے تو دوسروں کے بچوں کو پال لیتا تھا ۔ ان کو میں نے یہ سمجھایا کہ دیکھو میاں ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دور نہیں ہوسکتا سب پردے اٹھ جاتے ہیں مگر یہ پردہ عینک بن جاتا ہے ۔ تو ایک صاحب نے خواب میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا " یارسول اللہ مجھے اللہ کی صورت بھی بتادیجئے " فرمایا " اوپر دیکھو " دیکھا تو ایک تجلی ہوئی ۔ دیکھ کر عرض کیا " سرکار آپ تو اللہ کو دکھا دیئے ۔ مگر عبدالقدیر کہتے ہیں کہ کوئی آپ کے بلا توسط خدا کو نہیں دیکھ سکتا " ۔ تو سرکار نے فرمایا " جب تو نے اوپر دیکھا تو تو نے مجھے کب دیکھا (یعنی میں عینک بن گیا) اور جو عبدالقدیر نے کہا بہت صحیح کہا "۔

توجہ اور تموج فرمایا " شیر جب ہرن کو گھور کر دیکھتا ہے اور زور زور سے دھاڑتا ہے تو ہرن چوکڑی بھول جاتی ہے ۔ چوہے کو بلی گھور کر دیکھتی ہے تو چوہا اچھلنا کودنا بھول جاتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں میں بھی ایک حد تک قوت ارادی ہے اور انسان تو قوت ارادی میں سب سے ممتاز ہے ۔ ہر ایک انسان سے اس کے خیالات کا تموج آتا رہتا ہے ۔ جو اس تموج میں آجاتا ہے تو وہ متاثر ہوجاتا ہے ۔ اپنی قوت ارادی کو استعمال کرنے کا نام توجہ ، تصرف ، ہمت اور القاء ہے "۔

فرمایا " قوت ارادی کو ترقی دینے کے لئے ضرور ہے کہ اپنے خطرات کو روک کر ایک نقطہ پر خیال کو قائم کردیں ۔ قوتِ ارادی کا استعمال کرنا کچھ نیکوں سے خاص نہیں بُرے بھی برائی کا القاء کرتے ہیں ۔ نیک و بد کا مقابلہ ہوتا ہے تو یقین یقین سے لڑتا ہے جس کا یقین قوی ہوتا ہے وہ موثر اور ضعیف متاثر "۔

فرمایا " القاء اور توجہ نیک و بد دونوں کرتے ہیں مگر نیک ، ارواحِ طیبہ سے اور اسمائے الٰہی سے اور آیاتِ قرآن سے مدد لیتے ہیں ۔ پھر اس کا اثر دوسروں پر ڈالتے ہیں ۔ کسی عالی ہمت کا کسی دعا یا اسم الٰہی کو دوسرے کو دینا یا اس کی اجازت دینا اثر پیدا کرتا ہے ۔ ایک نام کو خالی پڑھنا اور ہے اور اجازت سے پڑھنا اور ۔ ایک صاحب نے مجھے چند خاص کلمات کو پڑھنے کی اجازت دی اور کہا یہ کلمات پڑھ کر کانچ پر

پھونکو اور چباؤ۔ میں نے بھی چبایا اور دوسروں کو بھی دیا مگر کسی کو اس سے نقصان نہ ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے سے لگایا اور دعا کی خدایا اس کو قرآن شریف کی تعلیم عطا کر وہ پہلے مفسر اور تمام تفسیر قرآن کرنے والوں کے سردار بن گئے۔

حضرت ابوہریرہؓ احادیث سنتے اور ان کو یاد نہ رہتے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنا رومال بچھاؤ اور اس پر آپ نے اپنی توجہ شریف ڈالی ابوہریرہؓ نے اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگالیا۔ ان کا حافظہ قوی ہوگیا اور احادیث ان کو یاد رہنے لگے"۔

حضرت (عبدالقدیر) کسی کو بخار ہو یا آسیب ہو تو فرما دیتے بخار کو جاؤ بولو، شیطان سے کہتے کہ نہ ستاؤ اور چلا جائے۔ بخار فوراً اتر جاتا اور شیطان دفع ہوجاتا (حضرت کی توجہ کی بدولت)۔ شیطان اور آسیب زدہ حضرت کو آنکھ کھول کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر دیکھ لیتا تو شیطان بھاگ جاتا اور آسیب زدہ اچھا ہوجاتا۔

فرمایا "قوتِ خیال جس کی قوی ہوتی ہے تو ناسوت اور اہلِ دنیا اس کو نظر آجاتے ہیں اور متعدد مقامات میں بھی دوسروں کو وہ نظر آجاتے ہیں۔ مختلف شکلوں پر لوگوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور بڑے بڑے تصرفات کرتے ہیں۔ توجہ اور قوتِ ارادی کو بزرگ لوگ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور ہپناٹیزم والے بھی اپنی توجہ اور اٹنشن سے دوسروں کو بے ہوش کر دیتے ہیں اور اپنا معمول بنا لیتے ہیں یعنی خود عامل ہوتے ہیں اور دوسرا معمول۔ اس حالت میں معمول کو عالم مثال سے ایک قسم کا موقتی تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ اس سے پوچھتے ہیں فلاں کہاں ہے؟ اور کیا کر رہا ہے؟ معمول جواب دیتا ہے۔ طاقت ور اور قوتِ ارادی رکھنے والے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ قوی الارادہ شخص ضعیف الاعتقاد شخص پر خوب اثر کرتا ہے اور اس کے خیالات کو اپنے خیالات کا تابع بنا لیتا ہے۔ ایسے شخص کی قوتِ ارادی بالکل شخصی ہے اور اس کے نفس سے اٹھی ہے۔ بزرگانِ دین اپنے مرشد سے، علیٰ ہذالقیاس آخر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپؐ جل جلالہ سے لیتے ہیں۔

ملی ہے عرش کی زنجیر سے زنجیرِ میخانہ (حسرت صدیقی)

ان بزرگوں کا مقصد نہ حکومت ہے نہ پیسہ ٹکا حاصل کرنا۔ جیسا ہپناٹیزم والے کرتے ہیں۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ میرا مرید اچھا ہوجائے اس کے خیالات پاکیزہ ہوجائیں۔ اس کی ساری محنت للہ ہوتی ہے۔ مگر یہ سب لوگ توجہ، ہمت اور ذاتی ارادہ رکھنے والے ہیں۔ ان کے سوائے دوسرے اور لوگ بھی ہیں جو کسی پر خاص توجہ نہیں کرتے۔ سمجھو: ایک انگیٹھی عشق و محبت کی سلگی ہوئی ہے اس کے ارد گرد جتنے لوگ ہیں سب کو گرمی پہنچ رہی ہے۔ یا ایک مشعل ہے جس سے سب کو روشنی حاصل ہو رہی ہے۔ یہ لوگ تموج والے ہیں، ویبریشن والے ہیں۔ یہ صحبت صالح ترا صالح کند کے مصداق ہیں۔ استاد کے خیالات شاگرد کے خیالات کو فنا کر دیتے ہیں۔ ایک شخص نے ایک کنکر کو پانی میں ڈالا۔ اس سے پانی میں ایک حلقہ یا دائرہ پیدا ہوا۔ اس وقت دوسرے نے ایک بڑے پتھر کا گولہ پانی میں پھینکا کیا ہوگا؟ کنکر کے موج کا دائرہ فنا ہوجائے گا اور گولے کے موج کے دائرہ میں مدغم ہوجائے گا یعنی مرید فنافی الشیخ ہوجائے گا۔

فرمایا "یہ سب باتیں کیا مشائخوں کی نکالی ہوئی ہیں؟ بدعت ہیں؟ اختراعات ہیں؟ بدعت آتی ہے وہابیوں کے پاس۔ بزرگوں کے جتنے کام ہیں سب نسبت سے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اپنے سینے سے لگا کر زور سے دبایا۔ حضرت عمرؓ کانپنے لگے۔ اسلام کامل ہوگیا۔ ایک صاحب کے دل میں وساوس بہت آتے تھے۔ آپؐ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا وہ پسینہ

پسینہ ہوگئے اور ان کے تمام خطرات کافور ہوگئے۔ ایک صاحب کا حافظہ اچھا نہیں تھا۔ فرمایا۔ دامن پھیلاؤ اور دونوں دست مبارک سے کچھ دینے کا اشارہ فرمایا انھوں نے اپنے دامن کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگالیا اور حافظہ درست ہوگیا۔ احادیث یاد رہنے لگے سب سے زیادہ حدیث کی روایت کرنے والے بن گئے۔ (یہ توجہ کی مثال ہے۔ للمؤلف)

لوگ عرض کرتے آپ کی صحبت میں جب تک آ بیٹھتے ہیں ادھر اُدھر کا کوئی خیال نہیں آتا۔ جب اپنے گھر جاتے ہیں تو وہی روزِ اول۔ فرمایا "اگر یہ حالت دائمی ہوجائے تو فرشتے آکر تم سے مصافحہ کریں۔ یہ تموج کی مثال ہے۔ یہاں دینے دلانے کی بحث نہیں ہے۔ یہاں بے مانگے ملتا ہے"۔

فرمایا "تم کسی اچھے کے پاس بیٹھو گے تو تم بھی اچھے ہوجاؤ گے۔ برے کے پاس بیٹھو گے تو ان کی برائی کے تموج سے تم بھی خراب ہوجاؤ گے۔ صحبت طالح ترا طالح کند" سمجھے یہ من الجنۃ والناس میں کے ناس ہیں۔ شیطان سے بچنے سے زیادہ ان سے بچنے کی اہمیت ہے۔ بعض کا مقولہ ہے النسآء حبائل الشیطان۔ یعنی عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔ جب اپنی نہیں چلتی تو اپنی رسی پھینکتا ہے اور اس سے باندھ کر کھینچ لیتا ہے"۔

فرمایا "کب تک دنیا اور اس کے فوائد حاصل کرنے کی کوشش؟ تم کو خدا سے کچھ انس نہیں ہے؟ کچھ محبت بھی ہے؟ کبھی تم نے ہمہ تن متوجہ ہوکر خدا کو یاد بھی کیا ہے؟ اس کا ذکر بھی کیا ہے؟ جب تک پانی ہلتا رہتا ہے اس میں کسی کی صورت نظر نہیں آتی۔ پانی ٹھیرے گا تو تمہاری صورت بھی نظر آئے گی اور تمہارے دوست کی بھی۔ جس کا دل و دماغ پراگندہ ہو، مختلف خواہشات میں پھنسا ہوا ہو اس کو محبوب کی صورت کس طرح دکھے گی۔ یاد رکھو، خوب سمجھو، جب بیقرار پارہ قائم النار ہوجاتا ہے تو چاندی ہوجاتا ہے۔ اس کو رنگنے والا رنگ دیتا ہے تو سونا ہوجاتا ہے۔ تم بھی سونا بنو، چاندی بنو، یہ بھی نہ ہوسکے اور پارہ ہی رہو تو کسی کانچ کے شیشے کو لپٹو، آئینہ بن جاؤ گے، خود کو بھی دیکھو گے دوسروں کو بھی دکھاؤ گے"۔

لطائف فرمایا "بزرگانِ دین کے اقوال میں قلب، نفس، روح، سر، خفی، اخفیٰ کے الفاظ بکثرت مستعمل ہیں۔ اور اس قدر مختلف معانی میں مستعمل ہوتے ہیں کہ تعین معنیٰ مشکل۔ ان کے مقام بتلانے میں بھی کچھ کم اختلاف نہیں"۔

فرمایا "نقشبندیوں میں بھی دو حضرات ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

۲۔ حضرت سید آدم بنوریؒ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ ہر چیز کا ایک مقام تعین کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ احمد ہندیؒ فاروقی کے قول کے مطابق قلب: پستان چپ کے دوانگشت نیچے ہے۔ قلب کا نور زرد رنگ کا ہے۔ آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ جس کا قلب (دل) ذاکر ہے اس کو آدمی المشرب کہتے ہیں۔

روح پستانِ راست کے دوانگشت نیچے، تحتِ قدم ابراہیم علیہ السلام ہے رنگ نور سرخ ہے۔

سر قلب سے دوانگشت اوپر مائل بجانب وسط تحتِ قدم موسیٰ علیہ السلام ہے رنگ نور سفید ہے۔

خفی روح سے دوانگشت اوپر مائل بجانب وسط تحتِ قدم عیسیٰ علیہ السلام ہے رنگ نور سیاہ ہے۔

اخفیٰ اوسط سر تحتِ قدم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے رنگ نور سبز ہے۔

نفس ان سب لطائف کے مجموعہ کا نام ہے۔ مقام پیشانی ہے۔

۲۔ حضرت سید آدم بنوریؒ کے قول کے مطابق قلب : تو دل ہے اس کے نور کا رنگ سرخ ہے ۔

روحؔ جس کا محل جگر ہے ۔ جانب راست ہے ۔ نور کا رنگ سفید ہے ۔

نفسؔ اس کا مقام ناف ہے رنگ نور خاکستر گوں ہے ۔

خفیؔ کا مقام پیشانی ہے ۔ رنگ نور سیاہ ہے

سر کا مقام شش ہے ۔ پھیپڑا جو وسط سینے سے ذرا بلند ہے رنگ نور سبز ہے ۔

اخفیٰ وسط سر ، ام الدماغ ، رنگ نور بے رنگ ہے ۔ بعض قادری بھی ان ہی لطائف پر ضرب دیتے ہیں ۔

فرمایا " اخفیٰ کا مقام سب سے آخر کا ہے ۔ ہندوؤں کے رشی یہ کہتے تھے کہ اس میں سے فیض جاری ہوتا ہے ۔ جیسے گنگا ہے کہ بہہ رہی ہے ۔ تو وہ بیوقوف ، مہادیو کے سر میں سے گنگا کو بہتا ہوا سمجھ رہے ہیں ۔

اور یہ پیشانی میں نفس کا لطیفہ ہے تو اس پیشانی میں حافظہ کی بھی جگہ ہے ہندوؤں کے پاس اتنی ترقی نہیں ۔ البتہ ایک رشی نے کہا ہے میری آنکھ کے اوپر ایک آنکھ ہے اس سے سب نظر آتا ہے ۔ اس کا مطلب اعلیٰ درجہ کی بصیرت تھا مگر ہندوؤں نے پیشانی پر آنکھوں کی علامت بنائی ۔

رامچندر جی کی تصویر کھینچی ہے ۔ ان کی ناف میں کنول نکلا ہوا ہے ۔ اور اس پھول میں سے دیوی نکلی (مراد تجلی) تو اس کا مطلب تھا حلال اور جائز کھاؤ تو بہت نور ہوجاتا ہے ۔ اور اللہ کی تجلی ہوجاتی ہے ۔

فرمایا " ارسطو کا خیال ہے اصل نطفہ پر ایک نقطہ پڑتا ہے ۔ وہ نقطہ دماغ کا ہے ۔ جالینوس کا کہنا ہے کہ تین نقطے پڑتے ہیں ۔ دماغ ۔ قلب اور جگر ۔

حضرت امام غزالی نے ان تمام جھگڑوں میں پڑے بغیر انسان کی تین قوتیں قرار دیں ۔ ۱۔ قوتِ غضبی ۲ ۔ قوتِ شہوی ۔ ۳ ۔ قوتِ عقلی ۔

قوت غضبی ، قلب سے تعلق رکھتی ہے ۔ قوتِ شہوی کا مرکز جگر ہے ۔ قوتِ عقلی کا مرکز دماغ ہے ۔

قوتِ غضبی مہذب ہوکر بجائے ظلم کے جہاد اور حق اللہ کے قیام میں کوشش کا باعث ہوتی ہے ۔ قوتِ شہوی مہذب ہوکر حرام کھانے ، شہوت رانی کے بجائے حلال کھانے کی طرف مائل ہوتی ہے ۔ قوتِ عقلی مہذب ہوکر مکاری اور دھوکہ دہی کے بجائے غیرِ خدا کے خیال کو نکالتی ہے اور علمی شوق پیدا ہوجاتا ہے ۔

قلب سے متعلق نفس سلوعی ۔ نفس سے متعلق نفسِ بہیمی ۔ اور دماغ سے متعلق نفسِ ملکی ۔ بس ان کے پاس یہ تین لطیفے ہیں ۔ ذکر اور شغل کرنے کے بعد یہ تینوں قوتیں احکام شرعی کے مطابق ہوجاتی ہیں ۔ پھر یہی تین قوتیں سر ، خفی اور اخفیٰ کہلاتی ہیں ۔ پہلے قوتِ غضبی فنا ہوتی ہے پھر قوتِ شہوی پھر قوتِ عقلی یہ تینوں قوتیں فنا ہوجائیں تو رہا کیا ؟ جو رہنے والا ہے وہ رہے گا ۔ جو نہیں رہنے والا ہے نہیں رہے گا ۔ یعنی باقی ، باقی رہے گا اور فانی فنا ہوجائے گا ۔

حضرت مولانا جامیؒ اور حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے خیال کے مطابق اگر خواہشاتِ نفسانی غالب ہیں تو یہ نفس ہے ۔ اگر کبھی نفسانی خواہشات رہیں اور کبھی نہ رہیں تو وہ قلبؔ ہے ۔ اگر اچھے کا غلبہ ہے تو وہ روحؔ ہے ۔ اگر خواہشات کو بھی چھوڑ کر ذاتِ حق کی

طرف متوجہ ہوجائے تو یہ بہتر ہے ۔ اگر اپنی طرف سے منہ موڑ کر سر مذکور کا خیال رہے تو یہ خفی ہے ۔ اگر درمیان سے ہی ذکر اٹھ جائے نہ ذاکر کا خیال نہ مذکور کا خیال تو یہ اخفیٰ ہے ۔ لطائف کی اصلاح کا نتیجہ کیا ہوگا ۔

میں کہوں میں تو زباں سے مرے تو ہی نکلے ÷ میں نظر جس پہ کروں تو ہی مرا ہو منظور
مری ہر سانس میں جاری نفسِ رحمانی ÷ مرا ہر لفظ بنے شرحِ کتابِ مسطور (حسرت صدیقیؒ)

فرمایا " ان ہی قوتوں سے مختلف جذبات و خصائل پیدا ہوتے ہیں ان ہی جذبات کو اعتدال پر رکھنا ان کی تہذیب ہے ۔ اور یہی تہذیبِ شرع کا مقصد ہے ۔ ان قوتوں کے ناقص ہونے یا حد سے گزرنے سے رذائل اور اعتدال پر رہنے سے فضائل پیدا ہوتے ہیں " ۔

فرمایا " بعض لوگ معدہ کو بھی قوتوں کے مخزن میں قلب و جگر و دماغ کے ساتھ مقام دیتے ہیں ۔ مگر وہ ان تینوں کا دراصل خادم ہے یا باورچی ہے ۔ اگر وہ ان تینوں اعضائے رئیسہ کو ٹھیک اور موزوں غذا نہ دے تو اس سے اچھا خون نہ بنے گا اور اس خراب خون سے خراب قسم کی تقویتیں حاصل ہوں گی اور ان خراب تقویتوں سے ان اعضائے رئیسہ کی قوتیں یا تو ناقص ہوں گی یا غلط راستہ پر گامزن ہوں گی ۔ یہ لوگ پھیپڑوں کو بھی اہم مقام دیتے ہیں ۔

ایک مرتبہ فرمایا " دل دل جو یہ صاحب لوگ کہتے ہیں اس کا مطلب مرکز علم ہے ۔ دوسروں کے تجربے الگ ہیں ۔ میرا تجربہ اس سے سوا ہے ۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ پیشانی میں سامنے کی طرف مرکز علم ہے ۔ وہاں سے علم کا اثر دل پر پڑتا ہے تو اوپر کا خیال نہ کرکے دل کو مرکز علم مانتے ہیں ۔ اور ہم اوپر کے اصل مقام کو مرکز علم کہتے ہیں ۔ بہر حال دل بھی ضروری ہے اور دماغ بھی ضروری ہے ۔ دل کو ہم مرکز حرکت سمجھتے ہیں اور یہ دل علم کو اس کے مرکز سے لے کر سارے جسم میں پمپ کرتا ہے ۔

میں دل بولنے والوں کی تردید نہیں کررہا ہوں ۔ مرکز علم یعنی دماغ سے علم دل میں آیا اور وہاں سے پمپ ہوا ۔ ہم بولتے ہیں اول دماغ ہے بعد دل ہے ۔ اور دوسرے لوگ پہلے درجہ دماغ کو نظر انداز کرکے دل ہی کو مرکز سمجھتے ہیں ۔ خفی کا مقام پیشانی میں سامنے ہے جو مرکز علم ہے ۔ اور اخفیٰ (ام الدماغ) زیر قدم رسول پاک ہے ۔ کونسی چیز اس مقام کے علاوہ دوسری جگہ سے آسکتی ہے ۔

فرمایا " نقشبندیوں کے پاس بے رنگی ، تنزیہہ ۔ چشتیہ کے پاس محبت ۔ قادریوں کے پاس بے ارادتی ۔ ہمارے پاس سلوک نہیں بس دَور ہے (اور بجانبِ علو ہے ۔ للمؤلف)

ایک گردش ہے صورت پرکار ÷ اور ٹھکانہ نظر نہیں آتا (حسرت صدیقی)

فرمایا " ہمارے پاس ارتقاء ہی ارتقاء ہے ۔

فرمایا ۔ جس میں خدا کی یاد پیدا ہو وہ کام کی بات خواہ وہ نام ہو یا جسم ، کام ہو یا تصور اس کی یاد کے لئے وسیلہ لینا بھی عبادت ہے ۔

فرمایا " جو چیز اللہ کی یاد سے پھیر دے وہ باطل ہے ۔ تسبیح لے کر بیٹھے مگر اس سے یاد الٰہی نہ آئے تو تسبیح بھی لاحاصل !

فرمایا ۔ اگر معیت اور یاد الٰہی ہو تو مجاز بھی نماز ہے ۔ اور اگر معیت اور یاد الٰہی نہیں تو نماز بھی مجاز ہے " ۔

فرمایا ۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ پہلے ذاتِ الٰہی ہے ۔ پھر اس کے اسماء وصفات کا مرتبہ ہے ۔ جو صفات اور اسماء ، مخلوقات پر اثر کرتے ہیں ان کو افعال کہتے ہیں ۔ اسماء و افعالِ الٰہی سے جو چیزیں رونما ہوتی ہیں انھیں آثار کہا جاتا ہے ۔

ہم سب آثارِ اسماء و صفاتِ الہیہ ہیں ۔ پہلے تو انسان افعالِ مخلوقات کو بے اصل سمجھتا ہے اس حالت کو فنائے افعال کہتے ہیں ۔ یعنی فنائے افعال والا کسی کے ہاتھ میں کچھ نہیں سمجھتا ۔ لوگوں کے کام اس کی آنکھوں سے گرجاتے ہیں ۔ پھر مخلوقات کے صفات بھی بے بود و بے نمود معلوم ہوتے ہیں ۔ پھر وہ لوگوں سے منہ موڑتا ہے اور خدا سے اپنی نسبت جوڑتا ہے ۔ رات دن یادِ خدا میں رہتا ہے ۔ اور سب کو بھول جاتا ہے ۔ اور آخر میں خود کو بھی بھول جاتا ہے ۔ اور یہ بھی بھول جاتا ہے کہ میں خدا کو یاد کر رہا ہوں ۔ پھر فنائیت کی ایک بجلی گرتی ہے اور اس کا قصہ تمام کر دیتی ہے ۔ ابتداء فنائیت میں نہ اس کو ہوش رہتا ہے نہ بے ہوشی ، جس طرح نیند کا متوالا سمجھتا ہے میرے حواس خراب ہو رہے ہیں اور اب میں چلا ۔ پھر رحمتِ رحمانی سے بے ہوش ہوش میں لایا جاتا ہے اور جو کچھ کھو گیا تھا پھر مل جاتا ہے ۔ عامۃ الناس میں اور اس میں صرف اتنا فرق رہ جاتا ہے کہ اس کو دوام حضور حق رہتا ہے ۔ وہ سب کا حق ادا کرتا ہے مگر ہستی حق کا شعور تحت الشعور ہو جاتا ہے ۔ بلکہ عین شعور بن جاتا ہے ۔

فرمایا " بچے شروع شروع سیکل پر بیٹھتے ہیں تو بیالنس سنبھالنا ان کو دشوار ہوجاتا ہے مگر جب بیالنس سنبھل جاتا ہے تو پھر ادھر ادھر دیکھتے اور ہنسنے بولنے لگتے ہیں ۔ اسی طرح جب خدائے تعالیٰ کی نسبت دائمی اور قوی ہوجاتی ہے تو دنیا کے سبھی کام کرتے ہیں مگر ایک آن کے لئے خدا سے غفلت ان کے پاس نہیں پھٹکتی ۔ یاد رکھو تمہارا خیال جاتا ہے تو ذوالجلال آتا ہے کیونکہ خلو محال ہے ۔ جتنا خالی ہوتے جاؤ گے اتنا ہی بھرتے جاؤ گے ۔

دیکھو ؛ حقہ پینے والے یا سگریٹ والے سانس کھینچ کر خلو پیدا کرتے ہیں ۔ چلم کا گڑا کو یا سگریٹ کا تمباکو جل کر دھواں بن کر منہ میں پہنچ جاتا ہے اس لئے تم بھی یادِ خدا کرو اور اسی میں شاد رہو ، بلکہ برباد رہو ، آباد رہو ۔ اللہ بس باقی ہوس "۔

فرمایا " ذکر الا بذکر اللہ تطمئن القلوب پہلے زبان چلے گی ۔ زبان کے ساتھ دل بھی ۔ پھر زبان نہ بھی چلے تو دل چلتا ہے ۔ دل کے ذکر میں بھی الفاظ رہتے ہیں اس کو کلام نفسی کہتے ہیں

لا الہ کہہ کر الا اللہ کی ضرب دے کر دل سے خطرات ہٹائے

فنائے افعال کے لئے :- کوئی کھانا دے تو لا مطعم الا اللہ

کوئی کچھ دے تو لا معطی الا اللہ

فنائے صفات کیلئے :- کوئی خوبصورت نظر آئے تو لا جمیل الا اللہ

کوئی رحم کرے تو لا رحیم الا اللہ

یہ سب توکل میں آجاتے ہیں ۔ پھر فنائے ذات کے مراتب شروع ہوتے ہیں ۔

۱ ۔ میں اللہ کو یاد کر رہا ہوں ذاکر ۔ ذکر ۔ مذکور

۲ ۔ بس اللہ اللہ یعنی ذاکر نہ رہا صرف ذکر و مذکور ہے

۳ ۔ پھر بس صرف یاد ہے یعنی ذکر بھی نہ رہا ۔ صرف مذکور رہا

۴ ۔ پھر بس ایک ذات رہ گئی

۵ ۔ فنا ۶ بقا ۷ ۔ دوام حضور ۸ ۔ کمالِ حضور

فرمایا۔ اگر خدا کی طرف توجہ کریں تو عالم کا خیال تحت الشعور ہوجاتا ہے اگر عالم کی طرف توجہ کریں تو خدا کا خیال تحت الشعور ہوجاتا ہے۔

فرمایا۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ ذکر، توبہ کے ساتھ ہی آجاتا ہے۔ گویا فکر اور سلوک ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یا یہ کہ یہ تمام چیزیں بہ یک وقت ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

فرمایا۔ اللہ سے مل گئے، کیا بات؟ ہم اللہ سے جدا ہی کب تھے؟ اللہ سے ملنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ غیر کا جو خیال آرہا تھا دفع کر رہے ہیں "۔

فرمایا۔ ذاکر اپنے ذکر کی طرف التفات کرنے کو بھی غفلت سمجھتا ہے کیونکہ وہ بھی ماسویٰ اللہ میں شریک ہے "۔

فرمایا۔ لَآ الٰہ الا اللّٰہ کا ذکر توجہ پوری طرح قائم ہونے تک کریں۔ جب اطمینان ہوجائے تو غیر کو لائیں کیوں اور نکالیں کیوں۔ بس اللہ اللہ کا ذکر ہے۔ پھر یہ بھی باقی نہیں رہتا۔

فرمایا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر کھٹکے (یعنی سلیبل) ہر آدمی کا ایک جدا ہی التفات ہوتا ہے لا الٰہ الا اللّٰہ میں تو بہت سے کھٹکے ہیں اللہ میں دو کھٹکے ہیں ایک ال ایک لاہ۔ ھو میں ایک ہی کھٹکا ہے۔ زیادہ کھٹکوں سے زیادہ التفات پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایک ہی کھٹکے پر انتشار نہیں ہوتا۔ ذاکرین توحید پیدا کرنے کے لئے ایک کھٹکا لے کر اس کو دراز کرتے ہیں۔ آواز کو اور خیال کو ذاتِ واحد پر منطبق کرتے ہیں "۔ (زبان سے کہنے کی بھی حاجت نہیں دل سے ھو کو بہت لمبا کرسکتے ہیں مشق اور عادت سے خیال کو ایک نقطہ پر جمنے کی عادت ہوتی ہے۔ غیرِ خدا کی جانب توجہ ہی بری بلا ہے)

فرمایا۔ ذکر خفی سے اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے۔ فنائیت اور محویت آتی ہے۔ ذکرِ جہر کرنے والوں کو قوالی میں مزہ ملتا ہے۔ ذکر خفی والوں کو تفکر اور استغراق اور قرآن میں لطف آتا ہے۔

فرمایا۔ سلطان الاذکار سے نقشبندیہ لوگ اپنے ہر بُنِ مُو سے ذکر کرتے ہیں۔ جَھن جَھن (سی کیفیت سارے جسم میں محسوس ہوتی ہے) ہر عضو کو متحرک کرتے ہیں مگر ہمارے پاس جینا نہیں ہے مرنا ہے کن کالمیت فی ید الغسال۔

حضرت اللہ اللہ کا ضرب اپنے احساسِ وجود پر لگانے کو کہتے ہیں جو ہے سو ہے نہیں ہے سو نہیں۔ بس اللہ ہے۔

فرمایا۔ ذکر و فکر کے متذکرہ اقسام پر عمل اور مداومت کرنا ضروری ہے۔

فرمایا۔ تصوف اللہ کا خیال پیدا کرتا ہے۔ مگر وہ خیال قائم ہوتا ہے عمل سے "۔

فرمایا۔ علم صحیح ایک لذت ہے۔ توجہ اور قوتِ ارادی والے موت کے بعد بیکار ہوجاتے ہیں۔ اور تموج والے بعد وصال بھی اثر رکھتے ہیں۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ ہمارے پاس توجہ بھی ہے مگر بعض وقت ضرورت پر۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ ثابت ہے گو زیادہ تموج ہی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ میں دو کام کرتا ہوں۔ زکواتیں دلواتا ہوں (اسمائے باری تعالیٰ کی) (یعنی کسی اسم کو ایک لاکھ یا سوا لاکھ مرتبہ پڑھنا اس کی مقررہ توجہ کے ساتھ) اور سمجھ دار لوگوں کو باقاعدہ پڑھاتا ہوں "۔ (تصوف کی کتابیں، تفسیر، حدیث اور فقہ)

فرمایا۔ خدا دو طرح ہمارا ذکر کرتا ہے۔ پہلے ہم کو چاہا تو ہم پیدا ہوئے اور پھر پیدا ہونے کے بعد ملاحظہ فرمایا۔ تو اس طرح حق تعالیٰ

ہمارا دو طرح ذکر کرتا ہے مگر ہم اس کا ایک ہی طرح ذکر کرتے ہیں۔

فرمایا۔ ذکر اللہ کی صفت نہیں بلکہ فکر اللہ کی صفت ہے۔ ذکر و فکر لازم و ملزوم ہیں"۔

فرمایا " ہر ذرہ کا ذکر الگ ہے۔ جھاڑ کا الگ پہاڑ کا الگ، مگر جب انسان پر اللہ کا ذکر غلبہ کرتا ہے تو ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ پہاڑ، جھاڑ اور ہر ذرہ سے یہی آواز آرہی ہے۔ اسی طرح شیخ کی صورت جب غلبہ کرے تو جدھر دیکھو شیخ کی صورت نظر آتی ہے۔ اور جسے دیکھو شیخ ہی کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ یہ ذکرِ قلب کی علامت ہے کہ ہر چیز میں اپنا ذکر سنتا ہے"۔

فرمایا " کبھی کچھ ذکر کبھی کچھ ذکر یہ ارتقاء لوگوں کے لئے ہے۔ یعنی انسان طرح طرح سے ذکرِ خدا کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں ارتقائی صلاحیت ہے۔ مگر دوسری مخلوق کا ذکر بس ایک ہی حالت میں رہتا ہے"۔

فرمایا " ذکرِ روح جسے حاصل ہوگیا وہ ہر شئے سے اس کی تسبیحِ خاص کر سکتا ہے"۔

فرمایا " بقا باللہ والوں میں یا تو خدا کا ذکر تحت الشعور ہوجاتا ہے۔ یا خلق کا خیال تحت الشعور ہوجاتا ہے"۔

اقسام ذکر فرمایا۔ طریقِ عمل میں اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔ ہر شخص کا تجربہ جدا ہے، مذاق جدا ہے۔ اپنا اپنا انتخاب ہے۔ کامل استاد وہی ہے جو طالب کے حسب حال ذکر و شغل بتلائے۔ بغیر تحقیق کے۔ بغیر مناسبت کے کوئی ذکر بتا دینا، یا کسی شغل میں لگا دینا، یہ کام تو کسی عطائی کا ہے۔ بافہم حکیم تشخیص کرکے دوا دیتا ہے خمیرہ مروارید، مفرح یاقوتی، چاندی یا سونے کا کشتہ بے شک اچھے ہیں۔ مگر کیا ایک ہی دوا سب کو دی جاسکتی ہے؟ اسی طرح کلمہ طیبہ، اسم جلالہ، مختلف طور سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بعض حبسِ دم کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ بعض ذکرِ خفی کرتے ہیں۔ بعض ذکرِ جہری کرتے ہیں۔ حضرت نے تفصیل اس طرح بیان فرمائی۔

ذکر دو ضربی لا کو دل سے کھینچو اور الہ کے ساتھ سیدھے طرف لے جاؤ۔ خدا کے سوائے جتنے خطرات ہیں، خیالات ہیں پس پشت پھینک دو اور الا اللہ کہہ کر دامنِ رحمتِ الٰہی میں چھپ جاؤ، گم ہوجاؤ، باقی باقی رہے اور فانی فنا ہوجائے۔ اس کو بعض لوگ ذکر ارّہ بھی کہتے ہیں۔ بعض قادری رفاعی اور شاذلی دو ضربی ذکر کرتے ہیں۔ مگر بعض قادری بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں اور بعض کھڑے ہوکر۔ طریقہ مولویہ یعنی مولینا جلال الدین رومی کے ہاں اور رفاعیہ میں کھڑے رہ کر ذکر کرتے ہیں۔ رفاعیہ طریقہ والے ذکر کرتے وقت اور اپنے وجود موہوم کی نفی کرتے وقت اسلحہ سے ضرب لگاتے ہیں کہ میں نہیں ہوں، اگر ہوتا تو مجھے ضرر پہنچتا"۔

ذکر سہ ضربی ناف سے لا کو کھینچو، پھر سر کو سیدھے طرف گھماؤ اور الہ کا ضرب دو۔ اور دل پر الا اللہ کا ضرب دو۔ اس ذکر میں لا کی شکل پیدا ہوتی ہے۔ اور دفعِ خواطر میں بہت کام آتا ہے۔ اس سہ ضربی ذکر سے تمام لطائف پر سے گزر جاتا ہے۔ ایسا ذکر اکثر نقشبندی لوگ کرتے ہیں۔

ذکر چہار ضربی چار زانو بیٹھو۔ سیدھے پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے بازو کی انگلی میں رگِ کیماس (جو بائیں پاؤں کے گھٹنے کے نیچے ہوتی ہے) زور سے پکڑو بائیں پاؤں کے گھٹنے کے پاس سے ہلکا جھٹکا دے کر لا کو کھینچو اور خیال کرو کہ ضرب شیطان پر پڑا ہے۔ شیطان ہمیشہ اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ انسان کو خدا کے خیال سے پھیر دے۔ اور خدا کی مخالفت میں کمربستہ رکھے۔ لا کو الہ کے ساتھ ملاؤ اور سیدھے گھٹنے پر ضرب دو اور سمجھو کہ یہ ضرب خطرہ نفسانی پر ہے۔ جس کا کام ہے کھانا پینا اور جسم کے خواہشات کو پورا کرنا۔ خطرہ نفسانی پر ضرب لگانے

کے بعد الہ کو ھ کے ساتھ ملاؤ اور سیدھے شانے پر ضرب دو ۔ یہ ضرب خطرہ ملکی پر ہے ۔ یعنی ہم کو نفس و شیطان کی کشمکش کی ضرورت نہیں ۔ نہ کسی کے ہم کو متنبہ کرنے کی حاجت ہے ۔ فرشتے ہمیشہ اچھی بات کی ہدایت اور بری باتوں سے بچنے کے لئے متنبہ کرتے رہتے ہیں ۔ ہم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ۔ پھر بائیں جانب یعنی دل پر الا اللہ کا ضرب لگاؤ کہ خدا کے سوا کوئی باقی نہ رہے شیطان اور نفس کا خطرہ " نفس امارہ " کا نتیجہ ہے ۔ اور بار بار متنبہ کرتے رہنا اور برے کام پر ملامت کرتے رہنا یہ صفت ہے " نفس لوامہ " کی ۔ اور خدا کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوکر بیٹھ جانا یہ کام ہے ۔ " نفسِ مطمئنہ " کا قرآن شریف میں ہے وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا مارحم ربی (یوسف ۵۳) ایک اور جگہ ہے یا ایتہا النفس المطمئنۃ ۝ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ۝ (پ سورۃ الفجر ۲۷ ۔ ۲۸) پہلے نفس کی کشمکش جاتی ہے تو اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے ۔ پھر خدا سے راضی ہوجاتا ہے ۔ پھر خدا بھی اس سے راضی ہوجاتا ہے ۔

حبسِ دم ذکر کرتے وقت بعض حضرات حبس دم کرتے ہیں ۔ یعنی سانس کو روک لیتے ہیں اور زبان کو موڑ کر تالو کو لگا دیتے ہیں ۔ پوری سانس کا روکنا بھی کئی قسم کا ہوتا ہے یعنی پیٹ میں کی ہوا کو بالکل خالی کرتے ہیں کہ پیٹ پیٹھ کو جاکر لگ جائے اس کو " تخلیہ " بولتے ہیں ۔ اور بعض سانس سے پیٹ کو بھر دیتے ہیں ۔ اس کو " تخلیہ " کہتے ہیں ۔ بعض حضرات ادھر بیچ میں سانس کو روک لیتے ہیں اس کو " حصرِ نفس " کہتے ہیں ۔

حبس دم ہو یا حصر نفس اس سے سخت حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس کے اثرات سے ایک قسم کی بے خودی اور افیون کے نشہ کی سی حالت پیدا ہوتی ہے ۔

بعض قادری اور چشتی ، رفاعیہ اور مولویہ ذکر جہر کرتے ہیں ۔ اس سے دل میں جوش پیدا ہوتا ہے اور عشق و محبت کی تحریک ہوتی ہے ۔

حبس دم کرنے والوں پر جو فنائیت آتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کسی کو ڈبو کر مارا ۔ یا اس کو سانپ کاٹ لیا ۔ اور ذکر جہر کرنے والوں پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ آگ میں جلنے کے مشابہ ہے ۔ یا جرارہ بچھو کاٹنے کے مماثل ہے ۔ مرتے دونوں ہیں ایک سانس رکنے سے مرتا ہے ۔ اور ایک جل کر مرتا ہے ۔ توحید اور فنا دونوں کو ہے مگر ہر ایک کی کیفیت جدا ہے ۔

افیون سے بھی نشہ آتا ہے مگر افیونی خاموش رہتا ہے اور شرابی چیختا ہے ، کودتا ہے ، ناچتا ہے ۔ نشہ دونوں کو ہے مگر دونوں کے نشہ میں فرق ہے ۔

بعض چشتی حضرات (حبس دم کے ساتھ) دو سو (۲۰۰) دفعہ لا الہ الا اللہ پڑھ کر چار سو (۴۰۰) دفعہ الا اللہ کا ضرب لگاتے ہیں اور چھ سو (۶۰۰) دفعہ اللہ اللہ

ذکرِ عینی بعض اور حضرات آنکھ کھول کر لا الہ اور سب کی نفی کرکے آنکھ بند کرکرتے ہوئے الا اللہ کہہ کر اثبات کرتے ہیں ۔ مگر یہ ایک قسم کا پاس انفاس ہے ۔ اس سے بھی غیر معمولی آثار نمایاں ہوتے ہیں ۔ مگر یہ ذکر جہری نہیں ہے خفی ہے ، قلبی ہے ۔

بعض حضرات آنکھ کھول کر ھوالظاہر اور آنکھ بند کرکے ھو الباطن کا ذکر کرتے ہیں یہ ذکر عینی ہے ۔

ذکرِ صعود و نزول لا الہ کو ناف سے کھینچو ام الدماغ یعنی وسط سر تک پہنچاؤ اور الا اللہ کے ضرب کو پھر ناف تک پہنچاؤ ۔ ایسا ذکر

بیٹھا ہوا کیا جاتا ہے ۔ اگر کھڑے یا لیٹے ہوئے ہو تو پیر کے انگوٹھوں سے لا الہ کو کھینچو اور ام الدماغ تک پہنچاؤ الا اللہ کو پھر پیر کے انگوٹھے تک پہنچاؤ ۔ اس ذکر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بجلی ہے کہ کوند رہی ہے ۔

ذکرِ حدّادی :۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملالو (اس طور پر جس طرح گھن پکڑتے ہیں) اور گھٹنوں پر کھڑے ہو کر لا الہ کہتے ہوئے ہاتھوں کو بائیں طرف سے گھماتے ہوئے سر کے اطراف پھرا کر الا اللہ کا ضرب سامنے کی طرف مارو ۔ حضرت عبداللہ حداد لوہاری کا کام کرتے تھے اس لئے اس ذکر کو حدادی کہتے ہیں ۔ اس کی نقل میں بھی برکت ہے ۔

ذکر مشی الاقدام :۔ اگر آہستہ آہستہ چلتے ہو تو ہر قدم پر اللہ اللہ دل میں بولو ۔ یا ایک قدم پر لا الہ اور ایک قدم پر الا اللہ کہو ۔ اور اگر تیز چل رہے ہو تو ایک قدم پر لا دوسرے قدم پر الہ ، تیسرے قدم پر اللّل اور چوتھے قدم پر لاہ بولو ۔

بطور راتب بارہ تسبیح :۔ قادریہ طریقہ میں بعض حضرات لا الہ الا اللہ دو سو (۲۰۰) بار اللہ اللہ چھ سو (۶۰۰) بار اور یا حیی یا قیوم چار سو (۴۰۰) بار پڑھتے ہیں یہ ذکر بالجہر کرتے ہیں بعض خفی طور سے ۔ اس طریقہ میں لا الہ الا اللہ سے اپنے ارادے اور خطرات کو دفع کرتے ہیں ۔ واضح ہو کہ جرم کی تحقیق ارادہ تک ہوتی ہے ۔ اگر بالارادہ جرم ہوا ہے تو سزا ہوتی ہے ۔ اسی واسطے قادریہ طریقہ میں سب سے اہم ارادہ کا توڑنا ہے ۔ بے ارادہ جینا قادریوں کا کام ہے ارادہ سے ذمہ داری آتی ہے ۔ بے ارادہ پر ذمہ داری نہیں آتی لا الہ الا اللہ کا ذکر اس شخص کے لئے مناسب ہے جس کو خطرات آتے ہیں ۔ جس کو خطرات نہیں آتے اس کو اللہ اللہ کا ذکر کرنا چاہیئے ۔ خواہ مخواہ غیر کو لا کر نکالنے کی کیا ضرورت ہے ۔

اللہ اللہ کا ذکر ہر وقت لازم ہے ۔ خواہ ذکر جہری ہو یا جلی یا خفی ۔ ذکر کیا ہے ؟ نہ بھولنے کا نام ہے ۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے خدا کی یاد کی دھن لگی رہنی چاہیئے ۔ اس سے دوام حضور پیدا ہوتا ہے ۔ ذاکر اپنا کام کرتا ہے ۔ اور دوسروں کو اس کا علم نہیں ہوتا ۔ یہ ذکر ریا سے بچاتا ہے ۔

وقت کو تم ضائع نہ کرو ۔ وقت بہت لاقیمت ہے ۔ اذکار کی بہت سی قسمیں ہیں ۔ کوئی ایک ذکر بھی جم جائے تو غنیمت ہے ۔ تفصیلات کے لئے دیکھو حضرت سید غوث گوالیاریؒ کی " جواہرِ خمسہ " حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی کشکول کلیمی ۔ اور حضرت سیدی عبدالقادر جیلانی کی " فیوضاتِ قادریہ " اور حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کی " ثمراتِ مکیہ ۔

طریقہ قادریہ میں بعض اسماء کی زکوٰۃ دلواتے ہیں ۔ زکوٰۃ کیا ہے ؟ لاکھ یا سوا لاکھ دفعہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام کا پڑھنا ۔ قرآن شریف میں کثرت بتائی گئی ماۃ الف اویزیدون سے یعنی لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ ۔ ہر اسم الہیٰ کے ساتھ ایک توجہ شریف رہتی ہے وہ ایک دعا ہے جو سو (۱۰۰) یا پانچسو (۵۰۰) کے بعد پڑھی جاتی ہے توجہات شریف ، کشکول کلیمی ، اور فیوضات ربانیہ ، میں ملتی ہیں ۔

طریقہ قادریہ میں ان اسماء کی بھی زکوٰۃ دلواتے ہیں لا الہ الا اللہ ۔ اللہ اللہ ۔ یا حی ۔ یا واحد ۔ یاعزیز ۔ یا وھاب ۔ یاودود ۔ بعض حضرات چند اور اسماء کی بھی زکوٰۃ دلواتے ہیں یا ذاالجلال والاکرام یا حی یا قیوم ۔ یا ارحم الرحمین ۔ اللھم رب النبی محمد ۔

بعض حضرات اللہ میں ھو کو خوب کھینچتے ہیں ۔ جہاں دوسرا خیال آیا ۔ جہاں سانس ختم ہوگیا پھر شروع کیا یہ ذکر توحید کو پیدا کرتا ہے ۔

بعض لوگ صرف ھو ھو کا ذکر کرتے ہیں اور بعض ھا، ھو ، ھی کا ذکر کرتے ہیں جو خلاصہ ہے ۔ لآالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ۔

شیخ اکبرؒ کے پاس سیدھی طرف یارب بائیں طرف یارب آگے بھی یارب پھر دوسری دفعہ اسی طرح سیدھی طرف یاربی بائیں طرف یاربی اور سامنے بھی یاربی۔

بعض لوگ اس طرح ذکر کرتے ہیں ایک دفعہ قال اللہ کہہ کر انی انا اللہ لا الہ الا انا کے نعرے مارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ صدا خدائی ہے ۔

بغداد شریف کے بعض شیوخ ہر نماز کے بعد کلمہ طیبہ (۱۶۵) بار پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں ۔

ان تمام اذکار سے انوار پیدا ہوتے ہیں ۔ بہر حال اللہ کی یاد سب سے بڑی ہے اور اسی لئے اتنا ذکر کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ سمجھیں ۔ اذکر اللہ حتی یقولوا مجنون شیخ کی اجازت سے کوئی ذکر کرو تو اس کا اثر ہی کچھ اور ہوتا ہے ۔

فرمایا " اللہ کے کسی نام کو بار بار پڑھنے سے اور بکثرت پڑھنے سے اسی اسم سے ایک نسبت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کی تجلی ذاکر کے دل میں ہونے لگتی ہے ۔

سلطان الاذکار ہر پیغمبر کے جدا اوصاف اور اعضائے رئیسہ میں سے ہر ایک کو ایک پیغمبر سے خاص ربط و تعلق ہے ۔ مشائخین کرام فیض کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ فیض اللہ تعالیٰ کے پاس سے سید الانبیاء محمد رسول اللہ قاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو آرہا ہے پھر وہاں سے خاص پیغمبر کو اور وہاں سے ان کے شیخ کو ۔ اور طالب شیخ میں سے اپنے دل میں کھینچتا ہے ۔ اس سے اس لطیفہ میں ایک حرکت اور جذبہ محسوس ہوتا ہے ۔ ایک ایک لطیفہ ایک ایک آدمی میں ایک ایک پیغمبر میں خاص طور سے شدید و ممتاز رہتا ہے ۔ جب ہر ایک لطیفہ حرکت کرنے لگے تو ان سب کے مجموعہ سے مجموعاً فیض کھنچتا ہے ۔ اور اس وقت وہ تحت قدوم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوجاتا ہے اور سر سے پاؤں تک تمام جذبات کا مظہر و منبع بن جاتا ہے یہ اجمال بعد التفصیل ہے ۔ ایسے ذکر کو سلطان الاذکار کہتے ہیں ۔

اشغال فرمایا " اشغال کیا ہیں ؟ ایک دھن ہے ۔ دھن میں دھن اپنی دھن پرائی دھن کا پاپ نہ پُن ۔ اٹھتے بیٹھتے ، چلتے پھرتے یہ دھن لگاؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے وھو معکم اینما کنتم ۔ جدھر منہ کرو ادھر خدا ہی ہے اینما تولوا فثم وجہ اللہ ۔ اللہ ہمارے میں ہے ، اندر بھی وہی ہے ۔ باہر بھی وہی ہے وفی انفسکم افلا تبصرون ۔ اللہ شہ رگ سے بھی قریب ہے ۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید ۔ آنکھیں بند کرکے بیٹھ جاؤ ۔ اور غور کرو میں کہاں ہوں ، جب تک وجود کا نور پڑ رہا تھا ۔ میں تھا اور نظر آرہا تھا ۔ اب صرف خدا ہے ۔ وہ بذاتہ موجود ہے ۔ میں ایک خیال تھا ۔ اب وہ خیال بھی کہاں رہا ۔ جو ہے سو ہے جو نہیں ہے سو نہیں ہے ۔

نہیں ہوں میں ، نہیں ہوں میں ، نہیں ہوں
خدا ہی ہے ، خدا ہے میں نہیں ہوں (حسرت صدیقی)

فرمایا۔ بعض حضرات ندی کے کنارے بیٹھتے ہیں۔ پانی کی مسلسل بہنے کی آواز آتی ہے جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اس پر اپنے دل اور خیالات کو لگاتے ہیں۔ اس کو ذات حق پر منطبق کرتے ہیں اس سے ایک قسم کی محویت پیدا ہوتی ہے اور دل پریشانی دفع ہوتی ہے۔ شیخ سعدی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند ÷ بہ آوازِ دولاب مستی کنند

فرمایا" دل اور خیال کا ایک نقطہ پر قائم رہنا توحید کو پیدا کرتا ہے۔ اور فنائیت لاتا ہے "۔

فرمایا" بعض حضرات اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ کانوں میں ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ جیسے پانی برس رہا ہے۔ اور روز بروز انگلیوں کو تھوڑا تھوڑا ہٹاتے ہیں اور اپنے خیال کو اسی آواز پر لگاتے ہیں۔ جب انگلیاں نکل بھی جائیں تو وہ آواز دائمی طور سے قائم رہتی ہے۔ اس آواز کو ذاتِ وحدہ لاشریک لہ پر منبطق کرتے ہیں اور جس طرح کھرج کا سر قائم ہونے کے بعد دوسرے سروں کو نکالتے ہیں اسی طرح اس دائمی آواز کو " صوتِ سرمدی " کہتے ہیں۔ بولنے چالنے اور کام کرنے کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی پتھر پر زنجیر گھسیٹ رہا ہے۔ یا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گھنٹی بجارہا ہے۔ کسلسلۃ الجرس۔ اس کے بعد پیغمبر کو وحی آتی ہے۔ ان کے متبعین کو الہام ہوتا ہے۔ اس کے بعد رہا سہا ہوش وہ بھی فراموش ہوجاتا ہے۔ نہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے نہ کانوں سے سنائی دیتا ہے۔ ھو کا چٹیل میدان ہے۔ اس کو فنا کہتے ہیں۔ یہی حال اگر قائم رہ جاتا ہے تو مجذوب ہوجاتا ہے۔ پھر جب ہوش آجاتا ہے تو جو کچھ کھویا تھا دوبارہ پاتا ہے۔ اس کو بقا کہتے ہیں "۔

فرمایا" جس طرح سیکل کا بیالنس قائم ہوجاتا ہے اور سیکل چلانے کا حضور دائمی ہوجاتا ہے تو بیچے بات بھی کرتے ہیں اور مڑکر بھی دیکھتے ہیں۔ تو کیا اب بیالنس کا خیال نہیں رہتا ؟ ضرور رہتا ہے۔ مگر تحت الشعور ہوجاتا ہے۔ جب علم ذات ہوگیا تو اب غفلت کہاں ؟ اور جہل کدھر ؟ سبحان اللہ جس شخص کو دوام حضور ہے وہ سراپا سرور ہے "۔

فرمایا" ذکر و اشغال کا مقصد محبوب سے نسبت ہونا بلکہ محبت ہونا ہے اور یہ سب سے آخر میں آتی ہے۔ اور اپنا عجیب و غریب رنگ دکھاتی ہے۔ برسوں کا راستہ دنوں میں اور دنوں کا منٹوں میں طے کرتی ہے۔ آخر یہ محبت ہے کیا ؟ ایک جذبہ ہے جو انسان کے دل میں مستولی ہوتا ہے۔ محبوب سے ملانا دو کو ایک کرنا اس کا کام ہے۔

در محفلِ یکتائی اغیار نمی گنجد ÷ اغیار چناں گنجد چوں یار نمی گنجد

پُر گشت دل و جانم از جلوہ جانانم ÷ در چشم من اے حسرت جز یار نمی گنجد (حسرت صدیقی)

فرمایا۔ محبت ایک ہستی ہے دشمن خود پرستی ہے۔ بے ہوشی اس کے ہم دوش ہوتی ہے۔ عاشق ہمیشہ خاموش رہتا ہے۔ محبوب کی باتوں کیلئے سراپا گوش ہوتا ہے۔ نہ شرم نہ حیا نہ عزت نہ حرمت نہ اس کا کوئی دوست، محبت بڑھ جاتی ہے تو محب غریب بڑبڑاتا ہے۔ واہی تباہی بکتا ہے۔ سب کچھ اس پر سے گزر جاتا ہے اور ہمت نہیں ہارتا۔ آخر ہوتا کیا ہے ؟ چاہ محبت میں پھاندتا ہے۔ محبت کا پانی کیا ہے ؟ تیزاب ہے گل گلا کر پاش پاش ہوجاتا ہے۔ عقلمندوں کے پاس محبت ایک بلا ہے۔ اس سے جدا ہی رہنا بھلا ہے "۔

ادعیہ

فرمایا " اذکار اور چھوٹے چھوٹے اوراد سے حضور پیدا ہوتا ہے " حسب الاعظم " میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادعیہ ہیں ۔ " صیحفہ کاملہ " میں حضرت امام علی زین العابدین کے ادعیہ ہیں " فیوضات ربانیہ " حضرت غوث الاعظم سیدی عبدالقادر جیلانیؒ کے ادعیہ ہیں ۔ " الانوارالقدسیہ " میں حضرت ابو الحسن شاذلی کے اوراد ہیں ۔ بعض لوگ حضرت مولیٰ علی مرتضیٰؓ کی طرف جوشِ کبیر کو منسوب کرتے ہیں ۔ حضرت سید غوث گوالیاریؒ کی " جواہر خمسہ " میں بھی بہت سے ادعیہ ہیں ۔

بہت سے ادعیہ دوسرے شیوخ طریقت کی طرف بھی منسوب ہیں " حزب البحر " حزب النصر ، حضرت ابو الحسن شاذلی کی مشہور دعائیں ہیں اور حضرت احمد عبدالحق رودولوی کی " دعائے حیدری " مشہور اور متعارف ہے ۔ حصن حصین میں صبح سے شام تک ہر کام کے لئے ادعیہ مذکور ہیں ۔ یہ ادعیہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں ۔ مگر عام طور سے لوگ ہر دعا کو اس کے وقت پر پڑھنے کے عوض پوری " حصن حصین " کو سات روز پر تقسیم کرکے پڑھتے ہیں "۔

حضرت نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا انتخاب عنوانات کے تحت جمع فرمایا ہے جو غیر مطبوعہ ہے ۔ اس کو کتاب کے آخر میں پیش کردیا گیا ہے ۔

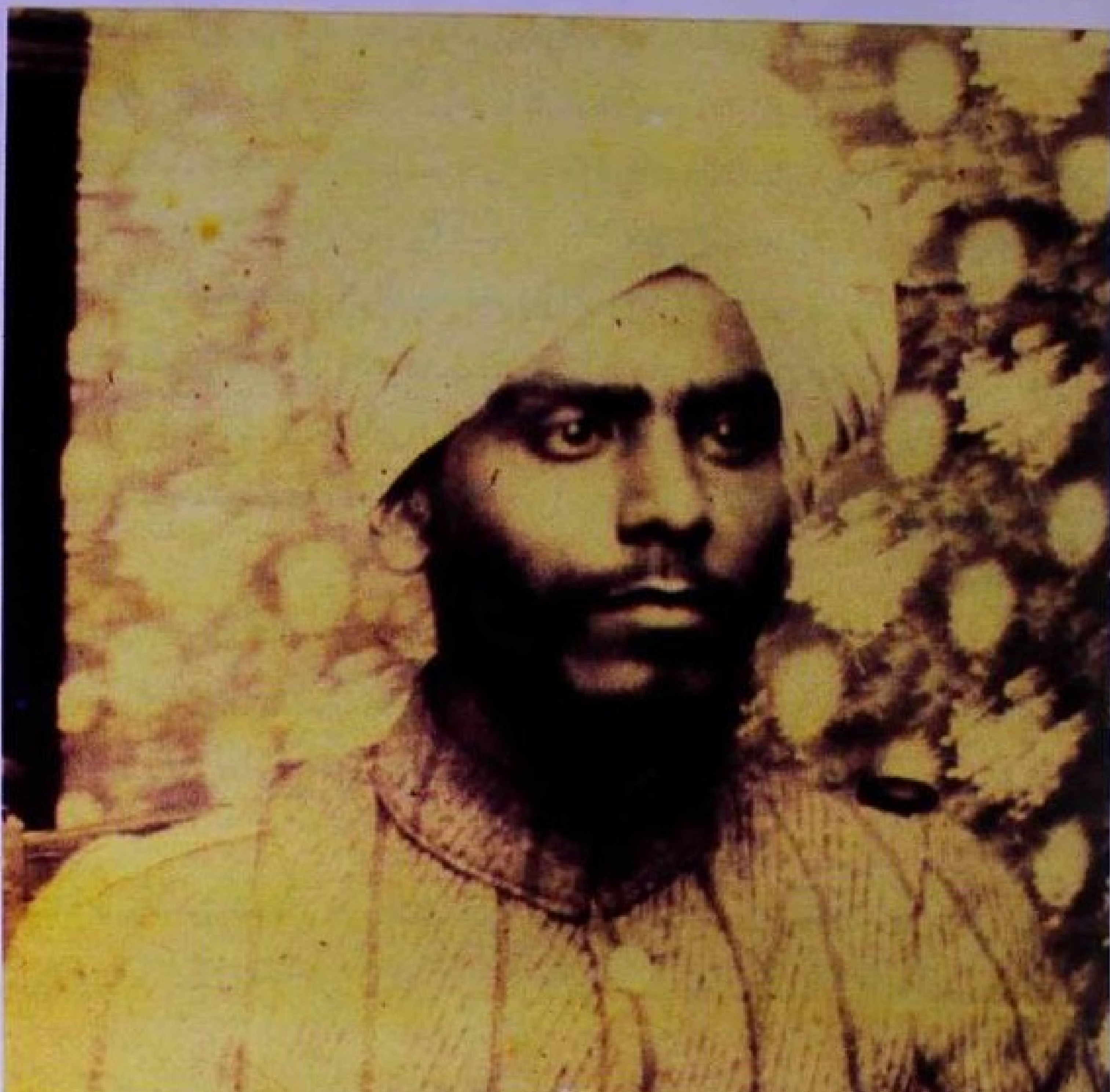
فرمایا " درود شریف کے بھی بہت سے صیغے ہیں ان میں سے اکثر دلائل الخیرات میں مذکور ہیں مصر میں دو مجموعے اور چھپے ہیں ۔ جن میں بہت سے شیوخ طریقت کے ادعیہ اور درود شریف ہیں ۔

درود شریف سے ٹھنڈی پر اطمینان کیفیت حاصل ہوتی ہے ۔ کیسا ہی اختلاج ہو ، ذکر سے بے چینی پیدا ہو صلوٰۃ وسلام سے رفع ہوجاتی ہے ۔

فرمایا " یاد رکھو ؛ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد نہ ہو اور ان پر صلوٰۃ و سلام نہ بھیجا جائے کبھی اطمینان پیدا نہیں ہوتا ۔ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کا فردِ اعلیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ کسی نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ۔ اگر میں تمام وقت صلوٰۃ وسلام میں گزاروں اور اپنا تمام وقت اسی میں صرف کروں تو حضرتؐ نے فرمایا " الان کفیت امرک ۔ تمہارے کام کے لئے صلوٰۃ و سلام بالکل کافی ہے "۔

اولاد و احفاد

اولاد و احفاد



حضرت محمد عبدالعزیز صدیقی فرزند اکبر بحرالعلومؒ

داماد حضرت خواجہ محبوب اللہ رحمۃ اللہ علیہ

مولوی محمد عبدالعزیز صدیقیؒ

تعلیم اور لیاقت حضرت کے فرزند اکبر مولوی محمد عبدالعزیز صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ عزیز میاں عُرف تھا۔ تاریخ ولادت ۱۷/ شوال ۱۳۰۴ھ ہے۔ اپنے والد سے صرف سولہ (۱۶) سال چھوٹے تھے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل فرمائی۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات کامیاب کئے اور دونوں امتحانات میں سونے کے تمغے ملے۔ حضرت نے اپنے سینہ میں جو کچھ تھا ان کے سینہ میں انڈیل دیا تھا۔ قاری عبدالحق صاحب مکیؒ (موسس مدرسۂ فخریہ باب ابراہیم مکہ معظمہ) سے آپ نے فن تجوید حاصل فرمایا اور پورا قرآن سنایا۔ اور قراءت سبعہ میں امتیازِ خاص حاصل کیا۔ قاری میر روشن علی صاحب اور قاری کلیم اللہ حسینی صاحب آپ کے ہم درس تھے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب کو فن کے ساتھ ساتھ لحن، قدرت سے عطا ہوا تھا۔ جب وہ قرآن پڑھتے تو سننے والوں کو بڑی حلاوت ملتی، غیر معمولی کیفیت طاری ہوجاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ اللہ کے پاس سے اس کا کلام اتر رہا ہے۔ تلاوتِ قرآن اور درود ان کا مشغلہ تھا۔ مولود برزنجی بہت شوق سے پڑھتے اور قصیدہ بردہ کے اشعار کی ایسی ایسی طرزیں نکالتے کہ سننے والے مست ہوجاتے اور ان میں حضوری کی کیفیت پیدا ہوجاتی۔

شادی حضرت کے پیر و مرشد خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ سے بیعت تھی۔ پیر و مرشد کی صاحبزادی سے شادی ہوئی تو ان کی مسرت کی انتہا نہ تھی۔ چار مہینے کی دلہن بعارضۂ طاعون داغِ مفارقت دے گئیں تو زندگی بے مزہ ہوگئی۔ بیوی کی مزار پر گھنٹوں جا بیٹھتے، قرآن، درود جو ہوسکتا پڑھ کر بخشتے، آنسو بہاتے اور گھر لوٹتے۔ پھر دوسری شادی نہیں کی۔ اس خیال کے تحت کہ پیر و مرشد کے علاوہ کسی اور کا بھی داماد کہلاؤں گا۔ یہ بات ان کیلئے ناقابلِ برداشت تھی۔

جامعیت غیر معمولی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ نہایت پاکیزہ سیرت کے مالک تھے۔ علوم ظاہری و باطنی اور کمالاتِ صوری و معنوی سے آراستہ تھے۔ دنیا سے مستغنی تھے۔ روحانیت نہایت قوی تھی۔ بحرِ معرفت میں مستغرق تھے۔ ترک و تفرید میں یگانہ روزگار تھے۔

مولوی عبدالعزیز صاحب پر خشیت خداوندی مہینوں طاری رہی۔ ایک مرتبہ مولوی عبدالرحیم صاحب نے ان سے کہا "بھائی یہ دوا کو غذا بنالیں تو کیا؟"۔ موصوف نے جواب دیا "رحیم صاحب میاں! باتیں کرنا آسان ہے خود پر گذری تو معلوم ہو۔ اچھا چند روز کے لئے کیفیت بدل لیں گے"۔ اور بات طے ہوگئی۔ اور عبدالرحیم صاحب پر خشیت خداوندی کی کیفیت گزرنے لگی۔ چند روز کے بعد مولوی عبدالعزیز صاحب نے کیفیت واپس لے لی اور عبدالرحیم صاحب پر جب اطمینان کی کیفیت آگئی تو عبدالعزیز صاحب نے ان سے فرمایا "دیکھے رحیم صاحب چند روز میں کیا گت بنی۔ مہینوں سے ایسی سخت کیفیت طاری رہنے کے باوجود میں کس طرح زندہ ہوں" عبدالرحیم صاحب نے جواب دیا "آپ کی کیفیت آپ کو مبارک ٹھنڈے ٹھنڈے گذر گئے تو بس ہے"۔

موصوف کو ورزش کا بیحد شوق تھا۔ بڑی محنت سے اپنے جسم کو تیار کیا تھا۔ فنون حرب میں ماہر تھے۔ جمناسٹک میں مدرسۂ دارالعلوم میں ان کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ جمناسٹک کے کمالات سے سب کو حیران کردیتے اور خوب دادِ تحسین حاصل کرتے۔ دیگر کھیلوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔

نہایت ذہین تھے۔ طبیعت میں جدت پسندی اور اختراعی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ یورپ سے ٹرانسپیرنٹ خوشبودار صابن آتا تھا جس پر صابن کا نام منقش رہتا تھا۔ بڑی کوشش سے ویسا ہی صابن ٹرانسپیرنٹ تیار کرلیا۔ اور اس پر صابن کا نام

منقش بنانے میں بھی کامیابی حاصل کرلی ۔ اُس زمانہ میں ہندوستان میں صابن سازی اتنی ترقی نہیں کی تھی ۔

نجاری کے کام میں بھی مہارت پیدا کرلی تھی ۔ ایک لکڑی کی تسبیح گول دانوں کی اور ایک ناس کی ڈبیا نہایت محنت سے تیار کرکے اپنے والد کو نذر دی ۔

راگ راگنیوں سے بھی خوب واقف تھے ۔ آواز میں مٹھاس اور درد بلا کا تھا ۔ ان کے لئے مختلف قسم کے ساز بجانا تو کیا حقیقت رکھتا ہے ۔ سیکل کے پہیے کی کاڑیوں کو ایک کاڑی سے ضرب لگا لگا کر آوازوں کا اندازہ کرلیا اور تھوڑی دیر میں ان کاڑیوں پر گت بجا کر سنادی اور سب کو حیران کردیا ۔ بہر حال ہر فن مولا تھے ۔ جس فن کی طرف توجہ کرتے اُس میں کمال پیدا کرلیتے ۔

باوجود مسلسل کوشش کے ان کے حسب دلخواہ ملازمت نہ مل سکی تو تنگ آکر فرمایا ، یہ سب سندیں بیکار ہیں ۔ تجوید کی سند رکھ لی اور باقی تمام سندوں میں سے اپنا اور اپنے والد کا نام قینچی سے کتر کر نکال لیا اور تمام سندوں کو پھینک دیا ۔

موصوف جب کبھی کسی مسئلہ پر گفتگو کرنا شروع کرتے تو بڑے عالمانہ انداز سے اور انتہائی خوش دلی اور خود اعتمادی کے ساتھ اظہار خیال کرتے ۔ اس وقت جو چیز سب سے زیادہ عجیب اور اچھی معلوم ہوتی وہ یہ رہتی کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو اس خوبی سے واضح کردیتے تھے ایسا معلوم ہوتا جیسے مسئلہ میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں ۔ نازک سے نازک مسئلہ میں بھی نہایت صاف گوئی سے کام لیتے ان میں یہ کمزوری قطعاً نہ تھی کہ جوابات ایسے ہوں کہ موقع بہ موقع کترا کر نکل جانے کا امکان باقی رہے ۔ کسی مسئلہ پر ان کا محاکمہ بڑے معرکہ کا ہوتا ۔ وہ دوران گفتگو لفاظی سے کام نہ لیتے ۔ صرف مستند دلائل اور حوالے پیش کرتے تھے ۔ کسی مسئلہ میں ان کا فیصلہ اٹل اور قول فیصل ہوتا تھا ۔ شگفتگی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص ان کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتا تھا ۔ موصوف کی عربی اور فارسی کا لوہا خود ان کے استاد ان کی طالبِ علمی کے زمانے میں مانتے تھے ۔ اصل میں وہ اپنے والد کے شاگردِ رشید فرزند اکبر اور صدائے بازگشت تھے ۔ اور حق تو یہ ہے کہ وہ عبدالقدیر ثانی تھے ۔

آپ کو بچوں سے بڑی الفت تھی ان سے اس طور پر وابستہ رہتے جیسے موصوف ان کا کھلونا تھے ۔

شعر وادب کے رنگ و رفتار پر حکیمانہ نظر رکھتے تھے ۔ صفائی اور سلیقہ پسند تھے ۔ کپڑے صاف ستھرے ، قیمتی اور سجل پہنتے تھے ۔ نہایت جامہ زیب تھے ۔ قیمتی سنہرے فریم کی عینک لگاتے تھے ۔ وہ خود اپنی ذات سے ایک انجمن تھے ۔

وفات موت سے کسی کو مفر نہیں ۔ ان کی موت ان کے ہر جاننے والے کیلئے صدمہ عظیم تھی ۔ ان کی ذات سے سب کو بڑی بڑی توقعات وابستہ تھیں ۔ ان کی وفات سے سب کو یہ محسوس ہوا کہ ایک نعمتِ عظمیٰ چھین لی گئی ۔ ان کی موت سے خدا جانے خود موت پر کیا گزری ہوگی ۔

بمقام محبوب آباد ، حال باقر نگر نزد عیدگاہِ جدید تالاب میر عالم اپنی بیوی کے پہلو میں مدفون ہیں ۔ موصوف کا شعر ہے ۔

" اثر باقی ہے بعدِ مرگ بھی جوشِ محبت کا
ہمیشہ جھومتا رہتا ہے سبزہ اپنی تربت کا "

ان کے وصال کے بعد حضرت نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ایک نور کا سمندر ہے جس میں وہ تیرتے چلے جارہے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا " ان کو وہاں اونچا درجہ مل گیا ہے " ۔

جو جگہ ان کی وفات سے خالی ہوئی وہ ابھی تک سونی پڑی ہے ۔

مولوی محمد عبدالرحیم صدیقیؒ

حضرت کے دوسرے صاحبزادے مولوی محمد عبدالرحیم صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ رحیم صاحب عرف تھا ۔ حیرتؔ تخلص فرماتے تھے ۔ تاریخ ولادت ۱۷/ شوال ۱۳۰۸ھ ہے ۔ تمام تر تعلیم والد سے پائی ۔ منشی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات کامیاب کئے ۔ فنِ تجوید کی تعلیم ، قرآن کی روایات اور صحاح ستہ کی مکمل روایت بھی والد ہی سے حاصل فرمائی ۔

جوانی میں برادر معظم مولوی عبدالعزیز صدیقی صاحبؒ کے ساتھ خوب ورزش کرتے کشتی ، پنجہ کشی اور بنوٹ کے خوب مقابلے چلتے کشتی اور بنوٹ دونوں بھائیوں نے والد سے سیکھی تھی ۔ موصوف اکھاڑے کو بھی تشریف لے جاتے تھے ۔ بہترین پیراک تھے کھڑی اچھی لگاتے تھے ۔ پیراکی کے کرتب نہایت صفائی سے دکھاتے ۔ پیراکی کے کمالات میں اپنے شاگرد بھی پیدا کئے تھے ۔ سلک اور دم باعثِ حیرت تھے ۔ نوعمری میں جمناسٹک کے کمالات سے سب کو حیران کردیتے تھے ۔

لیاقت اور ملازمت آپ کا ابتدائی تقرر بحیثیت مدرس یلندو کے مدرسہ پر ہوا ۔ پھر وہاں سے مدرسہ فوقانیہ میدک پر تبادلہ عمل میں آیا ۔ وظیفہ حسن خدمت حاصل کرنے تک بحیثیت مدرس اردو ، فارسی اور دینیات آپ وہیں کارگذار رہے ۔ آپ کی زندگی انتہائی سادہ تھی ۔ آپ میں فرض منصبی کا غیر معمولی احساس تھا ۔ عربی ، فارسی ، اور اردو تینوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی ۔ مذاقِ شاعری بہت بلند تھا ۔ فنی تبحر رکھتے تھے ۔ وہ اشعار ایسے لکھتے تھے کہ پڑھنے والوں کو خود شخصیت سے ربط پیدا کرنے کو جی چاہے ۔ آپ نے اپنے تلامذہ میں علمی طلب پیدا کی ۔ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اپنے گھر پر بھی وقت دیتے تھے ۔ آپ نے ان میں تحمل ، بردباری پاکیزہ سیرت پیدا کرنے کی کوشش کی ان میں خدمت گذاری کا جذبہ اور خود اعتمادی پیدا کی جو انسان کی سیرت کا بڑا گراں قدر پہلو ہے ۔ ان کو صحیح سوچنا پھر اس کے مطابق لکھنا سکھایا ۔ آپ نے ان کو ایسی ایسی باتیں بتائیں جو ان کے لئے نہ صرف نئے راستے کھول دیتی بلکہ ان راستوں پر گرم رفتار ہونا بھی آسان کردیتی ۔ آپ نے ایسے طلباء پیدا کرنے کی کوشش کی جن پر آئندہ ریاست فخر کرسکے ۔ یوں تو آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے جن میں اہل قلم ، ادیب ، انشاء پرداز مقرر اور شاعر سب ہی ہیں ۔ خصوصیت سے قابل ذکر حسب ذیل ہیں ۔ جن کے شامل حال آپ کی فاضلانہ رہنمائی رہی ہے ۔

نامور تلامذہ مخدوم محی الدین (سابق چیرمن کمیونسٹ پارٹی تلنگانہ گروپ) ڈاکٹر عبدالحفیظ قتیلؔ (سابق ریڈر اردو عثمانیہ یونیورسٹی) ڈاکٹر مغنی تبسم (صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی) عبدالرشید قریشی ۔ خواجہ حبیب اللہ ، سلیمان خطیب ، ڈاکٹر ولی الدین (سرجن) خود آپ کے فرزند ڈاکٹر عبدالعلیم صدیقی ارمانؔ وغیرہ ۔

آپ میدک میں برسوں رہے اور وہاں کے لوگوں کے لئے علم و معرفت اور خیر و برکت کا سرچشمہ بنے رہے ۔ وہاں کے مسلمانوں کو بے جا رسوم ، توہمات ، کوتاہ نظری ، کوتاہ قلبی اور جہالت کے دلدل سے نکالا ۔ ان میں روشن خیالی پیدا کی ۔ ان کو شرافت ، قابلیت ، دیانت ، محبت و مروت ، اخلاص وللہیت جیسے صفات کی طرف متوجہ کیا ۔ ان کی حتی الامکان تربیت فرمائی ۔ ان کو نہ صرف انسان بنایا بلکہ مسلمان بنایا ۔

آپ کا نام بڑی عزت و محبت سے لیا جاتا تھا ۔ آپ کی بزرگی کا دور دور شہرہ تھا ۔ مستقر میدک اور اطراف کے تعلقہ جات کے لوگ سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے مرید ہوئے جب آپ شہر حیدرآباد میں سکونت پذیر ہوئے تو یہاں بھی مریدی کا سلسلہ جاری وساری رہا ۔

آپ کے مرید نماز روزے کے سختی سے پابند ہیں ۔ ذاکر شاغل ہیں صاحب نسبت ہیں ۔

منکسر المزاج

مولوی عبدالعزیز صاحب کے جوانی میں لاولد فوت ہوجانے سے عام طور پر لوگ آپ ہی کو فرزند اکبر خیال کرنے لگے تھے ۔ مولوی عبدالرحیم صاحب اسم بامسمیٰ تھے ۔ آپ کی طبیعت میں جو فروتنی تھی جو انکسار تھا اس سے آپ کی عظمت اور بزرگی کا اندازہ ہوتا تھا ۔ آپ کی بے داغ زندگی ، خشیت خداوندی ، اخلاق حسنہ ، اخلاص و للہیت کی بناء پر لوگ آپ کو ماں پیٹ کا ولی ماننے پر مجبور تھے ۔ خاندان کے اکابرین تو آپ کو ماں پیٹ کا ولی برملا کہتے تھے ۔ آپ بچپن سے نہایت زیرک زود فہم ، باریک بین اور حساس واقع ہوئے تھے ۔ معاملہ فہمی بھی کچھ کم نہ تھی ۔ فطرتاً نہایت خاموش اور قناعت پسند تھے ۔ آپ کی زندگی میں دین و دنیا متوازن طریقہ سے سموئے ہوئے تھے ۔ آپ کے کردار سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی ۔ اللہ نے آپ کو اچھی صورت اور اچھی سیرت عطا کی تھی ۔ چہرے کی نورانیت اور جاذبیت ناقابل فراموش ہے ۔ حج و زیارت کے موقع پر مدینہ منورہ میں ایک مدنی عرب نے آپ کو دیکھ کر پوچھا تھا کہ " کیا آپ اصحاب رسول میں سے ہیں " ؟ آپ اپنے والد سے حد درجہ مشابہ تھے ۔ ضعیفی میں تو مشابہت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی ۔ حضرت بحرالعلوم کے وصال کے بعد پیر نجم الدین گیلانیؒ نے اپنی تشریف فرمائی کے موقع پر ایک مقام پر سب کو ملاقات کا جو موقع عنایت فرمایا تھا ، اس اجتماع میں حیدرآباد کے بیشتر علماء و مشائخین بھی موجود تھے ۔ پیر صاحب کی نظر مولوی عبدالرحیم صاحب پر پڑی تو بے چین ہوگئے ۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مشائخین کو مخاطب کرکے فرمایا " ذرا دیکھو ! مولانا عبدالقدیر نے کیسا پٹھا تیار کرکے چھوڑا ہے ۔ ان کو قریب بلاؤ " ۔ اور پیر صاحب نے موصوف کی طرف ہاتھ پھیلادیئے ۔ لوگوں نے دیکھا تو فوراً راستہ بنا دیا ۔ موصوف جب قریب پہنچے تو پیر صاحب نے آپ کے دونوں ہاتھ لے کر سر پر رکھ لئے موصوف نے اپنے ہاتھوں کو روکنا چاہا تو پیر صاحب نے فرمایا " رحیم صاحب میں تم کو حکم دیتا ہوں میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے دعا دو ، میرے لئے دعا کرو " ۔ مجبوراً حکم کی تعمیل کرتے بنی ۔ پیر صاحب نے فرمایا " اگر یہ بات میرے علم میں پہلے سے نہ ہوتی کہ مولانا نے وصال فرمایا ہے تو میں آپ کو دیکھ کر مولانا کا دھوکا کھاتا " ۔

حضرت کے پاس ایک جیبی گھڑی تھی وہ حضرت کو بیحد پسند تھی ۔ حضرت نے موصوف سے فرمایا " رحیم صاحب یہ گھڑی مجھے بیحد پسند ہے " اور ان کو عنایت فرمادی ۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ موصوف کی شادی ہوکر چند دن ہوئے تھے ۔ یہ ان کی جوانی کا واقعہ ہے ۔ باوا کی عطا کردہ اور پھر پسندیدہ گھڑی ان کو کیا کچھ نہ محبوب ہوگی ۔ کچھ عرصہ گذرنے پر حضرت کے پیر و مرشد خواجہ میاں صاحب قبلہ کی درگاہ واقع قاضی پورہ انیسویں کی محفل میں شرکت کے خیال سے جانے لگے ۔ چارمینار کے قریب پہنچے تو باطناً حکم ہوا " یہ گھڑی اس فقیر کو دے دو ۔ " دل ہی دل میں جواب دیا " باوا جان کی نئی عطا کردہ گھڑی ہے میں نہیں دیتا " راستہ بھر یہی ہوتا رہا گھڑی اس کو دے دو ، اس کو دے دو ۔ گھڑی بچا کر درگاہ ، محفل میں پہنچے محفل سماع گرم تھی ۔ حکم کی تعمیل نہ کرنے کا تاسف شروع ہوا ۔ ضمیر نے ملامت شروع کی کہ تمہارے دل میں تو گھڑی کی محبت بسی ہے تم کو خدا کی محبت سے کیا واسطہ ایک جذبہ بے اختیار اٹھا دل ہی دل میں اپنے رب سے عرض کیا " اب آگیا تیرے حکم میں ، اب تو جو حکم دے حاضر ہوں " محفل سماع تو برپا تھی ہی موصوف پر سخت کیفیت طاری ہوئی ۔ پھر حکم ہوا " گھڑی نذر کر دو " ۔ فوراً اٹھے تعمیل حکم میں گھڑی نکالی اور اپنے والد کے سامنے بطور نذر پیش کردی ۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے گھڑی لی اور مطابق قاعدہ حضرت یحییٰ پاشا سجادہ نشین کے سامنے پیش فرمادی ۔ اور گھڑی قوال کو پہنچ گئی ۔ پھر حکم ہوا ٹوپی دے دے ، اتار کردیدی ۔ شیروانی دیدے ، نذر کردی ۔ کرتا دیدے ۔ اتار کر دے دیا ۔ پاجامہ دیدے ، رومال باندھ کر اس حکم کی بھی تعمیل کردی ۔

اہلِ محفل کو یکساتھ خیال گزرنے لگا کہ اب ان کو خلافت سے سرفرازی ہوتی ہے۔ حضرت یحییٰ پاشا کو باطناً حکم ہوا ان کو خلافت سے سرفراز کرو انھوں نے باطناً عرض کیا خود ان کے باوا محفل میں موجود ہیں یہ حکم تو ان کو ملنا چاہئیے تھا۔ اسنے میں یحییٰ پاشا نے دیکھا کہ حضرت نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر ان کے سامنے پیش کیا ہے اور فرمارہے ہیں " پاشا اپنے ہاتھوں سے پہنا دینا " چنانچہ حضرت یحییٰ پاشا نے حضرت کے فرمانے پر اپنے ہاتھوں سے موصوف کو پہنا دیا۔ بعد میں موصوف نے فرمایا " باوا جان کا عمامہ سر پر آتے ہی صرف اتنا تو یاد رہا کہ مجھے باوا جان نے خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو خود کو اس طرح دیکھا کہ سر سے پاؤں تک بس خواجہ ہی خواجہ (یعنی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ)۔ بعد میں حضرت نے فرمایا " رحیم صاحب کی خلافت مستند ہے "۔

خلافت سے سرفراز ہونے سے کچھ پیشتر اللہ کی صمدیت موصوف کے نظر ہوئی تو رات دن یہ خیال شدت اختیار کرگیا کہ میں کیسا بخشا جاؤں گا۔ خشیت خداوندی طاری ہوگئی۔ جینا دوبھر ہوگیا۔ ایک دن روتے گڑگڑاتے سجدہ میں سر رکھ دیا پھر کچھ خبر نہ رہی۔ جب ہوش آیا تو اطمینان تھا سکون تھا۔ اس کیفیت کا حضرت سے تذکرہ ہوا تو فرمایا " رحیم صاحب اللہ کی خشیت میں فنا ہوگئے۔

حضرت کا ارشاد ہے " کمال یا جلال سے متاثر ہونے کا نام خشیت ہے۔ جتنا اللہ کو سمجھے گا اتنا زیادہ ڈرے گا۔ ع جس بُت پہ ہم کو ناز ہے وہ بے نیاز ہے۔ خوف سے توبہ نصیب ہوتی ہے اور خشیت سے قرب "۔

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا " فنا موت کے برابر ہے مگر موت میں حُضور نہیں اور فنا میں حضور ہی حضور ہے۔ جب سالک اس حد کو پہنچ جائے تو ولی کا نام اس کے لئے مسلم ہوجاتا ہے۔ جب تک فنائیت نہ آئے وہ ولی نہیں ہوتا۔ خواہ یہ فنائیت کی حالت اسے ایک منٹ کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔ فنائیت اگر لمبی ہو تو وہ مجذوب ہوجاتا ہے۔ جب وہ فنائیت کے بعد ہوش میں آجائے تو اس کا سلوک پورا ہوگیا۔

مولوی عبدالرحیم صاحب اللہ تعالیٰ سے اکثر دعا کیا کرتے تھے " مفت میں پیدا کیا۔ مفت میں کھلا پلا رہا ہے۔ بس مفت ہی میں بخش دے "۔

ایک مرتبہ فرمایا " بڑی بڑی باتوں کی غریب حیرت کو حاجت نہیں۔ باوا کے وارن پھیرن میں جی گیا تو بس ہے "۔ ہمیشہ دعا کیا کرتے " باوا کے نقشِ قدم پر چلادے۔ ان کا نقشِ قدم بنادے "۔

ایک مرتبہ آثارِ مبارک کی برآمدی کے موقع پر سرکار دو عالمؐ کے آثار مبارک کی شیشی حضرت کے ہاتھ میں تھی اور سب کو زیارت کرا رہے تھے۔ نہ معلوم کیا بات ہوئی سینکڑوں کے مجمع میں موصوف پر حضرت خفا ہونے لگے۔ رحیم پاشا صاحب سامنے کھڑے تھے۔ سر جھکاتے جاتے، اپنے کان پکڑتے جاتے۔ دوسرے دن میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا " باوا رحیم صاحب کو کل میں سخت سست کہہ دیا ان کو برا معلوم ہوا ہوگا۔ تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو وہ مجھے معاف کردیں "۔ میں حسب الحکم موصوف کی خدمت میں پہنچا اور حضرت کا پیام پہنچایا تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور فرمانے لگے " میرا باوا کے سوا ہے کون ؟ میں جیسا بھی ہوں ان کا ہوں۔ ان کا غصہ بھی میرے سر آنکھوں پر ہے۔ میرے دل میں ناگواری کا خطرہ تک نہیں گزرتا۔ باوا کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارک تھے اس لئے آخرت کا خیال کرکے لرز گیا "۔ پھر فرمایا " باوا مجھے معاف کرو فرمائے، باوا مجھے معاف کرو فرمائے " بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ میں نے عرض کیا آپ حضرت کے محبوب ہیں حضرت آپ سے ہرگز ناراض

نہیں ہوسکتے ۔ یہ سن کر فرمایا " دولہے میاں ! باوا کو کیا سمجھے بڑے زنکھار ہیں ، بے نیاز ہیں ۔ سابقہ پڑے تو معلوم ہو ۔ حیرت غریب کس شمار میں ہے "۔

حضرت نے درس میں ارشاد فرمایا تھا " رحیم صاحب میرے پاس سب سے زیادہ اہم ہیں ۔ چنانچہ ناسازی طبیعت کی بناء پر جس دن موصوف مجبوراً حاضر نہیں ہوسکتے تو اس روز حضرت درس ملتوی فرمادیتے ۔ ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا " باوا ! میں یہ چاہتا ہوں کہ رحیم صاحب کے پنجے سے کوئی نکل نہ سکے ۔ معمولی سے معمولی لغزش پر سخت تنبیہ کرتا ہوں ۔ میرے بعد ان کو میرا کام کرنا ہے "۔ میں نے عرض کیا حضرت یہاں تو ایک زبردست کارخانہ ہے ۔ حضرت نے ناگواری سے فرمایا " کارخانہ ؟ شاہی ہے شاہی "۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا " میں رحیم صاحب کو بڑوں میں دیکھنا چاہتا ہوں ، مگر ان پر محویت غالب رہتی ہے ۔ مجھے دیکھو میں ہر طرف سے ہوشیار ہوں ان کو ہر وقت ہوشیار کرتا جاتا ہوں "۔

کبھی حضرت کے سامنے صاحبزادوں اور خلفاء کے تعلق سے اظہار خیال کیا جاتا اور رحیم پاشاہ صاحب کا بھی نام لیا جاتا تو حضرت کو ناگوار گذرتا ۔ فرماتے " رحیم صاحب کو دوسروں کے ساتھ کیوں ملاتے ہو ؟ رحیم صاحب الگ ہیں رحیم صاحب کے جیسا ایک نہیں ہے "۔

مدرسہ فوقانیہ میدک سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوجانے کے بعد جب موصوف مستقلاً شہر میں منتقل ہوگئے تو " جامع مسکن " واقع مچھلی کمان میں قیام پذیر ہوئے ۔ حضرت " مدینہ منزل " واقع کالا ڈیرہ ملک پیٹھ میں تشریف رکھتے تھے ۔ موصوف روزانہ شام میں مچھلی کمان سے ملک پیٹھ اپنے والد کی خدمت میں پیدل تشریف لیجاتے ۔ رات میں ان کی خدمت میں حاضر رہتے ۔ جس طرح بن پڑتا ان کو آرام پہنچاتے ۔ اور بعد نماز فجر صبح کے درس میں جو آپ ہی کی خاطر حضرت نے بطور خاص شروع فرمایا تھا شریک رہ کر گھر لوٹتے ۔ تقریباً پندرہ سولہ سال آپ نے اپنے اس طریقہ عمل کو جاری رکھا ۔ گرمی ہو ، جاڑا ہو ، برسات ہو آپ کے اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا ۔ آپ کے اس معمول میں تبدیلی صرف اس وقت ہوتی جب کہ آپ ناسازی طبع کی وجہ سے باہر نکلنے سے معذور ہوتے ۔

حضرت کے وصال سے تقریباً تین ماہ پیشتر رات میں حضرت کو سخت اختلاج ہونے لگا ۔ فرمایا رحیم صاحب کو بلاؤ " اس وقت موصوف دالان میں استراحت فرمارہے تھے ۔ سنتے ہی حاضر خدمت ہوئے ۔ ان سے حضرت نے فرمایا " رحیم صاحب تم میرے بازو لیٹ جاؤ اولاد سے بھی راحت پہنچتی ہے ۔ چنانچہ موصوف تخت پر چڑھ کر اپنے والد کے بازو دیوار کی جانب لیٹ گئے ۔ عبدالرحیم صاحب اپنے والد سے بیس سال چھوٹے تھے ۔ اس وقت حضرت کی عمر شریف کا ترنواں (۹۳) سال ختم ہوکر چند روز ہوئے تھے ۔ اور موصوف کا سن ۷۳ سال تھا ۔ تخت پر دونوں کو بازو بازو لیٹا دیکھا تو بے اختیار حضرت کا یہ شعر پیش نظر ہوگیا ۔

ایک صورتیا میں دو دو مورتیا

کون مولا کون بندہ میں کیا جانوں

مجھے تو یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ رحیم پاشا صاحب کو جیسا کہ حضرت نے پیشتر فرمایا تھا بڑوں میں دیکھنے کے خیال سے ان کی حیات کا سامان کررہے ہیں اور ان کی روح میں وہ طاقتیں بہم پہنچارہے ہیں کہ آئندہ پڑنے والے بار کی تاب لاسکیں ۔ موصوف کتنی دیر تک اپنے والد سے لگے ہوئے لیٹے رہے ۔ جب حضرت نے ان سے فرمایا " مجھے اب سکون ہوگیا " تب وہ اٹھے اور حضرت کی اس عنایت پر قدم بوسی حاصل کی ۔ اور اپنی جگہ واپس ہوئے ۔

حضرت کی بیانویں (۹۲) سالگرہ کے موقع پر دورانِ سماع برادرم مولوی وقار الدین صدیقی وقارؔ کے اشعار " صندل لگاؤں تجھے اومرے ہریالے بنے " جب قوال نے پڑھنا شروع کیا تو حضرت اپنی گدی پر رحیم پاشا صاحب کو بیٹھنے کا اشارہ فرماکر خود اپنے حجرہ میں تشریف لیجانے کے لئے اٹھے اور خادمین کے سہارے تشریف لے گئے ۔ رحیم پاشا صاحب کو حضرت کی مسند پر رونق افروز دیکھ کر اہل محفل میں دو قسم کے تاثرات پیدا ہوئے ۔ ایک تاثر تو یہ پیدا ہوا کہ حضرت نے اس طرح موصوف کی جانشینی کا اعلان فرمایا ہے ۔ اور دوسرا تاثر ساتھ ہی یہ پیدا ہوا کہ حضرت کے وصال فرما جانے کے بعد ہم سب کا کیا حال ہوگا ۔ بس ایک قیامت برپا ہوگئی اور گریہ گلوگیر ہوگیا ۔ سب نے دیکھا کہ علی پاشا صاحب نذر لے کر برادرِ مکرم کی طرف بڑھ رہے ہیں ۔ ابھی وہ نذر پیش کرنے نہ پائے تھے کہ محی الدین پاشا صاحب نے پیش قدمی کی اور نذر پیش کردی ۔ ساتھ ہی علی پاشا صاحب نے نذر گذرانی ۔ دونوں بھائیوں کے نذر پیش کرنے کے بعد وابستگان نے نذر پیش کرنی شروع کی اور یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہا ۔ اتنے میں محفل میں پھر ہل چل پیدا ہوئی ۔ حضرت کی دوبارہ محفل میں رونق افروزی ہوئی ۔ کسی نے رحیم پاشا صاحب سے کہہ دیا کہ حضرت یاد فرما رہے ہیں ۔ وہ مسند سے اٹھے اور حضرت کے قریب پہنچے تو حضرت نے جواب طلب کرنے کے انداز میں ان سے فرمایا " تم گدی سے اٹھے کیوں ؟ میں بٹھا کر گیا تھا " ۔ حضرت گدی پر تشریف فرما ہونے لگے تو میں نے بڑھ کر قوال سے کہا کہ وقارؔ کی نعت " آیا بنا آیا ہریالہ " شروع کر ۔ نعت کے شروع ہوتے ہی رنگ محفل پھر بدل گیا ۔

محفل کے اختتام کے بعد حضرت اپنے حجرہ شریف میں جب تشریف فرما ہوئے تو فرمایا " آج رحیم صاحب کی جانشینی تھی اور سب کا امتحان تھا " ۔ پھر نذروں کی تفصیل سنی ۔ علی پاشا صاحب نے نذر دینے میں جو پہل کی تھی اس پر بیحد خوشی کا اظہار فرمایا ۔

حضرت کے وصال کے بعد زیارت کے موقع پر حضرت کی جانشینی کی تقریب بھی حسب قاعدہ نظام العمل میں شامل تھی ۔ " صدیق گلشن " میں ہزاروں کا مجمع تھا ۔ حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہؒ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت فقیر پاشا جو حضرت کے بڑے داماد اور مرشد زادے تھے جانشینی کی رسم کی ادائی کے سلسلہ میں بطور خاص مدعو تھے ۔ جب جانشینی کی رسم کی ادائی کا وقت آیا تو حضرت رحیم پاشا صاحب اٹھے اور اندر جاکر کپڑے تبدیل کئے اور اپنے والد کے کپڑے زیب تن کر کے عمامہ اور شاہا طلب فرمایا ۔ بھائیوں نے حاضر ہوکر عرض کیا ۔ " جانشینی کی رسم کی ادائی کے سلسلہ میں حضرت کی گدی کے قریب رکھا گیا ہے ، موصوف نے فرمایا " مجھے باوا جان خود بحیثیت جانشین اپنی گدی پر پہلے ہی بٹھا چکے ہیں " ۔ فوراً عمامہ اور شاہا لایا گیا اور خدمت میں پیش کردیا گیا ۔ آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے عمامہ باندھا اور شاہا پہن کر محفل میں تشریف لائے اور اپنے والد کی مسند پر خود رونق افروز ہوگئے ۔

علی پاشا صاحب نے حضرت کے سارے وابستگان کی جانب سے پراثر تقریر فرمائی اور آخر میں اعترافاً عرض کیا کہ " ہم سب خادم اب آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور وعدہ کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ آپ کے بھی اسی طرح مطیع اور فرماں بردار رہیں گے جس طرح ہم سب حضرت کے مطیع و فرمانبردار رہ چکے ہیں " ۔ اس کے بعد علامتی نذر پیش فرمائی اور جانشین عبدالقدیر کی حضرت فقیر پاشا کے ہاتھوں گل پوشی عمل میں آئی ۔ محفل سماع شروع ہوئی " بر تو ایں محفلِ شاہانہ مبارک باشد " کے اشعار پڑھے جانے لگے ۔ افرادِ خاندان اور اہلِ سلسلہ نے گلپوشی شروع کی اور نذریں پیش کیں ۔ یہ سلسلہ گھنٹوں چلتا رہا ۔

اختتام محفل پر حضرت فقیر پاشا نے اس بات پر اظہار حیرت فرمایا کہ " رحیم صاحب برسوں اضلاع پر رہے مگر وہ نذر لیتے وقت ہر شخص سے اس کے لائق محبت و شفقت کا اظہار کر رہے تھے اور اس کو حسب حال دعا دے رہے تھے اپنے والد کے مریدوں سے پوری طرح سے

ان کی واقفیت کا مجھے اندازہ ہوا تو خوشی کے ساتھ ساتھ مجھے انتہائی حیرت بھی ہوئی"۔

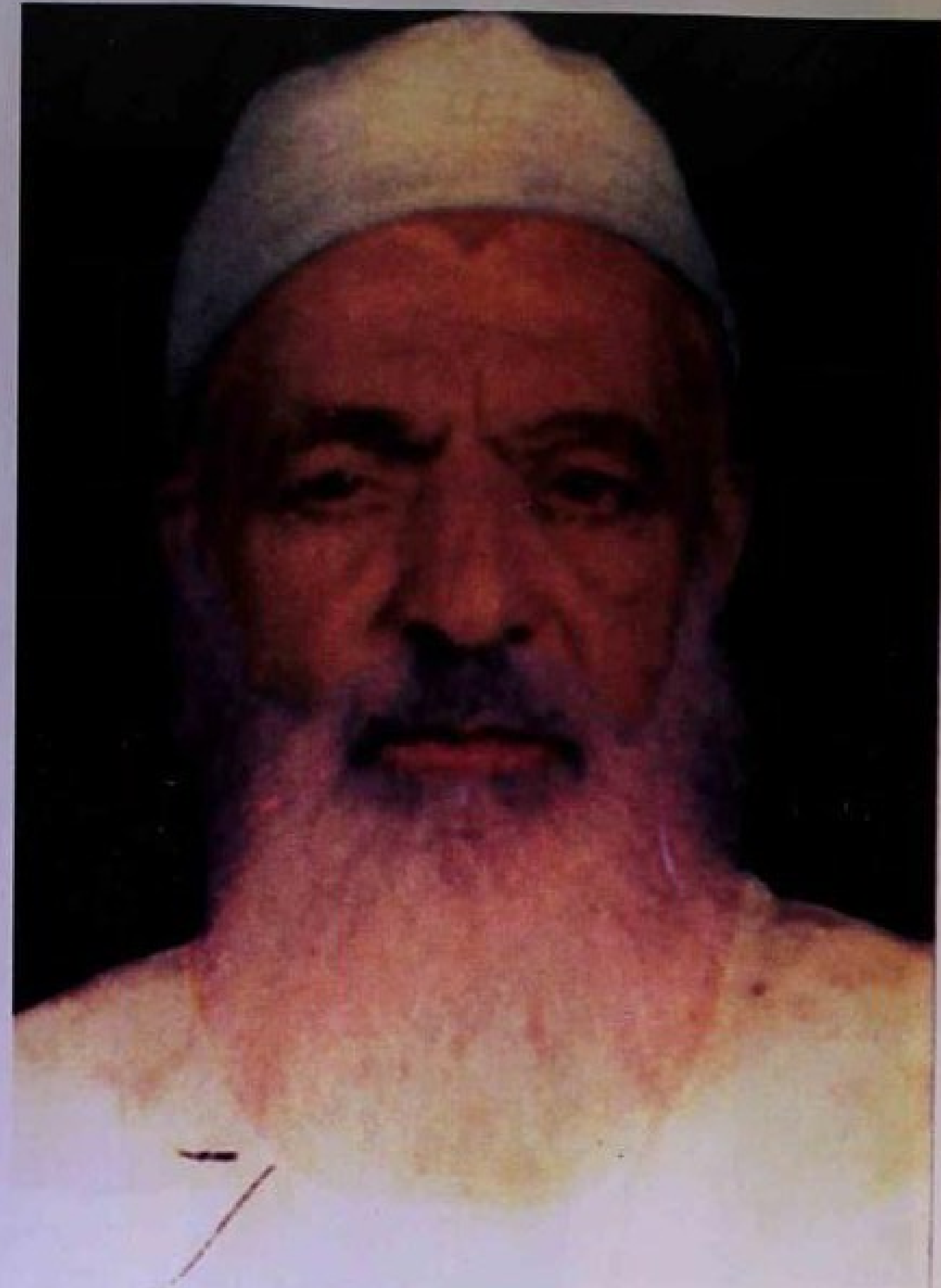
من تو شدم تو من شدی ایک مرتبہ رحیم صاحب نے درس میں دوسروں کے ساتھ خود بھی حضرت کی تعریف کرنی شروع کی۔ حضرت نے ان سے فرمایا "میں تم کو بار ہا تاکید کر چکا ہوں کہ تم میری تعریف نہ کیا کرو۔ تمہارا میری تعریف کرنا مجھے پسند نہیں آتا۔ مجھے اس طرح محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے منہ سے اپنی تعریف آپ کر رہا ہوں"۔ پھر دوسروں سے مخاطب ہو کر فرمایا "میری تعریف بھی کرو تو اعتدال سے کرو۔ تعریف دراصل عطایائے الٰہی کی ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی تعریف میں غلو کو گنجائش نہیں۔ جتنی بھی تعریف کرو کم ہے۔ اور خدا تو وہ ہے جس نے ان کو بھی پیدا کیا اس کی تعریف ہی کیا ہو سکتی ہے"۔ اس کے بعد اپنے سر پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا "پھیلتا جا رہا ہوں" پھر فرمایا "سمٹا تو دل عاشق پھیلا تو زمانہ"۔

اوصافِ حمیدہ مولوی عبدالرحیم صاحب کی شخصیت اتنی جامع اور متنوع تھی کہ وہ ہر موضوع اور مواقع سے اس خوبی سے عہدہ برا ہوتے کہ ان کی صحبت میں جی لگتا اور کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ فلاں کمی ہے جسے پورا کرنے کے لئے کسی اور کو ڈھونڈنا چاہیئے۔ آپ گفتگو مسکرا کر کرتے تھے۔ لہجہ ہمیشہ نرم، پروقار یا شگفتہ ہوتا تھا۔ موصوف کی صحبت سے کوئی اٹھتا تو اس کو معلوم ہوتا کہ اس نے کوئی اچھی بات سیکھی، یا کوئی نیا حوصلہ اور اچھا جذبہ اس میں پیدا ہوگیا۔ کوئی پریشان و مایوس آیا تو آپ کے یہاں سے بشاش اٹھا۔ رنج یا غم لے کر آیا تو آپ کی باتوں سے اس کا غم غلط ہوگیا۔ ہر شخص محبت و احترام کے جذبات لے کر آتا اور مطمئن و مسرور واپس جاتا۔ جس سے آپ کی طبیعت نہ ملتی کبھی اس کی ہمت ہی نہ ہوتی کہ آپ کی صحبتوں میں بیٹھ سکے۔ کبھی دنیا سازی کی خاطر کسی کی تالیف قلب نہ کی۔ کسی سے مرعوب ہونا جانتے ہی نہ تھے۔ کسی کے علم سے، نہ کسی کی دولت سے، نہ کسی کے اقتدار سے۔

رات بھر بظاہر سوتے نظر آتے مگر جاننے والے ان کے خراٹوں سے خوب سمجھتے تھے کہ سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں۔ رات رات بھر ذکرِ الٰہی میں رہتے، حبس دم کرتے جاتے۔ نیند کی اس کمی کو دن کے کسی حصہ میں پورا کرتے نہیں پائے گئے۔ یہ خود بھی کچھ کم خرق عادت نہیں ہے۔ گھنٹوں نماز فجر کے بعد دعاؤں میں مصروف رہتے ایک نشست پر بیٹھے بیٹھے پاؤں شل ہوجاتے۔ مگر اس کا احساس ان کو اس وقت ہوتا جب وہ اٹھنا چاہتے۔ درود کثرت سے پڑھتے تھے۔

حضرت کی جانشینی قسامِ ازل نے روزِ اول سے آپ کے حق میں دی تھی، وہ پوری ہو کر رہی۔ اپنے والد کے ہزارہا مریدین کو سنبھالے رہنا، ہر ایک کو حضرت کے انداز کی محبت دینا اور اسی شفقت سے پیش آنا، حضرت کی مقرر کردہ محافل کو اسی شان سے اپنے انتقال تک جاری رکھنا اور سب کو مرکز پر مجتمع رکھنا واقعتاً آپ کا حصہ تھا۔ گویا آپ کی حیات حضرت کی حیات کا تتمہ تھی۔ آپ کو اپنے والد اور مرشد سے جو عشق تھا وہ نظام و خسرو کی یاد تازہ کرتا تھا۔ آپ کے منقبتی اشعار جو آپ نے اپنے والد کی شان میں لکھے ہیں اس بات پر دلیل روشن ہیں۔

مولوی عبدالرحیم صاحب ہر بات استفتاءِ قلبی کے انداز میں اپنے والد سے پوچھ پوچھ کر کرتے تھے۔ بعض وقت اظہار کر دیتے کہ باوا اس طرح فرمائے۔ بعض موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی ذاتِ اقدس سے رجوع کرتے اور حکم حاصل کر کے عمل کرتے۔ بعض وقت بے اختیار اظہار فرما دیتے کہ میں حضور کی طرف متوجہ ہوا تو حضور نے فرمایا "کیا ہے عرب کے بیٹے" اور اس بات پر فخر محسوس کرتے کہ حضور نے مجھے عرب کے بیٹے کہہ کر مخاطب فرمایا۔ آخر زمانہ میں تو ہر بات حضورؐ سے پوچھ پوچھ کر اجازت حاصل کر کے کرتے تھے۔



حضرت محمد عبدالرحیم صدیقی حیرتؔ فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ
جانشینِ اوّل



حضرت ابوتراب علی صدیقی خاکی فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ
جانشینِ دوّم



حضرت ابوالقاسم محمد بادشاہ صدیقی مسلّم فرزند و خلیفۂ بحر العلومؒ
جانشینِ سوم



حضرت حسین شجاع الدین صدیقی عزتؔ فرزند و خلیفۂ بحر العلومؒ
جانشینِ چہارم



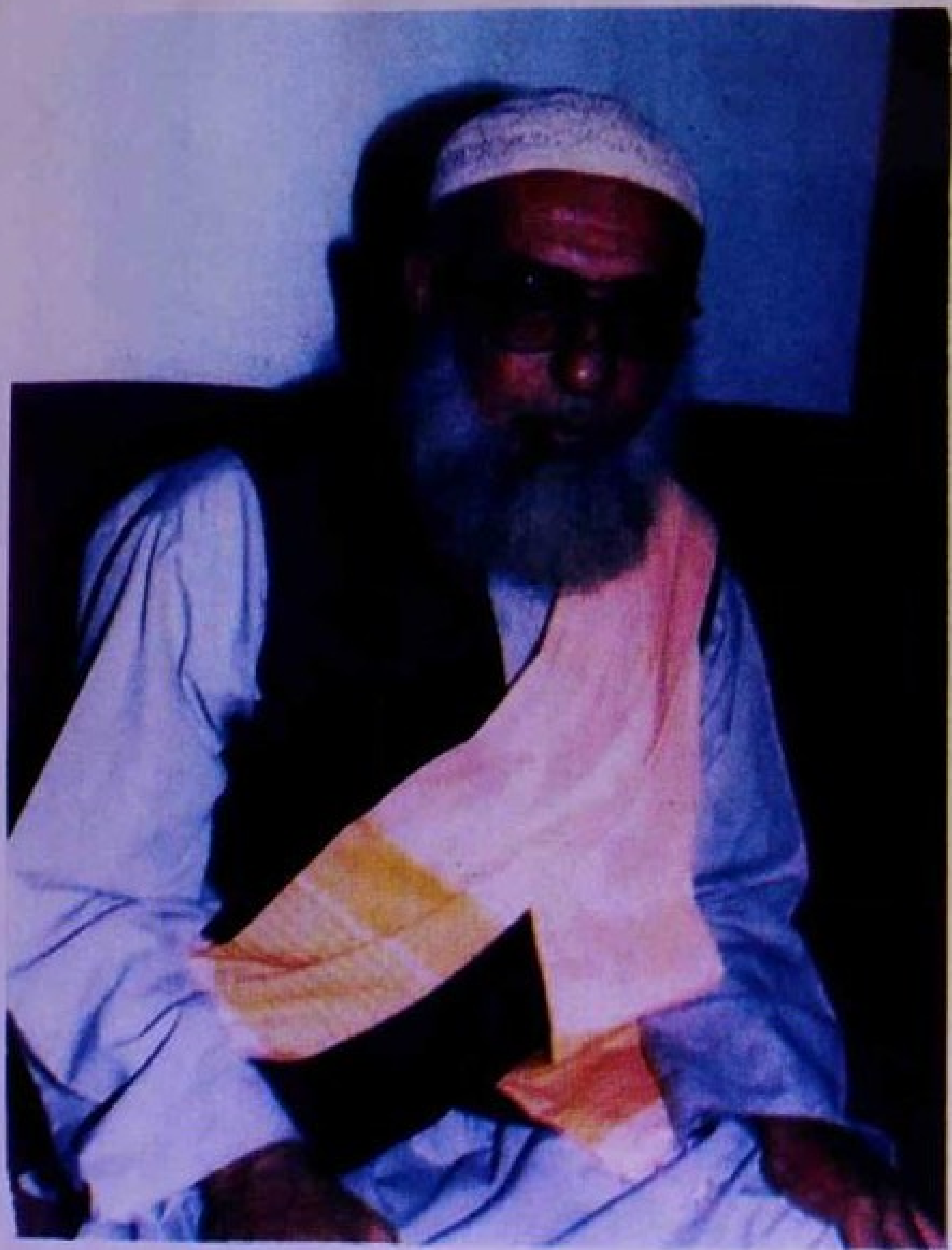
حضرت حسن محی الدین صدیقی غیرتؔ
فرزند و خلیفۂ بحر العلومؒ



حضرت ڈاکٹر مولٰی عبدالرحمٰن صدیقی
فرزند و خلیفۂ بحر العلومؒ



حضرت احمد عبدالشکور صدیقی
فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ



حضرت غوث محی الدین صدیقی فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ
جانشینِ پنجم

آپ کی زوجہ محترمہ حیدری بیگم صاحبہ آپ کے ماموں اور حضرت کے عم زاد بھائی مولانا احمد حسین صدیقی کی صاحبزادی تھیں۔ موصوفہ کا شمار بلا مبالغہ ان خواتین میں تھا جن کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کی خواتین کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

وفات — آخر عمر میں حضرت عبدالرحیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی صحت گرنے لگی تھی عمر کا تقاضہ تھا۔ اسی (۸۰) سال پورے کرنے چند روز باقی تھے۔ ماہ صیام شروع ہوا تو گھر والوں کے اصرار کے باوجود روزے رکھنے سے باز نہ آئے۔ طبیعت زیادہ نڈھال ہونے لگی تب بھی روزے نہ چھوڑے پچیس (۲۵) روزے پورے کرنے کے بعد ایک ہاتھ اور ایک پاؤں پر فالج ہوا تو روزے ترک کرنے پر مجبور ہوگئے۔ دوران ماہ صیام اپنی چھوٹی صاحبزادی کلثوم بیگم سے رازدارانہ انداز میں فرمایا کہ "بیٹے اس سال ہماری دو عیدیں ہیں۔ ایک یہاں کی اور دوسری وہاں کی"۔ چنانچہ عین عیدالفطر کے روز بعمر ۸۰ سال یکم شوال ۱۳۸۸ ھ بوقت عصر بال بچوں کو خدا کے حوالے کرکے اپنے والد کے پاس بارگاہِ محبوب رب العالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہمیشہ کے لئے جا پہنچے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوا گویا حضرت نے آج ہی وصال فرمایا ہے۔ بمقام "صدیق گلشن" اپنے والد ماجد کے راست پائین میں مدفون ہوئے۔

آل و اولاد — آپ نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں چھوڑیں۔ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔
(تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی ابوتراب علی صدیقیؒ

حضرت کے تیسرے صاحبزادے مولوی ابوتراب علی صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ علی پاشا عرف تھا۔ خاکیؔ تخلص فرماتے تھے۔ تاریخ ولادت ۱۱ شوال ۱۳۲۳ ھ ہے۔ بچپن سے نہایت ذہین اور حق گو رہے۔ حضرت کے صاحبزادوں میں کالج میں حضرت کے شاگرد رہنے کا شرف صرف آپ کو حاصل رہا۔ انٹرمیڈیٹ کے دور میں جامعہ ازہر کے علماء کا ایک وفد بغرض معائنہ جامعہ عثمانیہ بھی آیا تھا۔ اتفاق کی بات ہے انٹرمیڈیٹ میں حضرت کے موصوف ہی واحد شاگرد تھے۔ جامعہ ازھر کے ایک عربی کے پروفیسر حضرت سے اجازت لے کر کلاس میں آئے اس وقت موصوف حضرت سے ترمذی شریف کا درس لے رہے تھے اور عربی متن نہایت روانی کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ معائنہ کنندہ پروفیسر غور سے سننے لگے۔ پڑھنے کی روانی، لہجہ اور صحیح پڑھنے کی بناء پر ان کو گمان ہوا شاید کتاب معرب ہے۔ وہ قریب پہنچے، انھوں نے کتاب کو دیکھا۔ متن پر اعراب لگے ہوئے نہیں تھے۔ وہ متعجب ہوئے اور مسلسل سننے لگے۔ تقریباً آٹھ صفحات سننے کے بعد انھوں نے حضرت سے سوال کیا کہ "کیا یہ بچہ عرب ہے؟ حضرت نے جواب دیا "یہ میرا بچہ ہے" پروفیسر صاحب کی حیرت خوشی میں مبدل ہوگئی اور فرط مسرت سے انھوں نے کہا "کیوں نہ ہو آپ کا بچہ ہے"۔

شادی پھر ملازمت — بی۔ اے کامیاب کرنے کے بعد آپ کی شادی کردی گئی۔ آپ کو ساتھ ہی ایم۔ اے کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ تین بچے ہوجانے تک اپنے والد کے زیرِ پرورش رہے۔ بالآخر آپ نے فطری مناسبت کی بناء پر محکمہ تعلیمات میں ملازمت کے لئے درخواست دے دی۔ چنانچہ آپ کا تقرر ابتداءً منصری پر مریال گوڑہ کے وسطانیہ مدرسہ پر کردیا گیا۔ بعد ازاں محبوب نگر کے وسطانیہ مدرسہ پر مستقل جائداد پر تبادلہ عمل میں آیا۔ ساتھ ہی آپ نے ڈپ ایڈ بھی کرلیا۔ محکمہ کے معائنہ کنندہ افسروں کو آپ کی صلاحیتوں اور انتظامی قابلیت کا اندازہ ہوا تو آپ کو وسطانیہ کی صدر مدرسی دی گئی۔ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں، محنت اور کارکردگی کی بناء پر آپ نے پانچ وسطانیہ مدرسوں کو یکے بعد دیگرے فوقانیہ تک پہنچایا۔ آپ میں خوبی یہ تھی کہ آپ کو کام کرنا بھی آتا تھا اور کام لینا بھی آتا تھا۔

ملازمت کے دوران حضرت کے توجہ دلانے پر آپ نے ایم اے بھی کرلیا ۔ وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہونے سے چند سال پیشتر آپ نے اپنے والد کی کبر سنی اور خدمت گذاری کے جذبہ کے تحت شہر میں تبادلہ کے تعلق سے محکمہ میں درخواست دی ۔ چنانچہ آپ کا تبادلہ شہر حیدرآباد کی مشہور و معروف قدیم درسگاہ مدرسہ فوقانیہ دارالعلوم پر بحیثیت مددگار کردیا گیا ۔ آپ نے اسی مدرسہ سے وظیفہ حسنِ خدمت حاصل فرمایا ۔

روایتِ حدیث حضرت کے دولت خانہ پر صبح کے خصوصی درس میں جو بعد نماز فجر شروع ہوکر تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے ختم ہوتا تھا ۔ حضرت نے اس درس میں کئی کتابوں کا سبقاً سبقاً درس بھی دیا تھا ۔ اب موصوف کے شہر میں تبادلہ کی بناء پر اپنے کالج کے قدیم شاگرد اور فرزندِ ارجمند جن کے تعلق سے حضرت نے کئی بار فرمایا تھا کہ " اطاعت علی پاشا پر ختم ہوگئی " ۔ اب حدیث کے کام کو آئندہ جاری رکھنے کے مدِ نظر صحاح ستہ کی روایت دینے کے خیال سے حدیث کا درس شروع فرمایا ۔ موصوف کے طفیل اہلِ درس کو حضرت سے صحاح ستہ کی روایت لینے کی سعادت نصیب ہوئی جن میں یہ خاکسار بھی شامل تھا ۔ حضرت کے منشاء کے مطابق اس قحط الرجال کے زمانہ میں حضرت کا حدیث کے سلسلہ کا کام موصوف کے ذریعہ ان کے بالکل فریش ہونے تک جاری رہا ۔ اور صحاح ستہ کی مکمل سند لینے والوں کی تعداد الحمد للہ کافی حد تک پہنچ چکی تھی ۔

موصوف حدیث کے درس کے دوران اپنے تلامذہ کو غلطیوں پر اس طرح ٹوکتے گویا آپ کے سامنے کتاب کھلی ہوئی ہے ۔ دورانِ درس، حدیث کی عبارت کی عبارت دہرا دیتے باوجودیکہ آپ حافظ الحدیث نہ تھے ۔ اس سے آپ کے حدیث میں غیر معمولی شغف کا اندازہ ہوتا تھا ۔ عربی ادب اور قواعد پر کافی عبور تھا ۔ آپ کا اوڑھنا بچھونا حدیث تھا ۔ وہ اسی کوشش میں لگے رہتے کہ ان کا ہر عمل حدیث کی متابعت میں رہے ۔ فرماتے تھے " حدیث پڑھتے پڑھاتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوں " ۔

حضرت کے جانشین اول مولانا عبدالرحیم صاحب صدیقی صاحب اپنے دور میں درگاہ کے سارے انتظامات موصوف ہی سے متعلق رکھے تھے ۔ حضرت کے اس ارشاد " میری گدی سے پھوٹ کر علی پاشا کی گدی نکلے گی وہ رحیم صاحب کے ماتحت نہیں رہیں گے " ۔ مگر موصوف نے برادرِ معظم کی اسی طرح اطاعت فرمائی جس طرح وہ اپنے والد کی اطاعت میں سرگرم رہتے تھے ۔ مولانا عبدالرحیم صاحب کے وصال کے بعد دیگر درگاہوں کے طور طریق اور روایات سے ہٹ کر اکبر اور ارشد کو پیش نظر رکھ کر متفقہ طور پر موصوف کو سجادہ نشینی کے لئے بھائیوں نے نامزد کیا ۔ حضرت کا موصوف کے تعلق سے یہ ارشاد " علیا کی سالاری " وہ سب پر مسلسل کھلتا جارہا ہے ۔

خدمات وصال سے پیشتر جب کہ آپ کی عمر ۸۵ سال تھی ۔ جسم میں پہلے کی سی طاقت نہیں رہی تھی مگر ہمت جوان تھی ۔ عزم صمیم رکھتے تھے گو ہر ایک کی سن لیتے تھے ۔ مگر کرتے وہی تھے جس کا داعی قلبِ متقاضی ہوتا ۔ حضرت نے آپ سے فرمایا تھا " علی پاشا تم ارادہ کرو اللہ پورا کرے گا " ۔ چنانچہ " صدیق گلشن " میں وہ سارے تعمیری کام کرڈالے جو لاکھوں کی مالیت رکھتے ہیں ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے ۔
وسیع سماع خانہ ، زنانہ ہال ، کتب خانہ ، نیاز خانہ ، حضرت کی درگاہ کا نہایت وسیع چبوترہ ، درگاہ کے اطراف وسیع اراضی کے احاطہ کی دیوار وغیرہ ۔

مولانا عبدالرحیم صدیقی صاحب کے دور میں حضرت کی قائم کردہ گیارہ (۱۱) اور سترہ (۱۷) کی محفلیں گھر پر ہی ہوا کرتی تھیں ۔ موصوف نے اپنے دور میں ان محفلوں کو درگاہ میں منتقل فرمادیا ۔ نافِ شہر میں نہ ہونے کی بناء پر درگاہ میں لوگوں کا اجتماع دشوار نظر آرہا تھا ۔

مگر آپ نے درگاہ پر مرکزیت کو ضروری خیال کیا۔ الحمد للہ وابستگان کی کثیر تعداد شریکِ محافل ہونے لگی۔ آپ نے ان کی سہولت کے مدِ نظر محفلوں کے اختتام پر طعام تبرک کا انتظام فرمادیا تھا۔ جو پچیس سال سے زائد عرصہ سے جاری ہے۔ اس قسم کے اہتمام میں مداومت آسان نہیں آپ کے پاس سب کی سمائی تھی۔ کام کرنے والوں کی قدر فرماتے تھے۔ خود اس خادم کے پاس کی چار سالانہ محفلیں آپ کی سرپرستی میں آپ کے وصال تک درگاہ ہی میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ موصوف کا انمٹ کارنامہ یہ ہے کہ درگاہ سے متصلہ حضرت کی زائد اراضی کو آپ نے حضرت کی آل و اولاد میں تقسیم فرمادیا۔ آپ کی بدولت "صدیق گلشن" میں ایک کالونی بن گئی۔ اور پورا خاندان متحد و متفق حضرت کے زیر سایہ آرام و اطمینان کی سانس لے رہا ہے۔

حسرت اکیڈیمی | حضرت کے تصانیف کی اشاعت کے پیش نظر حسرت اکیڈمی قائم فرمائی۔ اور حضرت کے تصانیف کے نئے ایڈیشن طبع فرمائے۔

بزمِ حسرت صدیقی | خاندان کے نوجوانوں اور وابستگانِ سلسلہ میں ذوقِ شعر و سخن پیدا کرنے کے خیال سے آپ نے اپنے دولت خانہ پر ہر ماہ مشاعرہ منعقد کرنا شروع کیا تھا جو مولانا عبدالرحیم صاحب جانشین بحرالعلوم کے زیر صدارت ہوا کرتا تھا۔ یہ ماہانہ مشاعرہ جس میں حیدرآباد کے دیگر شعراء بھی مدعو کئے جاتے تھے۔ چند سال تک باالتزام جاری رہا۔ بعد میں حضرت کے عرس کے موقع پر منعقد کیا جانے لگا اور الحمد للہ برسوں سے جاری ہے۔

آپ کی دیرینہ آرزو یہی تھی کہ اپنے والد اور مرشد کی درگاہ پر گنبد تعمیر کریں اور حضرت کی تفسیر "تفسیر صدیقی" کو جو کراچی پاکستان میں مکمل طبع ہوچکی ہے، یہاں بھی طبع کرائیں۔ چنانچہ تفسیر صدیقی کے چند پارے طبع کروائے اور گنبد کا نقشہ منظور کرو اکر کام شروع کروانا چاہتے تھے کہ بیماری نے زور پکڑا اور بسترِ علالت پر دراز ہوگئے۔

آپ جس محفل میں تشریف لے جاتے محفل میں رونق آجاتی۔ ہر جگہ صدارت آپ کے قدم چومتی تھی۔

آپ نے دو حج کئے۔ آخری مرتبہ کی حاضری کے وقت آپ کو چلنے پھرنے میں زحمت اٹھانی پڑ رہی تھی۔ متحرک کرسی (ویل چیئر) پر مواجہ شریف میں حاضر ہونے کی حکومت کی جانب سے اجازت ملی۔ چنانچہ آپ نے متحرک کرسی پر مواجہ شریف میں حاضری دی۔ دراصل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی تھی۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت ہی سے حاصل تھی۔ آپ سے سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا۔ ۸۵ سال ۴ ماہ ۱۹ دن کی عمر پاکر ۲۶ / صفر ۱۴۰۹ھ روز شنبہ بوقت فجر وصال فرمایا۔

نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا کی گئی۔ جمعہ نہ ہونے کے باوجود نماز ظہر میں مصلیوں سے نماز جمعہ کا منظر پیش ہورہا تھا۔

ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں اپنے والد کے پائیں میں برادرِ مکرم کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ جس میں حیدرآباد کے علمائے کرام، مشائخینِ عظام کی کثیر تعداد شریک تھی۔

آپ کی زوجہ محترمہ عزیز النساء بیگم صاحبہ حضرت نور الدین شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے بھیتجے اور داماد مولانا شاہ عبدالرحیم قمیصی القادری کی نواسی اور ڈاکٹر اعتماد الحق صدیقی کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کے چھ فرزند ہیں ●۔ سب شادی شدہ اور برسرِ روزگار ہیں۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

● تین صاحبزادوں کا انتقال ہوچکا ہے۔

مولوی ابوالقاسم محمد صدیقی

حضرت کے چوتھے صاحبزادے مولوی ابوالقاسم محمد صدیقی صاحب قادری ہیں ۔ محمد پاشا عرف ہے مسلمؔ تخلص فرماتے ہیں ۔ تاریخ ولادت ۱۵ / شعبان ۱۳۲۶ھ ہے ۔

بچپن سے مستقل مزاج اور نہایت مستغنی واقع ہوئے ہیں ۔ موصوف کے بچپن کا ایک واقعہ میری والدہ محترمہ نے بیان فرمایا تھا " گھر میں بچے زیادہ تھے ۔ ناشتہ میں انڈوں کی سہولت کے خیال سے مرغیاں منگوائی گئی تھیں ۔ بچوں کی دلچسپی کی خاطر ہر بچہ کے نام سے ایک ایک مرغی موسوم کردی گئی تھی ۔ ایک مرتبہ شام میں جب مرغیاں بند کی جانے لگیں تو ایک مرغی کم تھی ۔ تحقیق پر پتہ چلا کہ محمد پاشا کی مرغی غائب ہے ۔ ان سے کہا گیا کہ میاں ! تمہاری مرغی غائب ہے ذرا باہر تلاش کرو ۔ محمد پاشاہ نے کہا ، ایک فقیر گھر پر آیا تھا ۔ مجھ سے کہا " اللہ کے نام پر کچھ دو " ۔ میرے پاس تو دینے کے لئے کچھ نہ تھا ۔ اس نے نام اللہ کا لیا تھا مجھے اس کو معاف کرو کہنا پسند نہ آیا ۔ اچانک مجھے اپنی مرغی کا خیال آیا میں نے اس کو پکڑ کر فقیر کو دے دیا ۔ وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا ۔ یہ سن کر سب متعجب ہوئے کسی نے ان کو کچھ نہ کہا بلکہ بیحد خوش ہوئے ۔

موصوف کو نوعمری سے ورزش اور سپاہ گری کے کاموں سے فطری طور پر دلچسپی تھی ۔ آپ نے حضرت سے لٹھ ، بنوٹ ، جنبیہ ، تلوار کا کام سیکھا ۔ پیسراکی میں بھی کمال پیدا کیا ۔ تالاب میر عالم کے لگاتار کئی کئی چکر لگایا کرتے ۔ سلکتے ہوئے پاؤلوں میں موصوف کا جواب نہ تھا ۔ بجلی کی طرح سلکتے ہوئے اتنی دور تک جاتے کہ حیرانی ہوتی ۔ ان کی سلک دیکھنے میں جتنی آسان نظر آتی عملی طور پر اتنی ہی مشکل تھی ۔ لوگ ان کو سلکتا ہوا دیکھ کر خود بھی کوشش کرتے تو تلوے آلودہ ہو کر زخمی ہوجاتے ۔ موصوف نے تلوار کی پھینک کی اتنی مشق کی کہ روزانہ چار چار گھنٹے تک پھینک کیا کرتے تھے ۔ بنوٹ میں انھوں نے خوب مہارت پیدا کرلی تھی ۔ حضرت نے ان کے تعلق سے فرمایا تھا " یوں تو بہت لوگوں نے بنوٹ سیکھی مگر محمد پاشا نے تو بنوٹ کے مکمل فن کو کتابی صورت دے دی ۔ چنانچہ حضرت نے ان کو بطور بنوٹ خلافت کے اپنے ہاتھ کی نہ صرف لکڑی عنایت فرمائی بلکہ محبوب علی بادشاہ (نظام الملک نواب میر محبوب علی خان آصفجاہ) کے ہاتھ کی سیدھی تلوار جو حضرت کے پاس تھی وہ بھی عنایت فرمادی ۔

حضرت نے موصوف کو کشتی سیکھنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ آپ نے مولا بخش پہلوان سے کشتی سیکھی ۔ نبی بخش پہلوان سے بھی چند روز داؤ پیچ سیکھے تھے ۔

حضرت نے مجمع السلاسل کا ایک شجرہ مرتب فرمایا تھا ۔ موصوف نے برادرِ طریقت رحیم الدین قادری صاحب کی مدد سے نہایت تفصیلی شجرہ تیار کیا اور اس کو طبع کروایا ۔

غیبت سے آپ کی زبان نا آشنا تھی ۔ کسی شخص کے نجی معاملات میں دخل دینے سے احتراز کرتے تھے ۔ مرنجاں مرنج تھے ۔ سب سے ملنے کے ملنے پھر الگ کے الگ ۔ آپ کا برتاؤ ہر شخص سے نہایت شریفانہ رہا ۔ وہ باتیں جو کردار کو زنگ آلود کردیتی ہیں ان سے آپ کا دامن بے داغ رہا ۔

ملازمت دوران ملازمت اپنے فرائض نہایت تن دہی اور جانفشانی سے ادا کئے باوجودیکہ آپ میٹرک ٹرینڈ تھے ۔ آپ کو جماعت دہم کی سائنس تفویض کی گئی حالانکہ مدرسہ میں گرانجویٹ اساتذہ موجود تھے ۔ صدر مہتمم تعلیمات کا معائنہ ہوا تو انھوں نے صدر مدرسہ سے

موصوف کو جماعت دہم کی سائنس دینے کی وجہ دریافت کی۔ صدر مدرسہ نے جواب دیا "میں نے یہ مضمون مدرسہ کے متعلقہ مدرسین میں سب سے بہتر صلاحیت و مضمون سے زیادہ شغف رکھنے والے کو بطور خاص تفویض کیا ہے۔ آپ ان سے سوالات کیجئے اور طلباء کا بطور خاص معائنہ کر کے اطمینان فرمالیجئے۔ صدر مہتمم نہ صرف مطمئن ہوئے بلکہ رپورٹ معائنہ میں موصوف کی کارکردگی کی ستائش کی۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ آپ فوقانیہ نامپلی پر کارگذار تھے۔

فوقانیہ نامپلی پر کارگذار رہنے کے زمانہ میں امساک باراں کی وجہ سے خلقت پریشان تھی۔ مسجدوں اور دیگر مقامات پر بارش کے لئے اجتماعی دعائیں کی جارہی تھیں۔ مندروں میں خصوصی بھجن گائے جارہے تھے۔ صدر مدرسہ اور مدرسین نے باہم طے کیا کہ یہاں مدرسہ میں طلباء کو زیر سماں مجتمع کر کے بارش کے لئے دعا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ طلباء کو صحن مدرسہ میں جمع کیا گیا۔ اور صدر مدرسہ نے موصوف سے خواہش کی کہ آپ بارش ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں ہم سب آمین کہتے ہیں۔ موصوف نے کسر نفسی کا اظہار کیا۔ جب صدر مدرسہ اور ساتھی مدرسین کا حد سے زیادہ اصرار بڑھا تو آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دیر تک دعا فرماتے رہے۔ ختم دعا پر ابھی طلباء کلاسوں میں واپس ہو ہی رہے تھے کہ تقاطر شروع ہوگیا۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور کافی دیر تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ اور اس کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے مسلسل دس دن تک چلتا رہا۔

طلباء میں ستھرا کردار پیدا کرنے کی غرض سے ان کو اس انداز میں نصیحتیں کرتے گویا وہ آپ کے بچے ہیں۔ طلباء اور ساتھی اساتذہ بلکہ صدر مدرسہ ہر ایک کے پاس خاص احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

رات دن درود و سلام میں گذرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں پڑھتے رہتے۔ مختلف عنوانات پر عربی میں دعائیں جمع فرمائیں۔ باوجودیکہ آپ کا مضمون اختیاری عربی نہ تھا۔ آپ نے جو مناجات اور سلام بزبانِ عربی لکھے ہیں اس کو سننے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور آدمی کا خیال خدا و رسول سے وابستہ ہوجاتا ہے۔ اور آپ کے اس طرح لکھنے پر حیرت بھی ہوتی ہے۔ سرکار دوعالم سے ربط و محبت کے یہ سارے تماشے ہیں۔

حضورؐ کی عنایت ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ساتھ اپنے حجرہ مبارک میں لے گئے ہیں۔ جس میں سفید فرش بچھا ہوا ہے درمیان میں نیچے بیٹھ کر کام کرنے کی میز ہے۔ کمرہ کی دیواروں میں قدیم وضع کے محراب بنے ہوئے ہیں۔ اور کچھ طغرے بھی لکڑی کی کھونٹیوں پر آویزاں ہیں۔ اوپری جانب کے لمبے محراب میں سے کاغذوں کا ایک بنڈل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکالا اور مجھے دیتے ہوئے فرمایا تم اپنا کام کرو اور میز کے پاس تشریف فرما ہوگئے میز کے سیدھے جانب کی طرف میں بھی بیٹھ گیا اور بنڈل کھولنے لگا۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طغروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا "یہ محمد پاشا کی محنت کا نتیجہ ہے۔ محمد پاشا کا شکریہ"۔

حج و زیارت آپ نے تین حج کئے۔ پہلے حج میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگتے میں اس طرح زیارت ہوئی گویا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ دوسرے حج میں آپ کی والدہ (یعنی حضرت کی چوتھی زوجہ محترمہ رابعہ بیگم صاحبہ) جو حج و زیارت کی غرض سے حاضر ہوئی تھیں شدید طور پر علیل ہوگئیں۔ ان کی خدمت اور تیمارداری کی سعادت خدا کی طرف سے آپ کو نصیب ہوئی۔ و نیز حج و زیارت میں موصوف کی وجہ سے محترمہ کو بے حد مدد ملی۔ محترمہ نے موصوف کو خوب دعائیں دیں۔ تیسرے حج میں آپ کی محویت اور بے خبری دیکھ کر وہاں کے لوگ آپ کو بتا کر کہتے تھے کہ یہ آدمی عاشقِ رسولؐ ہے۔

موصوف کا بضمن نعت شعر ملاحظہ ہو۔

مری دیوانگی پر ہنس رہے ہو اہل دنیا تم
قیامت میں دکھا دونگا جو نسبت ہے محمد کی

آپ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ کھانا پینا بھی سادہ اور لباس بھی سادہ۔ رہن سہن بھی سادہ۔ "صدیق گلشن" میں مکان تعمیر کرنے سے پہلے آپ کرائے کے مکان میں ایک عرصہ تک فروکش رہے۔ آپ جس محلہ میں رہے اہل محلہ آپ کی موجودگی اپنے لئے باعث خیر و برکت سمجھتے تھے۔ اور کثرت سے مرید ہوتے تھے۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی۔ آپ سے سلسلہ رشد و ہدایت جاری رہا۔

مولانا ابو تراب علی صدیقی صاحب جانشین دوم حضرت بحرالعلوم کے وصال فرما جانے کے بعد بھائیوں نے متفقہ طور پر موصوف کو بحیثیت جانشین سوم منتخب کیا۔

آپ کی زوجہ محترمہ شمس النساء بیگم صاحبہ مولوی ضیاء الدین انصاری صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ تین صاحبزادے ● اور چار صاحبزادیاں اس وقت بقید حیات ہیں۔ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی حسین شجاع الدین صدیقیؒ

حضرت کے پانچویں صاحبزادے مولوی حسین شجاع الدین صاحب صدیقی قادری ہیں۔ حسینی پاشا عرف ہے۔ عزت تخلص فرماتے تھے۔ تاریخ ولادت ۶ / شوال ۱۳۲۷ھ ہے۔ (مولانا ابو القاسم صدیقی کے انتقال پر آپ کو متفقہ طور جانشین تسلیم کیا گیا)۔

اپنی والدہ کے وفات کے وقت بچوں میں موصوف ہی چونکہ سب سے چھوٹے اور کمسن تھے لہٰذا ماں کی محبت بھی باپ ہی کو دینی پڑی۔ بچپن سے والد کا لاڈو پیار ملنے کی بناء پر موصوف میں والد سے محبت کی جہت ادب پر ہمیشہ غالب رہی۔ اور حضرت کے وصال تک محبت کا یہی انداز برقرار رہا۔ بحیثیت مرشد نظر کھلی تو محبت کو مزید تقویت پہنچی۔ غلامی کی جہت بھی محبوبیت کے رنگ میں اس طرح نمایاں ہوئی۔

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہی وجہ تھی کہ موصوف کو اپنے والد کی خدمت کا زیادہ موقع ملا۔ جب گھر سارا سوتا رہتا حضرت ذکر میں خود اپنے آپ سے بھی بے تعلق رہتے۔ صرف خراٹوں سے پتہ چلتا کہ اس وقت فلاں صفت سے ذات کی طرف متوجہ ہیں۔ اس وقت صرف موصوف ہی رات رات بھر والد کی خدمت میں چپی کرتے جاگتے نظر آتے۔ اسی خدمت کے صلہ میں کہاں کہاں سے نہ معلوم کیا کیا نعمت نصیب ہوئی کہ ایک عرصہ تک آپ پر ایک خاص کیفیت طاری رہی۔

حضرت عبدالرحیم صاحب کے بعد صاحبزادوں میں سب سے پہلے موصوف ہی کو خلافت سے سرفرازی ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ موصوف نے اسماء الٰہی کی بے شمار زکوٰتیں دی ہیں۔ (یعنی کسی اسم کو لاکھ سوا لاکھ مرتبہ پڑھنا) جس کا سلسلہ تا عمر جاری رہا۔ تقریباً ۱۵ اسماءِ الٰہیہ کی زکوٰتیں تو ایک ایک کروڑ تک جا پہنچیں۔ موصوف صاحب کشف بھی ہیں۔ آپ کے کشف کی صحت کی بعض مرتبہ حضرت نے تصدیق فرمائی ہے۔ بڑے بڑے اولیاء سے ربط پیدا کرکے ان سے بات کرلینا آپ کے لئے کچھ دشوار نہیں۔

● اس وقت دو صاحبزادے بقید حیات ہیں۔

نظام باطن سے بھی آپ کا تعلق حضرت کی توجہ، عطا اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ایک زمانہ آپ پر سے ایسا بھی گذرا کہ رات میں ہاتھ میں تسبیح لے کر گھر سے نکلتے جو محلہ رکاب گنج میں قریب ہائی کورٹ واقع تھا۔ یا ھو اللہ ھو کے نعرے لگاتے پہاڑی شریف حضرت بابا شرف الدینؒ کا راستہ لیتے۔ جنگل اور سنسان سڑک پر اندھیری رات میں راستہ چلنا کچھ آسان کام نہ تھا، مگر توحید کا یہ متوالا اپنی مستی میں چور یا ھو اللہ ھو کے نعرے مارتا فجر کے قریب پہاڑی شریف پہنچتا۔ اور نماز فجر پڑھ کر گھر لوٹتا۔

حضرت پر ایک وقت ایسا بھی گذرا کہ آنکھ کی پتلی ترخ گئی ہے، کرب کا عالم ہے، کسی کل چین نہیں۔ حسینی پاشا صاحب کا ہاتھ پکڑے اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر ٹہل رہے ہیں۔ رات پوری آنکھوں میں بھور ہوگئی۔ اللہ کے حبیب کی اس رات کی یہ خدمت موصوف کی زندگی کا اصل سرمایہ ہے۔

عشق اللہ و یاد اللہ کی دولت سے جو مالا مال ہوا دنیا اس کی نظروں میں بے حقیقت ہوئی۔ یہی حال موصوف کا ہوا۔ میٹرک کامیاب کرنے کے بعد آگے تعلیم حاصل کرنے کی لگن ہی باقی نہ رہی۔ مجبوراً صدر محاسبی سرکار عالی میں بحیثیت امیدوار مقرر ہوگئے اور بغیر تنخواہ کے سات برس کام کرتے رہے۔ بعد میں آپ کا استقلال عمل میں آیا۔ صدر محاسبی کا امتحان کامیاب کیا۔ پھر گلبرگہ میں بحیثیت محاسب خرچ تبادلہ کیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہیں کی صوبہ داری میں آپ کو منتقل کردیا گیا۔ آپ نے مال کا امتحان بھی کامیاب کیا۔ اس کے بعد مرہٹی زبان میں ریجنل لینگویج کا امتحان دیا۔ جس میں فرسٹ آئے۔ کچھ عرصہ مہتمم اوقاف ضلع پربھنی کی جائداد پر کام کرنے کے بعد بالآخر بحیثیت تحصیلدار تعلقہ ہوسانگر پر ترقی پائی اور وہیں سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

موصوف نے زندگی بھر کسی کو دکھ نہیں دیا۔ اور نہ کسی اور صورت سے کسی کے مفاد کو گزند پہنچایا۔ جب کبھی آپ کے مفاد کو نقصان پہنچایا گیا تو اس وقت بھی صرف مدافعت فرمائی۔ کبھی کوئی ناشائستہ لفظ اپنے مخالفین کے لئے بھی استعمال نہیں کیا۔

حضرت کے پاس حضرت خواجہ میاں صاحب (حضرت کے پیر و مرشد اور ماموں) کی عطا کردہ وہ تسبیح تھی جو حضرت خواجہ کے استعمال میں رہتی تھی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے "یہ تسبیح دیکھنا رحیم صاحب کو ملتی ہے یا حبیب علی کو"۔ مگر یہ تسبیح حسینی پاشا صاحب کی تقدیر میں لکھی تھی۔ حضرت نے موصوف کو تسبیح عطا کرتے ہوئے فرمایا "میں یہ تسبیح جان کی جتن رکھا ہوں۔ تم بھی جان کی جتن رکھنا"۔ موصوف نے تسبیح کو واقعی جان کی جتن رکھا۔ مجھے بھی کئی بار حضرت کو یہ تسبیح پڑھتا ہوا دیکھنا نصیب ہوا۔

راگ راگنیوں کے سکھانے کے سلسلہ میں حضرت نے موصوف اور حضرت کے ایک مرید سید فخر الدین صاحب قادری کے پیچھے بڑی محنت کی تھی حضرت اپنے قدیم مکان واقع رکاب گنج میں تشریف رکھتے تھے۔ موصوف اور فخر الدین صاحب راگنیوں میں اشعار گاتے، حضرت پر استغراق اور بیخودی کا عالم طاری ہوجاتا۔ ان کے ساتھ خود بھی گاتے موقع موقع سے راگنی کے اعتبار سے تان پلٹے بھی لگاتے۔ آنکھوں سے توحید کی مستی ٹپکتی، حال و حیرت کا عالم طاری ہوجاتا۔ بعض وقت تو بیخودی میں لوٹنے تک لگتے۔ موصوف اِدھر گاتے اور اُدھر حضرت کی کیفیات دیکھنے میں گم ہونے لگتے اور اپنے آپ سے بے خبر ہوجاتے۔ اس زمانہ میں راتوں میں یہ شغل اکثر جاری رہتا تھا۔

موصوف اپنے والد سے ناک نقشہ، چہرہ مہرہ میں بہت مشابہ تھے۔ محفل سماع میں جب موصوف پر محویت طاری ہونے لگتی تو لوگوں کی نظریں آپ پر مرکوز ہونے لگتیں۔ جب کیفیت میں آنکھوں سے مستی بھی نمایاں ہونے لگتی تو حسن محی الدین صاحب

(حضرت کے فرزند) برملا اشارہ کر کے کہنے لگتے " قدیر پپا کو دیکھو، قدیر پپا سرکار " ۔ اپنے بھائی کی اس طرح سب کو توجہ دہانی پر موصوف مسکرانے لگتے ۔ ان کا مسکرانا مزید قیامت ڈھاتا ۔ ایسا معلوم ہوتا کہ واقعی حضرت تشریف فرما ہیں ۔ اور گویا ہم حضرت ہی کو دیکھ رہے ہیں ۔

موصوف کا دیوان " افکارِ عزت " زیور طبع سے آراستہ ہوچکا ہے ۔ آپ کے اشعار میں حضرت کی روح جلوہ گر ہے ۔ بعض اشعار تو ایسے ہیں جن پر حضرت کے اشعار ہونے کا دھوکہ ہوتا ہے ۔ اشعار پڑھنے کا آپ کا مخصوص انداز ہے جو بہت دل آویز ہے ۔

آپ کی امتیازی چال ڈھال ، شگفتہ مزاجی ، موہ لینے والی مسکراہٹ ہر ملنے والے پر اپنا اثر ڈالے بغیر نہیں رہتی ۔ آپ کے وسیع معلومات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ آپ کو حضرت کی علمی صحبتیں کافی حد تک میسر آئی ہیں ۔ آپ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف تھے ۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل ہے ۔ آپ سے بھی سلسلہ رشد و ہدایت جاری رہا ۔

آپ کی زوجہ محترمہ محمدی بیگم صاحبہ ● مولوی سردار حسین صاحب کی صاحبزادی ہیں ۔ آپ کے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں ۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ منسلکہ)

مولوی حسن محی الدین صدیقیؒ

حضرت کے چھوٹے صاحبزادے مولوی حسن محی الدین صاحب صدیقی قادری رحمتہ اللہ علیہ تھے ۔ محی الدین پاشا عرف تھا ۔ غیرتؔ تخلص فرماتے تھے تاریخ ولادت ۲۹ / ذی الحجہ ۱۳۳۳ ھ ہے ۔ آپ حضرت کی دوسری زوجہ محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ کے فرزند اکبر تھے ۔ ابتداءً جب بات کرنے لگے تھے تو اپنے والد کو آوا جان سے مخاطب کرتے تھے ۔ آپ ہی وہ واحد صاحبزادے ہیں جو حضرت کے سینے پر بیٹھ کر مرید ہوئے تھے ۔

موصوف کی تعلیمی زندگی نہایت شاندار رہی ۔ اول جماعت سے ایم اے کی ڈگری لینے تک ہر سال فرسٹ ان فرسٹ آتے رہے ۔ میٹرک میں فرسٹ ان فرسٹ آنے کی بناء پر طلائی تمغہ عطا ہوا تھا ۔ اسی طرح ایم اے کی ڈگری لیتے وقت بھی طلائی تمغہ ملا ۔ ایم ۔ اے کے بحیثیت ریسرچ اسکالر ایک مقالہ " ابن حزم " پر بزبان اردو لکھا ۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ مستشرقین کی آرا کے لئے بھجوایا گیا تھا جنھوں نے بیحد سراہا ۔ اس زمانہ میں جامعہ عثمانیہ میں پی ۔ ایچ ۔ ڈی نہیں تھا ۔ اس لئے ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں ملی ۔ کالج کے دور میں وہ تعلیمی وظائف سے اپنی ساری ضروریات کو پورا کرلیتے تھے ۔ کسی پر کم زیادہ بوجھ کبھی نہ ڈالا ۔

ریڈر گلبرگہ کالج ایم ۔ اے کے بعد آپ نے نظامیہ طبیہ کالج میں داخلہ لیا تھا ۔ قریب دو سال طب یونانی کی تعلیم حاصل فرمائی اس کے بعد اس کو چھوڑ دیا اور سلکِ ملازمت میں منسلک ہوگئے ۔ ابتداءً کمشنر پولیس کے آفس میں اہلکاری پر تقرر ہوا جو آپ کے لئے بلکہ سب کے لئے سوہانِ روح تھا ۔ پھر آپ نے اپنے خاندانی پیشہ تعلیم و تعلم کی طرف توجہ فرمائی اور کالج میں لکچرر مقرر ہوئے ۔ گلبرگہ کالج میں بحیثیت ریڈر برسوں کام کیا اور وہیں سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے ۔ کالج میں ساتھی اساتذہ اور طلباء میں ہر دل عزیز تھے ۔ اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ۔ کالج کی ہمہ جہتی ترقی میں ہر طرح دلچسپی لی ۔

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا ۔ اتنا وسیع کہ وہ ہر فن اور ہر موضوع پر نہ صرف سیر حاصل گفتگو کرسکتے تھے بلکہ پڑھا سکتے تھے ۔ وہ علمی مجلس سے خوب واقف تھے ۔ یہی سبب تھا کہ وہ جس محفل میں جا بیٹھتے اپنی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی سے اسے باغ و بہار بنادیتے ۔

● مولوی حسین شجاع الدین صدیقی صاحب کا انتقال ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۹ ھ کو ہوا اور موصوفہ اپنے شوہر سے تقریباً دو ماہ قبل انتقال کرگئیں ۔

بوڑھوں ، جوانوں اور بچوں میں وہ یکساں مقبول تھے ۔ بوڑھوں میں سنجیدہ ، جوانوں میں ظریف اور بچوں میں بچہ ۔ جوانی میں وہ ایسی ایسی کہانیاں سناتے تھے کہ سننے والے مسحور ہوجاتے بڑا مزہ لیتے اور بٹنے کا نام نہ لیتے ۔ اس وقت ان کی لسانی کا اندازہ ہوتا ۔ ایک مرتبہ وہ الف لیلیٰ کی کہانی کے منتخبہ حصے بطور کہانی کئی روز تک سناتے رہے ۔ وہ اس طرح کہ رات کے کھانے کے بعد بچے بڑے سب جمع ہوجاتے اور کہانی شروع ہوتی اور رات دیر گئے تک چلتی ۔ ان کا حافظہ خدا داد تھا ۔

والی بال کے بیحد شائق تھے آپ نے کرکٹ اور فٹبال کھیلا ہے ۔ شطرنج کے اچھے کھلاڑی تھے ۔ ٹیبل ٹینس میں بھی ہاتھ منجھا ہوا تھا ۔ بلیرڈ کے بھی چمپین تھے ۔ اردو انگریزی کی شاید ہی کوئی ناول ہوگی جو آپ کی نظر سے نہ گذری ہو ۔ اردو ادب کے سارے مشاہیر کا لٹریچر دیکھ ڈالا ۔ تاریخ پر بھی اچھی نظر تھی ۔ مشہور شعراء کے دیوان آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں ۔ اور ہر بڑے شاعر کے چنندہ اشعار یاد تھے ۔ خود بھی علم عروض کے ماہر تھے ۔ بیت بازی کے مقابلوں میں آپ کے ذوق سلیم کا اندازہ ہوتا تھا ۔ نہایت بذلہ سنج واقع ہوئے تھے ۔ وہ یارِ شاطر تھے کبھی بارِ خاطر نہ ہوئے ۔ وہ زمانہ کے نشیب و فراز سے گذر چکے تھے ۔ اچھا وقت تو اچھا تھا برے وقتوں کا مقابلہ جس استقلال سے کیا وہ انہی کا حصہ تھا ۔

غیر معمولی سوجھ بوجھ کے آدمی تھے ۔ جب کبھی وہ بڑے آدمیوں کی معیت میں ہوتے اس وقت بھی انھوں نے اپنے معمولی دوستوں سے کترانے کی کبھی کوشش نہیں کی ۔ بلکہ جب موقع مل جاتا وہ ان کا تعارف ان بڑوں سے کرادیتے انھوں نے اپنے معمولی دوستوں میں کبھی احساس کمتری پیدا ہونے نہیں دیا ۔ ان کی یہ وضعداری ان کے بڑے پن کا بین ثبوت ہے ۔ آپ فطرتاً بہت شریف الطبع انسان تھے ۔ گو ہر قسم کی سوسائٹی انھوں نے دیکھی تھی مگر کسی سوسائٹی کا اثر ہرگز قبول نہیں کیا ۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا ۔ بعض اوقات ان کا ظاہر بہت کھرا دکھائی دیتا تھا ۔

وہ جب کبھی کسی مسئلہ پر گفتگو کرتے تو نہایت صفائی اور دیانت سے کرتے تھے ۔ انھوں نے کبھی سخن پروری سے کام نہیں لیا ۔ کوہ وقاری کے باوجود حد درجہ متواضع بھی تھے ۔ آپ کی ذات جامع صفات تھی ۔ ان کی طرح گوناگوں اوصاف کا حامل بہت مشکل سے ملے گا ۔ وہ ہر ایک سے اپنی امتیازی خندہ پیشانی سے ملتے تھے ۔ کبھی کبھی وہ قہقہہ مار کر بھی ہنستے تھے ۔ اور ان کے قہقہوں میں عجیب دل آویزی ہوتی تھی ۔ ویسے سنجیدگی کے ساتھ ساتھ موہ لینے والی مسکراہٹ تو ہر وقت ان کے چہرہ پر رقصاں رہتی ۔

آپ کا مختصر تعارف یہ ہے کہ آپ روشن دماغ ، روشن دل اور روشن چراغ تھے ۔

اپنے والد اور مرشد سے نسبت نہایت قوی تھی ۔ رندی آپ کا مذہب تھا اور مستی آپ کا مشرب تھا ۔ محفل سماع آپ کی وجہ سے پرکیف رہتی تھی ۔ آپ کی کیفیت اہل محفل کو پرکیف بنا دیتی تھی ۔ آپ کیا گئے قوالی کا مزہ جاتا رہا ۔ اپنے روزانہ وظائف پر زندگی بھر مداومت کی ۔ آپ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف تھے ۔ بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔

انتقال سے کچھ ہی عرصہ قبل انہیں احساس ہوگیا تھا کہ ان کا سفر زندگی اپنی آخری منزل میں ہے ۔ اس لئے وہ موت کا خیر مقدم کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتے تھے ۔ آپ نے ۱۱ / رجب ۱۴۰۴ھ کو انتقال فرمایا ۔ اب بھی جب کبھی وہ یاد آجاتے ہیں ۔ ان کی کمی سے ایک خلا سا محسوس ہونے لگتا ہے ۔ ان کی مسکراتی ہوئی صورت سامنے آجاتی ہے تو احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں اور ہم میں موجود ہیں ۔

آپ کی زوجہ محترمہ آپ کی خالہ زاد بہن سیدہ امۃ اللہ عرف سردار پاشا، مولوی سید محمد اسرار الرحمٰن صاحب چشتی کی صاحبزادی تھیں ۔ آپ کو ایک صاحبزادہ اور چار صاحبزادیاں ہیں ۔ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں ۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی عبدالقادر معین الدین صدیقیؒ

حضرت کے ساتویں صاحبزادے مولوی عبدالقادر معین الدین صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ قادر پاشا عرف تھا ۔ حضرت محبت سے قدو شاہ پکارتے تھے ۔ تاریخ ولادت ۱۳۳۵ھ ہے سقوط حیدرآباد کے فوراً بعد ہجرت کرکے پاکستان منتقل ہوگئے تھے ۔ کراچی میں سکونت پذیر تھے ۔ سیدھے سادھے بھولے بھالے جنتی آدمی تھے ۔ وہ عمر بھر سچائی کے پرستار رہے ۔ ان کی زندگی بیحد سادہ تھی ۔ انہوں نے اپنی ضرورت کو ممکنہ حد تک محدود کر رکھا تھا ۔ قناعت ان کے مزاج میں اس درجہ بسی ہوئی تھی کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی ۔ وہ حد درجہ مضبوط طبیعت کے انسان تھے ۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں اور پاکیزہ سیرت کے مالک تھے ۔ وہ مزاج کے بھی بہت نرم تھے ۔ کسی نے کبھی ان کے منہ سے کوئی نازیبا لفظ نہیں سنا ۔ میں نے کبھی ان کو غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا ۔ درشتی اور تلخی انہیں چھو نہیں گئی تھی ۔ کسی کو ان کی شکایت کرتے ہوئے نہیں سنا گیا ۔ نہ انھیں کسی کی شکایت کرتا ہوا پایا گیا ۔ وہ تحمل اور بردباری کے پیکر تھے ۔ تلخ بات کا جواب نرمی سے دیتے تھے ۔ اصل میں آپ نے اپنا پتا مار کر اپنے نفس پر قابو پالیا تھا ۔ ان کے چہرے سے انکسار اور معصومیت ٹپکتی تھی ۔ کبھی حد اعتدال سے آگے نہ بڑھے ۔ عفو اور درگذر ان کا شیوہ تھا ۔ سوائے دعا کرنے کے موذیوں کے حق میں تک بددعا نہ کی ۔ وہ یاس اور ناامیدی کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیتے تھے ۔ تاریک ایام میں بھی انہوں نے کبھی ہمت نہ ہاری ۔ سیدوں کے صفات اس صدیقی فاروقی سے بدرجہ اتم نمایاں تھے ۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ وہ دوسروں کے کام آئیں ۔ وہ اپنے چھوٹوں پر نہایت شفقت سے پیش آتے تھے ۔ اور بڑوں کی اطاعت گذاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے ۔ انھوں نے بندگانِ خدا کی بہت دعائیں لیں ۔ سوائے خدا کے کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کیا نہ کسی کے شرمندہ احسان ہوئے ۔ ان کی ساری زندگی تسلیم ورضا کا عملی درس تھی ۔ شکوہ شکایت سے ان کی زبان عاری تھی ۔ تقدیر کے آگے ان کا سر ہمیشہ سرنگوں رہا ۔ ان کا قلب قلب مطمئنہ تھا ۔ جس کو دنیا کی کوئی سختی مرتعش نہیں کر سکتی تھی ۔ ان کی تکالیف کا سوائے خدا کے کوئی ہمراز نہیں تھا ۔ ان کی لو خدا سے لگی تھی ۔ وہی آپ کا کارساز اور مددگار تھا ۔ پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی تنگی کشادگی میں اور حالت صبر حالت شکر میں مبدل ہوگئی ۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے موصوف ریل میں سفر کر رہے تھے اور دورانِ سفر نیند میں خراٹے لے رہے تھے خراٹوں سے اللہ اللہ صاف سنائی دے رہا تھا ۔ ڈبہ میں بعض لوگ حضرت کے جاننے والے بھی موجود تھے ۔ انھوں نے خراٹوں میں اللہ اللہ کی آواز سن کر بے اختیار آپس میں کہا " کیوں نہ ہو شیر کا بچہ شیر ہی ہے " ۔

حضرت کے فرزند ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی پاکستان ہجرت فرمانے کے بعد پہلی مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے تھے تو فرمایا " میں کراچی پہنچا تو دیکھا ہر طرف نفسا نفسی ہے ۔ ہمارے کتنے ہی ملنے والے اور رشتہ دار وہاں موجود تھے مگر کسی نے مطلقاً توجہ نہیں کی سوائے قادر پاشا بھائی کے کہ انھوں نے مجھے اپنے پاس جگہ دی اور وہاں قدم جمنے تک ممکنہ مدد دی اور ہر طرح ساتھ دیا " ۔ انھوں نے اپنے بھائی کے متعلق مزید فرمایا " مجھے قادر پاشا بھائی کا مطلق اندازہ نہیں تھا ۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ پاکستان میں انھوں نے حضرت کی پوری طرح سے نیابت کرکے برادران سلسلہ کو ایک مرکز پر مجتمع کر لیا ہے ۔ اور محفلیں ان کی سرپرستی میں پورے اہتمام سے جاری ہیں ۔ اور لوگ



حضرت محمد عبدالقادر معین الدین صدیقی
فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ

ان سے بڑی عزت اور عقیدت سے پیش آتے ہیں ۔

مولوی ابوتراب علی صاحب جب پاکستان تشریف لے گئے تھے تو موصوف ہی کے پاس قیام فرمایا تھا ۔ حالانکہ وہاں کے برادرانِ سلسلہ اور خود موسیٰ پاشا صاحب کا اصرار تھا کہ وہ کچھ دن ان کو بھی مہمان داری کا موقع عنایت کریں ۔ مگر علی پاشا صاحب نے باوجود بے حد اصرار کے قبول نہ کیا ۔

موصوف کا خط بہت پاکیزہ اور منشیانہ تھا ۔ میرے پاس ان کا ایک گرامی نامہ ہے جسے موصوف نے پاکستان سے ارسال کیا تھا ۔ میں نے تبرکاً اس کو محفوظ رکھا ہے ۔

۱۹۶۱ء میں بمقام کراچی ایک حادثہ میں آپ کا انتقال ہوگیا ۔ موصوف کے انتقال کرجانے کی اطلاع حضرت کو آخر دم تک نہیں دی گئی ۔ باوجود شادی طور پر اطلاع نہ ملنے کے حضرت نے اپنے صاحبزادوں کی تعداد میں ایک کی کمی کردی ۔ جب کبھی احیاناً موصوف کا تذکرہ نکلتا تو حضرت سنی ان سنی کردیتے یا کوئی اور گفتگو شروع فرمادیتے ۔

شرافت ، انسانیت اور روح و سیرت کی پاکیزگی کی بلندی جو ان میں نظر آتی تھی وہ کسی فرد واحد میں مشکل ہی سے شاید نظر آئے ۔ ان کی مختصر تعریف یہ ہے کہ وہ انسانِ کامل کی مجسم تصویر تھے ۔ بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔

میری جتنی بھی یادیں ان کی ذاتِ گرامی سے وابستہ ہیں وہ سب جذبہ احترام پر مبنی ہیں ۔

آپ کی زوجہ محترمہ حفصہ مولوی محمد عمر قادری صاحب کی صاحبزادی ہیں ۔ یہ اپنے شوہر کی ہر اعتبار بہترین رفیقہ حیات ثابت ہوئیں ۔ موصوف کو تین صاحبزادے ہیں جو بقیدِ حیات ہیں ۔ تینوں شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں ۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰنؒ صدیقی (تمغہ امتیاز)

حضرت کے آٹھویں صاحبزادے ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰنؒ صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ موسیٰ پاشا عرف تھا ۔ تاریخ ولادت ۲۲ / ربیع الاول ۱۳۴۱ ھ ہے ۔ آپ حضرت کی چوتھی زوجہ محترمہ رابعہ بیگم صاحبہ کے فرزند اکبر تھے ۔

جامعہ عثمانیہ سے ایم ۔ بی ۔ بی ۔ یس کی ڈگری لی ۔ ۱۹۵۵ء میں ہجرت کرکے پاکستان منتقل ہوگئے ۔ ۱۹۶۰ء میں انگلستان سے عملِ تخدیر (Anaesthesia) میں تخصیص حاصل کی ۔ انگلستان سے واپس ہونے کے بعد " لیاقت میڈیکل کالج " جام شورو میں بحیثیت چیف انستھیٹسٹ Chief Anaesthetist خدمت انجام دی ۔ ۱۹۶۵ء میں لڑائی کے موقع پر افواج پاکستان کو اپنی خدمات پیش کیں ۔ اور فوج ہی کے ہو رہے ۔ ابتداء تقرر میجر کے رتبہ پر ہوا ۔ ۱۹۶۹ء میں غیر معمولی طبی خدمات انجام دینے پر حکومت پاکستان کی جانب سے تمغہ امتیاز عطا کیا گیا ۔ ۱۹۶۹ء کے آخر سے ۱۹۷۳ء کی ابتداء تک سعودی عرب میں سکنڈمنٹ Secondment یعنی " انتداب " پر فرائض انجام دیتے رہے ۔

جامعہ ازہر | ۱۹۷۳ء - ۷۴ء کی عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر طبی وفد کے ساتھ مصر بھجوائے گئے ۔ وہاں جب شیخ جامعہ ازہر سے ملاقات کے لئے لے جایا گیا تو سرکاری طور پر ترجمان فراہم کئے گئے تھے ۔ یہ ملاقات تقریباً ۴۵ منٹ تک جاری رہی ۔ آپ نے شیخ سے سلجھی ہوئی عربی میں گفتگو فرمائی ۔ شیخ نے حیران ہوکر پوچھا کہ اتنی اچھی عربی میں آپ اس طرح جو بے تکان گفتگو کر رہے ہیں یہ آپ کے لئے کیسے ممکن ہوا ۔ موصوف نے اپنے والد کا نام لیا اور ان کا مختصر تعارف کرایا ۔ حضرت کی کتاب " الدین " جو بزبان عربی ہے وہ شیخ کی نظر سے گزر چکی تھی ۔

شیخ نے نہایت عزت اور گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔

لفٹنٹ کرنل کے عہدہ پر پہنچنے کے بعد آپ فوج سے سبکدوش ہوئے۔

پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد آپ دو مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ حضرت کی زندگی میں پہلی مرتبہ اور حضرت کے وصال فرما جانے کے بعد دوسری مرتبہ۔ پہلی مرتبہ کی تشریف آوری کے موقع پر چونکہ وہ پاکستان کے شہری کی حیثیت سے آئے تھے حضرت نے ایک جلسہ کیا تھا۔ جس میں پاکستان میں اپنے جانشین کی حیثیت سے ان کی جانشینی کی رسم ادا فرمائی۔ اپنے کپڑے پہنا کر باقاعدہ ان کو مسند پر بٹھایا۔ اپنے ہاتھوں سے ان کی گلپوشی کی اور حضرت کے وابستگان نے پھولوں کے ہار پہنائے۔ اور علامتی نذریں پیش کیں۔

موصوف نہایت ذاکر شاغل اور بڑے مرتاض انسان تھے۔ اسمائے الٰہی کی بیشمار زکواتیں دی تھیں۔ ایک مرتبہ دورانِ ذکر انھوں نے دیکھا کہ سورج کی روح اپنے تمام نظام شمسی کے سیارگان کی ارواح کے ساتھ حاضر خدمت ہے موصوف نے فرمایا " میں محض اللہ کے لئے اس کی یاد کر رہا ہوں۔ نظام شمسی کی ارواح کو تابع کرنا میرا مقصد نہیں ہے "۔ اور واپس کردیا۔ اس واقعہ کا انھوں نے حضرت سے تذکرہ کیا تو فرمایا " جیب میں ڈال لینا تھا کسی کونے میں پڑے رہتے تھے "۔

الحمد للہ آپ کو حج و زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ سعودی عرب میں بحیثیت ڈاکٹر ملازمت کے زمانہ میں آپ نماز جمعہ مسجد نبوی میں ادا فرماتے تھے۔ اور جب بھی موقع ملتا کعبۃ اللہ شریف پہنچ کر طواف کیا کرتے۔ سینکڑوں طواف کی سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا " ہمارے پاس سوٹڈ بوٹڈ دو فقیر ہیں۔ ایک پیر نجم الدین گیلانیؒ دوسرے موسیٰ "۔ ایک مرتبہ فرمایا " موسیٰ میری طبیعت پر ہے اُن کو میری جامعیت ملی ہے "۔

ایک مرتبہ موصوف نے صلوٰۃ الغوثیہ پڑھی۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے مثال میں محسوس طریقہ سے موصوف کو ملاقات کا شرف بخشا۔ گویا کہ وہ عالم شہادت میں جسم سے ملاقات کر رہے ہیں۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان کی شخصیت، ان کی بات چیت، ان کی وضع قطع دل میں کُھب جاتی ہے۔ ان کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے۔ اور بار بار ذکر کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ان سے ملنے کو تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ وہ دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں۔ انہی لوگوں میں کے ایک فرد موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی صاحب بھی تھے۔ وہ اپنے والد کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ ان کی زندگی کی پاکیزگی ان کے چہرہ سے ہویدا تھی۔ ان میں ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی۔ جو بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ان کی زندگی بہت بھرپور تھی۔ وہ بندگانِ خدا کی خدمت بالکل بے غرض ہو کر کرتے تھے۔ جس میں ذاتی مفاد، نمود و نمائش کو مطلق دخل نہ تھا۔ اور نہ وہ کوئی کام حصول جاہ کی خاطر سے انجام دیتے تھے۔ ان میں خدمت الناس کی بڑی لگن تھی۔ اور زبان پر ہمیشہ خدا اور رسول کا نام رہتا تھا۔

بے غرض انسانی خدمت کا بحیثیت ڈاکٹر انھوں نے جو نادر نمونہ زندگی بھر پیش کیا وہ انتہائی روح پرور ہے۔ وہ ہر وقت مشکلکشائی پر آمادہ رہتے تھے۔ دفع الوقتی سے کبھی کام نہ لیا۔ بڑے آدمی تھے مگر دوسرے بڑے آدمیوں کی طرح نہ تھے۔ وہ فقیر منش نہیں فقیر تھے۔ دراصل ان کے پاس شاہی میں فقیری تھی اور فقیری میں شاہی۔ ان کی زندگی کے ساز میں دھیما سُر کوئی تھا ہی نہیں۔ وہ پاکستان میں صدیقی قدیری گھرانے کے تنہا اجالا تھے۔

جوانی سے یہ بات ان کے پیش نظر رہی کہ مغرب کی مادیت کو اسلام کی روحانیت سے زیر کیا جائے ۔ اور روحانیت کے حصول میں اپنی کوششیں جاری رکھیں ۔ چنانچہ ایک آپریشن کے مریض کو نہ بیہوش کیا اور نہ آپریشن کے مقام کو سُن کر دینے کا انجکشن دیا بلکہ مریض سے اتنا کہا کہ میں تمہارا پیٹ یہاں سے یہاں تک چاک کروں گا ۔ اور انگلی پھیر کر مقام آپریشن سے مریض کو واقف کرادیا اور اس کو یقین دلایا کہ تم کو عمل جراحی کا نہ تو احساس ہوگا اور نہ کسی قسم کی تکلیف پھر ساتھ ہی عمل جراحی کے ذریعہ اس کا پیٹ چاک کیا ۔ مریض کو آپریشن کا احساس تک نہ ہوا ۔ انگلستان کے ڈاکٹروں میں تہلکہ مچا اور سارے ڈاکٹر متحیر ہوگئے ۔ اس واقعہ کی خبر وہاں کے اخبارات میں تک چھپی ۔

وہ چاہتے تھے کہ اسلام کے پیغام کو اس کی ابتدائی سادگی اور دل آویزی کے ساتھ مغرب کے سامنے پیش کیا جائے ۔ ان کا یہ ولولہ ان کے دل سے کبھی نہ نکلا ۔ ان کو یورپ میں طویل مدت تک مقیم رہنے کا موقع قدرت کی جانب سے اگر ملتا تو ان میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی کہ وہ اپنے ان خیالات کو وہاں عملی جامہ پہنا سکیں ۔ مگر ان کی عمر نے رفاقت نہ کی لہٰذا ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا ۔

حضرت سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا ۔ یہ ہیڈروجن بم سے کئی جہاز جو سمندر میں لنگر انداز ہیں کیا روحانیت سے ان کو بے اثر کیا جاسکتا ہے ؟ حضرت نے جواب دیا مسلمان کا یقین کامل ان کو بے اثر کرسکتا ہے ۔ موسیٰ پاشا اس جانب توجہ کریں تو کرسکتے ہیں ۔

موصوف کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔ ۱۲ / ماہ فبروری ۱۹۸۵ء م ۲۱ / جمادی الثانی ۱۴۰۵ھ روز کو موصوف کا انتقال بعمر ۶۳ سال پاکستان ، کراچی میں ہوا ۔ ہزارہا سوگواروں کی موجودگی میں اس زندہ جاوید کے جسد کو سپرد خاک کیا گیا ۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے انتقال سے خانوادہ قدیری کا ایک آفتاب غروب ہوگیا ۔

آپ کی زوجہ محترمہ کنیز فاطمہ مولانا الیاس برنی صاحب فاروقی صدر شعبۂ معاشیات جامعہ عثمانیہ کی صاحبزادی تھیں ۔ •

آپ کو دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں ۔ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں ۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی احمد عبدالشکور صدیقی

حضرت کے نویں صاحبزادے مولوی احمد عبدالشکور صدیقی قادری ہیں ۔ احمد پاشا عرف ہے ۔ تاریخ ولادت ۲۷ / ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ ہے ۔ جامعہ عثمانیہ سے معاشیات میں ایم اے کیا ۔ بی ایڈ بھی کامیاب ہیں ۔ فطرتاً طالب علم ہیں ۔ آپ کو رات دن مطالعہ سے فرصت ہی نہیں ۔ ٹہلتے ہوئے مطالعہ فرماتے ہیں ۔ دنیا سے مطلقاً سروکار نہیں ۔ گھریلو معاملات سے کوئی واسطہ نہیں ۔ نہ خود کسی کی برائی کرتے ہیں اور نہ کسی کی برائی سنتے ہیں ۔ برائی تو برائی ہے کسی کی اچھائی میں بھی بے ضرورت دخل انداز نہیں ہوتے ۔ ان سے کوئی کام ایسا نمایاں ہی نہیں ہوتا جو قابل گرفت ہو ۔ وہ حقیقت پسند واقع ہوئے ہیں ۔ نہایت متقی اور پرہیزگار آدمی ہیں ۔ نام و نمود سے سخت متنفر ہیں ۔ کسی چیز میں غلو یا تصنع سخت ناپسند ہے ۔ وہ چاہتے ہیں کہ اظہار حقیقت میں خواہ وہ کسی کے ساتھ ہو ، پیر کے ساتھ یا پیغمبر کے ساتھ ، اعتدال کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئیے ۔ وہ شروع سے نہایت سنجیدہ اور متین واقع ہوئے ہیں ۔ گنے چنے آدمیوں سے شاید وہ بے تکلف ہونگے ۔ تضیع اوقات کے لئے آپ کے پاس وقت ہی نہیں ہے ۔ بہت ہی کم گو واقع ہوئے ہیں ۔ رسمی باتیں تو وہ کرنا ہی نہیں جانتے ۔ نہایت خوددار انسان ہیں ۔ متواضع اور با اخلاق ہیں ۔ ہر ایک کے تعلق سے نیک ظن ہیں ۔ بزرگوں کے ساتھ حد و ادب پورا برقرار رکھتے ہیں ۔ ہر ایک سے وضعداری کے ساتھ ملتے ہیں اور اخلاص سے پیش آتے ہیں ۔

• موصوفہ بھی اپنے شوہر کے انتقال سے اندرون ایک سال انتقال کرگئیں ۔

آپ کی سیرت و شخصیت کا کمال یہ ہے کہ کسی حالت میں نہ اپنے حدود سے خود متجاوز ہوتے ہیں اور نہ دوسرا متجاوز ہوسکتا ہے۔ ان کی وضع قطع، رہن سہن اور انداز میں شروع سے اس وقت تک بہت کم تبدیلی ہوئی۔ ان کی سیرت میں ایسی پختگی ہے کہ ان کو زمانے کے ساتھ اپنے آپ کو بدلنے کی مطلق ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ ان میں جس درجہ یک رنگی اور توازن ہے وہ بہت کم لوگوں میں نظر آئے گا۔ آپ کی مثال ایسے شخص سے دی جاسکتی ہے جس کے شعور میں یہ حقیقت پیوست ہوگئی ہو کہ خدا حاضر و ناظر ہے اس لئے اس کو خلوت اور جلوت میں کہیں بھی خدا کے بتائے ہوئے راستہ سے انحراف نہ کرنا چاہئیے۔

تجوید کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن کی روایت بھی حضرت ہی سے حاصل ہے۔ بعض دینی کتابوں کے درس میں بھی شریک رہے۔ حضرت کے پاس تفسیر کا جو درس ہر اتوار کو ہوتا تھا اس میں پابندی سے شریک رہتے تھے۔ بیعت و خلافت حضرت سے حاصل ہے۔

پنجوقتہ نماز کے سختی سے پابند ہیں۔ اور پابندی اس کی کرتے ہیں کہ نماز اول وقت ادا ہو۔ اور نماز میں خشوع پوری طرح برقرار رہے۔ بلاناغہ تلاوت قرآن بھی فرماتے ہیں۔

پاکستان منتقل ہوجانے کے بعد آپ نے تعلیمات میں اپنی خدمات پیش کیں۔ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اور نہایت کامیاب ہیڈ ماسٹر۔

آپ کی زوجہ محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ حبیب محمد صاحب صوبہ دار کی صاحبزادی نواب حبیب یار جنگ بہادر کی پوتری اور نواب نصیر جنگ بہادر کی نواسی ہیں۔ آپ کو تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔ صاحبزادی شادی شدہ اور صاحبزادے زیر تعلیم ہیں

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی غوث محی الدین صدیقی

حضرت کے دسویں صاحبزادے مولوی غوث محی الدین صدیقی قادری ہیں۔ ● غوث پاشا عرف ہے۔ تاریخ ولادت ۱۳۵۳ھ ہے۔ نظام کالج میں بی۔ اے تک تعلیم پائی۔ حضرت کے صاحبزادوں میں موصوف ہی سب سے چھوٹے ہیں۔ حضرت کے نور نظر اور لخت جگر ہیں۔ حضرت کی کبر سنی تھی اور موصوف کی نو عمری لہذا یہ حضرت کے دل سے بہت قریب تھے موصوف کے مستقبل کے بارے میں حضرت کا تفکر عمر کا اقتضاء تھا۔ موصوف کی شادی بھی حضرت کے وصال فرما جانے کے بعد والدہ محترمہ کے زیر سرپرستی ہوئی حضرت کی بے انتہا دعائیں اور توجہ آپ کے ساتھ ہے۔ دنیا آپ کے قدموں میں ہے۔ دل دنیا کی دلفریبیوں سے بے تعلق ہے۔ تجارت آپ کا پیشہ ہے۔ آپ رات دن اپنے کام کی دھن میں رہتے ہیں۔ خطرہ و خسارہ مایوسی و بیزاری اور طعن اغیار کو خاطر میں لائے بغیر اپنے مقصد کی طرف مسلسل رواں دواں ہیں۔ اسباب کو اس کا حق پوری طرح دیتے ہیں۔ مگر نظر مسبب پر پوری طرح قائم ہے۔ یہ حضرت کے خون کا اثر ہے۔ ظاہر و باطن میں پوری طرح یکسانیت ہے۔ عام طور سے تربیت میں کہیں کوئی کمی کسی میں رہ جاتی ہے تو وہ تنگ دستی یا فراخی میں بالضرور بڑی شدت سے ابھر آتی ہے۔ اچھے اچھے اس منزل پر ڈگمگا جاتے ہیں۔ مگر الحمد للہ اس راہ میں آپ کا قدم، ہر قدم پر استوار و ہموار ہے۔ جو مکمل تربیت کی دلیل ہے۔

جرات سے اپنی بات کہتے ہیں۔ اور صبر کے ساتھ دوسرے کی سنتے ہیں۔ آپ کی شخصیت کا یہ پہلو نہایت بے نظیر ہے۔ جو بات ان کو معلوم نہ ہو اس کو دوسرے سے پوچھ لیتے ہیں۔ قطعاً تکلف نہیں کرتے۔ خواہ وہ ان سے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ رشتہ ناتوں

● حضرتؒ حسینی پاشا صاحبؒ کے انتقال کے بعد سے آپ ہی مسندِ سجادگی پر جلوہ فرما ہیں۔

کا بڑا پاس و لحاظ ہے۔ خاندان کے افراد سے پوری طرح باخبر، ہمدرد اور ہر دل عزیز ہیں۔

آپ کی چھٹی حس بہت تیز ہے۔ بعض وقت ایسی باتیں جو آپ کے ظاہری طور پر علم میں نہیں رہتیں۔ وہ اچانک معزاتی انداز میں پوچھ بیٹھتے ہیں یا بیان کردیتے ہیں۔ جس سے سننے والوں کو حیرانی ہوجاتی ہے۔

ایک اور وصف آپ کا بڑا خاص ہے کہ کسی بھی معاملہ میں جلد سوچتے ہیں اور صحیح تصفیہ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا دماغ حاضر اور ذہن رسا ہے۔

تقاریب میں وہ کاموں میں کتنے ہی منہمک کیوں نہ رہیں مہمانوں کو ایک لحہ کے لئے نہیں بھولتے۔ مہمان مختلف سطح کے ہونے کے باوجود کسی کو یہ شکایت نہیں پیدا ہوتی کہ داعی نے کسی کے لئے کمی یا زیادتی روا رکھی۔ یہی وہ عجیب و غریب ملکہ یا خلوص ہے جس نے موصوف کو سب میں ہر دل عزیز بنا رکھا ہے۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل ہے۔

آپ کی زوجہ محترمہ سکندر النساء بیگم صاحبہ مولوی سید سلیمان علی عابدی صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کو تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں بڑے فرزند اور دو بڑی صاحبزادیوں کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے۔ (تفصیلات کے لے ملاحظہ ہو شجرہ)

دوسرے داماد مولوی محمد انور الدین صدیقی

حضرت کے دوسرے داماد مولوی محمد انور الدین صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ حضرت بحرالعلوم کے عم زاد بھائی حضرت مولوی محمد نور الدین صدیقی صاحبؒ کے فرزند اکبر تھے۔ تاریخ ولادت پنجشنبہ ۱۰ / جمادی الاخریٰ ۱۳۰۸ھ تھی۔ موصوف راقم الحروف کے والد ماجد تھے۔

ابتدائی ملازمت پیمائش کے سررشتہ سے شروع ہوئی۔ جس زمانہ میں عثمان ساگر (گنڈی پیٹ) کی شروعات ہوئی تھیں اس وقت آپ بحیثیت اوورسیر اس کی پیمائش کرنے والوں میں شامل تھے۔ بعد میں اپنے والد کے فرمانے پر اس تکلیف دہ ملازمت کو ترک کردیا۔ اور بحیثیت صیغہ دار دفتر نظامت تعلیمات میں آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ اسی زمانہ میں آپ کی شادی حضرت کی صاحبزادی خدیجہ بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ شادی کے بعد آپ نے صدر مہتمم تعلیمات میدک مستقر بلدہ کے دفتر میں بحیثیت سررشتہ دار ترقی پائی اور وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہونے سے تقریباً دو سال پیشتر تک وہیں کام کیا۔ نظامت تعلیمات میں بحیثیت منتظم ترقی پائی اور وہاں تقریباً دو سال کام کرنے کے بعد وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

سررشتہ داری کے دور میں مولوی فیض الدین صاحب (بیرسٹرایٹ لا) صدر مہتمم تھے۔ ان کو والد کی شرافت، دیانت قابلیت پر پورا اعتماد تھا۔ ساری مراسلت والد کیا کرتے۔ بحیثیت صدر مہتمم ان کی دستخط سے حکم احکام جاری ہوتے۔ اسی بناء پر تحتانیہ، وسطانیہ اور فوقانیہ کے سارے صدر مدرسین اور پرنسپل صاحبان والد سے ملاقات کرنے والد کے اجلاس پر آتے رہتے اور خصوصی ربط رکھتے تھے۔ اور آپ سے بیحد عزت و تکریم سے پیش آتے تھے۔ اصل میں یہ سارے لوگ آپ کو اصل کرتا دھرتا سمجھتے تھے۔ ان میں سے بعض تو والد سے ملنے گھر پر تک آیا کرتے تھے۔ تعطیل کیا رہتی والد کے لئے بجائے راحت کے زحمت ثابت ہوتی۔ صبح سے شام تک

مدرسین کا ایک نہ ختم ہونے والا تانتا بندھا رہتا ۔ اتنی مہلت ہی نہ ملتی کہ آپ خاصہ سے فراغت حاصل کرسکیں ۔ ہر ایک سے نہایت خوش دلی اور خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش آتے ۔ ان کے مسائل میں اللہ واسطے پوری طرح مدد کرتے ۔ یہی وجہ تھی کہ تمام مدارس کے سارے مدرسین اور صدر مدرسہ سب کے پاس ہر دلعزیز اور محترم ہستی تھے ۔ کسی سے تحفہ تحائف باوجود اصرار کے ہرگز قبول نہ کرتے ۔ انسان کو نعمت کے مطابق اگر ظرف نصیب نہ ہو تو نعمت لعنت بن جاتی ہے ۔ اللہ نے آپ کو نعمت سے زیادہ ظرف عطا فرمایا تھا ۔ گو معجزہ کا زمانہ نہیں رہا لیکن محبت اور خلوص میں اب بھی بڑی کرامتیں پوشیدہ ہیں ۔ یہ حقیقتیں والد کے طرز عمل سے کھل کر میرے سامنے آئیں ۔

والد کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ اہل خاندان کو اس وقت ہوا جس وقت میرے منجھلے بھائی مولوی وقار الدین صدیقی وقارؔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں آم کے درخت کی کرم خوردہ کمزور ٹہنی کے ٹوٹ جانے کے باعث درخت سے سر کے بل زمین پر آرہے تھے ۔ سر میں شدید چوٹ لگنے اور زیادہ خون بہہ جانے کے باعث بیہوشں ہوگئے تھے ۔ اور دواخانہ عثمانیہ میں زیر علاج تھے ۔ عیادت کی غرض سے مدرسین ، احباب اور رشتہ دار اس قدر کثیر تعداد میں روز آنہ آیا کرتے کہ دواخانہ میں مریض کی شہرت ہوگئی تھی ۔ اور ڈاکٹرس ، نرسس ، بیمار اور دیگر آنے جانے والے حیران تھے ۔ لوگوں کی زبان پر تھا کہ اگر ناظم تعلیمات کے لڑکے کو اس طرح حادثہ پیش آتا تو اس کے عشر عشیر لوگ بھی بغرض عیادت شاید زحمت گوارا نہ کرتے ۔

خاندان کے بیشتر تعلیم یافتہ نوجوانوں کو آپ کی وجہ سے تعلیمات میں ملازمت کا موقع حاصل ہوا ۔ والد کی یہ صفت میرے لئے ناقابل فراموش ہے کہ وہ اگر کسی کی مدد کرتے یا کسی قسم کا سلوک مسلوک کرتے تو پھر اس کا تذکرہ زبان پر کبھی نہ لاتے اور نہ ممنونیت کے خواہشمند رہتے ۔

مولوی فیض الدین صاحب کے ترقی پاکر ناظم تعلیمات ہوجانے کے بعد ان کی جگہ پر مولوی احمد حسین خان صاحب پرنسپل سٹی کالج تشریف لائے تھے ۔ ان کے دور میں بھی ان کا طرز عمل آپ کے ساتھ فیض الدین صاحب سے کچھ کم نہ رہا ۔ قدرِ گوہر شاہ داندیا بداند جوہری ۔ مولوی احمد حسین خان صاحب اپنے اصولوں کے سخت پابند ، نہایت قابل ، محنتی اور تجربہ کار تھے ۔ اور ساتھ ہی ساتھ مردم شناس بھی تھے ۔

والد کی طبیعت میں بلا کی نفاست تھی ۔ جوانی میں اپنے زمانے کے نہایت فیشن ایبل لوگوں میں آپ کا شمار تھا ۔ حقیقی معنوں میں بالکل جنٹلمین مگر تھے پوری طرح اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے ۔ آپ جس تہذیب کے نمائندے تھے وہ تہذیب اب ختم ہوچکی ہے ۔ حیدرآباد میں دستیاب ہونے والے انگلش فرموں کے قیمتی پارچہ جات خریدتے اور عمدہ سلائی کا ضرورت سے زیادہ اہتمام کرتے ۔ آپ کے زیر استعمال جتنی اشیاء ہوتیں ان سب پر میڈان انگلینڈ یا میڈان جرمنی لکھا ہوتا تھا ۔ شیروانی موسم کا اعتبار کرتے ٹوئیڈ ، سلک ، مول اسکن ، شارک اسکن کی ہوتی ۔ ایسو کا پاجامہ ، ململ کا کرتا سر پر کرسٹی ٹوپی ، پیر میں کالا پمپ شوز ، قیمتی پاتابے استعمال کرتے ۔ عابد ، میر حسن اور یونس کی دوکانوں سے جو اس وقت حیدرآباد کی مشہور اور بڑھیا شاپیں تھیں سامان کی خریدی کرتے ۔

حیدرآباد میں ابتداءً انگلینڈ سے چند سیکلیں مارکٹ میں آئی تھیں جس میں سے ایک سیکل حضرت بحر العلومؒ کے عم زاد بھائی مولوی احمد حسین صدیقی صاحب نے خریدی اور ایک سیکل والد نے خریدی اور غالباً تین چار سیکلیں یہاں کے بعض سربرآوردہ لوگوں نے خریدیں ۔ والد فرماتے تھے اس زمانے میں ۔ چونکہ سیکل پہلی بار یہاں دیکھنے میں آئی تھی تو راستہ چلنے والے سیکل سوار کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ اور پولیس کا جوان بازو سے گذرنے پر باقاعدہ سیلوٹ کرتا تھا ۔

اتنے فیشن ایبل ہونے کے باوجود صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے ۔ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرتے ۔ رمضان میں زندگی بھر تراویح کی پابندی کی ۔ مسجدوں کو آباد کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہے ۔ ہر جمعہ برسہا برس بعد نماز فجر یا نماز عصر تا مغرب ختم خواجگان پڑھتے ۔ نہایت ذاکر شاغل اور تہجد گذار تھے ۔ وظیفہ حسنِ خدمت حاصل کرنے کے بعد رات میں سوتا ہوا گھر والوں نے نہیں دیکھا ۔ البتہ دن میں کچھ دیر سو جاتے تھے ۔ آپ کا قلب جاری تھا ۔ صوت سرمدی شدت سے کھلتی تھی ۔ والدہ جب تک بقید حیات رہیں انھوں نے اور والد نے صوتِ سرمدی کا شغل برسوں کیا ۔ صوتِ سرمدی اور دل کی حرکت کو یکساتھ ذات بے چوں پر منطبق کرنے سے سارا عالم کھل جاتا ہے ۔ والد کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی ۔ والد اور والدہ میں باہم جو محبت تھی خاندان میں بطور مثال پیش کی جاتی تھی ۔ خود حضرت والد سے بے حد محبت رکھتے تھے ۔ اکثر فرماتے تھے نواب دولھے میاں (یعنی میرے والد) اور یوسف پاشا (یعنی حضرت کے بھتیجے اور داماد محمود عبدالصبور صدیقی صاحب) سے مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی ۔ والد کے آداب و تمیز کی تعریف کرتے اور ان کا خود بھی بڑا لحاظ فرماتے ۔

زندگی میں جتنے خارزاروں میں سے آپ کو وقتاً فوقتاً گزرنا پڑا آپ کی وضعداری نے دوسروں کو اس کا احساس ہونے نہ دیا ۔ آپ جس محفل میں تشریف لے جاتے اہلِ محفل پر آپ کی باوقار شخصیت کا اثر پڑتا لوگ اپنی جگہ سنبھل جاتے ۔ اور آپ مرکز توجہ بن جاتے ۔ ابتداء میں چھوٹی سی فرنچ کٹ داڑھی رکھتے تھے ۔ وظیفہ پر سبکدوش ہوجانے کے بعد بڑھالی تھی ۔

آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا ۔ اردو ادب سے خاص لگاؤ تھا ۔ علمی اور ادبی ماہوار رسالے مثلاً نیرنگ ، سب رس ، ہمدرد ، مخزن ، تمدن عصمت ، زمانہ وغیرہ ۔ مختلف رسالوں کی خصوصی اشاعتیں ، سالنامے منگواتے اور خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کرتے ۔ میں ہوش سنبھالنے کے بعد دیکھا کرتا تھا کہ وہ اہل قلم حضرات مثلاً منشی پریم چند ، باقر علی داستاں گو ، مرزا عظیم بیگ چغتائی ، قاضی عبدالغفار ، فرحت اللہ بیگ ، شوکت تھانوی ، راشد الخیری ، علی عباس حسینی ، کرشن چندر ، کنہیا لال کپور وغیرہ کے رسالہ جات یا مضامین جب بھی شائع ہوتے خرید کرلاتے ، عام طور پر تعطیل یا پھر رات میں والدہ کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے ۔

خواجہ حسن نظامی اور ملا واحدی کا جاری کردہ رسالہ " نظام المشائخ " اور خواجہ صاحب کا رسالہ " منادی " مولانا ابو کلام آزاد کے اخبارات " الہلال " اور " البلاغ " بھی مطالعہ میں رہا کرتے ۔ مولانا آزاد کے پرزور اداریوں کو بیحد پسند فرماتے تھے ۔ اور غالبؔ کے رقعات کی بھی تعریف کرتے تھے ۔

صاحب طرز ادیبوں مثلاً مولانا ابو کلام آزاد ، خواجہ الطاف حسین حالی ، علامہ شبلی نعمانی ، مولوی نذیر احمد ، محمد حسین آزاد ، مولانا سلیمان ندوی خود حضرت کا اور دیگر اہل قلم کا لٹریچر آپ کے مطالعہ میں رہتا تھا ۔ اہلِ سلسلہ بزرگان دین اور بعض ممتاز صوفیا کی تصانیف بھی نظر سے گذر چکی تھیں ۔

فقہ حنفیہ پر پوری طرح نظر تھی ۔ حدیث میں تجرید البخاری کا حضرت سے درس لیا تھا ۔ حضرت نے روایت کی سند بھی عطا کی تھی ۔ فنِ تجوید کی تعلیم بھی حضرت ہی سے پائی اور تجوید کے ساتھ پورا قرآن سنا کر حضرت سے سند روایت بھی حاصل فرمائی تھی ۔

اپنی ادبی زندگی کا آغاز بعض مضامین لکھ کر کیا ۔ آپ کے مضامین میں منظر نگاری ، جذبات کی ترجمانی ، زبان کی سادگی ، شگفتگی اور روانی پائی جاتی تھی ۔ تراکیب کی حسین آمیزش ، پُر اثر مکالمے ، طنز و مزاح اور تنقید سے آپ کے مضامین مملو ہوتے تھے ۔ بعض مزاحیہ مضامین میں اسلوب شوخی و بے باکی تک بھی جا پہنچا تھا ۔ آپ کے مضامین کے مطالعہ سے آپ کی نگاہ کی وسعت ، احساسات کی لطافت اور قوتِ بیانی کی ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا تھا ۔ آپ خود بھی صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے ۔

آپ نے بچوں کے لئے روحِ جغرافیہ ، اور جغرافیہ اطفال دو رسالے لکھے تھے ۔ جو تعلیمات کے نصاب کے عین مطابق تھے ۔ داخل نصاب کئے جانے کے سلسلہ میں گورنمنٹ میں پیش بھی ہوئے ۔ وہاں سجاد مرزا صاحب جو ٹیچرس ٹریننگ اسکول کے پرنسپل تھے ان کی کتابیں بھی ساتھ ہی پیش ہوئی تھیں ۔ والد کی دونوں کتابیں بے حد پسند کی گئیں ۔ مگر سجاد مرزا صاحب کی کتابوں کو منظور کر کے شریک نصاب کیا گیا ۔ اور والد کی دونوں کتابیں بھی زائد از نصاب کے طور پر رکھی گئیں ۔ البتہ اتنا ضرور رعایت رکھی گئی کہ یہ دونوں کتابیں اگر کسی اسکول میں پڑھائی جائیں تو اس کی اجازت رہے گی ۔ چنانچہ آپ کی دونوں کتابیں ایک عرصہ تک مختلف مدارس میں پڑھائی جاتی رہیں ۔ اور بہت مقبول ہوئیں ۔

حضور نظام حکیم السیاست بھی تھے ۔ انھوں نے اہل سنت والجماعت اور اہلِ تشیع کے درمیان یکساں تعلق پیدا کرنے کی غرض سے ایک راہ نکالی اور تفضیلیت کو اختیار کیا ۔ خلفائے راشدین کے جو مدارج اہلِ سنت و الجماعت میں مسلمہ ہیں اس سے گریز ایک فتنہ تھا ۔ وہ بادشاہ تھے کچھ مذہبی پیشوا تو نہ تھے ۔ مگر اس کا اثر یہاں کے مشائخین پر جن کی اکثریت سادات کی تھی بُرا پڑا اور ان کو اہلِ سنت و الجماعت کے مسلک سے ہٹانے اور تفضیلیت کی طرف مائل کرنے کا موجب بنا ۔ چنانچہ والد نے ایک کتاب " الفضائل " نہایت مبسوط تالیف فرمائی ۔ جس میں دین کی پہچان ، محمد رسول اللہ کی شان ، قرآن کی عظمت ، حدیث کا مقام ، اسلام کی اخوت ، ملت میں اہلِ بیت اطہار ، صحابہ کرام کی فضیلت ، خلفائے راشدین کے مدارج قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں صراحتاً پیش فرمایا ۔ اس کتاب کے ملاحظہ سے قرآن و حدیث پر آپ کی نظر کی گہرائی اور دینی فہم و ادراک کی صحت مندی کے ساتھ ساتھ آپ کی سیرت ، شخصیت ، نقطہ نظر ، وسعت علم ، اصابت فکر کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔ وہیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے خیالات ، جذبات اور افکار کے اظہار کے لئے جو زبان ، لہجہ اور اسلوب اختیار کیا ہے وہ موقع و محل کے اعتبار سے کتنا مناسب اور درست ہے ۔ اور آپ کی قوت استدلال اظہار حق میں کتنی قوی اور مستحکم ہے ۔ یہ کتاب جو (۲۰۱) صفحات پر مشتمل ہے ماہ ربیع الاول ۱۳۷۶ ھ میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر علماء میں مقبول ہوئی ۔

حضرت نے اس کتاب کو کامل طور پر سماعت فرمانے کے بعد اپنی رائے اس طرح تحریر فرمائی احسنت ما کتبت فماذا بعد الحق الا الضلال (آپ نے جو لکھا خوب لکھا پس اب حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے) گویا کتاب پر قرآنی آیت کے ذریعہ مہر توثیق ثبت فرمادی ۔

آپ نے فاتحہ کے جواز پر بھی دل نشین انداز میں ایک رسالہ " لزوم فاتحہ " کے نام سے لکھا ہے جو پسند کیا گیا ۔ آپ نے فرمایا تھا کہ " اس کی دوبارہ اشاعت کے وقت ٹائٹل بدل کر رسالہ کو کسی اور موزوں نام سے موسوم کردیا جائے " ۔

کتاب الفضائل جب پریس میں دوران طباعت تھی اسی زمانہ میں ایک مرتبہ آپ اپنے پلنگ پر نیم دراز لیٹے ہوئے تھے ۔ اچانک غنودگی سی معلوم ہوئی ۔ آپ نے حالت غنودگی میں دیکھا کہ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ کو مخاطب کر کے السلام علیکم فرمایا والد نے جواب میں و علیکم السلام کہا اور احتراماً اٹھ بیٹھے اور بیدار ہوگئے ۔

اسی زمانہ میں ایک مرتبہ والد کرسی پر تشریف فرما تھے ۔ اچانک غنودگی سی طاری ہوئی اور دیکھا کہ حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر ، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے اور والد کو مخاطب کر کے فرمایا " یہ حضرت مولیٰ ؓ ہیں آپ سے ملو ، والد نے حضرت مولیٰ ؓ سے شرف قدم بوسی حاصل کیا ۔ اور ساتھ ہی بیدار ہوگئے ۔ (ایک مرتبہ والد نے مجھ سے فرمایا روز جب میں نیند سے بیدار ہوتا ہوں تو میری نظر سب سے پہلے چچا حضرت کے چہرہ انور پر پڑتی ہے) ۔

اصل میں والد بغیر کسی نمائش اور دعووں کے باطناً بڑے مرتبہ کے فقیر تھے ۔ جس کو انہوں نے زندگی بھر پوشیدہ رکھا تھا ۔

مگر آپ کی موت نے بالآخر ظاہر کردیا کہ یہ خاک نشین در حقیقت عرش پرواز تھا ۔ عام طور پر لوگ عرش پروازی کی باتیں تو کرتے ہیں مگر ان کو خاک نشینی تک صحیح طور پر نہیں آتی ۔

انسان اور موت میں آج تک مفاہمت نہ ہوسکی اور نہ آئندہ ممکن ہے ۔ انسان موت تو تسخیر کرسکا ہے اور نہ کرسکتا ہے اور نہ موت انسان کے کارناموں کو بے نو کرسکتی ہے ۔ موت مامور و مجبور ہے اپنے کو بدلنا اس کے لئے ممکن نہیں مگر انسان موت کی طرح مجبور نہیں وہ اپنے کو لامتناہی حد تک بہتر اور برتر بنا سکتا ہے ۔ صرف یہی نہیں وہ مرکر نہیں مرتا بلکہ زندہ جاوید ہوسکتا ہے اور ہوجاتا ہے ۔ بشرطیکہ وہ خدا اور رسول کے رنگ میں رنگین ہوجائے اور اس کا آخری کلمہ "کلمہ طیبہ" رہے ۔

والد بھی ان ہی لوگوں میں کے ایک تھے ۔ جو مرکر بھی نہیں مرے اور زندہ جاوید ہوگئے ۔ ان کے زندہ جاوید ہوجانے کی خود ان کی موت نے گواہی دی ۔ اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ آخر زمانہ میں ان کی صحت گرچکی تھی ۔ آپ کے عم زاد بھائی اور برادرِ نسبتی حضرت کے صاحبزادے اور جانشین مولوی عبدالرحیم صدیقی صاحب کا انتقال ہوا تو سواری میں "صدیق گلشن" تشریف لائے ۔ سواری سے اترنے کی طاقت نہیں تھی ۔ مجبوراً سواری میں تشریف فرما رہے ۔ قبر تیار ہوچکی تھی اور حضرت کے ٹھیک پائین میں تھی ۔ یہ دیکھ کر اپنے فرزند میرے بھائی مصطفےٰ عتیق الدین صاحب سے فرمایا " رحیم صاحب بھائی ٹھیک پائین میں ہیں تو پھر میرے لئے جگہ کہاں ہے ؟ یہ ظاہر ہورہا تھا کہ وہ تیسر کی طرح ٹھیک پائنتی اپنی تدفین چاہتے ہیں ۔ چوبیس دن بعد آپ کی باری آئی ۔ (۲۴ ۔ شوال ۱۳۸۸ ھ) علی پاشا صاحب نے رحیم پاشا صاحب کے بازو قبر تیار کرنے کا حکم دیا اور کام شروع بھی ہوگیا تھا ۔ ہم بھائیوں نے حاضر ہوکر عرض کیا " والد حضرت کے ٹھیک پائین میں اپنی تدفین چاہتے تھے ۔ ان کی اس خواہش کی تکمیل ضروری ہے " ۔ علی پاشا صاحب نے فرمایا " وہ بڑے بھائی تھے اور بزرگ آدمی تھے ان کو بھائی جان کے پائنتی کس طرح دفن کیا جاسکتا ہے " ۔ ہم نے عرض کیا " رحیم پاشا صاحب والد کے مرشد زادے بھی تو تھے ۔ کچھ ہرج نہیں والد کی خواہش تو پوری ہوجائے گی ہمارے معروضہ کو علی پاشا صاحب نے بعد اصرار پر قبول فرمالیا ۔ چنانچہ والد کی خواہش کے عین مطابق ان کی تدفین حضرت کے ٹھیک پائین میں عمل میں آئی ۔

وصال کے وقت والد کی عمر اسی (۸۰) سال سے چند ماہ (چار ماہ چودہ دن) متجاوز ہوچکی تھی ۔

اب اس زندہ جاوید کی موت کا حال بھی سنئے ۔

عین وصال کے دن حضرت کے صاحبزادے احمد پاشا صاحب اور ان کی محلِ محترمہ کو جو پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد پہلی مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے تھے ۔ دوپہر کے خاصہ پر مدعو فرمایا تھا ۔ دونوں کی ہر طرح تواضع کی ۔ طبیعت میں اندرونی طور پر ناقابل بیان حالت گذر رہی تھی ۔ مگر اپنے پر اتنا قابو حاصل تھا کہ مہمان کو اندرونی افتادِ طبیعت کا اندازہ چہرے کے تاثرات سے تک نہ ہونے دیا ۔ اور پوری خوش دلی اور خوش گواری کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے ۔ ان کی ملازمت اور دیگر احوال اور بالخصوص اپنے فرزند میرے تیسرے بھائی محمد نور الدین صدیقی کے تعلق سے سوالات کئے ۔ اور مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی ۔ طبیعت میں حد درجہ پستی تھی پلنگ پر نیم دراز ہوگئے اور اسی حالت میں گفتگو فرماتے رہے ۔

اسنے میں علی پاشا صاحب کے فرزند حسین پاشا عیادت کی غرض سے تشریف لائے تو ان کے لئے خاصہ کا اہتمام کروایا اور خود تواضع نہ کرسکنے کی معافی چاہتے رہے اور ان کی عیادت کی غرض سے زحمت کرنے کا شکریہ ادا کیا ۔ انتقال سے پون گھنٹہ پیشتر احمد پاشا صاحب نے واپسی کی اجازت چاہی ۔ ان کے لئے سواری منگوائی ۔ کسی کو کیا خبر تھی کہ خلوص و محبت و فرحت کا یہ پیکر مجسم کچھ دیر کا مہمان ہے ۔ دونوں میاں بیوی رخصت ہونے لگے تو ان کو خدا حافظ کہا اور یہ شعر بھی پڑھا

بہ سفر رفتنت مبارکباد ٭ بسلامت روی و باز آئی

دونوں کے روانہ ہوتے ہی اپنی ایک بہو سے بستر درست کرنے کہا اور اپنے ایک فرزند سے فرمایا " تم فوراً جاؤ اور مبارک پاشا (ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی صاحب) کو فوری ساتھ لاؤ ۔ میری طبیعت بگڑ رہی ہے ۔ ہوش و حواس آخر تک پوری طرح برقرار رہے ۔

میری نظر والد کی آنکھوں پر پڑی تو ان میں ناقابل بیان مستی غیر معمولی چمک اور چہرے پر عجب طرح کی دمک اور تابش دیکھی جو میں نے آج تک کسی میں نہیں دیکھی تھی ۔ دراصل پروردگار عالم کی یاد فرمائی اور نورِ محمدی کی ضو افشانی تھی ۔ داعی قلب نے آگاہ کیا کہ ان کا وقت آخر آپہنچا ہے قریب ہے کہ یہ اپنے رب سے جاملیں ۔ میں فوراً والد کی خدمت میں جا پہنچا ۔ ان کے قریب پلنگ پر بیٹھ گیا ۔ ان کے ہاتھوں اور پیروں کو دبانے پیشانی اور سر کو سہلانے لگا ۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا جمال مبارک پیش نظر ہوا تو درود پڑھتا گیا ۔ اور چہرہ انور اور جسم اطہر پر غیر ارادی طور پر دونوں ہاتھ پھیرتا گیا ۔ اور اپنے چہرہ اور جسم پر ملتا گیا ۔ اپنی آخرت ذ ئیل آیا تو والد سے دعائے مغفرت کا طالب ہوا ۔ اور عرض کیا " باواجان ! آپ میرے لئے دعا فرمایئے "۔ انھوں نے مجھے مختلف دعائیں دیں ۔ میں نے پھر عرض کیا " باوا جان ! آپ میری مغفرت کی دعا فرمایئے ۔ اس معروضہ پر آپ نے دعا دی " اللہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی بارگاہ میں صحابی بنائے ۔ یہ دعائیہ الفاظ جس میں درود شامل ہے والد کے آخری الفاظ تھے ۔ مجھے محسوس ہوگیا کہ وہ اب ہماری طرف نہیں ہیں ۔ والد نے کہنیوں کے بل پر اپنے اوپری حصہ جسم کو اونچا کیا اور لا الہ الا اللہ کا ذکر جہر سے کرنا شروع کیا اور باقاعدہ اپنے قلب پر ضرب لگانے لگے ۔ اتنے میں ڈاکٹر عبدالعلیم صدیقی صاحب (مبارک پاشا) بھی آپہنچے اور پلنگ پر بیٹھ کر والد کے سر کو اپنے سینے سے سہار لیا ۔ سارے بھائی اور بھاوجیں اور میری اہلیہ یہ سب پلنگ کے اطراف جمع ہوگئے ۔ والد برابر لا الہ الا اللہ کا بالجہر ذکر کئے جارہے تھے اور باقاعدہ قلب پر ضرب بھی لگارہے تھے ۔ ہم سب ان کے ساتھ ذکر میں شامل ہوگئے اچانک چہرے سے ایک کرب کی سی کیفیت نمایاں ہوئی اور ڈوبتی ہوئی آواز میں محمد رسول اللہ کے الفاظ سب کو صاف سنائی دیئے اور ان کی روح قفس عنصری سے آزادی حاصل کرکے حیات النبی سے نئی زندگی پالی ۔

مبارک پاشا صاحب نے والد کا سر اپنے سینے سے تکیہ پر رکھ دیا ۔ بجائے رونے اور غم کا اظہار کرنے کے میں نے والد کی قابلِ رشک موت پر سب بھائیوں کو مبارکباد دی ۔ ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے ۔ پھر سب بھائی ایک دوسرے سے گلے ملتے گئے اور باہم مبارکباد پیش کرتے گئے ۔ میری اہلیہ اور بھاوجیں بھی ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرکے ایک دوسرے سے گلے ملیں ۔ ہم سب نے اپنے قلوب کو اس فضل عظیم پر شکر گذار پایا ۔ اور اللہ نے ہم پر رحمت و سکینیت اتاردی والحمد للہ رب العلمین ۔

چوتھے داماد محمود عبدالصبور صدیقی

حضرت کے چوتھے داماد مولوی محمود عبدالصبور صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا محمد عبدالمقتدر صدیقی فضل رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند دوم تھے ۔ تاریخ ولادت ۷/ شعبان المعظم ۱۳۲۲ ھ روز دو شنبہ تھی ۔ آپ مختون تولد ہوئے ۔ یوسف پاشا عرف تھا ۔ فضیلت تخلص فرماتے تھے ۔

ابتدائی تعلیم ضلع میدک کے اسکول میں ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد صدر مدرسہ تھے ۔ حدیث وفقہ کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں ۔ تفسیر و فلسفہ کا درس اپنے بڑے چچا و خسر محترم حضرت بحرالعلوم سے لیا ۔ عربی ادب میں مولانا سید ابرہیم صاحب ادیب اور مولوی سید نبی صاحب سے استفادہ فرمایا ۔ مولوی عبدالواسع صاحب سے منطق پڑھی ۔ فن تجوید میں آپ کے استاد حافظ قاری فضل علی صاحب تھے ۔ ان کا اپنا ایک خاص لحن تھا ۔ آواز میں مٹھاس اور درد بلا کا تھا ۔ نہایت جید حافظ تھے ۔

موصوف نے عثمانیہ یونیورسٹی سے بی ۔ اے کامیاب کیا اور تعلیمات کے سررشتہ سے منسلک ہوگئے ۔ اور ساتھ ہی آپ کی شادی بعمرہ ۲۵ سال آپ کی چچازاد بہن حضرت کی صاحبزادی میمونہ بیگم عرف خواجہ بیگم صاحبہ سے کردی گئی ۔ آپ کا ابتدائی تقرر کاماریڈی کے وسطانیہ مدرسہ پر ہوا جو بعد میں فوقانیہ بنا ۔ ضلع نظام آباد اور ضلع محبوب نگر کے مدارس پر برسوں کام کرنے کے بعد آپ کا تبادلہ شہر حیدرآباد میں چنچل گوڑہ ہائی اسکول پر عمل میں آیا ۔ دورانِ ملازمت آپ نے ڈپ ۔ ایڈ کیا ۔ اور عربی ادب سے ایم ۔ اے بھی کیا ۔ بعد میں ورنگل کالج پر بحیثیت لکچرر مقرر ہوئے ۔ حیدرآباد میں ویمنس کالج ، نظام کالج ، چادر گھاٹ کالج اور عثمانیہ یونیورسٹی میں عربی کے ریڈر کی حیثیت سے کام کرتے رہے ۔ وظیفہ حسنِ خدمت حاصل کرنے کے بعد بھی مختلف مقامات اور مساجد میں عربی کا درس جاری رکھا ۔ گھر پر بھی لوگ حاضر ہوکر استفادہ کرتے تھے ۔

انھوں نے اپنے شاگردوں سے کبھی فیس نہیں لی اور نہ کسی اور صورت میں ہدیہ یا نذرانہ ہی قبول کیا ۔ آج کل کے اساتذہ کی طرح انھیں اسباق پہلے سے تیار کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی ۔ مضمون کی تفصیلات ان کے ذہن میں محفوظ اور تازہ رہتی تھیں ۔

آپ نے بچوں میں عربی کا ذوق پیدا کرنے کی خاطر عربی زبان میں متعدد ڈرامے کروائے جس کو اساتذہ اور صدر مدرسہ نے بہت پسند کیا خود بھی عربی زبان میں ایک ڈرامہ " عاقبۃ الخیانۃ " لکھا جو مطبوعہ ہے ۔ ایک عرصہ تک نصاب میں شامل رہا ۔ معقول پسندی اور حسن تدبیر پر زیادہ زور دیتے تھے ۔ علوم پر اچھی نظر تھی بالخصوص عربی ادب پر حاضر علم تھا ۔ موصوف کے سامنے اردو یا فارسی کا کوئی اچھا شعر پڑھا جاتا تو اکثر وہ اس سے ملتے جلتے مضمون کا عربی شعر سنا دیتے تھے ۔ تجوید پر موصوف کا رسالہ " مفتاح التجوید " نہایت بافیض رسالہ ہے اس کے بے شمار ایڈیشن طبع ہوچکے ہیں ۔

دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ۔ پہلی مرتبہ ۱۹۶۲ ء میں اہلیہ محترمہ اور چھوٹی لڑکی کے ساتھ اور دوسری مرتبہ ۱۹۸۰ ء میں اپنے مخصوص مریدوں کے ساتھ ۔

۱۳۵۰ ھ میں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ عراق کا سفر فرمایا ۔ بغداد شریف ، کربلائے معلی ، نجف اشرف کاظمین شریفین ، سامرہ ، بصرہ وغیرہ کی مختلف درگاہوں پر حاضری دی اور فیوض سے مشرف ہوئے ۔

موصوف میرے خالو تھے اور رشتہ میں چچا ، ماموں اور پھوپھا بھی ہوتے تھے ۔ جس وقت وہ کاماریڈی کے مدرسہ پر کارگذار تھے میں جماعت دوم میں زیر تعلیم تھا ۔ ان کی بڑی لڑکی عارفہ شیر خوار بچی تھی ۔ خالہ صاحبہ کی تنہائی کا خیال کرتے میری والدہ نے والد سے کہہ کر مجھے موصوف کے ساتھ کاماریڈی روانہ کردیا ۔ میں تقریباً دو سال وہاں ان کے ساتھ رہا ۔ اس طرح مجھے موصوف کی شاگردی کا شرف حاصل رہا ۔ موصوف کا تبادلہ جب حیدرآباد میں چنچل گوڑہ ہائی اسکول پر ہوا تو اس وقت میں بحیثیت مدرس وہاں کارگذار تھا اور جماعت نہم کا کلاس ٹیچر تھا ۔ تقریباً دو سال موصوف کے ساتھ ساتھی مدرس کی حیثیت سے کام کرنے کا بھی موقع ملا ۔ اسی بنا پر ان کی شخصی خوبیوں کو بچشم خود قریب سے دیکھنے کا مجھے موقع مل سکا ۔

فرائضِ منصبی کو محض فرض سمجھ کر نہیں پورا کرتے تھے بلکہ اس کے ادا کرنے میں لطف اٹھاتے ۔ موصوف سے طلباء مسرور بھی رہتے اور مرعوب بھی اور دل سے احترام کرتے تھے ۔ وہ اسکول ہو یا کالج سب سے الگ تھلگ رہتے تھے ۔ اور اپنے کام سے کام رکھتے تھے ۔

موصوف نہایت پاکیزہ سیرت کے مالک تھے ۔ وہ مزاج کے بہت نرم تھے ۔ بات کرتے وقت چہرے پر مسکراہٹ رقصاں رہتی اور انکساری اور معصومیت ٹپکتی تھی ۔

موصوف بالکل زاہد خشک نہ تھے ۔ طبیعت میں مزاح بھی تھا ۔ باتوں ہی باتوں میں ایسے ایسے فقرے ، لطیفے کہہ جاتے کہ سننے

والوں کی طبیعت باغ باغ ہوجاتی ۔ وہ خود نہیں ہنستے تھے دوسروں کو ہنسادیتے اور خود مسکراتے تھے ۔ اس کے باوجود ہر موقع اور ہر مقام پر اپنا وقار قائم رکھتے تھے ۔ نہایت خود دار انسان تھے ۔ جسے دوست رکھتے اس سے نہایت خوش ہوکر آگے بڑھ کر جی کھول کر ملتے اور کوئی نہ کوئی خوش دلی کا فقرہ ضرور کہتے ۔ ان میں وہ تمام صفات پائی جاتی تھیں جو انسان کو حقیقی معنوں میں قابلِ احترام بناتی ہیں ۔

موصوف کی زندگی نہایت سیدھی سادھی اور پاکیزہ تھی ۔ وہ پکے مولوی تھے ۔ بے سروپا باتیں نہ خود کرتے اور نہ سنتے تھے ۔ دل و دماغ نہایت متوازن تھا ۔ اور شخصیت نہایت دل آویز تھی ان میں تعلی نام کو نہ تھی ۔ تبسم ان کی شخصیت کا جز تھا ۔

نماز کے سختی سے پابند تھے ۔ احباب میں ہوتے تو اس خوبی سے نماز کے لئے اٹھ جاتے کہ دوسروں کو یہ محسوس بھی نہ ہوتا کہ وہ تو نماز پڑھنے جارہے ہیں ۔ اور دوسرے خوش گپیوں میں مصروف ہیں ۔ کسی کو ندامت میں مبتلا ہونے نہ دیتے اور نہ اپنی زندگی اور دین داری کی نمائش ہی کرتے موصوف نے فرائض مذہبی کو ڈرانے دھمکانے یا فخر و پندار کا ذریعہ کبھی نہ بنایا ۔

ملاقات کی غرض سے آنے والوں سے ہمیشہ محبت آمیز مدارات سے پیش آتے تھے ۔ پان بہت کھاتے تھے ۔ پان میں زردہ استعمال کرتے تھے ۔ ہر آنے والے کی تواضع پان سے ضرور کرتے ۔ بعض وقت تو اپنے ہاتھ سے پان بناکر پیش کردیتے تھے ۔ پان کا بٹوا ہمیشہ ساتھ رہتا تھا ۔

وہ اخبار پڑھنے کے اس قدر خوگر تھے کہ بغیر اخبار پڑھے رہ نہیں سکتے تھے ۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ بھی فرماتے ۔ اسلامی ممالک کی ترقی اور خوشحالی اور وہاں کے سیاسی حالات کے بارے میں بیحد دلچسپی رکھتے تھے ۔ وہاں کی سیاسی اور مذہبی خرابیوں پر ملول ہوتے اور ان کی بقا خوشحالی اور سلامتی کے لئے دعا فرماتے ۔

ایم ۔ اے کی تیاری کے زمانہ میں زوجہ محترمہ تقریباً دو سال دماغی توازن کھو بیٹھی تھیں ۔ اس پریشانی میں بھی موصوف کی پیشانی پر بل تک نہ آیا ۔ ان کی راحت کی جزئیات پر جیسی ان کی نظر تھی اس کی مثال بہت کم ملے گی ۔ ملازمت اور علمی مشاغل سے فرصت ملتی تو بیوی کی دلجوئی اور ان کا بیماری سے خیال ہٹانے کی مسلسل فکر کرتے ۔

ایک مرتبہ جب موصوفہ اپنے والد کے پاس مہمان تھیں ۔ حضرت نے ان کا حال ملاحظہ فرمایا تو بیٹی سے فرمایا " باوا ! یوسف لکھنے پڑھنے والا آدمی ہے دوسرا عبدالقدیر ہے اس کو تنگ مت کیا کرو ۔

وہ مکروہات دنیا میں کبھی بھول کر بھی نہ پھنسے ۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اسم بامسمیٰ اور یوسف بافیض تھے ۔

موصوف کی آخری اور طویل بیماری میں ان کی منجھلی لڑکی اور داماد اور نواسے (منجھلی لڑکی کے فرزند) شاہد نے جس محبت ، عقیدت اور دل جمعی سے ان کی خدمت اور تیمارداری کی ہے وہ قابلِ قدر ہے ۔ شاید بیٹا بھی ہوتا تو ایسی خدمت نہ کرسکتا ۔

علم کی یہ شمع جو عرصہ دراز سے اپنی آخری منزلیں طے کررہی تھی بالآخر ۲۹ / ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ بروز دو شنبہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی ۔ موصوف " مرقد عشاق " واقع عیدی بازار اپنے والد کے پائین میں مدفون ہیں ۔

میرے دل و دماغ میں ان کی قابلِ تقلید سیرت اور ان کی بے انتہا شفقت اور محبت کی ناقابلِ فراموش یاد محفوظ ہے ۔

موصوف کو بیعت و خلافت اپنے والد سے حاصل تھی ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔ خاصی تعداد میں لوگ آپ کے مرید ہیں ۔ اولاد نرینہ نہ ہونے کی بناء پر اپنے منجھلے داماد فیاض الدین علی صدیقی کی ہر طرح تربیت فرمائی خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے بعد اپنا جانشین منتخب فرمایا ۔ چنانچہ وہ اپنے خسرِ محترم کی پوری طرح نیابت کررہے ہیں ۔ والحمد للہ علی ذالک ۔

بڑے پوتے ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی

حضرت کے بڑے پوتے ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی صاحب مولوی محمد عبدالرحیم صدیقی صاحبؒ کے فرزند اکبر ہیں۔ مبارک پاشا عرف ہے۔ ارمان تخلص فرماتے ہیں۔ تاریخ ولادت ۲۶ / ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ ہے۔

عثمانیہ میڈیکل کالج سے ایم بی بی یس کی ڈگری لی۔ خانگی پراکٹس کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ قرآنی آیتوں سے مایوس العلاج مریضوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔ مایوس العلاج مریض اللہ تعالیٰ سے مایوس ہوجاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ سے مایوس ہونے سے ایمان میں خلل پڑتا ہے۔ آپ کے یہاں دوا سے بھی علاج کیا جاتا ہے اور دعا سے بھی۔ مایوس العلاج مریضوں کے ایمان میں تقویت پہنچتی ہے اور ان میں خدا کی شکر گذاری پیدا ہوتی ہے۔ خدا سے ربط و تعلق استوار ہوجاتا ہے مگر اس طرح لوگوں کے ایمان میں تقویت پہنچانے کے لئے آپ کے جیسا ایمان و یقین بھی درکار ہے اور ایسی شفاء کا پرتو بھی درکار ہے جو شافی مطلق آپ سے نمایاں کر رہا ہے۔

فن تجوید کی تعلیم حیدرآباد کے مشہور قاری میر روشن علی صاحب سے حاصل فرمائی۔ جو فن تجوید میں استاذ الاساتذہ کے منصب پر فائز تھے۔ تجوید میں موصوف نے برسوں ریاض کیا۔ مخارج کی ادائی میں کمال حاصل کیا۔ خود مولوی روشن علی صاحب کے ہمدرس مولوی قاری کلیم اللہ حسینی صاحب نے دوران تقریر فرمایا کہ خود روشن علی صاحب اپنے اس شاگرد پر نازاں تھے۔ تجوید کے ایک جلسہ میں مولوی روشن علی صاحب کے ہمدرس مولوی قاری کلیم اللہ حسینی صاحب نے دوران تقریر کہا کہ ”مولوی روشن علی صاحب نے زندگی میں بے شمار قاری پیدا کئے جن میں بہت سے شاگرد نہایت ممتاز بھی نکلے۔

مولوی سید نبی صاحب استاذ عربی جن کا عربی میں اول تا پنجم درسی کتابوں کا سلسلہ ہے اور نہایت معیاری ہے، موصوف بغرض تحصیل علم ان کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے موصوف سے دوران تعلیم ایک عنوان دے کر اس پر مضمون لکھنے کہا۔ آپ نے مضمون لکھ کر پیش کیا تو دیکھ کر فرمایا ”یہ تو پکی پکائی ہانڈی میں نے اتارلی ہے“۔ بعد میں وہ فرمایا کرتے تھے ”میرے بعد عربی ادب میں میرا اگر کوئی جانشین ہے تو وہ عبدالعلیم صدیقی صاحب ہیں“۔

عربی کے ایم۔ اے کے طلباء آپ کے دولت خانہ پر جمع ہوتے اور آپ سے تحصیل علم کرتے ہیں۔ کتنوں کو آپ کی بدولت ایم اے کی ڈگری مل سکی۔ اب تو یہ عالم ہے کہ ایسے ریسرچ اسکالر جو ڈاکریٹ کی ڈگری حاصل کرنے مقالے لکھتے ہیں تو ان کے مقالوں میں آپ کی روح کار فرما رہتی ہے۔ موصوف عربی ادب کے موجودہ ڈکشن سے بھی واقف ہیں جو عربی ممالک میں اس وقت رائج ہے۔

تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم دینیہ پر اچھی نظر رکھتے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر کسی کو یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آپ کا علم کتنا مستحضر، کتنا وسیع اور کتنا عمیق ہے۔ اور کس کس فن میں کتنا کمال رکھتے ہیں۔ حضرت اکثرؒ آپ کو دعا دیا کرتے تھے کہ ”اللہ تم کو میرا علم اور تمہارے باوا کا تقویٰ عطا کرے“۔ مولوی عبدالرحیم صاحب سن پاتے تو اپنے دونوں کان پکڑتے اور سر جھکا دیتے۔

موصوف کے بڑے چچا مولوی عبدالعزیزؒ صاحب بڑے جامع الکمال انسان تھے۔ حضرت کی آل اولاد میں موصوف سے بڑھ کر کوئی ان کی یاد تازہ کرنے والا دوسرا نہیں۔ آپ کو دیکھنے سے آپ کے والد، بڑے چچا اور دادا تینوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ دنیا بدل چکی ہے، تصورات میں رنگینی باقی رہی نہ حرارت، عزائم میں نہ استواری ہے نہ برکت، زندگی کی رفتار ہی نہیں اس کا رخ بھی بدل گیا ہے۔

آپ کی نفسیاتی اور ذہنی پرداخت میں جہاں آپ کے والد کا حصہ ہے وہیں آپ کی والدہ کا بھی حصہ ہے۔ آغوش مادر سے آپ

براہ راست اپنے دادا کے آغوش میں آئے اگر یہ بات نہ ہوتی تو اتنا ہمہ جہت موصوف ہونا ممکن ہی نہ ہوتا۔ موصوف حضرت کی دعاؤں سے پیدا ہوئے، بڑے پوتے تھے، اصل سے سود پیارا کا مصداق تھے۔ حضرت کی خصوصی توجہ، حضرت کا فیض روحانی اور حضرت کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اصل میں آپ منتخبہ لوگوں میں کے ایک ہیں۔

ایک مرتبہ آپ حضرت کے پاؤں دبا رہے تھے۔ حضرت نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا "باوا! ایک وقت ایسا آئے گا اللہ تم کو بہت سرفراز کرے گا، بہت سرفراز کرے گا۔ (اور ساتھ ہی ساتھ کلمہ کی انگلی سے اس طرح اشارہ کرتے جا رہے تھے گویا بات کا یقین ہونے کا اظہار فرما رہے ہوں۔) پھر فرمایا "اس وقت تم اپنے باوا کو نہیں بھولنا رحیم صاحب کا مقام بہت بلند ہے، بہت بلند ہے، بہت بلند ہے"۔ اس وقت آپ اپنے والد کی گدی پر بحیثیت جانشین فائز ہیں۔ بحمد اللہ اپنے والد کا نقش قدم بنے ہوئے ہیں۔ اور حضرت کی دعا سے اللہ نے بہت سرفراز کیا ہے۔

ہر بات میں دوسرے سے سبقت لیجانے کا جذبہ ان میں بچپن سے تھا ونیز قوت ارادی کی پختگی کے باعث وہ ہر فن میں دوسروں کو پیچھے چھوڑ کر اپنی سطح پر فرد فرید ہیں۔ آپ ان لوگوں میں کے ایک ہیں جن کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ یہ آدمی ایسا ہے جو آسمان سے تارے توڑ کر لاتا ہے۔ مگر آپ کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ تارے خود ٹوٹ کر آپ کے دامن میں جمع ہو جاتے ہیں۔

انگریزی، عربی، فارسی، اردو اور ہندی، ہر زبان میں نظم و نثر لکھنے پر قادر ہیں۔ جس کسی ممتاز صاحب طرز شاعر کے اسلوب و آہنگ پر اشعار لکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود شاعر کی روح حاضر خدمت ہو کر لکھا رہی ہے۔ اگر آپ کے اشعار اور شاعر کے اشعار ملا دیئے جائیں تو تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ الفاظ کو برمحل و بے تکلف اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ ذوق کو تسکین ہو۔ آپ کو جواہر پاروں سے کھیلنا خوب آتا ہے۔

آپ کا قد اوسط سے نکلتا ہوا، سینہ کشادہ، اعضاء متناسب، رنگ گورا نکھرتا ہوا۔ نقشہ نرم و نازک، آنکھیں روشن جس سے جذبات کا اتار چڑھاؤ چھلکتا رہتا ہے۔ نظر تیز و پر اعتماد، انداز میں سنجیدگی، متانت و بانکپن، انگلیاں ایسی جن میں قلم، شمشیر و رباب سب ہی زیب دیں۔ آپ میں جمالیاتی ذوق بھی معیاری ہے۔ ہر کام میں معقول پسندی اور حسن تدبیر کو بڑا دخل ہے۔

آپ نے مختلف قسم کے عطریات تیار کئے۔ سینٹ ایسے کہ باہر کے سینٹوں کا دھوکا ہو۔ ہیر آئیل ایسا تیار کیا کہ بال گرنے سے رکیں، گھن پیدا ہو اور مزید سفید ہونے سے بچ جائیں۔ اسنو اور شمپو بھی تیار کرتے ہیں۔ فونٹین پن کی انک ایسی کہ جو پتی کو خراب کرے اور نہ پانی سے دھل جائے۔ نہایت خوشبودار، خوش رنگ، منقش صابن تیار کیا۔ ان تمام اشیاء کو لوگوں نے بہت پسند کیا اور شوق سے استعمال کرتے ہیں۔ اونی سوئٹر مختلف ڈزائن کے تیار کرتے ہیں ان میں اتنی صفائی ہوتی گویا مشین کے تیار کردہ ہیں۔ سادہ جالی پر کشیدہ کا کام مختلف ڈزائنوں کے ساتھ اس انداز کا کہ کارگے کا دھوکا ہو۔ کروشیا کا کام تو کشیدہ کے مقابلے میں کیا چیز ہے جس کا تذکرہ کیا جائے۔ پنٹنگ میں بھی کافی مہارت ہے۔

مولوی حشمت علی صاحب قادر رقم سے جو اپنے زمانے کے مشہور اور ممتاز خوش نویس تھے۔ خط نسخ اور خط نستعلیق میں اصلاح لی اور مہارت پیدا کر لی۔

کتابت کی روشنائی فونٹین پن کے لائق تیار کی اور بعض مضامین کی کتابت بھی کی۔ مضامین کی طباعت کے بعد خط کا اندازہ ہوا اور نوک پلک جس طرح ابھر آئے اس کو دیکھ کر بعض خوش نویس بھی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

آپ کو بچپن سے ورزش کا بھی شوق رہا۔ بنوٹ تو خاندان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ سرکس کے کمالات سے سب کو حیران کر دیا۔

ہاتھوں پر چلنا تو آپ کے لئے معمولی بات ہے۔
نیل ورک اس طرح کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے گویا ڈائی کے ذریعہ ابھارا گیا ہے۔
تندرستی، زندہ دلی، استقلال اور استقامت کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔ جو بات کرتے ہیں پتے کی اور دل لگتی بات کرتے ہیں۔ اپنے بڑوں کا حد درجہ ادب کرتے ہیں۔ بچوں سے اس طرح شفقت سے پیش آتے ہیں گویا وہ آپ کے دوست ہیں۔ ضرورت پر اس طرح مدد کرتے ہیں کہ خود اپنے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔
آپ کی گفتگو میں شگفتگی، رنگینی اور زیبائی رہتی ہے۔ جب آپ پر لطف باتیں کرنے پر اتر آتے ہیں تو برمحل لطائف یا برجستہ فقروں کی کمی نہیں رہتی ہے۔ سننے والوں کی طبیعت باغ باغ ہوجاتی ہے۔
آپ کا انداز گفتگو مریضوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی موجودگی میں بیمار بھول جاتا ہے کہ وہ بیمار ہے۔ آدھی شفا تو آپ کی گفتگو سے ہوجاتی ہے۔ بحیثیت طبیب مریض کو مریض کی حیثیت سے دیکھتے ہیں خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔
آپ ایسے لوگوں سے علمی گفتگو نہیں کرتے جن کے بارے میں خیال ہوتا کہ اس کو علم کا گھمنڈ ہے۔ یا علم کی گہرائی یا وزن اس کو نصیب نہیں۔ یا صرف دنیوی اقتدار کا حامل ہے۔ اگر کوئی بات یا مسئلہ چھیڑ بھی دے تو اطمینان کے ساتھ ٹال جاتے ہیں۔ اگر کسی کو واقعتاً تحقیق کا شوق ہو اور بطور خاص آپ سے رجوع کرے تو نہایت خوشی، اطمینان اور اعتماد کے ساتھ متعلقہ مسئلہ کے بارے میں تمام نکات بڑے لطف اور وضاحت سے بیان کرکے تشفی فرما دیتے ہیں۔ ورنہ عام طور پر غیر ضروری مباحث میں حصہ لینے سے گریز کرتے ہیں۔
آپ سے ملنے والے مسرور بھی رہتے ہیں اور آپ سے مرعوب بھی آپ کی موجودگی میں نہ کوئی کسی کی غیبت کرسکتا ہے اور نہ کسی کی عیب جوئی خود آپ کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہی نہیں جس سے بدمزگی پیدا ہونے کا امکان رہتا ہے یا اونچے گھرانے والوں کو زیب نہیں دیتے۔ گفتگو بلند آواز سے کرتے ہیں کانا پھوسی سخت ناپسند ہے۔
کسی سے مرعوب ہونا تو جانتے ہی نہیں، مذہبی عقائد میں کٹر، سلوک میں بے لوث، جو جتنا چھوٹا ہوتا ہے تو اس سے اتنی ہی فروتنی سے ملتے ہیں اور جو بڑا، بڑا بن کر آتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ بڑے ہو کر ملتے ہیں خاندانی وقار کسی مقام پر متاثر نہیں ہوسکتا۔ آپ میں مصلحت اندیشی ضرور ہے مگر مصلحت پر مبنی ہرگز نہیں۔
دراصل آپ کی ذات ایسی ہے جو اپنی جگہ پہاڑ کی طرح اٹل اور قائم ہے۔
آپ کی زوجہ محترمہ معراج فاطمہ سید جمال الدین صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کو چھ صاحبزادیاں ہیں۔ بڑی صاحبزادی شادی شدہ ہیں مابقی صاحبزادیاں زیر تعلیم ہیں۔ ●۱

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

حسین عطاء اللہ صدیقی

حضرت کے پوتے مولوی حسین عطا اللہ صدیقی صاحب ●۲، مولوی ابوتراب علی صدیقی صاحب کے فرزند دوم ہیں۔ حسین پاشا عرف ہے۔ تاریخ پیدائش ۱۳/ شوال ۱۳۵۱ھ ہے۔
آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ حضرت کے آخری خلیفہ ہیں۔ کلام مجید اور صحاح ستہ کی روایت آپ کو اپنے والد سے حاصل ہے۔ بی کام تک تعلیم پائی۔
موصوف کی زندگی میں مختلف نشیب و فراز آئے۔ جو کسی کی زندگی میں نہیں آئے۔ آپ کو بدتوفیقیوں سے سابقہ پڑا۔ جن کی رگوں

●۱ اب صرف چھوٹی صاحبزادی کی شادی باقی ہے۔ ●۲ حسین پاشا کا انتقال ۱۹ ذوالحجہ (۲/ جولائی ۱۹۹۰ء) کو ہوگیا۔ (اکیڈیمی)

میں آپ خون بن کر دوڑ رہے تھے مگر ان ہی کی بدولت آپ کی آنکھوں سے خون ٹپک پڑا۔ لیکن آپ کے قلب میں حزن و ملال کا نام و نشان نہ تھا۔ اور آپ کی روح بدستور تابندہ تھی۔ تقدیر الٰہی بعض وقت جن کو برگزیدہ بنانا چاہتی ہے ناکامی میں بھی جلوہ گر ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ کامرانی کا موجب بنتی ہے۔

اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ مولویوں کے خاندان کا یہ فرد تجارتی سٹے بٹوں سے نابلد تجارت کے شوق میں اجناس کی دوکان سجا بیٹھا۔ کاروبار چل نکلا دیکھتے ہی دیکھتے گردش دوراں کا شکار ہوا کوئی چلتر ہوتا تو اپنا دیوالیہ نکال کر یا دوسروں کو ڈبو کر خود ساحل سے جا لگتا اور اپنی جان بچا کر پھولے نہ سماتا۔

یہاں دنیوی حساب کتاب سے زیادہ اخروی حساب کی فکر تھی اس آسمانی سلطانی بار گراں کو تقدیر کے ساتھ ہم آہنگ پاکر بلا کسی رنج و ملال کے اپنے دوش پر اٹھالیا۔ توفیق تائید الٰہی ساتھ ہوئی تو رفتہ رفتہ بار گراں سے عزت کے ساتھ سبکدوشی نصیب ہوئی نہ صرف یہ بلکہ اس فضلِ عظیم نے آپ کو گراں مایہ بھی بنادیا۔

اس امتحانی دور میں آپ نے ہزار منہ ہزار باتیں سنیں۔ ایسے زمانہ میں آدمی نہایت حساس۔ احساسِ کمتری کا شکار، زود رنج اور تنگ مزاج ہوجاتا ہے۔ اور سب سے تعلقات اور روابط میں توازن قائم رکھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ مگر آپ نے پورے وقار اور مستعدی کو برقرار رکھا۔ اور مسکراتے ہی رہے۔ یہ اس فقیر پر ڈالی جانے والی مالی افتاد تھی جس میں عزت داؤ پر لگی تھی۔ مگر اللہ نے ہر طرح عزت رکھ لی مگر اس افتاد کے نتیجہ میں دنیا نظروں میں بے حقیقت ہوگئی۔ نظر مردم شناس بن گئی۔ خواہشات مردہ ہوگئے۔ اور نفس گداختہ ہونے لگا۔ اور صبر کی منزل سے گذر کر تسلیم و رضا کی منزل میں استقامت گزیں ہوا۔

خدا سے نسبت جڑی تو حمیت دین متقاضی ہوئی کہ ان مسلمانوں کو جو اپنی جہالت سے شرک کی لعنت میں بعض نام نہاد فقراء کی وجہ سے گرفتار ہیں جو فقراء کا ڈھونگ رچا کر علویات کے نام پر سفلیات کا زور چلا رہے تھے ان کو شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے ایمان کے نور درخشاں کی طرف کھینچ لیا جائے اور خدا اور رسول اور دین اسلام کی طرف پھر سے متوجہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے ان مسلمانوں کو جو شیخ صدو، نرسو اور کالی کو ملنے لگے تھے اور ان کے نام پر پیسے دے رہے تھے اور ان کے نام کے چراغ جلا رہے تھے اور ان کے نام پر زندہ جانور دفن کر رہے تھے۔ ان مشرکانہ افعال سے توبہ لی اور خوب استغفار پڑھوایا۔ ہمیشہ باوضو رہنے کی تاکید کی اور نماز پر لگادیا۔

موصوف کی بدولت سینکڑوں عورتیں اور مرد بلکہ خاندان کے خاندان شیاطین اور ملاؤں سے چھٹکارا پائے اور شرک کی لعنت سے بچے اور نور ایمان سے ان کے قلوب منور ہوئے۔

چھ سات سال پیشتر تقریباً چھ سات سال تک آپ نے حسبتہً للہ یہ خدمت انجام دی اس زمانہ میں آپ کی بیٹھک - صدیق گلشن - کے کتب خانہ کے ہال میں رہتی تھی۔ صبح سے رات دیر گئے تک مسلسل آیات قرآنی اور اسماء الٰہی پڑھ پڑھ کر آسیب زدہ پر دم کرنے، وقت پر کھانا نہ کھانے اور صرف چائے اور پان پر اکتفا کرنے اور ایک نشست پر گھنٹوں بیٹھے رہنے کی بناء پر آپ کی صحت گرنے لگی۔ آپ کے والد کو اپنے فرزند کی صحت گرتی ہوئی نظر آئی تو متفکر ہوگئے۔ اور آپ کو اس طرح جان لیوا بار لینے سے تاکیداً روکنا شروع کیا۔ بالآخر بمصداق جان ہے تو جہان ہے، حکماً - صدیق گلشن - کی اس طویل بیٹھک کو قطعی طور پر روک دیا۔ اور صبح و شام ایک ایک گھنٹہ اہلِ غرض کو گھر پر وقت دینے کی اجازت دی۔ چنانچہ اس پر عمل کیا جانے لگا۔ اسی دوران آپ نے ایک ایڈیڈ اسکول میں جو فوقانیہ تھا۔ بحیثیت محاسب دفتر خدمت قبول کرلی اور ساتھ ہی "صدیق گلشن" میں اپنے حصہ میں آئی ہوئی معطیہ زمین پر مکان کی بنیاد ڈالی اور رہائش کے

قابل چند کمرے تیار کر کے اس میں منتقل ہوگئے۔ آپ کئی برس سے اس میں فروکش ہیں۔ اور دادا کے زیر سایہ سلسلہ رشد و ہدایت جاری ہے ۔ صدیق گلشن " میں آپ کی اس بیٹھک کا دور جس کا تذکرہ اوپر ہوا ہے بڑا تاریخی دور گزرا ہے۔ جو مدتوں یاد رہے گا۔ مختلف النوع امراض اور مختلف اقسام کے پریشان حال لوگ کثیر تعداد میں صبح سے رات دیر گئے تک موصوف کو گھیرے رہتے۔ شیطان زدہ کی چیخ و پکار بعض کا یہاں سے وہاں تک اور وہاں سے یہاں تک لوٹنا اور بھاگ دوڑ۔ اور ہر قماش کے اہل غرض کا ہجوم و ہنگامہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ اس ماحول میں آپ آخر زندہ کیسے ہیں۔ اور ہوش و حواس برقرار کس طرح ہیں۔ جہاں ہر شخص آپ کے حسن اخلاق، شرافت، کشادہ قلبی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا۔ اور آپ کے چہرہ بشرہ سے ناگواری کا شائبہ تک نمایاں نہ رہتا۔ اور چہرہ پر ہر وقت مسکراہٹ ہی رقصاں رہتی۔ اور آپ کا یہ حال رہتا کہ نہ کسی سے الجھتے نہ اکتاتے۔ اور نہ بے توجہی برتتے۔ تھکنا اور ہارنا گویا وہ جانتے ہی نہ تھے۔ آپ کی خلقی شگفتگی اور ملاطفت اس سارے ہنگامے پر غالب ضرور رہتی۔ آپ اصل مقصد یخرجھم من الظلمات الی النور کو نظر انداز کر کے موقتی جزئیات میں الجھنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ آپ کا تو یہ حال رہتا کہ گویا پارس بنے بیٹھے ہیں۔ جہاں کسی کے سر کو آپ کے ہاتھ نے چھولیا بس وہ کندن ہوگیا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر آنے والا آپ کے گن گاتا، بالآخر آپ کا مرید ہوجاتا اور اپنے گذشتہ مشرکانہ یا مکروہ اعمال سے تائب ہوکر آپ کے حلقہ ذکر میں آپ کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہوا نظر آتا جو ہر پنجشنبہ بعد نماز مغرب ہوا کرتا تھا۔ جس میں مرد اور عورتیں قریب ڈیڑھ ہزار کے شریک رہتے تھے۔ آپ کی ان کرامتوں کا شہرہ دور دور تک جا پہنچا۔ اضلاع سے تک لوگ رجوع ہونے لگے تھے۔ حلقہ ذکر میں ہر ہفتہ صرف بھونگیر سے تقریباً پچاس نفوس بہ پابندی شریک رہتے تھے۔ دراصل یہ حضرت کا فیض ہے جو جاری تھا اور آج بھی جاری ہے۔ اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔

حضرت کے وصال سے آج تک حضرت کے عرس کے انتظامات آپ سے متعلق رہے ہیں۔ جس میں دنیا بھر کی سرگرمیوں سے سابقہ پڑتا ہے آپ کی سرکردگی میں ہر کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پاتا، نہ اپنے طور طریق سے منتظم عرس ہونے کا اظہار کرتے اور نہ اپنی اہمیت ہی جتاتے۔ آپ کو دیکھ کر یہ محسوس ہونے لگتا کہ شرافت، اولوالعزمی، خلق اور خدمت خلق در حقیقت اس چند روزہ زندگی میں بندہ کے لئے خالق کی طرف سے بڑا انعام ہے۔

آپ کی زوجہ سیدہ خیر النساء جیلانیہ مولوی سید محی الدین احمد قادری صاحب مرحوم کی صاحبزادی ہیں جن کا پدری اور خاندانی سلسلہ حضور غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے۔

نواسے محمد وقار الدین صدیقی

حضرت کے نواسے برادرم مولوی محمد وقار الدین صدیقی صاحب ● مولوی محمد انور الدین صدیقی صاحب کے فرزند دوم ہیں (راقم الحروف کے منجھلے بھائی ہیں) وقار تخلص فرماتے ہیں۔ منجھلے صاحب عرف ہے۔ تاریخ ولادت ،/ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۲ھ ہے ایم اے ایل ایل بی کامیاب ہیں بی۔ ایڈ بھی کیا ہے۔ بحیثیت لکچرر عربی سٹی کالج سے حال ہی میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے ہیں۔

فن تجوید حضرت سے سیکھا۔ تجوید سے حضرت کو قرآن سنایا۔ اور سند روایت حاصل فرمائی۔ صحاح ستہ کی بھی روایت حضرت ہی سے حاصل ہے۔

حضرت نے قرآن مجید کی تفسیر لکھانی شروع کی جو "تفسیر صدیقی" کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت لکھاتے اور مظہر الدین قادری لکھتے۔ ان کی غیر حاضری یا دیگر اوقات میں لکھنے کا کام موصوف سے لیتے۔ جب تفسیر کا کام پایہ تکمیل کو پہنچا تو حضرت نے پھولوں کے تین

● مولوی وقار الدین صاحب کا انتقال ۱۲/ جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ (۸/ دسمبر ۱۹۹۲ء) میں ہوا۔

بار منگوائے ایک بار خود پہنا اور ایک ایک بار ان دونوں کو پہنایا۔ اور فرمایا "یہ خادم قرآن ہیں" اس وقت خادم قرآن کی واحد نشانی اللہ رکھے آپ رہ گئے ہیں۔ اور خدمت قرآن میں مصروف ہیں۔ چند مسجدیں مقرر کرلی ہیں، دن بھی مقرر کردیئے ہیں، کلام پاک کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ حضرت کی اجازت سے یہ سلسلہ کئی سال سے جاری ہے۔

جو لوگ کلام پاک کی تفسیر و تعبیر کی نزاکتوں کو جانتے ہیں وہی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ موصوف اپنے نانا و مرشد کی صحبت میں ان کے علم و عرفان، قرآن فہمی اور اس کی بصیرت میں کس قدر رنگے ہوئے ہیں اس سے خود موصوف کے فضائل علمی اور واردات قلبی پر روشنی پڑتی ہے۔

علم ان کا مزاج بن چکا ہے۔ تقویٰ و طہارت پیدائش سے ساتھ لائے ہیں۔ اللہ رسول، مرشد اور محبوبانِ خدا کی محبت گھٹی میں پڑی ہے۔ آداب و تمیز و اخلاق، انسانیت و شرافت متانت و بردباری ورثہ میں ملی ہیں۔ جانی و مالی نقصانات پہنچنے کے باوجود تسلیم و رضا کی منزل سے صبر کی منزل میں نزول نہیں کیا۔

اپنی اہلیہ کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہیں۔

شاعری اور موسیقی سے فطری لگاؤ ہے۔ اشعار میں جدت، طرز ادا کی ندرت اور پھر سلاست کے ساتھ ساتھ درد و سوز کی اثر انگیزی جادو جگاتی ہے۔ مشاعروں میں آپ کا کلام سننے کے لئے لوگ سراپا شوق و انتظار ہوتے ہیں۔ جب آپ اپنا کلام سناتے ہیں تو سننے والے اچھل پڑتے ہیں اور مجمع میں ایک ہمہمہ سا پیدا ہوجاتا ہے۔ بعض اشعار پر مجمع سے نعرہ تحسین بلند ہوتا ہے کہ دیر تک کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

آپ کے کلام کی اثر انگیزی، پڑھنے کے انداز، خوش الحانی اور آواز کے ترنم میں غیر معمولی ہم آہنگی پائی جاتی ہے جو آپ کے کلام کا حقیقت میں جزو معلوم ہوتے ہیں۔

اردو، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں یکساں قدرت بیان قائم ہے۔ اور ان تینوں زبانوں میں آپ کا کلام موجود ہے۔ اور مقبول خاص و عام ہے۔

نثر میں ادبیت اور معنویت ہے۔ موقع محل کے لحاظ سے کہیں تفہیمی انداز ہے اور کہیں فصاحت و بلاغت ہے۔ خیالات کی رفعت ہے۔ ماورائی بصیرت ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کے چار فصلوں کی آپ نے اس انداز میں پیچ در پیچ گتھیاں سلجھائی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر آپ خود اپنے آپ کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل ہے۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری ہے۔

آپ کی زوجہ محترمہ کلثوم بیگم صاحبہ ● مولوی عبدالرحیم صدیقی صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ آپ کی بڑی اور سنجھلی صاحبزادیاں شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ منجھلی صاحبزادی امریکہ میں ایک حادثہ میں اپنے دو کم سن بچوں کے ساتھ داغ مفارقت دے گئیں۔ جسد مع بچوں کے حیدرآباد لایا گیا اور "صدیق گلشن" میں تدفین عمل میں آئی۔ بڑے فرزند ملازم ہیں۔ چھوٹی لڑکی اور تین فرزند زیر تعلیم ہیں۔

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

● موصوفہ کا بھی انتقال ۱۲/ رمضان ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۲/ جنوری ۱۹۹۰ء کو ہوا۔

علمی خدمات

خدمتِ قرآن اور خدمتِ حدیث وفقہ

خدمتِ قرآن

صفحہ

خدمتِ قرآن

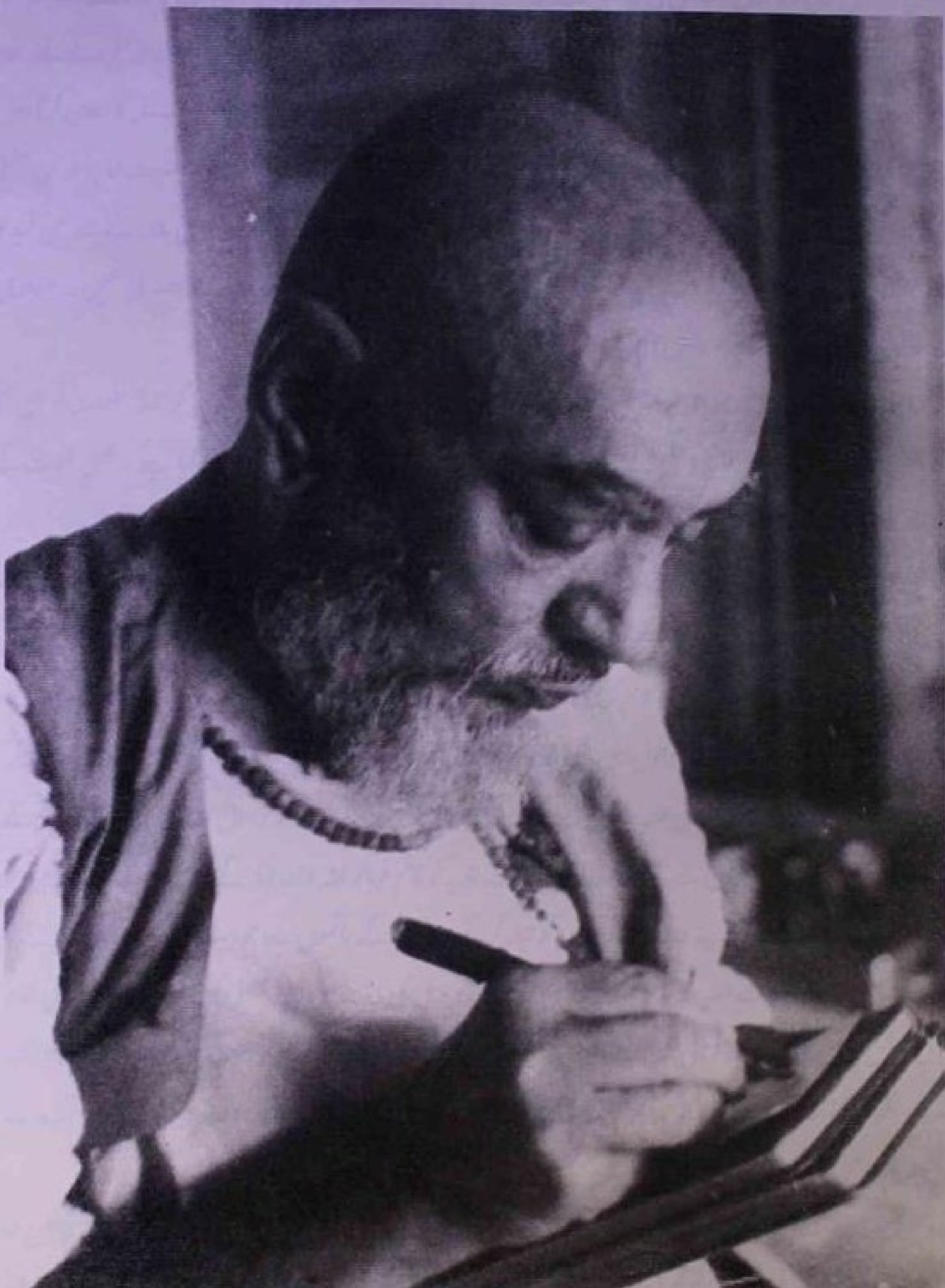
مُجدِّد

افرادِ امت میں بعض لوگ مزاج نبوت سے بہت قریب ہوتے ہیں ہر قسم کی افراط و تفریط سے بچ کر راہِ اعتدال کو پرکھنے کی جو صراطِ مستقیم ہے خاص قابلیت رکھتے ہیں۔ علوم نقلیہ و عقلیہ میں وسعت نظری، کمال ذکاوت اور قوت اجتہاد رکھتے ہیں۔ قوم کے مزاج اور ان کے امراض سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اور مرض کے مطابق علاج کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسے ہی افراد مجدد کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو شریعتِ اسلامیہ کے لئے تَن مَن دَھن کی بازی لگا دیتے ہیں اور بعض تو احیائے شریعت میں یہاں تک سرگرم کار ہوجاتے ہیں کہ بدعتِ سیئہ اور ضلالت کی حکومت کو پاش پاش کردیتے ہیں اور اس وقت تک دم نہیں لیتے جب تک خدا کے نام کا بول بالا نہ ہوجائے اور دین اللہ کے لئے خالص نہ ہوجائے۔ دنیا میں حکومت الٰہیہ کو قائم کردیتے ہیں اور یہی وراثت و نیابتِ انبیاء و رُسل کا کامل مرتبہ ہے۔ اور مجدد کامل کی تعریف ان پر صادق آتی ہے۔

خلفائے راشدین بالخصوص حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اسی جامعیت کے ساتھ جاری رکھا۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرتِ علیؓ۔ ان چاروں کے علاوہ ایک حد تک سوائے عمر ابن عبدالعزیز کے آپ کوئی دوسرا نام نہیں بتلاسکتے جن پر مجدد کامل کی تعریف صادق آسکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ خبر دی جو ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ " ان اللّٰہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی راس کل ماۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا " " اللہ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایسے لوگ اٹھاتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو تازہ کریں گے "۔ مگر اس حدیث سے بعض لوگوں نے بالکل ہی ایک غلط تصور اخذ کرلیا۔ انہوں نے علی راس کل ماۃ سے صدی کا آغاز یا اختتام مراد لیا ہے اور من یجدد لھا کا مطلب یہ سمجھا کہ اس سے مراد لازماً کوئی ایک ہی شخص ہے۔

اس طرح کا غلط تصور اخذ کرنے والے عمر ابن عبدالعزیز کے بعد اُس شان کا ہر صدی کے آغاز یا اختتام پر کوئی شخص بتلاسکتے ہیں؟ تاریخ تو پیش نہیں کرسکتی۔ تو پھر کیا حدیث سے انکار کردیں گے من کا لفظ عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے من سے مراد ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور بہت سے اشخاص بھی ہوسکتے ہیں۔ گروہ بھی ہوسکتے ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ بھی تو نکالا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ کی کوئی صدی ایسے لوگوں سے خالی نہ گذرے گی جس میں دین کو تازہ کرنے والوں کو اللہ نہ اٹھاتا رہے۔ کیا ضروری ہے کہ تمام دنیا کے لئے صدی کا مجدد ایک ہی شخص ہو۔ ایک ہی وقت میں بہت سے ملکوں یا مقامات پر بہت سے آدمی تجدید دین کے لئے سعی کرنے والے ہوسکتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ پیغمبر کی طرح وہ مجدد ہونے کا دعویٰ بھی کریں۔ یا یہ کہ ان کو مجدد کے خطاب سے نوازا بھی جائے۔ یا یہ کہ مجدد کے لئے ثبات حق میں سر دینا پڑے۔ جس طرح کہ حضرت امام حسین نے اپنا نمونہ پیش کیا کہ راہِ حق میں بھائی، بھتیجے، بھانجے اور بیٹے آنکھوں کے سامنے کٹ گئے یہاں تک کہ خود بھی اپنا سر کٹا دیا مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ کیا اس طرح کی شہادت کسی اور کے حصہ میں آج تک آسکی؟ یا حضرت سعید ابن المسیب کی طرح اتباع سنت و قیام حق کی راہ میں



مفسر ـ محدث ـ مفکر

پروفیسر حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ

عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں سو (۱۰۰) دروں کی ضرب مردانہ وار برداشت کرلینے کا شرف کیا کسی اور مجدد کو ملا یا امام دارالہجرت حضرت مالک بن انسؓ کی طرح کوئی اور مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ مشکیں اس زور سے کس دی گئی تھیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا تھا اور ستر ۷۰، کوڑوں کی ضربیں ان کے جسم اقدس پر پڑ رہی تھیں تو اسی اونٹ کی پیٹھ پر کھڑے ہو کر جس پر تشہیر و تذلیل کے لئے سوار کرایا گیا تھا پکار کر کہا۔ جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے جو نہیں جانتا جان لے کہ میں ہوں مالک، انسؓ کا بیٹا اور اس مسئلہ کا اعلان کرتا ہوں کہ جس کے اعلان سے جبراً روکا جارہا ہے کہ۔ طلاق مکرہ۔ کوئی چیز نہیں۔ یا پھر مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں حضرت امام احمد بن حنبل کی طرح کوئی اور مثال پیش کی جاسکتی ہے جنہوں نے ایک نہیں تین عظیم فرمانرواؤں یعنی مامون، معتصم اور واثق باللہ کے دور میں قید خانے میں رہنا اور ہر روز کوڑوں سے پٹنا جانا قبول کیا مگر قرآن کو مخلوق ہرگز تسلیم نہیں کیا یہ سعادتیں انہی بزرگوں کے حصہ کی تھیں۔ ضروری نہیں کہ اسی قبیل کے واقعات ہر مجدد کے ساتھ پیش آئیں۔

یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجدد وہی ہے جو غیر شرعی حکومت یا دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں سے اقتدار چھین کر عملاً حکومت کو اس نظام پر قائم کردے جسے صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافۃ علی منہاج النبوۃ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یعنی نبوت کے طریقہ پر خلافت۔ اس قدر جامعیت کے ساتھ عمل کرنا سوائے امام مہدی کے دوسرے کے بس کی بات فی الحال تو نظر نہیں آتی۔

مجدد دین کو چھوڑیئے پیغمبروں پر نظر فرمایئے۔ بعض وقت تو ایک ہی وقت میں کئی کئی پیغمبر خاص خاص قوموں کے لئے مبعوث ہوئے اور انہوں نے اپنی نبوت یا رسالت کے فرائض انجام دیئے تو انہوں نے اپنی طرف سے اپنے فرائض میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی۔ باوجود اس کے سوائے چند پیغمبروں کے حکومتِ الٰہیہ کو قائم کرنے اور خدا کے فرامین کو پوری طرح نافذ کرنے میں ان کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی۔ یہ ان کی تعلیم کا نقص نہیں تھا بلکہ قبول کرنے والوں میں قبولیتِ حق کا فقدان اور جہالت کی کار فرمائی کا نتیجہ تھا۔ سوائے اس کے کہ یوسف علیہ السلام نے عزیزِ مصر پر غلبہ پایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی خدائی کا تختہ الٹا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہالت پر فتح پائی ظلمت کدہ دہر کو نورِ ایمان و عرفان سے معمور کردیا اور سلطنتِ الٰہیہ کو قائم فرماکر اللہ واحد قہار کے سامنے سب کو سرنگوں کردیا۔ اپنے جانثاروں اور مالک الملک کے لئے جان دینے والے سرفروشوں کو تیار کرکے جاہلیت کے ہاتھوں سے جو اسلام کو نیست و نابود کرنے کا درپے تھا حکومت و اقتدار کو چھین لیا اور حکومتِ الٰہیہ کو قائم فرماکر قوانینِ الٰہیہ کو ۲۳ سال کی مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچا دیا۔ اور اسلامی نظامِ حکومت، خالص اسلام کی اساس پر اس طرح مرتب فرمائی کہ آئندہ اسی اساس پر اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوسکے اور اسلام پھلتا و پھولتا رہے۔

تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد سے آج تک جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبہ یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔

مجدد کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کرے اور کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کرے۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ مجدد کوئی ایسا کام دنیا کے سامنے پیش کرے گا یا ایسے اصول پیش کرے گا جس میں انوکھاپن ہوگا یا کوئی خاص جدت ہوگی۔ لوگ متجدد اور مجدد میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ایسا گمان رکھتے ہیں۔ دین میں نئی باتیں نکالنے والا متجدد ہے۔ اور دین میں نئی نکالی ہوئی باتوں کو خارج کرکے دین کی اصل باتوں کا پھر سے احیا کرنے والا اور حق و باطل میں تمیز کروانے والا مجدد ہوتا ہے۔

اب میں اسی تمہید کی روشنی میں بحرالعلوم علامہ مولانا عبدالقدیر صدیقیؒ کی ان کوششوں کو پیش کرتا ہوں جو دین کے مختلف

شعبوں میں حضرت نے اپنے حلقہ اثر میں جو بے حد وسیع تھا اپنے عمل سے تعلیم و تربیت یا اپنی قلمی کاوشوں کے ذریعہ انجام دی ہیں۔ اصول و کلیاتِ فقہ کی رو سے کتاب بھی مثلِ خطاب کے ہے۔

خدمتِ قرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تم میں کے اچھے وہ ہیں جو خود قرآن سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں (کنز العمال ۱۲۹) (یہ حدیث حضرت سعیدؓ سے مروی ہے اور ابن ماجہ سے ماخوذ ہے۔)

امام حفص الکوفی کی روایت سے حضرت نے سینکڑوں کو قرآن پہنچایا اور دوسروں کو پہنچانے اور روایت کو آگے بڑھانے کے قابل بنایا۔ حضرت کے پاس قرآن شریف کی روایت کی بہت اہمیت ہے۔ روایت سے کتاب کی حفاظت اور تصدیق ہوتی ہے۔

حفاظتِ قرآن

حضرت نے فرمایا "دنیا میں کوئی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب ایسی نہیں ہے جس کی حفاظت قرآن مجید کے برابر کی گئی ہو۔ ہندوؤں کی وید، پارسیوں کی ژند اور دساتیر بلکہ تورات و انجیل تواتر تو کجا خبر احاد سے بھی ثابت نہیں ہو سکتیں۔ قرآن شریف کی حالت یہ ہے کہ زمانہ نبوت سے اب تک لاکھوں اس کے راوی، اس کے حافظ اس کے قاری چلے آرہے ہیں۔ کوئی شہر تو کیا کوئی قصبہ ایسا نہ ہوگا جس میں چند جید حافظ نہ ہوں۔ کیا مجال کوئی حافظ تراویح میں ایک کلمہ کے عوض دوسرا کلمہ پڑھ دے یا زیر زبر ہی کی غلطی کردے اور سامع اس کو لقمہ نہ دے"۔

فرمایا "دنیا میں اسلام ہی ایک باقی رہنے والا دین ہے۔ تو اس کا منبع، اس کی مقدس آسمانی کتاب اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے۔ جو چیز محفوظ ہی نہ ہو، جس کی صحت کا پتہ نہ ہو، جس کی روایت ہی مسلسل نہ ہو، کس برتے پر اس کی تبلیغ کی جائے گی۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (الحجر۔ آیت ۹)

علمِ قراءت

فرمایا "علمِ قراءت (تجوید) ایک مستند علم ہے جو حضور نبی کریمؐ سے یوں تو سارے صحابہ نے سنا مگر فنِ قراءت حسب ذیل صحابہ کرام حضرت عثمان غنیؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابی ابن کعب سے سلسلہ روایتِ قراءت جاری ہے اور اس کے مشہور سات امام: (۱) حضرت نافع مدنی۔ (۲) حضرت ابن کثیر مکی۔ (۳) حضرت ابو عمرو بصری۔ (۴) حضرت ابن عامر شامی۔ (۵) حضرت عاصم کوفی۔ (۶) حضرت حمزہ کوفی (۷) حضرت علی کسائی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے دو راوی یا شاگرد ہیں۔ ان ساتوں ائمہ کے طریقہ قراءت میں بعض بعض مقامات پر فرق ہے۔ اور وہ فرق صرف اعراب و سکنات یا بعض اہم مخرج حروف کے ابدال کا ہے۔ یعنی کوئی امام، مد کو طویل کرتے ہیں۔ کوئی متوسط یا قصر سے پڑھتے ہیں۔ اور کوئی زیر کی طرف جھکا کر اور یہ ہر ایک طریقہ حضور نبی کریمؐ سے سنا ہوا ہے۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ جس میں حضرت عمرؓ نے ہشام بن حکیم کو ایک دفعہ نماز میں سورہ فرقان کو اس طریقہ سے پڑھتے ہوئے سنا جسے حضرت عمرؓ نے نہیں سنا تھا۔ پس حضرت عمرؓ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان سے دریافت کیا تو حضرت ہشامؓ نے کہا میں نے حضور سے اسی طرح سنا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے

انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاکر عرض کیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہشامؓ سے وہ سورت پڑھوائی اور پھر حضرت عمرؓ سے بھی وہ سورت کو پڑھوایا۔ دونوں نے اپنے اپنے طریقہ سے پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی نسبت فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ پھر حضور نے فرمایا ان ھٰذا القران انزل علیٰ سبعۃ احرف فاقرؤا ماتیسر منہ۔ یعنی بے شک قرآن مجید سات طور پر اترا ہے۔ جو بھی طریقہ جس پر آسان ہو ویسا ہی پڑھے۔ (تجرید البخاری)

قاریِ سبعہ ان سات طریقوں سے پڑھنے والے کو "قاری سبعہ" کہتے ہیں۔ اور بعد میں مزید تین شاگرد بھی رہے۔ کمالِ علم کی وجہ سے ائمہ قراءت میں شمار کئے گئے جس کے سبب "ائمہ عشرہ" کہتے ہیں۔ الغرض ان حضرات کے طریقہ قراءت کے اختلاف کے باوجود قرآن کے معنیٰ و مفہوم میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا۔ اور یہ اختلاف ایسا ہرگز نہیں کہ اس سے قرآن کے معنی و مفہوم بدل جائیں۔

فرمایا: "فقیر نے حضرت قاری تونسیؒ کے پاس شاطبیہ پڑھی اور سبعہ سے قرآن شریف کے ڈیڑھ دو جز سنائے ہیں۔ جب قاری صاحب نے یہاں سے مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا تو میں نے چھوٹے ماموں صاحب یعنی حضرت مولانا سید عمر صاحب قبلہ کے پاس حضرت امام عاصم کوفیؒ کی قراءت اور سیدنا شعبہؒ اور سیدنا حفصؒ دونوں حضرات کی روایت کے مطابق پورا قرآن سنایا۔ خدا کا بڑا ہی فضل ہے اور ان بزرگوں کی نیک نیتی کا سبب ہے کہ سینکڑوں آدمیوں نے میرے پاس پورا قرآن حضرت حفصؒ کی روایت کے مطابق سنایا"۔

فرمایا: "ہماری روایت کے سوا اگر کوئی شخص ایک لفظ کہے تو میں ہرگز قبول کرنے تیار نہیں۔ قرآن متواتر ہے۔ متواتر کے مقابلہ میں کسی بات کے جاننے کو میں تیار نہیں"۔

فرمایا: "قرآن ہمارے پاس کانوں سے پہنچا ہے۔ آنکھوں سے نہیں یعنی ہم نے ہمارے استاد سے اور انہوں نے اپنے استاد سے پہلے پڑھتے سنا پھر خود پڑھ کر سنایا۔ نیز ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہوا قرآن نہیں دیا بلکہ جیسے ہی حضرت جبرئیل آکر حضور کو آیاتِ قرآنی سناتے حضور فرماتے جاتے اور صحابہ زبانی جب کا جب یاد کرلیا کرتے۔ اور صرف وہی صحابہ لکھتے، جنہیں حضور نے کتابت کی اجازت دی۔ اور بعض کو کتابتِ وحی کی خدمت بھی تفویض کی گئی تھی"۔

فرمایا: "علمِ تجوید میں قرآن کے ہر ہر لفظ اور حرف کو اس کے صحیح مخرج، صفاتِ حروف، وصل، وقف اور ابتداء کے مقررہ اصولوں کے ساتھ پڑھنے کو علمِ تجوید اور اس طرح پڑھنے والے کو قاری (مجوّد) کہتے ہیں۔ آج کل قاری کی ایسی خواری ہوگئی کہ اصول سے ناواقف بھی ذرا گلا پھاڑ کر پڑھا اور قاری کہلانے لگا"۔

فرمایا: دوسرے مذہب والے (اہلِ کتاب) اپنی مادری زبان میں ترجمے پڑھ کر اصل کلام اللہ سے دور ہوگئے۔ میرے پاس قرآن کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔ چاہے اس کے معنی معلوم ہوں یا نہوں۔ قرآن کے خود الفاظ میں برکت ہے اگر تمہاری زبان سے صحیح تلفظ ادا نہیں ہوتا تو کیا پروا کی بات ہے کوشش تو کرو"۔

ایک مرتبہ ضآلین کی ادائی کے سلسلہ میں حضرت سے سوال کیا گیا کہ لوگ ولا الضآلین کے بجائے ولا الدالین پڑھتے ہیں۔ حضرت نے جواب دیا "دو مخرجوں سے ایک آواز یا ایک مخرج سے دو آوازیں نہیں نکل سکتیں۔ بعض حروف قریب مخرج والے ہیں۔ پس اگر زبان مخرج پر صحیح طور پر لگائی جائے ممکن نہیں کہ دوسرے مخرج والے حروف کی آواز نکل سکے۔ بعض چیزیں عملی ہیں۔ سننے دیکھنے پر مبنی ہیں۔ صحیح تلفظ اور حقیقی صورت ایک عملی شے ہے۔ کتابیں دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں بلکہ ماہرِ فن قاری کو

سناکر صحیح کرنے کی ضرورت ہے ۔

فرمایا : ضاد کا مخرج کسی اور حرف سے قریب المخرج ہی نہیں پھر اس کی آواز دوسرے حرف کی آواز سے کیوں کرلے گی ۔

ض ۔ زبان کے کنارے کو داڑھوں کے کنارے پر لگانے سے نکلتا ہے ۔

د ۔ زبان کی نوک اوپر کے سامنے کے دانتوں کی جڑ میں لگانے سے نکلتا ہے ۔

ز ۔ زبان کی نوک اوپر کے سامنے کے دانتوں اور نیچے کے سامنے کے دانتوں کی تیزی کے مقابل رکھنے سے نکلتا ہے ۔

ظ ۔ زبان کی نوک اوپر کے سامنے کے دانتوں کی تیزی سے ۔

بہر حال یہ حرف جدا جدا مخرج کے ہیں ۔ کسی کی آواز کسی کی جیسی نہیں ۔ بعض حضرات زبان تو داڑھ کو نہیں لگاتے مگر گردن تیڑھی کر دیتے ہیں منہ نہایت بدنمائی کے ساتھ ٹیڑھا کرتے ہیں اور آواز نکالتے ہیں ز ، ظ کی اور سمجھتے ہیں کہ حروف کی ادائی ہوگئی ۔ یہ قراءت و تجوید تو کیا ہوئی جگ ہنسائی ہوئی ۔

فرمایا : قرآن شریف میں ہے ولا الضآلین " نہ راہ گمراہوں کی " اور ولا الدآلین کے معنی ہیں (جیسا کہ لوگ غلطی سے ضاد کی آواز دال کی نکالتے ہیں) نہ راہ ہدایت اور دلالت کرنے والوں کی " ۔

اگر کوئی شخص استاد کو سنائے اس کی صوت کی نقل میں ممکنہ کوشش کرے مگر صحیح لفظ ادا نہ ہو نقلِ آواز نہ ہوسکے تو وہ معذور ہے ۔ ناقابلِ ملامت ہے ۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا ۔ حضرت بلالؓ کی زبان سے شین نہیں نکل سکتی تھی بلکہ " سین " نکلتی تھی

بر اشہد تو خندہ زند اسہدِ بلال

فرمایا : میری رائے میں انسان جدوجہد کرے ممکنہ طاقت تصحیح تلفظ میں مبذول کردے اور مجبور رہے تو وہ شخص معذور ہے چاہے ضاد کے تلفظ کے وقت زا کی جیسی آواز نکلے یا دال کی جیسی ۔

نزولِ قرآن

حضرت سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن کی ابتداء کس سورت سے ہوئی ؟

فرمایا : پہلی دفعہ قرآنِ شریف اترا تو سورہ اقرا کی پہلی پانچ آیتیں تھیں (اقرا باسم ربک الذی خلق تا علم الانسان مالم یعلم) ۔ اس کے بعد چند روز تک وحی کا آنا ملتوی رہا ۔ تاکہ جسمِ مبارک پر زیادہ بار نہ پڑے ۔ پھر نماز کے لئے سورہ فاتحہ کی تعلیم دی ۔ پھر چند روز وحی ملتوی رہی ۔ اس لئے بیان کرنے والے حضرات نے مختلف باتیں کہی ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلی سورت اقرا کی ہے جس میں سے پانچ آیتیں اتریں ۔ مسلمان بچوں کو قرآن پڑھانا شروع کیا جاتا ہے تو انہی پانچ آیتوں سے ابتدا کی جاتی ہے ۔ اور اس کو بسم اللہ کرنا کہتے ہیں ۔ بعض نے کہا کہ سورہ فاتحہ اتری ۔ یعنی نماز پڑھنے کے لئے ۔ بعض نے سورہ انفال کہا ۔ یعنی عام دوسری بڑی سورتوں میں پہلی سورۃ انفال کی ہے ۔ یہ معلوم رہے کہ ابتداء دو قسم کی ہوتی ہے ۔ ابتدائے حقیقی یعنی سب سے پہلے ۔ دوم ۔ ابتدائے اضافی یعنی بعض کے نظر کرتے پہلے ۔ بہر حال ابتدائے حقیقی اقرا (علق) کی پہلی پانچ آیتوں کو ہے ۔ کیونکہ اس وقت قراءت یعنی پڑھنے کو اہمیت حاصل تھی " ۔

قرآن کی سلاست

فرمایا: قرآنِ شریف میں ایسی سلاست و روانی ہے کہ نہ پڑھنے والے کی زبان پر گراں ہوتا ہے نہ سننے والے کے کان پر۔ بعض حضرات جو اپنی مادری زبان میں بات کرتے ہکلاتے ہیں وہ جب قرآن شریف پڑھتے ہیں تو زبان کو بالکل رکاوٹ نہیں ہوتی بلکہ ان کی زبان صاف زبان والوں سے بھی قرآن پڑھنے میں تیز چلتی ہے۔ یہ قرآن شریف کی سلاست اور حسنِ مخارج کی کافی دلیل ہے۔

فصاحت و بلاغت

فرمایا: پیغمبر کی امت جس فن میں ماہر ہوتی تھی۔ اسی جنس کا معجزہ پیغمبروں کو دیا جاتا۔ حضرت رسالت مآبؐ اس قوم میں پیدا ہوئے تھے جس کو اپنی فصاحت و بلاغت کا بڑا دعویٰ تھا۔ وہ خود کو عرب یعنی فصیح اور دوسروں کو عجم یعنی گونگا کہتی تھی۔ لہذا قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت معجزہ بنائی گئی۔

اعجازِ قرآن

فرمایا: بعض کہتے ہیں کہ پورا سورہ قرآن کا معجز ہے ایک دو آیتیں حد اعجاز کو نہیں پہنچتیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورہ انا اعطینک یا اس کی مماثل تین آیتوں کی مقدار بھی معجز ہے۔

فرمایا: ہر صاحبِ فن ٹھنڈے دل سے قرآن پر غور کرے گا تو قرآن اسی کے اعتبار میں معجزہ بن کر چمکے گا"۔

اسلوبِ قرآن

فرمایا: کوئی قرآن شریف اور حدیث شریف کو ملا کر دیکھے حدیث کا اسلوب قرآن کے اسلوب سے ہرگز نہیں ملتا۔

فرمایا: احادیثِ شریفہ کے کمالِ فصاحت و بلاغت میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ جس کی نسبت اس بہترین اور گراں ترین ہستی کی طرف ہو جس کا ارشاد ہے اوتیت جوامع الکلم اور انا افصح العرب و العجم مگر قرآن شریف کچھ اور ہی شے ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف حضرت رسولِ مقبولؐ کا کلام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

فرمایا: خدا کے کلام کا لہجہ اور قوت ہی الگ ہے۔ صاحبِ فراست و عقل سلیم پہچان لیتا ہے کہ یہ کلام، کلام بشر سے وراء ہے۔

ما ھذا من کلام البشر۔

فرمایا: "قرآن شریف کا فصاحت و بلاغت کی راہ سے معجز ہونا، وہ ماہرین اور صحیح الذاق اہل زبان کو تو بالبداہت معلوم ہوجاتا ہے اور دوسروں کو غور و فکر و استدلال سے۔ دوسروں کے کلام سے مقابلہ کرنے سے اصولِ تنقید، اصولِ معانی و بیان و بدیع، اسالیبِ کلام سے واقف ہونے پر ممکن ہے"۔

فرمایا: قرآن شریف کی یہ حالت ہے کہ اس میں سے ایک حرف نہ نکل سکتا ہے نہ زیادہ ہوسکتا ہے۔ نہ جملے کی شکل تبدیل ہوسکتی ہے نہ ایک لفظ کی جگہ اس کا مترادف ہی رکھا جاسکتا ہے۔

تاثیرِ قرآن

قرآن شریف کی تاثیر کے متعلق فرمایا "حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے نکلے تھے۔ راستہ میں بہن کے گھر پہنچے۔

بڑے اصرار سے قرآن مانگا کہ دیکھیں ۔ سورہ طٰہٰ پڑھی تو دل میں اتر گیا ۔ باطل کی تائید کے لئے چلے تھے فاروق اعظمؓ بن کر نکلے ۔

عتبہ قریش کا بڑا سردار تھا ۔ حضرت نے قرآن شریف سنایا تو دونوں ہاتھ ٹیک دیئے اور لگا جھومنے اور آنسو بہانے "۔

قرآن شریف کے بارے میں مختلف موقعوں اور درسوں میں حضرت کے جو ارشادات ہوا کرتے تھے یہاں میں نے صرف ان ہی ارشادات کو پیش کیا ہے ۔ اگر کوئی مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہے تو حضرت کا اعجاز القران پر خطبہ ملاحظہ کرے جو رسالہ کی شکل میں طبع ہو چکا ہے ۔

قرآنِ شریف کی کتابت اور اس کا جمع کرنا

تفسیر سورہ علق میں ایک جگہ حضرت نے لکھا ہے " یہ قرآن شریف کب جمع کیا گیا ؟ ابتداءً متفرق چیزوں پر لکھ لیا جاتا تھا ۔ حضرتؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ لکھے پڑھے آدمی کو مختلف مقامات پر بھیج دیتے کہ وہ قرآن کی تعلیم دے ۔ یعنی حیاتِ طیبہ میں قرآن کے مدارس جاری ہو گئے تھے ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں تمام مکتوب کو ایک جگہ کردیا ۔ آپ پہلے جامع القرآن ہیں ۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ترتیب وار کتابی شکل میں قرآن شریف کے سات نسخے تیار ہوئے اور بڑے بڑے شہروں میں روانہ کردیئے گئے ۔ اصل نسخے اب بھی ان شہروں میں ہیں ۔ حجاج ابن یوسف کے زمانے میں روایت کے موافق اعراب لگائے گئے ۔

تفسیرِ صدیقی

قرآنی خدمت کے ضمن میں حضرت کا سب سے بڑا کام عام فہم اور سلیس اردو میں تفسیر لکھنا ہے ۔ جو تفسیرِ صدیقی کے نام سے شائع ہو چکی ہے ۔ بیسیوں تفاسیر کے رہتے ہوئے حضرت کے تفسیر پر کام کرنے کی کیا وجوہات تھیں ؟ سب سے پہلے اس کا ایک اجمالی جائزہ لیں گے

مختلف مکاتیبِ خیال کی گمراہ کن کارستانیاں

جس دور میں حضرت کو کام کرنے کا موقع ملا اس دور میں مختلف مکاتیبِ خیال مختلف انداز میں گمراہی پھیلا رہے تھے ۔ مسلمانوں کے عقائد خراب کر رہے تھے اور اسلام افراط و تفریط کی مصیبت عظمیٰ کا شکار تھا ۔

ظاہریت کے دلدادہ

بعض تو وہ تھے جو شریعتِ اسلامیہ کی ظاہریت کے دلدادہ تھے اور ظاہر سے باطن کی طرف ایک انچ بھی آگے بڑھنا نہیں چاہتے تھے ۔

گمراہ صوفیا

بعض وہ تھے جو صوفیا کے بھیس میں منظر عام پر آئے اور جن کے افکار اور تعلیماتِ اسلامی بصیرت سے نہ تو منور تھے اور نہ حقیقی اسلامی روح سے معمور ۔

منکرینِ فقہ

بعض وہ تھے جو حدیث کے منکر تھے اور صرف قرآن پر عمل کرنا باعثِ نجات سمجھتے تھے ۔

بعض وہ تھے جو فقہ کے منکر تھے اور صرف حدیث پر عمل کرنے کے قائل تھے۔ علاوہ ازیں حیات النبیؐ، علمِ غیب، معراجِ جسمانی، شق القمر اور شفاعت اور حیات بعد الممات جیسے مسائل کے نہ صرف قائل نہ تھے بلکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے بھائی سے زیادہ فضیلت دینا گمراہی سمجھتے تھے۔

دو قرآن کے دعویدار

بعض لوگ وہ تھے جنھوں نے قرآن کی ان تعلیمات پر مسلمانوں کو توجہ کرنے کی دعوت دی جو مظاہرِ فطرت کی مہیب سے مہیب اور حقیر سے حقیر چیزوں کی طرف انسانی ذہن کو متوجہ کر کے ان سے سبق لینے اور ان نشانیوں پر غور و فکر کر کے خدا کی معرفت کے حصول کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان لوگوں نے قرآن کی ان آیتوں کو سائنس کی روشنی میں پیش کیا۔ اور قرآن کے سرچشمہ سے سائنس کے پیالہ میں اللہ کے بندوں کو آبِ حیات پلانا چاہا۔ چنانچہ قرآن جو کتابی شکل میں موجود ہے اس کو تھیوری اور سارے عالم اور اس کے مظاہر کو پراکٹکل قرآن قرار دیا اس طرح دو قرآن کا دعویٰ کیا۔ تلاوتِ قرآن، ذکر و شغل، تسبیح و تحمید، درود سلام کو کارِ عبث، صوفیانہ ریاضتوں کو وقت کی تباہی، صوفیاء و فقراء کو کم عقل اور پیری مریدی کو پیٹ پالنے کا ڈھونگ سمجھ لیا۔ علماء، صوفیا اور بزرگانِ دین کی تحقیر میں کچھ کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

حدیث کی صحت میں شک و شبہ کرنے والے

بعض لوگ وہ تھے جنھوں نے احادیث کی عظمت کو متاثر کرنے کی فکر میں یہ الزام لگایا کہ احادیث کی تدوین ڈھائی سو سال بعد شروع ہوئی بعض نے خبرِ آحاد کے غلط ثابت ہو جانے کی بناء پر تمام احادیث کی صحت میں شک و شبہ ظاہر کیا۔
بعض لوگوں نے تمام علماء کو دعوت دینے کا پروگرام بنایا کہ سب مل کر بیٹھیں اور آپسی مشورہ سے احادیث کا ایک منتخب مجموعہ تیار کرلیں جن کی صحت پر پورا یقین ہو اور باقی احادیث کو اوراق پارینہ سمجھیں۔

کسی امام کی اتباع کو تقلیدِ شخصی کا الزام دینے والے

بعض لوگ وہ تھے جنھوں نے مذاہبِ اربعہ کے کسی ایک مسلکِ فقہی پر قائم رہ کر اس مسلک کے امام کی اتباع کو تقلیدِ شخصی قرار دیا۔ ان کی اس کھلی بدگمانی کو برادرانِ ملت نے حقیقت پر محمول کر کے خوب سراہا اور امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ کی جانفشانیوں اور کاوشوں کو ضائع ٹھیرانے اور شریعت کے ایک بڑے حصہ سے دست بردار ہو جانے کی جرأت کو دینِ صحیح کی خدمت جانا۔

جامع فقہی مذہب کا شاخسانہ

بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جملہ اجتہادی مذاہب کو ملا کر ایک جامع فقہی مذہب بنا لیا جائے اور ان سے ایسے فتوے اور عدالتی احکام منتخب کرلئے جائیں جو ضرورتِ زمانہ اور مقتضائے مصلحت کے مطابق ہوں اور ان چاروں مذاہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کو ختم کر کے مسلمانوں کو جامع فقہی مذہب کا پابند کیا جائے۔

تجدیدِ ایمان کی نیت سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھوانے والے

بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے تبلیغِ دین کے عنوان سے مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان کرنے اور تجدیدِ ایمان کی نیت سے کلمہ پڑھوانے میں بڑی مستعدی دکھائی۔ علماء، صوفیا اور بزرگانِ ملت کی خدمت میں ان پر بدعتی اور گمراہ کا لیبل چسپاں کرکے ان کو پھر سے مسلمان کرنے اور کلمہ کی تلقین کرنے کی غرض سے ان کے گھروں پر تک جا دھمکے۔ انا للہ۔ یہ لوگ اپنے سوا سب کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں نے بظاہر سنتِ رسول کا نام لے کر دراصل وابستگانِ دامنِ رسولؐ کی عظمت کو متاثر کیا۔ بزرگانِ دین سے دور کرنے کی مختلف طریقوں سے کوشش کی۔ ان لوگوں میں سوائے ظاہر داری کے روحانیت کا تو نام و نشان نہیں۔ عظمتِ رسولؐ اگر ہے بھی تو وہ رسولؐ کے لائق نہیں۔ ان کی ساری توجہ حیاتِ رسولؐ پر نہیں بلکہ مماتِ رسولؐ پر ہے۔ اولیاء کا تو ذکر ہی کیا۔

قادیانی

قادیانی مذہب کے فرقہ کے بانی نے پہلے تو مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر مہدی ہونے کا۔ دعوے میں ترقی کرکے ابتداء میں ظلِ نبی پھر بروزی نبی اور بالآخر نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ بانی فرقہ خود کو عیسیٰؑ سے افضل جانتے ہیں حضرت مریمؑ پر قرآنی گواہی کی موجودگی میں الزام تراشی کرتے ہیں۔ جہاد کی فرضیت کو ساقط اور منسوخ قرار دیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی تمدن کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت تمدن بہت ترقی کرگیا ہے۔ اس واسطے اس زمانہ کے مصلح سے اس زمانہ کا مصلح ایسی ہی نسبت رکھتا ہے جیسے ہلال اور بدر کی۔ یہ عقیدہ ارشادِ رسالت مآب، خیر القرون کے خلاف ہے بانی فرقہ نے جو تفسیر لکھی ہے وہ مسلمانوں کے ذی علم لوگوں کو بھی متاثر کر رہی تھی اور اپنا زہر پھیلا رہی تھی۔

امامیہ

امامیہ یعنی شیعی فرقہ کے لوگ اپنا کام الگ کر رہے تھے۔ یہ لوگ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے باوجود قرآن میں براءت کے افک کے قائل ہیں۔ خلافتِ راشدہ کو خلافتِ غاصبہ کہتے ہیں۔ قرآن کو ناقص اور تقیہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرام قرار دینے کے باوجود متعہ جائز ہے۔ اور دشنام جیسے اعمال جائز اور داخلِ عبادت ہیں۔

تفضیلی

اہلِ سنت و الجماعت کے بعض علماء اور مشائخین نے صدیق اکبرؓ کی تمام اصحاب پر فضیلت سے انکار کیا اور اہلِ سنت و الجماعت کے عقیدہ کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر زور دیا۔

بعض لوگ قرآن کی تفسیریں بیان کر رہے تھے اور آیاتِ قرآنی کے من مانے ترجمے کرکے لوگوں میں ہمہ اقسام کی الجھنیں پیدا کر رہے تھے۔

تفسیر کرنے یا لکھنے کا حق کس کو ہے

قرآن کی تفسیر کرنا یا لکھنا ہما و شما کا کام نہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے زبانِ عربی میں نازل ہوا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے عربی زبان پر کافی عبور کی ضرورت ہے اور لغت، محاورات، نحو، صرف، معانی و بیان سے واقفیت ضروری ہے۔ دنیا کی زبانوں میں عربی زبان

وہ واحد زبان ہے جس میں لفظوں اور ترکیبوں کی کثرت اور انصراف کی صلاحیت موجود ہے جس پر عربوں کو ناز تھا۔ اس زبان کو دوسری زبانوں کے مقابلہ میں ایک اور خصوصیت یہ حاصل ہے کہ اس میں مجرد اور مختصر اوزان موجود ہیں جو علمی اصطلاحوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اور تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس زبان میں باریک سے باریک فرق کو ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے۔ ایسی زبان پر عبور حاصل کرنا کھیل نہیں۔

حضرت کے اساتذہ

حضرت نے حبیب بوبکر بن شہاب سے عربی پڑھی تھی جو حضرموت کے مشہور شہر تریم کے رہنے والے تھے۔ اور عربی ادب پر کافی عبور رکھتے تھے۔ حضرت نے اُن سے عربی علمِ ادب کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ حضرت فرماتے تھے "اُن کے پڑھانے میں خصوصیت یہ تھی کہ عربیت کا ذوق پیدا ہوا۔ حبیب بوبکر بن شہاب فرماتے تھے کہ "سوائے میرے اور عبدالقدیر کے یہاں کوئی کسی بھی موضوع پر فی البدیہہ عربی میں تقریر نہیں کرسکتا"۔

حضرت کی عربی ادب پر نظر

حضرت نے زمانہ جاہلیت کے شعراء کا کلام اور عربی کے ممتاز ادیبوں کی کتابوں سے بھی کافی استفادہ کیا ہے اور ان کے اسلوب کے رنگ ڈھنگ کا بھی امتیاز رکھتے تھے۔ خُطَبِ ابن نباتہ، مقاماتِ بدیعی اور حریری کے علاوہ اور دوسرے ادیبوں کی تصانیف کے تعلق سے اپنی ذاتی رائے رکھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے "شریف مرتضیٰ کا کلام حریری سے زیادہ رتبہ رکھتا ہے۔ بدیعی کے اچھے فقرات کے سامنے پوری حریری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ شعراءِ جاہلیت کے اشعار میں بے ساختگی، سادگی اور صداقت ہے۔ متمدن شعراء کے کلام میں صنائع بدائع ہیں جن میں بناوٹ اور تکلف نمایاں ہے۔

مختلف علوم پر عبور

حسب ذیل علوم پر گہری نظر رکھے بغیر کسی کو تفسیر لکھنے کا قطعاً حق پیدا نہیں ہوتا حضرت نے ان علوم کے حصول میں بڑی محنت اٹھائی تھی اور عبور حاصل فرمایا تھا۔

علمِ مناظرہ، اصولِ حدیث، علمِ منطق، اصولِ الفقہ، اصول التاویل ان کے علاوہ کلیاتِ فقہ و اصولِ کلیاتِ قانون و امثال و حِکم پر بھی بسیط نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔

مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب لکھتے ہیں "راقم الحروف ۱۳۲۸ھ م ۱۹۱۰ء میں مدرسہ دار العلوم کی وسطانی جماعت میں شریک ہوا تھا اس وقت مولانا صدیقی سے واقف ہوا۔ اس وقت مدرسہ دار العلوم کے چار شعبے ایک ہی مکان واقع کالی کمان میں ایک ہی جگہ تھے۔ وسطانی اور فوقانی جماعتوں کے قطع نظر کالج کے دو حصے تھے یعنی عربی اور فارسی۔ فارسی حصے میں مولوی اشرف شمسی، مولوی محمد عباس، مولوی موسیٰ حسین وغیرہ نامور اساتذہ تھے۔ عربی کی جماعتوں میں عالم، فاضل کے ساتھ اب کامل کا درجہ بھی تھا۔ اس کی تعلیم کے لئے مولوی سیدنا در الدین مولوی بوبکر بن شہاب، مولوی حبیب الرحمنٰ سہارنپوری المتخلص بہ بیدل، مولوی عبدالواسع، مولوی سید شاہ مصطفیٰ قادری، مولوی سید تاج الدین اور مولوی عبدالقدیر وغیرہ جیسے اساتذہ تھے۔ مولوی الٰہی بخش

صاحب صدر مہتمم کہلاتے تھے ۔ ان اساتذہ میں اکثر ایسے تھے جو خاص خاص شعبوں میں مہارت رکھتے تھے ۔ اس لئے وہ ہمیشہ اپنے مخصوص فنون کی تعلیم دیا کرتے تھے ۔ مثلاً مولوی نادر الدین فلسفہ اور کلام کا درس دیتے ۔ مولوی حبیب الرحمن' حدیث پڑھاتے ۔ مولوی محمد عباس فارسی کی اعلیٰ تعلیم دیا کرتے ۔ مولوی سید شاہ مصطفےٰ' قادری فقہ و اصولِ فقہ وغیرہ کا درس دیا کرتے ۔ مگر مولانا عبدالقدیر صدیقی ہر فن مولا کی حیثیت رکھتے تھے ۔ آپ تفسیر و حدیث کی تعلیم دیتے تو اس کے ساتھ فقہ اور اصولِ فقہ کا بھی درس دیتے تھے ۔ منطق، فلسفہ اور کلام پڑھاتے تو شعر و ادب بھی آپ سے متعلق ہوتا تھا ۔ غرض تمام اساتذہ میں صرف مولانا صدیقی مدظلہ کی ذاتِ والا صفات ہی ایسی تھی کہ آپ جماعتہائے فاضل اور کامل کے تمام شعبوں کو درس دیا کرتے تھے ۔

اسی مضمون میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں " آپ کی اعلیٰ قابلیت اور انتظامی صلاحیت کے باعث مدرسہ دار العلوم کی اصلاحی کمیٹیوں میں آپ کو شریک کیا جاتا رہا ۔ چنانچہ مولانا شبلی کی صدارت میں نصاب اور اصلاحی تعلیم کے لئے جو کمیٹی حکومت نے مقرر کی تھی اس میں خصوصیت سے آپ کو شریک کیا گیا تھا ۔

تفسیر کرتے وقت بے شمار باتوں کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے ۔ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام ہے ۔ تفسیر لکھنا ہر عالم کا کام نہیں ہوتا ۔

تقسیماتِ اربعہ

بعض مسائل میں معنیٰ' الفاظ کے تابع ہیں اور بعض میں الفاظ تابع اور معنیٰ' مقصود بالذات ہوتے ہیں ۔ قرآن و حدیث اور قانون کا شمار نقلیات میں ہوتا ہے اور نقلیات میں لفظ مقدم ہے ۔ قرآن و حدیث فلسفہ تو ہے نہیں کہ الفاظ تابع اور معنیٰ مقصود بالذات ہوں ۔ فلسفہ میں معنیٰ' مقدم ہوتا ہے ۔ مسائل کا استخراج یا اجتہاد یا قرآن کی تفسیر کرنا تقسیماتِ اربعہ کی تفصیلات کے عبور کے بغیر ہو نہیں سکتا یہاں اجمالاً تقسیماتِ اربعہ سے روشناس کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ تاکہ اس کی اہمیت کا اندازہ ہو ۔ اگر کوئی اس سلسلہ کی تفصیلات جاننا چاہے تو حضرت کی کتاب " معیار الکلام " دیکھے ۔

تقسیماتِ اربعہ :- الفاظ و معانی کے لحاظ سے نقلیات کی چار قسمیں ہیں ۔

۱ ۔ باعتبارِ وضعِ لغت ۔ خاص ۔ عام ۔ مشترک ۔ ماوّل

۲ ۔ باعتبارِ استعمال ، معنائے وضعی وغیر وضعی میں ، حقیقت ۔ مجاز ۔ صریح ۔ کنایہ ۔

۳ ۔ باعتبارِ ظہور و خفائے معنی جن کو متقابلات کہتے ہیں ۔

باعتبارِ ظہور ، ظاہر ۔ نص ۔ مفسر ۔ محکم

باعتبارِ خفاء ، خفی ۔ مشکل ۔ مجمل ۔ متشابہ

۴ ۔ باعتبارِ کیفیتِ دلالت ؛ عبارۃ النص ۔ اشارۃ النص ۔ دلالۃ النص ۔ اقتضاء النص ۔

قرآن کے سلسلہ میں حضرت کی سب سے بڑی خدمت اُن مخصوص آیتوں کو نسخ کے جھگڑے سے نکال لینا ہے جن کو مفسرین منسوخ ماننے پر مجبور ہوگئے تھے ۔

عدمِ نسخ قرآن

قرآن شریف کی آیتوں اور احکام کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کے پاس آیاتِ احکام میں سے آدھے ناسخ و منسوخ ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ابن العربی نے اس تعداد کو گھٹایا۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی نے منسوخ آیتوں کی تعداد اکیس تک مانی۔ حضرت شیخ احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہ نے صرف پانچ تک مانی۔ حضرت نے ان پانچ آیتوں کو بھی نسخ کے جھگڑے سے نکال لیا اور ثابت فرمادیا کہ قرآن کا کوئی حکم کوئی آیت منسوخ نہیں اور قرآن پر سے ایسے اعتراضات کو رفع فرمادیا جو ایک زبردست فتنہ تھا۔ حضرت نے اس سلسلہ میں ایک مستقل مقالہ "عدمِ نسخ قرآن" کے نام سے لکھا ہے۔ مقالہ میں حضرت نے مفسرین کے اس قدر کثیر التعداد آیتوں کے منسوخ ماننے کے اسباب پر گفتگو فرمائی ہے۔ اس کے بعد ان آیتوں کے متعلق بحث فرمائی ہے جس سے مسئلہ ناسخ و منسوخ کے سمجھنے میں فائدہ ہوتا ہے۔ اور آخر میں اُن آیتوں سے بحث فرمائی ہے جن کو شاہ ولی اللہ بھی منسوخ ماننے پر مجبور ہوئے تھے۔ حضرت نے ثابت فرمادیا کہ قرآن کا کوئی حکم کوئی آیت منسوخ نہیں۔ یہ مقالہ مجموعہ مقالاتِ علمیہ حیدرآباد اکاڈیمی نمبر (۴) ۱۳۶۱ھ میں شائع ہوا۔ حضرت نے بھی "مسئلہ عدمِ نسخ قرآن" کے نام سے علحدہ رسالہ کی شکل میں اس مقالہ کو طبع کروایا ہے۔ اس کے ملاحظہ سے حضرت کے اجتہاد کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس مقالہ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں "بعض دفعہ ایک دائمی حکم دینا مقصود ہوتا ہے مگر عمل یا اجتناب میں آہستہ آہستہ سختی بڑھائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ حکم مقصود پر عمل کرنے کی لوگوں میں قابلیت پیدا ہوجائے۔ یہ کمالِ حُسنِ تعلیم و تربیت ہے۔ ہمارے خیال میں ان ابتدائی مراحل کو منسوخ نہ کہنا چاہیئے بلکہ اصل حکم کا توطیہ و تمہید سمجھنا چاہیئے۔ اصل مقصود وہ حکم سمجھا جائے گا جو ہمیشہ کے لئے دیا جائے گا۔ مثلاً شراب دفعتہً حرام نہیں کی گئی۔ پہلے کہا گیا لاتقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ یعنی شراب پئے ہوئے نماز کے قریب نہ جاؤ۔ پھر کئی مرحلوں کے بعد شراب حرام کی گئی۔ پس لا تقربوا الصلوٰۃ کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ وہ حرمت شراب کا مقدمہ اور تمہید تھا۔

ایک تاریخی واقعہ

ایک تاریخی واقعہ ہے کہ روسی لوگ بت پرست تھے۔ ان کا ایک وفد تحقیقِ مذہب کے لئے قسطنطنیہ پہنچا تو مذہبِ اسلام ان کو پسند آیا۔ نواہی میں شراب پینا بھی تھا۔ روسی وفد نے کہا ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں بغیر شراب کے ہم آرام سے رہ نہیں سکتے۔ علماء نے ترکِ شراب پر شد و مد سے تاکید کی جس کا نتیجہ روسیوں کا نصرانی ہوجانا تھا۔ اگر کفر کے مقابل نشہ سے خاموش ہوجاتے بڑے شر کے مقابل چھوٹے شر کو اختیار کرلیتے تو اتنی بڑی قوم اسلام کے ہاتھ سے نہ نکل جاتی۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک ہی دفعہ میں شراب کو حرام کردیتا مگر نہیں اس نے بمراحل رفتہ رفتہ اس کو حرام فرمایا۔ علماءِ اسلام کو بھی چاہیئے کہ مسلمان کو پہلے توحید کی پھر دوسرے اہم ارکان کی تعلیم دیں پھر رفتہ رفتہ ایک ایک حکم کا پابند بنائیں۔ ابھی غریب مسلمان ہوا اس کا ختنہ کرڈالا۔ فرض نمازوں کے ساتھ سنتوں کی بھی تاکید کی۔ روزوں کے ساتھ تراویح بھی لگادی۔ ان سب کاموں کی پابندی آہستہ آہستہ کروائی جائے۔ فرض کے برابر سنن اور نوافل کو اہمیت نہ دی جائے۔ غریب نو مسلم پر للہ رحم کریں"۔ (ماخوذ از "مسئلہ عدمِ نسخ قرآن")۔

شانِ نزول بیان کرنے سے احتراز

تفسیر کے سلسلہ میں حضرت کا ایک اور کام شانِ نزول کو بیان کرنے سے حتی الامکان اجتناب کرنا ہے۔ لوگ حضرت کے مقصد پر غور نہیں کرتے اور اس کو تفسیر کی کمزوری سمجھتے ہیں۔ حضرت کے پاس آیتوں کو شانِ نزول سے مقید کرنا قرآن کے عموم کو متاثر کرنا ہے۔ حضرت قرآن شریف کو مبین سمجھتے ہیں۔ قرآن کو سمجھنے کے لئے اگر ہر مقام پر غیرِ قرآن کی محتاجی رہے تو پھر وہ مبین کیسے برقرار رہ سکتا ہے۔ قرآن تو قیامت تک کے لئے ہے اور ہر زمانے سے یکساں طور پر متعلق ہے۔ اس کے احکام کلی ہیں۔ ہر زمانے میں اس وقت کے واقعات کا لحاظ کرتے مسائل کے سلسلے میں قرآن سے احکام کا اخذ کرنا یہ اس وقت کے علماء اور مجتہدین کا کام ہے۔ شانِ نزول تو قرآن میں موجود نہیں اگر قرآن فہمی کے لئے اس کی ضرورت ناگزیر ہوتی تو قرآن میں وہ ضرور بیان کردی جاتی۔ قرآن کا کام تو احکام بیان کرنا ہے۔

قرآن کو سمجھنے کے لئے اگر ہر مقام پر غیرِ قرآن کی محتاجی رہے تو وہ مبین کیسے برقرار رہ سکتا ہے؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیرِ قرآن کی محتاجی میں حدیث کو بھی داخل کرلیا جائے۔ یہ تو چکڑالویوں کے اہلِ قرآن کا مذہب ہوجائے گا۔ جو قرآن کے سوا حدیث پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ حدیث کے منکر ہیں۔

حدیث کی ضرورت و اہمیت

قرآن میں خود اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ما آتکم الرسول فخذوہ و ما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ یعنی پیغمبر تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحٰی یعنی وہ (پیغمبر) اپنی ذاتی خواہش سے کچھ نہیں کہتا۔ پیغمبر جو کچھ کہتا ہے وہ صرف وحی ہے جو خدا کی طرف سے کی جاتی ہے۔

احادیث کی ضرورت، اہمیت اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں حضرت مندرجہ بالا آیتوں کے ساتھ ساتھ حسب ذیل احادیث سے استدلال فرماتے ہیں۔

عن ابی رافع قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ اونھیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔
(رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی فی دلائل النبوۃ۔ مشکوٰۃ)۔

حضرت ابورافع سے روایت ہے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے میں کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اپنے صوفہ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے جس کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے پھر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا جو کتاب اللہ میں ہے ہم اس کی اتباع کریں گے۔
(روایت کیا اس کو احمد، ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور بیہقی نے دلائلِ نبوت کے عنوان میں۔ مشکوٰۃ)

عن المقدام بن معد یکرب قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم الآ انی اوتیت القران و مثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذاالقران فما وجد تم فیہ من حلال فاحلوہ و ما وجد تم فیہ من حرام فحرموہ و ان ما حرم رسول اللّٰہ کما حرم اللّٰہ الا لایحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع ولا لقطۃ معاھد الا ان یستغنی عنھا صاحبھا۔ ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ فان لم یقروہ فلہ ان یعقبھم بمثل قراہ "۔

(رواہ ابوداؤد۔ والدارمی نحوہ وکذا ابن ماجہ الی قولہ کما حرم اللّٰہ۔ مشکوٰۃ)

حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہا انہوں نے فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم نے "ہاں" میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسنتے ہی اور احکام اس کے ساتھ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا آدمی اپنے صوفہ پر بیٹھا ہوا ہو اور وہ کہہ بیٹھے تمہیں یہ قرآن بس ہے۔ اس میں جسے حلال بتایا گیا ہو اسے حلال سمجھو اور اس میں جسے حرام بتایا گیا ہے اسے حرام سمجھو۔ اور یہ بھی سمجھو کہ جس طرح خدا نے چند چیزوں کو حرام کیا ہے ایسا ہی اللہ کے رسول نے بھی حرام کیا ہے۔ ہاں! تمہیں حلال نہیں ہے شہری گدھا (اس کے مقابل وحشی گدھا یعنی گورخر ہے) اور کوچلیاں والا درندہ اور نہ کسی ہم عہد اور ذمی کی پڑی ہوئی چیز راستہ میں (مگر یہ کہ وہ اس قدر خفیف (کم قیمت) کہ اس کے مالک کو اس کی پروانہ ہو۔ اور جس قوم کے پاس اترے اس قوم پر ضروری ہے کہ مسافر کی مہمانی کرے اگر وہ مہمانی نہ کرے تو اسے حق ہے کہ اس کا تعاقب کرے یعنی اس سے دعوت (مہمانی) کا مطالبہ کرے۔

(روایت کیا اسے ابوداؤد نے اور دارمی نے بھی۔ اسی طرح روایت کی اور اسی طرح ابن ماجہ نے حرم اللّٰہ کے الفاظ تک۔ مشکوٰۃ)

بعض اصول

حضرت فرماتے ہیں " قرآن کے لفظِ خاص پر عمل کرنا ضروری ہے خاص میں کسی طرح بیانِ تفسیر کی احتیاج نہیں وہ خود ظاہر و واضح ہوتا ہے۔ اگر قرآن کے خاص کی مخالفت خبرِ واحد یا قیاس سے ہوتی ہے تو اگر ان کے جمع کرنے سے خاص کے حکم میں کوئی تغیر نہ آتا ہو تو دونوں پر عمل ہوگا۔ ورنہ صرف خاص قرآن پر عمل ہوگا۔ جو متواتر اور یقینی ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے فاقرؤا ماتیسر من القران اور خبرِ واحد میں لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب ہے۔ پس مطلق قراءت فرض ہوگی اور قراءتِ سورہ فاتحہ واجب ہوگی نہ کہ فرض "۔

فرمایا۔ " حکمِ عامِ غیر مخصوص: ایسا عام، خاص کی طرح قطعی ہے اس پر عمل لازم ہے۔ قرآن کے عام کی خبرِ واحد یا قیاس سے تخصیص صحیح نہیں۔ ہر قسم کے خطاب کے عموم میں حضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔

اگر یا یھا النبی ۔ یـا یھـا الرسول کے ساتھ خطاب کیا گیا ہو تو اس میں امت بھی داخل ہے ۔

اگر پیغمبر کسی امتی کو خطاب کرے تو حنفیہ کے پاس عام نہ ہوگا دوسرے ائمہ کے پاس عام ہے ۔ عام کسی مدح یا ذم کا متضمن ہوتا ہے تو حنفیہ کے پاس تمام افراد کو شامل ہوتا ہے ۔ جیسے ان الابرار لفی نعیم ۔

فرمایا ۔ " عامِ مخصوص " وہ عام ہے جس کے حکم سے بعض افراد علٰحدہ ہوجائیں تو اس خصوص کو عام کا مخصص کہتے ہیں جیسے فـاقـتلوا المشرکین کے حکم سے وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ پس فـاقـتلوا المشرکین عامِ مخصوص ہے ۔

فرمایا ۔ مخصص کبھی مجمل یا نامعلوم ہوتا ہے جیسے احل اللّٰہ البیع و حرم الربوا ۔ ربا مجمل ہے ۔ حدیث میں اس کی گونہ تفصیل ہے ۔ واضح ہو کہ قرآن مجمل ہو تو اس کی تفصیل حدیث سے اور حدیث مجمل ہو تو اس کی تفصیل قیاس سے ہوتی ہے "۔

تفسیر میں حضرت نے یہ کوشش کی ہے کہ لوگ قرآن کے مفہوم کو سمجھ کر قرآن سے قریب ہوجائیں ۔

عربی میں باریک سے باریک فرق کو ظاہر کرنے کی جو صلاحیت ہے وہ اردو زبان میں نہیں ہے ۔ اگر عربی کے ایک لفظ کا معنیٰ اردو کا ایک لفظ ادا نہیں کرسکتا تو حضرت کئی الفاظ استعمال کرتے ہیں ۔ تا کہ سب الفاظ مجموعی طور پر قرآن کے لفظ کے معنوں ، تقاضوں کو ممکنہ طور پر واضح کرسکیں ۔ محاورہ کی صورت میں اُس محاورہ سے نزولِ قرآن کے زمانہ میں عرب جو معنیٰ لیتے تھے حضرت اس کو بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ صحیح مفہوم سمجھ سکیں یا پھر اردو میں اسی معنیٰ کو ظاہر کرنے والا کوئی محاورہ ملتا ہے تو اس کو استعمال کرتے ہیں ۔ محاورہ کی صورت میں لفظی معنیٰ کئے جائیں تو مفہوم ادا نہیں ہوتا ۔

عام طور پر لوگ بین السطور ترجمے دیکھنے کے عادی ہیں ۔ جس میں اس قسم کا اہتمام نہیں رہتا ۔ ایک لفظ کے ترجمہ کے لئے بجائے ایک لفظ کے کئی الفاظ یا محاوروں کی صورت میں بجائے ترجمہ کے محاورہ دیکھ کر کم فہموں کو الجھن ہوتی ہے ۔ حالانکہ ترجمہ سے اصل مقصد قرآنی مفہوم کو سمجھنا ہے ۔ حضرت کے پیشِ نظر آیت کا صرف ترجمہ کردینا نہیں بلکہ قرآنی مفہوم سے قریب کردینا ہے ۔ اور یہ قرآن کی صحیح اور حقیقی خدمت ہے ۔ اور مسلمانوں کو قرآن سے قریب تر کردینے اور فائدہ پہنچانے کا اعلیٰ درجہ کا اندازِ فکر ہے ۔

مثال کے طور پر تبت یدا ابی لھب وتب ○

عام طور پر مسلمہ جو ترجمے ملتے ہیں آیت کا اس طرح ترجمہ کیا جاتا ہے

۱ ۔ ہلاک ہو جیو ہاتھ ابی لہب کے اور ہلاک ہووہ ۔

۲ ۔ ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا ۔

۳ ۔ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہوجائے ۔

حضرت کے ترجمہ کرنے کا انداز ملاحظہ ہو ۔

تَبّ : ہلاک ہوا ، برباد ہوا ، رائیگاں گیا ۔ تباب ۔ مصدر یدان ، دو ہاتھ ۔ اضافت کی وجہ سے نون گرگیا ۔ یَد کا لفظ عربی زبان میں ہاتھ ، قوت ، کوشش اور کام کرنے کے معنی میں آتا ہے ۔ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا ۔

چونکہ وہ بت گورا اور سرخ رنگ کا تھا اس لئے اس کی کنیت ابولہب یعنی پدرِ شعلہ رکھی گئی ۔ چونکہ عبدالعزیٰ میں بت کی طرف نسبت تھی لہذا یہ نام نہیں لیا گیا ۔ اور ابولہب میں تلازمِ آتش یعنی دوزخی ہونے کا ابہام پیدا ہوتا تھا ۔ اس لئے یہ کیفیت اختیار کی گئی ۔

وَتب اور خود بھی برباد رہا ۔

ترجمہ : ابولہب کی ہر طرح کی کوشش ناکام رہی اور خود بھی برباد ہوا "۔

و امراتہ حمالۃ الحطب ○

بین السطور ترجموں میں آیت کے اس طرح ترجمے ملتے ہیں ۔

۱ ۔ اور جورو اس کی اٹھانے والی لکڑیوں کی ۔

۲ ۔ اور اس کی جورو سر پر لئے پھرتی ایندھن ۔

۳ ۔ اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے ۔

حضرت کے ترجمہ کرنے کا انداز ملاحظہ فرمایئے ۔

وامراتہ ۔ اور اس کی عورت ، جورو ، ابولہب کی عورت کا نام امِ جمیل ہے حمالۃ بوجھ اٹھانے والی الحطب جلانے کی لکڑی حمالۃ الحطب ہیزم کش ۔ چغل خور ، لگائی بجھائی کرنے والی ، شرانگیز باتیں لگانے والی ۔ جلتی آگ میں چار لکڑیاں ڈال کر اور بڑھانے والی ۔

ترجمہ : " اور ابولہب کے ساتھ شعلہ زن آگ میں شرانگیز عورت بھی داخل ہوگئی "۔

فی جیدھا حبل من مسد ○

بین السطور ترجموں میں آیت کے اس طرح ترجمے ملتے ہیں ۔

۱ ۔ اس کی گردن میں رسی ہے مونج کی ۔

۲ ۔ بیچ گردن اس کی کے رسی پوست کھجور کے سے ۔

۳ ۔ اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی ۔

حضرت کے ترجمہ کرنے کا انداز ملاحظہ فرمایئے ۔

جید گردن ۔ خوب صورت گردن ۔ حبل رسی مِن مَسَد کھجور کے نارے کی ۔ جو مضبوط اور سخت ہوتی ہے فِي جِیدِ ھَا اس کے گلے میں یعنی وہ اپنی کوشش میں آپ پھنس گئی ۔ اس کی شرارت اس کے گلے کی پھانسی بنے گی ۔

ترجمہ : اس کے گلے میں نارے کی رسی (اس کی شرارت اس کے گلے کا ہار)

تفسیر صدیقی کے مقاصد

حضرت کے پیشِ نظر تفسیر لکھنے کے چند مقاصد ہیں ۔ منجملہ اُن کے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پڑھنے والے کو دورانِ تفسیر عربی زبان سے بھی واقفیت ہوجائے تا کہ قرآن کے سمجھنے کے لئے دوسری زبان کی پھر حاجت نہ رہے ۔ خود عربی سے قرآن کو سمجھیں اور دیگر اہلِ کتاب کی طرح صرف ترجمے پڑھ کر اصل کلام اللہ سے دور نہ ہوجائیں ۔

تفسیر میں حضرت نے ممکنہ کوشش کی ہے کہ مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دیں۔

دورانِ تفسیر حضرت نے ثابت فرمایا ہے کہ ائمہ کے مذاہب قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں اور یہ کہ ائمہ نے ایک قدم بھی قرآن کے خلاف نہیں اٹھایا ائمہ کے اقوال قرآن کے اجمال کی تفصیل ہیں اور سب کا ماخذ قرآن و حدیث ہے۔ ائمہ نے اپنے دل سے کوئی مسئلہ نکالا نہ کسی غیر مذہب والوں سے کچھ لیا۔ ائمہ ہی کیا بلکہ ہر مسلمان کا مرجع اسی قرآن پر ہے۔ اس سے حضرت کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ پیغمبر اور قرآن ہی سے ملا ہے۔ قرآن ہی یقینی اور قطعی چیز ہے۔

تفسیر میں تصوف اور علمِ اخلاق کے مسائل سہل ترین طریقہ سے بیان کردیے ہیں۔ نیز کوشش فرمائی ہے کہ تمام مسائل قرآن کے ضمن میں معلوم ہوں۔ جیسے سود، دار الحرب، سرمایہ داری۔ اشتراک اور غلامی وغیرہ کی بھی تحقیق فرمائی۔

تفسیر میں اسنادِ حقیقی اور اسنادِ مجازی کی جابجا توضیح فرمائی ہے کیونکہ کفر و اسلام کا دار و مدار اسی مسئلے کے سمجھنے پر ہے۔

تفسیر میں جہاں جہاں مشاکلہ ہے اس کو بھی ظاہر فرمایا ہے جیسے و مکر وا و مکر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الماکرین میں مشاکلہ ہے۔ حضرت اس کے معنی اس طرح کرتے ہیں کہ انہوں نے مکر کیا اور اللّٰہ ان کے مکر کی سزا دیتا ہے اور اللّٰہ تو بہترین مکر کی سزا دینے والا ہے۔

قرآن میں جہاں جہاں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے یہاں قسم کھائی ہے۔ تفسیر میں حضرت ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ حقیقت میں شہادت ہے اور کوشش کرتے ہیں کہ وجہ شہادت کیا ہے بیان کردیں۔

حضرت دورانِ تفسیر ربطِ آیات پر زیادہ زور نہیں دیتے مگر جہاں ضرورت سمجھتے ہیں آیتوں کا باہمی ربط بیان فرمادیتے ہیں۔ حضرت تفسیر میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"واضح ہو کہ اکثر لوگ ربطِ آیات کی ضرورت پر بہت زور دیتے ہیں۔ ایک انگریز نے ایک بات لکھی ہے جس کو میں بھی پسند کرتا ہوں" قرآن شریف کوئی تالیف، تصنیف نہیں ہے اللّٰہ کا کلام ہے۔ لوگوں کی جیسی ضرورت ہوئی۔ انہوں نے سوال کیا اور اس کا جواب دیا گیا تورات، انجیل کو دیکھو تمام آسمانی کتابوں میں یہی حالت ہے۔ حسب ضرورت احکام اترے ہیں۔ بے ربطی ہی کلام اللّٰہ ہونے کی دلیل ہے۔ مگر ایک بینا دل کے لئے ربط مل جاتا ہے۔ (ماخوذ از تفسیر صدیقی)

(ہندوؤں کو خود وید یا دیگر مذہبی کتابوں کے تعلق سے ان کے آسمانی ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ للمرتب)

یہ کام علمِ کلام کا ہے۔ ہر زمانے میں مخالفینِ اسلام رہے اور ان کے اعتراضات کا انداز اپنے اپنے زمانے میں جداگانہ رہا۔ حضرت اپنی تفسیر میں اپنے زمانے کے مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ اور گذشتہ کے گئے اعتراضات کے جوابات کو دہرانے یا اپنے انداز میں پھر سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ معترضین اب باقی نہ رہے۔ دیگر تفاسیر میں گذشتہ کے اعتراضات کے جوابات کو دیکھ کر ان مسائل میں حضرت کے خیالات سے واقف ہونے کی غرض سے آدمی حضرت کی تفسیر دیکھتا ہے اور اس میں نہیں پاتا تو وہ سمجھتا ہے کہ حضرت نے اتنی اہم چیز ترک کردی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ حضرت تفسیر میں اپنے زمانے کے حالات، واقعات اور اعتراضات کو پیش نظر دیکھ کر تفسیر فرمارہے ہیں۔

معترضین کے اعتراضات کے جوابات جو حضرت نے دئے ہیں موقع محل کے لحاظ سے ہم آگے بیان کریں گے۔

حضرت کی تفسیر لکھنے کا ایک اور مقصد پڑھے لکھے حضرات کو جو تھوڑا بہت دینی فہم رکھتے ہیں نزاعی مسائل کی طول طویل اور الجھا دینے والی بحثوں میں مبتلا کئے بغیر قرآن کی روشنی میں سارے ضروری مسائلِ شرعیہ سے واقف کرادینا ہے۔ تا کہ غیر مذاہب اور معترضین کے اعتراضات سے وہ مطلق متاثر نہ ہوں۔ ایسے مسائل کے بیان کرنے سے اجتناب کرتے ہیں جو بہت زیادہ دقیق اور پیچ در پیچ ہوتے ہیں جو صرف صاحبِ نظر علماء ہی کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔ حضرت نے یہ تفسیر خواص سے زیادہ عامۃ المسلمین کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی ہے جس میں مفادِ عامہ ہے۔ باوجود اس کے خواص کے لئے بھی تفسیر میں جابجا اشارے موجود ہیں۔ کیونکہ قرآن خواص اور عوام ہر دو کے لئے ہے۔

تفسیر کے ضمن میں حضرت نے حق و باطل میں تمیز پیدا کرنے اور مسلمانوں میں ان کا صحیح شعور بیدار کرنے کی نہایت اہم خدمت انجام دی ہے۔ یہ بات تو ناقابلِ تردید ہے کہ بیرونی دشمن تو کھلے دشمن ہوتے ہیں مگر اندرونی دشمن مارِ آستین اور حد درجہ خطرناک ہوتے ہیں۔ حضرت نے ان اندرونی دشمنوں کی اپنی تفسیر "تفسیر صدیقی" میں اور بالخصوص تفسیرِ سورہ فاتحہ میں کھل کر تردید کی ہے۔ چنانچہ دشمنوں کے ایک فرقہ نے جن پر ضربِ کاری پڑی تھی تلملا اٹھا اور شاہِ وقت کے پاس باقاعدہ محضر تیار کر کے معروضہ کے ساتھ پیش کردیا۔ کیونکہ اس وقت اس فرقے نے عطوفتِ شاہانہ کو مخصوص ہتھکنڈوں سے اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ اور شاہ کے عقائد خراب کردئے تھے اس وقت رحمت یار جنگ کوتوال تھے اور گریکسن صدر المہام کوتوالی اور امور عامہ۔ محضر دیکھ کر اعلیٰحضرت نہایت چراغ پا ہوئے اور چاہا کہ حضرت کو شہر بدر کردیں۔ مطلق العنان ہونے کے باوجود انہوں نے گریکسن سے اس سلسلہ میں ان کی اپنی رائے دریافت کی۔ گریکسن نے فرقہ کے نمائندوں سے گفتگو کی۔ گریکسن نے ان سے سوال کیا کہ کیا انہوں نے کوئی پمفلٹ لکھا ہے۔ نمائندوں نے جواب دیا نہیں۔ دریافت کیا پھر وہ تحریر کہاں ہے جس کی تم شکایت کررہے ہو۔ نمائندوں نے جواب دیا انہوں نے قرآن کی تفسیر جو تفسیر صدیقی کے نام سے لکھی ہے اس میں ہے۔ گریکسن نے جوابی معروضہ پیش کردیا کہ ایک عالم اپنے خیالات بحیثیت مذہبی پیشوا تفسیر قرآن میں بیان نہیں کریگا. اپنا مذہب اور اپنا عقیدہ اس میں پیش نہیں کرے گا تو کہاں کرے گا؟ تفسیر قرآن تو اس کے بیان کرنے کا صحیح مقام ہے۔ آپ جس کو شہر بدر کرنا چاہتے ہیں اگر شہر بدر کردیں تو ریاست میں غدر مچ جائے گا اور بے حد مشکلات کا سامنا ہوگا۔ گریکسن کے اس جوابی معروضہ پر اعلیٰحضرت دم بخود ہوگئے اور نہ صرف شہر بدر کرنے کا خیال ترک کردیا بلکہ اخبار میں اعلان کردیا کہ وہ صدیقی النسب ہیں اور اکثریتی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ جن جن مقامات پر انہوں نے عاشور خانے بنوائے اس کے ساتھ ہی عاشور خانوں کے ملحق مسجدیں بھی تعمیر کروادیں۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ محراب و منبر بنوائے تا کہ مسجد کو دیکھنے سے معلوم ہو کہ اہل سنت الجماعت کی مسجد ہے عبادت خانہ نہیں۔

ساری تفصیل رحمت یار جنگ کوتوال کے ذریعہ معلوم ہوئی پریشانی کی خبر دینے حضرت کی خدمت میں وہی حاضر ہوئے تا کہ حضرت شہر چھوڑنے پہلے سے تیار رہیں اور انتظامات کرلیں۔ بعد میں مبارک باد دینے بھی وہی حاضر ہوئے تھے کہ بلا ٹل گئی۔

ایسے وقت جب کہ شاہِ وقت کے عقائد کسی فرقہ کے عقائد کی طرف ڈھلک گئے ہوں۔ اس طرح جرأت کے ساتھ ان عقائد کی شدید طور پر تردید کردینا اور اس کے مطلق العنان ہونے کی پروانہ کرنا سوائے مردِ مجاہد کے دوسرے کے بس کی بات نہیں۔ حق و باطل میں صریح طور پر تمیز پیدا کردینا ہی ایک مجدد کا کام ہے۔

اب میں حضرت کے خیالات ایسے فرقہ جات کے بارے میں پیش کرتا ہوں جو اسلام کے مدعی ہیں ۔ اور جن کے اسلام پر قرآن کی راست زد پڑتی ہے ۔

ایسے فرقہ جات جن کے اسلام پر قرآن کی راست ضرب پڑتی ہے یہ ہیں :

فرقہ امامیہ

حضرت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :۔

صاحبو ! انعمت علیھم کے مصداقِ اعلیٰ و افضلِ انبیاء وصحابہ کرام ہیں ۔ شاگردانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ مبلغِ تعلیماتِ نبی ہیں ۔ سب کو مرتد بے دین سمجھنا ، قرآن و حدیث سب کو مٹانا ، دین کی بنیاد گرانا ہے ۔ اسلام کا دعویٰ اور پھر اسلام کا قلع قمع ؟ العیاذ باللہ

قرآن کس سے پہنچا ؟ صحابہ سے ، خصوصاً حضرت عثمانؓ ۔ حضرت علیؓ ۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۔ حضرت ابن مسعودؓ ۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے ۔ سلمان ۔ مقداد ۔ ابوذر رضی اللہ عنہم سے کس نے روایت کی ؟ جن کو تم مسلمان سمجھتے ہو ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے قرآن آحاد رہ جاتا ہے متواتر کب ہوتا ہے ؟ مسلمانوں کا سرمایہ ناز قرآن کا تواتر ہے ، اس کو برباد کیا ۔ غیر یقینی کیا ۔ اس میں کمی زیادت کے قائل ہو گئے اب تمہارے ہاتھ میں نہ قرآن ہے نہ اس کی قطعیت ۔

حدیث کا حال سنئے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام زنانہ میں بھی دئے ۔ عورتیں بھی مخاطب تھیں وہ سب حدیثیں کالعدم ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ نے جتنی حدیثیں روایت کیں ، ناقابلِ اعتبار ؟ پھر کتنی حدیثیں رہ گئیں جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ۔ حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ اطہار نے جتنی روایتیں عامۃ الناس کے لئے برسر منبر بیان کیں سب بطور تقیہ کے تھیں ؟ العیاذ باللہ ۔ پھر حدیث کہاں ؟ دین کدھر ؟ تعلیم نبوت کتم عدم میں ۔ اللہ اکبر ۔ اللہ اکبر ۔

اسلام کے تباہ کرنے کے منازل کیا ہیں

سب سے پہلے جب اہلِ بیت کی اہمیت ظاہر کی جاتی ہے جو اہلِ اسلام کا متفق علیہ مسئلہ ہے ۔ پھر اہلِ بیت میں سے ازواج مطہرات نکالے جاتے ہیں جن کا اہلِ بیت ہونا قرآن میں منصوص ہے ۔ عربی میں اور دنیا کی تمام زبانوں میں اہلِ بیت و اہلِ خانہ بیوی کو کہتے ہیں ۔

پھر تفضیل کا مسئلہ ہے ۔ پھر خلافت کا مسئلہ ہے ۔ پھر شہادتِ امام حسین علیہ السلام ، مظالمِ کربلا کا ماتم ۔ پھر مشاجراتِ صحابہؓ کا مسئلہ ہے پھر تکفیرِ صحابہ کا مسئلہ ہے ۔ پھر تقیہ کا مسئلہ ہے ۔ اس پر دین کا خاتمہ ہے ۔

اب میں ان مسائل کو بالاختصار زیرِ ضوء لاتا ہوں ۔ شاید کسی صاحبِ عقل و فہم مستقیم کو نور و سرور حاصل ہو ۔

آل اور اہل کے ایک ہی معنیٰ ہیں ۔ بلکہ آل کا واؤ ھا ہوگیا ہے چنانچہ آل کی تصغیر اھیل ہے آل یؤل اولا کے معنیٰ ہیں رجوع کرنا ۔ آل وہ ہے جو کسی کا تابع ہو ۔ اور اس کا مرجع و مآب ہو ۔ قرآنِ شریف میں آل فرعون ہے بمعنی تابعینِ فرعون ۔ پس آلِ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین ہیں۔

جس قدر جس کے کاموں کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع بڑھتا جائے گا اتنا ہی اس کی آلیت بھی بڑھتی اور قوی ہوتی جائے گی متقی آدمی کا رجوع زیادہ ہے تو آل محمد کل تقی بھی وارد ہے۔ بنی ہاشم کو قربِ قرابت ہے ان پر صدقہ حرام ہے تو وہ بھی آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت مولیٰؑ۔ حضرت بی بیؓ اور حسنینؓ سے سلسلہ اولادِ رسولؐ جاری ہوا۔ وہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بیٹی داماد کا گھر جدا ہوتا ہے اس لئے حضرتؐ نے ان حضرات کو عباءِ مبارک میں لے کر ظاہر فرمادیا کہ شرفِ اہلِ بیت میں یہ حضرات بھی شریک ہیں۔

ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت ہونا قرآن سے منصوص ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے لئے بھی قرآن شریف میں اھل البیت وارد ہوا ماقبل اور مابعد کی آیتیں سیاق و سباق قرآن سے ازواجِ مطہرات کے لئے ہے۔ یاد رکھو اھل کی طرف ہمیشہ جمع مذکور ہے ضمیر راجع ہوتی ہے۔ بیوی ام سلمہؓ کو آپ نے فرمایا علی الخیر یعنی اس آیت کے خیر میں تم ہو ہی۔ ازواجِ مطہرات کو آیتِ تطہیر سے نکالنا قرآن پر ظلم کرنا ہے یا نسآء النبی لستن کاحد من النسآء۔ اے پیغمبر کی بی بیو! تم اور عورتوں کی جیسی نہیں ہو۔ کہاں تک فضل کا انکار؟

صاحبو! آیتِ تطہیر کی اہمیت اُن کے پاس عصمت ثابت کرنے کے لئے ہے۔ ان کے پاس چونکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا عورت تھیں لہذا خلیفہ نہیں ہوسکتیں خصوصاً جب کہ بعض دفعہ حضرت مولیٰ سے شکر رنجیاں بھی ہوئیں۔ باہم اختلاف بھی ہوا۔ لہذا آپ معصوم بھی نہیں۔ اور آیتِ تطہیر میں داخل بھی نہیں۔

حضرت امام حسنِ مجتبےٰ رضی اللہ عنہ اگر معصوم ہوں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہوجائے گی۔ لہذا ان کے اصول سے حضرت امام حسن مجتبیٰ معصوم نہیں نہ آیتِ تطہیر میں داخل ہیں۔

آؤ اب غور کریں کہ آل و اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں سے آخر یہ لوگ کتنے حضرات کو ملتے ہیں۔

حضرت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں۔ تین کو نہیں ملتے ایک کو بھی جس طرح ملتے ہیں بیان کردیا گیا کہ ان کو غیر معصوم سمجھتے ہیں۔ حضرت علی کے صاحبزادوں میں امام محمد بن علی ہیں جن کو یہ لوگ محمد ابن حنفیہ کہتے ہیں۔ ان کو حسب عادت کیا کچھ نہیں کہتے۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ کے سلسلہ اولاد کو نہیں ملتے۔ حضرت امام علی زین العابدینؓ کے صاحبزادے امام زید کو نہیں ملتے۔ حضرت امام جعفر صادقؓ کے صاحبزادے امام اسمٰعیل اور ان کی اولاد (جن کی طرف فرقہ اسماعیلیہ منسوب ہے) کو نہیں ملتے۔ کل بارہ اماموں کو ملتے ہیں۔ اور ائمہ کو وہی بدگوئی جو صحابہ کو ہوتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں حُبِّ آلِ اہل بیت؟ معاذ اللہ۔

اس کے بعد مسئلہ تفضیل کا نمبر ہے

حضرت سیدہؓ جزء رسولؐ ہیں۔ بلا واسطہ یہ شرف حسنینؓ کو ہے نہ حضرت مولیٰؑ کو اور نہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو۔ ازواجِ مطہرات کا ام المومنین ہونا قرآن میں منصوص ہے۔ وازواجہ امھاتھم ماں کی تعظیم ہر مذہب میں، ہر قوم میں لازم سمجھی جاتی ہے

ابتدائی زمانہ رسالت کی مدد کرنا ۔ تبلیغ اسلام کرنا ۔ انتقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کو سنبھالنا ۔ امن برقرار رکھنا ۔ ارتداد سے روکنا حضرت صدیق اکبرؓ کا کام ہے ۔ مسلمانوں کو منظم کردینا فاروق اعظمؓ کا کام ہے ۔ قرآن کو صحت کے ساتھ نشر کرنا ذی النورین کا کام ہے ۔ میدان میں گھس کر تلوار مارنا ۔ دلوں کو نور سے معمور کرنا حضرت مولیٰ کا کام ہے ۔ اللہ تعالیٰ بعض حضرات کو بعض خصوصیات سے سرفراز کیا ہے ۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس کو من جمیع الوجوہ سب پر فضیلت ہو جس نے جتنی اسلام کی خدمت کی اتنا ہی اللہ کے پاس اس کا رتبہ بڑا ہے ۔

فروشندہ را بافضولی چہ کار

اس کے بعد خلافت کا مسئلہ ہے

نبی کے لئے ضرور نہیں کہ وہ بادشاہ بھی ہو ۔ و قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکاً ۔ لوگوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لئے ایک بادشاہ بھیجئے ۔ البتہ سلیمان علیہ السلام میں نبوت و سلطنت جمع تھی ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں کچھ حکومت بھی آگئی تھی ۔ ان لوگوں کے پاس تعلیم نبوت کی کوئی اہمیت نہیں ۔ جو کچھ ہے دنیا اور اس کی حکومت ہے ۔ مگر اہلِ بیت کو دنیا کی حکومت نہ ملی لہذا وہ خلافت سے محروم رہے ۔

اب میں خلافت کی تھوڑی سے تحقیق کردینا چاہتا ہوں ۔

خلیفہ وہ ہے جو مستخلف یعنی اصل کا قائم مقام ہو ۔ اس کا کام کرے ۔ ظاہر ہے کہ رسول صاحبِ وحی ہوتا ہے ۔ اس کا کام کوئی انجام نہیں دے سکتا اس کے احکام پہنچانے اور اس کی تعلیم دینا ہی خلافت ہے ۔ جس نے قرآن پہنچایا وہ بھی خلیفہ ہے ۔ جس نے اس کو سمجھایا اس کی تعلیم دی وہ بھی خلیفہ ہے جس نے اس سے استنباط کیا وہ بھی خلیفہ ہے جس نے احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچائیں وہ بھی خلیفہ ہے جس نے اصلاح نفسِ خلق اللہ کی وہ بھی خلیفہ ہے ۔ جس نے انصاف سے حکومت کی وہ بھی خلیفہ ہے ۔ غرض یہ کہ جس نے تعلیمِ نبی و خدمتِ اسلام زیادہ کی وہ بڑا خلیفہ ہے ۔ میزان اللہ کے ہاتھ میں ہے ، وہی اس کا فیصلہ فرمائے گا کہ کون بڑا ہے اور کس کے اعمال زیادہ اچھے ہیں ۔ بعض لوگ خلافتِ منصوص کے مدعی ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زندگی ہی میں خلافت دے دی تھی ۔ فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔ مولیٰ کے معنیٰ محب اور قرابت دار اور مددگار وغیرہ کے ہیں ۔ پس تصریح خلافت کہاں ہے ؟

عباسیہ کہتے ہیں حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصبہ و وارثِ رسولؐ ہیں ۔ حسنین ذوی الارحام سے ہیں ۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا عورت ہیں لہذا بنی عباس ہی خلیفہ ہوسکتے ہیں نہ کہ کوئی اور ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عباس ہی کی سلطنت کی پیشن گوئی فرمائی تھی ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " دوات قلم لاؤ میں تم کو ایسی چیز لکھ دوں گا کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہوگے " حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ۔ حضرت پر بیماری کی شدت ہوگئی ۔ کیونکہ حضرت بار بار بےہوش ہو رہے ہیں ۔ تمہارے پاس قرآن ہے تم کو کتاب اللہ کافی ہے ۔ گھر کے لوگ مختلف ہوگئے اور آپس میں جھگڑنے لگے ۔ کوئی کہتا ہے دوات قلم لاؤ رسول اللہ لکھ دیں گے کوئی وہی کہتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا ۔ جب زیادہ شور

اٹھا اور اختلاف ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے پاس سے اٹھ جاؤ"۔ (متفق علیہ)

بنی عباس کا خیال ہے کہ بنی عباس کی خلافت کے متعلق حضرت لکھ دینے والے تھے۔ اور شیعہ کا خیال ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلافت نامہ تھا جس کو آپ لکھنے والے تھے۔ یہ سب نرے خیالات ہیں۔ حضرتؐ نے کسی کا نام فرمایا ہی نہیں۔ حضرت علیؓ نے بھی حضرت عمرؓ کی مخالفت نہ کی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تاکیدی حکم نہیں دیا۔ وحی ہوتی تو بلغ ما انزل الیک پہنچا دو جو تم پر اتارا گیا پر عمل واجب ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں تو ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔

اب خلافتِ منصوص کو بھی ملاحظہ فرمائیے

"تمہارے باپ ابوبکر اور تمہارے بھائی عبدالرحمنؓ کو بلاؤ کہ میں ایک نوشتہ لکھ دوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے۔ یا کہنے والا کہہ دے کہ میں اولیٰ ہوں۔ حالانکہ اللہ اور مومنین انکار کرتے ہیں غیر ابوبکر کو (احمد۔ مسلم عن عائشہ کنزج ۶ ۱۳۸)

"میرے پاس دوات لاؤ کہ ایک مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ پھر فرمایا "اللہ اور مومنین انکار کرتے ہیں مگر ابوبکر کو (عن عبدالرحمنؓ بن ابی بکر ۔کنزج ۶ ۱۳۹)

"میں نے اللہ سے تین دفعہ سوال کیا کہ تم کو مقدم کرے مگر اللہ نے انکار کیا بجز ابوبکر کے"۔ یہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

(ابن عساکر عن علی۔ کنزج ۶ ۱۴۰)

تاریخ الخلفاء للسیوطی میں ہے۔ مسجد کی بنیاد رکھی جانے لگی تو پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگِ بنیاد رکھا پھر ابوبکرؓ نے، پھر عمرؓ نے۔ آپ نے فرمایا ھؤلاء الخلفاء من بعدی۔ (یہ میرے بعد خلیفہ ہیں) اتنے میں ایک شخص نے آکر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ کے بعد ہم کس کو زکوٰۃ دیں۔ فرمایا "ابوبکر کو" پھر پوچھا ان کے بعد فرمایا "عمر کو"

جنگِ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ابوسفیان سردارِ قریش نے (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا، کہاں ہے ابن ابی کبشہ؟ یعنی حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہاں ہے ابنِ ابی قحافہ؟ یعنی حضرت ابوبکرؓ۔ کہاں ہے ابن الخطابؓ؟ جب آواز نہیں دی گئی تو نعرہ مارا اعل ھبل، ھبل کا بول بالا۔ یعنی وہ جان رہے تھے اور سیاسی پیش گوئی کر رہے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کا کام ابوبکر چلا سکتے ہیں ان کے بعد عمر بن الخطاب، ان کے بعد گڑبڑ ہے۔

پھر شہادتِ امام حسین علیہ السلام کا ماتم

دنیا میں اخلاقی جرأت، حق پرستی، شجاعت، اور جان سے بے خوفی، عدم تقیہ کا بہترین و اعلیٰ ترین نمونہ، شہادتِ امام علیہ السلام ہے۔ آپ کو کوئی مجبوری نہ تھی۔ یزید پلید کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو بال کو دھکا نہ لگتا۔ مگر یزید کے ہر حکم کی اطاعت کا خلافِ شرع احکام میں موافقت کا وعدہ اس خونِ مطہر سے ممکن نہ تھا۔ اس وقت آپ اگر دین کی حمایت نہ فرماتے تو کون کرتا۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؓ

اس جماعتِ طیبہ کا ہر فرد صابر تھا، شاکر تھا، خلافِ شرع سینہ کوبی، جامہ دری ان کے غلام بھی نہیں کرتے۔ ان مدعیانِ محبتِ اہلِ بیت نے سینکڑوں خطوط لکھ کر امامؓ کو بلایا۔ آئے تو یزید کی فوج کے ساتھ ہوگئے۔ امام کو شہید کرنے کے بعد خود کو تائبین مشہور کیا۔ اور لگے تال سُر پر سینہ زنی کرنے اور تال سُر سے مرثیے پڑھنے۔ شہادتِ امامِ عالی مقام سے حق پرستی اور اسلام پر جان بازی کا سبق حاصل ہوتا ہے نہ کہ بزدلی کا۔ غلامِ حسین بہادر ہوتا ہے نہ کہ بزدل

بے قراری کا نہ نکلا ایک لفظ　　سامنے تقدیر کے تھا سر جھکا
آنکھ میں آنسو نہ تھا اور لب پہ آہ　　آفریں بر اہلِ بیتِ مصطفےٰ
شیرِ مادہ در دلیری شیرِ نر　　کون شک کرتا ہے یا چون وچرا　　(حسرت صدیقیؒ)

اب مشاجراتِ صحابہ کے اسباب اور غلط فہمیوں کے وجوہ بیان کئے جاتے ہیں

صحابہ کا ایمان قرآن سے ثابت ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم۔ محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں"۔ رضی اللہ عنہم و رضواعنہ۔

ان کے اسلامی کارناموں کی شہادت یہود دیں گے۔ عیسائی دیں گے بلکہ ہندو بھی دیں گے۔ یہ چیز تو ناقابلِ انکار ہے۔ قرآن کی تصدیق کے مقابل جھوٹی کہانیاں ناقابلِ قبول ہیں۔ یہ مسئلہ طول طویل وقت مانگتا ہے۔ لہذا چند اشارات لکھوں گا۔ و العاقل تکفیہ الاشارۃ۔ کیسا ہی نیک نیت ہو، مذاقِ طبیعت اور ماحول کے اثرات سے مجبور ہوجاتا ہے۔ ایسا شخص غلطی بھی کرے تو اس کو خطاءِ اجتہادی کہتے ہیں لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا اللہ بقدرِ امکانِ شخصی تکلیف دیتا ہے۔ طبعی طور پر بعض لوگ بزرگ پرست ہوتے ہیں اور بعض آزاد رائے۔ بعض واقعات کام کرنے والوں کو معلوم نہیں ہوتے اور وہ اپنی جگہ معلومات پر رائے قائم کرلیتے ہیں اور اس کے سوا ممکن بھی نہیں۔ بعد والے جو چاہیں کہیں کیا ہوتا ہے۔ اسلام سے پیشتر بنی امیہ حاکم و سیاسی لوگ اور بنی ہاشم مذہبی پیشوا تھے اور زمانہ اسلام میں یہی حال رہا۔ پس دونوں کا مذاقِ اختلاف لازمی ہے۔ ہر ایک اپنی حکومت کا طالب تھا جس کا نتیجہ جنگ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نہ بنی امیہ سے تھے نہ بنی ہاشم سے۔ ان کے ماتحتوں کی غلطی مرتکب کی ذات تک محدود سمجھی جاتی۔ حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے اور حضرت علیؓ بنی ہاشم سے تھے۔ ان کے ماتحت عہدہ داروں کی غلطیاں ہم قبیلہ ہونے کی وجہ سے ان کی محترم ذاتوں کی طرف منسوب ہونے لگیں اور در فتنہ باز ہوا۔ صدرِ مجلس ملیہ بدلتا ہے تو اس کے ارکان بھی بدلتے ہیں اور وہ اپنے ہم رائے و قابلِ اعتماد ہم اصول لوگوں کو مقرر کرتا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں ایسا ہی کیا۔ اور لوگ لگے بدگمانی کرنے کہ یہ اپنے ہم قبیلہ کو بھر رہے ہیں اور دوسروں کو تباہ کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ، زمانہ نبوت سے قریب تھا۔ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانہ میں ریاستِ اسلامی بہت بڑی ہوگئی تھی۔ دولت کا زور تھا۔ مختلف اقوام دائرہ اسلام میں شریک ہوگئے تھے۔ ان نو مسلموں میں وہ طہارت کہاں جو شیخین کے زمانے کے مسلمانوں میں تھی۔ دشمنوں سے جنگ کے زمانہ میں لوگ متحد رہتے ہیں۔ امن کے دور میں خانہ جنگی سوجھتی ہے۔ بعض جمہوریت پسند ہوتے اور بعض بادشاہ پسند اور ان میں جنگ بھی ہوتی ہے تو کوئی نہیں کہتا کہ ان میں سے کوئی اسلام اور پیغمبر

اسلام کا مخالف تھا۔ خاندانِ زار (روس) اور اس کے ہم خیالوں کو بالشویکوں نے کیا کہا، مگر ان میں سے کون سلطنت کا دشمن تھا، کوئی نہیں۔

اب تکفیرِ صحابہ کا مسئلہ ہے

کسی اہلِ مذہب سے سوال کرو کہ بہترین خلائق کون ہیں؟ وہ اپنے پیغمبر کے اصحاب یا حوارین کو بتائے گا۔ بجز ان لوگوں کے تیئیس (۲۳) سال کی رسول اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کیا اثر ہوا۔ ایک حضرت علی اور دو تین اور اصحاب کا اسلام؛ بس اتنے ہی مسلمان روئے زمین میں ہیں؟ اسلام کس نے پھیلایا؟ غیر مسلموں نے؟ شرم شرم۔ تمام دنیا میں اسلامی سلطنت کس نے قائم کی؟ اسلامی جھنڈا کس نے اڑایا؟ غیر مسلموں نے؟ شرم شرم۔ حضرت علی اسد اللہ نے اپنی صاحبزادی کی شادی کس سے کردی؟ ایک غیر مسلم سے؟ شرم شرم۔ کس کو امورِ انتظامی میں رائے دیتے تھے؟ غیر مسلموں کو؟ شرم شرم۔ دنیا میں سب وشتم کس کے پاس عبادت ہے؟ ان کے پاس شرم شرم۔ اللہ صحابہ سے راضی صحابہ اللہ سے راضی رضی اللّٰہ عنہم ورضوا عنہ۔ اللہ کی رضامندی کے سامنے تمہاری ناراضی ہے کیا چیز؟ یہ ناراضی اثر ہے یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار کا۔ اللّٰہَ اللّٰہَ فی اصحابی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم کا۔ جو شخص معمولی مسلمان کو کافر کہے اس کا کفر اسی پر واپس ہوتا ہے۔ شاگردانِ رسول۔ یارانِ پیغمبر پر لعنت کام۔ ہے فوارہ لعنت کا کہ ازوی خیزد وبروی ریزد۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بہت طویل خطبہ مشہورہ میں فرماتے ہیں۔

" فمن احبھما (ابوبکر وعمر) فقد احبنی ومن ابغضھما فقد ابغضنی و انا بری منہ ولو کنت تقدمت فی امرھا لعاقبت اشد العقوبۃ فمن اوتیت بعد مقامی ھذا فعلیہ ما علی المفتری الا و خیر الامۃ بعد نبیھا ابوبکر و عمر "۔

ترجمہ: پس جس نے ان دونوں یعنی ابوبکر وعمر سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور میں اس سے بری ہوں۔ اگر میں نے اس سے پہلے تنبیہ کی ہوتی تو سخت سزا دیتا۔ اگر ایسی شکایت پھر میرے سامنے آئی مفتری کی حد اس کو دی جائے گی۔ دیکھو! بہترین امت بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوبکر وعمر ہیں"۔ یہ خطبہ زمانہ خلافتِ سیدنا علیؓ کا ہے۔

(رواھا۔ حبشہ لکائی۔ ابوالحسن علی احمد بن اسحاق البغدادی الشیرازی ابن مندۃ کنز ج ۶ ص ۳۷۰)

اب آخر میں مسئلہ تقیہ ہے جس پر اسلام کا بالکل خاتمہ ہے

اگر تقیہ جائز ہوتا تو خود حضرت علیؓ جنگ جمل و جنگ صفین کیوں کرتے؟ حضرت امام حسینؓ کیوں شہید ہوتے؟ حضرت ابراہیم کیوں شہید ہوتے؟ حضرت نفسِ زکیہ کیوں شہید ہوتے؟ پیشوا اور لیڈر کبھی تقیہ نہیں کرتے۔ حق گوئی ان پر واجب ہے یہ بلغ ما انزل الیک کے جانشین ہیں، تقیہ ان پر حرام ہے۔ اللہ اکبر ان دشمنانِ اہلبیت نے اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کی توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ نعوذ باللہ کسی نے شیرِ خدا کے سامنے حضرت سیدہ کو مارا (میں اس کا نام نہیں لیتا کیوں کہ یہ جھوٹ اور محض جھوٹ ہے) حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا اور اسی سے آپ کا انتقال ہوگیا اور شیرِ خدا نے بیوی کی کسی طرح کی حفاظت نہیں کی نہ حمایت کی۔ حضرت علیؓ پر بزدلی کا الزام لگاتے کچھ تو شرم آنا چاہیئے کچھ تو خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ مظہر العجائب، اسد اللہ الغالب اور تقیہ؟ توبہ! توبہ!

شیرِ خدا اور خوفِ جان استغفر اللہ یہ مقدس ہستی اور جھوٹ اعوذ باللہ پوست استخوان مسٹر گاندھی، ناز پروردہ پنڈت نہرو تقیہ نہیں کرتے۔ ان کو جان کا خوف نہیں۔ اسلام کی اس عظیم الشان شخصیت پر تقیہ کا الزام ؟ آدمی کچھ تو حیا کرے۔ تقیہ کا جال آخر کیوں بچھایا گیا ؟ قرآن شریف اور وہ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو ازواجِ مطہرات و اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت کیا تھا، ناقابلِ اعتبار ٹھیرائے گئے۔ اہلِ بیت سے جو کچھ تعلیم نبویؐ مل سکتی تھی وہ بھی تقیہ کے جال میں پھنس کر رہ گئی۔

الغرض قرآن ناقابلِ اعتبار، حدیث ناقابلِ اعتماد، تعلیمِ اہلِ بیت ناقابلِ بھروسہ۔ تو پھر دین کی بقاء کی کیا صورت ؟ ہمارے پاس وہ مذہب راستی سے کوسوں دور ہے جو آل و اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا سمجھے، بے شک وہ جھوٹا ہے جس نے آپ کو جھوٹا سمجھا۔ ہمارے پاس اہم خلافت تہذیبِ نفوس و اصلاح دل کی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرتؐ کے بعد زمانہ کم ملا۔ لہذا ان سے نقشبندیہ، قادریہ اور شاہ مداریہ وشطاریہ سلسلہ ہائے بیعت نکلے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فاروقیہ و اویسیہ نکلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، رفاعیہ وغیرہ، حضرت امام حسن علیہ السلام سے قادریہ و شاذلیہ اور حضرت عبداللہ مکی سے قلندریہ۔ اس اہم و اصلی خلافت میں جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہیں۔ جناب سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ بلافصل ہیں۔ حضرت امام حسن مجتبیٰؓ بھی بلا فصل ہیں۔ خلیفہ بلا فصل مان لینے سے ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تو قلع قمع دین چاہتے ہیں وہ انشاء اللہ نہ ہوا ہے نہ قیامت تک ہوسکتا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ اللہ حفاظت کا ذمہ لیتا ہے۔

اسلامی ریاستوں کو کس نے تباہ کیا ؟

اسی قوم نے ؟ سلطنتِ عباسیہ کو موئد الدین علقمی نے، ریاستِ مغلیہ کو میر حسن علی و میر عبداللہ نے، ریاستِ فتح علی ٹیپو سلطان کو میر صادق نے ریاستِ شجاع الدولہ کو میراں و میر جعفر نے۔ تاریخ اسلام پر نظر ڈالئے تو ہر جگہ یہی قوم بربادی سلطنت ہائے اسلامی کی علت ہوئی۔ (تفسیر صدیقی تفسیر سورہ فاتحہ)

(چنانچہ سلطنتِ آصفیہ حیدرآباد کا حشر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے للمرتب)

لا تزر وازرۃ وزر اخری ۝ کی تفسیر کے ضمن میں حضرت لکھتے ہیں۔ لا تزر نہیں اٹھاتا۔ وازرۃ۔ اٹھانے والی (والا)۔ وزر اخریٰ۔ دوسرے کا بوجھ۔ اس کا گناہ۔ خدا کے پاس یہ ہرگز نہیں ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ گناہ کرے کوئی اور سزا پائے دوسرا۔

ترجمہ: کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

صاحبو! اللہ منصف ہے، سراپا عدالت ہے۔ عینِ انصاف ہے۔ اسلام میں ہرگز نہیں ہے کہ ایک شخص گناہ کرے اور سزا ہو ایک دوسرے شخص کو۔ اسلام میں کفارے کا مسئلہ اس طرح نہیں ہے کہ گناہ کرے کرستان اور اس کے گناہوں کا پشتارہ پیٹھ پر لاد کر چلیں حضرت مسیح علیہ السلام۔ اب کیا ہے کرستان جتنے گناہ کریں سب معاف ہوچکے۔ گناہ پر کوئی عذاب ہے نہ کسی قسم کی سزا،

بڑی بے فکری ہے ۔ اپنی غلطیوں کی اپنے گناہوں کی کسی قسم کی ذمہ داری نہیں ۔ جو چاہو کرو ۔ جو چاہو ظلم و ستم روا رکھو ۔ یہ مذہب ہے ؟ مذہب تو گناہوں سے روکتا ہے ۔

مسئلہ طینت کفارے کا بھائی مسئلہ طینت ہے ۔ نعوذ باللہ ۔ خدا نے دیکھا کہ مومنین سب اچھے ہی کام کریں اور دوسرے لوگ برے ہی کام کریں تو یہ رنگا رنگی ۔ بوقلمونی نہیں رہے گی ۔ لہذا مومنین کی سفید کیچڑ کو ۔ مٹی کو ۔ دوسروں کی سیاہ مٹی سے ملا کر پتلے بنائے ۔ آدمی پیدا کیا گیا ۔ تو لوگوں نے کچھ گناہ کئے کچھ نیکیاں ۔ نیکیاں تھیں مومنین کی سفید مٹی کی اور گناہ تھے دوسروں کی سیاہ مٹی کی وجہ سے ۔ جب قیامت ہوگی اور خدائے جل جلالہ ۔ عرشِ عدالت پر جلوہ فرما ہوگا تو سیاہ مٹی کو سفید مٹی سے علٰحدہ کر دے گا ۔ جس کی سفید مٹی کی نیکیاں اس کو جس کی سیاہ مٹی کی برائیاں اس کو ۔ ماشاء اللہ کیا بہتر تفسیر ہے لا تزروازرۃ وزر اخرےٰ کی ۔

مگر افسوس ہے کہ عقلِ سلیم اور طبع مستقیم اس تفسیر کو قبول نہیں کرتی ۔ ایک طینت کا مسئلہ بہت کافی تھا لفِ حریر اور خم غدیر کے مسئلے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ معصوم مومنین کو فکر ہی کیا ۔ دنیا بھر کی بدمعاشیاں کرو وہ تو دوسروں کی سیاہ مٹی کی ہیں ۔ تمہیں کیا فکر ۔ کیا غم ۔ تقدس مآب صاحب اجتہاد سے یہ مسئلہ سنو اور بغلیں بجاؤ ۔ تم خوب گناہ کرو تاکہ دوسروں کو خوب عذاب ہو ۔

اے بدنصیب دوسرے لوگو ! لاکھ تم عبادت کرو ۔ نیکیاں کرو ۔ اور اعمال صالحہ میں جدوجہد کرو ۔ چونکہ وہ مومنین کی سفید مٹی کا اثر ہے لہذا وہ سب مومنین کے پاس چلے جائیں گے اور ان کے گناہ تمہارے حصہ میں آجائیں گے ۔ سبحان اللہ کیا فلسفہ مذہب ہے ؟ کیا اصولِ تفسیر ہے ؟ کیا خدا کا عدل و انصاف ہے ۔ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔ لا تزروازرۃ وزر اخرےٰ

تفسیر صدیقی (سورہ النجم)

صاحبو ! بعض نادان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قاعدین میں اور حضرت علیؓ کو مجاہدین میں سمجھتے ہیں ۔ اور حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل جانتے ہیں ۔ ان لوگوں کو شیعہ غالی کہتے ہیں ۔ جو شیعہ اپنے کو غالی نہیں سمجھتے غالی شیعوں کو کافر سمجھتے ہیں ۔ ان کو سنیوں سے بھی بدتر جانتے ہیں ۔ ان کے پاس سنی دنیا کے امور میں مسلمان سمجھے جاتے ہیں ۔ ان کا ذبیحہ جائز ہے ۔ ان کی چھوئی ہوئی چیز روا ہے ۔ ان سے شادی بیاہ جائز ہے ۔ مگر ان غلاۃ کے ساتھ ۔ غالی شیعوں کے ساتھ کسی قسم کا لین دین جائز نہیں ۔ حیدرآباد میں غالی شیعوں کا بہت زور ہے ۔ غیر غالی شیعوں سے غالی شیعوں کی تعداد زیادہ ہو رہی ہے ۔ یہ بدنصیب ۔ واقعات سے بالکل نابلد ہیں ۔ کیا جہاد صرف تلوار لے کر میدان میں گھسنے ہی کا نام ہے ؟ باقاعدہ لشکر کا انتظام کرنا بھی جہاد میں شریک ہے ۔ سپاہی کا ہاتھ لڑتا ہے اور کمانڈر کا دماغ ۔ ہمارے پاس خود حضرت علیؓ کی روایت ہے ۔

و کنا نلتجی برسول اللہ حین یستحر الحرب

یعنی جب گھمسان کی لڑائی ہوتی اور آتشِ جنگ مشتعل ہو جاتی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لیتے ۔

میدانِ جنگ میں ایک دفعہ جانثارانِ نبوت دور ہو گئے تھے مگر آپ پروانہ گان شمع نبوت کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھے آگے ہی بڑھے چلے جا رہے تھے اور فرما رہے تھے ۔

" انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب " ۔

ان غلاۃ کے پاس یہ بھی ہے کہ جب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرشِ اعظم پر پہنچے اور بیچ میں سے پردہ اٹھایا گیا تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیکھا ؟ حضرت علی کو دیکھا ۔ جب چالیس سال کے ہوئے تو آپ پر قرآن شریف اترنا شروع ہوا ۔ مگر اس سے تیرہ برس پہلے حضرت علیؓ پیدا ہوتے ہی قرآن شریف پڑھنے لگے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جبرئیل نے غلطی کی اور حضرت علیؓ کو وحی پہنچانے کے عوض آنحضرتؐ کو پہنچادی ۔ نہ خدا کے پاس کوئی انتظام ہے نہ جبرئیل معصوم ہیں ۔ جبرئیل کی وحی اور قرآن کا کیا اعتبار ۔ بعض لوگ تو حضرت علیؓ کو خدا سمجھتے ہیں اور ان کو نصیری کہتے ہیں ۔ مرزا غالب لکھتے ہیں

منصور فرقہ علی اللہیان منم

آوازہ انا اسد اللہ برافگنم

صحابہ کو برُا کہنا تو ایک طرف یہ تو خود حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ہو رہی ہے ۔ حضرت علیؓ تو فرماتے ہیں ویحک انا عبد من عبید محمد ۔ ارے ! تجھ پر افسوس ہے میں تو محمد کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں ۔

ایک صاحب تو وبئر معطلة قصر مشید کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ بئرِ معطل ہیں یعنی باؤلی تو ہے مگر پانی نہیں اور امام مہدیؑ قصرِ مشید ہیں ۔ کیونکہ امام مہدیؑ قربِ قیامت میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کردیں گے اور ان کو سزا دیں گے ۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے بڑے بڑے مظالم سہے مگر کچھ نہیں کیا ان گستاخیوں کی سزا آج نہ ہوئی تو کل ضرور ہوگی ۔ دراصل معلوم نہیں کہ ان لوگوں کو دینِ اسلام سے کتنا ربط ہے ؟ وہ جو چاہیں گے کہیں گے ۔ سنیوں کا ڈر ہے تقیہ کرتے ہیں ۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو ان کے اصلی خیالات سے واقفیت ہوسکتی ۔ اور ان کے مذہب کا علم ہوتا کہ وہ ہے کیا ؟ اور ابھی کون کونسی باتیں اظہار طلب ہیں ۔

سچ پوچھو تو یہ کوئی مذہب نہیں ہے ۔ بلکہ دشمنانِ اسلام انارکسٹوں کا ایک فرقہ ہے ۔ اور ایک نئی بات نکالتا ہے ۔ اور اسلام کو تباہ کرنے کی سوچتا ہے ۔ اس میں یہودی ، مجوسی ، بت پرست ، دہری سب ہم نوا ہوگئے ہیں ۔ ان کا متفق علیہ مسئلہ جس پر ان کا دین و ایمان ہے ۔ عداوتِ اسلام ہے ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ۔

(ماخوذ از تفسیر صدیقی سورۃ النساء)

مرزا غلام احمد کے چند دعوے :

مشتے نمونہ از خروارے (للمرتب)

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب " ازالۃ الاوہام " صفحہ (۱۵۴) میں لکھتے ہیں :۔

" ہر صدی پر ایک مجدد کا آنا ضرور ہے ۔ بتلائیں کس نے اس صدی کے سر پر خدا سے الہام پاکر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔ اگر یہ عاجز نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا ہے ؟ کس نے ایسا دعویٰ کیا ہے جیسا کہ اس عاجز نے " ۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۴۸) میں لکھتے ہیں :۔

" خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو آدم صفی اللہ کا مثل قرار دیا ہے پھر مثل نوح کا ، پھر مثل یوسف کا ، پھر مثل داؤد کا پھر مثل موسیٰ کا پھر مثل ابراہیم کا قرار دیا ہے اور بار بار احمد کے خطاب سے مخاطب کرکے ظلی طور پر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا " ۔

اور اسی کے صفحہ (۶۷۳) میں لکھتے ہیں :۔

"کہ آیتِ شریفہ مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد سووہ رسول میں ہوں"۔

الحکم مورخہ ۲۴ / فبروری ۱۹۰۵ء میں مرزا غالب کا الہام لکھا ہے انما امرک اذا اردت شیئًا ان تقول لہ کن فیکون یعنی تم جس چیز کو پیدا کرنا چاہو جب کُن کہہ دو گے تو وہ پیدا ہوجائے گی۔

اور توضیح مرام سے ان کا قول نقل کیا ہے:۔

"میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں"

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۵۰) میں لکھتے ہیں:۔

"سچی وحی اپنے پر نازل ہوتی ہے"۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۷) میں لکھتے ہیں:۔

"یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ اس کشفِ بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ واجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحبِ تجربہ ہے"۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۴۶) میں لکھتے ہیں:۔

"مسیح کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہئیے کہ طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں ہنسیں گے کہ جب کہ تیس یا چالیس ہزار فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف جانا موت کا موجب ہے تو حضرت مسیح اس جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان تک کیوں کر پہنچ گئے"۔

مرزا صاحب کا ارشاد ہے "بعض نبیوں سے افضل ہوں"۔

(عصائے موسیٰ ۱۴۷ مولفہ منشی الٰہی بخش)

مرزا صاحب کا ارشاد ہے "کل مسلمان جو میرا اقرار نہیں کرتے اسلام سے خارج ہیں"۔

(مسیح الدجال ۵ مولفہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب)

حضرت بحرالعلومؒ کی عام طور پر عادتِ شریفہ ہے کہ تردیدِ مذہب یا معترض کا نام ظاہر کئے بغیر اصل مسئلہ کی تحقیق فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ سے لے کر سب کو دینے والی ذات، ذاتِ محمدی ہے۔ کوئی مانے نہ مانے میں تو یہی کہوں گا۔ محمد کا دیا ہوا لیتا ہوں، ان کے ہاتھ سے دیا ہوا کھاتا ہوں۔ غرض کہ مجھے جو کچھ ملتا ہے ان کے ہاتھ سے ملتا ہے۔ کیونکہ وہی تقسیم کرنے والے ہیں انما انا قاسم واللہ یعطی مگر نادان نہیں سمجھتا اور ذی فہم سمجھتا ہے"۔ (مکاتیب عرفان)

یہ جتنے اولیاء ہیں، سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کا عکس ہیں۔ ان میں کچھ چھوٹے ہیں کچھ بڑے ہیں کوئی ولی ہے کوئی سید الاولیا ہے" (مکاتیبِ عرفان)

صاحبِ وحی۔ نبی۔ رسول

کیا ہر شخص بادشاہ سے براہ راست احکام حاصل کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ درمیان میں ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جس کو بادشاہ سے قربت ہو۔

اسی طرح پیغمبروں کو خدا کی قربت، بندوں کی صحبت رہتی ہے۔ جہتِ قربِ الٰہی سے اخذِ وحی کرتے ہیں اور جہتِ صحبت و معیت سے بندوں کو تبلیغ کرتے ہیں۔

پیغمبر یا رسول

وہ عالی فطرت انسان ہے جو وحیِ الٰہی سے ممتاز ہوتا ہے۔ پیغمبر بے خطا، بے گناہ، معصوم، صادق اور امین ہوتا ہے۔ تاکہ تبلیغ الٰہی کی حجت خلق اور امت پر قائم ہوسکے۔ تاکہ پیغمبر کی دعوت اور اس کی تبلیغ و قبول میں سہولت و تقویت ہو۔ خدائے تعالیٰ اس کو معجزات عطا فرماتا ہے۔

کیا فرق ہے رسول و نبی میں؟

رسول صاحب شریعتِ تازہ ہوتا ہے۔ اور نبی تابع رسول مگر ہوتا صاحبِ وحیِ الٰہی۔ (حکمتِ اسلامیہ)

نبی:۔ اس لفظ کے لغوی معنیٰ خبر دینے والے یا خبر رکھنے والے کے ہیں۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے ہر قاصد، ہر عالم، ہر مجتہد حتیٰ کہ ہر استدراج والا۔ جیسے سطیح مسیلمہ وغیرہ۔ جس کو قبل از وقت کچھ نہ کچھ معلوم ہوجائے لغوی نبی ہے۔ بنا براں عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بی بی مریمؑ، دوسرے اولیاء، صاحبِ الہام سب نبی کہلا سکتے ہیں۔ اور جب نبی کے معنیٰ خبر رکھنے والے کے ہیں تو جانوروں کو بھی کچھ نہ کچھ القا ہوتا ہے۔ غرض کہ نبی کا لغوی مفہوم بہت وسیع ہے۔

دوسرے "نبی" کے شرعی اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ نبی خدا کا وہ معصوم بندہ ہے جو صاحبِ وحی ہے۔ اس شرعی معنیٰ کے لحاظ سے معصوم صاحبِ وحی کے سوائے کوئی نہیں۔ ایک لفظ کے دو معنی ہونے کی وجہ سے لوگ اس طرح مغالطہ دیتے ہیں، کہ ابتداءً لغوی معنیٰ کے لحاظ سے اپنے کو نبی کہتے ہیں۔ لوگ اس کو گوارا کرلیں تو پھر وہ اپنے کو بروزی نبی کہتے ہیں۔ پھر دعوے میں ترقی کرتے ہیں تو اصطلاحی نبی بن بیٹھتے ہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء سے بھی افضلیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ان مسلمانوں کو جو ان کے دعاوی تسلیم نہیں کرتے کافر کہتے ہیں۔ حالانکہ ایسے دعاوی کی وجہ سے خود وہ کفر پر چڑھتے چلے جاتے ہیں۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۲۳، ۲۲۴)

دو چار پیشین گوئیاں کردیتے ہیں۔ جو صحیح نہیں اترتیں ان کی تاویل کرتے ہیں۔ یہ بات بنانے میں بڑے ماہر رہتے ہیں۔ جاہل چکر میں آجاتے ہیں۔ کذابوں کو بھی مان لیتے ہیں۔ لاکھ ان سے کہا جائے کہ الا انہ لا نبیَ بعدی آیا ہے لو کان بعدی نبی آیا ہے تو وہ نہیں مانتے۔ کذب و جھوٹ کا ایسا سحر ہوگیا ہے کہ اب وہ حق و باطل میں تمیز نہیں کرسکتے۔ انسان کے دل میں ایک بات اتر جائے پھر ٹل نہیں سکتی۔

اسی طرح وحی کے معنیٰ اشارہ کرنے۔ الہام کرنے کے بھی ہیں۔ جیسے اَوحیٰ الی النحل اور واوحینا الیٰ امّ موسیٰ، وحی کے اصطلاحی معنی اللہ تعالیٰ کا پیغمبر کو بذریعہ جبرئیل احکام و تعلیمات دینا۔ مذہبی ڈاکو مشترک لفظ کہہ کر مغالطہ دیتے ہیں۔ دعویٰ ایک چیز کا کرتے ہیں ایک معنیٰ کے لحاظ سے کرتے ہیں اور ثبوت دیتے ہیں تو ایک دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳۵)

بروز کی تحقیق

بروز کی تحقیق یہ ہے کہ اولیاء میں سے بعض کی فطرت کسی خاص نبی کی فطرت سے مشابہ ہوتی ہے۔ ہر چند کہ اولیائے کرام کو انبیائے عظام کے کمالات کی سیر کرائی جاتی ہے اور اولیاء انبیاء کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ انبیاء کے کمالات کا پرتو ان پر پڑتا ہے۔ یا یوں کہو کہ انبیاء کی صفاتِ خاصہ ان میں ظہور و بروز کرتی ہیں۔ مگر تکمیل سیر کے بعد، ہر ایک اپنی فطری مناسبت کے اعلیٰ مقام پر رہتا ہے۔ مثلاً حمیتِ دین والا ولی، نوحی المشرب یا تحتِ قدمِ نوح یا مظہرِ نوح یا بروزِ نوح کہلاتا ہے اور رضا و تسلیم والا ابراہیمی المشرب۔ اور عشق و محبت والا موسوی المشرب، اور دعوت وفنائیت والا عیسوی المشرب اور عبدیت والا جو سب کو جامع ہے محمدی المشرب کہلاتا ہے۔ بعض دفعہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں ولی میں فلاں نبی کا بروز ہوا ہے۔ جیسے قمر میں شمس کا بروز ہوتا ہے۔ الغرض نبی اصل اور ولی اس کی نقل ہوتا ہے۔ اور انبیاء کی اصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی صحابی، کوئی امام کوئی ولی کسی نبی سے بڑھ نہیں سکتا۔ لہٰذا کسی نبی یا ولی کو نبی اکرمؐ پر ترجیح دینا کفر ہے۔ انبیاء کی تحقیر بھی کفر ہے۔ اولیاء اللہ کو برا بھلا کہنا حق تعالیٰ کے اعلان جنگ کے لئے تیار ہونا ہے اللھم احفظنا من کل بلاء (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۴)

رسول

صاحبِ وحی۔ پیغامبر۔ تبلیغ احکام الٰہی کرنے والا۔ صاحبِ کتاب یا صحیفہ، مھبط جبریل امین ہے۔ صاحبِ معجزات ہوتا ہے نبی کا لفظ رسول سے عام ہے۔ کیونکہ نبی کو صاحبِ کتاب ہونا یا بعض کے پاس صاحبِ تبلیغ و صاحب امت ہونا بھی ضرور نہیں۔

حدیث میں وارد ہے العلماء ورثۃ الانبیاء جب تبلیغ بند ہے ولی صاحبِ تبلیغ نہیں ہے تو اس کو وراثت میں کیا ملا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں ولی کے کمالات تابع نبی ہیں وہاں اجتہاد کی صورت میں تبلیغ بھی وراثت میں ملی ہے۔ جہاں کسی مسئلہ میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم یا نص نہ پائے گا اجتہاد کرے گا۔ قرآن و حدیث کی اتباع میں حکم دے گا۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳۵)

ولی:۔

قریب۔ آقا۔ چچازاد، بھائی، مددگار، کارساز، دوست، محبوب و محب، پشت پناہ و موید۔ ولی، اللہ کی صفت بھی ہے اور مخلوق کی بھی، لہٰذا ولایت ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ کیونکہ اللہ ابدی ہے تو ولایت بھی ابدی ہے۔ اللہ سب کا ولی ہے آقا ہے۔ سب کا، کافر ہو یا مسلمان۔ اللہ ایمان داروں کا ولی ہے، دوست ہے محبوب بھی ہے اور محب بھی۔ سید عبدالقادر جیلانی و خواجہ معین الدین چشتی ولی ہیں۔ صاحبِ قربِ الٰہی ہیں۔ اللہ کے محبوب و محب ہیں۔

نبی و رسول جانبِ قربِ حق سے لیتے ہیں اور جانبِ قربِ مخلوق سے دیتے ہیں۔ تبلیغ کرتے ہیں۔ خدا سے سنتے ہیں اور بندوں کو سناتے ہیں۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳۴ و ۲۳۵)

بعض اہل بدع ولی کے معنیٰ ادلیٰ بالتصرف کے لیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ جو چاہیں کریں۔ جس امر کو چاہیں حلال کریں جس کو چاہیں حرام کردیں۔ دینِ محمدی ناقابلِ نسخ ہے۔ حرام و حلال کا حکم اللہ دیتا ہے۔ پیغمبر اس کے معلم ہیں۔ حلال و حرام کے سوا جو چیزیں ہیں وہ قابلِ اجتہاد ہیں۔ اجتہاد سے جو چیز معلوم ہوتی ہو وہ ظنی غیر قطعی ہوتی ہے۔ اس کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ غرض کہ

محلل و محرم اللہ ہے ۔ نہ رسول نہ ولی نہ امام لہذا ولی بمعنی محلل و محرم خدا کے سوا کوئی نہیں ۔ ہاں اس کے معرف ، معلم انبیاء وائمہ ہیں ۔

رسول و مرسل کے معنیٰ لغت میں فرستادہ اور قاصد کے ہیں ۔ اصطلاحِ شرع میں نبی باکتاب کے ہیں ۔ بعض دفعہ اہلِ تصوف جانبِ قربِ الہٰی کو ولایت اور جانبِ تعلقِ امت کو رسالت کہتے ہیں ۔ لہذا ہر نبی یا رسول میں دو جانب ہوتے ہیں ۔ جانبِ اخذ و جانبِ تبلیغ جو تاحیاتِ دنیا رہتی ہے ۔ اور جانبِ قربِ حق دائمی ہے ۔ لہذا نبی کی جانبِ قرب ، نبی کی جانبِ تبلیغ سے اعلیٰ ہے ۔ یہ معنی ہیں الولایۃ افضل من النّبوۃ کے ۔ اس کے معنیٰ ہرگز یہ نہیں ہیں کہ پیغمبر کی رسالت سے ولیِ تابع کی ولایت افضل ہے ۔ پیغمبر کے کمالات ذاتی ہوتے ہیں ۔ ولیِ تابع کے کمالات بالعرض بتوسط پرتوِ کمالاتِ نبیِ متبوع ہوتے ہیں ۔

یہ بھی یاد رکھو ! کہ کبھی ولی کہتے ہیں اور اس سے مراد انبیاء اور دیگر مقربین لیتے ہیں اس وقت ولی کا لفظ نبی سے عام ہوتا ہے ۔ کبھی ولی کا لفظ کہتے ہیں نبی کے ساتھ مثلاً انبیاء اولیاء تو اس وقت ولی کا لفظ اصحاب آئمہ ہدیٰ و دیگر مقربین پر اطلاق کیا جاتا ہے بعض دفعہ اولیاء کا لفظ اصحاب وائمہ کے مقابل کہا جاتا ہے ۔ اس وقت اس لفظ سے انبیاء و اصحاب وائمہ نکل جاتے ہیں ۔

خاتم الانبیاء

ایک اور لفظ ہے جو بحث طلب ہے وہ لفظ خَاتِم ہے ۔ " خاتَم " بفتح تا مُہر جس سے کسی شئے کو ختم کرتے ہیں ۔ جب مہر کردی جاتی ہے تو اس کے بعد کوئی عبارت نہ داخل ہوسکتی ہے نہ خارج ۔ خَاتِم بکسرِ تا ۔ ختم کرنے والا ۔ تمام کرنے والا ۔

شرع میں خاتم الانبیاء اور خاتم کے لفظ جب مستعمل ہوتے ہیں ۔ تو آخری کے معنیٰ ہوتے ہیں ۔ جس کے بعد پھر کوئی نہ ہو ۔ بعد کے بعض حضرات نے بطورِ اعتبار کے خاتم کے معنیٰ اعلیٰ و ارفع کے لئے ۔ جس کے مرتبہ میں کوئی ہمسر نہ ہو ۔ قرآن شریف میں یا حدیثِ شریف میں خاتم کے معنیٰ محض اعلیٰ کے لینا قطعاً درست نہیں ۔ اس زمانے کے محاورات کے خلاف ہیں ۔ بلکہ اس کے معنیٰ ہیں آخر کے جس کے بعد نہ اعلیٰ نہ مساوی ، نہ ادنیٰ کوئی نہیں ۔ اعتبار کے طور پر اصطلاحِ جدیدہ کے طور پر خاتم کے معنیٰ اعلیٰ لیں تو دوسری بات ہے ۔ مگر اس اصطلاح پر احکامِ شرعی مرتب نہیں ہوتے ۔ بس واضح ہوگیا کہ خاتم الانبیاء کے معنیٰ کیا ہیں ۔ عرفِ زمانہ رسالت میں خاتم الانبیاء سے مراد وہ نبی ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ۔ ہاں اگر کوئی پہلے سے نبی ہو تو ۔ کوئی جدید نبی نہ ہو پس " خاتم الانبیاء " حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبان و محاورہ زمانہ رسالت کے لحاظ سے آخر الانبیاء ہیں اور جدید اصطلاح کے اعتبار سے بھی افضل الانبیاء ہونا مسلم ہے ۔

اب خاتم الاولیاء کو لیجیے :-

اول تو قرآن و حدیث میں لفظ خاتم الاولیاء کی کوئی سند نہیں ۔ اور اگر خاتم الانبیاء پر قیاس کرکے خاتم الاولیاء کے معنیٰ پیدا کئے جائیں تو خاتم الاولیاء بمعنی آخرِ اولیاء ، وہ ولی جس کے بعد کوئی ولی نہ ہو یہ لفظ اس شخص پر صادق آئے گا جو قربِ قیامت میں ہوگا ۔ اس کے بعد کوئی ولی نہ ہوگا ۔ اور اصطلاحِ جدیدہ کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا ولی و مقربِ الہٰی مراد لیجیے تو اس کا مصداق صرف صاحبِ مقامِ محمود حبیبِ خدا ہیں ۔ کیونکہ ان سے زائد خدائے تعالیٰ کا کوئی مقرب نہیں ۔ ان محاورات و اصطلاحات کے نہ سمجھنے اور بات سے بات ملانے میں حیرت و پریشانی لاحق ہوتی ہے اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں ۔ گمراہی کی نوبت آتی ہے ۔

(تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۵ تا ۲۶)

ولایت و رسالت

ولایت و رسالت میں سے کون سی چیز دائمی و ابدی ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ گذرا ۔ ولی " اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے ۔ نبی یا رسول، اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے ۔ لہذا ولایت ابدی اور ہمیشہ باقی رہتی ہے ۔ اور رسالت منقطع و ختم ہوجاتی ہے ۔ رسالت کب تک باقی رہتی ہے ؟ بعض کہتے ہیں دار التکالیف و العمل یعنی دنیا ختم ہوتے ہی نہ تکلیف رہتی ہے اور نہ او امرونواہی کا سلسلہ ہی باقی رہتا ہے ۔ لہذا رسالت بھی ختم ہوجاتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بروز قیامت بچوں کو مجنونوں کو اہلِ فترت کو یعنی ان لوگوں کو جن کو احکامِ رسالت نہیں پہنچے اور ایسے زمانے میں تھے کہ پیغمبروں کی تعلیم باقی نہ تھی تبلیغ کی جائے گی ۔ یعنی ان میں سے ایک رسول بنادیا جائے گا ، وہ دوزخ میں گرنے کا حکم دے گا جو گرے گا وہ نجات پا جائے گا اور دوزخ ان پر سرد ہوجائے گی ۔ جو ان کے رسول کی اطاعت نہ کریں گے دوزخ میں نہ گریں گے وہ مستحق عذاب ہوں گے ۔ زبردستی دوزخ میں ڈالے جائیں گے ۔ اس کے بعد سلسلہ تبلیغ ختم ہوگا ۔

ولایت چونکہ قربِ الہٰی کا نام ہے وہ برقرار رہے گی اور نبوت بمعنی معرفتِ الہٰی کے وہ باقی رہے گی ۔ تجلیاتِ حقہ کی انتہا نہیں تو معرفت کی بھی انتہاء نہیں ۔

ولایت کا مرتبہ بڑا ہے یا رسالت کا ؟

قربِ الہٰی کا مرتبہ زیادہ ہے یا تبلیغ کا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کی جانبِ قربِ الہٰی ، جانبِ تبلیغ امت سے افضل ہے ، نہ کہ ولایتِ ولی تابعِ رسالت ، رسولِ متبوع سے افضل ہے ۔ متبوع ہمیشہ اپنے تابع سے افضل ہی رہے گا یہ ہیں معنیٰ الولایۃ افضل من النبوۃ کے یعنی ولایتِ نبی نبوتِ نبی سے افضل ہے ۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳۶)

کیا فرق ہے ولی ، نبی ، رسول اور خاتم النبین میں ؟

ولی خدا کا وہ مقبول بندہ ہے جو پیغمبر کے زیرِ نگرانی اچھے کام کرتا ہے ۔ پیغمبر کی اس قدر اتباع کرتا ہے کہ " گرمن گویم زِ من توئی مقصودم " کی نوبت آجاتی ہے ۔

نبیؑ صاحبِ وحی ہوتا ہے اور رسول صاحبِ وحی وکتاب ہوتا ہے اور خاتم النبین تو وہ ہے جس پر تمام کمالات کی انتہا ہے ۔ آج کل نبیوں کا بڑا زور ہے ۔ گھر گھر پیغمبر ہے ۔ روحانیت نام کو نہیں ، کمال کا پتہ نہیں اور دعویٰ ہے پیغمبری کا ۔ ذرا قرآن شریف پڑھو ، خاتم النبین کس کے لئے آیا ہے ۔ ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین کس کے لئے آیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی آج دین کامل ہوچکا پوری نعمت مل چکی کس طرح ؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ۔ اب جتنے نبوت کے دعوے کرنے والے ہیں وہ نبی نہیں ۔ متنبی ہیں ۔ جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں ۔ (مکاتیب عرفان ۲۷ ۔ ۲۸)

صاحبو ! آج کل بعض نام نہاد علماء میں بڑی بحث ہو رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر یا ان کے جیسا کوئی پیغمبر پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں ۔ نادان کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے ۔ جو ذی فہم عالم ہیں وہ کہتے ہیں خدا تو وہ ہے جو پیغمبروں کو پیدا کیا ۔ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ، خدا کی قدرت میں کیا کلام ہے ۔ مگر جب خدا نے حضرتؐ کو خاتم النبین بنایا اور فرمایا کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا ۔ اگر کوئی نبی پیدا ہوسکے تو خدا کا جھوٹا ہونا بھی ممکن ہوجائے گا ۔ نعوذباللہ ۔ نادان ہے وہ جو اول سے پہلے اول و آخر کے بعد آخر کو ممکن

سمجھتا ہے ۔ (ماخوذ از ترجمہ و شرح کتاب "الدین" ۳۵)

کیا فرق ہے مصلحِ قوم اور پیغمبر میں ؟

مصلحِ قوم صاحبِ عقل ہوتا ہے اور پیغمبر صاحبِ وحی ۔ مصلح کے مدِ نظر خیرِ دنیوی ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ پیغمبر کے توسط سے خیرِ دارین اور بہبودیِ دنیا و آخرت اور اصلاح و فلاح عطا فرماتا ہے ۔

کیا فرق ہے نبی اور ولی میں ؟

نبی صاحبِ وحی ہوتا ہے جو قطعی اور یقینی امر ہے ۔ اور ولی صاحبِ الہام ہوتا ہے جس کا قطعی اور یقینی ہونا ضرور نہیں ۔ وحی دوسروں پر حجت ہے اور الہام حجت نہیں ۔ انکارِ وحی کفر ہے ۔ انکارِ الہام فیض سے بد نصیبی ہے ۔ نبی تحدی و دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں ۔ ولی کو دعویٰ ولایت ضرور نہیں ۔

کیا فرق ہے نبی اور ساحر میں ؟

نبی اور ساحر میں خوارقِ عادات نمایاں ہوتے ہیں پھر ان میں مابہ الامتیاز کیا شئے ہے ؟ نبی صفاتِ طیبہ و فضائلِ خصائل سے آراستہ ہوتے ہیں ۔ امت کی فلاحِ دارین کے سوا ان کی ذاتی غرض کچھ نہیں ہوتی ۔ فلعلک باخع نفسک علیٰ اثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا (سورہ کہف) نبی و رسول مامور من اللہ ہوتے ہیں نسبت الی اللہ ان کے روئے تاباں سے ظاہر ۔ ماھذا بوجہ کذاب دشمن بھی ان کو امین سمجھتے ہیں ۔ اظہارِ معجزہ میں نبی کے فعل کو دخل نہیں ۔ معجزہ خدائے تعالیٰ کا کام ہے اور اس کی قدرت کا کرشمہ ہے ۔ بخلاف ساحر کے کہ اس کا مقصد اپنی ذاتی غرض رہتی ہے ۔ قوم کی درستی و اصلاح سے اس کو کوئی غرض نہیں ۔ خدا سے اس کو کیا مطلب ، آخرت سے کیا سروکار ۔ اکثر سحر سے لوگوں کے سامنے ایک قسم کا تخیل پیدا ہوتا ہے اور نفس الامر میں شئے اپنی حالتِ اصلی پر باقی رہتی ہے ۔ معجزہ سے نفسِ شئے بدل جاتی ہے فاذا احبالھم و عصیھم یخیل بسحرھم انھا تسعیٰ ۔ دیکھو یہاں صرف تخیل اثرِ سحر ہے ۔ اور والقیٰ موسیٰ عصاہ فاذا ھی حیۃ تسعیٰ ۔ دیکھو یہاں معجزہ سے انقلابِ حقیقت ہے ۔ تصرفِ نفس الامری ہے ۔ غرض کہ چند چیزوں کے مجموعہ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ہے یا ساحر ہے ۔ (حکمتِ اسلامیہ ۱۰۳)

صاحبو ! گذشتہ زمانہ میں بھی چند لوگ پیغمبری کے جھوٹے دعوے کرتے تھے ۔ مگر ہوا کیا ۔ جھوٹ جھوٹ نکلا ۔ سچ سچ ۔ ان کے حصہ میں رسوائی تھی ہو کر رہی ۔ آج کل بھی مصنوعی پیغمبروں کا زور ہے ۔ ہر قسم کی چیزیں امی ٹیشن نکلی ہیں ۔ پیغمبر بھی امی ٹیشن نکلے ہیں ۔ جہاں کسی نے پیغمبری کا دعویٰ کیا چند بے وقوف ان کے ساتھ ہولئے ۔ اور تو اور حیدرآباد میں بھی امی ٹیشن پیغمبروں کی کمی نہیں ۔ ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ صدیقی ہو اگر میرے ہاتھ پر ایمان لاؤ تو تم کو صدیق اکبر کا مرتبہ ملے گا ۔ اسی طرح سید مناظر احسن کو لکھا کہ اگر وہ امی ٹیشن پیغمبر پر ایمان لائیں تو چونکہ وہ سید ہیں اس لئے ان کو حضرت علی مرتضیٰ کا مرتبہ ملے گا ۔ بعض لوگوں نے تو غضب ہی کیا ۔ بعض ہندوؤں کو بھی پیغمبر ماننے تیار ہوگئے ۔ غرض کہ پیغمبری کیا ہوئی ایک دل لگی ٹھیری ۔ پیغمبری کا دعویٰ کرنے میں بعض خاص خاص خطے کے لوگوں کو امتیاز خاص ہے اور بعض کو دوسروں کے پیغمبر ماننے میں بڑی جلد بازی ہے ۔ خاتم النبیین کے بعد پیغمبر تو کیا پیدا ہوتے

البتہ دجالوں کی کمی نہیں ۔ غرض کہ دنیا میں ایک فتنہ کی آگ ہے کہ پھیلی ہوئی ہے ۔ جو دین و ایمان کو جلا کر خاک کردیتی ہے ۔ ربنا وقنا عذاب النار ۔ (ماخوذ از تفسیر صدیقی ۔ الانعام)

حضرت نے فرمایا ۔ عثمانیہ کالج میں بھی ایک طالب علم پیغمبری کا مدعی تھا مگر میرے سمجھانے پر اپنے مجدد ہونے پر کفایت کی ۔

حضرت نے چند لطیفے بھی بیان فرمائے ہیں جو بڑے دلچسپ ہیں ۔

لطیفہ :۔ ایک شخص نے ہارون رشید کے سامنے پیغمبری کا دعویٰ کیا ۔ خلیفہ کے ہاتھ میں ابجد کا قفل تھا سامنے ڈال دیا کہ ذرا اسے کھول تو دو ۔ مسخرے پیغمبر نے کہا میں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا یا لوہاری کا ۔

سجاح ایک عورت تھی اس نے بھی پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا ۔ تعجب ہے کہ ان جاہل مدعیان کے بھی لوگ تابع ہیں ۔

لطیفہ :۔ ایک صاحب کا گزر پاگل خانہ میں ہوا ۔ دیکھا کہ ایک مردِ مقطع صاحبِ جبہ و عمامہ بیٹھے ہوئے ہیں ۔ صاحبِ مذکور کی اس شخص سے گفتگو ہوئی علم اچھا تھا گفتگو اچھی تھی ۔ پوچھا آپ تو اتنے بڑے عالم ہیں آپ کو لوگوں نے پاگل خانہ میں کیوں ڈالا ۔ اس مجنون نے کہا یہ بے وقوف اور نادان لوگ ہیں مجھے عالم تو مانتے ہیں مگر پیغمبر تسلیم نہیں کرتے ۔ صاحب مذکور اس شخص کے پاس سے دوسرے صاحب کے پاس پہنچے وہ نہایت ہی مقطع شایہ عمامہ سے آراستہ تھے ان سے بھی گفتگو ہوئی دیکھا کہ پہلے پاگل سے بھی زیادہ عالم ہے اس شخص نے کہا جنابِ محترم میں اس سے پہلے ایک مجنون کے پاس پہنچا وہ بڑا عالم تھا مگر مدعی نبوت تھا ۔ دوسرے مجنون نے کہا وہ بالکل جھوٹا ہے جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے میں نے اسے بھیجا ہی کب تھا جو وہ پیغمبر ہوتا ۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

معراجِ شریف کے جسمانی ہونے کے مرزا غلام احمد قادیانی بانی فرقہ احمدیہ کے علاوہ اور بھی فرقے مثلاً اہلِ حدیث وغیرہ قائل نہیں ہیں ۔ حضرت نے معراجِ شریف کے جسمانی ہونے کے بارے میں جو بصیرت افروز تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان میں سے بعض ضروری حصوں کو یہاں پیش کردیا جاتا ہے تاکہ معراجِ شریف کی حقیقت کھل کر سامنے آسکے ۔

• بندے تو سب خدائے تعالیٰ کے ہیں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے ۔ ملنے والوں کی بھی کمی کیا ہے ۔ ہزاروں بار ہم بھی خدا کو پکارتے ہیں • عمر بھر انشاء اللہ پکاریں گے ۔ مگر وہ بھی کہے کہ ہاں تو میرا بندہ ہے ۔ قرآن شریف میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نقل کیا گیا ہے انی عبد اللہ اتنی الکتاب (میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے) خضر علیہ السلام کے متعلق فرمایا ۔ عبداً من عبادنا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) یعنی ایسے بندے ہمارے اور بھی ہیں ۔ اس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ۔ ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے لما قام عبد اللہ (جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا) • سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی برکنا حولہ لنریہ من ایتنا ۔ انہ ہوا لسمیع البصیر ○ سبحٰن الذی وہ ذات پاک ہے اسری بعبدہ لیلا ۔ جو اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا ۔ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا قابلِ احترام مسجد سے یعنی مسجد مکہ معظمہ سے جس میں کعبۃ اللہ شریف ہے ۔ دور کی مسجد یعنی بیت المقدس کی طرف الذی برکنا حولہ جس کے اطراف ہم نے برکت دی ۔ مسجدِ اقصا کی چاروں طرف برکت ہی برکت ہے لنریہ من ایتنا ۔ تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں اور آثارِ قدرت دکھائیں ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ تھا تو معراج کیوں ہوا ؟ فرماتا ہے کہ ہماری قدرت کے کرشمے دکھانے کے لئے

انہ ھوالسمیع البصیر ۔ بے شک وہی سننے دیکھنے والا ہے ۔ معراج میں حضرت نے جو کچھ سنا اور جو کچھ دیکھا سب پرتوِ اسمائے الٰہی تھا ۔ اللہ کی سماعت سے آپ نے سنا اور اللہ کی بصارت سے دیکھا ۔

ترجمہ : پاک ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بندہ کو باحرمت مسجد سے یعنی مسجدِ کعبہ سے مسجدِ اقصا یعنی بیت المقدس کی طرف لے گیا جس کے اطراف ہم نے برکت دی ہے (ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے بہت سے پیغمبر اور موسیٰ علیہ السلام بھی وہیں ہیں ۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی وہیں پیدا ہوئے تھے) بے شک وہ سننے دیکھنے والا ہے (بالذات صفات اسی کے ہیں ۔ تم کیا کر رہے ہو اور کیا کہہ رہے ہو اس سے اللہ باخبر ہے سمیع و بصیر ہے) ۔

صاحبو ! معراج شریف کے متعلق بہت سی قابلِ تفصیل باتیں ہیں مشتے از خروارے ہم بھی لکھتے ہیں ۔ کیا معراج کا ہونا ممکن ہے ؟ بے شک ممکن ہے ۔ جس طرح جبرئیل علیہ السلام کا اترنا حق ہے ۔ اس عالم میں صورت شکل لے کر آنا ممکن ہے ۔ حضرت رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عالم سے عروج فرما کر لوازمِ بشری کو چھوڑ کر دربارِ رب العزت میں پہنچنا بھی حق ہے ۔ بے صورت جبرئیل کا باصورت ہو جانا ، باصورت آنحضرت کا بے صورت ہو جانا کچھ دشوار نہیں ، لائقِ انکار نہیں ۔ ذرا اتنا سوچو کہ ہم جو اس دنیا میں ہیں مادی ظلمتوں میں گرفتار ہیں ۔ کیا اس سے پہلے عالمِ مثال میں نہ تھے ؟ کیا اس سے پہلے عالمِ ارواح میں نہ تھے ؟ کیا اس سے پہلے ہم علمِ الٰہی میں نہ تھے ؟ بے شک تھے ۔ کیا جو زمانہ اور مادہ کے زندان میں گرفتار ہیں اب عالمِ مثال میں نہیں رہے ؟ عالمِ ارواح میں نہیں رہے ؟ ہماری " انا " سچ پوچھو تو مادیات اور لواحقِ مادیات دونوں سے جدا ہے ہم جس طرح اس دنیا میں معلوم ہوتے ہیں مافوق معالم میں بھی ہیں ۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج میں تشریف لے جانا گویا اپنے قدیم محل کی طرف رجوع کرنا ہے ۔

معراجِ شریف کب ہوا ؟ رسالت سے پانچویں سال ، معراجِ شریف کہاں ہوا ؟ آپ مکہ معظمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن " ام ہانیؓ " کے گھر میں تھے ۔ وہاں سے مسجدِ حرام میں آکر استراحت فرمائی ۔ اسری بعبدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج شریف میں رات کے وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ اپنے ساتھ لے گیا ۔ معراج رات کو کیوں ہوا ؟ مذہبی کاموں کا دار و مدار علمِ غیب پر ہے بے دیکھے یقین کرنا ہی کمال ہے ۔ اگر دن کو معراج ہوتا تو سب کو یقین آجاتا ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ابو جہل میں مابہ الامتیاز کیا رہتا ۔

اسری بمحمد کیوں نہیں ہے ؟ اور بعبدہ کیوں ہے ؟ انسان کو جتنا عروج ہوتا ہے اس کی عبدیت کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ جس کی جتنی عبدیت اتنا ہی اس کا مرتبہ اور اس کا عروج ۔ بعبدہ میں گویا معراج کی علت اور سبب بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ عبد اللہِ کامل صرف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ اسریٰ شب روی کو کہتے ہیں پھر لیلاً کیوں ؟ یہ بتانے کے لئے کہ شب بیداری میں خاص سرفرازیاں ہیں ۔ بعض عاشقانِ محمدی کا خیال ہے کہ معراج اگر دن کو ہوتا اور آنکھوں کے سامنے سے جسدِ مبارک غائب ہو جاتا تو عاشقانِ دیدارِ نبوت تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ۔ بعبدہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معراجِ مبارک جسمانی ہوا ۔ کیونکہ جہاں جہاں عبد کا لفظ آتا ہے وہاں وہاں جان و تن کا مجموعہ مراد ہوتا ہے نہ کہ صرف جان و روح ۔

کیا معراجِ مبارک جسمانی ہوا یا روحانی ؟ جسمانی بھی ہوا اور روحانی بھی ۔ جب تک عالمِ اجساد میں تھے جسمانی معراج تھا ۔ جب آپ نے عالمِ علوی کی طرف توجہ فرمائی آپ کا جسمِ مبارک اسی کے لائق ہو گیا اور معراج روحانی ہوا ۔ ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ بے صورت غیر مادی جبرئیل کا مادی صورت میں آنا اور آنحضرتؐ کا مادہ کو چھوڑ کر غیر مادی ہو جانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ۔ روحانی معراج تو ہمیشہ

ہی ہوا کرتا تھا۔ جن پر عالمِ مثال منکشف ہوگیا ہے وہ کیا نہیں دیکھتے ۔ وارثانِ حضرتِ رسالت و نبوت کو معراجِ جسمانی نہ سہی نعلینِ نبوت کے صدقہ سے معراجِ روحانی ہوجاتا ہے۔

من المسجد الحرام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجدِ کعبہ، مسجدِ بیت المقدس سے زیادہ بااحترام ہے۔ ایک نماز مسجدِ کعبہ میں پڑھی جائے تو اس کا مسجدِ اقصیٰ سے زیادہ اجر ملتا ہے۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ سے ثابت ہے کہ سب سے پہلا معبدِ الٰہی کعبۃ اللہ شریف اور اس کی مسجد ہی ہے۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ کعبۃ اللہ شریف کو ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اول بیت سے تو یہ ثابت ہے کہ سب سے پہلی عبادت گاہ کعبہ ہے جہاں عرفات میں آدم و حوا علیہما السلام ملے ہیں جہاں اماں حوا کی قبر مبارک ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ پاک وہیں کی مٹی کا ہے۔ اسی خاکِ پاک کا ہے۔

پہلے مسجدِ اقصیٰ کی طرف معراج میں آنحضرتؐ کیوں پہنچے؟ وہاں تمام پیغمبر تھے ان سے ملاقات بھی ضروری تھی۔ ان کے کمالات پر سے گذرنا بھی ضروری تھا۔ مسجدِ اقصیٰ کی برکتوں سے بھی مالا مال ہونے کی حاجت تھی۔ پھر اس کے بعد کمالات محمدی کی سیر ہے۔ قدرتِ خداوندی کے کرشمے ہیں۔ اور آثار و اسرار کے مطالعہ سے سرفراز ہونا ہے۔ معراج شریف کے متعلق گونہ تفصیل سورۃ والنجم میں ہے۔

(ماخوذ از تفسیر صدیقی ۱۵ بنی اسرائیل)

ثم دنا فتدلی۔ ترجمہ: پھر تجلیِ الٰہی حضرت سے نزدیک ہوئی۔ اور جلوہ فگن ہوئی۔

فکان قاب قوسین او ادنیٰ پھر وہ (یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کی تجلی اور رسول) ایک دوسرے سے ایسے قریب ہوگئے جیسے دو کمانیں ہیں یا اس سے بھی قریب تر کہ کمانوں کا نام تک نہ رہے "۔

فکان قاب قوسین پھر تھے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ و بارک وسلم) دو کمانوں کے فاصلہ پر۔ یہ عربوں کا ایک محاورہ ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں بہت نزدیک۔ بعض لوگ اس سے مراد لیتے ہیں کہ جب دو کمانیں ملادی جائیں تو کچھ فاصلہ نہیں رہتا۔ بلکہ ایک دائرہ سا بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس وقت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ایسی حالت میں تھے کہ قوسین نزولی وصعودی دونوں مل گئے تھے اور صرف دائرہ وجود رہ گیا تھا او ادنی یا اس سے بھی قریب تر کہ قوسین کا نام تک باقی نہ رہے۔

ارواح، مثال، جوہرِ ہبا، نار، ہوا، پانی، مٹی، جمادات، نباتات، نباتات میں واسطہ مرجان کہ وہ پتھر کی طرح سخت مگر اس میں ڈالیاں، شاخیں ہوتی ہیں۔ نباتات کے آخر میں لجالو یا شرمندی کا درخت یا کھجور کا درخت کہ اس میں نر و مادہ ہوتا ہے۔ اور نر کے پھول مادہ کو ڈالنا پڑتا ہے جب کہیں پھل لگتے ہیں۔ حیوانات کی ابتداء میں ایسا جو بالکل سادہ حیوان ہے اور کمال کی جانب بندر، لنگور، گوریلا کہ ان کے مادہ کو حیض بھی آتا ہے۔ اور دوسرے حیوانات سے ان کی سمجھ بھی زیادہ ہے۔ پھر انسان کی ابتداء میں بے علم نوپیدا شدہ بچہ ہے۔ بیچ میں انسان کے بہت سے مرتبے ہیں۔ انسان جس طرح اترتا، اترتا، اترتا انتہائی نزول کو پہنچ جاتا ہے تو نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اب کامل وجود کا ہوگیا۔ نہیں انسان اُسی وقت کامل وجود کا ہوگا جب اور جس طرح ایک ایک چیز کو پایا تھا۔ ایک ایک چیز کو کھودے۔ پہلے انسان سمجھتا تھا کہ وہ ترقی کر رہا ہے مگر حقیقتاً وہ خدا سے دور ہو رہا تھا اور تنزل کر رہا تھا۔ اب جس قدر ایک ایک چیز کھوتا جائے گا ترقی کرتا جائے گا خدا اس سے نزدیک ہوتا جائے گا۔ جب سب کھودے گا تو بندہ فنا ہوجائے گا۔ جو موجود بالذات ہے وہی باقی رہے گا "۔

قوسین، وجوب و امکاں کے معراج میں جس دم آکے ملے ؂ سب دائرہ وحدت کے سوا مٹوا دیا کملی والے نے

فا وحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ ○

ترجمہ : پھر اللہ نے اپنے بندہ پر وحی کی جو کرنا چاہتا تھا۔

ما کذب الفواد ما رایٰ ○

ما کذب الفواد ۔ دل نے تکذیب نہیں کی ۔ جھٹلایا نہیں ۔ یعنی حضرت کو جو کچھ وحی ہوئی ، جو کچھ تجلیات ہوئے ان سب کا آپ کو یقین تھا ۔ ما رایٰ جو کچھ دیکھا ۔

ترجمہ :۔ حضرت نے جو کچھ (یقین کے ساتھ) دیکھا دل نے مخالفت نہیں کی (چونکہ وہ واقعہ کے مطابق تھا)"۔

افتمٰرونہ علیٰ مایریٰ ○

افتمٰرونہ ۔ لوگو! کیا تم پیغمبر سے جھگڑتے ہو ۔ علیٰ مایریٰ اس چیز پر کہ وہ دیکھتا ہے ۔ کیا تم ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو اللہ کی ملاقات اور اس کے دیدار کے متعلق ۔

صاحبو ! واضح ہو کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معراج شریف خواب میں ہوا تھا ۔ خواب میں ہزاروں چیزیں دیکھی جاتی ہیں ۔ اور کوئی جھگڑتا نہیں لہذا معراج خواب میں نہیں حقیقت میں ہوا ۔ ابتداء میں عالم مادی ہے اور انتہا عالم علوی پر ہے ۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب تک دنیا میں تھے عالم مادی میں تھے اور جب عالمِ علوی میں پہنچے تو آپ کا جسمِ مبارک اس کے لائق ہوگیا ۔ بس معراج جسمانی بھی تھا اور روحانی بھی ۔ ایک دفعہ معراج مبارک کی خبر سن کر ابو جہل نے حضرت صدیق اکبرؓ سے کہا اب تو تمہارے پیغمبر عالمِ علوی کو بھی پہنچ جاتے ہیں ۔ کیا تم اس کی بھی تصدیق کرو گے ؟ راست اور درست سمجھو گے ؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا ۔ اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے ۔ جب میں اس بات کا یقین رکھتا ہوں کہ روزانہ جبرئیل عالمِ علوی سے اس عالمِ سفلی و مادی میں آیا جایا کرتے ہیں ۔ اگر حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ سفلی سے عالمِ علوی کو جائیں تو اس میں شک کرنے کی کیا جگہ ہے ؟ غیر مادی کا مادی صورت میں نظر آنا اور مادی کا غیر مادی صورت میں ہوجانا دونوں برابر ہیں ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معراجِ جسمانی کے قائل نہیں اول تو معراج کے زمانے میں بی بی عائشہؓ کی شادی ہی کب ہوئی تھی ان کے عدمِ علم سے عدمِ وجود لازم نہیں آتا ۔ خصوصاً جب کہ ان کے والد معراج کے قائل ہیں ایسی معراج کہ جس سے ابو جہل انکار کرتا ہے ۔ ●

● معراج کے سال میں اختلاف ہے ۔ مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ بعضوں کا قول ہے کہ بعثت سے ڈیڑھ سال بعد ہوا ۔ اور بعض پانچ سال کے بعد اور بعض ہجرت سے ایک سال پیشتر کہتے ہیں ۔ اگر آخر کا قول بھی لیا جائے تو اس وقت ان کی (حضرت عائشہؓ کی عمر سات سال کی ہوگی کیونکہ بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی اور ظاہر ہے کہ اس عمر میں تحقیقِ مسائل کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی ۔ اور دوسرے قول (یعنی پانچ سال) معراج کا زمانہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سالِ ولادت ہے اس لئے کہ بروایت بخاری جس کو مواہب میں ذکر کیا ہے ہجرت بعثت سے تیرہ سال بعد ہوئی اور جب ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی پانچواں سال جو اس قول پر معراج کا زمانہ ہے ان کی ولادت کا زمانہ ثابت ہوگا اور پہلے قول پر تو معراج ان کی ولادت باسعادت سے تخمیناً تین سال پیشتر ہوچکا تھا اور یہی قول درایۃً و روایۃً قابلِ وثوق معلوم ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ اسلام میں جس قدر نماز کا اہتمام ہے کسی چیز کا نہیں اور جمیع روایات سے ثابت ہے کہ نماز شبِ معراج میں فرض ہوئی اس لحاظ سے عقل گواہی دیتی ہے کہ زمانہ بعثت سے نماز کے فرض ہونے کا زمانہ بہت قریب ہوگا (للمرتب)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیت المقدس تک معراجِ جسمانی ہے آگے معراج روحانی ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معراج میں حضرت نے کیا دیکھا جبرئیل امین کو، سبحان اللہ ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ ۔ خدا اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گیا ۔ لے جانا اللہ کی معیت کو چاہتا ہے ۔ خدا کی معیت کے سامنے جبرئیل کی معیت کیا چیز ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ لنریہ من ایتنا کہ ہم اپنے حبیب کو اپنی نشانیاں دکھائیں ۔ خدا کی نشانیوں کے سامنے جبرئیل کا دیکھنا کیا وقعت رکھتا ہے ۔ حضرت عباسؓ اور دوسرے خاندانِ نبوت کے افراد معراج جسمانی اور دیدارِ الٰہی دونوں کے قائل ہیں ۔

کیا معراج ایک ہی دفعہ ہوا ؟ ایک دفعہ تو قطعاً ثابت ہے ۔ حضرت نے کئی دفعہ یہ فرمایا کہ میں اس مقام میں جنت کو دیکھا اور دوزخ کو بھی ۔ اور آیت و للاخرۃ خیر لک من الاولیٰ سے معلوم ہوتا ہے اور کتنی دفعہ معراج ہوا ہوگا ۔

اچھا کیا معراج شریف میں خدا تعالیٰ کا دیدار ہوا ؟ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے پہلے میں اس بات کو ثابت کروں گا کہ دیدارِ الٰہی ممکن ہے قرآن میں ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ اس دن چہرے تروتازہ ہوں گے ۔ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے ۔ دوزخیوں کے متعلق ہے کلا انہم عن ربہم لمحجوبون ۔ ہرگز نہیں دوزخی اس دن اپنے رب سے پردے میں ہوں گے ۔ یعنی اللہ کا دیدار ان کو میسر نہ ہوگا ۔ جب کہ جنتیوں کو دیدارِ الٰہی میسر ہوگا جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھنا کہ کوئی شک و شبہ نہیں کر سکتا ۔

اچھا تو خدا کی شان ہے لیس کمثلہ شیء خدا کی شان ہے ولا یحیطون بشیء من علمہ خدا کی شان ہے لاتدرکہ الابصار احاطہ کرنا ، پورا ادارک کرنا اور چیز ہے اور دیکھنا اور چیز ۔ ہم ہزاروں چیزوں کو دیکھتے ہیں سامنے کی چیز نظر آتی ہے ۔ صورت دکھتی ہے اور پیسٹھ نہیں دکھتی ۔ پھر احاطہ کیونکر ہو ۔ اصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی دو تجلیات ہیں ایک تجلیِ ذاتی جس کے وقت بندہ رہتا ہی نہیں ۔ بے شک تجلیِ ذاتی کا دیکھنا انسان کی قدرت سے باہر ہے ۔ دوسری تجلیِ اسماء و صفات اور مثالی اس کا دیدار ممکن ہے ۔ اگر کوئی کہے کہ جبرئیل امین دحیہ کلبی اور اعرابی کی شکل میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو نظر نہیں آئے تو صحیح نہیں ۔ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک مثال ۔ قرآن شریف کلام اللہ ہے ۔ کلام اللہ ہمارے سامنے آئے گا مثلاً الحمد للہ ۔ الحمد الف ، لام ، ح ، م ، د ۔ للہ دو لام ھ کی شکل میں نظر آئے گا ۔ یہ قرآن کی مثالی شکل ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ کی تجلی ہوئی تو آنکھیں خیرہ کرنے والے نور کی شکل میں ہوئی ۔ ذرا تم اپنے آپ پر غور کرو ، تمہاری بھی ایک مثال ہے ، ایک حقیقت ہے ۔ مثال تو وہ صورت ہے جس میں آنکھ ناک کان ہونٹ وغیرہ ہیں ۔ اور ایک تمہاری حقیقت ہے جو " انا " ہے " میں " ہے ۔ جنگ میں ہاتھ پاؤں کٹ جاتے ہیں مگر " انا " کو کیا ہوتا ہے وہ تو الآن کما کان ہے ۔ صورت شکل سے پاک ہے ۔ وہ تمہاری تنزیہہ اور حقیقت ہے ۔ مثال کے احکام اور ہیں ذات اور تنزیہہ کے احکام اور ۔ تم اپنی انا اور ذات کو نہیں دیکھ سکتے تو خدا کو کیا دیکھو گے اسی طرح ظاہری صورت کے بھی احکام ہیں ۔ اگر کوئی کہے میں نے اپنے دوست کو کبھی نہیں دیکھا ، ہرگز درست نہیں ، تم نے ضرور دیکھا ہے ۔ اسی طرح دیدارِ الٰہی کا ہونا بھی ممکن ہے ۔ تم کو تمہارے لائق ، رسولِ خدا کو رسول خدا کے لائق ۔ غرض کہ جو دیدارِ الٰہی کا قائل نہیں بے شک اس کے حصہ میں دیدارِ الٰہی نہیں ۔

اللہم ارنی وجہک الکریم بحق محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ۔ جب خدائے تعالیٰ کی ذات دیکھنا ممکن نہیں تو پھر تجلیِ ذاتی کے کیا معنیٰ ؟ تجلیِ اسمائی کے معنی یہ ہیں کہ بندوں کے اسماء و صفات اس کی نظروں سے گر جائیں ۔ تجلیِ ذاتی کے معنی یہ ہیں کہ بندوں کی ذات اس کی نظروں سے گر جائے ۔ جو چیز معلوم نہیں ہو سکتی اس کو یہ سمجھنا کہ معلوم نہیں ہو سکتی ۔ یہی اس کا علم ہے ، اس کا ادراک ۔ جو چیز نظر

نہیں آتی اس کو یہ سمجھنا کہ نظر نہیں آتی یہی اس کا دیکھنا ہے العجز عن درک الادراک ادراک ناقابلِ ادراک کو ناقابلِ ادارک سمجھنا ہی ادراک ہے ۔ حق کو حق ، باطل کو باطل سمجھنا معرفت ہے ۔ کمال العرفان نفی الصفات عنہ ۔

صاحبو ! یہ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں ہوا ؟ اور انسان کے عروج کے کیا اسباب ہوا کرتے ہیں ۔

حضرت کو معراج ان کے کمالِ عبدیت کی وجہ سے ہوا ۔ دیکھو اسریٰ بعبدہ نہ کہ اسری برسولہ ہے ۔ عبد کی جہت معبود کی طرف ہوتی ہے ۔ اور رسول کی جہت امت کی طرف ۔ عبد ایک ایسا لفظ ہے جو ہر جگہ سے متعلق رہتا ہے ۔ جہاں خدا وہاں اس کا بندہ ۔ عبدو معبود کی نسبت ناقابلِ زوال ہے ۔ جانتے ہو عبد کہتے ہیں کس کو ؟ العبد وما ملکت یداہ لمولاہ جو کچھ ہے وہ آقا کا کچھ بھی نہیں بندہ کا

اپنی ایک ایک چیز کھوتے جاؤ ، خدا کی ایک ایک چیز لیتے جاؤ بندہ ہمیشہ سرافگندہ بندہ خود کو لاکھ بندہ نہ سمجھے مگر ہے ضرور بندہ ۔ خدا کے سوائے کسی اور نے نہ پیدا کیا نہ کوئی اور اس کا خدا ہے ۔ نہ وہ اور کسی کا بندہ ۔

اچھا ! بندے تو ہم بھی ہیں ، کیا ہم کو بھی معراج ہوگی ؟ جتنی تمہاری بندگی اتنا ہی تمہارا عروج وکمال ۔ محنت کروگے ، خدا کی نسبت رکھوگے ، پیغمبر کے وارثِ حال رہوگے تو تم بھی ترقی کروگے ۔ ان کا جسم لطیف تھا ہماری روحوں سے بہتر تھا ۔ تو ان کو روحانی ، جسمانی معراج ہوا ۔ تم کو روحانی اور مثالی معراج ہوسکتا ہے ۔ پیغمبر کے قدم بہ قدم چلو ، ان کی وراثت حاصل کرو ۔ اپنا دامن دُرِ مقصود سے بھرلو وہ خدا کی خدائی میں ایک ہی بندہ تھا ، تم اس کی اتباع کرو ۔ خدا کے محبوب بنو فاتبعونی یحببکم اللہ پڑھو ۔ متبع نبی ، محبوبِ خدا ہو جاتا ہے ۔ محب اور محبوب دونوں باہم جدا نہیں ہوسکتے ۔ پیغمبر کی تصویر بنو تو خدا کے پاس عزیز ہوجاؤگے ۔ خدا تم کو چاہے گا ۔ تمہاری مرادیں برلائے گا ۔

صورت سیرت بنے تمہاری نقشہ ایسا جنا
ارے مرے یار کچھ ایسا رنگنا جو دیکھے مُنہ تکنا

بہر حال جتنی محنت اتنی عنایت ، جتنی عزت اتنی ہی کرامت ۔

کھینچ کر صانعِ قدرت نے کہا واہ رے میں !
اور تصویر یہ بول اٹھی کہ اللہ رے میں !

ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ ○

ولقد راہ ۔ بے شک ان کو دیکھا ، کن کو ؟ خدا کو نزلۃ اخریٰ ایک اور دفعہ ذات سے انہوں نے اتر کر یعنی قطع نظر ذات سے مثالی وصفاتی تجلی میں ، اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ احدیت سے اتر کر واحدیت میں جلوہ فگن ہوا ۔

ترجمہ ۔ ایک اور دفعہ ذات سے اتر کر اس کو (خدا کو) دیکھا ۔

قطعِ نظر ذات کے مثالی اور صفاتی تجلی میں ۔ کہاں ؟

عند سدرۃ المنتھی ○

عند ۔ پاس ۔ سدرۃ بیری کا درخت ۔ المنتھی ۔ جہاں انتہا ہوجاتی ہے اور فرشتوں کے رہنے کا مقام ہے ۔ آگے جبرئیل پکار اٹھتے ہیں ۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ÷ فروغ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

عندھا جنۃ الماویٰ ○

عندھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ جنۃ۔ بہشت۔ باغ۔ الماویٰ۔ ٹھکانہ۔ آرام گاہ۔ ٹھیرنے کی جگہ۔

ترجمہ۔ جہاں جنت کی آرام گاہ ہے۔ یعنی محبانِ خدا اور خدا ترس رہتے ہیں۔

اذیغشی السدرۃ مایغشیٰ

اذ۔ جب کہ۔ یغشیٰ۔ چھا رہا تھا۔ السدرۃ۔ بیری کے درخت پر مایغشیٰ۔ جو چھا رہا تھا۔

ترجمہ۔ جب سدرہ پر جو انوار چھا رہے تھے، جو تجلیات ہو رہے تھے، ہو رہے تھے (یعنی ناقابلِ بیان انوار و تجلیات ہو رہے تھے)۔ مگر

مازاغ البصر وما طغیٰ ○

مازاغ۔ نہ بہکی۔ نہ کج ہوئی۔ نہ غلطی کی۔ البصر۔ نگاہ نے، نظر نے۔ وما طغیٰ اور نہ جگہ سے بڑھ گئی۔ اچٹ گئی۔

ترجمہ۔ جبیبِ خدا کی آنکھ نہ کسی اور جانب مڑی نہ جگہ سے ہٹی۔

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوہ صفات

تو عینِ ذات می نگری در تبسمے

لقدرای من ایات ربہ الکبریٰ ○

لقدرایٰ۔ بے شک پیغمبر نے دیکھا۔ من ایات ربہ۔ اپنے رب کی نشانیوں میں سے۔ الکبریٰ۔ بڑی بڑی۔ کرشمہ ہائے قدرت۔ عجائباتِ فطرت۔ وہ بھی بڑے بڑے۔

ترجمہ۔ جبیبِ خدا نے پروردگارِ عالم کے بڑے بڑے کرشمہ ہائے قدرت کو دیکھا۔

(تفسیر صدیقی۔ النجم)

کیا پروردگارِ عالم کا دیدار عرشِ اعظم پر حضرتؐ کو ہوا۔

جبرئیل جب ناسوتی شکل نہ رکھتے تھے اور اس عالمِ ناسوت میں تمام صحابہ کو نظر آگئے، ان کے روح ہونے میں کچھ فرق نہ آیا تو کیا خدائے تعالیٰ کی تجلی عرشِ اعظم پر حضرتؐ کے سامنے ہو تو اس کی بے رنگی میں کچھ فرق پیدا بھی ہو سکتا ہے؟

حضرتؐ اس سرعت سے بیت المقدس اور عرش بریں کو کیونکر پہنچے؟ جبرئیل اس سرعت سے عالمِ ارواح سے عالمِ ناسوت کو کیونکر روزانہ آیا کرتے تھے۔ خدائے تعالیٰ بے جہت ہے۔ دیکھنے کے لئے جہت کی ضرورت ہے اور وہ اس سے پاک ہے۔ جبرئیل بھی تو ناسوت کے اعتبار سے بے جہت تھے اور اس عالم میں آئے تو جہت ان کو بھی لاحق ہو گئی۔ اگر حضرتؐ عالمِ ملکوت میں پہنچ کر اس کے اقتضاء کے موافق بے جہت ہو جائیں اور خدائے تعالیٰ کا بے جہت دیدار ہو تو کیا دشوار ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام جب تک عالمِ ناسوت میں تھے

کھاتے پیتے، جاگتے سوتے تھے۔ ان کو دوسرے بشری عوارض لاحق ہوتے تھے۔ اب سماء ثانیہ (دوسرے آسمان) میں ہیں تو یہ عوارض بھی ان سے زائل ہوگئے۔ ہر عالم کا ایک اقتضاء ہوتا ہے جس کے مطابق عوارض ولواحق متعلق ہوتے ہیں۔ جب وہ عالم ہی نہ رہا تو اس کے عوارض بھی نہ رہے۔ مادی حالت پر غیر مادی حالت کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

(ماخوذ از حقیقت معراج)

یہ تمام لوگ جو معراجِ مبارک سے برسرِ انکار ہیں وہ معراجِ جسمانی اور شانِ تنزیہ کی وجہ سے ہے۔ جب معراجِ مبارک میں تجلیٔ اعظم کا دیدار مراد لیں تو معراجِ جسمانی میں کوئی ہرج نہیں۔ ثانیاً اسریٰ کے معنیٰ حقیقتاً رات کے وقت لے جانے کے ہیں۔ خواب اور منام پر یہ لفظ حقیقتاً نہیں کہا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ جب تک حقیقی معنی ممتنع و محال ثابت نہ کریں مجازی معنے لینے کا کوئی حق نہیں۔ ثالثاً۔ اگر معراج روحانی ہوتا تو اسریٰ بروح عبدہ فرماتا کیونکہ عبدہ میں حضرت کی روح و تن دونوں شریک ہیں۔ پس اگر صرف روح مقصود ہوتی تو بروح عبدہ ہوتا۔

رابعاً خواب دیکھنے سے کون انکار کرسکتا ہے۔ کفار کا اعتراض، ضعیف عقیدے والوں کا بدل جانا اور مرتد ہوجانا، تصدیق کرنے والوں کے مراتب میں ترقی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ کی تصدیق کی وجہ سے خطاب "صدیق اکبر" سے سرفراز ہونا یہ سب واضح ہیں کہ معراج جسمانی تھا۔ ●

خامساً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا کہ قریش میرے سفرِ شب سے سوال کرتے جاتے ہیں، انہوں نے بعض ایسی چیزوں سے بھی سوال کیا جس پر میں نے غور نہیں کیا تھا۔ اس سے مجھے ایسی بے قراری ہوئی کہ کبھی ایسی بے قراری نہ ہوئی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے میرے لئے "بیت المقدس" کو بلند کردیا میں اس کو دیکھتا تھا اور جواب دیتا جاتا تھا۔ بھلا کوئی سچ کہے کہ خواب کی کوئی ایسی تنقید کیوں کرتا۔

● جس طرح قرآن شریف کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا۔ اسی طرح معراج کے اس مہتم بالشان واقعہ کے بارے میں خود ارشادِ باری ہے وما جعلنا الرءیا التی اریناک الافتنة للناس۔ یعنی جو تم کو شب معراج ہم نے دکھلایا اس سے تو لوگوں کی آزمائش مقصود ہے"۔ احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ یہ آیت معراج ہی کے باب میں نازل ہوئی۔ چنانچہ بعض مسلمان کافر و مرتد ہوگئے اور کافروں کا کفر و انکار اور بڑھ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ معراج کے بیان کرنے پر من جانب اللہ مامور اور مکلف تھے۔ اگرچہ معراج سے اصل مقصد دیدارِ الٰہی، قربِ خداوندی، راز و نیاز، اور عجائبِ قدرت دکھانا تھا مگر بعد میں اس مسئلہ کی حیثیت ہی دوسری ہوگئی کہ اس کو منجملہ ان مسائل کے ٹھیرایا گیا جن پر ایمان لانا ضروری ہے جیسے مسائل بعث و نشر و مقدوراتِ الٰہی وغیرہ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس رات میں بیت المقدس جاکر صبح مکہ میں آگیا، مجھے یقین ہوا کہ لوگ میری تکذیب ضرور کریں گے۔ اس خیال میں، میں ایک طرف غمگین بیٹھا تھا کہ دشمنِ خدا، ابوجہل آکر میرے پاس بیٹھ گیا اور بطورِ استہزاء پوچھا، کیوں کیا کوئی نئی بات ہے، فرمایا "ہاں" کہا، کیا ہے؟ فرمایا "آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے، کہا، کہاں؟ فرمایا "بیت المقدس" کہا پھر صبح ہم لوگوں میں موجود ہوگئے؟ فرمایا "ہاں" جب یہ سنا تو اس خیال سے کہ کہیں لوگوں کے روبرو انکار نہ کرجائیں تکذیب نہیں کی، اور کہا، کیا یہ بات آپ لوگوں کے روبرو بیان کروگے؟ فرمایا "ہاں" یہ سنتے ہی باآوازِ بلند پکارا۔ اے گروہ بنی کعب بن لوی اور فوراً جوق جوق لوگ وہاں ٹوٹ پڑے۔ پھر حضرت سے کہا (باقی آئندہ)

سادساً بیہقی ابن مردویہ ، شداد بن اوس کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرتؐ سے شبِ معراج عرض کیا رسول اللہ میں نے رات کو آپؐ کو آپؐ کی جگہ ڈھونڈا مگر آپؐ کو نہ پایا ۔ حضرت نے جواب دیا کہ آپؐ کو جبرئیل مسجدِ اقصا کو لے گئے تھے ۔ (ملاحظہ برحاشیہ)

اب رہا معراجِ منامی کا ہونا وہ احادیث میں بکثرت پایا جاتا ہے اور حضرتؐ کی عادتِ مبارک تھی صبح کی نماز کے بعد لوگوں کے خواب دریافت فرماتے ۔ کئی دفعہ خود آپؐ نے معراجِ منامی پر دلالت کرنے والے خواب بیان فرمائے اس طرح کشفی و مثالی معراج بھی بکثرت ہوئے بلکہ سرکارؐ کی حالت تو یہ تھی کہ وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ یعنی تمہاری ہر پچھلی حالت اگلی حالت سے اعلیٰ و بالا ہے ۔

جناب امام اعظمؒ نے سو دفعہ خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھا غلامانِ محمدؐ کو ایسے خواب اور ایسے کشف ہوتے ہی رہتے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے ۔ ان احادیث معراجِ منامی کی وجہ سے ہی لوگ معراجِ جسمانی کے منکر ہوگئے ۔ اگر معراجِ جسمانی و کشفی و منامی تینوں کے قائل ہوجاتے تو کوئی چپقلش اور کشمکش ہی نہ رہتی ۔

حاشیہ بسلسلہ گذشتہ

جو آپ نے مجھ سے کہا تھا وہ ان لوگوں سے بھی کہئے ۔ فرمایا آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے ، لوگوں نے پوچھا کہاں ؟ فرمایا " بیت المقدس " کہا کیا ایلیا ؟ فرمایا " ہاں " کیا پھر صبح آپ ہم لوگوں میں موجود ہوگئے ؟ فرمایا " ہاں " یہ سنتے ہی لوگوں کی یہ کیفیت ہوئی کہ کوئی تالیاں بجانے لگا ، کوئی تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا ۔ پھر انہوں نے کہا کیا آپ مسجد کا حال بیان کرسکتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی تھے جو بیت المقدس کا سفر کرچکے تھے ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسجد کا حال بیان کرنے لگا یہاں تک کہ بعض علامتوں میں کچھ اشتباہ سا ہوگیا ۔ ساتھ ہی مسجد میرے سامنے دار عقیل کے ورے رکھی گئی جس کو میں دیکھ کر بیان کرنے لگا ۔ ان لوگوں نے جب پوری علامتیں سن لیں تو بے ساختہ کہہ اٹھے کہ واللہ سب علامتیں برابر بتلائیں (اخرج ابن شیبہ واحمد و النسائی و البزاز والطبرانی وابن مردویہ وابو نعیم فی الدلائل والضیائی المختارہ و ابن عساکر بسندِ صحیح عن ابن عباسؓ)

کفار نے جب پوچھا کہ کیا آپ رات بیت المقدس کو جاکر صبح ہم میں موجود ہوگئے ۔ تو آپ نے اس کی تصدیق کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم کے ساتھ حالتِ بیداری میں تشریف لے گئے ورنہ جواب میں فرماتے کہ یہ واقعہ تو خواب کا تھا میں جسم کے ساتھ یہاں سے گیا ہی کب تھا ۔

کافروں کے امتحان لیتے وقت مسجد کو پیش نظر کردیئے جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر کشف ہوا تھا ۔ جو حضور کے ارشاد سے ظاہر ہے اگر پورا واقعہ کشفی ہوتا تو اس طرح صراحۃً فرمادیتے کہ رات بیت المقدس وغیرہ میرے پیش نظر ہوگئے تھے ۔

واقعہ معراج کے بیان کرنے کے سلسلہ میں بجائے شاداں و فرحاں رہنے کے حضورؐ کا غمگین بیٹھنا اور اس واقعہ کے تعلق سے لوگوں کے تکذیب کرنے کا اندیشہ بلکہ یقین معراج کے منامی یا کشفی کے بجائے جسمانی ہونے کی وجہ سے تھا ۔ کافروں کا تالیاں بجانا حضرت کو جھوٹ ثابت کرکے مذاق اڑانے کا انداز ہے کہ حضور ایسی بات فرما رہے ہیں کہ جو قطعاً ناممکن ہے کہ ایک مہینہ کی راہ کو آنا جانا دو ماہ سفر کے لئے درکار ہیں ایک رات میں یہ سفر مکمل ہوگیا کہ عقل کسی قیمت پر مان نہیں سکتی اگر وہ کشف یا خواب سمجھتے تو صاف کہہ دیتے کہ یہ اضغاثِ احلام ہیں ، ابوجہل خود بھی اہمیت نہ دیتا اور نہ لوگوں کو جمع کرتا اس کا لوگوں کو جمع کرکے سنوانا جسمانی بنیاد پر تھا ۔ مسلمان تو معراجِ جسمانی کے قائل ہیں اور یقین رکھتے ہیں کیونکہ ان کا یقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے یقین کے تحت ہے ۔ (للمرتب)

اب رہا تیسرا تصفیہ طلب امر کہ معراجِ مبارک کہاں تک واقع ہوا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ تک تو قرآن سے ثابت ہے جو حجتِ قطعی ہے لہذا اس کا منکر کافر یا منافق ہے ۔ دیگر احادیث سے عرشِ اعظم تک جانا اور دیدارِ الٰہی سے سرفراز ہونا ثابت ہے ۔ چونکہ احادیث متواتر نہیں لہذا انکار سے کفر لازم نہیں آتا ۔ مگر ائمہ اہل بیت سے ثم دنیٰ فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ کی تفسیر میں خدائے تعالیٰ ہی مراد ہے ۔ میں تو اس پر بھی یقین رکھتا ہوں ۔

(ماخوذ از حقیقتِ معراج)

قرآن کے بعض معرکتہ الآرا مقامات

بعض ایسی آیتیں یا الفاظ یا مقامات جن کے معنیٰ کے تعین میں بڑے اختلافات ہیں ۔ تفسیر میں حضرت نے کیا معنیٰ کئے ہیں اور کیا توضیح و تشریح فرمائی ہے چند مقامات بغرضِ استفادہ پیش کئے جاتے ہیں ۔

۱ ۔ الم ○ آیات مقطعات سے ہے ۔ اس کے معنی اصلِ مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور معلوم ہیں ۔ کیونکہ قرآن شریف کی صفت مبین یعنی بیان کرنے والا ہے ۔ لہذا پورے قرآن کے معنی کم سے کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو معلوم ہونے چاہئیں ۔ اگر آپؐ نے کسی کو اس کے معنی بتا دئے ہوں تو کوئی محال نہیں ۔ یا کشف میں کسی کو کچھ معلوم ہوگیا ہو تو یہ بھی ممکن ہے ۔ بزرگانِ دین کے ادعیہ میں ایسے الفاظ آتے ہیں اور ان سے خاص خاص آثار پیدا ہوتے ہیں بعض ادیبوں نے یہ لکھا ہے کہ تمام حروف ملائے جائیں تو اقسام انواع اور صفاتِ حروف کے نصف نصف حروف ہیں جیسے قلقلة اور همس وغیرہ ۔ بعضوں نے یہ لکھا ہے کہ ان حروف کے ذریعہ سے تحدی اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہی اٹھائیس حروف ہیں جن کو تم رات دن بولتے ہو اور اپنے ادیب اور افصح ہونے کا دعویٰ رکھتے ہو ۔ بھلا ان ہی حروف سے بتائے ہوئے قرآن کا جواب تو لکھو ۔ تم کبھی نہ لکھ سکو گے ۔ یہ قرآن ہے اس کے معنی بھی اعجاز ہیں اور عبارت بھی اعجاز ۔ (البقرۃ ۔ تفسیر صدیقی)

جاہلوں کا امتحان علمی سوال سے ہوتا ہے ۔ اور عالموں کا امتحان اس بات سے ہوتا ہے کہ کیا وہ ہر جگہ اپنے دل کے لگتے لگاتے ہیں یا کوئی بات خدا پر بھی چھوڑتے ہیں ۔ اور اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتے ہیں ۔

بعض کہتے ہیں کہ الف ۔ حلقی اور ابتدائی مخرج کا حرف ہے اور لام وسط مخرج کا اور میم شفوی یعنی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے اور بالکل آخری مخرج کا حرف ہے اس طرح الم تمام مخارج پر حاوی ہے ۔

سورتوں کی ابتداء میں جو حروف آتے ہیں اُن کو مقطعاتِ قرآنی کہتے ہیں ۔ ان میں سے بعض پوری آیتیں ہیں ۔ اور بعض جزو آیت ۔ یہ سب چیزیں اسرارِ الٰہی میں سے ہیں ۔ جس کو خدا معلوم کرائے اس کو معلوم ہوتے ہیں ۔ اس کے جاننے میں انسان کی خارجی کوشش بے فائدہ ہے ۔ البتہ پیغمبر کا اس کو جاننا ضرور ہے کیوں کہ قرآن مبین ہے ۔ کم سے کم اس کے معنی حضرتؐ کو معلوم ہیں ۔

(آل عمران ۔ تفسیر صدیقی)

۲ ۔ الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنہم ینفقون ○ (البقرہ آیت ۳) اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں ۔

الذین ۔ جو لوگ ۔ یو منون ۔ ایمان لاتے ہیں ۔ امنہ اس کو امن میں کردیا ۔ امن دیا ۔ امن بالغیب ۔ امن المخاطب من الانکار و التکذیب معترفا بالغیب یعنی امن بکذا کے معنی ہیں فلاں چیز کا اعتراف کر کے ، اقرار کر کے ، مخاطب کو یقین دلایا کہ ۔ اب یہ کبھی انکار نہ کرے گا ۔ غرض کہ امن بکذا کے معنی ہیں یقین کیا ۔ بالغیب غیب یا دل سے ۔

ایمان کیا چیز ہے ؟

دل سے یقین کرنا اطاعت کے ساتھ ، اس کا نتیجہ ہے زبان سے اقرار کرنا اور ایمان کے مطابق کام کرنا ۔ ان تینوں کو ملالینے کے بعد ایمان کے معنی ہوئے ۔ الا قرار باللسان والتصدیق بالجنان (بالقلب) و العمل بالا رکان (اعضاء بدن) یہ اعمال ایمان پر دلالت کرنے والے ہیں ۔ جس طرح دال کہہ کر مدلول مراد لیا جاتا ہے ۔ کبھی اعمال کہہ کر ایمان مراد ہوتا ہے ۔ بعض دفعہ ایمان کہا جاتا ہے ۔ اور مراد اعمال ہوتے ہیں ۔ یہ سب مجازی استعمال ہیں ۔ خوارج کے پاس گناہ کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے ۔ معتزلیوں کے پاس گناہ گار مومن رہتا ہے نہ کافر بلکہ بیچ ادھر رہتا ہے ۔ اہلِ سنت کے پاس گنہگار مسلمان رہتا ہے ۔ قرآن شریف میں ہے ۔ و ان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا ۔ یعنی اگر ایمان داروں کے دو گروہ آپس میں کشت و خون کریں ۔ یہاں قاتل کو بھی اللہ تعالیٰ مومن فرماتا ہے ۔

غیب کے معنی کیا ہیں ؟ وہ چیز جو ہمارے سامنے نہ ہو ۔

غیب کی کتنی قسمیں ہیں ؟

۱ ۔ غیبِ مطلق ۔ وہ غیب جو خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں ۔ یعنی حقیقتِ حقہ کہ پیغمبر ، فرشتے اور عقلمند سب کے ادراک سے باہر ہے ۔ ہاں اس کی تجلیات کا دیدار ہوسکتا ہے ۔

۲ ۔ غیبِ جزئی ۔ وہ غیب جو پیغمبروں کو معلوم کرایا جاتا ہے عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من الرسول ۔ خدا عالم الغیب ہے ۔ اپنے غیب پر کسی کو علم نہیں دیتا مگر برگزیدہ پیغمبر کو ۔ یہاں غیب پر اطلاع بمعنی وحی کے ہیں ۔

۳ ۔ غیبِ اضافی ۔ وہ غیب جو کسی ایک شخص کے لحاظ سے غیب ہو اور دوسرے کے لحاظ سے نہ ہو مثلاً بعض غیب ایسے بھی ہیں جو ہر ریاضت کرنے والے کو معلوم ہوسکتے ہیں ۔

یہ بات یاد رکھو ایمان علم کی قسم ہے ۔ ہر مسلمان کو غیب کا علم ہونا ضروری ہے ۔ مثلاً خدائے تعالیٰ ، جنت ، دوزخ ، فرشتے ، قیامت ان سب کا علم یو منون بالغیب میں داخل ہے ۔

کیا کسی مسلمان کے خیال میں پیغمبر کا علمِ غیب خدا کے علمِ غیب کے برابر ہوسکتا ہے ؟ ہر گز نہیں ۔ خدا کا علم بالذات ہے اور پیغمبر کا بالعرض ۔ خدائے تعالیٰ اپنی حقیقت کو جانتا ہے اور پیغمبر خدا کی کنہ اور اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتا ۔ پھر مساوات کا مسئلہ کدھر رہا ؟ " پیغمبر کو علمِ غیب بھی ہوتا ہے " کہنے سے نہ شرک لازم آتا ہے نہ کفر ۔ ہاں غیب کا علم نہ رکھنے والے اس لفظ کے مستحق ہیں ۔ جس کو وہ دوسرے مسلمانوں کو کہتے ہیں ۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مادہ پرست موحد ، روحانیت سے نابلد ، روحانیت سے ناآشنا ، کہتے ہیں کہ شیطان کو لوگوں کے دلوں کے حالات معلوم ہیں جبھی تو وہ بہکاتا ہے ۔ پھر ایک دو کے دل کے حالات نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کے حالات اور ان کے خیالات سے واقف ہے ۔ اس واقفیت سے شرک لازم نہیں آتا ؟ اگر اتنا بھی علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کریں

تو نہایت ہی چیخ و پکار ہوتی ہے کہ شرک! شرک! کوئی ان سے پوچھے پیغمبر کے لئے جزئی علم غیب تو شرک ہے اور ان کے پیشوا معلم الملکوت کے لئے شرک نہیں؟ شرک خدائے تعالیٰ کی صفتِ خاصہ میں کسی کو شریک کرنا ہے۔ اگر علمِ غیب خدا کی صفتِ خاصہ ہے تو اس کی جس کی طرف بھی نسبت کی جائے شرک ہے۔ اور اگر علمِ غیب خدا کی صفت خاصہ نہیں ہے تو ہرگز شرک نہیں ان کو ان آیات و احادیث پر غور کرنا چاہئیے و علمک مالم تکن تعلم ہم نے تم کو ایسی چیز کی تعلیم دے دی جس کا تم کو علم نہ تھا۔ اوتیت علم الاولین و الاخرین۔ مجھے اگلے پچھلوں کا علم دیا گیا۔ حضرت سیدی عبدالقادرؒ کے کلام میں ہے حضرت رسولِ خدا نے فرمایا " لا یشاک احدکم بشوکۃ الا و اجد المھا۔ یعنی تمہارے پیر میں کانٹا نہیں چبھتا مگر یہ کہ اس کا درد میں پاتا ہوں " عزیز علیہ ماعنتم۔ ان پر یعنی حضرتؐ پر دشوار گزرتا ہے جو تم کو تکلیف دہ ہے۔ انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا۔ ہم نے تم کو (اے محمدؐ) گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھدآء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔ وہ لوگ ان کے ساتھ ہونگے جن پر خدا نے انعام کیا۔ نعمت سے ان کو سرفراز کیا۔ وہ کون ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور وہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔ ہمارے رفیق انبیاء و اولیاء اور تمہارے رفیق استاذالملائکہ اور اس کی ذریات۔

یہ خوب یاد رکھو! ہم میں اصل جہل ہے اور علم عارضی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں علم اصل ہے۔ کسی مصلحت سے کوئی چیز چھپا بھی دی جاتی ہے۔ بعض دفعہ بطور راز کے کوئی علم ہوجائے تو عامۃ الناس میں اس کی اشاعت نہیں کی جاتی۔ جب تک کہ سرکاری مراسلہ کے ذریعہ سے اس کا علم حاصل نہ ہو۔ معلوم! سرکاری مراسلہ کیا ہے؟ وحیِ الٰہی جو بتوسطِ جبرئیلِ امین ہو۔

ویقیمون۔ اور قائم کرتے ہیں ا؎ اچھی طرح سے پڑھتے ہیں پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ الصلوٰۃ نماز کو۔ نماز کے ارکان میں قیام رکوع سجود ہیں۔ پس یقیمون الصلوٰۃ کے معنی ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ جیسے۔ وارکعوا مع الراکعین۔ سب کے معنی ہیں نماز پڑھو جز کہہ کر کل مراد لیا گیا ہے۔ نیز اقامۃ۔ سیدھا کرنا۔ درست کرنا پس معنی ہوئے حضور قلب سے سکون اور اطمنان سے نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی نماز ایسی ہوتی ہے گویا وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں یا کم سے کم خدا ان کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ماخوذ ہے اقام العود سے یعنی لکڑی کو سیدھا کیا درست کیا یا قام السوق سے۔ بازار چل نکلا، فلاں جگہ ہاٹ قائم کیا گیا یعنی ہمیشہ بازار بھرے گا۔ پس معنی یہ ہوئے کہ وہ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔ پیر یا جمعہ، جمعرات کی نماز نہیں پڑھتے۔ و مما یہ اصل میں من ما تھا۔ یرملون کے قاعدے سے نون مدغم ہو کر میم بن گیا ہے۔ و۔ اور من سے ما۔ جو چیز۔ رزقنھم ہم نے ان کو دیا۔ ینفقون صرف کرتے ہیں۔ خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے دیئے ہوئے سے وہ لوگوں کو دیتے ہیں۔ انفاق کرتے ہیں۔ عربی میں جس لفظ کی ابتداء میں نون اور فا آتے ہیں اس کے معنی نکلنے کے ہوتے ہیں۔ جیسے نَفَعَ نَفَلَ وغیرہ۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا سارا دیا ہوا طلب نہیں کیا۔ بلکہ سال بھر گذارنے کے بعد چالیس میں سے ایک۔

یہ بات خوب یاد رکھو کہ مما رزقنھم کچھ چاندی سونے سے خاص نہیں۔ کچھ زکوٰۃ سے خاص نہیں۔ یہ ایک عام بات ہے۔ تم کو خدا نے جو کچھ دیا ہے سونا، چاندی، علم و ہنر، صنعت و حرفت۔ ان سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچانا ہے۔ ہمارے بہت سے علوم و فنون اس بد بخت بے ضرورت رازداری سے ضائع ہوگئے وہ بدنصیب اپنے کمالات خود اپنی قبر میں لے گئے، جہاں اُن سے نہ خود ان کو فائدہ نہ کسی اور کو۔

ترجمہ :۔ "جو لوگ ایمان لاتے ہیں غیب پر یا غیب کے ساتھ (یعنی دل کے ساتھ) اور اچھی طرح پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں"۔

۲۔ مـا ننسخ من ایـة او ننسـهـا نات بخير منها او مثلها الم تعلم ان الله علٰی کل شیء قدیر○

(البقرہ آیت ۱۰۶)

مـا ننسـخ۔ جو ہم مٹاتے، جب ہم دور کرتے ہیں، نسخت الریح اثار القوم۔ ہوا نے قوم کے نشان قدم کو مٹا دیا۔ اور نسخ متغیر نسخ الکتاب۔ نقل کیا۔ من ایـة۔ کوئی نشانی، کلام اللہ لنریـه من ایٰتنـا۔ تا کہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ سنریهم ایٰتنـا۔ عنقریب ہم ان کو اپنے آثار قدرت دکھائیں گے۔

کیا خدا کا حکم کوئی منسوخ بھی ہوتا ہے؟

اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ احکام الٰہی منسوخ ہو سکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں۔

تورات میں بہت سے احکام منسوخ ہوئے ہیں۔ عیسائیوں نے ختنہ اور سبت اور دیگر احکام موکدہ تورات کو منسوخ کر دیا۔ ان اعتقادات میں نسخ نہیں ہوا۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ اور اس کے صفاتِ کمالیہ ناقابلِ زوال و تغیر ہیں۔ لہذا عقائد جمیع انبیاء کے ایک ہیں ان میں بھی نسخ ممکن نہیں۔ اخبار میں بھی نسخ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ کذب کے مساوی ہے۔ وعدہ میں نسخ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خلافِ وعدہ کرنا عیب ہے، رذیلت ہے، اللہ اس سے پاک ہے۔ وعید کے معنی ہیں۔ تم اس سزا کے مستحق ہو۔ گناہ کرنے کے بعد استحقاقِ سزا ثابت ہے۔ اس کے ساتھ ہی عفو کرنا کرامت، سخاوت اور علوِ ہمت ہے۔ یہاں بھی نسخ نہیں ہے۔ اصولِ شرائع میں بھی نسخ نہیں۔ جیسے عباداتِ الٰہی، شرک و بدعت سے ممانعت، صلہ رحمی، عدل و انصاف، قباحت زنا، ظلم وغیرہ۔

اب رہ گئے فروعاتِ شرعیہ مثلاً چور کی سزا، زنا کی حد، طریقہ عبادت، قبلہ وغیرہ ان میں نسخ ہوتا ہے۔ مصلح کے بدلنے سے احکام بدلتے ہیں۔ یہاں تک کہ۔ الیـوم اکملت لـکم دینـکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لـکم الاسلام دینـا کا زمانہ آتا ہے۔ پھر کوئی حکم منسوخ نہیں ہوتا۔

ابو مسلم بن بحر مطلقاً قرآن میں کوئی منسوخ آیت نہ ہونے کے قائل ہیں مگر دوسرے مفسرین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض کے پاس آیاتِ احکام میں سے آدھے ناسخ و منسوخ ہیں۔ چنانچہ ابنِ حزم کا یہی حال ہے۔

ابن عربی نے اس تعداد کو گھٹایا۔ امام جلال الدین سیوطی (۲۱) آیتوں کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم محدث دہلوی پانچ آیتوں کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ باقی آیتوں کے ایسے معنی بتلاتے ہیں جن سے نسخ نہیں رہتا۔ فقیر قرآن میں کوئی آیت، کوئی حکم منسوخ نہ ہونے کا قائل ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جسے علمی اکیڈمی حیدرآباد نے ۱۶ھ میں شائع کیا۔ فقیر نے غلط فہمی کے اسباب بیان کرتے ہوئے ان پانچ آیتوں کو بھی نسخ کے جھگڑے سے نکال لیا جن کو شاہ صاحب بھی منسوخ ماننے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح ان کے علمی خاندان کے ایک شخص نے ان کے مقصد کو پایہ تکمیل کو پہنچا دیا۔

مانعینِ نسخ کے دلائلِ اجمالیہ یہ ہیں:۔

۱۔ قدیم زمانہ میں نسخ ہر تغیر کو کہتے ہیں۔ اب اصطلاحاً یہ معنی ہو گئے ہیں۔ منسوخ وہ سابقہ حکم جو حالیہ ناسخ کی وجہ سے ناقابل عمل

ہوگیا ہو قرآن شریف ایسے احکام سے خالی ہے۔

۲۔ آیتِ ہذا میں آیۃ بمعنی آثارِ قدرت کے ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ او ننسھا بھی ہے۔ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ انانحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ قرآن شریف متواتر طریقہ سے مروی ہے، کوئی لفظ کم ہوا ہے نہ زائد۔ زیر۔ زبر۔ پیش۔ سکون سب محفوظ۔ مخارج و صفاتِ حروف سب محفوظ۔ کوئی آیت بھلائی نہیں گئی۔ جن خبرِ احاد میں ہے کہ بعض آیتیں بھلادی گئی ہیں ہرگز درست نہیں۔ زمانہ نبوت سے اب تک حفاظ چلے آرہے ہیں۔

۳۔ آیت ہذا میں لفظِ آیۃ سے مراد یہودیوں کا تنزل ہے۔ چنانچہ اس پر سابق و لاحق دلالت کرتا ہے۔ نیز آیت سے مراد آیت تورات و انجیل بھی ہو سکتی ہے۔

۴۔ رسوم و عقائدِ جاہلیت کی اصلاح کرنا نسخ نہیں ہے۔ معرضِ بحث میں آیتِ قرآنی کی منسوخیت ہے نہ کہ عادتِ جاہلیہ کی اصلاح

۵۔ استثناء و تخصیص نسخ نہیں ما کل عام الا وقد خص منہ البعض۔ اگر ایک فرد پر بھی حکم باقی نہ رہے تو نسخ ہوگا۔ استثناء و تخصیص میں ایسا نہیں ہوتا۔

۶۔ وقتی حکم ختمِ مدت کی وجہ سے اٹھ جاتا ہے نہ کہ منسوخ ہوجاتا ہے۔

۷۔ کوئی حکم کسی خاص حالت و علت کی وجہ سے دیا گیا ہو تو علت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حکم باقی نہیں رہتا اور نہ منسوخ ہوتا ہے۔

۸۔ تمہید کے طور سے جو حکم دیا گیا ہو وہ اصل حکم سے منسوخ نہیں ہوتا۔

۹۔ تمام انبیاء کے مذاہب وقتی تھے۔ چنانچہ آیت و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لتؤمنن بہ و لتنصرنہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ جب تمام مذاہب وقتی تھے تو حضرتؐ کے آنے کے بعد ان کا وقت نہ رہا۔ لہذا دیگر انبیاء کے مذاہب بھی منسوخ نہیں ہوئے۔ بلکہ ختمِ مدت کی وجہ سے وہ احکام باقی نہیں رہے۔ مگر اسلام نے ان میں سے جن کو جاری رکھا وہ بحیثیت حکمِ محمدی کے ہیں نہ کہ مذہب سابق کے۔

آئندہ ہر ایک آیت جس کے نسخ کا دعویٰ لوگ کرتے ہیں اس کا جواب اس کے مقام پر دیا جائے گا۔ او ننسھا (یا امتدادِ زمانہ سے ان آثارِ قدرت) کو بھلا دیا۔ ہزاروں پیغمبر اور ان کے معجزے گذرے اب ان کے نام تک معلوم نہیں۔ نات ب ہم لائیں گے۔ منھا ان سے نات بخیر منھا ہم ان سے بہتر لائیں گے او مثلھا یا ان کا مثل، برابر۔ الم تعلم۔ کیا تم نہیں جانتے۔ ان اللہ۔ کہ بے شک اللہ۔ علیٰ کل شیء ہر ایک شئ پر قدیر۔ قادر۔ قدرت والا ہے۔

ترجمہ :۔ ہم جو کسی نشانی کو دور کرتے ہیں یا اس کو بھلادیتے ہیں تو اس کے برابر یا اس سے بہتر نشانی لاتے ہیں۔ کیا تم کو علم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بعض حضرات کو غیرِ قرآن کے متعلق قرآن ہونے کی غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر کے طور پر ایک جملہ کہا اور حاضرین نے اس کو آیت سمجھ لیا۔ یا بطور یادداشت کے اپنے مصحف میں لکھ لیا۔ مگر جب حضرتؐ نے تمام قرآن حفاظ کو یاد کروادیا، اس کے مدرسے قائم کئے اور متفرق اجزاء میں کاتبوں سے لکھوایا اور ان راویوں نے ان جملوں کو قرآنِ شریف میں نہ پایا تو منسوخ التلاوۃ

سمجھ لیا۔ مثلاً مصحف ابن مسعودؓ میں "ایام متوالیات" ہے اور خود ان کی روایتِ قرآن میں "متوالیات" نہیں ہے۔

صاحبو، اللہ تعالیٰ اپنے آثارِ قدرت کو دکھائے چلا جارہا ہے تم تو قوانینِ الٰہیہ و نوامیسِ طبیعیہ کے عالم ہو۔ اس کے حامل بنو۔ تم خود آیات اللہ سے ہوجاؤ گے۔ تم سے کمالاتِ قدرت نمایاں ہونگے۔ تم بالشت بھر چلو اللہ ہاتھ بھر چلے گا۔ تم ہاتھ بھر چلو وہ بام بھر چلے گا۔ تم اس کی طرف چلو وہ تمہاری طرف دوڑ کر آئے گا۔ اللہ تمہاری مدد کا ارادہ فرمائے گا تو سب کچھ کر سکو گے۔

۴۔ و اذ ابتلیٰ ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن ۔ قال انی جاعلک للناس اماما ۔ قال ومن ذریتی ۔ قال لا ینال عهدی الظلمین ○ (البقرہ آیت ۱۲۴)

واذ ابتلیٰ ۔ اور جب امتحان لیا، بلا میں ڈالا، بمتلا کیا۔ ابراهیم ۔ ابراہیم کو۔ اذ کر۔ مقدر کا ظرف ہے۔ ربه اس کے رب نے بکلمات چند باتوں میں، چند احکام میں۔ حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے۔ ان کی استقامت میں فرق نہ آیا۔ رضاو تسلیم میں کمی نہ ہوئی۔ حضرت اسمٰعیل اور بی بی ہاجرہ کو جنگل میں لے جاکر چھوڑا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ ان کو ایسی زمین میں بسایا جہاں کی زمین بنجر تھی۔ نہ وہاں صنعت و حرفت تھی، نہ تجارت۔ نماز، زکوٰۃ، طہارتِ ظاہری و باطنی، ختنہ، ناخن ترشوانا، مونچھ اور بغل اور زیر ناف کے بال دور کرنا، پانی سے استنجا کرنا وغیرہ احکام کا امتثال کیا۔ ان سب میں پورے اترے تو ان کو سرفراز فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے بھی دعا کی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے لئے بھی۔ حضرت اسحٰق کو اور ان کی اولاد کو ماننا اور حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی اولاد کو نہ ماننا اپنے پر ظلم کرنا ہے۔

سفرِ پیدائش باب میں ہے "اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا۔ اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا"۔

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا بنی اسمٰعیل میں کون پیدا ہوا جو اس دعائے ابراہیمی کا مستحق ہو!

فاتمهن ۔ پھر ابراہیم نے ان باتوں کو پورا کیا۔ قال کہا جملہ مستانفہ ہے۔ انی بے شک میں جاعلک بنانے والا ہوں تجھ کو۔ للناس ۔ لوگوں کا اماما پیشوا۔ خلیفۃ اللہ ۔ نبی ۔ رسول ۔ قال ابراہیم نے کہا ۔ ومن ذریتی ۔ اور میری اولاد سے ۔ ذریۃ ۔ نسل ۔ بروزنِ فعیلۃ ۔ ذرع ۔ (بمعنی خلق) سے مشتق ہے۔ یا ذرہ بمعنی فرق سے ماخوذ ہے کیونکہ انسان کی نسل پیدا بھی ہوتی ہے اور پھیلتی بھی ہے۔ قال ۔ اللہ نے فرمایا۔ لا ینال نہیں پہنچتا۔ عهدی ۔ میرا عہد ۔ الظلمین ظالموں کو۔

ترجمہ ۔ اور (یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا۔ پھر انہوں نے ان کو پورا کیا۔ فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے ؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا"۔

یہ آیت بڑی معرکۃ الآرا ہے۔ یہاں تین لفظ ہیں جن کے معنیٰ کے تعین میں اختلاف ہوا ہے امام ۔ عہد ۔ ظالم ۔

امام ۔ کے معنیٰ پیشوا کے ہیں۔ پیغمبر سے لے کر مرشد و استاد تک سب امام ہیں۔ مگر کوئی غور کرکے بتائے کہ اللہ تعالیٰ کے ابراہیم کو امام بنانے کے کیا معنی ہوسکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنیٰ نبی مرسل اور صاحبِ ملت کے ہیں۔

عہد ۔ اقرار ۔ خبرگیری ۔ وصیت ۔ یہاں نبوت مراد ہے۔

ظالم ۔ روکنے والا ۔ ظلمۃ تاریکی ۔ ظلم روکنا ۔ بے جا بے محل کام کرنا ۔ مستحق کو حق نہ دینا ۔ کفر ۔ گناہ ۔

اب اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ "میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا"۔ سے مراد کیا ہے ؟ اس سے کیا مسائل استنباط کئے جاتے ہیں۔

اور کیا مسائل غلط طور پر سمجھے گئے ہیں ؟ میں گنہگار کو پیغمبری نہیں دیتا ۔ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں ۔ کیونکہ اگر پیغمبر معصوم نہ ہو اس کے قول و فعل میں موافقت نہ ہو تو کوئی شخص پیغمبر کا اعتبار نہ کرے گا ۔ جب اعتبار نہ رہے گا تو تعلیم کیونکر قبول کی جائے گی ۔

اس کے بعد بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر قبلِ پیغمبری گناہ ہائے کبیرہ اور ادنیٰ درجہ کے اور رذیل کاموں سے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ رذیل کاموں سے آدمی بے اعتبار ہو جاتا ہے ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عصمت کی ضرورت پیغمبری کی وجہ سے ہے ۔ پیغمبر راست گو ہوتا ہے ۔ اس کا چال چلن اچھا ہوتا ہے ۔ قبلِ پیغمبری کے احوال کو بعدِ پیغمبری کے زمانے سے کوئی تعلق نہیں ۔ جوانی کے زمانہ کے ماحول الگ ہوتے ہیں ۔ اور کودکی کے زمانہ کی حالت جدا ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر زمانہ پیغمبری و قبلِ زمانہ پیغمبری دونوں میں کبیرہ و صغیرہ اور جمیع صفاتِ رذیلہ سے پاک ہوتا ہے

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

اللہ کسی کی قابلیت ہی دیکھ کر رسالت عطا فرماتا ہے ۔ یہی مذہب حق ہے ۔ پیغمبر کی ادنیٰ سے ادنیٰ حالت سے اولیاء کی اعلیٰ سے اعلیٰ حالت مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ کیونکہ تمام اولیاء کے کمالات نبی کے کمالات کے تابع ہوتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : نعم العبد صھیب لو لم یخف اللہ لم یعصہ صہیب کیا اچھا آدمی ہے اگر اس کو خوفِ خدا نہ بھی ہوتا تو یہ گناہ نہ کرتا ۔ یعنی صہیب کا مرتکبِ عصیان نہ ہونا دائمی ہے ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عدمِ عصیان کیونکر نہ ہوگا ۔ پس ذاتِ رسول کو عصمت لازم ہے ۔

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ ترکِ اولیٰ پر باز پرس فرماتا ہے ۔ اگر خطائے اجتہادی ہو تو اس پر باقی رہنے نہیں دیتا فوراً متنبہ فرماتا ہے ۔ حسنات الابرار سیات المقربین ۔ ع نزدیکاں رابیش بود حیرانی ۔ آدم علیہ السلام کہتے ہیں ۔ ربنا ظلمنا انفسنا یونس علیہ السلام کہتے ہیں ۔ انی کنت من الظالمین ۔

کیا فرق ہے عصمت و حفاظت میں ؟

عصمت رسول کی ہوتی ہے ۔ تبلیغ میں امت پر حجت قائم کرنا ہے ۔ لہذا رسول کو گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے ۔ حفاظت بعض اعلیٰ درجہ کے اولیاء کی کی جاتی ہے ۔ چونکہ ولی صاحبِ وحی نہیں ہوتا ۔ بلکہ وہ تابع نبی ہوتا ہے ۔ لہذا ولی کو عصمت کی ضرورت نہیں بلکہ نبی کی عصمت کافی ہے ۔ گو وہ ولی فضلِ خدا کی وجہ سے گناہوں سے محفوظ ہی رہے ۔

بعض اہلِ بدع ائمہ کے لئے عصمت مانتے ہیں اور دوسرے ائمہ کو نامناسب الفاظ سے یاد کرتے ہیں ۔ بظاہر حبِ اہلِ بیت کے مدعی ہیں مگر حقیقتاً اکثر اہلِ بیت کے دشمن ہیں ۔ اور اہلِ بیت کی تکفیر سے خود مستحق تکفیر ہوتے ہیں ۔

ہماری اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ آیت انبیاء سے متعلق ہے نہ کہ اولیا و سلاطین سے ۔

۵ - انما حرم علیکم المیتۃ و الدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ ۝ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم ۝ (البقرۃ آیت ۱۷۳)

انما ۔ اس کے سوا نہیں ، جزایں نیست ، صرف ، ہی ۔ یہ کلمہ حصر کے لئے آتا ہے ۔ جس کو قصر اور تخصیص بھی کہتے ہیں ۔ یعنی

فلاں شئے فلاں شئے سے خاص ہے ۔ اس سے تجاوز کر کے اس کے غیر تک نہیں پہنچتی ۔ مثلاً الحمد للّٰہ حمد بالذات اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے اسی پر ختم ہے ۔ اس سے خاص ہے ۔

حصر کی دو قسمیں ہیں ۔ حصرِ حقیقی ۔ حصرِ اضافی ۔ حصرِ حقیقی میں منحصر کسی تک نہیں پہنچتا ۔ یہاں حصرِ اضافی مراد ہے ۔ یعنی بعض اشیاء میں ان کے علاوہ ذیل کی چیزیں بھی حرام ہیں ۔ مثلاً درندے ، مردار خور ، حشرات ، شراب وغیرہ ۔ حرم علیکم اللہ نے تم پر حرام کیا ۔ المیتۃ مردار ، جو جانور موتِ طبعی سے مرا ہو ۔ میت کو تا لگی ہے میت اصل میں میوت تھا ۔ واو کو یا بنا کر ادغام کیا گیا تو میت ہوا ۔ میت کو کبھی تخفیفاً میت بھی کہتے ہیں ۔ جب تک جسم و روح میں مناسبت رہتی ہے طبعی موت نہیں آتی ۔ بخلاف مذبوح کے کہ اس کا جسم اول سے خراب نہیں ہوتا ۔ ذبح سے خون نکلتا ہے اور گوشت کی حرارت اعتدال پر آجاتی ہے والدم اور خون ۔ عرب لوگ خون کو جما کر توے پر بھون کر کھاتے تھے ۔ و لحم الخنزیر ۔ اور سور کا گوشت ۔ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے صفات کھانے والے میں آتے ہیں ۔ سور بڑا بے حیا جانور ہے اور اس کے کھانے والے بڑے بے حیا انسان ہوتے ہیں ۔ وما اھل بہ لغیر اللّٰہ اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام کا جھٹکا کیا گیا ہو ۔ یعنی شور و پکارے کے ساتھ مارا گیا ہو ۔ فمن اضطر ۔ پھر مضطر ہو ، مجبور و ناچار ہو ، تین دن سے بھوکا ہو ۔ غیر باغ خود طالب نہ ہو ۔ یعنی بغی ۔ یبغی ۔ بغیا ۔ چاہنا ۔ ولا عاد قوت لایموت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو ۔ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے ۔ فلا اثم علیہ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ۔ ان اللّٰہ غفور رحیم بے شک اللہ غفور رحیم ہے ۔ خطا پوش اور مہربان ہے

ترجمہ : صرف اللہ نے تم پر مردار ، خون اور سور کے گوشت کو اور اس کو جو غیر اللہ کے نام کا جھٹکا کیا گیا ہو حرام کیا ہے ۔ پھر جو مجبور و ناچار ہو ، خود طالب نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ نہ کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے " ۔

(اسی آیت کی تفسیر کے ضمن میں حضرت نے ان لوگوں کے دعوے کی تحقیق فرمائی ہے جو گوشت خوری کو انسان کے لئے غیر طبعی سمجھتے ہیں ۔ اس کے بعد آگے لکھتے ہیں ۔ للمرتب)

اہلِ کتاب کا کھانا ان ہی شرائط سے جائز ہو سکتا ہے جو اسلام میں لگائے گئے ہیں نہ کہ اہلِ کتاب مردار کھاتے ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ کھانے لگو ۔ وہ خنزیر خور ہیں تو تم بھی خنزیر خور بن چلو ۔ ذرا خدا سے ڈرو اور احکامِ الٰہی سے منہ نہ پھیرو ۔ سنو ؛ حرمت علیکم المیتۃ ۔ تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار ۔ والدم اور خون ولحم الخنزیر ۔ اور سور کا گوشت ۔ وما اھل لغیر اللّٰہ بہ ۔ اور جو غیر اللہ کے نام پر جھٹکا کیا گیا ہو ۔ والمنخنقۃ اور گلا گھونٹا ہوا ۔ والموقوذۃ ۔ اور لٹھ سے مارا ہوا ۔ والمتردیۃ اور اوپر سے گر کر مرا ہوا ۔ والنطیحۃ اور سینگ مارا ہوا ۔ وما اکل السبع الا ما ذکیتم اور جس کو درندے نے کھایا ہو مگر تم نے اس کو زندہ پایا ہو اور ذبح کیا ہو یعنی نامِ خدا سے پاک کیا ہو ۔ وما ذبح علی النصب ۔ اور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو ۔ ایک دوسری جگہ ہے ۔ ولا تاکلوا ۔ اور نہ کھاؤ مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ ۔ اس جانور سے جس پر نامِ خدا نہ لیا گیا ہو ۔ وانہ لفسق ۔ یہ البتہ بدمعاشی ، شرارت ہے ۔

آؤ اب اس مذہب پر پھر غور کریں جو کسی کی طرف نسبت کو اھل بہ لغیر اللّٰہ سمجھتے ہیں ۔ پہلے اس لفظ کی تحقیق کر لیں اھلال آواز بلند کرنا ھلال پہلی رات کا چاند ۔ چاند کو دیکھ کر لوگ چاند چاند کہہ کر شور اٹھاتے ہیں مہل احرام کے وقت آواز سے لبیک کہنے والا ۔ استھل الصبی بچہ پیدا ہوتے ہی چیخا ۔ اھل عند الذبح یعنی جھٹکے کے وقت بت کا نام لے کر جے جے کا شور پکارا کیا ۔ ضحاک ، مجاہد

اور قتادہؓ ما اھل بہ لغیر اللہ کے یہی معنیٰ لیتے ہیں۔ بیضاوی اور دیگر تفاسیر میں عند الذبح کی قید ہے۔ قرآن شریف میں اگر ایک جگہ ما اھل بہ لغیر اللہ ہے تو دوسری جگہ ما ذبح علی النصب بھی ہے ما اھل کی تفسیر ما ذبح ہے۔ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی تکفیر کی خوشی میں کوئی صحیح بات ذہن میں نہیں آتی۔ فی قلوبھم مرض۔ علی ابصارھم غشاوۃ۔ اگر ننانوے صورتیں کفر و شرک کی ہوں اور ایک وجہ ایمان کی تو اسی پر محمول کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کو کافر کہنا اس کے قتل کے برابر ہے۔ سعدؓ بن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہوگیا انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ جاریہ پوچھا۔ حضرت نے کنواں بتلایا کنواں کھدوایا گیا اور اس پر پکارا گیا۔ ھذہ لام سعد یہ ام سعدؓ کا کنواں ہے۔ یعنی اس کا ثواب ام سعد کو ملتا رہے (ابوداؤد، نسائی)

حضرت کے صحابہ اس کنویں سے پانی پیتے تھے۔ یہ حضرات ہوتے تو ما اھل بہ لغیر اللہ سمجھ کر ہرگز نہ پیتے۔ قربانی سے پہلے حضرتؐ فرماتے اللھم ھٰذا من محمد و امتہ اور اللھم ھٰذا ممن شھدلی بالبلاغ کیا قربانی کا گوشت بھی ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے؟ آپ تو فرماتے ہیں آدمی کا نام لینے سے اتنی نجاست سرایت کر جاتی ہے کہ تمہارے خدا کا نام بھی اس کو پاک نہیں کر سکتا۔ مگر ہمارے خدا کا نام تو وہ ہے کہ کلمہ پڑھتے ہی کافر مسلمان۔ ناپاک پاک ہوجاتا ہے۔ انما المشرکون نجس۔ مشرکین نرے ناپاک ہیں

ایک صاحب فرماتے ہیں کل نذر و نیاز جو خدا کے سوائے دوسرے کے نام پر کی جائے حرام ہے۔ وہیں یہ بھی فرماتے ہیں، مشرکینِ عرب سانڈ وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے تو خدا نے فرمایا کہ یہ شیطانی اغواء ہے۔ اور یہ لوگ اندھوں کی طرح اپنے بڑوں کے ڈھرے پر چلتے جاتے ہیں۔ ورنہ خدا نے مرے ہوئے جانور اور خون وغیرہ کے سوا (جن کی صراحت آگے آرہی ہے) اور کچھ حرام نہیں کیا۔ غالباً حبِ مال اور بخلِ طبعی، فاتحہ و نذر و نیاز وایصال ثواب سے روکتا ہے کیونکہ یہی حضرات نہ فاتحہ نہ درود والے جب بارھویں، گیارھویں کی فاتحاؤں میں آتے ہیں تو بڑے مزے سے پلاؤ اور مزعفر اڑاتے ہیں۔ نہ پانی کے لئے جگہ چھوڑتے ہیں نہ سانس کے لئے۔ معدہ چیختا ہے کہ بس بس للہ رحم۔ اور آپ ہیں کہ ٹھونسے چلے جاتے ہیں۔ کیا کریں گے؟ پیشِ نظر قبولِ سنت ہے یعنی قبولِ ضیافت

ان بے روح موحدوں کو اگر وہ فوارہ تکفیر بنتے ہوں تو بننے دو ع

از وی خیزد بروی ریزد!

سنو اسناد دو قسم کے ہوتے ہیں

۱۔ اسنادِ حقیقی ہے۔ مستحق کی طرف نسبت کرنا جیسے خلق اللہ الطیر خدا نے پرندہ کو پیدا کیا۔

۲۔ اسنادِ مجازی۔ کسی متعلق کی طرف نسبت کرنا جیسے یا ھامٰن ابن لی صرحا۔ فرعون اپنے وزیر ہامان سے کہتا ہے۔ اے ہامان میرے لئے گھر بنا۔ ظاہر ہے کہ معمار گھر بنائیں گے۔ مگر چونکہ ہامان حکم دینے والا اور انتظام کرنے والا ہے لہذا گھر بنانے کی نسبت ہامان کی طرف کی گئی۔

مجاز کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرینہ کبھی لفظی ہوتا ہے جیسے تحی الموتیٰ باذن اللہ تم بہ حکم خدا مردوں کو زندہ کرتے ہو۔ و اذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذن اللہ۔ اور جب تم کیچڑ سے پرندے کی شکل کا پتلا بناتے ہو پھر اس میں پھونکتے ہو، پھر وہ بحکم خدا پرندہ بن جاتا ہے۔ دیکھو یہاں باذن اللہ قرینہ مجاز ہے۔

کبھی قرینہ معنوی ہوتا ہے مثلاً متکلم کا خدا پرست ہونا ۔ لاھب لک غلاما زکیا " تا کہ میں تم کو پاک لڑکا دوں ۔ اس میں کیا شک ہے کہ جبرئیل علیہ السلام خدا پرست ہیں ۔ ان کا میں تم کو بیٹا دوں کہنا مجاز ہے ۔ شرک نہیں ۔ یہ فرشتوں کے استاد بھائی ، شاید ان کو بھی مشرک کہنے کی جرات کر بیٹھیں ۔

مسلمان لاحول ولاقوۃ الا باللہ پر ایمان رکھتا ہے ۔ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ کا معتقد ہوتا ہے ۔ بیدک الخیر انک علیٰ کل شیء قدیر کا قائل ہوتا ہے ۔ بھلا وہ کیوں کر شرک کرے گا ۔ انبت الربیع البقل بہار نے سبزی اگائی کو دہری کہے تو حقیقت ہے کیونکہ مجاز کے لئے کوئی قرینہ نہیں ۔ مسلمان کہے تو مجاز ہے اس کا اسلام قرینہ معنوی ہے ۔ مجاز کو نہ سمجھنا مسلمان کو مشرک کہنا فقد باء احدھما کا مستحق ہے ۔ خدا ایسی جرات سے بچائے ۔ اپنے دل سے احکام بنانا تشریع فی الدین ہے ۔ بعض کلام پر سکوت بہتر ہے ۔ جہلِ مرکب سے جہلِ بسیط اسلم رہتا ہے ۔

ان بے روحوں کو یا وہ سرائی فرماتے رہنے دو ۔ ایصالِ ثواب حق ہے ۔ دوسروں کے لئے دعا ثابت ہے ۔ درودِ شریف بھی دعا ہی ہے ۔ •

سنو ؛ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں کا ناگہانی طور سے انتقال ہوگیا میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ بات کر سکتی تو خیرات دیتی ۔ کیا ان کو اجر ملے گا اگر میں ان کی طرف سے خیرات کروں ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ہاں " (متفق علیہ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ پھر عرض کیا ، میری بہن نے نذر کی تھی کہ وہ حج کرے گی ۔ اب وہ مرگئی ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتے ؟ اس شخص نے عرض کیا ۔ جی ہاں ۔ حضرتؐ نے فرمایا " خدا کا قرض ادا کرو ، وہ زیادہ مستحق ادا ہے (متفق علیہ)

بریدہؓ سے روایت ہے ، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا ۔ دفعتہً ایک عورت آئی پھر اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ، میں نے اپنی ماں کو صدقہ یعنی ثواب کے لئے ایک لونڈی دی تھی ۔ ان کا انتقال ہوگیا ہے ۔ حضرت نے فرمایا تمہارا اجر واجب ہوگیا ۔ اور میراث نے لونڈی کو تم پر واپس کردیا ۔ اس عورت نے عرض کیا ، یارسول اللہ ان پر ایک مہینے کے روزے واجب تھے ۔ کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھوں ؟ فرمایا " ان کی طرف سے روزے رکھو ، اس عورت نے عرض کیا ، انہوں نے کبھی حج نہیں کیا تھا ۔ فرمایا " ان کی طرف سے حج کرو ۔ (مسلم)

• یہ لوگ ایصالِ ثواب کے محض اس لئے قائل نہیں کہ ایصالِ ثواب کو حق ماننے سے حیات بعد الموت کی طرف راہ نکلتی ہے ۔ اور فاتحہ سے روکنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مردہ کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا ۔ یہ لوگ بزرگانِ دین کو مردہ ثابت کرنے سے زیادہ حیات النبی کی مخالفت میں اس طرح کی پیش بندی کرتے ہیں ۔ اگر ایصالِ ثواب کو تسلیم کرلیا جائے تو نتیجۃً حیات النبی کو ماننا پڑتا ہے حیات النبی کو مان لیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعدِ وصال دیکھنا ، سننا توجہ فرمانا ۔ مدد کرنا حیات النبی کے لوازمات میں شمار ہوں گے ۔ یہی وجہ ہے کہ یا رسول اللہ پکارنے کو شرک کفر نہ معلوم کیا کیا قرار دیتے ہیں ۔ نبوت کی حجت چونکہ الی اللہ ہے وہ باقی ہے بندوں سے متعلق نہیں ۔

حضرت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

ایصال ثواب درست بھی ہو تو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کا کیا ثبوت ہے ؟ سامنے کھانا رکھنا تعین کے لئے ہے۔ اور فاتحہ پڑھنا اس حدیث سے ثابت ہے کل امر ذی بال لم یبدء ابحمد اللّٰہ فھو ابتر۔ یعنی ہر اہم امر جو الحمد للہ سے شروع نہ ہو وہ ابتر ہے بے خیر ہے۔

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی درست ہو تو ایک ہی قسم کا کھانا بار بار پکانے کے کیا معنیٰ ؟

ظاہر ہے کہ خیر الامور ادومہا بہترین کام وہ ہیں جن میں ہمیشگی ہو۔ تکرار ہو مداومت ہو۔

یارسول اللہ یاغوث پکارنا بھی کیا ناجائز نہیں ۔ شرک نہیں ؟

ترمذی ۔ نسائی ۔ طبرانی ۔ ابن خزیمہ ۔ حاکم سے بیہقی نے یہ دعا روایت کی ہے

اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بحبیبک المصطفےٰ عندک یاحبیبنا یا محمد انا نتوسل بک الی ربک فاشفع لنا عند المولی العظیم یانعم الرسول الطاھر اللھم شفعہ فینا بجاھہ عندک۔

ترجمہ : یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ۔ مانگتا ہوں تیرے برگزیدہ حبیبؐ کے وسیلہ سے جو تیرے پاس برگزیدہ ہیں۔ اے ہمارے حبیب ۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ہم آپ کا وسیلہ لے کر اللہ سے مانگتے ہیں خدائے بزرگ و برتر کے پاس آپ ہماری سفارش کیجئے ۔ شفاعت کیجئے اے خدا کے پاک رسول ۔ یا اللہ ۔ رسول خدا کی سفارش قبول کر۔ ہمارے حق میں اس آبرو و عزت کی وجہ سے جو تیرے پاس ان کی ہے۔

دیکھو اس دعا میں یا محمد کی ندا ہے۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ میں بھی اس دعا کو صحابہ نے خود پڑھا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی۔

دیکھو التحیات میں السلام علیک ایہا النبی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا جاتا ہے پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ

بسلسلہ گذشتہ

رسالت کی حجت الی الخلق ہے۔ وہ دنیا کی زندگی کی حد تک رہتی ہے۔ صحابہ نے یارسول اللہ کہا درست کہا کیونکہ سرکار تشریف فرما تھے۔ اب جب کہ وصال فرمایا ہے تو حجت الی الخلق کا کام ختم ہوجانے کی وجہ سے اب یارسول اللہ پکارنا بے فائدہ ہے جب سنتے ہی نہیں تو پکار کر کیا حاصل اگر یہ فلسفہ ہے تو لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا ترجمہ کرتے وقت ان کو اپنے خیال کے مطابق محمد اللہ کے رسول تھے ترجمہ کرنا چاہئیے ۔ محمد اللہ کے رسول تھے کہنے سے ایمان چلا جاتا ہے۔ ایمان کی سلامتی کے لئے محمد اللہ کے رسول ہیں کہے بغیر چارہ نہیں۔ رسول ہیں کا اقرار حیات النبی کا اقرار ہے۔ ایسے اقرار سے ان تمام قرآنی آیتوں کو جو رسول اللہ کی شان میں اتری ہیں مطلق ماننا پڑتا ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے مسلک کے مطابق ان کو حضورؐ کی دنیاوی زندگی تک محدود سمجھتے ہیں۔ کیونکہ حضور کو مردہ سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ یہ خود زندہ رہ کر بھی مردہ ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ معراج جسمانی کے قائل نہیں۔ معراج جسمانی کے قائل ہونے سے انتہا درجہ قرب خداوندی کی بدولت حضورؐ کے سارے صفات کو عام انسانوں کے صفات سے ممتاز ماننا پڑتا ہے جس کے لئے یہ لوگ تیار نہیں۔ بہت سارے معجزات کے انکار کا باعث بھی انما انا بشر مثلکم ۔ کا عقیدہ ہے۔

لفظ کے ساتھ معنیٰ اور معنیٰ کے ساتھ مصداق ذہن میں آجاتا ہے پس صراط الذین انعمت علیهم کہتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا تصور ذہن میں آجانا جو اس کے فردِ اعلےٰ اور بہترین مصداق ہیں۔ ایک طبعی بات ہے۔

او مدعیانِ توحید! تم یارسول اللہ پکارنے کو اور حضرتؐ کے اس کا علم رکھنے کو کفر اور شرک اور کیا کیا سمجھتے ہو۔ سنو اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:۔ انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا۔ ضرور ہم نے تم کو شاہد، گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بناکر بھیجا۔ شاہد دیکھتا ہے۔ لہٰذا حضرت ہمارے تفصیلی حالات دیکھتے ہیں۔ دیکھو سنی سنائی شہادت درست نہیں۔ جب اصل شاہد حاضر ہو تو فروع کی شہادت صحیح نہیں۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم۔ خود تم میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر وہ تمام چیزیں جو تم کو تکلیف دہ ہیں دشوار گذرتی ہیں۔ جب تک حضرتؐ ہمارے حال سے واقف نہ ہوں۔ ہمارے تکلیفات ان پر کیونکر شاق گذریں گے۔

حضرت غوث الاعظمؒ حدیث روایت کرتے ہیں۔ لا یشاک احد کم بشوکة الا واجد المها۔ یعنی تمہارے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا مگر اس کا درد میں محسوس کرتا ہوں۔ بعض احادیث میں ہے۔ انا من نور اللّٰه و کل شیء من نوری۔ یعنی میں اللہ کے نور (یعنی وجود) سے ہوں اور ہر شئے میرے نور (یعنی وجود) سے ہے۔ انما انا قاسم واللّٰه یعطی۔ یعنی اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ ہم کو جو کچھ ملتا ہے قاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ملتا ہے۔

ابن سنی کتاب " عمل الیوم واللیلۃ " میں دو روائتیں بیان کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر کے پیر میں چیونٹیاں بھر گئی تھیں۔ یعنی پیر سن ہوگئے تھے۔ ان سے کسی نے کہا، آپ محبوب ترین شخص کو پکارئے انہوں نے " یا محمداہ " پکارا اور کھڑے ہوکر چلنے لگے۔ یہی حال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سراجِ منیر یعنی روشن چراغ کہا ہے۔ انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا۔ و داعیا الی اللّٰه باذنه و سراجا منیرا۔ حضورؐ کے تعلق سے اس آیت میں شاھدا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ شاھدا اسم فاعل نہ صرف خدا کا دیکھنے والا بلکہ آیت کے سباق سے امت کے ہر فرد کے عمل پر گواہ اور ہر ہر عمل پر گواہ کے معنی رکھتا ہے اور یقیناً قرآن کی بلاغت اس کی متقاضی ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد باری ہے۔ و جئنا بک علی ھٰؤلآء شهیدا۔ یعنی اور لائیں گے ہم آپ کو تمام امتوں پر گواہ بناکر۔ شہید صفت مشبہ ہے جو بیک وقت مستقل پائدار صفتِ شہود اور اسمِ فاعل کا فائدہ دیتی ہے۔ امتوں پر ان کی آفرینش سے دائماً اور مستقل گواہی پر دلالت کرتی ہے اور یہاں بھی قرآن کی بلاغت اسی کی متقاضی تھی۔ اور اس آیت کے معنیٰ ہوئے امتوں کے ہر ہر فرد کے ہر ہر عمل پر دواماً گواہ۔ خواہ نبی ہو کہ غیر نبی اور اس سے حضور اکرمؐ کی زبردست شخصیت اور حضورؐ کی گواہی کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔ حضورؐ نے خود بھی اپنے تعلق سے فرمایا۔ اوتیت علم الاولین والاخرین۔ یعنی مجھے اولین اور آخرین کا علم دیا گیا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ بھی ارشاد فرماتا ہے:۔ و علمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللّٰه علیک عظیما یعنی ہم نے آپ کو وہ علم دیا جو کہ آپ جانتے نہ تھے اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ مالم تکن تعلم میں ما عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی سب کچھ تمام و کمال و کان فضل اللّٰه علیک عظیما تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ تفصیل پر مزید توثیق اور بے انتہا فضل کی علامت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔

عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ کا ہوا۔ انہوں نے " یا محمد " کا نعرہ مارا اور ایسے ہوگئے جیسے پیر سے بندھی رسی کھل گئی ہو۔

کنز العمال ، مسند عمر میں ایک بڑی حدیث ہے فقال عمیر السلام علیک یا رسول اللہ ۔ السلام علیک یا ابابکر ماذا لقیت بعد کما ۔

یارسول اللہ آپ پر سلام یا ابابکر آپ پر سلام میں نے آپ دونوں کے بعد کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں ۔

حصن حصین میں حضرتؐ سے مروی ہے " آپ نے اس شخص کے متعلق جو راہ گم گشتہ ہو فرمایا کہ پکارے اعینونی یا عباد اللہ اے بندگان خدا تم میری مدد کرو ۔

ہم کو اللہ کا حبیب احب الناس ہے ۔ ہم پکارتے ہیں یا محمداہ ہم راہ گم گشتہ ہیں ۔ اعینونی یا عباد اللہ ۔ یا غوث ۔ یاخواجہ یا نقشبند یا بدوی ۔ یا شاذلی ہماری مدد کرو ۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ منبر پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے ، اس پر ہاتھ رکھتے تھے اور اپنے منہ پر پھیر لیتے ۔

یہ بدلگام موحد انما انا بشر مثلکم (میں تمہاری طرح بشر ہوں) کو لئے پھرتے ہیں اور اسی کے ساتھ یوحیٰ الی ہے مجھے وحی ہوتی ہے (خدا کا پیغمبر ہوں) اس پر ذرا بھی توجہ نہیں کرتے ۔ ایک مابہ الاشتراک ہوتا ہے ۔ دو چیزوں میں مشترک چیز ہوتی ہے ۔ ایک مابہ الامتیاز ہوتا ہے جس سے فضیلت کا فیصلہ ہوتا ہے ۔ کیا گدھے میں اور تم میں ، جوہریت ، جسمیت ، نمو ، احساس ، حیات مشترک نہیں ۔ مگر تمہارا امتیاز و تفوق تو عقل و فہم سے ہے ۔ یا جیسے ابو جہل اور تم میں انسانیت مشترک اور اسلام مابہ الامتیاز ہے ۔ اسی طرح تمہارے میں اور رسولِ خدا میں مابہ الاشتراک انسانیت اور مابہ الامتیاز وحیِ الٰہی ہے ۔ معلوم ہے ؟ اس مابہ الاشتراک کو کون بیان کرتے تھے ۔ ابو جہل اور دوسرے کفار ۔ مالھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ۔ (اس رسول میں کیا ہے کھانا کھاتا ہے (یعنی ہماری طرح) اور بازاروں میں پھرتا ہے (یعنی ہمارے مثل) اور مابہ الامتیاز پر کن کی توجہ اور نظر تھی ۔ صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ ذی النورینؓ مظہر العجائبؓ کی کیا انھوں نے انا بشر مثلکم کہا ۔ یا کنت عبدہ و خادمہ اور ویحک انا عبد من عبید محمد ۔ ترجمہ : میں تمہاری طرح آدمی ہوں کہا ۔ یا " میں ان کا بندہ تھا ، خادم تھا " اور " تجھ پر افسوس ہے ! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں " ان کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں " ۔ یہ بھی سنا ہے ۔ لست کھیئتکم ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی ۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے ۔ یا نسآء النبی لستن کاحد من النسآء ۔ اے پیغمبر کی بی بیو تم اور عورتوں کی جیسی نہیں ہو ۔ لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو ۔ لاتجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا ۔ پیغمبر کو ایسا نہ بلاؤ جیسا تمہارے میں کا بعض بعض کو پکارتا ہے ۔ بادشاہ مہربانی سے کہہ دے کہ تم میرے بھائی ہو ، کیا تم بھی بادشاہ کو بھائی صاحب کہہ کر پکارو گے ۔ بےادب بے نصیب ۔ دیکھو اللہ کے حبیب سے بے ادبی دین کا رکھے گی نہ دنیا کا ۔ خسر الدنیا والآخرۃ ذالک ھوالخسران المبین ○ دنیا بھی ہاتھ سے گئی اور آخرت بھی ۔ یہ تو کھلا نقصان ہے " ۔

ھو الذی انزل علیک الکتب منہ ایت محکمت ھن ام الکتب واخر متشبھت ۔ فاما الذین فی قلوبھم

زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغآء الفتنۃ وابتغآء تاویلہ و مایعلم تاویلہ الا اللہ (وقف لازم) والرسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا ۔ ومایذکر الا اولوا الالباب ٥ (آل عمران آیت ۷)

آیت کے ہر لفظ کے جدا جدا معنیٰ بیان کرنے کے بعد ترجمہ فرماتے ہیں (للمرتب)

ترجمہ : وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب اتاری ۔ اس میں محکم آیتیں ہیں ۔ جو کتاب اللہ کی اصل ہیں ۔ اور دوسری آیتیں جن کے کئی کئی ملتے جلتے معنیٰ ہیں ۔ پھر وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ۔ (انھیں کولئے لئے پھرتے ہیں) فتنہ پیدا کرنے اور من مانے معنے پیدا کرنے کے لئے اس کے معنیٰ مراد مقصود کو اللہ کے سوائے کوئی نہیں جانتا ۔ اللہ جانتا ہے اور علم میں ثابت قدم لوگ (وہ) کہتے ہیں ہم کو اس کا یقین ہے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے ۔ اور ان سب باتوں کو عقلمند ہی سمجھا کرتے ہیں ۔

واضح ہو کہ قرآن شریف میں بعض آیتیں ایسی ہیں جو انسانی صفات پر دلالت کرتی ہیں ۔ اور قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ کے لئے استعمال کی گئی ہیں ۔

۱ - ید اللہ فوق ایدیھم	(سورہ فتح آیت ۱۰)
۲ - ثم استوٰی علی العرش	(سورہ اعراف آیت ۵۴)
۳ - الرحمٰن علی العرش استوٰی	(سورہ طٰہٰ آیت ۵)
۴ - اللہ یستھزی بھم	(سورہ بقرہ آیت ۱۵)
۵ - وغضب اللہ علیھم	(سورہ فتح آیت ۶)
۶ - ومکروا ومکر اللہ	(سورہ آل عمران آیت ۵۴)

بعض علماء تو اتنا کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ ان آیتوں کا مقصد و مراد صرف اللہ جانتا ہے ۔ ہمارا کام صرف امنا بمراد اللہ ۔ یعنی ہم اللہ کے معنیٰ و مقصود پر ایمان رکھتے ہیں ۔ اور دوسرے حضرات محاورات عرب پر غور کرتے ہیں ۔ اور ان کے مطابق معنیٰ و مراد لیتے ہیں ۔ مثلاً

آیت نمبر (۱) کے وہ معنے لیتے ہیں کہ خلیفہ کا فعل اصل شخص کی طرف نسبت کیا جاتا ہے ۔ جب کہ اسی نے حکم دیا ہے ۔ لہذا ید اللہ فوق ایدیھم کے معنیٰ ہیں ۔ پیغمبر کا ہاتھ تمام بیعت کرنے والوں کے ہاتھ پر ہے "۔

آیت نمبر (۲) سے ان کی مراد ہے کہ خدا کی حکومت قائم ہوگئی ۔ دیکھو ! لوگ کہتے ہیں ۔ بادشاہ تخت نشین ہوگیا یعنی اس کی حکومت قائم ہوگئی ۔ صدر انجمن کی کرسی نشینی ہوئی ۔ یعنی اس کی حکومت قائم ہوگئی ۔

آیت نمبر (۳) کے معنے ہیں " خدا کی رحمت اس کی حکومت سے ظاہر ہے "۔

آیت نمبر (۴) کے معنے ہوں گے ۔ اللہ ان کے استہزا اڑانے کی سزا دے گا ۔ کیونکہ اس سے قبل انما نحن مستھزءون ہے ۔ یعنی ہم مسلمانوں کو بناتے ہیں ان سے ٹھٹا کرتے ہیں ۔ لہذا اللہ ان کے اس ٹھٹا کرنے کی سزا دے گا ۔

آیت نمبر (۵) کے معنی یہ ہیں ۔ اللہ ان پر غضبناک ہے ۔ غضب اصل میں خونِ دل کا بغرضِ انتقام جوش کرنا ہے اور یہاں انتقام مراد ہے کیونکہ وہ غضب کا انجام ہے ۔

اور آیت نمبر (٦) کے معنی اس طرح ہوں گے ۔ ان منافقین نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے اس مکر کی سزا دی "۔

دیکھو ! ہم رات دن کہتے ہیں ۔ ندی بہہ رہی ہے اور اس سے مراد لے رہے ہیں کہ ندی کا پانی بہہ رہا ہے ۔ ایک شخص نے قسم کھائی کہ تمہارے گھر میں قدم نہ رکھوں گا ۔ پھر اگر وہ گھر کے باہر بیٹھ کر اپنا قدم دروازے کے اندر رکھے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی ۔ کیونکہ گھر میں پاؤں رکھنے سے مراد گھر میں داخل ہونا ہے ۔ کہتے ہیں اس نے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں ۔ یعنی اس کی پوریں یا اس نے سننا نہ چاہا ۔

ہمارے پاس عالم کے مختلف درجے ہیں ۔ عالمِ ارواح ۔ عالمِ مثال ۔ عالمِ شہادت ۔

عالمِ مثال میں جس چیز کی صورت نہیں ہے ، وہ بھی صورت لے کر نظر آتی ہے ۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ دودھ پی رہے ہیں ۔ اور اس کا بقیہ حصہ حضرت عمر کو دیا اور اس کی تاویل یہ فرمائی کہ علم دودھ کی شکل میں نمودار ہوا ۔ تعبیرِ خواب کا دارومدار انہیں مثالی صورتوں پر ہے ۔ ہمارے پاس تو ایک حقیقت ہے ۔ ایک عینِ ثابتہ ہے عالمِ ارواح میں صفاتِ کمالیہ کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے ۔ اور عالمِ شہادت میں صورت شکل لیتا ہے ۔ اور عالمِ شہادت میں وزن اور زمانہ بھی اس کو لاحق ہوتا ہے ۔ غرض کہ دودھ کی صورت لینے سے اس کی (علم کی) بے صورتی پر کوئی اثر نہیں آتا ۔ تاویل کے اصول ان میں سے بعض کا بعض سے قوی ہونا اور قوی کے رہتے ضعیف صورت کو اختیار کرنا چاہیے ۔ اس کا تھوڑا سا بیان ہم نے " معیار الکلام ، اور حکمتِ اسلامیہ " میں کیا ہے ۔

یا یھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ٥

(المائدہ آیت ٣٥)

یا یھا الذین امنوا ۔ اے ایمان والو ۔ اتقوا اللّٰہ تقویٰ اختیار کرو ، خدا سے ڈرو ، ایسی چیزوں سے پرہیز کرو جن سے تمہاری تباہی ہو ۔ وابتغوا ۔ اور ڈھونڈو ، تلاش کرو ، چاہو ۔ الیہ الوسیلۃ اس کی طرف وسیلہ ، ذریعہ ۔ وجاھدوا ۔ اور جدوجہد کرو ، جہاد کرو ، اپنی جان لڑادو ۔ انتہائی کوشش کرو ۔ فی سبیلہ ۔ راہِ خدا میں ۔ لعلکم شاید کہ تم ، امید ہے کہ تم ۔ تفلحون فلاح پاؤ ، کامیاب ہوجاؤ ۔ مقاصد کا دروازہ تمہارے سامنے کھل جائے ۔

ترجمہ : اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو ۔ خدا سے ملنے کے ذریعے ڈھونڈو ، اور راہِ خدا میں جدوجہد کرو ۔ ایسا کرو گے تو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ ۔

صاحبو ! اس آیتِ شریفہ پر غور کرو ، اس میں پہلے حکم دیا گیا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو ۔ جتنے باطل نقوش لوحِ دل پر ہیں مٹادو ۔ محرمات ، مکروہات سے بچو ۔ خواہشاتِ نفسانی کے دیوتاؤں کو دل کے مندر سے نکالو ۔ ممنوعات سے احتراز کرو ۔ چوری ۔ رشوت خوری ۔ سود خوری ، ریاکاری ۔ تکبّر اور خود پسندی سے بچو ۔ جب تک بری باتوں سے آئینہ دل صاف نہ ہوگا مقصود کی صورت ہرگز نظر نہ آئے گی ۔

روئے حبیب آئے نظر کس طرح کہو
شیرازہ خیال پریشاں کئے ہوئے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اس سے ملنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈو ۔ تمام نیک کام اللہ سے ملنے کے وسیلہ ہیں ۔ نماز پڑھو ۔ روزہ رکھو ۔ حج کرو ، زکوٰۃ دو ۔ ہر قسم کے نیک کام کرو ۔ مگر سب سے بڑی چیز خدا اور رسول کی محبت ہے حدیث شریف میں آیا ہے " کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا ۔ اس کو ایمان

نہیں ملتا جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جان سے، اس کے ماں باپ سے، اس کی اولاد سے، اس کے مال سے اور ساری دنیا سے عزیز تر نہ ہوں"۔

آج کل دین اور محبتِ نبی کریمؐ و اولیائے کرام کی محبت کے ڈاکو زوروں پر ہیں۔ اس عظیم الشان نسبت کی ڈوری کو منقطع کردیتے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہئیے کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو جس کو چاہے اس کے ساتھ، تو جس کو چاہے اسی کے ساتھ"۔ وہ ہمیشہ اس دعا کو پیشِ نظر رکھیں۔ اس کو وردِ زبان بنائیں۔ جس کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی صحیح ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی نے عثمان بن حنیفؓ سے روایت کی ہے۔

وہ دعا یہ ہے:۔

اللهم انی اسئلک واتوجه الیک بحبیبک المصطفیٰ عندک یا حبیبنا یا محمد؛ انا نتوسل بک الیٰ ربک فاشفع لنا عند المولی العظیم۔ یا نعم الرسول الطاهر؛ اللهم شفعه فینا بجاهه عندک۔

اے عاشقانِ رسول؛ تم ابن عمرؓ اور ابن عمرو ابن العاص کی اتباع میں یا رسول اللہ؛ یا رسول اللہ پکارتے رہو یامحمداہ کو وردِ زبان رکھو، دعا کرتے رہو کہ اللہ تم کو، ہم کو اپنے حبیب کی محبت دے، ان کے دوستوں کی محبت دے۔ ان کی یاد میں مست رکھے یہ رشتہ محبت تم کو خدا تک پہنچادے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست

می بُرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

دیکھو آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ راہِ خدا میں خوب جدوجہد کرو، اپنی جان لڑادو، اللہ کے واسطے مارنے مرنے کو تیار ہوجاؤ۔ الفاظ بلامعنی اور نرے دعوے ہی دعوے سے کیا ہوتا ہے؟ کچھ کام بھی تو کرو۔ "سوگز واروں ایک گز نہ پھاڑوں" کیا کام آسکتا ہے۔ ہر دعوے کی دلیل ہوتی ہے۔ بے دلیل دعویٰ کام نہیں آتا۔ یہ کیا ہے؟ خدا رسول کی محبت کا دعویٰ اور کام کرنے سے کوسوں دور، محنت سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ جو کسی کو چاہتا ہے، رات دن اسی کے ذکر میں رہتا ہے۔ تم اللہ رسول کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہو پھر ان کی اتباع سے بھاگتے بھی ہو؟ صاحبو! کچھ کرو

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید

کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید (سعدی علیہ الرحمہ)

محبوبِ خدا سے پھیر کے منہ اللہ کو شکل دکھانا کیا

۸۔ لولاکتٰب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم ○ (الانفال آیت ۶۸)

لولاکتٰب من اللہ سبق۔ اگر خدا کا پہلے سے نوشتہ نہ ہوتا وحی نہ اتری ہوتی لمسکم تو تم کو چھو جاتا فیما اخذتم اس چیز میں کہ تم نے لیا عذاب عظیم بڑا عذاب۔

ترجمہ:۔ اگر خدا کا پہلے سے نوشتہ نہ ہوتا تو تم کو چھو جاتا بڑا عذاب جس کو تم نے اپنے کرتوت سے لیا تھا۔

اس آیت کے معنیٰ بیان کرنے میں علماء میں اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر تمہاری تقدیر میں معافی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم قیدیوں سے فدیہ لینے پر مستحق عذاب ہوتے ۔
بعض کہتے ہیں کہ تمہاری یہ خطاء اجتہادی ہے جو قابلِ معافی سمجھی گئی ہے ۔ اگر یہ معافی نامہ نہ ہوتا تو تم قابلِ گرفت تھے ۔
بعض کہتے ہیں کہ تم نے اجازتِ عام کی بناء پر فدیہ لیا ۔ اگر یہ اجازت عام نہ ہوتی تو تم پر مواخذہ ہوتا ۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی رائے میں فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا مناسب تھا ۔ اور حضرت عمر کی رائے تھی کہ ان سب کو مار ڈالنا چاہیئے ۔ کیونکہ صدیق اکبر کی رائے بنی بر رحم تھی اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اسی کو اختیار فرمایا ۔ گو فاروق اعظم کی رائے کافروں کے استیصال پر بنی تھی ۔ اگر رحم کرنے کا حکم پہلے سے نہ ہوتا تو اس معاملہ میں ضرور گرفت کی جاتی ۔

ا ۔ قال فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منہ ذکرا ○ (س الکھف آیت ۷۰)

قال ۔ خضر نے کہا ۔ فان اتبعتنی پس اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو ، میری اتباع و فرمانبرداری کرنا چاہتے ہو ، فلا تسئلنی عن شیء تو کسی بات کا مجھ سے سوال نہ کرو ۔ حتی احدث لک منہ ذکرا ۔ یہاں تک کہ میں خود اس کو تمہارے سامنے ذکر نہ کروں ۔ بیان نہ کروں ۔

ترجمہ : (خضر نے) کہا اگر تم میری اتباع کرنا چاہتے ہو تو جب تک میں خود بیان نہ کروں تم کسی شئے کا سوال نہ کرو ۔

صاحبو ! بزرگوں کا قول ہے " مریدے کہ چون وچرا بکند و شاگردے کہ چون وچرا نکند ۔ ہر دو را بہ چراگاہ باید فرست ۔

شاگرد کا کام ہے کہ احکام ظاہری میں تحقیقات کرے ، بحث و مباحثہ کرے اور مرید کا کام ہے کہ روحانیت اور اسرارِ الٰہی میں مرشد کی بات دل لگا کر سنے وہ خود مناسب سمجھے گا بتادے گا ۔

صاحبو ! اس مقام پر لطیف بحثیں ہیں ۔ موسیٰ علیہ السلام کا علم کیا تھا ۔ اور خضر کا کیسا ؟ موسیٰ علیہ السلام کا علم کلیات کا تھا ۔ بنی بر وحی تھا ، متعدی تھا اس کی اتباع سب پر واجب تھی ۔ اور خضر کا علم جزئیات کا اور الہامی تھا ۔ ان کے تمام کام کشف اور الہاماتِ ربانی پر بنی تھے ۔ موسیٰ کا راستہ اور تھا اور خضر کا اور ۔ موسیٰ تو صاحبِ زمانہ تھے اولوالعزم پیغمبر تھے ۔ صاحبِ مذہب و کتاب تھے ۔ ان کے بعد جتنے پیغمبر آئے سب ان کے تابع تھے ۔ پھر خضر نے ان کے احکام کی مخالفت کیسے کی ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے ۔ تمام دنیا کے لئے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مبعوث ہوئے ہیں ۔ موسیٰ کے حدود و احکام و عمل الگ تھے اور خضر کے الگ اس لئے خضر نے موسیٰ علیہ السلام کی ان جزئیات میں اتباع نہیں کی ۔ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے احکام کا خلاف کرسکتا ہے ۔ کیونکہ ان کے حدود عمل روئے زمین پر جاری ہیں کوئی اس سے خارج نہیں ہوسکتا ۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

محمدیوں کو جو الہام ہو ، اس کو قرآن و حدیث پر پیش کرو اگر قرآن و حدیث کے خلاف نہیں تو اس پر عمل کرسکتے ہیں ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیم معصوم کی تعلیم ہے ۔ یقیناً وہ غلطی سے محفوظ ہے ۔ ہمارا کشف و الہام ظنی ہے ۔ جو یقینی کا مقابلہ نہیں کرسکتا ۔ یقینی اور ظنی کا کیا جوڑ ؟ جس الہام سے قرآن و حدیث ساکت ہے اس پر عمل کرسکتے ہیں ۔ بحرحال وحی کے مقابل الہام قابلِ ترک ہے ۔

بہت سے لوگ اس مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر مرشد، خدا اور رسول کے خلاف بھی حکم دے تو واجب العمل ہے یہ اور بات ہے کہ مرید مرشد کی بات کو پوری طور سے سمجھ نہیں سکتا جب واقعات منکشف ہوجاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مرشد نے خدا اور رسول کے حکم کے خلاف نہیں کیا۔ بلکہ مرید نے اپنی بے سمجھی سے خدا اور رسول کے حکم کے خلاف سمجھا تھا۔

بعض نادان موسیٰ علیہ السلام کو مولوی سمجھتے ہیں اور خضر کو مرشدِ کامل، یہ ان کی سمجھ کا قصور ہے۔ موسیٰؑ اپنے زمانے کے انسانِ کامل تھے۔ ایک فلاسفر کلیات سے واقف ہوتا ہے۔ اور جزئیات کے لئے توجہ خاص کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ التفاتِ حاضر کی حاجت ہوتی ہے۔ بڑھائی کا کام پروفیسر اور ڈاکٹر نہیں کرسکتا۔

ہر مردے و ہر کارے

کل میسر لما خلق لہ بہت سے پروفیسر ہیں جو سوئی لے کر ایک ٹانکا نہیں لگا سکتے۔ یہ کام خیاط کا درزی کا ہے۔ نہ کہ ڈاکٹر اور پروفیسر کا۔ جزئیات کی انتہا نہیں۔ کلیات خیرِ کثیر پر مشتمل رہتے ہیں۔ کلیات کا فوت ہونا شرِ کثیر کا باعث ہے۔ بہر حال الہام ہمیشہ وحی کا تابع رہے گا۔ اس کی شرح کرسکتا ہے مگر اس کو رد نہیں کرسکتا۔

ایک اور بات یاد رکھنے کی ہے۔ بعض دفعہ انسان مغلوب الحال ہوجاتا ہے۔ اور ایسے کام کر جاتا ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی میں ایسی حالت کو للجنون فنون سمجھتا ہوں خدا ان کو اور ہم کو اپنے عفوِ کرم سے بخش دے۔

یاد رکھو! مجنون کو پاگل خانے میں ڈال سکتے ہیں۔ مگر مجرم ٹھیرا کر محبس میں نہیں رکھ سکتے۔ ایک بیوی نے حضرتؐ کا پیشاب پی لیا۔ عبداللہ بن زبیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پچھنوں سے نکلا ہوا خون پی گئے۔ ایک صاحب نے کہا جن کا اونٹ کھوجانے کے بعد مل گیا تھا اللھم انت عبدی وانا ربک۔ آپ جانتے ہیں یہ کلمہ کیسا ہے؟ جوش سے نکلا غلطی ہوگئی۔ اس پر خدا بھی ہنسا اور اس کا رسول بھی۔ اور اس شخص پر کوئی گرفت نہیں ہوئی۔ بہر حال یہ راستہ کٹھن ہے۔ احتیاط سے چلو۔ ٹھوکر نہ کھاؤ۔ ہمیشہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا کرو۔ خدا اور رسول سے ڈرو۔ یاد رکھو ڈر کو ڈر نہیں۔

حضرت سولھویں پارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

یہ خضر علیہ السلام پیغمبر تھے؟ یا کوئی مرد صالح؟ قرآن شریف میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ کیا وہ اب تک زندہ ہیں؟ یا ان کا انتقال ہوچکا ہے۔ اس کا بھی قرآن سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بہر حال وہ نیک آدمی ضرور تھے۔ وہ لوگوں سے ملتے ہوں اور اب تک زندہ ہوں تو ہمارے پاس اس کا بھی امکان ہے۔ اگر ان کا انتقال ہوا اور وہ لوگوں سے عالم مثال میں ملتے ہوں تو ہمارے پاس یہ بھی ممکن ہے۔ قرآن شریف قطعی اور ایک یقینی کتاب ہے۔ اس کے قطعی اور یقینی مسائل کو ظنیات بلکہ اوہام سے مقید نہ کرنا چاہئیے۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی واقعہ میں کوئی نصیحت اور عبرت کا ذکر ہوتا ہے قرآن اس پر لوگوں کو متوجہ کرتا ہے۔ کیا یہ تاریخی کتاب ہے؟ کیا اس میں کہانیاں ہیں؟ یہ مذہبی کتاب ہے۔ اس میں اعلیٰ تعلیمات ہیں۔ یہ عبرت خیز واقعات اس میں بیان کئے جاتے ہیں۔ قرآن شریف کی صفت ہے مبین۔ اس کا سمجھنا بنی اسرائیل کے قصے کہانیوں پر منحصر نہیں۔ خضر کون تھے؟ ذوالقرنین کون تھے؟ ان کے شخصی حالات جاننے کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں۔ ان قصوں سے عبرت لینا ہمارا کام ہے۔

فاعتبرو ایآ اولی الابصار ہمارے پیش نظر ہے ۔ جانوروں کے متعلق نصیحت خیز قصے بنائے جاتے ہیں " کلیلة ودمنة " مشہور کتاب ہے جس میں جانوروں کی باہم گفتگو درج ہے، مقصد صرف نصیحت و عبرت ہے ۔ بہر حال میں ان شخصی قصے کہانیوں میں پڑنا نہیں چاہتا

آگے ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :

یا جوج ماجوج کون ہیں ؟ ہر ایک عالم دل سے لگتے لگاتا ہے ۔ قرآن میں حدیث میں اس کی توضیح نہیں ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یا کانگ ، میکانگ یا اس سے قریب تر لفظ کی دو قومیں ہیں ۔ بعض لوگ انگریز اور روس کو اس کا مصداق سمجھتے ہیں ۔ اور بعض لوگ ترکمان اور ایرانیوں کو اس کا مصداق جانتے ہیں ۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک قدیم دیوار کی علامت ہے ۔ شاہانِ ایران اور ترکستان میں ہمیشہ جنگیں ہوتی ہیں ۔ افراسیاب اور کے خسرو ، کے کاوس کے قصے مشہور ہیں ۔ چنگیز خان کے زمانے میں جو فسادات اور قتل وکشت ہوا ہے ۔ وہ بھی معلوم ہے ۔ اور بعض لوگ چین و جاپان اور ترکستان کو یاجوج ماجوج کہتے ہیں ۔ اور دیوارِ چین کو سدِ یاجوج و ماجوج ۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں ۔ ان کی تعیین سے ہماری کوئی اسلامی غرض متعلق نہیں ۔

آگے رکوع ۱۱ آیت ۱۶ کے تحت لکھتے ہیں :

صاحبو ! اس رکوع میں ایک سردار یعنی بادشاہ کا ذکر ہے ۔ جس نے بہت سے ممالک فتح کئے تھے مشرقی جانب کے بھی اور مغربی جانب کے بھی ۔ یہ بادشاہ ایک مقام میں پہنچا ، جہاں دو قومیں آپس میں لڑتی جھگڑتی تھیں ۔ لوگوں کی تحریک پر بادشاہ نے ایک پختہ مضبوط دیوار بنادی کہ نہ مفسدین اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں سوراخ ڈال سکتے تھے ۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ آپس کی لڑائی جھگڑے دفع نہ ہوسکیں تو بیچ میں دیوار بنالیں ۔ جرمنی نے ریگفریڈ دیوار بنائی فرانسیسیوں نے میجنو (Maginot) لائن ۔ یہ اشارہ ہے اس بات پر کہ مفسدین سے بچنے کے لئے اپنی سرحد جدا جدا کرلیں ۔ مگر جب وقت آیا تو نہ دیوارِ چین نے کام کیا نہ دیوارِ ایران نے اور نہ زیگفریڈ لائن (Siegfred line) اور نہ میجنو لائن نے ۔ قرآن شریف تذکرہ ہے ، یاددھانی ہے ۔ رہنمائی ہے ۔ مواعظ و نصائح ہے ۔ تاریخی کہانیوں سے ہم کو کوئی مطلب نہیں ۔ اصل مسئلہ تو نصیحت دلانا ہے فاعتبروا یآ اولی الابصار پر عمل کرنا ہے ۔ اپنے تخیلات ، استنباطات ، واہی تباہی کہانیوں کو اصل قصے ، من گھڑت باتوں کو قرآن سے متعلق کرنا اور سمجھنا کہ یہ قرآن میں ہے ۔ قرآن اس سے پاک ہے ۔ تمہارا خیال تم کو مبارک ۔ تمہاری خیالی تحقیقات قرآن نہیں ہوسکتی ۔ اور تمہاری رائے اور میری رائے غیر قطعی ہے ۔ قرآن قطعی ہے ۔ علماء اپنے دل سے تعینات کرتے ہیں ۔ اور لڑتے ہیں ۔ ہم کو متعین کرنے کی ضرورت نہ قرآن کی طرف متوجہ کرنے کی حاجت ۔ اکثر لوگ بنی اسرائیل کے قصوں اور دوسرے واہی تباہی کہانیوں کو تفسیروں میں لکھ دیتے ہیں ۔ اور قرآن کو ان پر منطبق کرنا چاہتے ہیں ۔ جب پورے منطبق نہیں ہوتے تو پریشان ہوجاتے ہیں ۔ ہم کو ان سب جھگڑوں کی حاجت نہیں ۔ ہم قرآن کے مطلق کو کبھی کسی سے مقید نہیں کریں گے ۔ قرآن کسی خاص زمانے کے لئے نہیں ۔ قیامت تک وہ واجب العمل ہے ۔ ہر زمانہ میں وہ شمع ہدایت کا کام دیتا ہے ۔ ان هٰذه تذكرة فمن شآء ذكره ۔

۱۰ ۔ فانک لاتسمع الموتىٰ ولا تسمع الصم الدعآء اذا ولوا مدبرين ○ الروم آیت ۵۲

فانک لاتسمع الموتىٰ تم ان مردہ دلوں کو سنا نہیں سکتے ولا تسمع الصم الدعآء اور ان بہروں کو پکار کر نہیں سنا سکتے صم جمع اصم بہرا ۔ اذا ولوا مدبرين ۔ جب پیٹھ پھیر کر چل دیں ۔

ترجمہ :۔ بے شک تم مردوں کو سنا نہیں سکتے ۔ بہروں کو پکار کر سنا نہیں سکتے جب پیٹھ پھیر کر چلدیں ۔

صاحبو ! یہاں موتیٰ سے مراد ، مردہ دل ہیں ۔ اور صم سے مراد ناحق شناس ہیں ۔ جو سچی بات سننے کے روادار نہیں ۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبرستان پر جاؤ تو کہو السلام علیکم یا اهل القبور انتم سلف و نحن خلف وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون ۔ اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنگِ بدر میں کافروں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لستم باسمع منهم یعنی تم ان مردہ کافروں سے زیادہ نہیں سنتے ۔ معراج شریف میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبروں سے ملاقات کی ۔ ان سے گفتگو کی ۔ ان سے کہا ان کی سنی ۔ سمع موتیٰ منکرِ حقیقتِ روح سے ناواقف مادہ پرست موحد ہوتے ہیں ۔ یہ نادان یارسول اللہ کہنے کو شرک سمجھتے ہیں ۔ یہ احادیث سے بالکل نابلد ہیں ۔ ترمذی کی حدیث میں ہے ۔ یا سیدنا یامحمد انا نتوسل بک الی ربک فاشفع لنایانعم الرسول الطاھر اللھم شفعه فینا بجاھه عندک یہ نادان مسلمانوں کو مشرک کہہ کر خود مشرک بنتے ہیں کیونکہ عمل اور ردِ عمل برابر ہوتا ہے ۔

(یہ بے روح موحد اسی قبیل کی تمام آیتوں کو جس کے مخاطب کفار ہیں ، مختلف آیتوں میں تطبیق دینے کا حوصلہ نہ ہونے اور بزرگانِ دین کی عداوت کی بناء پر مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں اور بزرگانِ دین جو محبوبانِ خدا ہیں ان سے جاہلوں ، کم فہموں کو دور کردینے کے لئے دھوکہ دیتے ہیں ۔ تفسیر میں ایسی تمام آیتوں کے لئے حضرت مسلمانوں کو ہوشیار کرتے جاتے ہیں (للمرتب)

۱۱ ۔ ووجدک ضالا فھدی (والضحیٰ آیت ۷)

ووجدک اور تم کو پایا ۔ ضالا سرگشتہ شوق ، وارفتہ محبت ۔ مستغرقِ عشق والفت ۔ امرا القیس عنترہ کے متعلق کہتا ہے فی ضلال مضلل یعنی سربسر مبتلائے الفت ہوں ۔ ف ۔ پس ، پھر ۔ ھدی ہدایت کی ۔ راستہ بتایا ۔ منزلِ مقصود کو پہنچایا ۔ یعقوب علیہ السلام کو آپ کے صاحبزادے کہتے تھے ۔ انک لفی ضلالک القدیم ۔ آپ تو اپنی اسی پرانی محبت میں سرگشتہ ہیں ۔ یعنی یوسف علیہ السلام کی الفت ابھی اس درجہ باقی ہے ۔

(بین السطور ترجموں میں اس آیت کے اس طرح ترجمے ملتے ہیں اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی ۔ اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلایا ۔ اور پایا تجھ کو بھٹکتا اور راہ دی ۔ حضرت کا ترجمہ ملاحظہ ہو ۔ للمرتب)

ترجمہ : اور تم سرگشتہ محبت تھے (غار حرا میں بیٹھ کر یادِ الٰہی میں منہمک تھے) پس ہم نے تم کو (اپنا) راستہ (آپ) دکھلایا ۔ (وحی سے سرفراز کیا اور تم پیغمبر بنے)

۱۲ ۔ لکم دینکم ولی دین (الکافرون آیت ۶)

دین کے دو معنی ہیں (۱) اطاعتِ مذہبی (۲) جزا ۔ مالک یوم الدین کے معنی ہیں روز جزاء کا مالک لکم دینکم تم کو تمہارے اعمال کی سزا ملنے والی ہے ولی دین اور مجھ کو میرے اعمال کی جزاء ملنے والی ہے ۔

ترجمہ : ۔ تم کو تمہاری (بت پرستی کی) سزا ہوگی (اعمال بد کا بدلہ لے گا) اور مجھ کو میری (خدا پرستی اور نیک اعمال کی) جزا ملے گی ۔

صاحبو ! بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے ۔ کیونکہ یہ لوگ اس آیت کے یہ معنیٰ سمجھتے ہیں کہ تم کو تمہارا دین مبارک اور ہم کو ہمارا دین مبارک ۔ نہ تم ہم سے لڑو اور نہ ہم تم سے لڑتے ہیں ۔ مدینہ میں کافروں سے جنگ لڑنے کی اجازت مل گئی تھی ۔ لہذا یہ آیت جس سے صلح نکلتی ہے منسوخ ہے ۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اول تم نے دین کے معنی یہاں مذہب کے لئے ہی کیوں ؟ کہ آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت پڑی ۔ صحیح معنی یہی ہیں کہ تم کو تمہارے اعمال کی سزاء اور ہم کو ہمارے اعمال کی جزا ملنے والی ہے ۔ یہ حکم نہ منسوخ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ۔ ہر شخص کے ساتھ اس کے افعال کے آثار لپٹے ہوئے رہتے ہیں ۔ لہذا ہر عمل کی جزا مل کر رہے گی ۔ ہمارے پاس قران کی کوئی آیت منسوخ نہیں ۔

خدمتِ حدیث وفقہ

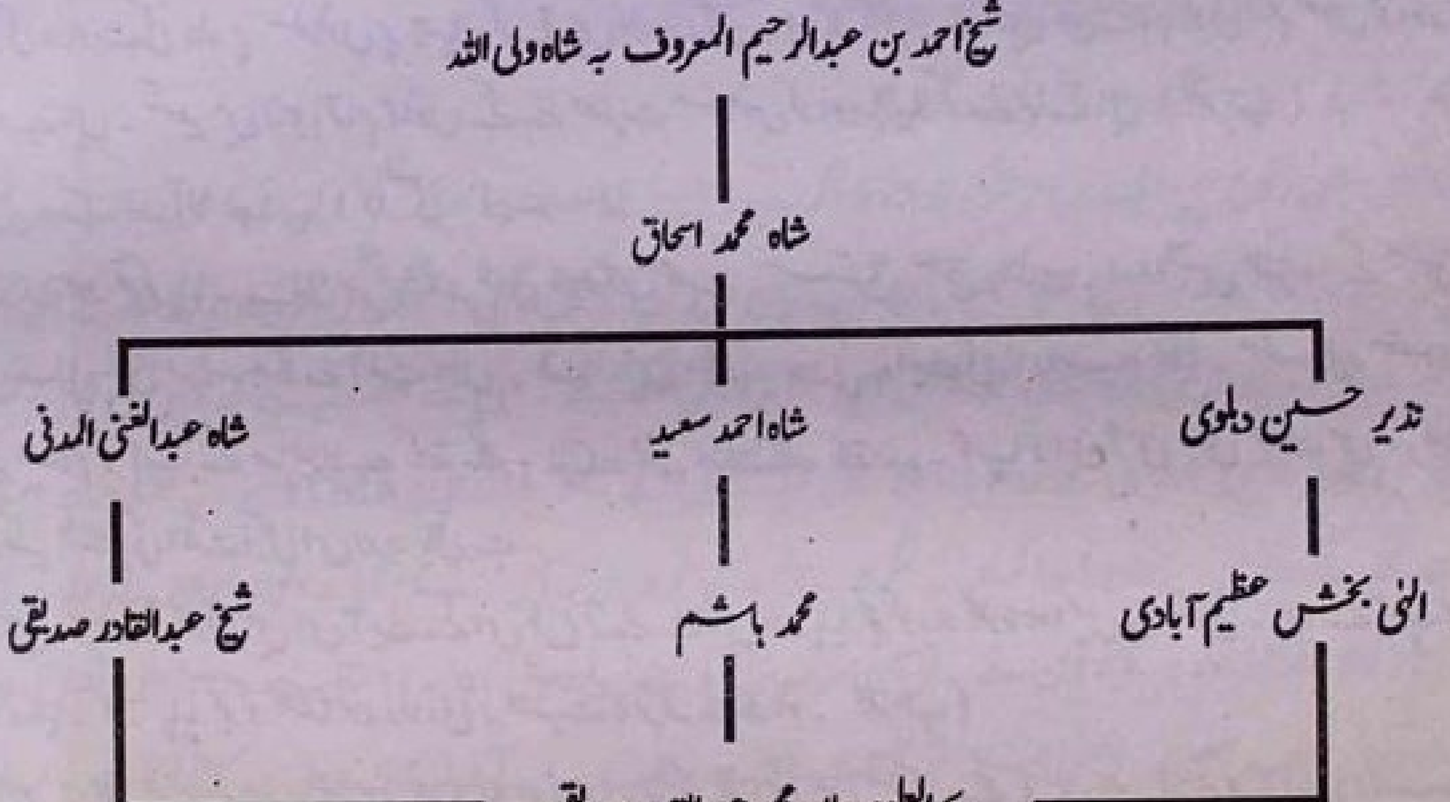
حضرت کے صحیح البخاری کے تین اساتذہ تھے جن سے حضرت نے صحیح البخاری پڑھی اور روایت حاصل کی۔

۱۔ مولانا الٰہی بخش عظیم آبادی

۲۔ مولانا محمد ہاشم

۳۔ حضرت کے والد ماجد مولانا شیخ عبدالقادر صدیقی

اور تینوں اساتذہ کی روایت کا سلسلہ حضرت شیخ احمد بن عبدالرحیم المعروف بہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے جاملتا ہے۔



حسبِ ذیل کتب احادیث کی روایت حضرت الشیخ ابو الطاہر سے حاصل فرمائی تھی

۱۔ صحیح مسلم ۲۔ سنن ابوداؤد ۳۔ سنن صغریٰ للنسائی

۴۔ جامع الترمذی ۵۔ سنن ابن ماجہ ۶۔ مؤطا امام مالک۔

حضرت نے فرمایا - جو حدیث پڑھنا چاہے اس کو چاہیئے کہ پہلے فقہ پڑھے۔

حضرت کے اس طرح فرمانے اور توجہ دلانے کا مقصد یہ ہے کہ صرف حدیث پڑھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حدیث کے معنیٰ معلوم ہونا پڑتا ہے۔ حدیث کے معنی معلوم کرنے کے لئے فقہ کی احتیاج ہے۔ اگر آدمی بغیر فقہ پڑھے صرف حدیث پڑھ کر عمل کرنے لگے تو وہ معنی سے ناواقفیت کی وجہ سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کردے گا۔ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

حضرت نے متنبہ فرمایا - بے تحقیق باتیں ہرگز نہ کرنی چاہئیں۔ تحقیقات کون کرے گا؟ مجتہد کرے گا۔ جسے خدا نے قرآن و حدیث کے اغراض و مقاصد سے واقفیت دی۔

حضرت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔ " یہ ایک طبعی بات ہے کہ نادان دانا سے ، جاہل عالم سے پوچھتا ہے اور اس کے کہے پر اعتماد کرتا ہے ۔ اور حکم بھی یہی ہے فاسئلوآ اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون ۔ اہلِ علم سے سوال کرو اگر تم کو معلوم نہ ہو ۔ دیکھو ! اسئلوا امر ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے ۔ حضرت صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں ۔ الا سئلوا اذالم یعلموا فانما شفاء العی السؤال ۔ کیوں نہیں سوال کیا جب جانتے نہ تھے ۔ عاجز و ناواقف کا علاج سوال ہی ہے ۔ دیکھو ! ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے ۔ ماہرِ فن پر اعتماد کرتے ہیں ۔ جب تک خود کو مہارت نہ ہو دوسرے کی تقلید کرتے ہیں ۔ مشکلات پیش آتے ہیں اور خود کو عاجز پاتے ہیں تو مجبوراً تقلید کرنی پڑتی ہے ۔ بے علمی پر خود مختاری تباہی کا موجب ہوتی ہے ۔ دیکھو ! حساب معمولی فن ہے مگر ایک زمانے تک کسی استاد کے زیر تعلیم رہتے ہیں اور وہ جوابات کی غلطی بتلاتا رہتا ہے تو کہیں صحیح جواب لکھنا نصیب ہوتا ہے ۔ ضروری و موقوف علیہ علم تو کچھ بھی نہیں ۔ اور آزادی ، ذاتی رائے کا ادعا اچھے آدمی کا کام نہیں ۔ عربی کی چار سطریں صحیح نہیں پڑھ سکتے اور بن گئے اہلِ حدیث ۔ کسی ناقص نے کہہ دیا حدیث میں اس طرح آیا ہے ۔ بس اس پر اعتماد کر لیا ۔ نہ تحقیق نہ تدقیق آخر تقلید کس ہوّے کا نام ہے ۔ دوسرے پر اعتماد کرنا ہی تو تقلید ہے

حضرت اپنی کتاب الدین کی شرح اور ترجمہ باب کتابۃ الحدیث کے تحت لکھتے ہیں ۔

" صاحبو ! آج کل اہلِ قرآن پیدا ہوئے ہیں ۔ جو احادیثِ نبوی کو نہیں مانتے ۔ میں ان سے پوچھتا ہوں ۔ جب آپ حدیث کو نہیں مانتے تو نماز کس طرح پڑھو گے ؟ قرآن میں تو صرف " صلوا " ہے ۔ " اسجدو " ہے ۔ کیا سجدہ پہلے ہے یا رکوع و قیام پہلے ہے ۔ یہ سب چیزیں احادیثِ رسولؐ سے معلوم ہوتی ہیں ۔ یہ بھی یاد رکھو ! کہ متواتر کی دو قسمیں ہیں ۔ متواتر باللفظ ۔ جس کے الفاظ میں کچھ کمی زیادتی کچھ تغیر نہیں جیسے من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار کہ اس کے جھوٹ ہونے پر کوئی اتفاق نہیں کر سکتا ۔ اور سب کے سب انہی الفاظ میں اس حدیث کو بیان کرتے ہیں ۔ اور روایت متواتر بالمعنے بھی ہوتی ہے ۔ جس کے الفاظ میں کچھ کمی زیادتی ہوتی ہے مگر معنیٰ ایک ہی رہتا ہے انما الاعمال بالنیات ۔ طریقہ صلوٰۃ ، طریقہ حج کی حدیثیں ۔

یاد رکھو ! حدیث کے معنیٰ کیا ہیں قول و فعلِ رسولِ مقبولؐ جو یہ کہتے ہیں کہ " میں حدیث کو نہیں مانتا " ۔ وہ حقیقت میں یہ کہتا ہے کہ میں قول و فعلِ رسولؐ کو نہیں مانتا ۔ ظالم جب تو قول و فعلِ رسولؐ کو نہیں مانتا تو ، تو رسولِ مقبول کو نہیں مانتا ۔ تجھے اسلام سے کیا غرض ۔ تو حدیث سے نہیں بھاگتا ، ایمان سے اسلام سے بھاگتا ہے ۔ تجھے کیا حق ہے کہ خود کو مسلمان کہے ۔

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کو بھی برائے نام مانتے ہیں ۔ حقیقت میں ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا جو قرآن کی آیت ہے اسے نہیں مانتے ۔

خواہ مخواہ احادیثِ رسولؐ سے انکار کر کے قرآن کو ماننے کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے ۔ ایسا کیوں کیا جاتا ہے ؟ قرآن کے من مانے معنی پیدا کرنے کے لئے ۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے ! کہ قرآن کی شرح حدیث ہے ۔ اور حدیث کے ذریعہ قرآن پر عمل کرنا آتا ہے ۔ میں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ بلاتشبیہ قرآن بمنزلہ " تعزیراتِ ہند " کے ہے اور حدیث بمنزلہ " ضابطہ فوجداری " کے ۔ جب تک ضابطہ فوجداری سے واقفیت نہ ہو " تعزیراتِ ہند " پر عمل نہیں ہو سکتا ۔ اسی طرح جب تک حدیث شریف کا علم نہ ہو قرآن پر عمل ممکن نہیں تم

سے تو وہ صاف صاف کہنے والے پیش پا ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ " تیرہ سو برس کا اسلام قابلِ ترمیم ہے ۔ اور ہر جگہ ایک پیغمبر پیدا ہو رہا ہے ۔ ان لوگوں کو اسلام سے کیا غرض " انتہیٰ ۔

حضرت نے اجمالی طور پر بلا تشبیہ قران کو بمنزلہ " تعزیراتِ ہند " اور حدیث کو بمنزلہ " ضابطہ فوجداری " جو مثال دی ہے اگر اس کی تفصیل کی جائے تو حسبِ ذیل امور سامنے آتے ہیں ۔

فقہِ اسلامی میں احکامِ شرعیہ کا پہلا ماخذ اور سرچشمہ قرآن ہے

جو اسلامی قانون کا اصل الاصول اور شریعت کی بنیاد ہے ۔ جس طرح حضرت نے مثال دی بمنزلہ " تعزیراتِ ہند " کے ہے ۔ یعنی اس میں منصوص احکام کا بیان مجملاً ہے ۔ جس طرح حضرت نے اوپر فرمایا اس میں بھی امر و حکم ہے صلوا ہے ۔ اسجدوا ہے ۔ وارکعوا ہے ۔ یعنی نماز کی کیفیت و ہیئت وغیرہ کی تفصیلات موجود نہیں ۔ سنتِ رسولؐ نے ان کی تفصیلات بیان کی ہیں ۔

اسی طرح قرآن نے وفائے عہد کا حکم دیا ہے ۔ بیع کے حلال ہونے اور ربوٰ کی حرمت کی صراحت کی ہے ۔ مگر یہ سب اجمالی طور پر ۔ وہ تفصیلات نہیں بتائیں جن سے معلوم ہو کہ صحیح معاہدات کی نوعیت کیا ہوتی ہے ۔ معاہدات کی وہ کونسی شکلیں ہیں جن کی پابندی ضروری ہے ۔ اور کس قسم کے عہد و پیمان ، باطل و فاسد شمار ہوتے ہیں ۔ اسی طرح بیع و شراء کے انواع کی تفصیل اور ربوٰ کی شکلیں قرآن میں موجود نہیں ۔ ان تمام کی تفصیل کو اس لئے سنت پر چھوڑ دیا ۔ معاملات ، سیاسی نظم اور اجتماعی زندگی سے متعلق قرآنی نصوص کا اس طرح کا اجمال ، احکام کے بیان میں عظیم مصلحتیں رکھتا ہے ۔ چونکہ قرآنی احکام زمانے کے ہر دور کے لئے ہیں لہذا قرآن میں ان اصول و کلمات پر اکتفا کیا گیا ہے جن کے دامن میں قیامت تک ہونے والی جزئیات و تفصیل سمٹی ہوئی ہیں تاکہ ہر دور میں اقتضاءات و مصالح پر قرآن کے اجمالی نص کے مختلف احتمالات منطبق ہوتے چلے جائیں ۔ باوجود قرآنی نصوص کے اس اجمال سے فائدہ اٹھانے کے ، انسان سنتِ رسول سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن کی یہ اجمالی نصوص بجائے خود ہمیں سنتِ نبویہ کا محتاج ٹھیراتی ہیں ۔ اور ساری تفصیلات کو سنتِ نبویہ کے حوالہ کرتے ہوئے ہر معاملہ میں اس کی اقتداء اور اطاعت کا یہ حکم دے کر پابند کر دیا کہ ما اتکم الرسول فخذوہ ومانھٰکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ○

یعنی جو چیز پیغمبر تم کو دے دیا کریں وہ تو لیا کرو ۔ اور جس چیز سے منع کریں اس سے دست کش رہو ۔ اور ڈرتے رہو ، خدا کی مار سخت ہے " ۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنتِ نبویہ دراصل کلیدِ قرآن ہے ۔

ماخذِ قانون ہونے میں سنت کا درجہ قرآن کے بعد ہے

اس لئے سنت کی حیثیت قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اشکال کی توضیح و تفسیر وغیرہ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نے حدیث کو " ضابطہ فوجداری " سے مثال دی ۔ اور فرمایا کہ " جب تک ضابطہ فوجداری سے واقفیت نہ ہو تعزیراتِ ہند پر عمل نہیں ہو سکتا ۔ اسی طرح جب تک حدیث شریف کا علم نہ ہو قرآن پر عمل ممکن نہیں " ۔

قرآن سے مرتبہ میں موخر ہونے کے باوجود ایک حجت سے سنت بجائے خود ایک مستقل ماخذِ تشریع ہے کیونکہ سنت میں ایسے احکام بھی وارد ہوئے ہیں جن پر قرآن خاموش ہے ۔

چنانچہ حضرت نے اپنی کتاب "الدین" میں ایک مستقل باب "احادیثِ نبوی اور ان کی نقل کا بیان" قائم فرماکر حسب ذیل آیاتِ قرآنی اور احادیث سے استدلال فرمایا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ ما اتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا۔ (۲۸ الحشر۔ آیت ۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پیغمبر تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو۔

و قال اللّٰہ تعالیٰ ما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحیٰ۔ (الاحزاب)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہ (پیغمبر) اپنی ذاتی خواہش سے کچھ نہیں کہتا ہے وہ صرف وحی ہے جو خدا کی طرف سے کی جاتی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ البتہ تحقیق کہ تمہارے لئے رسول اللہ میں بہتر نمونہ ہے (جس کے مطابق عمل کیا جانا چاہیئے)

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم نضر اللّٰہ امرء سمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعیٰ من سامع۔ (اخرجہ الترمذی و صحہ ۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا سرسبز اور تروتازہ رکھے اس شخص کو جس نے ہم سے کچھ سنا پھر اس کی تبلیغ کی دوسروں کو پہنچایا۔ ایسا ہی بلا کم و کاست جیسا کہ اس نے سنا۔ پھر بہت سے تبلیغ کرنے والے دوسروں کو کہنے والے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں اس شخص سے جس نے پہلے سنا"۔

عن ابی رافع قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امر مما امرت بہ اونھیت عنہ فیقول لا ادری ماوجدنا فی کتاب اللّٰہ اتبعناہ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ و البیھقی فی دلائل النبوۃ۔ مشکوٰۃ)

حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے میں کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اپنے صوفہ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے جس کا میں نے حکم کیا ہے یا جس سے منع کیا ہے۔ پھر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ جو کتاب اللہ میں ہے ہم اس کی اتباع کریں گے"۔

عن المقدام بن معدیکرب قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم الا انی اوتیت القران و مثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علیٰ اریکتہ یقول علیکم بھذا القران فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ

حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہا انہوں نے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ہاں! میں قرآن دیا گیا ہوں اور اتنے ہی اور احکام اُس کے ساتھ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا آدمی اپنے صوفہ پر بیٹھا ہوا اور وہ کہہ بیٹھے

و ما وجدتم فيه من حرام فحرموه و انما حرم رسول الله كما حرم الله الا لايحل لكم الحمار الاهلي ولا كل ذي ناب من السباع ولا لقطة معاهد الا ان يستغني عنها صاحبها۔ ومن نزل بقوم فعليهم ان يقروه فان لم يقروه فله ان يعقبهم بمثل قراه (رواه ابوداؤد وروى الدارمي وكذا ابن ماجه الى قوله كما حرم الله۔ مشكوٰة)

تمہیں یہ قرآن بس ہے اس میں جسے حلال بتایا گیا ہے اسے حلال سمجھو اور اس میں جسے حرام بتایا گیا ہے اسے حرام سمجھو۔ اور یہ بھی سمجھو کہ اللہ کے رسول نے جس چیز کو حرام کیا وہ ایسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کردہ ہو ہاں تمہیں حلال نہیں ہے شہری گدھا (اس کے مقابل وحشی گدھا یعنی گورخر ہے) اور کونچلیاں والا درندہ اور نہ کسی ہم عہد اور ذمی کی پڑی ہوئی چیز (راستہ میں) مگر یہ کہ وہ اس قدر خفیف (کم قیمت ہو) کہ اس کے مالک کو اس کی پرواہ نہ ہو۔ اور جو کسی قوم کے پاس اترے۔ اس قوم پر ضروری ہے کہ مسافر کی مہمانی کرے۔ اگر وہ مہمانی نہ کرے تو اسے حق ہے کہ اس کا تعاقب کرے یعنی اس سے دعوت (مہمانی) کا مطالبہ کرے "۔ (روایت کیا اسے ابوداؤد اور دارمی نے بھی اسی طرح روایت کی۔ اور اسی طرح ابن ماجہ نے۔ شروع سے حرم اللہ کے الفاظ تک)۔

عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لايؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به۔

(رواه في شرح السنة۔ مشكوٰة)

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کوئی ایماندار نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کی خواہش تابع نہ ہوجائے اس حکم کے جسے میں لایا ہوں۔ انتہیٰ۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سنت باوجود مستقل ماخذِ تشریع ہونے کے قرآن ہی کے تابع ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کا بیان و تفسیر ہونے کے علاوہ ان مقامات پر بھی قرآن کے مبادی اور اس کے قواعدِ عامہ سے ہرگز متجاوز نہیں ہوتی جہاں قرآن خاموش ہے اور سنت سے کوئی حکم معلوم نہیں ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارا فہم اور ہماری نظر اتنی دقیق نہیں کہ اس کے مرجع تک پہنچ سکے یعنی قرآن کے کس کلیہ سے اخذ کر کے وہ جزئیہ بیان کیا گیا ہے۔ اس اجتہادِ نبوی تک رسائی کے لئے ملکہ نبوت ہی درکار ہوتا ہے۔

ناجی فرقہ

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے گذر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یا اصحابِ رسول سے بالمشافہ استفادہ تو ممکن نہ رہا اور سنت کے جاننے کے لئے اگر کوئی ذریعہ باقی ہے تو وہ روایتیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اس دین میں تہتر (۷۳) مذہب بنائے جائیں گے۔ مگر وہ کل مذہب ناری ہیں اور ناجی ایک ہی مذہب ہے۔ کسی نے پوچھا وہ کونسا مذہب ہے فرمایا۔ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں "

(رواہ الترمذی وفی معناہ رواہ احمد و ابوداؤد) (مشکوٰۃ)

اسی وجہ سے تابعین نے احادیث و اقوال صحابہ کو محفوظ کرلیا تا کہ وہ ناجی مذہب ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔

ابتدائی زمانہ میں اسناد نہیں پوچھی جاتی تھیں۔ جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گوچھ شروع ہوئی۔ اسناد نہ پوچھنے کا زمانہ صحابہ کا تھا۔ چونکہ صحابہ کل عدول ہیں ان کی کوئی خبر غلط نہیں ہوسکتی۔ جو صحابہ تابعین کے زمانے میں تھے وہ خود ممتاز تھے جب وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو ان کی صحابیت خود ایک اعلیٰ درجہ کی سند تھی۔ صحابہ ہی کے زمانہ میں مفسدوں نے تقلیداً قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا شروع کیا تو ان سے اسناد کا مواخذہ کیا جانے لگا اور اسناد کی تحقیق میں نہایت اہتمام تھا تا کہ موضوع حدیثیں شریک نہ ہونے پائیں۔

حضرت نے اپنی کتاب الدین میں ایک باب " روایت کی صحت اور راوی کے سچ ہونے کے باب میں " قائم فرماکر قرآن و حدیث سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ۔ ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا۔ (الحجرت آیت ۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی فاسق بدکار کوئی خبر تمہارے پاس لائے تو تم اس کی تحقیق کرو۔

عن ابی ہریرہ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع۔ (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کو اس کے جھوٹا ہونے میں اتنا بس ہے کہ جو سنے کہنے لگے۔

عن مجاھد قال جاء بشیر العدوی الیٰ ابن عباس فجعل یحدث و یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم و جعل ابن عباس لا یاذن لحدیثہ ولا ینظر الیہ فقال لہ بشیر مالی اراک لا تسمع لحدیثی احدثک عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ولا تسمع فقال ابن عباس اذا کنا مرۃ اذا سمعنا رجلا یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابتدرتہ ابصارنا و اصغینا الیہ باسماعنا فلما رکب الناس الصعبۃ والذلول لم ناخذہ من الناس الاما نعرف۔

(اخرجہ المسلم۔ تیسیر)

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ بشیر عدوی ابن عباس کے پاس آئے اور لگے احادیث بیان کرنے اور کہنے لگے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم (یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے) اور ابن عباس ہیں کہ ان کی حدیث پر کان نہیں دھرتے اور نہ ان کی طرف دیکھتے تو ان سے (ابن عباس سے) بشیر نے کہا کیا بات ہے کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ میری حدیث نہیں سنتے میں تم سے بیان کرتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی احادیث اور تم ہو کہ نہیں سنتے۔ تو ابن عباس نے فرمایا۔ ہم پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے جب کسی شخص کو کہتے سنا۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم تو ہماری بصارتیں (آنکھیں) ان کی طرف دوڑتیں اور ہم اس کی بات کو کان لگا کر سنتے۔ پھر لوگ سخت اور نرم سب پر سوار ہونے لگے۔ تو اب ہم لوگ سوا اس کے جو ہمارے علم میں ہے کسی حدیث کو لوگوں سے نہیں لیتے۔

" الا ان رحی الا سلام دائرہ قیل فکیف نصنع یا رسول اللہ ، قال اعرضوا حدیثی علی الکتاب فما وافقہ فھو منی و انا قلتہ ۔

(طب و سمویہ من ثوبان ۔ کنز العمال)

فرمایا ۔ خبردار ! بے شک اسلام کی چکی گھومتی ہے یعنی اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے ۔ تو معروضہ کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ پھر ہم کیا کریں ۔ تو حضرت نے فرمایا میری حدیث کا قرآن سے مقابلہ کرو ۔ جو حدیث قرآن کے مطابق ہو ، وہ میری حدیث ہے اور میں نے اسے کہا ہے "۔

سالت الیھود عن موسیٰ فاکثروا فیہ و زادو او نقصوا حتی کفروا و انہ ستفشو منی احادیث فما اتاکم من حدیثی فاقرء واکتاب اللہ واعتبروا فما وافق کتاب اللہ فانا قلتہ وما لم یوافق کتاب اللہ فلم اقلہ ۔

(طب عن ابن عمر)

یہود نے موسیٰ علیہ السلام سے سوالات کئے پھر خوب سوالات کئے ۔ اس میں کچھ بڑھایا کچھ گھٹایا حتیٰ کہ کفر کو پہنچ گئے اور بے شک مجھ سے بھی احادیث فاش اور ظاہر ہوں گی ۔ پھر میری حدیث تمہارے پاس آئے تو قرآن پڑھو اس سے عبرت لو ، اسے سمجھو ۔ پھر جو کتاب اللہ (قرآن) کے موافق ہے اسے میں نے ہی کہا ہے اور جو قرآن کے موافق نہیں ہے اسے میں نے نہیں کہا ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے طبرانی معجم الکبیر میں یہ حدیث مروی ہے ۔

عن ابراھیم بن عبدالرحمٰن العذری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین و تاویل الجاھلین "۔

وروراہ البیھقی فی کتاب المدخل مرسلا

(مشکوٰۃ)

حضرت ابراہیم ابن عبدالرحمٰن العذری سے روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ علم بعد کے ہر طرح کے لوگوں سے حاصل کیا جائے گا ۔ ایسے جو عدل ہیں یعنی لائق اعتماد ہیں ۔ انصاف پرست ہیں ۔ وہ غلو کرنے والوں کی تحریف کی نفی کریں گے ۔ نیز باطل پرستوں کے جھوٹے دعوں کو اور جاہلوں کے من مانے تاویلات کو ۔ (انتہیٰ)

منافقین و زندیقین چنانچہ ایسا ہی ہوا جب روایتیں ہر طرف بکثرت ہونے لگیں تو منافقوں اور زندیقوں کو موقع مل گیا ۔ اور ملتے جلتے مضامین کو حدیثیں بنا بنا کر روایتیں کرنے لگے ۔ تو حفاظت دین کے پیش نظر محدثین نے راویوں کی تحقیق شروع کردی ہزاروں محققین نے شہر بشہر کوچہ بہ کوچہ ان کی تلاش و تفتیش اور ان مفتریوں کی فہرستیں نام بنام اسلامی دنیا میں شائع کیں ۔ ان دشمنانِ دین کا مقصد احادیث گھڑنے سے اس کے علاوہ نہ تھا کہ احادیث میں شبہ ڈالیں ۔ مگر محدثین و محققین نے اپنی کاوشوں سے موضوع حدیثوں کو چھانٹ کر اصل احادیث کو محفوظ کرلیا ۔ جس قدر حدیثیں بنانے میں نالائقوں نے جراءت کی اس سے زیادہ محدثین اور محققین نے احتیاط میں زیادتی کی ۔ اگر کسی سے ایک بات بھی خلاف دیکھتے تو اس کی صحیح حدیثیں بھی ترک کردیتے ۔

حضرت فرماتے ہیں کہ " تنقید کرنے میں صحاح ستہ والے ممتاز ہیں ۔ ان میں بخاری، مسلم کا مرتبہ نہایت اعلیٰ ہے ۔ لاکھوں حدیثوں میں سے چند ہزار حدیثیں روایت کرتے ہیں ۔ مگر یہ بھی یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی جائے اور محدثین نے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ان احادیث کو قبول کریں ۔ چند حدیثوں کے غلط ہونے سے احادیث علی الاطلاق غلط نہیں ہوسکتے "۔

حضرت فرماتے ہیں " اسمائے رجال (یعنی راویوں کے حال) سے واقف ہونا اس اصول پر احادیث نبوی کی جانچ کی جاتی ہے ۔ مگر یہ بھی یاد رکھو : ایک صدقِ راوی ہے اور ایک درایت ہے ۔ آدمی سچا ہے مگر عقل سلیم سے محروم ہے ۔ تاریخی حالات کے نظر کرتے اور دوسرے عقلی تنقیحات سے نیز قرآن شریف یا مشہورات یا مشہور حدیث کے مخالف ہونے سے قبولِ روایت پر اثر پڑتا ہے "۔ منتخی

روایت کے سلسلہ میں مسلمانوں نے جو اہتمام کیا اور ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جو جستجو کی، راویوں کے حالات معلوم کرنے میں مخصوص شرائط کے مدِ نظر جو کدو کاوش کی یہاں تک کہ اس کو ایک مستقل فن کی صورت " فن رجال " کے نام سے دے دی ۔ وہ دیگر اقوام میں مسلمانوں کو امتیاز بخشتا ہے ۔ کسی نبی کے بارے میں یا کسی مذہبی پیشوا کے سلسلہ میں اس قسم کا کام کبھی نہیں کیا گیا جو خاتم الانبیاء کی امت کے افراد نے کیا اس پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے ۔ اور الحمد للہ اسلامی فنِ تاریخ بھی اس سلسلہ میں اپنا ایک امتیازی مقام رکھتا ہے جو دیگر اقوام سے اسلام کو ممیز کرتا ہے ۔

معیار الکلام

روایت اور اقسامِ حدیث کے بارے میں حسبِ ذیل تفصیلات حضرت نے اپنی کتاب " معیار الکلام " میں رکھی ہیں ۔ بغرض استفادہ یہاں ان کو نقل کردیا جاتا ہے ۔

روایت میں امورِ ذیل قابلِ توجہ ہیں ۔

ا ۔ راوی ب ۔ اقسامِ خبر یاسنت ج ۔ باعتبارِ یقین د ۔ باعتبارِ صحت و ضعف ھ ۔ اتصال و انقطاع و ۔ طعن در حدیث ز ۔ جرح و تعدیل ۔

ا ۔ راوی :۔

راوی میں صفاتِ ذیل ہوں ۔

۱ ۔ عقل ۲ ۔ ضبط ۳ ۔ عدالت ۴ ۔ اسلام، امور دینیہ میں

عقل :۔ راوی بالغ صحیح العقل ہو ۔ اگر قبلِ بلوغ واقعہ کا مشاہدہ کرے اور بعدِ بلوغ ادا کرے تو یہ بھی درست ہے ۔ شرع نے عقل کا معیار بلوغ ٹھیرایا ہے ۔

ضبط :۔ راوی کا غور سے سننا، یاد رکھنا، پوری طرح ادا کرنا ۔

عدالت :۔ راوی کا متقی، بامروت، صادق القول ہونا ۔

اسلام :۔ راوی کا خدا اور رسول پر ایمان اجمالی رکھنا ۔

ب ۔ اقسام خبر حدیث و سنت ۔

خبر، سنت، حدیث یہ تینوں لفظ تقریباً ایک ہیں ۔
خبر کی تین قسمیں ہیں، قولی، فعلی، تقریری ۔
۱: قولی ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ۔
۲۔ فعلی ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا ۔
۳۔ تقریری ۔ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا اور آپ نے اس کو برقرار رکھا ۔

ج ۔ باعتبارِ یقین و عدمِ یقین ۔

متواتر ۔ جس کو ہر زمانہ میں اس قدر لوگوں نے روایت کیا ہو کہ عقل ان کے کذب کو باور نہ کرے ۔ حدیثِ متواتر موجب یقین ہے ۔

آحاد ۔ جس کی روایت حد تواتر کو نہ پہنچے ۔ خبر آحاد موجبِ ظن ہے ۔
خبر آحاد کی حسب ذیل قسمیں ہیں ۔
۱۔ مشہور ۲۔ عزیز ۳۔ غریب
۱۔ مشہور یا مستفیض ۔ جس کو ہر زمانے میں تین یا زیادہ راویوں نے روایت کیا ہو ۔
۲۔ عزیز ۔ جس کو ہر زمانہ میں دو (۲) راویوں نے روایت کیا ہو ۔
۳۔ غریب ۔ جس کی روایت کسی زمانہ میں ایک ہی راوی سے ہو ۔

د ۔ باعتبارِ صحت و ضعف ۔

حدیث کی باعتبار صحت و ضعف کے تین قسمیں ہیں ۔
۱۔ صحیح ۲۔ حسن ۳۔ ضعیف

۱۔ صحیح ۔ جس کی سند مصنف سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو ۔ راوی میں پورے شرائط ہوں ۔ ایسی حدیث کو صحیح لذاتہ کہتے ہیں ۔ اگر کچھ قصور ہو اور کثرت طرق سے وہ نقصان پورا ہو جائے تو وہ صحیح لغیرہ ہے ۔

۲۔ حسن ۔ صحیح کی نسبت راوی میں شرائط کی کمی ہو ۔ اور دوسرے طرق سے اس کا تکملہ نہ ہو ۔
۳۔ ضعیف ۔ جس کے راوی میں شرائط میں سے کوئی مفقود ہو ۔

باعتبار عیب کے احادیث حسب ذیل ہیں ۔
۱۔ موضوع ۔ جس کا راوی جھوٹا ہو ۔
۲۔ متروک ۔ جس کا راوی متہم بہ کذب ہو ۔
۳۔ منکر ۔ جس کا راوی غلطی کرنے والا یا غافل، یا کثیر الوہم یا فاسق یا بدعتی ہو ۔
۴۔ معروف ۔ منکر کے مقابل
۵۔ شاذ ۔ وہ جو مستند راویوں کے خلاف ہو ۔

ھ ۔ اتصال و انقطاع :۔

۱ ۔ مرفوع :۔ جو روایت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل پہنچے اور جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل و تقریر مذکور ہو ۔

۲ ۔ موقوف :۔ جو صحابی کا قول ہو ۔

۳ ۔ مقطوع :۔ جو تابعی کا قول ہو ۔

۴ ۔ معلق :۔ ابتداء سے ایک راوی ساقط ہو ۔

۵ ۔ مرسل :۔ جس میں صحابی کا نام چھوٹ جائے ۔

۶ ۔ معضل :۔ جس میں دو راوی ساقط ہوں ۔

۷ ۔ منقطع :۔ جس میں ایک راوی ساقط ہو ۔

امام ابو حنیفہ کے پاس مرسل حدیث بھی قابل استفاد ہے ۔

و ۔ طعن در حدیث (حدیثِ مطعون) :۔

حدیث مطعون کے اقسام حسب ذیل ہیں ۔

۱ ۔ مخالفِ کتاب اللہ ۲ ۔ سنتِ مشہورہ کے خلاف ۳ ۔ حادثہ مشہورہ کے خلاف ۴ ۔ راوی نے بعدِ روایت اس پر عمل نہ کیا ہو ۔

ز ۔ جرح و تعدیل :۔

مزکی یعنی جرح و تعدیل کرنے والا ۔ عالم ، عادل ، منصف اور غیر متعصب ہو ۔

الفاظِ تعدیل :۔ حجت ۔ ثقہ ۔ حافظ ضابط ہیں ۔

اس سے کم درجہ کا لفظ :۔ مامون ۔ صدوق ۔ لاباس ۔ لاحرج ، صلح ، شیخ ، حسن الحدیث ہیں ۔

الفاظ جرح :۔ کذاب ۔ دجال ۔ وضاع

اس سے کم :۔ ساقط ۔ واہی ۔ متروک ۔ لاشی ، ۔ ضعیف ۔ منکر الحدیث ہیں ۔

تعارضِ جرح و تعدیل :۔ جرح و تعدیل میں علماء اختلاف کریں تو جرح معین ، تعدیل سے کم سمجھی جائے گی ۔

بعض کے پاس جرح مطلق کو بھی تعدیل پر ترجیح ہے ۔ (انتہیٰ)

یہ بات پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ محدثین کا انتہائی کام ہے کہ وہ صحیح احادیث کی حفاظت کریں اور کسی دوسرے کے کلام کو حدیث بن جانے نہ دیں ۔ اور فقہاء کا کام ان احادیث صحیحہ میں غور و فکر کرنا ہے ۔

ضبطِ اسانید ، اور تحقیقِ رجال جیسے حدیث کے فنون کو پیش نظر رکھ کر صحیح احادیث فقہا تک پہنچانا یہ محدثین کا کام ہے ۔ فقیہہ ان احادیثِ صحیحہ اور آیاتِ قرآنی کو پیش نظر رکھ کر غور و فکر کرتا ہے اور ہر مسئلہ میں شارع کی مرضی معلوم کرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر محدث فقیہہ نہیں ہوتا ۔ اور ہر فقیہہ کو احادیثِ صحیحہ کے لئے محدثین کی احتیاج ہے اور محدثین کو شارع کی مرضی و مقصود معلوم کرنے کے لئے فقیہہ کی احتیاج ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کے مقابلہ میں فقہا کی تعداد بہت کم ہے ۔

ہر محدث میں اجتہاد کی صلاحیت ہونا ضروری نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ فتویٰ نہیں دیتے تھے ۔ فتویٰ دینے کے لئے مخصوص صحابہ مقرر تھے ۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار خطبہ میں فرمایا کہ ۔ جس کو فقہ کی کوئی بات پوچھنی ہو وہ معاذ (معاذ بن جبل) سے پوچھے ۔

حضرت نے فرمایا ، محدثین جب کسی حدیث کا انکار کرتے ہیں تو اس سے صرف اسناد کا انکار مقصود ہوتا ہے ۔ ان کو اگر فقیہ کسی حدیث کو موضوع کہہ دے اس سے متن حدیث موضوع سمجھا جائے گا ۔

حضرت نے روایت کے لحاظ سے ترجیح کی حسب ذیل صورتیں بیان کی ہیں ۔

۱ ۔ راوی ، ثقاہت ، ضبط ، ورع ، تقویٰ میں جو قوی ہو اس کو مقابل کے راوی پر ترجیح ہے ۔

۲ ۔ بعض کے پاس سندِ عالی یعنی جس سلسلہ سند میں تعداد رواۃ کم ہو ان کو اس روایت پر ترجیح ہے جس میں راوی زیادہ ہوں ۔

۳ ۔ بعض کے پاس راوی کثیر الروایۃ ہو تو اس کو قلیل الروایۃ پر ترجیح ہے ۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ابوہریرہؓ کثیر الروایۃ ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ قلیل الروایۃ ہیں ۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت عمرؓ وعلیؓ و عبداللہ بن مسعودؓ بھی ابوہریرہؓ سے قلیل الروایۃ ہیں

۴ ۔ ماہرِ عربی کو غیر ماہر پر ترجیح ہے کیونکہ وہ روایت کے معنے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے ۔

۵ ۔ حفظِ قلب والے راوی کو کتاب میں لکھ کر یاد رکھنے والے پر ترجیح ہے ۔

۶ ۔ بعض کے پاس اکابرِ صحابہ کی روایت کو دوسروں کی روایت پر ترجیح ہے ۔

۷ ۔ سننے کے وقت جو راوی حضرتؐ سے قریب رہتا تھا اس کو بعید پر ترجیح ہے ۔

۸ ۔ جس نے بحالتِ بلوغ و اسلام سنا ۔ اس کو اس شخص پر ترجیح ہے جس نے بحالت کفر یا صغر سنی سنا ہو ۔

۹ ۔ اگر مقدم الاسلام کو پھر حدیث سننے کا موقع نہ ملے تو متاخر الاسلام کو ترجیح ہے ۔

۱۰ ۔ مسند و معنعن کو مرسل پر اور قطعی الاسناد کو محتمل الاسناد پر ترجیح ہے ۔

۱۱ ۔ مردوں کو مردوں کے ساتھ خاص امور میں ، عورتوں کو عورتوں کے ساتھ خاص امور میں ترجیح ہے ۔

۱۲ ۔ جس کا رفع قطعی ہو اس کو اس حدیث پر ترجیح ہے جس کا رفع مختلف فیہ ہو ۔ مگر یہ کہ جہاں رائے کو مداخلت نہ ہو تو وہاں وہ بھی وقعت میں بمنزلہ رفع کے ہے ۔

۱۳ ۔ جرح و تعدیل میں اختلاف ہو تو جرح کو ترجیح ہے ۔ منتہیٰ (معیار الکلام)

قرآن و حدیث کے بعد فقہ کا تیسرا ماخذ اجماع ہے

حضرت فرماتے ہیں ، ضروریات دین تین امور ہیں ۔ ۱ ۔ قرآن شریف کا مفہوم بشرطیکہ نصِ صریح ہو اور ناقابلِ تاویل ہو ۔ ۲ ۔ حدیثِ متواتر ۳ ۔ اجماعِ قطعی

حضرت نے اپنی کتاب " معیار الکلام " میں اجماع کے بارے میں حسبِ ذیل تفصیلات بیان فرمائی ہیں ۔

اجماع :-

امتِ محمدی میں سے ان تمام لوگوں کا جو اس کے اہل اور صائب رائے ہیں کسی ایک زمانہ میں کسی امر پر اتفاق کرلینا۔ بعض کی رائے ہے کہ عقلیات میں اجماع کوئی چیز نہیں۔ بعض کی رائے میں اجماع سے ظنی امر قطعی ہوجاتا ہے۔ غیب کی باتوں پر اجماع کوئی شئے نہیں۔

حکمِ اجماع :-

اجماع بذاتہ کوئی شئے نہیں۔ مگر اجماع سے ظنی امر قطعی ہوجاتا ہے۔ اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔

رکنِ اجماع :-

جن چیزوں سے اجماع مرکب ہوتا ہے۔

رکنِ اجماع کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اجماعِ عزیمت ۲۔ اجماعِ رخصت

اجماعِ عزیمت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اجماع بہ قول ۲۔ اجماع بہ فعل

اجماع بہ قول: زبان سے تمام اہلِ اجماع کا اتفاق کرنا۔

اجماع بہ فعل: تمام اہلِ اجماع کا اس کام کو اختیار کرنا۔

اجماعِ رخصت: بعض آدمی کسی قول و فعل پر زبان سے اتفاق کریں اور باقی خاموش رہیں رد نہ کریں۔ اس کو اجماع سکوتی بھی کہتے ہیں۔

امام شافعیؒ کے پاس سکوت ایسا ہو کہ جو رضامندی پر بہ قرائن دلالت کرے۔

اہلیتِ اجماع :-

اجماع کرنے والے ایسے مجتہد ہوں جو فاسق بدعتی نہ ہوں۔

مراتبِ اجماع باعتبارِ تعین و ظن چار ہیں۔

۱۔ اجماعِ قطعی موجبِ تکفیر: مثلاً صحابہ کا اجماع۔ ایسے اجماع کا انکار قریب بہ کفر ہے۔ کیونکہ یہ ایک طور سے ضروریاتِ دین کا انکار ہے مثلاً خلافتِ سیدنا صدیق اکبر، ابوبکر پر صحابہ کا اجماع ہے۔

اطلاع :-

لزومِ کفر سے آدمی کافر نہیں ہوتا بلکہ التزامِ کفر سے کافر ہوتا ہے۔

لزومِ کفر:- کسی ایسی بات کا قائل ہونا جو موجبِ کفر ہے، مگر وہ اس کو کفر نہیں سمجھتا بلکہ وہ تاویل کرتا ہے۔

امام غزالیؒ اور دیگر ائمہ نے باوجود وجہ قریب کے ممکن رہنے کے وجہ بعید سے تاویل کرنے پر تکفیر کی ہے۔

التزامِ کفر: بغیر تاویل کے انکار کرنا، احکامِ الٰہی کو نہ ماننا اور ان سے انکار کرنا یہ بے شک صریح کفر ہے۔

۲۔ اجماعِ قطعی غیر موجبِ تکفیر:- جیسے بعض صحابہ نے اجماع بقول اور نص کیا ہو اور دوسروں نے سکوت کیا ہو۔

یعنی صحابہ نے اجماع سکوتی کیا ہو ۔ ایسا اجماع گو قطعی ہے مگر موجبِ تکفیر نہیں ۔ ہاں وہ اجماع موجبِ تکفیر ہے جس کو صحابہ نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو ۔

۳ ۔ اجماع موجبِ طمانیت :۔ وہ اجماع جو عصرِ صحابہ کے بعد ہوا ۔ ایسا اجماع موجبِ طمانیت ہے بشرطیکہ اس حکم کے متعلق زمانہ صحابہ میں کوئی اختلاف نہ گزر چکا ہو ۔ ایسے اجماع کا منکر نہ گمراہ نہ کافر ۔ کیونکہ مسلمان پھیل گئے ہیں ان سب کا اجماع کارے دارد ۔

۴ ۔ اجماع موجبِ ظن :۔ مختلف فیہ مسائل میں تمام مجتہدین کا ایک فعل پر اجماع کرلینا ایسا اجماع حجتِ ظنی ہے ۔

شروطِ اجماع :۔

جس زمانے میں مجتہدین کسی حکم شرعی پر اتفاق کریں وہ اس اجماع کا زمانہ کہلاتا ہے ۔

اجماع کے تحقیق کے بعد کسی مجتہد کا رجوع قابل اعتبار نہیں ۔

اہلِ اجماع کے لئے کوئی تعداد معین شرط نہیں ۔

نقلِ اجماع :۔

نقلِ اجماع کی تین قسمیں ہیں :۔

۱ ۔ بطریقِ متواتر ۲ ۔ مشہور ۳ ۔ آحاد

اجماع بطریقِ متواتر قطعی ہے ۔ اور اس پر علم و عمل واجب ہے ۔

اجماع بطریقِ مشہور ۔ اجماعِ متواتر کے قریب ہے ۔

اجماع بطریقِ آحاد ۔ موجب عمل ہے موجبِ علم و یقین نہیں ۔

سندِ اجماع :۔

اجماع کے لئے سند ضروری ہے کیونکہ کوئی حکم بغیر دلیل کے صحیح نہیں ۔

سندِ اجماع یعنی ماخذِ اجماع ۔ قرآن ، حدیث ، قیاس ہے ۔

فائدہ اجماع :۔

اجماع یقینی کو تاکیدی اور ظنی کو یقینی کر دیتا ہے ۔

فائدہ :۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ کسی ایک مسئلہ پر اجماع ثابت کرنا بڑا دشوار کام ہے ۔

اجماعِ مرکب :۔

اجماع مرکب کو عدم القول بالفصل اور عدم القائل بالفصل بھی کہتے ہیں ۔ وہ اس طرح کہ ، مسئلہ میں دو قول ہوں تو تیسرے قول کے نہ ہونے پر گویا اجماع ہوگیا ۔

اثبات احکام کے لئے اجماع کے ایک حجت و سند کی حیثیت کے رکھنے کے ثبوت کے طور پر حضرت نے اپنی کتاب " الدین " میں باب الاجماع واتباع السواد الاعظم کے عنوان کے تحت آیت قرآنی اور احادیث پیش فرمائی ہیں جو ایک حیثیت سے شرعی دلیل ہیں ۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ کنتم خیرامة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر۔ (ال عمران)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ "تم لوگ بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کے لے منتخب کئے گئے ہو۔ اچھی بات کا تم حکم دیتے ہو اور قابلِ انکار بات سے منع کرتے ہو۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم ان اللّٰہ لایجمع امتی او قال امة محمد علےٰ ضلالة وید اللّٰہ علےٰ الجماعة ومن شذ شذ فی النار (رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ)

کہا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک اللہ میری امت کو یا یہ فرمایا کہ "امت محمد کو گمراہی پر مجتمع اور متفق ہونے نہیں دیتا۔ اور خدا کا زور اور اس کا ہاتھ جماعت پر رہتا ہے اور جو جماعت سے علٰحدہ ہوگیا وہ دوزخ کے حوالے ہوگیا۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار۔

(رواہ ابن ماجہ من حدیث انس۔ مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگو! تم بڑی جماعت کے تابع رہو کیونکہ جو شخص اس سے (یعنی سوادِ اعظم سے) علٰحدہ ہوگیا وہ دوزخ میں گیا۔

وعن معاذبن جبل قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم ان الشیطان ذ ئب الا نسان کذئب الغنم یا خذ الشاذة و القاصیة وا لناحیة وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة۔

(رواہ احمد۔ مشکوٰۃ)

حضرت معاذبن جبل سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شیطان انسان کے حق میں ایک بھیڑیا ہے۔ جیسے بکری کا بھیڑیا کہ مندہ (ریوڑ) سے علٰحدہ رہنے والی بکری کو اور دور والی اور کنارے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے۔ لوگو! تم اپنے آپ کو پگڈنڈیوں سے بچاؤ اور جماعت اور عامۃ الناس کے ساتھ رہنے کو اپنے اوپر واجب سمجھو۔

وعن ابی ذر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔

(رواہ احمد و ابوداؤد۔ مشکوٰۃ)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا رہا اس نے اپنی گردن سے اسلام کی ڈوری نکال پھینکی۔

لن یجتمع امتی علیٰ ضلالة ابدا فعلیکم بالجماعة و ان ید اللّٰہ علی الجماعة۔

(طب عن ابن عمر۔ کنز)

میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی پس تم پر واجب ہے کہ جماعت کا ساتھ دو۔ اور خدا کا ہاتھ (اس کی طاقت) جماعت پر ہے"۔

لایجمع اللّٰہ عز و جل امر امتی علیٰ ضلالة ابدا اتبعوا السواد الا عظم ید اللّٰہ علی الجماعة

"اللہ میری امت کے کام کو کبھی گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔ لوگو! تم بڑے گروہ کا ساتھ دو۔ ان کی اتباع کرو خدا

من شذ فی النار۔
(الحکیم وابن جریر۔ک عن ابن عمر۔ ابن عباس۔ کنز)

کا ہاتھ اور اس کی قوت جماعت پر رہتی ہے۔ جو جماعت سے علٰحدہ ہوگیا وہ دوزخ میں داخل ہوا۔

عن الحسن قال بلغنی ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال سالت ربی ان لا یجمع امتی علیٰ ضلالۃ فاعطانیہا۔
(ابن جریر۔ کنز)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ میں نے خدا سے دعا کی کہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے تو اللہ نے مجھے یہ چیز دے دی اور میری دعا کو قبول کرلیا۔

(لہذا امتِ محمدی گمراہی پر اتفاق نہیں کرسکتی۔ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی مردِ خدا حق بولتا ہے چاہے اس کی جان خطرہ میں ہو۔) انتہیٰ

فقہِ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے

استنباطِ فقیہہ کے اثبات کے لئے قیاس کا مرتبہ کتاب و سنت اور اجماع کے بعد ہے۔ لیکن یہ اپنے دائرہ اثر کے لحاظ سے اجماع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ اجماعی مسائل عملاً محدود اور معدودے چند ہیں۔ اس کے علاوہ عصرِ اول کے بعد ہی سے علمائے دین مختلف شہروں اور دور دراز مقامات پر پھیل گئے۔ اور آج بھی یہی حال ہے۔ مشاورتِ عامہ کے لئے مجتہدین کا اجتماع اور کسی حکم پر اجماع ممکن العمل نہیں رہا۔ بخلاف اس کے ہر مجتہد اپنی فکر و نظر اور کتاب و سنت میں اپنے درک و بصیرت کے لحاظ سے ہر ایسے مسئلہ میں قیاس کرتا ہے جس کا کوئی حکم کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور نہ اس کے کسی حکم پر اجماع ہوچکا ہو۔ چونکہ ہر دور میں قیاس سے سابقہ پیش آنا تھا اس لئے کتاب و سنت نے بیانِ احکام پر اکتفانہ کی بلکہ ان کی علت و غایت کا بھی تذکرہ کرکے طریق قیاس کا دروازہ کھول دیا تاکہ منصوص کے ساتھ غیر منصوص کا الحاق کیا جاسکے اور اشتراک کی علت کی بناء پر از روئے قیاس غیر منصوص کا بھی وہی حکم قرار دیا جائے جو منصوص کا بیان ہوا ہے۔

قیاس کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں۔ "بعض قیاسات کا ماخذ قرآن و حدیث ہوتے ہیں۔ وہ صحیح و درست ہیں۔ بعض آراء کا ماخذ نہ قرآن ہوتا ہے نہ حدیث ہی ہوتی ہے وہ درست نہیں۔ بعض دفعہ بعض امام قرآن و حدیث سے اسی حکم کا استنباط کرتے ہیں۔ کم فہم اس کے ادراک سے عاجز رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نری رائے ہے اس کا کوئی ماخذ نہیں حالانکہ ان لوگوں کی نظر اس قدر دقیق نہیں"۔ انتہیٰ

حضرت نے اپنی کتاب الدین میں قیاس کے بارے میں دو سرخیاں قائم کی ہیں۔ ایک سرخی فی القیاس بغیر وجہ شرعی۔ یعنی بلاوجہ شرعی امور میں اپنے خیال کے لگتے لگانے کے باب میں۔ دوسری سرخی فی القیاس بالوجہ الشرعی۔ یعنی وجہ شرعی پر مبنی قیاس کے باب میں۔ پہلی سرخی کے تحت ایسی حدیثیں پیش فرمائی ہیں جن کو پیشِ نظر رکھ کر آدمی قیاس کے سلسلہ میں پوری طرح محتاط رہے۔ کیونکہ قیاس و استنباط کے ذریعہ جو فروعی احکام ظاہر ہوتے ہیں وہ بعد میں بجائے خود ایک اصل کی سی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں۔ یعنی ان کو نظائر کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جس علت کی بناء پر وہ احکام ثابت ہوئے تھے وہی علت ایک نئے معاملے میں بھی پائی

جاتی ہے اس طرح قیاس پر قیاس کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے ۔ اکثر احکام میں علتیں ملحوظ ہوا کرتی ہیں جن سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جہاں وہ علت پائی جائے قیاس سے وہ حکم ثابت کیا جائے ۔ اور علت کا معین کرنا نہایت مشکل کام ہے ۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو آیات قرآنی اور حدیث پر عبور رکھنے کے علاوہ اپنی جودتِ طبعی سے شارع کے مقصود کو قرائن سے معلوم کر سکیں ۔ ایسے ہی لوگ فقیہہ اور مجتہد ہوتے ہیں ۔ اور علت کا معلوم کرنا بس انہیں کا کام ہے ۔ حضرت نے قیاس اور علت کے بارے میں اپنی کتاب " معیار الکلام " میں اتنی تفصیل دی ہے کہ یہاں اس کو پیش کرنا بے موقع ہے ۔ کیونکہ ایک فقیہہ اور مجتہد ہی اس کو سمجھ سکتا ہے اور فائدہ اٹھا سکتا ہے ۔ البتہ الدین میں متذکرہ دونوں سرخیوں کے تحت جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں یہاں ان کو پیش کردیا جاتا ہے ۔

فی القیاس بغیر وجہ شرعی

بلاوجہ شرعی امور میں اپنے خیال کے لگتے لگانے کے باب میں

قال اللّٰہ تعالیٰ ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤ ادکل اولئک کان عنہ مسئولا ۔ (بنی اسرائیل ۔ آیت ۳۶)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو (بلا وجہ کھوجی نہ بنو) بے شک کان آنکھ دل (وغیرہ) ان میں سے ہر ایک کے متعلق باز پرس کی جائے گی ۔

من قال فی الدین برایہ فقد اتھمنی ۔
(الدیلمی عن ابی ذر ۔ کنز)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے دینی معاملات میں اپنی رائے سے کام لیا تحقیق کہ اس نے مجھ پر تہمت لگائی ۔

لا تقیسوا فی الدین فان الدین لا یقاس و اول من قاس ابلیس ۔
(الدیلمی عن علیؓ)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی باتوں میں اپنی طرف سے قیاس کو کام میں نہ لاؤ ۔ جس نے قیاس سے سب سے پہلے کام لیا وہ ابلیس ہے (اسی نے سب سے پہلے بے اصل قیاس کیا ۔ کیونکہ دین میں بے وجہ قیاس ناقابل قبول ہے)

من قاس حدیثی برایہ فقد اتھمنی ۔
(الدیلمی عن انسؓ)

جس نے میری باتوں کو (حدیث کے مطلب کو) اپنے قیاس پر ڈھال کر اپنی رائے دی پس بیشک اس نے مجھ پر تہمت لگائی ۔ (انتہیٰ)

مندرجہ بالا احادیث کے پیش نظر اگر کوئی شخص احکام شرعیہ کے مقابلہ میں اپنی عقل سے اپنی محض رائے سے کام لے ۔ دل کے لگتے لگائے اور قیاس سے کام لے تو اول من قاس ابلیس کے زمرے میں اس کا شمار ہوگا ۔ ایسا شخص جانتے بوجھتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانے کا مرتکب ہوگا ۔ چنانچہ وہ لوگ جو قیاس کے مخالف ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ پر بھی الزام دھرتے ہیں کہ آپ نے

دین میں قیاس کو دخل دیا اور اپنے قیاس سے ایسے مسائل نکالے تھے جو قرآن و حدیث میں مذکور نہیں ہیں ۔ لوگ اول من قاس ابلیس تو کہہ دیتے ہیں مگر یہ غور نہیں کرتے کہ ابلیس نے آخر غلطی کیا کی تھی کہ راندہ درگاہ خداوندی ہوا ۔

حضرت لکھتے ہیں :- اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو جن میں سے اہم فرشتے ہیں سب کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ تعظیمی کریں ۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا ۔ اس نے ایک من گھڑت خیال لگایا کہ میں آگ کا ہوں اور آدم مٹی کا ہے ۔ آگ مٹی سے بہتر ہے ، لہذا میں آدم سے بہتر ہوں ۔ یہاں شیطان نے دو کھلی غلطیاں کی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ انسان کی جامعیت کو وہ سمجھ نہ سکا ۔ آدم کے مٹی ہونے پر اس کی نگاہ پڑی مگر آدم کی روحانیت اور دوسری لطیف صفات کو وہ سمجھ نہ سکا ، دیکھ نہ سکا ۔ دوسری غلطی شیطان سے یہ ہوئی کہ یہ نادان خدا کو نادان سمجھتا ہے کہ خدا افضل کو مفضول سے کمتر سمجھتا ہے اور اسے سجدہ کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ اصل میں یہ جاہل ، خدا کو واجب الاطاعت نہیں سمجھتا لہذا اس کے حکم کو بھی غلط اور ناحق سمجھتا ہے ۔ دیکھو ! خدا کے ایک حکم کو نہ ماننے کا نتیجہ کیا ہے ؟ ہمیشہ کے لئے مردودِ درگاہِ خداوندی ہوگیا ۔ (ترجمہ و شرح " الدین ") انتہیٰ

اہلِ حدیث فقہ کی توہین میں اپنی بے بصیرتی و عدم تفقہ کی وجہ سے اول من قاس ابلیس نہایت جرأت سے کہا کرتے تھے ۔ حضرت نے وجہِ شرعی پر مبنی قیاس کے باب میں جو ذیل میں نقل کیا جارہا ہے احادیث سے ان کے اس باطل خیال کو رد کیا ہے ۔

کسی شخص نے امام ابو حنیفہؒ کے قیاس پر اعتراض کرکے اول من قاس ابلیس کہا ۔ امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا کہ ابلیس نے اپنے قیاس سے خدا کے کلام کو رد کیا تھا جس سے کافر ہوا ۔ اور ہم قیاس کو کتاب اللہ و سنت اور اقوالِ صحابہ کی طرف پھیرتے ہیں جس سے اتباع مقصود ہے ۔

فی القیاس بالوجه الشرعی
(وجہ شرعی پر مبنی قیاس کے باب میں)

قال اللّٰہ تعالیٰ ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار (الحشر آیت ۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ اے بصارت والو (بصیرت والو) عبرت لو (ظاہر سے) باطن کی طرف ، مجمل سے مفصل کی طرف ، منشاء سے مقصود کی طرف ، قیاس کرو ، مسائل کے استنباط کرو ، مقاصد کو سمجھو ۔

افلا یتدبرون القران ولو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیه اختلافا کثیرا ۔ (النساء آیت ۸۲)

کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے ؟ اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کے پاس سے نازل ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے ۔

و قال اللّٰہ تعالیٰ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم (النساء آیت ۸۳)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور صاحبانِ حکم کی طرف رجوع کرتے تو اس کا صحیح مقصد ، اصلی وجہ ان میں سے استنباط کرنے والے ۔ تحقیقات کرنے

و قال اللہ تعالیٰ والذین جاھدوا فینا لنھد ینھم سبلنا۔ (عنکبوت آیت ۶۹)

عن ابی سعید الخدری قال خرج رجلان فی سفر فحضرت الصلٰوۃ و لیس معھما ماء فتیمما صعیدا طیبا فصلیا ثم وجدا الماء فی الوقت فاعاد احدھما الصلٰوۃ بوضوء ولم یعد الاخر ثم اتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فذکرا ذلک فقال للذی لم یعد اصبت السنۃ واجزء تک صلٰوتک وقال للذی توضا وعاد لک الاجر مرتین۔

(رواہ ابوداؤد والدارمی وروی النسائی نحوہ وقدروی ابوداؤد ایضاعن عطاء بن یسار مرسلا)۔ (مشکوٰۃ)

والے جاتے۔ (یہاں صاحبانِ امر سے مراد علماء ہیں علماء کا کام ہے مسائل کو استنباط کرنا۔ استخراج احکام کرنا۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں تو ضرور ہم انہیں اپنا راستہ آپ بتاتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہا انہوں نے ایک سفر میں دو صاحب نکلے پھر نماز کا وقت آگیا۔ ان کے پاس پانی نہ تھا۔ دونوں صاحبوں نے اچھی (پاک) مٹی پر تیمم کرلیا اور نماز پڑھ لی۔ پھر انہیں اندرونِ وقت پانی ملا پس ان میں سے ایک نے وضو کرکے دوبارہ نماز پڑھی۔ دوسرے نے اعادہ نہیں کیا۔ دوبارہ نماز نہیں پڑھی۔ پھر دونوں حضرات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت نے اس شخص کو جس نے دوبارہ نماز نہیں پڑھی تھی فرمایا تم نے سنت کے مطابق کام کیا اور تمہیں تمہاری نماز کافی ہوگئی۔ اور جس نے دوبارہ نماز وضو کرکے پڑھی تھی اس سے فرمایا تمہیں دو دفعہ اجر ملا۔ (اس حدیث کو ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔ اور نسائی نے بھی ایسا ہی بیان کیا اور ابوداؤد نے عطاء بن یسار سے بھی مرسلاً ایسی ہی روایت کی ہے (مشکوٰۃ)

اذاحکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران و اذا حکم فاجتھد فاخطافلہ اجر واحد ــ حم۔ ق۔ د۔ ن۔ ہ۔ عن عمر و بن العاص حم۔ ق۔ عدعن ابی ھریرۃ۔ کنز) •

جب حاکم حکم کرے اور اپنی حد تک کوشش بھی کرے اگر وہ صحیح نکلے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر حاکم نے حکم کیا اور اپنی حد تک (اجتہاد) کوشش کی مگر یہ کوشش غلط ثابت ہوئی خطا نکلی تو (اس کوشش کی وجہ سے اور اس کی نیک نیتی کی وجہ سے) اسے ایک اجر ملے گا۔

• حم اشارہ ہے احمد سے ان کی حدیث کی کتاب "مسند" میں یہ حدیث انہوں نے بیان کی ہے۔ دؔ سے مراد ابوداؤد۔ نؔ سے نسائی۔ ہؔ سے ابن ماجہ۔ قؔ یعنی امام بخاری اور امام مسلم۔ عد ابن عدی نے کامل میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ اس حدیث کو مندرجہ صدر محدثین حضرات نے بیان کیا ہے۔ اور یہ حدیث مشکوٰۃ کے ۵۵ پر ہے اور کنز العمال کی تیسری جلد کے صفحہ ۱۸۹ پر بھی ہے۔ اسے عمرو بن العاص سے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے۔

عن عمر و بن العاص انه سمع رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول۔ اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران و ان حكم فاجتهد ثم اخطاء فله اجر۔ (رواه البخاری)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے انہوں نے سنا۔ کہ جب حاکم کسی مسئلہ میں کوئی حکم کرے پھر (اس میں اپنی بساط بھر غور و فکر اور تدبر کرنے کی) کوشش بھی کی اور وہ کوشش صحیح بھی نکلے تو ایسی صورت میں اس حاکم کو (اس مسئلہ کا حکم صادر کرنے کے معاوضہ میں) اللہ تعالیٰ دو اجر دے گا۔ دوہرا معاوضہ دے گا (ایک ثواب تو مسئلہ بیان کردینے کا دوسرا ثواب اس مسئلہ میں جو جو پیچیدہ بات ہے تفصیل سے۔ شرح سے اپنی بساط بھر تدبیر و فکر سے بیان کرنے کے صلہ میں دیا جائے گا) اور جب کوئی حاکم کسی مسئلہ کا حکم کرے اور اس میں مقدور بھر کوشش بھی کی ہو مگر (اس کے تدبیر سے جو بات معلوم ہوئی وہ اتفاقاً غلط ہوگئی) اس میں اس سے خطا واقع ہوئی تو بھی اللہ تعالیٰ اسے ایک ثواب دے گا۔ (اس حدیث کو حضرت امام بخاری نے روایت کیا ہے)۔

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما قال قال النبى صلى الله عليه و سلم لنا لما رجع من الاحزاب لا يصلين احد العصر الا فى بنى قريضة فادرک بعضهم العصر فى الطريق فقال بعضهم لا نصلى حتى ناتيها۔ و قال بعضهم بل نصلى لم يردمنا ذالک فذكروا ذالک للنبى صلى الله عليه و سلم فلم يعنف احدا منهم۔

(رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ احزاب سے واپس ہوئے فرمایا۔ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے۔ مگر بنی قریظہ میں (یعنی سرزمین بنی قریظہ میں) پھر بعض لوگوں کے پاس راستہ ہی میں عصر کا وقت آگیا۔ تو ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز نہ پڑھیں گے یہاں تک کہ بنی قریظہ کو نہ پہنچ جائیں گے۔ اور بعض نے کہا بلکہ ہم نماز ضرور پڑھیں گے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے یہ مقصد نہیں ہے (کہ وقت آجائے اور نماز نہ پڑھیں بلکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ وقت پر پہنچ جائیں)۔ اس بات کو لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا۔ پھر آپ نے کسی کی سرزنش نہیں کی۔ ناخوشی کا اظہار نہیں فرمایا۔ (اس حدیث کو بخاری نے بیان کیا)۔

قرآن سے منطقِ قیاس کی ایک مثال تفسیرِ صدیقی سے پیش کرتا ہوں جو حضرت نے تحریر فرمائی ہے۔

وسیجنبها الا تقیٰ [۱۶]

ترجمہ : دوزخ سے ، زیادہ پرہیزگار (زیادہ متقی) جدا رکھا جائے گا۔

صاحبو ! یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے نازل ہوئی ہے یہاں ایک منطقی قیاس پیدا ہوا ۔ ابو بکرؓ اتقیٰ ہیں اور بزرگ وہی ہے جو اتقیٰ ہو ۔ کیونکہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ۔ ہے اس قیاس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابو بکر صدیق تمام صحابہ سے بزرگ تر ہیں ۔

قیاس کے سلسلہ میں ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ کے اجتہاد کا تذکرہ فرمایا جس سے قیاس کے شریعت میں باوقعت اور نہایت اہم ہونے پر روشنی پڑتی ہے ۔ اور یہ تجرید البخاری کے درس کا موقع تھا ۔ اور روایت یہ تھی ۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال لما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و کان ابو بکر عزم للقتال من کفر من العرب فقال عمر کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا اللہ فمن قالها فقد عصم منی ماله و نفسه الا بحقه و حسابه علی اللہ تعالٰی فقال و اللہ لا قاتلن من فرق بین الصلاة والزکاة فان الزکاة حق المال واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤد و نها الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لقاتلتهم علی منعها قال عمر فو اللہ ما هوالا ان قد شرح اللہ صدر ابی بکر للقتال فعرفت انه الحق۔

(تجرید البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو جو لوگ عرب کے منکرِ زکوٰۃ ہوگئے تھے ابوبکرؓ نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا ۔ جس پر حضرت عمرؓ کہنے لگے ۔ آپ ان لوگوں سے کیونکر لڑ سکتے ہیں ؟ جب کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں ۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے لڑو یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں ۔ پس جو شخص لا الہ الا اللہ کہہ دے تو بے شک اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچائی مگر بحقِ اسلام اور اس کا حساب اللہ پر ہے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھے کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے ۔ خدا کی قسم اگر وہ ایک بھیڑ کا بچہ (زکوٰۃ میں) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے مجھے نہ دیں گے تو میں اس کے نہ دینے پر ضرور ان سے جنگ کروں گا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں ۔ خدا کی قسم مجھے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف اس وجہ سے تھی کہ اللہ نے ابوبکرؓ کے سینہ کو کھول دیا تھا اور میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے ۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے زکوٰۃ کا قیاس نماز پر فرمایا۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے ساتھ حدیث کا علم رکھتے ہوئے بھی جنگ کرنے تیار ہوگئے کیونکہ ان کو اپنے قیاس کے حق ہونے پر یقین تھا۔

اب ہم چند اعتراضات کی طرف توجہ کریں گے۔ جن میں کچھ تو غلط فہمیاں ہیں اور کچھ بے دینوں کی احادیث کو ساقط الاعتبار کرنے کی کاوشیں ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ پوری ایک صدی گذر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا۔ جب تک لکھنے کا طریقہ نہیں تھا۔ حافظے قوی تھے۔ جب سے اس طریقہ کی بنیاد پڑی حافظوں میں ضعف آگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تکتبوا عنی یعنی احادیث مت لکھا کرو جو فرمایا تھا اس میں جہاں اور مصلحتیں تھیں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ کل حدیثیں حافظوں میں محفوظ رہیں۔ اور فلیبلغ الشاھد الغائب۔ فرماکر تاکید کردی کہ حدیثیں یاد رکھ کر ان کی اشاعت کرو۔

حضرت نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے اپنی کتاب الدّین میں باب کتابۃ الحدیث کے عنوان سے ایک باب ہی قائم فرمادیا ہے اور اس میں ایسی حدیثیں پیش فرمائی ہیں جن سے تصدیق ہی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات حدیثیں لکھنے کا کام شروع ہوچکا تھا۔

باب کتابة الحدیث

(حدیث لکھنے کے بارے میں)

قال اللہ تعالیٰ خذوا ما اتینکم بقوۃ۔

(البقرہ آیت ۶۳)

عن ابن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ قال کنت اکتب کل شیء سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فنھتنی قریش و قالوا تکتب کل شیء و رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بشر یتکلم فی الرضیٰ والغضب فامسکت عن الکتابۃ حتی ذکرت ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فا و ما باصبعہ الیٰ فیہ و قال اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حقاً۔

(اخرجہ ابوداؤد۔ تیسیر)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”لو جو کچھ ہم تمہیں (احکام) دیتے ہیں پوری قوت سے، مصمم ارادے سے“۔

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ میں ہر وہ بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا، لکھ لیا کرتا تھا۔ لیکن مجھے قریش نے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں (کبھی) خوشی کی حالت میں فرمادیتے ہیں اور (کبھی) غصہ کی حالت میں۔ اور تم ہر چیز لکھ لیا کرتے ہو۔ (یہ سن کر) میں نے لکھنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس بات کا حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا۔ آپ نے انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا تو لکھ لیا کر۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے (منہ سے) سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال شکا رجل من الا نصار الی رسول الله صلی الله علیه و سلم فقال یا رسول الله انی لا سمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظه فقال رسول الله صلی الله علیه واله و سلم استعن بیمینک واوما بیده الی الخط"۔ (اخرجه الترمذی - تیسیر)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہا کہ ایک شخص نے جو انصار میں سے تھا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس شکایت کی، پھر عرض کیا یا رسول اللہ بے شک میں آپ سے حدیث سنتا ہوں پھر وہ مجھے پسند آجاتی ہے اور وہ مجھے یاد نہیں رہتی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ اپنے ہاتھ سے مدد لے اور اشارہ کیا اپنے ہاتھ سے خط (تحریر) کی طرف۔ •

وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال ماکان فی اصحاب رسول الله صلی الله علیه و سلم اکثر حدیثا منی الا ماکان من ابن عمر و فانه کان یکتب ولا اکتب۔

(اخرجه البخاری والترمذی - تیسیر)

حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ احادیث یاد رکھنے والا کوئی نہیں تھا مگر عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ ا

عن عمر بن عبدالعزیز انه کتب الی ابی بکر بن حزم انظر ماکان من حدیث رسول الله صلی الله علیه و سلم فاکتبه فانی خفت دروس العلم و ذهاب العلماء ولا تقبل الا حدیث رسول الله صلی الله علیه و سلم ولیفشوا العلم و لیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یهلک حتی یکون سرا۔

(اخرجه البخاری - تیسیر)

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے انہوں نے ابوبکر بن حزم کو لکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث کی جستجو میں رہو (جو مل جائے) اسے لکھ لیا کرو۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے کا اور علماء کے گذر جانے کا خوف ہوگیا ہے۔ اور تم ہرگز قبول نہ کرو سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث کے۔ لوگوں کو چاہئیے کہ وہ علم کو ظاہر کریں۔ اس کے لئے مجلس کریں تاکہ نہ جاننے والا جان لے۔ کیونکہ علم مفقود نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ راز نہ ہوجائے۔

• خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ اُس بیاض کا نام جس میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیثیں قلمبند کرلیا کرتے تھے "صادقہ" تھا۔ علاوہ ازیں جامع بیان العلم للقاضی ابن عبداللہ مطبوعہ مصر صفحہ (،،) میں بھی صادقہ کا ذکر ہے۔

جردوا القران عن غیرہ

قرآن کو غیرِ قرآن سے الگ کرو

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لا تکتبوا عنی شیئا غیر القران و من کتب غیر القران فلیمحہ۔

(اخرجہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ کہا انہوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے نہ لکھو کچھ مجھ سے سوائے قرآن کے اور جس نے لکھا ہے غیرِ قرآن کو پس وہ اسے مٹا دے (یعنی قرآن میں غیرِ قرآن کو نہ لکھو۔ چنانچہ قرآن شریف میں سورہ فاتحہ کے ختم پر امین کا لفظ بھی نہیں لکھا جاتا البتہ پڑھا جاتا ہے)۔

عن المطلب بن عبداللہ بن خطب رضی اللہ عنہ قال دخل زید بن ثابت الی معاویۃ رضی اللہ عنہما فسأ لہ معاویۃ عن حدیث فاخبر بہ فامر معاویۃ انسانا یکتبہ فقال زید امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان لا یکتب شیئا من حدیثہ فمحی۔

(اخرجہ ابوداؤد)

حضرت مطلب بن عبداللہ بن خطب سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ زید بن ثابتؓ حضرت معاویہؓ کے پاس آئے پھر حضرت معاویہؓ نے ان سے ایک حدیث پوچھی اور انھوں نے بیان کردی۔ حضرت معاویہؓ نے کسی آدمی کو لکھنے کا حکم دیا تو حضرت زیدؓ نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے حکم دیا کہ آپ کے احادیث میں سے کچھ نہ لکھا جائے پھر جو حدیث لکھی گئی تھی وہ مٹا دی گئی۔

ابھی ہم نے بیان کیا کہ حدیث نہ لکھنے کا حکم قرآن شریف کے ساتھ متعلق ہے۔ حدیث کو لکھنے کی ممانعت نہیں۔ کیونکہ خود حضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے استعن بیمینک فرمایا ہے (یعنی اپنے ہاتھ سے مدد لے)۔ نہ حدیث سے واقف نہ قرآن سے آگاہ نہ احادیث میں تطبیق دینے سے۔ ایک حدیث دیکھ لی اور دوسری حدیث سے بے خبر لگے من مانے احکام جاری کرنے۔ مزید لکھتے ہیں:

صاحبو! ایک غلط فہمی بے دینوں نے پھیلا رکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے وصال کے ڈھائی سو (۲۵۰) سال کے بعد حدیث کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے حدیث کی کتاب لکھی تھی۔ جو حضرت نبی کریمؐ کے صحابی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکم دیا تھا کہ حدیثوں کے لئے حلقے کئے جائیں مدرسے بنائے جائیں۔

صاحبو! ذرا غور کرو۔ حضرت امام مالکؒ حضرت نافع کے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد ہیں انھوں نے "موطا" لکھی وہ ۹۳ ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور وہ بکثرت تابعین سے روایت کرتے ہیں اور ان کی طرف "مسند ابوحنیفہ" منسوب ہے۔ حضرت امام محمد بن الحسن ۱۳۲ ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ ھ میں انتقال کیا۔ ان کی سینکڑوں کتابیں ہیں۔ حضرت امام مالکؒ کے شاگرد ہیں۔ اور ان کی بھی ایک "موطا" ہے۔ حضرت امام شافعیؒ ۱۵۰ ھ میں پیدا ہوئے ۲۰۴ ھ میں انتقال فرمایا آپ کی طرف کتاب "الام" منسوب ہے۔

یہ ڈھائی سو سال کی روایت بالکل غلط ہے۔ واقعات کے خلاف ہے۔ احادیث کو بے اعتبار کرنے کے لئے ایسے وسوسے پیدا کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر بن حزم جنہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا تابعی تھے۔ یہاں سلسلہ دراز ہی کب ہے؟ بات یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ دراز ہوتا ہے تو کچھ شک و شبہ پیدا ہوتا ہے جہاں سلسلہ درازی نہیں ہے وہاں شک و شبہ کو کیا دخل۔ انتہیٰ (ترجمہ و شرح "الدین")

اس سے زیادہ اور کیا ستم ظریفی ہوگی کہ بعض حضرات کہتے ہیں " دراصل عرب اُمی اور ان پڑھ تھے قراءت اور کتابت سے ان کو دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ ان کے غلط نظریئے کو کاٹ پھینکنے کے لئے عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہؓ کا وہ سرکاری تحریری مواد بہت کافی ہے جس میں فرامین، معاہدے، محصلینِ صدقات کے لئے ہدایات، خطوط، وثائق، مردم شماری کی رپورٹیں اور دوسرے کاغذات شامل ہیں۔ تاریخی ثبوت کے سامنے ان کے غلط نظریئے کیا وقعت رکھتے ہیں۔

ابن الندیم نے ایک روایت عمر بن شبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے " سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا۔ اور غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کرلیا تھا۔ اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک میں آمد و رفت رکھتے تھے "۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب بن ہاشم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اس کے الفاظ تھے۔

حق عبدالمطلب بن ھاشم من اھل مکۃ علی فلان الحمیری من اھل وزر صنعا علیہ الف درھم فضۃ کیلاً بالحدیدۃ ومتی دعاہ بھا اجابہ شھداللّٰہ والملکان	یہ عبدالمطلب بن ہاشم جو مکہ کا باشندہ ہے کا قرضہ فلاں شخص پر ہے جو صنعاء کا رہنے والا ہے یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں جب طلب کیا جائے گا وہ ادا کرے گا۔ خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں

(ابن الندیم ۸ طبع مصر)

اس دستاویز سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالمطلب لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہیں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دستاویز کے آخر میں اللہ اور دو فرشتوں (کراماً کاتبین) کی گواہی عبدالمطلب نے جو لکھی ہے ان کے اللہ اور فرشتوں پر اعتقاد رکھنے کو ظاہر کرتی ہے۔

اب ہم اسلامی فقہ میں وسعت اور اس کے ارتقاء کے سلسلہ میں ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے تاکہ متعدد فقہی اسکولوں کے عالمِ وجود میں آنے کے وجوہات اور چاروں اسکول یعنی مذاہبِ اربعہ، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کے حق پر ہونے اور ان کی افادیت کا اندازہ ہوسکے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حینِ حیات اسلامی قانون کی بنیاد مکمل طور پر استوار ہوچکی تھی۔ قانون سازی، فتویٰ اور عدلیہ کے جملہ فرائض حضورؐ کی ذاتِ اطہر سے وابستہ تھے۔ مکہ میں حضورؐ کی ساری توجہ اعلانِ توحید اور شرک کے استیصال پر مرتکز رہی۔ مدینہ میں بعدِ ہجرت تشریع یا قانون سازی کا کام شروع ہوا۔ حضورؐ کے زمانہ میں صحابہؓ کا مرکزِ فکر کتاب و سنت سے استنباطِ مسائل نہ تھا، بلکہ تمام تر توجہ جہاد و عمل، تلاوتِ قرآن اور حضورؐ کے قول و فعل، زندگی کے مختلف شعبوں میں حضورؐ کے طریقۂ کار اور اس کے مطابق عمل کرنے پر مبذول تھی۔

۲۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں اہل علم صحابہ بڑے تغیر سے دوچار ہوئے۔ جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور ممالک فتح ہوتے گئے اور متمدن اور غیر متمدن اقوام زیرِ نگیں آتے گئے ویسے ویسے نئے نئے مسائل ابھرتے گئے۔

حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہر چیز براہ راست آپ سے حاصل ہوجاتی تھی۔ اپنی قوتِ فکریہ کو کام میں لانے یعنی مسائل میں اجتہاد کرنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ سوائے اس کے کہ حکم سنیں اور تعمیل کریں۔ اب بدلتے ہوئے حالات میں اجتہاد کے سوا چارہ نہ تھا۔ صحابہ کے اجتہاد کی نوعیت یہ تھی کہ سب سے پہلے وہ قرآن کی طرف رجوع کرتے قرآن میں حکم مل جاتا تو اس پر عمل کرتے نہ ملتا تو احادیثِ رسولؐ کی طرف متوجہ ہوتے۔ مختلف مسائل میں حضورؐ کے فیصلوں کو ایک دوسرے سے پوچھ کر معلوم کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے۔ اور اگر زیرِ بحث مسئلہ میں کوئی حدیث محفوظ نہ ہوتی تو مقاصدِ شریعت اور اصولِ دین کی حدود میں رہ کر اپنی فہم ورائے سے اجتہاد کر کے قیامِ عدل اور مصالحِ عامہ کی سعی فرماتے۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں کوئی نیا مسئلہ یا نئی بات سامنے آتی تو وہ حضرات صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے استفتاء فرماتے اور ان کے متفقہ فیصلہ پر عمل پیرا ہوتے۔ اجماع کے مسئلہ کی پیدائش کا یہی دور ہے۔ ونیز رائے اور قیاس کے استعمال میں وسعت اور نئے واقعات کے متعلق شرعی احکام میں ان کے اجتہاد کی نوعیت، بعد آنے والوں کے لئے واقعاتی فقہ کے سلسلہ میں ایک دستور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۳۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں اہلِ علم صحابہ مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں مدینہ چھوڑنے کا موقع نہ دیا تھا تا کہ ان کے قیمتی مشوروں سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ اہلِ علم صحابہ جن مقامات پر تشریف لے گئے اپنے ساتھ قرآن کے علاوہ احادیثِ رسولؐ اور احکامِ شریعت بھی لے گئے جن سے تابعین نے فائدہ اٹھایا۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں۔

"امتِ اسلامیہ میں فقہ کی اشاعت اس طرح عمل میں آئی کہ عراق میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ذریعہ سے۔ مدینہ میں زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے تلامذہ سے۔ مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلامذہ سے علم فقہ پھیلا" (اعلام الموقعین از ابن قیم ج ۱ ۲۳)

اب یہاں مزید علمِ فقہ کی تدوین و توسیع کے بارے میں عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک سپوت اور حضرت کے ایک لائق شاگرد ڈاکٹر حمید اللہ جیسے محقق کے ایک مضمون "تدوینِ قانونِ اسلامی اور امام ابو حنیفہ" سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ حاشیہ میں وہ حوالے بھی جو ڈاکٹر صاحب نے پیش فرمائے ہیں۔

کوفہ میں علمِ فقہ صحابہ کرام میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے رسول خدا نے اپنی زندگی میں ان کو مدینہ منورہ میں مفتی مقرر فرمایا تھا کہ جس کسی کو کسی مسئلہ کے متعلق قانونِ اسلام دریافت کرنا ہو عام طور سے ان ہی سے رجوع کرے۔ اور یہ وہ واحد شخص ہیں جو خود رسول اللہ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے۔ ● ۱

حضرت عمرؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عمر میں دس پندرہ سال چھوٹے تھے ایک طرح سے حضرت ابو بکر کے شاگرد کہے جاسکتے ہیں۔ ان دونوں میں اتنی گہری دوستی تھی کہ اکثر ساتھ رہتے کوئی کام کرنا ہو تو مل کر کرتے۔ ● ۲

● ۱ کتاب الترتیب الادارية المسمی نظام الحكومة النبوية للكتانی ج ۱ ۵۷

● ۲ مغازی الواقدی (مخطوط برٹش میوزیم ۱۰۳ سيرة شاميه غزوه خندق

عہدِ رسالت کے بعد خلافتِ صدیقی میں دونوں کا اشتراکِ عمل اور باہمی مشورہ اور بھی زیادہ ہوگیا۔ شاید اسی ہم مزاجی کو دیکھ کر ہجرت سے بھی پہلے جب مواخاۃِ اولیٰ قائم کی گئی تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی میں بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا (● ۱)۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ علومِ صدیقی نے علومِ فاروقی کے ساتھ امتزاج حاصل کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابتداءً ان ہی بزرگوں سے تعلیم پائی پھر براہِ راست جناب رسالت مآبؐ سے تفقہ حاصل کرتے رہے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تعریفی سند حاصل فرمائی کہ جسے قرآن سیکھنا ہو وہ عبداللہ بن مسعود سے سیکھے (● ۲)۔ ان کی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو کوفہ میں معلم بناکر بھیجا (● ۳)۔ ان کے شاگردوں میں یمن ہی کے دو فاضل علقمہ اور اسود نخعی (ت ۵، ھ) نے امتیاز حاصل کیا۔ اور کوفہ میں حضرت ابن مسعود کے جانشین بنے۔ علقمہ کے شاگردوں میں ابراہیم نخعی (ایک اور یمنی) نے مسجد کوفہ میں درسِ فقہ کے لئے سلسلہ جاری رکھا۔ اور جب ابراہیم نخعی کی وفات ہوگئی تو حماد بن ابی سلیمان نے جو غالباً ایرانی تھے کوفہ کی درسگاہ فقہ کو مزید شہرت عطا کی۔ امام ابوحنیفہ ان ہی حماد کے شاگرد اور جانشین ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں حضرت علیؓ بھی جو "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" کے خطاب سے بارگاہ نبوی سے سرفراز ہوئے تھے وہ بھی آخری عمر میں کوفہ چلے آئے اور اس طرح حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے علوم کوفہ میں جمع ہوگئے۔

مدینہ منورہ میں توسیعِ فقہ مزید براں یہ کہ مدینہ منورہ میں توسیعِ فقہ کے لئے شوریٰ اور اجماع کا ارادہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے خاصا منظم کردیا تھا۔ اس دور کے فیض یافتہ تابعین میں سے فقہاء سبعہ نے جلد ہی بڑا امتیاز پیدا کرلیا اور ان سات ماہرین کی کمیٹی نے ایک طرح سے قانون سازی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ سخاوی نے وضاحت سے بیان کیا کہ خود قاضی بھی مدینہ منورہ میں اس مجلسِ ہفت گانہ سے مشورہ لیتے اور اس کے فتوے کے پابند تھے۔ ان لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ماہر قرآن و حساب و میراث حضرت زید بن ثابت کے بیٹے خارجہ (جو طلحہ بن عبداللہ بن عوف کے اشتراکِ عمل سے تقسیمِ وراثت کے مقدمات کا فیصلہ کرتے اور معاہدات کے دستاویز لکھتے۔)

۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم

۳۔ حضرت زبیرؓ کے بیٹے عمرو

● ۱ کتاب للجر مولفہ ابن جبیب باب المواخاۃِ (مخطوط برٹش میوزیم)

● ۲ الاستیعاب لابن عبدالبر ۱۵۳۶ ۲ ایضاً

● ۳ (کوفہ) حضرت عمرؓ نے جب مملکت اسلامیہ میں جابجا چھاؤنیاں تعمیر کرائیں تو حیرہ (جو ایرانی سرپرستی میں ایک خود مختار مملکت تھی جس کو فتوحاتِ اسلام کے اولین سیلاب میں حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں سپہ سالار خالدؓ بن ولید نے اس کی ایرانیوں سے گلو خلاصی کرائی) کے بالکل قریب ایک خالص عربی اور اسلامی شہر بسایا جس کا نام کوفہ رکھا گیا۔

یہاں یہ صرف معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس چھاؤنی میں حضرت عمرؓ نے کوئی بارہ ہزار یمنیوں کو اور کئی ہزار دیگر قبائل کو بسایا۔ ان میں ایک ہزار پچاس صحابی تھے جن میں چوبیس (۲۴) بدری بھی تھے۔ (سیرۃ النعمان شبلی ۴۴ بحوالہ بلاذری و معجم البلدان یاقوت)

۴۔ بی بی میمونہ یا بی بی ام سلمہ کے مولیٰ سلیمان بن یسار

۵۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ ۔

۶۔ سعید بن المسیب

۷۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ابو سلمہ یا حضرت عمر کے پوتے سالم یا ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام القریشی ۔

اس ساتویں رکن کے تعین میں اختلاف ہے اور تین نام لئے جاتے ہیں جو تینوں مشہور فقیہ تھے ۔ ممکن ہے مذکورہ بالا چھ میں سے بعض کے انتقال پر نئے ارکان اس کمیٹی میں شریک کرلئے گئے ہوں ۔

امام ابو حنیفہ نے اپنے زمانہ کی دنیائے اسلام کے اکثر اہم مرکزوں میں تعلیمی سفر اختیار کیا اور خاص کر مکہ اور مدینہ کئی دفعہ گئے ۔ اور مجلس ہفت گانہ فقہاء سبعہ کے جو ارکان زندہ تھے ان سے خوب فیض حاصل کیا تھا ۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے خاندانی سلسلے کے ممتاز ارکان امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور امام زید بن علی زین العابدین سے بھی سالہا سال استفادہ کیا اور آخر میں کوفے ہی میں متوطن ہوکر وہیں فقہ کا درس دیتے رہے ۔

ان حالات میں کوئی حیرت نہ ہو اگر سفیان بن عیینہ نے اپنے زمانے کے حالات دیکھ کر یہ کہا ہو کہ " اگر کوئی غزوات (تاریخ اسلام) کی تعلیم پانا چاہتا ہے تو اس کا مرکز مدینہ منورہ ہے ۔ اگر کوئی مناسکِ حج کی مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے تو مکہ اور اگر فقہ چاہتا ہے تو کوفہ ۔ (● ۱)

حضرت ابن عمر زیادہ تر حجاز میں رہتے تھے ۔ ان کے شاگردوں میں ان کے مولا نافع نے بڑا امتیاز حاصل کیا (● ۲) ۔ امام مالک ان ہی کے شاگرد تھے ۔ اور مدینہ منورہ میں رہتے تھے ۔ امام مالکؒ کے شاگرد امام شافعیؒ اور امام شافعی کے شاگرد امام احمدؒ بن حنبل ہیں ۔

اپنے اسی مضمون میں امام ابو حنیفہ کا طریقہ کار کے عنوان کے تحت ایک مقام پر حضرت ابو حنیفہؒ کا قول نقل کرتے ہیں ۔

ایک دن کسی نے ان کے اجتہاد کرنے پر اعتراض کیا تو کہا ۔

میں قرآن ہی کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم ملے ۔ اگر اس میں نہ ملے تو رسول کی سنت پر عمل کرتا ہوں اور ثقہ لوگوں کے ذریعہ سے جو صحیح حدیث نبوی ملے اس کو لیتا ہوں ۔ اگر قرآن میں حکم ملے اور نہ سنتِ نبوی میں تو آپؐ کے صحابہ کے اقوال پر نظر ڈالتا ہوں اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو خود کسی ایک کو ترجیح دیتا ہوں ۔ لیکن اگر صحابہ اور غیر صحابہ میں اختلاف ہو تو صحابہ کے قول کو ہرگز نہیں چھوڑتا ۔ ہاں جب رائے ابراہیم اور شعبی اور حسن بصری اور ابن سیرین اور سعید بن المسیب وغیرہ وغیرہ کی ہو تو جس طرح ان کو اجتہاد کا حق ہے مجھے بھی ہونا چاہئیے ۔ (● ۳)

امام ابو حنیفہؒ کی تدوین " قانونِ اسلامی " کے عنوان کے ضمن میں ایک جگہ لکھتے ہیں ۔ " ایک مرتبہ کسی نے ان سے ایک خاص مسئلہ کے متعلق پوچھا کہ صحابہ کرام تک اس کے متعلق ایک رائے پر متفق نہیں ہوسکے تھے ۔ آپ کیسے قطعی رائے ظاہر کرتے ہیں ؟ ابو حنیفہ نے کہا کیا یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے یونہی رائے قائم کرلی ہے ؟ میں نے خاص اس مسئلہ پر پورے بیس سال غور و فکر کیا ۔ اس

● ۱ مناقب ابی حنیفہ للصمیری مخطوط استانبول ۔ نیز معجم البلدان یاقوت ذکر کوفہ

● ۲ مولیٰ ۔ آزاد کردہ غلام ● ۳ موفق ۱/۸۹ ۔

کے مماثل چیزیں ڈھونڈیں اور ہر صحابی کے قول کی اصول مسلمہ پر جانچ کی (کروری ۔ ۱۵ / ۱۱۱ تا ۱۱۵)

ایک دفعہ انہوں نے (ابوحنیفہ نے) قیاس کا اصول یوں بیان کیا تھا کہ قیاس ہر چیز میں نہیں چلتا ۔ قیاس صرف ان چیزوں میں چلتا ہے جن کا رائے سے ادراک ہوتا ہے ۔ قیاس کسی طرح ارکانِ دین کے ثابت کرنے اور اسباب و علل میں نہیں چلتا ۔ بلکہ صرف احکام کے ثبوت کے لئے چلتا ہے ۔ " (کروری ۱۴۵/۱ منتخباً)

اختلافِ ائمہ کے بارے میں حضرت لکھتے ہیں :۔

" یہ ایک حقیقت ہے کہ عالم و جاہل دونوں برابر نہیں ہوتے ۔ عالم کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے ۔ جاہلوں کا کام ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اس کو عالموں سے پوچھیں ۔ ان سے سوالات کریں ۔ ان پر اعتماد کریں ۔ ان کے فتووں پر عمل کریں ۔ بلا تحقیق کوئی بات قابلِ تسلیم نہیں ہوتی ۔ علماء کو تحقیق و تدقیق کرنی چاہئیے ۔ خواہ آیاتِ قرآنی ہوں یا احادیثِ رسولؐ ۔

مبہم یا مجمل امور کی تعمیل میں کوئی صورت اختیار کی جائے تو وہ غلط نہیں ہوتی ۔ امتیازِ تمیزی پر ایک امر چھوڑا گیا ۔ اور اس کی تعمیل مختلف لوگوں نے اپنے اپنے اختیارِ تمیزی کے موافق کی تو سب حق پر ہونگے ۔ یہ نہیں کہ ایک حق پر ہو اور سب باطل پر ۔ یاد رہے کہ ایک حق پر اور سب باطل پر اسی وقت ہوں گے جب کوئی رائے واقعات پر مبنی ہو ۔ کیونکہ جو امر مطابقِ واقعہ ہو " صادق " ہے ۔ اور جو مطابقِ واقعہ نہ ہو " کاذب " ہے ۔ امر مبہم جو اختیارِ تمیزی پر موقوف ہو اس کا کوئی واقعہ و محکی عنہ ہی نہیں ہوتا تو مطابق و غیر مطابق اور صادق و کاذب کی وہاں گنجائش ہی کہاں ؟ لہذا اپنے اپنے اعتبار سے سب صحیح و درست ہوسکتے ہیں ۔

بعض قیاسات کا ماخذ قرآن و حدیث ہوتے ہیں ۔ وہ صحیح اور درست ہیں ۔ بعض راویوں کا ماخذ نہ قرآن ہوتا ہے نہ حدیث ہی ہوتی ہے وہ درست نہیں ۔ بعض دفعہ بعض امام قرآن و حدیث سے کسی حکم کا استنباط کرتے ہیں ۔ کم فہم اس کے ادراک سے عاجز رہتے ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نری رائے ہے اس کا کوئی ماخذ نہیں ہے ۔ حالانکہ ان لوگوں کی نظر اس قدر دقیق نہیں ۔

یہ ایک طبعی بات ہے کہ ہر شخص اپنے اساتذہ اپنے خاندان ، اپنے شہر کے لوگوں کے حالات سے زیادہ واقف ہوتا ہے ۔ ان ہی پر زیادہ اعتماد رکھتا ہے ، اور دوسروں کے تفصیلی حالات سے واقف ہوتا ہے نہ ان پر اعتماد ہی کرتا ہے ۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک شخص کو کثرتِ روایت سے یقین یا ظن پیدا ہوتا ہے اور دوسرا راویوں کے ثقہ و فقیہہ ہونے کو اہم سمجھتا ہے ۔

امام ابوحنیفہ قرآن کے عام اور مطلق کو اس کے افراد میں یقینی سمجھتے ہیں ۔ اور حدیثِ غیر متواتر سے قرآن شریف کی نہ تعیین کرتے ہیں نہ تقیید ۔ کیونکہ ان کی رائے میں موجبہ کلیہ کا نقیض سالبہ جزئیہ ہے ۔ عام و مطلق قرآن کے خلاف اس کے نقیض پر عمل کرنے کو انکارِ قرآن کے مماثل جانتے ہیں ۔

بعض ائمہ قرآن کے عام کو قطعی و یقینی نہیں سمجھتے ۔ ان کے نزدیک ہر عام میں کچھ نہ کچھ تخصیص ہوتی ہے ۔ لہذا وہ خبرِ آحاد سے جو ظنی ہے قرآن کی تخصیص و تقیید کرتے ہیں اور نہ اس کو حدیث کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں اور قرآن کی تخصیص و تقیید نہ کرنے والوں کو اہل الرائے اور مخالفِ حدیث سمجھتے ہیں ۔ ولکل وجهة هو موليها ۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحاب مثلاً زبیرؓ بن العوام الفاظ نبوی حفظ ہوتے تو روایت کرتے ورنہ نہیں ۔ یعنی روایت بالمعنیٰ کو وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے ۔ اور بہت سے دوسرے اصحاب روایت بالمعنیٰ کو جائز سمجھتے تھے ۔

مالکی لوگ اہلِ مدینہ کے تعامل عام کے خلاف کسی دوسرے شہر کا آدمی روایت کرتا تو یہ سمجھتے کہ اس نے گویا تمام خلفائے راشدین اور مرکزِ نبوت یعنی مدینہ اور اس کے رہنے والوں کو جاہل سمجھا ۔ دوسرے مذاہب والے اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ اہلِ مدینہ بے خبر رہے ہوں اور دوسرے شہر والوں کو اطلاع مل گئی ہو ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات ہر حکم کی بابت شہادت کے نصاب کے موافق ثبوت طلب کرتے تھے ۔ یعنی دو مرد ۔ یا ایک مرد اور دو عورتوں کی روایت کے بغیر حکم ثابت نہیں سمجھتے تھے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی حکمِ نبوی سنایا جاتا اور نصابِ شہادت پورا نہ ہوتا تو قسم دیتے اور قسم کو تکملہ شہادت سمجھتے ۔

متقدمینِ ائمہ کے پاس عامۃ الناس آتے اور ان سے سوال کرتے کہ اس مسئلہ میں کیا حکم ہے ؟ ان کو ائمہ پر اتنا اعتماد ہوتا کہ وہ نہ قرآن پوچھتے نہ حدیث ، امام جو حکم دیتا اس پر عمل کرتے ۔ بعض ائمہ ہر سوال کا جواب قال اللہ ، و قال الرسول سے دیتے ۔ متعلقہ آیات کے سوا متنِ حدیث سنا دیتے ۔ اور سند بیان نہ کرتے ۔ ایسے احادیث کو " مرسل " کہتے ہیں ۔ حنفی مذہب میں حدیثِ مرسل قابل استناد ہے ۔ چاہے سند نہ بیان کی گئی ہو ۔ مگر راوی یا امام معتمد علیہ اور موثق بہ ہو ۔ محدثین احادیثِ مرسل کو تسلیم نہیں کرتے مگر بخاری شریف میں مقطوعات بکثرت ہیں ۔ امام بخاری ایک حدیث کا ٹکڑا ایک جگہ لکھ دیتے ہیں مگر کسی دوسری جگہ پوری حدیث مع سند بیان کرتے ہیں ۔ امام بخاری استاد و شاگرد کی ملاقات کو ضروری سمجھتے ہیں ورنہ حدیث قبول نہیں کرتے ۔ امام مسلم دونوں کے ہم زمانہ ہونے کو کافی سمجھتے ہیں ۔ بعض حضرات صرف حدیثِ صحیح کو قبول کرتے ہیں ۔ اگر تائید میں دوسری حدیث مل جاتی ہے تو اس کو صحیح لغیرہ کہتے ہیں ۔

بعض ضعیف حدیث کو بھی مستحبات میں قابلِ عمل سمجھتے ہیں اسی طرح ائمہ کے مختلف مذاق ہیں ۔ ہر ایک اپنے مذاق کے موافق حدیث کو قبول کرتا ہے ۔ کوئی امام ایسا نہیں جو بلا تحقیق بلا شرط صرف حدیث کا نام سنتے ہی اس پر عمل کرنے کو تیار ہوجاتا ہو ۔ بلکہ فتبینوا پر عمل کر کے شرائط کے موافق حدیث تسلیم کرتے ہیں ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلافِ حدیث عمل پیرا ہوتے ہیں ۔ اصل یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان مختلف قسم کے راوی ہیں ان کی تنقید ضروری ہے ۔ بھلا کوئی مسلمان فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرتابی کیوں کر کرسکتا ہے ۔ ائمہ کو مخالفِ حدیث سمجھنا صرف زبان درازی ہے ۔

صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ حدیث شائع و ذائع ہیں ۔ حنفی ، شافعی ، حنبلی ، مالکی سب کے سامنے ہیں ۔ ان کتبِ حدیث کی اتباع میں علماء نے شرح کی ہے ان پر یہ الزام لگانا کہ باوجود احادیث کے مطالعہ کے اپنے امام کے مذہب پر اڑے رہے سخت سوءِ ظن ہے ۔ ان بعض الظن اثم ۔

اب ذرا اس پر بھی غور کرو کہ ان چاروں ائمہ کی تقلیدِ شخصی کی جاتی ہے یا یہ چار مذہب چار مکتب اور اسکول ہیں ۔ جن میں وقت بہ وقت مسائل تحقیق ہوتے رہتے ہیں ۔ ثبوتِ حدیث صحیح اور عرف کے بدلنے نئے حالات کے پیدا ہونے کی وجہ سے امام سے اختلاف کیا جاتا ہے ۔ ہر مذہب کی فقہ و اصولِ فقہ کی کتابیں ملاحظہ فرمایئے ۔ نہ صرف فروع میں امام سے اختلاف کیا جاتا ہے بلکہ اصول میں بھی ۔ تاہم ایک

مذہب میں بہ نسبت دوسرے مذہب کے افراد کی قربت اور مناسبت پائی جاتی ہے ۔ مثلاً اصولی اختلاف امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں امام ابو یوسف ، امام محمد ، امام زفر اور امام حسن بن زیاد میں بھی ہے ۔ علماءِ محققین کبھی امام یوسف کے قول پر کبھی امام محمد کے قول پر ، کبھی امام زفر کے قول پر فتوے دیتے ہیں ۔ تحقیق کو نری تقلیدِ شخصی سمجھنا اور کسی امام کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ احادیثِ صحیحہ کو نہیں ملتے اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے ۔

یہ بھی تو غور کرو کہ مسائلِ شرعیہ کے حل کرنے والے کتنے قسم کے عالم ہیں ۔ ہر قسم کے عالم کے لئے کس قسم کے معلومات کی ضرورت ہے ۔

عربی ادب کی بہر صورت ضرورت ہے ۔ عربی کے لئے لغت ، محاورات ، نحو ، صرف ، معانی بیان سے واقفیت کی حاجت ہے ۔ قرآن شریف اور اس کے لئے تفسیر و اصولِ تفسیر کی احتیاج ہے ۔ حدیث اور اس کے لئے اصولِ حدیث ، اسمائے رجال کا علم لابد ہے ۔ فقہ اور اس کے لئے اصولِ فقہ ، منطق ، اجماعی مسائل و اختلافِ ائمہ سمجھنے کے بغیر چارہ نہیں ۔ زمانے کے نتے نتے مسائل سے واقفیت اسرار و مقاصدِ دین ، عرف ، عامۃ البلویٰ غرض بیسیوں امور کے جاننے کے بعد کہیں ایک حکمِ شرعی معلوم کیا جاسکتا ہے ۔

علماء میں بعض مجتہدینِ مطلق ہوتے ہیں وہ مستقل صاحب الرائے ہوتے ہیں ۔ ان کا ایک خاص مذاق ہوتا ہے ۔ ان کا ایک خاص اجتہاد ، خاص طرز استدلال ہوتا ہے ۔

بعض مجتہد فی المذہب ہوتے ہیں ۔ استاد کا ان پر بڑا اثر رہتا ہے ۔ کہیں کہیں استاد سے اصولی اختلافات بھی رکھتے ہیں ۔ فروع میں اپنے اجتہاد پر رہتے ہیں ۔

مجتہد فی المسئلہ ، کوئی نئی صورت پیدا ہوجائے تو اس کا جواب دے سکتے ہیں ۔ احادیث پر غور و فکر کرتے ہیں ۔ کوئی حدیث صحیح ثابت ہوتی ہے تو اپنے اساتذہ کے خلاف اس پر فتوے دیتے ہیں ، صحیح عمل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ۔

" اصحابِ استنباط " خود قرآن و احادیث سے ذاتی تحقیق نہیں کرسکتے مگر اپنے مذہب کے کلیات سے تشریعات کرتے ہیں جزئیات کا حکم نکالتے ہیں ۔

" اصحابِ ترجیح " بعض لوگوں میں قوتِ تمیز کم ہوتی ہے ۔ اس بناء پر ایسے لوگ مختلف اقوال میں سے ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں ۔ بعض " مفتی " کہلاتے ہیں ۔ جو فقہ کی کتابوں سے جزئیات نکالتے ہیں ۔ یہ لوگ اصل میں ناقل ہوتے ہیں ۔ ذاتی کوشش صرف اس قدر ہوتی ہے کہ کتابوں میں سے تلاش کرکے مسئلہ کا جواب نکالتے ہیں ۔ ان کے خیال میں تحقیقات و استنباط کا دروازہ بند ہوگیا ہے ۔ ہر نئی بات حرام و ناجائز سمجھتے ہیں ۔ ایسے لوگ شافعی میں بھی ہیں ۔ مالکی میں بھی ، حنبلی میں بھی اور حنفی میں بھی ۔

صحابہ کے زمانہ میں بھی اختلافِ آراء ہوتا تھا مگر وہ باہم ایک دوسرے کو " باطل " یا " بے دین " نہیں سمجھتے تھے ۔ ائمہ باوجود باہمی اختلاف کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے ۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ کیسا زمانہ آگیا ہے ۔ آمین بالجہر ، رفع یدین کرنے والوں کی مسجد جدا اور حنفی و شافعی کی مسجد الگ ۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہیں ۔ اور اپنے خانگی معاملات یا مذہبی امور میں غیر مسلموں سے فیصلے کرواکر انہیں ماننے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں ۔

ایک دفعہ بغداد شریف میں مسجد غوثیہ میں فقیر نے مغرب کی نماز پڑھی۔ حنفیوں اور حنبلیوں کی دو جماعتیں صف کے بازو صف لگا کر بہ یک وقت نماز پڑھ رہی تھیں اللہ اکبر کی آواز سن کر انسان حیران ہوجاتا تھا کہ یہ ہمارے امام کی آواز ہے یا دوسرے امام کی۔ عبدالعزیز سعودی نے ایک نماز کے لئے حنفی اور ایک نماز کے لئے شافعی، ایک کے لئے حنبلی اور ایک کے لئے مالکی امام مقرر کیا ہے۔ اور تمام مذاہب والوں کو اسی امام کے پیچھے نماز پڑھنی ہی پڑتی ہے۔

(رسالہ مشاجرات صحابہ و اختلاف ائمہ از حضرت قبلہؒ)

حضرت نے معیار الکلام میں حسب ذیل اصول و کلیاتِ فقہ تحریر فرمائے ہیں۔

عقود میں اعتبار مقاصد و معانی کا ہے نہ کہ صرف الفاظ و عبارت کا، شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ ہر شئے جس حال پر تھی اسی حال پر رہے گی۔ قدیم اپنی قدامت پر رہے گا۔ ضرر قدیم سے نہیں مانا جاسکتا۔ ذمہ کا بری رہنا اصل ہے صفاتِ عارضہ میں اصل عدم ہے۔ ایک امر جو کسی زمانہ میں ثابت ہوجائے جب تک اس کے خلاف ثابت نہ ہو وہ ثابت ہی سمجھا جائے گا۔ اس کو استصحاب کہتے ہیں۔ امر نو پیدا وقتِ قریب سے متعلق کیا جاتا ہے۔ منصوص کے خلاف اجتہاد کو گنجائش نہیں۔ خلافِ قیاس مقدمہ پر قیاس نہیں ہوسکتا۔ ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نقیض نہیں ہوسکتا۔ مشقت سے آسانی پیدا ہوتی ہے اور صعوبت سے سہولت اور تنگی باعث وسعت۔ نہ ضرر اٹھاؤ نہ ضرر پہنچاؤ۔ ضرر زائل کیا جائے گا۔ ضرر زائل ہوجائے تو ممنوع پھر موجود ہوجاتا ہے۔ ایک ضرر دوسرے ضرر سے زائل نہیں کیا جاسکتا۔ ضرر عام کے لئے ضرر خاص قابلِ اختیار ہے۔ ضرر خفیف سے ضرر شدید زائل کیا جاتا ہے۔ دو فساد جمع ہوں تو خفیف تر کو اختیار کریں گے۔ خیر الخیرین کو اختیار اور شر الشرین کو ترک کرنا چاہیئے۔ فساد کا دور کرنا منفعت کے حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ جب تک ممکن ہو ضرر دور کیا جائے گا حاجت عام ہو یا خاص بمنزلہ ضرورت کے ہے۔ اپنے ضرر کی خاطر دوسرے کا حق باطل کرنا جائز نہیں۔ جس کا لینا حرام اس کا دینا حرام ہے اس کی طلب اور ارادہ بھی حرام ہے۔ عادت ایک حکم ہے۔ جو عادتاً ممتنع ہے وہ حکماً ممتنع ہے۔ زمانہ کے تغیر سے احکام میں بھی تغیر ہوتا ہے معنائے حقیقی بخلافِ عادت ترک ہوسکتے ہیں۔ عادت کا اعتبار کثرت یا غلبہ پر ہے۔ غالب کا اعتبار ہے نہ کہ نادر کا۔ جو امر کہ عرف میں معروف ہو وہ بمنزلہ شرط کے ہے۔ مانع و مقتضیٰ میں مانع پر عمل کیا جاتا ہے۔ شئے کا تابع حکم میں بھی تابع ہے۔ تابع کا حکم علحدہ نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک شخص کسی چیز کا مالک ہو تو اس کے ضروریات کا بھی مالک ہوگا۔ جب اصل جاتی رہتی ہے تو فرع بھی جاتی رہتی ہے۔ جو حق کہ ساقط ہوگیا مثل معدوم کے پھر نہیں موجود ہوسکتا۔ جب اصل شئے زائل ہوجاتی ہے تو بالضرور اس کے بدل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ توابع میں ایسی چیزوں کی حاجت پڑتی ہے کہ اس کے غیر میں حاجت نہیں پڑتی۔ ابتداء میں جو چیز جائز ہو وہ انتہا میں جائز ہوسکتی ہے۔ بہ نسبت شروع کے آخر کار سہل ہے۔ تبرع بغیر قبضہ کے کامل نہیں ہوتا۔ رعیت پر مصلحت سے تصرف و حکومت کی جاتی ہے۔ ولایتِ خاص بہ نسبت ولایتِ عام کے قوی تر ہے۔ جب تک ممکن ہو کلام مہمل نہ کیا جائے۔ جب حقیقی معنی نہ بن سکیں تو مجازی معنیٰ لئے جائیں گے۔ کلام کے معنی نہ حقیقی درست ہوسکیں اور نہ مجازی تب ناچار کلام مہمل سمجھا جائے گا۔ جس چیز کے ممتاز و علحدہ اجزا نہ ہوں اگر اس سے بعض حصہ کا ذکر کریں تو بجائے ذکرِ کل کے ہوگا۔ مطلق بالنص یا بالدلالت مقید نہ ہو تو مطلق ہی رہے گا۔ غائب کا وصف کرنا معتبر ہے حاضر و مشار الیہ کا وصف کرنا لغو ہے۔ جو سوال میں مذکور ہو وہ جواب میں مقدر ہوگا۔ ضرورت ہی کے وقت ساکت سے کلام متعلق کیا جائے گا۔ جس شئے کی حقیقت پر اطلاع دشوار ہو تو اس کی دلیل و علامت ہی

قائم مقام ہوگی تاکہ ظاہرِ حال پر حکم ہوسکے۔ کتاب مثل خطاب کے ہے۔ گونگے کے مقررہ اشارے مثل بیانِ زبانی کے ہے۔ مترجم کا قول بحلف مقبول ہے۔ جو بیان کہ اس میں خطا ظاہر ہو اس کا اعتبار نہیں۔ جو احتمال کہ دلیل سے پیدا ہو اس کے ہوتے ہوئے کوئی امر حجت نہیں۔ توہم کا اعتبار نہیں۔ جو امر کہ بدلیل ثابت ہو وہ گویا بالمعائنہ ثابت ہے مدعی پر بینہ ہے منکر پر حلف۔ آدمی اپنے اقتدار سے ماخوذ ہے۔ گواہ خلافِ ظاہر کے اظہار کے لئے بینہ (گواہ کی شہادت) حجت معتدبہ ہے اقرار حجتِ قاصرہ ہے۔ انکار از قسم سے اصل دعویٰ باقی رہتا ہے باطل نہیں ہوتا۔ اگر حجت میں تناقص ہو تو وہ حجت حجت نہ رہے گی۔ کبھی فرع پر حکم ثابت ہوتا ہے اور اصل پر ثابت نہیں ہوتا۔ جو امر مشروط بہ شرط ہو وہ ثبوتِ شرط سے ثابت ہوگا۔ جب تک ممکن ہو شرط کی رعایت کی جائے گی۔ جو وعدہ کہ بشرطِ شکل ہو وہ لازم ہوجاتا ہے۔ ضمان (تاوان) سے اجرت و خراج ساقط ہوجاتا ہے۔ اجرت اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ الغرم بالغنم یعنی جو نفع اٹھائے گا وہ نقصان کا بھی متحمل ہوگا۔ نعمت بقدر قمت ہے اور قمت بقدر نعمت۔ فاعل پر حکم لگایا جاتا ہے نہ کہ آمر پر مگر یہ کہ فاعل پر آمر نے جبر و اکراہ کیا ہو۔ جو امر شرعاً و قانوناً جائز ہو اس کے سلب سے ضمان لازم نہیں آتا۔ مرتکبِ فعل اگرچہ عمداً نہ ہو ضمان دے گا۔ مسبب فعل بدون عمل کے ضمان نہ دے گا۔ چوپایوں کا ضرر معاف ہے۔ کسی کو حکم دینا کہ ملکِ غیر میں تصرف کرلے باطل اور لغو ہے۔ کسی کو جائز نہیں کہ ملک غیر میں بدون اس کی اجازت تصرف کرے۔ کسی کو جائز نہیں کہ بے وجہ شرعی کے کسی کا مال لے۔ اگر کسی شئے کے ملک کا سبب بدل گیا تو گویا اس شئے کی ذات بدل گئی۔ جو شخص کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے طلب کرے تو وہ محروم رہتا ہے۔ جو شخص ایک کام اپنی سعی سے پورا کرچکا ہے تو پھر اس کے خلاف کوشش باطل ہے۔ تکلیف مالایطاق درست نہیں۔ حدود شبہ سے ساقط ہوتے ہیں۔ سکوت محلِ بیان میں، حکمِ میں بیان کے ہے۔ ایک معاہدہ میں کئی معاہدے درست نہیں۔ معدوم کی بیع باطل ہے۔ مگر استحساناً بیع سلم واصطناع میں توصیفِ کامل بمنزلہ وجود کے سمجھی جاتی ہے۔ وکیل کا کام موکل کا کام سمجھا جائے گا۔

شہادت کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔

اس کے متعلق حضرت نے چند ارشادات لکھے ہیں۔ ان کو بغرضِ استفادہ یہاں نقل کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

• شہادت سے غرض یقین یا ظن کا حاصل کرنا ہے۔ یقین کا آنا یا ظن کا پیدا ہونا انسانی فعل نہیں ہے۔ بلکہ دل کی حالت ہے۔ کیفیت ہے۔ معاملہ جتنا اہم ہوگا اس کی شہادت میں بھی اتنی ہی اہمیت ہوگی۔ شہادت سے پہلے خفیہ طور سے شاہدوں کے حالات سے واقفیت حاصل کی جائے گی شاہدوں کے حالات بیان کرنے والے کو مزکی کہتے ہیں۔ اسلام میں تہمتِ زنا کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے اس پر چار گواہ کی ضرورت ہے چونکہ عورتیں ناتجربہ کار ہوتی ہیں لہٰذا حدود قصاص میں ان کی شہادت کو دخل نہیں ہے۔

عام طور پر شہادت میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نصابِ شہادت ہیں۔

رمضان کے چاند کے لئے ایک گواہ کافی سمجھا گیا ہے۔ اور شوال کے چاند کے لئے کافی گواہوں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ روزہ چھوڑنا ہے۔ ولادت وغیرہ میں ایک عورت کافی سمجھی جائے گی۔ کیونکہ ولادت کے وقت مردوں کی گنجائش نہیں۔ عورتیں بھی اکثر ہٹ جاتی ہیں۔ باہمی عداوت کے خیال سے غیر مذہب والوں کی شہادت ناقابلِ وثوق ہوتی ہے۔

ہمدردی اور رعایت کی وجہ سے قریبی قرابت دار کی شہادت مشتبہ ہوجاتی ہے۔ یقین کے پیدا کرنے میں قرائن کو بہت بڑا دخل ہے۔ اور قطعی قرائن پیدا ہونے پر انسان یقین کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

صاحبو ؛ قتل پر دو گواہ کافی سمجھے گئے اور زنا پر چار ۔ اس زمانہ میں نہ زنا کی اہمیت ہے نہ تہمتِ زنا کی ۔ اگر کوئی شخص کسی عورت کو زنا کی تہمت لگاتا تو اسے حدِ قذف یعنی کوڑے لگائے جاتے ۔ اور خاوند سے لعان کیا جاتا ۔ یعنی دونوں ایک دوسرے پر جھوٹے ہونے کی صورت میں لعنت کرتے ۔

افسوس ؛ مسلمان کس حالت میں ہیں ۔ ان کے اخلاق اور ان کا تمدن کس قدر متبدل ہوگیا ہے ۔ گذشتہ مسلمانوں میں اور اس زمانے کے مسلمانوں میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا ان کے زمانوں میں ۔

اسلام اس زمانے کے مسلمانوں کو دیکھتا ہوگا تو ضرور شرماتا ہوگا ۔ اور اس زمانے کے مسلمان اس کو اجنبی معلوم ہوتے ہوں گے ۔ پہچانت کی کیا صورت ۔ نہ صورت نہ شکل نہ اخلاق نہ عادات پھر اسلام کیوں کر پہچانے کہ یہ مسلمان ہیں ۔

(۸ المائدہ تفسیرِ صدیقی)

حضرت نے شہادت ، نصاب شہادت ، طریقہ شہادت ، شرطِ شہادت ، ترجیح شہادت ، شہادتِ قانونی ، اقسامِ شہادت ۔ بارِ ثبوت ، قیاس ، امور قابلِ ادخال و اخراجِ شہادت ، اصولِ کلیہ شہادت کے بارے میں اپنی کتاب معیار الکلام میں بعض تفصیلات لکھی ہیں یہاں نقل کردیا جاتا ہے تاکہ معتد بہ فائدہ ہو ۔

شہادت ۔ گواہی

شہادت دو طرح کی ہے ۔ ۱ ۔ شرعی ۔ ۲ ۔ قانونی

شہادتِ شرعی میں امورِ ذیل قابل توجہ ہیں ۔

۱ ۔ شہادت کی تعریف ۲ ۔ نصاب ۳ ۔ طریقہ شہادت ۴ ۔ حلفِ شاہد ۔ ۵ ۔ شرائطِ شہادت ۶ ۔ مطابقتِ شہادت بدعویٰ ۷ ۔ اختلافِ شہود ۸ ۔ تزکیہ شہود ۹ ۔ رجوعِ شہود ۔ ۱۰ ۔ تواتر ۱۱ ۔ حجتِ تحریری ۔ ۱۲ ۔ قرینہ قاطعہ ۔ ۱۳ ۔ ترجیح شہود ۱۴ ۔ حکمِ ظاہر ۔ ۱۵ ۔ بارِ ثبوت ۔

شہادت ۔ شہادت بہ لفظ اشہد للہ عدالت میں ہوتی ہے ۔

نصابِ شہادت ۔ ۱ ۔ زنا میں چار مرد ۲ ۔ دیگر حدود و قصاص میں دو مرد ۔ ۳ ۔ حقوق میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ۴ ۔ اور ایسے امر میں کہ مردوں کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی ۔ ایک عورت بھی کافی ہے جیسے ولادت ۔

طریقہ شہادت ۔ شاہد کو ضرور ہے کہ معائنہ کیا ہو ۔ اور اشہد کہے ۔

اندھے کی گواہی مبصرات میں ناقابلِ قبول ہے ۔

سنی سنائی شہادت قابلِ قبول نہیں ۔

جائدادِ غیر منقولہ میں حدود بیان کرے یا بتادے تو کافی ہے

قبالہ میں جو حدود بیان ہوتے ہیں ان کا حوالہ دینا بھی کافی ہے

شرطِ شہادت ۔ محسوس کے خلاف شہادت مقبول نہیں ۔

متواتر کے خلاف شہادت مقبول نہیں ۔ نفیِ محض گواہی نہیں ہوسکتی ۔

اگر احتمال ہے کہ گواہی سے مضرت سے محفوظ رہے گا یا منفعت حاصل کرے گا تو وہ گواہی مقبول نہیں ۔ جیسے شریک ۔ ماں باپ ۔ گواہ صریح دشمن نہ ہو ۔

شہادت کسی شخص کی اپنے کام پر مقبول نہیں ۔

گواہ عادل ہوں، کمینے ، رذیل ، بدمعاش ، بے مروت نہ ہوں ۔ اتہام کرنے میں سزا یافتہ نہ ہوں ۔

مطابقتِ شہادت بدعویٰ ۔ ضرورت ہے کہ شہادت دعویٰ کے مطابق ہو ۔

ضرور ہے اتفاقِ شاہدین لفظ و معنیٰ میں ہو ۔

مرادف لفظ کا استعمال منع نہیں ہے ۔

زمان یا مکان یا مقدار یا رنگ میں اختلاف مانعِ قبولِ شہادت ہے ۔

مہر کا اختلاف اصل نکاح کو باطل نہیں کرسکتا ۔

کوئی فعل کئی وقتوں میں، کئی مقاموں میں ہوسکتا ہے تو اختلاف قابلِ تاویل ہے ۔

حلفِ شاہد : مدعٰی علیہ شاہد کا حلف طلب کرے تو حاکم حلف دے سکتا ہے ۔

تزکیہ شاہد : حاکم کو چاہئیے کہ مدعٰی علیہ طلب کرے تو شاہد کے چال و چلن کو دریافت کرے ۔ حاکم کو چاہئیے کہ حدود و قصاص میں خود شاہد کے چال و چلن سے واقفیت حاصل کرے ۔

رجوع از شہادت : قبلِ فیصلہ شاہد شہادت سے پلٹ جائے تو اگر نصابِ شہادت باقی رہے تو فیصلہ کیا جائے گا ۔ ورنہ نہیں مگر شاہدِ کاذب کو سزا دی جائے گی ۔

فیصلہ کے بعد شاہد رجوع کرے تو فیصلہ باقی رکھا جائے گا ۔ اور شاہد پر ضمان و تاوان آئے گا ۔

تواتر : تواتر میں کوئی مقدار معین نہیں ۔ لیکن اس قدر گروہ ہو کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا متصور نہ ہو ۔ تواتر سے علمِ یقین حاصل ہوتا ہے ۔ اس لئے تواتر کے خلاف گواہ نہیں لئے جائیں گے ۔

حجتِ تحریری : کسی کے خط و مہر پر حکم نہیں دیا جاسکتا ۔ بجز فرامین و احکامِ دفاترِ سرکاری کے ۔

شاہد اپنا خط دیکھ کر جب تک اس کو یاد نہ آئے شہادت نہیں دے سکتا ۔ صاحبین کے پاس دے سکتا ہے ۔

قرینہ قاطعہ : سنی سنائی شہادت ناقابل قبول ہے ۔ بجز نسب ، موت ، نکاح ، وطی اور ولایتِ قاضی کے لئے ۔

شاہدِ فرع : اصل شاہد کی شہادت ناممکن یا دشوار ہو تو شاہدِ فرع کی شہادت درست ہوسکتی ہے ۔

ترجیحِ شہادت : ایک شخص مالکِ مستقل اور دوسرا شریک ہونے کا مدعی ہے تو مدعی بالاستقلال کے گواہ مرجح ہیں ۔ دونوں مالک بالاستقلال ہونے کے مدعی ہیں اور دونوں نے شہادت پیش کی تو دونوں شریک ہوں گے ۔ ان میں سے ایک شہادت پیش کرنے سے قاصر ہوگیا تو شہادت پیش کرنے والا مستقل مالک ہے ۔

دعوائے ملکِ مطلق میں کہ تاریخ معلوم نہ ہو خارج کے گواہ مرجح ہوں گے ۔

ملکِ مقید میں جس میں ایسا سبب ہو کہ بار بار پیدا نہیں ہوتا ہے صاحبِ قبضہ کے گواہ مرجح ہوں گے ۔
ملک کے گواہ عاریت پر ۔ بیع کے گواہ ھبہ پر ۔ رہن کے گواہ اجارہ پر ۔ اجارہ کے گواہ رہن پر مرجح ہوں گے ۔
عاریت میں گواہِ مطلق مقید پر مرجح ہیں حادث وقدیم ہونے کے ۔ گواہوں میں حادث ہونے کے گواہ مقدم ہیں ۔ مدعی زیادت کے گواہ مقدم ہیں ۔

شہادتِ قانونی : شہادت میں امور ذیل قابل توجہ ہیں ۔

۱ ۔ شہادت اور اس کے اقسام ۔ ۲ ۔ اقسامِ واقعات ۔ ۳ ۔ بارِ ثبوت ۔ ۴ ۔ اقسامِ قیاسات ۔ ۵ ۔ امورِ مسلمہ قانون ۔
۶ ۔ امور قابلِ ادخال و اخراجِ شہادت ۔ ۷ ۔ مقدار یا نصابِ شہادت ۔ ۸ ۔ چند اصولِ شہادت ۔

شہادت : ایک ایسا امر ہے جس کا اثر اور میلان اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ حاکم کی رائے کا رجحان کسی واقعہ کے اثبات یا سلب کے متعلق پیدا ہوجائے ۔

امور ذیل سے جو اصل واقعات تنقیحی یا واقعہ متعلقہ کے متعلق ہوں شہادت ہوتی ہے ۔

الف ۔ شہادتِ مادی ۔ وہ مواد اور مواقع جن کا معاینہ عدالت کرے یا بحکم عدالت کیا جائے ۔

ب ۔ شہادتِ دستاویزی ۔ وہ دستاویزات جو عدالت کے ملاحظہ کے لئے پیش کئے جائیں ۔

ج ۔ شہادتِ شخصی یا زبانی ۔ جو کسی عدالت کے روبرو یا بحکم یا باجازتِ عدالت قلمبند کئے جائیں ۔ شہادتِ مادی کو دستاویزی پر ۔ دستاویزی کو زبانی پر ترجیح ہے ۔

عمل درآمد اشخاص ان کے الفاظ سے زیادہ معتبر ہے

شہادت : علت و وسیلہ ہے ۔ اور ثبوت : معلوم و نتیجہ

اقسامِ شہادت : اقسامِ واقعات بہ اعتبارِ رجحان

کسی واقعہ کے وجود کے متعلق حاکم کی رائے کا اثباتی رجحان ہوجائے تو وہ واقعہ مشتبہ ہے ۔

عدم کے متعلق رجحان ہو تو واقعہ مستردہ ہے ۔

وجود و عدم دونوں کی طرف رجحان نہ ہو تو واقعہ غیر مشتبہ ہے ۔

واقعہ تنقیحی : غیر مقصود بالذات مگر رائے پر اثر ڈالنے والا واقعہ ہوتا ہے ۔

بارِ ثبوت : جب کوئی شخص کسی امر کے وجود کو بیان کرتا ہو ۔ اور فریق ثانی انکار کرتا ہو ۔ تو مثبت پر بارِ ثبوت ہوگا ۔ اگر منکر نے اقبال کیا ہو تو منکر کو تردیدِ واقعہ کرنا پڑے گا ۔

قیاس ۔ کسی واقعہ مشتبہ یا منفیہ کے متعلق رجحان ذیل ہے جس کی صحت پر عمل کرسکیں بشرطیکہ کافی شہادت اس کے خلاف نہ ہو ۔

قیاس کے دو قسم ہیں

۱۔ قانونی　۲۔ واقعاتی

۱۔ **قیاسِ قانونی**: وہ قیاس ہے جو اصل انصاف و قانونِ فطرت اور تجربہ عقلاء پر مبنی ہو۔ اور جس کو قانون نے صاف طور پر وقعت دی ہو۔

۲۔ **قیاسِ واقعاتی**: جو واقعات کے خصوصیات سے پیدا ہو اور ایسے قیاس کے قائم کرنے کا حکم کو اختیار دیا گیا ہو۔ قیاسِ واقعاتی کو قانون کے برابر وقعت نہیں دی جائے گی۔

قیاسِ قانونی کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ قطعی　۲۔ غیر قطعی

۱۔ **قیاسِ قانونی قطعی**: وہ دو واقعات کہ عام طور پر مستلزم ہوں اور بغرضِ مصلحتِ عامہ اس کے خلاف شہادت دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔

۲۔ **قیاسِ قانونی غیر قطعی**: وہ قیاسِ قانونی جن کو قانون نے اغلب ہونے کی وجہ سے قائم کیا ہو۔ اس کے خلاف فریق مخالف پر بارِ ثبوت آتا ہے۔ قانون امر مانع تقریر مخالف کی تردید کی اجازت نہیں دیتا۔

مسلمۂ قانون: چند امور عام طور پر سرکاری یا علمی طور پر ثابت ہیں تو عدالت ان کا ثبوت تسلیم کر لیتی ہے۔ مگر شدید ضرورت پر ان کے اثبات کا بھی حکم دے سکتی ہے۔

امور قابلِ ادخال و اخراجِ شہادت　امور قابلِ ادخالِ شہادت: اہم و مفید تر شہادت کو عدالت ادخال کی اجازت دیتی ہے اور وہ اقبال، بیانات اور اظہارات ہیں۔

امور ناقابلِ ادخالِ شہادت: ناقص شہادت کو عدالت ناقابلِ ادخال شہادت سمجھتی ہے۔

مقدارِ شہادت: واقعاتِ مسلمہ، عدالت یا فریقین کی اثبات کی ضرورت نہیں۔ کوئی خاص تعداد گواہوں کی متعین نہیں۔ ثبوتِ دستخط کاتبِ دستاویز و مکمل دستاویز جن پر گواہی ہوئی قانونی طور پر ضروری ہو، لازمی ہے۔

اصولِ کلیہ شہادت: بارِ ثبوت، ہر دعویٰ میں ہر اس شخص پر ہوتا ہے کہ طرفین سے مطلق شہادت کے نہ گزرنے کی صورت میں جس کا نقصان ہوتا ہے۔

ہر خاص واقعہ کی نسبت بارِ ثبوت اس شخص پر ہوتا ہے جو عدالت کو اس کا وجود باور کرانا چاہتا ہو اور اس حال میں کہ قانوناً حکم ہو کہ اس واقعہ کے ثبوت کا داخل کرنا فلاں شخص کے ذمہ ہے۔

خاص قسم کے واقعات کی صورت میں عدالت ایک ایسا قیاس قائم کرے گی کہ جس سے یہ فرض کیا جائے گا کہ جب چند واقعات ثابت ہو جائیں تو چند واقعات کافی طور پر ثابت ہوں گے۔

شہادتِ زبانی: بلا واسطہ ہونی چاہئیے نہ کہ سنی سنائی۔

شہادتِ منقولی : بابتہ مضامین مندرجہ دستاویز صرف اس صورت میں ادا کی جاسکتی ہے جب کہ شہادت اصلی بہمدست نہ ہوسکے۔ یا عدالت کے حکم نامہ کی رسائی سے باہر ہو۔

شہادت صرف ان واقعات کی نسبت گزرنی چاہیئے جن سے امور تنقیح طلب پر کچھ اثر ہو۔

صرف اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی شہادت داخل کرنی چاہیئے۔

سنے سنائے بیانات کوئی شہادت نہیں۔

برتاؤ سب سے بہتر مبینہ اشیاء کا مثبت ہے۔

پیشہ کی نسبت پیشہ ور کی شہادت قابل قبول ہے۔

ہر قیاس قانونی مرتکب فعل ناجائز کے مضر ہوگا۔

قیاس کیا جائے گا کہ تمام افعال بالکل جائز اور درست طور پر کئے گئے ہیں کوئی معاملہ مابین دو شخصوں کے شخص ثالث کے حق میں مضر نہ ہوگا۔

عملدرآمد اشخاص ان کے الفاظ سے زیادہ معتبر ہے

دستاویز کو معتبر گواہ کے بیان پر ترجیح ہے

(معیار الکلام) منتخب

تفسیر صدیقی سے ایسی آیتوں کی تفسیر پیش کی جاتی ہے جن کی تفسیر کے ضمن میں بہت سارے اہم فقہی مسائل زیر ضوء آئے ہیں جن سے چاروں مذاہب کے طریقہ اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

یا ایها الذین امنوآ اذا قمتم الی الصلاة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنباً فاطهروا وان کنتم مرضیٰ اوعلیٰ سفر اوجآء احد منکم من الغآئط او لمستم النسآء فلم تجدوا مآء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجهکم وایدیکم منه مایرید الله لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطهرکم ولیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون ○

(المائدہ آیت ۶ تفسیر صدیقی)

یا ایها الذین امنوا اے ایمان والو اذاقمتم ۔ جب تم کھڑے ہوجاؤ ، اٹھو ۔ الی الصلوٰۃ ۔ نماز ادا کرنے کے لئے ۔ فاغسلوا پس دھولو ۔

یہاں تین لفظ ہیں غسل یا غسل ۔ رش ۔ مسح ۔ غسل تمام بدن کا دھونا ۔ نہانا ۔ غسل ۔ دھونا ۔ خواہ بعض حصہ جسم کا ہو یا کسی اور کا ۔ رش پانی چھڑکنا ۔ پانی کے قطروں کا جسم وغیرہ تک پہنچانا ۔ مسح ترچیز کا جسم وغیرہ پر پھیرنا ۔ بعض وقت خفیف غسل کو بھی مسح کہہ دیا گیا ہے ۔ وجوهکم تم اپنے چہروں کو وجوہ جمع وجہ چہرہ ، مواجہ ، رودررو ، ۔ سامنے وجہ میں سامنے ہونے کو اہمیت ہے ۔ تو طول میں سر کے بالوں کے مقام سے تھوڈی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک ۔ کان کا پچھلا حصہ اس میں شامل نہیں ۔ اگر داڑھی ہو تو اس میں خلال کرنا مستحب ہے ۔

امام محمد سے کسی نے کہا میری داڑھی بہت گھنی ہے ۔ خلال کرنے سے بھی پوری نہیں بھیگتی ۔ فرمایا اسے بھیگنے ڈالو ۔ کان کے پیچھے کا حصہ سر کے متعلقات سے ہے ۔

وایدیکم اور اپنے ہاتھوں کو یعنی دھولو ایدی جمع ید ہاتھ ۔ الی المرافق کہنیوں تک ۔ مرافق جمع مرفق کہنی ۔ کیا کہنیوں کو اس طرح دھونا چاہیئے کہ اس کے اوپر کا کچھ حصہ بھی آجائے ؟ بے شک دھونا چاہیئے کیونکہ کہنی ہاتھ کے جنس سے ہے ۔ مرفق ، ید کا ایک حصہ ہے ۔ روزہ میں رات کا کچھ حصہ داخل نہیں ۔ کیونکہ رات دن کے جنس سے نہیں ۔ روزہ روز کا ہوتا ہے نہ کہ شب کا ۔ وامسحوا اور مسح کرو برء وسکم اپنے سروں کا ۔ امام مالک کے پاس پورے سر کا مسح فرض ہے ۔ امام شافعی کے پاس اتنا فرض ہے کہ سر پر " مسح کیا گیا " کہنا صحیح ہو ۔ اور امام ابو حنیفہ کے پاس ناصیۃ یعنی سر کے سامنے کے حصہ کا مسح فرض ہے جس کا اندازہ ربع سر سے کیا گیا ہے ۔

وارجلکم اور اپنے پیروں کو بھی دھو ۔ ارجل جمع رجل پاؤں ، پیر ۔ الی الکعبین دونوں ٹخنوں تک ، ٹخنہ بھی دھلنا چاہیئے کیونکہ یہ پاؤں کا ایک حصہ ہے ۔ اس کی جنس سے ہے ۔

صاحبو ! بہت سے لوگ فرضِ اعتقادی اور فرضِ عملی میں فرق نہیں کرتے ۔ فرضِ اعتقادی ایک قطعی اور متواتر حکم ہے ۔ فرضِ اعتقادی کا منکر کافر سمجھا جاتا ہے ۔ فرض عملی میں اصلی حکم قطعی ہوتا ہے مگر اس کی تعیین اجتہادی ہوتی ہے ۔ فرض عملی کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی ۔ کیونکہ اس میں انسانی رائے اور عقل کو دخل ہے ۔ سر کا مسح فرضِ اعتقادی ہے ۔ اس سے حنفی ، مالکی ، شافعی ، حنبلی کوئی انکار نہیں کرسکتا ۔ مگر اس کی تعیین کہ پورے سر کا مسح یا ناصیہ کا یا اس قدر حصہ کا کہ " مسح کیا گیا " کا لفظ صادق آئے فرض عملی ہے ۔ جہاں انسانی عقل کی مداخلت ہوئی تکفیر ایک طرف ، یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس نے عمل نہیں کیا ۔ لہذا یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ مالکی ، حنفی کے پیچھے اس لئے نماز نہ پڑھے کہ اس نے پورے سر کا مسح نہیں کیا ، یا حنفی شافعی کے پیچھے اس لئے نماز نہ پڑھے کہ اس نے ناصیہ کا مسح نہیں کیا ۔ فرضِ عملی اور واجب میں یہ فرق ہے کہ فرضِ عملی کا ترک ناقابلِ تدارک ہے اور واجب کا ترک قابل تدارک ۔ پس اگر نماز میں اگر کوئی واجب ترک ہوجائے تو اس پر سجدہ سہو آئے گا ۔ اور حج میں اگر کوئی واجب چھوٹ جائے تو اس پر دم یعنی قربانی واجب ہوجائے گی ۔

مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے کہ حنفی ، شافعی ، مالکی ، حنبلی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوکر ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں ۔ یاد رکھو جہاں حضرت انسان کی رائے آئی وہاں احتمالِ خطا پہنچ گیا ۔

واضح ہو کہ وضو میں بعض ائمہ کے پاس نیت فرض ہے اور بعض کے پاس ترتیب بھی ۔ جن کے پاس نیت فرض نہیں ۔ ان کے پاس دھونے سے پاک ہونا پانی کا ایک فعلِ طبعی ہے ۔ جو نیت پر موقوف نہیں ۔ ایک آدمی حوض میں کود پڑا اور پھر نکل آیا اس کا غسل بھی ہوا ، اس کا وضو بھی ہوگیا ۔ کیونکہ تمام جسم جب پانی سے دھل گیا تو منہ دونوں ہاتھ اور پاؤں سب دھل گئے ۔ اس صورت میں چونکہ وضو بھی ایک نیک کام ہے لہذا بغیر نیت کے اس کا ثواب نہ ملے گا ۔ مگر غسل اور وضو ہوجائے گا ۔ بعض ائمہ کے پاس کوئی عمل بغیر نیت کے نہیں ہوسکتا انما الاعمال بالنیات ان کے پیش نظر ہے ۔

وان کنتم ۔ اور اگر ہو تم ، اگر تھے تم ۔ جنباً ۔ ناپاک کنارہ کشی کرنے والا ۔ عموماً ناپاک آدمی بغیر طہارت کے کنارہ کشی کرتا ہے ۔ فاطھروا تو خوب طہارت کرو ۔ شافعیوں کے پاس پورے جسم کا دھونا مقصود ہے ۔ اور اس میں ناک میں پانی لینا ، کلی کرنا داخل نہیں ۔

اور حنفیوں کے پاس چونکہ منہ اور ناک کی طہارت اور صفائی کی جاتی ہے ۔ اس لئے غسل میں کلی اور ناک میں پانی لینا فرض ہے ۔ کیونکہ غسل کے لئے خوب پاک ہونے کا حکم ہے ۔ برخلاف وضو کے کہ وہاں ایسا حکم نہیں ہے ۔ اطھروا اصل میں تطھروا تھا ۔

اب اس کے بعد وضو کا قائم مقام تیمم کا ذکر ہے ۔

و ان کنتم اور اگر تم ہو مرضیٰ جمع مریض بیمار او علیٰ سفر ۔ یا تم سفر پر ہو ۔ اور پانی نزدیک نہ ہو ۔ نزدیکی کا اندازہ ایک میل سے کم سمجھا گیا ہے ۔ بعض ائمہ کے پاس رائے مبتلیٰ بہ معتبر ہے ۔ یعنی جو اس حالت میں مبتلا ہے قریب و بعید کا اندازہ کرنا اسی کا معتبر ہے ۔ او جآء یا آیا ۔ یا آئے احد کوئی شخص منکم تم میں سے من الغائط بیت الخلاء سے ۔ پائخانہ سے ۔ جھاڑے سے او لمستم النسآء یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو ۔ ان کو چھوا ہو ۔ ان کو مس کیا ہو لمستم کے معنے شافعی لوگ ہاتھ لگانے کے لیتے ہیں اور اس کو ناقضِ وضو یعنی توڑنے والی چیز سمجھتے ہیں ۔ اور حنفیوں کے پاس یہ کنایہ ہے جماع سے ۔ حنبلیوں کے پاس شہوت سے عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں ۔

بعض احادیث میں ہے کہ حضرت بی بی عائشہؓ لیٹی ہوئی رہتیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نماز پڑھتے رہتے ۔ سجدہ کرنا ہوتا تو بی بی صاحبہؓ کے پیر کو ہاتھ لگا دیتے اور وہ پیر سمیٹ لیتیں ۔ پھر حضرتؐ سجدہ کرتے ۔

بعض حدیثوں میں یہ بھی ہے حضرتؐ مسجد کو نماز کے لئے جاتے جاتے اپنی بیوی کا بوسہ لے کر چلے جاتے ۔

فلم تجدوا پھر تم نے نہیں پایا مآء پانی کو فتیمموا تم قصد کرو ۔ ارادہ کرو صعیدا طیبا پاک مٹی کا صعیدا وہ چیز جو زمین پر مٹی کی قسم سے ہے ۔ پتھر بھی مٹی کی قسم سے سمجھا جاتا ہے ۔ تیمم کے معنی ارادہ و قصد کے ہیں اور اس سے حاصل ہونے والی پاکیزگی طبعی نہیں جیسے پانی سے ہوتی ہے ۔ لہذا تیمم میں نیت فرض ہے ۔ بخلاف وضو اور غسل کے ۔ فامسحوا ۔ پھر تم مسح کرو بوجوھکم اپنے چہروں پر وایدیکم اور اپنے ہاتھوں پر منہ ۔ اس مٹی سے ۔

مسح میں دو ضرب ہیں یا ایک ضرب کافی ہے ؟

احناف کے پاس ایک ضرب سے منہ پر ہاتھ پھیرنا ہے اور دوسرے ضرب سے ہاتھوں پر ۔ اور شوافع کے پاس منہ اور ہاتھوں پر ایک ہی ضرب کافی ہے ۔

پھر ہاتھ کے کتنے حصہ پر مسح کرنا چاہیئے ؟

حنفیوں کے پاس کہنیوں تک اور شافعیوں کے پاس صرف پہنچوں تک ۔ حنفی وضو کی طرح کہنیوں تک مسح کو ضروری سمجھتے ہیں ۔

ما یرید اللہ ۔ خدا ارادہ نہیں کرتا ۔ خدا نہیں چاہتا ۔ لیجعل ۔ کہ کرے ۔ علیکم ۔ تم پر ۔ من حرج ۔ کسی قسم کی تنگی یا سختی ۔ ولکن یرید لیکن ارادہ کرتا ہے ۔ لیطھرکم ۔ کہ تم کو پاک کرے ۔ تیمم میں منہ اور ہاتھوں پر مٹی کا ملنا نہایت خاکساری پر دلالت کرتا ہے ۔ یہ خاکساری اصلِ عبادت ہے ۔ اسی لئے موجبِ طہارت ہے ۔ ولیتم ۔ اور تاکہ پوری کرے ۔ تمام کرے ۔ نعمتہ اپنی نعمت کو علیکم ۔ تم پر لعلکم ۔ تاکہ تم تشکرون ۔ شکر کرو ۔ اس کے احسانات کو مانو ۔

علمی مشاغل

صبح کا درس اور علمی مشاغل

صبح کا درس اور علمی مشاغل

مذہب انسان کو مہذب بناتا ہے ۔ مذہب ہی تہذیب کا حقیقی جوہر ہے ۔ جب تک آدمی ان اصولوں پر پوری طرح کاربند نہ ہوجائے جو انسانی فطرت کے دائمی اور عالمگیر قوانین کو پیشِ نظر رکھ کر خود پروردگار عالم نے بنائے ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچائے ہیں وہ مہذب نہیں کہلا سکتا ۔ تہذیب کے معیارات ہیں ۔ تہذیب کے ارتقاء کی ایک خاص منزل تک آدمی نفس کی تہذیب کے بغیر نہیں پہنچ سکتا ۔ جہاں اس کو وات کل ذی حق حقہ کی تعمیل میں ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرنا پڑتا ہے ۔ یعنی خدا کا حق خدا کو ، بندے کا بندے کو ، ہر چیز کا ہر چیز کو ، یہاں تک کہ خود اپنی ذات و صفات کا حق اپنی ذات وصفات کو ۔ یہی امر حضرت عبدالقدیر کی زندگی کا ماٹو (نصب العین) تھا ۔

ہر چیز کا حق ادا کرنا ، اقتضائے وقت کے مطابق کام کرنا ، اپنی عدمیتِ اصلی کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا اور توحید پر جمے رہنا ، ردِ امانت کرنا ، بے ارادہ جینا ، حکم پر چلنا ، اطلاق کو اطلاق کا اور تقید کو تقید کا حق ادا کرنے میں اعتدال کو برقرار رکھنا حضرت کی تعلیم کے اہم اقدار ہیں ۔ زندگی بھر حضرت نے اپنے وابستگان اور ملنے جلنے والوں میں اپنے قول و فعل سے ان ہی اقدار کو مستحکم بنانے کی کوشش کی ۔

حضرت کے فرزندِ اکبر مولوی محمد عبدالعزیز صدیقیؒ کے عین جوانی میں لاولد فوت ہوجانے کی وجہ سے حضرت کی ساری توجہ فرزند دوم مولوی محمد عبدالرحیم صدیقیؒ کی طرف مبذول ہوگئی جو آئندہ حضرت کے جانشین کی حیثیت سے مسندِ ارشاد پر متمکن ہونے والے تھے ۔ حضرت موصوف کو " رحیم صاحب " سے مخاطب کرتے تھے اور عام طور پر رحیم پاشاہ سے مخاطب کئے جاتے تھے ۔ اور ناواقف آپ کو فرزندِ اکبر خیال کرتے تھے ۔ موصوف اپنے والد سے حد درجہ مشابہ تھے ۔ اور اسم بامسمّیٰ تھے ۔ کمالاتِ صوری و معنوی سے آراستہ تھے ۔

مدرسہ فوقانیہ میدک سے وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوجانے کے بعد جب موصوف مستقلاً شہر میں منتقل ہوگئے تو " جامع مسکن " مچھلی کمان میں قیام پذیر ہوئے ۔ روزانہ شام میں اپنے گھر سے ملک پیٹھ اپنے والد کی خدمت میں پیدل تشریف لے جاتے رات میں ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور بعد نماز فجر صبح کے درس میں جو آپ ہی کی خاطر حضرت نے بطورِ خاص شروع فرمایا تھا شریک رہ کر گھر لوٹتے ۔ حضرت کی عمر شریف اسی (۸۰) کے لگ بھگ ہوگئی تھی ۔ حضرت نے اپنے آخری زمانہ کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے سینہ میں جو کچھ تھا رحیم پاشاہ صاحب کے سینہ میں منتقل کرنے کی غرض سے صبح کے اس درس کا بطورِ خاص اہتمام فرمایا تھا ۔ رحیم پاشاہ صاحب کے طفیل حضرت کے بیشتر خلفاء اور ذی علم مریدوں کو اس خصوصی درس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ۔ رحیم پاشاہ صاحب حضرت کے اس دور کے شاگرد تھے جس دور میں حضرت کے گھر سے علم و فضل کا دریا ٹھاٹھیں مارتا بہہ رہا تھا ۔ مگر اس وقت کے درس کی نوعیت فیض باطنی کے خصوصی اجراء کی تھی ۔ اس وقت حضرت کا جسم جوان تھا ۔ علم و فضل انتہائی شباب پر تھا ۔ اور مولویت کمال پر نمایاں تھی جس میں فقیری پنہاں تھی ۔ اس مرتبہ جسم ضعیف و ناتوان تھا اور فقیری اوجِ کمال پر تھی اور روح اپنی جوانی کی بہار دیکھ رہی تھی ۔

حضرت کے دولت خانہ پر بے شمار درس کی مجلسوں کو منعقد ہوتا اور حیدرآباد کے بیشتر علماء، فقراء اور مشائخین کو شریک درس ہوتا میں نے بچپن سے دیکھا ہے ۔ بعض درسوں میں شرکت کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی ۔ میں بغیر کسی شش و پنج کے عرض کروں گا کہ اس درس کی نوعیت ہی ان درسوں سے بالکل ہی جدا تھی ۔ اس درس میں علمی کمالات سے زیادہ فیضِ روحانی کا دریا موجزن تھا ۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا " میں رحیم صاحب کو بڑوں میں دیکھنا چاہتا ہوں مگر ان پر محویت غالب رہتی ہے ۔ مجھے دیکھو! میں ہر طرف سے ہوشیار ہوں ان کو ہر وقت ہوشیار کرتا جاتا ہوں "۔

ایک مرتبہ درس میں فرمایا " رحیم صاحب میرے پاس سب سے زیادہ اہم ہیں " چنانچہ ناسازیِ طبیعت کی بناء پر جس روز رحیم پاشاہ صاحب مجبوراً حاضرِ درس نہ ہوسکتے اس روز حضرت درس ملتوی فرما دیتے ۔

صبح کے اس خصوصی درس میں جو بعد نمازِ فجر شروع ہوکر تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے ختم ہوتا تھا حضرت نے اس میں مختلف کتابوں کا درس دیا ۔ ابتداءً لوائحِ جامی کا درس ہوا ۔ اس کے بعد محی الدین ابن عربی کی کتاب " فصوص الحکم " کا درس شروع ہوا اس زمانہ میں حضرت مدینہ منزل کے نو تعمیر شدہ مکان میں سکونت پذیر تھے ۔ اور اس مکان کے بیرونی ہال میں حضرت کے خادمین رہتے تھے ۔ اس ہال میں حاضر خدمت ہونے والوں سے حضرت ملاقات فرماتے ۔

فصوص الحکم کی کتاب نصف سے زائد ہوچکی تھی ۔ درس کے دوران حضرت کے چند ممتاز شاگرد کتاب کے بعض نازک اور اہم مسائل پر آپس میں بحث مباحثہ کرنے لگے تھے ۔ حضرت ان کو دیکھتے مگر کچھ نہ فرماتے ۔ اسی انداز پر دو تین دن درس چلتا رہا ۔ چوتھے دن دورانِ درس میں نے کرنل حبیب علی صاحب سے آہستہ سے کہا " حبیب بھائی حضرت کتاب کو حیلہ بناکر فیض دے رہے تھے ، تین دن سے فیض بند ہے اور صرف کتاب چل رہی ہے "۔ کرنل صاحب نے جواب دیا ۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں پاشا آپ ؟ بحث مباحثہ کے بغیر علم آتا کیسے ؟ میں خاموش ہوگیا ۔ حضرت تخت پر تشریف فرما تھے اور سب کو ملاحظہ فرما رہے تھے ۔ حضرت نے کرنل حبیب علی صاحب سے دریافت فرمایا " حبیب انھوں نے تم سے کیا کہا ؟ اور میری طرف اشارہ فرمایا ۔ حبیب علی صاحب نے عرض کیا " کچھ نہیں سرکار " حضرت نے دوبارہ پوچھا " بولو حبیب انھوں نے کیا کہا " اس مرتبہ بھی حبیب علی صاحب نے بات اڑادینا چاہی ، اس خیال سے کہ کہیں احقر پر حضرت کی ڈانٹ نہ پڑ جائے ۔ حضرت نے تیسری بار شدت سے دریافت کیا ۔ اس پر حبیب علی صاحب نے مجبور ہوکر عرض کیا " سرکار پاشا کہہ رہے ہیں ، حضرت کتاب کو حیلہ بناکر فیض دے رہے تھے ، تین دن سے فیض بند ہے اور صرف کتاب چل رہی ہے "۔ حضرت نے فوراً ہاتھ اٹھائے ، سر بلند کیا اور دعا فرمانے لگے " اللہ فیض جاری کردے ، اللہ فیض جاری کردے ، اللہ فیض جاری کردے "۔ پھر اہلِ درس سے مخاطب ہوکر کہنے لگے " انھوں نے درست کہا ۔ بحثیں کرنا ہے تو اپنے گھر پر کرنا یہاں میں پڑھا رہا ہوں جو کچھ کہوں اس کو سننا ہے تو یہاں آنا "۔ حضرت کے دعا فرمانے اور تصدیق کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ اس درس کی نوعیت بالکلیہ فیضِ باطنی کے خصوصی اجراء کی تھی ، جیسا کہ میں نے خیال کیا ۔

فصوص الحکم کی کتاب ختم ہونے کے بعد حضرت مدینہ منزل کے قدیم اور اندرونی مکان میں منتقل ہوگئے ۔ حضرت کے کمرہ سے متصلہ ہال میں حضرت کی زوجہ محترمہ قیام پذیر ہوئیں ۔ اور حضرت کے کمرہ کی دوسری طرف ایک وسیع دالان در دالان تھا ۔

جس میں حضرت کے خادمین کو ٹھہرایا گیا تھا۔ حضرت وصال تک اسی حصہ میں سکونت پذیر رہے۔ اس حصہ میں منتقل ہونے کے بعد حضرت نے "رسالہ قشیریہ" "نظام العمل فقراء (مرتبہ خود) تبلیغ دین، اور خطباتِ غوثِ اعظمؒ کا درس دیا۔

صحاحِ ستہ کی روایت اب حضرت کو ایک نئی فکر دامن گیر ہوگئی کہ وقت تھوڑا ہے اور کام بہت ہے۔ صحاحِ ستہ کی روایت دینی تھی تاکہ روایت آگے بڑھ سکے۔ حضرت کی نظرِ انتخاب علی پاشاہ صاحب (حضرت کے فرزند سوم ابوتراب علی صدیقی صاحب) پر پڑی۔ حضرت نے دعا فرمائی کہ علی پاشا کا تبادلہ شہر میں ہوجائے۔ موصوف نے شہر میں تبادلہ کے لئے محکمہ میں درخواست دے دی اور اس میں اپنے والد کی کبرسنی کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ موصوف کا تبادلہ مدرسہ فوقانیہ دار العلوم پر بحیثیت مددگار کردیا گیا۔

علی پاشا صاحب کالج میں حضرت کے حدیث کے شاگرد تھے۔ حضرت نے ان کے پیچھے بڑی محنت کی تھی۔ حدیث پر عبور آسان نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب والعجم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم سے سرفراز کیا گیا تھا۔ حضور کے ارشادات کو سمجھنے کے لئے عربی زبان، اس زمانے کے محاورے اور اس وقت کے حالات پر گہری نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت، علی پاشا صاحب کے باپ بھی تھے، استاد بھی تھے اور مرشد بھی۔ یہ تینوں جہتیں ایک ساتھ متوجہ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ حدیث کے کام کو آگے بڑھانے اور جاری رکھنے کی توقع علی پاشا صاحب کے سوا کسی اور سے نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ یوں تو بے شمار لوگوں نے حضرت سے حدیث پڑھی تھی اور سندِ روایت حاصل کی تھی۔ مگر حضرت محسوس کر رہے تھے کہ یہ کام آسان نہیں، کسی اور سے توقع بھی نہ تھی۔ لہذا حضرت نے بطورِ خاص علی پاشاہ صاحب کو صحاحِ ستہ کی روایت دینے کے خیال سے حدیث کا درس شروع فرمایا۔ علی پاشاہ صاحب کے طفیل اہلِ درس کو حضرت سے صحاحِ ستہ کی روایت ان سے لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت کے پاس روایت کی بڑی اہمیت ہے۔ دیر حاضری کی بناء پر جن حضرات کے صفحے چھوٹ گئے تھے حضرت نے ان کو حکم دیا کہ وہ چھوٹے ہوئے حصوں کو علی پاشا کو سنا کر ان سے سند حاصل کریں۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ خود یہ خادم بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا جن کے مختلف صفحات چھوٹ گئے تھے اور جن کو علی پاشا صاحب کو سنا کر ان سے سند روایت حاصل کرنی پڑی تھی۔ اس طرح حضرت نے اپنی موجودگی میں حدیث کی روایت کا علی پاشا صاحب سے اجراء فرمایا، روایت کو آگے بڑھا دیا اور مطمئن ہوگئے۔

صحاحِ ستہ کی روایت جب مکمل ہوگئی تو حضرت نے خود اپنی مؤلفہ کتاب "الدین" کا درس شروع فرمایا۔ جب یہ کتاب اختتام کو پہنچی تو حضرت نے تصوف کے موضوعات پر گفتگو شروع کی اور اپنی ذاتی تحقیقات اور واردات کو بیان کرنا شروع کیا اور وہ ساری باتیں کھول کھول کر سب کے سامنے رکھ دیں بلکہ دل و دماغ میں اتار دیں جن کو لوگ اپنے سینہ میں چھپا کر قبر میں لے جاتے ہیں۔ مسلسل کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت نے خود بھی درس میں فرمایا تھا "میں یہ باتیں پہلے بیان نہیں کرتا تھا اب تم لوگوں سے بیان کردے رہا ہوں"۔

سر چڑھ کے پلاتا ہے احساں تو ذرا دیکھو

تصوف کے موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ شروع فرمانے سے پہلے ایک مرتبہ حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا "حضرت تصوف کے مسائل اور مقامات اتنے نازک ہیں کہ پہلے تو ان کا پوری طرح سمجھنا ہی مشکل ہے دوسروں سے بیان کرنا اور ان مسائل پر

لب کشائی کرنا تو کارے دارد ۔ تصوف عملی چیز ہے ۔ اللہ آپ کو تا دیر سلامت با کرامت رکھے ، تصوف کے اہم اور نازک مقامات پر سے کون گزرا ہے جو خبر دے سکے اور گزار دے سکے ۔ ہم بڑے خوش نصیب ہیں جو حضرت سے وابستہ ہیں ۔ حضرت نے فرمایا ۔ میں ایسا ویسا جاؤں گا ؟ دو اور دو چار کرا کے جاؤں گا ۔ چنانچہ صبح کے درس میں حضرت نے اپنے شاگردانِ خاص کے سامنے جن میں بیشتر حضرت کے خلفاء تھے تصوف کے مسائل پر ایک نہایت اہم تقریر فرمائی تھی ۔ جو خدا اور بندے کے ربط و تعلق کو سمجھنے کے سلسلہ میں حضرت کی تحقیقات اور خصوصی تعلیم پر مشتمل تھی ۔ یہ تقریر نوٹ کرلی گئی تھی ۔ مضمون کے آخر میں اس کو استفادہ خصوصی کے لئے پیش کردیا گیا ہے ۔ مگر ساتھ ہی اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ تفہیمات جدیوں کے لئے ہرگز نہیں ہیں بلکہ صرف خواص ہی کے لئے مفید ہیں ۔ کیونکہ یہ ارشادات حضرت کے آخری زمانہ کے ارشادات ہیں ۔ جن کو حضرت نے اپنے آخری زمانہ کو مدنظر رکھ کر ظاہر فرمادیا ۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۷۵)

مختلف کتابوں کے ان تمام مخصوص درسوں میں بہ پابندی شریک درس رہنے والوں میں حضرت کے مرید اور خلیفہ سید خیرالدین قادری صاحب بھی ہیں ۔ جو تاریخ وار حضرت کے ارشادات اور تفہیمات کو تیزی سے نوٹ کرتے جاتے تھے ۔ حضرت کے ان ارشادات اور تفہیمات کا ایک زبردست ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے ۔ اللہ اس کو خیر متعدی میں مبدل کرنے کا خیر ان سے نمایاں کرے ۔ ●

حضرت رکاب گنج کے گھر سے ابتداءً مدینہ منزل سے متصلہ ایک کرایہ کے مکان میں منتقل ہوگئے تھے ۔ یہ مکان محکمہ محبس کے علاقہ کا تھا ۔ اس وقت مدینہ منزل کا قدیم مکان سرکاری گودام کے لئے کرایہ پر اٹھا ہوا تھا ۔ اسی قدیم مکان سے ملحق ایک جدید مکان زیرِ تعمیر تھا اور اس کی نگرانی کے سلسلہ میں حضرت کو قریب رہنا ضروری تھا ۔ محبس کے مکان میں قیام کے زمانہ میں پولیس ایکشن ہوا ۔ اسی زمانہ میں حضرت کے جسم مبارک پر سوائے چہرہ اقدس کے چھالے نکل آئے تھے ۔ اس بیماری کی تفصیل میں نے کسی اور مقام پر بیان کی ہے ۔ مدینہ منزل کی قدیم عمارت کے عقب میں بڑی کشادہ اراضی تھی ۔ اس کے ایک حصہ میں جو عمارت سے متصل تھا چمن بندی کرائی گئی ۔ رنگ برنگ کے کروٹن اور ہمہ اقسام کے پھولوں کے پودے لگائے گئے اور لان تیار کیا گیا جس میں سنگ اسود کے بنچس جابجا رکھے گئے تھے ۔ اور بقیہ اراضی پر مختلف قسم کے منتخب میووں کے درخت لگائے گئے تھے ۔ کیاریوں میں ترکاریاں بوئی گئیں جو گھر کے استعمال میں لائی جاتی تھیں ۔ میووں میں انجیر اس قدر نکلتا کہ میوہ فروش آکر لے جایا کرتے ۔ اصلی گلاب اور موتیا اتنا نکلتا کہ منڈہ داروں کے ہاتھ فروخت ہوتا ۔ حضرت جب دل چاہتا باغ میں چہل قدمی فرمایا کرتے ۔ درختوں اور پودوں کو دیکھ کر نشاندہی فرماتے کہ فلاں پودا یا درخت فلاں بیماری کا شکار ہے اس میں یہ دوا ڈالو ۔ یا پانی زیادہ دو یا ایک دن آڑ پانی دیا کرو ۔ اس میں فلاں کھاد ڈالو ۔ اسی طرح کی مختلف ہدایتیں دیتے ۔ ان پر عمل کیا جاتا تو درخت اور پودے تازہ ہوجاتے ۔ روح نباتی بھی روح حیوانی کی طرح قسم قسم کے جسموں میں ابھرتی ہے اور طرح طرح کے افعال و خواص کی نمائش کرتی ہے ۔ ہر ورق دفتریست معرفتِ کردگار ۔ اس کے لئے چشم بینا چاہئیے ۔ دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے ۔ خیر یہ چمن آرائی کا ذکر تو گویا ایک جملہ معترضہ تھا جو کچھ طویل ہوگیا ۔

محبس کے مکان کے پچھواڑے کے صحن اور باغ کے درمیان دیوار تھی ۔ حضرت کی آمد و رفت میں سہولت کی خاطر اجازت لے کر ایک عارضی دروازہ نصب کروالیا تھا ۔ چمن کے محاذی کھلی جگہ چھوڑ کر ایک بڑا چبوترہ بنوایا گیا ۔ جس پر ٹین شیڈ ڈال دیا گیا تھا ۔

● جناب سید احمد خیرالدین صاحب نے یہ مجموعہ "فیوضِ صحبت" کے نام سے چھ اجزاء میں شائع کردیا ہے ۔ (اکیڈیمی)

کھلی جگہ کم از کم اتنی تو کشادہ تھی کہ دس بارہ آدمی آسانی سے لٹھ اور بنوٹ کی مشق کرسکتے تھے ۔ ٹین شیڈ ایسے مقام پر تھا کہ نیم کے درخت کی شاخیں اس کو سایہ میں لے کر گرما میں بھی ٹھنڈا رکھ سکتی ۔ گویا یہ مردانہ حصہ تھا ۔ اس زمانے میں سماع کی محفلیں ، ختمِ قرآن کی مجلسیں اور چھوٹی بڑی دعوتیں اسی ٹین شیڈ میں ہوا کرتی تھیں ۔ حضرت کے خادم بھی یہیں رہتے تھے ۔ کچھ دن حضرت نے یہاں پچھلی رات میں ذکر بالجہر بھی فرمایا تھا ۔ پڑوسیوں کے مکانات اتنے فاصلہ پر تھے کہ ذکر بالجہر سے ان کے آرام میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ نہ تھا ۔ حضرت ایک مرتبہ اللہ قال فرماتے اس کے بعد انی انا اللہ لا الہ الا انا کے نعرے مارتے ۔ ہر تھوڑی دیر سے اللہ قال فرماتے اور پھر نعرے مارنے لگتے ۔ عجب کیف و رنگ تھا ۔

تفسیرِ صدیقی — تفسیر صدیقی لکھوانے کے سلسلہ میں فجر کی نماز کے ساتھ ہی حضرت برآمد ہوتے اور ٹین شیڈ میں آکر تشریف فرما ہوجاتے ۔ یہاں ہرن کا ایک چمڑا بھی حضرت کے لئے بچھا دیا گیا تھا ۔ اسی پر تشریف فرما ہوکر حضرت تفسیر لکھواتے تھے ۔ حضرت فرماتے جاتے اور مظہر الدین لکھتے جاتے ۔ تفسیر لکھوانے کا یہ سلسلہ کئی برس جاری رہا ۔ تفسیر کا کام رکاب گنج کے گھر سے شروع ہوکر مدینہ منزل میں منتقل ہونے کے بعد بھی کئی سال تک چلتا رہا ۔ فجر کی نماز کے ساتھ ہی برسات ہو یا کڑاکے کا جاڑا پابندی سے حضرت کی خدمت میں ٹھیک وقت پر پہنچنا اور کئی برس تک بہ پابندی وقت اس کو نباہنا مظہر الدین صاحب پر ختم ہوگیا ۔ حضرت نے ارشاد فرمایا تھا ، مظہر میرا ہاتھ ہے ۔ میں کہتا جاتا ہوں وہ لکھتا جاتا ہے ۔ پوری تفسیر اس نے لکھی "۔

مرزا امام بیگ رونق قادری نے تفسیر صدیقی کی اشاعت کے لئے ایک ماہنامہ " درس القرآن " کے نام سے جاری کرنے کی حضرت سے اجازت لی اور جاری کیا ۔ اس ماہنامہ کو ہند و بیرون ہند بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ۔ ادھر تفسیر لکھوانے کا کام بھی جاری تھا اور ادھر درس القرآن میں اس کی اشاعت بھی ہورہی تھی ۔ تقریباً بائیس (۲۲) یا تیئس (۲۳) پارے کی تفسیر اس میں چھپ سکی ۔ غالباً امام بیگ صاحب کے انتقال کرجانے کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہوگیا ۔

درس القرآن کے پرچوں سے تفسیر کے پارے الگ کرلئے گئے اور ان کو مجلد کرلیا گیا ۔ حضرت نے ہر اتوار کو دس بجے سے تفسیر کا درس اپنے دولت خانہ پر رکھا ۔ تاکہ نظرثانی بھی ہوجائے اور ضروری اضافے بھی کردیئے جائیں ۔ جبیب علی صاحب اس کو پڑھتے ۔ جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوتی اضافے یا تصحیح کردی جاتی ۔ اور شریک درس حضرات کے استفادہ کے لئے حضرت مزید تشریح بھی فرماتے ۔

ان تشریحات کو احمد اللہ قدیری لکھ لیا کرتے تھے ۔ اور القدیر کے ماہنامے میں اس کو طبع کرواتے ۔ احمد اللہ قدیری نے کئی سال تک ماہنامہ القدیر کے ذریعہ حضرت کے خیالات کو عوام تک پہنچانے کی بڑی سعی کی ۔ حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد بھی " القدیر " کئی برس تک شائع ہوتا رہا ۔ جب احمد اللہ قدیری کی صحت نے جواب دے دیا تو مجبوراً انھیں رسالہ کو بند کردینا پڑا ۔

آخری زمانہ میں بھی حضرت کا تصنیف و تالیف کا کام مستقلاً جاری رہا ۔ مضمون کا ترشح جس وقت بھی شروع ہوتا خواہ دن ہو یا رات ، حضرت بلاتعین اوقات خواجہ نظام الدین قادری المعروف بہ خواجہ پاشا کو طلب فرماتے اور لکھوانا شروع کردیتے ۔ نیند سے بیدار ہوئے ہیں ، نیم وا آنکھیں ، کمزوری کی وجہ سے آواز میں پستی ، جملے تو کیا الفاظ بھی ادھورے ادا ہورہے ہیں ۔ اس وقت کا منظر بھی ناقابل فراموش ہے ۔ خواجہ نظام الدین کی نظر حضرت کے ہونٹوں کی حرکت پر جمی ہوئی ہے ۔ اور کان حضرت کی آواز کی طرف ، خیال سے خیال لڑا ہوا ، سب سے بے خبر لکھتے جارہے ہیں ۔ مجال نہیں کہ درمیان کوئی مخل ہو ۔ جتنا بھی لکھوانا منظور ہوتا جس کیف میں رہتے اسی کیف میں لکھوا دیتے ۔

آپ جو کہتے ہیں کہہ دیتا ہوں

میں نہ زندہ ہوں نہ مردہ ہوں میں (حضرت صدیقیؒ)

اب حضرت پوری طرح اس طرف متوجہ ہوجاتے اور فرماتے "ہاں سناؤ" خواجہ پاشا عبارت پڑھ کر سناتے اور حضرت پورے انہماک سے سنتے۔ کہیں الفاظ متروک ہوجاتے تو لکھوا دیتے۔ کہیں کہیں معمولی سی لفظی تبدیلی کروادیتے۔ اور مطمئن ہوجاتے۔ برسوں حضرت کی صحبت میں رہنے اور ڈکٹیشن لیتے رہنے کی وجہ سے حضرت کے خیالات اور اندازِ بیان کا خواہ پاشا کو پوری طرح اندازہ ہوگیا تھا۔

بتورہ اور ٹیکمال دونوں خاندانوں سے تعلق رکھنے والا یہ مشائخ زادہ اوائلِ نوجوانی سے حضرت کے زیرِ پرورش رہا۔ سیدوں میں سیادت کا جو غرہ اور تناؤ رہتا ہے وہ ان میں پوری شدت سے موجود تھا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے ان کا نفس شیطان سے زیادہ موٹا ہے۔ بڑی مشکل سے صرف مجھے مانا ہے۔ جہاں ان پر خفا ہوتے وہیں ان کی ناز برداری بھی فرماتے کہ سید کا بچہ ہے۔ بہرحال جمال ہوکہ جلال، حضرت کے پاس برسوں ٹکے رہنا، نظم ہو یا نثر اس طرح ڈکٹیشن لیا کرنا خواجہ پاشا اور صرف خواجہ پاشا کا حصہ تھا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

کوئی غزل مکمل ہوتی یا مضمون یا رسالہ تکمیل کو پہنچتا تو کرنل حبیب علی صاحب کی طلبی ہوتی وہ جس حال میں رہتے دوڑے چلے آتے۔ ان کو یقین رہتا کہ اس وقت حضرت ان ہی کے انتظار میں ہیں۔ ان کو اشعار سنواتے اور اس کی ایک نقل ان کے حوالے کردیتے تاکہ محفوظ رہے۔ مضمون یا رسالہ تیار ہوتا تو بغرض طباعت ان کے حوالے کردیتے۔ طباعت کے کاموں میں حبیب علی صاحب نے بہت حصہ لیا۔ حضرت کے اشعار کی اگر وہ جان و دل سے حفاظت نہ کرتے تو حضرت کا مجموعہ کلام اس طرح بہ آسانی طبع نہ ہوسکتا۔

کرنا حبیب علی صاحب کی شخصیت ہی وہ واحد شخصیت تھی جو یہ دعویٰ کرسکتی تھی کہ میں ہی وہ واحد شخص ہوں جو حضرت کے ہمراہ سفر میں حضر میں ہر جگہ لگا لپٹا رہا۔ اور حضرت کا کبھی ساتھ نہ چھوڑا۔ حبیب علی صاحب حضرت کے واحد رازدار آدمی تھے جن سے حضرت کا کوئی معاملہ پوشیدہ نہ تھا۔ حضرت نے ان کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ ان سے سلسلہ بیعت، درس و تدریس تصنیف و تالیف، پند و نصیحت کا سلسلہ ان کے انتقال تک جاری رہا۔

ایک مرتبہ دن میں حاضرِ خدمت ہوا۔ دیکھا کہ کرنل حبیب علی صاحب حضرت کے سامنے کھڑے ہیں۔ دو تین حضرات اور بھی ہیں۔ حضرت حبیب علی صاحب سے مخاطب تھے اور کچھ فرمارہے تھے۔ ان لوگوں میں حضرت کی گفتگو سننے کا اشتیاق اور انہماک پایا جارہا تھا۔ میں جوں ہی کمرہ میں پہنچا تو حضرت نے سلسلہ گفتگو منقطع فرمادیا اور فرمایا حبیب! اب یہ آگئے یہ کوئی بات سن کر خاموش نہیں ہوجاتے۔ گھر جاکر لکھ لیتے ہیں۔ لکھ کر اپنے پاس رکھ نہیں لیتے اس کو چھپاکر ہزاروں میں مفت تقسیم کردیتے ہیں۔ حبیب علی صاحب سکتہ میں آگئے اور دیگر لوگوں نے مجھے کڑوی نظروں سے دیکھا گویا کہہ رہے ہوں عجب آدمی ہے۔ اس کو پتہ ہی نہیں کہ حضرت کی تعلیم و ارشادات، دعوتِ خاص ہیں، دعوتِ عام نہیں۔ قریب پہنچ کر قدم بوسی حاصل کی تو نہایت شفقت سے سر پر ہاتھ رکھا اور میری طرف متوجہ ہوگئے۔ کچھ دیر منتظر رہنے کے بعد حاضرین قدم بوسی حاصل کرکے واپس ہوئے۔ قریب رہنے والے اور رات دن آنے جانے والے جانتے تھے کہ میں جب کبھی حاضرِ خدمت ہوتا ہوں، حضرت آدھے پون گھنٹے سے کم گفتگو نہیں فرماتے۔ اور نہ کسی اور کی طرف توجہ فرماتے ہیں الا اس کے کہ صاحبزادے ہوں۔

حضرت کے مقالات اور مضامین کی طباعت کے سلسلہ میں مصباح الدین قادری اکزیکیٹیو انجنیر برقی مرحوم ، دامے ، درمے پیش پیش رہے ۔ مذہبی علم اور علماء کی ناقدری کے دور میں اشاعت پر حسبۃً للّٰہ روپیہ صرف کرنا آسان نہیں ۔ اس سلسلہ میں ان کی شخصیت قابلِ تقلید اور ناقابلِ فراموش ہے ۔

ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں کچھ رقم بطور نذر پیش کی ، حضرت نے اشارہ سے دریافت فرمایا یہ کس غرض سے ہے ؟ انھوں نے عرض کیا " تفسیر لطیفی " کی طباعت کے لئے نذر ہے ۔ ارشاد فرمایا " صمدانی پاشا (یعنی احقر) کو دے دو ۔ چھپائی کا انتظام وہی کرتے ہیں " ۔ جب وہ واپس ہورہے تھے اتفاقاً میں بھی پہنچا تو انھوں نے سارا تذکرہ کیا ۔ میرے ساتھ دوبارہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کے بالمواجہ وہ رقم میرے حوالے کی ۔ حضرت نے ان سے فرمایا " باوا ! صمدانی میرا معتمد ہے " ۔ مصباح الدین صاحب مجھ سے معذرت چاہنے لگے ۔ حضرت ان سے نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے ۔ حضرت نے ان کو خلافت بھی عطا کی تھی ۔ چنانچہ حضرت کے وصال کے بعد لوگ ان کے طور طریق اور ان کے خیالات سے متاثر ہوکر ان کے مرید بھی ہوئے تھے ۔ حضرت سے ان کی نسبت اور عقیدت بڑی استوار تھی ۔ وہ جب کبھی حاضر ہوتے ، خواہ کوئی محفل ہو ، حضرت کے دولت خانہ پر ہو یا کسی اور جگہ ، بلا تکلف حضرت کے پاس پہنچ جاتے ۔ دیگر مشائخین یہاں تک کہ حضرت کے صاحبزادوں کا بھی خیال نہ کرتے اور بالکل قریب بلکہ ماڈی سے ماڈی لگاکر بیٹھ جاتے اور محفل برخواست ہونے تک حضرت کے پاس سے نہ ہٹتے ۔ ان میں ایسی سادگی ، صاف دلی اور اتنا خلوص تھا کہ ان کا ایسا طرز عمل کسی کو ناگوار نہ گزرتا ۔

حضرت کے رقمی کاروبار ، بینک میں رقم جمع کرنا بینک سے رقم نکالنا اور جائیدادوں کی نگرانی کرنا پروفیسر نصر اللہ صاحب قادری کے ذمہ تھا ۔ نصر اللہ صاحب صبح کے درس میں بلا تاخیر بہ پابندی حاضر رہنے والوں میں سے ایک ہیں ۔ نصر اللہ صاحب کی انگریزی بہت اچھی تھی ۔ آج کے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کو حضرت کے خیالات سے واقف کرانے اور حضرت سے قریب کردینے کی غرض سے انھوں نے حضرت کے کئی مضامین انگریزی میں ترجمہ کرکے شائع کئے ۔ اور صحیح ہاتھوں میں پہنچانے کی کوشش کی اور اشاعت دین کے جذبہ کے تحت ان پمفلٹوں کو یورپ اور امریکہ کے علمی حلقوں میں تقسیم کروانے کا بھی بندوبست کیا ۔ نصر اللہ صاحب کو حضرت سے خلافت حاصل ہے ۔ ان سے بھی سلسلہ بیعت جاری ہے ۔ آج کل امریکہ میں مقیم ہیں ۔ وہاں بھی اشاعت دین کی خدمت میں مصروف ہیں ۔ چنانچہ وہاں کے کئی مرد اور کئی خواتین نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس پر مضبوطی سے نہ صرف قائم ہیں بلکہ نصر اللہ صاحب کے مرید بھی ہوئے ہیں ۔

دورانِ درس مزید تفہیم کے لئے سوالات کرنے کی لوگ جرأت نہ کرتے تھے ۔ مگر شاہ اللہ خان صاحب قادری فردِ واحد تھے جو بے جھجک سوالات کرڈالتے ۔ بعض وقت تو حضرت کے ساتھ کٹ حجتی کرنے لگتے ۔ سب کو اس خیال سے پریشانی شروع ہوجاتی کہ کہیں ان کی کٹ حجتی کی بناء پر حضرت ان سے ناراض نہ ہوجائیں ۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا " باوا ! ہمارے حضرت پچاس سال کے اندر جو کر گزرے ، میری عمر نوے (۹۰) کے لگ بھگ ہے آج تک نہ کرسکا " ۔ شاہ اللہ خان صاحب نے اپنے خاص لہجہ میں کہا " میں تو اس بات کو ہرگز ماننے تیار نہیں ۔ آپ کی عمر کے مزید چالیس سال کیا یوں ہی اکارت گئے ؟ حضرت سب سن سکتے تھے مگر اپنے پیر و مرشد کے بارے میں بے حد سخت تھے ۔ حاضرین درس شاہ اللہ خاں صاحب کا منہ تکنے لگے ۔ اور ان پر

حضرت کی زبردست ڈانٹ کے منتظر تھے ۔ حضرت کے چہرہ پر ناگواری کے آثار نمایاں ضرور ہوئے مگر شاہ اللہ خاں کے منہ پھٹ ہونے کا لحاظ کرکے آگے کچھ نہ فرمایا ۔ شاہ اللہ خاں صاحب درس میں وقت سے پہلے آتے اور آتے وقت تھرماس میں چائے ، کچھ بسکٹ ساتھ لاتے اور حضرت کی خدمت میں پیش کرتے تاکہ درس دینے سے پہلے حضرت تازہ دم ہوجائیں اور اس ضعیفی میں بغیر ناشتہ کئے درس دینے کی وجہ سے بار نہ ہو ۔ شاہ اللہ خاں صاحب کو حضرت نے خلافت سے سرفراز فرمایا ہے ۔ نہ معلوم ان کی کیا بات اللہ و رسول کو پسند آئی کہ ہجرت کرجانے کی اجازت ملی اور وہ مدینہ طیبہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ عام طور سے ان سے ملاقات اصحاب صفہ کے چبوترے پر ہوا کرتی ہے ۔

حضرت کی گفتگو کے درمیان بات میں بات پیدا کرنا ، نازک باتوں پر واہ ! واہ ! کرنا اور حضرت نے کیا نازک بات فرمائی اس پر حاضرین درس کو متوجہ کرنا ، یہ ڈاکٹر عبدالحفیظ قتیلؔ کے حصہ کی بات تھی ۔ قتیلؔ صاحب رحیم پاشا صاحب کے شاگرد اور مرید تھے ۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ قتیلؔ کی خلافت کے سلسلہ میں حضرت منتظر تھے اور رحیم پاشا صاحب کو توجہ بھی دلائی تھی ۔ تعمیل حکم میں بطور خلافت رحیم پاشا صاحب نے اپنی ٹوپی قتیلؔ صاحب کو پہنا دی اور حضرت سے عرض کیا کہ " تعمیل حکم میں قتیلؔ کو خلافت دے چکا ہوں " یہ سن کر حضرت نے اپنی گدڑی کی کلاہ نکلوائی اور اپنے دستِ مبارک سے قتیلؔ صاحب کو پہنادی اور نہایت مسرور ہوئے

دورانِ درس نہایت پر لطف سوالات کرنے میں ابوالمعظم قاضی عبدالغفار صاحب کا جواب نہ تھا ۔ اس موقع پر ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ ان کے سوالات اور حضرت کے برجستہ جوابات سننے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ مثلاً قاضی صاحب نے سوال کیا ، اللہ مقتدرِ اعلیٰ ہے چاہے تو قضائے مبرم کو بھی بدل سکتا ہے ۔ حضرت نے جواب دیا " یہ وہ کہتا ہے جو اللہ کو بے وقوف سمجھتا ہے " ۔

درس میں بعض وقت اشاروں اور استعاروں میں گفتگو فرماتے تھے ۔ جس کو ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق سمجھتا تھا ۔ مثلاً ایک مرتبہ صبح کے درس میں اہلِ درس کو مخاطب کرکے فرمایا " میں تو یہ روتے بیٹھا ہوں کہ کم بختے میرے پاس کاہے کو آئے اپنی مٹی خراب کرنے کو ۔

کیوں بیٹھے ہو خودکشی کو تیار اے مردِ خدا یہ کیسا سمائی

دیکھا تو وہ چیز اور ہی تھی کچھ اور ہی تھی سنی سنائی

حسرت میرے پاس کیا دھرا ہے اک جان سو وہ بھی ہے پرائی

مجھ کو میری بندگی مبارک تجھ کو تیری شانِ کبریائی

اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو تم کو بھی محبت کہیں مجھ سا نہ بنادے

شیر ہے مگر ناخن نہ دانت ، واہ رے شیر ۔ تم شکار کرنا نہیں شکار ہوجانا ۔ ہم بھی اللہ میاں کے تماشے ہیں ۔ ان کو تماشہ دیکھنا منظور ہوا تو ہم کو پیدا کیا ۔ اجمال تفصیل میں آرہا ہے ۔ کیا بولا ، حبیب ۔

میں چکر گھمی میں ہوں کہ ایک بچی آئی ۔ تو شاہ ہے ؟ جی ہاں میں شاہ ہوں ۔ وہ شاہ کی بیوی تھیں ۔ کچھ تعجب کیا نہ حیران ہوئی مجھے اچھا معلوم ہوا ۔

آپ کسی کو دیکھے ؟ نہیں ۔ آفتاب کو دیکھے ۔ آفتاب اس میں نظر آیا ۔ پھر آفتاب کو بھی نہیں دیکھے ۔ اپنے آپ میں چھپتے

بس خیال ہے دوئی کا۔ ارے! یہ رحمت ہے رے دیوانے۔ یہ خیال بھی۔ نہیں تو اس کی قہاریت سب کو فنا کردیتی ہے۔

اگر سچ پوچھئے غفلت نشانِ شانِ رحمت ہے

ہم غفلت کی وجہ سے جی رہے ہیں۔ غفلت نہ ہوتی تو فنا ہوجاتے۔

سب لوگ کوشش کرتے ہیں علم کے واسطے۔ ہم کوشش کرتے ہیں بے علمی کے واسطے۔ تم علم سیکھنے کو آئے میرے پاس؟ (یعنی یہاں علم کھوجاتا ہے)۔ یہ سب بچے ہوشیار ہیں۔ (ہاتھ پر ہاتھ رگڑتے ہوئے) مگر یہ ہوشیاری فنا کردینا۔

کچھ نشہ نہیں ہوتا ساقی مئے خالص سے

اب ساغر و مینا میں کچھ زہر ہی ملوادے (حسرت صدیقیؒ)

بڑے نشہ کرنے والے مجبور ہوکر جب نشہ نہیں ہونے لگتا تو سنکھیا تک کھالیتے ہیں۔ یہ ایسے ہوتے ہیں کہ سانپ ان کو کاٹے تو مرجاتا۔

مجھے رحم آتا ہے ان بچوں پر۔ ہوشیار بچے۔ ان کی کیا عقل ماری گئی۔ یہ علم سیکھنے کو آئے؟ علم کھونے کو آئے؟ ہر چیز اپنے وقت پر صحیح ہے۔ علمِ صحیح۔ ارے کونسا علم صحیح رے۔ سب علم اللہ کے پاس ہی سے آتا ہے۔ اس کا علم غلط ہوتا؟ (یعنی اسی کا علم ہرگز غلط نہیں ہوتا)۔

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

کاہے کو آئے رے، بے وقوف بننے کو؟ ارے یہ بے وقوف بننے پر بڑے خوش۔ غم غم، کیا غم؟ غلط بات ہمارے پاس آتی کہاں؟ غلط بات نہیں تو غم کیسا؟ پھر یہ کیا تکلیف؟ ارے یہ تکلیف میں بھی مزا ہے رے۔ اس کے پاس کوئی غلط بات آتی؟ نہیں آتی۔ ہم سمجھے غلط، ہائے ہم سمجھے غلط۔ حفیظ قتیلؔ نے مصرع پڑھا "پیوند خاک ہوگا نقش قدم بنے گا" حضرت نے فرمایا "نقش قدم سے راستہ ملتا۔ ارے کوئی گیا رے ادھر سے"۔

ایک مرتبہ درس میں فرمایا "کوئی دوکان لگاکر بیٹھا ہوگا تو کوئی خریدار آیا ہوگا"۔

سیر گہ میں دل کسی نے لے لیا کیا تماشے میں تماشا ہوگیا

رہ گئے حسرت کلیجہ تھام کر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ کیا ہوگیا (حسرت صدیقیؒ)

"سورج تم دھیرے تپو مورا بالا جوبن کملائے ہے"

اس دور میں جب کہ حضرت خود اپنے دستِ مبارک سے مضامین لکھا کرتے تھے، اس زمانہ میں حضرت کے ایک خلیفہ قاضی منیر الدین فاروقی، قاضی پربھنی و صدر محافظ عدالت العالیہ تھے، جو دیگر پیر بھائیوں کے ساتھ رکاب گنج کے مکان کے بنگلہ پر رہا کرتے تھے۔ ان کا کام تھا کہ حضرت کے ملفوظات اور تحریرات کو محفوظ کرلیں۔ چنانچہ ایک ضخیم رجسٹر ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا۔ حضرت کی عربی میں لکھی ہوئی کتاب "الدین" قاضی صاحب کے زیر اہتمام چھپی۔ قاضی صاحب فاروقی تھے۔ ان کو حضرت نے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ ان میں جہاں غصہ شدید تھا وہیں رحم و کرم بھی انتہا پر تھا۔ نہایت سخی تھے۔ سخاوت پر آتے تو تنخواہ ملتے ہی ساری تنخواہ غریبوں میں تقسیم کرتے ہوئے خالی ہاتھ گھر واپس آتے۔ ان کے جنازہ پر کھڑے ہوکر حضرت نے اوپر نظر کی

اور فرمایا - ایسا سخی تجھے اب نہیں ملے گا "۔

طباعت کا کام اس دور میں ابتداءً طباعت کا کام سید مظہر علی شوکت قادری المعروف بہ شوکت میاں کے ذمہ تھا۔ چنانچہ حضرت کی تصنیف " معیار الکلام " اور " رسالہ اعجاز القرآن " اور دیگر متعدد رسالے اور حضرت کے اردو ، فارسی اور عربی کلام کے مجموعے " نسیم عرفان " " زمزمہ محبت " اور " زفرات الاشواق " ان ہی کی زیر نگرانی طبع ہوئے۔

اس کے بعد کے دور میں طباعت کا کام محمد مظہر الدین صاحب قادری کے ذریعہ لیا جانے لگا۔ چنانچہ " المعارف " حصہ اول و دوم جو حضرت کے مقالات اور ارشادات پر مشتمل ہیں اور قاضی منیر الدین صاحب کے جمع کردہ ہیں۔ مظہر الدین صاحب کے زیر اہتمام حصہ اول ۱۳۵۴ھ میں اور حصہ دوم ۱۳۵۶ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئے۔ المعارف کے تینوں حصوں میں جو مقالات اور مضامین چھپے ہیں ان مقالات کو حضرت نے ماہوار رسالہ " النور " کے لئے لکھا تھا۔ یہ رسالہ حضرت کے بڑے داماد ابو الفتوح سید محمد باقر حسینی صاحب طارق کے زیر ادارت محلہ قاضی پورہ سے شائع ہوتا تھا۔ ابتداءً یہ مضامین رسالہ النور میں شائع ہوئے تھے۔ بعد میں ان کو کتابی شکل میں طبع کرایا گیا۔

جس زمانہ میں طباعت کی ذمہ داری حضرت نے مجھے سونپی میں نے حضرت کو توجہ دلاکر قاضی منیر الدین صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے حضرت کے کئی غیر مطبوعہ مضامین بغرض طباعت رجسٹر سے نقل کرلئے اور ان مضامین کی رسالوں کی شکل میں طباعت بھی عمل میں آئی۔ اس رجسٹر میں حضرت کے دیئے ہوئے نہایت اہم فتاوے اور کئی ایسے مضامین بھی تھے جن کی ہنوز طباعت عمل میں نہ آسکی تھی۔ کسی علم حرام نے اس رجسٹر کو غائب کردیا۔ رجسٹر غائب ہوجانے کا جتنا بھی ملال کیا جائے کم ہے۔ کاش وہ شخص مضامین کی اہمیت کے مدنظر اس رجسٹر کو ترکیب ہی سے سہی سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں پہنچا دے تاکہ غیر مطبوعہ مضامین کی " حسرت اکیڈیمی " کے ذریعہ طباعت و اشاعت ہوجائے۔ اسی زمانہ میں حضرت نے مجھے حکم دیا کہ " تم اپنے نام کے ساتھ " ابو الفیض " لکھا کرو - اگر کوئی پوچھے تو کہو یہ نام (لقب) میں نے دیا ہے۔ چنانچہ حضرت کے بعض رسالوں پر جو میرے زیر اہتمام طبع ہوئے ہیں۔ نام کے ساتھ ابو الفیض بھی موجود ہے۔

وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوجانے کے بعد کے دور میں جب کہ حضرت رکاب گنج کے مکان میں مقیم تھے۔ دن کے بیشتر اوقات میں مطالعہ میں غرق رہتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت کے مطالعہ فرمانے کے انداز کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ بڑے گھر کے پیش دالان میں زہ کے قریب ایک کمبل بچھی رہتی اور سرہانے تکیہ ، تکیہ کے بازو کچھ کتابیں ، پان کی ڈبیا ، اگالدان ، ناس کی ڈبیا ، سگار کا ڈبہ۔ حضرت اس کمبل پر لیٹے رہتے۔ سر تکیہ سے اونچا دیوار سے ٹکا ہوا۔ گلے میں تسبیح حمائل ، سینے پر کتاب کھلی ہوئی ، دونوں ہاتھوں سے کتاب تھامے ہوئے۔ منہ میں پان ، سامنے کے دانتوں سے چھالیہ کے دانے کھٹکتے ہوئے اور غرق مطالعہ۔ گھر کے لوگ مطالعہ میں خلل انداز نہ ہونے کے خیال سے حضرت کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے ڈرتے تھے۔ حضرت کی نظر کتاب پر جمی ہوئی رہتی گھنٹوں گزر جاتے مگر صفحہ الٹنے کا نام نہیں ، بظاہر تو دنیا دیکھتی کہ حضرت مصروفِ مطالعہ ہیں۔ مگر اصل حال خدا بہتر جانے۔ ہوسکتا ہے کہ اپنی محویت میں کسی کے خلل انداز نہ ہوسکنے کا حضرت نے بظاہر کتاب کو حیلہ بنایا ہو۔ ظاہراً مولوی باطناً فقیر۔ اولاد و احفاد کی کثرت سے گھر میں گڑبڑ سی رہتی۔ مگر حضرت کی خلوت در انجمن پر اس کا مطلق اثر نہ پڑتا۔

حضرت کی طبیعت کی افتاد ابتداء ہی سے خلوت کی خواہاں اور جلوت سے گریزاں رہی ۔ باوجود اس کے زندگی کی ظاہری مشغولیتوں اور اس کے تقاضوں کا بھی حضرت نے گو پورا پورا حق دیا مگر خلوت کی طلب بھی بہانے ڈھونڈتی رہتی تھی ۔ جوں ہی کاموں کے تقاضوں سے مہلت ملتی حضرت اپنے دل کی دنیا میں ایسی جگہ پہنچ جاتے جہاں خود حضرت کو اپنا پتہ بھی نہ رہتا ۔ ایک ایسی ہی حالت میں حضرت کے بھتیجے اور داماد مولوی محمود عبدالصبور صدیقی صاحب المعروف بہ یوسف پاشا ، حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے ۔ حضرت نے آہٹ پر سوال کیا کون ؟ انھوں نے جواب دیا عبدالصبور ۔ کون عبدالصبور ؟ انھوں نے عرض کیا یوسف ۔ اتنی دیر میں حضرت اس طرف متوجہ ہوگئے تھے ۔ فرمایا " مجھے ابھی اطلاع ہوئی یوسف پاشا ہیں "۔ پھر ان سے گفتگو فرمانے لگے ۔ عبدالصبور صاحب نے بعد میں تذکرہ کیا کہ چچا حضرت کے سوال پر سوال کرنے سے مَن عائشہ والی حدیث میرے پیش نظر ہوگئی ۔ یہ واقعہ حضرت کے مدینہ منـزل میں قیام کے زمانہ کا ہے ۔

جس زمانہ میں حضرت کالج تشریف لے جایا کرتے تھے فجر کی نماز کے ساتھ ہی ایک شیر مال اور ایک سادہ چائے کی پیالی حضرت کے ملاحظہ میں پیش کردی جاتی ۔ حضرت شیر مال چائے کے ساتھ نوش فرماتے اور پان کھاکر مطالعہ میں مصروف ہوجاتے ۔ آٹھ بجے دسترخوان بچھتا ۔ ناشتہ سے فراغت حاصل کرتے ، چائے پیتے ، پان کھاتے اور کالج کو جانے کی تیاری شروع کردیتے ۔ ڈارک بلو کلر کی سرج کی شیروانی زیبِ تن فرماتے ۔ سر پر ملائم سیاہ بالوں کی اونچی دیوار کی ٹوپی ، پیر میں سیاہ رنگ کا قیمتی پمپ شوز پہنتے ۔ اور عمدہ قسم کا ناسی رنگ کا شال گلے میں حمائل کرتے اور موٹر میں تشریف فرما ہوجاتے ۔ ایک آدھ کتاب بھی بعض وقت ہاتھ میں ہوتی ۔ حضرت کے پاس پیلے رنگ کی ڈاج تھی ۔ جب کار اسٹارٹ ہوتی تو گھر کے تمام افراد سمجھ جاتے کہ اس وقت ٹھیک نو بجے ہیں اور موٹر روانہ ہوجاتی ۔ حضرت نے اپنے وقت کی بے حد قدر کی ۔ حضرت کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مصروف تھا ۔ کالج کے قدیم طلباء سے پوچھئے وہ بتلائیں گے کہ بحیثیت پروفیسر حضرت کس شان کے مالک تھے ۔ کالج کے طلباء کو گھر پر آنے کی حضرت نے اجازت دے رکھی تھی ۔ جب بھی موقع ملتا دیگر فنون کے طلباء بھی مذہبی معلومات کے سلسلہ میں گھر پر حاضر ہوکر استفادہ کرتے تھے ۔

حضرت سے کوئی شخص سوال کرتا کچھ مسئلہ پوچھتا تو اس کے سوال کے مقصد اور اس کی غرض و غایت کو معلوم کرلیتے اور جواب میں اس کے مشکل مسئلہ کا حل پیش فرما دیتے ۔ اور اس کی تشفی ہوجاتی ۔

حضرت اجمالی سوال کا جواب اجمال میں اور جامع سوال کا جواب جامع انداز میں دیتے ۔ مسائل کے سوال سے اس کی علمی استعداد سے واقف ہوجانے کی بناء پر اگر دورانِ جواب کہیں تفصیل ضروری سمجھتے تو بقدر ضرورت تفصیل میں جاتے تھے ۔

وظیفہ حسنِ خدمت پر بٹنے کے بعد بھی حضرت نے درس و تدریس کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رکھا ۔ حضرت کا اس غضب کا حافظہ تھا کہ طویل مدت کی باتیں من و عن بیان فرما دیتے تھے ۔ انتقال تک حافظہ کا یہی عالم رہا ۔ حضرت کی خدمت میں بغرض ملاقات حاضر ہونے والوں میں پڑھے لکھے اور لائق لوگوں کی تعداد بھی زیادہ تھی ۔ اسکالرس حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے ، خود اپنا تعارف کراتے یا کوئی ان کا تعارف کراتا تو پہلی ہی ملاقات میں خلوص ، محبت اور بزرگانہ شفقت کا اظہار اس انداز میں فرماتے کہ اس کے دل پر نقش ہوجاتا ۔ دورانِ گفتگو بعض باتیں پوچھتے ۔ مثلاً یہ کہ کالج میں مضامین کیا تھے ؟ تمہارا رجحان طبع کس طرف ہے ؟ اب کیا کرنے کا ارادہ ہے ؟ تمہارے پروفیسر کون کون ہیں ؟ مضمون کی مناسبت سے ایک دو سوالات بھی کرتے ۔ تشفی بخش جواب ملتا تو

بہت خوش ہوتے ۔ اس طرح اس کو اپنے قریب کرلیتے ۔ ایک آدھ بات ایسی فرمادیتے کہ مخاطب میں عشقِ خدا و رسولؐ کا شعلہ بھڑک اٹھتا ۔ لذتِ ایمان کا چسکا لگتا اور آدمی بار بار حاضر ہونے کا اشتیاق اور حضرت کی بے پایاں محبت اور شفقت کا ہر دفعہ ایک نیا اثر نیا جذبہ اور نیا حوصلہ ساتھ لے جاتا ۔

بعض ہم عصر علماء

حضرت کے ہم عصر علماء ، پروفیسرس ، فقراء اور مشائخین حضرت کی خدمت میں جس وقت بھی ان کو کسی معاملہ میں ضرورت درپیش ہوتی حاضر ہوا کرتے اور استفادہ کرتے ۔ ان کے پاس حضرت کا فضل و کمال ، ورع و تقویٰ ہر طرح مسلم اور ثابت تھا ۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ علم و عمل کی متعدد شاخوں میں حضرت اپنا عدیل و نظیر نہیں رکھتے ۔

مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری معتمد صدر مجلس علمائے دکن جو حضرت کے ماموں زاد بھائی اور شاگردِ خاص تھے حضرت کے پاس منعقد ہونے والی حدیث و فقہ اور تصوف کی ان خصوصی درس کی مجالس میں بہ پابندی شرکت فرماتے تھے جن میں حیدرآباد کے علماء و مشائخین شریک درس رہتے تھے ۔ اپنے ایک مضمون میں اس طرح اعترافِ حقیقت فرماتے ہیں ۔

" ہم عصر علمائے کرام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حاضر ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی دریائے علم کے ابتدائی شناور ہیں جو دریا کے کنارے کھیل رہے ہیں " ۔ (ماخوذ از رسالہ القدیر ۸۱)

پروفیسر الیاس برنی صاحب حضرت کے کالج کے ساتھی پروفیسر اور سمدھی بھی تھے ۔ حضرت جہاں کہیں رہے تشریف لایا کرتے تھے ۔ یہ تھے تو معاشیات کے پروفیسر مگر سیاست پر بھی گہری نظر رکھتے تھے ۔ نفسیات کے تو ماہر تھے ۔ نہایت قیافہ شناس تھے ۔ حج میں حضرت کے رفیقِ خاص تھے ۔ حضرت نے ان کو اپنا امیر سفر بنایا تھا ۔ راز و نیاز کی باتوں سے بڑی دلچسپی تھی ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کوچہ کی ہوا اچھے اچھوں کو نہیں لگی ۔ حضرت سے سننا چاہتے تھے ۔ حضرت سے استفادہ کرنے کا ان کا ڈھنگ ہی نرالا تھا ۔ آتے ہی فرمادیتے میں تخلیہ چاہتا ہوں ۔ مجبوراً حاضرین کو برخواست کرنا پڑتا ۔ گھنٹوں تخلیہ میں حضرت سے تصوف ، سلوک اور رموز باطنی کے مسائل پر گفتگو رہتی ۔

برنی صاحب مولانا شاہ محمد حسین صاحب ناظم عدالت سمستان ، ونپرتی کے مرید اور خلیفہ خاص تھے ۔ محمد حسین صاحب کے پاس توحید پر بے حد زور تھا ۔ شغل مطلقہ میں رہتے ۔ چنانچہ آخری زمانہ میں ان پر توحید محض کا رنگ اس قدر غالب ہوا کہ بھڑک گئے تھے ۔ ان کے احوال دیکھ کر ان کے متعلقین متفکر ہوگئے ۔ چنانچہ برنی صاحب حضرت کو اپنے مرشد کے پاس لے گئے ۔ حضرت نے محمد حسین صاحب پر توجہ فرمائی اور ان کو رسالت کی طرف متوجہ کیا اور ان میں الحمد للہ اعتدال پیدا ہوگیا ۔

الیاس برنی صاحب حضرت کے ہمراہ حج و زیارت کے لئے عازم سفر ہوئے تو ان کے والد محمد ابراہیم برنی صاحب نے ان سے فرمایا " تو ان کے ساتھ جارہا ہے ، اتنے بڑے آدمی کے ساتھ ، اللہ تیری حفاظت کرے " ۔

برنی صاحب نے پورا قرآن تجوید کے ساتھ حضرت کو سنایا اور سند روایت حاصل کی ۔ ان کے پاس حضرت کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی ۔ دل سے قائل تھے ۔ صراط الحمید حصہ اول میں حضرت کے تعلق سے ان کا تعارفی مضمون ان کے قلبی جذبات کا آئینہ دار ہے ۔

ایک مرتبہ برنی صاحب کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا ۔ دورانِ گفتگو انہوں نے حضرت کے تعلق سے فرمایا

"حضرت آئندہ کے لئے فیڈرس تیار نہیں کر رہے ہیں جو بعد میں حضرت کے کام کو آگے بڑھائیں "۔ میں نے عرض کیا۔ بھائی جان ! جس طرح آپ تشریف لاتے ہیں تو گھنٹوں حضرت سے مختلف مسائل میں تبادلہ خیال فرماتے ہیں ، اسی طرح یہاں کے دیگر علماء ، اسکالرس ، فقراء ، مشائخین سب ہی حاضر ہوتے رہتے ہیں اور حضرت کا زیادہ تر وقت ان کے شکوک و شبہات کے رفع کرنے اور مختلف مسائل میں اپنی تحقیقات بیان کرنے میں صرف ہوتا رہتا ہے ۔ کوئی نئی دوکان کھولنا چاہتا ہے ، تو کوئی باپ دادا کی جمی جمائی دوکان کو دیوالیہ ہونے سے بچانے کے لئے سامان کی فراہمی چاہتا ہے ۔ اور ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کی دوکان کے لئے ایسا نایاب مال ملے جو کسی اور دوکان پر نہ مل سکے ۔ دوکان میں سامان تو حضرت کے گودام سے فراہم کیا ہوا رہتا ہے ۔ مگر سائن بورڈ تو ان کا اپنا ہوتا ہے ۔ حضرت ان مراکز کو جما دینے کی فکر میں رہتے ہیں تاکہ گاہکوں کو اصلی مال سپلائی ہوسکے ۔ اور گاہک نقلی مال سے نقصان نہ اٹھائیں ۔ یہ فیڈرس تیار کرنا نہیں تو اور کیا ہے ۔ حضرت کو اپنے نام و نمود کی تو مطلق پروا نہیں ۔ حضرت کے پاس جمے جمائے مراکز کو دیوالیہ ہونے سے بچالینا زیادہ اہم ہے ۔ حضرت کی تصانیف فیڈرس تیار کرنے کے لئے خود بہت کافی ہیں ۔ یہ سن کر برنی صاحب خاموش ہوگئے ۔ جیسے ان کو جواب شافی مل گیا ہو ۔

حضرت کے صاحبزادے ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمن صدیقی صاحب جو برنی صاحب کے منجھلے داماد تھے ، بچپن سے عنفوان شباب تک حصول تعلیم میں سہولت کے خیال سے انھیں کے پاس رہتے تھے ۔ مجھ سے کہا ۔ صمدانی پاشا میں نے بھائی جان سے اتنی طویل اور مسلسل گفتگو کرتا ہوا سوائے آپ کے کسی اور کو نہیں دیکھا ۔ یہ پہلا موقع ہے ۔ بھائی جان دوسرے کو بات کرنے کب موقع دیتے ہیں "۔ موسیٰ پاشا صاحب پر قدیری رنگ بچپن سے اتنا گہرا چڑھا تھا کہ باوجود دوسرے ماحول میں کئی سال رہنے کے ان کی طبیعت نے وہاں کا اثر مطلق قبول نہ کیا ۔

پروفیسر انگریزی ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب بھی اکثر تشریف لاتے اور گھنٹوں دقیق اور نازک مسائل پر حضرت سے تبادلہ خیال فرماتے ۔ خود بھی سگریٹ نوش کرتے اور حضرت کی خدمت میں بھی پیش کرتے ۔ ڈاکٹر صاحب کے سوالات زیادہ تر علوم اسلامیہ کے مختلف مسائل سے ہوا کرتے تھے ۔ یا پھر قرآن کی آیتوں کی تفسیر میں مفسرین کا جہاں عام طور اختلاف پایا جاتا ہے ان آیتوں میں بعض نکات کے بارے میں وہ حضرت سے توضیح چاہتے تھے ۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کے شکوک و شبہات دور فرماتے ۔ ان کے سوالات کے تشفی بخش جواب دیتے جس پر ڈاکٹر صاحب سر دھنتے تھے ۔ اور ہر مسئلہ میں حضرت ان سے اپنی تحقیقات بیان فرماتے ۔ حاضرین کو بڑا استفادہ ہوتا تھا ۔

ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے حضرت کے وصال پر جو تعزیتی مضمون رسالہ القدیر کو روانہ کیا تھا اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں "۔ ان کے علم و فضل کے متعلق صرف اتنا کہوں گا کہ زندگی نے مجھے بہت سارے مواقع عطا کئے کہ میں اپنے زمانہ کی فاضل ترین شخصیتوں سے ملا اور ان کے علم و فضل اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کرسکا ۔ لیکن کسی پس و پیش کے بغیر میں کہوں گا کہ مولانا سے کسی موضوع پر بھی بحث کے دوران مجھے وہ خوشی حاصل ہوئی جو کسی اور کی صحبت میں میں نے ایسی خوشی کبھی نہیں محسوس کی ۔ ان کی شخصیت ایسی جامع واقع ہوئی تھی کہ سخت سے سخت توہم پرست کو بھی اس کے جذبات کو مجروح کئے بغیر حقائق سے روشناس کردیتے ۔ ساتھ ہی جدید طرز کے مفکرین و محققین کو بھی کسی مسئلہ میں اپنے خاص اندازِ تفہیم سے مطمئن فرما دیتے تھے ۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک مرتبہ حضرت سے پوچھا وَ اعف عنا واغفرلنا مٹا دینے کے بعد چھپا دینا کیسا ؟ حضرت نے جواب دیا۔ ماضی کو مٹا دیتے اور مستقبل کے آنے والے (واقع ہونے والے) کو چھپا دیتے ہیں ۔ ظاہر ہونے نہیں دیتے ۔ ماضی کو مٹایا مستقبل کو چھپایا "۔

حضرت اور ڈاکٹر صاحب میں باہمی قلبی لگاؤ بے حد تھا ۔ حضرت کے کالج کے ساتھی پروفیسروں میں ڈاکٹر لطیف صاحب ہی واحد شخص تھے جن کو حضرت بھی اپنا دوست سمجھتے تھے ۔

ڈاکٹر صاحب اپنے تعزیتی مضمون میں ایک جگہ لکھتے ہیں " میرے والد کا انتقال ۱۹۲۵ء کے اواخر میں ہوا ۔ مولانا سے آخری ملاقات میں انھوں نے فرمایا تھا کہ " مولانا میں جسد خاکی چھوڑ رہا ہوں لیکن خوش ہوں کہ میرے بچے کو (یعنی خود مجھے) اچھی صحبت میں چھوڑ رہا ہوں "۔ مجھے مولانا کی یہ صحبت چالیس سال سے زیادہ حاصل رہی ۔

ڈاکٹر صاحب کی شادی حضرت نے اور حضرت کی زوجہ محترمہ نے اپنی شخصی سرپرستی میں انجام دی تھی ۔ اور دلہن کو اس طرح بیاہ کر لائے جیسے کوئی بہو کو بیاہ کر لاتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کی بیگم جب تک زندہ رہیں انھوں نے آخر تک ایسے ہی مراسم برقرار رکھے جیسے ایک خاندان میں باہم ہوا کرتے ہیں ۔

حضرت نے ڈاکٹر صاحب کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا ۔ یہ خود بھی حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد اور مشائخ خاندان کے ایک رکن تھے ۔ مگر ان کی مصروفیات نے ان کو اس جہت میں کام کرنے کا موقع نہ دیا ۔ ڈاکٹر صاحب میں روحانی کیفیت اچھی تھی ، علمی اور مثالی انکشافات غیر معمولی تھے ۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت سے واقعی استفادہ کیا کہ ان کی روح حضرت کی روح سے لگی رہی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تقریباً دس گیارہ سال حضرت کی خدمت میں بغرض استفادہ بہ پابندی حاضری دی ہے ۔ انھوں نے بڑی ہی تحقیق سے حضرت سے استفادہ کیا ۔ بڑی رد و قدح کے بعد کسی بات کو مانتے ۔ ان کی یہ علمی صحبت برنی صاحب کی طرح چونکہ تخلیہ میں نہیں ہوتی تھی لہذا دوران گفتگو حاضرین میں سے کسی نہ کسی کے ٹپک پڑنے سے بڑی دشواری ہوتی ۔ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا پڑتا ۔ جب کسی مسئلہ میں کوئی شخص مودودی صاحب کے نازک اعتراضی سوالات پر خود اپنی علمیت بگھارنے لگتا تو حضرت اور مودودی صاحب دونوں خاموش سنتے ، جب اس کی بکواس ختم ہوجاتی تو حضرت فرمانے لگتے اور سلسلہ گفتگو جاری ہوجاتا ۔ جب پاکستان جانے لگے تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ، دعا اور نصیحت کے طالب ہوئے تو حضرت نے ان سے فرمایا " باوا ! آپ وہاں سب کچھ کرنا مگر نبوت کا دعویٰ نہ کرنا ، کیونکہ پنجاب کی سرزمین دعویٰ نبوت کے لئے بڑی زرخیز ہے "۔ مودودی صاحب جب تک حیدرآباد میں رہے " ترجمان القرآن " کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا تھا ۔ ماہ ربیع الآخر ۱۳۵۴ھ جلد ۶ عدد ۴ کے پرچہ میں حضرت کی تفسیر " سورہ الناس " بھی شائع کی تھی ۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں یہ رسالہ حیدرآباد میں بند ہوا ۔ مودودی صاحب جب پاکستان پہنچے تو وہاں اس کو جاری کیا ۔ جس کا دفتر جمال پور متصل پٹھان کوٹ پنجاب میں تھا ۔

جب لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ مودودی صاحب اپنے مجدد ہونے کا ترکیب سے اظہار کر رہے ہیں تو بڑی لے دے ہوئی ۔ لہذا مزید آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہ کرسکے ۔ البتہ انھوں نے بڑی ہی فراست سے اپنے متبعین کی بڑی تعداد فراہم کرکے جماعت اسلامی کے نام پر اسلام میں ایک نئی جماعت کی بنیاد تو ضرور ڈال دی ۔ اور اس کے دستور میں اعلان کردیا کہ " اس جماعت میں کوئی

شخص محض اس مفروضہ پر شامل نہیں کرلیا جائے گا کہ وہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور اس کا نام مسلمانوں کا سا ہے تو ضرور مسلمان ہوگا۔ اسی طرح کوئی شخص کلمہ طیبہ کے الفاظ کو بے سمجھے بوجھے محض زبان سے ادا کرکے بھی اس جماعت میں نہیں آسکتا۔"

(دستور جماعت اسلامی)

بہرحال بڑی خوبی سے انھوں نے اپنی شخصی فکر کے ہمنواؤں اور مقلدین کی بڑی جماعت تیار کرلی۔ اور اپنے مخصوص طرزِ فکر کے جتھے اور مقلدین کی حفاظت کے لئے حکم صادر فرمادیا کہ "جو لوگ تعلیم و تربیت اور اجتماعی ماحول کی تاثیرات کے باوجود ناکارہ نکلیں، تطہیر کے ذریعہ ان کو جماعت سے خارج کردیا جائے اور اس طرح جماعت کو غیر مناسب عناصر سے پاک کیا جاتا رہے"۔

(سیاسی کشمکش ج ۳ صفحہ ۲۱)

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ بڑے آدمی کی ایک ادنیٰ لغزش بسا اوقات ہزاروں انسانوں کی مجموعی معصیت اور ذنوب سے بڑھ کر مضرت رکھتی ہے۔ (لمحوں کی خطائیں صدیوں کی سزائیں)

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا "اگر ننانوے پہلو شرک و کفر کے ہوں اور ایک پہلو اسلام کا تو ہرگز اس کو کافر و مشرک نہیں کہہ سکتے۔ ناظم عدالت کہتا ہے شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا۔ جب تک کوئی بات یقینی اور قوی نہ ہو اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو"۔

اس مخصوص جماعت کے دستور نے جو اصول پیش کئے ہیں اس سے اراکین جماعت کو اکابر اسلام جیسے صحابہ، تابعین، اولیاء عظام، ائمہ کرام پر تنقید کرسکنے اور ان کی عظمتوں کو مجروح کرنے کا جو گستاخانہ ذہن ملتا ہے اس سے پریشان ہوکر علماء کی ایک جماعت حضرت کی خدمت میں پہنچی اور حضرت سے سوال کیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی دونوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرت نے جواب دیا "دونوں انار ہیں"۔ اس پر وہ لوگ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ تھوڑے سے توقف کے بعد حضرت نے فرمایا "مگر ایک پک کر سڑ گیا اور دوسرا کچا ٹوٹ گیا"۔

حضرت کے چھوٹے داماد قاضی بشیر الدین فاروقی نے جو ابوالکلام آزاد کے لٹریچر سے متاثر تھے ان کے تعلق سے حضرت کی رائے کا ان کو اندازہ ہوا تو ترکیب سے انھوں نے مولانا آزاد کی لکھی ہوئی سورہ فاتحہ کی تفسیر دوپہر کے خاصہ کے بعد چند روز تک حضرت کو بہ پابندی سنائی۔ پوری تفسیر سننے کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا "اگر اللہ قبول فرمالے تو یہ تفسیر ان کی بخشائش کے لئے کافی ہے"۔

التوحید عبداللہ خان صاحب صوبہ دار اور رحیم الدین حسین صاحب یہ دونوں مل کر حضرت کی خدمت میں مدینہ منزل حاضر ہوا کرتے۔ ان دونوں نے حضرت سے مثنوی مولانا روم سبقاً سبقاً پڑھی۔ حضرت نے عبداللہ خاں صاحب کے لئے فارسی میں تصوف کا ایک رسالہ "التوحید" کے نام سے تحریر فرمایا اور اس میں یا عبداللہ سے مخاطبت فرمائی۔ رسالہ طبع ہوجانے کے بعد ایک نسخہ ان کو عطا کیا اور ان سے فرمایا "یہ رسالہ میں نے آپ کے لئے لکھا ہے اور اس میں مخاطب آپ ہی ہیں"۔ مثنوی مولانا روم کے درس کے دوران عبداللہ خاں صاحب کو حضرت کی علمیت اور روحانیت کا کچھ اندازہ ہوا تو مرید ہوگئے۔ حضرت نے ان کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ بڑے پرکیف اور مست آدمی تھے۔ محفلِ سماع میں بڑا ہی کیف و رنگ رہتا۔

مولوی اکبر علی صاحب مدیر صحیفہ تفسیر پڑھنے آیا کرتے تھے ۔ انھوں نے بھی حضرت کی خدمت میں برسوں حاضری دی ۔ اس زمانہ میں جب کہ حضرت رکاب گنج کے مکان میں رہتے تھے ۔ مولوی اکبر علی صاحب نہایت خشک اور کٹر قسم کے آدمی تھے ۔ صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے ۔ پیری مریدی کے قائل نہ تھے ۔ بزرگوں کی دل میں جیسی عظمت ہونی چاہیئے ان میں مطلق نہ تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے قلبی لگاؤ ضرور تھا مگر راست اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی دھن سوار تھی ۔ نہایت کٹ حجت تھے ان کے پاس ٹانگہ تھا خود چلاتے ہوئے آتے ۔ منجھلے گھر میں جہاں حضرت ملاقات فرماتے تھے ٹھیک وقت پر پہنچ جاتے اور اپنے آنے کی حضرت کو اطلاع نہ کراتے ۔ تسبیح پڑھتے ہوئے ٹہلتے رہتے ۔ درود شریف بکثرت پڑھتے تھے ۔ حضرت خود برآمد ہوتے تو تفسیر کا درس لیتے ۔ رفتہ رفتہ ان میں بڑی تبدیلی پیدا ہوئی فقیروں سے دوستی پیدا کرنے کا شوق پیدا ہوا ۔ نیاز محمد صاحب المعروف بہ "جمال شاہ" (بعض لوگ ان کو "اللہ کا حکم" کہہ کر بھی یاد کرتے ہیں) حضرت کے پاس اکثر آیا کرتے تھے ۔ ان سے ربط ضبط بڑھ گیا تو ان کے معتقد ہوگئے ۔ اور ان کے مرید ہوجانے کا خیال پیدا ہوگیا تو نیاز محمد صاحب نے ان کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور قدموں پر ڈال دیا اور عرض کیا کہ حضرت ان کو مرید کرلیں ۔ حضرت نے انھیں اٹھاکر نیاز محمد صاحب کا دامن ان کے ہاتھ میں تھمادیا ۔ بالآخر وہ نیاز محمد صاحب کے مرید ہوگئے ۔ بعد میں حضرت سے عرض کیا "میں نے آپ کی ناقدری کی تو اللہ نے مجھے ایک جاہل کے پلے باندھ دیا"۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی روحِ اطہر کے قریب جو ارواح تھے بہت ساروں کو تو اللہ نے حضور کے زمانہ میں ظاہر فرمادیا اور وہ صحابہ کہلائے ۔ کچھ ارواح کو اللہ نے حکمتہً روک لیا اور بعد میں موقع سے ظاہر فرمایا ۔ دنیا میں وہ اصحابِ رسول تو کہلا نہ سکے مگر روحی اعتبار سے تو تھے ان ہی میں کے ۔ میں سمجھتا ہوں آپ ان ہی میں سے ہیں ۔ حضرت نے ارشاد فرمایا باوا ! قرآن میں خود موجود ہے ۔ ثلۃ من الاولین وقلیل من الاخرین ۔ اور ساتھ ہی (تائیدی انداز میں) زور دے کر دہرایا ۔ قلیل من الاخرین ۔

بات در اصل یہ ہے کہ حضرت نے جس راہ میں بھی قدم اٹھایا علم ہو کہ روحانیت ہر قدم برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتا ہی گیا ۔ وقت کا ساتھ دینے یا پیش رو بزرگوں کا احترام ملحوظ رکھنے کے خیال سے حضرت نے اپنی منزل کھوٹی نہیں کی ۔ تن تنہا آگے چل پڑے اور اتنی دور نکل گئے کہ اپنے پیچھے صرف گردِ راہ کو چھوڑا اور وہ گردِ راہ بھی خود حضرت ہی کی تیز رفتاری کی اڑائی ہوئی تھی ۔ اس گردِ راہ کو اگر دیکھ سکتے تو صرف حضرت ہی دیکھ سکتے تھے ۔ پلٹ کر دیکھنے کی حضرت کو فرصت کہاں تھی ۔ توفیق و تائیدِ الٰہی نے ساتھ دیا اور حضرت کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و سلم کی بولتی چالتی چلتی پھرتی قدِ آدم تصویر بنادیا ۔

میں جلوہ محبوب میں بُت بن کے کھڑا ہوں
وہ بھی ہیں کھڑے محوِ تماشا مرے آگے (حسرت صدیقیؒ)

آئینہ رو کے سامنے ہم بن کے آئینہ
حیرانیوں کا ایک تماشا کریں گے ہم (حسرت صدیقیؒ)

تصوف کے اہم موضوعات پر
حضرت کے آخری زمانہ کی صبح کے درس کی ایک اہم تقریر

حضرت نے اپنے آخری زمانہ کو پیشِ نظر رکھ کر علومِ ظاہری و باطنی کی ترسیل میں عجلت اختیار فرمائی تھی۔ چنانچہ صبح کے درس میں تصوف کے بعض اہم موضوعات پر بھی گفتگو فرمائی۔ اور اس سلسلہ میں اپنی تحقیقات کو بیان فرمایا جو کتب خانہ کھنگالنے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتے۔ اس تقریر کو ضبط قلم کرلیا گیا تھا جو صرف خواص کے استفادہ کے لئے من و عن پیش ہے۔

نوٹ:۔ حضرت کی عادت شریف تھی کہ درس میں جو کچھ بھی فرمایا ہوتا کرنل حبیب علی صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کرتے چنانچہ اس تقریر میں بھی جابجا ان ہی سے مخاطبت معلوم ہوتی ہے جو مثال کا فائدہ دیتی ہے اور فہم میں آسانی کا موجب ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا:۔

• سب سے پہلی صفت حیات ہے اور اس کے ساتھ ہی علم ہے۔ یہ صفت یعنی علم، فاعل اور مفعول یعنی عالم و معلوم کو چاہتی ہے۔ جاننے والا بھی اللہ، جانا ہوا بھی وہی ہے۔ اس طرح اللہ کے دو اعتبارات ہوئے۔ جاننے والا، جانا جانے والا۔ بحیثیت جانا جانے کے عینِ ثابتہ الذاتیہ کہلاتا ہے۔

جس طرح میں خود کو دیکھتا ہوں کہ یہ میری آنکھیں ہیں، یہ میرے ہاتھ ہیں، یہ میرا چہرہ وغیرہ۔ تو یہ میرا سراپا یا میرا مرقع جسے میں خود دیکھ رہا ہوں وہ میرے اعیانِ ثابتہ ہیں۔ میں نے خود کو دیکھا اور جانا۔ کیسا جانا؟ جیسا میں ہوں۔ اعیانِ ثابتہ خدائے تعالیٰ کی معلومیتِ تفصیلی ہے۔ اپنے کو ہی اللہ جانا۔ جانا کسی اور کو نہیں۔ مگر تفصیل سے جاننے کی وجہ سے اعتبارات بھی آگئے۔ جب میں، اپنے کو میں، میں، بولا تو بس میں یا میری احدیت ہی تھی لیکن تفصیل سے جانا تو میری داڑھی بھی علم میں آئی، میری آنکھیں بھی علم میں آئیں۔ یہ اعیانِ ثابتہ کا علم ہے۔ صرف "میں" کہوں تو یہ میرا اجمال ہوا۔

حبیب علی اجمالی طور سے عالم ہیں اور آنکھ ناک تفصیل کے لحاظ سے معلوم ہوئے مگر اعیانِ ثابتہ کی یہ شان واحدیت کی ہے اور حبیب علی بحیثیت عالم شان احدیت ہے۔ مگر فقط حبیب علی اجمالی و تفصیلی کے بغیر وحدتِ مطلقہ کی شان ہے۔

مجمل حبیب علی میں آنکھ ناک اور تفصیل کی قابلیت ہے، یہ وحدت ہے۔ ان قابلیتوں کو شیون کہتے ہیں۔

حبیب علی منشاء حرکت ہے، یعنی حرکت کرسکتے ہیں۔ تفصیلات میں جاسکتے ہیں۔ یہی صفت حیات ہے۔ حبیب علی حیات رکھنے کے بعد ہی جان بھی سکتے ہیں اور جانے بھی جاسکتے ہیں۔ کوئی تفصیل یا کوئی اور صفت، حیات سے پہلے نہیں۔ مختصر یہ کہ "میں" ہوں کہنا خود دلیلِ حیات ہے۔

حبیب علی نے حیات رکھنے کے بعد اپنے آپ کو جانا یہ علم ہے۔ اب کیسا جانا؟ جیسے ہیں۔ کیسے ہیں؟ دو طرح سے۔ یعنی فقط "میں" تو یہ احدیت ہے لیکن اس شان میں بھی قابلیت ہے ظہور تفصیلات کی، یہ شان "وحدت ثانیہ" ہے۔ اور جب تفصیل میں آجائے، وہ "واحدیت" ہے۔

احدیت، واحدیت سے نہیں لڑسکتی۔ اس واسطے کہ احدیت میں بھی تفصیل کو لینے کی قابلیت ہے۔ اسی کو وحدتِ ثانیہ کہتے ہیں۔ یہ تیسرا اعتبار کیوں نکالے؟ یہ بتانے کے لئے کہ اس کی احدیت بھی ایسی ہے کہ واحدیت سے ٹکراتی نہیں۔ ایک اور بات یاد رکھو؛ جس وقت بچہ کپڑے پہنا ہوا ہے۔

حبیب علی آنکھ ناک رکھ کر بھی مطلق حبیب علی باقی ہے۔ یعنی حبیب علی کے خیال سے آنکھ یا ناک نہیں آتے۔ گویا اس اعتبار میں وہ آنکھ ناک رکھ کر بھی بے آنکھ ناک کے ہیں۔ یعنی ہم ان کے نفس کے خیال میں تفصیل پر دھیان نہیں دیتے۔

دیکھتے ہی وجود خارجیہ یا اعیان خارجیہ ہوجائے گا۔ جیسے یہ میرا ہاتھ ہے۔ یہ میرا پیر، یہ میری آنکھ وغیرہ۔ اور اعیان ثابتہ یعنی ہیں تو سہی لیکن کہاں ہیں؟ علم میں ہیں، خارج میں نہیں ہیں۔ تعین وحدت ثانیہ میں آجاتا ہے۔ اور وحدتِ مطلقہ لاتعین ہے۔

وحدتِ ثانیہ یہ بتانے کے لئے ہے کہ احدیت و واحدیت میں کوئی غیریت اور ٹکراؤ نہیں ہے۔

حبیب علی کہتے ہیں کہ مجھے دیکھو، مجھے دیکھو؛ لیکن وہاں ہیں کون جو دیکھیں۔ اب وہ خود اپنے کو دیکھتے ہیں۔ اس دکھانے کے لحاظ سے "کمالِ جلا" اور دیکھنے کے لحاظ سے "کمال استجلاء"۔ کون دیکھے؟ حبیب۔ کس کو دیکھے؟ حبیب کو یعنی خود کو۔ کیسا دیکھا؟ جیسا ہے ویسا۔ پہلے صرف حبیب جو تھے وہ خارج میں نہیں تھا۔ اب اپنے ہاتھ پاؤں کو دیکھتے ہیں۔ تو یہ خارج میں دیکھنا ہے۔ صرف حبیب علی میں نہ ہاتھ ہیں نہ پاؤں۔ لیکن جب خارج میں دیکھا تو ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک کی صورت میں۔

ایک علم، اجمالی ہے، ایک تفصیلی۔ اجمالی میں تفصیل ہوگی اور تفصیل میں اجمال۔ ایک لیمن کا شیشہ منہ بند تھا۔ تو کیا اس میں بلبلے تھے یا نہیں؟ تھے مگر بند حالت میں۔ اور منہ کھولنے کے بعد وہ بلبلے تفصیل میں آگئے۔

پہلے ہم تھے وحدت میں ÷ اب تو ہم میں وحدت ہے (حسرت صدیقی)

فنائے مطلق یا کسی کی حاجت نہ رکھنا، تو یہ ذات کی صفت ہے۔ احدیتِ ذات کے لحاظ سے اسے کسی کی حاجت نہیں وہ مکمل ہے۔ تمام موجودات کے وجود سے مستغنی ہے ان اللہ لغنی عن العلمین۔ (عنکبوت۔ ۶)

حبیب آپ اپنے کو جانتے ہیں یا نہیں؟ جانتے ہیں۔ کیا آپ اپنے کو دیکھنے کے محتاج ہیں؟ نہیں، مگر اپنی داد لینا ہو تو اپنے کو دیکھنا ہوگا۔

آثار و احکام، وجودِ علمی پر نہیں بلکہ وجودِ خارجی پر مرتب ہوتے ہیں۔ گھونسے کا خیال پسلیاں نہیں توڑتا، بلکہ گھونسا پسلیاں توڑتا ہے۔

مرتبہ عین یعنی وجودِ خارجی، آنکھوں سے دیکھنے والی چیز ہے۔ خیالی چیز پر احکام بھی مرتب نہیں ہوتے۔ اور ان سے آثار بھی ظاہر نہیں ہوتے۔ محاورۃً جب تک وجودِ خارجی نہ لے اسے شیون کہتے ہیں۔ وجودِ خارجی کا منشاء اور اصل وجودِ علمی ہے۔ ہاتھ پیر اس وقت ہی اپنے آثار ظاہر کرسکیں گے یا اسی وقت کام کرسکیں گے جب ان کو جانیں گے۔ اعیان خارجیہ، تجلی گاہ اور آئینہ ہیں۔ یعنی جو جانتے تھے وہ اس میں دِکھ رہا ہے۔ جو وجودِ علمی میں تھا، وہ وجودِ خارجی میں نظر آرہا ہے۔ ہاتھ پیر کا خیال تھا، علم تھا وہ ظاہر ہورہا ہے، نظر آرہا ہے، کس میں؟ ہاتھ پیر کی شکل میں۔ خارجی حیثیت میں۔ اعیان ثابتہ سے اعیان خارجیہ میں ایک رتی بھر اضافہ نہیں۔ خارجیہ بھی وہی ہیں جو ثابتہ تھے۔ فرق اتنا ہے، وہ صرف علم و خیال میں تھے۔ یہ ظاہر اور خارج میں ہیں۔ اسی لئے ثابتہ پر احکام مرتب نہیں ہوتے۔ خارجیہ پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔

باطنِ وجود پر اعیانِ ثابتہ کی تجلی ہوئی تو اعیان خارجیہ ہوئے۔ ذاتِ حبیب علی ہی ہے مگر تفصیلات جب خارج میں ظاہر ہوئیں۔ تو ہاتھ، پیر، گھونسہ اور تھپڑ بنے، جو پہلے خیال و علم میں ہی تھے۔ مگر اس ظہور سے ذاتِ حبیب علی میں نہ تو ایک رتی کا اضافہ ہوا نہ کمی۔ یہ خیال ہے جو ظہور لے کر نظر آرہا ہے کہ یہ حبیب علی کا ہاتھ پیر وغیرہ ہے۔ اس لئے ایک طرح یہ ایک خیالی اور انتزاعی چیزیں ہیں۔ دراصل صرف ذاتِ حبیب علی ہے۔ حبیب علی کے ہاتھ کا خیال خارج میں نظر آیا تو حبیب علی ہاتھ نہیں بن گیا، نہ ہاتھ کے جیسا۔

ہاتھ خیال میں تھا، پھر ظاہر میں بھی ظاہر ہوا۔ لیکن کیا ہاتھ میں ناخن شامل نہیں؟ ضرور ہے مگر صرف خیال میں، اور جب خاص ناخن پر توجہ ہو تو وہ خارج میں نظر آتا ہے۔ تو کیا اس سے پہلے ناخن نہ تھا؟ ضرور تھا۔ کہاں تھا؟ خیال و علم میں۔ اچھا! کیا ناخن کے خارج میں نظر آنے سے ہاتھ ناخن بن گیا، یا ناخن کے جیسا ہے؟ نہیں۔ ہاتھ، ہاتھ ہی ہے۔ ناخن کے خارج میں دکھائی دینے سے ہاتھ کی حقیقت نہیں بدلی، حقیقت میں اب بھی صرف ہاتھ ہے۔

جس طرح وجود علمی تھا اور خارج میں ظاہر ہوا۔ اسی طرح خارج میں حادث ہوگا مگر وجودِ علمی میں حادث نہیں۔ ناخن کا خیال حادث ہونے یا چلے جانے سے ہاتھ حادث نہیں ہوا۔

حبیب علی ایک ذات کا نام ہے، مگر ہاتھ پیر کا خیال کئی چیزیں بنایا اس لئے کثرت ظاہر ہوئی ورنہ وہ واحد ہے۔ مگر یہ خیال بھی کسی مستقل ذات کا ہی ہے۔ اس لئے پائیدار بھی ہے۔ ناخن پر سے توجہ ہٹی تو گویا ناخن حادث ہوا ہمارے معنی میں۔ مگر کیا ناخن باقی نہیں ہے؟ ضرور ہے۔ پیدا ہونا کیا ہے؟ خیال کرنا۔ اور حادث ہونا کیا ہے؟ خیال کا ہٹنا۔ خیالات کا امتیاز، حادث ہونے کی نسبتیں پیدا کرتا ہے۔ پہلا خیال قدیم اور بعد کا خیال حادث ظاہر ہوگا۔ شیون خارجی کو باہم نسبت دے کر اول و آخر اور قدیم و حادث کہا جاتا ہے۔ ورنہ اس کی ذات میں تو کوئی شے حادث نہیں۔ جیسے کہ حبیب علی کے ہاتھ پر سے خیال ہٹ کر ان کے پیر پر جا تو ہاتھ حادث ہوگیا اور پیر پیدا ہوگیا۔ لیکن کیا ہاتھ باقی نہیں ہے؟ حبیب علی کی ذات میں ہے۔

" وجود " اور " اعیانِ ثابتہ " کے لین دین سے " وجود " اعیان ثابتہ سے لے کر کثیر نظر آتا ہے اور " اعیان ثابتہ " وجود سے لے کر موجود نظر آتے ہیں۔ ہے سو ہے ناہیں سونا ہیں۔

یہ لین دین کا نظر آنا بھی جو مراتب کی تنگی میں مقید اور آثار کے چکر میں پھنسے ہیں انھیں کو نظر آتا ہے۔

ان خیالات کا منشاء یا اصل چونکہ موجود اور حقیقی ہے اس لئے " ہے " بولتے ہیں اور اپنے آثار دکھاتے ہیں۔ گھونسہ یا ہاتھ کا منشاء حبیب علی ہے۔ اس لئے ہاتھ خیالی ہے مگر بظاہر بھی ہے۔ اگر ہم اس کو حقیقت میں ہے کہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حبیب علی اس کا منشاء حقیقت میں ہے۔ مگر ایسا نہیں کہ یہ ہاتھ حبیب علی کا جز ہے، کیونکہ ہاتھ کے ختم ہوجانے سے حبیب علی کی ذات ضائع نہیں ہوتی۔

جتنی چیزیں ہیں سب اس کی ذات سے نکلی ہیں۔ تو کیا وہ ایسی ہیں جیسے جزو، کل ہیں؟ نہیں۔ یا کیا ایسے ہیں جیسے سالن یا اس کے اجزاء آلو، گوشت وغیرہ کٹورے میں؟ نہیں۔ بلکہ ایسا ہے جیسے صفات موصوف میں اور لوازم ملزوم میں رہتے ہیں۔ اور ایسے جیسے آدھا پن، تہائی پن، پاؤ پن وغیرہ عدد ایک میں۔

دائرہ سے منتزع ہیں مرکز و قطر و محیط

شانِ وحدت سے ہوئی ہے شانِ کثرت آشکار (حسرت صدیقی)

ہے تو ایک ہی چیز مگر اس سے متعدد خیالات انتزاع کئے جاسکتے ہیں ۔ مگر وہ خیالات جھوٹ نہیں ہیں، صحیح ہیں ۔ کیا لازم کی نسبت ملزوم کو ایسی ہے کہ اللہ کو ہم ، مخلوقات و موجودات لازم ہیں ؟ توبہ ، نعوذ باللہ یہ تو نہیں ہے ۔ اس لئے کہ اللہ پاک ہے ان سب چیزوں سے جو اس کی قدوسیت کے لائق نہیں ۔

صفات بدلتی ہیں یعنی ایک صفت آتی ہے اور ایک جاتی ہے ۔ مگر لازم ملزوم کو پکڑا رہتا ہے ، نہیں چھوڑتا ۔

ایک اور بات یاد رکھنے کے لائق ہے ۔ ہر چیز اپنے وقت پر لازم ہے ۔ جس وقت زید موجود ہے اس کو موجود نہ کہیں تو نہیں ہوسکتا ۔ موجود ہونے کے زمانہ میں چونکہ اس کی علتِ تامہ ، اس کا سبب موجود ہے اس لئے اس کو موجود ماننا پڑتا ہے ۔ اس لازم کی مثال بھی اپنے وقت پر صحیح ہے ۔ (حسرت صدیقی)

نہ ٹلائے سے ٹلے گی ہے بلائے آسمانی

مرا اعتبار حسرت مرا اعتبار ہوتا

شیون مخفی کیوں ہوتے ہیں ؟ بعض چیزیں نظر آتی ہیں بعض چیزیں نہیں ۔ نظر آنے والوں کو موجود اور نظر نہ آنے والوں کو معدوم کہتے ہیں ۔ ظاہرِ وجود سے نسبت دیں تو دکھائی دیں گے ۔ ظاہرِ وجود سے نسبت نہ ہو تو مخفی ۔

تعین اور کثرت آئے کہاں سے ؟ نسبت و اعتبارات سے ۔ نسبتوں اور اعتبارات کے بدلنے سے شئے نہیں بدلتی ۔ دائرہ ہے ایک مگر قطر بھی نظر آرہا ہے اور محیط بھی ۔ قطر کی لمبائی وغیرہ الگ ہے اور محیط کی الگ ۔ اور یہ نسبتوں کا بدلنا ذات کے تغیر کو نہیں چاہتا ۔

اگر عمرو ، زید کی سیدھی جانب سے اٹھ کر بائیں طرف بیٹھ جائے تو اس سے زید و عمرو کی نسبتوں میں تو فرق آگیا ، لیکن اس سے زید یا عمرو کی ذات وصفاتِ حقیقیہ میں کوئی فرق نہ آیا ۔ وہ اپنے صفاتِ حقیقیہ کے ساتھ ویسے ہی برقرار ہیں ۔ اسی طرح وجود کی حقیقت میں امور شریفہ کے ملنے سے نہ کسی قسم کی زیادتی پائی جاتی ہے اور نہ ادنیٰ چیزوں کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کوئی نقصان ۔

مطلق بغیر مقید کے ظاہر و نمایاں ہو نہیں سکتا ۔ مقید بغیر مطلق کے صورت ہی نہیں لیتا ۔ مگر مقید ، مطلق کا محتاج ہے ۔ لیکن مطلق مقید سے مستغنی ہے ۔ اس طرح استلزام تو دونوں طرف سے ہے ۔ لیکن احتیاج صرف ایک طرف سے ۔

مطلق ہزاروں شکلیں لے سکتا ہے ۔ ایک شکل اسے بند نہیں رکھ سکتی ۔ جیسے کہ ہاتھ کی حرکت اور ہاتھ میں کنجی کی حرکت ، دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں مگر ہاتھ کی حرکت کے لئے کنجی ضروری نہیں

وحدت میں تیری حرف ، دوئی کا نہ آسکے

آئینہ کیا مجال جو صورت دکھاسکے

کھوٹے ہوئے کا حکم الگ ہے ، غافل کا حکم الگ اور عارف کا الگ ۔ عارف ، وجود ہی کو کھاتا ہے ، وجود ہی کو پیتا ہے ۔ اس وقت بھی انسان کو فرشتے سجدہ کر رہے ہیں ۔ شیطان اس وقت بھی بہکانے آرہا ہے ۔

عالم کب سے چلا ہے معلوم نہیں ÷ کب اس کی انتہا ہے معلوم نہیں

مطلق ایک اور مقیدات بہت رہتے ہیں۔ مطلق کسی ایک مقید میں اٹکا ہوا نہیں۔ کئی مقیدات میں پایا جاسکتا ہے۔ اور مقید ایک مطلق کو چھوڑ کر نہیں پایا جاسکتا۔ ع

ہم سے تم کو سینکڑوں اور تم تو ہم کو ایک

مطلق چاہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی مقید ہو مگر علی مبیل البداھة یعنی ایک کو چھوڑکر دوسرا، دوسرا نہیں تو تیسرا۔ مقید مخصوص اسے لازم نہیں۔ اور چونکہ مطلق کا کوئی بدل ہی نہیں اس لئے تمام مقیدات کا قبلہ احتیاج وہی ہے۔ سخی محتاج نہیں ہے فقیر کا، سخاوت تو فقیر کی محتاج ہے۔ ورنہ اس کا اظہار نہیں ہوسکتا۔

بربادیٔ عاشق سے کب رہتی ہے معشوقی
سب دم سے ہمارے ہے معشوقی و شیدائی (حسرت صدیقی)

سب وہی ہے، دوسرا ہے کہاں ؟ جو اس کا عاشق بنے۔

اللہ میاں میں دو باتیں ہیں۔ اجمال۔ تفصیل۔ تفصیل یہ چاہتی ہے کہ میں اجمال میں جاکر فنا ہوجاؤں، اور اجمال چاہتا ہے کہ خود کو تفصیل میں دیکھوں۔ یہ دونوں خدا کی شانیں ہیں۔ اجمال میں محبوبیت اور تفصیل اس کی عاشق ہے۔ اجمال میں وہ پکارتا ہے کہ "ہے کوئی مجھے دیکھنے والا" ؟

دریا پکارتا ہے ادھر دیکھ اے حباب
تیرے لئے میں تیری طرح بے قرار ہوں (حسرت صدیقی)

اور اس کے بعد تفصیل میں ہر ایک کہتا ہے "میں ہوں تیرا عاشق"

کونسی شئے ہے نہیں جو مجھ میں ÷ اک طلسمات کا پتلا ہوں میں
وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے ÷ وہی سب کچھ ہے تو پھر کیا ہوں میں (حسرت صدیقی)

تم اپنے کو موجود سمجھتے ہو، شرک فی الوجود کرتے ہو۔

تو بھی موجود اور حق بھی موجود
ظالم یہ شرک و خود پرستی کب تک (حسرت صدیقی)

اشیاء، تعین اور وجود، دو کا نتیجہ ہیں۔ موجود شئے اس وقت بولیں گے جب وجودِ خارجی سے متاثر ہو۔ برخلاف اس کے حقیقتِ شئے کہیں تو علم الہٰی میں ہوتی ہے۔

وجود خارجی لے تو اسے موجودہ شئے کہیں گے۔ اور جب علمِ الہٰی میں ہو تو حقیقتِ شئے کہیں گے۔ احکام و آثار جاری ہوتے ہیں اس حقیقتِ شئے کے لحاظ سے۔ مگر کس پر ؟ وجود خارجی پر۔ حقیقت جب وجودِ خارجی سے متاثر ہو تو وہ موجود ہے۔ مگر موجود شئے کیسی ہے ؟ حقیقت شئے کے مطابق جو علمِ الہٰی میں تھی اور ہے۔ کیا مطلب اس کا ؟ اللہ اپنے علم کے مطابق شکلیں بدلتا جارہا ہے جیسا جانتا تھا ویسا دکھارہا ہے، ظاہر کررہا ہے۔ "ظاہر ہورہا ہے" نہیں کہنا کیونکہ ہم بھی تو وجود خارجی میں ہیں۔ بندگی کا اقتضاء ہے

اسی لئے احتیاط سے کہیں۔

ہاتھی، گھوڑا ایک معنی ہیں۔ کہاں تھے؟ علمِ الٰہی میں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق بنتا گیا (فقیر کی زبان میں) وجودِ خارجی کو ظاہر فرماتا گیا۔ (مولوی کی زبان میں) وجود جو واحد ہے، اعیان کی وجہ سے کثیر نظر آرہا ہے اور اعیان جو موجود نہیں وجود کی وجہ سے موجود نظر آرہے ہیں۔ ع

میں دکھا کے لاکھوں نمائشیں ہوں ہنوز پردہ راز میں (حسرت صدیقی)

یعنی اب بھی ظاہر ہوکر بھی علمِ الٰہی یعنی باطن میں موجود ہوں۔ علمِ الٰہی دائمی ہے۔ وہ مفقود ہوتا کیسا؟ علمِ الٰہی میں سے ہاتھی، گھوڑا، انسان جاتے کیسا؟ اگر اس علم کو زوال آئے تو نعوذ باللہ، اللہ کو جہل لازم آئے گا۔ خدا کبھی بے علم نہ ہوگا۔

تعینِ وجود ۔ تعین کا نام ہے گھوڑا ہاتھی

وجودِ متعین ۔ خارج میں گھوڑا ظاہر ہوا

حقیقتِ شئے ۔ علمِ الٰہی میں

تعینِ وجود ۔ وجود کو تعین عارض ہوا

وجودِ متعین ۔ خارج میں ظاہر ہوا۔

حقیقتِ شئے کیا ہے؟ تعین یا یہ کہ وجود کو حقیقت کہیں گے، باعتبار تعین کے۔ تعین، اعتباری چیز ہے اور وجود حقیقی۔ جو چیز کہ دفعتہً ہے وہ متعین ہوکر نمودار ہوئی ہے۔ دوسرے یہ کہ خیالی چیز ہے جو حقیقی شئے میں نمایاں ہورہی ہے۔ تعین ایک اعتباری شئے، جو حقیقی شئے یعنی وجود میں نمایاں ہے۔ وہ وجود کی وجہ سے موجود نظر آرہا ہے مگر ہے اعتباری۔ اور دوسرے حقیقی شئے یعنی وجود متعین ہوکر ظاہر ہوا اعتبار میں۔

ہم اپنے کو دیکھے تو اعتباری۔ خدا کو دیکھے تو حقیقی۔ ہم موجود ہیں کہتے ہی حقیقت آگئی کیونکہ حقیقت جسے کہتے ہیں وہ وجود ہی ہے۔ ہر شئے حقیقت و وجود کے لحاظ سے یا تو وجود ہے تعین لیا ہوا۔ یا تعین، وجود کو عارض ہوا ہے۔ ہم کون ہیں؟ دو میں سے ایک یا تو اعتباری ہیں جو اصل وجود سے موجود ہورہے ہیں۔ یا یہ کہ ہم وجود ہیں مگر متعین۔

آدمی ہوتا ہے دو قسم کا۔ حبیب علی پر پہلے نظر پڑی تو تعین پر پڑی، یہ تعینِ وجود ہے۔ دوسرے پہلے اللہ یا وجود پر نظر پڑے بعد حبیب علی پر تو یہ وجودِ متعین ہے۔

صفت، مفہوم کے اعتبار سے موصوف کا غیر ہے لیکن وجود کے اعتبار سے اس کا عین ہے۔

مبتداء خبر کہاں بناتے ہیں؟ مبتداء خبر دونوں ایک ہی جگہ بناتے ہیں۔ زید قائم زید قائم ہے۔ یہ دو ایک ہی جگہ ہیں، ایک ہی حقیقت ہے۔ مفہوم کے اعتبار سے زید الگ ہے قائم الگ ہے۔ مگر حقیقت کے لحاظ سے دونوں ایک ہی ہیں۔ حمل کرنے سے مراد حکم کرتے ہیں زید کے اوپر قائم کا حکم کرتے ہیں۔ کیونکہ زید کی حقیقت کے لحاظ سے قائم اور زید ایک ہی ہے۔

وجود کو دیکھے تو ہمہ اوست ہے اور تعینات کو دیکھے تو غیر ہیں اور ہمہ از اوست ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا (غالبؔ)

وجود پر پہلے نظر پڑے تو منتزع عنہ یا منشاء، اور تعین پر نظر پڑے تو انتزاعی ہے۔ زید پر پہلے نظر پڑے تو یہ وجودِ متعین ہے۔ اور اگر پہلے قائم پر نظر پڑے تو تعینِ وجود ہے۔

شیخ (محی الدین ابن عربی) کہتے ہیں کہ کوئی آئینہ کو دیکھ ہی نہیں سکتا بلکہ تعین کو دیکھتا ہے۔ مگر غزالی کہتے ہیں کہ جو چیز نہیں ہے اسے دیکھ ہی کیسے سکتے ہیں۔ جو ہے سو وہی نظر آرہا ہے۔ نظر پہلے آئینہ پر ہی پڑتی ہے۔ پہلے "ہے" بولتے ہی وجود آیا اور دیکھا بولیں تو جب تعین آیا۔

ہمیشہ جو چیز معلوم ہے اسے جتداء بناتے ہیں اور جو معلوم نہ ہو اسے خبر۔ سب چیزوں پر خواہ ذہنی ہوں یا خارجی "ہے" کہہ کر حکم لگایا جاتا ہے۔ ہمارے پاس "موجود ہے" کہیں تو اللہ ہی ہوتا ہے۔ زید موجود ہے کہیں تو ہم یہ معنیٰ لیتے ہیں کہ زید کے تعین کو، ظہورِ خارجی کو عینِ وجود یا اللہ سے کوئی نسبت ہے زید موجود حقیقی سے مرتبت ہے۔ مولوی کو چاہیئے کہ زید کو وجودِ حقیقی سے ربط ہے کہے۔ ورنہ صوفی تو کہتے ہیں کہ زید وجودِ حقیقی ہی ہے۔ مگر اس وجودِ حقیقی سے مختلف مرتبے ہیں۔ بعض اعلیٰ ہیں، بعض ادنیٰ۔ ولی کو جو ربط وجودِ حقیقی سے ہے، وہ عامی کو نہیں۔ گو ربط سب کو ہی ہے۔ ہر ایک کی نسبت اللہ سے الگ الگ ہے کوئی اللہ کو دیکھے گا بھی تو اپنی نسبت میں۔ کسی کو شانِ الٰہی سے نسبت ہے، کسی کو شانِ ربوبیت سے، کسی کو عبودیت سے، کسی کو خلقیت سے۔

پس استعمال کرنا الوہیت کے مرتبہ کے ناموں کا مثلاً اللہ، رحمٰن وغیرہ مرتبہ کونیہ پر یعنی مخلوقات پر عین کفر ہے۔ یعنی باوجودِ وجودِ حقیقی کے ہی موجود ہونے کے، میں اللہ ہوں کہہ نہیں سکتے۔ اور اسی طرح مرتبہ کونیہ یعنی مخلوقات کے ناموں کا مراتبِ الٰہیہ پر اطلاق بھی زندقہ ہے۔ بندہ کو اللہ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ کو بندہ نہیں کہہ سکتے۔ یعنی "اللہ میں ہوں" "میں اللہ ہوں۔" (نہیں کہہ سکتے)

اللہ سے سب کو نسبت ہے مگر ایک کی نسبت کا حکم دوسرے پر نہیں لگا سکتے۔ تعین بولتے ہی اطلاق چھوٹ گیا۔ "میں" بولتے ہی گھٹے، متعین ہوگئے۔ اس کے بعد فنائیت کہاں؟ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم تجھ سے مرتبط ہیں۔ تیری وجہ سے قائم ہیں۔ ہم بالذات ہیں ہی نہیں۔

تجھ کو تری شانِ کبریائی   مجھ کو مری بندگی مبارک

اک جان سو وہ بھی ہے پرائی   حسرت مرے پاس کیا دھرا ہے

میں ہوں بھی سہی اور نہیں ہوں بھی سہی

حسرت بخدا عجب تماشا ہوں میں   (حسرت صدیقی)

ہم کچھ کرنے کو پیدا نہیں ہوئے۔

ہاتھ میں ان کے ہوں میں کٹھ پتلی   وہ جو چاہیں وہی کرتا ہوں میں   (حسرت صدیقی)

حقیقتِ وجود ایک ہی ہے، زیادہ نہیں۔ لیکن کئی مراتب ہیں۔

پہلا مرتبہ۔ لاتعین و عدم انحصار اور ہر قید و اعتبار سے آزاد ہونے کا ہے اور اس حیثیت سے وہ پاک ہے نعوت (نعت کی جمع) اور صفات کی اضافات سے، نسبتوں اور الفاظ و لغات کی حجتوں اور دلائل سے پاک ہے۔ کشف والے بھی اس کی حقیقت کا ادراک کرنے سے پردہ میں ہیں۔ اور علم والے بھی اس کی معرفت کے امتناع، یعنی ممکن نہ ہونے کی وجہ سے مضطرب و بے قرار ہیں

اس کی بڑی نشانی ، بے نشانی ہے ۔ اس کا نہایت پتہ لگانا بے پتہ ہے ۔ اور اس کی بہت معرفت حیرانی ہے ۔

دوسرا مرتبہ ۔ تعینِ جامع ، جو صفاتِ فعلیہ اور صفاتِ انفعالیہ دونوں کو جامع ہے ۔ یعنی ایک جگہ خدا بنتا ہے ، ایک جگہ بندہ بنتا ہے ۔ اور " ہے " وہ بندہ اور خدا دونوں کو جامع ۔

اثر کے اعتبار سے " شانِ الوہیت "

اثر قبول کرنے کے اعتبار سے " شانِ عبودیت "

مارنے والا بھی وہی ، مرنے والا بھی وہی ۔

دوسرا مرتبہ اس کا تعین ہے ۔ یہ تعین جامع ہے تمام تعینات فعلیہ و جوبیہ الہیٰہ کو جیسے اللہ ، رزاق ، معبود ۔ اور جامع ہے تمام تعینات کو جو متاثر اور انفعال پذیر ہوتے ہیں اور امکانیہ و کونیہ ہیں ۔ اور اسی مرتبہ کو تعینِ اول کہتے ہیں ۔

اور تیسرا مرتبہ احدیت یا ایک ہونا ہے تمام تعیناتِ فعلیہ کا جو اثر کرنے والے ہیں یعنی مؤثر ہیں اور یہ الوہیت ہے ۔

چوتھا مرتبہ تفصیل مرتبہ الوہیت ہے صفاتِ کمالیہ کی ۔ اس میں تفصیل ہے اسماء وصفاتِ مؤثر کی ۔ تیسرے میں اجمال ہے ، چوتھے میں تفصیل ہے ۔ یہاں بن گئے واجب الوجود ، یہاں خدا بن گئے اور اس چوتھے مرتبہ میں شانِ الوہیت کی تفصیل ہوتی ہے ، جیسے خالق ، رزاق ، کریم وغیرہ ۔

چونکہ اسماء وصفات اللہ کے ہیں اور اللہ خارج میں ہے اس لئے یہ اسماء وصفات خالق ، رزاق خارج میں ہیں ۔

صفات ذات میں ہیں اور ذات چونکہ خارج میں ہے اس لئے صفات بھی خارج میں ہیں ۔

منتزع عنہ خارج میں ہے اس لئے منتزع یا انتزاعی بھی خارج میں ہے ۔ آسمان ہمارے سر پر ہے ، زمین ہمارے پیروں تلے ہے ، یہ سمجھ میں آرہا ہے ۔ تو آسمان سر پر خارج میں ہے اور زمین بھی پیر کے نیچے خارج میں ہے ۔

جو چیز عدمیت سے منتزع ہورہی ہے وہ عقلی اور انتزاعی اور جو خارج اور وجود سے منتزع ہو وہ خارجی اور موجود ۔

بندہ ہے کے معنیٰ اس میں تمام صفاتِ کمالیہ نہیں ۔ اس میں سے تمام کمالات نکل گئے ۔ اس لئے اس کو انتزاعی کہتے ہیں خارج میں ہے نہیں کہتے ۔ جو چیز فعلیت سے منتزع ہو وہ خارجی اور جو چیز انفعالیت سے سمجھ میں آئے وہ خیالی ۔

خدا کو جس طرح دیکھو خارج میں ہے اور بندہ کو جس طرح بھی دیکھو عدمی اور خیالی ہے ۔ مؤثرہ صفاتِ فعلیہ و اسماء اور شیون انتزاعی حقیقی ہیں یعنی خارج میں ہیں ۔ اور متاثرہ صفاتِ انفعالیہ و شیون ، انتزاعی غیر حقیقی ہیں ۔ یعنی خارج میں نہیں صرف علم میں ہیں ۔

ہوتا کیا ہے ؟ علم پر صفاتِ فعلیہ اثر کر رہے ہیں ، عمل کر رہے ہیں تو وہ بھی موجود فی الخارج معلوم ہورہا ہے ۔ ان لوگوں کے پاس (یعنی جامی وغیرہ) اعیانِ ثابتہ موجود فی الخارج نہیں اس لئے وہ معدوم ہیں ۔ یعنی معلوماتِ الہیٰہ ۔ ان کو ثبوت یا عدم کہتے ہیں موجود نہیں سمجھتے ۔

حبیب علی سوچے کہ میں کھڑا ہوسکتا ہوں ۔ یہ علم تھا باطن میں ۔ اب وہ کھڑے ہوگئے تو یہ خارج میں وہی علم ظاہر ہوا ۔ اللہ جو میں ہوں سمجھا وہ خارج میں ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے دو رنگ ہیں ایک خارجی اور ایک معلوم ہونے کے لحاظ سے ذاتِ

مقدسہ کے اندر۔ ابھی باہر نہیں نکلے اور خارج میں وہ علم آ بھی نہیں سکتا۔

اس کے مطابق خارج میں آئے مثلاً کھڑے ہوسکنے کا علم تھا اور خارج میں کھڑے ہوگئے۔ کون ؟ وہی۔ مگر ابھی تک کھڑا ہونا خارج میں نہیں آیا۔ بلکہ وہی کھڑے ہونے کے مطابق خارج میں آیا۔ یعنی کھڑے رہنا پن ابھی صرف انتزاعی ہے۔ کھڑے ہونا علمی ہے نہ کہ علم۔

ذاتِ الہٰی تو ایک ہی ہے۔ وہاں کچھ نہیں۔ اس کے بعد انفعال آتا ہے مگر منفعل کون ہوئے ؟ خود ہی ہوئے مگر انفعال تو وہی خیالی رہا۔

ہاتھ ہیں، پیر ہیں، یہ خارج میں ہیں اور اٹھنا، ہاتھ بڑھانا، چلنا یہ ذہنی اور عقلی ہے۔ خارج میں نہیں۔ یہ سب نسبت کی تبدیلیاں ہیں کہ ہاتھ کا پیر سے قریب آنا۔ سر کا ہاتھ کے نزدیک آنا یہ نسبتیں خارج میں نہیں بلکہ ان نسبتوں کے مطابق وجودِ خارج میں وہی آیا۔

اللہ کے دو مرتبے ہیں۔ خارجی، داخلی۔ خارجی، وجود ہے اور داخلی، انتزاعی یعنی اعیان ثابتہ ہیں۔ گویا داخلی مرتبہ کے لحاظ سے، خارجی ہی ظاہر ہوا۔ مگر وہ داخلی ابھی خارج میں نہیں آیا۔

مؤثر ذات ہے اور متاثر ایک خیال۔

خارج میں وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ یہ تغیر صرف علمی یا علم کے مطابق ہے۔ خیالات بدل رہے ہیں۔ اس علمی تغیر کو عدمی یا ثبوتی کہتے ہیں۔

خالقیت خارج میں ہے، مخلوقیت خارج میں نہیں۔ دنیا تمام اعتباری ہے، کون بندہ ؟ کہاں کا بندہ ؟

پہلا مرتبہ۔ لاتعین۔ دوسرا مرتبہ تعین اول ہے۔ تعین اول کے دو اعتبار ہیں۔ ایک مؤثر ایک متاثر۔ ایک الوہیت ایک عبودیت۔

الوہیت کے دو رنگ ہیں، مجمل، مفصل۔ پھر عبودیت کے بھی دو رنگ ہیں۔ مجمل، حقیقت محمدیہ۔ مفصل، عالم۔

ایک ظاہر وجود ہے، ایک باطن۔ باطن اثر کر رہا ہے ظاہر پر۔

جیسا وہ سمجھتے ہیں ویسا بنتے جارہے ہیں۔ اب ہورہا کیا ہے ؟ اب ہورہا یہ ہے کہ وہ جو سمجھ رہے تھے اس سمجھنے کے مطابق نظر آرہا ہے۔ وہ دنیا ہے۔ وجود تو جو ہے سو ہے۔ اس کا اثر پڑرہا ہے علم پر، علم نظر آرہا ہے۔ حالانکہ وہ علم سمجھ میں آرہا ہے، مگر ہے تو نہیں، کیونکہ وہی ایک وجود ہے۔ یہ کثرت کہاں ہے ؟ علم میں۔ اور کثرت وجود کے اثر سے موجود نظر آرہی ہے۔ اب وہ کثرت اپنے ساتھ وجود کو بھی کئی بتا رہی ہے۔ جو ایک ہے وہ کثیر نظر آرہا ہے۔ اور جو نہیں ہے وہ موجود معلوم ہورہا ہے۔ ہر معلوم کو وجود سے ایک نسبت ہے اس نسبت کی وجہ سے معلوم کو موجود کہہ رہے ہیں۔

تعین اول کی پہلی صورت الوہیت حقیقی ہے۔ اور دوسری صورت عبودیتِ انتزاعی اور علمی ہے۔ اسماء وصفاتِ الہٰی ہوں یا ممکنات۔ ہمارے پاس سب انتزاعی ہیں۔ مؤثر قدیم اور متاثر حادث ہے۔ اسماء وصفاتِ الہٰی بسیط ہیں۔ اور ان کے پرتو سے جو کچھ نظر آرہا ہے وہ مرکب ہے اس لئے حادث ہے۔ ممکنات کا لحاظ کرتے دیکھیں تو اسماء وصفات قدیم اور باقی ہیں۔

تعین اول کے بعد جیسے جیسے قیدیں بڑھتی جائیں گی تعینات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

تیسرا مرتبہ احدیت یعنی اجمال کا ہے، جو جامع ہے صفات و تعیناتِ فعلیہ و مؤثرہ جسے شانِ الوہیت کہتے ہیں۔

چوتھا مرتبہ الوہیت کی تفصیل ہے۔ اس مرتبہ کا نام اسماء وصفات۔ ان دو مراتب کا اعتبار ظاہر وجود سے ہے۔ یعنی اجمال و تفصیل کس کی ہوئی، ظاہرِ وجود کی، یعنی دکھتا ہے ایسا۔

پانچواں مرتبہ اجمال ہے۔ جمیع تعینات انفعالیہ کا جسے ہم شانِ حقیقتِ محمدی کہتے ہیں۔ حقیقتِ محمدی کہیں تو کیا ہے؟ منفعل ہونا۔ متاثر ہونا ذات الٰہی سے۔

چھٹا مرتبہ حقیقتِ محمدی کی تفصیل ہے جسے عالم کہتے ہیں۔

اجمال و تفصیل شانِ الوہیت میں بھی آئی اور شانِ عبودیت میں بھی۔ مگر یہ عبودیت کوئی اصلی چیز نہیں۔ یہ خارج میں نہیں۔ یہ امکانی ہے اور علم میں ہے۔

اجمال و تفصیلِ حقیقتِ محمدی ظاہر، علم کے لحاظ سے یعنی معلوم ایسا ہوتا ہے۔ جتنی تفصیلات ہورہی ہیں، کہاں ہورہی ہیں؟ علم میں۔ مگر ظاہر، علم کے مطابق۔

جیب علی ہے کہاں؟ علم میں۔ خارج میں نہیں ہے۔ پھر کیوں خارج میں ہے سمجھتے ہیں؟ وجودِ خارجی، وجودِ الٰہی سے نسبت ہے اس لئے۔ اب جو نظر آرہا ہے، علم ہی نظر آرہا ہے۔ وجود سے نسبت کی وجہ سے۔

اللہ نے اپنی ذات پر تجلی کی تو اعیانِ ثابتہ نمایاں ہوئے، معلوم ہوئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو سمجھا۔ اس کا علم آیا یعنی صفتِ حیات کے بعد (فیضِ اقدس) پس حقیقت میں خارج میں وجود ایک ہی ہے۔

مثال: ایک لیمن کا شیشہ منہ بند ہے تو اس وقت ہم کو کیا نظر آئے گا؟ صرف لیمن۔ مگر لیمن کے اندر بلبلے ہیں۔ منہ کھولو تو وہ بلبلے پیدا ہوتے ہیں۔ اب لیمن کہاں ہے؟ بلبلوں میں۔ بلبلے لیمن میں تھے۔ عینِ لیمن تھے۔ کھلنے کے بعد بلبلے ظاہر ہوگئے۔ لیمن کہاں ہے؟ بلبلوں میں، عینِ بلبلے ہیں۔

پہلے ہم تھے وحدت میں   اب تو ہم میں وحدت ہے   (حسرت صدیقی)

مثال کا قاعدہ کیا ہے؟ اصلی دعویٰ غیر مرئی ہے۔ اس کو تشبیہ مرئی سے دیں تو اس مثال سے دعوے کا یقین ہوتا ہے۔

حقیقت الحقائق جو ذاتِ الٰہی ہے اس کی شان بڑی ہے۔ وہی حقیقت ہے۔ سب چیزوں کی۔ اور اپنی ذات کا لحاظ کرتے واحد ہے کہ عدد کو، کثرت کو اس کی طرف راستہ نہیں۔ مگر باعتبار کثیر تجلیات و متعدد تعینات کے مرتبوں میں جوہر کی حقیقت ہے جس کے دوسرے حقائق تابع ہیں۔ اور کبھی حقیقتِ عرضیہ ہے جو جواہر کے تابع ہوتی ہے۔ پس ذات واحد، متعدد صفات کے توسط سے بہت سے جواہر و اعراض معلوم ہوتی ہے اور حقیقت کے لحاظ سے ایک ہی ہے کہ ہرگز تعدد اور تکثر نہیں۔

یہ ذات واحد اس حیثیت سے کہ وہ مطلق ہے تعینات و تقیدات مذکورہ سے بحیثیت کثرت اور تعدد کے جو تعینات کا لباس پہننے سے نمایاں ہوئی ہے، خلق ہے اور عالم ہے۔ پس عالم ظاہر حق ہے اور حق باطنِ عالم ہے۔ عالم ظاہر ہونے سے پہلے عینِ حق تھا اور حق ظاہر ہونے کے بعد عین عالم ہے۔ یعنی بلبلے ظاہر ہونے کے پہلے عینِ لیمن اور لیمن ظاہر ہونے کے بعد عینِ بلبلے۔ بلکہ حقیقت میں ایک ہی حقیقت ہے۔ اور ظاہر ہونا، باطن ہونا، اول ہونا اور آخر ہونا یہ سب اسی کے اعتبارات اور نسبتوں سے ہے

ھوالاول والآخر والظاھر والباطن۔

جب شیون کے تفاصیل میں حق ظاہر ہوا تو عالم نظر آگیا جو نفع نقصان سے بھرا ہوا ہے۔ اگر پھر عالم و عالمیان چلے جائیں تو مرتبہ اجمال میں حق ظاہر ہوجائے گا۔



درس و تدریس کا ایک منظر



محفل سماع: شرکاء محفل حضرت پیر نجم الدین گیلانی بائیں جانب حضرت فقیر پاشا صاحب اور شیخ الاسلام حضرت سید محمد بادشاہ حسینیؒ

زنانہ درس

عورتیں ایک عرصہ سے ہفتہ میں کم از کم ایک دن اپنے لئے مقرر کروانے کے بارے میں بے چین تھیں ۔ چنانچہ ہمت کرکے عرض کر ہی دیا کہ مرد روزانہ صبح جمع ہوتے ہیں اور باقاعدہ درس حاصل کرتے ہیں ۔ اتوار کو بھی ان کے لئے تفسیر کا درس ہوتا ہے ۔ حضرت کی خدمت میں جب دل چاہتا ہے حاضری دیتے ہیں ۔ اور استفادہ کرتے ہیں ۔ کوئی ایک دن ہمارے لئے بھی مقرر فرمادیں ۔ تو ہم بھی حضرت سے استفادہ کرسکتے ہیں ۔ حضرت نے ان کے لئے ہفتہ کا دن مقرر فرمادیا ۔ اور چار بجے سے مغرب تک کا وقت مقرر کردیا گیا ۔ وقت مقررہ پر حضرت کی بہو بیٹیاں اور دیگر پیر بہنیں جمع ہوتیں ۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ حضرت کی عمر شریف اسّی (۸۰) سے متجاوز ہوچکی تھی ۔

درس میں حضرت نے اپنے تحریر کردہ بعض رسالے سبقاً سبقاً پڑھائے ۔ اس کے علاوہ عورتوں کو ان کے خصوصی مسائل کی باریکیوں اور حکمتوں سے واقف کراتے تھے ۔ ان کی پیدائش کی غرض و غایت ، سماج میں ان کے مقام اور ان کی ذمہ داریوں سے واقف کراتے ۔ حدیث کی تعلیم بھی دیتے ۔ خصوصاً اربعون حدیثا چالیس حدیثیں حضرت نے ان کو زبانی یاد کروادی تھیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات اور بعض صحابیات کے حالات خصوصاً حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ اور بی بی عائشہ صدیقہؓ کی زندگی کی مختلف جہتوں پر روشنی ڈالتے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ الزہراؓ کی زندگی اور سیرت کو عورتوں کے لئے بحیثیت نصب العین پیش فرماتے کہ بیٹی کی حیثیت سے ، بیوی کی حیثیت سے اور ماں کی حیثیت سے حضرت بی بی فاطمۃ الزہراؓ سے ربط و تعلق اور نسبت کو استوار کرنے کی ہدایت فرماتے ۔ السلام علیک یا سیدۃ النسآء العٰلمین پڑھتے رہنے کی تاکید فرماتے ۔

ایک مرتبہ فرمایا ۔ بی بی خدیجہؓ ایمان میں ممتاز ہیں ۔ بی بی عائشہؓ علم میں ممتاز ہیں اور بی بی فاطمہ تقوے میں ممتاز ہیں ۔

فرمایا ۔ محبیت کی پیکر بی بی خدیجہؓ اور بی بی عائشہؓ محبوبیت کی پیکر ہیں ۔

عورتوں کو بے جا رسوم ، غیر ضروری تکلفات اور اسراف سے بچنے کی تاکید فرماتے ۔ ان کو نصیحت فرماتے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے تمسخر نہ کریں ، ممکن ہے کہ وہ عورتیں جن کی ہنسی کی جاتی ہے ان عورتوں سے بہتر ہوں جو ہنستی ہیں ۔

ان کو ہدایت فرماتے کہ ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ ۔ نہ طعنے دو ۔ اپنے رشتہ داروں کو برا بولنا خود کو برا بولنا ہے ۔ ان کو برے ناموں یا القاب سے نہ پکارو ، اور نہ ان کو بدنام کرو ۔ کسی کی عیب جوئی اور بدگوئی سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ ان سے فرماتے لوگوں کے عیوب کو تلاش نہ کرو ۔ ان کی برائیوں کی جستجو نہ کرو ۔ کوئی کسی کے پیٹھ پیچھے برائی نہ کرے ۔ غیبت نہ کرے ۔

ان میں خدا اور رسول کی محبت کا جذبہ پیدا کرتے اور قرآن و حدیث سے واقفیت اس کی اہمیت اور اس کے پڑھنے کا شوق پیدا کرتے ۔ ان کو ذکر و شغل ، نماز ، روزے کی پابندی کے ساتھ ساتھ شوہر اور بچوں کی خدمت ، رشتہ داروں سے محبت ، میل جول اور ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں برابر کے شریک رہنے کی افادیت سمجھاتے اور زندگی میں اعتدال پیدا کرنے اور خوبی پیدا کرنے کی نصیحت فرماتے ۔

عورتوں کو عام طور پر کلمہ طیبہ ، اللہ اللہ کا ذکر ، درود شریف اور ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہ (سبحان اللہ ۳۳ بار ، الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۴ بار) پڑھنے فرمایا کرتے ۔ بیویوں کو اپنے شوہر کا اچھا مشیر بننے کی تاکید فرماتے ۔ ان سے فرماتے کہ میاں ، بچوں کی خدمت اور گھریلو کاروبار میں تمہارے لئے ثواب ہے ۔ اس میں کوتاہی مت ہونے دو ۔ دل بیار و دست بکار پر عمل کرو ۔ برتن دھوتے دھوتے ، جھاڑو دیتے دیتے زبان جو بے کار ہے اس کو ذکر میں لگاؤ ۔ کم از کم فرض نماز تو قضا ہونے سے بچالو ۔

عورتیں عرض کرتیں گود کے بچے رہتے ہیں ، ان ہی کپڑوں سے نماز پڑھنے میں تامل ہوتا ہے ۔ ان سے فرماتے " نماز کی اوڑھنی کی طرح نماز کے کپڑے الگ رکھو ۔ زیادہ شک شبہات میں پڑنے سے منع فرماتے ۔

حضرت نے ان کو متنبہ فرمایا کہ " بعض نادان عورتیں بلکہ مرد بھی ، شیخ صدو ، زسو اور دوسرے شیاطین کو مانتے ہیں ۔ ان شیاطین کے نام پر پیسے دیتے ہیں وہ اپنا ایمان خراب کرتے ہیں ۔ یہ شرک اور کفر کی باتیں ہیں ۔ ان سے بچنا ضروری ہے ۔ یہ عمل ایمان سے کوسوں دور ہے ۔ توبہ کرو ۔ خدا کے سوا کسی اور کو صاحب قدرت نہ مانو ۔ ان باتوں سے ایمان چلا جاتا ہے ۔ ان سے بچو ۔

فرمایا " شیطان بھی تعلیم کرتا ہے کہ فلاں کو آسیب ہوگیا ہے ، اس پر بھوت سوار ہوگیا ہے اس کو نذر بھینٹ چڑھاؤ ۔ ورنہ بیمار ہوجاؤ گے ۔ مرجاؤ گے ۔ اولاد نہیں ہورہی ہے ۔ بچی کی شادی نہیں ہورہی ہے ، کسی شیطان ، کسی روح خبیث کے نام پر برہمن کو کچھ دے دو ۔ یہ سب برے کام ہیں ۔ خدا کے سوا ہم کو کوئی نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ ضرر ۔ خیر و شر سب ہمارے مالک کے ہاتھ میں ہے ۔

ان کو تعلیم دیتے کہ " تم کسی کو کھانا کھلاؤ یا ثواب کا کوئی اور کام کرو تو ایسا کہو " یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو ملے ۔ دعا کرنی ہو تو اس طرح کرو ۔ یا اللہ فلاں بزرگ کے طفیل سے وہ چیز عطا کر ۔ ہماری حاجت پوری کر " ۔

" یا حضرت آپ دربارِ الٰہی میں دعا کیجئے ہماری سفارش کیجئے کہ ہمارا مقصد پورا ہوجائے " ۔

عورتوں کو نصیحت فرماتے " اعمال کی اصل ، خیالات ہیں ۔ خیالات اچھے ہوجائیں تو اعمال بھی اچھے ہوجائیں گے ۔ شیطان دل میں برے خیالات ڈالتا ہے ۔ برے وسوسے ڈالتا ہے ۔ جب شیطان کی نہیں چلتی اور برے کام آدمی نہیں کرتا تو اپنے یار و مددگار کو بھیجتا ہے ۔ وہ کون ہیں ؟ وہ ہمارے ہی بھائی بہنیں ہیں ۔ وہ کیا سکھاتے ہیں ۔ چلو سنیما جائیں گے ۔ شرط کے ساتھ گنجفہ کھیلیں گے ۔ یہ ہماری آمدنی ضروریات کو ناکافی ہے ۔ رشوت کھائیں گے ۔ خاوندوں کو بہکائیں گے کہ سود کھاؤ ۔ رشوت لو ، ہاتھ بہت تنگ ہوگیا ہے ، کھانا بغیر بالائی کے نہیں چلتا ۔ آج کل شراب خوری ، جھوٹی محبت ، ناجائز تعلقات روبہ ترقی ہیں ۔ بڑھتے جارہے ہیں ۔

حضرت نے فرمایا " اگر مرد اور عورتیں غیبت کرنا ، دوسروں کی برائیاں ظاہر کرنا چھوڑدیں تو آپس میں اتفاق و محبت پیدا ہوجائے ۔ لڑائی جھگڑے کی ابتداء غیبت سے ہوتی ہے ۔ تم اپنی زبان کو جھوٹے سچے الزامات سے بچاؤ ، یہ بہت بری بلا ہے ۔ غیبت محبت کی دشمن ہے ۔ آدمی اور کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کو برا سمجھتا ہے ، اس سے توبہ کرتا ہے اور غیبت کو برا نہیں سمجھتا اسی واسطے اس سے توبہ نہیں کرتا ۔ لہٰذا غیبت بدترین گناہ ہے ۔ تم لوگوں کے واسطے بے فائدہ ۔ اپنے اعمال نامہ کو سیاہ مت کرو ۔ توبہ کرو استغفر اللہ العظیم ۔

یہ بھی فرمایا کرتے " جھوٹ کبھی نہ بولو ، اس سے آدمی کا اعتبار چلا جاتا ہے ۔ زبان میں اثر باقی نہیں رہتا ۔ زیادہ باتیں کرنے سے آدمی کا دل مرجاتا ہے ۔ جب ہم خدا کو یاد کرسکتے ہیں اس کا نام لے سکتے ہیں تو بے کار بے فائدہ بکواس سے کیا حاصل ۔ خدا نے

دو کان دیئے ہیں ایک زبان دی ہے۔ دو باتیں سنو تو ایک بات کہو۔ جس کا خرچ آمدنی سے زیادہ ہوگا وہ ایک دن مفلس ہوگا۔

حضرت عورتوں کو کام کاج اور گھر بیٹھے محنت مزدوری کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان سے فرماتے "دیکھو شریف بیبیاں پاپڑ بنالیتی ہیں، اچار ڈالتی ہیں، چاول اور دال کی بڑیاں بنالیتی ہیں۔ کشیدہ کاڑھتی ہیں۔ کروشیا کا کام کرتی ہیں۔ موسم پر شربت تیار کرلیتی ہیں۔ سرکہ بنالیتی ہیں۔ مختلف قسم کے میٹھے تیار کرکے بیچتی ہیں۔ بعض بیبیاں درزی سے کپڑے حاصل کرتی ہیں اور کرتے، پاجامے اور قمیص تیار کرتی ہیں۔ میں نے بہت سی عورتوں سے پوچھا شیروانی اور کوٹ کا سینا بہت کم عورتوں کو آتا ہے۔ درزی کا کام کرنے کے لئے مدرسے قائم ہوگئے ہیں۔ مردوں کو چاہئیے کہ خود سیکھ کر عورتوں کو سکھادیں۔ اس سے پیسہ بہت بچ رہے گا ہر حال کام کرو کام میں کامیابی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت زینبؓ بنت جحش کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کیا کرتی تھیں۔ اور اس کی آمدنی ساری کی ساری غربا کو دے دیا کرتی تھیں۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کا تجارتی کاروبار چلتا تھا۔

حضرت نے ہفتہ وار زنانہ درس میں مہینہ میں ایک دن مقرر فرمادیا جس میں عورتوں کو کتر بیونت کی تعلیم عورتیں دیتیں۔ مختلف قسم کے پکوان کے تجربے ہوتے۔ کشیدہ کاری، کارچوبی کام اور دیگر سیون کے کاموں کی تعلیم ہوتی۔ عورتوں کی خواہش پر کوٹ، پتلون، بشرٹ اور شیروانی کی کاٹ بینت سکھانے کے لئے حضرت نے اپنے ایک پابند صوم وصلوٰۃ مرید سید جعفر صاحب کو مقرر فرمادیا۔ جو درزی کے کام میں ماہر تھے۔ اور ایک ٹیلرنگ فرم، بنی خانہ پتھر گٹی کے بازو چلارہے تھے۔

نام نہاد آزادی نسواں کے حضرت ہر دور میں مخالف رہے۔ کیونکہ اس میں عورت کو ہر معاملہ میں مردوں کے دوش بدوش کردینا تھا۔ کہ وہ سیاست اور معیشت میں ہر اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تیار رہے جس سے مرد عہدہ برا ہوتے ہیں۔

حضرت کے پاس مرد کمانے کے لئے اور عورت خرچنے کے لئے ہے۔ فرماتے تھے "روپیہ کمانے کے لئے ایک ہنر کی ضرورت ہے اور خرچنے کے لئے دو ہنر کی۔ لہذا عورت میں صحیح سوجھ بوجھ، کفایت شعاری اور سلیقہ مندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کس موقع پر کب اور کتنا صرف کرنا چاہئیے اس کا ڈھنگ آنا پڑتا ہے جو اس کے سگھڑپن کی علامت ہے۔

فرمایا کرتے تھے "بڑے گھر کی باندی بھی سلیقہ مند رہتی ہے"۔

ابتدائی دور میں حضرت عورتوں کے لئے اتنی ہی تعلیم ضروری سمجھتے تھے جس کی بدولت اس میں اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کے صحیح اور باقاعدہ انجام دہی کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت نے جب دیکھا کہ سائنس کی ترقی کے اس دور میں جب کہ زمانہ مادی ترقی میں تیز گام ہے عورت بجز اعلیٰ تعلیم کے زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتی اور نہ اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی پورا کرسکتی ہے تو حضرت نے عورتوں کے لئے بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول کو بہتر اور ضروری جانا۔ تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کی بدولت ایک صحت مند، دین دار، مخلوق خدا کی خدمت گزار اور ملک و قوم کے لئے مفید فرزند پیدا کرسکے اور اپنی اولاد کے درخشاں مستقبل کے لئے گھر پر ان کی تعلیم میں صحیح رہنمائی اور مدد کرسکے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ حضرت کا یہ بھی خیال تھا کہ عورت اپنی حد سے زیادہ آگے بڑھے گی تو وہ اپنا نسوانی جوہر کھودے گی۔ نہ تو وہ مسلمان ماں کے فرائض ادا کرسکے گی نہ مسلمان بیوی کے۔ بلکہ انفرادی عیش و آسائش میں مشغولیت کی خواہاں ہوگی جو نسل انسانی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

تہذیب جدید کی خرابی کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں "آج کل تہذیب جدید کے زمانہ میں مہذب عورت، خاوند اگر بیمار ہے تو کہتی ہے، آیا تم سرکار کے پاس بیٹھو میں واک کو جاتی ہوں۔ اپنے دوستوں سے ملنا ہے۔ یہ شادی، خانہ آبادی ہے یا خانہ بربادی ہے؟

آج کل کی تعلیم یافتہ عورت اپنے بچے کو اپنا دودھ پلانا نہیں چاہتی تاکہ اس کی جوانی اور حسن متاثر نہ ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت کا ارشاد ہوتا تھا۔ "ہر شخص میں سے اس کے خیالات اور صفات کا تموج اور اثر ہوتا رہتا ہے۔ اگر غیر مسلم بے تہذیب آیا کے گود میں بچہ پلے گا اور دودھ پئے گا، اپنی آیا کے اثر صحبت سے متاثر ہوکر رہے گا۔ شریف ماں کے خصوصیات سے وہ ضرور محروم رہے گا"۔

ایک مرتبہ فرمایا "گھوڑی کے بچے کو بھینس کا دودھ پلایا جائے تو کیسچڑ میں بیٹھ جاتا ہے۔ جانوروں کا دودھ پی کر بچہ انسانی صفات کا مظاہرہ کس طرح کرے گا"۔

حضرت عورت کے لئے پردہ کی ضرورت اور اہمیت پر بہت زور دیتے اور بے پردگی اور ملازمت کو جب کہ وہ مردوں کے دوش بدوش ان کے ساتھ مل جل کر کام کرتی ہو بہت برا خیال کرتے اور بے عزتی سمجھتے تھے۔

بعض عورتوں نے عرض کیا، بے پردہ ہونے میں ہمارا قصور نہیں، شوہر کی مرضی کے سامنے ہم مجبور ہیں۔ حضرت نے جواب دیا "اگر برقع نہیں پہن سکتیں تو کیا گہرے شیشوں کی دھوپ کی عینک بھی نہیں لگا سکتیں۔ اصل پہچان آنکھ سے ہوتی ہے۔ عینک لگانے سے آدھا پردہ ہوجاتا ہے"۔ چنانچہ کئی عورتوں نے اس پر عمل کیا اور عینک لگانے لگیں۔ بعض بے پردہ عورتوں نے برقع پہن لیا۔

ایک مرتبہ فرمایا "آنکھیں نیچی رکھنا عورت کی تعریف ہے۔ غیر مردوں کے ساتھ بے محابا گفتگو کرنا عورت کی شان کے خلاف ہے۔ ایک مقدس شہر میں شریف زادیوں کو فٹبال کھیلتے بھی دیکھا ہے۔ یہ سب نتیجہ ہے بے پردگی کا"۔

فرمایا "موتی میں آب، عورت میں حیا۔ کہاں رہتی ہے وہ قیمت جب چینی میں بال آیا"۔

حضرت عورتوں کی ترقی کے کبھی خلاف نہیں رہے۔ بلکہ ایسی ترقی کے خلاف تھے جو بے منت غیر آگے بڑھائے۔ عورت کو مرد کا مرہون منت فطرتاً رکھا گیا ہے۔ تاکہ وہ اپنی فطری صلاحیت جو مرد کی فطری صلاحیت سے مختلف ہے بروئے کار لانے میں ترقی کے زینے ضرور طے کرے۔

عورتوں کے لباس میں شرع کا لحاظ نہ رہتا تو ناگوار گزرتا۔ اسی طرح اگر کوئی سہاگن سفید لباس پہن کر آتی تو حضرت اس کو رنگین لباس پہننے کی تاکید کرتے۔ ایسا مہین لباس جو لباس پہننے کے مقصد کو پورا نہ کرتا تو ایسے لباس پر معترض ہوتے۔ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں عورت ملبوس آتی تو فرماتے یہ رافضیوں کا لباس ہے ان کی مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ مکمل سیاہ لباس پہننے سے منع فرماتے۔ عورتوں کے لئے سرخ رنگ کے لباس اور زعفرانی لباس کو پسند فرماتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اکثر زعفرانی لباس پہنا کرتی تھیں۔ بعض وقت سرخ کرتا اور سیاہ اوڑھنی بھی زیب تن فرمایا ہے۔ ایک بار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ان کی

بھتیجی حفصہؓ بنت عبدالرحمٰنؓ باریک اوڑھنی سر پر ڈالے آئیں تو حضرت عائشہؓ نے وہ اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور فرمایا تم نہیں جانتی ہو سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے۔ پھر ایک دبیز کپڑے کی اوڑھنی منگواکر ان کو دی۔

ایک مرتبہ فرمایا ۔ پڑھی لکھی لڑکی بیوی ہوتی ہے اور دلہن نہیں ہوسکتی ۔

فرمایا بچہ ہونے تک میں فلاں کی دلہن کہتا ہوں ، بچہ ہوجانے کے بعد فلاں کی بیوی ۔

فرمایا ۔ پندرہ برس کی لڑکی کو بیس برس کا لڑکا ہونا اور بیس برس کی لڑکی کو چالیس برس کا لڑکا یہ ہماری رائے ہے ۔

حضرت نے عورتوں کو تفسیر کا درس دینے کے لئے ان کے لائق سورہ فاتحہ اور پارہ عم کی تفسیر ۔ تفسیر لطیفی ۔ کے نام سے لکھی ، چھپوائی اور اس کا درس بھی دیا۔

تفسیرِ لطیفی کی طباعت کے سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آیا ۔ حکمتِ اسلامیہ کا دوسرا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ تیار تھا اور طباعت پیشِ نظر تھی ۔ تفسیرِ لطیفی کا مسودہ بھی بغرض طباعت تیار تھا ۔ حضرت نے صبح کے درس میں کرنل حبیب علی صاحب سے دونوں کتابوں کا تذکرہ کیا اور استفسار فرمایا کہ ۔ پہلے کونسی کتاب طبع کرائی جائے آپس میں مشورہ کرکے بتلاؤ ۔ کرنل حبیب علی صاحب نے اہلِ درس میں کے چند ممتاز لوگوں سے مشورہ لیا اور بعد مشورہ عرض کیا ۔ ۔سرکار ! پہلے حکمتِ اسلامیہ طبع کرائی جائے ۔ حضرت نے دریافت فرمایا ۔ صمدانی پاشا (یعنی احقر) کہاں ہیں ؟ میں درس میں تھوڑی تاخیر سے پہنچا تھا ۔ اس لئے کمرہ کے باہر جگہ ملی تھی ۔ پیچھے بیٹھا یہ ساری گفتگو سن رہا تھا ۔ فوراً خدمت میں حاضر ہوگیا ۔ فرمایا ۔ باوا ! حکمتِ اسلامیہ کی اضافوں کے ساتھ دوسری اشاعت اور تفسیر لطیفی کی پہلی اشاعت دونوں پیش نظر ہیں ۔ پہلے کونسی کتاب طبع کرائی جائے یہ بحث ہے تمہارا کیا خیال ہے ؟ میں نے عرض کیا تفسیر لطیفی کو پہلے طبع کرانا مناسب ہے ۔

حضرت نے حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا ۔ اب حبیب علی اینڈ پارٹی یہ بیان کریں گے کہ حکمتِ اسلامیہ کو پہلے کیوں ؟ اور صمدانی پاشا یہ بیان کریں گے کہ تفسیر لطیفی کو پہلے کیوں ؟ ۔ ۔

حبیب علی صاحب نے عرض کیا ۔ حکمتِ اسلامیہ تصوف میں چوٹی کی اور درسی نوعیت کی کتاب ہے اور حضرت کا ایک شاہکار ہے ۔ ایڈیشن ختم ہوجانے کی وجہ سے لوگ منتظر ہیں ۔ کتاب کی اہمیت کے مدنظر اس کی اشاعت پہلے مقام پر ہونی چاہیئے ۔

حضرت نے ارشاد فرمایا ۔ اب صمدانی پاشا بیان کریں گے کہ تفسیر لطیفی کو پہلے کیوں طبع کرانا چاہیئے ۔ میں نے عرض کیا ۔ حکمتِ اسلامیہ پہلے طبع ہوچکی ہے اور موجود ہے ۔ اب صرف اضافوں کے ساتھ طبع کرانا ہے مگر تفسیر لطیفی تو چھپی ہوئی موجود نہیں تفسیر لطیفی کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے عورتوں پر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ قرآن کے مخاطب صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی ہیں ۔ جس طرح قرآن کو سمجھنا اور عمل کرنا مردوں کے لئے ضروری ہے اسی طرح عورتوں کو بھی قرآن سمجھنا اور عمل کرنا ضروری ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے جو عورتوں کے حالات اور ان کے خصوصی مسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے مناسب حال لکھی گئی ہے ۔

حضرت نے فرمایا ۔ تم اپنا تصفیہ بیان کرو ۔ میں نے عرض کیا ۔ تفسیر لطیفی ۔ کو پہلے طبع کروانا چاہیئے ۔ حضرت نے اہلِ درس سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ۔ صمدانی پاشا نے تصفیہ کردیا ہے اب تفسیر لطیفی ہی چھپے گی ۔ اور اس کی طباعت کے لئے مسودہ

عنایت فرمادیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ میں حضرت کا منشاء دیکھ رہا تھا۔ اس واقعہ کے اظہار سے حضرت کا طریقہ کار اور عورتوں کے بارے میں حضرت کی فکر صحیح اور قرآن سے ان کو قریب کردینے کی حضرت کی جو جستجو اور کوشش تھی کھل کر سامنے آتی ہے پیش کرنا مقصد تھا۔

حضرت جہاں اپنی بچیوں کو قرآن تجوید کے ساتھ پڑھاتے، اردو نوشت و خواند سکھلاتے وہیں سوئی تاگا لے کر اپنے ہاتھ سے کپڑے کو سی کر بتلاتے کہ دیکھو تیسیچی اس کو کہتے ہیں اور شپے اس طرح لگائے جاتے ہیں۔ اورمہ، بخیہ اور ترپائی اس طرح کی جاتی ہے۔ اور آتی جاتی سیون اس کو کہتے ہیں۔ بچیاں سیدھے ہاتھ کی طرف بیٹھ جاتیں تو فرماتے، سینے والے کی بائیں طرف بیٹھنا چاہیے۔ ورنہ سوئی کے آنکھ میں لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور ہر سیون کے تعلق سے وضاحت فرماتے کہ یہ سیون کہاں اور کس غرض سے سیا جاتا ہے۔

حیرت تو اس بات کی ہے کہ حضرت نے جالی پر کشیدہ کا ایک نمونہ ڈال کر اپنی بڑی بہو یعنی رحیم پاشا صاحب کی اہلیہ محترمہ کو دیا تھا کہ وہ نمونہ کے مطابق ایک کرتا نکالیں۔ جالی پر کشیدہ کا کام وہ ایسی صفائی سے نکالتیں کہ کارگے کا دھوکا ہوتا۔ انھوں نے حضرت کے ڈالے ہوئے نمونہ کو بےحد پسند کیا اور حضرت کی نازک دماغی، جدت پسندی اور سیون میں اس طرح کے درک پر حیرت کا اظہار کیا۔

سالانہ مواعظ

سالانہ مواعظ

عید الاعیاد اور سالانہ مواعظ

۱۲ / ربیع الاول کو ہم لوگ ہر سال بطورِ خاص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے ۔ دیکھتے ہی حضرت اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے اور السلام علیکم فرماتے ۔ آنے والا حضرت کی طرف سے سلام میں پیش قدمی پر بے چین ہوجاتا ، سلام کا جواب دیتے ہوئے تیزی سے حضرت کے قریب پہنچ کر دست بوسی اور قدم بوسی کا شرف حاصل کرتا تو نہایت خندہ پیشانی ، خوش دلی اور حد درجہ شفقت کے ساتھ فرماتے " عید الاعیاد مبارک "۔ اس وقت حضرت کی آنکھیں بھی مسکرانے لگتیں ۔ مسکرانے میں بائیں آنکھ کچھ نیم وا سی ہوجاتی اور آنکھ کے گوشہ میں جھریاں پڑتی تھیں ۔ آنکھوں میں خوشی کی چمک ایسی ہوتی کہ قلب میں اترتی معلوم ہوتی ۔ عنایت محبت کا ان سے اس قدر اظہار ہوتا تھا کہ آدمی سوائے حضرت کے سب کچھ بھول جاتا ۔ حضرت کی یہ مخصوص دیکھت جو حضرت کے چہرہ میں بڑی دلکشی پیدا کردیتی تھی دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی تھی ۔ عطر کی شیشی جو اکثر تکیہ کے بازو رہتی تھی پیش کرتے ۔ آنے والا عطر لیتا ، خوشبو سے معطر ہوجاتا تو درود پڑھتا ، پھر قدم بوسی حاصل کرتا ۔ اُس وقت کی کیفیت ناقابلِ بیان ہے ۔ محمدی کی ایک منفرد شان اور اس کے آثار نمایاں طور پر نظر آنے لگتے ۔ اور آدمی کا خیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور و خیال سے وابستہ اور پیوستہ ہوجاتا تھا ۔

ضعیفی کے باعث گوشہ نشین ہوجانے سے پہلے تک مسجد کالی کمان میں ، / ربیع الاول تا ۱۲ / ربیع الاول عصر تا مغرب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر حضرت نے برسہا برس وعظ فرمایا ۔ وعظ کا انداز ایسا رہتا گویا بچوں کو سبق دے رہے ہیں ۔ مسجد صاحبانِ علم و فضل سے اور عاشقانِ محمدی سے پُر رہتی ۔ وعظ میں باتیں ایسی ہوتیں معلوم ہوتا کہیں دور سے اور بڑی گہرائی سے آرہی ہیں ۔ میں نے کسی کو اس قدر اعتماد کے ساتھ ساتھ عالمانہ محققانہ ، عارفانہ و والہانہ چاروں انداز متوازی و متوازن لئے ہوئے وعظ کرتے نہیں سنا ۔

میلاد النبی کا ماخذ یہ میلاد کی محفلیں کچھ نئی نہیں ہیں ۔ زمانہ رسالت سے شروع ہوچکی تھیں ۔ جن کو خود حضورؐ نے بھی پسند فرمایا ۔ اور محفلِ میلاد قائم کرنے والوں کو خدا کی رحمت ، اپنی شفاعت اور فرشتوں کی دعائے مغفرت کا مستحق ٹھہرایا ۔

حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابو عامر انصاری (رضی اللہ عنہ) کے مکان پر گیا ۔ ابو عامر اپنے قرابتیوں اور بچوں کو جمع کرکے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے حالات سنا رہے تھے ۔ اور فرمارہے تھے کہ " وہ آج ہی کا دن تھا ۔ وہ آج ہی کا دن تھا " حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " اللہ نے تمہارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں ۔ فرشتے تمہاری مغفرت چاہتے ہیں ۔ جس نے تمہارے اس فعل کو کیا اس نے تم جیسی نجات حاصل کی "۔ (اس حدیث کو امام المحدثین علامہ ابو الخطاب عمرو بن دحیہ کلبی نے اپنی کتاب " التنویر فی مولد البشیر والنذیر " میں ۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب " سبل الھدیٰ فی مولود المصطفےٰ " میں نقل کیا ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دن میں اپنے گھر میں لوگوں کو جمع کرکے ولادتِ باسعادت بیان کر رہا تھا ۔ لوگ مسرور ہورہے تھے اور حمدِ باری اور درود پڑھ رہے تھے ۔ اتنے میں خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے ۔

اور فرمایا کہ " میری شفاعت تم پر حلال ہوچکی ہے "۔ (اس حدیث کو امام المحدثین احمد بن حجر الکی " مولد الکبیر " میں اور علامہ ابی القاسم محمد بن عثمان نے " الدر المنظم " میں اور علامہ امام جلال الدین سیوطی " سبل الہدیٰ " میں نقل کیا ہے)

قرآن شریف میں جابجا مختلف انبیاء کے مبعوث ہونے کو بطور احسان بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے " اذقال موسیٰ لقومہ یقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء (پ ۶)۔ یعنی جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جب کہ اس نے پیدا کئے تم میں پیغمبر۔

دوسری جگہ ارشاد ہے لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا۔ یعنی اللہ نے مومنین پر احسان کیا جب کہ ان میں ایک رسول بھیجا۔

اور فرماتا ہے۔ قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔ تم کہو! اللہ کے فضل و رحمت کی (اے مومنو!) خوشیاں مناؤ۔ ہم تو امر اُذکروا اور فلیفرحوا پر عمل کرتے ہیں۔

اور فرماتا ہے واما بنعمۃ ربک فحدث " یعنی اور تم اپنے رب کی نعمتیں بیان کرو "۔ یہ تھیں وہ حدیثیں اور آیاتِ قرآنی جو دورانِ وعظ حضرت میلاد النبی کے جلسے اور محفلوں کے انعقاد کے جواز میں پیش فرماتے تھے۔

حضرت نے دورانِ وعظ یہ بھی فرمایا " بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے سنا کہ روزِ عاشوراء روز نجات موسیٰ علیہ السلام ہے تو آپ نے فرمایا نحن احق بموسیٰ منکم ہم بہ نسبت تمہارے موسیٰ کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر آپ نے بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ کا حکم دیا۔ تو کیا حضرت کے تولد سے ساری امت محمدی کے دوزخ سے نجات پانے کی خوشی منانے کے ہم مستحق نہیں؟ بے شک ہیں۔ ہر قوم اپنے بزرگ کے میلاد یا موت کی یادگار مناتی اور اجتماع کرتی ہے تاکہ اس بزرگ کے حالات سے واقف ہوکر ان کی پیروی کرے۔

مسجد کالی کمان میں ماہ ربیع الاول میں حضرت جو وعظ فرمایا کرتے تھے ان کے کچھ اقتباسات بغرض استفادہ پیش کئے جاتے ہیں۔

اقتباسات وعظ

۱۔ اللہ اکبر! شرک و کفر کی کیا گھٹاٹوپ تاریکی عالم پر چھائی ہوئی ہے۔ کہیں کہیں کوئی شمع ہدایت جلتی ہے اور اس کو بھی بجھے ہوئے زمانہ ہوگیا ہے۔ مایوس نہ ہو! خشک سالی کے بعد سرسبزی، رات کے بعد دن، ضلالت کے بعد ہدایت آتی ہے۔ یہ خدا کی رحمت اور اقتضائے فطرت ہے۔

وہ دیکھو! ناف زمین کوہ ابوقبیس کے دامن سے روشنی سی معلوم ہورہی ہے۔ اوہو! روشنی بڑھتی جارہی ہے۔ آسمان سے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ گویا کسی دولہا کے سر پر سے روپے نثار کئے جارہے ہیں۔ بُت منہ کے بل گر رہے ہیں۔ ظلمت و ضلالت کا سلطان یعنی شیطان اپنی سلطنت چھوڑ کر بھاگا جارہا ہے۔ ماشاء اللہ! ماہِ نبوت، شمسِ رسالت، نور بخشِ بصارت و بصیرت نمودار ہو ہی گیا۔ یہ کون عالی مقام ہے؟ اور اس کا کیا نام ہے؟

غایتِ ایجاد، محبوبِ رب العباد نور اولین، ظہورِ والیین، روح الارواح، الساری فی الاشباح، مقصدِ کل سندِ رسل۔

محمد سید الکونین والثقلین ٭ والفریقین من عرب ومن عجم

بلند قامت رفع بعضھم درجات کی علامت

سر پر عمامہ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء ۔ چہرہ راحتِ ارواح مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح

تجلی گاہِ حق ہے چہرہ انور محمد کا ٭ تعالیٰ اللہ کیا مطلع ہے صبحِ نورِ سرمد کا (حسرت صدیقی)

پیشانی نورانی بلند وکشادہ یھدی اللہ لنورہ من یشاء

باریک کمانی ابرو قاب قوسین اوادنی بڑی بڑی آنکھوں کی سپیدی میں جلالت کی چمک ، گلابی ڈوروں میں محبت کی جھلک مازاغ کا نور بی یبصر کا ظہور ۔

برنگ زر چڑھے سونا مرا میدانِ محشر میں ٭ اٹھوں میں قبر سے مخمور تیری چشم اسود کا (محسن کاکوری)

اونچی ناک شانِ لولاک ، دندانِ مبارک تاباں ، لولوئے درخشاں ۔

زبانِ فصاحت و بلاغت نشان میں ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ کی شان ۔

نیا ہم چرا لطفِ قندِ مکرر ٭ کلامِ خدا و زبانِ محمدؐ (حسرت صدیقی)

محاسنِ مبارک دراز فسبحہ لیلا طویلا کا نیاز

گوشِ حق نیوش فاستمع لما یوحیٰ کے ہمدوش

سرخ و سپید رنگ بے رنگ کا نیرنگ

سینۂ گنجینۂ معارف میں وسعت الم نشرح لک صدرک کی علامت ۔

دستِ زبردست میں بی یبطش کی قوت و طاقت

وسیع کفِ دست میں انما انا قاسم واللہ یعطی کی سخاوت

قدمِ استقامت منزل فاستقم کما امرت میں کامل

ایک ہاتھ میں قرآن شریف ایک ہاتھ میں شمشیر اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی تفسیر ۔

کمالِ شجاعت میں نامحدود رحمت ، غایتِ شہادت میں نہایت محبت سراپا عدل و انصاف ہمہ تن الطاف کان خلقہ القران التخلق باخلاق الرحمٰن ۔ آئینۂ عبدیت میں صفائی معیت ۔ شمشیر فنا میں جوہر بقا کا رنگ ۔ جلال کے ساتھ خوشبوئے جمال لایسعنی کے ساتھ کلمینی یاحمیراء بھی ہے ، باہمہ و بے ہمہ ، دل بیار و دست بکار ، مستی میں ہوشیار ، بے خودی میں خوددار ، ہرامر میں تمیز ، کج دار و مریز ، فقیروں کا ماویٰ ، امیروں کا ملجا ، ناداروں کا خزانہ ، مصلحین میں عالی پائیگاہ ۔ حکماء میں حقائق آگاہ ، علماء میں معرفت پناہ ، محبوں کا پیشوا ، محبوبوں کا مقتداء امام الصدیقین ، خاتم الانبیاء و المرسلین ۔

یآیھا الناس اذکروا نعمۃ اللہ علیکم ۔ لوگو ! تم پر اللہ کی جو نعمت ہے یاد کرو ۔

شکر کیا ہے ؟ یہی کہ انعامات و احسانات کو ان کے عمدہ مصرف میں صرف کرے اور تمام عطایا کو منعمِ حقیقی اور محسن تحقیقی کی مرضی کے مطابق استعمال کرے ۔ مگر ہر شخص اس امر کی قابلیت نہیں رکھتا کہ اس کی ساحتِ عزت تک رسائی

حاصل کرے۔ اور اس کی مرضی کے موافق وحی الٰہی سے مخاطب ہو۔ حکیم علی الاطلاق جل جلالہ، اپنے بندوں سے ایسے شخص کو رسالت و نبوت کے لئے برگزیدہ اور انتخاب فرماتا ہے جس کی فطرت پاک، استعداد اتم، قوائے عقلیہ کامل، اخلاقِ حمیدہ و صفات جمیلہ بہ درجہ اعلیٰ ہوں۔ جس کے دو جانب ہوں۔ ایک جانب سے ربوبیت سے استفادہ کرے اور دوسری جانب سے بندگانِ خدا کو افادہ ہدایت فرمائے۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر بندوں میں بھی شامل ÷ خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا محل کسے بنائے۔

بعثت نبوی کے قبل دنیا پر جہالت و ضلالت کی سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یہود وقالت الیہود عزیر ابن اللہ۔ اور نصاریٰ وقالت النصٰری المسیح ابن اللہ کے مصداق بن گئے تھے۔ مجوس، آتش پرستی میں گرفتار تھے۔ صابئین، ستارہ پرستی میں مشغول تھے۔ مشرکین اپنے ہاتھوں سے بُت بناتے اور ان کو خدا سمجھتے۔ خود کعبۃ اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بُت بٹھا رکھے تھے۔ یہ تو وہ تھے جو خدائے تعالیٰ کو مانتے تو تھے۔ اس زمانے میں دھریت کے قائل اور خدائے تعالیٰ کے وجود سے انکار کرنے والوں کی بھی کچھ کمی نہ تھی۔

الحاصل اعتقادیات کی خرابی کا ایک نمونہ تھا۔ اخلاق و تمدن کی تباہی و بربادی تو ناگفتہ بہ تھی۔ غرض کہ جہالت کی حکومت تھی اور ضلالت کی سلطنت۔ دنیا فسق و فجور سے معمور تھی۔ اور اہلِ دنیا شرابِ غفلت سے مخمور۔

چونکہ عادتِ خداوندی اس طرح جاری ہوئی ہے کہ قحط کے بعد سرسبزی۔ خزاں کے بعد بہار۔ تاریکی کے بعد روشنی عطا ہو۔ اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا۔ ان مع العسر یسرا لہذا یہ وقت تھا کہ ضلالت کے بعد ہدایت، جہالت کے بعد علم و معرفت عنایت فرمائے اور بندوں کو جو وادیٔ کفر و فسق میں سرگشتہ ہو رہے تھے۔ شاہ راہِ ایمان و اذعان کی طرف ہدایت کرنے کے لئے پیغمبر کو مبعوث کرے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ (سورہ ۱۷۔ آیت ۱۵) اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مکہ معظمہ نافِ زمین کہلاتا ہے اور یہ شہرت خلاف واقعہ بھی نہیں ہے کیونکہ عرب کی ایک جانب ایشیا، دوسری جانب یورپ، تیسری جانب افریقہ ہے اور وسط سے تمام جوانب میں علم و معرفت کا پہنچنا آسان اور مرکز سے اقطاعِ عالم تک نور ہدایت کا ایصال سہل ہے۔ نیز اس زمانہ میں چونکہ نہر سویز کھدی نہ تھی لہذا تجارت اور لین دین عرب کے ذریعہ ہوتا تھا۔ لایلف قریش الفھم رحلۃ الشتآء والصیف اس لئے عرب کے ذریعہ یورپ، افریقہ اور ایران و ہندوستان کو خبرِ رسالت کا وصول سہل تھا۔

نیز مکہ میں ہر مذہب و فرقہ کے لوگ یہود و نصاریٰ، صابئین، مجوس، بُت پرست اور دہری موجود تھے۔ جن کی تردید اور جن سے مناظرہ دوسرے اور کسی مقام پر دشوار اور دوراز کار تھا۔ نیز عرب کی حالت بہ نسبت اور متمدن اقوام کے بد سے بدتر تھی۔ اور بہ مشکل یہ جنگجو۔ سخت مزاج قوم کسی غیر شخص کے سامنے گردنِ تسلیم خم کرتی۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اسحاق علیہ السلام کے خاندان میں کئی اولوالعزم رسول اور نبی پیدا ہو چکے تھے۔ اور عرب مستعربہ جو خدام کعبہ اور مدعی اتباعِ

ملت ابراہیمی اور حضرت ابراہیم کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے ۔ اس عظیم الشان شرف اور مرتبہ نبوت و امامت سے محروم رہ جاتے ۔ اگر ان میں کوئی رسول مبعوث نہ ہوتا ۔ لہٰذا حکمتِ الٰہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ فاران کی چوٹیوں اور مکہ کی سرزمین سے ایک آفتاب نبوت و رسالت طلوع کر کے روئے زمین سے جہالت و ضلالت اور فسق و فجور کی ظلمت کو دور اور نورِ ہدایت و معرفت سے معمور کردے ۔

و اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا و اجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا آمة مسلمة لک و ارنا مناسکنا و تب علینا انک انت التواب الرحیم ربنا و ابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک ویعلمھم الکتاب والحکمة ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم ○

(البقرہ آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹)

اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کئے جاتے تھے کہ) اے پروردگار ! ہم سے یہ خدمت قبول فرما ۔ بےشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے ۔ اے پروردگار ! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رکھ اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریقہ عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما ۔ بےشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے ۔ اے پروردگار ! ان (لوگوں) میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے ۔ اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے ۔ بےشک تو غالب اور صاحبِ حکمت ہے ۔

انسان تین قسم کے ہیں ۔ ادنیٰ ۔ اوسط ۔ اعلیٰ ۔

" ادنیٰ " تو وہ ہیں جن کے قوائے عقلیہ و علمیہ ناقص ہیں ۔ اور وہ خواہشِ نفسانی اور لذاتِ جسمانی میں منہمک رہتے ہیں یہ عوام ہیں ۔

" اوسط " وہ اشخاص ہیں جو خود کامل بذاتہ ہیں ۔ ان کے صفات پسندیدہ ہیں اور ان کے عادات برگزیدہ ۔ مگر ان کا اثر متعدی الی الغیر نہیں ۔

" اعلیٰ " وہ افراد ہیں جو نہ صرف خود بذاتہ اعلیٰ صفات و اکمل عادات رکھتے ہیں بلکہ ان کے انوارِ تعلیم سے دوسرے سرگشتگانِ وادیٔ جہالت شاہ راہِ ہدایت پر آجاتے ہیں ۔ وہ دوسروں کی قوتِ نظری و عملی دونوں کی تکمیل کرتے ہیں ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کمالاتِ قوت نظری میں سے معرفت اور قوتِ عملی میں سے اطاعتِ حق تعالیٰ رئیس کمالات ہے ۔ جو شخص دلی معرفت و طاعتِ حق میں جس قدر کامل ہوگا اسی قدر معرفتِ ولایت میں فاضل ہوگا ۔ اور جو شخص " نبی " دوسروں کی تکمیلِ معرفت و طاعتِ حق افضل و اعلیٰ طریقہ پر کرے گا اس کے درجات نبوت اکمل و اعلیٰ ہوں گے ۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دنیا کا کیا حال ہوا ؟ چشمِ انصاف سے دیکھو تو معلوم ہوجائے گا کہ دنیا کا انقلاب باطل سے حق ، ظلمت سے نور ، کذب سے صدق ، کفر سے ایمان ، شرک سے توحید کی طرف ہوگیا ہے ۔ اور اس ذاتِ مطہرہ کے اثرِ تعلیم سے ایک بہت بڑی تعدادِ بشری کی قوتِ نظری و عملی کی تکمیل ہوگئی ہے ۔ اگر کوئی شخص عقل کی آنکھوں سے تعصب و عناد کا پردہ ہٹا کر دیکھے تو اسے ثابت ہوگا کہ نوح ، ابراہیم ، موسیٰ ، عیسیٰ علیہم السلام نے جس قدر اصلاحِ نوعِ بشر اور تکمیلِ قوتِ

عمل و نظر کی ہے اس سے بہت زیادہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور اس کا پاک اثر ہے

کوئی آپ کو کیا تعلیم کرتا جب کہ تمام روئے زمین سے زیادہ خود مکہ پر ابرِ جہالت چھایا ہوا تھا۔ نہ کوئی بیت العلوم تھا، نہ مدرسہ، لکھنے پڑھنے والے خال خال تھے۔ پھر چالیس سال تک اس طرح بے تعلیمی و بے تربیتی میں گزارے۔ کیا بغیر ارشادِ خداوندی و تعلیم علم لدنی ممکن تھا کہ دفعتاً چالیس سال کی عمر میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کردیں؛ دل سے آفتابِ ہدایت چمکے اور تمام عالم کو نور سے معمور کردے؟ منہ سے دریائے علم و معرفت جاری ہو اور تشنگانِ دشتِ ضلالت و حیرت کو سیراب کردے!

وماکنت تتلوا من قبله من کتاب ولا تخطه بیمینک اذا لارتاب المبطلون بل هو ایٰت بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد بایٰتنا الا الظٰلمون ○ (عنکبوت ۲۹)

اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ ایسا ہوتا تو (اس کا) ابطال کرنے والے ضرور شک کرتے۔ بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں، جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ساحروں کا بڑا زور شور تھا تو ان کو عصا اور ید بیضا کا معجزہ ملا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب و فلسفہ کا بڑا چرچا تھا۔ سقراط۔ بقراط۔ جالینوس۔ فیثا غورث وغیرہ حکماء کا زمانہ آپ کے زمانہ سے قریب تھا۔ احیاء موتیٰ۔ ازالہ برص و جذام۔ مادر زاد نابینا کا اچھا کرنا آپ کو عطا ہوا۔ معزاً حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے جن کو فصاحت و بلاغت کا بڑا دعویٰ تھا۔ وہ اپنے سوا دوسری اقوام کو عجم یعنی گنگ کہتے تھے۔ کعبۃ اللہ شریف کے پردے پر اپنے فصیح و بلیغ قصائد بطور ادعا و تحدی لٹکاتے تھے۔ جن کو " المعلقات السبع " کہتے ہیں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے ان کے مقابلہ کے لئے فصاحتِ قرآن کو اعجاز بنادیا۔ قرآن کے سامنے تمام فصحا نے سپر ڈال دی۔ لبیدؓ بن ربیعہؓ صاحب معلقہ چہارم نے شعر کہنا ہی چھوڑ دیا اور عمر بھر ان کا سارا مشغلہ تلاوتِ قرآن ہی رہا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تمام شعراء سے ان کے زمانہ اسلام کا کلام طلب فرمایا تو لبید بن رابیعہ نے سورہ بقرہ لکھ کر حضرت عمر کی خدمت میں روانہ کردیا۔ اور عرض کی کہ جب سے ایمان لایا ہوں شعر کہنا چھوڑ دیا۔ کفارِ قریش کا سردار عتبہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور قرآن سن کر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور رونا شروع کردیا۔ ابو جہل وغیرہ بدبختانِ ازلی نے اُسے بہکایا کہ تو اتنا بڑا سردار اور ایسا فصیح و بلیغ ہوکر قرآن سے متاثر ہوتا ہے۔ تجھے چاہیئے کہ قرآن پر کچھ نہ کچھ الزام لگائے تو وہ سوچا اور اندازہ کیا مگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر اس نے تیوری چڑھائی اور برا سا منہ بنایا لیکن کچھ اعتراض نہ کرسکا۔ پھر بڑی کوشش سے ایک بات سجھائی دی اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمایا۔ اور کہا تو کیا کہا؟ " ان هٰذا الا سحر یوثر " یہ تو چلتا جادو ہے۔ اُس کی اس رائے کے متعلق اہلِ دانش و بینش فیصلہ کرسکتے ہیں کہ آدمی اسی وقت سحر و جادو کہتا ہے جب کوئی چیز خارق عادت اور طاقتِ بشری سے خارج ہو۔ عتبہ فصیح و بلیغ ضرور تھا اور فصاحت کے متعلق اس کی رائے ایک ماہرِ فن ہونے کے لحاظ سے گونہ وقعت رکھتی تھی مگر وہ زباندانی، فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے عاجز آکر سحر کہنے پر مجبور ہوگیا۔ جس سے قرآن کی فصاحت قوتِ بشری سے خارج ثابت ہوگئی۔ اور رہا اس کا سحر کہنا سو وہ نہ تو خود ساحر تھا نہ اصولِ سحر سے واقف تھا۔ لہٰذا اس کا ادعائے سحر ساقط از اعتبار ہے۔

انہ فکر و قدرہ فقتل کیف قدرہ ثم قتل کیف قدرہ ثم نظر ○ ثم عبس و بسر ○ ثم ادبر و استکبر ○ فقال ان ھٰذا الا سحر یوثر ○ (المدثر)

دنیا کی کوئی کتاب دیکھو تو وہ اپنی اصل پر قائم نہیں رہی ۔ تورات و انجیل اس قدر محرّف ہیں کہ چار و ناچار اہلِ کتاب خود قائل ہوگئے کہ پوری بائبل کلامِ الٰہی نہیں ۔ ہاں بائبل میں کلامِ الٰہی بھی ہے ۔ اسی طرح دساتیر اور وید کا حال ہے کہ کوئی ان کو متواتر تو کجا بہ روایتِ آحاد بھی ثابت نہیں کرسکتا ۔ بخلاف اس کے قرآن شریف کی روایات ایسی متواتر اور مشہور ہیں کہ مخالفینِ اسلام تک پکار اٹھے کہ تیرہ سو برس تک کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں رہی ۔ اور اس وقت سے اب تک برابر دنیائے اسلام اس کی حفاظت کرتی چلی آرہی ہے ۔ ہر شہر اور ہر گاؤں میں قرآن شریف موجود ہیں ۔ ہر عہد اور ہر زمانہ میں ہزاروں لاکھوں حفاظ ہوتے چلے آرہے ہیں ۔ قرآن شریف کی حفاظت کا ایسا بندوبست ہی قرآن شریف کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک بدیہی دلیل ہے اور حضرتؐ کا ایک مستقل معجزہ ہے ۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون ○ یقیناً ہم نے یہ (کتاب) نصیحت اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں ۔

اب ہم آخر میں ابو سفیان اور ہرقل قیصر روم کی گفتگو پر توجہ کریں گے ۔ وہ حضرت کے مکارمِ اخلاق اور حسنِ سلوک سے حضرت کی نبوت پر استدلال کرتا ہے ۔

بخاری شریف میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اُن سے ابو سفیان بن حرب نے کہا جو اس واقعہ کے وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے ۔ اور کفارِ قریش کے بڑے معزز سردار اور حاکمِ اعلیٰ تھے ۔ ان کو ہرقل بادشاہ روم نے قریش کے اور کئی سرداروں کے ساتھ بلا بھیجا ۔ اور یہ قریش کے لوگ اس وقت شام کے ملک میں سوداگری کے لئے گئے ہوئے تھے ۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں حضرتؐ نے ابو سفیان اور قریش کے کافروں کو (صلح کرکے) ایک مدت دی تھی ۔ غرض یہ لوگ ہرقل کے پاس پہنچے جب کہ وہ اور اس کے ساتھی ایلیا یعنی بیت المقدس میں تھے ۔ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا ۔ اور اس کے گرد اگرد روم کے رئیس بیٹھے تھے ۔ اپنے مترجم کو بھی بلایا ۔ اور یوں کہنے لگا ۔ اے عرب کے لوگو ! تم میں سے کون شخص اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر سمجھتا ہے ؟ ابو سفیان نے کہا ۔ میں اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہوں ۔ ہرقل نے کہا ۔ اچھا اس کو میرے پاس لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو بھی اس کے نزدیک اس کی پیٹھ کے قریب رکھو ۔ پھر مترجم سے کہنے لگا ۔ ان لوگوں سے کہو کہ اس سے (یعنی ابو سفیان سے) اُس شخص (یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا کچھ حال پوچھتا ہوں ۔ اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کی تکذیب کردینا ۔ ابو سفیان نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ میری تکذیب کردیں گے تو میں ان کے باب میں جھوٹ کہہ دیتا ۔ خیر پہلی بات جو اس نے مجھ سے پوچھی وہ یہ تھی کہ ۔ اس شخص کا تم میں خاندان کیسا ہے ؟ میں نے کہا ۔ اس کا خاندان تو ہم میں اعلیٰ ہے ۔ کہنے لگا کہ ۔ اچھا پھر یہ دعویٰ کہ میں پیغمبر ہوں اس سے پہلے تم لوگوں میں کسی نے کیا تھا ؟ میں نے کہا ۔ نہیں ۔ کہنے لگا ۔ اس کی پیروی امیر کر رہے ہیں یا غریب ؟ میں نے کہا ۔ غریب ۔ کہنے لگا ۔ اس کے تابعدار روز بروز بڑھتے جارہے ہیں یا گھٹتے ؟ میں نے کہا کہ گھٹتے نہیں بلکہ بڑھتے ہی جارہے ہیں ۔ پھر کہا پھر کوئی ان میں سے ایمان لاکر اس کے دین کو برا سمجھ کر پھر جاتا بھی ہے ؟ میں نے کہا ۔ نہیں ۔ کہنے لگا اس سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے دیکھا ہے ؟

میں نے کہا۔ نہیں " کہنے لگا کہ " اچھا وہ عہد شکنی بھی کرتا ہے؟ " میں نے کہا۔ نہیں " " اب ہم سے اور اس سے صلح کی ایک مدت ٹھہری ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ اس میں کیا کرتا ہے " ابوسفیان نے کہا مجھ کو کوئی بات اس میں شریک کرنے کا موقع نہ ملا بجز اس بات کے۔ کہنے لگا " اچھا! تم اس سے کبھی لڑے بھی ہو؟ میں نے کہا " ہاں " کہنے لگا تمہاری اس کی لڑائی کیسی ہوتی ہے؟ میں نے کہا " ہم میں اور اس میں لڑائی ڈولوں کی طرح ہے۔ کبھی وہ ہمارا نقصان کرتا ہے اور کبھی ہم اس کا " کہنے لگا " اچھا! وہ تم کو کیا حکم کرتا ہے؟ میں نے کہا وہ یہ حکم کرتا ہے " بس اکیلے اللہ ہی کو پوجو اور کسی کو شریک نہ بناؤ اور باپ دادا کی (شرک کی) باتیں چھوڑ دو " اور ہم کو نماز پڑھنے، سچ بولنے، حرام کاری سے بچنے اور ناتا جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔ تب ہرقل نے مترجم سے کہا کہ اس شخص سے کہو کہ میں نے تم سے اس کا خاندان پوچھا تو تم نے کہا عالی خاندان ہے اور پیغیبر ہمیشہ قوم کے عالی خاندان ہی میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور میں نے تم سے پوچھا، یہ بات تم لوگوں میں اس سے پہلے کسی نے کہی تھی تو تم نے کہا نہیں۔ اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ اگر اس سے پہلے کسی دوسرے نے کبھی یہ بات کہی ہوتی (یعنی پیغیبری کا دعویٰ کیا ہوتا) تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص اگلی بات کی پیروی کرتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے تاکہ میں یہ سمجھ لوں کہ وہ شخص (پیغیبری کا بہانہ کرکے) اپنے باپ کی بادشاہت لینا چاہتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس بات کے کہنے سے پہلے تم نے کبھی اس کو جھوٹ بولتے سنا تو تم نے کہا نہیں۔ تو اب میں نے سمجھ لیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر جھوٹ باندھنے سے پرہیز کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ امیر آدمیوں نے اس کی پیروی کی یا غریبوں نے۔ اور پیغیبروں کے تابعدار اکثر غریب ہی ہوتے ہیں۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ تعداد میں وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں۔ تو تم نے کہا وہ بڑھ رہے ہیں۔ اور ایمان کا یہی حال رہتا ہے جب تک وہ پورا ہو۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے دین میں آکر پھر اس کو برا سمجھ کر کوئی پھر جاتا ہے۔ تو تم نے کہا " نہیں " اور ایمان کا یہی حال ہے جب اس کی بشاشت دل میں سما جاتی ہے تو پھر دل سے نہیں نکلتی۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ وہ عہد شکنی کرتا ہے، تو تم نے کہا " نہیں "۔ پیغیبر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ کبھی عہد نہیں توڑتے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تم کو کیا حکم دیتا ہے، تو تم نے کہا کہ وہ یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور بُت پرستی سے تم کو منع کرتا ہے۔ اور نماز کا، سچائی کا اور حرامکاری سے بچے رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر جو تم کہتے ہو سچ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہوجائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (یعنی ملک شام کا)۔ اور میں جانتا تھا کہ پیغیبر آنے والا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ پھر اگر میں جانوں کہ میں اس تک پہنچ جاؤں گا تو اس سے ملنے کی ضرور کوشش کروں گا۔ اور اگر میں اس کے پاس ہوتا (مدینہ میں) تو اس کے پاؤں دھوتا، خدمت کرتا، پھر اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوایا۔ جو آپ نے دحیہ کلبی کو دے کر بصرہ کے حاکم کو بھیجا تھا اور اس نے وہ خط ہرقل کو بھیجا تھا۔ ہرقل نے اس کو پڑھا اس میں یہ لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد عبد اللہ و رسولہ الیٰ ہرقل عظیم الروم سلام علیٰ من اتبع الھدی۔ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسیین و یااھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً

اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون۔ اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف۔ سلامتی ہے اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ بعد ازیں معلوم ہو کہ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آ محفوظ رہے گا (اور) اللہ تجھے دوہرا اجر دے گا۔ اگر تو نے روگردانی کی تو تجھ پر تکبر کرنے والوں کا گناہ لازم آئے گا اور اے اہلِ کتاب اُس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ مطلقاً کچھ شرک نہ کریں اور اللہ سے ہٹ کر آپس میں ایک دوسرے کو اپنے رب نہ مانیں (اے مومنو!) پھر اگر (یہ اہلِ کتاب) اس سے روگردانی کریں تو تم کہہ دو گواہ رہو! ہم تو مسلمان ہیں (تابع فرمان ہیں)۔

ابوسفیان نے کہا۔ جب ہرقل کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکا اور خط بھی پڑھ لیا تو اس کے پاس بہت شور و غل مچا، آوازیں بلند ہوئیں۔ اور ہم باہر نکال دیئے گئے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا جب ہم باہر نکال دیئے گئے، ابوکبشہ کے بیٹے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو بڑا درجہ ہوگیا۔ اس سے رومیوں کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اس روز سے مجھ کو برابر یقین ہوگیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غالب ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ نے مجھ کو مسلمان کردیا۔

انا ارسلنک شاهدا و مبشرا و نذیرا ○ (اے پیغمبر!) ہم نے تم کو بھیجا (کیسا؟) اہلِ دنیا کو دیکھنے والا (اچھے کام کرنے والوں کو) بشارت اور مژدہ دینے والا (اور بدکاروں کو) ان کے انجامِ بد کی اطلاع دینے والا۔

شاہد دیکھتا ہے۔ لہذا حضرتؐ ہمارے تفصیلی حالات دیکھتے ہیں۔ دیکھو سنی سنائی شہادت درست نہیں جب اصل شاہد حاضر ہو تو فرع کی شہادت صحیح نہیں۔ لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم۔ خود تم میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر وہ تمام چیزیں جو تم کو تکلیف دہ ہیں دشوار گزرتی ہیں۔ جب تک حضرتؐ ہمارے حال سے واقف نہ ہوں ہماری تکلیفات ان پر کیوں کر شاق گزریں گی۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ لایشاک احدکم بشوکه الا واجد المها یعنی تمہارے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا مگر اس کا درد میں محسوس کرتا ہوں، بعض احادیث میں ہے انا من نور اللّٰہ و کل شیء من نوری۔ یعنی میں اللہ کے نور (وجود) سے ہوں اور ہر شئے میرے نور (وجود) سے ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ انما انا قاسم و اللّٰہ یعطی۔ اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ ہم کو جو کچھ ملتا ہے قاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ملتا ہے۔

ابن سنی کتاب "عمل الیوم واللیۃ" میں دو روایتیں بیان کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر کے پیر میں چیونٹیاں بھر گئی تھیں۔ یعنی پیر سن ہوگئے تھے۔ ان سے کسی نے کہا آپ محبوب ترین شخص کو پکارو۔ انھوں نے "یا محمداہ" پکارا اور کھڑے ہوکر چلنے لگے۔

یہی حال عبداللہ ابن عمرو بن العاص کا ہوا۔ انھوں نے یا محمداہ کا نعرہ مارا اور ایسے ہوگئے جیسے پیر سے بندھی رسی کھل گئی ہو (کنز العمال)۔

مسند عمر میں ایک بڑی حدیث ہے۔ اس میں ہے فقال عمیر السلام علیک یا رسول اللّٰہ السلام علیک یا ابابکر ماذا لقیت بعد کما۔ یا رسول اللہ آپ پر سلام یا ابابکر آپ پر سلام۔ میں نے آپ دونوں کے بعد کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں۔

حصن حصین میں حضرتؐ سے مروی ہے، آپ نے اس شخص کے متعلق جو راہ گم گشتہ ہو فرمایا کہ پکارے۔ اعینونی

یا عباد اللہ اے بندگانِ خدا تم میری مدد کرو۔ ہم کو اللہ کے حبیب احب الناس ہیں ہم پکارتے ہیں " یا محمداہ " ہم راہِ گم گشتہ ہیں، ہم پکارتے ہیں " اعینونی یا عباد اللہ "، یا غوث یا خواجہ یا نقشبند یا بدوی یا شاذلی ہماری مدد کرو۔

اللہ کی طرف نگاہ کرو تو وما اوتیتم من العلم الا قلیلا تم کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ علام الغیوب کا لحاظ کرتے، نسبت کرتے بہت قلیل ہے۔ عطیہ الٰہی کی طرف دیکھو تو وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما۔ تم کو جو کچھ معلوم نہ تھا ان سب کا علم تم کو دیا اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

ایک انسان کو دوسرے پر علم ہی سے فضیلت اور برتری ہے۔ ہمارے پاس حضرتؑ کو اللہ کا دیا ہوا علم سب سے زیادہ ہے یہ تو ظاہر ہے اللہ کا علم، علمِ غیب نہیں ہے۔ کوئی چیز اس سے غیب ہے ہی نہیں۔ تو اس کا علم، علمِ غیب کیونکر ہوگا۔ یہ علمِ غیب ہماری طرف نسبت کرنے سے ہے۔ ایک علمِ غیب ہر مسلمان کو ہونا چاہیئے آمنت باللہ وملٰئکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الاخر۔ یعنی اللہ، فرشتے اور آسمانی کتابیں اور پیغمبر اور روزِ قیامت کا علم جو علمِ غیب کی قسم سے ہے ہر شخص کو پورے یقین کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ جس کو ایسا علمِ غیب نہیں وہ مسلمان کب ہے۔ بعض چیزیں ایک شخص کو معلوم ہیں اور ایک شخص کو معلوم نہیں۔ بلکہ اس سے غیب ہیں، یہ غیبِ اضافی ہے۔ بلکہ ایک چیز ایک شخص کو معلوم نہیں رہتی پھر احساس یا تجربہ کے بعد معلوم ہوجاتی ہے۔ ایک شخص کو ایک بات معلوم ہوتی ہے اور دوسرے کو معلوم نہیں ہوتی۔ غیبِ اضافی کا بندوں کو ہونا ناقابلِ انکار۔ مگر کسی مسلمان نے یہ دعویٰ کیا کہ میں تمام چیزوں کو جانتا ہوں۔ اگر وہ کہے تو اس کا کل بعض ہی رہے گا۔ حدیث میں آیا ہے۔ اوتیت علم الاولین والاخرین۔ مجھے اگلے پچھلے سب کا علم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام سابقین و لاحقین کو جو جو علم دیا ہے اس سے حضرتؑ کو سرفراز کیا۔ ہمارے پاس ایسا کہنا بھی شرک نہیں ہے۔ کیونکہ نہ علمِ رسول علمِ الٰہی کے برابر ہے، نہ معلومِ نبوت، معلومِ الٰہی کے برابر ہے تو پھر شرک ہوگا کس طرح۔ ذرائع علم بھی مختلف ہیں۔ کسی کو کوئی بات روحانی قوت سے، کشف سے، ہپناٹیزم سے معلوم ہوجاتی ہے تو اس سے ہوتا کیا ہے؟ تم کتنے اور تمہارے ساتھی کتنے؟ تم کیا تمہاری قوت کیا اور تمہارے دوستوں کی قوت کیا۔ مسلمان لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتا ہے۔ شر سے بچنا خیر حاصل کرنا بغیر فضلِ الٰہی کے ممکن نہیں۔ یہ الا باللہ کا لفظ جو مسلمان کی زبان پر چڑھا ہوا ہے وہ شرک وکفر کو پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔

بعض غیب کی ایسی باتیں بھی ہیں جو عامۃ الناس کو راست بلاواسطہ نہیں معلوم ہوتیں بلکہ پیغمبر کے توسط سے ان کے متبعین کو بھی کچھ معلوم ہوجاتا ہے۔ جیسے کہ ابھی ہم نے کہا اللہ کا، فرشتوں کا، کتب کا، پیغمبروں کا، قیامت کا، جنت اور دوزخ کا ہم کو علم ہوا ہے، مگر کیسے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے۔ ان کے طفیل سے۔ لوگ بلاوجہ شدت کرتے ہیں اور علمِ غیب کے جاننے کو کفر و شرک سمجھتے ہیں۔ ان کے جلانے کو ہم بھی کہتے ہیں جس کو علمِ غیب نہیں وہ کافر ہے۔ مشرک ہے۔ کیونکہ وہ نہ خدا کو جانتا ہے نہ فرشتوں سے کچھ ربط ہے نہ جنت و دوزخ کا قائل ہے۔ ایسا علمِ غیب نہ رکھنے سے آدمی اسلام سے کوسوں دور ہوجاتا ہے۔ بعض ظالم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب سے موصوف سمجھنے کو شرک سمجھتے ہیں۔ کوئی ان ظالموں سے پوچھے کہ شیطان تمہارے دل میں گھس کر تمہارے وساوس سے واقف ہوتا ہے کہ نہیں؟ یہ بھی تو علمِ غیب ہے۔ شیطان کا علمِ غیب رکھنا شرک نہیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب کا ہونا شرک ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ان لوگوں کو نہ قرآن سے

ربط ہے نہ حدیث سے۔ ذرا غور کرو! وعلمک مالم تکن تعلم۔ مالم تکن تعلم عام ہے۔ سرکارِ نبوت ہمارے ہر کام سے واقف ہیں۔ہم برے کام کرتے ہیں تو حضرتؐ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ کیا یہ عزیز علیہ ماعنتم کے معنیٰ نہیں ہیں۔ بعض لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوائے کسی کو نہیں۔ قیامت کب ہوگی۔ بارش کب ہوگی۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے (بیٹا بیٹی یا کچھ اور) آدمی کل کیا کرے گا۔ کس سرزمین پر مرے گا۔

مگر اس آیت پر غور نہیں کرتے۔ عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبه احدا ○ الا من ارتضیٰ من رسول۔ بے شک ان پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوائے کسی کو نہیں۔ یعنی بالذات۔ مگر اللہ کسی کو اس علم سے واقف کرانا چاہتا ہے تو اس کا ہاتھ روکنے والا کون ہے۔ ہمیشہ علمِ بالذات اور علمِ بالعرض میں فرق کرنا چاہیئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو ماشاء اللہ! ان کے غلاموں کو بھی کچھ غیب کا علم ہوجاتا ہے۔ اور اظہارِ مغیبات بزرگوں کی کرامت سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو فقیروں کے نعلین اٹھانے والے جانتے ہیں۔

ان ظالموں کے پاس خدا اتنا چھوٹا ہے کہ کسی کی ذرا سی تعریف کرو بس خدا کے برابر تعریف ہوگئی۔ ہمارا خدا بہت بڑا ہے تم اس حیدرآباد میں کتنے ؟ لاکھوں آدمی ہیں۔ خوبصورت بھی ہیں۔ دولت مند بھی ہیں۔ خوش حال ہیں۔ تمہارا حیدرآباد ہندوستان کے مقابلہ میں کیا ہے ؟ اللہ اکبر۔ ہندوستان روئے زمین کے مقابلہ میں کیا ہے ؟ اللہ اکبر۔ تمہاری زمین آفتاب کے سامنے کیا چیز ہے ؟ اللہ اکبر۔ تمہارا آفتاب کروڑہا کروڑ ارب ہا ارب تاروں کے مقابل جو ہر ایک تمہارے آفتاب سے بڑا ہے کیا چیز ہے ؟ کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اللہ اکبر ثم اللہ اکبر۔ کسی کی کتنی ہی تعریف کی جائے تو خدائے تعالیٰ کی تعریف کے سامنے کیا چیز ہے لیس کمثله شیء۔ اس کے جیسا کوئی نہیں ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کسی کا تقویٰ، کسی کا عملِ صالح بغیر خدا کی مدد کے ممکن نہیں اور یہ ہر ایک مسلمان کا قول ہے۔ پھر تم مسلمانوں پر کیوں بدگمانی کرتے ہو کہ وہ کسی کو خدا کے برابر سمجھتے ہیں۔ یہ ساری خرابی تمہارے خدا کو چھوٹا سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ ہم نعرہ مارتے ہیں اللہ اکبر۔ تم کو برا معلوم ہورہا ہے ہوا کرے۔ ہمارا خدا بہت بڑا ہے۔ تم نہیں مانتے نہ مانو۔ بہت سے بے دین ایسے بھی ہیں جو سرے سے خدا کو مانتے ہی نہیں۔ کیا ان کے نہ ماننے سے خدا کے وجود میں کچھ فرق آسکتا ہے استغفر اللہ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

۲۔ انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا ○ اے پیغمبر! ہم نے تم کو بھیجا (کیسا ؟) اہلِ دنیا کو دیکھنے والا (اچھے کام کرنے والوں کو) بشارت اور مژدہ دینے والا اور (بدکاروں کو) ان کے انجامِ بد کی اطلاع دینے والا بناکر لتؤمنوا باللہ و رسوله و تعزروہ و توقروہ و تسبحوہ بکرۃ و اصیلا ○ لتؤمنوا تا کہ تم ایمان لاؤ۔ تم کو یقین ہوجائے۔ باللہ و رسوله۔ اللہ اور اس کے رسول پر۔

ایک یقین سنی سنائی باتوں کا ہوتا ہے اور ایک یقین آنکھوں سے دیکھنے کا۔ اللہ، رسول کا یقین تو ہے مگر سنی سنائی پر۔ آنکھوں سے دیکھنے کا بھی تو یقین حاصل کرو۔ جس کو ہم نے عین الیقین کہا ہے۔ ان کے بارے میں حق الیقین کب ہوگا؟ جب تم ان کی تصویر ہوجاؤ گے۔ و تعزروہ و توقروہ اور ان کی مدد کرو اور تعظیم و توقیر کرو۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے اور ان کو پکارنے کے طریقوں کی تعلیم دیتا ہے۔ لا تجعلوا

دعآء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (پ ۱۸) ۔

لوگو ! پیغمبر کو ایسا نہ پکارو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو ۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے ۔ یاایھا الذین آمنوا لاترفعوآ اصواتکم فوق صوت النبی (پ ۲۶ ۔ الحجرات ۴۹ ۔ آیت ۲) ۔

مسلمانو! اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچی مت کرو ۔

اور فرماتا ہے ۔ ان الذین ینا دونک من ورآء الحجرات اکثرھم لایعقلون ○ ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم ○ (الحجرات ۴۹ ۔ پ ۲۶ ۔ آیت ۴ ۔ ۵) ۔

جب لوگ تم کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر جاہل ہیں ۔ غیر عاقل ہیں ۔ اگر یہ لوگ صبر کرتے ، انتظار کرتے ، یہاں تک کہ تم خود ان کی طرف نکل آتے ۔ تو یہ ان کے لئے بہتر تھا ۔ خیر ! اللہ غفور رحیم ہے ۔

" رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " اور میں پہلا شخص ہوں جو تمام پیغمبروں سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت قبول ہوگی قیامت کے دن اور (اس پر کوئی) فخر نہیں " ۔

" اور میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کے حلقے کو حرکت دوں گا ، کھڑکھڑاؤں گا ۔ پھر اللہ تعالیٰ میرے لئے جنت کے دروازے کھول دے گا ۔ اور مجھے اندر داخل کرے گا اور میرے ساتھ مومنوں میں کے فقیر ہوں گے اور یہ بھی کچھ فخر نہیں ہے " ۔

" اور میں خدا کے پاس اگلے پچھلوں سے زیادہ بزرگ ہوں اور یہ بھی کوئی فخر نہیں ہے ۔ (ترمذی ، داری ، مشکوٰۃ ۵۱۴)

(معلوم ہے فقیر کون ہوتے ہیں ؟ جو کچھ نہیں رکھتے ، ان کا قول ہے : اللہ بس باقی ہوس ۔)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اللہ نے مجھے پورے مکارم اخلاق کے ساتھ ، محاسنِ افعال کے ساتھ پیدا کیا ۔ (یہ حدیث شرح السنہ میں ہے) (مشکوٰۃ) ص ۵۱۴ ۔

وازع عامر سے روایت ہے ہم مدینہ پہنچے اور لوگ کہنے لگے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں ۔ پھر ہم نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑے اور بوسہ دینے لگے ۔ (بخاری ۔ ادب مفرد) ۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۔ اگر موسیٰ تمہارے سامنے آتے اور تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو تم گمراہ ہوتے سیدھے راستے سے ۔ موسیٰ اگر ہوتے اور میری نبوت کے زمانہ کو پاتے تو میرے ہی تابع ہوتے (عن جابر) ۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " لوگو! میرے لئے " وسیلہ " کے لئے دعا کرو ۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ " وسیلہ " کیا ہے ؟ فرمایا " جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے ۔ جس کو سوائے ایک آدمی کے دوسرا نہیں لے سکتا میں امید کرتا ہوں کہ وہ شخص میں ہوں گا " ۔

بعض صاحب لوگوں کے دل کے اوپر ایک ہی آنکھ ہے ، اس ایک آنکھ سے انما انا بشر مثلکم تو پڑھا جاتا ہے مگر یوحی الی نہیں پڑھا جاتا ۔ یہ لوگ دجال صفت ہیں ۔ ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں اور دوسری آنکھ تو ہے ہی نہیں ۔

بادشاہ کہے " میں تمہارا بھائی ہوں " تو یہ اس کی عنایت ہے ، یہ اس کا کرم ہے ، اگر تم بھی بادشاہ سے کہو " بھائی صاحب

ذرا میری بات سنو ؛ تب کیا ہوگا ؟ کوتوالی والے ہوں گے میرد ہے • ہوں گے ۔ ان کے ہاتھ میں ڈنڈا ہوگا اور آپ کی پشت زریں پر پڑتا ہوگا ۔ آج کل حریت ، مساوات ، جمہوریت کا دور دورہ ہے مگر ذرا صدرِ کانگریس کی مجلس میں جمہوریت اور مساوات کے دعوے کے ساتھ گھس تو جاؤ کیا ہوگا ؟ نمبر کا سپاہی آپ کو گردنی پلاؤ کھلاتا ہوا گیٹ کے باہر کردے گا ۔

یہ بدنصیب کہتے ہیں کہ پیغمبر بھی ہمارے جیسے آدمی ہیں ۔ اتنا ہی نا پیغمبر بھی ہیں تو ہم ان کی اتنی ہی تعظیم کریں گے جتنی کہ بڑے بھائی کی تعظیم ہوسکتی ہے ۔ وہ بھی کھانا کھاتے تھے ۔ پانی پیتے تھے ۔ ہمارے جیسے آدمی تھے ۔

سنو ؛ ایک مابہ الاشتراک ہوتا ہے دو چیزوں میں مشترک چیز ہوتی ہے ۔ ایک مابہ الامتیاز ہوتا ہے جس سے فضیلت کا فیصلہ ہوتا ہے ۔ کیا گدھے میں اور تم میں ، جوہریت ، جسمیت ، نمو ، احساس حیوٰۃ مشترک نہیں ، مگر تمہارا امتیاز و تفوق تو عقل و فہم سے ہے یا جیسے ابو جہل اور تم میں ، انسانیت مشترک اور اسلام مابہ الامتیاز ہے ۔ اسی طرح تمہارے اور رسولِ خدا کے درمیان مابہ الاشتراک انسانیت اور مابہ الامتیاز وحیِ الٰہی ہے معلوم ہے ؟ اس مابہ الاشتراک کو کون بیان کرتے تھے ۔ ابو جہل اور دوسرے کفار ۔ ما ہٰذا الرسول یا کل الطعام و یمشی فی الاسواق اس رسول میں کیا ہے ؟ کھانا کھاتا ہے (یعنی ہماری طرح) اور بازاروں میں پھرتا ہے (یعنی ہمارے مثل) ۔ اور مابہ الامتیاز پر کس کی توجہ و نظر تھی ۔ صدیق اکبرؓ ، فاروق اعظمؓ ، ذی النورینؓ ، مظہر العجائبؓ کی ۔ کیا انھوں نے انا بشر مثلکم کہا یا کنت عبدہ و خادمہ اور ویحک انا عبد من عبید محمد کہا یعنی " میں تمہاری طرح آدمی ہوں کہا ، یا میں ان کا بندہ تھا خادم تھا ، اور " تجھ پر افسوس ہے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں ان کے غلاموں میں کا ایک غلام ہوں " یہ بھی سنا ہے لست کھیئا تکم ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی میں تمہاری طرح نہیں ہوں ، میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں ۔ وہ مجھے کھلاتا ہے پلاتا ہے ۔

ان عذاب جاں موحدوں کو کون کہاں تک سمجھائے ۔ روحانیت کا راستہ چلتے تو کچھ معلوم ہوتا ۔ وتسبحوہ اس سے پہلے تعزروہ وتوقروہ کی ضمیر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے ۔ تسبحوہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف پھیری جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے بے عیب ہونے کو بیان کرتے رہو ۔ مگر اس میں انتشار ضمائر ہے ۔ اگر انتشار ضمائر سے بچنا چاہتے ہو اور ضمیر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنے کا ارادہ ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ بدنفس ، دشمنانِ خدا اور رسول ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب پاک کے ساتھ جو گستاخیاں کرتے ہیں اس سے پاک اور بری ہونے کو ظاہر کرو ۔ بکرۃ واصیلا صبح کو اور دن ڈھلے ۔ ایک شخص نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی فرصت کے وقت کا پاؤ حصہ درود پڑھتا رہوں ، حضرتؐ نے فرمایا " اچھا ہے اگر اور زیادہ کرے ، اس نے کہا نصف وقت ؟ حضرت نے فرمایا " اور زیادہ کرے تو اچھا ہے ، اس نے عرض کیا تمام وقت درود پڑھتا رہوں ۔ حضرت نے فرمایا " اب تو تیرے سب کام اچھے ہوجائیں گے ، اور اللہ تیرے کام کے لئے کافی ہوگا " ۔

اس بات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ اللہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حالتیں ہیں وما ادری مایفعل بی ولابکم (الاحقاف ۲۶) ۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ میرے ساتھ کیا کرتا ہے اور تمہارے ساتھ کیا ۔ یہ خدائے تعالیٰ کی اس شان کی نسبت کرتے ہے کہ ھٰؤلاء للجنۃ ولا ابالی و ھٰؤلاء للنار ولا ابالی یہ جنت کا حصہ ہیں اور مجھے کیا پروا ہے ، اور یہ دوزخ کا

• " میرد ہے " کے معنے ہیں گاؤں کا حاکم ۔

حصہ ہیں مجھے کیا پروا ہے۔ یہ حدیث قدسی ہے۔ اس ارشاد لا ابالی سے سب پریشان ہیں۔

حضورؐ کی ایک اور شان ہے جو سراپا اطاعت، فرمانبرداری کی ہے "تیرا جو حکم تیری جو مرضی" اس کا کیا نتیجہ ہے؟ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (پ ۲۶۔ الفتح) (جو تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ میرے ہی ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) یہ شانِ عبدیت ہے۔ ایک اور شان ہے یا ایک اور حال ہے۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہے کہ وہاں مقرب فرشتے اور مرسل پیغمبر کی بھی گنجائش نہیں۔ ذرا سمجھو؛ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو نبی مرسل ہیں وہاں ان کی بھی گنجائش باقی نہیں ہے۔

ایک روایت میں ایسا بھی آیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ دربارِ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَن؟ حضرت ام المومنین نے عرض کیا بنت الصدیق دربار نبوت سے پھر پوچھا گیا "مَن صدیق"؟ ام المومنین نے عرض کیا صدیق محمد پھر سوال کیا گیا "من محمد" یہ شان دیکھ کر ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ وہاں سے چلی گئیں۔

آثار و تبرکات کی تعظیم امام بخاری حدیث حدیبیہ میں عروہ بن الزبیرؓ سے وہ عروہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا اللہ کی قسم ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو نہیں کرتے مگر یہ کہ صحابہ آب وضو کے لئے دوڑتے ہیں اور حضرت تھوکتے نہیں یا ناک نہیں جھاڑتے مگر یہ کہ صحابہ اپنے چہروں اور اجساد پر مل لیتے ہیں۔ ان کا ایک بال نہیں گرتا مگر یہ کہ صحابہ اس کو جھپٹ لیتے ہیں۔ حضرت نے پچھنے لگوائے حجامت کروائی تو عبداللہ بن زبیر نے نکالا ہوا سارا خون پی لیا تو ان میں بڑا زور پیدا ہوگیا۔ ایک صحابیہ نے حضرت کا پیشاب پی لیا تو ان کا سول کا درد موقوف ہوگیا"۔ یہ عاشقانِ رسول کے کام ہیں۔ اے فرشتوں کے اُستاد بھائیو؛ مناقشہ فی الحساب تم سے ہوگا۔ ہم محمدؐ کے دیوانے بفرمان المرء مع من احب ان کے دامن کے ساتھ ہوں گے۔ انشاء اللہ کل بتادیں گے کہ توحیدِ استادِ فرشتگان نفع بخش ہوگی یا ہم دارفتگانِ محبت کے مجنونہ افعال؟

بعض لوگ آثارِ شریف اور موئے مبارک کی تعظیم کو شرک سمجھتے ہیں یا ایک قسم کی عبادت غیر اللہ۔ شرک، محل الوہیت ملنے سے پیدا ہوتا ہے۔ تبرک سمجھنا، باعثِ برکت ماننا دوسری چیز ہے۔ عبادت میں اور تعظیم، تبرک اور برکت لینے میں فرق نہ کرنا، استاذ الملائکہ کا کام ہے، ان کی توحید ہے جو فی الحقیقت شرک فی الحکم شرک فی الارادہ ہے۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی جس پتھر پر ابراہیم کھڑے ہوتے تھے تم وہاں اپنی نماز گاہ بناؤ۔ ان آیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم و بقیۃ مما ترک آل موسیٰ و آل ھارون تحملہ الملئکۃ ان فی ذلک لآیۃ لکم ان کنتم مؤمنین (البقرہ ۲۴۸)۔

ان کی (یعنی طالوت کی) بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین اور سکون ہے۔ اس میں موسیٰ (علیہ السلام) و ہارون (علیہ السلام) کے آثار کا بقیہ ہے۔ فرشتے اس کو اٹھالاتے ہیں۔ ان میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو۔

سامری نے اسپِ جبرئیل کی خاک زیر قدم کو سونے کے گوسالے کے منہ میں ڈال دیا تو وہ لگا آواز کرنے فقبضت قبضۃ من اثر الرسول یعنی میں نے جبرئیل کے اثر یعنی خاکِ زیرِ قدم کو مٹھی بھر لیا پھر (گوسالے کے منہ میں) ڈال دیا۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں فراقِ یوسف علیہ السلام میں جاتی رہیں تو یوسفؑ نے حضرت ابراہیمؑ کا کرتا جو ان کے پاس تھا روانہ کیا کہ یعقوبؑ کی آنکھوں پر ڈال دیں اور وہ بینا ہوگئے۔ اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علیٰ وجہ ابی یات بصیرا۔ یعنی تم میرا یہ قمیص لے کر جاؤ اس کو میرے ابا کی آنکھوں پر ڈال دو وہ بینا ہوجائیں گے۔

اور سنو؛ من یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب جو علاماتِ خداوندی کی تعظیم کرے تو یہ دلی تقویٰ سے ہے۔ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شعر مبارک سے زیادہ کون سے شعائر ہوسکتے ہیں۔

یہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ جنگ بدر میں عتبہ، شیبہ، ولید ابن مغیرہ اور ابوجہل مارے گئے۔ کفار قریش نے اس کے انتقام کے خیال سے بڑی بھاری فوج لے کر "احد" کے پاس مدینہ پر چڑھائی کی۔ وحشی نامی ایک شخص نے جو ایک پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا حربہ یعنی چھوٹا نیزہ حضرت حمزہ کی کوکھ پر پھینکا اور آپ نے وہیں جامِ شہادت نوش کیا۔ ایک کافر اپنے گھوڑے کو خوب ملتا اور دانہ چارہ دیتا تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ گھوڑے پر اتنا اہتمام کیوں کرتا ہے تو اس نے کہا اس پر سوار ہوکر تم سے لڑوں گا اور تم کو مار ڈالوں گا۔ یہی شخص احد کی لڑائی میں حضرتؐ سے لڑنے نکلتا ہے۔ جانثارانِ نبوت اس پر دوڑ پڑتے ہیں حضرتؐ فرماتے ہیں اسے مت روکو میری طرف آنے دو، جب وہ قریب آجاتا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفن بیت ● کی انی مارتے ہیں اور وہ ڈھیر ہوکر رہ جاتا ہے۔ پھر گھمسان کی لڑائی ہونے لگتی ہے۔ کافروں کو شکست ہوتی ہے۔

احد کی لڑائی کے بعد جو بالکل بے نتیجہ تھی پہلی دفعہ تو مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ پھر جب مسلمان اس گھاٹی سے جہاں پچاس آدمیوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا تھا بڑھ کر مالِ غنیمت لوٹنے لگے اور دس آدمیوں کے سوا سب اس لوٹ میں شریک تھے۔ دشمن گھاٹی کو خالی پاکر وہاں سے لوٹے اور لوٹنے والے مسلمانوں پر آپڑے۔ کسی ظالم نے خبر اڑادی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے۔ اس غلط خبر کو سن کر مسلمان پریشان ہوگئے۔ کسی خبیث نے حضرت کے روئے مبارک پر پتھر پھینکا جس سے دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ حضرتؐ خون کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے کہ کہیں یہ سرزمین تباہ نہ ہوجائے۔ خون مبارک کو کپڑے میں جذب کرلیتے اور دربارِ الٰہی میں عرض کرتے کہ یہ نادان ہیں، جاہل ہیں مجھے نہیں پہچانتے۔ حضرتؐ نے خندق کے ایک کھوہ میں پناہ لی۔ ساتھ ابوبکر و عمر بھی تھے۔ کافروں کے لشکر کا سردار ابوسفیان ابن حرب تھا۔ اس نے چیخا "این ابن ابی کبشۃ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ حضرت نے حکم دیا "خاموش"۔ پھر چیخا "این ابن ابی قحافۃ" یعنی ابوبکر کہاں ہیں؟ حضرتؐ نے حکم دیا "خاموش" پھر پکارا "این ابن الخطاب" یعنی کہاں ہیں ابن الخطاب۔ یعنی حضرت عمر۔ حضرت عمر تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ ابوسفیان نے نعرہ مارا "اعل ھبل" اب ہبل کا بول بالا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر سے ضبط نہ ہوسکا اور انھوں نے بھی پکار کر آواز دی، او دشمن خدا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں اور ابوبکر بھی زندہ ہیں، اور میں بھی زندہ ہوں۔ گویا ابوسفیان پیش گوئی کر رہا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر کے زمانہ میں مسلمان فتح و نصرت اور اطمینان اور اتفاق سے رہیں گے۔ بہرحال لڑائی بے نتیجہ رہی۔ کفار، مدینہ شریف کو فتح نہ کرسکے۔ اور نہ مسلمانوں نے کافروں کو کامل

● ایک وار کا نام ہے جس میں نیزہ یا تلوار کی نوک دگدگی میں دھنسا دی جاتی ہے۔

شکست دی ۔ پھر اس کے بعد کفارِ قریش نے اپنے یار و مددگار اور حلیفوں کو لے کر مدینہ پر چڑھائی کی ۔ مسلمانوں نے مدینہ کے سامنے اور کفار قریش کے سامنے ایک خندق کھودی جس کی وجہ سے کفار قریش عام حملہ نہ کرسکے ۔ ایک دن پانی خوب برسا ، ہوائیں تیز چلیں ، ڈیرے وغیرہ اکھڑ گئے ۔ زیادہ دیر تک یہ ظالم فوجیں ٹھہر نہ سکیں ۔ ناشاد و نامراد واپس ہونا پڑا ۔ اس جنگ کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں ۔ یہودی ، مسلمانوں کے حلیف اور ہم آہنگ تھے ۔ ان کو چاہیئے تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوکر کفارِ قریش سے لڑتے مگر اس کے بجائے انھوں نے کفارِ قریش کے ساتھ ہوکر مسلمانوں سے لڑنا چاہا ۔ جب قریش بے نیل مرام مکہ کو واپس ہوگئے تو مسلمانوں نے ان بدعہد یہودیوں پر حملہ کیا اور یہیں سے مسلمان اور یہود میں جنگ کا سلسلہ جاری ہوگیا ۔ یہ ہم نے اس سے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ذیقعدہ ، ذی الحجہ ، محرم اور رجب میں قریش کسی سے لڑتے نہ تھے اور امن چین کے ساتھ تجارت کرتے ۔ گرما اور سرما میں تجارت کے قافلے نکلتے ۔ عربوں کے اس اصول کے موافق اشہر حرم یعنی مذکورہ چار مہینوں میں نہ لڑتے نہ کسی کو حج سے روکتے تو حضرت صلی اللہ علیہ و سلم بھی حج کے ارادہ سے مکہ کی طرف چلے ۔ بیچ میں کفار قریش نے راستہ روکا اور چند غنڈوں کو تیار کرکے روانہ کیا کہ مصالحت کی صورت بناکر حضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے قریب پہنچیں اور شہید کرنے کی کوشش کریں ، مگر وہ سب پکڑلیئے گئے اور اپنے کیفر کردار کو پہنچے ۔

بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ جب کفارِ قریش اپنی ضد سے باز نہ آے اور حضرت عثمان غنیؓ قریش سے گفتگو کرنے کے لئے روانہ کئے گئے تو کسی ظالم نے یہ خبر اڑادی کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے ۔ بس کیا تھا مسلمان مارنے مرنے کے لئے تیار ہوگئے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوکر آخری قطرہ خون بہانے کے لئے سب سے بیعت لی ۔ جس کا نام بیعتِ رضواں ہے ۔ حضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ نو سو آدمیوں نے اپنے ہتھیار لے کر مارنے مرنے اور پیچھے نہ ہٹنے کے لئے قسم کھائی ۔ یہ دیکھ کر کافروں کے ہاتھوں کے طوطے اڑگئے ۔ اور نرم پڑکر مصالحت کے لئے تیار ہوگئے ۔ مصالحت کے شرائط کیا تھے ۔ اس سال حج ملتوی کیا جائے ، اور آئندہ سال حج کیا جائے ۔ جو مسلمان کفارِ قریش کے پاس چلا جائے وہ واپس نہ کیا جائے گا اور جو مسلمان مکہ کا رہنے والا مدینہ شریف میں حضرتؐ کے پاس آجائے تو وہ واپس کردیا جائے ۔ ابو جندل نامی ایک نو مسلمان کا جس کو اس کے باپ نے پابہ زنجیر کر رکھا تھا اس کو بھی اس کے ظالم باپ کے پاس واپس کرنا پڑا ۔ یہ منظر بڑا سخت تھا ۔ اسلامی حمیت سے بھرے ہوئے لوگ مارنے مرنے کو تیار تھے اور کسی طرح اس شرط کو قبول نہیں کرتے تھے ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے مسلمانوں کو سمجھاکر ابو جندل کو واپس کردیا ۔ اس کے بعد معاہدہ نامہ تیار ہونے لگا ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے والے تھے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ھذا من محمد رسول اللہ کفارِ قریش نے کہا ہم رحمٰنؔ کا لفظ سننے کے عادی نہیں ، اس طرح نہ لکھو ۔ کفارِ قریش نے دوسرا اعتراض یہ کیا ۔ ہم آپ کو رسول اللہ سمجھتے تو آپ سے لڑتے ہی کیوں ؟ لکھو من محمد بن عبداللہ رسول اللہ کا لفظ مٹاکر ابن عبداللہ لکھنے کی ضرورت ہوئی ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اڑگئے کہ میں من محمد رسول اللہ کے لفظ کو مٹا نہیں سکتا ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹاکر ابن عبداللہ کا لفظ لکھوادیا ۔ یہ بڑے سخت اشتعال کا وقت تھا ۔ جان نثارانِ محمدی آخری قطرہ خون بہانے کے لئے تیار تھے ۔ مگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم یہ چاہتے تھے کہ دکھادیں کہ مسلمان انتہائی صلح جو ہیں اور کفارِ قریش غایت درجہ کے ہٹ دھرم ۔ خیر ، صلح نامہ مرتب ہوگیا ۔

اس میں یہ شرط بھی تھی کہ دس سال تک جنگ نہ ہو۔ اور ایک قبیلہ (بنو خزاعہ) حضرت کا حلیف ہوا۔ اور ایک دوسرا قبیلہ (بنوبکر) کفارِ قریش کا حلیف۔ مسلمان حضرت کے ساتھ مدینہ کو پہنچ گئے۔ اور ایک عجیب واقعہ نمایاں ہوا۔

ابوبصیر کی کارکردگی ابو بصیر ایک صاحب مکہ سے مدینہ کو بھاگ آئے۔ دو کافر ابو بصیر کو مدینہ سے لینے حضرت کے پاس آئے۔ حضرت نے ابوبصیر کو واپس کیا۔ جاتے جاتے ان دو کافروں میں سے ایک سے ابو بصیر نے پوچھا کہ تمہاری تلوار بہت اچھے فولاد کی معلوم ہوتی ہے۔ ذرا دیکھوں تو تمہاری تلوار اس جاہل نے تلوار دے دی۔ ابو بصیر نے ایک ایسا وار کیا کہ جسم کو سر کا وزن اٹھانے کی ضرورت نہ رہی۔ ابو بصیر خون چکاں تلوار لے کر پھر حضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس پہنچے۔ مقتول کے ساتھ کا کافر بھی پہنچا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ یہ بڑا لڑاکو ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہوتا تو یہ ایک آگ لگا دیتا۔ ابو بصیر کو واپس ہونا پڑا۔ ابو بصیر نے دیکھا کہ مکہ میں بربناء معاہدہ امن کی کوئی صورت نہیں ہے تو ایک پہاڑ کے پاس جاکر بیٹھ گئے۔ اور قریش سے یکہ دکا جو ملتا اس کو فی النار والسقر کردیتے۔ اس کی اطلاع نو مسلمانوں کو ہوگئی اور وہ بجائے مدینہ میں حضرتؐ کے پاس آنے کے ابو بصیر کے پاس جاتے۔ ان کی جماعت روز بروز بڑھنے لگی۔ اور ابو بصیر کی گوریلا جنگ سے عاجز ہوکر قریش نے دربارِ نبوت سے درخواست کی کہ وہ شرط منسوخ کردی جائے۔ اس طرح مسلمانوں کی صلح جوئی اور کفارِ قریش کی زیادتی، ظلم و ستم روز روشن کی طرح ثابت ہوگئے۔

واقعہ معراج سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الا قصا الذی بر کنا حولہ لنریہ من ایٰتنا انہ ھوالسمیع البصیر ○

پاک ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بندے کو باحرمت مسجد سے یعنی مسجد کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس کی طرف لے گیا جس کے اطراف ہم نے برکت دی ہے۔ بے شک وہ سننے دیکھنے والا ہے۔

سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات لے گیا۔ خدائے تعالیٰ نے ابتداء ہی میں "پاک ہے" اس لئے فرمایا کہ ناواقف دیدار، معراج کو خدائے تعالیٰ کی تنزیہ و بے چونی کے خلاف نہ سمجھے۔ معراج شریف کے رات کے ہونے سے یہ فائدہ ہے کہ ایمان بالغیب ہی تصدیق کا معیار ہے۔ یہ بات یاد رکھو! کہ ھو الظاھر کا جلوہ دن سے اور ھوالباطن کا رات سے مناسبت رکھتا ہے۔ اسی لئے اشتغال باطنہ رات کو زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ بعبدہ میں کی باء معیت پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی حضرتؐ کو اللہ تعالیٰ کی معیت پہلے ہی سے تھی یہ نہیں کہ معراج سے پہلے کچھ بُعد تھا اور معراج میں عرش ہی پر قرب ہوا۔ نہ گذشتہ معیت سے خدائے تعالیٰ کی تنزیہ پر کوئی اثر پڑتا ہے نہ عرش کے قرب سے اس کی بے چونی میں کوئی تغیر لازم آتا ہے۔ عبد کا لفظ اس لئے بیان فرمایا کہ سب سے افضل صفت عبدیت ہی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے تمام عالم کو اظہارِ عبودیت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ کیونکہ عبد ہی پر رب کے صفات نمایاں ہوتے ہیں۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ نیز رسالت میں خدا کے ساتھ اُمت کا بھی لحاظ ضرور ہوتا ہے۔ عبدیت میں صرف رب سے نسبت ہوتی ہے۔ نیز معراج شریف میں کوئی تبلیغی کام بھی متعلق نہ تھا۔ محبوبیت بھی ایک صفت خاص ہی میں نمایاں ہوتی ہے۔ عبدیت ہی ہے جو ہر رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ "عبد" اپنے کمالِ احتیاج الی الرب کی وجہ سے روح، مثال، جسم ناسوتی پر صادق آتا ہے۔ جو معراج جسمانی پر دال ہے۔ بعبدہ میں اپنی ذات پاک کی طرف نسبت کی ہے۔ جو حضرت کے عبداللہ ہونے پر دال ہے۔ نیز بعبدہ

میں اظہارِ علیت اسری ہے یعنی کمال عبدیت کی وجہ سے حضرت کو معراج جسمانی سے سرفرازی ہوئی اور آپ جسمِ ناسوتی تک جس طرح روح سے نزول فرماتے آئے اسی طرح پھر ناسوت سے عروج کرتے کرتے روح کو پہنچ گئے ۔ اور وہاں قوسِ اعلائے دائرہ وجود یعنی " الوہیت " اور قوسِ اسفل دائرہ وجود یعنی " عبودیت " دونوں ایک دوسرے سے مل گئے ۔ عبدیت سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ غلامانِ دربارِ نبوت اگر بندگی میں اپنے آقا کی اتباع کریں گے تو انھیں ان کے لائق معراج یعنی روحانی دکشفی ترقی اور اعبد اللہ کانک تراہ (اللہ کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو) سے سرفراز و ممتاز ہوں گے ۔

من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بر کنا حوله ۔ مسجد حرام یعنی مسجد کعبہ معظمہ سے مسجد بیت المقدس کی طرف لے گیا۔ جس کے اطراف ہم نے برکت دی ہے۔ حضرتؐ کو خدائے تعالیٰ نے پہلے کمالاتِ ابراہیمی کی تفصیلی سیر سے مشرف کیا اس لئے آپ مسجد کعبہ معظمہ میں تھے ۔ پھر کمالاتِ دیگر انبیاء اولوالعزم کی سیر سے ممتاز فرمایا۔ اس لئے بیت المقدس کی طرف لے گیا۔ جہاں ان حضرات کے قبورِ متبرکہ ہیں ۔ پھر کمالاتِ ذات محمدی کی سیر کرائی اور فوق عرش اعظم تک عروج ہوا۔ اس تقریر سے غالباً سرِ تبدیلِ قبلہ منکشف ہوگیا ہوگا کہ کعبہ مکہ معظمہ قبلہ بنا پھر بیت المقدس پھر کعبہ مکہ معظمہ مگر نوبتِ ثانیہ میں کعبہ ابراہیمی کعبہ محمدی ہوگیا تھا۔

لنریه من اٰیتنا تا کہ ہم اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھائیں ۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہزار تجلیات دکھائے جائیں گے مگر ذاتِ قدسی سماتِ خداوندی حیطہ ادراکِ بشری سے پاک ہی رہتی ہے ۔ اس کی تنزیہ ذات پر کوئی داغ نہیں لگتا۔ وہ اس وقت بھی لاتدرکه الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر تھا اور اب بھی ہے ۔ وہ الان کما کان ہے ۔

انه ھو السمیع البصیر ۔ اگر ضمیر اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کرے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ چونکہ بندہ کی کیا مجال کہ آقا سے کسی امر میں دعوائے شرکت کرسکے ، موجود ہمیشہ موجود رہے گا اور معدوم ہمیشہ معدوم ۔ اس لئے نیست ہست نما میں جو کچھ ہے ہستی حقیقی کا ہے ۔ بندہ میں جو کچھ صفات ہیں وہ سب پروردگار کے ہیں ۔ لہذا بالحقیقة وہی سننے والا وہی دیکھنے والا ہے ۔ یا یہ معنیٰ ہیں کہ جب تک فنائیت نہ ہو دیدارِ حق سے کوئی مشرف نہیں ہوسکتا۔ خدا ہی اپنے آپ کو دیکھتا ہے نہ کہ کوئی اور ۔ اگر ضمیر حضرت کی طرف راجع ہو تو یہ معنیٰ ہوں گے ۔ چونکہ ہر شخص اپنی نسبت کو جو حق تعالیٰ سے ہے دیکھتا اور سنتا ہے اور اپنی حقیقت و عین سے کبھی باہر نہیں نکل سکتا ، نیز تمام نسبتوں کا مرکز و منبع نسبتِ محمدی ہے ۔ اور تمام حقائق و اعیان کا مرجع حقیقت و عینِ محمدی ہی ہے ۔ لہذا حضرت ہی اپنی نسبت و حقیقت کو دیکھتے اور سنتے ہیں ۔

نہ اٹھا ہے نہ اٹھے گا کبھی یہ بیچ سے پردہ
تو اے نورِ خدا بے شک نقابِ روئے وحدت ہے
میں یہ عینک لگا کر جس کو چاہوں دیکھ لیتا ہوں
اگر یہ آنکھ پر عینک نہ ہو پھر نور ، ظلمت ہے

معراج نبوی کے متعلق ابو جہل کی حالت اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت یہ آیت بتلاتی ہے ۔ واللیل اذا یغشٰی والنھار اذا تجلی ۔ ابو جہل کو کبھی تصدیق نہ ہوئی اور ابو بکر صدیق کو کبھی شک و شبہ نہ ہوا ۔ معراج شریف کے بعد ابو جہل جناب صدیق اکبر کی خدمت میں گیا اور کہنے لگا کہ اب تو تمہارے پیغمبر بیت المقدس کو جانے اور عرشِ اعظم پر اپنے کو معراج ہونے کا دعویٰ

کرتے ہیں۔ کیا اب بھی تم ان کی تصدیق کروگے۔ جناب صدیق اکبر نے فرمایا کہ مجھے تصدیق میں کیوں تردد ہونے لگا۔ جب کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ روزانہ جبرئیل امین خدمتِ حبیبِ خدا میں حاضر ہوتے اور وحی خداوندی پہنچاتے ہیں۔ اس ایک قل و دل جواب پر غور کرو تو معراج شریف کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے گا۔ یہ لطیف جواب ہی تو تھا جس نے ابو بکر صدیق کو حبیبِ خدا سے صدیق اکبر کا خطاب دلوایا۔

کیا حضرتؐ کو معراج جسمانی ہوسکتا ہے؟ جبرئیل کا جو روح ہیں دحیہ کلبی کی شکل میں عالمِ ناسوت میں آنا کیا اس سے زیادہ عجیب نہیں ہے کہ حضرتؐ جو روح الارواح ہیں پھر عالم ارواح میں پہنچ جائیں؟ کیا پروردگارِ عالم کا دیدار عرش اعظم پر حضرت کو ہوا؟ جبرئیل جب ناسوتی شکل نہ رکھتے تھے اور اس عالم ناسوت میں تمام صحابہ کو نظر آگئے۔ اور ان کے روح ہونے میں کچھ فرق نہ آیا۔ تو کیا خدائے تعالیٰ کی تجلی عرش اعظم پر حضرت کے سامنے ہو تو اس کی بے رنگی میں کچھ فرق پیدا بھی کرسکتی ہے۔

حضرتؐ اس سرعت سے بیت المقدس اور عرش بریں کو کیونکر پہنچے؟ جبرئیل اس سرعت سے عالمِ ارواح سے عالم ناسوت کو کیونکر روز آنہ آیا کرتے تھے؟ خدائے تعالیٰ بے جہت ہے، دیکھنے کے لئے جہت کی ضرورت ہے اور وہ اس سے پاک ہے۔ جبرئیل بھی ناسوت کے اعتبار سے بے جہت تھے وہ اس عالم میں آئے تو جہت ان کو بھی لاحق ہوگئی۔ اگر حضرتؐ عالمِ ملکوت میں پہنچ کر اس کے اقتضاء کے موافق بے جہت ہوجائیں اور خدائے تعالیٰ کا بے جہت دیدار ہو تو کیا دشوار ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام جب تک عالمِ ناسوت میں تھے کھاتے پیتے جاگتے سوتے تھے۔ اُن کو دوسرے بشری عوارض لاحق ہوتے تھے۔ اب سمائے ثانیہ (دوسرے آسمان) میں ہیں تو یہ عوارض بھی ان سے زائل ہوگئے۔ ہر عالم کا ایک اقتضاء ہوتا ہے جس کے مطابق عوارض و لواحق متعلق ہوتے ہیں۔ جب وہ عالم ہی نہ رہا تو اس کے عوارض بھی نہ رہے۔ مادی حالت پر غیر مادی کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اب رہا معراج مناَمی کا ہونا وہ احادیث میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور حضرت کی عادتِ مبارکہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد لوگوں کے خواب دریافت فرماتے۔ کئی دفعہ خود آپ نے معراجِ منامی پر دلالت کرنے والے خواب بیان فرمائے۔ اسی طرح کشفی و مثالی معراج بھی بکثرت ہوئے بلکہ سرکار کی حالت تو یہ تھی کہ وللاخرة خیر لک من الاولیٰ۔ یعنی تمہاری ہر پچھلی حالت اگلی حالت سے اعلیٰ و بالا ہے۔

جناب امام اعظمؒ نے سو دفعہ خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ جناب امام احمد حنبل نے بھی کئی دفعہ خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ غلامانِ محمد کو ایسے خواب اور ایسے کشف ہوتے ہی رہتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ ان احادیث معراج منامی کی وجہ سے ہی لوگ معراجِ جسمانی سے منکر ہوگئے۔ اگر معراج جسمانی و کشفی و منامی تینوں کے قائل ہو جاتے تو کوئی چپقلش اور کشمکش ہی نہ رہتی۔

ابوھریرہؓ سے روایت ہے وہ حضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ "میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا کہ قریش میرے سفر شب سے سوال کرتے جاتے ہیں۔ انھوں نے بعض ایسی چیزوں سے بھی سوال کیا جس پر میں نے غور نہیں کیا تھا۔ اس سے مجھے ایسی بے قراری ہوئی کہ کبھی ویسی بے قراری نہ ہوئی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو بلند کردیا کہ میں اس کو دیکھتا تھا اور جواب دیتا جاتا تھا"۔ بھلا کوئی سچ کہے کہ خواب کی کوئی ایسی تنقید کیوں کرتا۔

☆ - ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی ○ یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔

اللھم صل و سلم علی النبی الامی و الہ علی قدر حسنہ و جمالہ و فضلہ و کمالہ۔

لفظ معنیٰ کی طرف، اسم مسمّٰی کی طرف، مفہوم مصداق کی طرف رہنما ہوتا ہے۔ لازم ملزوم کی طرف، خواص ذات کی جانب موصول ہوتے ہیں۔ نیک کے خیال سے نیکی۔ بد کے خیال سے بدی معلوم ہوتی ہے۔ بادشاہ کا خیال اپنی جبروت سے متاثر کرتا ہے محبوب کے خیال سے جذبہ محبت کی تحریک ہوتی ہے۔ استاد کے خیال سے عزت و حرمت پیدا ہوتی ہے۔ مرشد کے خیال سے دل میں عظمت و ہدایت پیدا ہوتی ہے جس میں تمام خوبیاں ہوں اس کے خیال سے کیا تمام احساسات و جذباتِ نیک متحرک نہ ہوں گے؟ کون حق شناس شک کرتا ہے؟ ذاتِ سامی سمات، ختم نبوت و رسالت، مظہرِ اتم خلیفہ اعظم ہے انا حامل لواء الحمد۔ آدم و من دونہ تحت لوائی (میں حمد کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں۔ آدم اور ان کے علاوہ سارے ہی میرے جھنڈے کے نیچے ہیں) کس پر صادق آتا ہے؟ کونوا مع الصادقین (صادقین کی معیت اختیار کرو) امر خداوندی ہے معیت جسمی بھی ہوتی ہے مثالی، روحی بھی۔ جس قدر معیت بڑھے گی ذاتِ مستجمع کمالات سے تاثر زیادہ ہوگا۔ معیتِ جسمی صحابہ کرام سے خاص تھی تو کیا خیالی، مثالی، روحانی معیت واجب الاہتمام نہیں؟ وماکان اللہ لیعذ بھم و انت فیھم (اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ اُن پر ایسے میں عذاب کرے جب کہ ان کے درمیان آپ موجود ہوں) خدائے عز و جل کا سچا وعدہ ہے۔ جس کے دل میں، دماغ میں، آنکھوں میں خدا کا محبوب بس گیا ہو، کیا خدائے تعالیٰ اس کو عذاب کرے گا؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ محبوب کی تصویر بھی محبوب ہوتی ہے۔ اُس کا فریم بھی محبوب ہوتا ہے۔

برساؤ تیر مجھ پر مگر یہ بھی جان لو
پہلو میں دل ہے، دل میں تمہارا خیال ہے

خیال ترقی کرتا ہے، متصل سے منفصل، مقید سے مطلق، تصور سے شہود تک پہنچ جاتا ہے۔ جو طالبِ دیدار ہوتے ہیں، وہ بے قرار رہتے ہیں۔ درود کے مختلف صیغے پڑھتے ہیں، دیدار کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں۔ خیالِ محبوب میں محو و محق ہوجاتے ہیں۔ خواب ہو یا بیداری ایک لَو ہے کہ لگی رہتی ہے۔

آنکھوں میں نور بن کے آ دل میں سُرور بن کے آ
بن کے حیاتِ جاوداں تو میری جان میں بھی آ (حسرت صدیقی)

محبوب کے خیال میں سوتے ہیں محبوب کے خیال میں جاگتے ہیں

میں سوجاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صلِّ علیٰ کہتے کہتے

آخر میں دیدارِ یار سرمہ دیدہ انتظار ہوتا ہے۔ گفتار دلدار آویزِ گوشِ حق نیوش۔ جن کے دل میں مرض ہے خیالِ حبیب کو بد سے بدتر سمجھتے ہیں، یا وہ سرائی، ہرزہ درائی کرتے ہیں، مگر عاشق کب مانتا ہے؟ نماز میں صراط الذین انعمت علیھم کہتا ہے اور محبوب کی صورت دیکھتا ہے، التحیات پڑھتا ہے تو محبوب کو دیکھتا ہے اور دیکھ کر السلام علیک ایھا النبی کہتا ہے۔ یہ تصورِ دیدارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک کوشش ہے۔

جناب سبطِ مصطفےٰ، امام حسن مجتبیٰ، سیدتنا خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت ہند بن ابی ہالہ کے پاس جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں ماموں! ماموں! حبیبِ خدا رسول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرو کہ اُس سے پیوستہ رہوں۔ اُس کے خیال میں سرگشتہ رہوں۔ ہند فرماتے ہیں:

حلیہ مبارک آپ کا قدِ مبارک نہ بالکل طویل تھا نہ قصیر بلکہ میانہ قد مائل بہ طول، رنگ گندمی سرخی لیا ہوا، غصہ یا خوشی میں بالکل سرخ جیسے کسی نے انار کے دانے رخسار میں توڑ دیئے ہیں۔ نہ زیادہ موٹے نہ زیادہ دبلے۔ گٹھیلا مضبوط بدن۔ سر کے بال گھنگر والے چھوڑ دیتے تو شانوں تک آجاتے، چڑھا دیتے تو کان کی لَو تک پہنچ جاتے۔ چہرہ کتابی رُو گولائی لیا ہوا۔ ایسا چمکتا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ پیشانی مبارک اونچی، چوڑی، ہلالی وضع کی بیچ میں ایک رگ سبز رنگ کی غصہ میں خون سے بھر جاتی اور صاف نمایاں ہوجاتی۔ باریک کمان دار لمبے ابرو۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ہلکے سے بال۔ نزدیک والا متصل ابرو سمجھتا اور دور والا منفصل ابرو۔ آنکھیں بڑی بڑی، سپیدی نہایت سپید، سیاہی نہایت سیاہ۔ آنکھوں میں گلابی ڈورے۔ کوئے کھلے ہوئے۔ پلکیں ڈاٹ لمبی لمبی۔ برنیاں سیاہ۔ جیسے کسی نے سرمہ لگایا ہو۔ ناک بلند ستوان، سامنے کی طرف جھکی ہوئی۔ رخسار نہ زیادہ دبے ہوئے نہ زیادہ ابھرے ہوئے۔ دہانہ کشادہ۔ دندان مبارک براق جدا جدا۔ ہنستے تو ایک نور نکلتا معلوم ہوتا۔ زبانِ مبارک سرخ، ریش مبارک گھنی سیاہ۔ ساٹھ سال کے قریب تقریباً بیس بال سپید ہوگئے تھے۔ گردن سپید جیسے چاندی کی صراحی۔ سینہ کشادہ، شکم ہموار، جسم قوی۔ جوڑ بند چوڑے۔ ہتھیلیاں نرم کشادہ۔ انگلیاں پر گوشت۔ ناف سے سینے تک بالوں کا ایک باریک خط۔ جسم پر بال بہت کم۔ کھڑاواں نرم تلوے۔ پنجہ چوڑا۔ ایڑی چھوٹی، چلتے تو قدم اٹھا کر تیز چلتے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے اوپر سے اترتے ہیں۔ مڑتے تو بالکل مڑتے۔ کن آنکھیوں سے نہ دیکھتے۔ نظر زمین کی طرف جھکی ہوئی۔ کسی پر نظر جما کر نہ دیکھتے۔ دونوں شانوں کے درمیان خاتم نبوت، دل کے سخی زبان کے سچے، طبعیت کے نرم، صحبت کے بڑے کریم۔ ناگہاں آپ کو دیکھنے والا آپ کو دیکھ کر مرعوب ہوجاتا۔ ملتا جلتا تو والہ و شیدا ہوجاتا۔ سرکار کا حلیہ بیان کرنے والا یہی کہتا ہے کہ ایسی پیاری صورت نہ کبھی دیکھی اور نہ کبھی دیکھنے کی امید ہے۔ صلّ علیٰ محمد وآلہ۔

جگر گوشۂ رسول جناب امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت رسولِ مقبول کی برآمدی اور شکل کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا، جب سرکار اپنے کاشانہ کو مراجعت فرماتے تو اپنی تشریف آوری کی تین حصوں میں تقسیم کرتے۔ ایک حصہ اللہ کے لئے۔ ایک حصہ اہل کے لئے۔ ایک حصہ خود کے لئے۔ خاص اصحاب کے توسط سے عوام کو اس سے حصہ پہنچایا جاتا۔ لوگوں سے کوئی وقت اٹھا نہیں رکھتے۔ آپ کی سیرت امت کے ساتھ یہ تھی کہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت سرفراز فرماتے تو اہلِ فضل کو ترجیح دیتے۔ دین میں جس کو جتنا زیادہ فضل ہوتا (اس کو دربار پر انوار میں) زیادہ بار ملتا۔ بعض لوگوں کی دو حاجتیں ہوتیں بعض کو زیادہ۔ آپ ان کی (یعنی زیادہ حاجت والے کی) طرف توجہ فرماتے۔ اور ان کو ایسے امور کی طرف توجہ دلاتے جن سے ان کی اصلاح ہو۔ امت کو توجہ دلاتے کہ ضروری امور کی نسبت سوال کریں اور فرماتے جو حاضر ہے وہ غائب کو تبلیغ کرے اور خبر پہنچائے۔ جو مجھ تک اپنی حاجت پیش نہیں کرسکتا اس کی حاجت کی مجھے اطلاع کردے۔

کیونکہ حاکم کے پاس جس نے ایسے بے کس کا معروضہ پہنچادیا جس کو وہ پہنچا نہیں سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو ثابت قدم رکھے گا۔ آپ کے پاس اس کے سوا کسی قسم کا ذکر نہیں ہوتا، نہ آپ اس کے سوا قبول ہی فرماتے تھے۔ لوگ تلاش سیرابی میں آتے اور بے پٹے نہ جاتے۔ لوگ سرکار کے دربار سے نکلتے تو پیشوا اور رہنما بن کر نکلتے۔ میں نے اُن سے (یعنی حسین علیہ السلام نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے) آپ کی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) برآمدی کے متعلق سوال کیا کہ باہر جلوہ گری ہوتی تو کیا کیا کرتے؟ فرمایا (یعنی حضرت مولیٰ نے فرمایا) بے کار بات سے زبان کو روکتے۔ الفت پیدا کرتے، نفرت نہ دلاتے۔ ہر قوم کے شریف کی تکریم کرتے اور اس کو اُن پر حاکم بناتے۔ لوگوں کو (خدا سے) ڈراتے۔ خود بھی لوگوں سے ہوشیار رہتے۔ مگر بشاشت و اخلاق سے پہلو تہی نہ فرماتے۔ اصحاب کی خبرگیری فرماتے۔ لوگوں کے عام احوال سے سوال فرماتے۔ اچھی بات کو اچھی فرماتے اور اس کو تقویت دیتے۔ بری بات کو بری بتاتے اور اس کی کمزوری ثابت فرماتے۔ ہر کام میں اعتدال، یہ نہیں کہ کبھی کچھ، کبھی کچھ۔ بہت سے کام (عبادت) اس خیال سے نہ کرتے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ کرنا شروع کریں اور بار محسوس ہو تو چھوڑ دیں۔ ہر نیک عمل کے لئے تیار۔ نہ حقوق خلق میں کوتاہی کرتے نہ حد سے تجاوز کرتے۔ حضرت کے قریب وہی لوگ رہتے جو زیادہ نیک تھے۔ حضرتؐ کے پاس وہی شخص افضل سمجھا جاتا تھا جس کی خیر سگالی لوگوں سے عام ہو۔ اسی شخص کا حضرتؐ کے پاس بڑا مرتبہ تھا۔ جو غم خواری و ہمدردی کرتا۔ حضرت امام حسینؓ نے عرض کیا (یعنی اپنے والد علی مرتضیٰؓ سے کہ آپ (یعنی حضورؐ) کی مجلس کا کیا حال تھا۔ آپ نے (یعنی علی مرتضیٰؓ نے) فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ مجلس سے اٹھتے نہ مجلس میں بیٹھتے مگر یہ کہ سب خدا کی یاد کرتے۔ جب کسی قوم کے پاس پہنچتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم بھی دیتے۔ ہر ایک ہمنشیں کو اس کا حق دیتے۔ ہر ہمنشیں یہی سمجھتا کہ حضرت کے پاس اُس سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے جو حضرت کے پاس رہتا یا کسی حاجت میں گفتگو کرتا تو آپ صبر کرتے یہاں تک کہ وہ خود چلا جاتا۔ آپؐ سے کوئی حاجت طلب کرتا تو اس کو پوری کردیتے یا اس کی فہمائش کردیتے۔ آپ کے اخلاق میں سب کی گنجائش تھی۔ آپ سب کے حق میں ایسے تھے جیسے بیٹوں کے حق میں باپ۔ آپ کے پاس سب برابر تھے۔ آپ کی مجلس علم وحیا، صبر و امانت کی مجلس تھی۔ کسی کی آبرو پر حملہ نہ کیا جاتا۔ کوئی خبر باہر نہ جاتی۔ تمام لوگ برابر تھے۔ صرف تقویٰ سے فضیلت سمجھی جاتی۔ باہم تواضع کرتے۔ بڑوں کی توقیر کی جاتی اور حاجت مندوں کو ترجیح دی جاتی۔ مسافر کی رعایت کرتے۔

جناب امام حسین علیہ السلام حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہنس مکھ، خوش اخلاق، نرم طبیعت تھے۔ نہ درشت نہ سخت۔ چیخ کر بات نہ کرتے۔ فحش سے زبان ناآشنا، کسی کو عیب نہ لگاتے۔ کبھی بخل کو اس دربار میں راہ نہ تھی۔ کسی کی بری بات نہ ڈھونڈتے۔ جس خبر کو جی نہ چاہتا اس سے انجان ہوتے مگر لوگوں کو نہ مایوس کرتے نہ روکھا جواب دیتے۔ تین چیزیں خود نہ کرتے۔ (۱) کسی کی مذمت نہ کرتے (۲) تکبر نہ کرتے (۳) بے کار باتوں میں مشغول نہ ہوتے اور اسی بات پر گفتگو فرماتے جس میں ثواب کی اُمید ہوتی۔ جب سرکار کلام فرماتے، ہمنشین خاموش گردن جھکائے رہتے۔ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپ خاموش ہوجاتے تو لوگ معروضہ کرتے۔

سرکارؐ کے حضور میں لوگ آپس میں گفتگو میں نہ جھگڑتے ۔ کوئی بولتا تو سب خاموش ہوجاتے ۔ پہلے کی بات ختم ہوتی تو دوسرا بولتا ۔ جس بات سے سب لوگ ہنستے آپ بھی ہنستے ۔ جس امر سے لوگ تعجب کرتے آپ بھی تعجب کرتے ۔ پردیسی آدمی سوال میں یا گفتگو میں درشتی کرتا تو آپ برداشت کرتے "۔

سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "حضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے کسی کو نہ مارا مگر جہاد فی سبیل اللہ میں ۔ آپ نے نوکر کو مارا نہ عورت کو "۔

خادمِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی مگر آپ نے کبھی منہ سے اُف تک نہ کی ۔ جس چیز کو میں نے کیا کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ "تونے یہ کیوں کیا ؟ اور کبھی یہ بھی نہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں نہ کیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب سے اچھے تھے ۔ میں نے فر کو یا ابریشم کو یا کسی شئے کو نہ چھوا جو حضرت کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو ۔ نہ مشک سونگھی نہ عطر نہ کوئی خوشبو جو (میرے آقا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار ہو "۔

★ بندے تو سب خدائے تعالیٰ کے ہیں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے ۔ ماننے والوں کی بھی کمی کیا ہے ۔ ہزاروں بار ہم بھی خدا کو پکارتے ہیں ۔ عمر بھر انشاء اللہ پکاریں گے ۔ مگر وہ بھی کہے کہ ہاں تو میرا بندہ ہے ۔ قرآن شریف میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نقل کیا گیا ہے ۔ انی عبد اللہ اتنی الکتاب میں اللہ کا بندہ ہوں ۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے ۔ خضر علیہ السلام کے متعلق فرمایا ۔ عبدا من عباد نا ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ۔ یعنی ایسے بندے ہمارے اور بھی ہیں ۔ اسی طرح دوسرے انبیا علیہم السلام کو ۔ ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے لما قام عبداللّٰہ جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا ۔ سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا ۔ پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو شب کو لے گیا ۔

حضرت محمد عبدہ و رسولہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم کے حالات معجز آیات پر ذرا غور کرو تو ایک عجیب تماشا نظر آئے گا ۔ عجز و انکسار ، بندگی بے چارگی بدرجہ اتم ۔ معجزات و خرقِ عادات ، کرشمہ ہائے قدرتِ الٰہی ، آثار کمالات لاتناہی بمرتبہ اکمل ۔ کبھی جمال نمایاں ہے کبھی جلال کیونکہ ان کا اجتماع ہی کمال ہے ۔

شکم مادر ہی میں ہیں کہ والد ماجد کا انتقال ہوجاتا ہے ۔ چار سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کا ، چھ سال کی عمر میں جد امجد کا ۔ سر پر کوئی بڑا نہیں کہ تعلیم و تربیت کرے ۔ اللہ اکبر ۔ خدا سب سے بڑا ہے اور رب العالمین ہی آپ کا مربی ہے ۔ الم یجدک یتیما فاوی ووجدک ضالا فھدی کیا تجھے یتیم نہ پایا پھر پناہ دی اور تجھے ناواقف پایا پھر راستہ دکھایا ۔ رسالت سے سرفرازی ہوتی ہے ۔ تمام اقارب ، عقارب بنے ہوئے ہیں ۔ تمام شہر خون کا پیاسا ہوگیا ہے ۔ گھر میں چھپے بیٹھے ہیں ۔ نہ پاس دوست ہیں نہ آشنا ۔ تمام قبائل کے صنادید بالاجتماع حملہ کرنے کا منصوبہ گانٹھکر گھر کا محاصرہ کئے بیٹھے ہیں کہ بنی ہاشم کچھ نہ کرسکیں ۔ مگر لطیفہ ربانی سے ناواقف کہ کیا کیا ہوسکتا ہے ۔ حضرتؐ باہر نکلتے ہیں اور مشتِ خاک ان دل کے اندھوں پر پھینکتے ہیں ۔ وجعلنا من بین ایدیہم سدا ومن خلفہم سدا فاغشینہم فہم لا یبصرون ۔

"ہم نے ان کے سامنے اور ان کے پیچھے سے ایک دیوار کھڑی کردی۔ پھر ہم ان پر چھاگئے۔ لہذا وہ دیکھ بھی نہیں سکتے۔ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی اور آپ ان کے سامنے سے چلے جاتے ہیں۔

منکرین کے مظالم کی کچھ انتہا بھی ہے، برا بھلا کہتے ہیں، پتھر مارتے ہیں، راستے میں گڑھے کھودتے ہیں، کانٹے ڈالتے ہیں۔ پروانہ ہائے شمع نبوت کو قسم قسم کی ایذائیں پہنچاتے ہیں، دھوپ میں ریت پر پڑے ہیں، سینے پر پتھر ہے، کوڑے پر کوڑے پڑتے ہیں اور صدائے اَحد اَحد بلند ہے۔ آخر آپ اصحاب کو ترکِ وطن کا حکم دیتے ہیں۔ کوئی حبشہ کو جاتا ہے کوئی مدینہ کو۔ انتہاء یہ کہ حضرتؐ کو وطن چھوڑنا پڑتا ہے۔ گھر دار سب سے منہ موڑنا پڑتا ہے۔ صدیق اکبرؓ آپ کو دوش پر اٹھائے نشانِ قدم مٹاتے جاتے ہیں۔ آخر ایک غار میں چھپتے ہیں۔ کفار ناہنجار چار طرف منڈلا رہے ہیں۔ ثانی اثنین یعنی صدیق اکبرؓ اپنے آقائے باوقار کے لئے مضطر و پریشان ہیں۔ آپ تسلی دے رہے ہیں۔ لاتحزن ان اللہ معنا "تم غم نہ کرو کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے" یہی معیت ایک دوسرا تماشا دکھاتی ہے۔ مکہ کو آرہے ہیں۔ بارہ ہزار فوج ظفر موج ہمرکاب ہے۔ ہر قبیلے کا علم جدا ہے، نعرہ جدا۔ مقدمۃ الجیش پر سیف اللہ خالد بن الولید سرکردگی کررہے ہیں۔ دو ہزار جنگ جو آتشیں خونبرد کوش، فولاد پوش خاص موکب ہمایوں میں۔ زرہیں تاباں، خود درخشاں، اسلحہ کا شور، نعروں کا زور ہر ایک سپاہی اسلحہ میں چھپا ہوا ہے۔ خود کے نیچے سے صرف دو آنکھیں نظر آتی ہیں۔ فاروق اعظم ہیں کہ نقابت کر رہے ہیں۔ رعد کی طرح گرج رہے ہیں۔ صفیں درست رکھو، آگے والے آگے پیچھے والے پیچھے۔ ناقہ قصویٰ پر فخرِ عرب، محبوب رب جلوہ گر ہے۔ سیاہ عمامے کے نیچے تاباں درخشاں چہرہ، دلکش آواز میں انا فتحنا فرط مسرت سے کبھی سجدہ کبھی شکریہ، کبھی دعا۔

بجلی چمک چمک کر گرتی ہے چار جانب ؎ ہے ایک طورِ سینا گویا تری گلی میں

سردارِ قریش ابوسفیان بن حرب کو ان کی جاں بخشی کرواکر عمِ رسول عباسؓ بن عبدالمطلب ایک پہاڑی پر لئے کھڑے ہیں۔

ظلت لھیبتک الاعناق خاشعۃ

تیری ہیبت سے تمام گردنیں جھکی ہوئی ہیں

بحد سیفک حد الشرک ینثلم

تیری تلوار کی باڑھ سے کفر کی باڑھ شکستہ ہے

ابوسفیان بن حرب نے کسریٰ قیصر کے دربار دیکھے۔ ان کی فوجیں دیکھیں مگر اس وقت وہ بھی پیکرِ تصویر بنے کھڑے ہیں اور دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں۔ الٰہی یہ کیا تماشا ہے۔ یہ منظر اور اس منظر کی روحِ رواں روحی و روح العالمین لہ الفداء (میری جان اور تمام دنیا کی جانیں اس پر تصدق) ایمان بن کر ابوسفیان کے دل میں گھستے ہیں ثم استقر ایمانہ (پھر اس کا ایمان قرارگیر ہوگیا) سب کچھ درست مگر اس منظر کا سب سے بڑا لطف اٹھانے والا وہی ثانی اثنین ہے جو مکہ سے نکلتے ہوئے بھی اس بے سایہ کے ساتھ سایہ کی طرح قدموں سے لپٹا ہوا تھا۔ اور اس وقت بھی ایک اونٹ پر محو تماشا بنا ہوا ہمراہِ رکاب ہے۔ گزشتہ حزن، موجودہ مسرت کا صحیح اندازہ ان کے سوا بھلا کون کرسکتا ہے۔

آئینہ کہے گا کیا، کیا تجھ میں ہے رعنائی
پوچھ اس سے تری قیمت تیرا جو ہے شیدائی (حسرت صدیقی)
اے پرتوِ حسنِ تو ہنگامہ کند برپا
در پردہ نمی گنجد ایں جلوہ رعنائی (حسرت صدیقی)

کفار کے گذشتہ مظالم کا بدلہ تو دیکھو، جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو امن میں، جو ہتھیار ڈال دے وہ امن میں۔ جو مسجد کعبہ میں داخل ہو وہ امن میں، جو گھر کا دروازہ بند کرلے وہ امن میں۔ کلیدِ کعبہ سابق کلید بردار کے حوالے۔ انتہا یہ کہ مکہ اہلِ مکہ کے لئے اور خود مدینہ روانہ وما ارسلنک الا رحمۃ للعٰلمین۔

سراپا نور کی صورت مجسم خلق کا پتلا
کسی کی ایسی صورت ہے کسی کی ایسی سیرت ہے

دو دو مہینے چولھے پر ہانڈی نہیں چڑھتی، اسودین یعنی کھجور اور پانی پر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گزر ہوتی ہے۔ اصحاب نثار ہورہے ہیں۔ شہادت کی گرم بازاری ہے۔ قرابتدار شہید ہورہے ہیں۔ اولاد کا انتقال ہورہا ہے۔ دندانِ مبارک شہید ہوگیا ہے۔ خود سر میں گھس گیا ہے۔ خون بہہ رہا ہے، زمین پر گرنے نہیں دیتے کہیں یہ سرزمین تباہ نہ ہوجائے۔ گڑھے میں آگئے ہیں، خون بہت نکل گیا ہے۔ باہر نکلنا چاہتے ہیں نکل نہیں سکتے۔ طلحہ بن عبید اللہ کے سہارے سے اوپر چڑھتے ہیں۔ خود بھی بھوکے ہیں اصحاب بھی بھوکے۔ پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں۔ کدال لئے خندق کھود رہے ہیں۔ کدال پتھر پر پڑتا ہے۔ آگ کا شرارہ نکلتا ہے۔ جوشِ شادمانی سے پکار اٹھتے ہیں ملکِ کسریٰ مل گیا، ملکِ قیصر پر قبضہ ہوگیا۔

دل میں لہر آتی ہے تو چند روٹیوں کے ٹکڑوں سے سینکڑوں کو سیر کردیتے ہیں ● ۱۔ پانی بلبلے دیتا اُبلتا جاتا ہے اور تمام فوج سیراب ہوجاتی ہے ● ۲۔ مٹھی بھر ریت لے کر دشمنوں کی طرف پھینکتے ہیں اور دشمنوں کی فوج تتر بتر۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ (قریب میں فوج شکست کھائے گی اور پشت پھیر دے گی)۔

حضرتؐ فرماتے ہیں لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر۔ اگر میں غیب کو جانتا تو خیر کثیر حاصل کرلیتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول غیب پر کسی کو غلبہ نہیں دیتا مگر برگزیدہ رسول کو۔ انا اعطینک الکوثر بےشک ہم نے تم کو بہت کچھ دیا، خیر کثیر دیا۔

آپ فرماتے ہیں مآ ادری ما یفعل بی ولا بکم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا امید ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود دے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے، خوش ہوجاؤ گے۔ وللاخرۃ خیرلک من الاولیٰ۔ ضرور تمہاری پچھلی حالت اگلی حالت سے بہتر ہے۔ ورفعنالک ذکرک۔ ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کردیا۔ تمہارا بول بالا کردیا۔

● ۱ بخاری عن جابر و عن ابی ہریرہ
● ۲ مالک بن انس

ترکِ تدبیر کے لئے فرماتے ہیں ۔ ترک اسباب میں لوگوں کا امتحان ہوتا ہے ۔ ایک سال خرما کم آتے ہیں ۔ لوگ شکایت کرتے ہیں ۔ قلت خرما کو ترک تدبیر کا نتیجہ سمجھتے ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں ۔ انتم اعلم بامور دنیاکم تم دنیوی امور کے متعلق زیادہ جانتے ہو یعنی سبب مسبب کے جھگڑے تم ہی خوب جانتے ہو ۔

ایک صحابیہ ہانڈی میں بکری کا گوشت پکاتی ہیں ۔ حضرت فرماتے ہیں بکری کا دست دے وہ دیتی ہیں اور مانگتے ہیں ۔ دوسرا دست دیتی ہیں ۔ اور مانگتے ہیں وہ عرض کرتی ہیں بکری کے دو دست ہوتے ہیں وہ تو میں دے چکی ۔ آپ فرماتے ہیں اگر تو یہ نہ کہتی اور دیتی چلی جاتی تو دست نکلتے چلے جاتے ۔ اصل یہ کہ ان امور میں انک لن تستطیع معی صبرا ہے ۔ یعنی تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکتے ۔ آپ فرماتے ہیں انا بشر مثلکم ۔ میں تم جیسا بشر ہوں ۔ مگر کوئی دیکھے کہ یہ بشر بجز کیسا بشر ہے ۔ ظلمت اور نور میں برابر دیکھتے ہیں ● ۱ ۔ آگے پیچھے سے برابر دیکھتے ہیں ● ۲ ۔ سوتے ہیں مگر دل بیدار ہے ۔ وضو کی حاجت نہیں ان عینی تنام ولاینام قلبی ● ۳ ۔ میری آنکھ سوتی ہے اور دل نہیں سوتا ۔ ایک صحابیہ حضرت کا پیشاب پی لیتی ہیں تو ہمیشہ کے لئے دردِ شکم موقوف ۔ زمین ہے کہ فضلہ کھا جاتی ہے ۔ اور وہاں سے خوشبو آتی ہے ۔ آپ کا پسینہ دلہنوں کو عطر کی طرح لگایا جاتا ہے ۔ جس گلی سے نکل جاتے ہیں معطر ہوجاتی ہے اور صحابہ پتہ لگالیتے ہیں کہ حضرتؐ اس طرف سے گزرے ہیں ۔ روزے پر روزے رکھتے ہیں ۔ لوگ تقلید کرنا چاہتے ہیں اور ہو نہیں سکتی ۔ آخر فرماتے ہیں لست کھیئاتکم ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی میں تمہاری طرح نہیں ہوں ۔ میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں ۔ وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے ● ۴ ۔

ابو قتادہ کی آنکھ نکل جاتی ہے ۔ آپ لگاتے ہیں وہ پہلے سے زیادہ بہتر ہوجاتی ہے ۔ تنہ درخت خرما پر تکیہ لگاتے ہیں تو اس میں جان آجاتی ہے ۔ جدا ہوتے ہیں روتا ہے ۔ چاند کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہیں ۔ وہ دو ٹکڑے ہوجاتا ہے ۔ اقتربت الساعۃ و انشق القمر (قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا) ۔ نیرِ اعظم (آفتاب) کو جس کی بہت سے نادان پرستش کرتے ہیں ۔ حکم دیتے ہیں اور وہ کھڑا ہوجاتا ہے ۔ ایک لڑکی کی قبر پر جاکر آواز دیتے ہیں "یا فلانہ" وہ جواب دیتی ہیں لبیک یا رسول اللہ ۔ حاضر یا رسول اللہ ۔ نماز میں ایک شیطان آتا ہے ۔ آپ پکڑ لیتے ہیں کہ ستون سے باندھ دیں ۔ پھر سلیمان علیہ السلام کا خیال آتا ہے ۔ اور چھوڑ دیتے ہیں ۔ اس تواضع کا اثر دیکھو آپ کے خادم خالد ابن ولید عزیٰ پرستوں کی سرکوبی کو جاتے ہیں ۔ جھاڑ میں سے سیہ فام چڑیل نکلتی ہے اور سیف اللہ کی ایک ہی ضربِ شمشیر سے دو پر کالے ہوجاتی ہے ۔ حضرت فرماتے ہیں وہ عزیٰ تھی ۔ بتوں کے سامنے جاتے ہیں ۔ عصا سے اشارہ کرکے فرماتے ہیں جآء الحق و زھق الباطل حق آیا اور باطل زائل ہوا ۔ اور وہ منہ کے بَل گرجاتے ہیں ۔ الحق ۔ آپ کی بشر سے مثلیت اس سے زیادہ نہیں جتنی جبرئیلؑ کو اعرابی سے ۔ ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا و للبسنا علیھم مایلبسون اگر ہم پیغمبر کسی فرشتے کو بناتے تو آدمی ہی بناتے اور وہی التباس ان پر ڈالتے جس التباس میں اب وہ ہیں ۔ کبھی کلمینی یا حمیراء اے روشن جبیں اے سرخ رو (حضرت عائشہ سے خطاب) مجھ سے باتیں کرو ۔ کبھی من عائشۃ ،

● ۱ بیہقی عن عائشہ و ابن عباس ● ۲ صحیحین عن انس و عائشہ ● ۳ شیخان ● ۴ شیخان عن ابن عمرو . ابی ہریرہؓ و انس و عائشہؓ ۔

من صدیق ، من محمد یعنی عائشہ کون ؟ صدیق کون ؟ محمد کون ؟ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ۔ میرا خدا کے ساتھ ایسا وقت بھی رہتا ہے کہ اس میں نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔

امت نوازی تو دیکھو ! اپنے خادموں ، کفش برداروں کو اپنا بھائی فرماتے ہیں ۔ لا تنسنی من دعائک یا اخی (حدیث) مگر آپ کے جو حقیقی چچازاد بھائی ہیں یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ وہ کیا کہتے ہیں ، منبر پر حضرت علی وعظ فرما رہے ہیں ایک یہودی آتا ہے چند سوالات کرتا ہے ۔ باب مدینۃ العلم معارف کا دریا بہادیتے ہیں ۔ آخر وہ کہتا ہے انت نبی من الانبیاء کیا آپ انبیاء میں سے ایک نبی ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں ویحک انا عبد من عبید محمد ۔ تجھ پر افسوس ہے ۔ میں محمد کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں ۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے ہیں اور پہلے ہی خطبہ میں برسر منبر کیا فرما رہے ہیں ایھا الناس انی قد علمت انکم تو نسون منی شدۃ و غلظۃ و ذلک انی کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فکنت عبدہ و خادمہ ● ۱۔ لوگو ! مجھے خوب معلوم ہے کہ تم مجھ سے شدت اور سختی دیکھتے ہو ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا ۔ پھر میں آپ کا غلام اور خادم تھا۔

اونٹ آتا ہے ۔ حضرت کو سجدہ کرتا ہے ● ۲۔ بکری آتی ہے سجدہ کرتی ہے ۔ صدیق اکبر اور دیگر صحابہ بھی اجازت چاہتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں لا یصلح لبشر ان یسجد لبشر ● ۳۔ آدمی کو مناسب نہیں کہ وہ آدمی کو سجدہ کرے ۔

خدا کی بندگی اور اس کے سامنے عاجزی کوئی خدا کے حبیب سے سیکھے ۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے لئے رسول اللہؐ میں بہترین نمونہ ہے ۔

آپؐ دعا کرتے ہیں ۔

اللھم انک تسمع کلامی و تری مکانی و تعلم سری و علانیتی لا یخفی علیک شیء من امری و انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقر المعترف بذنبی اسالک مسئلۃ المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل و ادعوک دعاء الخائف الضریر و دعاء من خضعت لک رقبتہ وفاضت لک عبرتہ و ذل لک جسمہ و رغم لک انفہ ● ۴۔

اے اللہ تو میرا کلام سنتا ہے اور میرا مقام دیکھتا ہے ۔ میرا باطن و ظاہر جانتا ہے ۔ تجھ سے پوشیدہ نہیں میری کوئی بات ، میں آفت زدہ ہوں ۔ فقیر فریادی ، پناہ خواہ ، گھبرایا ہوا ، خوف زدہ ، اپنے گناہوں کا مقر ، اور معترف ، میں تجھ سے ایسا سوال کرتا ہوں جیسے مسکین کرتا ہے ۔ اور تجھ سے ایسی التجا کرتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل کرتا ہے اور تجھے ایسا پکارتا ہوں جیسے خوف زدہ نابینا پکارتا ہے ۔ یا وہ پکارتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہے ۔ جس کے آنسو تیرے سامنے بہتے ہیں ۔ جس کا جسم تیرے سامنے ذلیل ہے ۔ جس کی ناک تیرے سامنے خاک آلودہ ہے "۔

● ۱ مستدرک الحاکم ۔ ● ۲ بزار ۔ ● ۳ احمد بزار عن انس ● ۴ حزب الاعظم القادری ۔

اس دعا کے ایک ایک لفظ پر غور کرو. کتنی بندگی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اب ان کے مقابل مالک کی سرفرازی بھی دیکھو کہ وہ آپ کے متعلق کیا کیا کلمات فرماتا ہے۔

لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها۔

میرا بندہ ہمیشہ میری قربت ڈھونڈتا ہے۔ نوافل سے، حتی کہ میں اسے دوست رکھتا ہوں ہوں پھر جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰه رمیٰ۔

تو نے نہیں پھینکا جب کہ پھینکا مگر اللہ نے پھینکا۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰه ید اللّٰه فوق ایدیهم۔

جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اور اپنے کتنے اسماء عظام سے آپ کو یاد فرماتا ہے۔

بالمؤمنین رؤف رحیم ایمان والوں پر الفت و رحمت کرنے والے۔ قدجآء کم من اللّٰه نور کتاب مبین۔ تمہارے پاس اللہ سے نور اور ایسی کتاب آئی جو خوب بیان کرنے والی ہے۔ اور فقد کذبوا بالحق لما جآء هم۔ انھوں نے حق کی تکذیب کی جب ان کے پاس حق آیا۔ وانه لقول رسول کریم۔ بے شک یہ قول ہے رسول کریم کا۔ اور فاسئل به خبیرا یہ بات خبیر سے پوچھ۔

مالک کی طرف سے کیا کیا سرفرازیاں ہورہی ہیں اور یہ عظیم الشان قوی البرہان عبداللہ ہے کہ اس کے نقطہ نظر سے اس کی عبدیت اس کا امکانِ ذاتی، اس کی عدمیتِ اصل کبھی نہیں نکلتی۔

اللهم انی عبدک و ابن عبدک و ابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاءک۔

اے اللہ بے شک میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے بندہ کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی کے بال تیرے ہاتھ میں ہیں۔ جاری ہے مجھ پر تیرا حکم، عدل ہے مجھ میں تیری قضا۔

کتنی وقاحت ہے ان جہالت مآبوں میں، ضلالت انتسابوں کی جو اس تصویر قدرت کے تاریک پہلو ہی پر جو حقیقۃً ایک قسم کا نور ہی ہے۔ ان کی نظر پڑتی ہے اور آپؐ کو اپنا بڑا بھائی کہنے کی جرأت کرتے ہیں مگر میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپؐ کا غلام

ہوتا تو ہلال ہوتا اور فلکِ صحابیت پر ہلال ہو کر چمکتا۔ نعلین پا ہوتا تو عرش بریں پر ساتھ ہوتا۔ برا ہوں اور بے شک برا ہوں یا رسول اللہ مگر ہوں آپ کا کہ الطالحون لی برے میرے ہیں۔

اس مجلی الذات مظہر الاسماء والصفات روح الارواح الساری فی الاشباح لا یشاک احدکم بشوکۃ الا و اجد المہا ● ۔ ذات کا تجلی گاہ۔ اسماء وصفات کا مظہر روحوں کی روح۔ جو تمام اجساد میں سرایت کی ہوئی ہے۔ تم میں سے کسی کے کانٹا نہیں چبھتا مگر یہ کہ اس کا الم میں پاتا ہوں۔ "حقائق لاہوت کا مجمع"۔ "دقائق ناسوت کا منبع" کے اوصاف جلیلہ و مراتب نبیلہ کو کوئی کہاں تک بیان کرے۔

فمبلغ العلم فیہ انہ بشر ÷ وانہ خیر خلق اللہ کلہم

علم کی رسائی آپ تک اتنی ہی ہے کہ آپ بشر ہیں اور تمام خلق اللہ سے بہتر ہیں۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

● الفیوضات الربانیہ ادعیہ محبوب سبحانی سیدی عبدالقادر جیلانیؒ۔

اقتباساتِ وعظ بہ ماہ ربیع الآخر

ماہ ربیع الاول کی طرح حضرت ہر سال مسجد کالی کمان میں ۷/ ربیع الآخر سے ۱۱/ ربیع الآخر تک وعظ فرمایا کرتے تھے۔ وعظ کے چند اقتباسات بغرض استفادہ پیش ہیں۔

★ کون نہیں جانتا کہ غلام کا کچھ نہیں کیونکہ وہ خود اپنا نہیں بلکہ آقا کا ہے۔ جو غلام اپنے آپ کو اپنے آقا کی طرح آزاد سمجھتا ہے وہ باغی ہے، جو اپنی کمائی کو اپنا مال سمجھتا ہے وہ غاصب ہے۔ نمک حرام ہے۔ جو آقا کی خدمت سے جی چراتا ہے۔ ناشکرا ہے وہ جو مالک کی عطا پر راضی نہیں ہوتا یا اس کو بے محل صرف کرتا ہے۔ عاقل بندہ آقا کی اطاعت کرتا ہے۔ شب و روز کمرِ بندگی چست رکھتا ہے۔ کپڑے کی فکر نہ کھانے کا خیال نہ راحت سے غرض نہ آرام سے مطلب، کفش برداری پر ناز، نیاز ہی اس کا مابہ الامتیاز۔ اس کی فکر ہے تو آقا کو، اس کے متعلقین کی فکر ہے تو آقا کو۔ دیکھو! جوان بیٹے کا نفقہ باپ پر واجب نہیں مگر غلام اور اس کی جورو بچوں کا نفقہ آقا پر لازم ہے۔ واہ ری غلامی کہ غلام کی عزت آقا کی عزت ہوجاتی ہے۔ ضرب العبد اهانة المولیٰ۔ بلکہ غلام کی ذات اس کے آقا کی ذات مولی القوم منهم اصبحت کردیا وامسیت عربیا۔ جو غلام آقا کے سوائے کسی اور سے مانگتا ہے وہ بدمعاش ہے۔ کیوں؟ وہ اس طرح اپنے آقا کو بدنام کرتا ہے۔ بعض غلام اپنے آقا سے ہی مانگتے ہیں مگر جلد بازانہ۔ بعض التجا کرتے، خوشامد کرتے رہتے ہیں۔ جہاں آقا کو خوش دیکھا اپنی کوئی آرزو پوری کرالی۔ بعض اپنے مقاصد کی تکمیل آقا پر چھوڑتے ہیں۔ بعض کی نہ ذاتی غرض رہتی ہے نہ وہ کوئی سوال ہی کرتے ہیں۔ بعض ذاتی غرض تو نہیں رکھتے مگر سوال کو بندگی کا کمال سمجھتے ہیں۔ بعض وقت کا اقتضاء، مالک کا مقصد دیکھتا رہتا ہے۔ محنت کو برداشت، تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ درد سے لذت اٹھاتا ہے۔ جب سمجھتا ہے کہ اس وقت سوال سے مالک کا کمال ظاہر ہوگا تو بندہ غرض سے زیادہ گڑگڑاتا ہے اور آقا سے مانگتا ہے۔ خود مانگتا ہے اور دوسروں کو مانگنا سکھاتا ہے۔ مالک بھی خوب سمجھتا ہے کہ اس کا ذاتی مقصد میں ہوں۔ اس کی اصل غرض ہے تو میرے کمال کا اظہار ہے۔ ایسے غلام کو عہدہ ملتا ہے، جاگیر ملتی ہے۔ اور وہ صوبہ داری سے سرفراز ہوتا ہے۔ سب کچھ رکھتا ہے مگر اپنا کچھ نہیں سمجھتا۔ کیوں؟ وہ غلام ہے اور غلام کا جو کچھ ہے سب آقا کا ہے۔ زیادہ عنایت ہوتی ہے تو ندیموں میں جگہ ملتی ہے۔ آقا کے پاس بیٹھتا ہے ایک دسترخوان پر کھاتا ہے۔ ایک جام سے پیتا ہے۔ غلامی محبوبیت میں نمایاں ہوتی ہے۔ محمود کو اپنا تماشا دیکھنا منظور ہوتا ہے تو وہ ایاز کو اپنے کپڑے پہناتا ہے۔ تخت پر بٹھاتا ہے۔ سب سے نذریں دلواتا ہے۔ ایاز بھی اکڑکر بیٹھتا ہے، بڑی ہی بے پرواہی سے نذریں لیتا ہے۔ کیوں؟ وہ اس وقت آقا کی تمثیل کر رہا ہے۔ مگر دل میں خوب سمجھتا ہے کہ نہ کپڑے میرے ہیں نہ تخت میرا اور میں وہی غلام ہوں۔ اور سب کچھ میرے آقا کا ہے۔ تماشا ختم ہوجاتا ہے۔ پھر وہی اگلے کپڑے۔ وہی پہلی جگہ۔ نہ اس تمثیل سے اس کی کوئی ذاتی غرض متعلق تھی، نہ اس سابقہ حالت پر عود کرنے سے اس کے دل پر کچھ گرانی ہی ہے۔ اس میں آقا کی خوشی تھی اور یہ اس کی اصلی حالت ہے۔ جو اس کے نقطہ نظر سے کبھی نہیں ہٹی۔ ایازِ قدرِ خود بشناس۔ آقا کو ضرورت ہوتی ہے تو اس کو دوسرے شہر کو روانہ کرتا ہے۔ رعایا کو اس کے ذریعہ نہایت ضروری اور اہم احکام بھیجتا ہے۔ غلام خوشی سے دربار چھوڑتا ہے، اپنی

خوشی پر بادشاہ کی خوشی کو ترجیح دیتا ہے ۔ یعنی حضور پر غیبت کہاں ؟ جو حکم بادشاہ خود اپنے منہ سے سناتا تھا غلام کے منہ سے سنا رہا ہے ۔ حقیقت میں یہ بھی ایک تمثیل ہے جو یہ غلام ادا کر رہا ہے ۔

شہاب الدین غوری کو مہاراجہ قنوج جس کا باپ خراج دیتا تھا کشتی میں لگا کر تلوار بھیجتا ہے کہ اب تمہارے ہمارے بیچ میں تلوار ہے ۔ شاہ جلالت پناہ تخت سے اٹھتا ہے کرسے تلوار نکالتا ہے اور اس سے ان فرستادہ تلواروں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا ہے ۔ غلاموں کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ غلام گردنیں جھکائے آگے بڑھتے ہیں ۔ بادشاہ وار کرتا ہے ۔ سر کٹ کر گر جاتا ہے اور غلام حق جانثاری سے سبکدوش ہوتا ہے ۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا سر بکف کھڑا ہے ۔ اس واقعہ سے بادشاہ کا کمال شمشیرزنی اور غلاموں کا کمال جاں بازی نمایاں ہوتا ہے ۔ اور ان کا خوشی سے مرنا ان کو صفحۂ تاریخ پر حیاتِ دائمی بخشتا ہے ۔

یہ تو دنیا کے غلاموں کا ذکر تھا ۔ جن کو ان کے آقاؤں نے نہ نیست سے ہست کیا نہ جان ان کی ملک ہے ۔ وہ تو غلاموں کے باطنی حالات سے ناواقف ہیں اور ان کو غلاموں کے دلی خیالات پر قابو نہیں ۔ آقا چاہے تو اپنے غلاموں کو آزاد کر سکتا ہے ۔ کچھ نہ ہوا تو ایک دن مر کر ضرور غلام آزاد ہو جائے گا ۔ مگر خدا اور بندے کی نسبت ایسی نہیں ۔ یہ رشتہ ایسا مضبوط ہے کہ نہ کسی کے توڑے ٹوٹ سکتا ہے نہ کسی کے کاٹے کٹ سکتا ہے ۔ لاکھ نہ مانو مگر ہم ہیں غلام ۔ مرنا بھی غلامی میں کوئی فرق نہیں پیدا کر سکتا ۔ جان بھی ہے تو خدا کی ہے ۔ ونفخت فیہ من روحی ۔

حسرت مرے پاس کیا دھرا ہے ٭ اک جان سو وہ بھی ہے پرائی (حسرت صدیقی)

شریک الباری ہوتا تو بندہ آزاد ہوتا ۔ نازشِ حسرتِ بےچارہ ہے کہ بےچارہ ۔ نادان اشیاء کو اپنا سمجھتے ہیں ۔ اور خدائے تعالیٰ اپنا للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ۔

للہ الارض والسمٰوات ٭ میری ہر چیز ہے پرائی (حسرت صدیقی)

بندہ جھوٹا ہے اور خدا سچا ومن اصدق من اللہ حدیثا ۔

ذی فہم اپنے افعال پر غور کرتا ہے تو ان کی قدرت بھی اپنے میں نہیں پاتا ۔ خلقکم وما تعملون تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ۔

صفات پر نظر کرتا ہے تو اپنے لئے اس کا پتہ نہیں پاتا ۔ نہ سماعت ہے نہ بصارت انہ ھو السمیع البصیر ۔

نہ ارادہ ہے نہ مشیت وما تشآءون الا ان یشآء اللہ رب العالمین ۔

مقصد مرا وہی ہے جو مطلب ہے یار کا
میں اپنے اختیار میں بے اختیار ہوں (حسرت صدیقی)

تمام خوبیاں اسی کی ہیں اور تمام محامد اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں ۔ الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ والحمد للہ رب العٰلمین ۔

خود کو سمجھتا ہے کہ میں ہوں تو حیات ذاتی ہے کہ نفس وجود کیا ایک معنیٰ نہیں ہے اور کیا وحدت انتزاعی وحدت منشاء پر دال نہیں ۔ پھر تو کسی سے دعویٰ اشتراک و انبازی کرتا ہے ۔

زعم باطل کی بادہ مستی کب تک ÷ ناداں یہ ادعائے ہستی کب تک
تو بھی موجود اور حق بھی موجود ÷ ظالم یہ شرک و خودپرستی کب تک (حسرت صدیقی)

کبھی خیال کرتا ہے کہ میں نہیں ہوں تو عقل قہقہہ لگاتی ہے کہ یہ بداہت کا انکار ہے اور حس کی مخالفت ہے اور دنیا سے امان ناپید۔

پھر خیال کرتا ہے کہ میں نہیں ہوں اور اپنے کو ناحق ہوں خیال کرتا ہے۔

بے بود ہے نمود عدم ہے مرا وجود
میں چشمِ اعتبار میں محض اعتبار ہوں

اگر دنیا میرا بے ہودہ خیال ہے تو میرے نہیں خیال کرنے سے نیست ہوجاتی۔ نہیں! وہ تو الان کما کان ہے۔ نہ میرے خیال کرنے سے کوئی چیز پیدا ہوتی ہے نہ نہیں خیال کرنے سے معدوم۔

نہ ٹلائے سے ٹلے گی ہے بلائے آسمانی
مرا اعتبار حسرت مرا اعتبار ہوتا

کیا نیستی میں ہستی کا جلوہ ہے؟ نیستی بھی کوئی شئے ہے کہ اس میں ہستی کا جلوہ ہو۔ کیا ہستی ہی نیستی ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ تو اجتماع نقیضین ہے۔ کیا ہستی نیستی بن گئی ہے یا نیستی ہستی؟ یہ انقلابِ حقائق ہے۔ جب میں نہ ہستی میں ہوں اور نہ نیستی میں تو احکامِ واقعیہ مجھ پر کیسے؟ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وجودی احکام وجود پر لگتے ہیں اور عدمی عدم پر۔

نیستی میں ہوں نہ ہستی میں ہوں
بے نشانی ہے نشانی میری

ہم نے تو لاکھ ڈھونڈا کچھ بھی پتہ نہ پایا
مجنوں کدھر چھپا ہے لیلیٰ تری گلی میں
دیکھا تو کچھ نہ پایا سوچا تو بس یہ سمجھا
اک نام رہ گیا ہے میرا تری گلی میں (حسرت صدیقی)

میں آسمان پر نہ سہی، زمین پر نہ سہی، میں اپنے آپ کو نہیں جانتا تو کیا پرواہ، میں خدا کے علم میں ہوں کیونکہ خدا مجھے جانتا ہے کہ میں کیا ہوں، کیونکر ہوں۔

ہے پیشِ نظر خیال تیرا
ہر چند ہوں پیکرِ خیالی (حسرت صدیقی)

رجوع الی اللہ، بندوں کو مختلف طور پر ہوتا ہے۔ کوئی ہر شئے کو اپنے حصولِ کمال میں خدائے تعالیٰ کا محتاج پاتا ہے اور اس کی ربوبیت کی شان جلوہ گر ہوتی ہے۔ کوئی مخلوقات کو سراپا احتیاج سمجھتا ہے اور قیومیت اس کے روبرو متجلی ہوتی ہے۔ کسی کی ہر

ایک کے مرنے اور فنا ہونے پر نظر پڑتی ہے اور اسم القہار یا الممیت نمایاں ہوتا ہے ۔ کوئی دنیا کی ہر شئے کو نیست سے ہست ہوتا ہوا دیکھتا ہے اور اسم البدیع کی اس پر تجلی ہوتی ہے ۔ غرض کہ کسی پر دو کسی پر چار کسی پر دس کسی پر بیس صفات کا انکشاف ہوتا ہے ۔ خدائے تعالیٰ کے صفات کا علم ہوتا ہے تو اپنے صفات کو کالعدم پاتا ہے ۔ بلکہ اپنے صفات کے اثبات کو شرک فی الصفات اور دور از توحید سمجھتا ہے ۔ جس امر میں جس قدر کسی کو اپنے فقر کا علم ہوگا اسی قدر خدائے تعالیٰ کی غنا کا انکشاف ہوگا اور یہ علم اس کو خدائے تعالیٰ سے ایک نسبت و ربط پیدا کردے گا ۔ شخصی فطرت ، ذاتی تجربہ و مشاہدہ صحبتِ اہلِ نسبت دوامی اور قوتِ توجہ سے اس نسبت کو قوت ہوتی ہے ۔

جس اسم سے کسی کو نسبت ہوگی اس اسم کی تجلی اس پر ہوگی اور اس سے دوسروں پر اس کا اثر و ظہور پائے گا ۔ اور وہ شخص اس اسم کا بندہ کہلائے گا ۔ مثلاً کسی شخص کی نظر خدائے تعالیٰ کے نشان ہائے رحمت پر پڑتی ہے اور رات دن اسی خیال میں مستغرق رہتا ہے تو یقیناً اس شخص پر خدائے تعالیٰ کا رحم بھی ہوگا ۔ اور وہ بھی خدائے تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرے گا ۔ ایسا شخص عبدالرحمنٰ ، عبدالرحیم سے موسوم ہوگا ۔ یا کسی کو خدائے تعالیٰ کی قدرت سے نسبت و ربط ہوگا ۔ تو وہ عبدالقادر یا عبدالمقتدر ہوگا ۔

مگر کامل بندہ تو وہی ہوگا جس کو خدائے تعالیٰ کی ذاتِ مستجمع جمیع کمالات سے وابستگی ہوگی اور یہی شخص عبداللہ کہلانے کا مستحق ہوگا ۔ وہ اپنی عدمیتِ محض پر رہے گا ۔ نہ کسی شئے کو اپنی ملک جانے گا نہ کسی قوت سے خود کو موصوف سمجھے گا ۔ وہ خود کو بالکل عاجز پائے گا ۔ اور خدائے تعالیٰ اس سے عظیم الشان آثارِ قدرت و خوارقِ عادات نمایاں فرمائے گا ۔ بالجملہ عبداللہ وہ ہے جو اپنا کچھ نہ سمجھے اور خدائے تعالیٰ ساری دنیا کو اس کا کردے ۔

جو کچھ ہے وہ آقا کا کچھ بھی نہیں بندہ کا
حسرت ترا بندہ ہے وہ تجھ کو بھلا کیا دے

والحمدللہ رب العٰلمین ۔

★ الآ ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ○

خوبصورت کے لئے ضرور ہے کہ رنگ گورا نمکین ہو ۔ آنکھیں بڑی بڑی رسیلی ، پلکیں لمبی ، ناک ستوان اونچی ، ہونٹ پتلے ، دہانہ چھوٹا ۔ دانت برابر براق ، جسم بھرا ہوا ، اعضاء میں تناسب ، جوڑ بند درست ، غرض کہ جب تک سب چیزیں موزوں مناسب نہ ہوں کوئی خوبصورت نہیں ہوسکتا ۔ مگر اس پر بھی بعض چیزیں امتیازِ خاص رکھتی ہیں ۔ بعض کی غزالی چشم سامری سے گوسالہ پرستی چھڑا کر غزال پرستی پر لگا دیتی ہے ۔ بعض کا رنگ ایسا صاف و شفاف ہوتا ہے کہ نظر اولین کا دم واپیں تک اثر رہتا ہے ۔ بعض کے ہر عضو سے سنجیدگی ، متانت نمایاں ، ہر حرکت و سکون سے وقار و برد باری ظاہر ۔ بعض کی ہر چیز میں دل ربائی ۔ ہر حرکت میں خوش ادائی ان اللہ جمیل یحب الجمال ۔ اسی طرح اولیاء اللہ ، محبوبانِ خدا کی حالت ہے ۔ ان میں تمام صفاتِ حمیدہ اور تمام عاداتِ پسندیدہ رہتے ہیں ۔ مگر اس پر بھی بعض کو بعض صفت سے نسبتِ خاصہ رہتی ہے ۔ جس قوم میں وہ ولی نیابتِ رسولؐ کر رہا ہے ۔ اس کا اقتضاء یہی ہے کہ اس کے مقتدےٰ میں وہ صفت امتیازِ خاص رکھے ۔

چشتیہ ہندوستان کے حالات پر غور کرو کہ اہلِ ہند کیسے جلد متاثر ہونے والے ، محبت کی ایک بات ان کو فریفتہ کرنے

کے لئے کافی ۔ خاوند کے پیچھے ستی ہو جانا اہلِ ہند کی محبت کی بین دلیل ہے ۔ اب بھی بیوہ کا تمام عمر خاوند کی جدائی کے صدمہ سے گھل گھل کر جان دینا کیا کوئی آسان کام ہے ؟

کہہ دو یہ کوہ کن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجرِ یار میں جینا کمال ہے (جلیلؔ)

اس قوم کی اصلاح کے لئے خدائے تعالیٰ نے اپنے ایک محبوب کو جس میں محبت متشکل ہوگئی تھی یعنی خواجہ اعظم معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ کو روانہ کیا۔ آپ اجمیر کے تالاب پر اترتے ہیں، مرید کو حکم دیتے ہیں کہ وضو کے لئے پانی لاؤ۔ ہنود کا پہرہ بیٹھا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ پانی لینے نہیں دیتے۔ حکم ہوتا ہے کہ تمام پانی مشکیزہ میں بھرلے۔ اب تالاب میں پانی کہاں ؟ کنویں خالی پڑے ہیں۔ ماؤں کے سینہ میں دودھ نہیں۔ منکرین پیاس سے عاجز ہوتے ہیں اور التجائے معافی کرتے ہیں۔ اس دریائے رحمتِ الٰہی میں جوش آتا ہے اور تمام پانی واپس۔ اہلِ ہند کو محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے بزور شمشیر غلام بنایا تھا۔ خواجہ اعظمؒ محبت کی طاقت سے بندہ بے دام بنالیتے ہیں۔ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کا ہونا محمود و شہاب الدین کا اثر نہیں خواجہ اعظمؒ اور ان کے خلفاء کی کرامت ہے۔ کوئی عرس مبارک جاکر دیکھے ؛ ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی، عورت مرد، بچے بوڑھے اقطاعِ ہند سے امنڈے چلے آرہے ہیں۔ درگاہ شریف میں عورت مرد بازو سے بازو لگائے گھس رہے ہیں مگر کیا مقدور کہ کوئی خطرہ دل میں آجائے۔ ایک گردن جھکائے ہوئے بیٹھا ہے، دل ہی دل میں راز و نیاز ہورہے ہیں۔ کوئی آئینہ حیرت بنا ہوا ہے محوِ محق، طلس طمس سب کچھ ہوگیا ہے۔ نہ اس کو اپنی خبر ہے نہ کسی اور کی۔ مولوی محمد حسین صاحب فاروقی ● شعر سنتے ہیں اور غایتِ مسرت سے آستانہ محبت پر جان نثار کردیتے ہیں۔ ایک نے درخت سے خود کو باندھ رکھا ہے۔ اور صدا پر صدا دیتا ہے۔ گھوڑا بھی لونگا اور جوڑا بھی لونگا۔ ایک زمین پر ڈنڈا مارتا ہے کہ سو روپئے دلواتا ہے کہ مارے ڈنڈوں کے تیری قبر توڑ دوں۔ شوریدہ محبت قبر مبارک سے لپٹتا ہے۔ خادم اس کے اوپر چادر قبر شریف ڈالتا ہے۔ ماں کی گود میں سر رکھ دینے یا محبوب سے معانقہ کرنے میں جو لطف آتا ہے اس لطف کے سامنے قطرہ دریا کی نسبت بھی نہیں رکھتا۔ مسلمان کا مقصد بھی اسی دربار سے نکلتا ہے اور کافر کی مراد بھی اسی دروازے سے ملتی ہے۔

کیا حسن و عشق کا ہے چرچا تری گلی میں
مجنوں تری گلی میں لیلیٰ تری گلی میں
صرفِ نیاز دونوں کافر ہوں یا مسلماں
مذہب ہے ایک سب کا سجدہ تری گلی میں
اللہ اور نبی کی ہے راہ یاں سے ملتی
بطحا تری گلی میں طیبہ تری گلی میں

● برادر فاروق یار جنگ، بابا گنج شکرؒ کی اولاد ہیں۔

نقشبندیہ۔ دنیا کو معلوم ہے کہ ترکستان اور افغانستان میں تورج و افراسیاب کی نسل کی خونخوار قومیں آباد ہیں۔ چنگیز و ہلاکو خاں کی یادگار مقیم ہے۔ خون کے دریا بہانا ان کا معمولی کام ہے۔ سروں کا مینار لگانا ان کا ایک تماشا ہے۔ ان جنگجو اقوام کی اصلاح کے لئے اسی سرزمین سے خدائے تعالیٰ خاندانِ نبوت میں سے ایک پاک روح کو پیدا کرتا ہے یعنی خواجہ بزرگ بہاء الدین محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو جو ان شورہ پشتوں کی پشت پر تقویٰ کی زین کستا ہے۔ منہ میں خاردار خشیت اللہ کی لگام دیتا ہے۔ ہمت کے چابک سوار کو ان پر متمکن کرتا ہے۔ اور دوامِ حضور کے میدان میں ریاضت کے ایسے کاوے دیتا ہے کہ وہ نہایت قدم بار سبک رفتار ہوجاتے ہیں۔ دستِ باکرامت سے شریعت کے پیالے میں طریقت کا آبِ حیات لبالب کردیتا ہے۔ پھر ان کو کوہ و وادی میں سرپٹ دوڑاتا ہے۔ ندی نالہ کداتا ہے۔ اور ایک قطرہ تک زمین پر گرنے نہیں پاتا۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند
کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستہ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

اکبریہ۔ اندلس میں فلسفہ طبیعات وغیرہ فنونِ حکمت کا زور ہے۔ ابن رشد، ارسطو کی کرسی پر جائے گزیں ہے۔ یورپ ایشیاء، افریقہ سے لوگ آتے ہیں اور ابن رشد کے فیضِ تربیت سے سیراب ہوکر جاتے ہیں۔ وہیں اور اسی وقت خدائے تعالیٰ حضرت ابن عربی کو پیدا کرتا ہے جو فلسفہ الٰہیہ اور حکمتِ روحانیہ کا دریا بہادیتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ابن رشد کا فلسفہ تقویم پارینہ کا حکم رکھتا ہے مگر حضرت ابن عربی کا تصوف جوں کا توں ہے۔ چاردانگِ عالم پر اس کا قبضہ ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، حاتم طائی کی اولاد سے ہیں۔ کسی چیز کو چھپا نہیں رکھتے۔ سخاوت ان کے خاندان کا سبق ہے۔ ایک دفعہ حاتم کا اس کے دشمن سے مقابلہ ہوا۔ دشمن نے کہا حاتم! لوگ کہتے ہیں تو بڑا سخی ہے تو اپنی تلوار مجھے دے دے۔ حاتم دے دیتا ہے۔ دشمن شریف ہے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے۔ معرکہ رزم بزم انس سے مبدل ہوجاتا ہے۔ بعینہ یہی حال حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا ہے۔ ان کی کتابوں کے سلح خانہ سے دوستوں کو تلواریں ملتی ہیں۔ دشمن کو خنجر جس سے وہ خودکشی کرلیتے ہیں۔ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین! کا مصداق ہے۔ آپ کو کوئی حاتم فص معارف الٰہیہ سمجھتا ہے۔ کوئی اس کے برعکس۔ مگر شیخ کو نہ ان کی پروا ہے نہ ان کی۔ و انہ لذو علم لما علمناہ ولکن اکثر الناس لایعلمون۔

مسجد میں رہو تو تم کو میں مانتا ہوں　÷　مندر میں چھپو تو تم کو میں جانتا ہوں
جس رنگ میں آؤ کچھ نہیں ہے پروا　÷　اس ناز و ادا سے تم کو پہچانتا ہوں　(حسرت صدیقیؒ)

تو ہم ہے تو ہم ہے نہ قلت ہے نہ کثرت ہے　÷　نہ سمجھیں یہ تو حیرت ہے جو سمجھیں یہ تو حیرت ہے
طلب محبوب کی لازم اور اس کو دردِ مجبوری　÷　خیالِ فرقتِ محبوب ہی پھر وجہِ فرقت ہے
جسے دیکھو ہے دلدادہ جمال و حسن لیلیٰ کا
مگر ناداں کوئی اور کوئی دانائے حقیقت ہے　(حسرت صدیقیؒ)

شاذلیہ ۔ تاریخ داں واقف ہیں کہ کاہنانِ مصر و ساحرانِ الجیریا مشہور و معروف ہیں ۔ ستارہ پرستی و ارواحِ نجوم سے کام نکالتے ہیں ۔ کیا کیا دقتیں اٹھاتے ہیں ، ہر ستارہ کی تسخیر کے لئے ۔ اس سے ہر طرح کی مناسبت پیدا کی جاتی ہے ۔ لباس میں ، بخور میں ، پھول میں ، غذا میں ، جواہر میں ، معدنیات میں ، رنگ میں ، اقلیم میں ، مکان میں اس دھات کا بت بناکر جو اس ستارہ سے متعلق ہے وہم پکاتے ہیں سب سے زیادہ زمانہ اور ساعت دیکھ کر کتنے سال خوشامد کی جاتی ہے ۔ کفریات کہے جاتے ہیں تب کہیں کسی روح کوکب سے مناسبت پیدا ہوتی ہے ۔ مثلاً تسخیرِ شمس کے لئے قمر ، زہرہ ، عطارد سے اجازت لے ۔ ترکستان کا ملک ہو ، یکشنبہ سے ایک ہفتہ تک روزہ رکھے ، چاول غذا میں ، ترنج میووں میں ، بزغالہ کے دل کا گوشت خود کھائے اور شیر و پلنگ کو کھلائے گھوڑے کی قربانی دے ، شمس ، برج حمل کے پہلے دقیقہ میں ہو ، طالع ، افق شرق میں اسد ہو ، ریشمی سنہرے رنگ کے کپڑے ہوں ، قیمتی یاقوت کی انگشتری ہو ، سر پر طلائی تاج ہو ، عود و عنبر و مشک جلائے اور ان کا عطر لگائے ۔ آفتاب کی طرف سجدے میں گرکر (ایک مخصوص) عزیمت یا منتر پڑھے ۔ (استغفر اللّٰہ ، لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ) ۔

خدائے تعالیٰ اسی سرزمین پر خاندان حَسنیہ سے ایک عظیم الشان شخص کو پیدا کرتا ہے ۔ یعنی سیدی ابوالحسن علی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کو جو خدا کے سوائے کسی کے آگے سرِ نیاز نہیں جھکاتا ، عاجزی کرتا ہے تو خدا سے ، مانگتا ہے تو خدا سے ، ستارے اس کے مسخر ہیں ، جن و انس اس کے فرمانبردار ، عالمین اس کے مطیع ہیں اور وہ رب العالمین کا مطیع و فرمانبردار ہے ۔ یا اللّٰہ یا اللّٰہ یا اللّٰہ یاعلی یا عظیم ۔۔۔ نسئلک العصمة فی الحرکات والسکنات والکلمات والا رادات والخطرات من الظنون والشکوک والاوهام الساترة للقلوب عن مطالعة الغیوب ۔۔۔ فتبثنا وانصرنا و سخرلنا هٰذا البحر کماسخرت البحرَ لموسیٰؑ وسخرت النار لا براهیمؑ وسخرت الجبال والحدید لداودؑ وسخرت الریح والشیاطین (و الجن و الانس) لسلیمانؑ ۔۔۔ وسخرلنا کل بحر هولک فی الارض والسماء والملک والملکوت وبحر الاخرة و سخرلنا کل شیء یا من بیده ملکوت کل شیء والیه ترجعون ۔ (حزب البحر) ۔

دیتا ہی چلا جاؤں ہر شخص کو جو مانگے
تو اپنے خزانے سے یارب مجھے اتنا دے (حسرت صدیقی)

الرفاعیہ ۔ سرزمینِ عراق میں ، زمانہ خلافتِ عباسیہ میں دولت دودھ کی طرح اُبلتی ہے ۔ الف لیلیٰ کی کہانیوں سے ایک عام غفلت و عیش پرستی کا ضرور پتہ چلتا ہے ۔ مجاز پرست حقیقت کو بھول گئے ہیں ۔ صداقت دروغ میں چھپ گئی ہے ۔ اسباب پر سب کی نظر ہے ۔ مسبب کی طرف کسی کا التفات نہیں ۔ قریہ ام عبیدہ میں ایک جگر گوشہ رسول پیدا ہوتا ہے ۔ یعنی سیدی احمد کبیر الرفاعی رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا ۔ جو باطل کو باطل کرکے دکھاتا ہے ۔ اور حق کو حق ثابت کرتا ہے ۔ آتشِ شوق سے جل کر خاکستر ہوجاتا ہے ۔ پھر پانی بن جاتا ہے ۔ بحر نیستی سے ہستی کی طرف رجوع کرتا ہے ۔ آپ روضئہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے ہیں تو دادا کا دستِ پاک عالم شہادت میں نکلتا ہے اور آپ بوسہ دیتے ہیں ۔ اس طریقۂ عالیہ میں عملاً یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اصدق کلمة قالتها العرب " الا کل شیء ماخلا اللّٰہ باطل " یعنی تو ہی ظاہر تو ہی باطن ، تو ہی تو ہے ، تو ہی تو ، میں کہاں ہوں ؟ آپ کے نام لیوا آگ پر چلتے ہیں اور اس کو باطل ثابت کرتے ہیں ۔ تلوار سے گردن کاٹتے ہیں ، چھری پیٹ میں

بھونکتے ہیں ۔ سر میں گرز مارتے ہیں ، آنکھ نکال لیتے ہیں ، سانپ سے ڈسواتے ہیں ، زہر پی لیتے ہیں ۔ غرض کہ عملی طور سے مشاہدہ کرادیتے ہیں کہ دنیا تمام خیال ہے ۔ حقیقت صرف وجہ ذو الجلال ہے ۔

باطل کل ماسواہ فان ÷ وجه ذی العز و الجلال یدوم

جل سلطانه فلیس شریک ÷ وهو حق و غیره معدوم

کل من فی الوری الیک فقیر ÷ فی جمیع الامور یا قیوم

انت شغلی و انت ذکری و فکری ÷ و اختیاری و خیرتی یا کریم (حسرت صدیقی)

قادریہ ۔ بغداد زمانہ عباسیہ میں دار الخلافہ تھا ۔ اور تمام عالم اسلام کا مرجع ۔ دنیا اپنے جوبن پر تھی اور دین اپنے معراجِ کمال پر ۔ اقطاع عالم سے علماء عالمین ، اولیاء کاملین زینت افزائے دار الخلافہ بغداد ہوگئے ہیں ۔ حکماء محققین و عرفاء مدققین اس میں جلوہ فگن سلاطین و امراء رونق بخش ہیں اور نجباء شرفاء مجتمع ۔ ایسے زمانہ سعید میں مرجع البحرین حسنین سے درۃ التاج اور بوستان نبوت سے گل سرسبد پیدا ہوتا ہے جو دفع قبض احوال کے لئے غنچۂ گل ہے ۔ وحشت زدگانِ محبت کے لئے گلقند ، اور متورمینِ کبر و عجب کے لئے روغنِ گل ، اہل شریعت کے لئے عرقِ گل ۔ اہل طریقت کے لئے عطرِ گل ۔ اہل حقیقت کے لئے روحِ گل ۔ عاشقوں کے لئے طرہ دستار ۔ محبوبوں کے لئے پھولوں کا ہار ، اہلِ فنا کے لئے چادرِ گل ، اہل بقا کی شیرینی احوال کے لئے شربت گلابِ توجہ ، مگر یہ ہیں کون ؟

سلطان العارفین ، تاج المحققین ، حجۃ العاشقین ، نقیب المحبوبین ، امام المتقین ، صفوۃ العابدین ، قاضی القضاہ ، سید السادات قطب الاقطاب ، فرد الاحباب ، سیدی و سندی ابو محمد محی الدین عبدالقادر الجیلانی ، الحسنی الحسینی رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا ۔

سلطان الاولیاء ، الغوث الاعظم ، البازی الاشہب ، سلطان محی الدین سیف اللہ پیر دستگیر پیران پیر حضرت کے القاب ہیں ۔ آپ کا نسب پدری حسبِ ذیل ہے ۔

سیدی عبدالقادر بن ابی صالح بن ابی عبداللہ بن یحییٰ الزاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن الامام الحسن المثنیٰ بن الامام ابی محمد الحسن المجتبیٰ بن علی المرتضیٰ بن ابی طالب بن عبدالمطلب ۔

آپ کا نسب مادری حسبِ ذیل ہے ۔

سیدی عبدالقادر ابن امۃ الخیر امۃ الجبار فاطمہ بنت سید عبداللہ الصومعی بن سید محمد بن سید محمود بن سید ابی العطا عبداللہ بن سید عیسیٰ بن الامام محمد الجواد بن الامام علی رضا بن الامام موسیٰ الکاظم بن الامام جعفر الصادق بن الامام محمد الباقر بن الامام زین العابدین علی ابن الامام ابی عبداللہ الحسین بن الامام علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب ۔

جیل یا جیلان یا گیل یا گیلان ایک گاؤں ہے طبرستان کے پاس ۔ ۳۰/ شعبان المعظم ۴۷۰ ہجری میں جس کی تاریخ باعتبار جمل کے " عشق " ۔ اور بعض کے پاس ۴۷۱ ہجری میں جس کی تاریخ باعتبار جمل " عاشق " ۴۷۰ ۔ ۴۷۱ " تخت وجود پر جلوہ گر ہوئے ۔

بغداد شریف میں مدرسہ شیخ ابو سعید مبارک بن علی المخزومی جس کے آپ متولی تھے ۔ ۱۱/ ربیع الثانی ۵۶۲ ہجری کو تاریخ " معشوق الہی " اور بعض کے پاس ۵۶۱ کو مادہ تاریخ " کمال عشق " رہ گزرِ عالمِ بقا ہوئے ۔

عمر شریف ۹۱ سال تاریخ کمال یا کامل۔

سنینش کامل و "عاشق" تولد ؎ وصالش دال "زمعشوق الٰہی"

آپ کے اساتذہ حسبِ ذیل ہیں۔

اصول و عقائد کے:۔ ابو الوفا علی بن عقیل و ابو الخطاب محفوظ بن احمد الکلوذانی و ابوالحسن محمد بن الفراء و ابو سعید بن علی المخزومی

حدیث کے اساتذہ:۔ ابو غالب محمد بن الحسن الباقلانی۔ ابو سعید محمد بن عبدالکریم۔ ابو الغنائم محمد بن علی البرسی۔ ابو بکر احمد بن المظفر۔ ابو محمد جعفر القادری السراج۔ ابو القاسم علی بن احمد الکرخی۔ ابو عثمان اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی۔ ابو طالب عبدالقادر۔ ابو طاہر عبدالرحمٰن۔ ہبۃ اللہ المستقلی وغیرہ۔

اور ادب کے اساتذہ:۔ ابو ذکریا یحیٰی بن علی التبریزی ہیں۔

آپ کے پیر صحبتِ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباس ہیں۔

آپ کے پیر بیعت جن سے آپ نے خرقہ پہنا ابو سعید مبارک بن علی المخزومی ہیں جن کی جگہ پر آپ قائم مقام اور مدرسہ کے متولی ہوئے۔

طریقت میں سید الطائفہ ابی القاسم الجنید بن محمد البغدادی سے حسبِ ذیل سلسلہ ملتا ہے۔

سیدنا عبدالقادر الجیلانی عن ابی سعید مبارک بن علی المخزومی والمخزمی۔ عن الشیخ ابی الحسن علی بن احمد بن یوسف القرشی المکاری عن الشیخ ابی الفرح محمد بن عبداللہ الطرطوسی عن الشیخ ابی فضل عبدالواحد بن عبدالعزیز عن الشیخ السید الطائفہ ابی القاسم الجنید بن محمد البغدادی عن ابی الحسین سری السقطی عن الشیخ ابی المحفوظ معروف بن فیروز الکرخی عن الشیخ ابی سلیمان داؤد الطائی عن الشیخ محمد حبیب العجمی عن الشیخ حسن البصری عن الامام علی بن ابی طالب عن حبیب رب العالمین سید الانبیاء و المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سیدنا معروف الکرخی سے ایک اور سلسلہ ذہب ملتا ہے۔

عن سیدی معروف الکرخی عن الامام علی رضا عن الامام موسیٰ الکاظم عن الامام جعفر الصادق عن الامام محمد الباقر عن الامام زین العابدین علی عن الامام سید الشہداء الحسین عن الامام علی بن ابی طالب عن سید الانبیاء و امام الاصفیاء محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام جعفر الصادق سے ایک اور سلسلہ چلتا ہے۔

عن الامام جعفر الصادق بالحق الناطق عن الامام قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ عن سیدنا سلمان الفارسی عن خلیفۃ رسول اللہ بالتحقیق ابو بکر الصدیق عن امام الثقلین نبی الحرمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ کے ہم عصر شیوخ حسبِ ذیل ہیں۔

سیدی احمد الکبیر الرفاعی البطائحی۔ ابو النجیب ضیاء الدین عبدالقاہر الصدیقی السہروردی۔ اور ان کے بھتیجے اور مرید شیخ شہاب الدین عمر السہروردی۔ ابو بکر بن ہوارا۔ شعیب ابومدین المغربی۔ علی بن مسافر الاموی۔ تاج العارفین ابو الوفا۔ قضیب البان الموصلی۔ عثمان بن مرزوق البطائحی۔ ابو محمد الشنبلی۔ رسلان الدمشقی۔ الشیخ علی بن ہیتی۔ ابو العزائم مقدام بن صالح اور العلامۃ المحدث ابن الجوزی ہیں۔ اور الخواجہ معین الدین حسن السنجری نے بھی آپ کا زمانہ پایا۔ علمائے عظام و اولیائے کرام

حضرت کے تقدم اور امتیاز کے بیان میں رطب اللسان ہیں ۔ دیکھو بہجۃ الاسرار اور قلائد الجواہر وغیرہ ۔

آپ مقتدر باللہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور المستظہر باللہ اور المسترشد باللہ ، راشد باللہ ، لمختفی لاسرار اللہ کے زمانہ میں رہے اور المستنجد باللہ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا۔

بغداد شریف پایہ تختِ خلفائے عباسیہ تھا۔ علماء فضلاء ، امراء کا مرکز اور تمام سلاطین اسلام کا مرجع تھا۔ اس پایہ تخت سلطنت اسلامیہ میں اولیائے عظام کی بھی کثرت تھی ۔ مشاہیر عالم اس میں جمع تھے ۔ ان میں وہی شخصیت ممتاز ہوسکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عالم میں سے برگزیدہ کرلیا ہو ۔ آپ حاجی تھے ، حافظ تھے ، قاری تھے اور آپ عالم تھے ، ولی تھے ، سید تھے ، آپ کی تجارت کے جہاز بھی چلتے تھے ۔ غرض کہ کوئی طرہ فضیلت ایسا نہ تھا جو آپ کے زیبِ دستار نہ ہو ۔

حضرت کیا ہیں ؟ جد امجدؒ کے کمالِ عبدیت کی مکمل تصویر ، وہی متانت آمیز دلربائی ، وہی رزانت آمیز خوش ادائی ، وہی اعتدال آمیز خلق ہے ۔ وہی توسط آمیز خلق ۔ جلال کی بجلیاں بھی کوندتی ہیں ۔ جمال کا مینہ بھی برستا ہے ۔ رحم ہے تو اپنے محل پر غضب ہے تو اپنے موقعہ پر ۔ جہاں سے دادا کا قدم اٹھتا ہے وہیں پوتے کا قدم پڑتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں جد امجد کا نام ہے وہاں اس فرزند ارجمند کا بھی نام ہے ۔

جلالت کی یہ شان کہ خلیفہ عباسی حاضرِ دربار پر انوار ہوتا ہے تو لرزاں و ترساں رہتا ہے ۔ بڑے بڑے اقطاب و ابدال نہاکر خطرات سے دل کو پاک صاف کرکے اس مقدس بارگاہِ فلک پائیگاہ میں داخل ہوتے ہیں تو عرض کرتے ہیں الامان یا سلطان الزمان ۔ الامان یا امام الزمان ۔ آپ نہایت مرحمت سے فرماتے ہیں لکم الامان تب بیٹھ جاتے ہیں ۔ بڑے بڑے کاملین ، کسی ولی ، کسی قطب کو آپ کے منبر پر جگہ مل جاتی تو اس کے لئے باعثِ امتیاز ہوجاتا ۔ آپ کا فیض عام ہے ۔ اس میں نہ عرب کی خصوصیت ہے نہ افغانستان نہ ترکستان کی ، نہ مصر کو کچھ اختصاص ہے نہ ہندوستان و بلوچستان کو ۔ اس دریائے بے پایاں سے کوئی صراحی بھر لیتا ہے ، کوئی سبو اور کوئی نالہ کاٹ کرلے جاتا ہے ۔ غرض ہر شخص حسبِ استطاعت فیضیاب ہورہا ہے ۔

ایک دفعہ جامع مسجد میں آپ کو چھینک آگئی تو مسجد میں ایک شور برپا ہوگیا۔ خلیفہ مستنجد باللہ مقصورہ یعنی حجرہ میں تھا ۔ پوچھا یہ کیا شور ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا ۔ شیخ عبدالقادر کو چھینک آگئی ہے تو لوگ ان کو یرحمک اللہ کہہ رہے ہیں تاکہ شیخ یہدیکم اللہ کہیں اور یہ اُن کی دعا میں شریک ہوں ۔

آپ کے مواعظِ حسنہ کو آویزہ گوش ہوش بنانے کے لئے جوق جوق لوگ آتے ہیں ۔ بغداد جیسے عظیم الشان شہر میں وعظ کے لئے جامع مسجد بھی کافی نہیں ہوتی ۔ شہر کے باہر جنگل میں ممبر لگایا جاتا ہے ۔ علماء کرام و اولیاء عظام ممبر کو گھیرے ہوئے ہیں ۔ ہزارہا مخلوق اپنے دامن استفادہ کو در مواعظ سے بھرنے جمع ہے ۔ ابھی وعظ شروع نہیں ہوا ۔ اور لوگ ہیں کہ وجد کررہے ہیں ۔ ایک صاحب کے دل میں خطرہ آتا ہے کہ ابھی وعظ شروع نہیں ہوا تو پھر لوگ کیوں وجد کررہے ہیں ۔ آپ فوراً فرماتے ہیں " ایک شخص شام سے ایک قدم میں بغداد آرہا ہے کہ میرے ہاتھ پر توبہ کرے یہ اُس کی ضیافت ہے " پھر اس کے دل میں خطرہ آتا ہے " جب وہ ایسا ہوگیا ہے کہ ایک قدم میں شام سے بغداد آسکتا ہے تو اس کو توبہ کی کیا ضرورت ہے ؟ آپ فرماتے ہیں " ایک قدم میں آنے کی وجہ سے ہی توبہ لیتا ہوں " یعنی ترک تصرف و اتباع ارادہ خداوندی کی تعلیم دیتا ہوں " فرائض و محرمات میں اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہی

کب ہے؟ مباحات میں البتہ اختیار دیا گیا ہے۔ ارادہ و اختیار ہی معیارِ تکلیف ہے۔ اس طریقہ عالیہ میں فرائض و محرمات میں خلاف ارادہ الٰہی تو کیا عمل کیا جائے گا، مباحات میں بھی استفتاءِ قلبی واستشارہ روحانی سے سلب اختیار و ترکِ ارادہ پیدا کیا جاتا ہے تاکہ ذمہ داری اور شرک فی الارادہ سے نجات اور توحید و اخلاصِ عمل حاصل ہو۔ بندگی و عبدیت متحقق ہو اور فرائض ثابت۔ وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون۔

وعظ شروع ہوتا ہے ابن الجوزی علیہ الرحمہ مع فرزند شریکِ مجلس ہیں۔ حضرت ایک آیت کی تفسیر فرما رہے ہیں۔ آٹھ معنوں تک ابن الجوزی اپنے فرزند سے فرماتے ہیں کہ میں بھی جانتا ہوں۔ حضرت اس آیت کی تفسیر چالیس وجوہ تک پہنچاتے ہیں۔ اہلِ بصیرت دیکھتے ہیں کہ جوِّ سما میں ارواحِ طیبہ مجتمع ہیں بعض کے کپڑوں کو آگ لگ جاتی ہے۔ صاحبزادے سیدی عبدالرزاق سر اٹھا کر دیکھتے ہیں ان کی کلاہِ مبارک میں بھی آگ لگ جاتی ہے۔ مجلس کے قریب سے خواجہ خضر گزرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "یا اسرائیل! اسمع کلام المحمدی"۔

تاثیر کا یہ عالم کہ ہر وعظ میں بیسیوں مشرف بہ اسلام ہوتے ہیں۔ اور سینکڑوں ہزاروں آدمی فسق و فجور سے تائب ہوتے ہیں۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ پانچ سو سے زائد یہود و نصاریٰ آپ کے دستِ حق پرست پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ چور بدمعاش لوگوں نے توبہ کی اور لباسِ تقویٰ پہنا۔ اور ہزار ہا عباد و زہاد دستارِ ولایت سے سرفراز ہوئے اور خرقہ خلافت سے ممتاز۔

ایک دفعہ آپ کے فرزند سیدی عبدالرزاق نے جو بڑے علامہ تھے، منبر مبارک پر وعظ کہا۔ لوگ خاموش سنا کئے۔ کوئی کیفیت اور وجد پیدا نہ ہوا۔ پھر آپ سیدی غوث الاعظم منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور صرف اتنا فرمایا۔ کل رات ان کی ماں (مادر سید عبدالرزاق) نے چھینکے پر انڈے رکھے تھے۔ جب اتارنے لگیں تو انڈے گر گئے۔ اور بلی لے کر بھاگ گئی۔ اتنا سننا تھا کہ لوگوں کو سخت وجد ہو گیا۔ اور سر و پا کی خبر نہ رہی۔

کیفیت کا یہ رنگ ہے کہ عمامہ مبارک کا ایک پیچ کھل جاتا ہے تو تمام لوگ سر سے عمامے اور تن پر سے چادریں اتار کر پھینک دیتے ہیں۔ جب حواس درست ہوتے ہیں تو ہر ایک اپنا عمامہ اور چادر اٹھا لیتا ہے۔ ایک اوڑھنی رہ جاتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں "اسے دے دو"۔ کوہ نہاوند سے ایک بہن وعظ سن رہی تھیں۔ انہوں نے بھی اپنی اوڑھنی پھینک دی ہے۔ اوڑھنی کاندھے پر ڈال لی۔ تھوڑی دیر میں وہ اوڑھنی غائب ہو گئی۔

استغراق کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ آپ رضا بالقضاء اور توکل پر تقریر فرما رہے تھے۔ اسنے میں ایک سانپ آیا۔ گلے کے اطراف پھر کر آستین میں گھسا اور دوسری آستین میں سے نکلا۔ حضرت کی تقریر میں کسی قسم کا فرق نہ آیا اور نہ آپ جگہ سے ہلے۔ نہ زبان میں لغزش، نہ جسم میں جنبش اور نہ دل میں حرکت۔ پھر وہ سانپ چل دیا۔

حضرت سیدی حماد دباس رحمۃ اللہ علیہ ایک تاجر کو سفر سے منع فرماتے ہیں "جاؤ گے تو لٹ جاؤ گے" "اور قتل کر دیئے جاؤ گے" حضرت فرماتے ہیں "جاؤ اور نہ ڈرو" آپ دستِ دعا دراز کرتے ہیں۔ محبوب کی دعا سے تمام آفات خواب میں مبدل

ہوجاتے ہیں۔ لایرد القضاء الا الدعاء۔ یمحوا اللہ مایشآء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔ الحکم یغیر والعلم لایتغیر۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آتا ہے فرماتے ہیں ' مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو '۔ کوئی دین دنیا مانگتا ہے۔ وہ ولی کامل ہوجاتا ہے۔ کوئی قوتِ حافظہ طلب کرتا ہے۔ اُس کو اپنی کتابوں کی حاجت نہیں رہتی انھیں بیچ کردیتا ہے۔ کوئی خشیۃ اللہ چاہتا ہے۔ وہ ہمیشہ خون کا پیشاب کرتا ہے۔ کوئی حفظِ وقت اور دوامِ حضور کے لئے التماس کرتا ہے۔ اُس کا کوئی سانس بے یادِ الٰہی نہیں گزرتا۔ قضائے حاجت کو جاتا ہے تو کھونٹی پر تسبیح گردش کرتی رہتی ہے۔ کوئی استغراق کے لئے التجا کرتا ہے۔ اس کو ماسواء اللہ کی خبر نہیں رہتی۔ وہ عامۃ الناس کی نظروں سے مخفی ہوجاتا ہے۔ غرض کہ جس کے دل میں جو ہے مانگ لیتا ہے اور خدائے تعالیٰ اپنے محبوب کے ہاتھ سے دلوادیتا ہے۔ رب اشعث اغبر لو اقسم علی اللہ لابر۔ آخر میں آپ فرماتے ہیں۔ کلا نمد ھٰؤلآء وھٰؤلآء من عطآء ربک وما کان عطآء ربک محظورا۔

دیتا ہی چلا جاؤں ہر شخص کو جو مانگے
تو اپنے خزانے سے یارب مجھے اتنا دے (حسرت صدیقی)

غرض آپ کی شان ہے بینی و بینکم و بین الخلق کلھم بعد ما بین السماء والارض انا وراء عقولکم فلا تقیسوا علیّ احد اولا تقیسوا احد اعلیّ۔

کیا ملک میری حقیقت کو سمجھتے علوی ؎ جن کا استاد نہ سمجھا وہ معمہ ہوں میں

ظاہر بین خوارقِ عادات کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور دقیقہ شناس للہ الواحد القہار کی طرف۔ یہ مردگی ترکِ ارادہ ہے۔ عبدیت اپنا انتہائی کمال بتلاتی ہے۔ ایک مرتبہ مجلسِ وعظ گرم ہے۔ تمام اولیاء، اقطاب و ابدال جمع ہیں۔ زبانِ معجز بیان رطب اللسان ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ تمام اولیاء نے اس قول کو سنتے ہی اپنی اپنی گردنیں جھکادیں۔ روئے زمین پر اس وقت جتنے اولیاء جس جس جگہ تھے سب نے اس پر عمل کیا اور سرفراز ہوئے۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم۔

وما قلت ھذا القول فخرا و انما
میں نے اس قول کو کسی فخر سے نہیں کہا
تکلم ربی فی لسان الحقیقۃ
میرے رب نے زبانِ حقیقت میں کلام فرمایا ہے

★ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیفِ لطیف سے چند امور بیان کردیئے جاتے ہیں تاکہ طریقہ علیہ قادریہ کی تعلیم کا اجمالی خاکہ پیشِ نظر ہوسکے۔

آپ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں۔ اہلِ مجاہدہ و محاسبہ و اولوالعزم افراد کے دس خصائل ہیں جن کو انھوں نے آزمایا ہے کہ جب باذن اللہ ان عادات کو قائم کرلیا اور ان کو مضبوط و مستحکم کرلیا تو وہ بلند درجوں کو پہنچ گیا۔

۱۔ کبھی خدا کی قسم نہ کھائے۔ نہ سچ پر نہ جھوٹ پر۔ نہ جان کر نہ انجان۔

۲۔ جھوٹ سے اجتناب کرے جھوٹ نہ دل لگی میں ہو نہ قصداً۔

۳۔ کسی شئے کا وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرنے سے ڈرے۔

۴۔ کسی مخلوق کو لعنت کرنے یا کسی چیونٹی یا اس سے بھی زیادہ حقیر شئے کو ایذا دینے سے اجتناب کرے۔

۵۔ کسی مخلوق کو بددعا نہ دے اگرچہ وہ ظلم کرے۔

۶۔ کسی اہلِ قبلہ کو قطعی طور پر مشرک یا کافر یا منافق نہ کہے۔

۷۔ گناہوں کی طرف نظر کرنے سے اجتناب کرے۔ اپنے ہاتھ پیر کو ان سے روکے۔

۸۔ کسی شخص پر اپنا کم یا زیادہ بار ڈالنے سے احتراز کرے۔

۹۔ آدمیوں سے امید کو توڑ دے۔

۱۰۔ خوش حالی و بدحالی دونوں حالتوں میں تواضع و عاجزی اختیار کرے۔

اگر چھوٹے کو دیکھو تو کہو کہ اس نے تو کوئی گناہ کیا ہی نہیں اور میں نے تو گناہ کئے ہیں۔ اگر بڑے کو دیکھو تو کہو اس نے مجھ سے پہلے سے عبادت کی ہے۔ اور اگر عالم کو دیکھو تو کہو کہ خدا نے اس کو ایسی شئے عطا کی ہے جسے میں نے حاصل نہیں کیا وہ عالم ہے میں جاہل ہوں۔ وہ عالم باعمل اور میں جاہل مطلق۔ اگر جاہل کو دیکھو تو کہو اس نے نادانستہ گناہ کیا ہوگا اور میں نے دانستہ اگر کافر کو دیکھو تو کہو کیا معلوم شائد وہ اسلام لائے اور نیک عمل پر اس کا خاتمہ ہو۔

حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں۔ جب بندہ کسی بلا میں مبتلا ہوتا ہے تو اول وہ خود بخود حرکت کرتا ہے۔ اگر اس سے خلاصی نہ ملے تو خلق سے مدد لیتا ہے۔ اگر اس سے بھی چھٹکارا نہ پائے تو اپنے رب کی طرف دعا کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ پھر جب خالق کے پاس سے بھی نصرت نہ ملے تو اس کے سامنے ہمیشہ سوال، دعا اور عاجزی کرتا ہوا پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر اس پر بھی خالق عز و جل دعا سے بھی عاجز کر دے اور اس کو قبول نہ فرمائے حتیٰ کہ وہ ظاہری و باطنی تمام اسباب سے جدا ہو جائے تو اس وقت تقدیرِ الٰہی نافذ ہوتی ہے اور آئندہ تمام اسباب و حرکات سے فنا ہو جاتا ہے اور اب وہ روح ہی روح رہ جاتا ہے۔ وہ تقدیر کے ہاتھ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسا شیر خوار بچہ دایہ کے ہاتھ میں یا مردہ غسال کے ہاتھ میں یا گیند شہسوار کے چوگان کے سامنے۔

ایک بات قابلِ غور ہے کہ حکم کی پیروی دو قسم پر ہے۔

۱۔ جس کا حکمِ شرع آگیا۔ اس میں شرع کے ذریعہ سے حکم خدا کی اتباع کی جائے۔

۲۔ جس میں حکمِ شرع نہ ہو، اس میں امرِ باطن ہے۔ جس میں امرِ باطن نہ ہو وہ تو مجرد فعلِ حق ہے۔ یہ فنائے افعال اور تسلیم و رضا کی حالت ہے۔ اور اگر تو حالتِ حق میں ہو اور محو فنا ہو تو اس حالت میں واجبِ اتباع یہ ہے کہ تیرا ارادہ و ہمتِ دلی کسی شئے سے قطعاً متعلق نہ ہو۔ نہ دنیا کے کام میں نہ عقبیٰ کے۔

ایماندار کو خدائے تعالیٰ اپنا مقرب و برگزیدہ فرماتا ہے۔ تو اس کے دل کی آنکھوں کے سامنے رحمت و منت و انعام کا دروازہ

کھول دیتا ہے ۔ جب بندہ کو اس پر اطمینان ہوجاتا ہے تو اس پر بلاؤں کے دروازے کھول دیتا ہے ۔ ظاہر پر نظر کرتا ہے تو وہ حال دیکھتا ہے جو اس کو ناگوار گزرتا ہے ۔ اور باطن کی طرف نظر کرتا ہے تو ایسا حال دیکھتا ہے جو اس کو محزون کر دیتا ہے ۔ خدائے تعالیٰ سے سوال کرتا ہے تو اجابت کو نہیں پاتا ۔ خواب دیکھتا ہے تو تعبیر سمجھ میں نہیں آتی ۔ اگر خلق کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے تو ادھر بھی راستہ نہیں ملتا ۔ اگر کوئی جائز بات نظر آتی ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو فوراً سزا مل جاتی ہے ۔ مخلوق کے ہاتھ اس کے جسم پر ان کی زبانیں اُس کی آبرو پر کھل جاتی ہیں ۔ اگر بلا پر راضی ہوجاتا ہے اس پر خوش ہوتا ہے اور اس سے لذت اٹھانا چاہتا ہے تو وہ بھی نہیں ملتی ۔ تو اس وقت اس کا نفس گداختہ ہونا شروع ہوتا ہے ۔ خواہشات زائل ہوتے اور آرزوئیں رفع ہوجاتی ہیں ۔ دو جہاں مٹنا شروع کرتے ہیں ۔ پھر جب بندہ اخلاقِ انسانیہ اور صفاتِ بشریہ سے فنا ہوجاتا ہے اور روح ہی روح باقی رہ جاتی ہے تو پھر اس پر رحمت و ناز کے دروازے کھول دیتا ہے ۔ بادشاہوں اور ارباب دولت کو اس کا مسخر کردیتا ہے ۔ اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو اس پر کامل کردیتا ہے اور اس امر کو اس پر بقائے ذوالجلال تک باقی رکھتا ہے ۔ خدائے تعالیٰ کا تقویٰ اپنے پر لازم سمجھو ۔ خدا کے سوائے کسی سے نہ ڈرو نہ امید ہی کرو ۔ اپنے تمام حاجات کو اسی سے مانگو ۔ ماسوا اللہ پر تکیہ و توکل نہ کرو ۔ توحید کو اختیار کرو ۔ ایک توحید سب کو جامع ہے ۔

اولیاء کئی طریقہ کے ہوتے ہیں ۔ بعض دین کی حمیت و غیرت رکھتے ہیں ۔ مخالفین پر تیغ برہنہ رہتے ہیں ۔ ان اولیاء کو " نوحی المشرب " کہتے ہیں ۔ بعض جوشِ محبت سے بھرے رہتے ہیں ۔ رونا ، تڑپنا ، بےقرار رہنا ان کا کام ہے ۔ ان کو " موسوی المشرب " کہتے ہیں ۔ بعض کا کام رضا و تسلیم ہے ۔ بڑے سے بڑے امتحانات میں سے ہنستے بولتے خوش و خرم نکل جاتے ہیں ۔ ان کو " ابراہیمی المشرب " کہتے ہیں ۔ بعض توحید میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں ان کو ان کے محبوب کے سوا کوئی نظر نہیں آتا ۔ ان اولیاء کو " عیسوی المشرب " کہتے ہیں ۔ بعض اقتضائے وقت کے مطابق رہتے ہیں ۔ ان کا کوئی ارادہ ہوتا ہے نہ کوئی مقصد ، نہ یہ اپنے ارادہ سے کہتے ہیں نہ اپنے ارادے سے کوئی کام کرتے ہیں ۔ جو دکھایا دیکھا جو سنایا سنا ، کسی سے ملتے ہیں تو حکم کی وجہ سے ۔ لڑتے ہیں تو حکم کی بناء پر ۔ خدائے تعالیٰ کو دینا ہوتا ہے تو ان کے ہاتھوں سے دلاتا ہے ۔ کہنا ہوتا ہے تو ان کو گویا کردیتا ہے ۔ ما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی ۔ ان کے حسبِ حال ہوتا ہے ۔ ان اولیاء کو " محمدی المشرب " کہتے ہیں ۔

ایک اور بات قابلِ یادداشت ہے ۔ نفل نمازیں اپنی خوشی و ارادے سے پڑھی جاتی ہیں اور فرض نمازیں حکمِ خدا سے ۔ اگر ایک شخص رات بھر نوافل پڑھے ، صبح کے وقت سوجائے اور فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھے اور دوسرا رات بھر سوئے اور صبح کی دو رکعتیں فرض ادا کرے تو مقدم الذکر سے موخر الذکر افضل ہے ۔ جو شخص اپنی خوشی سے ریاضتیں کرتا ہے ، نیک کام کرتا ہے خدا بھی اس کے مقاصد کو پورا کرتا ہے ۔ جو چاہو ہوتا ہے ۔ اس کو " صاحبِ قربِ نوافل " کہتے ہیں ۔ جو شخص تحتِ حکم رہتا ہے نہ اس کا کوئی مقصد ہے نہ مراد ، اس کا صرف یہی مقصد ہے کہ خدا کے مقصد کو پورا کرے ایسا شخص خلیفۃ اللہ ہوتا ہے ۔ اس سے سب کو امداد ملتی ہے ۔ نام اس کا ہے کام خدا کا ۔ ایسے شخص کو " صاحب قربِ فرائض " کہتے ہیں ۔

ایک اور بات یاد رکھو ؛ جب تک کوئی شخص ذاتِ حق میں فنا نہ ہو وہ ولی ہی نہیں ہوتا ۔ بلکہ زہاد و عباد میں رہتا ہے ۔

جو ولی ذاتِ حق میں فنا ہو یعنی "عبدالحق" ہو اور حیاتِ الٰہی نمایاں نہ ہو۔ وہ گویا ایسا بے ہوش ہے جو بستر پر کروٹیں لیتا ہے مگر سیاہ سپید کی کچھ خبر نہیں۔ جو اثر رنگ علمِ الٰہی بن گیا ہو مگر قدرت تک نزول نہیں کیا، گویا جس میں علمِ الٰہی کا انعکاس ہو اور ایک طرح کا ام الکتاب بن گیا ہو یعنی عبدالعلیم ہو، وہ گویا ایسا پیسر اور زمین گیر ناتوان ہے جو اٹھ سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے۔ نہ چل سکتا ہے نہ پھر سکتا ہے۔ لیکن جس میں قدرتِ الٰہی بھی نمایاں ہوجائے وہ مظہرِ اتم ہے۔ انسان کامل ہے وہی "عبدالقادر" ہے وہی حقیقۃً "عبداللہ" ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ طریقہ قادریہ کا اصلِ اصول عدمیت اصلی پر رہنا، بے ارادہ جینا، بے مقصد گزارنا، نہ کسی چیز سے اعراض نہ کسی چیز پر اصرار۔ اقتضائے وقت کا سمجھنا اور اس کے مطابق ہوجانا، تحتِ حکم چلنا، اپنے یا کسی اور کے ارادہ کو دخل نہ دینا ہر چیز میں اخلاص رکھنا، عبدیت کو اپنا سرمایہ ناز سمجھنا ایک قادری کا اہم فرض ہے۔ قادری کا ہر فعل تحتِ حکم ہونے کی وجہ سے "قرب فرائض" میں داخل ہے۔ سیدی عبدالقادر کا حکم ہے کُن کالمیت فی ید الغسال تو ایسا ہوجا (یعنی خدا کے ہاتھ میں) جیسے میت نہلانے والے کے ہاتھ میں و کالکرۃ تحت صولجان الفارس۔ اور جیسے گیند پولو کھیلنے والے کے چوگان کے نیچے و کالولد الرضیع فی حجر ظئرہ اور جیسے دودھ پیتا بچہ انا کی گود میں۔

توحید، فقر، عبدیت، ترکِ ارادہ، اخلاص، زندگی میں مردگی اور عدمیتِ اصلی اس طریقہ علیہ کے مرکز ہیں جو بظاہر مختلف لفاظ و امفاہیم ہیں مگر ان کا مصداق ایک ہی۔ وہ ہے عبدیت اور صرف عبدیت۔ یہاں نہ ذاتی ارادہ ہے، نہ اپنے ارادے سے تصرف، تصرف تو کجا ترکِ تصرف بھی بالارادہ نہیں۔ ذاتی ارادہ تو موجب ذمہ داری ہے نہ کہ امتثالِ امر الٰہی۔

جب تک نہ وہ کہے کبھی کہتا نہیں ہوں میں
یوں اس کی بزم میں ہوں کہ گویا نہیں ہوں میں (حضرت صدیقی)

یہاں عبدیت و اطاعت ہے نہ کہ فرمائش و آرزو۔ قربِ فرائض ہے۔ قربِ نوافل نہیں۔ خدائے تعالیٰ کو کسی کو دینا ہوتا ہے تو اپنے محبوب کے ہاتھ سے دیتا ہے۔ کہنا ہوتا ہے تو اپنے پیارے بندہ کے منہ سے کہتا ہے۔ یہ ماینطق عن الھوی ان ھو وحی یوحیٰ کا وارث ہے۔ یہ لوکشف الغطاء وما ازددت یقیناً کا سلالہ ہے۔ یہی عبدیت تھی کہ حضرت سے خوارق عادات ایسے متواتر، متوالی نمایاں ہوتے ہیں جیسے کسی محبوب کے گلے سے موتیوں کا ہار ٹوٹ گیا ہو۔ یا کسی زاہد کے ہاتھ سے تسبیح۔ یہ کثرتِ خوارق نہ ریاضتِ شاقہ کا نتیجہ ہیں نہ عدمِ نزول اس کا سبب۔ یہ حجۃ الحق علی الخلق ہے جس کو خدائے تعالیٰ خوارق سے تائید دے رہا ہے۔ یہ مصالحِ خداوندی کا تقاضا ہے۔ یہ تجلی اعظم کا اقتضاء ہے۔ تقادیرِ الٰہی کا جریان ہے۔ اور ارادہ حق کا سریان۔

موج دریائے ارادہ ہوں میں
حیرت انگیز روانی میری (حضرت صدیقی)

غرض آپ کیا ہیں؟ تفصیل جاننے کے لئے آپ کے تصانیف فتوح الغیب، الفتح الربانی۔ غنیۃ الطالبین۔ الہامات غوثیہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا۔ ان کے علاوہ بھجۃ الاسرار، قلائد الجواہر، الفتح المبین، میں بھی حضرت کے بعض ارشادات مذکور ہیں فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر پھر جو چاہے یقین کرے اور جو چاہے انکار کرے۔

تخلیقاتِ شعری

دوست دشمن نے داد دی حسرت
شعر میں تیرے کیا صفائی ہے

(حسرت صدیقیؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف اور شاعری کا بڑا گہرا تعلق ہے ۔ فارسی اور اردو کے بیشتر شعرا صاحبِ حال صوفی بھی رہے ہیں ۔ اور بیشتر اکابرِ صوفیا باکمال شاعر بھی گذرے ہیں ۔ فارسی میں سعدی ، رومی ، عراقی ، خسرو ، جامی اور بے دل ۔ اور اردو میں سراج اورنگ آبادی ۔ شاہ حاتم ، خواجہ میر درد اور اصغر گونڈوی صوفی بھی تھے اور شاعر بھی ۔

حضرت حسرت قدس سرہ ، کو اور تمام علوم وفنون کے شعراء ادب سے بھی گہرا لگاؤ رہا ہے ۔ صوفی شعراء میں حضرت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اردو کے ساتھ ساتھ عربی ، فارسی اور ہندی زبان میں بھی شاعری کی ہے ۔ اور ہر زبان میں وہی قدرتِ بیان قائم ہے جو ان کی زبانِ مادری میں ملتی ہے ۔ جہاں تک اصنافِ سخن کا تعلق ہے کوئی صنفِ سخن ایسی نہیں جس میں حضرت نے طبع آزمائی نہ کی ہو ۔ اپنے علمی وقار اور مذہبی سنجیدگی کے باعث ہجو کہنا ان کے لئے بہت مشکل تھا ۔ لیکن ہجوگوئی کے لئے بھی حضرت کی جودتِ طبع نے اپنا راستہ نکال لیا ۔ دورِ حاضر کے نام سے اپنے عہد کی تہذیبی خرابیوں کو ہجو کا نشانہ بناکر اس صنفِ سخن کی بھی تکمیل کردی اور تعلیم و رہبری کے منصب کا حق بھی ادا کردیا ۔

حضرت حسرت کے ابتدائی کلام میں یوں تو مختلف شعراء کا ملا جلا اندازِ سخن ملتا ہے لیکن حضرت کی شاعری نے خصوصیت کے ساتھ غالب کا بڑا گہرا اثر قبول کیا ہے ۔ لیکن بعد کو حضرت کی شاعری کا ایسا انفرادی اسلوب و آہنگ پیدا ہوگیا جو حضرت ہی کے ساتھ مخصوص ہے حضرت کے کلام میں علم و عرفان بھی ہے ۔ درد و سوز بھی ہے نصیحتیں بھی ہیں ۔ دین و تمدن کی تعلیم بھی ہے ۔ حسن و عشق کی کرشمہ سازیوں ، جذبہ و تاثیر ، عاشق و معشوق کے رمز ، بے تابی اور اضطراب کی کیفیت ، جراتِ رندانہ ، رندی و مستی کا اظہار بھی ہے ۔

شاعری میں جذبہ و فکر کا امتزاج ذرا مشکل کام ہے ۔ محدود الفاظ اور ترکیبوں میں وسیع مطالب و معانی کو گرفت میں لانا زبان و بیان میں قدرت کے بغیر ممکن نہیں ۔ حقیقت و مجاز کا فرق اور ان کا حق کیا ہوتا ہے اس کو پوری طرح سے کھول دینا یہ سوائے صوفی کے دوسرے کے بس کی بات نہیں ۔ واردات کے اظہار میں یقین کی جو قوت پڑھنے والے کو ملتی ہے وہ بغیر واردات کے خیالی طور پر مضمون باندھنے میں نہیں پائی جاتی ۔ خواہ اس کمی کو زبان ، اظہار اور اسلوب کے طلسم سے لاکھ پورا کرنے کی کوشش کی جائے آواز کھوکھلی ، بے اثر اور بے روح ہی رہے گی ۔ اور سامع پر اثر پیدا نہ کرسکے گی ۔

بعض مقامات ایسے بھی آتے ہیں جن کو صرف محسوس کیا جاتا ہے ، بیان نہیں کیا جاسکتا ۔ مگر حضرت طرزِ ادا ، سے ندرت سے ، جو کہنا ہے بہر صورت کہہ دیتے ہیں اور اپنے اندرونی احساسات میں اپنے ہم مشربوں کو شریک کرلیتے ہیں ۔ رازدار بنالیتے ہیں ۔ بعض شعر تو ایسے بھی ہیں کہ اس کا مطلب بادی النظر میں جہاں جاکر ختم ہوتا ہے دراصل وہیں سے شروع ہوتا ہے اور بڑا ہی معنی خیز ہوتا ہے ۔ اور اپنے میں عجیب تاثیر اور احساسات پنہاں رکھتا ہے ۔

فکر کی گہرائی ، معنی و مفہوم کے مقابلہ میں حضرت لفظوں کی تراش خراش استعارے کی نزاکت اور تراکیب کی موزونیت کو ثانوی حیثیت ضرور دیتے ہیں مگر جمالیاتی پہلو کو نظرانداز نہیں ہونے دیتے ۔

حضرت کا ذوقِ شاعری پڑھنے والے کو صرف ادبی تحفہ دینے کا آرزومند نہیں بلکہ حال و مقام کی خبر دیتا ہے بلکہ پڑھنے والے کو احساس اور جذبہ کی گہرائیوں تک پہنچاتا ہے احساس اور جذبہ کی شدت ہی شعر میں جادو جگاتی ہے اور تاثیر پیدا کرتی ہے ۔

حضرت کے پاس شاعری گو ضمنی تھی مگر باوجود اس کے اس کے ذریعہ اشاروں میں ایسے ایسے رموز بے نقاب کئے ہیں جو صرف عارفِ کامل کا حصہ ہوسکتا ہے ۔ اس بات سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قلبی کیفیات اللہ کی دین ہیں ۔

حضرت نے ہمیشہ اپنے روحانی تجربات اور کیفیات اور سلوک و معرفت کے نازک مسائل اور مقامات کو شعر کی زبان میں بیان فرمایا ہے اور ایسے ایسے اسرار و رموز کو واشگاف کیا ہے کہ کم سے کم اردو کی صوفیانہ شاعری کے سرمائے میں اس کی مثال نہیں ملتی مثلاً ۔

آئینہ رو کے سامنے ہم بن کے آئینہ حیرانیوں کا ایک تماشا کریں گے ہم

بقدرِ وسعِ آئینہ ہوا آئینہ گر ظاہر بنا کر آئینہ خانہ وہی محوِ تماشا ہے

اس کی تصویر کے سوا حسرت کوئی ویسا نظر نہیں آتا

ایک گردش ہے صورتِ پر کار اور ٹھکانہ نظر نہیں آتا

نہ ٹلائے سے ٹلے گی ہے بلائے آسمانی مرا اعتبار حسرت مرا اعتبار ہوتا

بے وجہ نہیں دلکشیِ صورتِ باطل باطل میں بھی ہے حق کا تماشا رے آگے

اعتباریت ، غیریت ، اسماء وصفات کا پردہ منہ پر ڈال کر حق نمایاں ہوتا گیا ۔ صفتاً نمایاں ہوتا گیا تو ذاتاً پنہاں ہوتا گیا ۔ اس کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں ۔

پردہ میں نمایاں ہے بے پردہ و پنہاں ہے ÷ پیدائی ہے پنہائی ، پنہائی ہے پیدائی

حضرت کا ارشاد ہے " چونکہ عالم ذاتِ حق پر ایک حجاب ہے ، پردہ ہے ۔ لہٰذا انسان باوجودیکہ وہ جامع حقائق و مفرداتِ عالم ہے ۔ وہ حق تعالیٰ کو ایسا ادارک نہیں کرسکتا جیسا کہ وہ خود اپنے آپ کو ادراک کرتا ہے ۔ وہ اپنی احتیاجِ ذاتی کی وجہ سے تنزیہہ ذاتِ حق کو ادراک نہیں کرسکتا ہے ۔ کیونکہ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے اور رہے گا اور تنزیہہ تک ممکن کی رسائی نہیں ۔ اس خیال کو اس طرح بیان فرماتے ہیں ۔

طلب محبوب کی لازم اور اس کو دردِ مجبوری
خیالِ فرقتِ محبوب ہی پھر وجہِ فرقت ہے
وصالِ یار اچھا ہے نہ ہوتا یہ تو بہتر تھا
وصالِ یار کی صورت میں بھی فرقت کی صورت ہے
ترے دردِ دل کی دوا کہیں نہ ملے گی حسرتِ بے نوا
تو تڑپ تڑپ کے تمام ہوویں ہی نالہ ہائے گداز میں
نہ ٹھکانہ ہے ہمارا نہ کوئی جائے قرار
عمر بھر راہِ طلب میں تری برباد رہے

فرمایا " وجودیوں میں بعض کا خیال ہے کہ خود حق تعالیٰ اپنے تعینات میں نمایاں ہے ۔ حق کے تعینات اعیانِ ثابتہ کے حقائق و ماہیت کے تقابل سے پیدا ہوتے ہیں مگر ان کا قول ہے " ہمہ اوست " اس خیال کو یوں پیش فرماتے ہیں ۔

مرآتِ حقائق ہے یہ دنیا مرے آگے
ہر ایک میں ہے یار کا جلوہ مرے آگے

بے بود ہے نمود، عدم ہے مرا وجود
میں چشمِ اعتبار میں محض اعتبار ہوں

اے نمودِ بے حقیقت کچھ نہیں تیرا وجود
ہم کو دھوکا ہوگیا تھا ہم کو دھوکا ہوگیا

جو نظر آیا نہ تھا جو تھا نظر آیا نہیں
بے حقیقت میں حقیقت کا تماشا ہوگیا

اے جذبہ عشق تیری کیا بات — لیلیٰ باہر نکل ہی آئی
مجنوں کا لباس زیبِ تن تھا — لیلیٰ جس وقت باہر آئی
مجنوں نے جو دیکھا آئینہ کو — لیلیٰ کی شکل اس میں پائی
دیکھا تو وہ چیز اور ہی تھی — کچھ اور ہی تھی سنی سنائی

فرمایا۔ بعض وجودیوں کا خیال ہے کہ معلوماتِ الٰہیہ یا اعیانِ ثابتہ پر اسمائے الٰہیہ کا پرتو پڑتا ہے تو موجوداتِ خارجیہ پیدا ہوتے ہیں یا یوں کہئیے کہ علم وقدرت کے اجتماع سے ایک تیسری ہی چیز یعنی موجودِ خارجی پیدا ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں دنیا علمِ الٰہی کا ایک تماشا ہے اور اہلِ دنیا خیالی پتلے جن سے اسماء وصفات کا ظہور ہورہا ہے مگر ان میں سے کوئی ذاتِ حق سے جدا اور اس سے باہر نہیں۔ ان علمی پتلوں کے احکام ذاتِ عالم و حقیقتِ حقہ پر نہیں لگتے اور ان کے تغیر سے ذاتِ عالم و ذاتِ حقہ میں تغیر لازم نہیں آتا۔ اس خیال کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

نمودِ جنبشِ نوکِ قلم ہیں ساری تحریریں
عوالم کیا ہیں علمِ ذات کی ہیں چند تفسیریں
تماشا گاہ ہے عالم کسی استادِ کامل کا
یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں

مری بود ہی کی نمود ہے یہ حقیقت اور مجاز میں
میں دکھا کے لاکھوں نمائشیں ہوں ہنوز پردہ راز میں

نیستی میں ظہورِ ہستی ہے ؛ اک تماشا نہیں تو کیا ہیں ہم

حضرت کا ارشاد ہے ۔ تعین چونکہ ایک اعتباری چیز ہے جو حقیقی چیز یعنی وجود میں نمایاں ہے اور وہ وجود کی وجہ سے نظر آرہا ہے مگر ہے اعتباری ۔ ہم اپنے کو دیکھیں تو اعتباری اور خدا کو دیکھیں تو حقیقی ۔ چنانچہ لکھتے ہیں ۔

حجابِ دیدہ مجنوں خیال روئے لیلیٰ ہے

اگر ابطالِ باطل ہو تو تحقیقِ حقیقت ہے

اسی کی ذات ہے بالذات قطعاً ؛ تماشا یار کا ہے میں نہیں ہوں

فرمایا ۔ وجود تو ایک ہی ہے مگر نمائش اعیان کے استعداد کے عین مطابق ہے ۔ اپنی اپنی استعداد ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

ہر جام کا رنگ جدا ہے ۔ پر مئے سے ہے کون جام خالی

بدکون ہے اور نیک ہے کون ۔ تو در ہر شان باکمالی

ہے غیر ترا معدوم اور غیب میں تو مکتوم ۔ پھر جلوے یہ کس کے ہیں یارب مجھے بتلادے

فرمایا ۔ وجودِ حقیقی بے کیف و بے رنگ بے چوں و چگونہ ہے مگر ہے خارج میں لہذا جو صورت اس میں نمایاں ہوگی خارج میں معلوم ہوئی ۔ نادان کسی صورت کو وجودِ خارجی میں دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ صورتِ موجود بہ وجودِ خارجی ہے ۔ مگر عارف سمجھتا ہے کہ صورت موجود فی الخارج نہیں بلکہ وہ علمِ الٰہی سے آئی ہے بلکہ علمِ الٰہی میں ہے اور خارج میں صرف وجودِ خارجی ہے جو بالذات موجود ہے ۔ وہی علم و عالم و معلوم ہے ۔ وہی شہود و شاہد و مشہود ہے اس جناب میں غیریت کو رسائی نہیں کیونکہ غیر علم میں ہے نہ کہ عین میں ۔ اسی خیال کو اشعار میں اس طرح پیش فرماتے ہیں ۔

جو نہ ہو اسی کی نمود ہو نہ نمود اصلِ وجود ہو

کوئی کیا بتائے کمال جو ہے خیالِ شعبدہ باز میں

خود نہاں اور عیاں اس سے نہاں ہائے جہاں ۔ حیرت انگیز ہے پیدائی کا پنہاں ہونا

ہے پیشِ نظر خیال تیرا ؛ ہر چند ہوں پیکرِ خیالی

حضرت نے ایک جگہ لکھا ہے ۔

عینِ ثابتہ اور تجلی میں جو اس کو نمایاں کرے گی اور جس کو صوفیا "رب" کہتے ہیں توافق و تطابق ہے جیسا عین ویسا ہی اس کا رب اور جیسا رب ویسا ہی اس کا عین و مظہر ۔ ہر تجلی اپنے مظہر کو چاہتی ہے اور ہر مظہر اپنے رب کو جو تجلیِ خاص ہے چاہتا ہے ۔ اگر وہ تجلی جو کسی عین سے خاص ہے نہ ہو تو وہ عین موجود ہی نہ ہوگا ۔ مخلوق ہی نہ ہوگا ۔ اگر یہ عین نہ ہوگا تو اس سے وہ اسمِ الٰہی جو خاص ہے اور اس کا رب ہے بے اثر ہوگا ۔ بے مظہر ہوگا اور چونکہ وہ اسمِ الٰہی و تجلی و رب بے اثر و بے مظہر ہوجاتا اگر یہ عین نہ ہوتا لہذا اس کا رب اس لئے راضی ہے اور وہ اپنے رب کے پاس مرضی و پسندیدہ ہے ۔

ان مسائل کو جو نہایت نازک ہیں حضرت اشعار میں اس طرح ظاہر فرماتے ہیں ۔

ایک شجر کے دونوں ثمر ہیں
کون اچھا کون برا میں کیا جانوں
دونوں جانب ایک لگن ہے
کس نے کس کو چاہا میں کیا جانوں
دوڑ کے دونوں مل گئے باہم
کون جیتا کون ہارا میں کیا جانوں
ایک صورتیا میں دو دو مورتیا
کون مولا کون بندہ میں کیا جانوں
ایک خیالی برقع پہن کر
کون پردے سے نکلا میں کیا جانوں

محی الدین ابن عربی شیخ اکبر نے اپنی کتاب "فصوص الحکم" میں ایک جگہ لکھا ہے۔ مظہرِ تام کو انسان اور خلیفہ کا نام دیا۔ چونکہ حقائق عالم کو حاوی ہے اور وہ حق تعالیٰ کے لئے بلاتشبیہ ایسا ہے جیسا آنکھ کی پتلی۔ آنکھ کی پتلی ہی سے دیکھا جاتا ہے اور انسان آنکھ کی پتلی کو کہتے ہیں گویا انسان ہی کے توسط سے حق تعالیٰ، اپنی مخلوق کو ملاحظہ فرماتا ہے اور اسی کو وجود عطا کرتا ہے۔ کیونکہ مقصود تخلیق انسان ہے۔

حضرت فرماتے ہیں:

مقصودِ خلقِ جہاں مرآتِ اسماء وصفات
زینت افزائے سریر وافسرِ شاہانہ ہم
آفرینِ آفرینش زیبِ اورنگِ شہی
نورِ چشم صاحبِ خانہ چراغِ خانہ ہم

حضرت کا ارشاد ہے اگر ذات حق کو تمام نسبتوں اور اضافتوں سے قطع نظر کرکے دیکھیں اور صرف ذات ملحوظ رہے تو اس اعتبار میں اللہ ہے نہ بندہ ہے۔ حضرت کا شعر ہے۔

در محفلِ یکتائی اغیار نمی گنجد
اغیار چساں گنجد چوں یار نمی گنجد

آگے ارشاد ہوتا ہے کبھی لفظ اللہ کہتے ہیں اور ذاتِ حقہ مراد لیتے ہیں۔ اس وقت اسمِ اللہ، اسمِ ذات ہوتا ہے اور اس کے مقابل کوئی نہیں رہتا۔

حضرت لکھتے ہیں:۔ ہے عجب رہِ حقیقت کہ نہیں نشانِ خلقت ÷ یہ کہاں مجالِ باطل کہ وہاں دو چار ہوتا

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال جو صورت دکھا سکے

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ اور کبھی اللہ کہہ کر شانِ الوہیت مراد لیتے ہیں، جس کے مقابل بندہ ہے۔ ہم بندے ہیں تو وہ اللہ ہے۔ ہم مربوب ہیں تو وہ رب ہے۔ ہم عابد ہیں تو وہ معبود ہے۔ ہم محب ہیں تو وہ محبوب ہے۔ بیٹا نہ تھا تو باپ نہ تھا۔ غلام نہیں تو آقا بھی نہیں۔ رب کو مربوب چاہیئے اور آقا کو غلام۔ اس خیال کو اشعار میں اس طرح پیش فرماتے ہیں۔

نہ نیاز تھا تو نہ ناز تھا نہ درِ کمال ہی باز تھا
مری جانِ جاں تھا نہاں رہا ترا ناز میرے نیاز میں

دنیا کی کشمکش ہے سب تیرے دم سے حسرت
سارا فساد تیرا جھگڑا تمام تیرا

بربادیِ عاشق سے کب رہتی ہے معشوقی
سب دم سے ہمارے ہے معشوقی و شیدائی

نہ دنیا کی مجھے حاجت نہ عقبیٰ سے مجھے مطلب
الٰہی تیری ہی خاطر مرا جینا ہے مرنا ہے

آئینہ تا بانم از بر برایم دل
زنہار کہ پیشِ من با ناز چنیں آئی

دادِ کمال و جمال ملے یہی تو وجہِ خلقت ہے
میری مجھی میں مخفی یار کی محبوبیت ہے
میں بھی نکلا کام ہی کا مجھ میں مرآتیت ہے
فقرِ گدایاں سے ظاہر ہوتی جود و سخاوت ہے

کیا فرشتوں کو خبر تھی کہ یہ خاکی پتلا ٭ جان پڑتے ہی طلسمات کا پتلا ہوگا

حضرت کا ارشاد ہے: "محمدیوں کی دعا ہے زدنی فیک تحیرا خدایا مجھے تجھ میں حیرت بڑھا۔ حیرتِ محمود میں چیز کے وجود کا تعین رہتا ہے مگر تعلیل و توجیہ میں حیرانی ہے کیونکہ نظامِ عالم عقل سے پرے ہے"۔ حضرت مقامِ حیرت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

غایتِ معرفت و علم ہے ناداں ہونا سرمہ دیدہ تحقیق ہے حیراں ہونا

سرگشتہ مثلِ مجنوں پایا تری گلی میں گر ہوش مند کوئی پہنچا تری گلی میں
دیوانگی پہ میری ہنستے ہیں عقل والے تیری گلی کا رستہ پوچھا تری گلی میں
ہم نے تو لاکھ ڈھونڈا کچھ بھی پتہ نہ پایا مجنون کدھر چھپا ہے لیلیٰ تری گلی میں

ہر طرف تگ و پو کی لاکھ کد و کاوش کی پر نہیں ملا حسرت آج تک نشاں اپنا

فرمایا۔ "اللہ اپنے سوا کسی اور سے ہماری پرورش نہیں کر رہا ہے، اپنی ذات سے کر رہا ہے مجھے الجھن نہیں پیدا ہوتی زیادہ بڑھیں گے تو حیرت ہوگی مگر الجھن نہیں"۔ چنانچہ حضرت کا شعر ہے

یہ وادیٔ حیرت ہے تسلیم سلامت ہے — اس جائے نہ اے حسرت کچھ چون و چرا کرنا

حضرت کا ارشاد ہے۔ "حیرتِ محمود والوں پر واحدیتِ اسماء وصفات کی تجلی ہوتی ہے تو کچھ توجیہہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور جب احدیت اور ذاتِ بے رنگ و بے چون و چگونہ کی تجلی ہوتی ہے تو حیران و بے خود کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ان کو نہ سر کی خبر رہتی ہے نہ پاؤں کی۔ صاحبِ محبت، حیرانِ محبت تو گھومتا رہتا ہے۔ قطبِ محبت کے اطراف حرکتِ دوری کرتا رہتا ہے۔ محبوب کے صدقے ہوتا رہتا ہے۔ محبوب کو چھوڑ کر جائے گا کہاں؟ جو سیدھا چلتا ہے حقیقتاً وہی ٹیڑھا راستہ چلتا ہے وہ مقصد سے دور ہے۔ حالانکہ جس کا طالب ہے اس سے وہ خود معمور ہے۔ اس کے لئے مبداء بھی ہے منتہیٰ بھی ہے، دونوں کے درمیان فاصلہ بھی ہے۔ جو حرکتِ دَوری کرتا ہے وہ ذات کا بندہ ہے۔ نہ اس کے کمال کی ابتداء ہے نہ اس کے کمال کی انتہاء"۔ اس خیال کو اس طرح پیش فرماتے ہیں۔

ایک گردش ہے صورتِ پرکار ÷ اور ٹھکانا نظر نہیں آتا

حضرت کا ارشاد ہے۔ "کیا عبد و رب میں کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ تعلق ہے تو کیا دونوں عین ایک ہیں؟ عین ایک ہیں تو ایک قدیم اور ایک حادث کیسا؟ اس الجھن کے سلجھانے میں ہر ایک نے حتی المقدور کوشش کی مگر اس کی معرفت میں جاہل کو بھی حیرت ہے اور عارف کو بھی حیرت ہے۔ اس تعلق سے فرماتے ہیں:

تو ہم ہے تو ہم ہے نہ قلت ہے نہ کثرت ہے — نہ مجھیں یہ تو حیرت ہے جو مجھیں یہ تو حیرت ہے

جانتا ہوں میں کچھ ہوں بے شک — پر یہ معلوم نہیں کیا ہوں میں
وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے — وہی سب کچھ ہے تو پھر کیا ہوں میں

دیکھا تو کچھ نہ پایا سوچا تو بس یہ سمجھا — اک نام رہ گیا ہے میرا تری گلی میں

نیستی میں ہوں نہ ہستی میں ہوں — بے نشانی ہے نشانی میری

زباں نے کچھ نہ دیکھا اور آنکھیں کچھ نہیں کہتیں — جو دیکھا آنکھ نے قاصر رہی اس میں زباں میری

حضرت کا ارشاد ہے۔ "وجودِ حقیقی جزیٔ حقیقی ہے۔ ناقابل تکثر ہے۔ اس کے مقابل کوئی شئے نہیں۔ اگر کوئی شئے ہوسکتی ہے تو وہ عدمِ محض، نیستیٔ محبت وہ تو مفہوم بلا مصداق ہے۔ کوئی شئے دائرہ وجود سے خارج نہیں۔ وہی ذات ہے، وہی موجود ہے، وہی نور ہے وہی حیات ہے، وہی علم ہے، قدیم اور بالذات موجود ہے۔ وجود باوجود بسیط ہونے کے تمام صفاتِ متضادہ کا منشاء ہے۔ بعدِ انتزاع علم میں کثرت ہے اور اس کا منتزع عنہ صرف وحدت ہے۔ اس خیال کو شعر میں اس طرح ظاہر کرتے ہیں

دائرے سے منتزع ہیں مرکز و قطر و محیط ÷ شانِ وحدت سے ہوئی ہے شانِ کثرت آشکار

یعنی حقائق الٰہیہ و اسماء وصفات کی کثرت سے متعدد ذوات کا موجود فی الخارج ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اسماء الٰہیہ امورِ انتزاعیہ ہیں اور ان سب کی ایک ہی ذات ہے اور وہ ذات واجبہ و ہویت حقہ ہے۔

فرمایا: "اللہ سے سب کو نسبت ہے مگر ایک نسبت کا حکم دوسرے پر نہیں لگاسکتے۔ تعین بولتے ہی اطلاق چھوٹ گیا۔ میں بولتے ہی گھٹے، متعین ہوگئے۔ اس کے بعد فنائیت کہاں؟ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم تجھ سے مرتبط ہیں، تیری وجہ سے قائم ہیں، ہم بالذات ہیں ہی نہیں"۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

مجھ کو مری بندگی مبارک　　تجھ کو تری شانِ کبریائی

حسرت کے پاس کیا دھرا ہے　　اک جان سو وہ بھی ہے پرائی

میں ہوں بھی سہی اور نہیں ہوں بھی سہی　　حسرت بخدا عجب تماشا ہوں میں

فرمایا - اللہ نے اپنی ذات پر تجلی کی تو اعیان ثابتہ نمایاں ہوئے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو سمجھا اس کا علم آیا یعنی صفات، حیات کے بعد (فیضِ اقدس) - پس حقیقت میں، خارج میں وجود ایک ہی ہے - اس بات کو مثال کے ذریعہ اس طرح سمجھایا - ایک لیمن کا شیشہ منھ بند ہے تو اس وقت ہم کو کیا نظر آئے گا؟ صرف لیمن - مگر لیمن کے اندر بلبلے ہیں - منھ کھولو تو وہ بلبلے پیدا ہوتے ہیں - اب لیمن کہاں ہے؟ بلبلوں میں - بلبلے لیمن میں تھے، عینِ لیمن تھے - کھلنے کے بعد بلبلے ظاہر ہوگئے - لیمن کہاں ہے؟ بلبلوں میں، عینِ بلبلے ہیں"- اسی خیال کو شعر میں اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

پہلے ہم تھے وحدت میں　　اب تو ہم میں وحدت ہے

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اپنی کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں " خدا کے اسمائے حسنیٰ بے حد و بے حساب ہیں - خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ اعیانِ اسماء اور حقائق اور صورِ علمیہ کو ملاحظہ فرمائے - یا یوں کہو کہ وہ اپنے آپ کو ملاحظہ فرمائے - مگر کس طرح - ایک موجود خارجی میں، جو جامع ہو اسرار کا اور مظہر تام ہو اسمائے الٰہیہ کا - ایسا ملاحظہ کیوں؟ اس لئے کہ کسی کا اپنے آپ کو خود ہی اپنے میں دیکھنا ایسا نہیں، جیسا کہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنا - یہ ملاحظہ آئینے کے حسبِ حیثیت ہوگا جو سامنے پیشِ نظر ہو - یہ ملاحظہ ہرگز نہ ہوتا جب تک آئینے پر وہ اپنی تجلی نہ ڈالتا اور آئینہ میں اس کا انعکاس و ظہور نہ ہوتا -

اسی خیال کو حضرت نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے

بقدرِ وسعِ آئینہ ہوا آئینہ گر ظاہر　　بنا کر آئینہ خانہ، وہی محوِ تماشا ہے

شیخ اکبر ابن عربی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :- "جب یہ ٹھیرا کہ حسبِ استعداد عینِ ثابتہ تجلیِ حق ہوتی ہے - تو متجلی یعنی دیکھنے والا مراتِ حق میں اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا - اُس نے ذاتِ حق کو اور شانِ تنزیہ کو ہرگز نہیں دیکھا اور ہرگز دیکھ ہی نہیں سکتا - ہاں اُس کو اتنا علم ضرور ہے کہ وہ حق میں خود کو دیکھ رہا ہے - جیسے تم آئینے میں اپنی صورت یا دوسروں کی صورتیں دیکھتے ہو تو کیا آئینے کو بھی دیکھتے ہو - ہرگز نہیں - آئینے کا کام دکھانا ہے نہ کہ دکھائی دینا - آئینہ اگر نظر آجائے تو وہ آئینہ نہ ہوا بلکہ ایک شیشے کا ٹکڑا ہوا - مگر اتنا ضرور سمجھتے ہو کہ میں آئینے ہی میں خود کو دیکھ رہا ہوں"-

حضرت لکھتے ہیں:

آئینہ کہے گا کیا، کیا تجھ میں ہے رعنائی　　پوچھ اُس سے تری قیمت تیرا جو ہے شیدائی

اس موقع پر حضرت کا ایک اور شعر ملاحظہ فرمایئے

میں جلوہ محبوب میں بُت بن کے کھڑا ہوں　　وہ بھی ہیں کھڑے محوِ تماشا میرے آگے

حضرت ہی کا ایک دوسرا شعر ہے

آئینہ رو کے سامنے ہم بن کے آئینہ　　حیرانیوں کا ایک تماشا کریں گے ہم

مندرجہ بالا اشعار میں حضرت نے یہ بتلایا ہے کہ ہمارے اپنے آپ کو دیکھنے کا آئینہ حق تعالیٰ ہے اور حق تعالیٰ کے اپنے اسماء اور ظہورِ احکام کے دیکھنے کا آئینہ ہم ہیں -

فرمایا - "الاول تو احدیت ہے - والاخر و احدیت ہے - والظاہر واحدیت ہے - والباطن احدیت ہے - یہ کیا بات ہے کہ پہلے احدیت اور پھر واحدیت بولے اور اس کے بعد واحدیت کو پہلے اور احدیت کو بعد لائے -

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک تھا۔ اپنے کمالات بتلانے کے واسطے واحدیت میں آیا۔ تنزل کرکے ہم تک پہنچا۔ تم ترقی کرکے اس تک پہنچو۔ تم ترقی کیسا کریں گے؟ یہ تمام صفات کے جھگڑوں کو چھوڑ دو اور واحدیت سے احدیت کی طرف جاؤ۔ جب تک یہ صفات کے جھگڑے نہ چھوڑیں احدیت کو نہیں جاسکتے۔ حضرت کا شعر ہے:

جس کا ہے اُس کو دے دے   واجب ردِ امانت ہے

فرمایا۔ "وہ" "ھو" بنا، حلق سے ہونٹوں تک آیا۔ اب تم ہونٹوں سے حلق تک پہنچو۔ "وہ" ہو۔

فرمایا۔ "اول اللہ چھپا ہوا تھا، کوئی جانتا نہ تھا۔ اب اس نے اپنے اوپر ایک پردہ ڈالا یعنی تعین لیا۔ تو اب اس تعین کے لحاظ سے ایک حکم ہے اور اُس عدمِ تعین کے لحاظ سے دوسرا۔ تو پردے کے اندر کا معشوق اور پردے کے باہر والا عاشق"۔ فرماتے ہیں:

اس شوقِ تماشا نے اُس کو بھی کہاں چھوڑا

پردے سے نکل آیا خود بن کے تماشائی

فرمایا۔ اب عاشق جیسا جیسا پردے اٹھاتا جائے گا، تعین ویسا ویسا کم ہوتا جائے گا اور اتنی ہی معشوقیت اُس عاشق میں بھی آتی چلی جائے گی۔ پس تعین کا کمال یہی ہے کہ تعین سے نکل کر اُس بے رنگی میں جاملے۔ پردے اٹھانے کے لئے طلب کی ضرورت ہے اور طلب عشق ہے۔ سب وہی ہے دوسرا ہے کہاں؟ جو اُس کا عاشق بنے۔ لکھتے ہیں:

اے جذبہ عشق تیری کیا بات   لیلےٰ باہر نکل ہی آئی

مجنوں کا لباس زیبِ تن تھا   لیلےٰ جس وقت باہر آئی

مجنوں نے جو دیکھا آئینے کو   لیلےٰ کی شکل اُس میں پائی

دیکھا تو وہ چیز اور ہی تھی   کچھ اور ہی تھی سنی سنائی

فرمایا۔ "اللہ میاں میں دو باتیں ہیں۔ اجمال، تفصیل۔ تفصیل یہ چاہتی ہے کہ میں اجمال میں جاکر فنا ہوجاؤں اور اجمال چاہتا ہے کہ خود کو تفصیل میں دیکھوں یہ دونوں خدا کی شانیں ہیں۔ اجمال میں محبوبیت اور تفصیل اُس کی عاشق۔ اجمال میں وہ پکارتا ہے کہ، ہے کوئی مجھے دیکھنے والا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

دریا پکارتا ہے ادھر دیکھ اے حباب ÷ تیرے لئے میں تیری طرح بے قرار ہوں

فرمایا۔ اس کے بعد تفصیل میں ہر ایک کہتا ہے کہ میں ہوں تیرا عاشق چنانچہ لکھتے ہیں

تو کمالِ حسن سے سرفراز مجھے تیرے عشق سے امتیاز

نہ تری نظیر ہے ناز میں نہ مری نظیر نیاز میں

وہ باندھ کے بیٹھا ہے دامن ترے دامن سے

دیوانہ پہ قرباں ہے داناؤں کی دانائی

حسن و عشق کی کرشمہ سازیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

سیر گہ میں دل کسی نے لے لیا — کیا تماشے میں تماشا ہوگیا
آنکھ ملنے کا بہانہ ہوگیا — دل پہ اس ظالم کا قبضہ ہوگیا
یاں ہماری ہوگئی مٹی خراب — اور ان کا اک تماشا ہوگیا
آنکھ ملتے ہی ہمارے دل پہ اک بجلی گری — کچھ خبر ہم کو نہیں باقی کہ پھر کیا ہوگیا

حسن و عشق کے بارے میں اشعار ملاحظہ ہوں، لب و لہجہ واردات کا پتہ دیتا ہے

عشق ہے اک بلائے جاں حسن ہے آفتِ جہاں
وادیِ حسن و عشق میں جان کے کوئی جائے کیوں
عشق ہے دل لگی نہیں کھیل نہیں ہنسی نہیں
دل کو خود اپنے ہاتھ سے دے کے یہ ہائے ہائے کیوں

مرضِ عشق کو وہ کیا جانے — اس میں جو مبتلا نہیں ہوتا
عاشقی ہے حوصلہ مندوں کا کام — یہ بھی کیا کچھ کھیل ٹھٹا ہوگیا
جان دینے کا محبت نام ہے — عشق کرنے کو کلیجہ چاہیئے
عاشقی کیا ہے اک گناہِ عظیم — زندگی بھر عذاب ہوتا ہے
بلا خیز ہے عشق کی سرزمیں — وہاں عاشق بے جگر جائیں گے
مجلسِ عشق میں ہوگی حسرت — خوب ہی مرثیہ خوانی میری
مکتبِ عشق میں معلوم نہیں لے گا کون — درسِ افتادگی و درسِ فنا میرے بعد

دردِ دل کی قیمت کا یوں اندازہ کراتے ہیں

مضغۂ گوشت سے سوا نہ ہوا — دل اگر درد آشنا نہ ہوا
دو جہاں بیچ کر حسرت اسے حاصل کرلے — لذتِ درد جو مل جائے کہیں تھوڑی سی

درد تو لاعلاج بن او شبِ غم دراز ہو
میں رہوں اور بے کسی کوئی نہ چارہ ساز ہو
سینہ میں دل کباب ہو آنکھوں میں سیلِ آب ہو
نغمہ طرب فزا نہ ہو، نغمہ فزا نہ ساز ہو

لذتِ درد پہ میں جیتا ہوں — کونسی مجھ کو اور راحت ہے
دل کا میرے درد وہی میری آہ سرد وہی — میرا جینا اور مرنا لا الہ الا اللہ
دردِ محبت ہے ایک نعمت — ہو کیوں نہ پیارا ربی ربی

محبت کے تعلق سے جو محبوب و محب کو ایک کرتی ہے لکھتے ہیں :۔

میں عینِ کامرانی اس کو سمجھوں راہِ الفت میں — اگر اڑ جائیں کوئے دلربا میں دھجیاں میری
محبت سے ہرگز نہ پھیریں گے منھ — محبت میں گھل گھل کے مرجائیں گے
محبت میں مرنے کو تیار ہیں — تو کیا چیز ہے جس سے ڈر جائیں گے
محبت کی گر ہے یہی صبح و شام — تو اک دن جہاں سے گذر جائیں گے
محبت نے نہ چھوڑا جز خیالِ یار کچھ دل میں — عوض خوں کے خیالِ یار نکلے گا جو دل چیریں

محبوب سے مخاطبت ملاحظہ ہو

آمرے دل میں کہ غیروں کا نہیں اس میں گذر
پردہ غیروں سے اگر تجھ کو ہے کرنا منظور
یہ حجرہ کا تمہیں منظور کہ یہ گھر مطلوب
آنکھ میں رہنا ہے بہتر کہ مری جاں دل میں
اس سے بہتر نہیں پردہ کا کوئی اور مقام
تم کو چھپنا ہو تو چھپ جاؤ مری جاں دل میں

خودستائی کے تو قائل نہ کبھی ہم ہونگے — داد لینی ہے تو پردہ سے نکلنا ہوگا
بھلا آئینہ میں کبھی تم نے دیکھا — تمہیں جن نگاہوں سے ہم دیکھتے ہیں
دیکھو کیا کہتے ہو دنیا میں ہے مجھ سا کوئی — آئینہ ہاتھ میں اور دعویٰ ہے تنہائی کا
لاکھ نیچی نظر رکھو اپنی — کہیں چھپتی ہیں پیار کی آنکھیں
نگاہِ محبت سے گر دیکھ لو — گلے سارے دل کے اتر جائیں گے

حضرت کا ارشاد ہے :۔ " اہلِ توحید یہ فرماتے ہیں کہ موجود بالذات صرف خدائے تعالےٰ ہے اور جس قدر جتنے موجودات ہیں وہ سب خدا کی صورتیں ہیں ، امتیاز کے لئے مختلف نام رکھ دیئے گئے ہیں ۔ یعنی تمام موجودات عینِ حق ہیں ۔ پس خدا کے سوا بندے کو بھی موجود سمجھنا شرک ہے ۔ بھلا کس کی مقدور ہے کہ خدا کے سامنے اپنے موجود ہونے کا دعویٰ کرسکے "۔

اسی خیال کو رباعی میں اس طرح پیش فرمایا ہے

زعمِ باطل کی بادہ مستی کب تک — ناداں یہ ادعائے ہستی کب تک
تو بھی موجود اور حق بھی موجود — ظالم یہ شرک و خود پرستی کب تک

حضرت کا ارشاد ہے :۔ " دیکھو خدائے تعالےٰ فرماتا ہے ، ھوالاول و الاخر و الظاھر و الباطن ۔ وہی اول ہے ، وہی آخر ہے ، وہی ظاہر ہے ، وہی باطن ہے ۔ سنو ! قاعدہ یہ ہے کہ جب اضداد بیان کئے جاتے ہیں جیسے روز و شب ، لیل و نہار خورد و بزرگ ، زن و مرد تو اس سے کل اور سب افراد مراد ہوتے ہیں ۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب خبر پر ال یعنی الف لام آتا ہے تو حصر کے معنیٰ پیدا ہوتے ہیں ۔

لہذا آیت کے معنیٰ یہی ہوئے کہ وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔

اسی خیال کو اشعار میں اس طرح پیش فرمایا ہے۔

وحدت میں اس کی حرف دوئی کا نہ آسکے ـــــ آئینہ کیا مجال جو صورت دکھاسکے
وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے ـــــ وہی سب کچھ ہے تو پھر کیا ہوں میں
جانتا ہوں کہ میں کچھ ہوں لیکن ـــــ پر یہ معلوم نہیں کیا ہوں میں
ہم نے تو لاکھ ڈھونڈا کچھ بھی پتہ نہ پایا ـــــ مجنوں کدھر چھپا ہے لیلیٰ تری گلی میں
ہے غیر ترا معدوم اور غیب میں تو مکتوم ـــــ پھر جلوے یہ کس کے ہیں یارب مجھے بتلادے
مرآتِ حقائق ہے یہ دنیا مرے آگے ـــــ ہر ایک میں ہے یار کا جلوہ مرے آگے
نیرنگیٔ اشکال ہے نیرنگِ مرایا ـــــ سو رنگ میں ہے ایک ہی جلوہ مرے آگے

ایک مرتبہ درس میں فرمایا۔

"آپ آنکھوں سے جو دیکھ رہے ہیں، کانوں سے جو سن رہے ہیں یہ سب خدائے تعالیٰ کی تجلیات ہیں۔ یاد رکھو! خدائے تعالیٰ کی تجلی ہمیشہ تشبیہ میں ہوگی۔ کیونکہ تنزیہ ذات میں دوئی کی گنجائش ہی نہیں تو اسے دیکھنے والا کہاں سما سکتا ہے۔

اسی خیال کو اشعار میں اس طرح پیش فرمایا ہے۔

جب وہ نہوں تو میں ہوں نہوں میں تو وہ رہیں
حسرت یہ رنگ ہو تو میں کیا کامگار ہوں

ہوگئے مدہوش پہنچی ہم کو جب بوئے شراب
یعنی پہنچے بھی نہیں تھے تا درِ میخانہ ہم

جستجو میں ان کی ہم خود کھوگئے ـــــ چاہتے کیا تھے مگر کیا ہوگیا
حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد ـــــ رہ گئے ہائے مرے دل کے سب ارماں دل میں
درِ یار پر شہادت یہ کہاں تھی میری قسمت ـــــ مجھے بامزہ تھا مرنا جو ہزار بار ہوتا
مرے حصہ میں شب و روز جگر کاوی ہے ـــــ مری قسمت میں کہاں یار کا مہماں ہونا

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اہل درس سے فرمایا۔ "یہ بات یاد رکھو کہ جو چیز اوپر کے عوالم سے ہوکر عالم شہادت میں آئے گی اس عالم کے آثار کے ساتھ آئے گی اس طرح دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے خدائے تعالےٰ کی تجلیات ہی کا ظہور ہے"۔ "میں یہاں ہوں"۔ "آپ نے مجھے دیکھا۔ وہ کیا چیز ہے جس پر آپ کی نظر پڑی؟ آپ کی نظر" ہے "یعنی وجود پر پڑی اور وجود بالذات تو اللہ ہی کا ہے۔ اللہ کی ایک صفت ھوالظاھر بھی ہے۔ جو اللہ کو ظاہر نہ سمجھے اُس کے ایمان میں نقص ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں

جس طرف دیکھتا ہوں تو ہی ہے ـــــ غیر تیرا نظر نہیں آتا
پرگشت دل و جانم از جلوہ جانانم ـــــ در چشم من اے حسرت جز یار نمی گنجد

ترا جس کا ہو ارادہ وہی روبرو ہو پیدا ترا قصدِ یار ہوتا تو وہ تیرا یار ہوتا

حضرت کا ارشاد ہے : میں پوچھتا ہوں وجود سے پہلے کیا ہے ؟ کچھ نہیں ۔ وجود کے بعد کیا ہے ؟ کچھ نہیں ۔ بس "ہے" کے ساتھ وجود آجاتا ہے ۔ اچھا جو ازلی و ابدی ہو ، جو سب کی اصل ہو ، وہ کیا ہے ؟ وہ "حق" ہے اللہ ہے لا الہ الا اللہ ۔ یہ سب باتیں کس نے سکھائیں ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔ پس خدا کے سوا کسی اور کو موجود سمجھنا شرک فی الوجود ہے اور شرک فی الوجود سے بدتر کیا بات ہوگی ۔ ذاتِ باری میں اُس کی احدیت میں کسی ممکن کا کیا دخل ہے ۔ بندہ تو وہی ہے جو کچھ نہ رکھے ۔ یاد رکھو جتنا خالی ہوتے جاؤ گے اتنا ہی بھرتے جاؤ گے ۔ کچھ نہ رکھو گے تو سب کچھ ہوجاؤ گے ۔ اللہ بس باقی ہوس ۔ یہ لوگ وجود الوجود اور ہمہ اوست کے قائل ہیں ۔

اسی خیال کو اشعار میں بطور تعلیم پیش فرمایا ہے ۔

یہ کہاں کی غیریت ہے کہ بنی حجابِ وحدت اسے گر سمجھتے ظاہر تو وہی دو چار ہوتا

دل سارے جہاں سے اٹھادے جو غیرِ خدا ہو بھلادے
خود اپنے کو بھی مٹادے بس یار کو تونے پایا رے

مری ہستی ہی کیا ہے میں نہیں ہوں وہی جلوہ فزا ہے میں نہیں ہوں
خیال اس یار کا ہے میں نہیں ہوں وہ کیسا بتلا رہا ہے میں نہیں ہوں
وہ چھپ سکتا نہیں ظاہر وہی ہے وہی اک برملا ہے میں نہیں ہوں
اسی کی ذات ہے بالذات قطعاً تماشا یار کا ہے میں نہیں ہوں
میں پہلے ہی کہاں تھا جو فنا ہوں فنا میں کیا دھرا ہے میں نہیں ہوں
خدا کے سامنے ہستی کا دعویٰ سوا باطل کے کیا ہے میں نہیں ہوں
نہیں ہوں میں نہیں ہوں میں نہیں ہوں خدا ہی ہے خدا ہے میں نہیں ہوں
کہاں تک یہ خودی باطل پرستی یہی اس کی دوا ہے میں نہیں ہوں
خدا کو جس نے پایا وہ کہاں ہے وہ کھو کر کہہ رہا ہے میں نہیں ہوں
جو بندہ ہے وہ ہے اک وہمِ باطل یہ باطل جانتا ہے میں نہیں ہوں

نہیں معلوم حسرت کو کوئی بات
پر اتنا جانتا ہے میں نہیں ہوں

منظور منظور اے اہلِ دنیا اللہ میرا باقی تمہارا
اے ذاتِ تو مجمع الکمالات میں بھی ہوں کمالِ بے کمالی

حضرت فرماتے ہیں ۔ یاد رکھو ! تین مفہوم ہیں ۔ واجب بالذات ، ممکن بالذات ، ممتنع بالذات ۔ واجب کا وجود ضروری ہے ۔ ممتنع کا وجود محال ہے ۔ ممکن بالذات معدوم ہے ۔ وہ وجودِ واجب تعالےٰ سے موجود ہوتا ہے ۔ لہٰذا واجب بالذات نہ ممکن بالذات ہوسکتا ہے نہ ممتنع نہ ممکن واجب ہوسکتا ہے نہ ممتنع ۔ نہ ممتنع واجب ہوسکتا ہے نہ ممکن ۔ ورنہ انقلابِ حقائق لازم آئے گا ۔ بہر حال ممکن اور بندے سے وجوبِ ذاتی و استغنائے ذاتی کبھی نمایاں نہ ہوں گے ۔ بندہ ہمیشہ سرافگندہ ۔

چنانچہ لکھتے ہیں ۔

جو کچھ ہے وہ آقا کا کچھ بھی نہیں بندے کا — حسرت ترا بندہ ہے وہ تجھ کو بھلا کیا دے
نازشِ حسرتِ بیچارہ کہ بیچارہ رہے — کبریا تیری ردا فخر ہے جامہ تیرا
دے کے اس کا مال اس کو ہم نے اس کو لے لیا — کیسے ہیں دادوستد میں عاقل و فرزانہ ہم
للہ الارض والسمٰوات — میری ہر چیز ہے پرائی
مجھ کو مری بندگی مبارک — تجھ کو تری شانِ کبریائی
حسرت کے پاس کیا دھرا ہے — اک جان سو وہ بھی ہے پرائی

حضرت کا ارشاد ہے۔ "کمالات وجودِ واجب تعالیٰ کی وجہ سے نمایاں ہوتے ہیں نقائص، عدم اور امکانِ ذاتی کا تقاضہ ہیں۔ تو بندے کو چاہئیے۔ عیوب و نقائص میں خود کو اللہ کی سپر بنائے اور ذاتِ حق تک نقائص کو پہنچنے نہ دے اور کمالات و محامد میں ذاتِ حق کو اپنی سپر بنائے یعنی کمالات کو اُس کی طرف منسوب کرے۔

حضرت کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

نہیں نقدِ عمل کچھ بھی مرے جیب و گریباں میں — مگر دل میں ہیں یارب تیرے محبوبوں کی تصویریں
میں سراپا ہوں گنہ گار مگر — یا الٰہی ترا بندہ ہوں میں
مردِ خدا رسیدہ ہے ایک ہی برگزیدہ ہے — جس پہ جہاں کو ناز ہو اس کو نہ کوئی ناز ہو
حسرت کی جھولی خالی ہے — مانگے گا نہ کیوں سائل ہی تو ہے
کام کا کچھ نہیں ہوں میں یارب — بخش دے اپنی مہربانی سے
ظاہر خیر و شر سب کا — کرتا رب العزت ہے
بُرا بھلا ہم کرتے ہیں — منشاء کیونکہ طبیعت ہے

حضرت کا ارشاد ہے۔ " ارادے کے بعد جو افعال ہیں ان میں اختیار ہے خواہ ارادہ اور ارادہ سے پیشتر جو امور ہیں ان میں اختیار نہیں۔ کیونکہ اگر ارادہ بغیر ارادہ کے نہ ہو بلکہ ارادہ سے ہو تو ارادہ کے لئے ارادہ اور اس کے لئے ارادہ لازم آئے گا جو مستلزمِ تسلسل ہے۔

اسی خیال کو اشعار میں اس طرح ظاہر فرمایا ہے

قبلِ ارادہ ہیں مجبور — بعدِ ارادہ قدرت ہے
کامل علت ہے عاجز — ناقص میں کچھ قدرت ہے
نظمِ جہاں میں عاجز ہیں — جزئی طور سے قوت ہے
مقصد مرا وہی ہے جو مطلب ہے یار کا — میں اپنے اختیار میں بے اختیار ہوں
جب اس کا ارادہ چلتا ہے — پھر اپنا ارادہ کون کرے
قربِ فرائض گر پوچھو — اور ہی ترکِ ارادت ہے
ترکِ ارادی اور ہے شئ — اور ہی ترکِ ارادت ہے

اندازِ فکر اور نقطہ نظر

اندازِ فکر و نقطہ نظر

صفحہ

اسلامی تہذیب و تمدن، حکومت و سیاست کے عنوانات پر حضرت کا اندازِ فکر اور نقطہ نظر

قرآن و حدیث پر گہری بصیرت رکھنے کی وجہ سے حضرت، شریعت کی روح اور ساتھ ساتھ اپنے زمانہ کے مزاج سے بھی خوب واقف تھے۔ جس کا نتیجہ تھا کہ علماء، فقراء، مشائخین، صاحبانِ ثروت و عزت سب کے لئے قابلِ قبول اور محترم ہستی تھے۔ علمائے دین، پیشوایانِ ملت، لیڈران قوم ہر ایک حسب حیثیت اس پیکر علم و عمل سے مستفید ہوتا تھا۔ اس مضمون کے مطالعہ سے جہاں اسلامی تہذیب و تمدن، حکومت و سیاست کے عنوانات پر حضرت کے اندازِ فکر اور نقطہ نظر کا تھوڑا بہت اندازہ ہوجائے گا وہیں تازہ احساسات اور رجحانات کے صحیح ادراک کے ساتھ ہماری موجودہ زندگی کے خد و خال آنکھوں کے سامنے آجائیں گے۔ قوم کی حقیقی روح کا بہترین عکس بھی پیشِ نظر ہوجائے گا۔ اور قوم کے قوائے فکر و عمل کو پھر سے مجتمع کرکے ملی جمیعت کو مستحکم بنانے کا شعور بھی بیدار ہوگا۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں حالتوں کی درستی کے لئے موجودہ ماحول میں راستہ متعین کرنے میں مدد ملے گی۔

پارٹی بندی اور لیڈری کی وبا حضرت کے معتقدین، مریدین، ملاقاتیوں اور شاگردوں کا نہایت وسیع حلقہ تھا۔ مگر آپ نے کبھی کسی سیاسی تحریک میں حصہ لیا نہ کوئی پارٹی اور جماعت تشکیل دی، اور نہ کسی پارٹی سے کوئی تعلق رکھا۔ کیونکہ آپ کی افتادِ طبیعت پارٹی بندی کی وباء سے ہمیشہ کراہت کرتی رہی۔ چنانچہ پارٹی بندیوں کو ملت واحد کے حق میں باعثِ افتراق سمجھتے تھے۔ اتحاد المسلمین کو ضروری خیال کرتے تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے "آج کل کے مسلمان نہ کام کے نہ کاج کے۔ پارٹی بازی ہے، خود مختاری ہے نہ ان کا کوئی پیشوا ہے نہ لیڈر۔ ہر ایک لیڈری کا مدعی ہے اور فالوور ندارد۔ سب امام ہیں بغیر مقتدی کے۔ عمل سے کوسوں دور۔ غیر مسلم منظم ہیں، برسرکار ہیں، صنعت و حرفت، علم و کمال کی تحصیل میں منہمک ہیں۔

گندم نما جوفروشی حضرت ان لیڈروں و پیشواؤں سے متنفر تھے جن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جاہل اور جذباتی عوام کو برانگیختہ کرکے اپنی ہوس رانیوں کا آلہ کار بنائیں۔ ایسے اشرار جن کی زندگی کا نہ کوئی مقصد تھا اور نہ صحیح نصب العین، وہ اٹھے، رسوا ہوئے اور چل بسے لیکن ملت کو نقصانِ عظیم پہنچا گئے۔ ایسے خود غرض لیڈروں، گندم نما جوفروشوں کا آپ نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔" مختلف اصول سے، مختلف ناموں سے، مختلف مقاصد کو پیش کرکے قوم سے چندہ حاصل کرنا، سارا پیسہ پنڈالوں کی تیاری میں فرسٹ کلاس کے کرایوں میں، کچھ اپنے معین و مددگاروں میں، جو حقیقت میں ان کے قرابت دار ہیں، صرف کردینا لیڈری کے لوازم سے ہے۔ غریب مولوی، مشائخ جن کو وہ اپنے لئے مانع و مزاحم سمجھتے ہیں ان پر لعنت کروانا، تبرا کروانا، رات دن ان کی غیبت کرنا، مذہب کو مانع ترقی سمجھنا اور پھر مذہب ہی کا نام لے کر مسلمانوں کو برانگیختہ کرنا، عملی کام پوچھو تو خاک نہیں۔ شور پکار بہت ہے۔ نہ حقیقی حبِ قومی ہے نہ دین و مذہب کی حمیت۔ غرض دین ہے تو پیسہ ہے اور عزت ہے تو پیسہ ہے۔ خدا محفوظ رکھے اس لیڈری سے اور اس کے شر سے"۔

لیڈرانِ قوم کو مشورے اور ہدایات ان اصحاب کو جو سیاست میں حصہ لیا کرتے اور ملاقات کو آتے حضرت ہر وقت یہی تاکید فرماتے کہ کسی امر میں فیصلہ کرنے سے پیشتر اخلاص سے ہزار بار مل کر سوچو۔ جب فیصلہ کرچکو تو باہم ایک ہوکر اس پر مضبوطی سے قائم ہوجاؤ و اذا عزمت فتوکل علی اللہ ۔ باتوں کی جمع خرچ اور خیالی منصوبہ بندیوں کی مذمت فرماتے ۔ ان سے پوچھتے ، کچھ معلوم ہے ؟ تمہارے محلہ میں کتنی بیوائیں ، کتنے یتیم بچے ہیں ؟ کتنے لونڈے آوارہ گردی کررہے ہیں ؟ کچھ ان کی تعلیم و تربیت کا بھی خیال ہے ؟ ان کو متنبہ فرماتے کہ اہلِ کتاب و مشرکین دونوں کے میٹھے میٹھے الفاظ پر نہ جاؤ ۔ ان کے وعدوں پر اعتماد نہ کرو ۔ یہ کبھی نہیں چاہتے کہ تم کو کسی قسم کی بھلائی پہنچے ۔ اللہ کی اطاعت کرو ، آپس میں اتفاق پیدا کرو ، باہم قابلِ اعتماد بنو ۔ بے منشاء پر تشدد مظاہروں کی مخالفت فرماتے ۔ گذشتہ کے ان تلخ تجربوں کو جن کو مسلمان اٹھاچکے تھے اور جو بے سوچے سمجھے سیاست میں کود پڑنے کا نتیجہ تھے ، بیان فرماتے ۔ باقاعدگی ، نظم و ضبط ، مناسب تربیت ، رازداری اور وقت کی مناسبت سے کام کرنے کا مشورہ دیتے ۔ ہر قسم کے امکانات پر غور و فکر کرنے کی تاکید فرماتے ۔ اور ہر کام میں مستحکم لائحہ عمل کی ضرورت پر زور دیتے تھے ۔ مختلف تاریخی مثالوں سے ظاہر فرماتے کہ قربانی کے بغیر کوئی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا ۔ مگر بے سوچے سمجھے قربانی محض حماقت ہے ۔ مہمل ہے ۔ لیڈری آسان نہیں ۔ اس کو معلوم رہنا چاہیئے کہ کہاں رکنا ہے ؟ کہاں بڑھنا ہے ؟ کہاں اقدام کرنا ہے اور کہاں صرف مدافعت کرنی ہے مسلمانوں کی جان نہایت قیمتی ہے ، خدا کی امانت ہے ، کھیلنے کے لئے نہیں ہے ۔ دشمن سے ہر وقت ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے ۔ قائد کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ، ماضی کے بیش بہا ورثہ کی یاد دلاتے ۔ ہر جزئی امر اور ہر معمولی عمل کو زیر نگاہ رکھنے کی افادیت سمجھاتے کہ معمولی جزئیات آئندہ امور کے خد و خال بناتی ہیں ۔ آج کی فکر میں فرد اسے غافل نہ ہونے کی ہدایت فرماتے ۔ اندھی تقلید کو ناپسند کرتے ۔ اتحاد پر زور دیتے کہ اتحاد میں قوت ہے ۔ اصل سیاست قوت ہے ۔ قوت کے بغیر سیاست ناممکن العمل اور بے کار ہے ۔ فرمایا کرتے :" پارہ نقطہ اعتدال پر رہے ۔ گرمی زیادہ ہوئی تو حرارت اور موت ، گرمی کم ہوجائے تو ضعف اور موت "۔ ارشاد فرماتے : یاد رکھو ! قوم کے گنہگار مت بنو ۔ قومی گناہ کروگے تو تمام افرادِ قوم کے گنہگار بنوگے ۔ ناجائز طور سے ایک پیسہ قوم کا لینا تمام قوم کے افراد کو بازپرس کرنے کا حق دینا ہے ۔

حضرت کیا چاہتے تھے ؟ حضرت چاہتے تھے کہ مسلمان کسی حالت میں رہیں ، لاکھ پستی میں رہیں ، لیکن ان کی روح بیدار رہے ، مضطرب اور بے قرار رہے ، حرکت میں رہے ۔ ان کا مخصوص مزاج قومی متاثر نہ ہونے پائے تاکہ وہ پھر سے اٹھ کھڑے ہوسکیں ۔ نام رجسٹر مردم شماری میں مسلمانوں کی فہرست میں لکھادینے سے کیا ہوتا ہے ۔

حضرت کو ہر وقت یہی فکر رہتی کہ مسلمانوں میں نئی قوت پیدا ہوجائے اور ان کی کھوئی ہوئی حیثیت پھر سے واپس آجائے ان کا مقام بلند اور مستحکم ہوجائے ۔ مسلمانوں کی اقتصادی ، تعلیمی ، مذہبی اور سیاسی پستی اور ان کی زبوں حالی کا شدید احساس تھا ۔ اور اس سلسلہ میں جب بھی ارشادات ہوتے حضرت کے وفورِ غم کے ترجمان ہوتے ۔ مسلمانوں کی ترقی ، خوشحالی اور ان کے درخشاں مستقبل کے لئے ہر وقت رب العزت سے دست بدعا رہتے ۔ دعا کرتے کہ اللہ مسلمانوں کو منافقین کے شر سے بچائے ۔

منافق حضرت نے حال کے منافقوں کے چہروں کو اس طرح بے نقاب کیا ہے۔ "قدیم منافق کہتے تھے مسلمان بڑے بھولے ہیں۔ اپنے خیر و شر کو نہیں سمجھتے۔ دین کی حمیت، پیغمبر کی حمیت میں جان قربان کرنے تیار ہوجاتے ہیں۔ ان کو ڈپلومیسی سے کیا تعلق؟ سیاست سے کیا تعلق؟ ہم سیاست مدن کے ماہر ہیں۔ ہم فلسفہ سیاست سے واقف ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جان و مال بھی بچے اور کامیابی بھی اس کے ساتھ رہے۔ عاقل وہی ہے جو حکمت عملی سے اپنا مقصد حاصل کرے۔ ہم مسلمانوں سے بھی ملتے ہیں اور منکران اسلام سے بھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں لڑائی بھڑائی نہ ہو۔ امن چین حاصل رہے۔ کافر اگر جہالت کرتے ہیں تو ہم کو جہالت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ عقلمند وہ ہے جو ایک ضرب سے دو فاختے گرائے۔ خیر یہ تو زمانہ نبوت کے منافق تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب کیا ہورہا ہے؟ ان ہی کے نظریے ان کے سر میں ہیں ان ہی کے اصول ان کے دل میں ہیں۔ پہلے اپنے کو مسلمانوں کا بڑا ہمدرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قومی معاملات میں چندے دینے سے دریغ نہیں۔ مسجدوں میں نعرہ تکبیر لگانے میں بڑے مستعد مگر اس کے ساتھ ساتھ کافروں کے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ۔ ان کی ہاں میں ہاں ملانے اور ان کے پاس جھوٹی عزت حاصل کرنے میں بڑے شوق مند۔ مسلم اور منکرِ اسلام کا معاملہ پڑے تو بڑے روادار یعنی مسلمانوں کو کٹوانے اور غیر مسلموں کی تائید کرنے میں بڑے مستعد۔ واہ ری رواداری! مسلم، غیر مسلم کے تقرر یا گتہ دینے کا مسئلہ آتا ہے تو غیر مسلموں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مسلمانوں سے کام لینے کا حوصلہ نہیں مگر ان کو نا اہل ثابت کرنے کے لئے بڑے تیز زبان، ساری زبان آوری اور فصاحت، تمام آریہی مسلمانوں کی ہجو میں صرف ہوتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی ہمدردی میں کہا گیا۔ مسلمانوں کی جان و مال کو کھوٹے داموں منکرانِ اسلام کے ہاتھوں بیچ ڈالا جاتا ہے۔ وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ۔ برادرانِ یوسف نے یوسف کو چند کھوٹے داموں پر بیچ ڈالا۔ یہ انھیں کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ خود کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں مگر ہیں یہ بدنصیب، سخت بے وقوف، نہایت نادان، بالکل جاہل۔ قوم سے اسس کے ارکان کی عزت ہے۔ جب قوم ہی نہیں تو افراد کدھر؟ اللہ مسلمانوں کو عقلِ سلیم، قلبِ صمیم، فہم مستقیم عطا کرے۔" (ماخوذ از تفسیرِ صدیقی)

قوم حضرت نے قوم کی تعریف اس طرح فرمائی ہے۔ "جو لوگ باہمی تعاون اور معاہدات سے ایک دوسرے کی حفاظت اور اعانت کرتے ہیں وہ سب ایک قوم سمجھے جاتے ہیں۔ جن لوگوں میں اس قسم کا اتحاد نہیں اور ان کا مرکزِ تعاون الگ ہے وہ دوسری قوم خیال کئے جائیں گے۔ اسلام نے چونکہ فرقِ اسلامیہ کو باہمی تعاون کی تاکید سے ایک کردیا ہے اس لئے تمام مسلمانوں کی ایک ہی قوم ہے۔ (ماخوذ از "دینِ فطرت" مصنفہ مولانا عبدالقدیر)

قومیت کا رشتہ اتحاد حضرت لکھتے ہیں۔ "اس وقت دنیا میں بیسیوں قومیں آباد ہیں۔ مگر ان کی قومیت کا رشتہ اتحاد کہیں ہم قبیلہ ہوتا ہے، یا ہم وطن، یا ہم زمین ہوتا ہے، یا ہم رنگی یا ایک زبانی۔ ہر شخص اپنی قوم کو اعلیٰ و برتر سمجھتا ہے اور دوسری قوم کو ادنیٰ اور ذلیل جانتا ہے۔

ہندوستان میں لاکھوں کرسچین ہوگئے ہیں۔ کیا ان میں کوئی یوروپینوں کے گرجے میں جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ نازی، فاسسٹی کوئی اپنی مفتوحہ رعایا کو اپنی قومیت میں شریک کرلیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ رڈ انڈین فنا تو کئے جارہے ہیں مگر امریکہ کی قومیت

میں ہرگز شریک نہیں کئے جاتے ۔ آرین کئی ہزار سال سے ہندوستان میں ہیں مگر ہیں آرین ، غیر ملکی ، بدیسی ، نہ روٹی نہ بیٹی ۔ یہ بدیسی قومیں ملکیوں کو شودر اور نیچ کہتی ہیں ان کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرتی ہیں ۔ رسوئی کے پاس سے کتا گزرے پروا نہیں مگر کوئی مسلمان یا اچھوت نہ گزرے ، نہ پانی لے جانے والے کو ہاتھ لگائے ۔ جاہل بدکار برہمن بھی عالم نیکوکار ملکیوں سے اعلیٰ و افضل سمجھا جائے گا ۔ اونچ ذات والوں کا ظلم ہے کہ نیچ ذات والوں کو مردم شماری میں اپنی تعداد دکھانے کے لئے ہندو شمار کرتے ہیں ، اپنے میں ملاتے ہیں ۔ اور جب سلوک کا ، حقوق کا وقت آتا ہے تو پھر وہی شودر وہی نیچ ۔ وید پڑھنے کی نیچ ذات والوں کو اجازت نہیں ۔ وہ لاکھ نیک بنیں ، عالم ہوجائیں ، مذہبی پیشوا نہیں بن سکتے ۔ یہ تعصبات نہ کبھی امن ہونے دیئے ہیں نہ ہونے دیں گے ۔ جب تک رنگ زمین وغیرہ کی عصبیت ہے اتحاد و اتفاق کی کوئی صورت نہیں ۔ جب کسی قوم میں اس کی قابلیت نہیں کہ روئے زمین کے بنی آدم کو بلا لحاظ رنگ ، قبیلہ ، زمین ، زبان اپنی قوم میں شریک کرے کیونکہ ساری دنیا کی زبان ایک نہیں ہوسکتی نہ کسی ایک ملک میں ساری دنیا کے لوگ آباد ہوسکتے ہیں ۔ نہ ایک قبیلے کے بن سکتے ہیں ۔ نہ سب ایک رنگ کے ہوسکتے ہیں تو آخر ان سب کے ایک ہونے کی سبیل ؟ سب لوگوں کا خدا ایک ہے ۔ اوّل درجہ تمام دیوتاؤں کا ایک صدر دیوتا تو متفق علیہ ہے ، خواہ بطور پریسیڈنٹ کے ہو خواہ ڈکٹیٹر کے ۔ اللہ اکبر میں تو کسی کو اختلاف نہیں ۔ مختلف دیوتاؤں کے ملنے سے آپس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے ۔ ہر ایک اپنے معبود کی طرفداری کرتا ہے ، جس کا انجام فساد ہے ، جنگ ہے ۔ آمر و حاکم کے اختلاف سے بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے ۔ لہذا خدا ایک ہے ۔ اس کے سوا کسی اور کو آمر بننے کا ، حکم دینے کا حق نہیں ۔ تمام عصبیتیں توڑ کر خدائی رشتہ میں داخل ہوجاؤ پھر امن ہی امن ہے ۔ جہاں آمرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے وہاں اس نے جزئیات میں اجتہاد کرنے کی بھی اجازت دی ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ ان بیسیوں ازموں میں صرف اسلام ہی خدائی ازم ہے ۔ اسلام ہی تمام بنی نوعِ آدم کو اپنی قومیت میں شریک کرلیتا ہے ۔ اس میں حریت و مساوات ہے ۔ امن و امان پیدا کرنے کی صرف ایک صورت ہے ۔ اسلام ، اسلام ، اسلام ۔ ●

حضرت فرماتے ہیں " جب سے ہمارا خاندان اور اعلیٰ و افضل کا مسئلہ چھڑا ، مسلمانوں کی بھی تباہی ہونے لگی ۔ دوسرے رشتوں کی طرفداری سے خدائی رشتہ ہاتھ سے نکل گیا ۔ اختلاف و تفریق پیدا ہوگئی ۔ وفاق گیا نفاق آگیا "۔

نظامِ تمدنِ اسلام حضرت لکھتے ہیں " اسلام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کو مناسب طریقہ سے جمع کرتا ہے ۔ اس طرح کہ سب کمانے میں ایک حد تک آزاد ہیں مگر نہ اس قدر کہ غریب تباہ ہوجائیں ، مفلوک الحال بن جائیں ۔ اسلام نے تقسیمِ دولت اور غریبوں کی امداد کے لئے جو اصول بتلائے ہیں ان میں کچھ تو مذہبی حیثیت کے ہیں ، کچھ اخلاقی اور کچھ قانونی ۔ زکوٰۃ کے نام سے ہر سال دولت کا چالیسواں حصہ غریبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ کفارہ گناہ میں بھی غریبوں کی امداد کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے ۔ اسلام ہمیشہ غریبوں کی امداد کے لئے مالداروں کو ترغیب دیتا ہے ۔ قرابتدار اگر نادار ہوں یا بے کار ہوں تو ان کا نفقہ بھی مالداروں پر واجب کرتا ہے ۔ اصولِ توریث سے مرنے کے بعد تمام دولت ورثاء میں تقسیم ہوجاتی ہے ۔ اسلام ، اور دوسری قسم کے ٹیکس بھی حسبِ ضرورت عائد کرتا ہے ۔ جو لوگ فوجی کاموں میں شریک نہیں ہوتے ان سے بھی ایک قسم کا ٹیکس لیا جاتا ہے ۔ جس کا نام گزیدہ ،

● ۱ ماخوذ از رسالہ ابلیس ازم ، مصنفہ حضرت عبدالقدیر صدیقی "۔

جزیہ حق حفاظت یا وارفنڈ ہے ۔ اسلام سود کو ہرگز جائز نہیں رکھتا ، جو سرمایہ داری کی جان ہے اور تمام مظالم کی جڑ ہے ۔ اس کو قطعاً حرام کردیا ۔ اسلام ساہوکاروں کو مفت خوری کی اجازت نہیں دیتا ۔ سود لینے والوں کو اس سے غرض نہیں کہ دوسرا جئے یا بھوکا مرے ۔ سود اور سود در سود کی وجہ سے دولت کھنچ کر سرمایہ دار کے پاس چلی جاتی ہے اور مزدور نادار و مفلس ہوجاتا ہے ۔ اسلام نے صرف سود کو منع کیا ہے ۔ دوسرے قسم کے معاملات اسلام میں جائز ہیں ۔ بیع سلم کی اجازت ہے یعنی روپیہ کاشتکار کو پہلے دینا اور جنس بعد وصول کرنا ۔ اسی طرح مضاربت و مشارکت بھی جائز ہے ۔ یعنی ایک کا روپیہ اور ایک کی محنت ۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ بغیر سود لئے مالی معاملات چل ہی نہیں سکتے ۔ کس کی مقدور ہے کہ جس کو خدا حرام کرے وہ اس کو حلال کرے ۔ خدا ان تحلیل حرام کرنے والوں کو اعلانِ جنگ کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ خدا اور رسول سے لڑنے تیار ہوجاؤ ۔ یہ خدائی الٹی میٹم بڑا سخت ہے ۔ خبردار ہوجاؤ ۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ۔ تمہارا ضمیر بآوازِ دہل کہتا ہے کہ تم سود لے رہے ہو اور صرف بے جا تاویلات سے حقائق کو بدلنا چاہتے ہو ۔

بعض سود خوار سلطنتیں بھی جن کا مقولہ " تجارت آزاد ہے " تھا ، سرمایہ داروں کی زیادہ نفع طلبی اور خود غرضی کی وجہ سے خود اشیائے تجارت خریدنے لگی ہیں ۔ اور راشن قائم ہوگیا ہے ۔ اور حسبِ ضرورت کوپن تقسیم ہوتے ہیں ۔ جس سے غریبوں کو بہ سہولت اور گونہ کم قیمت پر اشیائے ماِیحتاج میسر ہوجاتے ہیں ۔ غور کرنے سے معلوم ہوجائے گا کہ تحدیدِ تجارت نظامِ تمدنِ اسلام کا ایک شعبہ ہے ۔ ● ۱

حضرت لکھتے ہیں " صاحبو ! مجھے ذرا یہ تو بتاؤ کہ غلامی کس کا نام ہے ؟ بے اختیاری ۔ کسی ذاتی چیز کا نہ رکھنا غلامی نہیں تو کیا ہے ؟ پہلے چند غلام ہوتے تھے ۔ اب قوم کی قوم غلام ہے ۔ چند حاکم تو ذاتی رائے رکھتے ہیں ۔ جس نے ان کی رائے کے خلاف کیا اور اپنی رائے ظاہر کی تو گولی مار دی گئی ۔ ظلم سے روکنے والی چیز مذہب ہے اور خدا کا ڈر ہے ۔ لوگ مذہب کے خیال کو پاس پھٹکنے نہیں دیتے ۔ مظالم کا ایک سلسلہ ہے کہ بندھا ہوا ہے پھر اشتراکیت کہاں ؟ ● ۲

دنیا جنگ کی راہ پر

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں " ایک طرف اشتراکیین اور ایک طرف سرمایہ دار ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کے منتظر ہیں ۔ آپ کہتے ہیں ہر طرف آرام ہے ، میں کہتا ہوں ہر طرف بے چینی ہے اور سب اس وقت سے خائف ہیں کہ یہ ایٹم بم ، ہیڈروجن بم کب کام میں لائے جائیں گے اور یہ دنیا اور اس کے رہنے والے کب کتم عدم میں آرام سے سو جائیں گے ۔ دنیا میں تو راحت و اطمینان معدوم ہے اور تباہی کے بادل تمام لوگوں کے سروں پر منڈلا رہے ہیں ۔ ● ۳

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں " ہر ایک یہ دعویٰ کررہا ہے کہ ہم سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل سے راکٹ بھیج کر دوسروں کو تہس نہس کرسکتے ہیں ۔ دو طرف کے سائنس اور علوم کے جاننے والوں کا یہی مشغلہ ہے کہ نہتوں اور کمزوروں کو جلاکر خاکِ سیاہ کردیں ۔ کوئی ایسی ایجاد نہیں کرتا کہ یہ سب ایٹم بم اور ہیڈروجن بم وغیرہ غیر موثر ہوجائیں اور لوگوں کو امن و امان نصیب ہو ۔

● ۱ ماخوذ از رسالہ نظامِ تمدنِ اسلام ، سرمایہ داری اور اشتراکیت ، مصنفہ حضرت عبدالقدیر صدیقیؒ ۔

● ۲ ماخوذ از " اصولِ اسلام " مصنفہ حضرت عبدالقدیر صدیقیؒ ۔

● ۳ ماخوذ از رسالہ " صلائے عام " مصنفہ حضرت عبدالقدیر صدیقیؒ ۔

عداوت اور کینے کی آگ سب کے دلوں میں بھڑک رہی ہے۔ اور منتظر ہیں کہ کب یہ قہرِ خدا کے بم پھٹیں گے اور لوگ آنجہانی ہوجائیں گے۔ لوگ ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہیں ان کی ساری دانشمندی لڑائی کے حیلے ڈھونڈنے پر صرف ہوتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر بدامنی کی آگ پھیلانے والے محبت اور اتحاد کے باغ لگاتے اور ان سے راحت و آرام کے پھل کھاتے۔

احساسِ برتری صاحبو! تاریخ کے اوراق الٹو! ان پر خوب غور کرو کہ جو عملِ صالح نہیں کرتے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ خسر الدنیا والاخرہ کے مصداق ہوتے ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ آدمی جتنی بلند سیڑھی سے گرے گا اتنی اس کی ہڈیاں بھی زیادہ ٹوٹیں گی۔ فرعون، نمرود کو چھوڑو نپولین اور ہٹلر پر غور کرو؛ وہ اپنی برتری کے کیسے نقارے بجاتے تھے مگر ان کا انجام کیا ہوا؟ وہی ذلت و خواری، وہی ملک کی بربادی۔

اعتدال صاحبو! مطلق برتری صرف خدا کو ہے۔ سب میں کم زیادہ بھلائی بھی ہوتی ہے اور برائی بھی۔ جو اعتدال سے رہتا ہے خیر حاصل کرتا ہے، شر سے بچتا ہے اس کے سر پر نام آوری کا سہرا باندھا جاتا ہے۔ ورنہ بے اعتدالی اور بے عزتی کے پہاڑ سے گرتا ہے اور پھر اٹھنا نصیب نہیں ہوتا۔

تمہارے خیالات کا مرکز اعتدال ہو، اعتدال۔ اعتدال پر تمہاری بھی زندگی اور دوسروں کی زندگی کا انحصار ہے۔ دیکھو! دنیا برا بولے، بولنے دو، تمہارا ضمیر تم کو برا نہ کہے۔ ضمیر کی ملامت، بدترین ملامت ہے۔ ضمیر کی تاریکی بدترین ظلمت ہے۔ ضمیر کی طہارت، عزت ہے حرمت ہے۔ آرام ہے، راحت ہے۔

رائے شماری صاحبو! جب میں سنتا ہوں کہ رائے شماری میں انتخابات کئے جانے کے لئے فلاں صاحب کے اتنے ہزار صرف ہوئے اور فلاں صاحب کے اتنے ہزار تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آراء خریدے جاتے ہیں۔ جس نے زیادہ روپیہ دیا اس نے آراء کو خرید لیا۔ ایسی آراء کی خریدی سے سچی برتری کس طرح حاصل ہوگی؟ اور ایسا شخص قوم کے کس کام آئے گا؟

یورپ اور امریکہ کی بڑی حکومتوں میں عام طور سے تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ سو (۱۰۰) میں پانچ بھی جاہل نہیں۔ وہاں رائے شماری کا معیار، بائیس سال کی عمر شرط ہے۔ ایسے ملک میں رائے شماری کا معیار بائیس سال کی عمر لگانا بالکل درست نہیں جس ملک میں تعلیم یافتہ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ میرا لڑکا جو ایف اے پاس تھا اور اکیس سال کا تھا اور ہمارے گھر کی خادمہ جو بالکل ان پڑھ تھی اور وہ بائیس سال سے معمر تھی۔ اکیس سال کا ایف اے پاس رائے نہیں دے سکا، ناخواندہ خادمہ رائے دے سکی۔ اس واقعہ پر اہلِ علم و عمل غور کریں۔ ہماری رائے میں رائے دینے کے لئے گریجویٹ نہیں تو کم از کم میٹرک ہونا چاہئیے ورنہ یہ کام بچوں کا کھیل بن جائے گا۔ کوئی سنے نہ سنے ہم جس چیز کو حق سمجھتے ہیں کہیں گے اور ضرور کہیں گے۔ آج کل سب کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہے۔ اب صحیح بات معلوم ہو تو کس طرح، قابلِ قبول بزرگی حاصل ہو تو کیوں کر؟ ●

اسلامی حکومت مولف عرض پرداز ہے۔ انسان کی صورت شکل جہاں ایک دوسرے سے علٰحدہ ہے وہیں ان کی طبیعتیں بھی جدا جدا ہیں۔ سیرتوں کے اختلاف کی وجہ سے امن متاثر ہوتا ہے۔ قیامِ امن کے لئے حقوق و فرائض کے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں کے تمام گوشوں میں ہر قسم کے مراحل کا ایسا حل تلاش کرنا پڑتا ہے جو بنی نوعِ انسان کے تعلقات کو پر امن بناسکے۔

● ماخوذ از "المعارف" احساسِ برتری، احساسِ کمتری اور اعتدال۔ مصنفہ حضرت عبدالقدیر صدیقی۔

اس مقصد کے لئے کن حالات میں کس قسم کی حکومت کی ضرورت ہے ؟ حکومت کے لئے کن اختیارات کا کس حد تک حاصل ہونا ضروری ہے ؟ ممالک میں باہم کس قسم کے تعلقات ضروری ہیں ؟ ان تعلقات کو کن اصولوں پر مبنی ہونا چاہئیے ؟ انسان کی انفرادی حیثیت کہاں تک آزاد ہے ؟ انسان کی سماجی حیثیت کن امور کا مطالبہ کرتی ہے ؟ انسان کی نفسیات ، رجحانات اور فطری اہلیتوں کو جان کر اس کے مطابق ان کو کہاں تک آزاد رکھا جاسکتا ہے ؟ اور کہاں تک ان پر پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہے ؟ یہ وہ اساسی مباحث ہیں جن پر سیاسیات کے میدان میں غور و فکر کیا جاتا ہے ۔

اسلام میں اس سلسلہ میں جو راستہ متعین کیا گیا ہے اس کی بنیاد خالص فطری اور خیر کثیر کے اصولوں پر مبنی ہے ۔ شریعتِ اسلامی اگلی شریعتوں کو منسوخ کرتی ہے کیونکہ اگلی شریعتیں خاص زمانے اور خاص قوم کے لئے تھیں ۔ مگر شریعتِ اسلامی فطرت کے دائمی اور عالمگیر قوانین کو پیشِ نظر رکھ کر مدون کی گئی ہے جو فرد و جماعت کی زندگی کے لئے ایسے اصول پیش کرتی ہے جو تاقیامت کام دے سکیں اور جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں ۔ جس میں کمی و بیشی کرنے سے حل نہ ہونے والے مسائل اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ اسلام کی تعلیم کا اصل ماخذ قرآن ہے اور ثانوی ماخذ پیغمبر آخر الزماں خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا مجموعہ ہے جسے حدیث کہتے ہیں ۔

دنیا میں جہاں متعدد نظامِ تمدن ہیں ، اسلام کا بھی ایک نظام ہے جو احکم الحاکمین ، مالک الملک کے منشاء کو پیشِ نظر رکھتا ہے ۔

جہاں تک مقننہ کا تعلق ہے ، قرآن نے اصول قانون کا تعین کردیا ۔ اسلامی ریاست کا تصورِ قرآنی یہ ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ دراصل خدا کا ہے ۔ اسلامی ریاست اس معنیٰ میں الٰہی ریاست ہے ۔ خلیفہ یا امیر المسلمین اس کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے ۔ تغیر پذیر حالات میں حالات کا لحاظ کرتے قانون کی تعبیر اجتہاد کہلاتی ہے ۔ جو ان علماء کے تفویض کی گئی ہے جو قرآن و حدیث پر عبور رکھتے ہوں اور شریعت کی روح اور اپنے زمانہ کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتے ہوں ۔ (للمؤلف)

اسلامی حکومت کے بارے میں حضرت تحریر فرماتے ہیں ۔

" اسلام کا نظام دوسرے نظاموں سے بالکل جدا ہے ۔ اسلام میں ان الحکم الا للّٰہ ہے اور اللہ تعالیٰ واحد ، احد ، مشخص و معین ہے ۔ اس حیثیت سے اسلامی حکومت کو شخصی کہنا چاہتے ہو تو کہو اور شاورھم فی الامر ۔ (اور ان سے کام میں مشورہ لیجئے " ۔ امرھم شوریٰ بینھم (اور کام کرتے ہیں آپس کے مشورے سے) ۔ لہٰذا اگر تم اس کو جمہوری کہنا چاہتے ہو تو کہہ سکتے ہو ۔ مشورے غیر منصوص احکام میں ہوتے ہیں ۔ منصوص کے سامنے چون و چرا کی گنجائش نہیں " ۔ ● ۱

دارالشوریٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں " مجلس ملی ، دارالندوہ دارالشوریٰ میں ایسے لوگ شریک ہوں اور ان لوگوں سے مشورہ لیا جائے جو اہل الرائے ہوں ، تجربہ کار ہوں ، زمانے کے نشیب و فراز کو جانتے ہوں ، معاملہ فہم ہوں ۔ جاہلوں کا جمع ہونا ، نہ سمجھنا نہ بوجھنا ، رائے شماری کے وقت ہاتھ اٹھا دینا ، کوئی چیز نہیں ۔ سب سے اہم ، رائے دینے والوں کی حبِّ قومی اور دیانتداری ہے ۔ خود غرضی ، حبِّ جاہ ، جھوٹی نمائش رکھنے والے کیا خاک کام کریں گے ۔ قوم کو تباہ کرنے والے یہی امور ہوتے ہیں ۔ ● ۲

● ۱ ماخوذ از رسالہ " اسلامی حکومت " مصنفہ حضرت عبدالقدیر صدیقیؒ ۔ ● ۲ ماخوذ از تفسیر صدیقی

اصولِ نفاذِ قوانینِ اسلام حضرت تحریر فرماتے ہیں " نظامِ اسلام اس طرح قائم ہوا ہے : ماہرین ، علماء ، فقہا ، مجتہدین ، قرآن و حدیث کو دیکھتے ہیں اور ان سے احکام استنباط کرتے ہیں ۔ پھر ان مجتہدین کے اجتہاد کئے ہوئے احکام کو اسلامی سلطنتوں کے قاضی ، واقعات پر منطبق کر کے احکام دیتے ہیں ۔ یہ قاضی کیا تھے ؟ حاکم عدالت ، جج اور حاکم فوجداری مجسٹریٹ کا کام کرتے تھے ۔ ● ۱

مشورہ : آئندہ کے لئے مسلمانوں کے پیشواؤں کو مشورہ دیتے ہیں " یہ بھی یاد رکھو ؛ زمانہ بدلتا جارہا ہے ۔ مختلف ضرورتیں پیدا ہوتی جارہی ہیں ۔ اس واسطے ہر زمانہ میں مسلمان سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنے زمانے کی ضرورتوں کے لئے قرآن و حدیث اور اقوالِ ائمہ سے استنباط کردہ احکام جاری کریں "۔

ایک جگہ لکھتے ہیں " بعض نادان کہتے ہیں کہ زمانہ ترقی کرتا جارہا ہے اور حسبِ ضرورت قوانین بدلتے جارہے ہیں ۔ بھلا تمام زمانوں میں ایک ہی قانونِ اسلام کیوں کر کام دے سکے گا ؟ ان نادانوں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ بعض قوانین اصولی ہوتے ہیں وہ ہرگز نہیں بدلتے ۔ ان اصولی اور کلی قوانین پر اسلام مشتمل ہے ۔ اور اسلام کے سوا کوئی مذہب کوئی سلطنت ایسا دعویٰ کرنے کی جرات نہیں کرسکتی ۔

ائمہ ، قوانینِ اسلام کے جاننے والے ہیں ۔ اور ان ہی اصولی قوانین کی روشنی میں تمام جزوی قوانین کو استنباط کرتے ہیں ۔ کوئی رومن لا کے اصول اور اسلام کے اصول کا مقابلہ کرکے دیکھے ۔ اسلام نکھرے گا اور اپنی چمک دمک دکھائے گا ۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی شخص کی قوتِ مدرکہ و ممیزہ ہی خراب ہو ، وہ سونے اور پیتل میں تمیز نہ کرسکتا ہو ، یا الماس اور کانچ میں فرق نہ کرسکتا ہو ۔ ایسے شخص کو خود اپنی عقل پر رونا چاہیئے اور اپنے ضعف بصارت پر افسوس کرنا چاہیئے ۔ روشن ہو اے شمع اسلام ! اور ان ضعیف البصر و البصیرت افراد کو حق بات دکھادے ۔ ان کی آنکھوں میں کحل الجواہر بن جا اور ان کی آنکھوں کے پردے کو قدح کردے ۔ ● ۲

اجماعِ اُمت اجماع کے تعلق سے حضرت نے لکھا ہے " اگر تمام مسلمان (مجتہدین اور علمائے دین) کسی حکمِ شرعی پر اتفاق کرلیں تو اس کو اجماع کہتے ہیں ۔ اجماع ہوجانے کے بعد دوسرے مسلمانوں کو اس سے اختلاف نہ کرنا چاہیئے ۔ حدیث میں آیا ہے لا تجتمع امتی علیٰ ضلالۃ ابدا ۔ یعنی میری امت کبھی گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی ۔ مگر ہر اجماع کا ایک ماخذ ہونا چاہیئے ۔ یعنی وہ مسئلہ قرآن و حدیث یا قیاس سے ثابت ہو ۔ اجماع کا فائدہ یہ ہے کہ وہ حکم تاکیدی اور یقینی ہوجاتا ہے ۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے ۔ بعض ائمہ کا خیال ہے کہ اجماع کا ثابت کرنا بہت مشکل کام ہے (کیونکہ عصر اول کے بعد ہی سے علمائے دین مختلف شہروں اور دور دراز مقامات پر پھیل گئے اور آج بھی یہی حال ہے ۔ مشاورت عامہ کے لئے مجتہدین کا اجماع اور کسی حکم پر اجماع ممکن العمل نہیں رہا ۔) بعض لوگ مجتہدین کے کسی مسئلہ میں دو رائیں دیکھتے ہیں تو تیسرے قول کے نہ ہونے پر اجماع سمجھتے ہیں ۔ " ● ۳

اسلام دشمنی مؤلف عرض کرتا ہے " جب تک مسلمانوں میں مذہبی عصبیت اور اسلامی اقتدار اعلیٰ اور اس کے مرکزی اہمیت کا تصور باقی تھا دنیا پر غالب رہے ۔ ان کو کمزور کرنے کے لئے ان کے اس تصور کو توڑنے کی مختلف حیثیتوں سے بے دینوں

● ۱ ماخوذ از " رسالہ اسلامی حکومت " ● ۲ ماخوذ از تفسیرِ صدیقی ۔ ● ۳ ماخوذ از تفسیرِ صدیقی ۔

نے کوشش کی مثلاً ان کے عرب و عجم کے احساس میں شدت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ۔ وطنیت کے جذبہ کو ابھار کر مذہبی عصبیت سے ہٹایا ۔ عدم تشدد جیسے فلسفوں سے حمیتِ دین کو کمزور کیا گیا ۔ ذلت و افلاس میں مبتلا کرکے ان کی خودداری، خود اعتمادی اور ان کے اعتماد علی اللہ کو نقصان پہنچایا ۔ جھوٹی رواداری اور وسیع النظری کا سبق پڑھا کر ان میں ایسے نظریات داخل کرنے کی کوشش کی گئی جن سے اسلام کے صحیح خد و خال ماند پڑجائیں اور احکامِ خداوندی کی قدر و منزلت باقی نہ رہے اور مذہب کی ان کے پاس خدا اور بندے کے درمیان نجی تعلق سے زیادہ اہمیت باقی نہ رہ سکے ۔ مفاد پرست ظاہر بیں علماء سے اس سلسلہ میں تعاون حاصل کیا گیا انہوں نے فی الحال کی نعمتوں کو غنیمت جان کر دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور قرآن مجید کی آیتوں کی نئی نئی تاویلات پیش کرکے مسلمانوں کے خیالات کو پراگندہ کیا ۔ تاکہ وہ اپنے معاملات، اسلام و کفر کے پیمانوں پر ناپنے کے قابل نہ رہ سکیں ۔ اور نہ اپنی حکمت عملی وضع کرسکنے کے قابل رہیں ۔ اس طرح مسلمانوں کے فلسفہ حیات کو بے دینوں کے قالب میں ڈھلنے میں سہولت بہم پہنچ سکے ۔ خانقاہی نظام کو جو دینی اور روحانی درسگاہ و تربیت گاہ تھی بے دینوں نے اپنے حق میں سد راہ اور زہر ہلاہل سمجھا ۔ بزرگانِ دین کی بارگاہوں اور خانقاہوں کو بے جان اور بے کار کرنے کی کوشش کی اور بے چراغ کیا ۔ نت نئے ہتکنڈوں سے بزرگانِ دین سے منحرف کیا تاکہ نورِ نبوت سے دیکھنے اور سمجھنے والوں، ریاضتِ نفس اور قوتِ روحانی سے ادراکِ حقائق کرنے والوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ربط و تعلقِ خاص رکھنے والوں سے استفادہ کی صورت باقی ہی نہ رہ سکے ۔ آفتابِ ہدایت چھپ جائے تاکہ مسلمانوں کے نورِ ایمان پر کفر کی ظلمت کو چھا جانے کا موقع ملے اور زنار گلے کا ہار ہوجائے ۔ نتیجۃً نہ ان کی مذہبی وحدت برقرار رہے نہ سیاسی ۔ اور وہ بے عزتی، لامرکزیت اور لامذہبیت کے خونی گرداب میں ڈوب کر پاش پاش ہوجائیں ۔

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تراست

دینِ اسلام جس کا ہے وہی اس کا محافظ ہے ۔ روئے زمین کے تمام مسلمان ایک تھے اور ایک رہیں گے ۔ ان کا دین ایک ان کی کتاب ایک، ان کا رسولِ آخر الزماں ایک اور ان کا پیدا کرنے والا خدا ایک ۔ یہاں وحدت ہی وحدت ہے اور صرف وحدت ۔
(للمؤلف)

تعصب اور عصبیت حضرت تحریر فرماتے ہیں "تعصب جدا چیز ہے اور عصبیت جدا چیز ۔ ناجائز تائید اور پچ کا نام تعصب اور جائز تائید اور حمایت کا نام عصبیت ہے ۔ دنیا کے کام عصبیت پر چلتے ہیں [1] ۔ عصبیت متفرقین کا شیرازہ ہے ۔ اگر عصبیت نہ ہو تو اوراق پریشان ہیں نہ کہ کتاب "۔

حفاظتِ تمدن فرماتے ہیں "یہ بات یاد رکھو ؛ فاسطیوں کا ایک نظامِ تمدن ہے جو اٹلی میں ہے ۔ نازیوں کا بھی ایک نظامِ تمدن ہے جو جرمنی میں ہے ۔ اشتراکئین کا بھی ایک نظامِ تمدن ہے جو روس میں ہے ۔ اسلام جہاں دین کا متکفل ہے وہاں اس کا بھی ایک نظامِ تمدن ہے ۔ ہر قوم اپنے نظام کو اچھا سمجھتی ہے اور اس کی حفاظت کو اپنا فرض جانتی ہے "۔

طوائف الملوکی اسلامی مملکتوں کی بربادی اور مسلمانوں کی تباہی کے وجوہات پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں "جہاں

● ۱ تفسیرِ صدیقی

تمام دنیا کا خدا ایک ہے اس کا خلیفہ بھی ایک ہو۔ اور سلطنت کا قانون بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اگر مختلف بادشاہوں اور مختلف قوانین ہوں تو ضرور نزاع پیدا ہوگی اور امن برقرار نہ رہے گا۔ جب سے مسلمانوں میں اسلامی اقتدارِ اعلیٰ اور اس کا مرکز باقی نہ رہا طوائف الملوکی شروع ہوگئی۔ اسلام کا شیرازہ کھل گیا اور وہ اوراق پریشان ہوگئے۔ یہ کچھ اسلام کی خصوصیت نہیں اور یہ حکم مسلمانوں سے خاص نہیں۔ جہاں طوائف الملوکی آئی ریاست تباہ، ملک برباد، امن و امان مفقود، زور و قوت معدوم"۔ ●۱

خیرِ دارین خیرِ دارین کے لئے ہم کو یوں سبق دیتے ہیں۔" زیادہ غائر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ یہ زندگی چند روزہ ہے۔ تمدن ایک ادنیٰ چیز ہے۔ عقل محدود اور اس کا فتویٰ ناقص ہے۔ ایک ملک کے عقلا دوسرے ملک کے افراد پر ظلم، تعدی، استعباد، استبداد کی کوئی نہ کوئی وجہ تراش ہی لیتے ہیں۔ حق کو کون قوت سمجھتا ہے۔ قوت ہی حق سمجھی جاتی ہے۔ مرنے کے بعد نیستی کہاں ؟ موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ ایک اور بہت لمبی زندگی آگے ہے جو اس زندگی پر مبنی ہے۔ نیک تو نیک بد تو بد۔ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ۔ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ دنیا اور آخرت دونوں میں خوش بسری کی بھی کوئی صورت ہے ؟ اور اس کو بتائے کون ؟ اور اس کی تقنین کرے کون ؟ خدا مقنن ہے، پیغمبر اس کا معلم ہے اور شریعت اس کا قانون۔ اپنی خیر دارین چاہتے ہو تو اس کا حکم مانو۔ پیغمبر کی تعلیم کے پابند رہو۔ شریعت کو شمع ہدایت جانو۔ بادشاہ کے قانون کی خلاف ورزی سے سزا ملتی ہے۔ اور زندگی تکلیف میں گزرتی ہے۔ قانون خداوندی سے سرتابی کروگے تو خسر الدنیا والاخرۃ ذلک ھو الخسران المبین کے مصداق ہوجاؤ گے"۔ ●۲

اصولِ اسلام حضرت نے دینِ اسلام کی چند خصوصیات اور اصول تحریر فرمائے ہیں۔ جو تمدن اسلام میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں وہ پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ اسلام کسی ملک یا خاندان یا رنگ یا زبان سے خاص نہیں۔

۲۔ اسلام ایک عظیم الشان تہذیب و اخلاق و اتحاد کا حامل ہے۔

۳۔ اسلام ہر طرح سے جائز طور پر کمانے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر غریبوں کی امداد بھی اس کے پیشِ نظر ہے۔

۴۔ اسلام میں مساوات بھی ہے اور بڑے کو بڑا ماننا بھی۔

۵۔ اسلام میں تعظیم اور عبادت میں تمیز کرنا ضرور ہے۔

۶۔ اسلام میں اقتدار اعلیٰ اور اس کی اطاعت کا بڑا لحاظ کیا گیا ہے۔

۷۔ اسلام میں پیغمبر کے سوا کوئی معصوم نہیں۔

۸۔ خدائے تعالیٰ کی مرضی صرف پیغمبر کے ذریعہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

۹۔ اسلام کے قوانین کلی ہیں۔ مگر جن کو خدا نے دین کی سمجھ اور تفقہ عطا کیا ہے، ان کو مقاصدِ اسلام کے مطابق اجتہاد و استنباطِ مسائل کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

●۱ ماخوذ از رسالہ " دین فطرت " مصنفہ حضرت عبداللہ۔ ●۲ ماخوذ از رسالہ " المعارف " ایضاً

۱۰۔ اسلام کا اصلِ اصول اور اس کی روح توحید ہے۔

۱۱۔ اسلام تمام افرادِ انسانی کو خدا کی بندگی اور اس کی اطاعت کی طرف بلاتا ہے۔

۱۲۔ اسلام کسی سچے مذہب کو نہیں جھٹلاتا اور نہ اس کی تکذیب کرتا ہے بلکہ صرف غلط فہمیوں کو دور کرتا ہے۔

۱۳۔ اسلام تمام پیغمبروں کو مانتا اور ان کو واجب التعظیم سمجھتا ہے۔

غرض کہ اسلام تمام افرادِ انسانی میں اتحاد پیدا کر دیتا ہے اور نزاع اٹھا دیتا ہے۔ امن چاہتے ہو تو ایمان پیدا کرو۔ بغیر ایمان کے امن و امان ناممکن ہے محال ہے۔ •

اقتضائے وقت حضرت کے پاس ایک اور اہم اصول تھا۔ "اقتضائے وقت کا خیال رکھنا" اقتضائے وقت کو سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ ایک حکیم ہی اقتضائے وقت کو پوری طرح سمجھ سکتا ہے اور قوم کی اس سلسلے میں صحیح رہنمائی کرسکتا ہے۔ یہ مسئلہ نہایت توضیح طلب ہے۔ اقتضائے وقت یہ نہیں کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ رنگ بدلا جائے۔ جدھر وہ چلا ساتھ ہولئے، جدھر سے رخ پھیرا پھر گئے۔ یا اقتضائے وقت یہ سمجھا کہ دن نکلا زندگی کے دھندوں میں مصروف ہوگئے اور رات ہوئی بسترِ راحت پر دراز ہوگئے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسی ضرورت دیکھے ویسا بن جائے تاکہ زمانہ کا انقلاب صدمہ نہ پہنچا سکے۔ یہ اقتضاء کا پھیلاؤ شخصی زندگی کے ہر پہلو خواہ دنیاوی ہو کہ دینی سے بڑھ کر ساری قوم کی اجتماعی زندگی پر محیط ہوتا ہے۔ اقتضائے وقت کو سمجھ کر صحیح قدم اٹھانا قوم کے لئے زندگی بخش اور موجبِ کامرانی ہوتا ہے۔ اور ذرا سی غلطی ہلاکت و تباہی اور رسوائی کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ تیر و تلوار جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ہتھیار ہیں ان ہی کو سنت سمجھ کر صرف اسی کی مشق کرنا اور دشمن کے لئے ان ہتھیاروں سے مقابل ہوجانا حضرت کے پاس اقتضائے وقت نہیں۔ اپنے دور کے ترقی یافتہ ہتھیار رکھنے کو بدعت سمجھنا جہالت اور موجب ہلاکت ہے۔ حضرت کے پاس (اپنے دور کے ترقی یافتہ) ہتھیار رکھنا سنت ہے۔ حضور نے اپنے زمانہ کے ہتھیار استعمال کئے اور ہم کو اپنے زمانہ کے ایسے ہتھیار استعمال کرنا چاہئیے جو زمانہ کے اقتضاء کے موافق ہوں۔ اور تربیت بھی ان کے لائق رہے۔ اسی طرح ہر شعبہ حیات میں خواہ وہ علوم و فنون ہوں یا کوئی پیشہ ہو یا سیاست ہو کچھ بھی ہو زمانہ کے ساتھ ساتھ ان میں اس طرح ترقی کی جائے کہ دیگر اقوام آگے بڑھ کر ہماری قوم یا سلطنت و حکومت کو نقصان پہنچانے کا موجب نہ بننے پائیں۔ دعوتِ اسلام کے بھی وہ طریقے اختیار کئے جائیں جو اقتضائے وقت کے مناسب ہوں۔ اور مزرعہ اسلام کے حق میں ابرِ رحمت کا کام کرسکیں تاکہ اسلام کی ترقی روز افزوں ہو اور کوئی فتنہ یا زور و قوت اس کی راہ میں حائل نہ ہوسکے۔ حضرت کے پاس مقتضائے وقت کا لحاظ ضروریات دین سے ہے۔ اور دین و دنیا کی کامیابی اقتضائے وقت کی موافقت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

ایک زمانے کا اقتضاء شجاعت و بہادری کے جوہر دکھانے کا ہوتا ہے۔ اس وقت ان صفات سے لاپروائی اقتضائے وقت سے بے اعتنائی ہے۔ اسی طرح ایک زمانہ ایسا آتا ہے جس میں فضل و کمال، علم و ہنر میں سبقت لے جانا اور اس میں امتیازِ خاص پیدا کرنا ہی قوم کے وقار کو باقی رکھتا ہے اور ایسے وقت میں ان سے بے اعتنائی اقتضائے وقت کے مغائر ہے۔ مسلمان جو اقوامِ عالم کے رہنما تھے

• ماخوذ از "دین فطرت" رسالہ مولفہ حضرت عبداللہ صدیقی"

اقتضائے وقت کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے اقوام عالم میں سب سے پیچھے ہوگئے ہیں اور سائنس کے اس ترقی یافتہ دور میں دوسروں کے دست نگر ہیں۔ اور اب ہماری زندگی ان کی مرہون منت ہے۔ ان حالات میں اقتضائے وقت کو سمجھنے میں بڑی دانشمندی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ وتلک الایام نداولها بین الناس زمانہ لوگوں کے مابین گردش کرتا رہتا ہے۔ کبھی مسلمانوں کی حکومت رہتی ہے تو کبھی کفر کا زور رہتا ہے۔ ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی و مدنی زندگی کو حضرت اقتضاء کے سمجھنے اور پھر اس پر عمل کرنے کے لئے پیش فرماتے تھے۔ سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں حالتوں پر غور کیا جائے تو بہت کچھ روشنی ملتی ہے اور ہم قعر مذلت سے نکل کر بام ترقی پر عروج کرسکتے ہیں۔ سرکارؐ کے دور کی جنگوں پر غور کرو، صلح حدیبیہ اقتضائے وقت کو سمجھنے کے لئے بہترین مثال ہے۔

یاد رکھو! جس کے دو دن ایک حالت پر گزرے وہ خسارے میں رہا والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ کبھی دشمن سے صلح کرلینا ہی اقتضائے وقت ہوتا ہے تو کبھی دشمن کو تہ تیغ کردینا، تہس نہس کردینا ہی عملِ صالح اور اقتضائے وقت کے عین مطابق ہوتا ہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ملکوں میں ایک ایسی تہذیب رائج ہو جو رفتہ رفتہ ان کی مشترک تہذیب بن سکے جو ترقی یافتہ شکل اور زمانے کی رفتار کے مطابق ہونے کے باوجود اسلامی تہذیب کی پوری آئینہ دار ہو۔ اور اسلامی مملکتیں تہذیبِ اسلام کی بنیادی اصول سے قریب تر ہو کر باہم ایک ایسی وحدت میں مبدل ہونے کی کوشش کریں جو معاشرہ اور ریاست، ملت اور حکومت کے فرق کو مٹانے کا باعث بن سکیں اور اللہ واحد قہار کی حکومت کے سوا کسی اور کی حکومت کا نام نہاد تصور پھر رہتی دنیا تک باقی ہی نہ رہے۔ حتی لاتکون فتنة ویکون الدین کله لله یہاں تک کہ دنیا میں فتنہ و ظلم و فساد باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہوجائے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم حضورؐ کی سیرت اور حیاتِ طیبہ سے طہارت، نماز، روزہ، نوافل اذکار اور دیگر عبادات و نیز اخلاق و عادات سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ زندگی کے دیگر شعبوں میں حضورؐ کی ہدایات اور سیرت سے فائدہ اٹھانے کے مدنظر تمدن، معیشت، اقتصادیات اور سیاست کے بارے میں حضورؐ کی زندگی پر غور و فکر کریں اور آپؐ کی تعلیمات اور طریقہ کار سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے زمانہ کے اقتضاء کے مطابق روبہ عمل لائیں۔ (للمؤلف)

حضرت کا ارشاد ہے "اسلام کا راز فکر و عمل میں ہے۔ علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی و ضلال ہے"۔ فرماتے ہیں "قرآن میں جو کچھ ہے اس پر ایمانِ اجمالی کافی ہے۔ تحقیقات کرو، سمجھنے کی کوشش کرو۔ مگر یقینی کو یقینی اور ظنی کو ظنی سمجھو"۔

حضرت توجہ دلاتے تھے "دیکھو! دنیا چند روزہ ہے۔ ایک مسافر خانہ ہے۔ ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ جو لوگ چند روزہ بیماری میں پرہیز نہیں کرتے، حکیم و ڈاکٹر کا کہا نہیں مانتے، وہ ظاہر ہے کہ درد اور دکھ میں ہی رہیں گے۔ اسی طرح جو خدا کو نہ مانیں، پیغمبر کے احکام کی تعمیل نہ کریں، ابدی تباہی میں مبتلا ہوں گے۔ دنیا بھی ہاتھ سے جائے گی اور آخرت بھی"۔

عملِ صالح عملِ صالح کے تعلق سے حضرت لکھتے ہیں " ایمان کی قوت پر عملِ صالح مرتب ہوتا ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان ہے اور قوی ایمان ہے وہ ضرور عملِ صالح کریں گے۔ جن کو یقین نہیں وہ کیا عملِ صالح کرسکتے ہیں۔ عملِ صالح کیا ہے؟ ہمارا ہر فعل، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، بیع و شریٰ، زندگی کے تمام شعبے تحتِ امرِ الٰہی ہوں۔ ہر شخص کے ساتھ اس کا عملِ صالح اور عملِ صالح کے ساتھ اس کے نتائج اور لوازم لگے رہتے ہیں۔ نہ انسان فنا ہوتا ہے نہ اس کے اعمال اور نہ اس کے نتائج۔ جیسا عمل ویسی جزا۔ اعمال کی روح اخلاص للہ، اخلاص لوجہ اللہ اور اطاعت رسول ہے "۔ ● ۱

عملِ قلبی عملِ قلبی کے تعلق سے فرمایا " آج کل ایک ہوا بہہ رہی ہے کہ ہندو ہو یا مسلمان، یہودی ہو یا نصرانی نیک کام کرے۔ مسلمان ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ ان کے پاس ایمان جو بہترین عملِ قلبی ہے کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ ان کو معلوم ہونا چاہئیے کہ ایمان نہ رکھنا خدا سے بغاوت ہے۔ باغی لاکھ بظاہر نیک کام کرے جرم بغاوت سب پر غالب آجائے گا اور اسس کو سخت ترین سزا دی جائے گی "۔

ایک مرتبہ فرمایا " بدعمل مجرم ہے اور بد عقیدہ باغی۔ مجرم کو بعد سزا چھوڑدیا جائے گا یا معافی بھی ہوسکتی ہے مگر باغی کی سزا خلود فی النار ہے " (یعنی ہمیشہ دوزخ میں جلنا)۔

تبلیغ حضرت تحریر فرماتے ہیں " جب سے مسلمانوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اچھی بات کا حکم کرنا اور بری بات سے روکنا بند ہوگیا، موقوف ہوگیا، مسلمان تباہی کے گڑھے میں گرنے لگے۔ اب کشتی میں چند لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور ان میں سے ایک شخص سوراخ کررہا ہو تو سب کا فرض ہے کہ اس کو روکیں۔ نہ روکیں گے تو سب ڈوب جائیں گے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر پیغمبر کا دارومدار ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے جتنے باطل مذہب والے ہیں وہ اپنے مذہب اور خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں اور مسلمان باوجود حق پر رہنے کے تبلیغ سے بے خبر ہیں۔ اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں کہ بد مذہب والوں کا زور بڑھتا جارہا ہے۔ روز ایک نیا مذہب ایجاد ہورہا ہے اور چند بے وقوف اس کے پیرو بن رہے ہیں۔ دنیا میں رسہ کشی ہورہی ہے۔ جو ہمت ہارے گا وہ دوسرے کی طرف کھنچ کر چلا جائے گا۔ اللہ مسلمانوں کو نیک توفیق دے اور امر بالمعروف اور نہیں عن المنکر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ● ۲

ضبطِ تولید اسلام میں وظیفہ زوجیت کو بے محل استعمال کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ مباشرت کا مقصد طلبِ اولاد ہونا چاہئیے۔ پس اسلامی اصول میں برتھ کنٹرول، ضبطِ تولید ایک قسم کا واد یعنی اولاد کشی ہے۔ اگر برتھ کنٹرول کا سب لوگ ارادہ کریں تو سو سال میں ایک شخص بھی زمین پر چلتا پھرتا نظر نہ آئے۔ فرانسیسیوں کے برتھ کنٹرول کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ کروڑ کے تین کروڑ رہ گئے۔ اور جرمنوں کے توالد تناسل کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ کروڑ کے سات کروڑ ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ برابر کو برابر لڑکر مریں گے تو فرانسیسیوں کے ختم پر چار کروڑ باقی رہیں گے۔ اولاد کا ہونا ایک فطری بات ہے۔ جو فطرتِ الٰہی کی مخالفت کرتا ہے وہ سزا پائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ● ۳

● ۱ ۳۰۲۰ تفسیرِ صدیقی

تعددِ ازدواج ۔ عورت کے حمل اور رضاعت کے زمانے میں کثرت امت نہیں ہوسکتی ۔ لہذا مردوں کو تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی نہ کہ عورتوں کو ۔ اسلام نے تعددِ ازدواج کو پیدا نہیں کیا بلکہ غیر محدود نکاحوں کو چار تک محدود کردیا ۔ (قرآن میں) صاف صاف بتایا گیا ہے کہ اگر عدل و مساوات برقرار نہیں رکھی جاسکتی تو ایک عورت پر قناعت کرنا چاہئیے ۔ اس جنگ عظیم میں لاکھوں کیا کروڑوں مرد مارے جارہے ہیں اور عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہوگئی ہے ۔ اگر تعددِ ازدواج کی اجازت نہ دی جاتی تو یہ عورتیں کس طرح بسر کریں گی ؟ کون ان کا متکفل ہوگا ؟ یہ اسلامی اصول ہے اور لوگ مجبور ہیں کہ اس پر عمل کریں ۔ ● ۱

جن لوگوں کے پاس تعددِ ازدواج جائز نہیں وہ ذرا یہ تو بتائیں کہ موجودہ زمانہ کے لاکھوں بلکہ اس سے زیادہ بیواؤں کا کیا علاج کیا جاسکتا ہے ؟ اور زنا کاری سے بچنے کی کیا صورت ہے ؟ بے تحقیق اعتراض کرنے سے کیا ہوتا ہے ۔ ذرا سوچو اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرو ۔ ● ۲

سخاوت و شجاعت واضح ہو کہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ بعض پر مال صرف کرنا دشوار گزرتا ہے ۔ کھال جائے مگر مال نہ جائے ۔ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے ۔ اور بعض لوگوں پر لڑنا نہایت دشوار گزرتا ہے ۔ تلوار چلی ہم ندارد ۔ مال ، جان کا صدقہ ہے ۔ اللہ مال اور جان دونوں کے لئے تیار رہنے کا حکم دیتا ہے اور مسلمانوں کو سخاوت ، شجاعت دونوں کے لئے مستعد بناتا ہے ۔ مسلمان سخی بھی ہوتا ہے اور شجیع بھی ۔ افسوس مسلمانوں نے اپنے دونوں جوہروں کو کھودیا ۔ اور قعر مذلت میں جاگرے ۔ ● ۳

جہاد اسلام حریت ، آزادی ، مذہب کے لئے جنگ کی اجازت دیتا ہے ۔ اچھا یہ جہاد کیا چیز ہے ؟ کیا زبردستی جنگ کرنا نہیں ہے ؟ سنو ! دشمنان دین نے جہاد کے لفظ کو ہوا بنادیا ہے ۔ جهد یجهد جهدا کوشش کرنا جاهد یجاهد مجاهده و جهادا ۔ باہم مل کر کوشش کرنا ۔ قوم کی تعلیم میں کوشش کرنا بھی جہاد ہے ۔ اصلاح اخلاق و عادات کرنا بھی جہاد ہے ۔ بلکہ جہادِ اکبر ہے ۔ اسلامی جنگ مذہب اور امن کے قائم کرنے کے لئے ہوتی ہے ۔ اس واسطے وہ بھی جائز ہے ۔ کیونکہ وہ بہت بڑی کوشش ہے ۔ ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض اگر یہ بات نہ ہوتی کہ امن پسند یا حق پرست لوگوں کے ہاتھ سے شریروں اور مفسدوں کو دفع نہ کیا جاتا تو روئے زمین تباہ ہوجاتی ۔ ایک دوسری جگہ ہے ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع وصلوٰت و مساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا ۔ اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں راہبوں کی ، گرجے نصرانیوں کے اور کلیسے یہودیوں کے اور مسجدیں مسلمانوں کی جن میں بکثرت نام خدا لیا جاتا ہے ۔ ان آیتوں سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ۔

۱ ۔ جنگ یا جہاد امن کے برقرار رکھنے کے لئے کیا جاتا ہے ۔

۲ ۔ معابدہ میں اور یاد خدا کرنے میں کسی قسم کا نقصان اور خلل نہ پیدا ہوا ۔ کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ اسلام دوسرے مذاہب اور عبادت گاہوں کو برقرار رکھنا چاہتا ہے ۔ ● ۴

● ۱ ۔ ۲ ۔ ۳ ۔ ۴ تفسیر صدیقی

ایک غلط فہمی کا اس طرح ازالہ فرماتے ہیں ۔ • دشمنان اسلام نے ایک غلط فہمی پھیلا رکھی ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے ۔ کوئی ذرا قرآن کی آیتوں پر غور کرے ۔ وہ تو فرماتا ہے ۔ لا اکراہ فی الدین ۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں ۔ وہ فرماتا ہے ۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین ۔ کیا تم لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کروگے ؟ نہیں ، ہرگز نہیں ۔ جو لوگ امن و امان اختیار کرکے باوجود کفر و شرک کے مسلمانوں کے دامن عطوفت میں پناہ لیتے ہیں ان کی حفاظت کا ذمہ مسلمان لیتے ہیں ۔ ان کے حقوق کی حفاظت مسلمان کرتے ہیں ۔ وہ لوگ ذمی کہلاتے ہیں ۔ جو حربی ، مسلمانوں سے جنگ کرنے والے بھی چند روز کے لئے امن لے کر مسلمانوں کے ملک میں آتے ہیں تو ان کو امن دینے کا حکم ہے ۔ وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ ۔ اگر کوئی مشرک تمہاری پناہ لینا چاہے تو تم اس کو پناہ دو ۔ رحمۃ للعٰلمین ۔ نے حکم دیا عورتوں کو نہ مارو ، بچوں کو نہ مارو ، بوڑھوں کو نہ مارو ، گرجوں اور مندروں میں رہنے والوں کو نہ مارو ، جو لڑنے جھگڑنے والے نہیں ، کشت و خون کرنے والے نہیں ان پر رحم کرو ۔ ان کو چھوڑ دو ۔ قرآن میں کوئی غور کرے کہ اس میں جا بجا قاتلوا ہے بابِ مفاعلہ شرکت پر دلالت کرتا ہے ۔ یعنی ان کو مارو جو تم کو مارنا چاہتے ہیں ۔ ایک جگہ فاقتلوا بھی ہے مگر کن کو ؟ جو تم کو مارتے ہیں ۔ مسلمانوں سے زیادہ روادار ، صلح جو کوئی قوم نہیں ۔ • ۱

وار فنڈ یا جزیہ حضرت لکھتے ہیں • اچھا غیر مسلموں سے کیوں جزیہ لیا جاتا ہے ؟ اور مسلمانوں سے کیوں نہیں لیا جاتا ؟ اس کا صاف جواب ہے کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جاتی ہے اور غیر مسلموں سے جزیہ ۔ یہ جزیہ کیا ہے ؟ ٹیکس حفاظت یا وار فنڈ ۔ جو لوگ جنگی خدمات نہیں ادا کرتے ، امن و امان قائم رکھنے کی کوشش نہیں کرتے ان سے یہ ٹیکس لیا جاتا ہے ۔ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح ؓ نے ان ذمیوں کا جزیہ واپس کردیا جن کی حفاظت کر نہیں سکتے تھے ۔ نیز وہ غیر مسلم جو بحیثیت حلیف کے مسلمانوں کے ساتھ ہوکر لڑیں ان سے ہرگز جزیہ نہیں لیا جائے گا ۔ بعض اسلامی ممالک میں جو جنگی تعلیم میں شریک نہیں ہوتے ان سے ایسا ٹیکس لیا جاتا ہے ۔ جزیہ کے لفظ سے کراہیت کی کیا بات ہے ۔ اور وار فنڈ کے لفظ میں کیا خوبی ہے کہ جزیہ کے لفظ سے چراغ پا ہوتے ہیں ۔ اور وار فنڈ کے لفظ سے نہایت خوش ، حالانکہ دونوں کا مقصد ایک ہے ، غرض متحد ہے ۔ • ۲

غلامی • اچھا ، غیر مسلموں کو غلام بنالینے کی کیا وجہ ہے ؟ جب کہ اسلام حریت اور مساوات کا علم بردار ہے ؟ لوگوں کو غلامی کے لفظ سے دھوکا ہوتا ہے ۔ ان کا خیال روما کے غلاموں اور افریقہ کے غلاموں کی طرف جاتا ہے ۔ اسلام ان مظالم سے پاک ہے ۔ اسلام میں غیر تعلیم یافتہ و غیر تربیت یافتہ لوگ ، تربیت یافتہ لوگوں کے زیر نگرانی دیئے جاتے ہیں ۔ اس زمانہ میں حکم ہے کہ ان غلاموں یا غیر تربیت یافتہ یا ان کلچرڈ اور ان سوی لائزڈ کو بھی وہی کھلائیں جو خود کھائیں ۔ وہی پہنائیں جو خود پہنیں ۔ کام لیں تو خود بھی ہاتھ بٹائیں ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت بھی یہی وصیت کی کہ باندی ، غلاموں یا غیر تعلیم یافتہ اشخاص کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے ۔ اسلام کا حکم ہے ۔ فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا و اتوھم من مال اللہ الذی اتکم ۔ یعنی کچھ لے کر ان کو نوشتہ آزادی لکھ دو اگر ان میں خیر کے آثار پاؤ ۔ اگر یہ تعلیم و تربیت یافتہ اور خوش کردار ہوجائیں تو ان کو خدا کے دیئے ہوئے مال سے تم بھی تو کچھ دو ۔ ذرا خدا کو حاضر و ناظر جان کر وہ لوگ جو اسلام کے بزورِ شمشیر پھیلنے کا دعویٰ کرتے ہیں ۔

• ۲۰۱ تفسیرِ صدیقی ۔

فرمائیں کہ کیا غلاموں میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے غلام نہ تھے ۔ اگر اسلام میں ایسی زبردستی ہوتی تو کوئی کافر غلام زندہ نہ رہتا یا کوئی اپنے مذہب پر برقرار نہ رہتا ۔ حقائق الگ چیز ہیں ، اور جھوٹے پروپگنڈے الگ بات ۔ ● ۱

حقوق العباد

حضرت حقوق العباد پر اس طرح توجہ دلاتے ہیں ۔ ۔ دیکھو ! اللہ حقوق اللہ میں معافی فرما سکتا ہے ۔ مگر حقوق العباد بڑی بری بلا ہے ۔ وہ علیم ہے تمہارے اعمال سے واقف ہے ۔ قدیر ہے تم کو جزا و سزا دے سکتا ہے ۔ وہ مقسط ہے عادل ہے ، منصف ہے ، غریبوں اور عاجزوں کی فریاد سنتا ہے ۔ وہ ظالموں کو بغیر سزا دیئے نہ چھوڑے گا ۔ اے حاکمو ! اپنے ماتحت لوگوں پر انصاف و رحم سے کام لو ۔ غلطی تم سے بھی ہوتی ہے اور دوسروں سے بھی ۔ چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت نہ کرو ۔ بندگانِ خدا کی حق رسانی کرو آخر تمہارا بھی تو ایک مالک ہے ، بادشاہ ہے ، اس سے جس قسم کی امید رکھتے ہو اپنے ماتحتوں سے ویسا ہی سلوک کرو ۔ اللہ رب العالمین ہے ، رحمٰن و رحیم ہے ، تم بھی تو اس کے صفاتِ طیبہ کا مظہر بنو ۔ دیکھو ! ان بطش ربک لشدید ۔ تیرے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے ۔ ● ۲

۔ مسلم حکمِ الٰہی میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ بے حکم شرع کوئی حرکت نہیں کرسکتا ، کیا بات کرسکتا ہے ؟ نہیں ۔ غیبت نہیں کرسکتا ، جھوٹ نہیں بول سکتا ۔ کلمات کفر نہیں بک سکتا ۔ کیا کچھ کھا سکتا ہے ؟ نہیں ۔ جو جانور حرام کردیئے گئے ہیں ان کو نہیں کھا سکتا معمولی کھانا پانی رمضان شریف کے دن جب تک مغرب نہ ہوجائے نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے ۔ غرض کہ مسلمان کا ہر فعل تحتِ شرع متین ہوتا ہے ۔ ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العٰلمین ۔ ● ۳

موت و حیات میری دونوں ترے لئے ہیں ۔ جینا تری گلی میں مرنا تری گلی میں (حضرت صدیقیؒ)

امراء سے معاملت

امراء سے معاملت

امراء سے حضرت کی معاملت

ایک مرتبہ نواب میر عثمان علی خان آصفجاہ ہفتم کے فرزند، نواب ہاشم جاہ بہادر، حیدرآباد کے کسی مشائخ صاحب کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے مشائخ صاحب سے پوچھا۔ ان سے آپ کی ملاقات کیسی "؟ ہاشم جاہ نے بڑھ کر عرض کیا۔ یہ میرے پاس اکثر آتے رہتے ہیں "۔ حضرت نے مشائخ صاحب سے پھر پوچھا۔ کچھ قرآن و حدیث کی تعلیم دینے جاتے ہیں "؟ انہوں نے جواب دیا۔ شہزادہ صاحب کی عنایت کی وجہ سے آیا جایا کرتا ہوں "۔ حضرت نے ان کو ڈانٹا۔ فرمایا۔ تم کو کیا پڑی ہے کہ ان کے گھر آیا جایا کرو۔ اگر ان کو تمہاری ضرورت ہے تو یہ خود تمہارے پاس آسکتے ہیں۔ فقراء کا نوابوں کے گھر آنا جانا اچھی بات نہیں "۔

عابد جاہ کو نماز کی تاکید آصف جاہ ہفتم کے ایک اور فرزند، نواب عابد جاہ بہادر، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطلاع کرائی کہ عابد جاہ حاضر ہوا ہے اور شرف ملاقات کا آرزو مند ہے۔ حضرت نے کہلوایا۔ ان سے کہو پہلے دو رکعت نماز ادا کرکے آئیں "۔ چنانچہ عابد جاہ نے تعمیل حکم میں فوراً وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کرکے حاضر خدمت ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد کنگ کوٹھی سے قریب کی ایک مسجد میں بعد نماز جمعہ ملاقات ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی آگے بڑھ کر خود ملے اور بڑی عقیدت سے دست بوسی کی۔ نام کی مناسبت کی بناء پر دو رکعت نماز پڑھوانے کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ پنج وقتہ نماز کے پابند ہوگئے۔ حضور نظام کے صاحبزادوں میں شدت کے ساتھ پابند صوم و صلوٰۃ اگر کوئی ہے تو وہ صرف عابد جاہ بہادر ہی ہیں۔

فرزندانِ آصفجاہ کو شرفِ تلمذ نواب صلابت جاہ بہادر اور نواب بسالت جاہ بہادر برادرانِ آصفجاہ ہفتم کو حضرت سے تلمذ کا شرف حاصل رہا ہے۔ نواب بسالت جاہ بہادر سے میرا ایک مقام پر تعارف کرایا گیا تو نہایت عزت سے پیش آئے۔ فرمایا۔ مجھے مولانا کی شاگردی کا شرف حاصل ہے "۔ حضرت کا تذکرہ نہایت ادب و احترام سے کچھ دیر فرماتے رہے۔

نواب اعظم جاہ بہادر مرحوم اور نواب معظم جاہ بہادر شہزادگانِ بلند اقبال کی تعلیم کے سلسلہ میں اعلٰحضرت آصفجاہ ہفتم نے حضرت کے پاس کہلوایا تو جواب میں عرض کروادیا کہ میں شہزادوں کے بنگلہ پر تعلیم دینے سے قاصر ہوں۔ فقیر کا گھر ان کے لئے ہر وقت کھلا ہے یا مسجد میں انتظام ہوسکتا ہے۔ نواب مکرم جاہ کی تعلیم کے بارے میں بھی حضرت نے اسی طرح کہلوادیا تھا۔

نواب صلابت جاہ بہادر مرحوم کی والدہ اجالہ بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا تو اعلٰحضرت نے حکم دیا کہ ان کے پیر و مرشد کو اطلاع دو۔ چنانچہ اطلاع ملنے پر حضرت مکہ مسجد میں ان کے دفن میں شریک رہے۔

تلاوتِ کلام اللہ کا احترام اعلٰحضرت کے ایک فرزند نواب جواد جاہ کا انتقال ہوا۔ زیارت سوم میں، اطلاع آنے پر حضرت تشریف لے گئے۔ قرآن خوانی ہورہی تھی۔ امراء، فقراء، مشائخین، علماء اور عہدہ دار سب ہی جمع تھے اور مصروف تلاوت تھے۔ اسنے میں اعلٰحضرت بندگانِ عالی کی رونق افروزی ہوئی۔ سب لوگ کھڑے ہوگئے۔ مگر حضرت مصروف تلاوت رہے۔ اعلٰحضرت نے حضرت کو دیکھا مگر کھڑے نہ ہونے پر معترض نہ ہوئے۔

مکہ مسجد کے طغرے سعودی عرب کی حکومت کی جانب سے اعلحضرت کے پاس چند طغرے مخمل پر زر کے کام سے کاڑھے ہوئے تحفۃً آئے اعلحضرت نے ان طغروں کو مکہ مسجد میں لگوادیا۔ یہ طغرے آج بھی مکہ مسجد میں لگے ہوئے ہیں۔ آخری کتبہ پر سعودی بادشاہ ابن سعود کا نام بھی تھا۔ حضرت نے طغروں کو ملاحظہ فرمایا۔ قرآنی آیتوں پر بھلا معترض کیوں ہوتے مگر سلطان کے نام پر اعتراض فرمایا۔ مہتمم مکہ مسجد کو بلواکر کہا "آئندہ جمعہ تک یہ نام کتبہ میں نہیں رہے گا"۔ انھوں نے عرض کیا اعلحضرت نے لگوایا ہے۔ فرمایا "ان کو کیا پڑی ہے جو مساجد میں من مانی کریں، دین کے کاموں میں دخل دیں"۔ مہتمم مکہ مسجد نے اعلحضرت کے پاس معروضہ پیش کیا کہ مولانا عبدالقدیر صدیقی کو اعتراض ہے اور اس طرح کہہ کر تشریف لے گئے ہیں۔ اعلحضرت نے حکم دیا کہ فوراً اس نام کو کتبہ سے صاف کردیا جائے اور ان کو اطلاع کردی جائے۔

بادشاہ وقت کا احترام اعلحضرت کے ہاں دعوت تھی۔ علما و مشائخین کا دستر خوان علحدہ تھا۔ حضرت کی بھی دعوت تھی تشریف لے گئے۔ اعلحضرت نے حضرت کی جگہ اپنے بالکل روبرو رکھی تھی۔ حضرت دوسرے دستر خوان کی طرف تشریف لے جانے لگے تو اعلحضرت نے فرمایا "صدیقی صاحب کہاں ہیں۔ ان کے لئے میں نے یہاں جگہ رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت تشریف فرما ہوگئے۔ اعلحضرت کی عادت تھی کہ اپنے خاصہ سے فراغت کے فوری بعد اٹھ جاتے دوسروں کا لحاظ نہ فرماتے۔ سب کو احتراماً اٹھ جانا پڑتا۔ مگر اس مرتبہ اعلحضرت نے اس وقت تک ہاتھ نہیں روکا جب تک کہ حضرت نے کھانا ختم نہیں کیا۔ حضرت خاصہ میں مشغول رہتے تو اعلحضرت حضرت کے چہرہ مبارک کو بغور دیکھتے۔ حضرت نوالہ اٹھاتے تو خود مصروف طعام ہوجاتے۔ ختمِ دعوت پر اعلحضرت ابھی روانہ نہ ہوئے تھے، مہمانوں سے مصروف گفتگو ہی تھے کہ ایسے میں اعلحضرت کے برادرِ نسبتی نواب قدرت نواز جنگ بہادر حضرت سے آکر ملے اور قدمبوس ہونے لگے۔ حضرت نے ان سے فرمایا "باوا! یہ گھر نہیں ہے"۔ انھوں نے عرض کیا "آقا میں منافق نہیں ہوں"۔ نواب صاحب موصوف، حضرت سے عرض معروض کرتے یا حضرت کا ذکر کرتے تو میرے آقا سے مخاطبت کرتے۔ مرتے دم تک ان کی عقیدت کا یہی عالم رہا۔ ایک مرتبہ مجھے اپنے گھر (یاقوت پورہ) دعوت دی۔ گاؤ تکیئے سے مجھے بٹھایا اور سوزنی سے ہٹ کر ہاتھ جوڑے سامنے بیٹھے رہے۔ میں نے توجہ دلائی تو فرمایا "پاشا آپ نواسے کس کے ہیں، ہماری یہیں جگہ ہے۔ جہاں کچھ پریشانی آتی حضرت کی خدمت میں فوراً حاضر ہوجاتے اور طالبِ دعا ہوتے۔ باوجود امیر کبیر ہونے کے حضرت جہاں تشریف فرما رہتے بیٹھ جاتے۔ سادہ تخت ہو، سیلو کا فرش ہو، یا حصیر ہو، کچھ ہو۔

ملکہ دکن کی حضرت سے ملاقات ایک مرتبہ اعلحضرت نے کہلوایا کہ دلہن پاشا آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ آپ ان سے ملاقات کریں۔ دن اور وقت کا بھی تعین کردیا گیا۔ چنانچہ حضرت وقت مقررہ پر تشریف لے گئے۔ دلہن پاشا ولی عہد بہادر کی والدہ تھیں، ملکہ کا اعزاز ان ہی کو حاصل تھا اطلاع ہوئی تو انھوں نے حضرت کو دیوڑھی میں یاد فرمایا۔ نہایت احترام سے کرسی پیش کی۔ حضرت تشریف فرما ہوگئے۔ دلہن پاشا کا عجب حال تھا۔ برسوں سے غسل نہ کرنے کی وجہ سے سر کے بال الجھ کر گسائیں کی لٹیں بن گئی تھیں۔ سخت جلالی رنگ طاری تھا۔ انھوں نے گفتگو کی ابتداء یوں کی۔ "میں نے سنا ہے کہ یہاں کے اکثر عروب آپ کے مرید ہیں اور آپ لوگوں کو گھر پر بنوٹ بھی سکھاتے ہیں"۔ حضرت نے جواب دیا "یہ میرا خانگی معاملہ ہے"۔ انھوں نے عرض کیا "میں کچھ

باتیں آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔ مگر آپ عثمان علی (اعلحضرت بندگانِ عالی) سے تو نہیں کہہ دیں گے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا " میں صدیقی ہوں خود سے تو نہیں کہوں گا، وہ شاہِ وقت ہیں اگر مجھ سے پوچھیں تو کہنا ہی پڑے گا "۔ دولہن پاشا نے کہا " مجھے آواز آتی ہے کہ میں اللہ ہوں "۔ حضرت نے استفسار فرمایا " کیا آپ کوئی وظیفہ پڑھتی ہیں ؟ " انھوں نے جواب دیا " اللہ ھو " کا وظیفہ پڑھتی ہوں "۔ حضرت نے پوچھا " اس وظیفہ کی آپ کو کسی نے اجازت دی ؟ " انھوں نے بتایا کہ " ایک بڑھیا نے مجھے یہ وظیفہ پڑھنے کہا تھا "۔ حضرت نے سوال کیا " کیا آپ کو کسی سے بیعت حاصل ہے ؟ " انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ حضرت نے فرمایا " شیطان " میں اللہ ہوں کہہ کر لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے، مگر میں رسول اللہ ہوں کہہ نہیں سکتا۔ نہ تو حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صورت میں تمثل اختیار کرسکتا ہے۔ آپ کثرت سے درود پڑھئے اس سے ٹھنڈی کیفیت آتی ہے "۔ حضرت نے ان سے کہا " آپ پر سخت جلالی رنگ طاری ہے۔ آپ متحمل نہیں ہوسکتیں۔ آپ اپنی کیفیت میرے حوالے کر دیجئے، محفوظ رہے گی۔ مرتے وقت مل جائے گی "۔ وہ راضی نہ ہوئیں، کہا " میں جس حال میں ہوں رہنے دیجئے " پھر عرض کیا " آپ فرمائیے میں کس سے بیعت کروں ؟ " حضرت نے فرمایا " اس معاملہ میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع ہوں۔ جس کے لئے رہبری ہو بیعت کریں "۔ انھوں نے سوال کیا " آپ کو اپنے مرشدؒ، سرکارِ دوعالمؐ اور اللہ تعالیٰ سے کس قسم کا ربط محسوس ہوتا ہے ؟ " حضرت نے جواب دیا " میں بادشاہ کا نمک خوار ہوں، انھوں نے حکم دیا تعمیل حکم میں، میں یہاں چلا آیا۔ یہ معاملہ روح سے متعلق ہے، اس پر کسی کی حکومت نہیں۔ میں یہ بتانا نہیں چاہتا "۔ یہ ساری گفتگو ولی عہد کی بہن بھی سن رہی تھیں جو وہاں پہلے ہی سے موجود تھیں۔ درمیان میں وہ بھی سوالات کرتی جاتی تھیں۔ جمعہ کا دن تھا حضرت نے گھڑی دیکھی فرمایا بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار کا وقت ہورہا ہے اور چلنے کھڑے ہوگئے۔ السلام علیکم کہا اور تیز تیز واپس ہوگئے۔ ماں بیٹی دیکھتی رہ گئیں۔

جاں نثاری کا اظہار انگریزوں کے آخری دور میں پر تشدد کارروائیاں شروع ہوئیں، ہر طرف فسادات پھوٹ پڑے۔ حیدرآباد بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہاں کے ذی وجاہت و ذی شرف حضرات اپنی خیر منانے لگے۔ بعضوں نے غیر متاثرہ علاقوں میں منتقل ہونے کی سوچی۔ اعلحضرت کو بھی مشورہ دیا کہ آپ بھی امن ہونے تک کم از کم اورنگ آباد منتقل ہوجائیں۔ چنانچہ یہ مسئلہ کنگ کوٹھی میں معرضِ بحث بنا ہوا تھا۔ اعلحضرت نے باریاب ہونے والوں سے دریافت فرمایا " صدیقی صاحب کیا سوچ رہے ہیں ؟ " چنانچہ حضرت کی یاد ہوئی۔ حضرت سے بھی مشورہ چاہا۔ حضرت نے فرمایا " میں، میرے بچے، ہزاروں مرید اور ہزاروں شاگرد کس دن کے لئے ہیں۔ ضرورت ہوگی تو میں کنگ کوٹھی کے باہر پڑجاؤں گا۔ جب تک میں اور میرے متعلقین زندہ ہیں آپ پر آنچ نہیں آسکتی۔ آپ آرام سے کنگ کوٹھی میں رہیں "۔ چنانچہ نقلِ مقام کا مسئلہ ہی ختم ہوگیا۔

رعایا سے بادشاہ یا بادشاہ سے رعایا اتحاد المسلمین پورے عروج پر تھی۔ نواب بہادر یار جنگ اپنی تقریروں میں غیر محتاط ہوگئے۔ یہ مسئلہ اٹھایا کہ رعایا سے بادشاہ ہے یا بادشاہ سے رعایا۔ اصل میں اعلحضرت نے ایک شعر لکھا تھا۔

سلاطینِ سلف سب ہوگئے نذرِ اجل عثماںؔ مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

یہ شعر مسلمانوں کو ناگوار گزرا۔ لعن طعن شروع ہوگئی۔ بہادر یار جنگ نے بھی خوب اچھالا۔ اعلحضرت ان سے خدشہ محسوس

کرنے لگے۔ اس وقت کنگ کوٹھی میں گویا تلوار لٹک رہی تھی۔ حضرت کی یاد ہوئی۔ حضرت نے اس خیال کے تحت کہ نہ معلوم گفتگو کا کیا رنگ رہے اور نتیجہ میں سلامتی سے گھر واپسی ہوتی ہے یا شہر بدر کا حکم ہوتا ہے کیونکہ بادشاہوں کی چاہت اور عقیدت بے بھروسہ ہوتی ہے۔ اپنے ایک خادم محمد حسین قادری کو ساتھ لیا۔ بستر لپیٹ کر موٹر میں رکھ لیا۔ ہاتھ میں تلوار اور گلے میں قرآن حمائل کرکے کنگ کوٹھی پہنچے۔ ۔ اندر اطلاع ہوئی۔ باریابی کی اجازت ملی۔ پردہ گیٹ میں داخل ہونا چاہتے تھے کہ دربان نے ٹوکا اور تلوار باہر رکھ کر اندر جانے کا حکم سنایا۔ حضرت نے فرمایا "میری تلوار کون لیتا ہے؟ فوراً اطلاع اعلیٰحضرت کو مل گئی۔ وہاں سے حکم آیا "صدیقی صاحب جس حالت میں آنا چاہیں ان کو اجازت ہے"۔ اعلیٰحضرت نے پہلے سے حضرت کے لئے کرسی رکھوادی تھی۔ حضرت نذری باغ میں داخل ہوئے۔ اعلیٰحضرت "مولانا ادھر، مولانا ادھر" کی آواز دیتے کئی قدم آگے آگئے۔ حضرت نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا۔ اعلیٰحضرت نے نہایت اشتیاق سے ملاقات کی۔ گفتگو شروع ہوئی۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا "میں آپ سے کچھ مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں"۔ حضرت نے عرض کیا "میں بچوں کو پڑھانے والا مولوی آدمی ہوں"۔ "آپ فرمائیں گے ایسا کیوں کہا، یوں بات کیوں کی تو آپ فرماتے جائیے میں سنتا جاتا ہوں"۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا "آپ اطمینان سے گفتگو فرمائیں"۔ اعلیٰحضرت نے سوال کیا "بادشاہ سے رعایا ہے یا رعایا سے بادشاہ؟ حضرت نے جواب دیا "ہمارے پاس اسلام میں لوگ نماز کے لئے مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو سب آزاد رہتے ہیں، جب امام کو چن لیتے ہیں تو امام کے زیر حکم آجاتے ہیں، اس کے حکم پر عمل نہ کیا جائے تو مقتدی باقی نہیں رہتا۔ اگر امام سے معمولی غلطی ہو تو مقتدی ٹوک دیتے ہیں، اگر امام ایسی فاش غلطی کرے جو اصول دین کے خلاف ہو تو نہ امام باقی رہتا ہے نہ اس کی اطاعت باقی رہتی ہے۔ اعلیٰحضرت نے جواب سن کر اطمینان ظاہر کیا۔ اور بھی مسائل پر گفتگو رہی۔

عید الفطر کا مسئلہ ایک مرتبہ رمضان میں انتیس تاریخ مطلع ابر آلود ہونے کی بناء پر عید کا چاند نظر نہ آیا اور دوسرے شہروں سے چاند نظر آجانے کی اطلاع ملنے پر دوسرے دن نماز عید کی ادائی کے رائے میں اختلاف رائے ہوگیا۔ بعض نماز عید ادا کرنے پر مصر تھے اور بعض روزہ جاری رکھنے پر۔ اعلیٰحضرت نے پیشی کے لوگوں سے فرمایا "میں وہی کروں گا جو صدیقی صاحب کریں گے"۔ چنانچہ دریافت کے لئے علی الصبح پیشی کے چند ذمہ دار اصحاب کو حضرت کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت نے ان سے حدیث بیان فرمائی کہ "عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا رمضان کا اور اشارہ کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے (یعنی دس انگلیوں سے) اور فرمایا کہ مہینہ ایسا ہے، ایسا ہے، ایسا ہے اور بند کرلیا اپنے انگوٹھے کو تیسری بار (یعنی انتیس دن کا ہوتا ہے) اور فرمایا روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو چاند دیکھ کر پھر اگر تم پر بدلی ہو تو گن لو پورے تیس دن"۔ اس حدیث کو بیان کرکے حضرت نے فرمایا "اعلیٰحضرت سے کہو میں نے تو روزہ رکھا ہے۔ پھر فرمایا "شہر میں وہیں کی رویت معتبر دوسرے شہروں کی رویت معتبر نہیں"۔ چنانچہ اعلیٰحضرت نے نماز عید ادا نہ کی۔ مکہ مسجد اور عیدگاہ میں بھی نماز عید نہیں پڑھی گئی۔ صرف مسجد افضل گنج میں ان حضرات نے نماز عید الفطر پڑھی جو نماز عید کی ادائی پر مصر تھے۔ بعد میں ان لوگوں کو بڑا تأسف رہا کہ ان کا فرض روزہ قضاء ہوا۔

ایک مرتبہ اعلیٰحضرت نے حضرت کے پاس خاصہ بھیجا۔ شاہی تھی۔ دستور تھا کہ بادشاہِ وقت اگر کسی کے پاس خاصہ روانہ کرے تو حسبِ حیثیت نذر پیش کریں۔ حضرت نے خاصہ قبول کرلیا اور کاغذ کے ایک پرزہ پر فی البدیہ صرف یہ

شعر لکھ کر روانہ کر دیا۔

عثمان تو ہرگز نہ ڈر اللہ تیرا یار ہے تیری مدد پر مصطفےٰ اور حیدرِ کرار ہے

اعلحضرت نے وہ پرچہ لے لیا۔ شعر پڑھتے جاتے، ٹہلتے جاتے اور بار بار شعر پڑھتے جاتے، کتنی دیر تک یہی حالت رہی۔

حضور نظام کی کئی صاحبزادیاں، داماد اور خاندانِ شاہی کے دیگر کئی ارکان حضرت کے مرید تھے۔ مگر حضرت کسی کے گھر کبھی تشریف نہیں لے گئے۔ البتہ ضرورت پر یہ لوگ خود حاضر خدمت ہوتے اور اپنے لئے طالب دعا ہوتے۔

سالار جنگ کے نوادرات کا معائنہ نواب میر یوسف علی خاں سالار جنگ ثالث نے حضرت کو بطورِ خاص مدعو فرمایا اور اپنے جمع کردہ نوادرات کا خود حضرت کے ساتھ رہ کر معائنہ کروایا۔ ہتھیاروں میں حضرت نے ایک تلوار اور ایک پیش قبض کی بہت تعریف کی۔ سالار جنگ نے خوش ہوکر بتلایا یہ تلوار شہنشاہ جہانگیر کے ہاتھ کی ہے، اور پیش قبض ملکہ نور جہاں کا۔ مخطوطات اور قلمی کلام مجید اور دیگر کتب کا ملاحظہ کرتے ہوئے۔ حضرت نے ایک تحریر کو بغور دیکھا اور کہا اس کے دیکھنے سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہورہے ہیں۔ سالار جنگ نے عرض کیا یہ تحریر حضرت مولیٰ (علی المرتضیٰؓ) کے دستِ مبارک کی تحریر کردہ ہے۔ تمام نوادرات دیکھنے کے بعد حضرت نے سالار جنگ سے فرمایا" میں اس آنکھ کی تعریف کرتا ہوں جس نے ان نوادرات کو پرکھا اور چن چن کر جمع کیا"۔

ولی الدولہ کا معاملہ سردقار الامراء کے صاحبزادے نواب محمد ولی الدین خاں ولی الدولہ بہادر و صدر اعظم وقت کو حج و زیارت کا خیال پیدا ہوا تو شراب پینے سے تائب ہوگئے۔ قیمتی شراب ان کے بنگلہ سے بہہ نکلی۔ بیش بہا ظروف چکنا چور کردیئے گئے۔ رات دن مدینہ طیبہ کا لَو لگ گیا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حج و زیارت میں حضرت کی معیت کے خواہاں ہوئے۔ حضرت نے فرمایا۔" باوا! اب میں کہل ہوگیا ہوں میری خدمت کون کرے گا"۔ انھوں نے عرض کیا کئی نوکر میرے ساتھ چل رہے ہیں حضرت کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ حضرت نے فرمایا" میری خدمت اور تمہارے نوکر کریں گے؟ باوا! فقیر کا اور امیر کا ساتھ نہیں ہوسکتا"۔ فرمایا" آپ جاؤ میں آپ کے ساتھ ہوں"۔ نواب صاحب کی خوش نصیبی کی انتہا یہ کہ مدینہ طیبہ پہنچے تو بارگاہِ رسالت میں حاضری کے وقت مواجہِ شریف میں انتقال کرگئے۔ جنت البقیع میں دفن ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

" رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی"

ان کے فرزند نواب رشید جنگ باوجود حضور نظام کے داماد ہونے کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو نہاکر، گیلے بالوں سے حاضر ہوتے۔ صحن میں جوتے چھوڑ دیتے۔ سیڑھیوں کو بوسہ دیتے۔ نظر نیچی کئے دست بستہ خدمت میں کھڑے رہتے۔ ہاتھ جوڑتے جاتے، سرکار، سرکار کہتے جاتے اور عرض معروض کرتے جاتے۔

سر اکبر حیدری وزیر اعظم کو دعاء ایک مرتبہ ناملی اسٹیشن پر حضرت کسی کو چھوڑنے گئے تھے۔ اتفاقاً سر اکبر حیدری بھی اسٹیشن پر موجود تھے۔ ان کی نظر حضرت پر پڑی تو قریب آگئے۔ ہاتھوں کو لے کر سر پر رکھ لیا اور دعا کے طالب ہوئے۔ حضرت نے دعا دی" اللہ آپ کو بادشاہ اور سلطنت کا بہی خواہ رکھے۔ آپ سے خیر کے کام لے اور نیک کاموں میں آپ کی مدد کرے"۔ یہ اُس وقت وزیر اعظم تھے۔

مہاراجہ کی عقیدت مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت حیدرآباد نے رات کے خاصہ پر حضرت کو مدعو کیا۔ مغرب کا وقت تھا۔ حضرت تیار ہوکر باہر نکلے۔ ٹھیک اسی وقت ابوسعید خاں صاحب رفاعی، خلفِ نواب تہمتن جنگ بہادر، جو قرآن پڑھنے عصر کے وقت آیا کرتے تھے بارش کی وجہ سے دیر سے پہنچے۔ حضرت نے ان کو دیکھا تو فرمایا "آپ آگئے۔ اچھا بیٹھو، ابھی آیا"۔ کپڑے بدل کر باہر تشریف لائے۔ فرمایا "مہاراجہ کے پاس دعوت تھی"۔ انھوں نے عرض کیا "حضرت کل حاضر ہوجاتا ہوں"۔ حضرت نے ارشاد فرمایا "ابوسعید خاں صاحب اتنی دور سے بھیگتے ہوئے تکلیف اٹھاکر قرآن پڑھنے آئیں اور عبدالقدیر قرآن پڑھانا چھوڑ کر مہاراج کے پاس دعوت کھانے جائے"۔ قرآن پڑھانے لگے اور شوفر کو کہلوادیا کہ موٹر گیاریج میں رکھ دے۔

مہاراجہ بہادر اپنے آخری زمانہ میں حضرت کی خدمت میں اکثر حاضر ہونے لگے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر حاضر ہوئے۔ بچوں کو قدموں میں ڈالا۔ حضرت کی گود میں سر رکھ کر رونے لگے۔ حضرت کے سامنے دامن پھیلا کر کہنے لگے "اپنے مرشد کا صدقہ کچھ ڈال دو"۔ حضرت کی عادت تھی جب بھی ان کو دعا دیتے تو فرماتے "اللہ اچھا رکھے"۔ اس مرتبہ اپنے مرشد کا نام سن کر دعا دی "اللہ تمہاری آخرت اچھی کرے"۔ یہ سن کر مہاراج نے قدموں پر سر رکھ دیا۔ خوب روئے اور روتے ہوئے عرض کیا "میں بھی یہی دعا چاہتا تھا"۔ مہاراج کی تمام مسلم اولاد حضرت سے بیعت رکھتی ہے۔

کفر و اسلام تیرے کاکل رخ نے لوٹے
نہ دھرم باقی نہ ایمان ہے جاناں باقی

نصائح و ہدایات

الدّین النّصیحة

(حدیث شریف)

حضرت کی چند نصیحتیں ، ہدایتیں اور انتباہ

حضرت کے مقالات ، مضامین و نیز تفسیرِ صدیقی کے بعض پاروں سے اپنے ایک سرسری مطالعہ کے دوران وہ تحریرات جن میں حضرت نے ضروری نصیحتیں اور ہدایتیں فرمائی ہیں یا انتباہ دیا ہے میری نظر سے گزرتے گئے ۔ ان کو جمع کیا تو ایک مستقل رسالہ کی صورت پیدا ہوگئی ۔ یہاں اختصار کے پیشِ نظر ان میں سے چند کا انتخاب کرلیا گیا ہے جو برائے استفادہ پیش ہیں ۔

۱ ۔ شیطان پڑھا لکھا تعلیم یافتہ دشمن ہے ۔ اس کے شر سے بچنا مشکل ہے ۔ شیطان نظر نہیں آتا ۔ گھات میں بیٹھا کام کررہا ہے آدمی اسی وقت استعاذہ کرتا ہے کہ خود کو کمزور ، شیطان کو قوی دشمن اور اللہ کو قادر و توانا سمجھتا ہے جو آدمی کو شیطان کے شر سے بچاتا ہے ۔

آدمی کو جب اپنی کمزوری کا احساس ہوتا ہے تو تضرع و انکسار پیدا ہوتا ہے جو عبدیت کی جان ہے ۔

دشمن بھی پناہ میں آجاتا ہے تو اس کو تکلیف نہیں دی جاتی ۔ جب ہم اللہ کی پناہ میں آجائیں گے تو وہ ہمارے تمام کام درست کردے گا ۔ شیطان سے بھی بچائے گا اور دیگر مضر چیزوں سے بھی بچائے گا ۔ شیطان درگاہِ الٰہی کا کتا ہے ۔ کسی کو محل شاہی میں گھسنے نہیں دیتا ۔ تم اس کے آقا کو پکارو جو ہمارا بھی آقا ہے ۔ اے مالک یہ کتا تیرے دربار میں داخل ہونے سے ہم کو روکتا ہے تو اس کو ڈانٹ دے ۔ مالک ڈانٹ دے گا تو کتا ہٹ جائے گا اور ہم اس کی درگاہ میں داخل ہوسکیں گے ۔ دیکھنا اپنی قوتوں پر اپنی عقلمندی اور ہوشیاری پر نہ پھولو ، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں چھپے رہو ۔

۲ ۔ ہمارے پاس وحدت سے راحت ہے اور کثرت سے زحمت ۔ خدا کو پکڑو ، اس کا دامنِ رحمت ہاتھ سے جانے نہ دو ، خدا ایک ہے ، عینِ وحدت ہے ۔ تم اس کے زیرِ سایہ نہ رہو گے تو اطمینان کہاں سے پاؤ گے ۔

۳ ۔ خدائے تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے ۔ تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے کہ کون مفسد ہے ؟ کون مصلح ؟ آج ایسے کام کرو کہ کل تم کو شرمندگی نہ ہو ۔

۴ ۔ ہمیشہ کام کرتے وقت جانچو کہ اسبابِ ظاہری یا باطنی پر زیادہ اعتماد ہے ، زیادہ یقین ہے یا اللہ پر اور اس کے وعدوں پر ہم کچھ نہیں کہتے تم خود اپنے دلوں میں فیصلہ کرو کہ کیا شرک فی الالوہیت ، شرک فی العبادۃ ، شرک فی الارادۃ تو واقع نہیں ہوا ۔ اگر واقع ہوا ہے تو توبہ کرو ۔ جب سے اخلاص مفقود ہوا نکبت آئی ، ذلت آئی ، تباہی آئی ۔

۵ ۔ صراطِ مستقیم سے مراد ہر وہ صحیح امر ہے جس پر وہ چلانا چاہتا ہے ۔ افراط تفریط کمی زیادتی دونوں مناسب نہیں ۔ آزادی کا ارتقاء دہریت ، انٹی گاڈ تک ہوتا ہے ۔ تعظیمِ شخصی کی انتہا بُت پرستی ہوتی ہے ۔ درمیانی راستہ خدا کو خدا سمجھنا اس کے محبوبوں سے محبت رکھنا ہے ۔

ایک طرف خوارج ہیں ، ایک طرف روافض ، وسط میں راہِ سنت ہے ۔

نہ جبر ہے نہ قدر بلکہ حق درمیان میں ہے ۔

علتِ تام کے لحاظ سے ہر شئے کا ہونا لازم ہے مگر علتِ ناقص کے لحاظ سے بندہ کو گونہ قدرت ہے ۔

عدم اختیار ایک عقلی بات ہے ۔ تقدیر میں کیا ہے پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ۔ ہوجانے کے بعد تقدیر ظاہر ہوتی ہے ۔ جھوٹے حیلے کرنے والے نکمے بے کار تقدیر کا عذر کرتے ہیں ۔ اچھے لوگ کام کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اور مقبولیت کی امید رکھتے ہیں ۔ بعض دفعہ تقدیر میں دعا وغیرہ کی شرط ہوتی ہے ۔ دعا کرتے ہیں اور نتیجہ ظاہر ہوتا ہے ۔ دعا نہیں کرتے نتیجہ بھی ظاہر نہیں ہوتا ۔ دعا کرنا یا نہ کرنا خود جزوِ تقدیر ہے ۔

ایک طرف تقلیدِ محض ہے تو ایک طرف آزادی ، غیر مقلدی ، درمیان میں اہلِ علم کا اجتہادِ مطلق ، اجتہاد فی المذہب ، اجتہاد فی المسئلہ ، ترجیح کا سلسلہ ہے ۔ وقت بوقت تحقیق ہوتی ہے ۔ حق کی اتباع کی جاتی ہے ۔

اشتراکیت و ناقص جمہوریت اور ملوکیت و استبداد کے درمیان اسلامی انتخاب اور خلافت ہے ۔

تہور یعنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑپڑنے اور جبن یعنی بزدلی و نامردی کے درمیان شجاعت و مردانگی ہے ۔ حرص و جمود کے درمیان عفت ہے ۔

دھیٰ ، مکر ، پولٹیکل ، گربزی اور بلاہت ، کم فہمی کے درمیان علم و معرفت اور ذکاوت و سلاست ہے ۔ اسراف اور بخل کے درمیان سخاوت ہے ۔

ارجاء و وعید کے درمیان حق ہے ۔ مسلمانوں کا ایمان خوف و رجاء ، امید و بیم کے درمیان ہوتا ہے ۔

اچھا آدمی اعتدال پسند ہوتا ہے ۔ کسی ایک جانب نہیں ڈھلک جاتا ۔

صراط مستقیم پر چلنا ، افراط و تفریط سے احتراز کرنا ، لازم ہے ، فرض ہے ۔

جوان آدمی کو زیادہ ڈرتے رہنا چاہیئے اور بوڑھے کو رحمتِ الہٰی کی امید پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے ۔

دنیا کے کام میں اللہ پر زیادہ اعتماد کرے اور خدا کے کام میں سعی و عمل کو اہمیت دے ۔

صراطِ مستقیم پر چلنے والا ہی پل صراط پر سے گزر جائے گا ۔ جو اعتدال پر باقی نہیں رہا اس کو جہنم سے ڈرنا چاہیئے ۔

۶ ۔ عملِ صالح کیا ہے ؟ ہمارا ہر فعل ، نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ بیع و بشریٰ غرض کہ زندگی کے تمام شعبے تحتِ امرِ الہٰی ہوں جیسا عمل ویسی جزاء ۔ اعمال کی روح ۔ اخلاص للہ ، اخلاص لوجہ اللہ اور اطاعت رسول ہے ۔ دنیوی نیک کاموں کا نتیجہ راحت ہے ، آرام ہے ، آبرو ہے ، عزت ہے ، حکومت ہے ۔ جو دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتا صرف آخرت اس کے پیشِ نظر ہے ، اس کے لئے اخروی راحت ہے ، جنت ہے ۔ جو دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے مناسب کام اور عملِ صالح کرتا ہے اس کا دین بھی اچھا اور دنیا بھی اچھی ۔ مسلمان دو گھڑے اٹھاتا ہے اور سیدھا تنا ہوا راستہ چلتا ہے ۔ مسلمان کے دونوں ہاتھ میں قوت رہتی ہے ۔ مسلمان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں ملے ہوئے ہیں ۔ جہاں سے دودھ ملتا ہے ، وہاں خون بھی ہے ۔ بچہ نے جہاں دانت مارا حلال دودھ حرام بن گیا ۔ (دودھ کے ساتھ خون کے شریک ہوجانے کی وجہ سے) ۔

۷ ۔ باطل طریقہ کیا ہے ؟ جس چیز کو خدا نے منع کیا ہو اس کا اختیار کرنا ، رشوت لینا ، جھوٹے مقدمہ سچا بنانا ، بے اصل واقعہ کو زورِ فصاحت سے ثابت کرنا ، جھوٹی گواہی دینا ، سود کھانا ، جوا کھیلنا ، برج کھیلنے پر پیسہ لگانا ، گھوڑ دوڑ پر شرط لگانا ، آبکاری کی رقم جمع کرنا ، چوری کرنا ، ڈاکہ مارنا وغیرہ ۔ اچھے خاصے حاکم کو بہکا کر ناجائز آمدنی کے لینے پر برانگیختہ کرنا بھی ناجائز ہے ۔ رشوت

لے کر سرکاری مال کا نقصان کرنا، تمام قوم کا گنہگار ہونا ہے۔ ان ناجائز طور سے حاصل کئے ہوئے مال والوں کے پاس دعوتیں کھانا، ڈنر اڑانا اور دعائے برکت و ترقی دینا۔ ناجائز کمانے سے کچھ کم برا نہیں۔ غور کرو! یہ حرام کا پیسہ نور کیسے پیدا کرے گا۔ اور اس سے اطمینان قلبی کیوں کر حاصل ہوگا؟ حرام کا ایک لقمہ چالیس دن کی عبادت کو برباد کردیتا ہے۔ اپنے پرائے سب کے ساتھ تمہارا لین دین ترازو کے تول کی طرح برابر رہے درست رہے۔ نہ خود خسارے میں پڑو نہ دوسرے کو خسارے میں ڈالو۔

۸۔ مجوسیوں اور ہندؤں کے پاس ایام مخصوص میں اس قدر پرہیز کیا جاتا ہے کہ عورت کو گھر سے باہر کردیتے ہیں۔ اب وہ چاہے تین دن کے زمانہ کو دس کا ہی ظاہر کرے یا اس سے زیادہ بتلائے۔ اور نصرانیوں کے پاس ان ایام میں بھی قربت سے ممانعت نہیں۔ اسلام ایک اعتدال پسند مذہب ہے۔ اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ ایک گھر میں مل جل کر رہ سکتے ہیں، کھاپی سکتے ہیں صرف جماع سے ممانعت ہے۔ کیونکہ طبی طور سے اس میں بڑے نقصانات ہیں۔ اسلام میں وظیفہ زوجیت کو بے محل استعمال کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اگلی قوموں کو خدا نے اسی وجہ سے تہ و بالا اور تباہ کردیا۔ کیونکہ جب تم خود اپنی قوم کی بقا نہیں چاہتے اور وہ کام نہیں کرتے جس سے قوم کے افراد بڑھیں تو خدا تم کو تباہ کردے گا۔

۹۔ آج کل جنگ ہائے عظیم میں لاکھوں نہیں کروڑوں کفار مارے جاتے ہیں۔ ان کی عورتیں بیوہ ہورہی ہیں۔ وہ تم کو اپنے حسن و جمال، دل کش قیل و قال سے فریفتہ کرنے کی کوشش کریں گی۔ اپنے مال و منال کا لالچ دیں گی۔ دیکھنا! تم ان سے بچنا۔ ان کافر عورتوں سے غریب مسلمان عورتیں بہتر ہیں۔ اور دیکھو! کافر بھی مسلمان عورتوں کو بہکا کر لے جانے کی کوشش کریں گے دیکھنا ان سے بچنا۔ مسلمان عورت کا کبھی کافر سے نکاح نہ کردینا۔ غیر قوموں سے شادی بیاہ کیا جاتا ہے تو عقائد خراب، اخلاق خراب تمدن خراب، خاندان سے روابط خراب ہوجاتے ہیں۔ اور بالآخر دوزخ کا ایندھن ہوجاتے ہیں۔

ہمارے سامنے دونوں قسم کے واقعات پیش ہیں۔ مشرک عورتوں نے لائق اور سربرآوردہ مسلمانوں کے بچوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ آخر زنار گلے کا ہار ہوگیا۔ نہ دنیا کی راحت ہے نہ آخرت میں اُمید مغفرت۔

اس سے بدتر مسلمان عورت کا کافر سے نکاح کرلینا ہے۔ جب تک اتنی آزادی پھیلی نہ تھی ایسے واقعات نہیں ہوتے تھے ایک بیسوا مسلمان عورت بھی کافر سے تعلق پیدا کرنے کو مکروہ سمجھتی تھی۔ اللہ اکبر! آج کل کیسا زمانہ آگیا ہے، مسلمان عورتیں کافروں سے شادی کررہی ہیں اور ان کے بزرگ ان کو دعائے برکت دیتے ہیں۔ اللھم احفظنا۔

۱۰۔ جب سے مسلمانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اچھی بات کا حکم کرنا اور بری بات سے روکنا بند ہوگیا، موقوف ہوگیا۔ مسلمان تباہی کے گڑھے میں گرنے لگے۔ ایک کشتی میں چند لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک شخص سوراخ کررہا ہے تو سب کا فرض ہے کہ اس کو روکیں۔ نہ روکیں گے تو سب ڈوب جائیں گے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر پیغمبر کی تعلیم ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جتنے باطل مذاہب والے ہیں وہ اپنے مذہب اور خیالات کی تبلیغ کررہے ہیں اور مسلمان باوجود حق پر رہنے کے تبلیغ سے بے خبر ہیں۔ اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں کہ بدمذہب لوگوں کا زور بڑھتا جارہا ہے۔ روز ایک نیا مذہب ایجاد ہورہا ہے اور چند بے وقوف اس کے پیرو بن رہے ہیں۔ دنیا میں رسہ کشی ہورہی ہے۔ جو ہمت ہارے گا دوسرے کی طرف کھنچ کر چلا جائے گا۔ اللہ مسلمانوں کو توفیق دے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

۱۱۔ آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ (۱) مذہب اور اصول دین سے واقف، حق و باطل کی تمیز رکھنے والے ۔ وہ غیر مذہب والوں سے ملیں تو کوئی برائی نہیں ۔ ان کو ملنا چاہیئے اور اپنے دین اسلام کی تبلیغ کرنی چاہیئے ۔

(۲) جو لوگ دین سے واقف نہیں ان کو ان بد مذہب لوگوں سے احتراز کرنا چاہیئے ۔ پرگوئی، فصاحت و بلاغت اور مغالطہ دہی کا بڑا اثر ہے ۔

بعض کی باتیں کیا ہوتی ہیں کہ ایک جادو ہوتا ہے ۔ بے علم نادان اپنے مذہب سے تو واقف نہیں اور غیر مذہب والوں کی صحبت میں جاکر بیٹھتے ہیں اور ان کی مغالطہ بازی اور سحر گوئی کا شکار ہوجاتے ہیں ۔ نادانوں کی حالت یہ ہے کہ جہاں سن لیا کہ فلاں جگہ اسٹیج ہے، لکچر ہے، وعظ ہے بس جا پہنچے ۔ چاہے خطیب لکچرار، مذہب پر اعتراضات ہی کررہا ہو ۔ بعض کچھ سمجھتے ہیں مگر اخلاقی جراءت نہیں کہ تردید کریں ۔ ایسی جگہ تم جاتے ہی کیوں ہو، ایسی جگہ سے ٹل جاؤ ۔ ایسی جگہ سے اٹھ جاؤ ۔ اور غفلت کی وجہ سے بیٹھے رہے تو جب یاد آجائے یا کوئی یاد دلائے تو اس وقت تو ان ظالموں کے پاس سے اٹھ جاؤ ۔ یہ کیا تباہی ہے کہ خود کو علم نہیں، اچھے برے کی تمیز نہیں اور مغالطہ بازوں کے پاس جاؤ اور اپنے دین کو برباد کرو ۔ سنی مسلمان (بچوں کو) بچپن سے اپنے مذہب کی تعلیم نہیں دیتے ۔ نادان بچے غیر مذہب والوں کی صحبت میں جاتے ہیں، ان کی کتابیں دیکھتے ہیں اور ان سے متاثر ہوجاتے ہیں ۔ لوگوں کو چاہیئے کہ جہاں کچھ شبہ پیدا ہوا کسی عالم سے پوچھ لیا اور اس کو رفع کرلیا ۔ آج کل ایک بدتمیزی ہے کہ پھیلی ہوئی ہے ۔ وہی عالم سمجھا جاتا ہے جو یاوہ گوئی کرے ۔ لمبی چوڑی تقریر کرے ۔ فصاحت اور جراءت سے بولے، چاہے وہ امیر حمزہ کی داستان ہی کہہ رہا ہو گھنٹوں کی تقریر سنی، وعظ سنا، سن کر اٹھے تو ایک بات بھی یاد نہیں ۔ چیئرز سنے، تالیاں ہوئیں، مرحبا، واہ واہ کے نعرے ہوئے مگر سب لاحاصل ۔ کام کی بات نہ سنائی گئی نہ سنی گئی ۔ موجودہ اہلِ سنت کیا ہیں؟ ہر بدمذہب والوں کے شکار ہیں ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دین کی تعلیم دی ہی نہیں جاتی، دی بھی جاتی ہے تو رسمی ۔ شبہ کچھ اور ہے جواب کچھ اور دیا جاتا ہے ۔ غرض کہ کار دنیا تباہ اور کار آخرت بے راہ ۔

۱۲۔ بنی اسرائیل کیا کرتے تھے؟ ان کے ملعون ہونے کے کیا اسباب تھے؟ تاویلات، من گھڑت کی زیادتی، اور خدا سے غفلت ۔ کیا یہ سب باتیں مسلمانوں میں نہیں ہیں؟ دیکھو! جو حال ان کا ہوا وہ حال تمہارا بھی ہوگا ۔ تباہی کے گڑھے میں گرتے جارہے ہو مگر تم کو احساس نہیں ہے ۔ لعنت کی گھٹائیں تمہارے سرپر چھارہی ہیں مگر تم کو کچھ خبر نہیں ۔ یہ غفلت آخر کب تک؟ جس قدر اب تک تباہی ہوچکی ہے کیا کافی نہیں ہے؟ کیا اور ذلیل و خوار ہونا چاہتے ہو؟ عمل کرو، اپنی اصلاح کرو ۔

۱۳۔ ہر ایک چیز کا ایک جدا ہی حکم ہوتا ہے ۔ ماں باپ کی تعظیم و توقیر کرو ۔ بیوی بچوں سے محبت کرو وات کل ذی حق حقہ پر عمل کرو ۔ ہر مستحق کو اس کا حق ادا کرو ۔

محبت عرش اعظم سے اترتی ہے اور دلوں میں متمکن ہوتی ہے ۔ محبت کیا کرتی ہے؟ امتیاز کو مٹاتی ہے ۔ اتحاد کو پیدا کرتی ہے ۔ دو کو ایک کرتی ہے ۔ توحید کی روح محبت ہے ۔ ذرا غور کرو! وہ کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ میری اولاد تیری ہے اور تیری اولاد میری ہے ۔ وہ میاں بیوی ہیں ۔ محبت نے دونوں کو ایک کردیا ہے ۔ غیریت کو مٹادیا ہے ۔ افسوس اس زمانہ میں محبت شہر بدر کیا ملک بدر کردی گئی ہے ۔ جدھر دیکھو تلخی، ناگواری، دشمنی اور عداوت کا زور ہے ۔

۱۴۔ ہمارے خیال میں جب میاں بیوی میں ان بن شروع ہوجائے تو فوراً ہر دو خاندان کے پنچوں کو بلاؤ اور فتنہ فساد کو رفع دفع کردو۔ ایک چیز بڑی اہم ہے، قابلِ توجہ ہے۔ فیصلہ کرنے والے معاملات سے واقف ہوں، رسم و رواج سے باخبر ہوں، دونوں خاندان کے اعزاز کا اندازہ کرتے ہوں تو انصاف کی زیادہ امید ہے۔ حتی الامکان پنچایتوں سے فیصلے کئے جائیں، عدالت کی ضرورت ہی نہ پڑے، مقدمہ بازی میں وکیلوں کو دینے اور رسوم عدالت بھرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ مقدمہ بازی میں برباد ہونا مسلمانوں کے مناسب حال نہیں۔ کتنی بڑی شرم کی بات ہے کہ نیچ ذات والوں میں، دھیڑوں میں، چماروں میں، بھوئیوں میں، وڈروں میں سب میں پنچایتیں ہیں، وہ اپنے پنچوں کی سنتے ہیں، ان کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں لیکن زرا جھگڑا کرنے والے ہیں، صلح جوئی سے کوسوں دور ہیں تو مسلمان۔

ایک اور بات قابلِ توجہ ہے کہ حکم صرف نصیحت کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کی ثالثی کا فیصلہ سرکار سے منظور کرایا جائے تو اس کا اثر بھی عدالت کے فیصلہ کے برابر ہوتا ہے۔ میاں بیوی دونوں کے دستخط لے لئے جائیں کہ حکموں کا فیصلہ جو کچھ ہوگا ناطق ہوگا۔ اگر وہ طلاق یا خلع کا حکم دیں تو وہ حق اور ناطق ہوگا۔ عدالت بھی ایسے فیصلے کو رد نہ کرسکے گی۔

۱۵۔ جسے دیکھو بے جا رسوم اور اصراف میں گرفتار۔ سود کے پیسے سے عرس ہورہے ہیں، روزہ کشائی ہورہی ہے، تسمیہ خوانی کی جارہی ہے۔ اول تو قرض لینا ہی کوئی اچھی بات نہیں۔ پھر سودی قرض غیر ضروری کاموں میں! یا پھر عبادت کے کاموں میں، نیکی برباد گناہ لازم۔ مسلمانوں کے پاس پہلے تو دولت تھی، حکومت تھی تو انہیں سخاوت پر برانگیختہ کیا جاتا تھا۔ انہیں داد و دہش پر متوجہ کیا جاتا تھا۔ اب ضرورت ہے کفایت شعاری کی، تعلیم کی۔ بے جا صرفوں سے روکنے کی۔ میانہ روی کو پیش نظر رکھنے کی۔

۱۶۔ اللہ تعالیٰ کامل و مکمل ہے، صمد ہے اور بے نیاز ہے۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ اس کے افعال مبنی بر غرض نہیں۔ سب کی بناء اس کی رحمانیت و رحیمیت پر ہے۔ اس کے رحم عام نے تمہارے لئے تمام اسباب، تمام مواد پیدا کردیئے ہیں۔ تم ان سے فائدہ حاصل کرنے کا طریقہ اور قانون سیکھو اور نئے نئے قانون دریافت کرو۔ اکتشاف کرو۔ وہ تمہارے اعمال کے نتائج عطا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ حیاتِ دنیا کے مناسب کام کرو تو اس کے نتائج عطا فرمائے گا۔ حیاتِ اخروی کے مناسب کام کرو تو اس کے نتائج بھی عطا کرے گا۔ تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھو، اپاہج بن کر رہو۔ نہ علم سیکھو نہ ہنر اور تمہارے دشمن علم و ہنر سیکھیں، عمل و محنت کریں، وہ تو رب العالمین ہے۔ سب کا خدا ہے۔ ان کی محنت کا ثمرہ عطا کرے گا اور اپنی رحیمیت سے فیض یاب کرے گا۔ تم مغلوب ہوجاؤ گے۔ مفلس اور ذلیل ہوکر رہوگے۔ اگر تمہارا عقیدہ اچھا ہے، نماز اور روزے کے پابند ہو تو اس کا نتیجہ تم کو کل ملے گا آخرت میں ملے گا۔ آج کے لئے بھی تو کام کرو۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ اللہ نے عقل دی ہے ہاتھ پیر دیئے ہیں۔ ان کو بے کار نہ سمجھو۔ اللہ نے جن اغراض کے لئے ان کو پیدا کیا ہے ان میں استعمال کرو۔ کیا عالم و جاہل دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ بے شک آدمی اپنی سعی و کوشش کے نتیجہ کو دیکھے گا۔ جیسا کروگے ویسا بھروگے، جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے۔

عمل سے ساری عزت ہے ÷ باتوں سے کیا ہوتا ہے
غفلت باعثِ ذلت ہے ÷ علم و عمل کی دنیا ہے

۱۷۔ بے محنت کے عزت طلب کرنا محال کے لئے سرگرداں رہنا ہے۔ ماں باپ کا اندوختہ کب تک؟ قارون کا خزانہ بھی ہوگا تو ایک دن ختم ہوجائے گا۔

محنتی کے سامنے پہاڑ بھی اپنی سربلندی کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ وہ ڈائنامائٹ لگاتا ہے اور پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے۔ پہاڑ کھودتا ہے اور اس میں سے راستہ بنالیتا ہے۔

وقت آتا ہے تو کام ساتھ لاتا ہے۔ آج کا کام کل پر ڈالوگے تو کل کا کام کب نکالوگے؟ ماضی گیا، مستقبل ناقابل اعتماد، اب تمہارے ہاتھ میں حال کے سوا کیا ہے؟

جو کرنا ہے آج کرو ÷ کام کرو یا کاج کرو

ماضی کا رونا اور حال کا کھونا عقلمندوں کا کام نہیں۔

کیا نقد حیات کھور ہے ہو ÷ جو وقت گیا وہ پھر نہ آیا

زندگی کا وقت نامہ بناؤ۔ جتنا سوچنا ہے ایک ہی وقت سوچ لو۔ ایک ہی بات کو بار بار سوچنا عمر ضائع کرنا ہے۔ زمانہ غیر قار ہے اور اہلِ زمانہ اس کے ہم رفتار۔ کل تک تم رہوگے نہ کام کرنے کا موقع ملے گا۔ لیل و نہار کے سیاہ و سفید چوہے تمہاری عمر کی ڈالی کو کتر رہے ہیں۔ نیچے موت کا اژدھا منہ پھاڑے پڑا ہے کہ کب گروگے اور کب اس کا نوالہ بنوگے۔ ابھی وقت باقی ہے کچھ کام کرو۔ کچھ نام کرو۔ کام کرنے والے ہوائی جہاز پر اڑتے ہیں، سمندروں کو پھلانگتے ہیں۔ تم ہو کہ سینما، شطرنج بازی، قمار بازی، شراب خوری اور دیگر واہی تباہی اشغال میں مبتلا ہو۔ کب تک سوؤگے۔ خواب غفلت سے اٹھو اور کچھ کام کرو۔

جاگو! جاگو! اجل کمیں گاہ میں ہے ÷ اٹھو، اٹھو! یہ خوابِ غفلت کب تک

کچھ کرلو غافلو کہ میں ناپائیدار ہوں ÷ آتی ہے ہر نفس سے صدا گوش ہوش میں

۱۸۔ صاحبو! گذشتہ زمانہ میں خدا پرستوں کو کیا کیا تکلیفیں نہیں پہنچائی گئیں۔ مار ڈالا گیا۔ آروں سے چروایا گیا، آگ میں جلایا گیا۔ کوڑے لگوائے گئے۔ دھوپ میں ریت پر لٹاکر گرم پتھر رکھے گئے۔ واہ رے سچے مسلمان نہ ڈرے نہ ارادہ سے ٹلے، نہ ہمت ہاری نہ دشمنوں سے دبے، سچ کہا اور سچ پر اڑے رہے۔ ایک اس زمانے کے بھی مسلمان ہیں کہ اسلام ان کو مسلمان کہنے سے شرماتا ہے۔ بےمارے مرے جارہے ہیں۔ نہ دین کی پروا نہ آخرت کا کچھ خیال۔ پھر ان بدنصیبوں کو خدا فتح و نصرت دے تو کس طرح؟ امتحان میں فیل اور سند کے طالب، عہدوں کے خواستگار۔ خدا کا شکر کرو کہ اب تک مسخ نہیں ہوئے۔ موقع پر موقع دیا جارہا ہے کہ سنبھلو اور خدا کی طرف رجوع کرلو۔ دیکھو تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور وہ چاہے تو تم کو تباہ و برباد کردے۔ آئندہ اختیار۔

۱۹۔ اس زمانے کے کافروں اور اپنے پر غور کرو۔ تم ہو کہ ان میں محبت سے گھسے جارہے ہو۔ وہ تم سے ہرگز محبت نہیں کرتے۔ جب موقع ملتا ہے تم کو نقصان پہنچادیتے ہیں۔ آخر تمہاری جھوٹی رواداری کب تک؟ دشمنانِ خدا کو اپنا دوست نہ سمجھو۔ کفر اور اسلام نہ کبھی ملے ہیں اور نہ کبھی ملیں گے۔ تم ان سے ملنے کی لاکھ کوشش کرو، تیل پانی سے ہرگز نہ ملے گا۔ اپنے پیروں پر آپ کھڑے رہو۔ بل میں بل اپنا بل، خود اعتمادی سیکھو۔ کب تک دوسروں کی دُم پکڑے رہوگے۔

عام اہلِ غرض کا سلسلہ اور علاجات

عام اہلِ غرض کا سلسلہ

(آسیبی علاجات، امور مختلفہ کے لئے آیات قرآنی، سلب امراض، مختلف دواؤں کے نسخہ جات)

صبح کا درس ختم ہونے کے بعد عام اہلِ غرض حاضر ہونے لگتے اور دن تمام ایک تانتا بندھا رہتا۔ کوئی دعا کا طالب ہے، کوئی آسیب زدہ کا علاج چاہتا ہے کوئی بیماری سے شفایابی کے لئے حضرت کی توجہ اور دعا کا طلبگار ہے۔ کوئی روزی کی فراہمی کے لئے مناسب وظیفہ یا عہدہ دار کے پاس سفارش چاہتا ہے۔ کوئی لڑکی کی شادی یا اولاد ہونے کے لئے حضرت کی دعا کا طالب ہے۔ بعض لوگ مختلف فقہی مسائل میں فتویٰ لینے آتے ہیں۔ بعض لوگ مختلف علمی مسئلے لے کر پہنچتے اور ان کے تشفی بخش حل چاہتے۔ بہرحال اس عالم فقیر کے آستانے پر ایک نہ ایک حیلے سے اللہ اپنے بندوں کو بھیجتا۔ حضرت بھی ان کے اغراض کو حیلہ سمجھ کر آنے والوں کو مختلف انداز میں اللہ و رسول کی طرف متوجہ کرتے ان کے ایمان میں تازگی اور یقین میں پختگی پیدا کرنے کی فکر کرتے۔

حاضر ہونے والوں کے پیشِ نظر رہتا تھا کہ کوئی بات ہو۔ کوئی تکلیف یا کوئی معاملہ ہو حضرت کے صرف گوش گزار کردینا کافی ہے۔ لوگوں میں حضرت سے اس قدر عقیدت تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ حضرت کی زبانِ مبارک سے اگر کلمہ خیر نکل جائے تو کام بن جائے، مشکل حل ہوجائے۔ ان کو اتنا قوی یقین تھا کہ حضرت کے منہ سے نکلی ہوئی بات ٹلتی نہیں۔

ہر آنے والے سے حضرت نہایت خندہ پیشانی، التفات اور مہربانی سے پیش آتے۔ ان کی بات توجہ سے سنتے۔ مناسب حال اسماء الٰہی اور قرآنی آیتیں پڑھنے کے لئے بتلاتے۔ اگر بیمار ہوں تو مجرب دوائیں اور چٹکلے بھی بتلادیتے۔ یا صحیح علاج کرنے کا مشورہ دیتے۔ پڑھ کر پھونکتے، ان کے لئے دعا بھی فرماتے۔ اللہ تعالیٰ سے اچھی امید دلاتے۔ حضرت کی شفقت، محبت خصوصاً صورت دیکھنے سے آدمی اپنا غم بھول جاتا، سکون اور اطمینان قلب محسوس کرتا۔ ایک نئی طاقت اور نئی ہمت ساتھ لے کر واپس لوٹتا۔ بعض لوگوں کو حضرت تعویذ بھی عطا کرتے۔ ایک مرتبہ فرمایا "میں تعویذ ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جو بالکل ان پڑھ ہوتے ہیں"۔

بعض وقت ایسا بھی ہوتا کہ کوئی غرض مند آتا اور اپنی غرض پیش کرتا۔ حضرت مناسب حال کوئی اسمِ الٰہی یا کوئی قرآنی آیت پڑھنے کے لئے فرماتے اور وہ تعویذ پر اصرار کرتا تو نہایت برافروختہ ہوجاتے اور فرماتے "میں تم کو اللہ کا نام لینے کہہ رہا ہوں اور تم اپنی تکلیف میں بھی اس کا نام لینے کے لئے آمادہ نہیں ہو"۔

آسیب زدہ، کرتوت یا بھانامتی کا شکار کوئی آتا اور اس کی معاشی حالت ٹھیک رہتی تو فقیر پاشا صاحب کے پاس روانہ کرتے اور فرماتے "پاشا سے کہو میں بھیجا ہوں"۔ فقیر پاشا صاحب حضرت کے ماموں زاد بھائی اور مرشد زادے ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت کے بڑے داماد بھی تھے۔ ایک عرصہ تک ان کے معاشی حالات کمزور رہے۔ اس ترکیب سے ان کی مدد کرنا حضرت کے پیش نظر رہتا۔

کسی پر جن وارد رہتا تو ساتھ والوں سے فرمادیتے "اس کو جاؤ بولو"۔ جن سے نجات مل جاتی۔ آسیب زدہ کو پیش کرتے تو بھوتان کے پتے کے سفوف کی ڈبیا نکال کر دیتے اور فرماتے اس کی ایک چٹکی تو سنگھاؤ۔ اس کی چٹکی سونگھتے ہی آسیب زدہ کا مزاج بحال ہوجاتا۔

شیخ صدو (شیخ صدر الدین) وارد رہتا تو یا واحد۔ یا احد یا صمد یا فرد یا وتر اس کے سر پر ہاتھ رکھواکر پڑھواتے اور دم کرواتے۔ وہ اپنی شخصیت مضمحل ہوتا دیکھتا تو رفوچکر ہوجاتا۔ ساتھ والوں سے فرماتے "" اس کو لے جاؤ اور سید عبدالقدوس گنگوہی کی فاتحہ دلواکر اس کو کھلاؤ "۔

حضرت فرماتے تھے یہ شیاطین شخصیت پسند ہوتے ہیں اپنی فنائیت کو برداشت نہیں کرسکتے فوراً دفع ہوجاتے ہیں۔ شیاطین پر اسم قہار پڑھنے سے منع فرماتے تھے، کیونکہ قہار کی تجلی ان کے اوپر بھی رہتی ہے۔ قہار پڑھنے سے ان کو تقویت پہنچتی ہے۔ شیاطین کے دفعیہ کے لئے یاحق انت الموجود وما سواک مفقود بھی پڑھواتے تھے۔

کسی پر نرسو (نرسیا) وارد رہتا تو فرماتے " اس کو جوتا سنگھاؤ " لوگ دوڑ پڑتے جو بھی جوتا ان کے ہاتھ لگتا اٹھا لاتے اور اس کو سنگھانے کی کوشش کرتے۔ بڑی کشمکش ہوتی، چمار کے دیو کو چپل کی پوجا۔ حضرت بیٹھے تماشا دیکھتے رہتے۔ جہاں وہ جوتا سونگھنے پر مجبور ہوجاتا تو فوراً ہٹ جاتا۔ لڑکی ہو یا عورت فوراً ہوش میں آجاتی، کپڑے درست کرنے لگتی۔ حضرت کو دیکھنے لگتی تو سلام کرتی قدم بوسی حاصل کرتی۔ دعا دیتے اور فرماتے ہمیشہ باوضو رہا کرو۔ نماز پڑھو، استغفار کثرت سے پڑھا کرو۔

حضرت فرماتے تھے " ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے چند قوتیں دی ہیں۔ ان کو ترقی دے کر ان کے اثر سے کام لیں تو یہ ہپناٹزم ہے "۔

" اپنی نفسیاتی قوتوں کے بجائے اسماء الٰہیہ کی زکوٰۃ دے کر ان سے اپنی نسبت کو قوی کرکے ان کے اثر سے یا ارواحِ طیبہ سے تعلق پیدا کرکے ان سے کام لیں تو یہ عملیات ہیں "۔

سحر میں ارواحِ خبیثہ یا ارواحِ نباتات یا ارواحِ نجوم سے مدد لی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا " سحر کے آثار کہاں تک ہوتے ہیں تحقیق طلب ہے۔ اس کے متعلق مجھے تجربہ نہیں۔

فرمایا " بعض لوگ نہ اپنی ذاتی قوتوں کو ترقی دیتے ہیں۔ نہ اسمائے الٰہیہ و ارواحِ طیبہ سے کام لیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی عنایت اور ان کے اعزاز کے اظہار کے لئے ان سے غیر معمولی کام ظاہر فرماتا ہے تاکہ لوگ ان کو مانیں، یہ کرامت ہے۔ کرامت میں ارادہ نہیں ہوتا۔ اپنے ارادہ کو دخل ہو تو وہ کرامت نہیں عمل ہے "۔

ایک مرتبہ فرمایا " اگر جائز ذرائع سے ناجائز مقاصد کے لئے غیر معمولی کام کیا جائے تو یہ بھی سحر ہے۔

ایک مرتبہ درس میں فرمایا " خضر ایک کی گردن توڑدیئے ایک کو اڑا دیئے، ان پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ تحتِ امر ہے۔ یہ فرشتہ صفت لوگ ہیں۔ جو عملیات سے کسی کو نقصان پہنچاتا ہے چاہے قرآنی عمل سے ہو یا سفلی عمل سے، اس پر ذمہ داری ہے۔ اور اس کا ایسا کرنا میں سحر میں داخل کرتا ہوں۔

فرمایا " عمل سے فائدہ پہنچائے تو عمل ہے، نقصان پہنچائے تو سحر ہے۔ قرآن کی آیات کا کام ہی اثر کرنا ہے۔ اس کے لئے عامل کا فعل دعا نہیں کہا جاسکتا۔ دعا میں بھروسہ خدا پر ہے۔ اور عملیات میں بھروسہ عملیات اور اس کے آثار پر۔ ایک کافر بھی قرآن کی آیتوں کی مدد سے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ میں نے دیکھا ایک ہندو پڑھ رہا ہے۔ کیا پڑھ رہا ہے؟ قرآن۔ قرآن کی آیت سے فائدہ بھی اٹھا رہا ہے اور اس سے دوسروں کو نقصان بھی پہنچا رہا ہے۔

فرمایا - جو لوگ شیاطین سے دوستی پیدا کرلیتے ہیں ان کا دماغ چڑھ جاتا ہے مگر اللہ والے سے سابقہ پڑے تو دماغ ٹھکانے آجاتا ہے ۔

فرمایا انسان بشرطیکہ انسان ہو اتنا قوی ہوتا ہے کہ اگر وہ شیطان کو پکڑ کر بازوؤں میں دبائے تو شیطان کی ہڈیاں چٹخ جاتی ہیں ۔

بعض وقت لوگ کسی شیطان زدہ کو لاتے اور عرض کرتے " حضرت اس پر زبردست شیطان وارد ہے ۔ سارے گھر کو پریشان کر رکھا ہے ۔ فرماتے " اچھا میں بھی تو دیکھوں ایسا کیسا شیطان ہے "۔ لوگ شیطان زدہ کو پیش کرتے ۔ اس کو فرماتے " دیکھ مجھے " وہ دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرماتے " اچھا آپ ہیں ، غریب مسلمان ہے اس کو ایسا ستائے تو کیسا ؟ وہ آدمی فوراً اچھا ہوجاتا ۔

ایک مرتبہ فرمایا " سب وجودِ حق ہے تو پھر باطل میں بھی حق کا تماشا نظر آئے گا ۔ مگر بہت کٹھن منزل ہے ہوشیار رہیں ۔

ایک مرتبہ فرمایا " عورت دیکھے یا شیطان واہ ! واہ ! یہ بھی شکل لیتے ہیں آپ ؟ آپ امتحان کی کسوٹی ہیں ۔ ہم تو پیدا ہوئے ہیں آپ کی واہ واہ کرنے "۔

یہ سب روپ تیرے تو بہروپیا ہے
تو ہر رنگ میں رہ کے سب سے جدا ہے　　　(حسرت صدیقی)

درس میں ایک مرتبہ فرمایا " میرے یہ بچے انشاء اللہ شیطان سے بھی دھوکا نہیں کھائیں گے ۔ شیطان بھی آئے تو کہیں گے ۔ ارے تو بھی ایک شان ہے میرے میاں کی "۔

فرمایا " ایک وقت دیکھا ایک عالیشان مکان ہے ، اس کے دو حصے ہیں ۔ ایک طرف اولیاء اقطاب ہیں ، ایک طرف شیاطین ۔ شیخ صدر الدین کو دیکھا ، ان شیاطین کا بھی ایک مرکز ہے ۔ میں نے چاہا اس مرکز کو جاؤں ، اس طرف رخ کیا ۔ صدر الدین نے کہا " ادھر کا ارادہ مت کرو ، میں نے کہا " مجھ سے اللہ کیسے چھپتا ؟ اللہ مجھ سے چھپا تو میں کس کام کا ۔ خدا مجھ سے چھپے تو میں بے کار گیا ۔ وہ شیاطین ایک طرف ہوگئے ۔ میں اندر گھسا ، ایک شکل دیکھا ، نہایت سرخ آنکھیں آتشی ، میں جاکر ان کے سامنے جھکا ۔ آپ کا نام ؟ میرا نام قہار ۔ اب آپ کو بھی نہیں چھوڑتا ۔ اُدھر والے سب ہیں سو ہیں ۔ اِدھر والے بھی میرے پاس ۔ ایسا حساب ہے ۔ آگ میں پلا ہوں ، کمال میرے مرشد کا ہے آگ کو ٹھنڈا کیا ۔

جس رنگ میں آؤ کچھ نہیں ہے پروا
اس ناز و ادا سے تم کو پہچانتا ہوں میں　　　(حسرت صدیقی)

فرمایا " میں غریب آدمی ہوں شیطان کو بھی مار کر نہیں بھگاتا ۔ آدمی اور شیطان کے بیچ میں آکر بیٹھ جاتا ہوں ۔

اس ارشاد کو سمجھنے کے لئے حضرت کے ساتھ گزرا ہوا ایک واقعہ اور ایک انکشاف سنئے ۔

فرمایا " ایک مرتبہ ایک جگہ ہماری دعوت تھی ۔ وہاں ایک صاحب مجھے وضو کرانے لگے ۔ میں نے دیکھا ان پر شیاطین مسلط ہیں ، میں نے ان سے کہا تمہارا نام عبدالرحمن اور تم شیخ صدو ، نرسو اور کالی کی پوجا کرتے ہو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے ہو ، اور

ان کا ایمان خراب کر رہے ہو۔ میں نے ان سے کہا توبہ کرو۔ اور ان کو کلمہ پڑھایا اور دوبارہ مسلمان کیا۔ انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ اب ایسا نہیں کریں گے۔ وہاں سے اپنے گھر آگیا۔ رات کو بارہ بجے شیاطین لڑنے پہنچے۔ ان کو مار مار کر ختم کرنے لگا۔ ایک کو کاٹتا تو سینکڑوں پیدا ہوتے۔ ان سب میں سمجھ دار کالی کو دیکھا۔ وہ فوجوں کو میری طرف روانہ کررہی تھی۔ ہنومان آیا تو میں نے کہا تو تو رامچندر جی کی فوج کا سپہ سالار تھا یہ سنتے ہی بھاگ گیا۔ جیسا جیسا مارتا گیا وہ فوج در فوج آتے گئے میں کاٹ کر پھینکتا گیا۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ بعد میں کیا دیکھا ایک آتشی تخت اترا۔ اس پر ایک شکل ہے نہایت جلال میں، قہر کی تجلی تھی، اس نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ کس کے حکم سے تم نے ہماری تجلیات کو کاٹ کر پھینکا؟ کیا تم نے مجھ سے اجازت لی تھی؟ جواب کیا دیتا اصل میں ایک مسلمان کی ہمدردی میں کاٹ کر پھینکتا تھا۔ اب جو سوال ہوا تو پریشان ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو پکارا "یا رسول اللہ" تشریف لائے۔ تخت پر جو تجلی تھی اس نے حضرت کو تخت پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ سیدالقاہرین ایک کونے پر تشریف فرما ہوگئے، میں لرز گیا، جن سے امید تھی وہ بھی خاموش ہیں۔ باربار جواب طلب ہورہا ہے۔ عرض کرتا گیا مجھ سے غلطی ہوگئی۔ آخر میں عرض کیا رسول اللہ کا واسطہ، مجھے معاف کردے۔ جلال میں کچھ کمی ہوئی، واپس ہونے کا ارادہ فرمایا۔ عرض کیا، اب آگئے آگئے، جاتے کیسا؟ میرے سینے میں سما جاؤ۔ ہمیں اٹھائے گا کون؟ میری شکلیں حاضر ہوتی گئیں اور پیچھے ہٹتی گئیں۔ سب سے آخر میں محبت کی شکل حاضر ہوئی۔ بال بکھرے ہوئے، آنکھوں میں مستی، قدم زمین پر ٹکتا نہیں، آگے بڑھ کر اپنا سینہ چیر ڈالا اور عرض کیا تیرے لئے میں حاضر ہوں۔ وہ تجلی تخت سمیت اس کے سینے میں سما گئی"۔

حضرت نے فرمایا "اللہ کو اعترافِ قصور پسند ہے۔ ہمیشہ "جی قصور ہوا" کہو۔

ایک مرتبہ فرمایا "خدا اپنا خدا پن ثابت کرنے غلطی بھی کرواتا ہے اور تنبیہ بھی۔ پس قصور ہوا کہو قصور ہوا۔ میاں بس توبہ ہے"۔

ایک مرتبہ فرمایا "میں ہمیشہ بولتا ہوں، ارے میاں! تم کو خدا سے سابقہ پڑا نہیں، ہڈیاں توڑ ڈالتا ہے۔

گھروں میں لوگ آسیب زدہ کو حضرت کی تصویر دکھلاتے اور اس کو گھور کر دیکھنے کے لئے کہتے۔ حضرت کی تصویر کو آسیب زدہ گھور کر دیکھتا تو آسیب سے نجات مل جاتی۔

بعض امراض ایسے ہوتے ہیں کہ بخارات دماغ پر اثر انداز ہونے کی وجہ سے آدمی دماغی خلل کی بناء پر ایسے حرکات کرتا ہے کہ آسیبی اثرات کا دھوکہ ہوتا ہے۔ عام طور پر رحمی خرابی یا ہسٹیریا کی وجہ سے ایسے کیفیات پیدا ہوتے ہیں جو آسیبی اثرات سے مشابہ ہوتے ہیں۔ ویسا ہی بلوا پکارا ویسی ہی کود پھاند، ویسا ہی زور، قوت مگر دونوں میں فرق ہے۔ اس کا اندازہ آنکھوں سے کیا جاسکتا ہے۔ شیطان زدہ کی آنکھوں میں بلا کی وحشت، خاص قسم کی چمک، نظر میں غیر معمولی تیزی مگر نظر میں ٹھیراؤ نہیں رہتا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معمولی آدمی نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے برعکس ہسٹیریا کے مریض کی آنکھوں میں اور نظروں میں ویسی چمک، تیزی اور قوت نہیں رہتی۔

بعض وقت اگر مرد کمزور ہو، سرعت کی شکایت ہو اور عورت نہایت جذباتی اور مرد سے مطمئن نہ ہوسکے اور تشفی نہ پائے تو رحمی بخارات دماغ پر چڑھتے ہیں اور ایسے حرکات اس سے نمایاں ہونے لگتے ہیں کہ آسیب کا دھوکا ہوتا ہے۔ عامل اس کا آسیبی علاج کرتا ہے۔ تعویذ اور فلیتے کام میں لاتا ہے مگر فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کو تو صحیح علاج کی ضرورت ہے۔ فائدہ نہ ہونے سے لوگوں میں بدظنی اور بدعقیدگی بڑھتی ہے اور لوگ جہالت سے سفلی علاجات کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔ حضرت ہر بات کو پیش نظر رکھتے تھے۔ صاف طور پر فرما دیتے اس پر شیطان یا جن کچھ نہیں ہے۔ بیماری ہے اس کا علاج کرو۔ لڑکی رہتی تو ماں باپ سے کہہ دیتے اس کی شادی کردو۔ بعض حالات میں مرد سے کہتے بجائے بیوی کے تم اپنا علاج کراؤ۔ اس کو یا قوی یا متین پڑھنے کو کہتے اور ان آیتوں کو پڑھنے اور خود پر دم کرلینے کا ارشاد ہوتا۔ فکشفنا مابہ من ضر ثم جعل من بعد ضعف قوۃ۔ ویزدکم قوۃ الی قوتکم۔ نفسیاتی علاج کی طرف بھی اشارہ فرماتے۔ اس سے فرماتے، اس وقت دماغ کو حسابی سلسلہ میں مصروف کردیں تو فائدہ پہنچتا ہے۔

شیطان یا جن آدمی کے دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے خیال کو اپنے خیال کے زیرِ اثر کرلیتا ہے جیسا کہ ہپناٹزم میں عامل معمول کے خیال کو اپنے خیال کے تابع بنالیتا ہے۔ شیطان یا جن جسم میں حلول نہیں کرتے جیسا کہ عام طور پر یہ غلط فہمی ہے۔ ان کے چکر میں کمزور یقین اور کمزور عقیدے کے لوگ جلد آجاتے ہیں۔ حضرت ان کے اللہ پر یقین کو قوی کرتے، ان میں اعتماد علی اللہ پیدا کرتے۔ اور اللہ کے حول اور قوت کی طرف رجوع کرواتے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنے کا حکم دیتے۔ ان کے ول پور (Will Power) کو قوی کردیتے۔ اب ان شیطان یا جن کا داؤ چلنے نہ پاتا۔ شیطان زدہ اگر مسلمان ہو تو اس کے ایمان کے شعلہ کو بھڑکا دینا کافی ہے۔ مسلمان کے نورِ ایمان کا مقابلہ ہزاروں شیاطین مل کر بھی نہیں کرسکتے۔ کدھر نور، کدھر ظلمت۔ عامل کو ان باتوں سے غرض نہیں رہتی اس کا مطمح نظر الگ ہوتا ہے۔ نورِ ایمان اور یقین کی کمی شیاطین اور بدکار یا کافر جنوں کو مسلط ہونے کا موقع دیتی ہے۔ شیاطین اور جنوں کا دائرہ عمل زیادہ تر جہلا اور بزرگانِ دین سے بے ربط لوگوں پر رہتا ہے۔ یا پھر ان لوگوں پر رہتا ہے جن کے پاس پاک رہنے کی اہمیت نہیں رہتی۔ ناپاکی سے مناسبت کی وجہ سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ حضرت عام طور پر آسیب زدہ لوگوں کو باوضو رہنے کی تاکید فرماتے اور استغفر اللہ العظیم کا کثرت سے ورد کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

جنوں کے تعلق سے فرمایا، جن ایک قوم ہے جو بہ نسبت عام انسانوں کے لطیف ہے ان میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی۔ عورت بھی ہیں اور مرد بھی۔ نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ وہ آدمیوں کی طرح شادی بیاہ، توالد و تناسل کرتے ہیں۔ بیمار بھی پڑتے ہیں اور مرتے بھی۔ ان کی عمریں البتہ انسانوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔

فرمایا، ایک عام مغالطہ میں لوگ پھنسے ہوئے ہیں کہ جس چیز سے ہم واقف نہیں وہ موجود ہی نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے بزرگانِ دین کے اقوال میں بھی ہے۔ ہم کو بھی اس کا کچھ نہ کچھ تجربہ ہوچکا ہے۔ بہرحال جن ہیں اور ضرور ہیں۔

ہزارہا جن خود حضرت کے مرید تھے۔ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا اور حضرت سے تصدیق بھی کرلی۔

ایک مرتبہ فرمایا، غیر مرئی ہستیاں جب عام انسانوں پر مرئی اور نمایاں ہونا چاہتی ہیں تو انسان یا حیوانات کی شکل لیتی ہیں۔

اس صورت میں حیوانات کے تمام لوازم ان کو لاحق ہوجاتے ہیں ۔ پس اگر سانپ کی شکل میں جن آئے تو لکڑی کی ایک مار سے بھی مرجاتا ہے ۔

فرمایا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس جنات کا حاضر ہونا ، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور زبیر ابن العوام اور عبداللہ ابن عباس اور دیگر صحابہ سے مروی ہے ۔

فرمایا ۔ جن و انس دونوں مکلف شرعی ہیں ۔

فرمایا ۔ بہت سے جن صحابی بھی ہیں ، جنھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی ۔ چنانچہ جن صحابی نے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور مصافحہ کیا تھا اس کی روایت ہمارے پاس من و عن ، عن فلاں عن فلاں کی روایت سے ثابت ہے ۔ اور علماء اس کی سند دیتے ہیں ۔ کیونکہ اس روایت میں بہت کم راوی ہیں ۔ اس لئے کہ اس جن صحابی کی عمر بہت بڑی تھی ۔ (تقریباً ایک ہزار سال)

بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان کی پوجا اور مدد لینا چھوڑ دینے پر بعض بیماریاں شیاطین کی عداوت اور انتقام کے طور پر نمایاں ہوتی ہیں ۔ لکھ دوائیں کھلاؤ فائدہ نہیں ہوتا ۔ اس کے لئے تو شیطانی اثرات کے دفعیہ کا بندوبست کرنا پڑتا ہے ۔ اس کے دفعیہ کے لئے حضرت اعوذ باللہ وقدرتہ من شرما اجدو احاذر پڑھواتے تھے اور بیماریوں سے نجات مل جاتی ۔

اگر کوئی عرض کرتا کہ اس پر سحر یا بھانامتی کا عمل کیا جارہا ہے تو اعوذ برب الفلق سے آخری سورہ تک اور اعوذ برب الناس سے آخری سورہ تک پڑھنے کے بعد فسیکفیکھم اللہ جس کا اس کا ہم کو کانکو جاؤ جاؤ پڑھنے کا ارشاد ہوتا ۔ بھانامتی کے اثر کو زائل کرنے کے لئے یہ بھی بتلاتے تھے ۔ یا شانِ عزت سو مرتبہ ۔ آخر میں یا شانِ عزت بھانامتی کو کاٹ کر پھینک دیجئے ۔ (شانِ عزت حضرت کے پیر و مرشد خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کو باطنی طور پر عطا کردہ ناموں میں سے ایک نام ہے) اگر اس نام سے خود حضرت کو مخاطب کرکے پڑھیں تو بھی اثر زائل ہوجاتا ہے ۔ (یہ نام خواجہ کے ان ناموں میں سے ایک ہے جن کو خواجہ نے حضرت کو عطا فرما دیئے ہیں) مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بے یقینی کے ساتھ پڑھنے اور یقین کے ساتھ پڑھنے دونوں میں بڑا فرق ہے ۔

حضرت فرماتے تھے ۔ " اصل میں یقین ، یقین سے لڑتا ہے ۔ جس کا یقین قوی ہوگا وہ غالب رہے گا ۔ خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو " ۔

عورتیں اپنی لڑکیوں کو ساتھ لاتیں اور ان کی شادی ہونے کے لئے طالب دعا ہوتیں ۔ لڑکی کی ماں کو فرماتے " اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سو بار وخلقنٰکم ازواجاً پڑھا کرو " ۔ بعض وقت لڑکی کو مخاطب کرکے فرما دیتے " اڑ بھاونری ساون آیا " اور شادی ہوجاتی ۔ بعض وقت فرمادیتے " ہاتھ پاؤں لال منہ کالا " اور شادی ہوجاتی ۔ لڑکی زیادہ عمر کی ہوتی تو اس کو ان اللہ علی کل شیء قدیر پڑھنے کی ہدایت فرماتے ۔ اور بعض کو ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ پڑھنے بتلاتے ۔ بعض کو ارشاد ہوتا " تو یہ پڑھا کر " ۔ " خواجہ میاں کی دہائی سب دو دو میں اکیلی " ۔ بعض وقت لڑکی کو مخاطب کرکے فرما دیتے " دنیا میں سب جوڑے جوڑے تو اکیلی ؟ ایسا کیسا ہوتا " ۔ دو تین مرتبہ دہراتے پھر کہتے جاؤ شادی ہوجائے گی " ۔ اور اللہ اس کے سہرے کے پھول کھلا دیتا ۔

اگر شادی ہوکر ایک آدھ سال ہوتا اور ساس بہو کو لے آتی اور اولاد ہونے کا تعویذ یا حضرت کو دعا کرنے کا معروضہ کرتی تو فرماتے " کیا جلدی ہے ابھی ان کے کھیلنے کودنے کا زمانہ ہے ۔

ایک مرتبہ تعویذ کے تعلق سے فرمایا۔ الفاظ کا اثر ظاہر پر بھی ہوگا باطن پر بھی۔ اس لئے کہ باطن تو اس کے ساتھ ہے ہی۔ اور ہندسوں کا اثر باطن پر ہوگا۔ راست دل پر اثر کرتا ہے۔ ظاہر پر اثر کم ہوتا ہے۔ تجربہ ہے۔ جس نے تجربہ کیا اس کے لئے یقین ہے۔ دوسرے کے لئے یقینی نہیں۔ یہ فلسفہ ہے۔ میں ایک نہیں تمام تعویذ نویسوں سے پوچھو وہ تائید کریں گے۔

ایسی عورتیں جن کو اولاد نہ ہوتی ان کو یا خلاق یا فعال یا مصور پڑھنے فرماتے۔ بعض سے صرف یا مصور پڑھواتے۔ بعض کو قرآن کی یہ آیت بتلاتے رب لاتذرنی فردا وانت خیر الوارثین۔ بعض کو فرمادیتے " جا بچہ لے کر آ " بعض کو فرمادیتے " اللہ دیتا، ہوتا " بعض کو کلمہ کی انگلی سے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے جاتے اور اوپر آسمان کی طرف نظر کرکے فرماتے " دے۔ دے۔ دے " آخر میں فرمادیتے ہوتا، اور بعض کو تعویذ دلوا دیتے۔ اللہ کا فضل ہوجاتا۔ کتنی عورتیں شادی ہوکر برسوں گذر چکے تھے لوگ ان کو بانجھ سمجھ رہے تھے، حضرت کی دعا سے اللہ نے ان کو صاحب اولاد کیا۔ مثال کے طور پر مصباح الدین قادری اکزیکیٹو انجنیر برقی اولاد ہونے سے جب بالکل مایوس ہوگئے۔ اور ہر قسم کا علاج کرکے دیکھ لیا یہاں تک کہ حضرت کے پاس کا تعویذ اور دم کیا ہوا پانی بھی استعمال کرکے جب بالکل مایوں ہوگئے تو ایک روز بیوی کو ساتھ لے کر حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ دونوں نے حضرت کو پکڑلیا کہ اب آپ اپنی زبان سے فرمادیں کہ بچہ ہوگا۔ اور دونوں نے قدموں پر سر رکھ دیا۔ حضرت نے فرمایا۔ " اللہ چاہا تو کیا نہیں ہوتا " دونوں نے عرض کیا آپ اپنی زبان سے فرمادیں کہ ہوتا۔ حضرت نے فرمایا " اللہ سے مایوس مت ہو، اللہ دیتا، ہوتا۔ الحمد للہ، اللہ نے ان کو لڑکا عطا فرمایا۔

حضرت کی زبان مبارک سے کوئی بات نکل جاتی تو گویا وہ ایک تیر رہتا کہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کوئی واپس نہیں لاسکتا۔ اور تیر بہ ہدف ہوتا۔

اسی طرح حضرت کے داماد قاضی بشیر الدین صاحب فاروقی کی بہن سعیدہ بیگم اور ان کے شوہر غازی الدین فہیم صاحب دونوں اولاد نہ ہونے سے سخت متفکر تھے۔ شادی ہوکر برسوں گزر چکے تھے۔ ہر قسم کا علاج کرکے بالآخر جب مایوس ہوگئے تو حضرت کو پکڑا۔ حضرت کی دعا کی برکت سے اللہ نے ان کو صاحبِ اولاد کیا۔ ایسے بے شمار افراد ہیں، فہرست طویل ہے۔

بعض لوگوں کو حضرت میوہ عطا کرتے اور فرماتے اس کو کھالو لڑکا ہوگا۔ یا فرماتے اولاد ہوگی۔ حضرت کا اس طرح میوہ عطا کرنا خالی نہ جاتا۔ بعض وقت فرمادیتے دونوں میاں بیوی مل کر کھاؤ۔ بعض وقت صرف بیوی کو کھالینے کا حکم دیتے۔

حضرت کی صاحبزادی خواجہ بیگم صاحبہ زوجہ محمود عبدالصبور صاحب صدیقی، ان کو نرینہ اولاد نہ تھی، تمام لڑکیاں تھیں اور لڑکے کی بڑی آرزو مند تھیں۔ ایک اور صاحبزادی فاطمہ بیگم صاحبہ زوجہ سید علی حیدر حسینی صاحب کو شادی ہوکر کئی سال ہوگئے تھے اولاد نہ ہوتی تھی۔ علی حیدر حسینی صاحب کو اولاد کی بڑی خواہش تھی۔ ڈر یہ تھا کہ کہیں یہ اولاد کی خاطر دوسری شادی نہ کرلیں۔ حضرت کی زوجہ محترمہ نے بارہا حضرت کو توجہ دلائی کہ دعا کریں، حضرت خاموش ہوجایا کرتے۔ ایک مرتبہ کہیں سے پانچ انار حضرت کی خدمت میں تحفۃً آئے نہ معلوم دل میں کیسا لہر آئی خواجہ بیگم صاحبہ کو ایک انار دیا اور فرمایا کھالو اللہ تم کو لڑکا عطا کرے گا۔ فاطمہ بیگم اپنے سسرال میں تھیں، حضرت نے ایک انار اپنی زوجہ محترمہ کے ہاتھ میں دیا کہ فاطمہ بیگم کے پاس بھیج دیں۔ اور کہلوادیں

کہ یہ انار میں نے بھیجا ہے اس کو کھالو اللہ تم کو لڑکا عطا کرے گا۔ اور ایک انار اپنی بہو ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمن صاحب کی اہلیہ کو دیا اور فرمایا یہ انار کھالو اللہ تم کو لڑکا عطا کرے گا۔ اور ایک انار اپنی صاحبزادی طاہرہ بیگم زوجہ سید ولی اللہ قادری صاحب کو دیا اور فرمایا۔ یہ انار کھالو اللہ تم کو لڑکا عطا کرے گا "۔

خواجہ بیگم صاحبہ کو لڑکا ہوا ، سال سوا سال کا ہوکر اس کا انتقال ہوگیا۔ وہ اپنے والد سے ملیں تو لپٹ کر خوب روئیں۔ حضرت نے ان سے پوچھا "تم کو انار دیا تھا کیا کرے ؟ انہوں نے جواب دیا ہم دونوں نے مل کر آدھا آدھا کھایا۔ حضرت نے فرمایا " میں تم کو خود ہی کھانے دیا تھا ، تقدیر کو میں کیا کروں ؟ " انھوں نے عرض کیا حضرت عام طور پر میاں بیوی کو کھانے کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا " ہر ایک کا معاملہ اس کے ساتھ رہتا ہے "۔ پھر حضرت نے اپنی زوجہ محترمہ سے پوچھا " فاطمہ بیگم کے لئے بھی ایک انار دیا تھا اسس کا کیا ہوا "۔ محترمہ نے جواب دیا " ان کے پاسس بھجوانے کے لئے رکھا تھا بچے لاعلمی میں کھالئے۔ حضرت نے فرمایا " تقدیر کو میں کیا کروں "۔ چنانچہ وہ لاولد رہیں ان کے شوہر نے دوسری شادی کرلی۔ اور اس خاتون سے ان کو بچے ہوئے۔ موسیٰ عبدالرحمن صاحب کی اہلیہ اور طاہرہ بیگم نے انار حضرت کے حکم کے مطابق خود کھایا تھا۔ دونوں کو اللہ نے لڑکے عطا کئے۔ وہ دونوں لڑکے یعنی علی رضا صدیقی اور سید خلیل اللہ قادری پڑھ لکھ کر نہایت لائق نکلے۔ دونوں شادی شدہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔

اگر عورتیں حاضر ہوکر شوہروں کی فضول خرچی اور اسراف کی شکایت کرتیں تو کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین ۔ خیال میں شوہر کو مخاطب کرکے بیوی کو پڑھنے کی ہدایت فرماتے ۔ ماں کو پڑھنے دوسری آیت بتلاتے تھے ۔ وہ آیت یہ ہے۔ کلوا مما رزقکم اللّٰہ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین ۔

اگر عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں شوہر کے اسراف کی شکایت کرتی تو دونوں کو اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے۔ زندگی میں خوبی اور درستگی پیدا کرنے کی ترغیب دیتے۔ زندگی کی مختلف جہتوں میں اعتدال پیدا کرنے کی نصیحت فرماتے۔ عام طور پر فرمایا کرتے " کچھ کھاؤ کچھ کھلاؤ " کچھ اتفاقیات کے واسطے رکھو۔ کچھ اپنے بڑھاپے اور متعلقین کے لئے رکھو۔ اگر کسی کی لڑکیاں ہوتیں تو پوچھتے ان کی شادی کے لئے کیا جمع کئے۔ کیا کیا زیور خریدے۔ تشفی بخش جواب نہ ملتا تو ناراضگی کا اظہار فرماتے۔

ایک مرتبہ فرمایا " شاہد کو شہادت کے وقت عیب سنانا جائز ہے۔ ایسے کے سامنے شکایت کرنا جو شکایت کو رفع کرسکے۔ مثلاً شاگرد کی شکایت استاد کے سامنے ، اولاد کی شکایت ماں باپ کے سامنے ، شادی بیاہ کے سلسلے میں رشتہ کرنے والوں سے کسی کے متعلق اس کی برائی بیان کرنا غیبت نہیں۔

میاں بیوی میں ان بن رہتی ، میاں بے توجہی برتتا یا تیزی تلخی سے پیش آتا اور بیوی اگر شکایت کرتی تو فرماتے " پہلے باندی بن کر خدمت کر ، پھر ملکہ بن کر حکومت کر۔ اللہ نے تجھے بھی ہتھیار دیئے ہیں۔ کیا ہتھیار دیئے ہیں ان کو سمجھ ، ان کو کام میں لا ، تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ پھر فرماتے چلتے پھرتے یا ودود پڑھا کرو۔ اور یہ بھی پڑھا کرو۔ والقیت علیک محبۃ منی۔ بعض کو انہ لحب الخیر لشدید پڑھنے کو فرماتے۔

بعض وقت میاں بیوی دونوں کو بلا کر نصیحت فرماتے، فطری وجدان اور حقوق کی طرف متوجہ کرتے۔ مرد پڑھا لکھا سمجھدار ہوتا تو فرماتے۔ بیوی چاہنے کے لئے ہے صرف بچے پیدا کرنے کے لئے نہیں۔ اس کو چلتا پھرتا دیکھ کر خوش ہونا چاہئیے۔ تو اپنی بیوی کو چاہ اللہ تجھے چاہے گا۔ بیوی کو کیا سمجھا۔ ارے اس سے بھی سلوک طے ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ درس میں فرمایا۔

سب کام ہیں اپنے پیارے سے — میں اور اس کا پیار بھلا
میں لپٹ رہوں گی سینے سے — تیرے گلے کا ہار بھلا
غیر سے مجھ کو کام نہیں — میں اور میرا یار بھلا

شادی سے پہلے حبیب کو بولے۔ حبیب ابھی فرشتہ ہے۔ شادی کے بعد انسان بنے گا۔ پھر فرمایا۔ مادہ پر جیسی صورت ڈالو لے لے گا۔ نہ جان سکنے کا جاننا ہی علم ہے۔ العجز عن درک الادراک ادراک۔ ولایت کے لئے جذبہ (جذب) شرط ہے۔ مگر اس کا دائمی ہونا شرط نہیں۔ دائم ہو تو مجذوب ہوجائے گا۔ ایک منٹ کے واسطے بھی خیال ایک نقطہ پر قائم ہو کے غائب ہوگیا تو کافی ہے۔ اس میں حسبِ حالت درجات ہیں "۔ پھر قتیل صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا۔ فکر جب تک جذبہ نہ بنے بے فائدہ ہے قتیل۔ پھر سب کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اللہ کے علم کو اللہ کی ذات سے الگ نہ سمجھو، ہم یہ کہتے ہیں تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو پتھر لے کر سر پر مارلو۔ بیوی سبعہ صفات لے کر سامنے ہے اس کو نہ چاہ سکے تو جو غائب ہے نظر خارجی سے اسے کیا چاہے گا۔ اصل کام منطبق کرنا ہے۔ مجاز کو حقیقت پر "۔ ایک مرتبہ فرمایا۔ میرے پاس جانوروں سے بحث نہیں۔ بیوی سب سے بڑی چیز ہے۔ بڑی نعمت ہے فنائیت کو پہنچاتی ہے "۔

فرمایا۔ محبت ایک روحانی چیز ہے۔ اس کے نتائج بھی روحانی ہوتے ہیں۔ اول انھوں نے محبت کی بعد میں ہم تقلید کر رہے ہیں۔ آخر میں توحید آئی۔ اگر جماع حیوانی جذبہ ہوتا تو پیغمبروں کو نہیں ہوتا۔

میری شادی ہو کر کچھ ہی دن ہوئے تھے حضرت کا ایک شعر میرے پیش نظر تھا

سب تماشے ہیں پیارے کے پیارے
کیسا دولہا کدھر کی دلہن

توحید کا غلبہ تھا۔ ایک روز سامنے سے گزر رہا تھا۔ تھوڑی تیزی سے متوجہ کیا۔ " ادھر آؤ " فرمایا۔ خطاط نے اب ج د لکھے۔ کیا عمدہ سیاہی ہے۔ تمہاری نظر کس پر ہے؟ عرض کیا سیاہی پر۔ ج کے دائرہ کی کشش کیا عمدہ ہے۔ اب تمہاری نظر کس پر ہے؟ عرض کیا کشش پر۔ فرمایا۔ خالی وقت نظر سیاہی پر رہنا۔ حقوق ادا کرتے وقت نظر کشش پر رہنا، ورنہ بدتمیزی ہے، بے ادبی ہے

ایک مرتبہ فرمایا۔ صورت شکل کی محبت پہلے رہتی ہے، پھر صفات، اخلاق و عادات کی محبت آجاتی ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی بڈھے ہوگئے ہیں۔ مگر کھانا ساتھ کھاتے، آدھا پانی میں پیا تو آدھا وہ پیتی ہیں۔ بوڑھے ہوجانے کے بعد بھی محبت باقی رہتی ہے۔ تو یہ صورت شکل وغیرہ کی وجہ سے نہیں یا حیوانی جذبہ بھی نہیں بلکہ صفات بلکہ پھر ذات سے محبت باقی رہ جاتی ہے۔

فرمایا۔ جو متاثر ہوتا ہے وہ محبوب ہوتا ہے۔ جو سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ محبوب وہ عمدہ ہوسکتا ہے جس کی ہر خواہش پر سر تسلیم خم کیا جاسکے اور یہ بات بیوی میں ہوتی ہے۔

فرمایا۔ کون ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ تیرا بچہ میرا بچہ ہے۔ اور میرا بچہ تیرا بچہ ہے؟ صرف میاں بیوی ہی ایسا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ بڑے نا اہل ہیں۔ بے احساس ہیں وہ لوگ جو اپنی بیوی کو نہیں چاہتے۔ اس کی محبت کی قدر نہیں کرتے۔ بیوی مرکز محبت ہے سکون دل، راحتِ جاں ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ جس طرح مختلف بیماریوں کے لئے ایک ہی دوا نہیں دے سکتے ہیں بلکہ ہر ایک کے لئے مناسب حال نسخہ تجویز کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کو ایک قسم کا ذکر کرنے نہیں کہا جاسکتا بلکہ حسبِ حال تجویز کیا جاتا ہے۔

حضرت ہر ایک کو اس کے لائق حسبِ حال قرآن کی آیت پڑھنے بتلاتے جس سے فائدہ پہنچتا تھا۔ ہر حالت کے لئے قرآن سے آیت کا انتخاب حکمت کے تحت کرنے کے لئے قرآن کا علم کھلنا پڑتا ہے۔ آیت تو ایک رہتی ہے مگر متعدد محلوں پر اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ قرآن کی آیتیں لاعلاج امراض کے لئے یقیناً شفا ہیں۔ قرآن کھلے، اس سے نور ایمان بڑھے، محل استعمال معلوم ہو تو بات پلے پڑے۔

ترکِ خواری کے لئے حسبِ ذیل آیتیں پڑھ کر دم کرنے اور پانی پر پھونک کر پلانے کو فرماتے۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والا زلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ٥ (پ، ع۲)

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھمآ اثم کبیر و منافع للناس واثمھمآ اکبر من نفعھما (پ ۲ ع ۱۱)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔ ایک صاحب کو جو ذی وجاہت اور خاندانی تھے اور حضرت کے معتقد بھی تھے۔ مگر احباب نے ان کو شراب خواری کی لت میں پھانسا تھا۔ اہلِ خاندان اور ہمدرد مجبور کرکے حضرت کے پاس ان کو لائے اور مرید کروادینا چاہا۔ اس خیال کے تحت شاید حضرت کے دامن سے وابستہ ہوجانے کی بناء پر اس لعنت سے بچ جائیں اور ان کو پکڑ جکڑ کر حضرت کی خدمت میں پیش کردیا اور عرض کیا، حضرت یہ مرید ہونا چاہتے ہیں۔ حضرت نے ان کو بغور ملاحظہ فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا حضرت میں مرید تو ضرور ہونا چاہتا ہوں مگر ایک شرط پر۔ بے ادبی معاف مجھے پینے کی عادت ہے۔ اگر آپ مرید ہونے کے بعد پینے کی اجازت دیتے ہیں تو مجھے مرید کرلیجئے۔ حضرت نے ان سے فرمایا۔ اگر تم مجھ سے یہ وعدہ کرتے ہو کہ میرے سامنے نہیں پیئیں گے تو میں مرید کرتا ہوں"۔ انھوں نے وعدہ کرلیا اور مرید ہوگئے۔ مخصوص دوستوں کے ساتھ کلب پہنچے۔ پینے کے لئے جام اٹھایا تو دیکھا حضرت سامنے کھڑے ہیں۔ اور ان کو مسکراتے ہوئے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ دوستوں سے حیلہ کرکے بغیر پئے گھر واپس آگئے۔ حضرت نظر کیا آگئے ساتھ ہی ہوگئے۔ ان کی ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ ذکر و شغل میں لگ گئے۔

حضرت کی دعا اور توجہ کی بدولت کئی آدمی شراب سے تائب ہوئے۔

ایسی عورتیں جو نا اتفاقیوں کی وجہ سے شوہروں سے بچھڑ جاتیں اور ان سے ملنے کی خواہشمند رہتیں تو ان کو یہ سیفی بتلاتے تھے " داد اللہ، فریاد اللہ، محبوب اللہ، مطلوب اللہ، یا فاطمہ داد، یا علی فریاد، میرا دل شاد رہے میرا گھر آباد رہے"۔

اگر بیوی لڑکر میکے چلی جاتی اور میاں محبت سے مجبور آکر عرض کرتا تو اسی عمل کو بتلاتے مگر فرق اتنا رہتا کہ بجائے فاطمہ داد یا علی فریاد کے۔ یا علی داد یا فاطمہ فریاد پڑھنا رہتا۔

دو بچھڑے ہوؤں کو باہم ملانے کے لئے یہ سیفی بھی بتلاتے تھے۔ جو بہت مجرب ہے۔

لا الہ لادے الا اللّٰہ دلادے محمد رسول اللّٰہ فلاں سے ملادے (فلاں سے یعنی جس سے ملنا مقصود ہو اس کا نام لے)

اگر کسی کا بچہ ناراض ہوکر فرار ہوجاتا تو فرجعنٰک الی امک کی تقر عینها ولا تحزن پڑھنے بتلاتے۔

بعض کو فرماتے۔ بچے کا نام لے کر (اس کی روح کو مخاطب کرکے) پکار کر کہو۔ قدیر پیا بول رہے ہیں ارجعوا ارجعوا ارجعوا اس طرح پکار کر کہہ دینے سے بچے واپس آجاتے۔ واپس آنے کے بعد پوچھنے پر معلوم ہوتا کہ ایسی سخت ہول ہوئی کہ فوری آجانا پڑا۔

خفقان، اختلاج اور ہول دلی کی کوئی شکایت کرتا تو حالت کے اعتبار سے حسبِ ذیل آیتیں بتلاتے۔

الذین امنوا وتطمئن قلوبهم بذکر اللّٰہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب۔ پڑھ کر کچھ دیر اللہ اللہ کا ذکر کریں۔ اگر اس آیت کا ورد کرکے اللہ اللہ کا دل پر ضرب لگائیں تو وساوس دفع ہوجاتے ہیں۔ شیطانی خطرات سے نجات مل جاتی ہے۔ سکون اور اطمینان حاصل ہوجاتا ہے۔

ھوالذی انزل السکینة فی قلوب المومنین لیزداد و ایمانا مع ایمانهم وللّٰہ جنود السموات والارض وکان اللّٰہ عزیزا حکیما۔ کم از کم، بار ورد کریں۔

وما ارسلنٰک الا رحمة للعٰلمین کا ورد کریں۔ درود کے مختلف صیغے پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔ اور فرماتے کہ درود شریف کے پڑھنے سے کیسا ہی اختلاج ہو رفع ہوجاتا ہے اور ایک قسم کی ٹھنڈک آجاتی ہے۔

دَمہ کے مرض یا سینہ کے امراض کے لئے حسبِ ذیل آیتیں بتلاتے تھے۔

الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک۔

یا ایها الناس قد جآء تکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور۔

رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی (اس آیت کو ان بچوں پر بھی دم کرواتے تھے جو بات صاف طور پر نہیں کرتے) ویشف صدور قوم مؤمنین۔

کثرت بول (پیشاب کی زیادتی یا پیشاب کا تقاطر) استحاضہ، احتلام کی زیادتی، سفید پلو کے دفعیہ کے لئے حسبِ ذیل آیتیں پڑھ کر پانی پر دم کرکے پینے یا پلانے کے لئے بتلاتے تھے۔

یا قابض کثرت سے پڑھیں و نیز فقبضناه قبضا یسیرا۔ اور قیل یا ارض ابلعی مآءک و یاسمآء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر۔

پیشاب میں رکاوٹ یا ماہواری صاف نہ آتی ہو تو یہ فرماتے

یا باسط کثرت سے پڑھیں اور حسبِ ذیل آیتیں پانی پر دم کرکے پلانے کی ہدایت فرماتے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ـ وبسّتِ الجبال بسّاً ـ فکانت هباء منبثّاً ـ وحملت الارض والجبال فدکتا دکة واحدة ـ فقلنا اضرب بعصاک الحجر فانفجرت منه اثنتا عشرة عینا ـ ففتحنا ابواب السمآء

بماء منھمر و فجرنا الارض عیونا فالتقی الماء علی امرقد قدر۔

ماں کے دودھ میں اضافہ کے لئے۔ فقلنا اضرب بعصاک الحجرفا نفجرت منه اثنتنا عشرة علینا قد علم کل اناس مشربھم کلوا واشربوا من رزق اللّٰه ولا تعثوا فی الارض مفسدین ۔ پڑھ کر نمک پر پھونکتے اور اس نمک کو آٹے میں ملاکر روٹی پکا کر ماں کو کھلانے فرماتے۔

بخار کے دفعیہ کے لئے حسبِ ذیل آیتیں پڑھ کر دم کرنے فرماتے۔

یا نار کونی برداً وّ سلاما علی ابراھیم ۔ ادفع بالتی ھی احسن ۔ وبالحق انزلناہ وبالحق نزل ۔ مندرجہ بالا آیتوں کے علاوہ۔ ٹائیفائڈ کے مریض کے لئے حسبِ ذیل طریقہ بتلاتے۔

بخار اترنے تک روزانہ مریض کے چاروں طرف چار آدمی تسبیح لے کر مریض کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوجائیں ۔اور ہر ایک سو(۱۰۰) بار یاسلام پڑھے اور مریض پر دم کرے۔

جاڑے بخار کے لئے۔

یاحسین ابن علی ، یاحسین ابن علی ، یاحسین بن علی ، یاحسین ابن علی شیر خدا کا لاڈلا نہ رہے بخار نہ رہے جاڑا۔

حفاظت حمل کے لئے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر پڑھیں۔

یاحفیظ ۔ یا قوی یا متین ۔ خذوا ما اتینکم بقوة ۔ وحفظا من کل شیطان مارد ۔ فاللّٰه خیر حافظا وھو ارحم الرحمین ۔ ولا یؤدہ حفظھما وھوا لعلی العظیم ۔ سلام قولا من رب رحیم ۔

زچگی آسان ہونے کے لئے حسبِ ذیل پڑھ کر پانی پر دم فرماتے اور حاملہ کو پلانے کا ارشاد ہوتا۔

والقت ما فیھا وتخلت ۔ فسھل یا الٰھی کل صعب بحرمة سید الابرار سھل ۔ سھل سھل (فسھل یاالٰھی تا آخر حل مشکل کے لئے بھی بتلاتے تھے)

رزق کی کشادگی اور فراہمی روزگار کے لئے حسبِ ذیل میں سے ہر ایک کو اس کے حالات کے اعتبار سے بتلاتے تھے۔

یارزاق یا باسط ۔ یارزاق یا وھاب یا مغنی ۔ یارزاق یا وھاب یا جواد یا کریم ۔ ان اللّٰه ھوالرزاق ذوالقوة المتین ۔ سورہ انشراح مع بسم اللّٰه پڑھیں اور فان مع العسر یسر ان مع العسر یسرا ۔ کے درمیان میں سات بار تکرار کریں اور سورہ پورا کریں۔ (اس طرح پڑھنے سے قرض ادا ہوتا ہے) سورہ قریش پڑھیں اور اطعمھم من جوع وامنھم من خوف ۔ کی تکرار کریں۔

ادائی قرض کے لئے حسبِ ذیل آیتیں بتلاتے تھے۔

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم قل ھو اللّٰه احد اللّٰه الصمد یا محمد مدد ۲۰۰ بار پڑھیں۔

ولسوف یعطیک ربک فترضٰی ۔

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم ○ قل اللھم مٰلک الملک تؤت الملک من تشاء وتنزع الملک ممن

تشاء و تعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير ٥ تولج الليل فى النهار و تولج النهار فى الليل و تخرج الحى من الميت و تخرج الميت من الحى و ترزق من تشاء بغير حساب ٥ يا رحمٰن الدنيا والاخرة ورحيمهما تعطى منهما ماتشآء وتمنع منهما ما تشآء اقض عنى الدين واغننى عن العيلة۔ کتنا ہی قرض ہو انشاء اللہ ادا ہوجائے گا۔ (یہ دعا حدیث میں مروی ہے)

ہر قسم کے جلدی امراض کے لئے حسبِ ذیل آیت پڑھواتے اور متاثرہ حصوں پر دم کرواتے و نیز تیل پر دم کرواکر مالش کرواتے۔

كلما نضجت جلودهم بدلناهم جلوداً غيرها۔

چہرہ کے داغ دھبوں کے دفعیہ کے لئے و نیز بعض امراض کے دفعیہ کے لئے حسبِ ذیل دعا پڑھواتے۔

اللهم انت الشافى فاشفنى وانت الكافى فاكفنى وانت العافى فعافنى۔

بینائی میں اضافہ کے لئے۔

فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد۔ الله نور السمٰوات والارض۔ يا نور۔ سبحٰن الذى اسرٰى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصا الذى بركنا حوله لنريه من اٰيتنا انه هوالسميع البصير ٥ (پ ۱۵ ع ۱)

يا بصير۔

آشوب چشم سے شفایابی کے لئے۔ (اس آیت کو یرقان کے سلسلہ میں بھی پڑھواکر دم کرواتے تھے)۔

لا اله آنکھ آئی الا اللہ ہو بینائی محمد رسول اللہ روشنائی پڑھ کر کلمہ کی انگلی اور دوسرے ہاتھ کی اس کے ساتھ کی دونوں انگلیوں کو اپنا لب لگا کر پھونکیں اور آنکھوں میں لب لگے حصے پر پھرائیں۔

نفخ اور گیاسس کے لئے پیٹ پر ہاتھ پھراتے ہوئے پڑھیں۔

فسخرناله الريح تجرى بامره رخآء حيث اصاب۔

عارضہ قلب کے لئے حسبِ ذیل آیت پڑھواتے تھے۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت فى الحيٰوة الدنيا و فى الاخرة۔

ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے جلد جڑ جانے اور کمزور ہڈیوں میں مضبوطی پیدا کرنے کے لئے۔

قال من يحى العظام وهى رميم قل يحيها الذى انشها اول مرة وهو بكل خلق عليم۔ روغن زیتون پر چالیس مرتبہ پڑھ کر دم کرنے اور پھر اس تیل سے جسم کو مالش کرنے کی ہدایت فرماتے۔

نظر بد کے دفعیہ کے لئے یہ آیت پڑھ کر دم کرتے تھے۔

وان يكاد الذين كفروا ليزلقونك بابصارهم لما سمعوا الذكر ويقولون انه لمجنون "۔ اس کے علاوہ بسم الله الذى لايضر مع اسمه شىء فى الارض ولا فى السمآء وهو السميع العليم "۔ اور معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی سورتیں) پڑھ کر دم کرتے تھے۔

بے خوابی کی صورت میں نیند آنے کے لئے حسبِ ذیل پڑھتے ہوئے سونے کی ہدایت فرماتے تھے۔

وجعلنا نومکم سباتاً۔ وضربنا علٰی اذانھم فی الکھف سنین عدداً۔

ہر قسم کی حفاظتِ ارضی و سماوی کے لئے حضرت عام طور پر حسبِ ذیل دعائیں اور آیتیں پڑھ کر دم فرما دیا کرتے تھے۔

رب اعوذبک من ھمزات الشیاطین و اعوذبک رب ان یحضرون۔

اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات کلھا من شرما خلق۔

بسم اللّٰہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السمآء وھو السمیع العلیم۔

فاللّٰہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔

ولایؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم۔ آیت الکرسی پڑھ کر اس آیت کی تکرار کریں۔

پیٹ میں دوا ڈالی گئی ہو تو اس کے دفعیہ کے لئے۔

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ

(والقت ما فیھا وتخلت) بتاسہ پر دم کرکے کھلائیں۔

زندگی کے حالات بدلنے کے لئے ابتری سے بہتری کی طرف۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم۔

ان یشایذ ھبکم ویات بخلق جدید وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز (خطرات دفع کرنے کے لئے نہایت مجرب ہے)

دشمن پر غالب آنے اور حل مشکلات کے لئے۔

رب انی مغلوب فانتصر اپنے نام کے اعداد کے موافق فجر کے فرض و سنت کے درمیان یا بعد نماز عصر، عام طور پر حضرت نماز عشاء کی سنت اور وتر کے درمیان پڑھنے کے لئے فرماتے تھے۔ (نام کے اعداد ابجد ہوز کے لحاظ سے نکالے جاتے ہیں)۔

ایک مرتبہ درس میں فرمایا۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں، اللہ میاں بگاڑتے بھی سدھارتے بھی۔ میں یہ سمجھتا ہوں وہ بگاڑنا بھی ہے سدھارنے کے لئے۔ کیونکہ ہمارے پاس ارتقاء ہے۔ تم یہ سمجھ رہے ہیں اچھی چیز جاکر تکلیف آئی۔ حالانکہ اس سے جو سدھار، اچھی چیز آرہی ہے اس کو نہیں سمجھ رہے ہو۔ خرابی کیا ہورہی ہے۔ آنے والی چیز سے واقف نہیں۔ گئی سو چیز کو کیا لے کر بیٹھا ہے۔ اب آنے والی چیز میں کیا بھلائی ہے اس کو سمجھو۔ اس کا شکر ادا کرو۔ نہیں کئے تو تکلیف تو رہے گی مگر وہ جاتی نہیں۔ راضی ہوگئے تو تم کو راحت ہے"۔

فرمایا۔ جہاں تکلیف ہوئی اللھم ارضنی وارض عنی۔ پڑھو۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ حبس دم کرکے سورہ فاتحہ پڑھنے کی عادت ڈالو۔ جس کام کے لئے، جس مرض کے لئے پڑھ کر پھونکو فائدہ ہوجائے گا۔ سورہ فاتحہ مع بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و آمین ایک سانس میں گیارہ بار نہایت قوی الاثر ہے۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تکرار سورہ فاتحہ کے درمیان حلِ مشکلات کے لئے بہت کار آمد ہے اس کی عادت ڈالو تو بہت سارے کام ہوتے ہیں۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تکرار ایک لاکھ مرتبہ کرو۔ (یعنی اس کی زکوٰۃ دو) خشوع و خضوع کے ساتھ۔ اگر کسی کو بچھو کاٹے تو حبس دم کر کے سورہ فاتحہ پڑھ کر پھونکو زہر اتر جاتا ہے۔ اس طرح کیا ہوں میں۔ اجازت دیتا ہوں۔

عبداللہ کا پوت آمنہ کا جایا اتر رے بچھو اتر محمد عربی آیا۔ یہ عمل ہر بیماری کے دفعیہ کے لئے مجرب ہے (اتر رے بخار اتر محمد عربی آیا)۔

حضرت اپنی جوانی اور کہولت کے دور میں محسوس طور پر سلب مرض کرلیا کرتے تھے۔ دراصل اس طرح بھی اللہ کی عطا کردہ باطنی قوتوں سے اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ یا پھر ایک طرح کا امتحان ہے کہ بندگانِ خدا کو راحت پہنچانے اپنی جان کو آزار میں ڈال سکتے ہیں یا نہیں۔ یا پھر تعمیلِ حکم میں اپنے کو ہر طرح مستعد رکھنا ہے ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

کبھی تو سلب مرض کے ردِ عمل کے طور پر حضرت کو خود تکلیف اٹھالینی پڑتی اور کبھی دھکا نہ لگتا۔ سلبِ مرض اس موقع پر فرماتے جب کہ مریض کا معاملہ نازک ہوتا۔ کسی کا شدید بخار سلب کرلیتے تو حضرت کو حرارت ہوجاتی بخار آجاتا۔ کسی کے شدید مرض کو سلب کرلیتے تو بعض وقت حضرت کو مسلسل اجابتیں آجاتی تھیں۔

سلب مرض میں دو باتوں پر بیک وقت توجہ کرنا پڑتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آدمی اچانک بیمار نہیں ہوجاتا اور نہ اچانک صحت یاب ہوتا ہے بلکہ بتدریج بیمار ہوتا ہے اور بتدریج صحت ہوتی ہے۔ سلب امراض میں اچانک بیماری دفع ہوجاتی ہے مگر جسم میں وہ توانائی نہیں رہتی جو بتدریج صحت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اچانک بیماری کے دفع ہوجانے کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ سلب مرض میں ادھر بیماری کو سلب کرنا اور دوسری طرف مریض کو اس نقصان سے بچانا بھی پڑتا ہے جو اچانک بیماری کے سلب ہوجانے سے پہنچ سکتا ہے۔

انسان بشرطیکہ انسان ہو، اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ جس کو عالم پر تصرف دیا جاتا ہے اور ہر چیز اس کے لئے مسخر کردی جاتی ہے اس میں تو اتنی طاقت منجانب اللہ رہتی ہے کہ وہ عالم کی جس چیز کو چاہے آناً فاناً تہ و بالا کر کے رکھ دے مگر اس کا ہر عمل تحتِ حکمِ الٰہی رہتا ہے۔ ورنہ نظامِ عالم درہم برہم ہوجائے۔ اس کا تصرف اور عدم تصرف دونوں تحتِ امر الٰہی رہتے ہیں۔ اور وہ خود ساکن الجوارح ہوتا ہے۔ اور کسی کام میں اس کا ارادہ شامل نہیں رہتا بلکہ اس سے ارادۃ اللہ جاری و ساری رہتا ہے۔ ارادے سے جو غیر معمولی کام کیا جاتا ہے وہ عمل ہے۔ جس غیر معمولی کام میں اس کا ارادہ شامل نہیں رہتا وہ کرامت ہے۔ حضرت قادری تھے۔ قادریہ تعلیم میں ارادہ کی نگرانی کرنا پڑتا ہے کہ کسی کام میں اس کا اپنا ارادہ تو شامل نہیں تھا۔ بے ارادہ رہنا مسلک قادریہ کا مابہ الامتیاز ہے۔ سلب مرض ایک غیر معمولی کام ہے۔ جس کو ہر شخص نہیں کرسکتا۔ غیر معمولی کام نمایاں ہو اور آدمی کے ارادے کا اس میں دخل نہ ہو تو وہ عمل نہیں بلکہ کرامت ہے۔ حضرت سے رات دن خوارق عادات کا اتنا ظہور ہوتا تھا کہ قریب رہنے والوں کو خرقِ عادت بھی عادت معلوم ہوتی تھی۔

سلبِ مرض استدراجی قوت سے ایک کافر بھی کرتا ہے۔ اور سلبِ مرض ایک مسلمان بھی کرتا ہے مگر اپنے ارادے اور اپنی نفسیاتی قوت سے۔ سلب مرض ایک انسان کامل سے بھی نمایاں ہوتا ہے۔ تینوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کافر کا غیر معمولی

کام سحر ہے ۔ با ارادہ صاحب روحانیت کا غیر معمولی کام عمل ہے ، تصرف ہے ۔ بے ارادہ انسان کا غیر معمولی کام کرامت ہے ۔ اگر پیغمبر سے نمایاں ہو تو معجزہ ہے ۔

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا بڑے (اولیاء اللہ ۔ باقی باللہ) جو ہوتے ہیں ان سے کرامت کم اور معارف کا نزول ان پر زیادہ ہوتا ہے ۔ اس لئے مجذوبوں کا پہچاننا آسان ہے مگر عارف باللہ کا پہچاننا آسان نہیں ۔ رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله ۔ یعنی مردانِ خدا ایسے بھی ہیں جن کو تجارت اور بیع یاد خدا سے نہیں روکتے ۔

حضرت کی یہ بھی ایک کرامت تھی کہ لوگ خوارقِ عادت یعنی کرامتوں کو عادت سمجھنے کی وجہ سے ان کا خیال کرامت کی طرف جانے نہ پاتا ۔

ایک مرتبہ فرمایا " ایک ہندو گرو نے کہا کہ " آپ ہندو مسلمان دونوں سے اوپر ہیں " میں نے جواب دیا " مسلمان دراصل اسی کو کہتے ہیں " ۔

فرمایا " اعتدال پر رہنا بھی حق ہے ۔ وقت کے مطابق کسی چیز پر زور دینا بھی حق ہے " ۔

حضرت کی زندگی میں سلب امراض کے اتنے واقعات ملتے ہیں کہ لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے ۔ حضرت کے ماموں زاد بھائی اور شاگردِ خاص مولانا سید محمد صدیق حسینی رمز محمودی لکھتے ہیں " دیکھنے والوں نے اکثر دیکھا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر کیسا کیف طاری رہتا تھا ۔ اور جوش و جذب کی حالت میں کیا عالم طاری ہوجایا کرتا تھا ۔ مجھے اس مقام پر آپ کی کرامات کا گنانا مقصود نہیں کہ ایسی چیزیں آپ کے لئے کچھ مایہ افتخار بھی نہیں تھیں ۔ ایسی حالت میں بہت سے امور ، خوارق عادات عارف کی انگلیوں سے جھڑتے رہتے ہیں ۔ اور اسے اس کی خبر بھی نہیں ہوتی " ۔ (ماخوذ از ماہنامہ القدیر ۱۳۸۱ ء)

پھر بھی بطور نمونہ چند سلب امراض کے واقعات اور چند خوارق عادات پر اکتفاء کرتا ہوں ۔

حضرت کے چچا زاد بھائی اور برادر نسبتی مولانا احمد حسین صدیقی بزمانہ ضعیفی مرض ہیضہ میں مبتلا ہوئے ۔ جسم سے زیادہ مقدار میں پانی خارج ہوگیا ۔ کمزوری اور نقاہت حد سے زیادہ ہوگئی ۔ ضعیفی میں شدید ہرج پہنچ جانے سے حالت نازک ہوگئی ۔ ہوش و حواس متاثر ہوگئے ۔ زندگی کا بھروسہ نہ رہا ۔ ڈاکٹر سکسینہ کا دواخانہ چار کمان کے پاس تھا اور مولانا کالی کمان کے بازو دیوڑھی میں رہتے تھے ۔ ڈاکٹر سکسینہ کے پاس آدمی دوڑایا گیا ۔ اور حضرت کے پاس بھی اطلاع کردی گئی ۔ سکسینہ نے آکر معائنہ کیا اور صحت سے جواب دے کر واپس ہونے لگا ۔ حضرت اور مولانا دونوں کے چچا زاد بھائی مولوی محمد شمس الدین صدیقی صاحب (منصف) بازو ہی دیوڑھی کے دوسرے حصہ میں رہتے تھے ۔ ان کے فرزند مولوی محمد بدر الدین صدیقی صاحب جو عدالت کے ناظم تھے اور ڈاکٹر سکسینہ کے ہم جماعت رہے تھے ، پیچھے دوڑے اور اس کو مجبور کرکے واپس لائے ۔ اس نے کہا امید تو بالکل نہیں ہے آپ کے اصرار پر کوشش کرکے دیکھتا ہوں ۔ چنانچہ اس نے گلوکوس کا پانی چڑھانا شروع کیا ۔ اتنے میں حضرت بھی پہنچے اور ڈاکٹر کے پیچھے کرسی پر تشریف فرما ہوگئے ۔ کچھ ہی دیر میں مولانا نے آنکھیں کھول دیں اور حضرت کو دیکھ کر سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا ۔ سکسینہ فوراً پلٹا اور حضرت کے ہاتھ لے کر اپنے سر پر رکھ لیا ۔ کہنے لگا یہ آپ کی کھلی کرامت ہے ۔ میں حیران تھا کہ اتنا جلد تغیر کیسے ہوا ؟ میں تو حالت دیکھ کر بالکل نا امید تھا ۔ اللہ کا شکر ہے اب خطرہ سے باہر ہیں ۔ چنانچہ بہت جلد مولانا صحت یاب ہوگئے ۔

حضرت کے فرزند حسینی پاشاہ صاحب کو حیدرآباد کے آخری طاعون میں گلٹی نکل آئی ۔ شدت کا بخار تھا ۔ سخت تکلیف کے عالم میں رکاب گنج کے منجھلے مکان میں تنہا بہ تقدیر بھوکے پیاسے پڑے ہوئے تھے ۔ کراہ رہے ہیں مگر کوئی پرسان حال نہیں ۔ گلٹی نکل جانے کی اطلاع پر گھر کا ہر فرد ان کے نام سے بھاگ رہا تھا ۔ حضرت کو معلوم ہوا تو ان کے پاس پہنچے ان سے فرمایا " میرے بیٹے کو بخار آگیا ۔ گلٹی نکل آئی " ۔ باوا جان ! سخت تکلیف ہے ، جلن ناقابل برداشت ہے ، نہایت گھبراہٹ اور وحشت طاری ہے ۔ حضرت نے دلاسا دیا گھبراؤ نہیں ، بخار ابھی اتر جاتا ہے اور تکلیف بھی دور ہوجاتی ہے ۔ ان کے سرہانے بیٹھ گئے ۔ کتنی دیر تک ان کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے رہے اور گلٹی کو انگوٹھے سے حرکت بھی دی ۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا دیکھو پسینہ آرہا ہے ۔ بخار اترنے تک ان کے قریب بیٹھے رہے ۔ ان سے پوچھا جلن کا کیا حال ہے ۔ انھوں نے عرض کیا جلن میں تو خاصی کمی ہے ۔ فرمایا " اٹھ کر بیٹھو ، چلو پھرو کھاؤ پیو ۔ اب فکر کی بات نہیں " ۔ چنانچہ وہ اٹھ بیٹھے ، چلنے پھرنے لگے ، بھلے چنگے ہوگئے ۔ دوسرے دن دیکھا تو گلٹی بھی غائب ۔ ہلکی سی سرخی باقی تھی ۔ پھر وہ بھی کم ہوگئی ۔

رکاب گنج کے مکان میں قیام کے زمانہ میں ہر ماہ ہلالی کی گیارہ تاریخ بارھویں شب مغرب کی نماز کے ساتھ ہی ذکر کا حلقہ ہوتا تھا اور اس میں راتب حداد پڑھا جاتا تھا ۔ اس کے بعد برزنجی پڑھی جاتی تھی ۔ پھر محفل سماع منعقد ہوتی ۔ اس زمانہ میں بارکس کے عروب اور جیوش بہت مرید تھے ۔ ان میں حضرت کے ایک مرید عبود بھی تھے جو عرب تھے ۔ عمر چالیس کے لگ بھگ ہوگی ۔ ذاکر شاغل اور نہایت خاموش اور ضابط آدمی تھے ۔ ہر ماہ محفلِ سماع میں بہ پابندی شریک ہوا کرتے ۔ سفید عربی انداز کی کپڑے کی ٹوپی پہنتے تھے ۔ تالو پر بالکل بال نہ تھے ۔ ایک مرتبہ محفل سماع میں وجد آیا تو بیٹھی جگہ سے اڑ کر لوگوں کے سروں پر سے حضرت کے قدموں کے قریب بیچ محفل میں سر کے بل جاگرے ۔ ایسی آواز آئی جیسے کھوپڑی تڑک گئی پیشانی کے اوپر سر کے ابتدائی حصہ کی جلد پھٹ کر خون نکلنے لگا ۔ محفل کے سارے لوگ ہل گئے بلکہ دہل گئے ۔ حضرت نے فوراً زخم پر اپنا انگوٹھا رکھ دیا اور ان کو گلے لگالیا ۔ کچھ دیر بعد وہ سنبھلے تو حضرت نے ان کو چھوڑدیا ۔ وہ اپنی جگہ واپس جانے لگے تو ہر شخص نے تجسس سے ان کے سر کو دیکھا تو زخم کا نام و نشان نہ تھا ۔ یہ واقعہ پوری محفل کا چشم دید ہے ۔ اس وقت میں نوعمر تھا اور شریک محفل تھا ۔

مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری کے ایک مرید روتے ہوئے ان کے پاس پہنچے اور کہا میری لڑکی بیمار ہے ، اب تو نزع کے عالم میں ہے ۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے ۔ للہ اس کے لئے کچھ کیجئے ۔ بادشاہ حسینی صاحب حضرت کے چھوٹے ماموں سید عمر صاحب قبلہ کے صاحبزادے تھے اور خود بھی اچھے بزرگ تھے ۔ مرید کی تڑپ اور موقع کی نزاکت کا خیال کرکے ان سے کہا تم فوراً بھائی صاحب قبلہ (یعنی حضرت) کی خدمت میں پہنچو ۔ اب اگر کوئی تمہاری بچی کو واپس لا سکتا ہے تو وہ بھائی صاحب قبلہ ہی ہیں ۔ عرض کرو خدمت میں میں بھیجا ہوں ۔ اس وقت گیارھویں کی محفل تھی ۔ صاحب موصوف حضرت کے قدموں سے لپٹ گئے اور بچی کا سارا حال کہہ سنایا اور بادشاہ حسینی صاحب کا حوالہ بھی دیا ۔ بادشاہ حسینی صاحب ۔ حضرت کو بہت محبوب تھے ۔ ان کی کوئی بات ٹالتے نہ تھے ۔ بعد میں حضرت نے فرمایا " دیکھا تو حیات کی ڈوریاں کٹ رہی ہیں ، میں نے اس کی حیات طلب کی جواب ملا حیات ختم ہوچکی ۔ " دیتا ہے یا تیری حیات میں گھس کر اس کی حیات لاؤں " ۔ " لاسکتے ہو تو لاؤ " ۔ پھر کیا تھا گھسا اور اس کی حیات لے کر آیا ، بچی اچھی ہوگئی ۔ فرمایا مگر یہ بات ایام جاہلیت کی ہے ۔ (یہ واقعہ بھی رکاب گنج کے مکان ہی کا ہے)

ایک مرتبہ حضرت منجھلے گھر (واقع محلہ رکاب گنج) کے بسنتی کرہ میں آرام فرما رہے تھے ۔ ایک ہندو عورت اپنے گود کے بچے کو جو سخت بیمار اور مرنے کے قریب تھا لے آئی ۔ جوں ہی گیٹ میں داخل ہوئی بچہ دم توڑ دیا ۔ لگی رونے اور بین کرنے ۔ حسینی پاشاہ صاحب نے اس سے رونے کا سبب پوچھا اس نے شدت غم میں کہا " بچہ نہیں جیتا بولے تو میں یہاں لائی تھی مسلمانوں کے گرو ہیں یہاں تو ضرور اچھا ہوجائے گا ۔ یہاں آتے ہی دم توڑ دیا میں اب کیا منہ لے کر گھر جاؤں " ۔ حسینی پاشاہ صاحب نے اس سے کہا رو مت ۔ بچہ کو اٹھا کر حضرت کے کرہ میں لے آئے اور پلنگ کے قریب نیچے ڈال دیا ۔ حضرت نے پوچھا کیا ہے ؟ حسینی پاشا صاحب نے عرض کیا " باوا جان ! ایک ہندو عورت اپنے بچے کو سخت بیمار ہے مسلمانوں کے گرو ہیں ان کے پاس تو اچھا ہوجائے گا ۔ سمجھ کر لائی ہے ۔ یہ کہہ کر کرے سے باہر آگئے اور دروازہ بدستور بھیڑ دیا ۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے تیز لہجے میں پکارا " حسینی پاشا " یہ اندر پہنچے تو جھڑک کر کہا " لے جاؤ اسے " بچہ رو رہا تھا ۔ وہ عورت اپنے بچہ کو سینہ سے چمٹائے خوشی کے آنسو بہاتی چلی گئی نہ معلوم بچہ کمزوری کی وجہ سے بے دم ہوکر مردہ سمجھ میں آرہا تھا یا واقعی مرگیا تھا ۔ اللہ بہتر جانے ۔ مگر حسینی پاشا صاحب کا تو کہنا ہے مرچکا تھا ۔ بعض اولیائے کبار کے حالات میں ایسے واقعات ملتے ضرور ہیں ۔ دراصل یہ سارے کھیل اللہ میاں کے ہیں ۔ علم و قدرت کی ساری کارستانی ہے ۔ کھیل تیرا تو ہی جانے کھلاڑی میں کیا جانوں ۔

حضرت جہاں بیماریوں کے دفعیہ کے لئے قرآن کی آیتیں بتلاتے وہیں دواؤں کے چٹکلے ، نسخے ، جو شاندے بھی بتلا دیتے تھے جس کے استعمال سے فائدہ پہنچتا تھا ۔ حضرت نے علم طب مقصود جنگ کے والد مولوی منصور علی صاحب سے حاصل فرمایا تھا ۔ بطور پیشہ اس فن کی طرف حضرت نے توجہ نہ کی اور نہ تو علاج معالجہ کی طرف ۔ کبھی کبھار ضرورتاً دوائیں بتلا دیا کرتے تھے ۔

حکمائے یونانی یا طبیہ کالج کے طلبا ملنے آتے تو طب کے تعلق سے مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے تھے ۔ طلباء کو خدا ترسی ، دینداری ، رحم دلی ، ہمدردی ، غم خواری ، مستقل مزاجی ، شیریں زبانی ، اور رازداری کی طرف توجہ دلاتے ۔ بعض آیتوں اور اسماء کے ورد کرنے کی ہدایت فرماتے ۔ جس سے امراض دفع ہوتے ہیں ۔

یورپ کی موجودہ علم تشریح کی ترقی کا تذکرہ آیا تو فرمایا " اس سلسلہ میں یورپ کی تحقیقات کی تمام تر بنیاد طب قدیم ہی پر ہے عیسائیوں کے استاد عرب تھے ۔ ان ہی کے ذریعہ ان کو یونانی و رومی علوم قدیم حاصل ہوئے ۔ صدیوں کی کوششوں کے ذخیرہ کو عربوں نے عربی میں منتقل کیا تھا ۔ علم الادویہ علم الامراض ، معالجات ، منافع الاعضاء کے علاوہ شعبہ جراحی میں بھی عربوں نے بے حد ترقی کی تھی ۔ اور حکمائے یونان سے بہت آگے نکل گئے تھے ۔ اور جدید معلومات میں بے حد اضافہ کیا تھا ۔

فرمایا " طب یونانی کے شعبہ جراحی میں ابوبکر محمد بن زکریا رازی اور ابوالقاسم زہراوی بڑے ماہر گزرے ہیں ۔ ان کی تصانیف بے حد مشہور ہیں ۔ زہراوی نے جراحی کے متعدد آلات ایجاد کئے تھے ۔ ابن زہر بھی فاضل طبیب اور بے مثل جراح گزرا ہے ۔

آخری زمانہ میں علاج شمسی کے ضمن میں مختلف رنگ کے شیشوں میں پانی بھر کر دھوپ میں رکھواتے اور مختلف رنگوں کے شیشوں کے پانی سے کیا فائدہ ہوتا ہے اس کا تجربہ فرما رہے تھے ۔ مگر حضرت کی مصروفیات اور صحت نے اس شوق کو آگے بڑھانے کا موقع نہ دیا ۔

رکاب گنج کے دور میں حضرت کے پاس "جے جے ڈی شین" کی دواؤں کی شیشیاں، دواؤں کے ایک بیاگ میں جمی ہوئی رہتی تھیں۔ ضرورت پر خود بھی استعمال کرتے تھے، گھر کے بچوں کو کھلاتے تھے۔ آنے جانے والوں کو بھی ضرورتاً دیا کرتے تھے۔ فائدہ پہنچتا تھا۔

یونانی علاج مدینہ منزل کے دور میں ادویاتِ یونانی کے بعض نسخے، جوشاندے حریرے اور قرص جو لوگوں کو حضرت نے بتلائے تھے اور موقع موقع سے نوٹ کرلئے گئے تھے پیش کردیتا ہوں اگر کسی کو اس سے فائدہ پہنچے تو والحمد للہ۔

امراضِ دماغ :-

نزلہ۔ دار چینی کا تیل نصف ماشہ گرم پانی میں ڈال کر پی لیں۔

جوشاندہ نزلہ۔ بنفشہ (۳ ماشہ)۔ بہی دانہ (دو دانہ)۔ عناب (۲ عدد)۔ سپستاں (۲ عدد)۔ ملہٹی (۱ ماشہ)۔ مصری (۳ ماشہ)۔ منقیٰ (۳ ماشہ)۔

دردِ سر :-

درد سر کے لئے سونٹھ کی چائے پینے سے فائدہ ہوتا ہے۔

درد نیم سر : ریٹھے کو گھول کر اس کا پانی دو قطرے ناک میں ڈالیں، درد کے مخالف بلاغ میں ڈالنا مناسب ہے۔

جلاب دماغی (دوا کی ناس) ۱ کائفل کے چھلکہ کو باریک پیس کر سفوف بنالیں۔ بطور ناس لیں۔ نزلہ، کھانسی، زکام کے لئے مفید ہے۔

۲۔ بھونتان کا پتہ باریک پیس کر چھان لیں۔ بطورِ ناس نفوخ کریں۔ اختناق الرحم کی مریضہ، آسیب زدہ اور سکتہ کے مریض کے لئے بھی مفید ہے۔

سر کا چکر :- آملہ خشک۔ دھنیہ خشک۔ شکر۔ ۶ ماشہ کی مقدار میں رات کو بھگودیں۔ صبح گرم کرکے پلادیں۔

۲۔ مغز بادام شیریں (۷ عدد)۔ مغز کدو (۶ ماشہ)۔ گیہوں (۲ تولہ)۔ خشخاش (۳ ماشہ)۔ حریرہ بناکر پی لیں۔

۳۔ مربہ بلیلہ یا آملہ۔ دھنیہ خشک۔ ۳ ماشہ حریرہ بناکر پی لیں۔ اس سے نیند بھی آتی ہے۔

ضعفِ دماغ :-

۱۔ برہم بوٹی (۷ ماشہ)۔ کالی مرچ (۷ عدد) (پیس کر) مصری یا شہد ملاکر پئیں تو دماغ کو قوت ہوگی۔

۲۔ حریرہ مقوی دماغ فرمودہ حضرت مولوی شجاع الدین حسین صاحب قبلہ (گنبد واقع رین بازار حیدرآباد)۔

مغز بادام (۱۱ دانہ)۔ مغز پستہ (۱۱ دانہ)۔ دانہ حبل (۱۱ دانہ)۔ مغز کدو (۳ ماشہ)۔ مغز تربوز (۳ ماشہ)۔ نشاستہ (۳ ماشہ)۔ مصری (۳ ماشہ)۔ روغن زرد (۲ ماشہ)۔ بھونسہ گندم (یکمشت)۔ حریرہ بناکر طلوع آفتاب سے قبل نوش کریں۔

۳۔ کلونجی (۳ ماشہ)۔ برہمی بوٹی۔ پیس کر اس کی گولیاں کا مرچ کے دانوں کے برابر بنالیں۔ پرہیز ترشی کا کریں۔

امراض شش و سینہ :-

کھانسی ۔ ۱۔ کرنج کی پھلی کا مغز باریک پیس کر گولیاں بقدر لونگ بنالیں کالی کھانسی کے لئے مفید ہے۔

۲۔ کاکڑا سنگھی یا ملیٹھی کو گھس کر کھانسی کے مریض کو چٹائیں۔

۳۔ ملیٹھی۔ نشاستہ۔ مصری۔ ببول کا گوند۔ بادام۔ ان سب کو کوٹ کر چنے کے برابر گولیاں بنائیں اور کھلائیں مفید ہے۔

کالی کھانسی :-

تانت کو ایک کلیا میں ایک سیر اپلیوں کی آگ میں جلاکر اس کی راکھ ایک ماشہ شہد میں ملاکر چٹائیں۔ انشاء اللہ تیسری خوراک میں فائدہ ہوگا۔

درد سینہ اور دوسرے دردوں کے لئے :-

۱۔ بھلاواں، صابن دونوں کا صندل لگائیں اور سینکیں۔

۲۔ تین ماشہ روغن کنجد میں ایک تولہ نمک ڈال کر پکائیں اور درد پر لگائیں۔

ڈبہ :-

۱۔ پیاز کے عرق میں عربی ایلوا پکاکر سینہ پر لگائیں۔

۲۔ کرنج کی پھلی کے چھلکے کو پیس کر لونگ کے برابر گولیاں بنائیں اور کھلائیں۔ یہ گولیاں کھانسی کے لئے بھی مفید ہیں۔

امراض قلب :-

اختلاج قلب۔ سونف۔ دھنیہ۔ الائچی۔ ہم وزن سفوف بناکر صبح و شام چار چار ماشے کھلائیں۔

امراض جگر :-

(یرقان) پھٹکری اور تیلیا سہاگہ ہم وزن کو کھیل کرلیں اور پیس لیں۔ خوراک ایک ماشہ ایک چچہ دہی پر ڈال کر کھلائیں۔

برائے تہبج :-

گھگے کا پتہ، سفید زیرہ کوٹ کر اس کا عرق نکال کر تین دن صبح نہار استعمال کریں۔ پرہیز سات دن تک۔ کالے دھان کا کھانا۔ یا سفید جوار کی روٹی، پھیکی اور اگر کھایا نہ جائے تو تور کی دال میں تھوڑا سا ادرک لہسن اور مرچ ڈال کر تھوڑا سا نمک شریک کرکے روٹی یا خشکہ سے استعمال کرسکتے ہیں۔

امراض معدہ :-

سونٹھ، سونف، شکر، زیرہ جو کوئی کھاوے ہوگا ہیرا۔

درد شکم :-

مغز گھگہ ایک عدد، لونگ ۲ عدد کو کوٹ کر چنے برابر گولیاں بنالیں اور استعمال کریں۔

ہیضہ :-

۱۔ زیرہ توے پر خوب سیاہ ہونے تک جلاکر اس میں پانی اندازے سے ڈالیں ۔ جب پانی پکنے لگے تو اتار کر چھان لیں ۔ ہیضہ کے مریض کو ایک گولی (مغز گجگہ ایک عدد ، لونگ دو عدد دونوں کو کوٹ کر چنے برابر گولیاں بنالیں) کھلائیں اور ایک خوراک اس کے ساتھ پلائیں انشاء اللہ فوراً قے اور دست بند ہوجائیں گے ۔ دو تین خوراک میں فائدہ ہوگا ۔

۲ ۔ نیم کا کونپل ایک عدد ، سیاہ مرچ کا ایک دانہ ، دونوں کو پیس کر گولیاں بنالیں ، تیسری خوراک میں فائدہ ہوگا ۔

۳ ۔ نارجیل دریائی ۔ زہر مہرہ ، طباشر شہد میں ملاکر کھائیں ۔

۴ ۔ سیندا نمک (۲ تولہ) ۔ نمک نوشادر قلمی (۱ تولہ) ۔ نمک سیاہ (۱ تولہ) ۔ کاغذی لیموں (۵ عدد) کے عرق میں حل کریں ۔ محفوظ رکھیں ۔ خوراک ایک رتی ۔

۵ ۔ سجی کھار ۔ پلاس پاپڑا ہم وزن پیس کر لونگ کے برابر گولیاں بناکر کھلائیں ہاضمہ ٹھیک ہوگا ۔

۶ ۔ قلمی شورہ ، مصری ملاکر سفوف بنالیں ، ہاضمہ کے لئے مفید ہے ۔

۷ ۔ پودینہ (۶ ماشہ) ۔ الایچی (۳ ماشہ) ۔ پانی میں جوش دے کر پئیں ۔

۸ ۔ اجوائن (ایک تولہ) ۔ سونف (ایک تولہ) ۔ نمک سیاہ (ڈیڑھ تولہ) ۔ سفوف بنائیں ہاضمہ کے لئے مفید ہے ۔

خارش :-

فرمایا محمد حسین صاحب ، الیاس برنی صاحب کے مرشد کی پیٹھ خارش سے تڑک (تڑخ) گئی تھی ۔ میں بولا چاول کی کچھ سے دھو چنانچہ آرام ہوگیا ۔

قبض شدید :-

دو عدد انجیر خشک کھالیں ۔

فنون حرب کی تعلیم

فنون حرب کی تعلیم

(بنوٹ، لٹھ، تلوار، دیگر ہتھیار، کشتی اور داؤ پیچ)

جس زمانہ میں حضرت رکاب گنج کے گھر میں مقیم تھے۔ سہ پہر سے مغرب تک اپنے بچوں، شاگردوں، مریدوں اور ملنے جلنے والوں کو بالالتزام بنوٹ، لٹھ، تلوار، چھوٹے ہتھیار کے کام کے علاوہ کشتی کے داؤ پیچ اور اس کے توڑ اور توڑ کی کاٹ کی باقاعدہ تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور مشقیں لیا کرتے تھے۔ اور اپنے پاس آنے والوں میں سپہ گری کا شوق پیدا کرتے تھے۔ حضرت جب مدینہ منزل میں منتقل ہوئے تو کچھ دن سامنے کے مکان کے بیرونی صحن میں جب کہ سامنے کا مکان زیر تعمیر تھا۔ اور کچھ دن اندرونی مکان کے صحن میں جب کہ سرکاری گودام برخواست ہوچکا تھا۔ اس کے بعد مکان کے عقبی خانہ باغ میں بنوٹ اور لٹھ کی مشقیں لیا کرتے تھے۔ اور ٹین شیڈ میں جمبیہ کی مشقیں ہوتی تھیں۔ اس کے لئے لکڑی کے جمبیے بطور خاص بنوائے گئے تھے۔ کشتی اور داؤ پیچ کی تعلیم کے لئے مدینہ منزل کے دور میں کچھ عرصہ اہتمام رہا بعد میں اس کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ کیونکہ حضرت کی عمر، صحت و طاقت اس قابل نہیں رہی تھی کہ کشتی کے داؤ پیچ کو سکھلانے کے سلسلہ کو قائم رکھ سکتے۔

ایسے زمانہ میں جب کہ آلاتِ حرب رکھنا خلاف قانون سمجھا جاتا ہے تو اس وقت لکڑی تو باطمینان رکھی جاسکتی ہے، اور آدمی فن بنوٹ سے واقف ہونے کی بناء پر لکڑی کے ذریعہ نہ صرف اپنا بچاؤ کرسکتا ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر دشمن کو مار بھگا سکتا ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھ کر اپنے ہر ملنے والے کو حضرت بنوٹ سیکھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

دراصل حضرت یہ چاہتے تھے کہ مسلمان کسی حالت میں رہیں، لاکھ پستی میں رہیں لیکن ان کی روح بیدار رہے۔ مضطرب اور بے قرار رہے۔ حرکت میں رہے۔ ان کا مخصوص مزاج قومی کسی قیمت پر متاثر نہ ہونے پائے۔ تاکہ وہ پھر اٹھ کھڑے ہوسکیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے۔ بعض پر مال صرف کرنا دشوار گزرتا ہے، کھال جائے مگر مال نہ جائے۔ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے۔ بعض لوگوں پر لڑنا نہایت دشوار گزرتا ہے، تلوار چلی ہم ندارد۔ مال، جان کا صدقہ ہے۔ اللہ جان اور مال دونوں کے لئے مستعد بناتا ہے۔ مسلمان سخی بھی ہوتا ہے اور شجیع بھی۔ افسوس مسلمانوں نے اپنے دونوں جوہروں کو کھودیا۔ اور قعر مذلت میں جاگرے۔

لٹھ اور بنوٹ کی لکڑیوں کے بارے میں فرماتے تھے کہ لکڑی میں عمدہ بانس کی لکڑی ہوتی ہے۔ شمالی ہند کے مختلف مقامات میں مختلف ناموں سے بانس کی لکڑیاں اپنی خصوصیت کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ ان مقامات پر بانسوں کے خاص خاص نام ہیں۔ شمالی ہند کے مقامات پر نیا۔ مونگھیر۔ مرشد آباد۔ مرزا پور۔ مانڈہ۔ بجے گڈھ اور دکن میں ویلور۔ حضرت کو چونکہ لکڑیوں کا شوق تھا لہذا کئی مقامات کی لکڑیاں حضرت کے پاس موجود تھیں۔ مگر حضرت کو ویلور کی لکڑی ہی پسند تھی۔ کیونکہ یہ لکڑی گاؤ دم کم ہوتی ہے اور تیر کی طرح سیدھی۔ ویلور کی لکڑی ہمہ صفت موصوف ہے۔ تولوں کے حساب سے بکتی ہے۔ حضرت کے پاس ویلور کی چندہ متعدد لکڑیاں تھیں۔ جن کے سروں پر حضرت نے نوکدار شام لگوائی تھی۔ حضرت کو بانس پہچاننے کا ملکہ حاصل تھا۔

حضرت نے اچھی لکڑی کے بعض خصوصیات بتلائی ہیں۔ مثلاً لکڑی کا غرقی ہونا، یعنی اگر لکڑی پانی میں کھڑی چھوڑی

جائے تو وہ اسی طرح سیدھی غرق ہوجائے یا پانی پر جس حالت میں رکھی وہ اسی حالت میں غرق ہوجائے۔

لکڑی کی گرہیں اور پور برابر ہوں۔ گرہ اونچی اور پور پتلی یا پور موٹی اور گرہ پتلی نہ ہو کیونکہ یہ لکڑی کا عیب ہے۔ وزن کے علاوہ لکڑی کا اتار بھی دیکھنا چاہئیے۔ لکڑی میں خوبی پیدا کرنے کے لئے اس کی گرہیں سوہن سے گھسواکر خوشنما اور ہموار برابر برابر بنواتے۔

لکڑی میں خوشنما سرخ رنگ پیدا کرنے کے لئے اس کو مہندی لگواتے اور رنگ میں پختگی پیدا کرنے کے لئے تیل لگواتے۔ تیل لگواتے رہنے کا مقصد رنگ کی پختگی کے ساتھ ساتھ لکڑی میں لچک اور مضبوطی پیدا کرنا بھی ہوتا تھا۔

عام طور پر ویلور کی لکڑیوں کو تیل لگواکر باورچی خانہ میں اس طرح آویزاں کرواتے کہ دھواں لکڑی کو اچھی طرح سے لگے۔ اور لکڑیوں کو الٹ پلٹ کروایا کرتے۔ تاکہ دھواں ہر طرف یکساں لگے۔ اور دھبے نہ آنے پائیں۔ اس عمل سے لکڑی پر سیاہ رنگ چڑھ جاتا تھا۔ دھواں لگنے سے لکڑی تڑکتی نہیں۔

بعض لکڑیوں کو زرد رنگ پرھوایا تھا۔ اس مقصد کے لئے لکڑی کو آم کے پتوں کا دھواں دلوایا تھا۔

لکڑی میں وزن پیدا کرنے کے لئے شبنم میں رکھواتے اور صبح میں شبنم پونچھ کر تیل لگوادیتے۔ اس طرح چند روز عمل کرنے سے لکڑی کا وزن بڑھ جاتا تھا اور لچک بھی پیدا ہوجاتی تھی۔

حضرت کو جوانی سے لکڑیوں کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے ہتھیاروں کا بے حد شوق تھا۔ مثلاً تیر کمان، تلواریں، جمبیے، خنجر، پیش قبض، قرولی، چھرے، گپتی، بچھوا، بندوقیں، ریوالور وغیرہ۔

بچھوا:۔ چاقو کی طرح ہوتا ہے، کھلتا اور بند ہوتا ہے۔ بند کرنے کے لئے ایک پرزہ کو دبانا پڑتا ہے۔

گپتی:۔ دیکھنے میں بالکل ہاتھ کی لکڑی معلوم ہوتی ہے۔ لکڑی کے اندر گھر بنایا جاتا ہے۔ اور اس میں تلوار جیسا پتلا پھل رکھ دیا جاتا ہے۔ پھل میں موٹھ لگایا جاتا ہے۔ موٹھ اور لکڑی کے ملنے کے مقام کو چھپانے کے لئے چھلا لگا دیتے ہیں۔ حضرت کے پاس بیڑ جان محمد کے ہاتھ کی نہایت خوشنما اور کارآمد گپتی تھی۔

چھرا:۔ عام طور پر سرحدی پٹھان بہت رکھتے ہیں۔ پھل اندازاً ہاتھ بھر کا ہوتا ہے۔

قرولی:۔ چھرے سے چھوٹی ہوتی ہے۔

پیش قبض:۔ یہ دنبالہ کے قریب چوڑا ہوتا ہے۔ اترتا ہوا نوک کے قریب ذرا خم دار ہوتا ہے۔ یہ بھی پٹھانوں کا ہتھیار ہے

حضرت کے پاس متعدد بندوقیں بھی تھیں۔ ایک نالی، دو نالی۔ جس میں بعض بھرمار تھیں۔ بعض ٹوٹے والی، بعض میگزین والی۔ اقسام کے چھوٹے بڑے ریوالور بھی تھے۔ جن سے کئی کئی راونڈ فائر کئے جاسکتے تھے۔

ان ہتھیاروں کی صفائی کے لئے حضرت نے ایک تجربہ کار شخص کو مقرر کیا تھا۔ جو مقررہ دنوں میں آکر ان کی صفائی کرجاتا تھا مگر یہ سب ہتھیار جو ہزاروں کی مالیت کے تھے پولیس ایکشن کے بعد داخل سرکار کردیئے گئے۔ حضرت کو ان ہتھیاروں کے ضائع جانے کا بڑا صدمہ تھا۔ حضرت بندوق اور ریوالوروں کو "یہ کالا سونا ہے" فرماتے تھے۔ حضرت ان ہتھیاروں سے نشانہ اندازی کیا کرتے تھے تاکہ ہر ہتھیار سے نشانہ درست رہے۔

قدیم ہتھیاروں کا تذکرہ اور ان کی تفصیلات جو بیان ہوئیں اور آگے بیان ہورہی ہیں اس اٹامک دور میں ان کی تفصیلات پر روشنی ڈالنا لاحاصل معلوم ہوتا ہے۔ مگر مجھے یہاں حضرت کی مصروفیات اور ان کے ذوق و شوق اور ان کی زندگی کی مختلف جہتوں کو پیش کرنا مقصود ہے لہذا ان کا تذکرہ خالی از استفادہ نہیں۔

حضرت کے پاس جو تلواریں تھیں ان میں بعض سیدھی تھیں اور بعض خم دار۔

سیدھی تلوار جو لمبی اور خاص قسم کے قبضہ کی ہوتی ہے اسے دَھوپ کہتے ہیں۔ حضرت نے سیدھی تلوار کے تعلق سے فرمایا یہ زیادہ ترانی اور ہول کے کام کرتی ہے۔ کاٹ ذرا مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا "سب سے عمدہ تلوار اصیل" ہوتی ہے۔ اصیل تلوار کی شناخت یہ بتلاتی تھی کہ لوہے کو بار بار چھانا جانے کی وجہ سے جب عمدہ لوہا نکل آتا ہے اس لوہے سے یہ تلوار بنائی جاتی ہے۔ اس میں خمیر نمایاں رہتا ہے۔ یعنی ایک قسم کا جوہر نمایاں ہوجاتا ہے اس جوہر کو ابر کہتے ہیں۔

خمیر کے تعلق سے فرمایا" خمیر کھڑا بھی ہوتا ہے یعنی تلوار کے طول میں نیچے سے اوپر اور آڑا خمیر عرض میں۔

لوہے کی عمدگی کی پہچان یہ بتلائی کہ اس کے خمیر میں یکسانیت اور رنگ میں سپیدی ہوتی ہے۔ اور اصلی تلوار کی مزید پہچان بتلانے کے لئے اس کو کس کر دکھلایا تھا کہ اصلی تلوار دونوں جانب کستی ہے۔ یعنی جھکاتے جاؤ جھکتی جائے گی۔ اور چھوڑو تو اصلی حالت میں واپس آجائے گی۔ اصلی تلوار آنگ کی نرم ہوگی۔ اور دھار نہایت سخت۔ کسنے پر ٹوٹے گی نہیں۔

حضرت نے اصیل تلوار کے چند اقسام بھی بتلائے تھے۔ اور ان کا معائنہ بھی کروایا تھا۔

اصیل کی ایک قسم جنوب" کہلاتی ہے۔ یہ سیدھی اور خوش خم ہوتی ہے۔ اس کی پہچان یہ بتلاتی کہ اس میں دو نالیاں ہوتی ہیں۔ اس تلوار کی خصوصیت یہ بتلاتی کہ یہ تلوار جتنی کاٹتی جاتی ہے اس کی دھار اتنی ہی کڑوی ہوتی جاتی ہے۔

اصیل کی دوسری قسم مغرب" کہلاتی ہے۔ اس کو دمشقی بھی کہتے ہیں۔ یہ تلوار راست خم ہوتی ہے۔ اس میں ناب نہیں ہوتی۔ البتہ خمیر بہت اچھا اور زیادہ ہوتا ہے۔ فرمایا یہ تلوار جنوب سے بہتر ہے۔

اصیل کی تیسری قسم حلب ہے۔ یہ جنوب اور مغرب سے نکلتی ہوئی ہوتی ہے۔ آئینہ کی طرح جسم صاف ہوتا ہے۔ خمیر نہیں ہوتا۔

اصیل کی یہ تمام قسم کی تلواریں حضرت کے پاس موجود تھیں۔

حضرت تلوار کی پھینک کو بہت پسند کرتے تھے۔ تلوار کی پھینک کا مظاہرہ کرنے سے پہلے تلوار کے ساتھ ایک مخصوص طریقہ سے سلام کیا جاتا تو بڑی خوشی سے سلام لیتے تھے۔ چہرہ پر خاص قسم کی بشاشت نمایاں ہوتی اور فوجی انداز میں سلام کا جواب دیتے تھے۔

سید جعفر صادق حسینی صاحب عرف صادق پاشا کی پہلی شادی کالی کمان سے متصل فقیر پاشا کی دیوڑھی میں ہوئی تھی۔ حضرت ان کی شادی سے اس قدر مسرور تھے کہ جب دولھا کی موٹر دیوڑھی کے قریب پہنچی تو اپنے صاحبزادوں کو اشارہ کیا کہ دولھا کی موٹر کے سامنے تلوار کی پھینک کریں اور اپنے ہاتھ کی تلوار عنایت فرمائی۔ صادق پاشا حضرت کے نواسے ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت کے بڑے ماموں اور پیر و مرشد کے پوترے بھی تھے۔ چنانچہ حضرت کے چند صاحبزادوں نے یکے بعد دیگرے پھینک کا مظاہرہ کیا



بحرالعلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ رحمۃ اللہ علیہ
تمنچہ ۔ بندوق ۔ تلوار ۔ سپر وغیرہ ہتھیار سے لیس

خصوصاً حسینی پاشا صاحب نے مسکراتے ہوئے ایک خاص انداز سے پھینک کا نہایت خوبصورت مظاہرہ کیا تو تمام براتی نہایت محظوظ ہوئے اور ان کی خوب واہ واہ کی۔

ایک مرتبہ حضرت کے ہاتھ میں سیدھی تلوار تھی۔ ایک صاحب جو جمبیہ کے کام میں مہارت رکھتے تھے اور ہمیشہ جمبیہ لگائے رہتے تھے۔ حضرت سے کہا۔ جمبیہ کے مقابلہ میں تلوار کام نہیں آتی "۔ حضرت نے ان سے فرمایا" اچھا جمبیہ سے وار کرو" وہ ابھی جمبیہ کر سے نکال ہی رہے تھے کہ حضرت نے تلوار کو ایک جھٹکا دیا نیام تو دور جاگری مگر تلوار کی نوک ان کے پیٹ پر لگی ہوئی پائی گئی۔ وہ صاحب انتہائی حیران ہوئے۔ اور ہاتھ کی پھرتی اور تلوار کے اس انوکھے استعمال سے بے حد متاثر ہوئے۔

رکاب گنج میں حضرت کے دولت خانہ کے قریب طبیلے کے منڈوے کے پاس ایک جبیب رہتے تھے وہ نسلاً عرب تھے۔ جمبیہ کے کام میں مہارت رکھنے کی بناء پر شہرت رکھتے تھے۔ ان کو اپنے کمالِ فن پر بہت ناز تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے حضرت سے خواہش کی کہ حضرت ان سے جمبیہ سے لڑیں۔ چنانچہ جمبیہ لے کر دونوں ایک دوسرے پر بجلی کی طرح جھپٹے۔ دیکھنے والوں کو محسوس ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ اور جان لے کر ہی دم لینے والے ہیں۔ کچھ دیر جمبیے چمکتے رہے، تیز حرکت میں رہے۔ جبیب کو معلوم ہوگیا کہ حضرت واقعی عربوں کی اولاد صدیقی النسب ہیں اور علی المرتضیٰ حضرت کے نانا۔ جمبیہ عربوں کا ہتھیار ہے اور وہ اس کے چلانے میں بے بدل مشاق ہیں۔ حضرت نے ان کو فن کا پوری طرح اندازہ کردینے کے بعد ہاتھ روک لیا۔ اور سب کو مخاطب کرکے مسکراتے ہوئے فرمایا "ہم دونوں دوست ہیں یہ کھیل، کھیل رہے تھے"۔ اس مقابلہ میں چونکہ جبیب کی انا پر ضرب لگی تھی۔ حضرت کے دوست اور اس جان لیوا مظاہرہ کو کھیل فرمانے کے باوجود چہرہ سے ملال اور خفت کے ساتھ ساتھ غصہ کے آثار بھی نمایاں تھے۔ دوسرے دن ان کو احساس ہوا تو حضرت کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے اور حضرت سے معافی چاہی اور عرض کیا مجھے آپ سے مقابلہ کی ہرگز خواہش نہ کرنا چاہیے تھا۔

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا" جمبیہ پہلو میں رہنے کی وجہ سے جمبیہ کہلاتا ہے۔ فولاد کا نہیں ہوتا۔ مگر لوہا بہت اچھا ہوتا ہے۔ شکل میں خنجر سے مشابہ ہوتا ہے۔ خنجر ایرانی ہتھیار ہے۔ عباسیوں کے ساتھ آیا۔ خراسانی خنجر بہت مشہور ہے۔ خم میں ہلال سے مشابہت رکھتا ہے۔ جمبیہ کے پھل کو عربی میں نصلہ کہتے ہیں اور دکھنی میں کلی کہا جاتا ہے۔

فنون حرب میں ماہر ہونے کی وجہ سے حضرت کو اہلِ فن کافی اہمیت دیتے تھے۔ اور فنون حرب میں حضرت کا لوہا مانتے تھے۔ عوام میں علم و فضل کی طرح فنون حرب کے ماہر اور استاد ہونے کی حیثیت سے بھی حضرت کی کافی شہرت تھی۔

ایک مرتبہ محبوب علی صاحب جو بنوٹ میں ماہر تھے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کو حضرت مولیٰؑ کا وہ وار پہنچا تھا جس سے حضرت مولیٰؑ نے غزوہ خندق میں عمر بن عبدود جیسے شجیع اور بہادر اور عرب کے مشہور پہلوان کو اس کی مبارزت طلبی پر مارا تھا۔

غزوہ خندق میں عمرو بن عبدِ وُد نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مقابلہ میں میدان میں جانے کی اجازت چاہی۔ حضور نے اپنی تلوار عنایت فرمائی۔ خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو۔ اس اہتمام سے حضرت علیؓ عمرو بن عبدِ وُد کے مقابلہ میں

تشریف لے گئے ۔ گرد و غبار اٹھا اور حضرت علیؓ کی تکبیر کا نعرہ بلند ہوا ۔ جس سے صحابہ کو معلوم ہوا کہ آپؓ نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کرلی ہے ۔

حضرت نے محبوب علی صاحب سے خواہش ظاہر کی کہ مولیٰؓ کا وہ وار بتائیں ۔ انھوں نے کہہ کر ٹال دیا کہ میں پھر کبھی تنہائی میں بتلاؤں گا ۔ ان کا اس طرح ٹال دینا نہایت شاق گزرا ۔ حضرت نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ۔ اللہ نے وہ منظر حضرت کے سامنے کردیا ۔ حضرت نے عالم مثال میں شیر خدا کو عمرو بن عبدود سے لڑتے ہوئے اور اس پر وار کرتے ہوئے دیکھ لیا جس سے عمرو بن عبدِ وُد کٹ کر ڈھیر ہوا تھا ۔

محبوب علی صاحب وہ وار سکھانے دوبارہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ حضرت نے وہ وار ان کو بتلایا ۔ انھوں نے بڑے ہی تعجب سے پوچھا یہ وار آپ کو کس نے بتلایا ؟ حضرت نے جواب دیا " اللہ نے " یہ سن کر محبوب علی صاحب نے عرض کیا آپ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی ۔

لٹھ ، بنوٹ اور تلوار کا کام سکھانے سے پہلے حضرت مختلف قسم کے پاؤلے اور پیسنترے صاف کرواتے تھے ۔ مثلاً آگے بڑھتا ہوا پاؤلا ۔ اس کے بعد پیچھے ہٹتا ہوا پاؤلا سکھاتے ۔ جب اس کی مشق ہوجاتی تو پھر سلکتے ہوئے آگے بڑھتا ہوا پاؤلا اور سلکتے ہوئے پیچھے ہٹتا ہوا پاؤلا سکھاتے ۔ اور مشق کرواتے اس کے بعد سیدھے قدم پر دائیں چکر کے پاؤلے اور سیدھے قدم پر بائیں چکر کے پاؤلے اس طرح لٹھ کے کام کے سلسلہ میں دائیں طرف کے پیسنترے پھر بائیں طرف کے پیسنترے صاف کرواتے ۔

سلکتے ہوئے پاؤں میں حضرت کے فرزند ابوالقاسم محمد صدیقی صاحب عرف محمد پاشا کا جواب نہیں تھا ۔ بجلی کی طرح سلکتے ہوئے اتنی دور تک جاتے کہ حیرانی ہوتی ۔ ان کی سلک دیکھنے میں جتنی آسان نظر آتی عملی طور پر اتنی ہی مشکل تھی ۔ لوگ ان کو دیکھ کر سلکنے کی کوشش کرتے تو تلوے آلودہ ہوکر زخمی ہوجاتے ۔ محمد پاشا صاحب نے تلوار کی پھینک کی اتنی مشق کی تھی کہ روزانہ چار چار گھنٹہ تک پھینک کیا کرتے تھے ۔ بنوٹ میں انھوں نے خوب مہارت پیدا کرلی تھی ۔ حضرت نے ان کے تعلق سے فرمایا تھا " یوں تو بہت لوگوں نے بنوٹ سیکھی مگر محمد پاشا نے تو بنوٹ کے مکمل فن کو کتابی صورت دے دی ۔ چنانچہ حضرت نے ان کو بطور بنوٹ کی خلافت کے اپنے ہاتھ کی نہ صرف لکڑی عنایت فرمائی بلکہ محبوب علی پاشا (نواب میر محبوب علی خاں آصفجاہ) کے ہاتھ کی سیدھی تلوار جو حضرت کے پاس تھی وہ بھی عنایت فرمادی ۔ ان کے علاوہ اپنے فرزند ابوتراب علی صدیقی صاحب عرف علی پاشا کو اور اپنے ایک بنوٹ کے شاگرد محمد حسین صاحب کو جو مدرسہ نظامیہ میں لکڑی سکھلانے پر مامور ہوئے تھے ان کو بھی بطور خلافت اپنے ہاتھ کی لکڑی عنایت فرمائی ۔ حضرت کے ایک اور بنوٹ کے شاگرد سید میر صاحب کو ایک وار جس کا نام حضرت نے طرد الشیاطین رکھا تھا ، اس کا بہترین طریقہ سے مظاہرہ کرنے کے صلہ میں اپنے ہاتھ کی لکڑی بطور خلافت عطا فرمائی تھی ۔

لٹھ کے کام میں سب سے پہلے لٹھ پکڑنے کا طریقہ اور سلام سکھلاتے ۔ لٹھ سر سے ایک مٹھی اونچی رکھتے تھے ۔ بعض لوگ لٹھ پیشانی تک اور بعض کان کی لو تک رکھتے ہیں ۔

سلام :۔ بائیں ٹانگ ، بایاں کلا ، دائیں ٹانگ ، دایاں کلا پھر اس کے ساتھ بایاں کلا اور گردش بھی لگا دیتے ۔ اور اس کی مشق کرواتے ۔ اس کی مشق ہوجانے کے بعد سات ہاتھ کی فتح بیل کی مشق کرواتے ۔

سات ہاتھ کی فتح بیل :۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سر، سر کی روک، انی انی کی روک، بایاں کلا، گردش ۔ انی تین مقامات پر ماری جاتی ہے ۔

۱ ۔ دگدگی پر ۔ اس کو کفن بیت یا مصمتہ کہتے ہیں ۔

۲ ۔ سینہ کی پسلیوں کے عین نیچے ۔ اس کو مرغ بسمل یا ناقبہ کہتے ہیں ۔

۳ ۔ ناف پر ۔ اس کو مچھلی تڑپ یا ثاقبہ کہتے ہیں ۔

سات ہاتھ کی فتح بیل کی مشق ہوجانے کے بعد مختلف ہاتھ کی بیلیں سکھلاتے جو حسبِ ذیل ہیں ۔

تیرہ ہاتھ کی بیل :۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ، سَر کی روک ، انی انی کی روک ، دائیں چیر ، بائیں چیر ، دائیں چیر کی روک ، بائیں چیر کی روک بایاں کلا ، گردش ۔

سترہ ہاتھ کی فتح بیل :۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ، سَر کی روک ، انی ، انی کی روک ، دائیں چیر ، بائیں چیر ، بائیں کمر ، دائیں کمر ، بائیں کمر کی روک ، دائیں کمر کی روک ، بایاں کلا ، گردش ۔

تیئس ہاتھ کی فتح بیل :۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ، سَر کی روک ، انی ، انی کی روک ، دائیں چیر ، بائیں چیر دائیں چیر کی روک ، بائیں چیر کی روک ، بائیں کمر ، دائیں کمر ، بائیں کمر کی روک ، دائیں کمر کی روک ، سینہ ، گھونسہ ، دائیں ضربت حیدری (یعنی دونوں ہاتھ سے دائیں ، حمائل) سینہ ، گھونسہ ، بائیں ضربت حیدری (یعنی دونوں ہاتھ سے دائیں پھانک یا الٹی ضربت حیدری) بایاں کلا ۔ گردش ۔

پچیس ہاتھ کی فتح بیل :۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ، سَر کی روک ، انی ، انی کی روک ، دائیں چیر ، بائیں چیر دائیں چیر کی روک ، بائیں چیر کی روک ، بائیں کمر ، دائیں کمر ، بائیں کمر کی روک ، دائیں کمر کی روک ، سینہ ، گھونسہ ، دائیں ضربت حیدری ، سینہ ، گھونسہ ، دائیں ضربت اسدی ، دائیں بغلی ، بائیں بغلی ، بایاں کلا ، گردش ۔

اکتیس ہاتھ کی فتح بیل :۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ، سَر کی روک ، انی ، انی کی روک ، دائیں چیر ، بائیں چیر دائیں چیر کی روک ، بائیں چیر کی روک ، بائیں کمر ، دائیں کمر ، بائیں کمر کی روک ، دائیں کمر کی روک ، سینہ ، گھونسہ ، دائیں ضربت حیدری ، سینہ ، گھونسہ ، دائیں ضربت اسدی ، سینہ ، گھونسہ ، بائیں ضربت حیدری ، سینہ ، گھونسہ ، بائیں ضربت اسدی ، دائیں بغلی ، بائیں بغلی ، بایاں کلا ، گردش ۔

تلوار کے کام میں آگے بڑھتے ہوئے اور پیچھے ہٹتے ہوئے پاؤں کے ساتھ لڑت کی مشقیں لیا کرتے ۔ تلوار کے کام کی لڑت کی مشقیں بجائے تلواروں کے لکڑیوں کے ذریعہ کی جاتی تھیں ۔

تلوار کے کام میں ابتدائی لڑت کی تعلیم میں سب سے پہلے سلام کے چار ہاتھ صاف کرواتے ۔ یعنی بائیں ٹانگ ، بایاں کلا ، دائیں ٹانگ ، دایاں کلا ۔ اس کے بعد سات وار کی لڑت کی مشق لیتے اور اس میں اضافہ کرتے جاتے ۔

سات وار کی لڑت :۔ سلام کے چار ہاتھ ، سَر ، بائیں چیر ، انی ۔

سات وار کی لڑت دیگر :۔ سلام کے چار ہاتھ ، دائیں چیر ، بائیں چیر ، انی ۔

نو وار کی لڑت ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔ بائیں کمر ۔ دائیں کمر ۔ آنی ۔

گیارہ وار کی لڑت ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔ بائیں کمر ۔ دائیں کمر ۔ بائیں حمائل ۔ دائیں حمائل ۔ آنی ۔

تیرہ وار کی لڑت ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔ بائیں کمر ۔ دائیں کمر ۔ بائیں حمائل ۔ دائیں حمائل ۔ بائیں پھانک (یعنی الٹی حمائل) دائیں پھانک ۔ آنی ۔

پندرہ وار کی لڑت ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔ بائیں کمر ۔ دائیں کمر ۔ بائیں حمائل ۔ دائیں حمائل ۔ بائیں پھانک ۔ دائیں پھانک ۔ بائیں گردن ۔ دائیں گردن ۔ آنی ۔

سترہ وار کی لڑت ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ بائیں ۔ چیر ۔ بائیں کمر ۔ دائیں کمر ۔ بائیں حمائل ۔ دائیں حمائل بائیں پھانک ۔ دائیں پھانک ۔ بائیں گردن ۔ دائیں گردن ۔ بائیں پالیٹ ۔ دائیں پالیٹ ۔ آنی ۔

یہ لڑت کے مقررہ وار سات ۔ نو ۔ گیارہ ۔ تیرہ ۔ پندرہ ۔ سترہ صرف مشق کی خاطر ہیں ورنہ دشمن سے سابقہ پڑنے پر موقع کے لحاظ سے وار کیا جاتا ہے اور وار کا جواب دیا جاتا ہے ۔

لڑت کے مندرجہ بالا واروں کی آگے بڑھتے ہوئے اور پیچھے ہٹتے ہوئے پاؤلوں کے ساتھ جب خوب مشق ہوجاتی ہے تو حضرت تلوار کا کام چکری پاؤلوں پر سکھاتے اور مختلف بیلوں کی مشق لیتے ۔

چکری پاؤں پر تلوار کا کام

ست لڑا ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ آنی ۔ بائیں چیر ۔

ست لڑا دیگر ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ آنی ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔

ست لڑا دیگر ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔ دائیں کمر ۔

دس لڑا ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔ دائیں کمر ۔ دائیں حمائل ۔ دائیں پھانک ۔ آنی ۔

بارہ لڑا ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔ دائیں کمر ۔ دائیں حمائل ۔ دائیں پھانک ۔ آنی ۔ دائیں گردن ۔ دائیں پالیٹ ۔

بارہ لڑے میں سر کی تکرار ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔ سَر ۔ دائیں کمر ۔ سَر ۔ دائیں حمائل ۔ سَر ۔ دائیں پھانک ۔ سَر ۔ آنی ۔ سَر ۔ دائیں گردن ۔ سَر ۔ دائیں پالیٹ ۔ سَر ۔

بارہ لڑے میں آنی کی تکرار ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ آنی ۔ سَر ۔ آنی ۔ بائیں چیر ۔ آنی ۔ دائیں کمر ۔ آنی ۔ دائیں حمائل ۔ آنی ۔ دائیں پھانک ۔ آنی ۔ دائیں گردن ۔ آنی ۔ دائیں پالیٹ ۔ آنی ۔

بارہ لڑے میں بائیں چیر کی تکرار ۔ سلام کے چار ہاتھ ۔ بائیں چیر ۔ سَر ۔ بائیں چیر ۔ دائیں کمر ۔ بائیں چیر ۔ دائیں حمائل ۔ بائیں چیر ۔ دائیں پھانک ۔ بائیں چیر ۔ آنی ۔ بائیں چیر ۔ دائیں گردن ۔ بائیں چیر ۔ دائیں پالیٹ ۔ بائیں چیر ۔

ان بیلوں کی مشق ہوجاتی تو " پھینک " کی سکھلائی شروع ہوتی ۔ تلوار کا یہ کام مجمع منتشر کرنے کے لئے ہے ۔ پھینک میں

اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ہر وار کے بعد رخ تبدیل کریں۔ گردش کریں، تلوار کی دھار ہو پٹ نہ ہو۔ جس پھینک میں انی کا وار نہ ہو اس کی پھینک اگر ٹیڑھی تلوار سے کریں تو بھلا معلوم ہوتا ہے۔

پھینک ۱:۔ سَر، دائیں چیر، بائیں کمر، دائیں کمر، بائیں حمائل، دائیں حمائل، بائیں پھانک، دائیں پھانک، دائیں چیر، بائیں چیر، بائیں گردن، دائیں گردن، بائیں پالیٹ، دائیں پالیٹ۔

پھینک ۲:۔ سَر دائیں چیر، بائیں قدم پر سر، بائیں چیر، بائیں کمر، دائیں کمر، بائیں حمائل، دائیں حمائل، بائیں پھانک، دائیں پھانک، بائیں گردن، دائیں گردن، بائیں پالیٹ، دائیں پالیٹ۔

نوٹ:۔ مندرجہ ذیل پھینکوں میں انی کا وار ہے اس کو سیدھی تلوار سے کرنا چاہیئے۔

پھینک ۳:۔ سَر، دائیں چیر، بائیں کمر، دائیں کمر، بائیں حمائل، دائیں حمائل، بائیں پھانک، دائیں پھانک، دائیں حمائل، دونوں جانب انیاں، دائیں چیر، بائیں چیر، بائیں گردن، دائیں گردن، بائیں پالیٹ، دائیں پالیٹ۔

پھینک ۴:۔ سَر، دائیں چیر، بائیں قدم پر سر، بائیں چیر دونوں جانب انیاں، بائیں کمر، دائیں کمر، دائیں چیر، بائیں چیر، دونوں جانب انیاں۔ بائیں حمائل، دائیں حمائل، بائیں پھانک، دائیں پھانک، دائیں حمائل، دونوں جانب انیاں، بائیں گردن، دائیں گردن، بائیں پالیٹ، دائیں پالیٹ، دونوں جانب انیاں۔

ان پھینکوں کی مشق ہوجانے کے بعد چورخیوں کی مشق لیتے۔

چورخی ۱:۔ سَر۔ بائیں چیر، انی، مخالف رخ پر دائیں چیر، دائیں چیر، بائیں چیر، انی، تیسرے رخ پر بائیں حمائل، دائیں حمائل، انی، مخالف رخ پر یعنی چوتھے رخ پر بائیں پھانک، دائیں پھانک، انی۔

مندرجہ بالا چورخی کو محمد پاشا صاحب نے ترتیب دے کر پیش کیا تو حضرت نے پسند فرمایا اور مشقوں میں شامل فرمالیا۔

چورخی ۱ میں بجائے انی کے دوسرے وار کی تکرار کرسکتے ہیں، مثلاً بائیں حمائل۔ بائیں پھانک۔ بائیں کمر۔ بائیں گردن۔ بائیں پالیٹ۔ سر۔ دائیں چیر۔ وغیرہ۔

چورخی ۲:۔ انی گردش کے ساتھ، پھر اسی رخ پر بائیں حمائل، دائیں حمائل اس کے مخالف یعنی چوتھے رخ پر انی۔ گردش کرکے اسی رخ پر بائیں پھانک، دائیں پھانک، چاروں جانب انیاں۔

چورخی ۳:۔ سَر، بائیں چیر، انی، گردش کرکے اسی رخ پر بائیں کمر، دائیں کمر، مخالف رخ پر دائیں چیر، بائیں چیر، انی، گردش کرکے اسی رخ پر بائیں گردن۔ دائیں گردن، تیسرے رخ پر بائیں حمائل، دائیں حمائل، انی، گردش کرکے اسی رخ پر بائیں پھانک، دائیں پھانک، اس کے مخالف رخ پر بائیں حمائل، دائیں پھانک، انی، گردش کرکے اسی رخ پر بائیں پھانک، دائیں حمائل، چاروں جانب انیاں۔

جب تمام بیلوں کی مشقیں ہوجاتیں تو ہر وار پر ہنکٹی اور ہر وار پر انی کی مشق کرواتے۔ علی پاشا صاحب کو ہر وار پر ہنکٹی اور ہر وار پر انی مارنے میں اس قدر ملکہ حاصل ہوگیا تھا کہ کوئی شخص ان کے مقابلہ میں ان کے ہر وار پر ہنکٹی اور ہر وار پر انی سے بچ نہیں سکتا تھا۔

حضرت نے ہنکٹی کا نام "شلالہ" رکھا تھا۔ اور مجمع منتشر کرنے کے لئے دونوں بغلیاں گردشوں کے ساتھ جو پھرائی جاتی ہیں اس کو حضرت نے "بازم الاحزاب" کا نام دیا تھا۔ چنانچہ ان دونوں اصطلاحوں کو حضرت نے امام حسین علیہ السلام کی شان میں جو سلام لکھا ہے اس میں استعمال فرمایا ہے۔

بے ادب نے جب کیا حضرت پہ وار ؎ ہاتھ شلالہ سے کٹ کر گر گیا

بازم الاحزاب تھا سر گرم کار ؎ جب امامِ پاک پر نرغہ ہوا

پہلے شعر میں حضرت یہ بتلا رہے ہیں کہ بے ادب نے جب وار کیا تو امام نے ہنکٹی مار کر اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ یہاں پر غلط فہمی ہوسکتی ہے۔ واقعات کربلا میں امام کا ہاتھ کٹ کر جسم سے علحدہ ہونے کا کہیں ذکر نہیں۔ البتہ ہاتھ کے زخمی ہوجانے کا پتہ چلتا ہے۔

دوسرے شعر میں حضرت یہ منظر پیش کر رہے ہیں کہ دشمنوں نے جب کبھی امام کو نرغہ میں لے لیا تو آپ نے دونوں بغلیاں گردشوں کے ساتھ پھرا کر مجمع کو منتشر فرمادیا۔

سب سے آخر میں چھٹے ہاتھ کی لڑت کرواتے۔ چھٹے ہاتھ کی لڑت میں ایک دوسرے پر ہر قسم کے وار کرتے اور مقابل سے کسی قسم کی رو رعایت جائز نہ رکھتے۔ بعض وقت تو جسم پر اول کے نشان اتر جاتے۔ پاؤں زخمی ہوجاتے۔ ناخن اکھڑ جاتے۔ انگوٹھے اور انگلیاں پھوٹ جاتیں۔ ایوڈین کی شیشی اور روئی کے پھاہے رکھے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کو لگاتے اور کسی قسم کی خلش یا بدمزگی مطلق پیدا ہی نہ ہوتی۔ اس طرح لڑت کا مقصد اپنے آپ کو حقیقی طور پر تیار کرنا رہتا۔

بعض لوگ دوران لڑت نظر لکڑی یا تلوار پر رکھنے کے قائل ہیں۔ مگر حضرت کی تعلیم میں نظر سے نظر ملی ہوئی رہنی چاہئیے۔ نظر سے دشمن کے خیال اور رجحان کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کونسا وار کرنا چاہتا ہے۔

بنوٹ کے تعلق سے حضرت کی شہرت سن کر بنوٹ کے ایک استاد نے اپنے ایک پٹھے کو خوب تیار کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے شاگرد کو پیش کیا۔ اس کی تعریف کی اور خواہش کی کہ حضرت اس سے بنوٹ چل کر دیکھیں۔ اس جوان کا نام حسن تھا۔ حضرت نے اپنے فرزند حسن محی الدین صدیقی صاحب عرف محی الدین پاشا کو جو حسن کے ہم عمر تھے اشارہ فرمایا۔ دونوں کی واقعی جوڑی تھی۔ سارے لوگ اشتیاق سے اطراف کھڑے ہوگئے۔ لڑت شروع ہوئی۔ محی الدین پاشا صاحب کی نظر حسن کی نظر سے ملی ہوئی اور حسن کی نظر محی الدین پاشا صاحب کی لکڑی پر۔ محی الدین پاشا صاحب نے پہلے حسن کو موقع دیا کہ دیکھیں کتنے پانی میں ہیں۔ محی الدین پاشا صاحب میں پھرتی اور تیزی بلا کی تھی۔ اب جو انھوں نے اپنے ہاتھ کی صفائی دکھلانی شروع کی تو لکڑی کی تیز رفتاری کے سامنے حسن کی نظر بھٹکنے اور چوکنے لگی۔ اب وار پر وار شروع ہوا، کبھی سر تو کبھی پیر، کبھی پالیٹ تو کبھی انی۔ بے چارہ غریب پٹنے لگا۔ درگت بننے لگی۔ حسن کے استاد نے لڑت ختم کروادی اور محی الدین پاشا صاحب کی بے حد تعریف کی اور ان کا بوسہ لیا۔ حضرت کے قدم بوس ہوئے اور بغیر کسی گرانی کے واپس تشریف لے گئے۔

بنوٹ کی سکھلائی سے پہلے حضرت ہر ایک کو علیؑ مد ضرور سکھلاتے تھے۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ کوئی وار ہو، کسی طرف سے آئے اور کتنی ہی قوت سے آئے علیؑ مد سے آدمی اس کو روک لیتا ہے۔ علیؑ مد کی تعلیم حضرت کے پاس کی خصوصی تعلیم ہے۔

علی مدکی مشق عورتوں سے بھی کرواتے تھے ۔ حضرت کی صاحبزادیاں خود آپس میں اور بھائیوں سے بنوٹ کھیلنے کی وجہ سے ان میں بھی خاصی مہارت پیدا ہوگئی تھی ۔

حضرت کے ماموں زاد بھائی اور شاگرد خاص مولانا سید قطب الدین حسینی محمودی صاحب فنون حرب میں بھی حضرت کے شاگرد تھے ۔ ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا " آپ کسی طرف سے وار کیجئے میں بچا سکتا ہوں " ۔ غالباً گھر میں کافی مشق کی ہوگی ۔ لہٰذا اس قدر خود اعتمادی سے کہا ۔ حضرت نے بنوٹ کی لکڑیاں منگوائیں ۔ حضرت کا کمال یہ تھا کہ مقابل کو اندازہ ہوتا کہ حضرت سر پر وار کرنے والے ہیں لہٰذا وہ سر کا بچاؤ کرنے کی فکر کرتا اور وار بازو یا پیر پر پڑتا ۔ انی اپنا کام کرتی یا ہنکٹی پڑتی ۔ اور ہاتھ اتنا تیز چلتا کہ اچھے سے اچھے مشاق کو بھی پریشانی لاحق ہوجاتی ۔ محمودی صاحب چوبغلہ پہنے ہوئے تھے اور فونٹین پن بھی لگا ہوا تھا ۔ اب جو حضرت کا ہاتھ چلنے لگا تو کچھ دیر تو ٹکے مگر بہت جلد چوکڑی بھول گئے ۔ ایک طرف بچانے جاتے تو دوسری طرف پڑتا ۔ ایک وار تو ایسا پڑا کہ فونٹین پن چکنا چور ہوگیا اور سینہ کے پاس چوبغلہ روشنائی سے تر بہ تر ہوگیا ۔ انھوں نے اعتراف کرلیا کہ حضرت کے واروں کو بچانا بے حد مشکل ہے ۔

ایک مرتبہ رحیم پاشا صاحب بھی کھڑے سکھلائی دیکھ رہے تھے ۔ محمد پاشا صاحب جو بنوٹ کے سلسلہ میں کافی ریاض کرچکے تھے ۔ حضرت کے ساتھ بنوٹ چل رہے تھے ۔ حضرت کا استادی ہاتھ چلنے لگا تو محمد پاشا صاحب جو خود دوسروں کو سکھلاتے تھے طفل مکتب معلوم ہونے لگے ۔ حضرت کے واروں سے بچنے کے لئے بڑے بڑے پاؤلے چلتے حضرت سے پرے پرے بھٹے بھٹے گھومنے لگے ۔ اور حضرت اپنے ہی مقام پر گھوم رہے تھے ۔ حضرت کا یہ کمال تھا کہ اپنی جگہ سے ہلتے نہ تھے ۔ وہیں کے وہیں گھومتے اور مقابل کا مزاج بحال کردیتے ۔ رحیم پاشا صاحب نے محمد پاشا صاحب سے فرمایا " یہ بھاگے کیوں جارہے ہو اور اس قدر پریشان کیوں ہو ؟ " انھوں نے اسی حالت میں جواب دیا " بھائی جان حضرت سے سابقہ پڑا تو سوائے جان بچانے کی فکر کرنے کے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں " ۔ کچھ ہی دیر بعد حضرت نے فرمایا " رحیم صاحب تم آؤ " ۔ رحیم پاشا صاحب کان پکڑتے ہوئے تعمیل حکم میں بنوٹ کی لکڑی لے کر پہنچے ۔ تھوڑی دیر میں ان کو معلوم ہوگیا کہ سابقہ باوا ہی سے نہیں بلکہ ایک شیر سے پڑگیا ہے ۔ چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں ، سرخ سرخ ہوگئے پسینہ میں شرابور ہوگئے ۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے لکڑی پھینک دی ۔ رحیم پاشا صاحب نے بعد میں کہا " باوا اتنا تیز چلتے ہیں کہ عقل چکرا جاتی ہے ۔ کچھ سوجھتا ہی نہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا گویا رعایت کرنا تو جانتے ہی نہیں ۔ محمد پاشا نے صحیح کہا ۔ رحیم پاشا صاحب نہ صرف بنوٹی بلکہ کسرتی بھی تھے ۔ جوانی میں ان کی قوت کا یہ عالم تھا کہ قلعہ میدک میں زمین پر پڑی ہوئی توپ کمر تک اٹھالی تھی ۔

بنوٹ کی سکھلائی کی غرض سے بنوٹ کے مختلف سائز کے پندرہ بیس لکڑیاں رہتی تھیں ۔ سب مل کر ان ہی لکڑیوں سے لٹھ اور تلوار کی بلیوں اور پھکیوں کی مشقیں کرتے تھے ۔ عام طور پر جوڑیاں جوڑیاں ہوکر آپس میں لڑت کی مشقیں کرتے ۔ عام طور پر جوڑیاں ہم عمروں کی ہوتی تھیں ۔ میری اور موسیٰ ماموں کی جوڑی بچپن سے جوانی تک برقرار رہی ۔ ہم دونوں کو ہم سے زیادہ منجھے ہوئے لوگوں سے مقابلہ کی دھن سوار رہتی تھی لہٰذا وقت بے وقت خوب مشقیں کرتے ۔ مجھ سے چھوٹے بھائی محمد وقار الدین صدیقی گو دبلے پتلے تھے مگر موسیٰ ماموں اور دیگر حضرات سے بنوٹ چل چل کر تیز ہوگئے تھے ۔ باوجودیکہ ہم دوسروں سے عمر میں کم تھے مگر بڑی جوڑیوں کے مقابلہ میں اتر جاتے اور سب کو حیران کردیتے ۔ خصوصاً چھٹے ہاتھ کی لڑت میں اپنے فن کا مظاہرہ کا خوب موقع ملتا

دیکھنے والوں میں بنوٹ سیکھنے کا جذبہ پیدا ہوتا۔ ایک مرتبہ میں اور موسیٰ ماموں بنوٹ چل رہے تھے۔ اس وقت اتفاقاً میرا ہاتھ ذرا تیز چل رہا تھا۔ ہم اپنی دھن میں تھے۔ ہم کو پتہ ہی نہ تھا کہ حضرت تشریف لاچکے ہیں اور ہم کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اسنے میں حضرت کی آواز آئی " موسیٰ " ہم ٹھٹک کر رک گئے۔ حضرت نے موسیٰ ماموں کے ہاتھ سے لکڑی لی اور مجھ سے فرمایا " ہاں چلو "۔ میں حضرت سے بنوٹ چلنے لگا۔ حضرت نے رفتہ رفتہ واروں میں تیزی شروع کی پھر حضرت کے وار قوی اور تیز ہونے لگے۔ حضرت تو اپنے مقام پر گھوم رہے تھے اور میں واروں کو بچانے اور پلٹنے سے بچنے کے لئے پرے پرے حضرت کے اطراف گویا دوڑنے لگا۔ اس کے بعد حضرت کے واروں کی رفتار اتنی تیز ہوگئی کہ واروں سے بچنا محال ہوگیا۔ سر پر گومڑے آگئے اور تمام جسم پر بدھیاں اتر گئیں اور اول آگئے۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے یہ کہہ کر لکڑی پھینک دی کہ " اب کسی کے ہاتھ کا مار نہیں کھائے گا "۔

بات دراصل یہ ہے کہ حضرت کا ہاتھ ایک طرف کام کرتا اور نظر ایک طرف کام کرتی۔ میں نے اس بارے میں غور کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ حضرت کسی مقام پر نظر جاتے ہی نہ تھے بلکہ نظر پھیلی ہوئی رکھتے۔ سر سے پیر تک ہر مقام بلکہ اطراف کا ماحول بھی حضرت کی نظروں میں مساوی طور پر رہتا۔ جہاں وار کرنا چاہتے ہاتھ خود اپنا کام کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ صرف بنوٹی کی نظر نہ تھی بلکہ ایک فقیر کامل کی نظر تھی۔ جو بنوٹی بھی تھا۔ فقیر کی نظر وجود پر رہتی ہے۔ تعینات اس کے تحت الشعور میں رہتے ہیں۔ شغل محمدی میں اسی بات کی تو مشق لی جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جن لوگوں کو حضرت سے بنوٹ سیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے ان کی آنکھوں سے چند روز میں توحید کی مستی ٹپکنے لگتی۔ لوگ بنوٹ سیکھنے کے شوق میں آتے اور بنوٹ کے فن کے ساتھ ساتھ فقیری کا فیضان بھی ساتھ لے جاتے۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

میرے دیکھنے میں کتنے ہی لوگ صرف بنوٹ سیکھنے کی غرض سے آئے تھے بالآخر مرید ہوگئے اور فیض باطنی سے سرفراز ہوئے مثال کے طور پر محمد حسین صاحب قادری جو صرف بنوٹ سیکھنے کے شوق میں آئے تھے بطور خلافت حضرت کے ہاتھ کی نہ صرف بنوٹ کی لکڑی ملی بلکہ مرید ہوجانے، ذکر و شغل کرنے کی وجہ سے کشف باطنی ہوگیا اور خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

پوری سکھلائی ختم ہوجانے کے بعد حضرت جنگ مغلوبہ کی مشق بھی کرواتے تھے۔ وہ اس طرح سے کہ ایک صاحب کو سب مل کر نرغہ میں لے لیتے۔ اس وقت اس شخص کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اطراف سے ہوشیار اور چوکس ہے۔ ہر طرف کے واروں کو روکنے کے لئے وار پر وار کر رہا ہے۔ ہر وار پر رخ تبدیل کرتا جارہا ہے۔ دونوں بغلیاں گردشوں کے ساتھ چل رہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ کمزور مقام کی تلاش بھی جاری ہے۔ اگر کسی حصہ میں کمزوری نظر آئی بس ادھر پل پڑا، اور لوگوں کو منتشر کرتا ہوا، ہول کرتا ہوا نرغہ سے نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی ہر طرف سے واہ واہ کا شور بلند ہوتا۔ اس وقت حضرت کے چہرے اور آنکھوں سے جو مسرت نمایاں ہوتی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

ایک مرتبہ ایسی ہی جنگ مغلوبہ کے موقع پر حسینی پاشا صاحب کو نرغہ میں لے لیا گیا اور گھیر لیے گئے۔ حسینی پاشا صاحب نے بہت کم وقت میں نرغہ توڑ کر نکل جانے میں کامیابی حاصل کرلی جس پر خوب واہ واہ ہوئی۔ حضرت نے بھی مسرت کا اظہار فرمایا۔

حسینی پاشا صاحب کے اس قدر تیزی سے نرغہ سے نکل جانے پر ولی اللہ قادری صاحب (حضرت کے ایک داماد) نے اس کو آسان سمجھا۔ چنانچہ ان کو بھی نرغہ میں لے لیا گیا۔ مگر ان کو نرغہ سے نکلنے میں آخر تک کامیابی نہ ہوئی۔ تب ان کو پتہ چلا کہ تیزی پھرتی، برق رفتاری کے ساتھ ساتھ ہاتھ پاؤں میں قوت اور سانس پر قابو کس قدر ضروری ہے۔ ورنہ ذرا سے میں آدمی ہانپنے لگتا ہے اور سانس بے قابو ہوجانے کی وجہ سے ہزیمت اٹھانی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ حضرت کے تعلق سے ایک مضمون میں لکھتے ہیں " ایک بار دیکھا کہ مولانا اپنے قدیم مکان واقع محلہ رکاب گنج کے صحن میں بنوٹ کے کرتب دکھا رہے ہیں اور شہر کے بڑے بڑے پہلوان اور ماہرفن دادِ تحسین و آفرین دے رہے ہیں۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ان کا سن شریف ساٹھ سال سے متجاوز ہوچکا تھا مگر چال کی پھرتی اور داؤ پیچ کی چالاکی سے بالکل نوجوان معلوم ہوتے تھے۔ (ماخوذ از رسالہ القدیر)

پروفیسر الیاس برنی صاحب صدر شعبہ معاشیات و سابق مسجل عثمانیہ یونیورسٹی نے حضرت کا سراپا اس طرح کھینچا ہے۔

" رنگ گندمی، نقشہ بھاری، کشادہ پیشانی، آنکھیں بڑی خوب نورانی، میانہ قد، جسم دیوڑھا ورزشی سڈول، سینہ چوڑا، کلائی گول، قوت میں اچھے اچھے لوہا مانیں، پنجہ لڑاؤ پنجہ فولاد، کشتی لڑو تو بڑے استاد، فن بنوٹ میں ماہر، لٹھ، چھڑی، خنجر، تلوار سب ہتھیاروں میں ہوشیار، بخوشی سکھانے تیار۔ پانی کے تیراک، گھوڑے کے سوار، بندوق کے نشانہ باز، غرض کہ پکے مجاہد۔ محبت شفقت دیکھ کر بوڑھے، جوان سب دوست بن جائیں۔ حسبِ حیثیت فیض پائیں۔ عمر دیکھو تو بڑھاپا، صحت دیکھو تو جوانی۔ طبیعت دیکھو تو بچپن۔ دل دیکھو تو سب کچھ پھر کچھ نہیں۔ ہر رنگ میں پانی بے رنگ۔ تاہم بڑھاپا زور چلاتا ہے تو یورک ایسڈ بڑھ جاتا ہے۔ کمر میں گھٹنوں میں درد ہوجاتا ہے، پھر رفع ہوجاتا ہے۔ یورک ایسڈ توانا تندرست کو بھی ستاتا ہے۔

(صراط الحمید حصہ اول نوشتہ الیاس برنی صاحب)

پروفیسر سید محمد صاحب لکھتے ہیں۔

آپ کا دست مبارک وہ ہاتھ تھا جس کی گرفت سے طاقتور پہلوان کو بھی ہاتھ چھڑانے میں بڑی دقت محسوس ہوتی تھی۔ اور ہاتھ ملاتے ہی آپ کی قوت و کمال فن کا قائل ہوجاتا تھا۔ یہی دست مبارک وہ ہاتھ بھی تھا جس پر سینکڑوں نہیں ہزاروں نے بیعت کرکے ہدایت پائی۔ یہی ہاتھ وہ ہاتھ بھی تھا جو ہزاروں دکھیاروں کے سروں پر دستِ شفقت بن کے پھرا اور ان کے دکھوں اور دردوں کے دور کرنے کا باعث ہوا۔ (ماخوذ از ماہنامہ القدیر ۱۳۸۱)

پڑھے لکھے لائق نوجوان کشتی سیکھنے آتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک سے فرماتے " میری گردن پر ہاتھ رکھو "۔ وہ حضرت کی عمر شریف، بزرگی، تقدس اور حضرت کی بارعب شخصیت کی وجہ سے بے ادبی سمجھ کر تامل کرتا تو پہلے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر گردن پر ہاتھ رکھنے کا طریقہ بتلاتے کہ اس طرح گردن پر ہاتھ رکھنا چاہیئے۔ پھر فرماتے " اچھا اب میری گردن پر ہاتھ رکھو، گھبراؤ نہیں، وہ ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے تعمیل حکم کرتا تو اس کا ہاتھ اپنی گردن پر صحیح پوزیشن میں لے آتے اور پوری طرح اندازہ کراتے۔

کشتی کے داؤ پیچ سکھانے کے لئے دو دو کی جوڑیاں بناکر آپس میں لڑواتے اور ایک دوسرے پر داؤ لگواتے اور طریقہ بتلاتے جاتے۔ پھر دوسرا پہلے پر وہی داؤ لگاتا تو داؤ کا توڑ سکھلاتے۔ جب وہ داؤ اور اس کے توڑ کو بخوبی سمجھ جاتے اور عملی طور پر کر گزرتے

تو کسی ایک سے فرماتے اچھا اب داؤ مجھ پر کرو اور خود پچھڑ کر داؤ کی نزاکتیں ذہن نشین کراتے پھر خود توڑ کرتے اور اس کو توڑ کی کاٹ سکھاتے۔

شاگرد سے پچھڑ کر اپنا استادی کمال دکھلانا اور اس طرح سکھلائی کا حق سکھلائی کو، شاگرد کا حق شاگرد کو اور فن کا حق فن کو دینا اور پورے کمال کے ساتھ دینا حضرت پر ختم ہوگیا۔ ہزاروں شاگرد اور ہزارہا مرید رکھتے ہوئے، دنیاوی اعتبار سے بھی عثمانیہ یونیورسٹی کے پروفیسر اور صدر شعبہ ہونے کے باوجود حضرت کی اس بے نفسی کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس بے نفسی اور بے لوثی کی وجہ سے حضرت نے ہزاروں کے دل جیتے اور پھر ان دلوں کو اللہ و رسول کی تجلیات کی آماجگاہ بنادیا۔

پہلوان کو داؤ پیچ کرنا اور سکھانا آسان ہے مگر صوفی کے لئے بے حد مشکل ہے۔ حضرت کا ارشاد ہے "فنائے افعال کی وادی ایسی صعب و دشوار گزار ہے کہ اس میں چلنا کیا ہے؟ ایک آفت کا سامنا ہے۔ اس دنگل میں فنائے ذات کے بڑے بڑے مدعی چاروں خانے چت گرتے ہیں۔ اور پھر ان کا اٹھنا مشکل ہوجاتا ہے"۔

حضرت کشتی میں اپنے زمانہ کے مشہور و ممتاز پہلوان قمرالدین خاں کے شاگرد تھے۔

ایک مرتبہ حیدرآباد کے مشہور پہلوان مولا بخش نے حضرت سے کشتی لڑنے کی خواہش کی۔ حضرت نے ان سے فرمایا کشتی تمہارا پیشہ ہے اور رات دن کا تمہارا مشغلہ میں کشتی کے فن سے واقف ہوں مگر رات دن کا میرا مشغلہ پڑھنا پڑھانا ہے بھلا دونوں کا کیا جوڑ۔ مولا بخش پہلوان تین سو ساٹھ داؤ اور اس کے توڑ نہ صرف جانتے تھے بلکہ تمام توڑوں کی کاٹ سے بھی خوب واقف تھے حضرت سے کشتی لڑنے پر بس تلے ہوئے تھے۔ اور اصرار کئے جارہے تھے۔ حضرت کو مجبوراً اترنا پڑا۔ پلک جھپکتے ہی مولا بخش پہلوان چت تھا۔ اس نے عرض کیا میں آپ کا توڑ نہیں سمجھا۔ پھر دوبارہ لڑنے کی خواہش کی۔ پلک جھپکتے میں مولا بخش پہلوان پھر نیچے تھا۔ اس نے کہا میرے داؤ پر آپ نے کیا توڑ کیا اب بھی نہ سمجھ سکا۔ حضرت نے فرمایا جو کچھ ہوا میری طبیعت کا ردعمل تھا۔

عرب کا مشہور پہلوان رکانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے کشتی لڑنے کی خواہش کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس کو پلک جھپکتے میں پچھاڑ دیا تھا۔ حضرت کو جس قدر ممکن ہو سنت پر عمل کرنے کی جستجو رہتی تھی لہذا اللہ نے پہلوان کو پچھاڑ دینے کی سنت بھی مولا بخش پہلوان کے ذریعہ پوری کروادی۔ ہوسکتا ہے حضرت نے مولا بخش پہلوان پر وہی داؤ لگایا ہو جو حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے رکانہ پہلوان پر لگایا تھا۔

محلہ رکاب گنج میں غالب جنگ کی مسجد کے عقب میں عظیم خاں پہلوان کا دنگل تھا۔ حضرت اپنے صاحبزادوں کے ساتھ وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ دنگل میں جو کشتیاں ہوتی تھیں ان کو ملاحظہ فرماتے۔ اور اپنے صاحبزادوں کو کشتی کا شوق دلاتے تھے۔

حضرت نے اپنے فرزند محمد پاشا صاحب کو کشتی سیکھنے کا حکم دیا۔ اس زمانہ میں مولا بخش پہلوان الیاس برنی صاحب کو کشتی سکھانے ان کے بنگلہ واقع اے سی گارڈ کو جاتا تھا۔ محمد پاشا صاحب بھی حضرت کے فرمانے پر برنی صاحب کے بنگلہ کو کشتی سیکھنے جانے لگے۔ محمد پاشا صاحب خوب ورزشی تھے اور خود الیاس برنی صاحب بھی۔ دونوں کی جوڑی تھی۔ مولا بخش پہلوان دونوں کو سکھاتا تھا۔

محمد پاشا صاحب نبی بخش پہلوان سے بھی چند داؤ پیچ سیکھے تھے۔ نبی بخش پہلوان کی گردن پر گاما پہلوان صرف ہاتھ رکھا تو پریشان ہوگیا تھا۔

حضرت نے لات مارنے کے چند مقامات بتلائے تھے۔ جو حسبِ ذیل درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ لنگوٹ پر۔ ۲۔ چھاتی پر۔ ۳۔ ٹھڈی کے نیچے یا اوپر۔ ۴۔ ناک پر۔ ۵۔ شہ رگ یعنی گردن اور بانس کے درمیان دونوں جانب۔ ۶۔ پسلیوں سے بغل تک۔ ۷۔ چڈے میں دونوں جانب۔ ۸۔ گھٹنہ پر۔ ۹۔ ٹخنہ پر۔

انسان کے جسم میں بعض مقامات ایسے ہیں اگر ان کو انگوٹھے یا انگلی سے دبایا جائے تو اس مقام پر ناقابلِ برداشت تکلیف ہوتی ہے۔ اور ایک قسم کا تکلیف دہ شاک محسوس ہوتا ہے۔ دشمن اگر جسم کو لپٹ جائے تو اس وقت ان شاک کے مقامات پر انگلی یا انگوٹھے سے دباکر اس کو اپنے یا اپنے دوست کے جسم سے علٰحدہ کیا جاسکتا ہے۔ و نیز دشمن کو اپنے بس میں کرنے کے سلسلہ میں بھی ان مقامات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ یہ حضرت کا ریسرچ ہے۔

حضرت کے بتلائے ہوئے شاک کے مقامات حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ آنکھیں۔ ۲۔ ناک۔ ۳۔ ٹھڈی کے اوپر نیچے۔ ۴۔ دونوں کانوں کے پیچھے گڑھے میں۔ ۵۔ بانس کی ہڈی سے اوپر دو شہ رگیں ہیں۔ ۶۔ گدی کے اوپر۔ ۷۔ پیشانی میں دونوں جانب بلندی پر۔ ۸۔ کن پھڑے۔ ۹۔ دگدگی میں۔ ۱۰۔ بغل میں۔ ۱۱۔ کہنی کے اندرونی جانب غدود پر۔ ۱۲۔ کہنی کی ہڈی کے قریب غدود پر۔ ۱۳۔ پہونچے کے نیچے ہڈی کے قریب۔ ۱۴۔ انگوٹھے اور کلمہ شہادت کے ملنے کی جگہ گوشت پر۔ ۱۵۔ پہونچے میں نبض کے قریب غدود پر۔ ۱۶۔ پہونچے کے اوپر انگوٹھے کی سیدھ کے گڑھے میں۔ ۱۷۔ بنصر ادر وسطیٰ کے ملنے کی جگہ جوڑ پر۔ ۱۸۔ چھوٹی پسلیوں پر۔ ۱۹۔ چڈوں میں۔ ۲۰۔ فم معدہ۔ ۲۱۔ لنگوٹ۔ ۲۲۔ ایڑی کے اوپر ٹخنہ کے نیچے پچھلے حصہ کی جانب۔ ۲۳۔ دونوں ٹخنوں کے بیچ میں جہاں پر حرکت کرتا اور مڑتا ہے۔ ۲۴۔ ایڑی کے دونوں جانب پچھلے حصہ پر۔ ۲۵۔ پاؤں کے انگوٹھے کے قریب گڑھے میں۔

حضرت نے بعض حفاظتی تدابیر بھی بیان فرمائیں تھیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ اوپر سے بنڈے وغیرہ آنے کی صورت میں سر پر ٹوکرا یا کڑھائی وغیرہ پکڑ لو اور گزر جاؤ۔ (بنڈہ دکھنی میں چھوٹے پتھر کو کہتے ہیں)

۲۔ سامنے سے بنڈے وغیرہ آنے کی صورت میں سامنے رومال پکڑلو۔ بنڈے بے ضرر ہوجائیں گے۔

۳۔ کم از کم چاقو ہمیشہ ساتھ رکھو اور استعمال سے واقف رہو۔

۴۔ راستہ چلتے وقت چوکنے رہو۔ ہر طرف نظر رکھو۔ پیچھے سے غافل نہ رہو۔

۵۔ محلہ کی گلی کوچوں سے پوری طرح سے واقف رہو اور اپنی عورتوں کو واقف کراؤ تاکہ موقع پر نکل سکیں۔

۶۔ دشمن سے رعایت نہ برتو۔ اس کے ارادے سے واقف رہو۔

۷۔ دشمن کو حقیر نہ جانو۔

۸۔ جان کے مقابلہ میں اعضاء کو اہمیت نہ دو۔

۹۔ شیشی کی گولی پر لاتحزن ان اللہ معنا۔ فاللہ خیر حافظا و ھو ارحم الراحمین یا اور کوئی آیت کندہ

کراؤ۔ گولی کے درمیان تسبیح کے دانہ کی طرح سوراخ کراؤ اور ریشم کی یا کوئی مضبوط ڈوری میں ڈال کر ہمیشہ گلے میں رکھو تعویذ بھی ہے اور وقت پر کام بھی لیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ ہر کسی پر اعتبار کرنے میں جلدی نہ کرو۔

۱۱۔ راز کو ہمیشہ راز رکھو۔

۱۲۔ عورتوں کو جری بناؤ۔ کم از کم ہاتھ چھڑانا، علی مد وغیرہ تو آنا چاہیئے۔

حضرت کے ان ارشادات کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے جو اوپر بیان ہوئے اور ذیل میں پیش خدمت کئے جارہے ہیں۔

فرمایا "بزدل، بھوک پیاس کے کچے، جنگ میں کام نہیں دیتے۔

فرمایا "فتح و شکست کثرت و قلت پر مبنی نہیں۔ چھوٹی منظم باساز و سامان شجاع جماعت بڑی بھیڑ بھاڑ کو شکست دے سکتی ہے"۔

فرمایا "فتح و نصرت، قوت اور علم و حکمت پر مبنی ہے"۔

فرمایا "اسلحہ کا تیار کرنا اور ان کے استعمال کی مشق کرنا، رسولوں کی سنت ہے۔ یہ زمانہ فلاخن اور تزویر کا نہیں۔ طیاروں، دبابوں اور توپ و بندوق کا ہے۔ و اعدولهم ما استطعتم من قوة ● کا ہے۔ ہر طرح کی تیاری کا ہے ترهبون به عدو الله وعدوکم ● کا ہے۔ دشمنوں میں خوف پیدا کرنے کا ہے۔ ظالموں کو روکنے کا ہے"۔ (● انفال۔ آیت ۶۰)

فنِ موسیقی کی تعلیم

موسیقی پر مضمون

فنِ موسیقی کی تعلیم

ایک متبحر عالم، مفسر قرآن، حدیث کے پروفیسر، عثمانیہ یونیورسٹی کے صدر شعبہ دینیات، یا پھر ایک فقیرِ کامل، ایک خدا رسیدہ بزرگ، ایک بے نظیر صوفی اور ہزار ہا مریدین کے مرشد یا پھر فنونِ حرب کے ماہر اور استاد، یا ایک مردِ مجاہد کی حیثیت سے جو لوگ حضرت کو جانتے ہیں یہ بات سن کر ان کو یقیناً تعجب ہوگا بلکہ حیرانی ہوگی کہ حضرت کو فنِ موسیقی سے بھی فطری مناسبت تھی۔ اور فنِ موسیقی کے مطالعہ اور راگ راگنیوں کی مشق کا بھی حضرت کو شوق رہا ہے۔ حضرت نے باقاعدہ ستار سیکھا تھا۔ اور برسوں اس کا اشتغال جاری رہا تھا۔

فنِ موسیقی پر یوں تو کئی کتابیں حضرت کی نظر سے گذریں مگر ایک مبسوط کتاب جو فن موسیقی کے ایک ماہر کی لکھی ہوئی ہے حضرت نے اس کا غائر مطالعہ فرمایا تھا۔ حضرت کی طبیعت کی افتاد شروع سے یہی تھی کہ کوئی کتاب ہاتھ میں آتی اس کو شروع سے آخر تک بغور پڑھے نہ چھوڑتے بلکہ اس کو پوری طرح سے چھان ڈالتے۔ اور اس پر عبور حاصل کرلینے تک دم نہ لیتے اور ذہن رسا اس پر تنقید کئے بغیر نہ رہ سکتا۔ حضرت نے خود بھی ایک بصیرت افروز مضمون فن موسیقی پر لکھا تھا۔ اور علمی طریقہ پر سمجھانے کی کوشش کی تھی جو ماہنامہ تاج میں چھپ چکا ہے۔ جس کو مضمون کے آخر میں پیش کردیا گیا ہے۔

اپنے علمی، مذہبی اور خاندانی وقار کے پیش نظر اس شوق کی تکمیل کیلئے یا اس فن کے کمالاتِ علمی اور عملی طور پر دیکھنے اور سننے کی خاطر ماہرینِ فن کے گھروں یا کوچہ و بازار کے چکر تو نہ کاٹ سکتے تھے اور نہ تو اس فن کو ادھورا ہی چھوڑ سکتے تھے۔ لہٰذا حضرت کی جودتِ طبع نے اس فطری طلب کی پیاس بجھانے کے لئے راستہ نکال ہی لیا اور فن موسیقی کے مشہور و معروف باکمالانِ فن کے ریکارڈ جمع کئے اور ان کو بغور سنا کرتے جس میں انہوں نے اپنا اپنا کمال پیش کیا تھا۔ ریکارڈ زیادہ تر چھوٹی سائز کے ہوا کرتے تھے جس پر راگنی کا اور صاحبِ فن کا نام لکھا رہتا تھا۔ شوق کی انتہاء یہ تھی کہ ایک راگنی کے لئے کئی راگنیوں کے ریکارڈ موجود تھے۔ اس دور میں ان ریکارڈوں کی بڑی مانگ تھی۔ اہلِ فن، موسیقی کے دلدادہ اور قدر شناس ان کو خرید کر نایاب کتابوں کی طرح اہتمام سے محفوظ رکھتے تھے۔ باوجود فضیلتِ علمی اور ثقاہتِ طبع کے حضرت موسیقی اور سنگیت کی ہر شاخ پر گہری نظر رکھتے تھے اور علمی اعتبار سے ماہرانہ رائے دے سکتے تھے۔

حیدرآباد کے کتنے ہی امراء حضرت سے عقیدت رکھتے تھے۔ ضرورت پر حاضرِ خدمت ہوتے۔ حضرت کو اپنے پاس مدعو کرتے اور حضرت کی قدم رنجہ فرمائی کو باعثِ برکت سمجھتے تھے۔ ان میں سے بعض موسیقی کے باکمالوں کے قدر شناس بھی تھے۔ جب کبھی کوئی باکمال ان کے پاس حاضر ہوتا یا بلوایا جاتا تو اس موقع پر حضرت بھی مدعو کئے جاتے۔ فن کے کمالات کے بالمواجہ سننے کا حضرت کو اس طرح موقع مل جاتا۔

ایک مرتبہ ہندوستان سے موسیقی کا ایک فن کار حیدرآباد بلوایا گیا۔ اس کو سننے اہل ذوق اور فنکار سر اور ہاتھ کے اشارہ سے اس کے کمال کی داد دیئے جارہے تھے۔ بحیثیت ایک عالم اور مولوی حضرت کا تعارف اس سے ہوچکا تھا حضرت کے خاموش رہنے پر نہ معلوم وہ کیا سمجھ رہا تھا۔ ایک مقام پر جب اس نے اپنا انتہائی کمال دکھلایا تو اس نے دیکھا کہ حضرت نے اپنے سر کی جنبش سے اس کے کمال کی داد دی۔

محفل جب برخواست ہونے لگی تو اس نے فخر سے کہا کہ میرے فن کی صحیح داد تو مجھے آج ملی ہے اور وہ بھی کسی فنکار سے نہیں بلکہ بچوں کو پڑھانے والے ایک مولوی صاحب سے ملی ہے ۔ اس نے حضرت کے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے اور دعا کا طالب ہوا ۔

فکرِ صحیح رکھنے والا اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ موسیقی سے ربط کے بغیر طبیعت میں توازن اور فکر میں لطافت پیدا نہیں ہوسکتی ۔ حضرت نے اس فن کی طرف صرف اس لئے توجہ فرمائی کہ طبیعت اس کوچہ سے بھی نا آشنا نہ رہے ۔ ایک حد تک جب یہ مقصد حاصل ہوگیا تو اس سے زیادہ کا حصول حضرت نے اپنے لئے نہ صرف غیر ضروری سمجھا بلکہ دیگر علمی اور روحانی مصروفیات اور اشغال میں مانع تصور کیا ۔

موسیقی کی اولین غرض بھی ارتکازِ خیال کے ساتھ یکسوئی پیدا کرنا اور جذبہ کو ابھارنا ہی ہے ۔ جذبہ خود سے نہیں ابھرتا ۔ کچھ محرکات درکار ہوتے ہیں ۔ بعض وقت اس کو اراداتاً ابھرنے کا موقع دینا پڑتا ہے ۔

فطرت جب انسانی تخیل کی رہین منت بنتی ہے تو اس میں معنی پیدا ہوتے ہیں اور ان بلندیوں تک انسانی روح کی رسائی ممکن ہوجاتی ہے جو پہلے ناممکن سمجھی جاتی تھی ۔ اور تخیل ایسے عالموں کی سیر کراتا ہے جنہیں ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی ۔ تخیل کی قوت اور اس کے انبساط کی انتہا نہیں ۔ اسی کی بدولت احساس و شعور کی ساری منتشر صلاحتیں وجدانی وحدت بن کر ظاہر ہوتی ہیں ۔ جہاں انسان حسنِ ازلی کی یکتائی میں اپنی خودی کو مکمل طور پر کھودیتا ہے ۔ جہاں بحث و نظر کی گنجائش نہیں ۔

مختلف راگنیوں میں حضرت ایسے اشعار پڑھتے یا پڑھواتے جن سے محبوبِ حقیقی سے عشق و محبت کے جذبات بھڑک سکیں جس کا اثر گھنٹوں نہیں دنوں بے چین رکھے اور شوقِ دید حسنِ بے صورت کیلئے تڑپتا اور مچلتا ہی چلا جائے ۔

راگ راگنیوں کے سکھانے کے سلسلہ میں حضرت نے اپنے فرزند حسینی پاشا صاحب اور اپنے ایک مرید فخرالدین صاحب قادری کے پیچھے بڑی محنت کی تھی حضرت نے مختلف راگ راگنیوں کی مشق کے لئے مختلف اشعار منتخب کرلئے تھے تاکہ سکھلانے اور سیکھنے میں سہولت ہو ۔ راگنی کا نام بتلاتے اور منتخب شعر کو اس راگنی میں خود گا کر بتلاتے اور اس کے نشیب و فراز پر متوجہ کرتے ۔ مضمون کے آخر میں چند راگنیاں اور منتخبہ اشعار جو میں نے نوٹ کئے تھے پیش کردیئے ہیں ۔

دراصل نغمہ بھی ایک شعر ہے لیکن اسے الفاظ کا جامہ نہیں ملا ۔ اس نے اپنی روح معنیٰ کے لئے نواؤں کا بھیس لے لیا ہے ۔ فخرالدین صاحب کی آواز میں بلا کی مٹھاس تھی ۔ سننے والا اپنے قلب و روح میں عجب طرح کا تاثر پاتا تھا ۔ حضرت اپنے قدیم مکان واقع رکاب گنج میں تھے ۔ فخرالدین صاحب اور حسینی پاشا صاحب راگنیوں میں اشعار گاتے اور حضرت پر استغراق اور بے خودی کا عالم طاری ہوجاتا ۔ ان کے ساتھ خود بھی گاتے موقع موقع سے راگنی کے اعتبار سے تان پلٹے بھی لگاتے ۔ آنکھوں سے توحید کی مستی ٹپکتی ، حال و حیرت کا عالم طاری ہوجاتا ۔ بعض وقت تو بے خودی میں لوٹنے لگتے ۔ ایک مرتبہ اس شعر پر حضرت کو جو کیفیت ہوئی تھی

ارے دینے والے مجھے دردِ دل دے
مرے دینے والے مجھے دردِ دل دے

جس انداز میں گا رہے تھے اور تکرار کئے جارہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ تان پلٹے بھی لگا رہے تھے اس وقت کے حرکات و سکنات ، اشارے ، چہرے کے کیفیات ، آنکھوں کا سرور ، یہ کیفیات بیان سے باہر ہیں ۔ کئی گھنٹے حضرت پر یہی حال و استغراق طاری رہا ۔

حسینی پاشا صاحب مسلسل گائے جارہے تھے۔ حضرت کی کیفیات دیکھنے میں گم اور اپنے آپ سے بے خبر تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شیفتگی و ارادت، جوشِ ربط و نسبت اور اضطرابِ عقیدت کا حال اس وقت کھل کر سامنے آجاتا جب نعتیہ اشعار پر حضرت سر دھننے لگتے اور مست و بے خود ہوجاتے بالآخر لوٹنے لگتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ عاشقِ رسول اپنے محبوب کے قدموں پر لوٹ رہا ہے۔ کئی کئی گھنٹے گزر جاتے مگر حالت قابو میں نہ آتی۔ اس زمانہ میں راتوں میں یہ شغل اکثر جاری رہتا تھا۔

حضرت فرماتے ہیں - معیت جسمی بھی ہوتی ہے مثالی اور روحی بھی جس قدر معیت بڑھے گی ذاتِ مستجمع کمالات سے تاثر زیادہ ہوگا۔ معیتِ جسمی صاحب کرام سے خاص تھی تو کیا خیالی مثالی روحانی معیت واجب الاہتمام نہیں۔

نیاز محمد صاحب جو جمال شاہ کے نام سے مشہور تھے لوگ ان کو "اللہ کا حکم" کہہ کر بھی پکارتے تھے۔ یہ پہلے حمالی کیا کرتے تھے۔ پڑھے لکھے نہ تھے۔ رات دن ذکر و شغل کرنے کی وجہ سے ان کو کشف ہوگیا تھا۔ روحانیت اتنی تھی کہ لوگوں پر توجہ کرسکتے تھے۔ برسوں جنگلوں میں گھومتے رہے اس وقت لوگ ان کو جانتے بھی نہ تھے۔ حضرت نے ان کو جنگل سے شہر میں کھینچ لیا۔ سانولے سلونے اونچے قد کے خوب مضبوط ہاتھ پاؤں کے آدمی تھے۔ بیوی بھی تھی۔ بچے بھی تھے۔ سرخی مائل زرد رنگ کے کپڑے اور اسی رنگ کا عمامہ پہنتے تھے۔ سر میں زلفیں تھیں، گلے میں تسبیح پڑی رہتی تھی۔ ہاتھ میں عصا رہتا تھا۔ راستہ چلتے تو گاؤں کھیڑے والوں کی طرح۔ جمعہ مکہ مسجد میں ادا کرتے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی بائیں طرف کے آخری کونے میں اپنی جگہ مقرر کرلی تھی۔ ختم نماز کے بعد الا اللہ کے نعرے لگاتے تھے۔ ان کا اپنا ایک خاص رنگ تھا۔ پیروں میں گھنگرو باندھ کر خوب رقص کرتے۔ رقص کا کمال یہ تھا کہ ہر گھنگرو سے اللہ اللہ کی آواز آتی تھی۔

حضرت کے پاس حاضر ہوتے اور گھنگرو باندھ کر رقص کرنے کی اجازت طلب کرتے۔ حضرت کے پاس ہر قسم کے آدمی کی سمائی تھی۔ تنگ نظری نہ تھی۔ حضرت خشک قسم کے مولوی نہ تھے۔ فقیری کی وجہ طبیعت میں تازگی، تراوٹ اور شگفتگی تھی۔ ہر ایک کو اس کے حال پر چھوڑتے۔ اچھے جذبات کو مٹا دینا حضرت کے مسلک کے خلاف تھا۔ جذباتِ محبت کی قدر فرماتے تھے شاہ صاحب کو ملول نہ کرتے۔ ان کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیتے۔ حسینی پاشاہ صاحب مختلف راگنیوں میں اشعار پڑھتے۔ جی کھول کر تان پلٹے لگاتے۔ دیکھنے کا عالم رہتا۔ حضرت کی موجودگی، حمال شاہ میں مزید زور و قوت اور حضوری کی خاص کیفیت پیدا کرتی۔ رقص کرتے جاتے، گھنگرو سے اللہ اللہ کی آواز نکلتی، چکر پر چکر لگاتے، درمیان میں ھُو حق کے نعرے مارتے۔ اشعار کا مطلب اشاروں سے ظاہر کرتے تھے۔ ایک پر لطف کیفیت معلوم ہوتی تھی۔

نغمہ دراصل حُسنِ صوت کی وجہ سے طبیعت میں رقت اور حرکت پیدا کرتا ہے۔ اس کے سننے سے صوفی کو جو اضطراب پیدا ہوتا ہے وہ رقص کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ حمال شاہ کے چہرہ پر دورانِ رقص ایک مبہوتیت نمایاں رہتی۔ توحید کے گھماٹے میں حضرت کو دیکھتے تو بلائیں لیتے، قدم بھی چومتے۔ بعض وقت دیکھ دیکھ کر درود بھی پڑھتے۔ رات دیر گئے تک گھنٹوں یہی رنگ رہتا۔ حضرت کے چہرہ پر ایک رنگ آتا ایک رنگ جاتا۔ دیکھنے والے محوِ حیرت رہتے بعض وقت حضرت پر عاشقانہ انداز کی کیفیت رہتی۔ بعض وقت حضرت سے شانِ محبوبیت نمایاں ہوتی۔ تو اس وقت کے کیفیات، حرکات و سکنات، رنگ ڈھنگ عام کیفیات سے بالکل مختلف ہوتے۔

ایک مرتبہ فرمایا - محبوبیت کی شان میں انہیں نہ چھیڑو"۔ بعض وقت محبوبیت کی شان میں بھی بال پن کی کیفیت رہتی ہے۔

اسس وقت ان سے لپٹ سکتے ہیں "۔

ایسے ہی بے شمار مناظر مدینہ منزل میں بھی دیکھنے کو ملے۔

محمد غوث جس کا شمار قوالوں میں تھا۔ فوج میں ملازم تھا۔ موسیقی سے شغف رکھتا تھا۔ آکر حضرت کا مرید ہوگیا۔ محلہ رکاب گنج کے مکان میں روزانہ حاضری دیا کرتا۔ نمازِ مغرب کے ساتھ ہی حضرت کو مختلف راگنیوں میں اشعار سناتا۔ حضرت کے پاس خوش حال تعلیم یافتہ طبقہ رجوع تھا۔ بڑے بڑے عہدہ دار مرید اور معتقد تھے۔ گیارھویں کی محفل میں قوالوں کی خوب بن آتی۔ محمد غوث کو وظیفہ ہوجانے سے بیکار تو تھا ہی، بے کاری سے بے گار بھلا کثیر العیال بھی تھا۔ خود بھی قوالیوں کے ساتھ شوقیہ اشعار سنانے لگا۔ بعد میں قوالوں کا پیشہ اختیار کرلیا۔

مدینہ منزل کے دور میں حضرت اپنے نواسوں اور بعض مریدوں کو بعدِ مغرب راگ راگنیوں سے واقف کرانے لگے۔ خود بھی گاتے ان سے بھی گواتے ان میں موسیقی کا ذوق پیدا کرتے۔ حق تو یہ ہے کہ آوازِ خوش، زندگی کے غم دور کردینے، طبیعت میں خود رفتگی عطا کرنے اور محویت پیدا کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ موسیقی دماغی کاوشوں کا مداوا اور ظاہری اور باطنی بیماریوں کا علاج ہے۔ بالخصوص وحشت اور جلالی اذکار کی گرمی سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس حرارت کی وجہ سے اختلاج سے مشابہ جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے لئے تو بڑی حد تک سکون کی موجب ہے۔

بعض اشعار میں درد و سوز، رندی و مستی، حسن و عشق کی کرشمہ سازیوں اور حُسن آفرینیوں کی ترجمانی طرزِ ادا کی ندرت کے ساتھ اس قدر والہانہ انداز میں پیش ہوتی ہے کہ سامع کے جذبات میں عشق و محبت کے طوفان کا ہیجان برپا ہوجاتا ہے۔

بعض وقت شاعر کے لطیف و نازک اشارے موسیقی کے ساتھ ہم آہنگ ہوکر مردہ اجسام میں جان ڈالتے اور منزل کی طرف تیز گام کردیتے ہیں۔ اور بہ اعتبارِ عقیدہ و مدارجِ علم ویقین، جذب و وجدان کی نئی نئی راہیں کھل جاتی ہیں۔

شعر و موسیقی کی ہم آہنگی سامع کی روح اور قلب پر اس قدر وجد آفریں ارتسام پیدا کرتی ہے کہ ذرہ ذرہ میں حسنِ ازلی کی جھلکیاں مطابقِ عرفان بے نقاب ہونے لگتی ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں - غنا، شعر گوئی اور قوالی ایسے امور ہیں جو دل میں عشق و محبت کی آگ لگاتے ہیں، جذبات کو ابھارتے ہیں، گھٹے ہوئے جذبات کو باہر لاتے ہیں، خیالات کو ایک نقطہ پر قائم کرتے ہیں۔

حضرت کے آخری زمانہ میں عبدالوحید بعدِ مغرب حاضری دیا کرتا تھا۔ یہ صرفخاص کا فوجی تھا۔ گھر کے اخرجات کے بارے میں پریشان رہتا تھا۔ حضرت سے طالبِ دعا رہتا۔ حضرت نے اپنے نواسوں کے ساتھ اس کو بھی راگ راگنیوں کی تعلیم دینی شروع کی۔ جہالت کے ساتھ ساتھ آواز نہایت بھاری اور بھونڈی پائی تھی۔ طبیعت ایسی کہ موسیقی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ حضرت بطور خاص اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کو سکھانے کے بہانہ خود اپنے رمز میں رہتے اور آنے جانے والوں میں بھی موسیقی کا ذوق غیر شعوری طور پر پیدا ہوتا رہتا۔ حضرت پہلے کے مقابلہ اور زیادہ کمزور ہوگئے تھے۔ آواز میں بھی پستی آچکی تھی۔ وقار الدین اور اعظم الدین دونوں نواسے وحید کو سکھلانے میں مدد دینے لگے۔ یہ دونوں اس کو صحیح راگنی پر قائم رکھنے کی غرض سے خود گاتے اور وحید کو ان کا ساتھ دینے کی ہدایت کرتے وحید کا یہ حال تھا کہ ایک مصرع ایک راگنی میں گاتا اور دوسرا مصرع دوسری راگنی میں گانے لگتا۔ خود گاکر بتلاتے اور صحیح راگنی اور اس کی طرز

اور لَے کا اندازہ کراتے اور ہر راگنی کے تان پلٹوں کا فرق بتلاتے۔

وحید کو شوق ہوا تو ہارمونیم سیکھ لیا۔ حضرت کے بہت سارے اشعار زبانی یاد تو ہو گئے تھے۔ گیارھویں کی محفل میں ایک طبلچی کو ساتھ لے کر خود بھی پہنچ گیا۔ حضرت نے اس کو ہارمونیم اور طبلچی کے ساتھ دیکھا تو بے اختیار مسکرا پڑے اور دیگر قوالوں سے پہلے موقع عنایت فرمایا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں حضرت کے اشعار پڑھنے لگا تو اہل محفل کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اشعار پر حضرت کے چہرے اور حرکات و سکنات سے کیفیت نمایاں ہونے لگی تو اہل محفل پر اس کا اثر پڑنے لگا۔ لوگوں کی توجہ وحید سے اور اس کے گانے سے ہٹ کر اشعار اور اس کے مطالب اور حضرت کی کیفیات کی طرف مبذول ہوئی تو محفل میں گرمی آگئی۔ لوگ نذر لے کر دوڑے۔ ہر چوکی سے حضرت دو غزلیں سماعت فرمایا کرتے تھے۔ مگر وحید کو صرف ایک غزل گانے کا موقع دیتے۔ اس طرح ہر ماہ اس کی مالی مدد ہوجایا کرتی وحید ٹھیٹھ فوجی تھا باوجود حضرت کی مسلسل کوشش کے وہ فوجی کا فوجی رہا۔ •

حضرت کے پاس چونکہ مطلق ہی تقیدات میں نمایاں ہے۔ لہذا حضرت کی نظر اطلاق و تقید دونوں پر رہتی تھی اور دونوں کا حق دینے میں اعتدال کو برقرار رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا "وحید رات میں نعت اچھی طرح گا رہا تھا۔ اس وقت تو سنتے رہے بعد میں تنقید ہوئی کہ اتار چڑھاؤ کی طرف ذرا زیادہ توجہ ہوگئی تھی۔ اب بھلا کیا کہا جاسکتا ہے۔ سوائے جی قصور ہوا کے "۔

ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت کی طبیعت ناساز تھی۔ نزلہ اور زکام ہوگیا تھا۔ آواز بھی متاثر ہوگئی تھی۔ وحید وقت مقررہ پر پہنچے۔ حضرت اس تکلیف میں بھی اس کو سکھانے لگے۔ حضرت کا یہ بھی ایک کمال تھا جس شخص سے جس قسم کا علاقہ رہتا حضرت اس علاقہ کو اس سے ملاقات کے وقت ملحوظ رکھتے تھے مثلاً وحید سے موسیقی کا علاقہ تھا اس سے فلسفہ و کلام کے مسائل پر گفتگو نہ کرتے۔ حضرت کا تعلق جس شخص سے جس حیثیت سے رہتا اس کو اسی حیثیت میں محدود رکھتے ہوئے بھی اللہ و رسول سے ربط و تعلق پیدا کرتے اور اس کی مخصوص حیثیت میں اس علاقہ کے لئے راستہ نکال لیتے۔ حضرت کی مستقل مزاجی تھی کہ حضرت کسی حال میں ہوں اپنے روز مرہ کے مشاغل کو کبھی متاثر ہونے نہیں دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سخت نزلہ اور زکام کی حالت میں جب کہ آواز بھی بیٹھی ہوئی تھی وحید کو واپس نہ کیا اور سکھانے لگے۔ حضرت اشعار گا کر طرز بتلا رہے تھے۔ اس وقت چہرہ مبارک کی کیفیت، آنکھوں کی مستی اور باوجود پست اور متاثر ہونے کے آواز کی مٹھاس، لَئے اور ادائی کی لطافت، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کے یہ سارے ہنگامے اس ایک لَے کے سامنے ہیچ ہیں۔ جو کچھ میں نے آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا الفاظ میں اس کا اظہار میرے لئے ناممکن ہے۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں۔

کانوں میں بس گئی ہے اک آوازِ دلنشیں
مدت ہوئی مگر اسے بھولا نہیں ہوں میں

• حضرت کی دعا کا اثر ہے کہ آج عبدالوحید صاحب نہایت خوش حال ہیں اور اپنے محلہ کی مسجد کے پیش امام ہیں (ادارہ)

چند راگنیاں اور ان کی مشق کے لئے منتخبہ اشعار

راگنی کا نام	منتخبہ اشعار
باگیسری	پیا بن آوت نہیں چین
	میں تو جاگی ساری رین پیا نہیں آیو، سیاں نہیں آیو
بسنت	بکوا برج دیکھن کو چلو ری
بھیرویں	میں تو تورے دامن وا لگی سادات
سندھ بھیرویں	میں جگائے ہاری رے
	اٹھو سیاں جاگو ری میں جگائے ہاری رے
برج	مجھے جگا کے جوبن لوٹا رے
تلک کامود	سکھی رے گھر آیو مہمان
ترم	دیکھو ری خانم کون کھڑا ہے
پیلو	۱۔ تم بن کٹھن کٹی ساری رین
	جیسے جل بن مچھلی تڑپے تڑپت ہوں دن رین تم بن ۔۔۔۔۔
	۲۔ ہم سنگ نیناں کاہے کو لگائے
جوگیا جوگیہ	دھیان لگا ہے من موہن کا
جگدیشری	مرات تجلی دل ہی تو ہے لیلیٰ کا یہ محمل ہی تو ہے
دیسی	پردیس بالم دھن اکیلی
سارنگ	۱۔ یار سنوریا نبھانا نبھانا ہم نہیں ہونگے ہوگا زمانہ
	تیری گلی کے سو سو پھیرے تو نہ روٹھ چاہے روٹھے زمانہ
	۲۔ دیا کرو سادات ہم پر دیا کرو
	چھونے نہ دونگی سریر
	نجریا سے جیا بھر دوں گی چھونے نہ دونگی سریر
	بہت کروگے پیا آنے نہ دوگے آپ ہی رہو گے دلگیر
سوہنی	۱۔ نازو انداز جب آیا تو حیا بھی آئی
	۲۔ ز سپہر ہست بلند تر بخدا علوے مقامِ غوث
سراپردا	اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
شاہانہ	من موہن ہے یار ہمارا اس پہ فدا گھر بار ہمارا

غارا	۱۔ در محفلِ یکتائی اغیار نمی گنجد	اغیار چساں گنجد چوں یار نمی گنجد
	۲۔ سردے تو مجھے یارب آشفتہ سودادے	دینا ہو اگر مجھ کو دل رہنِ تمنادے
کھماج	سانولی صورت پر میں جاؤں واری رے	
کانی	۱۔ لگو جی میں کو نام محمد پیارا	
	۲۔ کروں گی جیا بھر کے پیار	سہیلی جو ہو سو ہو
ملہار	میگوا جھر جھر برسن لاگے	ہم اپنے پیا کو ترسن لاگے
	بھیگت کیوں ہے گھر کے باہر	اندر آجا زلفوں والے
مانڈو	تھارو نام محمد مصطفےٰ من پیارو لاگو جی	اللہ من پیارو لاگو جی
مالکوس	۱۔ اللہ محمد غوث	
	۲۔ اومستِ شراب لاابالی	انظر للہ کیف حالی
ہنڈول	۱۔ جھولا جھولن کے دن آئے	
	۲۔ ساقی ادھر بھی اک پیمانہ	سدا رہے میخانہ
یمن	پیا پردیسوا	کاسے کہوں سندیسوا
	ڈھلے چلے جوبن وا	سویت بھیو گیسوا
	پیا پردیسوا	

حضرت کا مضمون علمِ موسیقی پر جو ماہنامہ تاج میں شائع ہو چکا ہے

اردو میں علمِ موسیقی پر جتنی کتابیں لکھی جاتی ہیں ان میں عام طور پر سرگم بتادی جاتی ہے۔ اس کی توجیہ سائنس اور علمی اصول پر نہیں کی جاتی۔ حضرت نے اردو میں جس طرح سے استدلال کیا ہے اور توجیہ فرمائی ہے اہلِ فن ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ فنِ موسیقی سے دلچسپی رکھنے والے اس سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ (للمؤلف)

سلّمِ موسیقی

جب ہم مختلف آوازیں سنتے ہیں تو صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ نیچی اونچی آوازیں، اترے چڑھے سُر (عالی و سافل صوت) سنتے ہیں بلکہ سُروں کی لرزشوں (اهتزازات) کے اعداد میں جو نسبت ہوتی ہے اس کو بھی دریافت کرلیتے ہیں۔ صرف نسبت ہی کو نہیں جان لیتے بلکہ یہ سُر جن کی لرزشوں میں نسبتیں پائی جاتی ہیں پے درپے ہمارے کان میں پہنچتے ہیں تو ہم کو لذت یا کراہت پیدا ہوتی ہے اور طبعِ سلیم اور فہمِ مستقیم حکم لگاتا ہے کہ یہ نسبت ذوق کے مطابق ہے یا نہیں۔

مختلف آوازوں کے مجموعہ کو "سلّمِ موسیقی" کہتے ہیں۔ سلّمِ موسیقی کئی درجات میں منقسم ہوتی ہے۔ ہر درجہ کو سرگم (دیوان) کہتے ہیں۔ سرگم (دیوان) میں سات سُر (برج) یا پردے ہوتے ہیں۔

سات سُر (برج) یہ ہیں۔

عربی نام	دو	ری	می	فا	سول	لا	سی	دو
اردو نام	سر	رکھب	گندھار	مدہم	پنچم	دھیوت	نکھاد	سر
عربی میں علامت	ج	د	ہ	و	ز	ا	ب	ج
اردو میں علامت	سا	رے	گا	ما	پا	دھا	نی	سا

اسی طرح ایک سلم میں کئی (دیوان یا) سرگم ہوتے ہیں۔ جس سرگم کا سر قائم رہتا ہے اس کو (دیوانِ قرار) اصل سرگم کہتے ہیں۔ اور دوسرے سرگم (دیوان) کو جوابی سرگم۔

(دیوانِ جواب) اصل سرگم (دیوانِ قرار) پر ایک ہندسہ لکھتے ہیں اس طرح جؔ دؔ اور جوابی سرگم (دیوان جواب) پر ۲ کا ہندسہ اس طرح ج۲ د۲ علیٰ ہذا القیاس

جس درجہ کا سرگم (دیوان) اونچا ہوگا اس پر اس درجہ کا ہندسہ ہوگا۔ مثلاً پانچویں سرگم (دیوان) کے سر (برج ج) کو اس طرح لکھیں گے۔ جؕ شا اور نیچے کے سرگم کے سروں پر منفی کی علامت لکھیں گے۔ مثلاً ج۲ سا۲ سے یہ مراد ہے کہ ۲ درجے نیچے کا سرگم کا سر ہے۔

عدد اهتزازات

یعنی سُروں کی لرزشوں کے اعداد

جب ایک تار طول میں لرزش کرتا ہے تو اس کی آواز دوسرے اونچے سرگموں (سلّمِ اعلیٰ) کے لئے اصل (قرار) ہے اور اونچا سرگم (سلّمِ اعلیٰ) اس کا جواب۔

فرض کرو اصل سُر کا طول ایک ہے تو دوسرے سُروں کا طول حسبِ ذیل نسبت سے ہوگا۔

جُ١	د	ہ	و	ز	ا	ب	ج٢
سا١	رے	گا	ما	پا	دھا	نی	سا٢
١	٨/٩	٤/٥	٣/٤	٢/٣	٣/٥	٨/١٥	١/٢

یہ تو تحتانی سُر کو فوقانی سُر سے نسبت ہے۔ فوقانی سُر کی تحتانی سے نسبت اس نسبت کا قلب و عکس ہوگی۔

١	٩/٨	٥/٤	٤/٣	٣/٢	٥/٣	١٥/٨	٢

ان کسور کو عدد صحیح میں تحویل کریں تو لرزشوں میں یہ نسبت ہوگی۔

جُ١	د	ہ	و	ز	ا	ب	ج٢
سا١	رے	گا	ما	پا	دھا	نی	٢ سا
٢٤	٢٧	٣٠	٣٢	٣٦	٤٠	٤٥	٤٨

اول و دوم۔ اور دوم و سوم اور ہفتم و ہشتم میں ۳ کا فرق ہے۔ سوم و چہارم میں دو کا فرق ہے۔ پنجم و ششم میں ۴ کا۔ ششم و ہفتم میں ۵ کا فرق ہے۔ پس اگر (سا) کو ۲۴ فرض کریں تو (ما) کو "۳۲" ماننا پڑے گا۔

یہ تو سُروں کی لرزشوں کے اعتبار سے باہمی نسبت ہے۔ ہر ہر سُر میں فی نفسہٖ کتنی لرزشیں ہیں سیرین کی مدد سے دریافت ہوسکتی ہیں۔ سیرین ایک آلہ ہے جو لرزشوں کے دریافت کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ آلات کے ذریعہ سے یہ امر تحقیق کو پہنچا ہے کہ سُروں میں حسب تفصیلِ ذیل لرزشیں ہوتی ہیں۔

جُ١	د	ہ	و	ز	ا	ب	ج٢
سا١	رے	گا	ما	پا	دھا	نی	سا٢
١٢٨	١٤٤	١٦٠	١٧٠	١٩٢	٢١٣	٢٤٠	٢٥٦

توافق اصوات و تعاند

یعنی سُروں میں موافقت و ناموافقت

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ سُروں کی آوازیں جب کان پر پے در پے پڑتی ہیں تو کانوں کو اچھا اور لذت معلوم ہوتی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو دو تین سُر پے در پے آواز دیں تو خواہ مخواہ اچھا ہی معلوم ہو اور لذت پیدا ہو۔ بلکہ بعض سُروں کا اجتماع مکروہ معلوم ہوتا ہے اور بعض کا مرغوب۔

بات یہ ہے کہ جن سروں میں توافق ہوتا ہے ان کا پیہم سنائی دینا مرغوب معلوم ہوتا ہے اور جن میں توافق نہیں ان کا معاً سنائی دینا مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ توافق ایک سرگم کے ایک سُر میں ہے۔ کیونکہ ان کی لرزشیں واحد ہیں۔ یعنی سب سے بہتر نسبت وحدت ہے۔ جو دوسرے سرگموں کے ایک سُر میں مثلاً جُ ج٢ سا١ سا٢ کیونکہ دوسرے سرگم (دیوان جواب) کے سُر کی لرزشیں پہلے سَرگم (دیوان قرار) کے سر کی لرزشوں کی دوچند ہوتی ہیں۔ یعنی نسبت وحدت کے بعد نسبت ضعفیت ہے۔ یعنی نسبت ۲ : ۱ پھر نسبت ۴ : ۳ پھر ۵ : ۴۔ تین سُروں میں سب سے بہتر ۴ : ۵ : ۶ کی نسبت ہے جو سا : ما : پا میں ہے۔ حاصل یہ کہ بہترین نسبت، نسبت وحدت ہے۔ اصلی لذت اسی میں ہے۔ جس قدر اس سے بعد ہوگا کراہت پیدا ہوگی۔

ارشاداتِ حکیمانہ

"تضرع و انکسار عبدیت کی جان ہے"

علم و عمل کی دنیا ہے غفلت باعثِ ذِلت ہے

تعظیم شخصی کی انتہاء بُت پرستی ہوتی ہے

صراطِ مستقیم پر چلنے والا ہی پُل صراط پر سے گزر جائے گا

ارشاداتِ حکیمانہ

۱۔ "جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اس کو ترک کردو"۔

۲۔ "تم اپنے دل کو ایسا رکھو کہ اگر اس کو سب کے سامنے پیش کریں تو کسی سے شرمندگی نہ ہو"۔

۳۔ "اپنے دل سے پوچھو، ضمیر سے پوچھو"۔

۴۔ "عالم بے عمل اندھے کے ہاتھ میں مشعل"۔

۵۔ "بنیادی پتھر اگر ٹیڑھا رکھا گیا ہے تو ساری دیوار ٹیڑھی ہوگی"۔

۶۔ "بار بار قسم کھانا جھوٹے ہونے کی علامت ہے"۔

۷۔ "ہنس کر بات کرنا مکارمِ اخلاق سے ہے"۔

۸۔ "بد اخلاق سے سب بھاگتے ہیں"۔

۹۔ "سانپ کو مارنا سپولے کو باقی رکھنا دور اندیشی کے خلاف ہے"۔

۱۰۔ "دوسروں کی برائیوں کو سوچتے رہنا، یہ بھی غیبت کے خاندان سے ہے"۔

۱۱۔ "آمد سے زیادہ خرچ ہوگا تو تھوڑے دن میں مفلس ہوجاؤ گے"۔

۱۲۔ "مفلسی عیب نہیں مگر اس کی شکایت کرنا عیب ہے"۔

۱۳۔ "بہت زیادہ احتیاط میں بدگمانی ہوتی ہے"۔

۱۴۔ نکتہ چینی کرنی ہو تو اس کی ابتداء خود اپنے سے کرو"۔

۱۵۔ "پیشوائے مذہب کو حق گوئی سے کوئی شئے مانع نہیں ہوسکتی"۔

۱۶۔ "دشمن کو حقیر نہ سمجھو"۔

۱۷۔ "چنگاری سے بے پرواہی نہ کرو"۔

۱۸۔ "بدی کا بدلہ سب بدی سے کرتے ہیں تم عالی ہمت ہو تو نیکی سے بدلہ کرو"۔

۱۹۔ "آنکھوں سے دیکھے ہوئے کے برابر کانوں سے سنا ہوا نہیں ہوسکتا"۔

۲۰۔ "ایک جھوٹ دس جھوٹ کو لاتا ہے"۔

۲۱۔ "غیر ضروری چیز کی ہرگز عادت نہ ڈالو"۔

۲۲۔ "یاد رکھو! زمانے کو برا کہنا اللہ پر اعتراض کرنا ہے"۔

۲۳۔ "داتا کی بلا دور"۔

۲۴۔ "انسان محلِ نسیان، بشر بہ شر"۔

۲۵۔ "انسان سے بھول چوک نہ ہوتی تو فرشتہ ہوتا"۔

۲۶۔ "دشمنی کی حالت میں بھی ایسی بات کرو کہ اگر دوستی ہوجائے تو اس کا ذکر باعثِ ندامت نہ ہو"۔

۲۷ ۔ " قرابت دار وہ ہے جس کو محبت نے قریب کیا ہو " ۔

۲۸ ۔ " دوست کو جانچنے سے پہلے خود اپنے کو جانچ لو کہ میں اس کے ساتھ کیسا ہوں " ۔

۲۹ ۔ " سونے کی حفاظت لوہا کرتا ہے " ۔

۳۰ ۔ " سونے کو خوبصورت عورت اور لوہے کو کالا سپاہی سمجھو " ۔

۳۱ ۔ " جس کی تیغ اس کی دیگ " ۔

۳۲ ۔ " کھانا آدمی کے لئے ہے نہ کہ آدمی کھانے کے لئے " ۔

۳۳ ۔ " پیٹ کے لئے کھانا پانی ، تن کے لئے کپڑا ، رہنے کے لئے جگہ ، باقی سب بے ضرورت ہے " ۔

۳۴ ۔ " خوبصورت کو چاہیئے کہ اپنے برے کاموں سے داغ نہ لگائے ۔ اور بد صورت کو چاہیئے کہ اپنی نیک سیرت سے اس کا تدارک کرے " ۔

۳۵ ۔ " آن جانے سے نہ ناک رہتی ہے نہ کان " ۔

۳۶ ۔ " مستقبل تاریکی میں رہتا ہے " ۔

۳۷ ۔ " بدلگام گھوڑا خود بھی گرے گا ، سوار کو بھی گرائے گا " ۔

۳۸ ۔ " گن کر لو ، گن کر دو " ۔

۳۹ ۔ " سچ کہنے کی عادت ، بیسیوں گناہوں سے بچاتی ہے " ۔

۴۰ ۔ " دوسرے کا سچا عیب ظاہر کرنا بھی غیبت ہے " ۔

۴۱ ۔ " دوسرے پر غلط الزام لگانا تہمت ہے " ۔

۴۲ ۔ " کچھ کھاؤ کھلاؤ ، کچھ اتفاقیات کے واسطے رکھو ، کچھ اپنے بڑھاپے اور متعلقین کے لئے چھوڑو " ۔

۴۳ ۔ " جیسے جیوگے ویسے مروگے ، جیسے مروگے ویسے اٹھوگے " ۔

۴۴ ۔ " محسن کا احسان نہ ماننا ، ناشکری کرنا ، بدترین اخلاقی گناہ ہے " ۔

۴۵ ۔ " شکر کے معنی قدردانی کے ہیں " ۔

۴۶ ۔ " نعمت کو بے محل لگا دینا ، نعمت کی ناقدری ہے ، ناشکری ہے " ۔

۴۷ ۔ " دو چیزیں یاد رکھو ، دو چیزیں بھول جاؤ ، اپنا کیا ہوا احسان دوسرے کی کی ہوئی برائی بھول جاؤ ۔ اپنی برائی اور دوسرے کی بھلائی یاد رکھو " ۔

۴۸ ۔ " ایک دن مرنا ہے ! کچھ کھاؤ پیو ، کچھ اللہ کے پاس جمع کراؤ " ۔

۴۹ ۔ " تمہارا دشمن شربتِ سرور ، تمہاری عقل کا دشمن شربت انگور ، تم کو کہیں کا نہ رکھے گا " ۔

۵۰ ۔ " خدا نے دو کان دیئے ہیں اور ایک زبان ، دو باتیں سنو تو ایک بات کہو " ۔

۵۱ ۔ " وہ شکاری کتا ہے جو کمائے مگر خود نہ کھائے " ۔

۵۲ ۔ " کھانے کے وقت پانچوں انگلیاں برابر ہو جاتی ہیں " ۔

۵۳ ۔ " نیم حکیم خطرہ جان ، نیم ملا خطرہ ایمان " ۔

۵۴ ۔ ۔ جگر جگر ہے ، دِگر دِگر ہے ۔

۵۵ ۔ ۔ میں جو چاہوں تو کچھ نہیں ہوتا ۔ وہ جو چاہے تو کیا نہیں ہوتا ۔ (حسرت صدیقی)

۵۶ ۔ ۔ جو ہونا ہے وہ ہوتا ہے جو ملنا ہے وہ ملتا ہے ۔

جب اس کا ارادہ چلتا ہے تو اپنا ارادہ کون کرے (حسرت صدیقی)

۵۷ ۔ ۔ توفیق شکر کا شکر نہیں ہو سکتا ۔

۵۸ ۔ ۔ سب مل کر ایسے رہو جیسے ایک عضو کو تکلیف ہو تو دوسرے عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے ۔

۵۹ ۔ ۔ آپس میں ایسے رہو جیسے دیوار کی اینٹیں کہ ایک دوسرے کی مدد سے دیوار کھڑی ہوتی ہے ۔

۶۰ ۔ ۔ کسی کے دلی خیالات کے بارے میں حکم لگانا علم غیب کا دعویٰ ہے ۔

۶۱ ۔ ۔ بالعرض نسبت کرنے سے شرک نہیں ہوتا ۔ بالذات سمجھنے سے شرک ہوتا ہے ۔

۶۲ ۔ ۔ جھوٹے کی ہر بات جھوٹی نہیں ہوتی ۔

۶۳ ۔ ۔ نیک فطرت برا نہیں ہوتا ، بد طبیعت بھلا نہیں ہوتا ۔ (حسرت صدیقی)

۶۴ ۔ ۔ بڑے عالم سے نہ پوچھو ، تجربہ کار سے پوچھو ۔

۶۵ ۔ ۔ احسان کر کے احسان دھرنا ، احسان کو نیست کر دیتا ہے ۔

۶۶ ۔ ۔ جو کام کرو اخلاص سے کرو ، تمہارے کام میں نمائش اور ریا نہ ہو ۔

۶۷ ۔ ۔ بیٹھے شیر سے دوڑتا کتا بہتر ۔

۶۸ ۔ ۔ جو زیادہ متاثر ہوگا وہ زیادہ محبوب ہوگا ۔

۶۹ ۔ ۔ من الجنۃ والناس کے " ناس " سے ڈرو ۔

۷۰ ۔ ۔ مرد کی گرد میں رہو ، نامرد کی سرحد سے بھاگو ۔

۷۱ ۔ ۔ تمہارے اگر سو دوست ہیں اور ایک دشمن تب بھی تم اس ایک دشمن سے بے فکر نہ رہو ۔

۷۲ ۔ ۔ آگ جب مشتعل ہو جاتی ہے تو نہ خشک لکڑی کو رکھتی ہے نہ تر کو ۔

۷۳ ۔ ۔ فساد جب پھیل جاتا ہے تو گنہگار اور بے گناہ کو نہیں دیکھتا ۔

۷۴ ۔ ۔ تم پاک رہو ، ناپاک کپڑے کو پٹک پٹک کر دھوتے ہیں ۔

۷۵ ۔ ۔ تلوار کا زخم اچھا ہو جاتا ہے زبان کا زخم بمشکل درست ہوتا ہے ۔

۷۶ ۔ ۔ پیادہ چھ گھر چلتا ہے تو فرزیں ہو جاتا ہے ۔

۷۷ ۔ ۔ بندہ کے دونوں ہاتھ خالی ۔

۷۸ ۔ ۔ اللہ بس باقی ہوس ۔

۷۹ ۔ ۔ اعلیٰ شاعر فطرت کی زبان ہوتا ہے اور اعلیٰ مصور قدرت کا ہاتھ ہوتا ہے ۔

۸۰ ۔ " شاعر جیسا دیکھتا ہے ویسا سناتا ہے ، اور مصور جیسا دیکھتا ہے ویسا دکھاتا ہے " ۔

۸۱ ۔ " فقر کی سرحد کفر کی سرحد سے لگی ہوئی ہے " ۔

۸۲ ۔ " محبت اور رحمت آسمان سے اترتی ہیں " ۔

۸۳ ۔ " لوگو ! لوگوں کے عیوب کیلئے اندھے بہرے بن جاؤ " ۔

۸۴ ۔ " چاندی ، سونے اور نوٹوں کو بحفاظت رکھتے ہو ، مگر عورت کی حفاظت سے بے پرواہی " ؟

۸۵ ۔ " تیز تلوار سب کو کاٹتی ہے ، مگر ریشم کو کاٹ نہیں سکتی " ۔

۸۶ ۔ " جنگل سے نکلا شیر ، نر کیا مادہ کیا " ؟

۸۷ ۔ " ہمارا انڈا ہزاروں کا ، ہمارا چوزہ لاقیمت " ۔

۸۸ ۔ " دریا کے دھارے میں تیرنا شیر کا کام ہے " ۔

۸۹ ۔ " اعتبار انجام پر ہے ، اختتام پر ہے " ۔

۹۰ ۔ " نہ تمہارے اچھے ہونے کے لئے کوئی آیت اتری ، نہ ہمارے اچھے ہونے کے لئے " ۔

۹۱ ۔ " جہاں آنکھ کام نہیں کرتی وہاں عقل کام کرتی ہے ۔ جہاں عقل کام نہیں کرتی وہاں وحی و الہام کام کرتے ہیں ۔ دیکھو ! آنکھوں سے سایہ دیوار حرکت کرتا نہیں معلوم ہوتا مگر عقل سمجھتی ہے کہ سایہ دیوار متحرک ہے ۔ الہٰیات میں عقل عاجز ہوتی ہے تو وحی رہنما ہوتی ہے ۔ یعنی پیغمبر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے " ۔

۹۲ ۔ " عالمِ مثال میں معانی صورت لیتے ہیں ایک معنی کو سینکڑوں صورتوں سے ادا کر سکتے ہیں ۔ ایک صورت کو پکڑ لینے سے دوسری صورتوں سے انکار پیدا ہوتا ہے ۔ اور اسی پر بت پرستی کی بنیاد ہے " ۔

۹۳ ۔ " متغیر ، غیر متغیر کا غیر ہے ۔ جسم میں تغیر آتا ہے اور " انا " میں تغیر نہیں آتا ۔ لہٰذا جسم مادی ہے اور " انا " غیر مادی " ۔

۹۴ ۔ " اللہ دینے والا محمدؐ تقسیم کرنے والے ، تم کو کچھ ملے گا تو تقسیم کرنے والے کے ہاتھ سے ہی ملے گا " ۔

۹۵ ۔ " تناسب سے نسبت پیدا ہوتی ہے ۔ نسبت وحدت کو لاتی ہے ۔ صورت میں رہے تو حسن ہے ۔ ہاتھ پاؤں میں رہے تو ادا ہے ۔ آواز میں رہے تو سُر ہے ۔ ضربات میں رہے تو تال ہے ۔ پریشان خاطری بغیر وحدت کے دور نہیں ہوتی ۔ اطمینان ہی علامت ایمان ہے " ۔

۹۶ ۔ " حادثِ تدریجی سے نسبت دیں تو تقدیم زمانی ہے ۔ حادثِ غیر تدریجی سے نسبت دیں تو " تقدیم دہری " ہے ۔ قدیم کو قدیم سے نسبت دیں تو " تقدیم سرمدی ہے " ۔

۹۷ ۔ " وجود کی کئی قسمیں ہیں ۔ ۱ ۔ وجودِ خارجی یا عینی یا ذاتی ۔ ۲ ۔ وجودِ خیالی ۔ ۳ ۔ وجودِ عقلی ۔ ۴ ۔ وجودِ شبہی ۔ ۵ ۔ وجودِ مجازی ۔ اعلیٰ وجود کے ممکن رہتے ہوئے ادنیٰ وجود ناقابلِ التفات ۔ وجودِ خارجی ظاہر ہے ۔ خارج میں دیکھنے کے بعد اس کی صورت ذہن میں آجاتی ہے ۔ صورت اور خیال و خصوصیات سے مجرد ہو کر ایک مطلق و مجرد معنیٰ ذہن میں آتے ہیں ۔ یہ وجودِ عقلی ہے مثلاً غضب و غصہ ، خونِ دل کا جوش کرنا ، مگر غضبِ الٰہی میں اس کی ضرورت نہیں ۔ ایک شئے سے اس کی شبیہ مراد لینا ، وجودِ شبہی ہے مثلاً علم

کو دودھ کی شکل میں دیکھنا کسی علاقے کی وجہ سے ایک شئے سے اس کا متعلق مراد لینا مثلاً پرنالہ بہا یعنی پانی بہا کیونکہ پرنالے کو پانی سے نسبت ہے "۔

۹۸ ۔ " وھو بکل شیء علیم یہاں شئے سے مراد موجود ہے ۔ اور خدائے تعالیٰ خود بھی اس میں شامل ہے "۔

۹۹ ۔ " ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر یہاں شئے سے مراد ممکن ہے ، بندہ ہے ۔ خدا کی ذات خدا کی قدرت کے تحت نہیں ہے ۔ خدائے تعالیٰ میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوسکتا ۔ ہم خودکشی کرسکتے ہیں ، خدا خودکشی نہیں کرسکتا "۔

۱۰۰ ۔ " قدرت ناممکن سے متعلق نہیں ہوتی ۔ قدرت کے ناممکن سے متعلق نہ ہونے سے عجز لازم نہیں آتا ۔ اول سے پہلے اول کا پیدا نہ کرسکنا عجز نہیں ۔ اور آخر کے بعد کسی دوسرے کو نہ پیدا کرسکنا بھی عجز نہیں "۔

۱۰۱ ۔ " علم کیا چیز ہے ؟ بعض کہتے ہیں کہ عالم اور معلوم کے درمیان ایک نسبت اور تعلق ہے ۔ بعض کے پاس علم ایک نور ہے اور معلوم کے عالم کے پاس آنے کے بعد وہ نور معلوم کو دکھائی دیتا ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں ، وہ چیز جو عالم کے پاس حاضر ہو یہ حضوری علم ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں ، علم اللہ کی صفت ہے ۔ جتنا اللہ تعالیٰ سے ربط بڑھتا جائے گا علم بڑھتا جائے گا ۔ بعض لوگ کہتے ہیں عالم و معلوم کے درمیان سے پردہ اٹھنے کا نام ہے ۔ علم دو قسم کا ہے بے واسطہ ، بواسطہ ۔ خارج میں جو چیز رہتی ہے اس کا علم اس فوٹو کے واسطے سے ہوتا ہے جو عالم کے ذہن میں آتا ہے ۔ آدمی کو اپنا ، اپنے اوصاف کا علم حضوری اور بلا واسطہ ہوتا ہے "۔

۱۰۲ ۔ " تصور کیا ہے اور تصدیق کیا ہے ؟ مفرد چیز کا علم " تصور " مرکب (غیر مفرد) کا علم " تصورِ نسبت " ۔ جزویہ کا علم بغیر ذاتی رائے کے تصور " تخیل " کمزور خیال کے ساتھ تصور " وہم " اثبات اور نفی دونوں کے متعلق برابر کے خیال کے ساتھ تصور " شک " ۔ ظن غالب کے ساتھ تصور " علم " ۔ بعض یہاں سے اقسام علم کو تصدیق کہتے ہیں ۔ بڑوں نے کہا ہم نے مان لیا ۔ " تقلید اور تصدیق " دلائل سے یقین ہوا تو " تحقیق اور علم یقینی " ۔ بعض لوگ صرف تحقیقی علم کو " علم " کہتے ہیں ورنہ " عدمِ علم " ۔ (بغیر تحقیق کے) یقین کو " علم " نہیں کہتے ۔ ان کے پاس تصدیق و یقین ایک جدا حالت ہے ۔ اس کو " لواحق ادراک " کہتے ہیں ۔ اکثر محققین کا خیال ہے کہ تصدیق اور یقین (یعنی یقین بعدِ تحقیق) علم کی ارتقائی حالت کا نام ہے ۔ ان کے پاس " غیر علم " (یعنی بغیر تحقیق کے یقین) " علم " (یعنی یقین بعدِ تحقیق) سے بہتر نہیں ہوسکتا ۔ فضیلت کا دار و مدار " علم " پر ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ تصدیق کرنا ، کسی بات کو مان لینا فعل ہے ، انسان کا کام ہے ۔ بعض کے پاس شروع سے آخر تک علم فعل نہیں انفعال ہے ۔ ان کے پاس علم کی تصدیق کی نہیں جاتی بلکہ ہوجاتی ہے "۔

۱۰۳ ۔ " نباتات جمادات کو کھا جاتے ہیں ۔ نباتات کو حیوانات کھا جاتے ہیں ۔ حیوانات کو انسان کھا جاتا ہے ۔ انسان فنافی اللہ ہوجاتا ہے ۔ ہر چیز میں ایک جان ہے ۔ جمادات سے نباتات میں بہتر حیات ہے حیوان میں نباتات سے بہتر حیات ہے اور انسان میں حیوان سے بہتر حیات ہے "۔

۱۰۴ ۔ " میرے سامنے ایک خوش نویس کا قطعہ رکھا ہوا ہے ۔ حروف کیا چمکدار اور سیاہ ہیں ، اس وقت میں نے سیاہی کو دیکھا ۔ کیسی نشستیں ہیں کیسے دائرے ہیں کیا جوڑ توڑ ہیں اس وقت میں نے حروف کی شکل کو دیکھا ۔ اعتبارات نہ ہوتے تو حکمت باطل ہوجاتی "۔

۱۰۵ ۔ " بے گناہی دو قسم کی ہوتی ہے ۔ اللہ کا فضل و کرم اس کی وجہ گناہ سے بچاتی ہے اس کو عصمت کہتے ہیں اور اس شخص کو معصوم ۔ اس سے انکار کفر ہے ۔ یہ شان ہوتی ہے پیغمبر کی "۔
بعض ایسے بزرگ بھی ہوتے ہیں کہ انھوں نے ساری عمر کوئی گناہ نہیں کیا اس کو حفاظت کہتے ہیں اور اس شخص کو محفوظ ۔ ایسے شخص سے انکار کرنا (یعنی محفوظ کو محفوظ نہ ماننا) خیر سے محروم ہونا ہے ۔ معصوم سے گناہ کا امکان نہیں ، محفوظ ولی سے امکان تو ہے مگر وقوع نہیں ہوتا "۔

۱۰۶ ۔ " کسی معاملہ میں تقدیر الہٰی کا ظہور ہوجائے اور جو پیش آنا تھا آجائے تو یوں نہ کہو کہ " اگر فلاں تدبیر کی جاتی تو ایسا نہ ہوتا "۔ اس لئے کہ علمِ الہٰی (ام الکتاب) میں ایسا ہی تھا ویسا نہ تھا "۔

۱۰۷ ۔ " اگر کسی مسلمان میں ننانوے (۹۹) باتیں ایسی ہوں جن سے کفر برآمد ہوتا ہے اور ایک بات ایسی ہو جو اس کے ایمان پر دلالت کرتی ہو تو اسے کافر نہ کہنا ۔ اگر وہ اللہ کے نزدیک کافر نہیں ہے تو تم کافر ہوجاؤ گے ۔ توبہ کرکے دوبارہ ایمان لانا پڑے گا "۔

۱۰۸ ۔ " جوان آدمی کا ختنہ نہ کراؤ ۔ ختنہ کرانا سنت ہے اور جوان آدمی کا بغیر کسی مجبوری اور عذر کے بے ستر ہونا حرام ہے ۔ سنت کے حاصل کرنے کے لئے حرام پر سے نہ گذرو "۔

۱۰۹ ۔ " گذشتہ زمانہ میں کی ہوئی اپنی نیکیاں اور کیفیات یاد آنے لگیں تو نفس سے کہنا " وہ آدمی تو مرچکا ۔ اب یہ بتا کہ موجودہ آدمی کیسا ہے "؟

۱۱۰ ۔ " مرتا کیا نہیں کرتا "۔

۱۱۱ ۔ " خدمت پر رہتے ہیں تو یزید رہتے ہیں ۔ خدمت سے ہٹتے ہیں تو بایزید ہوجاتے ہیں "۔

۱۱۲ ۔ " تقویٰ دل کی صفت ہے نہ کہ شائے عمامے کی "۔

۱۱۳ ۔ " خالی تھیلی پڑی رہتی ہے بھری تھیلی کھڑی رہتی ہے "۔

۱۱۴ ۔ " زر سے زور ہے ۔ مال سے جمال ہے "۔

۱۱۵ ۔ " آدمی کی کسوٹی سونا ۔ سونے کی کسوٹی پتھر "۔

۱۱۶ ۔ " آتا ہے تو ہاتھ سے نہ دیجے ۔ جاتا ہے تو اس کا غم نہ کیجے "۔

۱۱۷ ۔ " قناعت کا خزانہ خالی نہیں ہوتا "۔

۱۱۸ ۔ " نمک حرامی آقا کی ؛ غیر سے عرض حاجت ہے " (حضرت صدیقی)

۱۱۹ ۔ " علم کسی سے دبنے والا نہیں ، دماغی کام اعضاء کے کام سے اعلیٰ و ارفع ہے ۔ دماغی کام کو غیر موثر سمجھنا اس کو کچھ اہمیت نہ دینا اپنے غیر اہم ہونے کی علامت ہے ۔ جاہل غافل بولتا چالتا حیوان ہے ۔ عالم عاقل ایک مکمل انسان ہے ۔ وہ جاہلوں کو ایسے ہی مسخر کرلے گا جیسے دیگر حیوانات کو "۔

۱۲۰ ۔ " تم نے پابندی قانون کی پرواہ نہ کی تو قانون نے بھی تمہاری حق رسائی کی پرواہ نہ کی "۔

۱۲۱ ۔ " حرص کے تین حروف ہیں اور تینوں خالی ۔ بے نقط سنتا ہے تو حرص کرو طمع کرو "۔

۱۲۲ ۔ " تقدیر کی زنجیر میں تمہاری دعا کا حلقہ ہوگا تو دعا بھی کرو گے اور قبول بھی ہوگی "۔

۱۲۳ ۔ "روپیہ کے عوض اشرفی دیدی یہ بہترین بدلہ ہے ۔ دنیا میں نہ دیا آخرت میں امید سے زیادہ دیا یہ بھی بہترین قبولیت ہے ۔ دعا تو ہر حال میں قبول ہوتی ہے ۔ اگر نظامِ عالم کے موافق ہے تو اسی عالم میں قبول ہوتی ہے ورنہ آخرت میں ۔

۱۲۴ ۔ "اصل ہر چیز میں جواز ہے جب تک اس کے خلاف ثابت نہ کیا جائے "۔

۱۲۵ ۔ "بدعت وہ ہے جو مقاصد اسلام کے خلاف ہو "۔

۱۲۶ ۔ "یہ میں ہوں ہے مرد کا قول پدر فروشی ذلت ہے " (حضرت صدیق)

۱۲۷ ۔ "بیشک تمہارے باپ دادا بہت اچھے تھے مگر تم کیا ہو ؟ کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتا ۔ اچھے کام کروگے تو تمہارے اچھے ہونے پر دلیل ملے گی ۔ پیغمبر کا بیٹا ہونا کنعان کے کام نہ آیا ۔ اچھا وہ ہے جس کی گواہی لوگ دیں نہ کہ زبانی بھٹکیاں مارنے والا "۔

بندگی باید پیمبر زادگی در کار نیست

۱۲۸ ۔ "زبان ہے تو چھوٹی مگر آفت کا پر کالا ہے "۔

۱۲۹ ۔ "بعدِ امتحان عزت ہے یا ذلت "۔

۱۳۰ ۔ "پریشانی میں ثابت قدمی مردوں کی نشانی ہے "۔

۱۳۱ ۔ "آدم زادے ہم سب پیغمبر زادے ہیں ۔ ایسے فخر سے کیا حاصل جس کا "فا" پڑھا نہ جائے "۔

۱۳۲ ۔ "عاقل سمجھ کر بولتا ہے ۔ غافل بول کر سمجھتا ہے "۔

۱۳۳ ۔ "داخل ہونے سے پہلے نکلنے کا راستہ دیکھ لو "۔

۱۳۴ ۔ "بندہ ہمیشہ سر افگندہ "۔

۱۳۵ ۔ "غافل کی عقل گدی میں "۔

۱۳۶ ۔ "پراگندہ روزی پراگندہ دل "۔

۱۳۷ ۔ "رشوت اگر ستم ہے تو ناحق سفارش کیا کم ہے "۔

۱۳۸ ۔ "شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں "۔

۱۳۹ ۔ "سرحد پر نہ روک آگے بڑھ کر روک "۔

۱۴۰ ۔ "اول خویش بعدہ درویش "۔

۱۴۱ ۔ "القرض مقراض المحبة "۔

۱۴۲ ۔ "تندرستی ہزار نعمت ہے "۔

۱۴۳ ۔ "بند مٹھی لاکھ کی "۔

۱۴۴ ۔ "جہاں جاتے ہو اور جتنا روپیہ پاس ہے اس کو ہمیشہ چھپاؤ "۔

۱۴۵ ۔ "صبر پہلی ساعت کا ہے "۔

۱۴۶ ۔ "جب اصل چیز جاتی رہی تو اس کی فرع بھی جاتی رہتی ہے ۔ جب اصل باقی نہیں رہتا تو اس کے بدل کی طرف رجوع کیا جائیگا "۔

۱۴۷ ۔ " ولایتِ خاص بہ نسبت ولایتِ عام کے قوی تر ہے " ۔

۱۴۸ ۔ " جب تک ممکن ہو کلام مہمل نہ سمجھا جائے گا " ۔

۱۴۹ ۔ " حقیقی معنیٰ درست نہ ہوں تو مجازی معنیٰ لئے جائیں گے ۔ مجاز بھی ممکن نہ ہو تو بے شک وہ کلام مہمل ہے " ۔

۱۵۰ ۔ " غائب کی صفت بیان کرنا معتبر ہے ۔ حاضر و مشار الیہ کے وصف کے ذکر کی ضرورت نہیں " ۔

۱۵۱ ۔ " اعتبار ، مقاصد و معانی کا ہے ، نہ کہ صرف الفاظ و عبارت کا " ۔

۱۵۲ ۔ " ہر شے جس حال پر تھی اسی حال پر رکھی جائے گی ۔ قدیم قدامت پر رہے گا " ۔

۱۵۳ ۔ " ضرر قدیم نہیں مانا جاتا " ۔

۱۵۴ ۔ " صفاتِ عارضہ میں اصل عدم ہے ۔ ایک امر جو کسی زمانے میں ثابت ہو جائے جب تک اس کا خلاف ثابت نہ ہو وہ ثابت ہی سمجھا جائے گا " ۔

۱۵۵ ۔ " نئی چیز زمانہ قریب سے متعلق سمجھی جائے گی " ۔

۱۵۶ ۔ " منصوص کے خلاف اجتہاد کی گنجائش نہیں " ۔

۱۵۷ ۔ " خلافِ قیاس پر قیاس نہیں ہو سکتا " ۔

۱۵۸ ۔ " ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد کو نہیں توڑ سکتا " ۔

۱۵۹ ۔ " مشقت آسانی کو پیدا کرتی ہے ۔ اور صعوبت سہولت کو ۔ اور تنگی وسعت کو " ۔

۱۶۰ ۔ " نہ ضرر پہنچاؤ نہ ضرر اٹھاؤ " ۔

۱۶۱ ۔ " مانع زائل ہو جائے تو ممنوع پھر آجائے گا " ۔

۱۶۲ ۔ " ایک ضرر دوسرے ضرر سے زائل نہیں کیا جا سکتا " ۔

۱۶۳ ۔ " ضرر عام کے لئے ضرر خاص قابل اختیار رہے " ۔

۱۶۴ ۔ " فساد کا دور کرنا منفعت حاصل کرنے سے بہتر ہے " ۔

۱۶۵ ۔ " جب تک ممکن ہو ضرر دور کیا جائے گا " ۔

۱۶۶ ۔ " عام حاجت یا خاص بمنزلہ ضرورت کے ہے " ۔

۱۶۷ ۔ " اپنا ضرر دور کرنے کے لئے دوسرے کو ضرر نہیں دیا جا سکتا " ۔

۱۶۸ ۔ " جس کا لینا ناجائز اس کا دینا ناجائز " ۔

۱۶۹ ۔ " عادت بھی ایک حاکم ہے ۔ جو عادتاً ممتنع ہے وہ حکماً بھی ممتنع ہے " ۔

۱۷۰ ۔ " زمانے اور حالات کے تغیر سے احکام میں بھی تغیر ہوتا ہے " ۔

۱۷۱ ۔ " حقیقی معنیٰ اگر عادت کے خلاف ہو تو قابلِ ترک ہے ۔ عادت کا اعتبار کثرت اور غلبہ پر ہے ۔ غالب کا اعتبار ہے نہ کہ نادر کا " ۔

۱۷۲ ۔ " جو امر کہ عرف میں مشہور ہے وہ بمنزلہ مشروط کے ہے " ۔

۱۶۳۔ "شئے کا تابع شئے کے حکم میں ہے۔ تابع کا حکم علٰحدہ نہیں کیا جاسکتا۔
۱۶۴۔ "ایک چپ لکھ سکھ"۔
۱۶۵۔ "نامرد مرتا روز ہے مردوں کی موت اک بار ہے
ہرگز نہیں مرتا ہے وہ مرنے کو جو تیار ہے
باآبرو ہو زندگی بے آبرو بے کار ہے
گر ہمتِ مردانہ ہو آسان ہر دشوار ہے
۱۶۶۔ "اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے"۔
۱۶۷۔ "نہ دوڑو نہ منہ کے بل گرو"۔
۱۶۸۔ "جلد بازی شیطان سے ہوتی ہے"۔
۱۶۹۔ "دیانت و محبت سے دشمن بھی رام ہوتا ہے"۔
۱۸۰۔ "اللہ دیا ہے تو تم بھی کھاؤ دوسروں کو بھی کھلاؤ"۔
۱۸۱۔ "بہت بولنے والے سے بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں"۔
۱۸۲۔ "کانٹے کے تول لو اور کانٹے کے تول دو"۔
۱۸۳۔ "محبت ہو تو انصاف کی ضرورت نہیں"۔
۱۸۴۔ "کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے"۔
۱۸۵۔ "آخر حق کی فتح ہوتی ہے"۔
۱۸۶۔ "دوست وہ ہے جو وقت پر کام آئے"۔
۱۸۷۔ "رعیت پر مصلحت سے حکومت کی جاتی ہے"۔
۱۸۸۔ "حقیقت پر اطلاع دشوار ہو تو علامت اس کی قائم مقام ہوگی"۔
۱۸۹۔ "کتاب مثل خطاب کے ہے"۔
۱۹۰۔ "جو امر دلیل سے ثابت ہو گویا وہ معائنہ سے ثابت ہے"۔
۱۹۱۔ "جو نفع اٹھائے گا وہ نقصان بھی اٹھائے گا"۔
۱۹۲۔ "مرتکب فعل اگرچہ عمداً نہ ہو ضمان (تاوان) دے گا"۔
۱۹۳۔ "جو شخص کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے طلب کرے محروم رہے گا"۔
۱۹۴۔ "تکلیف مالایطاق درست نہیں"۔
۱۹۵۔ "حدود، شبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں"۔
۱۹۶۔ "وکیل کا کام موکل کا سمجھا جائے گا"۔

۱۹۷ ۔ " جو معاہدات مصلحتِ عامہ یا مکارمِ اخلاق کے خلاف ہیں خلافِ قانون سمجھے جائیں گے " ۔

۱۹۸ ۔ " مصلحتِ عامہ کو مصلحتِ خاصہ پر ترجیح ہے " ۔

۱۹۹ ۔ " رسم و رواج حکمِ قانون رکھتا ہے ۔ رسم کے مقبول ہونے پر متواتر عمل دلالت کرتا ہے " ۔

۲۰۰ ۔ " حکومت کو حق ہے کہ اپنے خلاف سازش سے روکے " ۔

۲۰۱ ۔ " ہر شخص کو حق ہے کہ اپنا مال بحفاظت دوسری جگہ منتقل کرے " ۔

۲۰۲ ۔ " ہر شخص کو حق ہے کہ حکومت نے اگر نقصان کیا ہو تو اس کی تلافی کا مطالبہ کرے " ۔

۲۰۳ ۔ " بہبودیٔ خلائق یا ریاست کا حق اہم ترین حق ہے " ۔

۲۰۴ ۔ " جہلِ قانون کسی عاقل بالغ کے لئے عذر نہیں ہوسکتا " ۔

۲۰۵ ۔ " آفاتِ سماوی و اتفاقی کی ذمہ داری کسی پر عائد نہیں ہوتی " ۔

۲۰۶ ۔ " جس فعل سے کسی شخص کی آزادانہ رضامندی نہیں اس پر اس فعل کی ذمہ داری بھی نہیں " ۔

۲۰۷ ۔ " جس معاہدہ میں غیر ممکن شرط لگائی جائے وہ معاہدہ کالعدم ہے " ۔

۲۰۸ ۔ " استحقاقِ نالش متضرر کی وفات پر ساقط ہوجاتا ہے " ۔

۲۰۹ ۔ " ہر شخص دوسرے کو اسی قدر مجبور کرسکتا ہے جس قدر خود مجبور ہوسکتا ہے " ۔

۲۱۰ ۔ " کوئی شخص اپنی جائداد کو واجبی قیمت پر بھی فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا " ۔

۲۱۱ ۔ " کوتوالی میں ہر شخص مجرم ہے جب تک اس کی براءت نہ ہو " ۔

۲۱۲ ۔ " عدالت میں ہر شخص بے گناہ ہے جب تک اس کا جرم ثابت نہ کیا جائے " ۔

۲۱۳ ۔ " شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا " ۔

۲۱۴ ۔ " گواہ نہ لانے کی صورت میں جس کا نقصان ہے اس کے ذمہ بارِ ثبوت ہے " ۔

۲۱۵ ۔ " سو (۱۰۰) مجرموں کا چھوٹنا بہتر ۔ مگر ایک بے جرم کو سزا دیا جانا بدتر " ۔

۲۱۶ ۔ " پھرا ، پھرا کے دینے سے نہ دینا کچھ برا نہیں " ۔

۲۱۷ ۔ " میں رانی تو رانی ۔ کون بھرے گا پانی " ۔

۲۱۸ ۔ " سرکاری و قومی مال کی چوری تمام قوم کا گنہگار بناتی ہے " ۔

۲۱۹ ۔ " لڑائی کے زمانہ میں قانون نہیں رہتا " ۔

۲۲۰ ۔ " جو تکلف سے کسی قوم کی مشابہت پیدا کرتا ہے وہ انہیں میں کا ہے " ۔

۲۲۱ ۔ " نیت پر عمل کا دارومدار ہے " ۔

۲۲۲ ۔ " دوا کھانے سے زیادہ اہم پرہیز ہے " ۔

۲۲۳ ۔ " چھوٹے گناہ پر اصرار کرنے سے بڑا ہوجاتا ہے " ۔

۲۲۴۔ "گناہ کرکے اس کو جائز سمجھنے سے کفر لازم آتا ہے"۔

۲۲۵۔ ضررِ خفیف سے ضررِ شدید زائل کیا جاسکتا ہے"۔

۲۲۶۔ "کسی کو جائز نہیں کہ بے وجہِ شرعی کسی کا مال لے"۔

۲۲۷۔ "اقرار حجت قاصرہ ہے"۔

۲۲۸۔ "قسم سے انکار اصل دعویٰ کو باطل نہیں کرسکتا"۔

۲۲۹۔ "حجت میں تناقض پیدا ہوجائے یعنی ایک مثبت ہو اور دوسرا منفی تو وہ حجت باقی نہیں رہے گی"۔

۲۳۰۔ "فاعل پر حکم لگایا جاتا ہے نہ کہ آمر پر۔ مگر یہ کہ آمر جبرو زبردستی کرے"۔

۲۳۱۔ "وحشی جانوروں کو پوری طرح گرفتار کرلیا جائے تو اس کا قبضہ سمجھا جائے گا"۔

۲۳۲۔ "کوئی شخص اس حق سے زیادہ منتقل نہیں کرسکتا جو خود اس کو حاصل ہے"۔

۲۳۳۔ "زمانہ میں مقدم کا حکم مقدم"۔

۲۳۴۔ "دیر کرنے سے انصاف میں خلل ہوتا ہے"۔

۲۳۵۔ "کوئی شخص کسی کام کے کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا"۔

۲۳۶۔ "ملک کا فائدہ اسی میں ہے کہ نالشات کم ہوں"۔

۲۳۷۔ "اگر دو شئے میں سے ایک شئے کے انتخاب کا حق ہے تو بعدِ انتخاب قطعی ہوگا"۔

۲۳۸۔ "ناانصافی کی بناء پر یا احتمال پر اپیل کی جاتی ہے"۔

۲۳۹۔ "مقدماتِ دیوانی میں بجانبِ مدعی اور مقدماتِ فوجداری میں بجانبِ ملزم تائید کی جاتی ہے"۔

۲۴۰۔ "آج کل زوردار ہی حقدار ہے۔ اور قوی کا ہر قول قانون ہے۔ اور ہر فعل جائز ہے، اور قوی کی مدافعت بغاوت ہے۔ اور ضعیف کو زندہ رکھنا ہی احسان ہے۔ معاہدات کی تعمیل تلوار سے ہوتی ہے نہ کہ باتوں سے اور کمزور دوستوں کو جزوِ بدن کرلینا چاہئیے"۔

۲۴۱۔ "کوئی شخص خود اپنے مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرسکتا"۔

۲۴۲۔ "دورانِ مقدمہ، مقدمہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی"۔

۲۴۳۔ "محسن، محسن الیہ کو چاہتا ہے، ماں باپ اولاد کو چاہتے ہیں۔ استاد شاگرد کو چاہتا ہے۔ مرشد مرید کو چاہتا ہے۔ پیغمبر امتی کو چاہتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو چاہتا ہے"۔

۲۴۴۔ "دے کر ناخوش ہونے سے بہتر ہے کہ نہ دے کر ناخوش کریں"۔

۲۴۵۔ "بد اخلاق سے سب بھاگتے ہیں"۔

۲۴۶۔ "بد کے ساتھ نیکی، نیک کے ساتھ بدی کے مماثل ہے۔ کیونکہ اس سے بد کو مدد ملتی ہے"۔

۲۴۷۔ "تمہاری بندوق میں جب تک ایک ٹوٹا بھی ہو تم اس کے چلانے میں کوتاہی نہ کرو"۔

۲۴۸۔ "جب حقیقی معنی اور متعارف معنیٰ یعنی محاورے کے معنیٰ میں مخالفت ہو تو متعارف معنیٰ قابل ترجیح ہیں۔ مجازی معنیٰ لینے کے لئے حقیقی معنیٰ مہمل یا دشوار ہونا چاہئیے"۔

۲۴۹ ۔ " ہر ایک سے مل کر ایک ہوجا پانی سے سیکھ لے صفائی
آئینہ کی طرح منہ پہ کہہ دے پیچھے ہرگز نہ کر برائی (حسرت صدیقی)

۲۵۰ ۔ " دو دل یک شود بشکنده کوہ را ۔ گندک اور شورہ جب ملتے ہیں تو بارود بن کر پہاڑوں کو اُڑادیتے ہیں " ۔

۲۵۱ ۔ " اونٹ کا پاؤں باندھ کر توکل کرو " ۔

۲۵۲ ۔ " ہوتی ہے غربت میں ثروت ، پر بڑی ایذا کے بعد ۔
لعل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر " ۔

۲۵۳ ۔ " تم بڑوں کی عزت نہ کرو گے تو تمہارے چھوٹے تمہاری عزت نہ کریں گے " ۔

۲۵۴ ۔ " معین جرم بھی مجرم ہے " ۔

۲۵۵ ۔ " سفر کی شکل اور سقر کی شکل ایک ہے " ۔

۲۵۶ ۔ " عاقل کا ایک نکھپڑا بند ہوتا ہے تو دوسرے نکھپڑے سے سانس لیتا ہے " ۔

۲۵۷ ۔ " گوشت نہ ملے تو شوربا ہی سہی " ۔

۲۵۸ ۔ " گھر میں اندھیرا ہے ، تو گھر کے دروازے پر بجلی کا گولہ روشن ہے ۔ سمجھے ! یہ واعظِ بے عمل کی مثال ہے " ۔

۲۵۹ ۔ " خون ، پانی سے گاڑھا ہے ، یعنی قرابت دار غیروں سے بہتر " ۔

۲۶۰ ۔ " خدا کو نہ ماننے والا بھی موت کو مانتا ہے " ۔

۲۶۱ ۔ " استغنائے ذاتی خاص اللہ کی صفت ہے ۔ ماسوا اللہ اللہ کا محتاج ۔

۲۶۲ ۔ " جوتی کوئی سر پر نہیں رکھتا " ۔

۲۶۳ ۔ " جواہر دار خنجر سے کوئی بھونک نہیں لیتا " ۔

۲۶۴ ۔ " تونگری بہ دل است نہ بہ مال ۔ بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال ۔

۲۶۵ ۔ " جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے " ۔

۲۶۶ ۔ " حق دبے گا نہیں دبائے گا " ۔

۲۶۷ ۔ " بھائی اچھا یا دوست اچھا ۔ بھائی اچھا جب کہ دوست ہو
جب تک سانس ہے تب تک آس ہے " ۔

۲۶۸ ۔ " اچھا کلام جو "قَل و دَل" ہو " ۔

۲۶۹ ۔ " جھوٹی قسم سے آبادی کی بربادی ہے " ۔

۲۷۰ ۔ " درہم کا آخر "ہم" دینار کا آخر "نار" ۔

۲۷۱ ۔ " سانپ بے مارے نہیں مرتا " ۔

۲۷۲ ۔ شیطان نے قیامت کا گتہ لیا ہے ۔ ایسی درازی عمر سے فائدہ کیا ۔ گلاب ایک دن رہتا ہے ، اس سے عطرِ گلاب ، روحِ گلاب ، شربتِ گلاب ، محبوبوں کے گلے کا ہار ، بیماروں کے لئے غنچۂ گل اور گلقند چھوڑ گیا " ۔

۲۷۳ ۔ "گلاب کی کلی چیخ کر اپنی موت کی اطلاع دیتی ہے"۔

۲۷۴ ۔ "بچہ پیدا ہوتا ہے تو روتا ہے کہ آئندہ محنت ہے اور مصیبت ہے"۔

۲۷۵ ۔ "چار دن کی چاندنی، چند سال کی جوانی"۔

۲۷۶ ۔ "سویا سو کھویا، جاگا سو پایا"۔

۲۷۷ ۔ "ہر ایک کی ایک مدت ہے اس وقت تک کسی کی کچھ نہیں چلتی"۔

۲۷۸ ۔ "گھونسہ، تھپڑ ہاتھ ہی کی شکلیں ہیں، مگر ہر ایک کا حکم جدا ہے۔ گھونسہ پسلیاں توڑے گا، تھپڑ کلہ سجائے گا۔ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی"۔

۲۷۹ ۔ "خیال خلاق المعانی ہے"۔

۲۸۰ ۔ "میں ڈوبا تو ساری دنیا ڈوب گئی"۔

۲۸۱ ۔ "ہٹ دھرم کو کوئی قائل نہیں کر سکتا"۔

۲۸۲ ۔ "اے تنگ دلی ترا برا ہو۔ ورنہ میری تھی سب خدائی"۔

۲۸۳ ۔ "برے وقت دوست بھی دشمن ہوجاتے ہیں"۔

۲۸۴ ۔ "دستر خوان پر دوستوں کی کیا کمی"۔

۲۸۵ ۔ "کبھی کبھی ہانڈی ڈوئی کی بھی لڑائی ہوتی ہے، یعنی بعض وقت میاں بیوی میں بھی شکر رنجی ہوجاتی ہے"۔

۲۸۶ ۔ "دوستوں کے گھر میں جھاڑو دے لے مگر دشمنوں کی زنجیر نہ ہلا"۔

۲۸۷ ۔ "کسی کی رہی ہے کہ ہماری رہے گی"۔

۲۸۸ ۔ "دوسرے مانگنے سے ناخوش ہوتے ہیں۔ خدا مانگنے سے خوش ہوتا ہے۔

۲۸۹ ۔ "بڑی تباہی یا بڑی لعنت مشنری ہے۔ دس کا کام ایک کرلیتا ہے اور نو (۹) بے کار ہوجاتے ہیں۔ مشنری کے ذریعہ سے سرمایہ دار بے ہنر لوگوں کا خون چوس لیتے ہیں"۔

۲۹۰ ۔ "ترکِ عادت میں اپنی ÷ مخفی خرقِ عادت ہے"۔

۲۹۱ ۔ "کمانے کے لئے اگر ایک ہنر کی ضرورت ہے۔ تو خرچ کرنے کے لئے دو ہنر کی ضرورت ہے"۔

۲۹۲ ۔ "زکوٰۃ اور ترکہ سرمایہ داری کو توڑتا ہے"۔

۲۹۳ ۔ "اللہ کی لٹھیا میں آواز نہیں"۔

۲۹۴ ۔ "دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است"۔

۲۹۵ ۔ "الخیر فی ماوقع"۔

۲۹۶ ۔ "عقلیات میں الفاظ معنیٰ کے تابع ہیں۔ نقلیات میں معنیٰ الفاظ کے تابع ہیں"۔

۲۹۷ ۔ "احناف کے پاس قرآن کے مطلق کو حدیثِ غیر متواتر تخصیص نہیں کرسکتی دوسروں کے پاس قرآن کی تخصیص حدیث سے بھی ہوسکتی ہے"۔

۲۹۸ ۔ " امر تکرار کا طالب نہیں ۔ نماز وقت سے مطلق ہے ۔ وقت آتا جائے گا تو امر بھی اس کے ساتھ آتا جائے گا "۔

۲۹۹ ۔ " خوان بڑا ، خوانچہ بڑا اس کے اندر آدھا بڑا "۔

۳۰۰ ۔ " جھوٹے کے سامنے سچا رو رو مرے "۔

۳۰۱ ۔ " جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے "۔

۳۰۲ ۔ " بہرا دو وقت ہنستا ہے ۔ پہلے سب کے ساتھ ۔ دوبارہ سمجھ کر "۔

۳۰۳ ۔ " نہ بری بات بولو نہ بری بات سنو "۔

۳۰۴ ۔ " دور کے ڈھول سہانے "۔

۳۰۵ ۔ " اول دیکھو ، پھر کودو "۔

۳۰۶ ۔ " پہلی سواری دشوار ہوتی ہے "۔

۳۰۷ ۔ " گھوڑا چابک سوار کو پہچانتا ہے "۔

۳۰۸ ۔ " ڈھیلے کا جواب پتھر "۔

۳۰۹ ۔ " زور دار پیادہ کو فرزیں بھی نہیں مار سکتا "۔

۳۱۰ ۔ " موتی نکالنا چاہتے ہو تو ، دریا میں غوطہ لگانا پڑے گا "۔

۳۱۱ ۔ " اپنی گلی میں کتا بھی شیر "۔

۳۱۲ ۔ " روپیہ رہتا ہے تو کام نہیں دیتا ، جاتا ہے تو کام دیتا ہے "۔

۳۱۳ ۔ " پانی رحمت ہے ، زیادہ ہوجائے تو طوفان ہے زحمت ہے "۔

۳۱۴ ۔ " روئی ہے تو نرم اور سفید مگر اس کے اندر سختی اور سیاہی ہے "۔

۳۱۵ ۔ " بے دلیل دعویٰ بزدل ہاتھی ہے "۔

۳۱۶ ۔ " جو مر گیا اس کی قیامت تو ہو چکی "۔

۳۱۷ ۔ " سب سے چھپاؤ گے ، خدا سے کیسے چھپاؤ گے "۔

۳۱۸ ۔ " نہ نو من تیل آئے گا نہ رادھا ناچے گی "۔

۳۱۹ ۔ " بڑے گھر کی باندی بھی سلیقہ مند رہتی ہے "۔

۳۲۰ ۔ " فتح مندی کی کونجی صبر "۔

۳۲۱ ۔ " جب موت کا ڈر ہوتا ہے تو بخار پر راضی ہوجاتا ہے "۔

۳۲۲ ۔ " ان کا آنا قیامت کے دامن سے بندھا ہوا ہے "۔

۳۲۳ ۔ " کیا کہنا ہے کہہ دو ورنہ تمہارا پیٹ پھول جائے گا "۔

۳۲۴ ۔ " وہ تو قیامت کے بوریئے ، بدھنے سمیٹ رہے ہیں "۔

۳۲۵ ۔ " جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے "۔

حضرت بحر العلوم مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ

اہلِ دانش و اربابِ بینش کی نظر میں

"آپ کا وجود عالم کے لئے خیر و برکت ہے۔
آپ کا نقصان قوم کا نقصان ہے۔
اسلام میں آپ کو مرکزیت حاصل ہے۔
آپ کی بزرگی مسلم ہے۔
آپ میرے جد کی جگہ ہیں۔ آپ اپنے نواسوں میں شریک فرمالیں تو میرے لئے موجبِ سعادت ہے"۔

حضرت پیر نجم الدین گیلانی
فرزندِ نقیب الاشراف بارگاہِ غوث الاعظم

★ مولوی نصیر الدین ہاشمی تحریر کرتے ہیں۔

محی الدولہ کے پوتے شاہ فضل اللہ کو آصفجاہ رابع نے عدالت العالیہ کا پہلا میر مجلس بنایا تھا۔ شاہ فضل اللہ کے فرزند شاہ عبدالقادر بھی قضایائے عروب کے پہلے ناظم تھے۔ ان ہی شاہ عبدالقادر کے فرزند مولانا عبدالقدیر صدیقی ہیں۔ مولانا کی پیدائش حیدرآباد میں ۲۷ / رجب ۱۲۸۸ھ میں ہوئی۔

۔ مدرسِ عربی کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز ہوا اور جامعہ عثمانیہ کے صدرِ شعبہ دینیات کی حیثیت سے وظیفہ حُسن خدمت حاصل فرمایا "۔

آپ کی اعلیٰ قابلیت اور انتظامی صلاحیت کے باعث مدرسہ دار العلوم کی اصلاحی کمیٹیوں میں آپ کو شریک کیا جاتا رہا۔ چنانچہ مولانا شبلی کی صدارت میں نصاب اور اصلاحِ تعلیم کیلئے جو کمیٹی حکومت نے مقرر کی تھی اس میں خصوصیت سے آپ کو شریک کیا گیا تھا۔

(ماخوذ از ماہنامہ القدیر ۱۳۸۱ھ)

★ مولوی حافظ محمد مظہر صاحب نائبِ صدر حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرس لکھتے ہیں۔

" آپ کی ذہانت اور محنت کے خود اساتذہ معترف تھے۔ ادب، معقول و منقول میں آپ کا پایہ علم بڑا ہی بلند و بالا ہے۔ علم کو علم کے لحاظ سے حاصل کیا۔ علم ہی کی خدمت میں اپنی عمر گزار دی۔ ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام کے جید اور ہمہ دان علماء میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کی ذاتِ عالی علمائے حیدرآباد کے لئے قابلِ نازش ہے۔ اور موجودہ حلقہ علماء آپ کی بزرگی و تبحر کا معترف ہے۔ اور آپ سے مستفید ہوتا رہتا ہے "۔

(اقتباس از " دار العلوم کے سپوت " سلسلہ مطبوعاتِ ادارہ ادبیات اردو)

★ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ لکھتے ہیں۔

" حضرت مولانا عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ ان بزرگانِ ملت میں سے تھے جو صدیوں بعد ہی کسی ملک میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کوئی پیشہ ور صوفی نہ تھے اور نہ موجودہ عہد کے بعض نام نہاد صوفیوں کی طرح کسبِ معیشت و ثروت کی خاطر تصوف و عرفان کی طرف مائل ہوئے تھے۔ وہ اصل میں ایک جیّد عالم بلکہ بحر العلوم اور علومِ دینیات کے استاذ الاساتذہ تھے۔ لیکن دنیا دار عالموں اور فاضلوں کی طرح اپنے علم و فضل سے حصولِ دولت و جاہ اور نمود و نمائش کا کام نہیں لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوق اپنی طرح طرح کی حاجتوں اور تکلیفوں کا مداوا ان سے پاتی رہتی اور ان کے فیضانِ علمی و روحانی سے شاد کام و بامراد واپس جاتی تھی "۔

" ان کے علم و یقین کا اعتراف اور تصنیفات و تالیفات کا کام اُس وقت شروع ہو چکا تھا جب کہ میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی ایک کتاب " داستانِ ادبِ حیدرآباد " میں ان کا ذکر ایک ایسے دور کے ادیبوں میں کیا تھا، جس کا کوئی ادیب و شاعر اس وقت زندہ نہیں تھا۔ اس وقت پہلے پہل مجھے شبہ تھا کہ یہ وہی عبدالقدیر ہیں یا کوئی دوسرے، اور جب یقین ہو گیا کہ یہ وہی ہیں تو اردو کے دو پرانے اربابِ قلم شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری اور ملّا وجہی کی عمر اور تالیفات کے طویل دور کے بارے میں میرا شبہ دور ہو گیا "۔

"ایک بار دیکھا کہ مولانا اپنے قدیم مکان واقع محلہ رکاب گنج کے صحن میں بنوٹ کے کرتب دکھا رہے ہیں اور شہر کے بڑے بڑے پہلوان اور ماہرِ فن دادِ تحسین و آفرین دے رہے ہیں ۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کا سن شریف ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکا تھا ۔ مگر چال کی پھرتی اور داؤ پیچ کی چالاکی سے بالکل نوجوان معلوم ہوتے تھے "۔

"مولانا استاذ الاساتذہ ہونے کے باوجود کم عمر اور کم سواد بچوں کی تعلیم کو اپنے لئے کسرِ شان یا تضیع اوقات نہیں سمجھتے تھے ۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مصروف تھا ۔

"سالگرہ کے موقع پر چند سالوں سے میں التزام کے ساتھ شریک رہتا تھا ۔ ایسی دھوم دھام اور تزک و احتشام کی تقریب شاید ہی بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی کہیں نصیب ہو ۔ مولانا کے جملہ مرید اور معتقد پھولوں کے ہار پیش کرتے اور اُن کا ایک انبار جمع ہو جاتا تھا اور مولانا اپنے خاص خاص احباب اور معتقدین کو اپنے دستِ مبارک سے یہ ہار تقسیم فرماتے ۔ یہ اعزاز مجھے اور سید تقی الدین (فرزند) کو بھی بارہا حاصل ہو چکا ہے "۔ (ماخوذ از ماہنامہ القدیر ۱۳۸۱ھ)

★ مولانا حسن نظامی دہلوی نے اپنے قیام حیدرآباد کے زمانے میں حضرت کا تذکرہ آنے پر فرمایا ۔

"کیا مولوی ۔ مولوی ؛ وہ تو مولوی گر ہیں ان کے پاس تو مولوی ڈھل ڈھل کر نکلتے ہیں "۔

قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ نے اپنی تقریر میں حضرت کے تعلق سے کہا ۔

"یہ وہ آدمی ہے جن کے بعد اگر تم روتے روتے موسیٰ ندی بھی بہا ڈالو تو ایسا آدمی پیدا نہیں ہو سکتا "۔

★ مولوی عبدالواحد اویسی صدرِ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین نے کہا ۔

"میں اپنی زندگی میں جس شمع سے اکتسابِ نور کرتا رہا ہوں وہ شمع مولانا عبدالقدیر صدیقی حسرت تھی جو آج بجھ گئی ۔ لیکن جس نور نے میرے دل و دماغ کو جِلا دی ہے وہ بہر حال مولانا مرحوم ہی کا عطیہ ہے ۔ اور اس اعتبار سے مولانا اپنی طبعی موت کے باوجود میرے لئے زندہ جاوید ہیں "۔

★ حضرت پیر نجم الدین گیلانی فرزندِ نقیب الاشراف بارگاہِ حضرت غوث الاعظمؒ نے حضرت کی سالگرہ کے جشن میں ہزاروں کے مجمع میں حضرت کو مخاطب کر کے فرمایا ۔

"آپ کا وجود عالم کے لئے خیر و برکت ہے آپ کا نقصان قوم کا نقصان ہے ۔ ایسی سینکڑوں سالگرہ منانا نصیب ہو ۔ اسلام میں آپ کو مرکزیت حاصل ہے "۔

★ مولانا سید شاہ لیاقت حسین قادری ریڈر عربی جامعہ عثمانیہ لکھتے ہیں ۔

"حضرت کی فہم ، فہمِ نبوی کے تابع تھی ۔ اور عقل عقلِ رسالت سے استفادہ کرتی تھی ۔ چنانچہ ہر قول و فعل میں آپ ہمیشہ دامنِ رسالت میں پناہ لیتے تھے ۔ کلام مطابقِ حدیثِ نبوی ہوتا جو عینِ منشاء قرآن ہوتا ہے "۔

"آپ کے پاس آنے والا لذتِ حال و مسرتِ حضوری محسوس کرتا تھا ۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والا خدائے بزرگ و برتر کی معیت و قربت کی نعمت سے سرفراز ہوتا تھا "۔

"حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اہل اللہ کون ہیں ؟ ارشاد فرمایا ۔ جس کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آجائے "۔

ہزاروں گواہی دیں گے کہ آپ کی صورت دیکھنے سے اللہ یاد آتا تھا۔ آپ کا قال بھی اللہ تھا۔ آپ کا حال بھی اللہ ہی اللہ تھا"۔

(ماخوذ از ماہنامہ القدیر ۱۳۸۱)

★ حافظ مولانا حامد صدیقی لکھتے ہیں۔

" بحر العلوم" ، امامِ وقت ، مجتہدِ ملت ، عارفِ ربانی و واصلِ یزدانی صاحبِ استغراق و فنائیت حضرت مولانا الحاج شاہ محمد عبدالقدیر صدیقی القادری حسرتؔ کس مرتبہ کے بزرگ اور کس پائے کے ولی ہیں یہ تو کوئی عارف یا ولی ہی بتلا سکتا ہے اپنے کو تو اس کوچہ کی ہوا بھی نہیں لگی ۔

" اپنی اس زندگی میں اللہ والے متعدد دیکھے ہیں مگر ارشاد و مسند نشینی کا حقدار اپنے تجربہ میں جیسا حضرت مولانا حسرتؔ کو پایا کسی اور کو نہ پایا ۔ ع

عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں

یوں تو اِس اطراف میں بہت سے بزرگ صورت ، درویش نما عالم ، خرقہ پوش و عمامہ بند نظر سے گزرے ہیں مگر اپنی نظر میں کوئی جچا ہی نہیں ۔ بمصداق

ایک صورت ہے لاکھوں ہزاروں میں

" ہندوستان کے ایک بہت بڑے مایہ ناز علامہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے خود مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ " ہمارے حضرت قبلہ حیدرآباد کے سب سے بڑے صوفی اور ربطِ خاص رکھنے والے بزرگ ہیں ۔ مولانا نے فرمایا " بھئی اس زمانے میں حیدرآباد ہی نہیں بلکہ دور دور ایسا آدمی جس سے راز و نیاز کی بات معلوم ہوسکے ہمارے حضرت قبلہ کے سوا کوئی اور نظر نہیں آیا " ۔ (ماخوذ از ماہنامہ القدیر)

★ شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری معتمد صدر مجلس علمائے دکن لکھتے ہیں ۔

" حق یہ ہے کہ بحر العلوم ، تاج العلماء ، سیدی و سندی و استاذی اخی محترم حضرت مولانا الحاج شاہ محمد عبدالقدیر صدیقی القادری کا وجود باجود آیۃ من آیات اللّٰہ و رحمۃ اللّٰہ کا نمونہ ہے ۔ حضرت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار چھوٹا منہ بڑی بات ہے ۔ حضرت ممدوح ادام اللہ فیوضہ کیا ہیں اور کس مرتبہ پر فائز ہیں اس کو ہر شخص اپنے حسبِ استعداد سمجھنے کی کوشش کرتا ہے ۔

قرن ہا باید کہ یک صاحب دلے پیدا شود

اس فقیر کو ۱۳۳۰ ھ نبوی سے ۱۳۸۱ ھ تک تقریباً پچاس سال حضرتِ اقدس کی صحبتِ بابرکت کا شرف حاصل رہا ہے ۔ ہم عصر علمائے کرام حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب حاضر ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی دریائے علم کے یہ ابتدائی شناور ہیں جو دریا کے کنارے کھیل رہے ہیں " ۔ (ماخوذ از ماہنامہ القدیر)

جناب محمد فاروق صاحب سابق ناظم بلدیہ لکھتے ہیں ۔

" حضرت قبلہ کے پاس ان کے وصال سے تین دن پہلے جمعہ کی صبح حاضر ہوا تھا ۔ بحمداللہ دست بوسی کا موقع ملا اور سلام بھی قبول ہوا ۔ سب سے بڑھ کر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت قبلہ نے اپنے اندازِ خاص میں مجھ کو نگاہِ کرم سے دیکھ لیا ۔ یہ نگاہ کرم !

" قربان نگاہ تو شوم باز نگاہ ہے " کی مصداق ہے " آخر میں حضرت قبلہ کے شاگرد، ہمدمی اور رفیق سفر مولانا الیاس برنی کے چند الفاظ کا اعادہ کرتا ہوں۔

" جب ہم دمشق پہنچے تو بہت سوں نے ہم سے کہا کہ علامہ بدرالدین سے ضرور ملیں جو استے بڑے ذی اثر پیر اور عالم تھے کہ فرانسیسی گورنر تک ان سے ملاقات کے لئے جایا کرتا تھا۔ دل میں خطرہ آیا پہلے وہ ملے تو ہم ملیں گے۔ روانگی سے دو روز پہلے ہم کہیں جارہے تھے۔ اچانک راستہ میں علامہ بدر الدین سے ملاقات ہوگئی۔ بغلگیر ہوگئے۔ ہمارے معلم نے ہماری شرط بیان کی تو آبدیدہ ہوگئے اور ملاقات پر شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد ہم جاکر حضرت سے ملے اور اپنے رفیقِ خاص علامہ عبدالقدیر صدیقی صاحب کو بھی ملایا۔ حضرت (بدرالدین) ان کی (حضرت عبدالقدیر کی) علمیت سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ باہر چل کر اپنے مریدوں میں اعلان کردیا کہ دمشق میں علم کا آفتاب طلوع ہوا ہے۔ اپنی تصنیف و تالیف کے متعلق مشورے کرلو۔ ورنہ ناقدری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اچھے بندوں کو دمشق نہیں بھیجے گا "۔

(ماخوذ از ماہنامہ القدیر ۱۳۸۱)

★ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی لکھتے ہیں۔

" اللہ اللہ کیسی نیک ساعت تھی کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں داخلہ ملا اور دل کی تمنا بر آئی۔ جب تعلیم کے باضابطہ اوقات سے فرصت ملتی تو آل سینٹس چرچ کے قریب کی منزل میں جو اس وقت دینیات منزل کے نام سے موسوم تھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتِ مبارک میں حاضری ہوتی۔ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب جمع ہوتے۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی سے خاص ربط تھا۔ پھر حضرت الیاس برنی صاحب کی صحبتِ بابرکت کی اجازت ملی۔ دونوں کو حضرت علامہ عبدالقدیر صدیقی سے نسبتِ خاص تھی۔ مولانا حسرت شعبہ کے صدر بھی تھے۔ وہ دونوں حضرات (مولانا مناظر و مولانا الیاس) حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے فیضانِ علم و معرفت کے لئے رجوع کرتے۔ اس لئے بھی کثرت سے اِس بحرالعلوم کے کنارہ پر سیر کا موقع نصیب ہوتا۔ یخرج منهما اللؤلو والمرجان کا ایک عالم پیش نظر ہوتا "۔

" تقابلی نسبت اور تناسب کا احساس نہایت اہم شرطِ کمال ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک مجتہد محدث تھے۔ آپ کو روایت کے علاوہ دِرایت پر بھی کافی عبور تھا۔ آپ کی کتاب " معیار الکلام " اصولِ علم کا ایک آئینہ ہے۔ مولانا عبدالباری صاحب ندوی علمائے کرام کی جماعت میں فلسفۂ جدیدہ کے خاص ماہر پروفیسر اور مترجم تھے۔ تجدیدِ تصوف، مسلوک کے مؤلف کی حیثیت سے بھی اہلِ نسبت کے حلقہ میں مشہور و معروف ہیں۔ وہ نہایت نکتہ سنج و نکتہ چیں نقاد بھی ہیں۔ ایک بار فرمایا کہ " میں نے علماء کی جماعت میں غیر معمولی جامعیت کے چند اصحاب دیکھے ہیں۔ ان میں حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب اور حضرت مولانا عبدالقدیر صدیقی صاحب ہیں۔ فلسفہ و تصوف کے علمی مسائل پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں خاص گفتگو رہتی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات میں پچھلے اکابرِ علم اور علمائے ربانیین کے فیضِ علوم کا جوہرِ جامع جمع ہوگیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے " میں شیخ ابن عربی، حضرت جیلی اور شاہ ولی اللہ کا شاگرد ہوں " اس خصوصیت پر " حکمتِ اسلامیہ " اور ترجمہ و شرح فصوص الحکم، کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ ظاہری اختلاف میں توفیق و تطبیق کا ملکہ راسخ العلم ہونے کی بڑی نشانی ہے۔ حضرت قرآن و حدیث اور خود فقہ میں

مختلف مجتہدانہ قیاسات میں توفیق و تطبیق کی شکلیں سمجھاتے جس سے ارشادِ نبوی کی تصدیق ہوتی کہ امت کا اختلاف رحمت ہے ۔ اسی طرح حکمت و تصوف میں اصطلاحات کا اختلاف پایا جاتا ہے ۔ کہیں ایک ہی اصطلاح کے مختلف مفاہیم و مرادہیں ان کو نہ سمجھنے سے بڑے پیچ پڑتے ہیں ۔ حضرت کی تشریح اور توجیہہ سے کئی پیچ حل ہوجاتے ۔ اس علمی کمال کے باوجود دوسرے صاحبِ علم یا عمر کے بزرگوں کی بڑی تعظیم فرماتے تھے ۔ علم کی وسعت کے ساتھ ساتھ ظرف کی وسعت اور نظر کی گہرائی پائی جاتی تھی ۔ کسی ایک مسلکِ فقہی اور مشرب میں حق کو مقید اور محدود نہیں سمجھتے تھے ۔ کسی نیکی یا عبادت کے ترک کرنے کے مقابل کسی امام یا مجتہدانہ قیاس پر عمل کو مباح سمجھتے تھے ۔ اتفاقِ امت اور اتحادِ ملت کی اہمیت کو ترجیح دیتے تھے ۔ باہمی فضیلت کی نسبتوں کو نظرانداز نہ فرماتے ۔ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات و خدمات کے نازک موضوع پر ایک تحریری لکچر دیا ۔ صحابی ہونے کے لحاظ سے اور تدبر اور انتظامی صلاحیتوں کے لحاظ سے امیر معاویہؓ کی خصوصیات پر تنقید روایات کے ساتھ روشنی ڈالی ۔ لیکن بڑے مدلل طریق سے واضح فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے مقابل میں معرفتِ تقویٰ اور وحدتِ امت کا ولولہ اور حقِ خلافت کا مرتبہ کس قدر بلند تھا ۔ سارے اہلِ فکر سامعین نے عالمانہ توازن اور علمی طرزِ بیان کی داد دی "۔

۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم محقق جب کبھی ملتے ، حضرت کی روحانی عظمت کے قائل ہوتے ۔ مشہور ماہرِ لسانیات پروفیسر بسنت کمار مکرجی صدر قانون ساز کونسل بنگال ، محترم جناب خواجہ محمد احمد صاحب سابق ناظم آثارِ قدیمہ کے ساتھ حضرت سے ملاقات و تبادلہ خیالات سے مشرف ہوئے ۔ یہاں سے جاکر حضرت کی روحانی عظمت کے اعتراف میں ایک پُراثر خط خواجہ صاحب کو لکھا ۔ جسے میں نے بھی پڑھا ۔ آخری جو گفتگو حضرت نے فرمائی وہ حقیقتِ محمدی کے ایک خاص پہلو پر تھی ۔ اُس کی بصیرت افروزی کا بیان ممکن نہیں "۔

(ماخوذ از ماہنامہ القدیر ۱۳۸۴ ھ)

★ پروفیسر الیاس برنی صدرِ شعبہ معاشیات و سابق مسجل عثمانیہ یونیورسٹی نے حضرت کا سراپا اس طرح کھینچا ہے ۔

۔ رنگ گندمی ، نقشہ بھاری ، کشادہ پیشانی ، آنکھیں بڑی ، خوب نورانی ، میانہ قد ، جسم دیوڑھا ، ورزشی سڈول ، سینہ چوڑا ، کلائی گول ۔ قوت میں اچھے اچھے لوہا مانیں ۔ پنجہ لڑاؤ ، پنجہ فولاد ۔ کشتی لڑو تو بڑے استاد ۔ فنِ بنوٹ میں ماہر ، لٹھ ، چھڑی ، خنجر ، تلوار سب ہتھیاروں میں ہوشیار ۔ بخوشی سکھانے تیار ۔ پانی کے تیراک ۔ گھوڑے کے سوار ، بندوق کے نشانہ باز ۔ غرض کہ پکے مجاہد ۔ محبت شفقت دیکھ کر بوڑھے جوان سب دوست بن جائیں ، حسبِ حیثیت فیض پائیں ۔ عمر دیکھو تو بڑھاپا صحت دیکھو تو جوانی ، طبیعت دیکھو تو بچپن ۔ دل دیکھو تو سب کچھ پھر کچھ نہیں ۔ ہر رنگ میں بے رنگ ۔ تاہم بڑھاپا زور چلاتا ہے ۔ تو یورک ایسڈ بڑھ جاتا ہے ۔ کمر میں گھٹنوں میں درد ہوجاتا ہے ۔ پھر رفع ہوجاتا ہے ۔ یورک ایسڈ توانا تندرست کو بھی ستاتا ہے "۔

۔ حضرت کو شاعری کا فطری ذوق ہے ۔ پھر موسیقی کی بھی لطیف چاشنی سونے پر سہاگہ ۔ حسرت تخلص ہے ۔ عربی ، فارسی ، اردو ، ہندی ، چاروں زبانوں میں شاعری چلتی ہے اور ہر زبان کا وہ رنگ کہ اہلِ زبان داد دیں ۔ خاص کر عرب ممالک میں جو اہلِ ذوق حضرات آپ کا عربی کلام سنتے سر دُھنتے تھے ۔ اردو کلام دیکھئے سادگی اور سلاست میں فصاحت و بلاغت گھول رہی ہے ۔ کلام ایسا بااثر پُرکیف کہ سنتے ہی دل میں اتر جائے ۔ زبان پر چڑھ جائے ۔ جو کلام شائع ہوچکا ہے اپنے کمال کا خود شاہد ہے ۔ نثر میں بھی عربی کی

وہی کیفیت ہے ۔ اہلِ زبان کی ادبیت ہے ۔ اردو زبان کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ معنیٰ کی رفعت و لطافت اور عبارت کی شگفتگی و سلاست یہ خوبیاں نثر میں کس طرح جمع ہوتی ہیں "۔

" حضرت حافظ تو نہیں کہ پورا قرآن کریم زبانی یاد ہو ۔ البتہ مقامات بہت سے یاد ہیں ۔ لیکن قاری ضرور ہیں ۔ اور بہت پختہ قاری ہیں ۔ فنِ قراءت پر علمی اور عملی لحاظ سے خوب عبور ہے ۔ طالبین کو اس فن میں تعلیم دیتے ہیں سند دیتے ہیں ۔ خاص کر رمضان شریف میں قراءت کا خوب شغل رہتا ہے ۔ جو طالبِ فن ہیں استفادہ کرتے ہیں ۔ رہے دینی علوم ، قرآن ، حدیث ، تفسیر ، کلام ، فقہ ان میں حضرت کا جو درجہ ہے کیا کہنے ، چھوٹا منہ بڑی بات ہے "۔

(ماخوذ از صراط الحمید حصہ اول الیاس برنی)

★ جناب سید محمد صاحب ریڈر اردو عثمانیہ یونیورسٹی لکھتے ہیں ۔

" آپ کا دستِ مبارک وہ ہاتھ تھا جس کی گرفت سے طاقتور پہلوان کو بھی ہاتھ چھڑانے میں بڑی دقت محسوس ہوتی تھی ۔ اور ہاتھ ملاتے ہی وہ آپ کی قوت و کمالِ فن کا قائل ہوجاتا تھا ۔ یہی دستِ مبارک وہ ہاتھ بھی تھا جس پر سینکڑوں نہیں ہزاروں نے بیعت کر کے راہِ ہدایت پائی ۔ یہی ہاتھ وہ ہاتھ بھی تھا جو ہزاروں دکھیاروں کے سروں پر دستِ شفقت بن کر پھرا اور ان کے دکھوں اور دردوں کے دور کرنے کا باعث ہوا "۔

(ماخوذ از ماہنامہ القدیر ۱۳۸۱)

★ پروفیسر الحاج قاری کلیم اللہ حسینی سابق صدر شعبہ فارسی عثمانیہ یونیورسٹی لکھتے ہیں ۔

" اس قحط الرجال کے زمانہ میں ایسی جامع الکمالات اور مجمع الصفات ہستی عدیم النظیر تھی "۔

(ماخوذ از ماہنامہ القدیر)

★ جناب سید احمد حسین امجد لکھتے ہیں ۔

" للہ الحمد ! حضرت حسرت ممالک اسلامیہ و ہند کی ان مغتنم ہستیوں میں ہیں جن کو علم و عمل کا جامع کہا جاسکتا ہے ۔ ایسے باعلم و عمل عارف شاعر کے کلام میں کس کو کلام ہوسکتا ہے ؟ غور سے پڑھنے والے کے لئے ہر غزل میں ایک خاص کیفیت اور ہر شعر میں ایک خاص لذت ہے "۔ (ماخوذ از کلیاتِ حسرت)

★ ڈاکٹر یوسف الدین صدرِ شعبہ مذہب و ثقافت عثمانیہ یونیورسٹی نے یونیورسٹی کے جلسہ تعزیت میں جو تقریر فرمائی تھی ۔ اس کے چند اقتباسات پیش ہیں ۔

" علامہ عبدالقدیر صدیقی کا شمار پاکستان اور ہندوستان کے چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے ۔ وہ ایک عالم ہی نہیں بلکہ وہ ایک بہت بڑے شاعر اور صوفی بھی تھے ۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے ۔ ان کے معتقدین ہزاروں کی تعداد میں ہیں ۔ جن میں ہندو بھی ہیں ، مسلمان بھی ، سکھ بھی ہیں ، پارسی و عیسائی بھی "۔

" اسلامیات میں ان کی حیثیت ایک امام کی تھی ۔ انہوں نے چھوٹی بڑی پچاس کتابیں لکھیں ۔ تفسیر میں انہوں نے ایک عام

فہم تفسیر لکھی ہے جو چھپ چکی ہے ۔ حدیث میں انھوں نے عربی میں " الدین " نام کی کتاب تالیف کی ۔ ایک جرمن مستشرق نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے ۔ انھوں نے کوئی نئی بات تو نہ کہی لیکن پھر بھی سب کچھ لکھ دیا ہے ۔ یہ خوبیوں کا ایک انمول مجموعہ ہے ۔

اسلامی فلسفہ اور تصوف میں ان کا پایہ بہت بلند تھا ۔ انھوں نے " حکمتِ اسلامیہ " نامی ایک اچھوتی کتاب لکھی ہے اور محی الدین ابن عربی کی کتاب " فصوص الحکم " کا اردو ترجمہ اور شرح لکھی اور آج تک اس معیار کی شرح نہیں دیکھی گئی ۔

" پچپن (۵۵) سال کے بعد مسلسل دس سال تک وہ عثمانیہ یونیورسٹی میں تعلیم دیتے رہے ۔ اور عثمانیہ یونیورسٹی کی ہر جہتی ترقی سے دلچسپی لیتے رہے اور پینسٹھ سال کی عمر میں وظیفۂ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے لیکن پینسٹھ سال سے چورانوے (۹۴) سال تک گھر پر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور وہ پیدائشی معلم تھے ۔ وہ میرے استاد تھے ۔ میرے والدِ مرحوم کے بھی استاد تھے اور میرے دادا مرحوم کے چھوٹے بھائی کے ہم درس تھے " ۔

" مرنے سے چند روز قبل خود مولانا نے یاد فرمایا ۔ ایک دن سرِ شام گیا ۔ اتفاق سے مولانا کا صبح میں آپریشن ہوا تھا ۔ مریدوں نے روکا لیکن مولانا نے فوراً پاس بلالیا ۔ پھر کرسی سے اٹھ کر اپنے پلنگ پر بیٹھنے کے لئے کہا اور مریدوں سے مخاطب ہوکر کہا " تم اسے روکتے ہو ۔ یوسف میرا شاگرد ہے ۔ اس کا والد قادر مرتضیٰ حسین مرحوم میرا شاگرد تھا ۔ اس کا دادا بھی میرا ہم درس تھا ۔ اس کے بہت سے رشتہ دار بھی میرے شاگرد ہیں ۔ آج یوسف کالج میں میری کرسی پر بیٹھا ہے " ۔ اور میں اپنی بے بضاعتی پر زمین میں گڑا جارہا ہوں ۔ پھر مولانا مرحوم نے میرے تحقیقاتی کام سے متعلق دریافت فرمایا ۔ میں نے کہا " آج کل میں عبدالرزاق ابن ھمام الصنعانی الیمانی (۱۲۶ تا ۲۱۱ ھ) کی تفسیر اور حدیث کی کتاب ، مصنف عبدالرزاق کو ایڈیٹ کررہا ہوں ۔ مولانا نے کہا " عبدالرزاق تو بڑے پائے کے امام تھے ۔ وہ امام احمد حنبل کے استاد اور امام بخاری کے دادا استاد تھے ۔ مجھے بہت خوشی ہوئی ۔ پھر کہا " تمہارے دوست محمد تاج الدین ایم ۔ اے لکچرار انگریزی بھی امریکہ جانے کے دن میرے پاس آئے تھے ۔ اور میرے مرید بھی ہوئے تھے ۔ تم انھیں لکھ دو کہ میں ان کے لئے دعاگو ہوں اور یہ بھی لکھو کہ وہاں امریکہ میں کوئی اسلام سے متعلق سوال کرے تو خوش اسلوبی سے اس کو اسلام کے متعلق معلومات بہم پہونچاؤ ۔ ذوق شوق سے علم حاصل کرو ۔ دیکھو ! میں اب اس عمر میں ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ انگریزی سیکھ رہا ہوں ۔ تم بھی اعلیٰ درجہ کی انگریزی سیکھو " ۔

اطلبوا العلم من المھد الی اللحد (پیدائش سے لے کر مرجانے تک علم حاصل کرو) پر انھوں نے عمل کیا ۔ غرض شعبہ دینیات کی کرسیِ صدارت ہی نہیں بلکہ عثمانیہ یونیورسٹی بھی اُن کی ذات سے زینت پارہی ہے ۔ وہ بہت بڑے صاحبِ عرفان بھی تھے " ۔

★ ڈاکٹر عبدالحفیظ قتیل ریڈر اردو عثمانیہ یونیورسٹی لکھتے ہیں ۔

" کوہ بے ستون کو تراش کر جوئے شیر لانا بہت آسان ہے مگر ایک جاہل کو پڑھا کر عالم بنا دینا اور فاسق کو تربیت دے کر منصبِ ارشاد تک پہنچا دینا مشکل ہے ۔ ختمِ نبوت کے بعد نبوت کا کام ایسے ہی نفوسِ زکیہ انجام دیتے ہیں جن کا خون پسینہ ایک ہوکر دین کے چراغ کا تیل بنتا ہے ۔ یہی لوگ کانبیاء بنی اسرائیل ہوتے ہیں ۔ وہ اپنے زمانے میں جانشینِ رسولؐ ہوتے ہیں ۔ ان کی شخصیت خلقہ القران کا نقشِ قدم ہوتی ہے ۔ ان کا فیضِ صحبت بڑی بات ہے ۔ ان کی صورت دیکھنے سے ایمان آتا ہے ۔ سرکارؒ (حضرت عبدالقدیر) ایسے ہی جانشینِ رسول تھے " ۔

★ ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب پروفیسر انگریزی عثمانیہ یونیورسٹی و مفسر قرآن (بزبان انگریزی) لکھتے ہیں ۔

" چالیس سال سے بھی زیادہ عرصہ ہوا کہ میری پہلی ملاقات مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تھی ۔ اور وہ بھی کلیہ جامعہ عثمانیہ میں ان کے شریکِ کار کی حیثیت سے ۔ وہ زمانہ میرے عنفوانِ شباب کا تھا ۔ موقع اس ملاقات کا اس طرح پیدا ہوا تھا کہ اس وقت جامعہ کے شعبہ دینیات کے طلبہ کے مطالعہ کے لئے " مسٹر تھامس آرنلڈ " کی کتاب " پریچنگ آف اسلام " شریکِ نصاب کی گئی تھی ۔ اور میں اس کی تدریس پر مامور تھا ۔ اسی کتاب کے بعض نکات کی توضیح کے لئے مجھے مولانا سے تبادلہ خیال کرنا پڑا ۔ اور مولانا کے متکلمانہ انداز سے میری دلچسپی کی یہ ابتداء تھی " ۔

میرے والد کا انتقال ۱۹۲۵ء کے اواخر میں ہوا ۔ مولانا سے آخری ملاقات میں انھوں نے فرمایا تھا کہ " مولانا میں جسدِ خاکی چھوڑ رہا ہوں لیکن خوش ہوں کہ میرے بچے یعنی خود مجھے اچھی صحبت میں چھوڑ رہا ہوں ۔ مجھے مولانا کی یہ صحبت چالیس سال سے زیادہ حاصل رہی ۔ جو لوگ ہم دونوں کے باہمی تعلقات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہم میں محبت و خلوص کا رشتہ کس قدر مستحکم تھا ۔ میری ملاقات مولانا سے صرف اس وقت ہوا کرتی جب کہ خود مجھے علوم اسلامیہ کے کسی مسئلہ کے متعلق ان سے تبادلہ خیال کرنا ہوتا ، یا کسی ذریعہ سے مجھے یہ اطلاع مل جاتی کہ مولانا کسی وجہ سے کبیدہ خاطر ہیں اور مجھے یہ کہہ کر لے چلتے کہ شاید آپ کے چلے آنے سے حضرت کے دل میں بشاشت آجائے " ۔

" آہ یہ خیال کہ وہ ہمیں چھوڑ گئے ایک ابتلائے عظیم ہے

بریز ، اے ہجر خونم ، چند سوزی جانِ من بے اُو

مرا صد بار مردن بہ کہ یکدم زیستن بے اُو

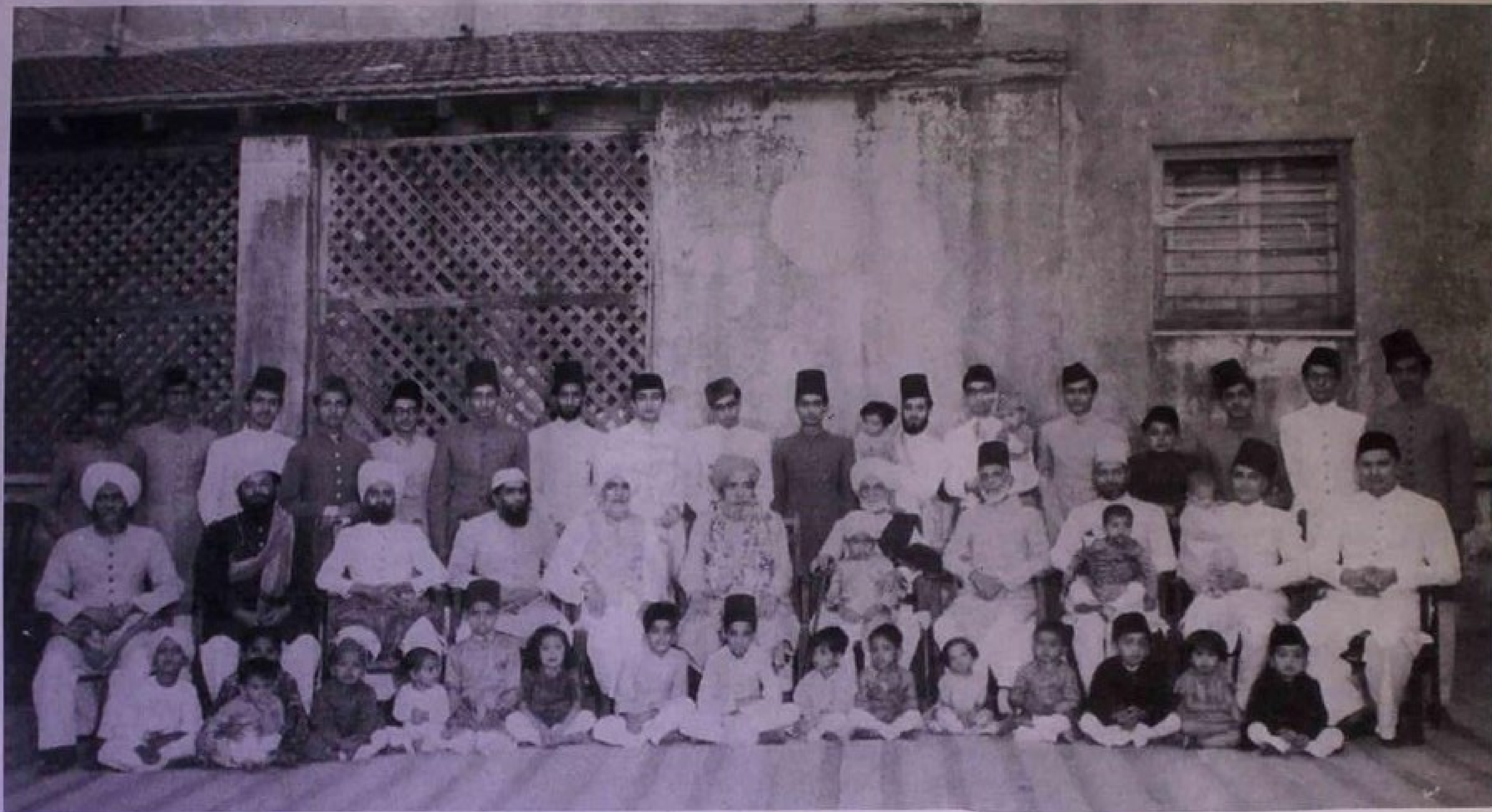
" مگر نہیں مجھے تو اب بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ موجود اور قریب ہیں ۔ ان کے علم و فضل کے متعلق صرف اتنا کہوں گا کہ زندگی نے مجھے بہت سارے مواقع عطا کئے کہ میں اپنے زمانے کی فاضل ترین شخصیتوں سے ملا ، اور ان کے علم و فضل اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کرسکا لیکن کسی پس و پیش کے بغیر میں یہ کہوں گا کہ مولانا سے کسی موضوع پر بھی بحث کے دوران مجھے وہ خوشی حاصل ہوتی تھی جو کسی اور کی صحبت میں ، میں نے ایسی خوشی کبھی نہیں محسوس کی ۔ ان کی شخصیت ایسی جامع واقع ہوئی تھی کہ سخت سے سخت توہم پرست کو بھی اس کے جذبات کو مجروح کئے بغیر حقائق سے روشناس کردیتے ۔ ساتھ ہی جدید طرز کے مفکرین و محققین کو بھی کسی مسئلہ میں اپنے خاص اندازِ تفہیم سے مطمئن فرمادیتے تھے ۔

ان کا ذہن متوازن تھا اور انھیں ہر وقت طیبۃ القلب مع اللہ نصیب تھی ۔ ان صفات کی تجلی کا مشاہدہ ان کی ہر چھوٹی بڑی تصنیف میں ہوسکتا ہے ۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان کی تفسیر میں ۔ اگر کسی کو ان کے علمِ لدنی کا حال معلوم کرنا ہو تو وہ اُن کے اُس اردو ترجمہ و تشریح کو دیکھ لے جو حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب " فصوص الحکم " کا ترجمہ و تشریح ہے ۔

فرد کی حیثیت سے ان میں وہ تمام صفتیں موجود تھیں جو قرآنِ حکیم نے صالحین کے لئے بیان فرمائی ہیں ۔

جو خلوص ان کی ذات سے تھا وہ شاید ہی اُس حد تک کسی اور کو حاصل ہو اور اسی وجہ سے ان کی روح کی پاکی کا کچھ اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہ ان افراد میں سے تھے کہ جب ان کا کام دنیا میں ختم ہوجاتا ہے تو قبر کے اس پار سے انھیں آواز دی جاتی ہے

یآیتھا النفس المطمئنۃ ○ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ ○ فادخلی فی عبدی ○ وادخلی جنتی ○ (اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر تو میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا) (الفجر) (ماخوذ از ماہنامہ القدیر ۱۳۸۱)



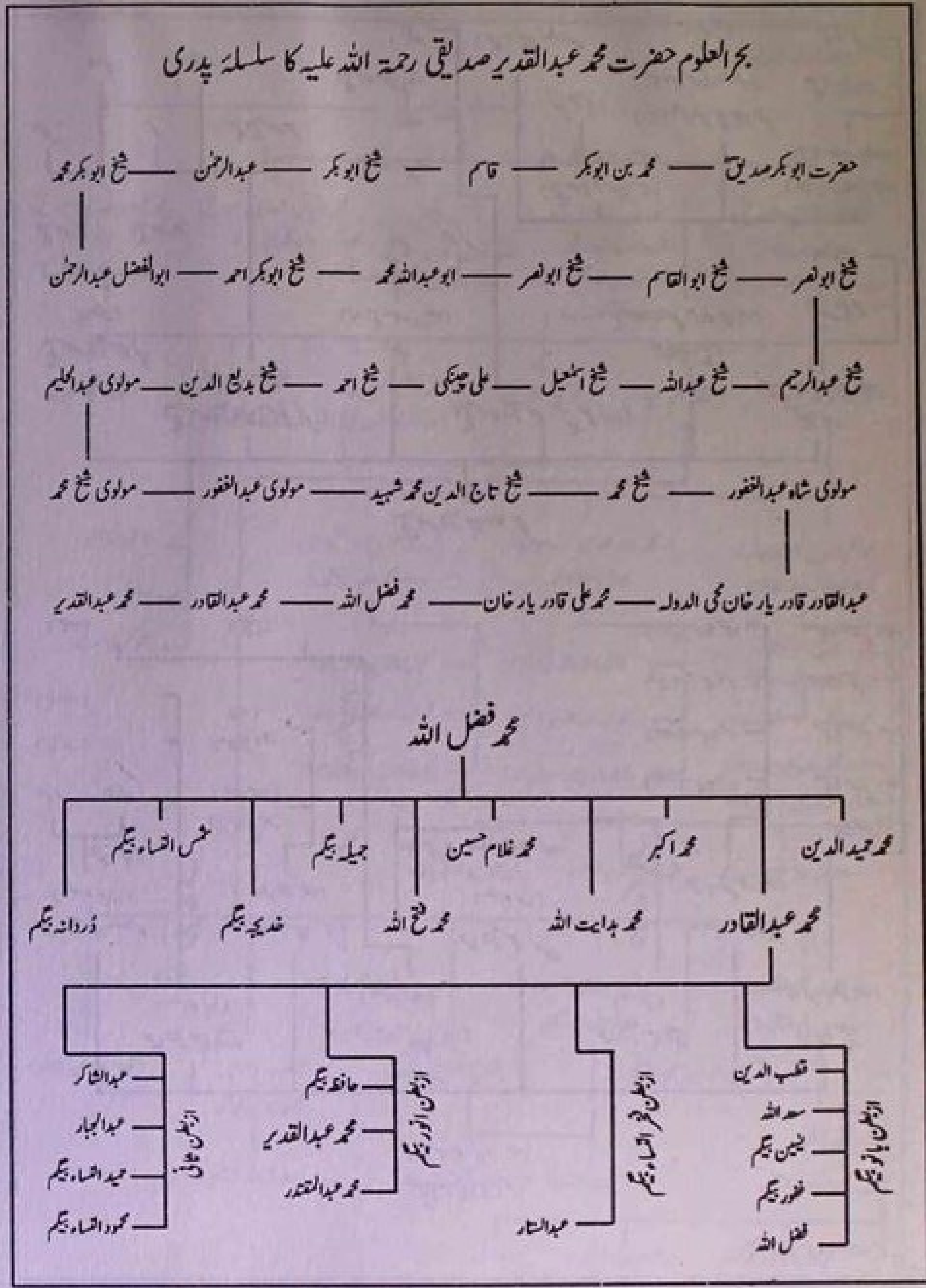
بحرالعلوم کی سالگرہ کے موقع پر اہلِ خاندان کے ساتھ لی گئی ایک یادگار تصویر

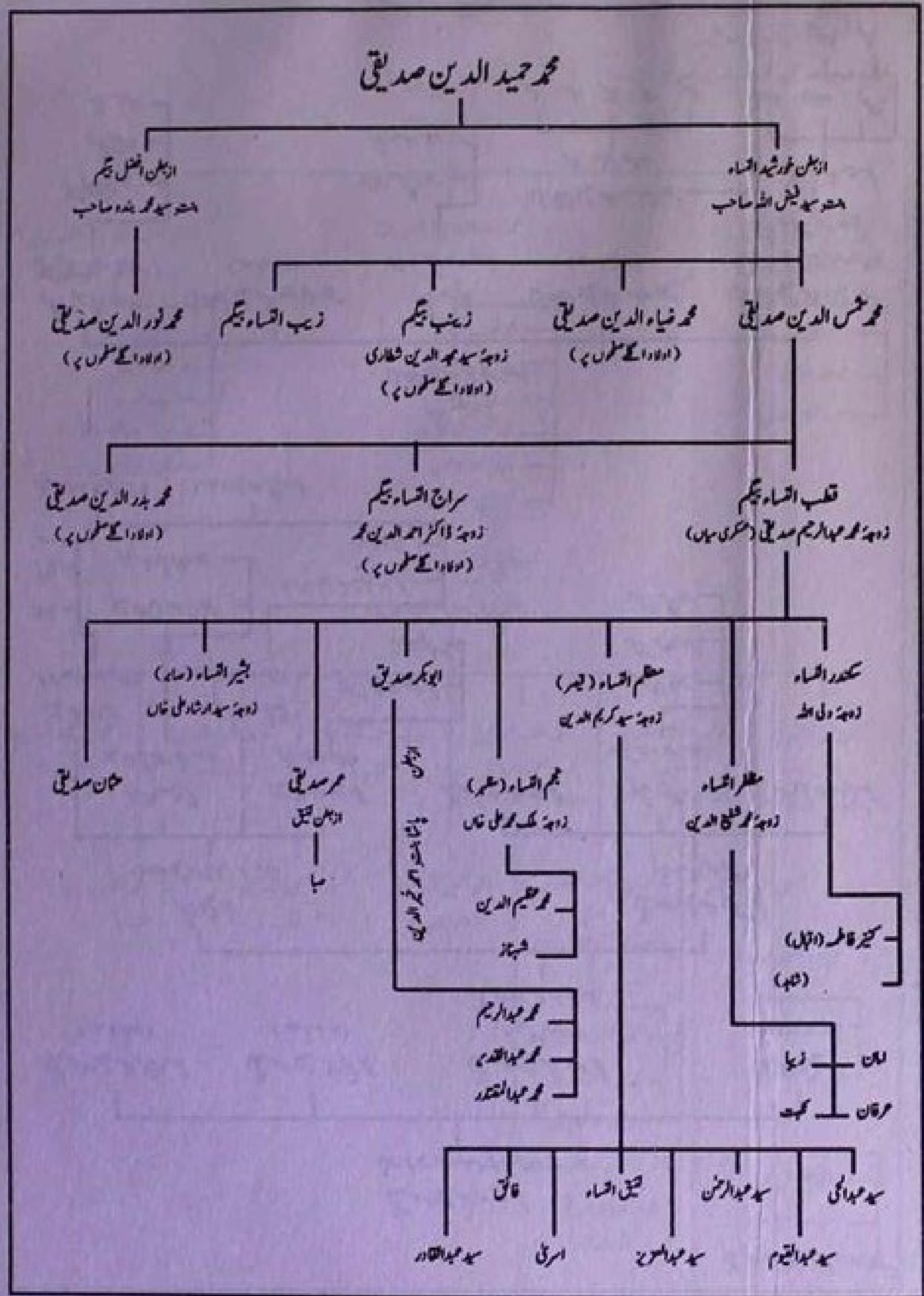
نشستوں پر بائیں سے دائیں: حضرات جعفر صادق حسینی (بہو) ۔ (صاحبزادگان میں سے) حسن محی الدین ۔ ابو القاسم محمد بادشاہ ۔ ابو تراب علی ۔ محمد عبدالرحیم ۔ بحرالعلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقیؒ ۔
(دامادوں میں سے) حکیم سید محمد باقر حسینی ۔ محمد انور الدین ۔ محمود عبدالصبور ۔ خواجہ ولی الدین ۔ قاضی احمد بشیر الدین فاروقی ۔

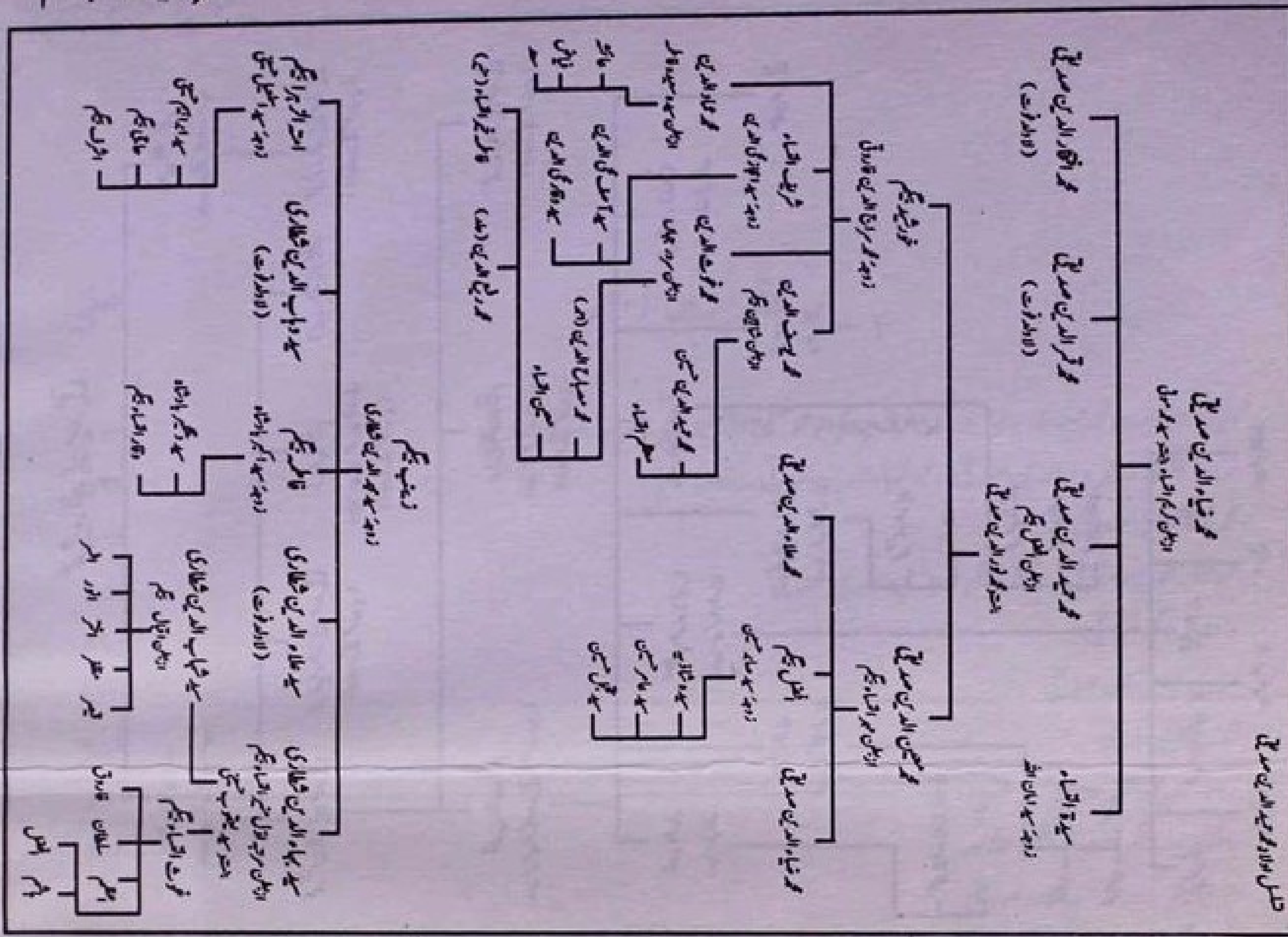
ایستادہ: بائیں سے دائیں محمد بن علی ۔ محمد عباس علمبردار ۔ محمد صدیق ۔ محمد قاسم ۔ محسن نصر اللہ ۔ حسین عطاء اللہ ۔ محمد عبدالرزاق ۔ ڈاکٹر محمد عبدالعلیم (پوتے) ۔
محمد انوار الدین ۔ محمد وقار الدین ۔ محمد امجد حسین ۔ مصطفٰے عتیق الدین ۔ مجتبٰے علی الدین ۔ (نواسے) محبوب پاشا ۔ موسٰی کاظم حسینی ۔ (پڑنواسے اور پڑپوتے) ۔

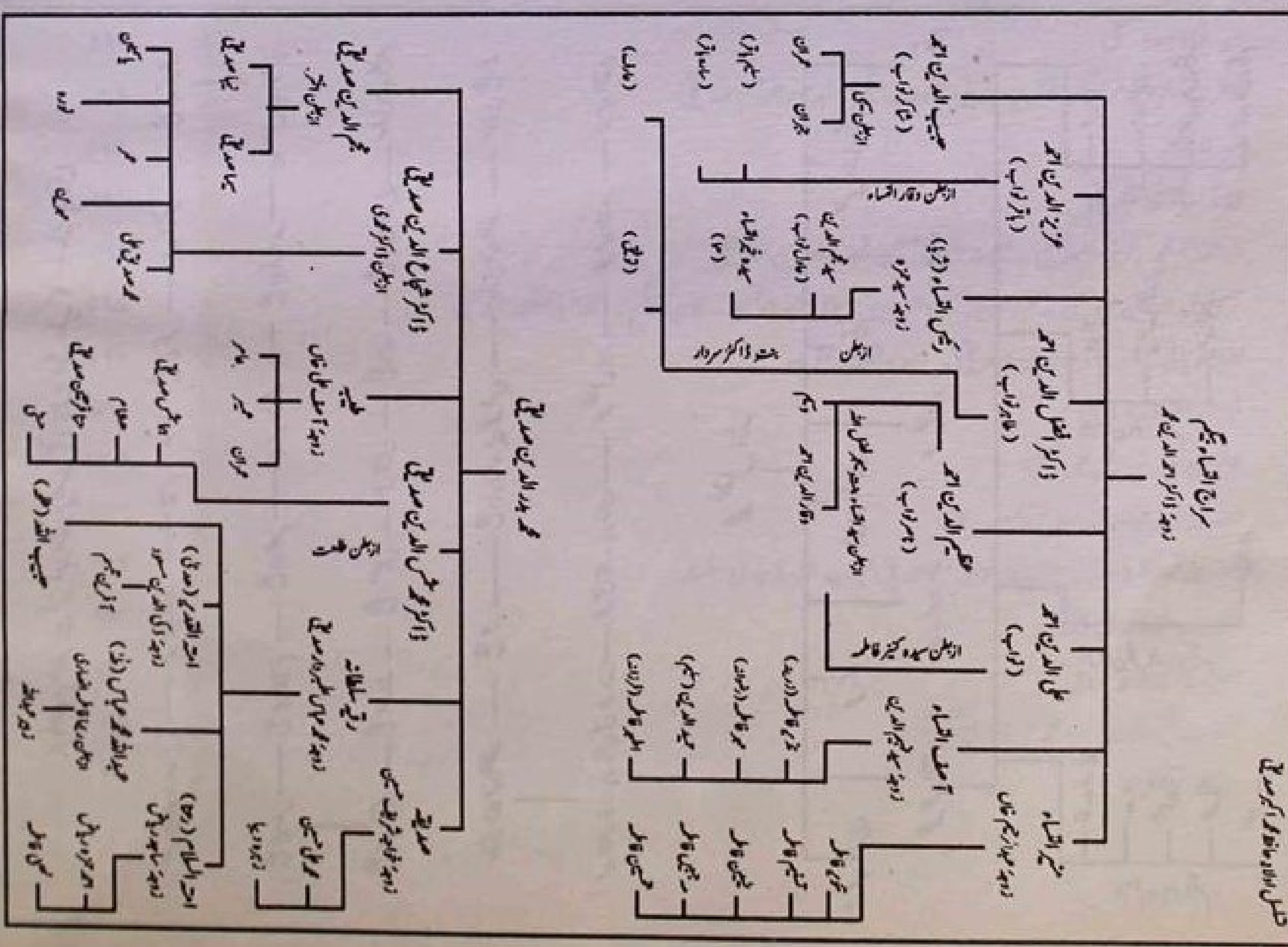
خاندانی شجرے

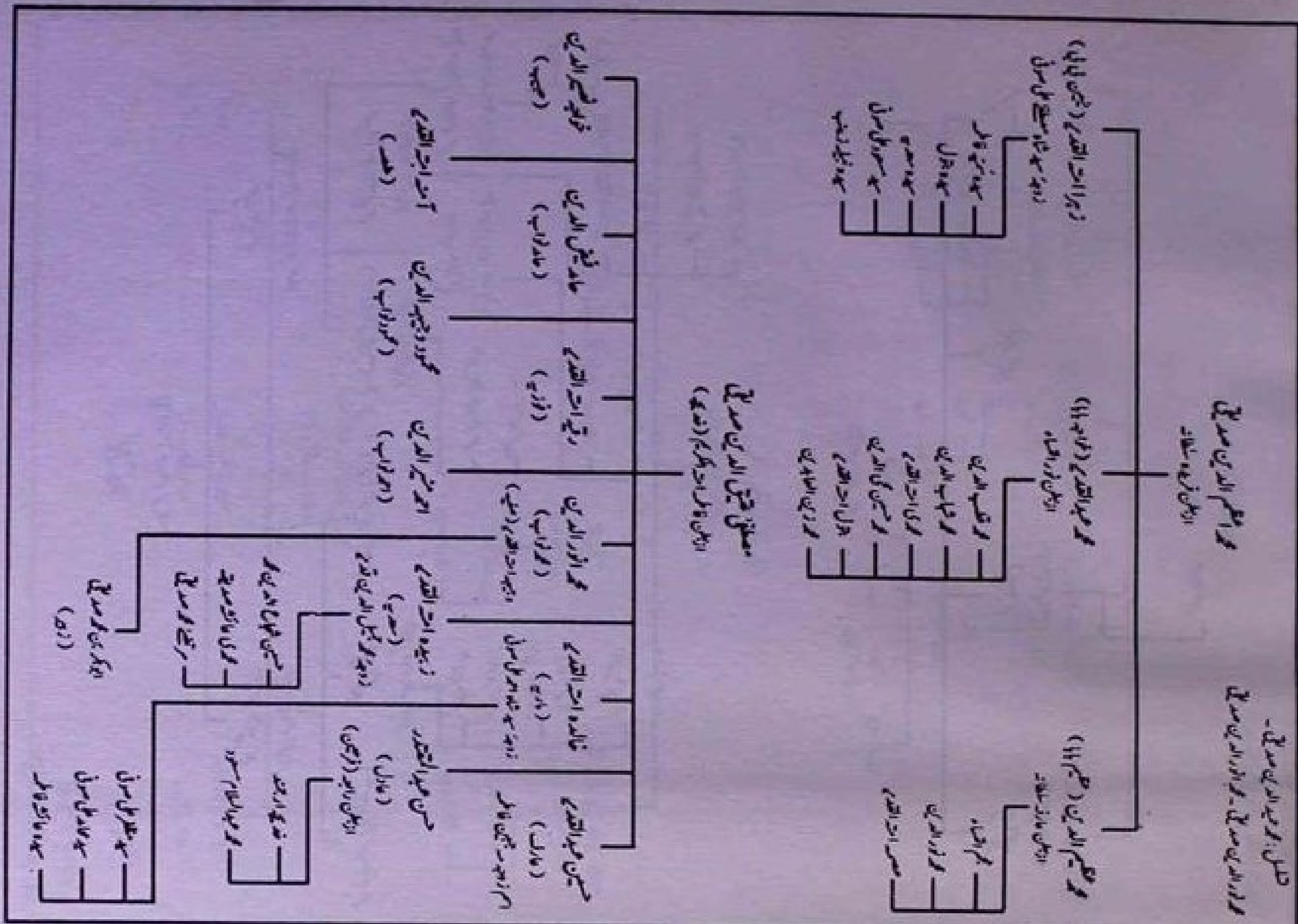
فہرستِ اسماء

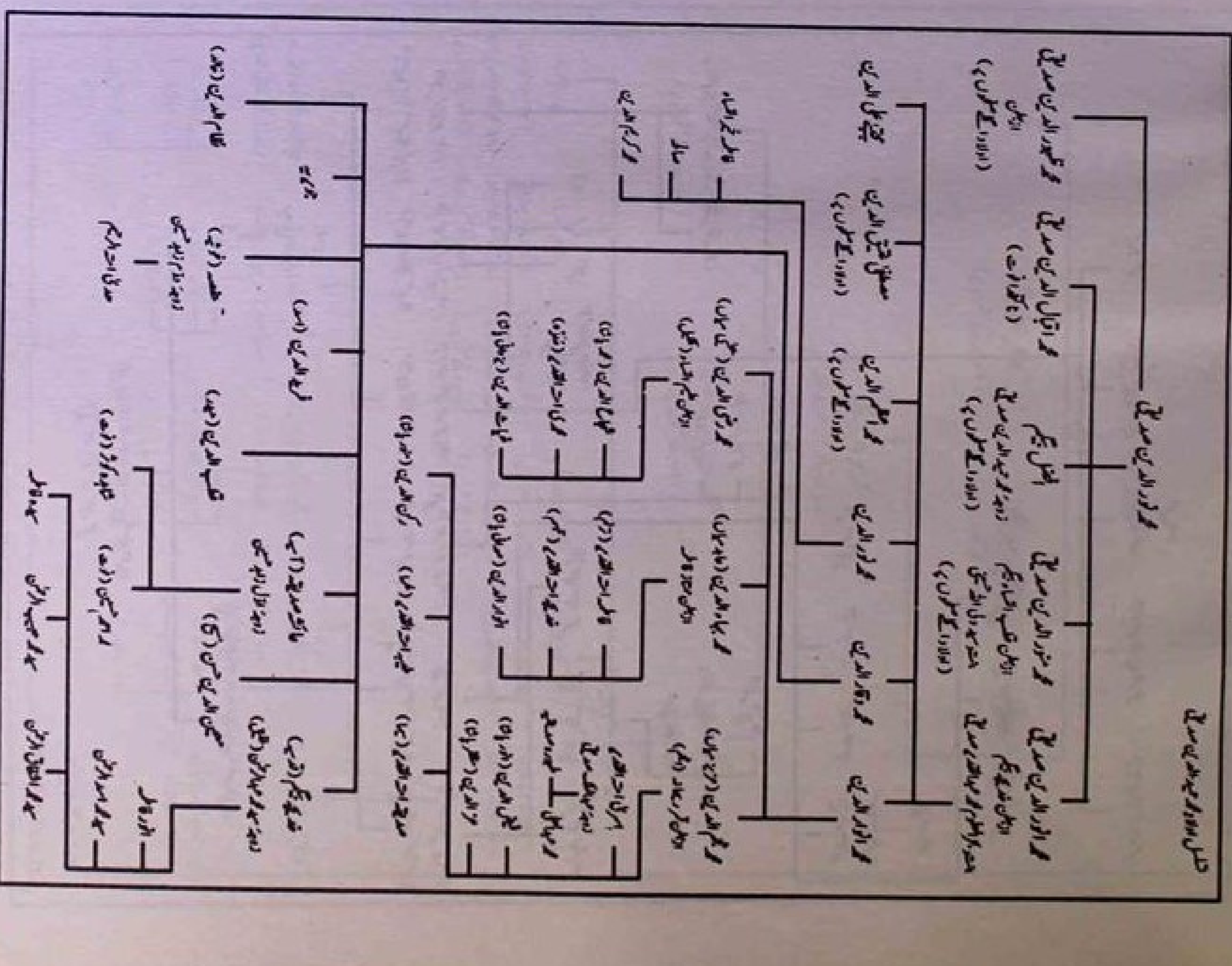

بحرالعلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ پدری
حضرت ابوبکر صدیق — محمد بن ابوبکر — قاسم — عبدالرحمن — شیخ ابوبکر — شیخ ابوبکر محمد
شیخ ابونصر — شیخ ابوالقاسم — شیخ ابونصر — ابوعبداللہ محمد — شیخ ابوبکر احمد — ابوالفضل عبدالرحمن
شیخ عبدالرحیم — شیخ عبداللہ — شیخ اسمٰعیل — علی چینکی — شیخ احمد — شیخ بدیع الدین — مولوی عبدالحلیم
مولوی شاہ عبدالغفور — شیخ محمد — شیخ تاج الدین محمد شہید — مولوی عبدالغفور — مولوی شیخ محمد
عبدالقادر قادر یار خان محی الدولہ — محمد علی قادر یار خان — محمد فضل اللہ — محمد عبدالقادر — محمد عبدالقدیر
محمد فضل اللہ
محمد حمید الدین
محمد عبدالقادر
محمد اکبر
محمد ہدایت اللہ
محمد غلام حسین
محمد فتح اللہ
جمیلہ بیگم
خدیجہ بیگم
شمس النساء بیگم
دُردانہ بیگم
از بطن بانو بیگم
قطب الدین
سعد اللہ
نسیمن بیگم
غفور بیگم
فضل اللہ
از بطن فخر النساء بیگم
عبدالستار
از بطن انور بیگم
حافظ بیگم
محمد عبدالقدیر
محمد عبدالمقتدر
از بطن ثانی
عبدالشاکر
عبدالجبار
حمید النساء بیگم
محمود النساء بیگم

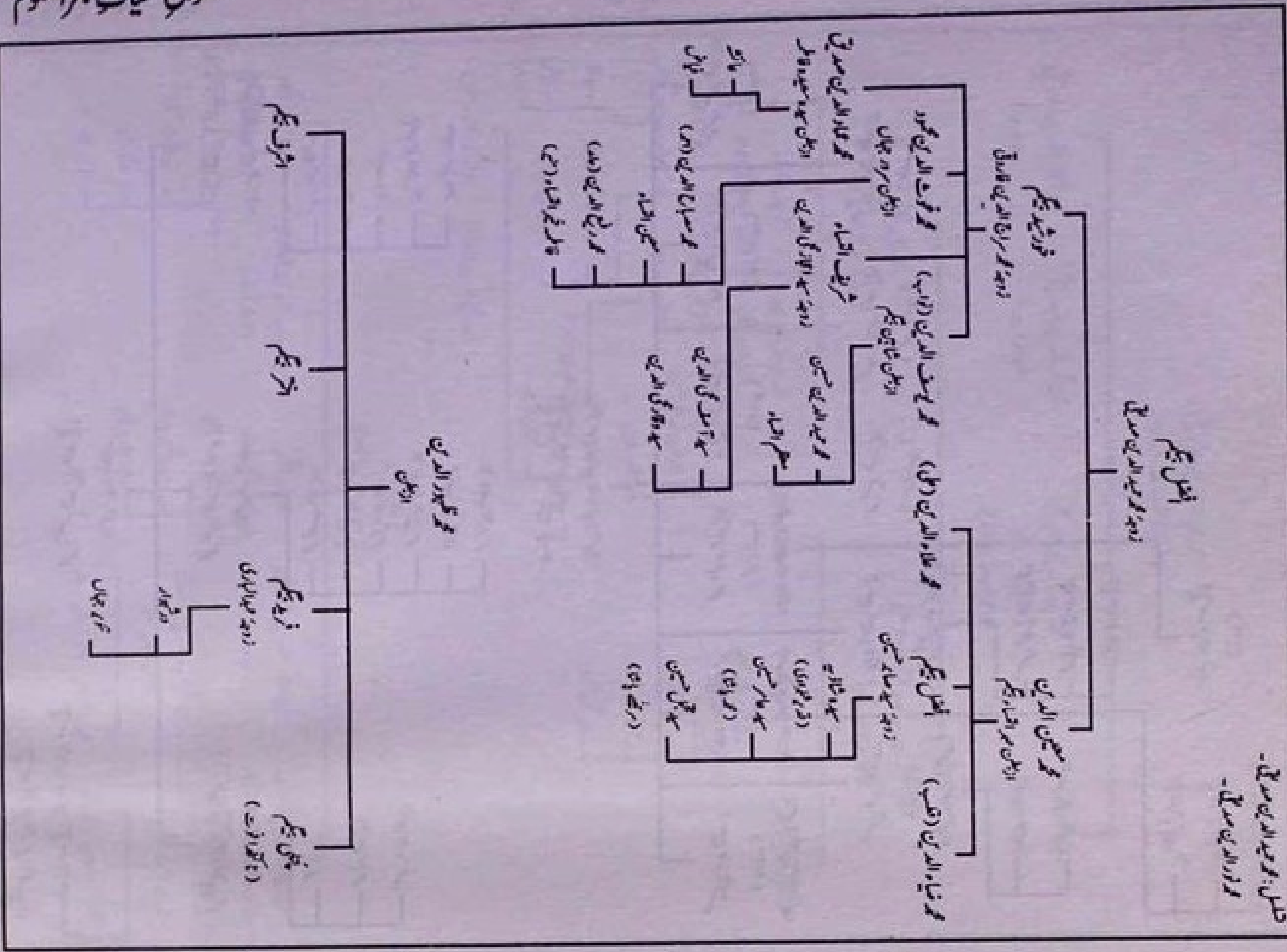

محمد حمید الدین صدیقی
از بطن خورشید النساء
دختر سید فیض اللہ صاحب
از بطن افضل بیگم
دختر سید محمد بندہ صاحب
محمد شمس الدین صدیقی
محمد ضیاء الدین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
زینب بیگم
زوجۂ سید محمد الدین شطاری
(اولاد اگلے صفحوں پر)
زیب النساء بیگم
محمد نور الدین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
قطب النساء بیگم
زوجۂ محمد عبدالرحیم صدیقی (مسکری میاں)
سراج النساء بیگم
زوجۂ ڈاکٹر احمد الدین محمد
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محمد بدر الدین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
سکندر النساء
زوجۂ ولی اللہ
مظفر النساء
زوجۂ محمد شفیع الدین
معظم النساء (قمر)
زوجۂ سید کریم الدین
نجم النساء (سطر)
زوجۂ ملک محمد علی خاں
ابوبکر صدیق
عمر صدیق
بشیر النساء (سارہ)
زوجۂ سید ارشاد علی خاں
عثمان صدیقی
کنیز فاطمہ (اقبال)
(شاہد)
لالان
عرفان
زیبا
نکہت
محمد عبدالرحیم
محمد عبدالقدیر
محمد عبدالمقتدر
محمد حلیم الدین
شہناز
صبا
سید عبدالحی
سید عبدالقیوم
سید عبدالرحمن
شفیق النساء
فائق
اسریٰ
سید عبدالقادر

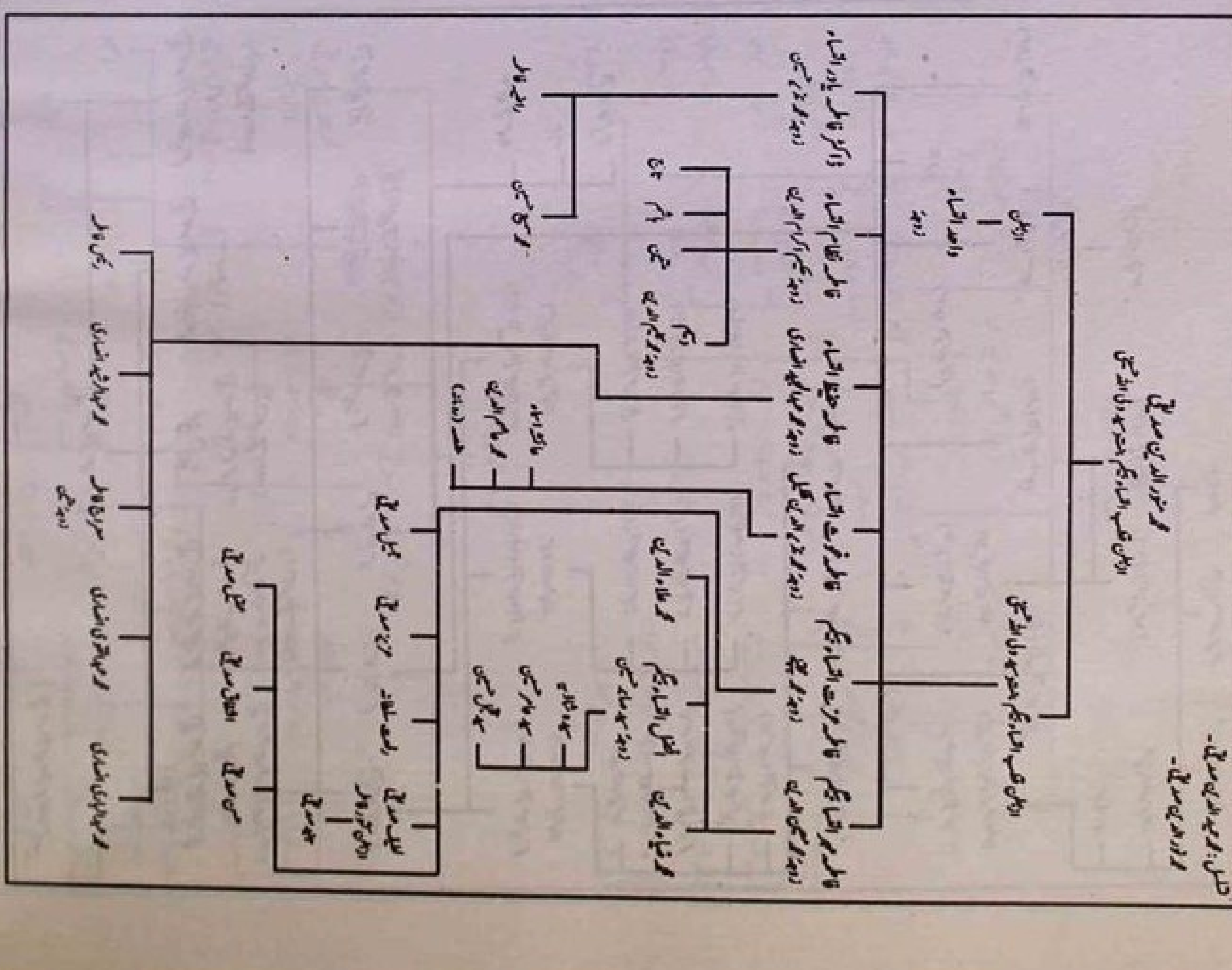


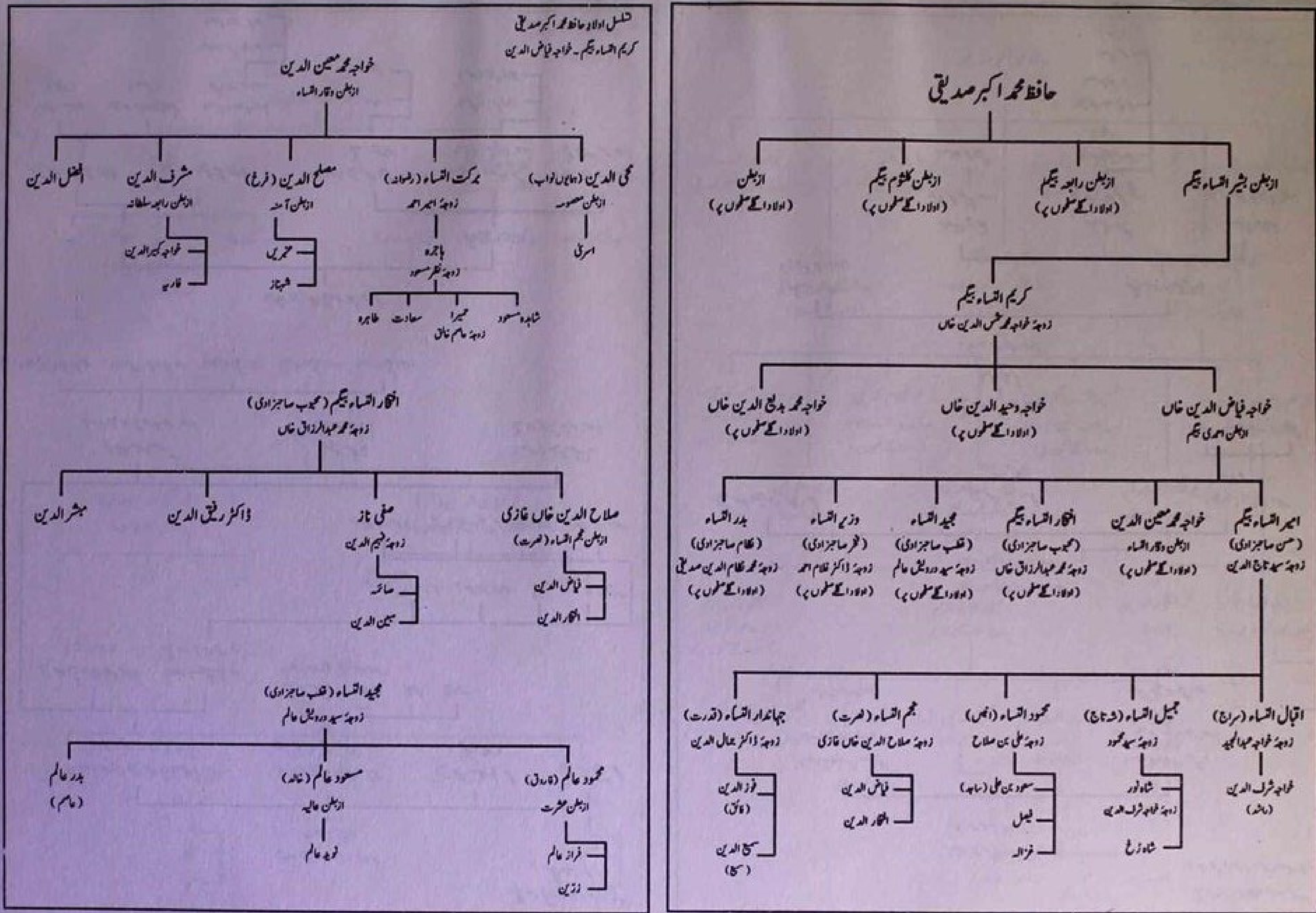


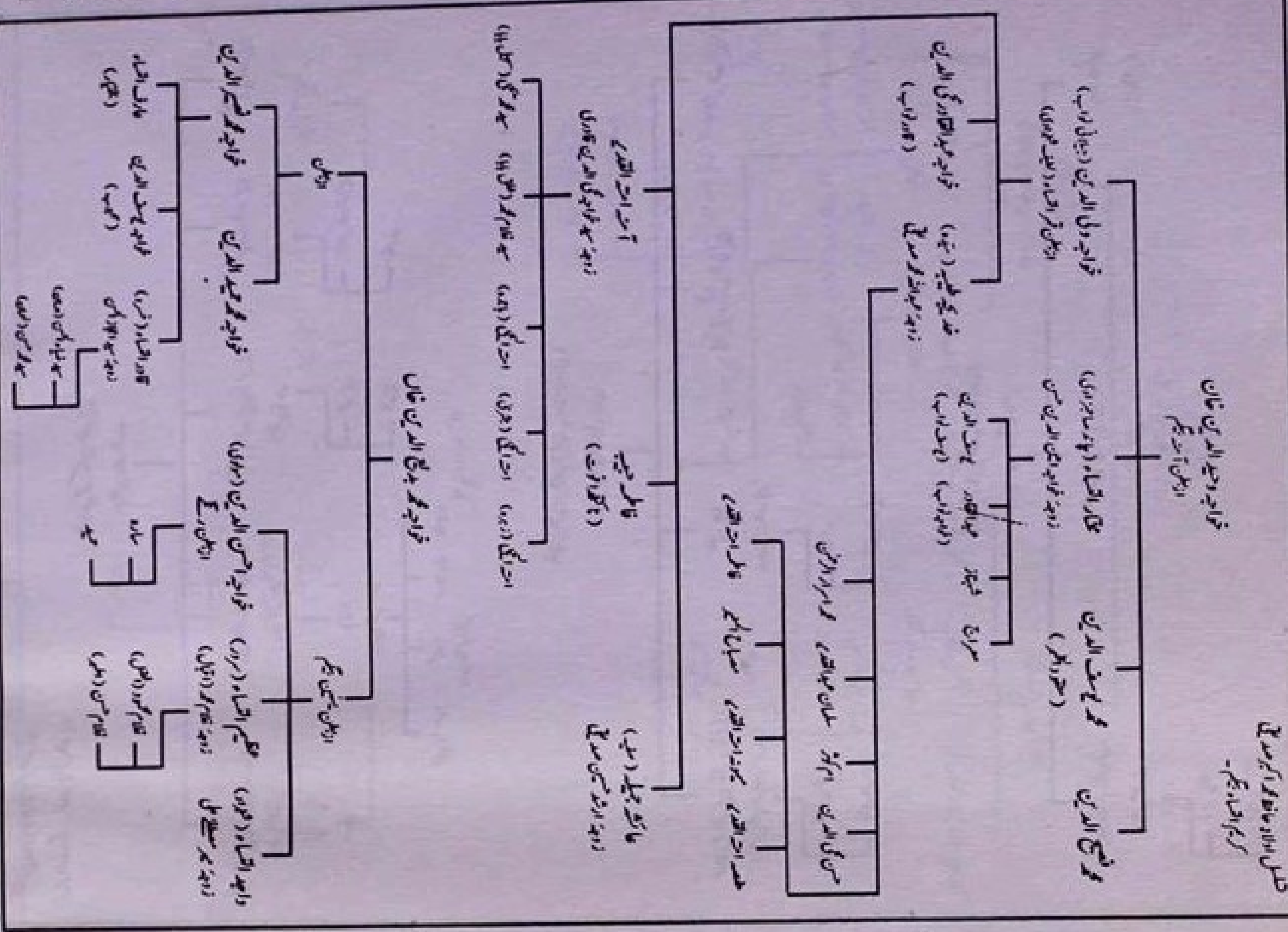


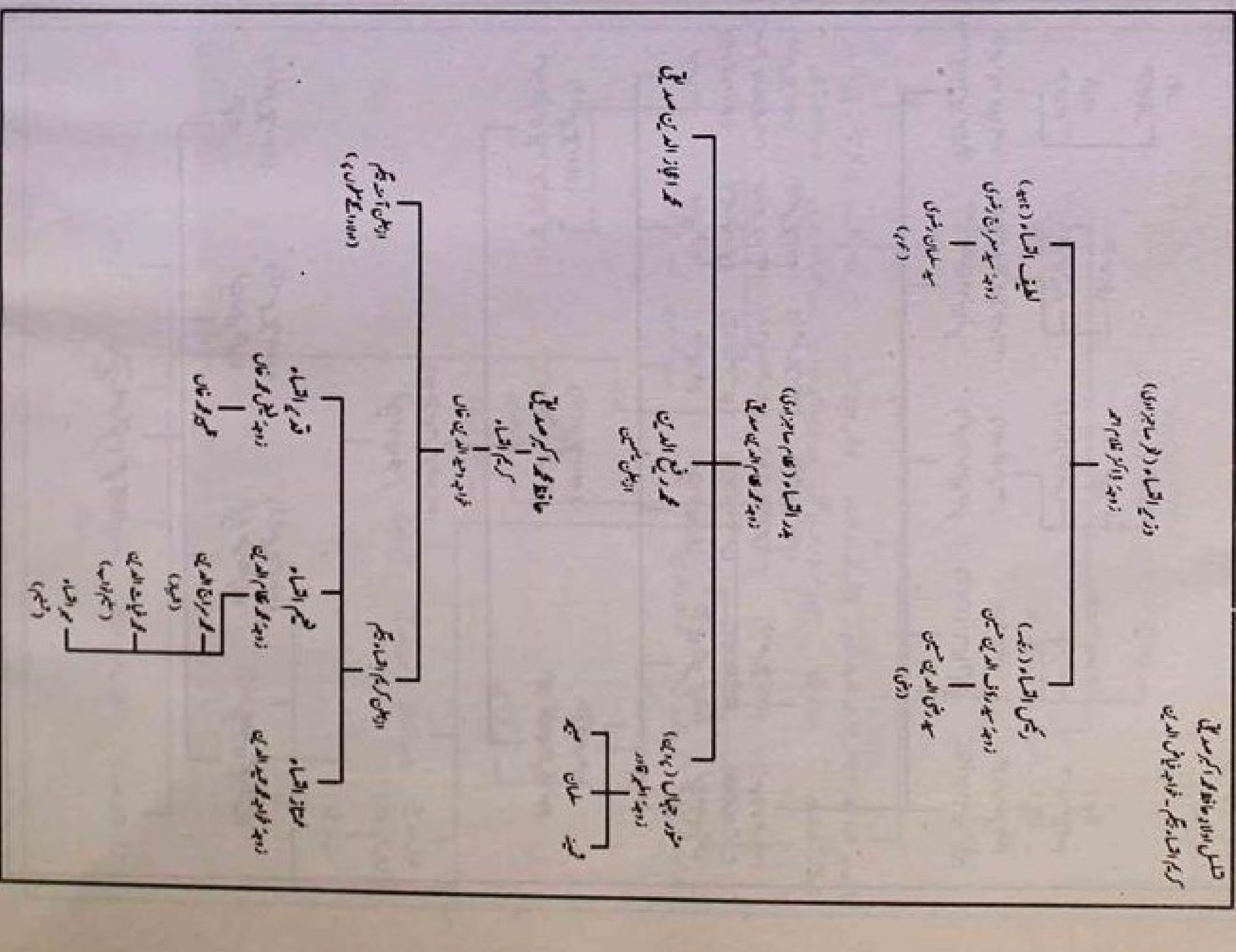


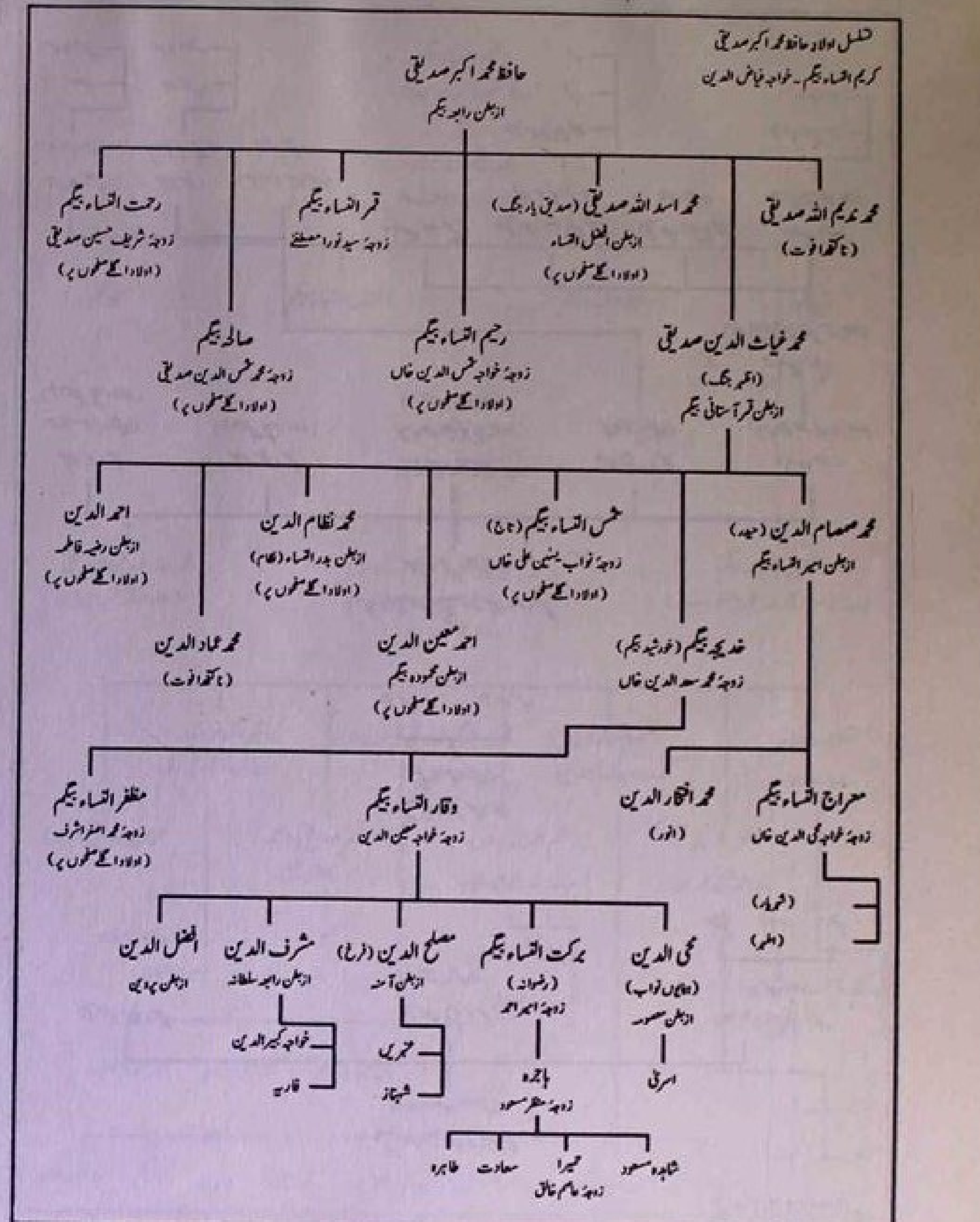


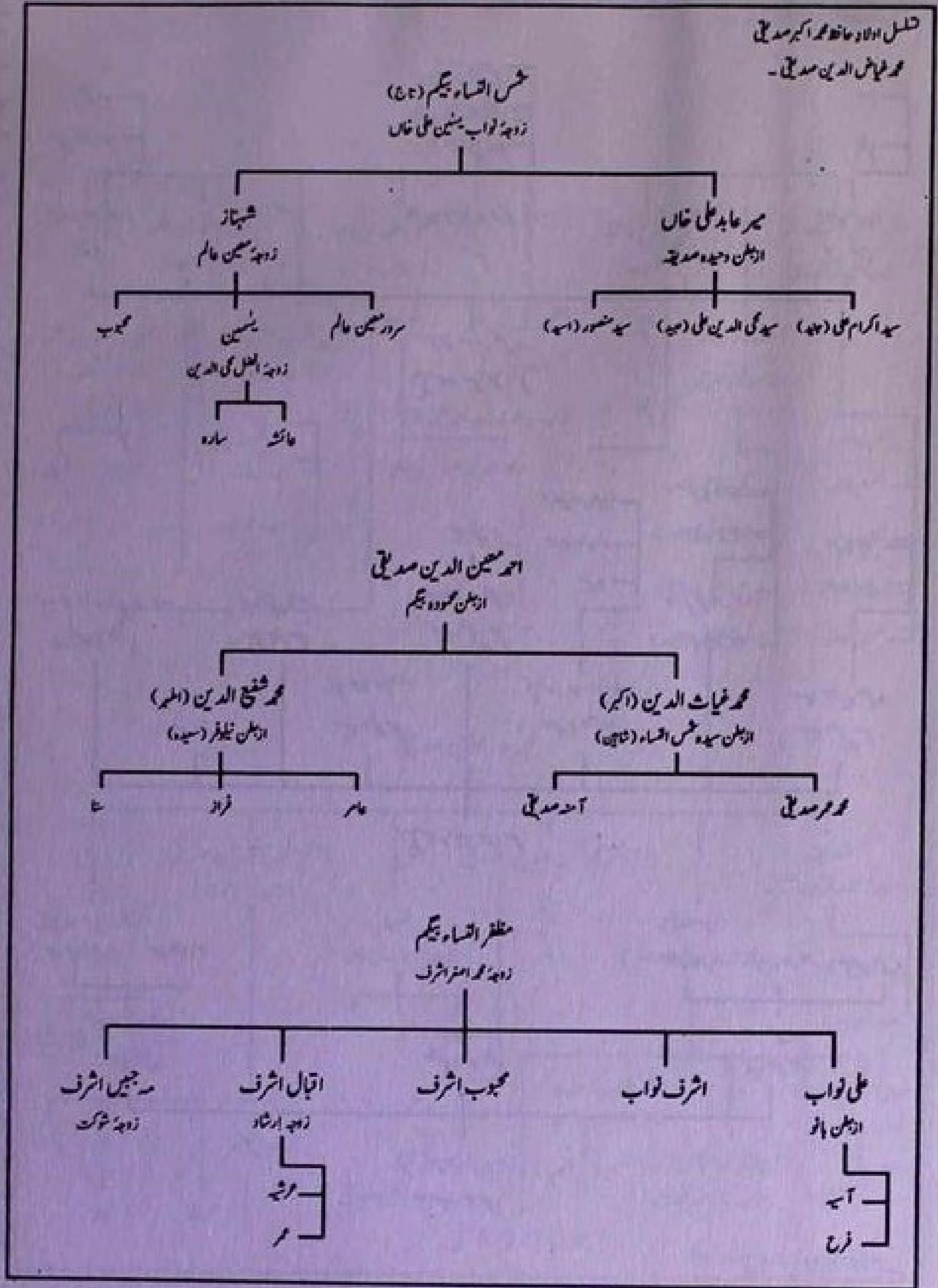


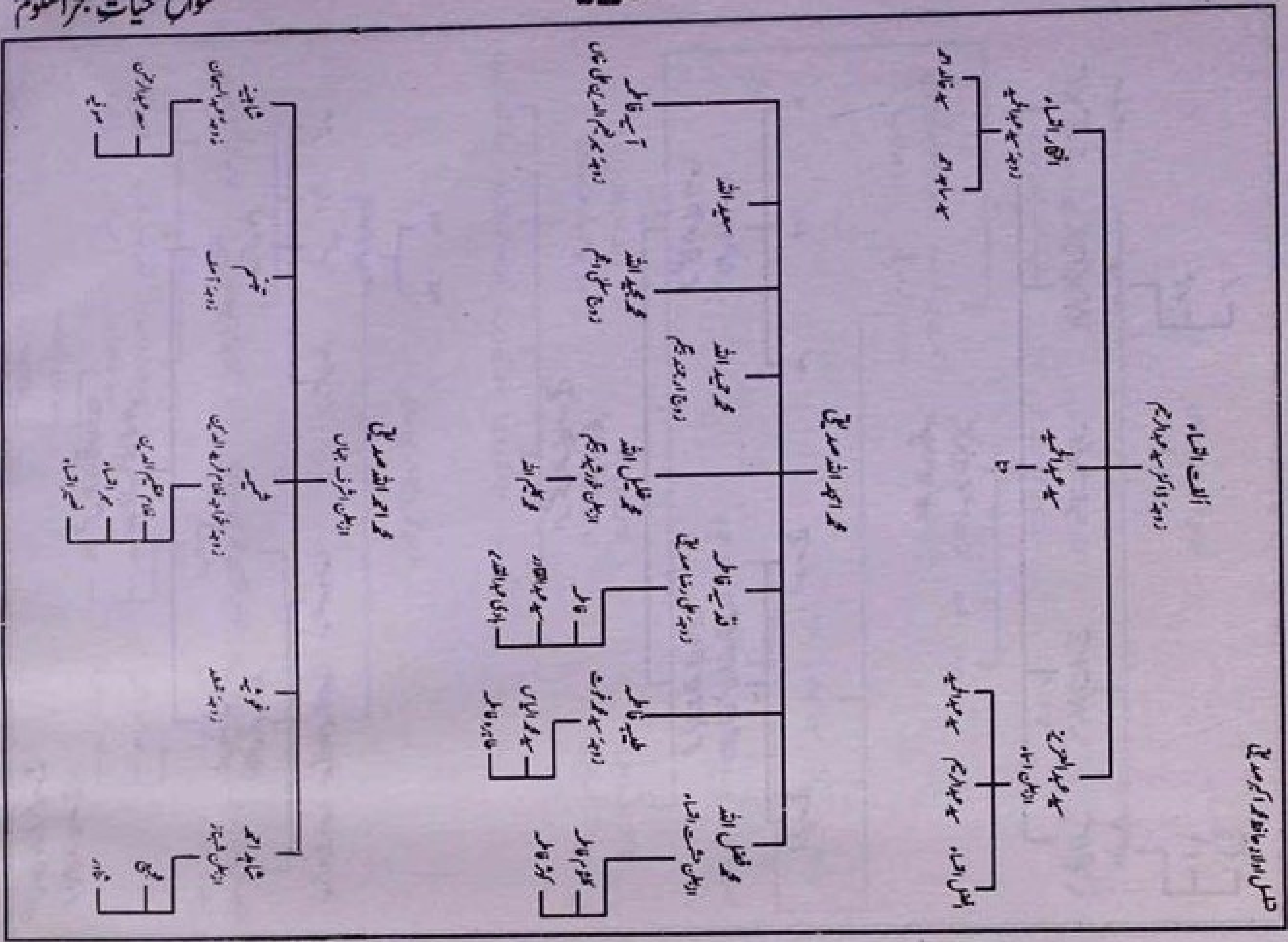

حافظ محمد اکبر صدیقی
ازبطن بشیر النساء بیگم
ازبطن رابعہ بیگم
(اولاد اگلے صفحوں پر)
ازبطن کلثوم بیگم
(اولاد اگلے صفحوں پر)
ازبطن
(اولاد اگلے صفحوں پر)
کریم النساء بیگم
زوجۂ خواجہ محمد شمس الدین خاں
خواجہ فیاض الدین خاں
ازبطن امیری بیگم
خواجہ وحید الدین خاں
(اولاد اگلے صفحوں پر)
خواجہ محمد بدیع الدین خاں
(اولاد اگلے صفحوں پر)
امیر النساء بیگم
(حسن صاحبزادی)
زوجۂ سید تاج الدین
خواجہ محمد معین الدین
ازبطن وقار النساء
(اولاد اگلے صفحوں پر)
افتخار النساء بیگم
(محبوب صاحبزادی)
زوجۂ محمد عبدالرزاق خاں
(اولاد اگلے صفحوں پر)
مجید النساء
(قطب صاحبزادی)
زوجۂ سید درویش عالم
(اولاد اگلے صفحوں پر)
وزیر النساء
(فخر صاحبزادی)
زوجۂ ڈاکٹر غلام احمد
(اولاد اگلے صفحوں پر)
بدر النساء
(نظام صاحبزادی)
زوجۂ محمد نظام الدین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
اقبال النساء (سراج)
زوجۂ خواجہ عبدالحمید
خواجہ شرف الدین
(ماشد)
جمیل النساء (شہ تاج)
زوجۂ سید محمود
شاہ نور
زوجۂ خواجہ شرف الدین
شاہ رُخ
محمود النساء (انجم)
زوجۂ علی بن صلاح
مسعود بن علی (ساجد)
فیصل
فرزانہ
نجم النساء (نصرت)
زوجۂ صلاح الدین خاں غازی
فیاض الدین
افتخار الدین
جہاندار النساء (قدرت)
زوجۂ ڈاکٹر جمال الدین
فوز الدین
(فائق)
سمیع الدین
(سمیع)
سلسل اولاد حافظ محمد اکبر صدیقی
کریم النساء بیگم - خواجہ فیاض الدین
خواجہ محمد معین الدین
ازبطن وقار النساء
محی الدین (ماہی نواب)
ازبطن معصومہ
اسریٰ
برکت النساء (رضوانہ)
زوجۂ امیر احمد
ناجرہ
زوجۂ نظر مسعود
شاہدہ مسعود
عمیرا
زوجۂ عاصم نائق
سعادت
طاہرہ
مصلح الدین (فرخ)
ازبطن آمنہ
تحریم
شہناز
مشرف الدین
ازبطن رابعہ سلطانہ
خواجہ کبیر الدین
فارعہ
افضل الدین
افتخار النساء بیگم (محبوب صاحبزادی)
زوجۂ محمد عبدالرزاق خاں
صلاح الدین خاں غازی
ازبطن نجم النساء (نصرت)
فیاض الدین
افتخار الدین
صفی ناز
زوجۂ نعیم الدین
صائمہ
معین الدین
ڈاکٹر رفیق الدین
مبشر الدین
مجید النساء (قطب صاحبزادی)
زوجۂ سید درویش عالم
محمود عالم (فاروق)
ازبطن عشرت
فراز عالم
زرّین
مسعود عالم (شاہد)
ازبطن عالیہ
نوید عالم
بدر عالم
(عامر)

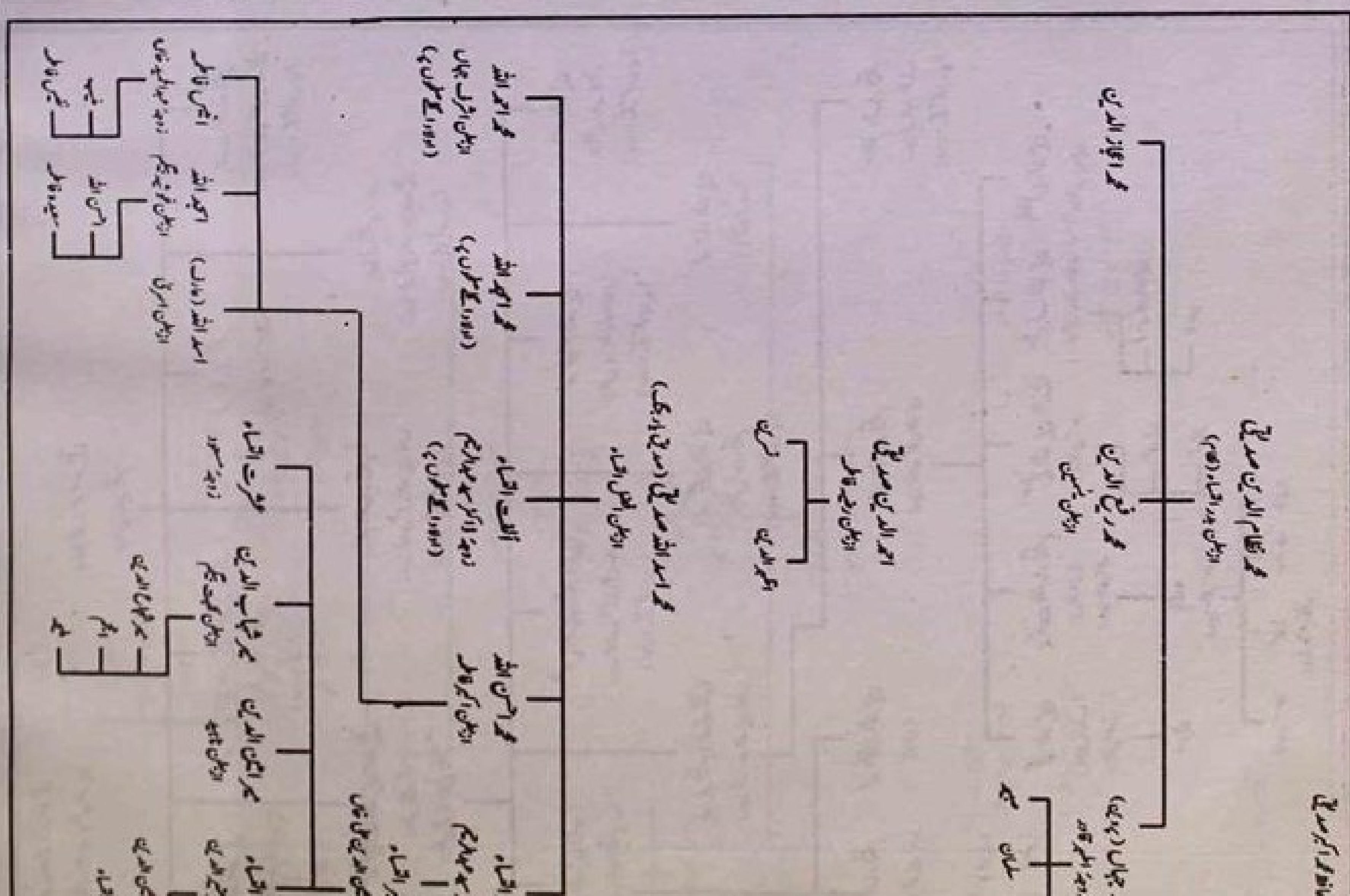


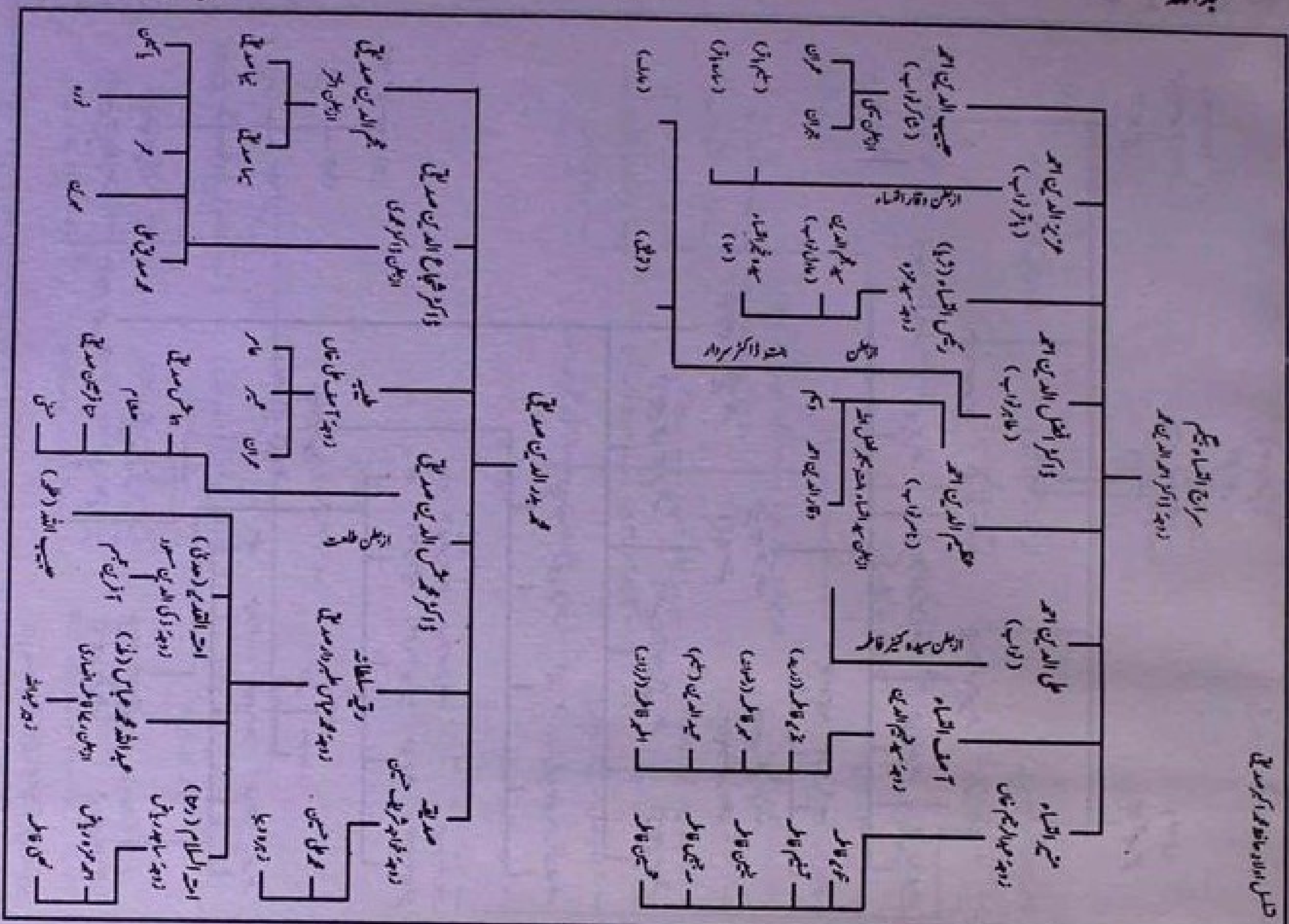


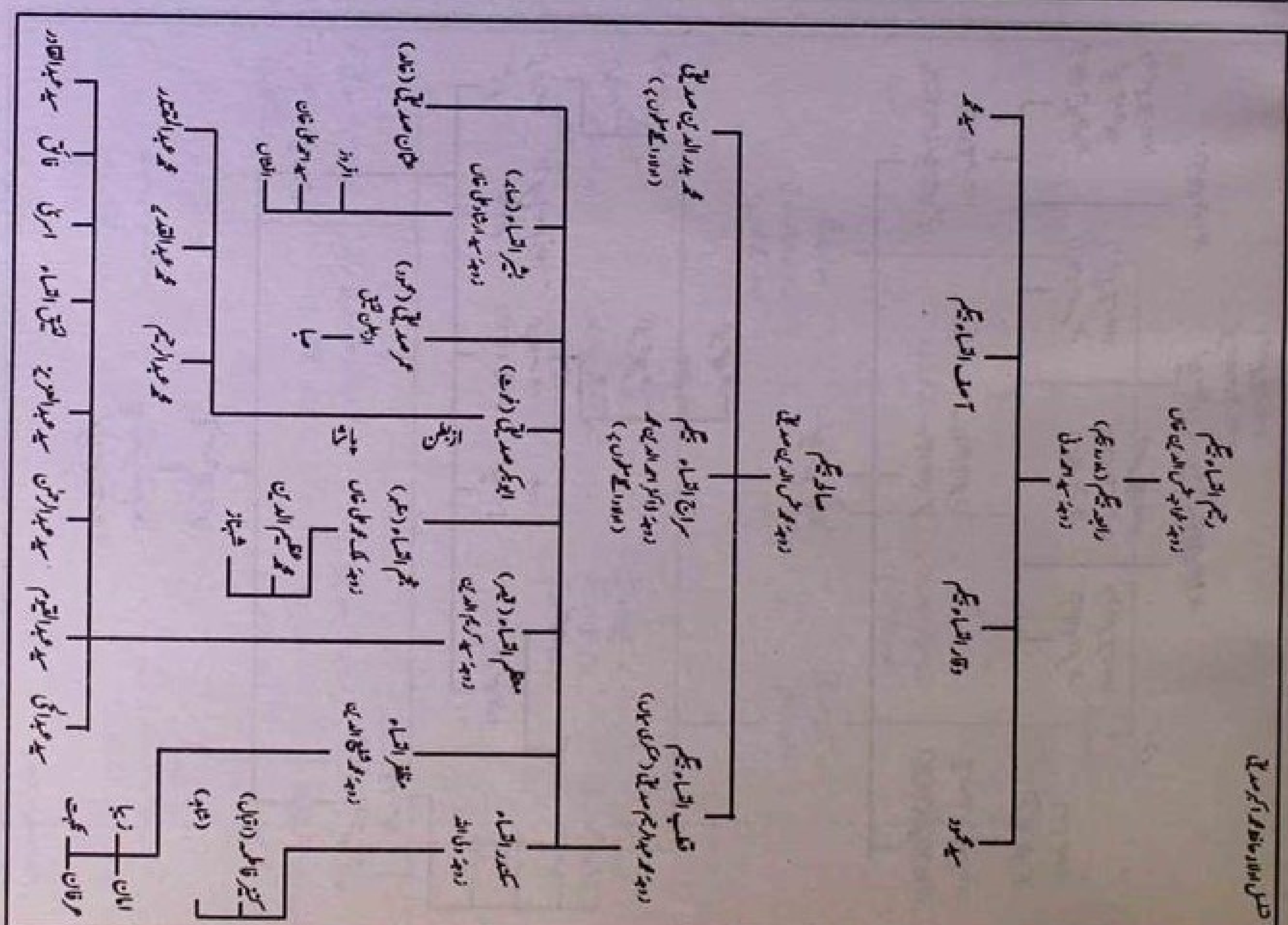

تسلسل اولاد حافظ محمد اکبر صدیقی
کریم النساء بیگم - خواجہ خیاض الدین
حافظ محمد اکبر صدیقی
ازبطن رابعہ بیگم
محمد ندیم اللہ صدیقی
(لاولد فوت)
محمد اسد اللہ صدیقی (صدیق یار جنگ)
ازبطن افضل النساء
(اولاد اگلے صفحوں پر)
قمر النساء بیگم
زوجۂ سید نور مصطفےٰ
رحمت النساء بیگم
زوجۂ شریف حسین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محمد غیاث الدین صدیقی
(اکبر جنگ)
ازبطن قمر آستانی بیگم
رحیم النساء بیگم
زوجۂ خواجہ شمس الدین خاں
(اولاد اگلے صفحوں پر)
صالحہ بیگم
زوجۂ محمد شمس الدین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محمد صمصام الدین (مجد)
ازبطن امیر النساء بیگم
شمس النساء بیگم (تاج)
زوجۂ نواب یسٰین علی خاں
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محمد نظام الدین
ازبطن بدر النساء (نظام)
(اولاد اگلے صفحوں پر)
احمد الدین
ازبطن رضیہ فاطمہ
(اولاد اگلے صفحوں پر)
خدیجہ بیگم (خورشید بیگم)
زوجۂ محمد سعد الدین خاں
احمد معین الدین
ازبطن محمودہ بیگم
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محمد عماد الدین
(لاولد فوت)
معراج النساء بیگم
زوجۂ خواجہ محی الدین خاں
(شہریار)
(ملیحہ)
محمد افتخار الدین
(انور)
وقار النساء بیگم
زوجۂ خواجہ معین الدین
مظفر النساء بیگم
زوجۂ محمد احمد اشرف
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محی الدین
(وائس نواب)
ازبطن مسرور
اسریٰ
برکت النساء بیگم
(رضوانہ)
زوجۂ امیر احمد
ماجدہ
زوجۂ مظفر مسعود
شاہدہ مسعود
حمیرا
زوجۂ عاصم خالق
سعادت
طاہرہ
مصلح الدین (فرخ)
ازبطن آمنہ
عمرین
شہباز
مشرف الدین
ازبطن رابعہ سلطانہ
خواجہ کبیر الدین
فاریہ
افضل الدین
ازبطن پروین

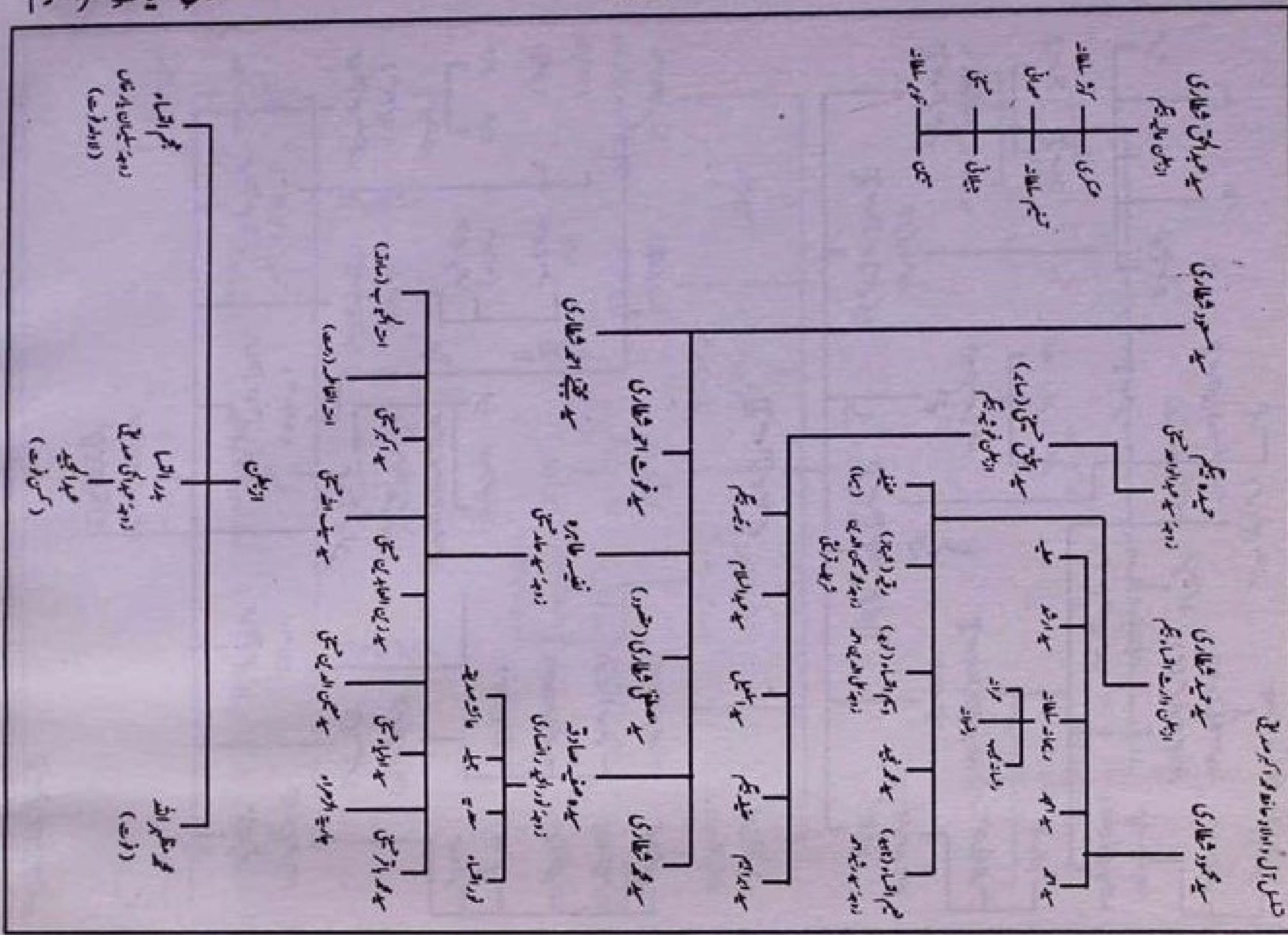

تسلسل اولاد حافظ محمد اکبر صدیقی
محمد غیاث الدین صدیقی۔
شمس النساء بیگم (تاج)
زوجۂ نواب یسٰین علی خاں
میر عابد علی خاں
ازبطن وحیدہ صدیقہ
سید اکرام علی (مجد)
سید محی الدین علی (مجیب)
سید منصور (اسد)
شہناز
زوجۂ معین عالم
سرور معین عالم
یسٰین
زوجۂ افضل محی الدین
عائشہ
سارہ
محبوب
احمد معین الدین صدیقی
ازبطن محمودہ بیگم
محمد غیاث الدین (اکبر)
ازبطن سیدہ شمس النساء (شاہین)
محمد عمر صدیقی
آمنہ صدیقی
محمد شفیع الدین (اطہر)
ازبطن نیلوفر (سیدہ)
عامر
فراز
ثنا
مظفر النساء بیگم
زوجۂ محمد احمد اشرف
علی نواب
ازبطن بانو
آسیہ
فرح
اشرف نواب
محبوب اشرف
اقبال اشرف
زوجۂ ارشاد
عرشیہ
عمر
مہ جبیں اشرف
زوجۂ شوکت

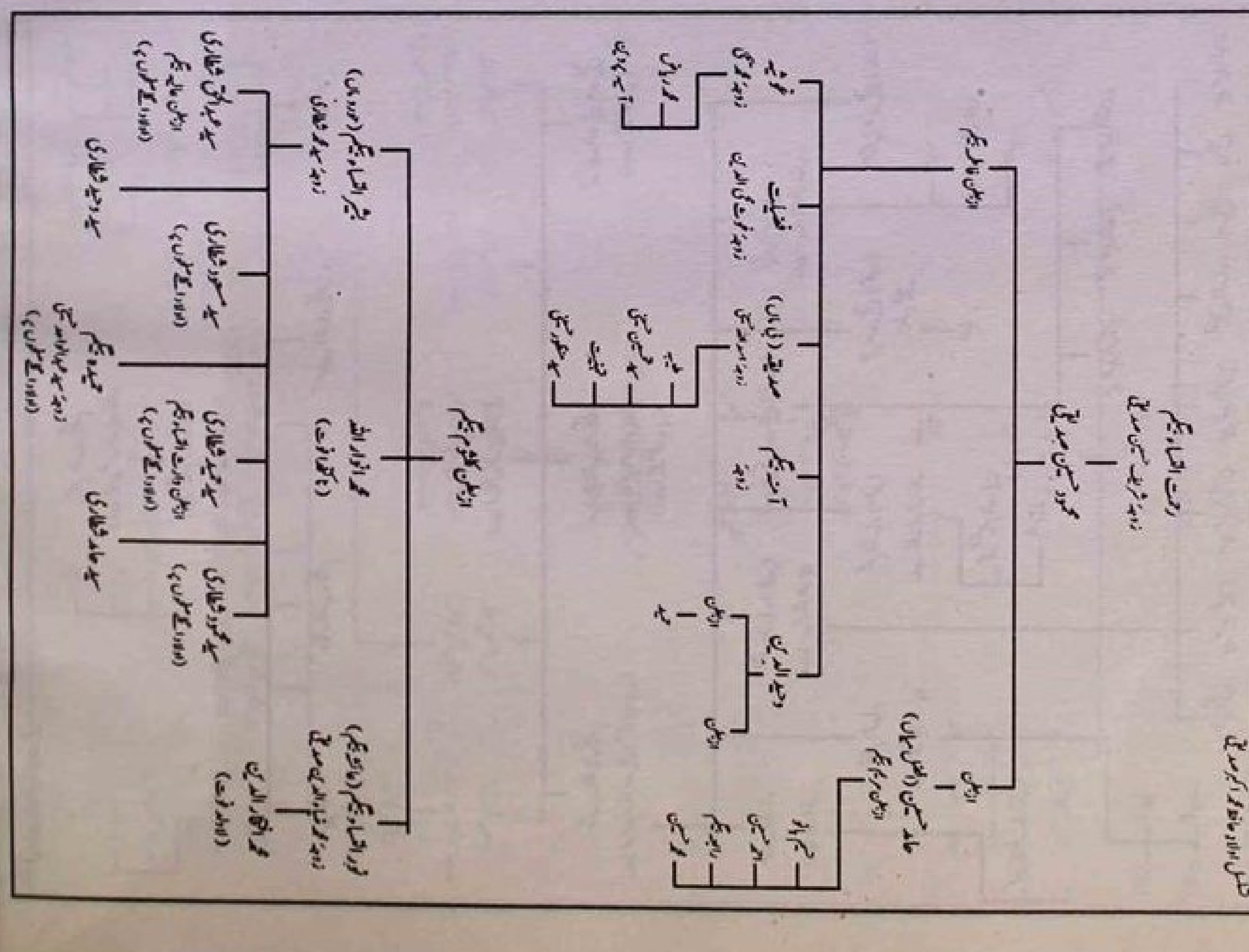


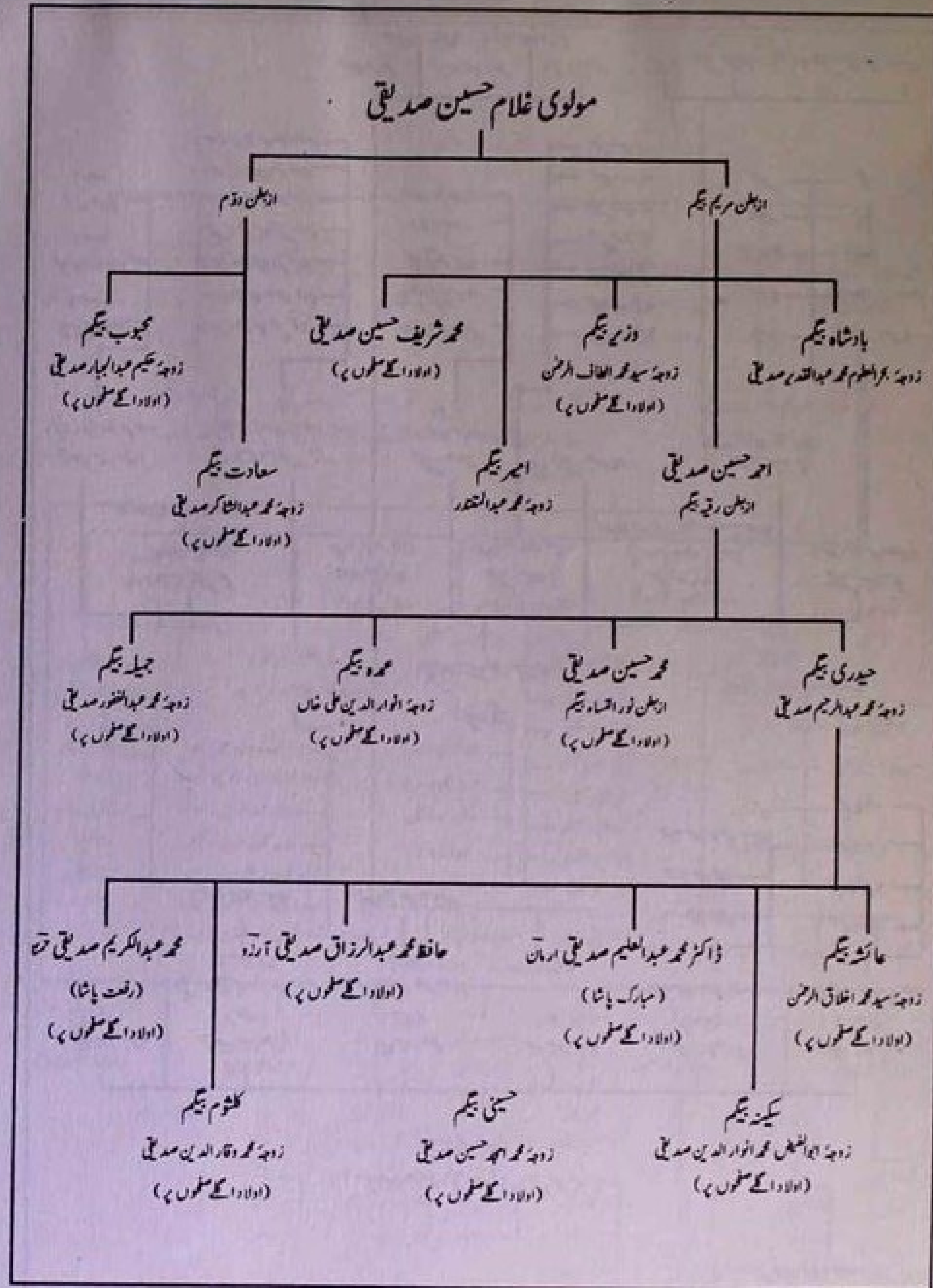


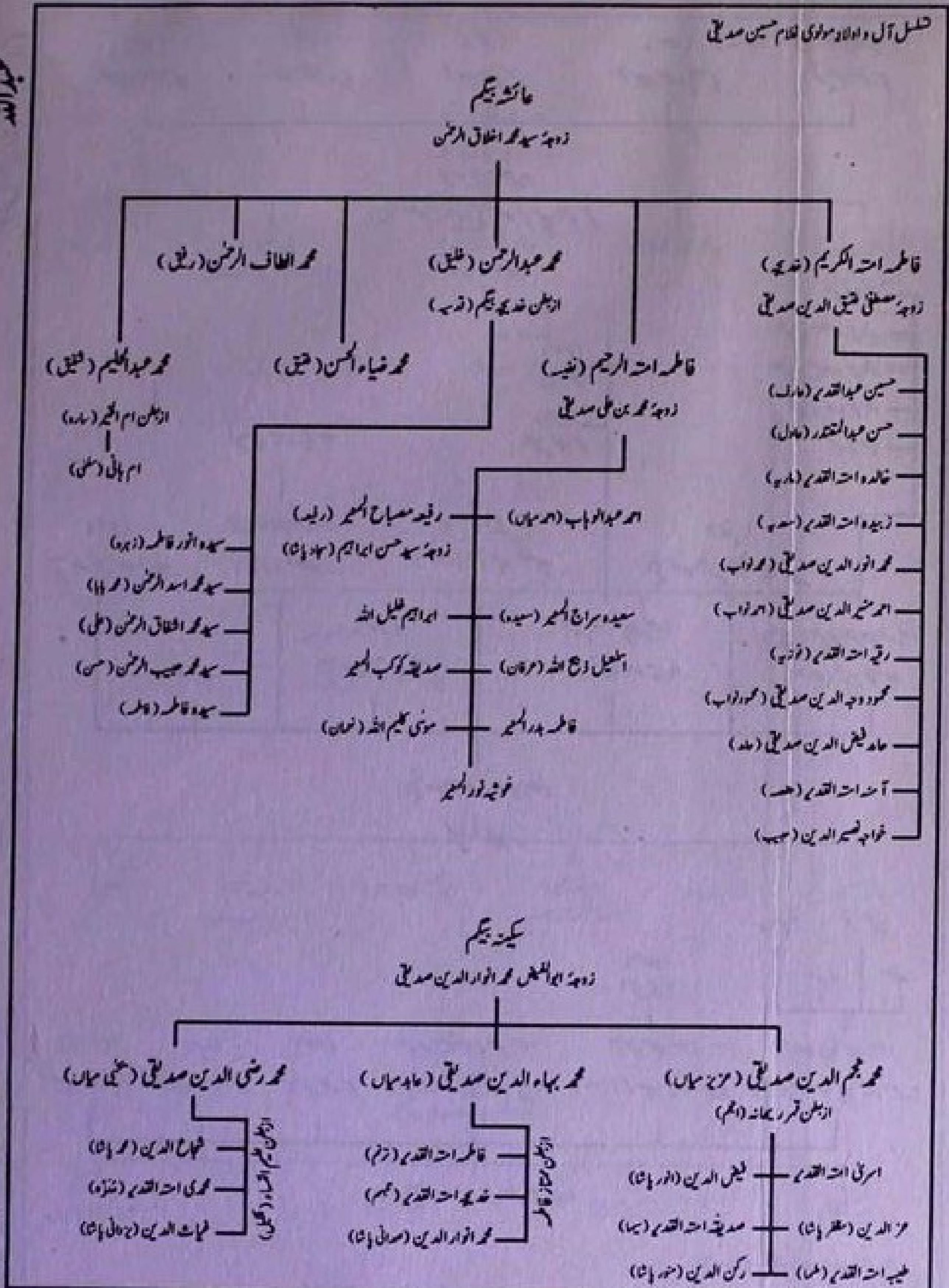


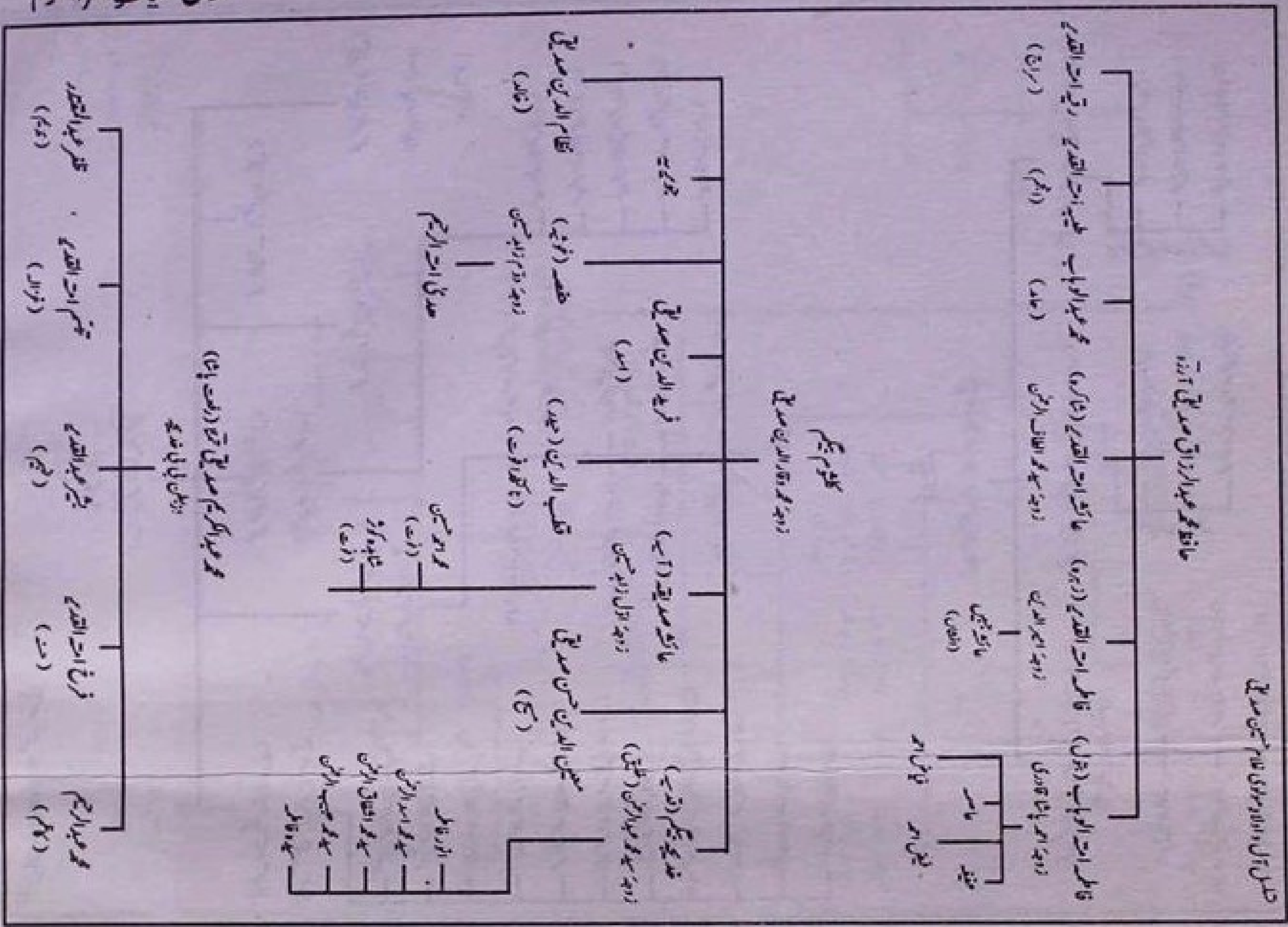


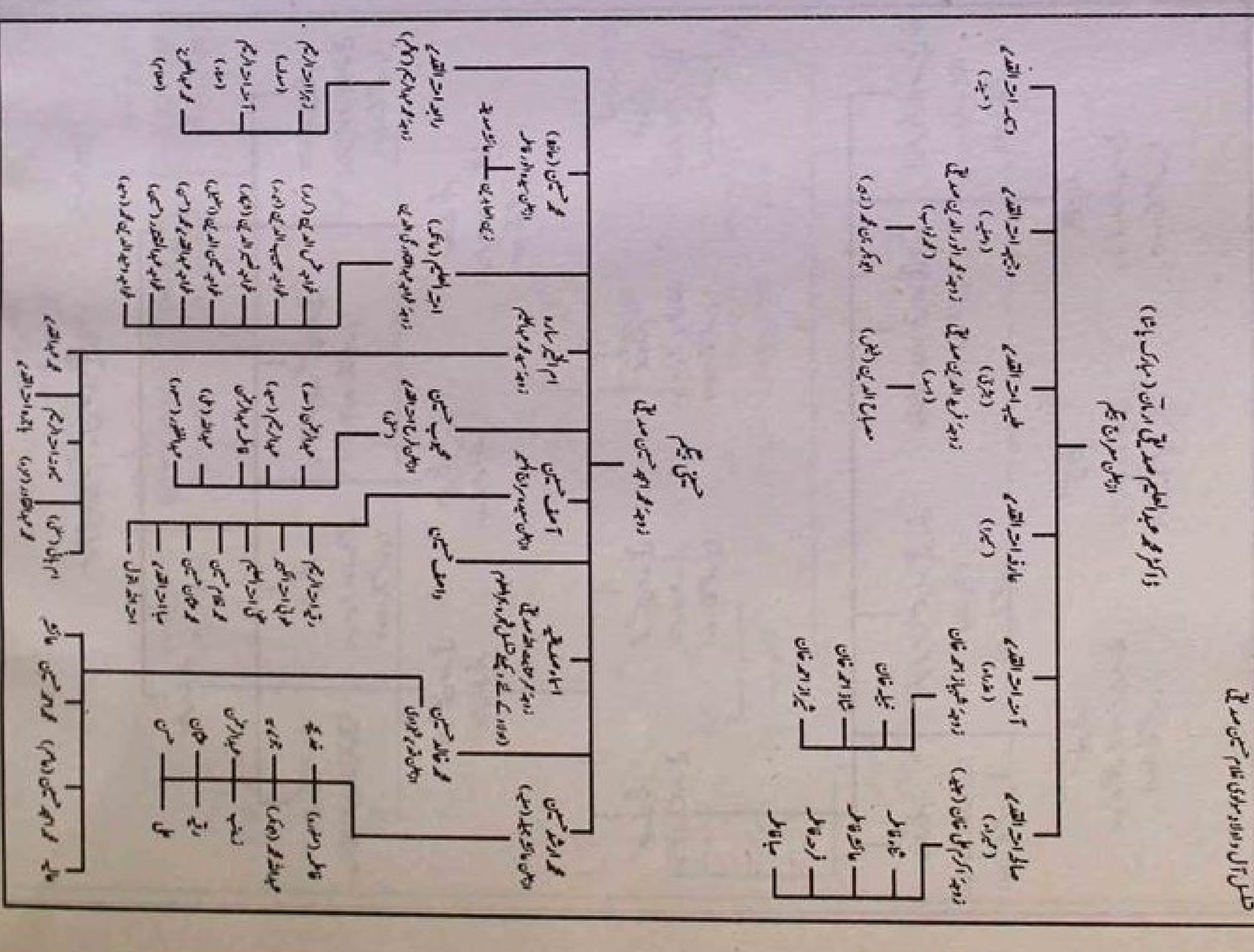


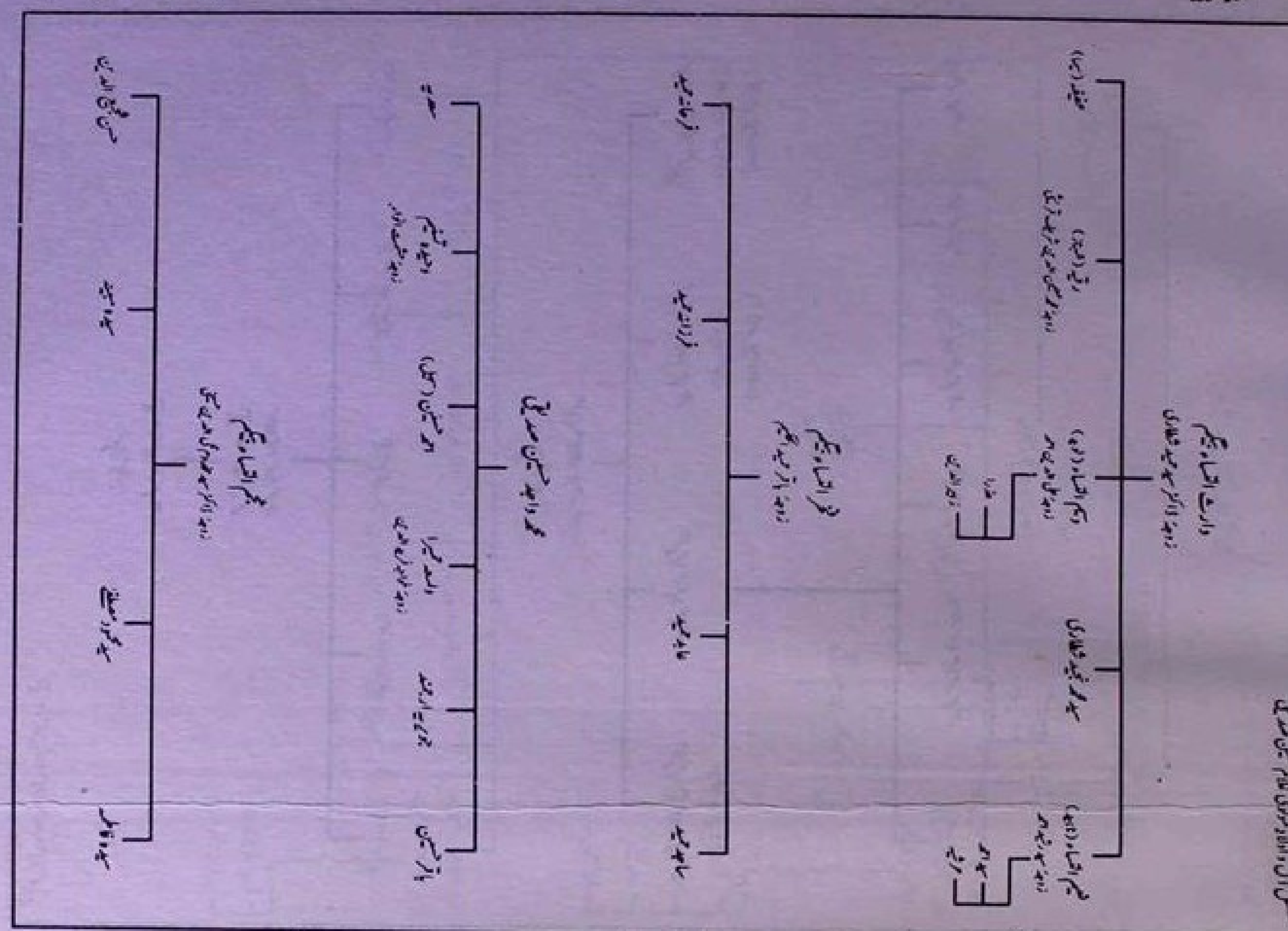


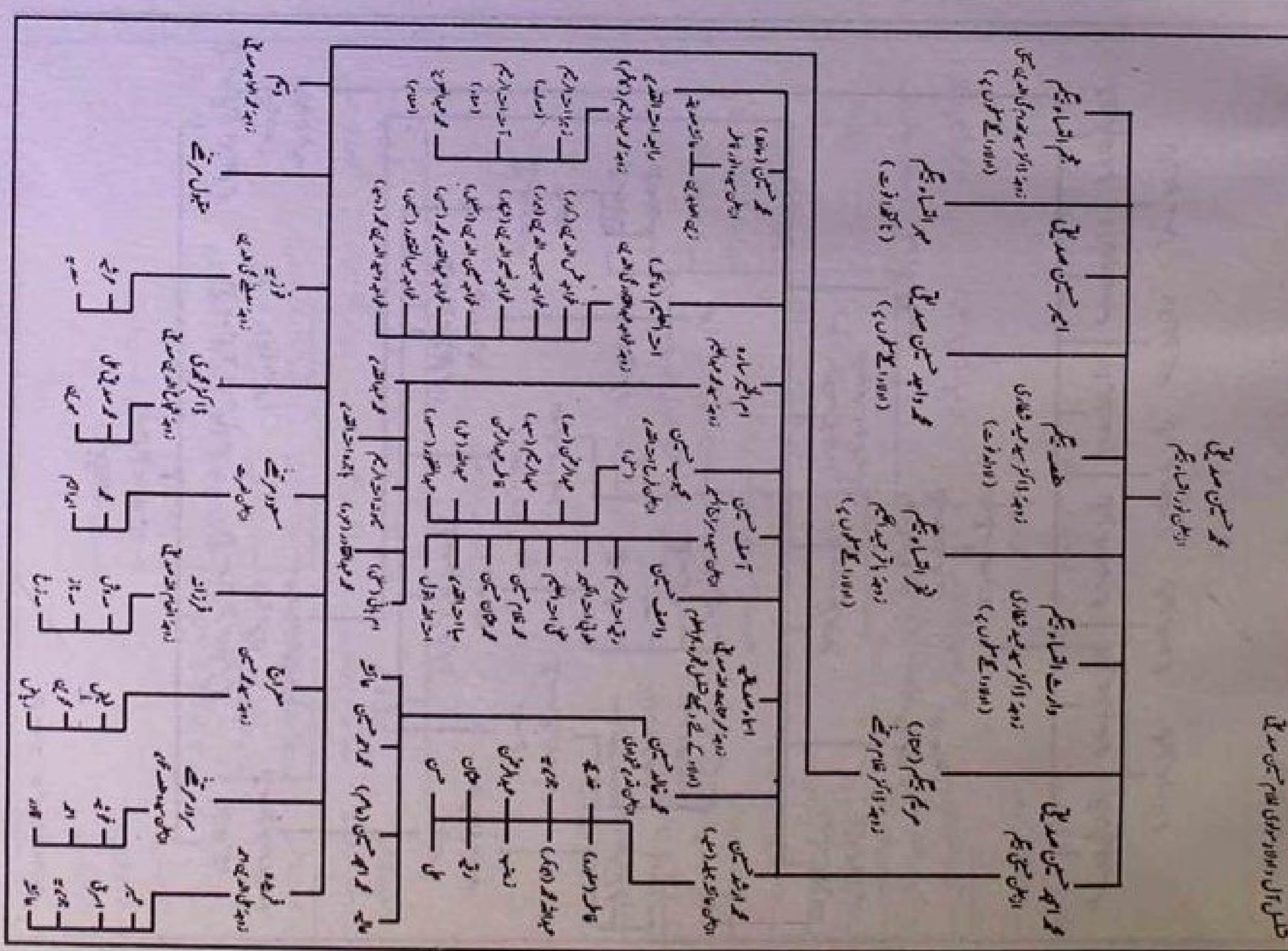

مولوی غلام حسین صدیقی
ازبطن مریم بیگم
ازبطن دوم
بادشاہ بیگم
زوجۂ بحرالعلوم محمد عبداللہ صدیقی
وزیر بیگم
زوجۂ سید محمد الطاف الرحمٰن
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محمد شریف حسین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محبوب بیگم
زوجۂ حکیم عبدالجبار صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
احمد حسین صدیقی
ازبطن رقیہ بیگم
امیر بیگم
زوجۂ محمد عبدالمقتدر
سعادت بیگم
زوجۂ محمد عبدالشاکر صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
حیدری بیگم
زوجۂ محمد عبدالرحیم صدیقی
محمد حسین صدیقی
ازبطن نورالنساء بیگم
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محمودہ بیگم
زوجۂ انوار الدین علی خاں
(اولاد اگلے صفحوں پر)
جمیلہ بیگم
زوجۂ محمد عبدالغفور صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
عائشہ بیگم
زوجۂ سید محمد اخلاق الرحمٰن
(اولاد اگلے صفحوں پر)
ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی ارمان
(مبارک پاشا)
(اولاد اگلے صفحوں پر)
حافظ محمد عبدالرزاق صدیقی آرزو
(اولاد اگلے صفحوں پر)
محمد عبدالکریم صدیقی تمنا
(رفعت پاشا)
(اولاد اگلے صفحوں پر)
سکینہ بیگم
زوجۂ ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
حسنی بیگم
زوجۂ محمد احمد حسین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
کلثوم بیگم
زوجۂ محمد وقار الدین صدیقی
(اولاد اگلے صفحوں پر)

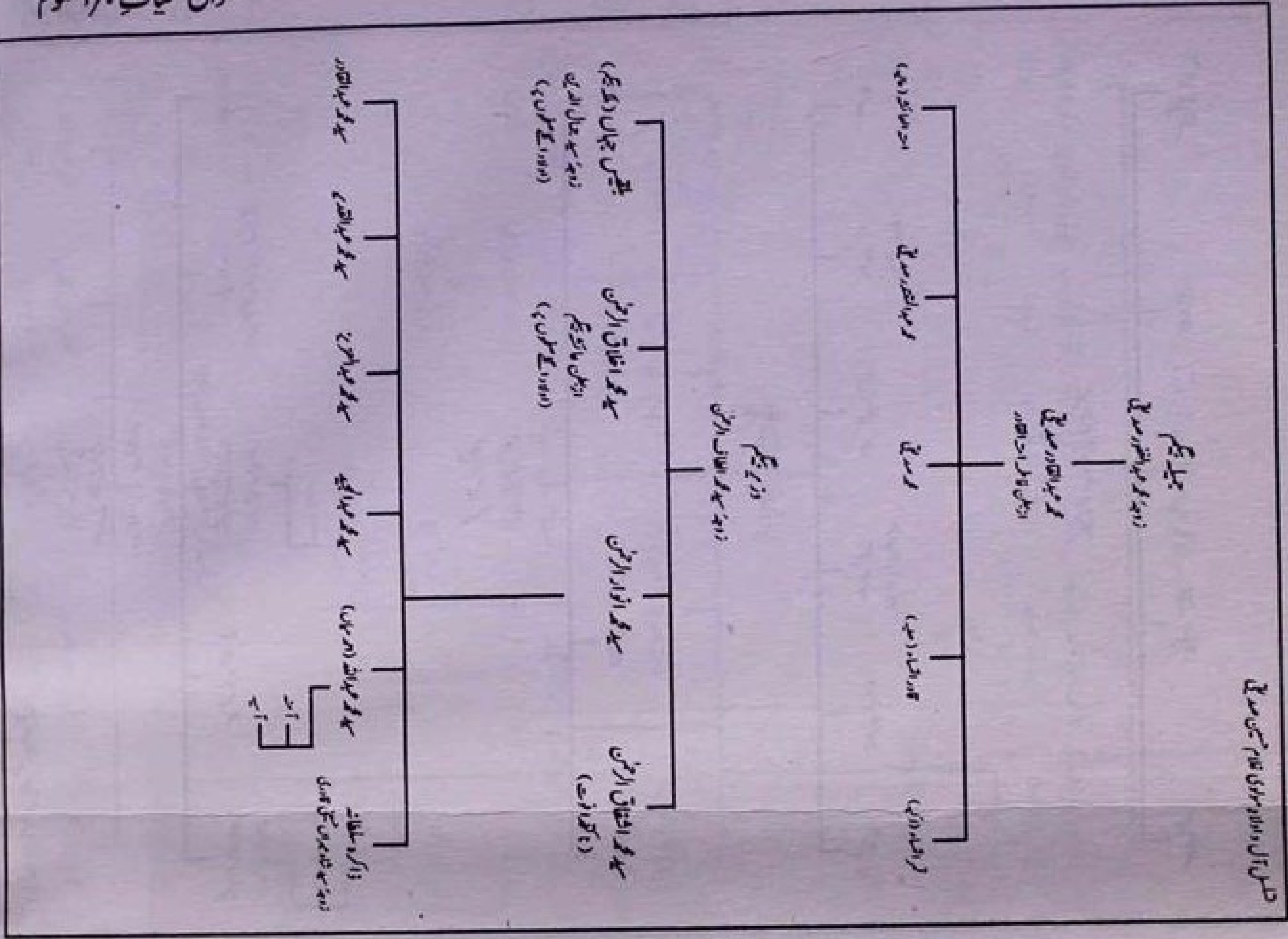

سلسلۂ آل و اولاد مولوی غلام حسین صدیقی
عائشہ بیگم
زوجۂ سید محمد اخلاق الرحمٰن
فاطمہ امۃ الکریم (خدیجہ)
زوجۂ مصطفیٰ شفیق الدین صدیقی
فاطمہ امۃ الرحیم (نفیسہ)
زوجۂ محمد بن علی صدیقی
محمد عبدالرحمٰن (خلیق)
ازبطن خدیجہ بیگم (قدسیہ)
محمد ضیاء الحسن (شفیق)
محمد الطاف الرحمٰن (رفیق)
محمد عبدالحلیم (شفیق)
ازبطن ام الخیر (سارہ)
ام ہانی (سلمیٰ)
حسین عبدالقدیر (عارف)
حسن عبدالمقتدر (عادل)
خالدہ امۃ القدیر (مارہ)
زبیدہ امۃ القدیر (سدرہ)
محمد انور الدین صدیقی (محمد نواب)
احمد منیر الدین صدیقی (احمد نواب)
رقیہ امۃ القدیر (فوزیہ)
محمود وجیہ الدین صدیقی (محمود نواب)
حامد فیض الدین صدیقی (حامد)
آمنہ امۃ القدیر (حفصہ)
خواجہ نصیر الدین (حبیب)
احمد عبدالوہاب (احمد میاں)
رفیعہ مصباح المنیر (رفیعہ)
زوجۂ سید حسن ابراہیم (سہراب پاشا)
سعیدہ سراج المنیر (سعیدہ)
ابراہیم خلیل اللہ
اسمٰعیل ذبیح اللہ (عرفان)
صدیقہ کوکب المنیر
فاطمہ بدر المنیر
موسیٰ کلیم اللہ (نعمان)
نوشابہ نور المنیر
سیدہ انور فاطمہ (زہرہ)
سید محمد اسد الرحمٰن (حماد)
سید محمد اشفاق الرحمٰن (علی)
سید محمد حبیب الرحمٰن (حسن)
سیدہ فاطمہ (عالیہ)
سکینہ بیگم
زوجۂ ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی
محمد نجم الدین صدیقی (عزیز میاں)
ازبطن قمر ریحانہ (انجم)
اسریٰ امۃ القدیر
فیض الدین (انور پاشا)
عز الدین (مظفر پاشا)
صدیقہ امۃ القدیر (سیما)
طیبہ امۃ القدیر (طوبیٰ)
رکن الدین (منور پاشا)
محمد بہاء الدین صدیقی (عابد میاں)
ازبطن ممتاز فاطمہ
فاطمہ امۃ القدیر (نازیہ)
خدیجہ امۃ القدیر (انجم)
محمد انوار الدین (صولت پاشا)
محمد رضی الدین صدیقی (ہنی میاں)
ازبطن حلیم النساء (شکیل)
شہاب الدین (احمد پاشا)
محمدی امۃ القدیر (منزہ)
غیاث الدین (جمال پاشا)

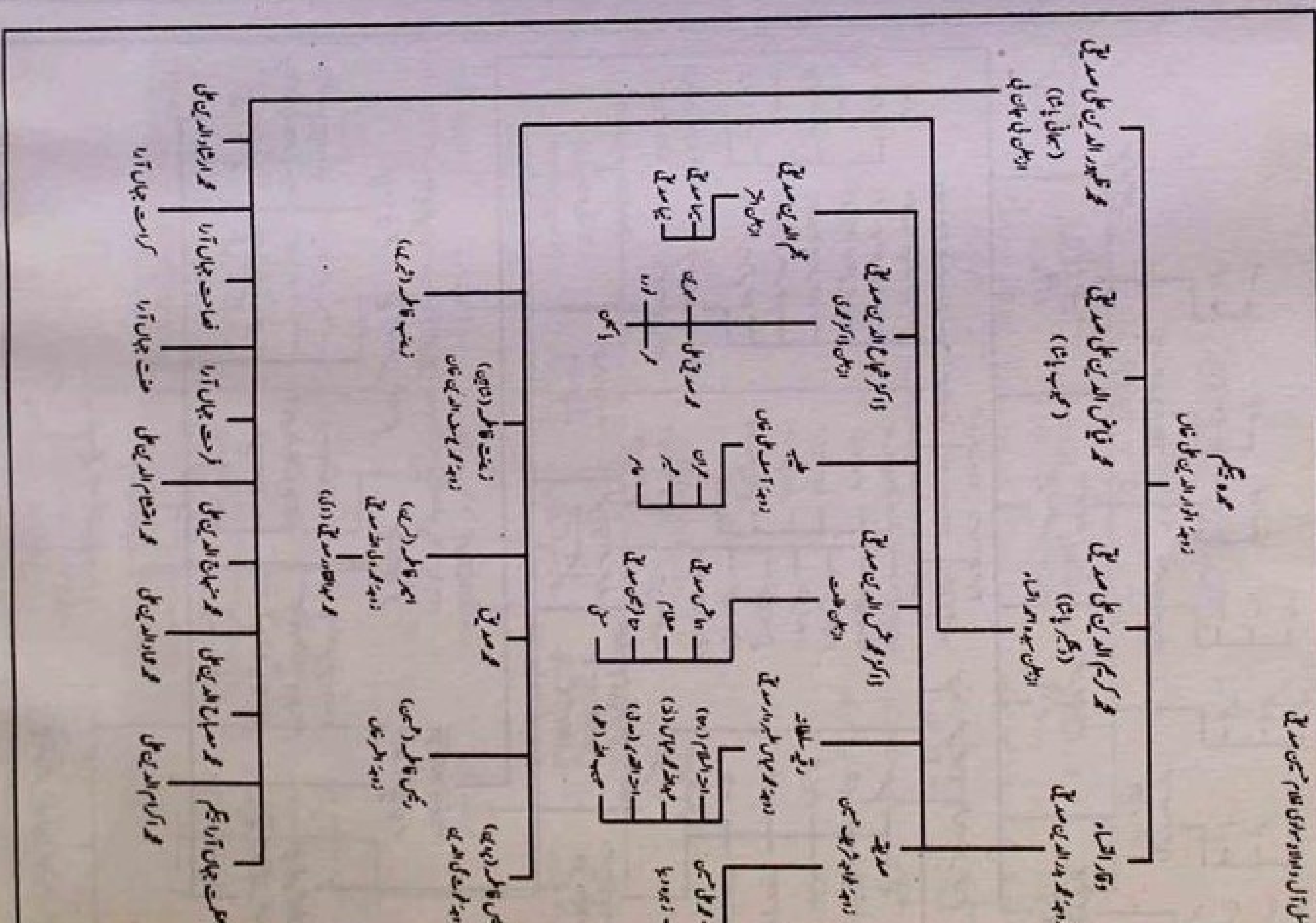


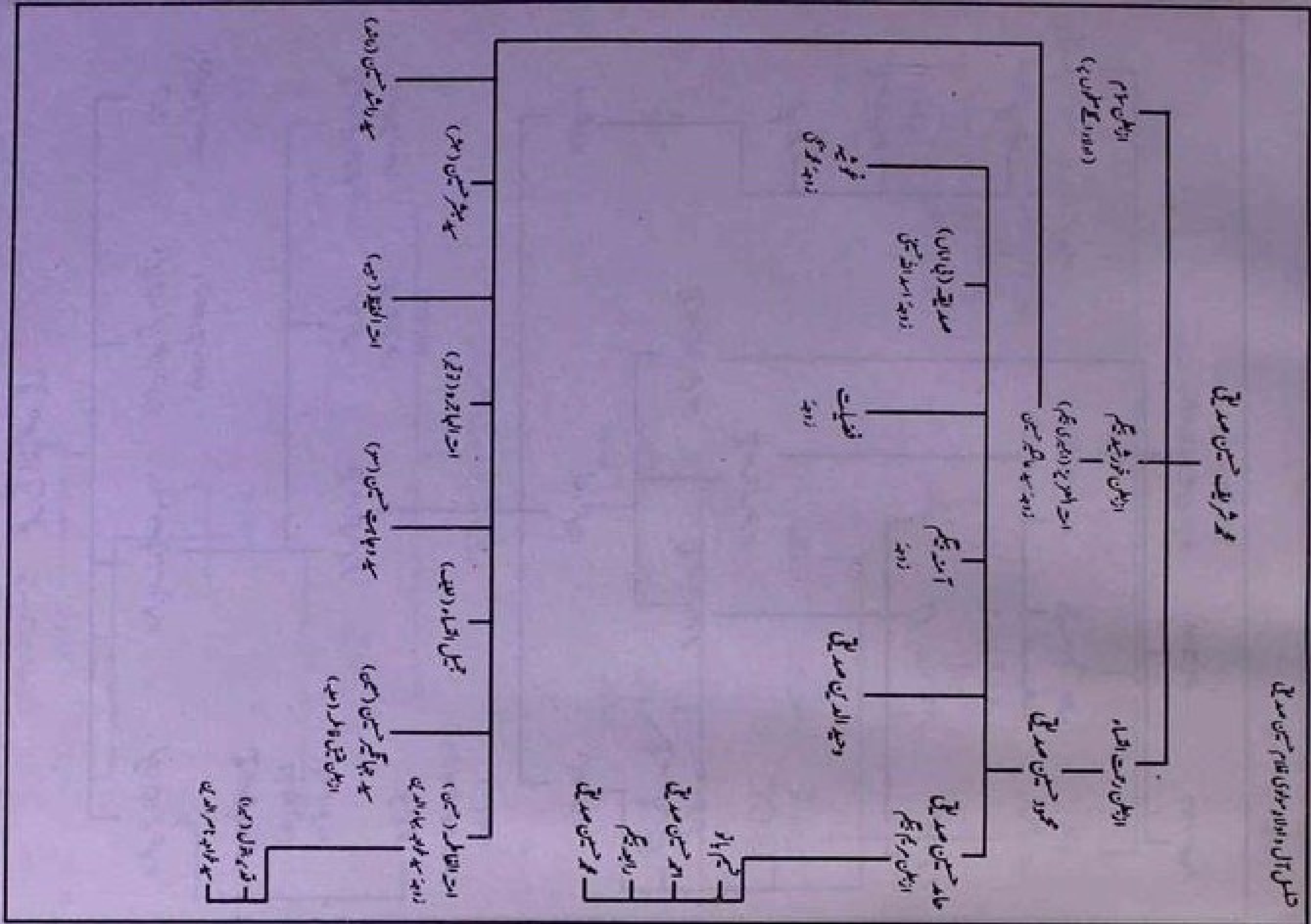


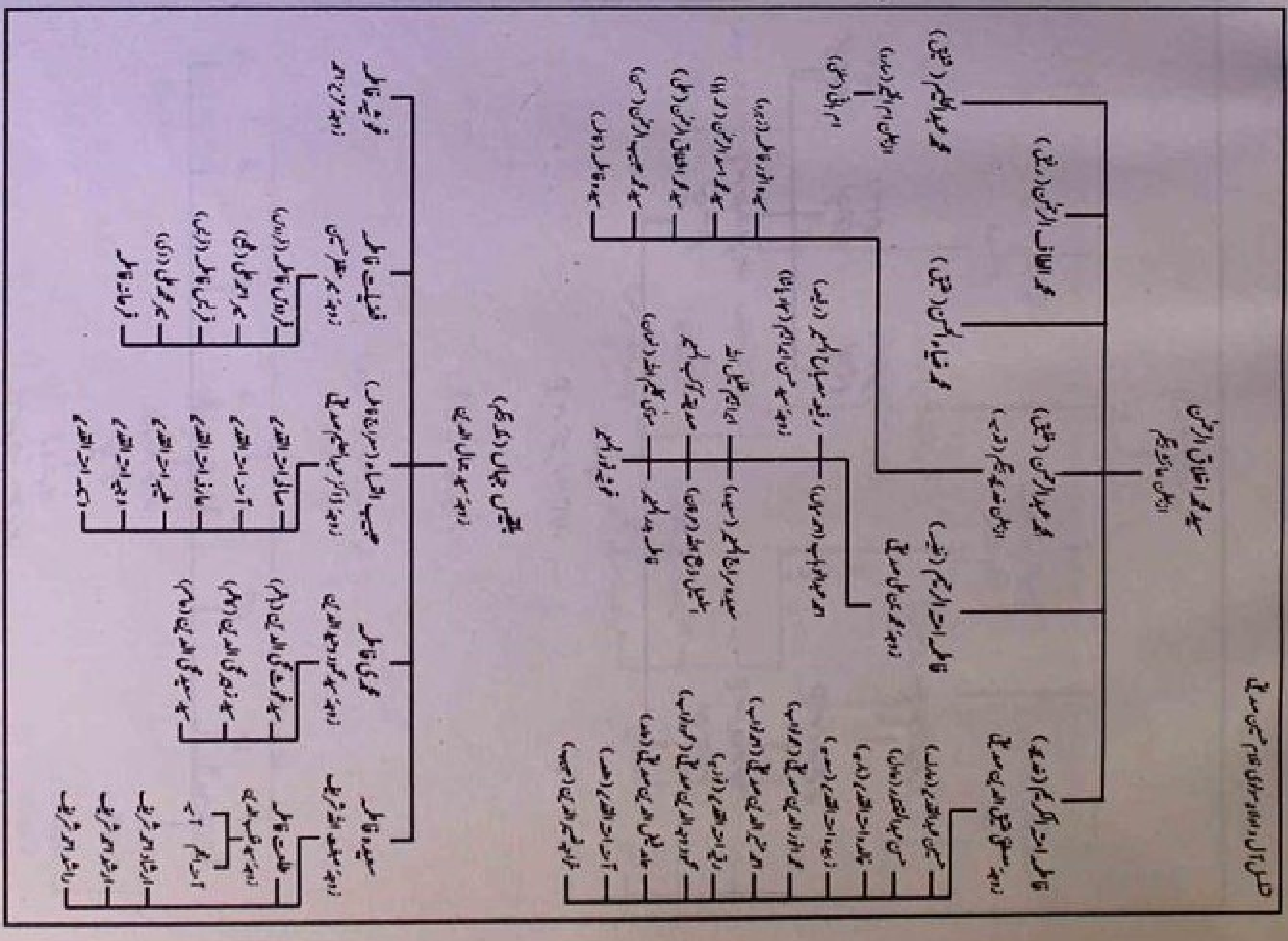


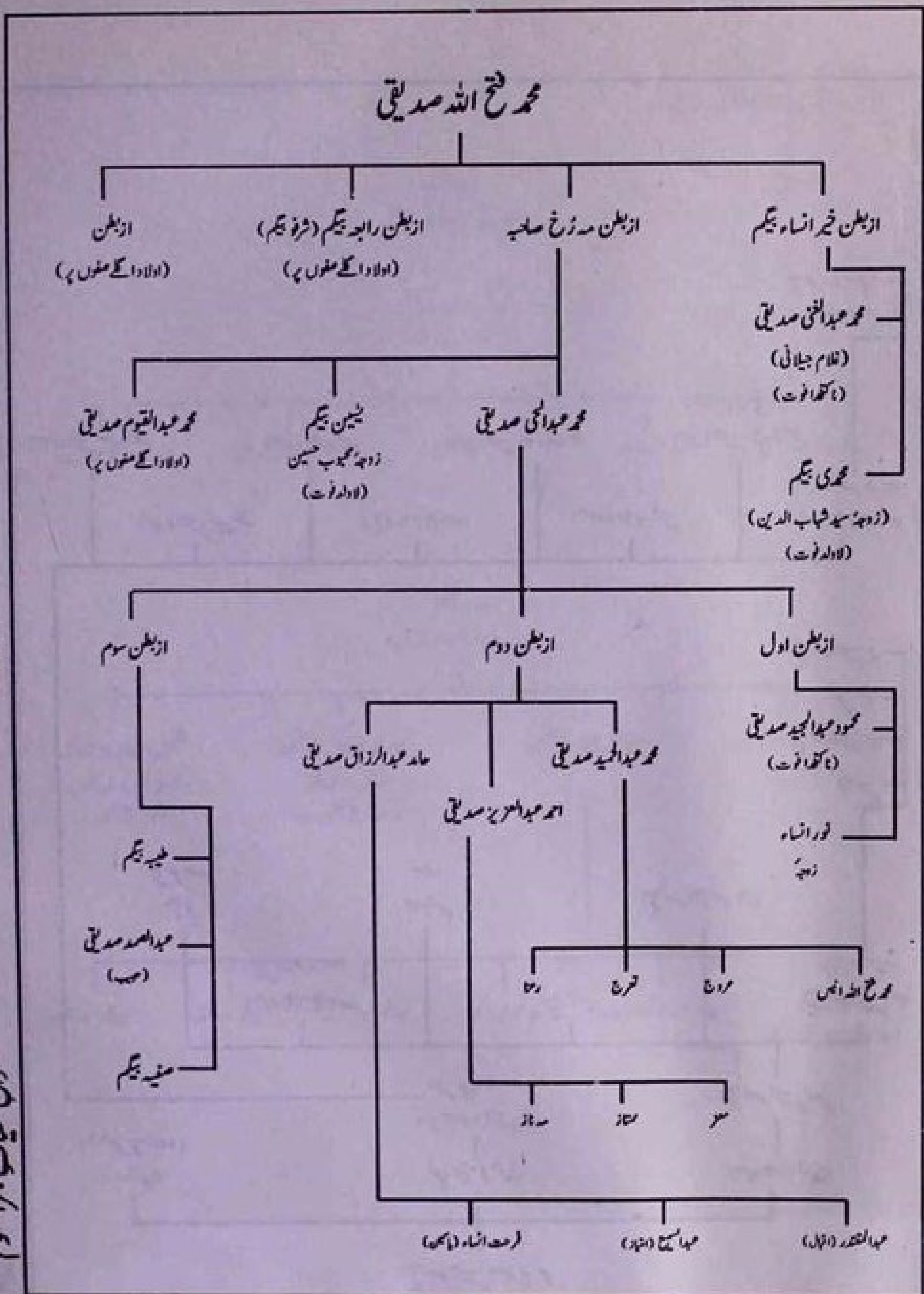




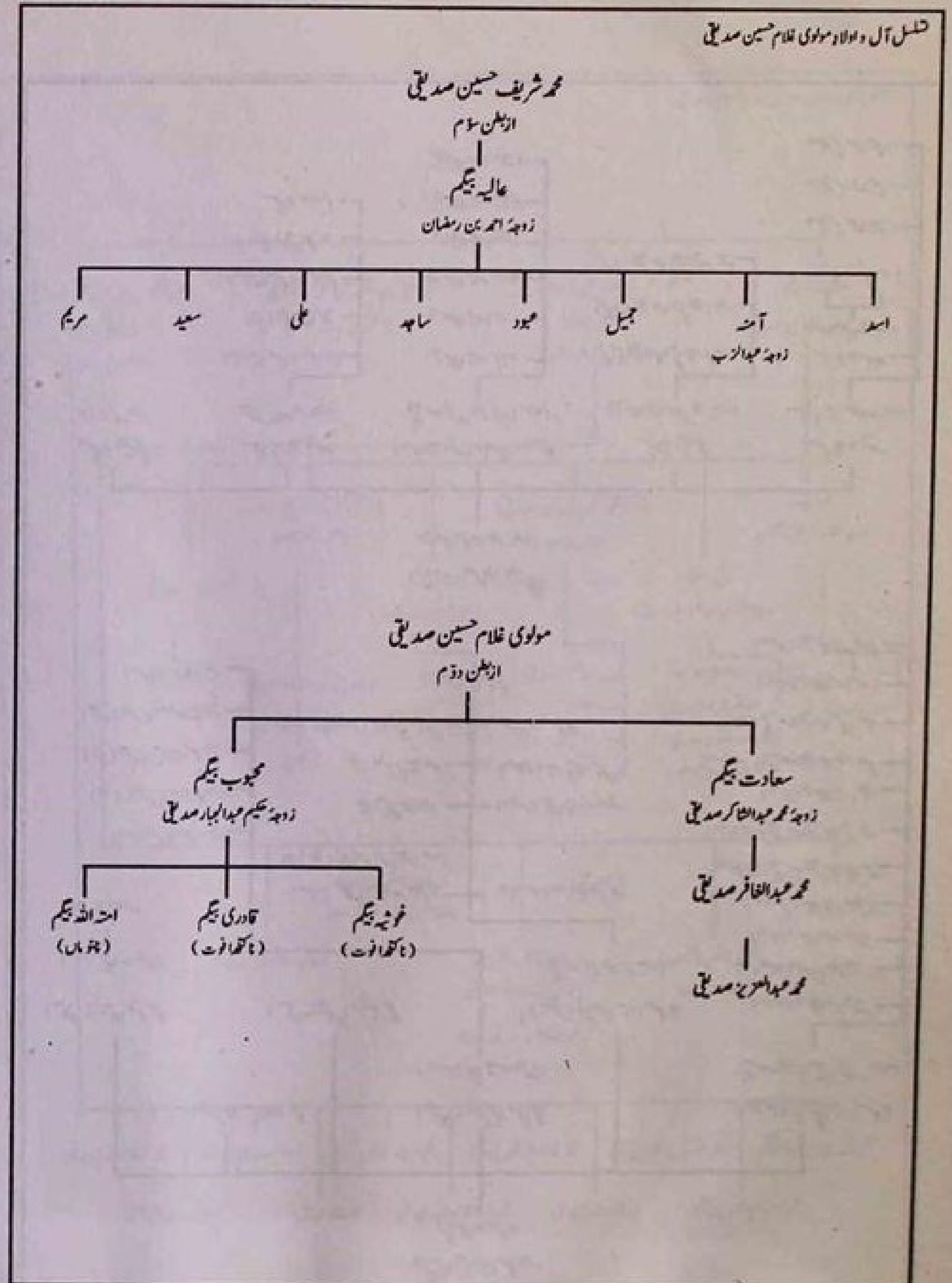




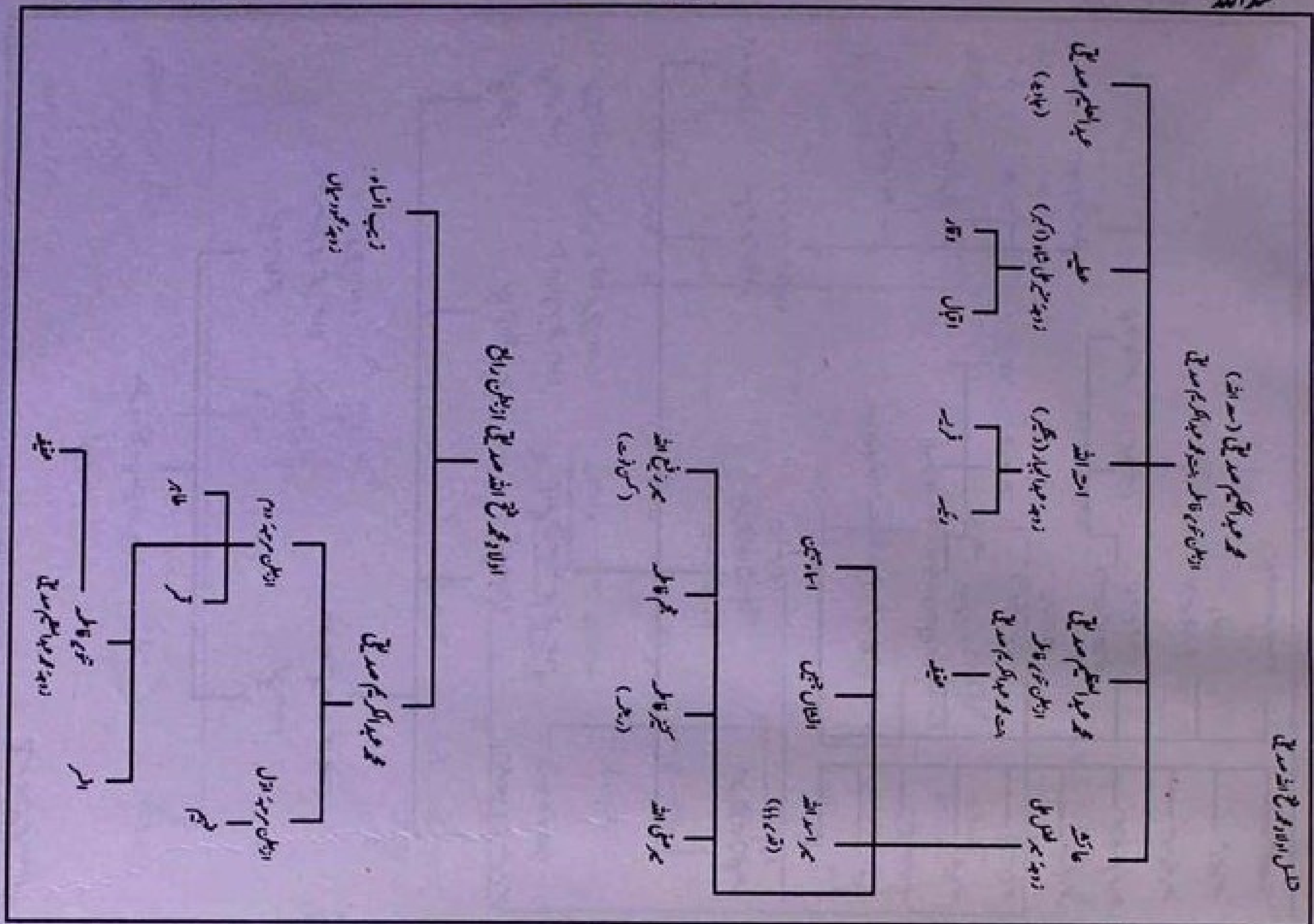


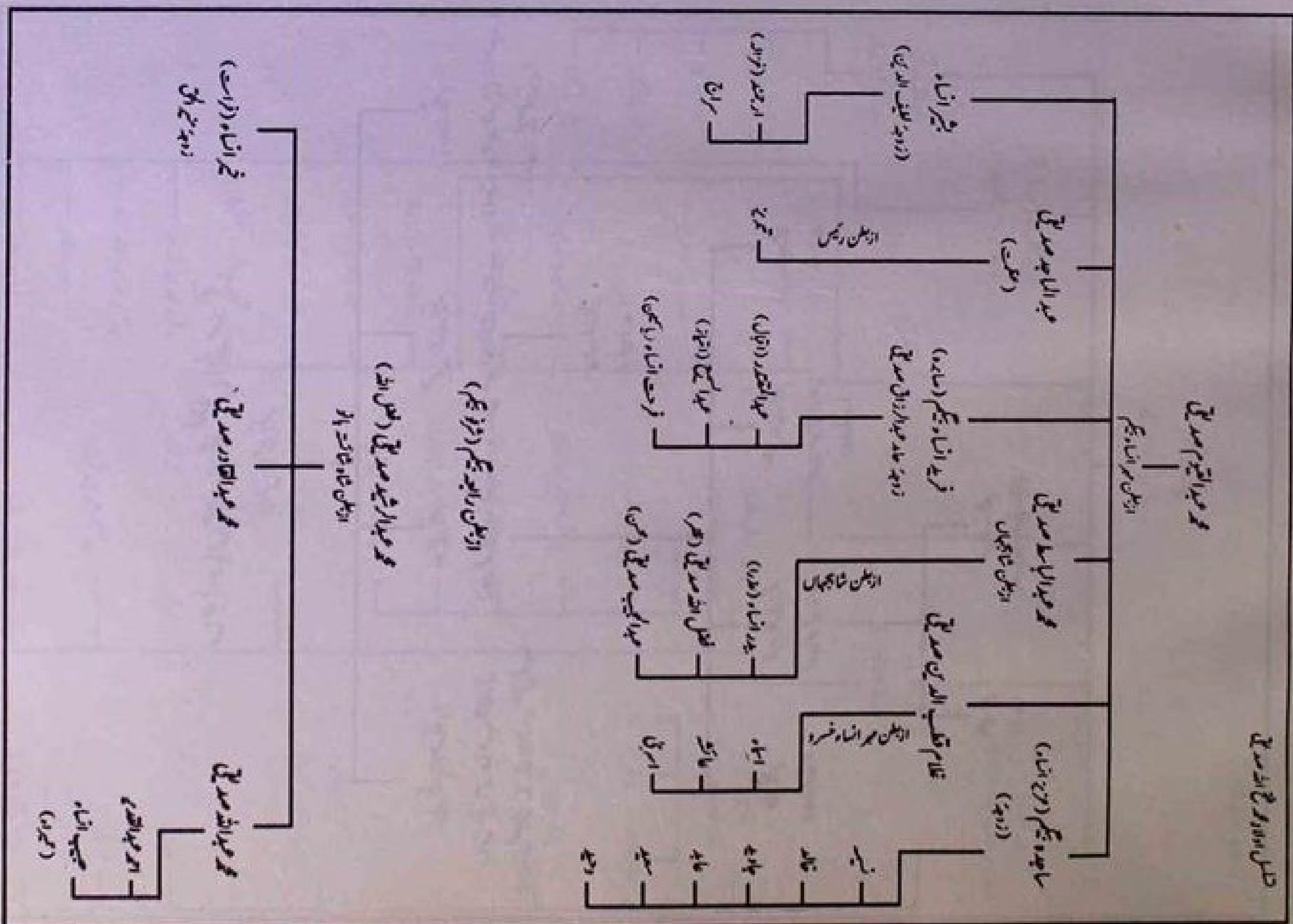


محمد فتح اللہ صدیقی
ازبطن خیر النساء بیگم
ازبطن مہ رُخ صاحبہ
ازبطن رابعہ بیگم (تزئو بیگم)
(اولاد اگلے صفوں پر)
ازبطن
(اولاد اگلے صفوں پر)
محمد عبدالغنی صدیقی
(غلام جیلانی)
(لاولد فوت)
محمدی بیگم
(زوجۂ سید شہاب الدین)
(لاولد فوت)
محمد عبدالحی صدیقی
یٰسین بیگم
زوجۂ محبوب حسین
(لاولد فوت)
محمد عبدالقیوم صدیقی
(اولاد اگلے صفوں پر)
ازبطن اول
ازبطن دوم
ازبطن سوم
محمود عبدالمجید صدیقی
(لاولد فوت)
نور النساء
زوجۂ
محمد عبدالحمید صدیقی
احمد عبدالعزیز صدیقی
حامد عبدالرزاق صدیقی
طیبہ بیگم
عبدالصمد صدیقی
(حبیب)
صفیہ بیگم
محمد فتح اللہ انیس
عروج
فرح
رعنا
سحر
ممتاز
مہ ناز
عبدالشکور (اقبال)
عبدالسمیع (امتیاز)
(رحمت النساء (ناہید)



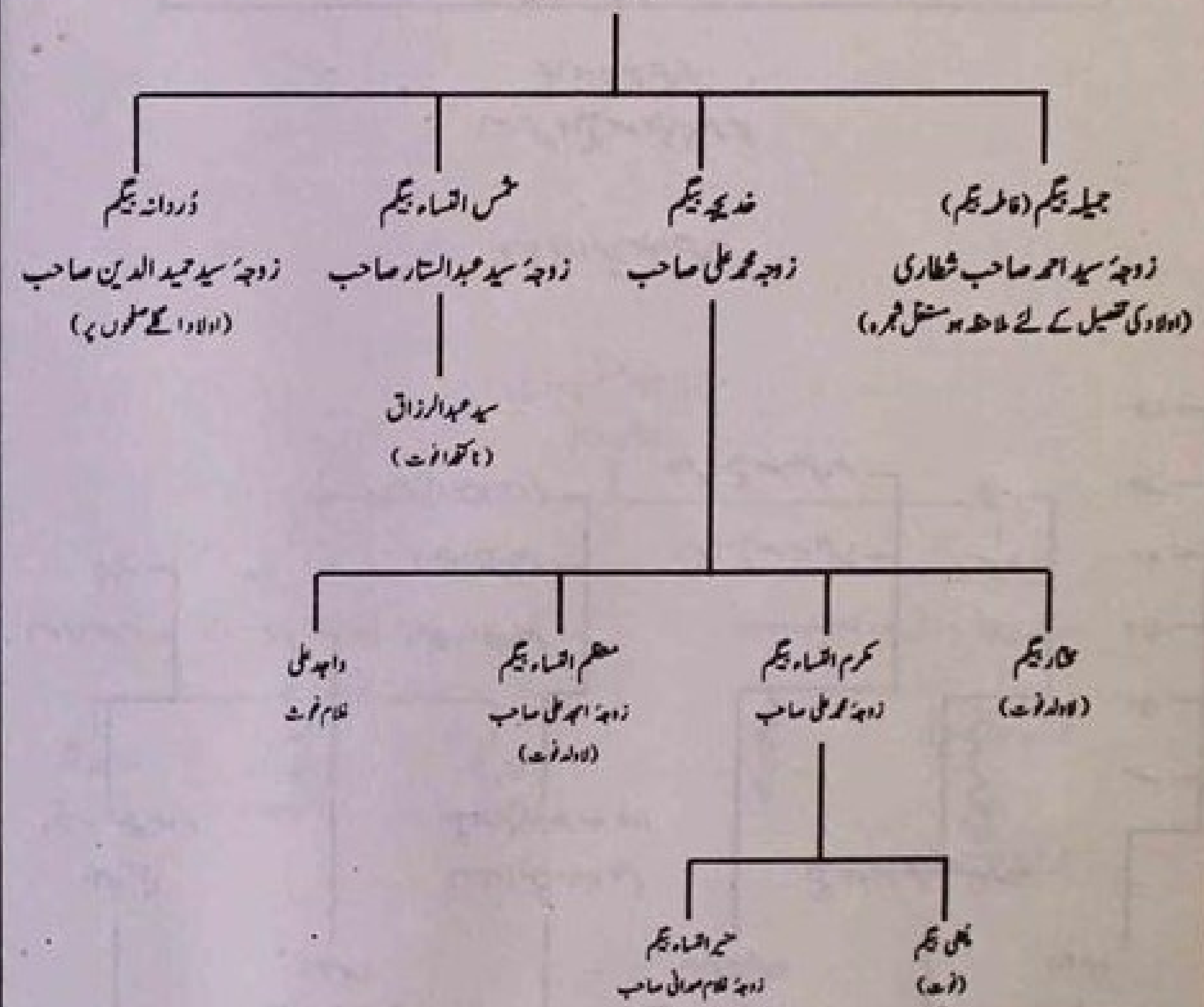
تسلسل آل و اولاد مولوی غلام حسین صدیقی
محمد شریف حسین صدیقی
ازبطن سوم
عالیہ بیگم
زوجۂ احمد بن رمضان
اسد
آمنہ
زوجۂ عبدالرب
جمیل
محمود
ساجد
علی
سعید
مریم
مولوی غلام حسین صدیقی
ازبطن دوم
سعادت بیگم
زوجۂ محمد عبدالشاکر صدیقی
محمد عبدالغافر صدیقی
محمد عبدالعزیز صدیقی
محبوب بیگم
زوجۂ حکیم عبدالجبار صدیقی
خورشید بیگم
(لاولد فوت)
قادری بیگم
(لاولد فوت)
امۃ اللہ بیگم
(حیات ہیں)



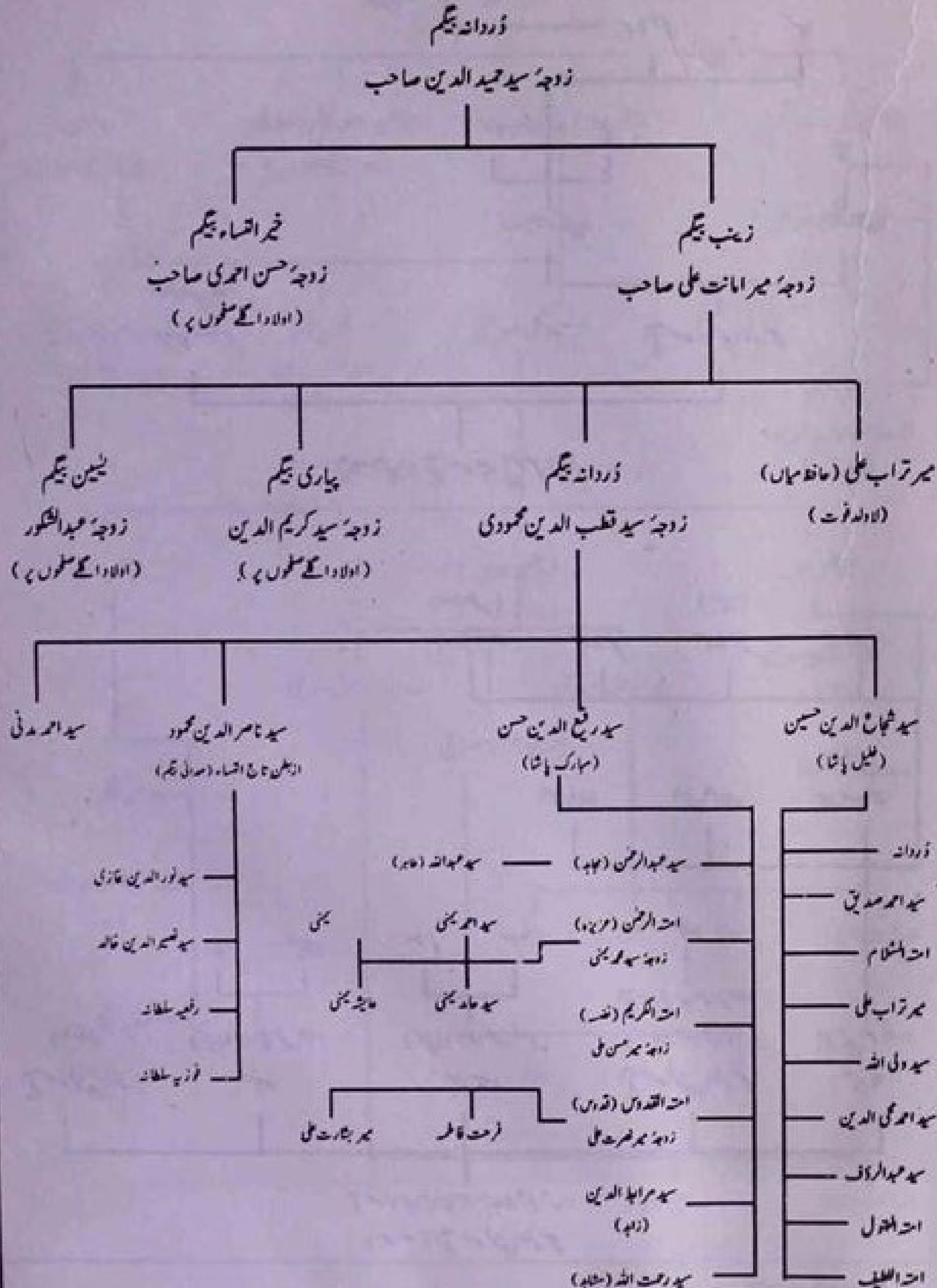


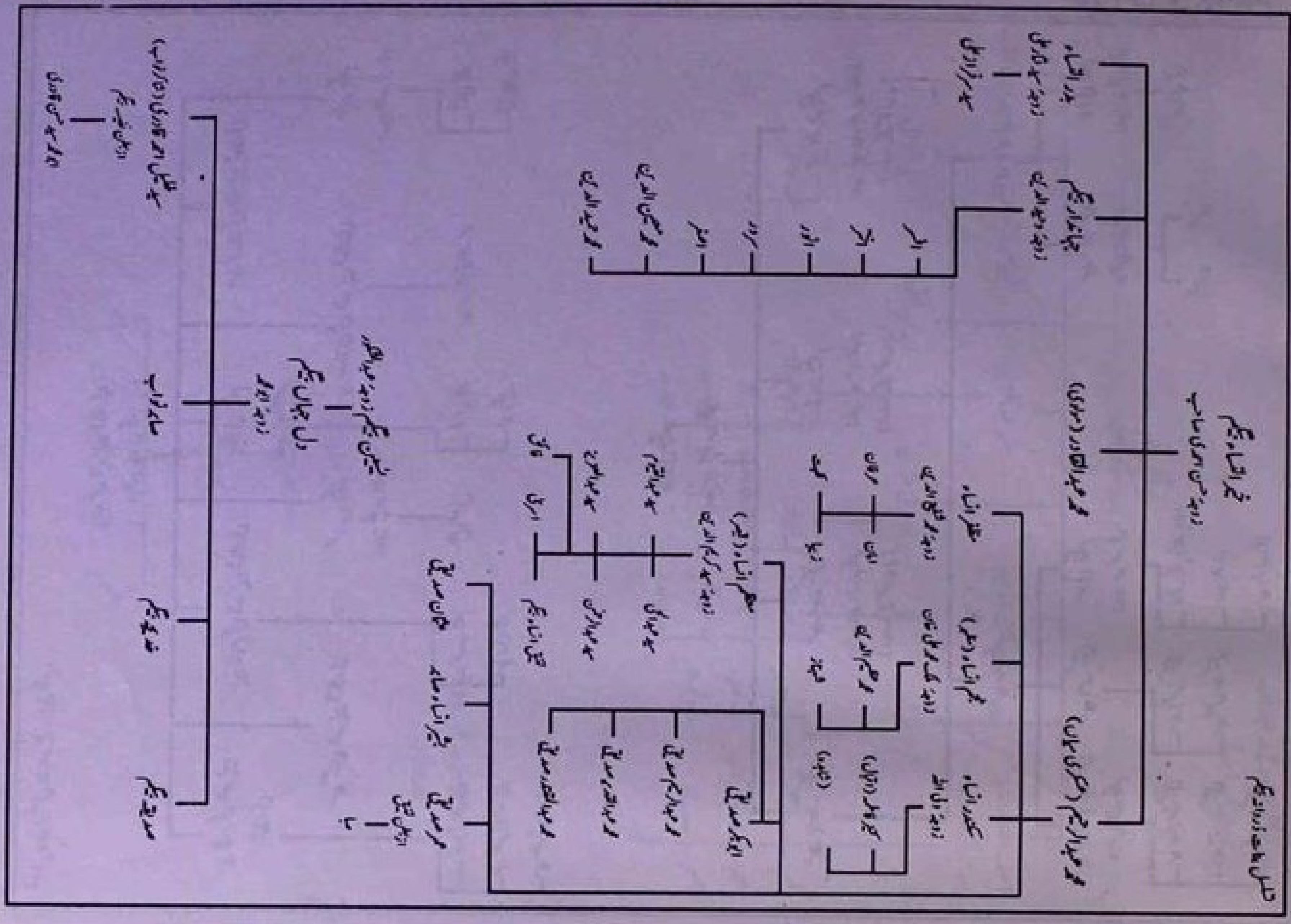
صاحبزادیاں حضرت محمد فضل اللہ صدیقی

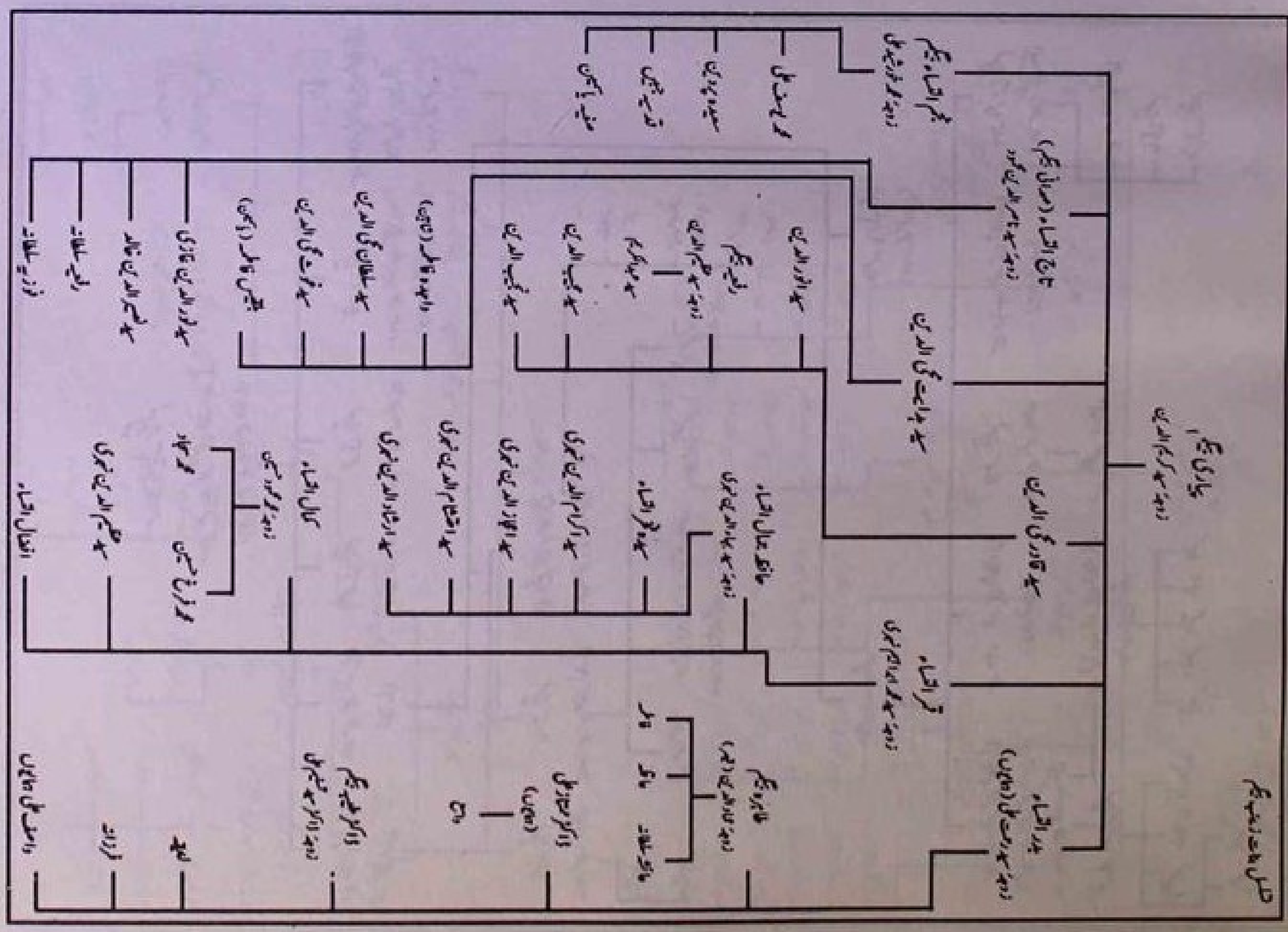
از بطن عائشہ بیگم

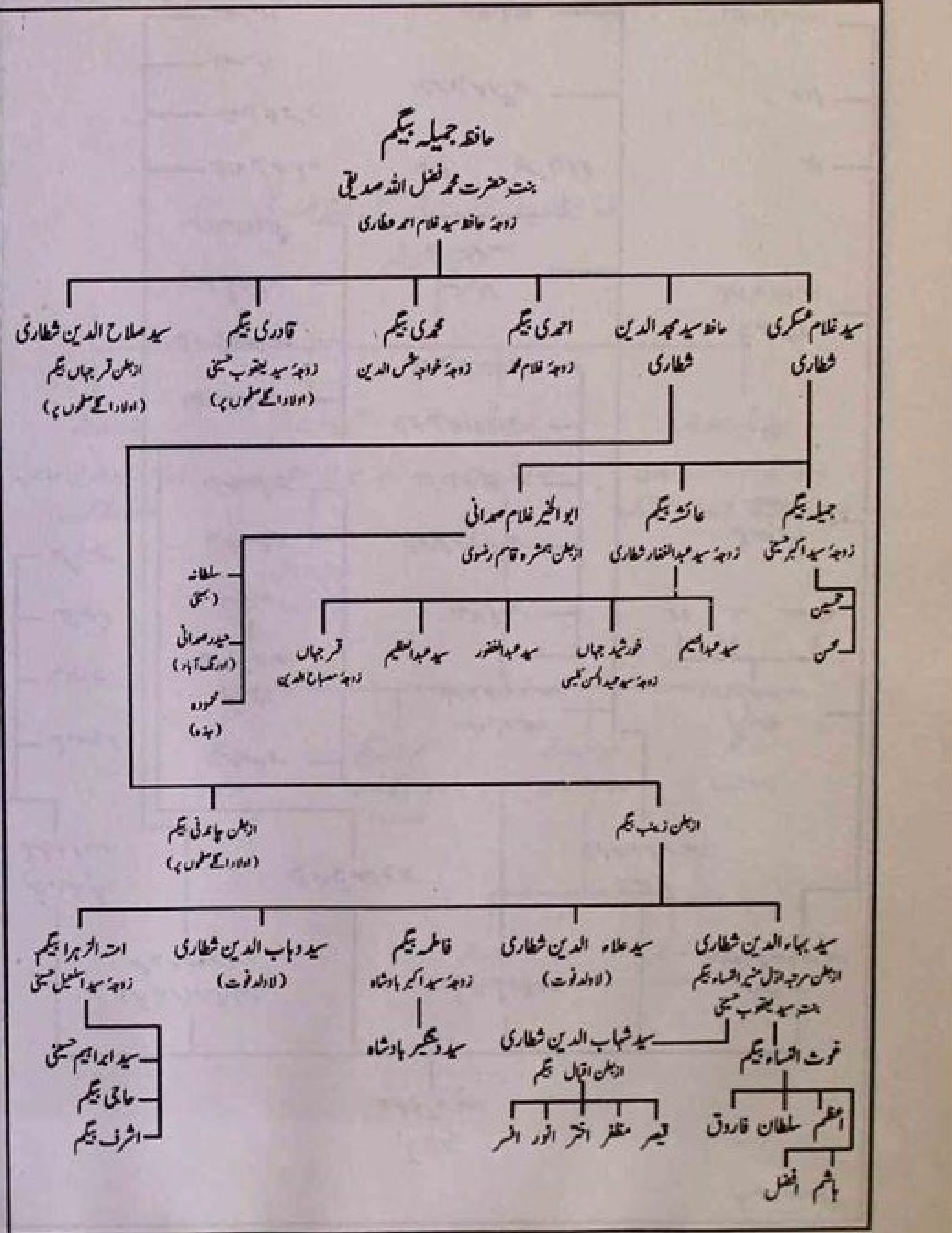


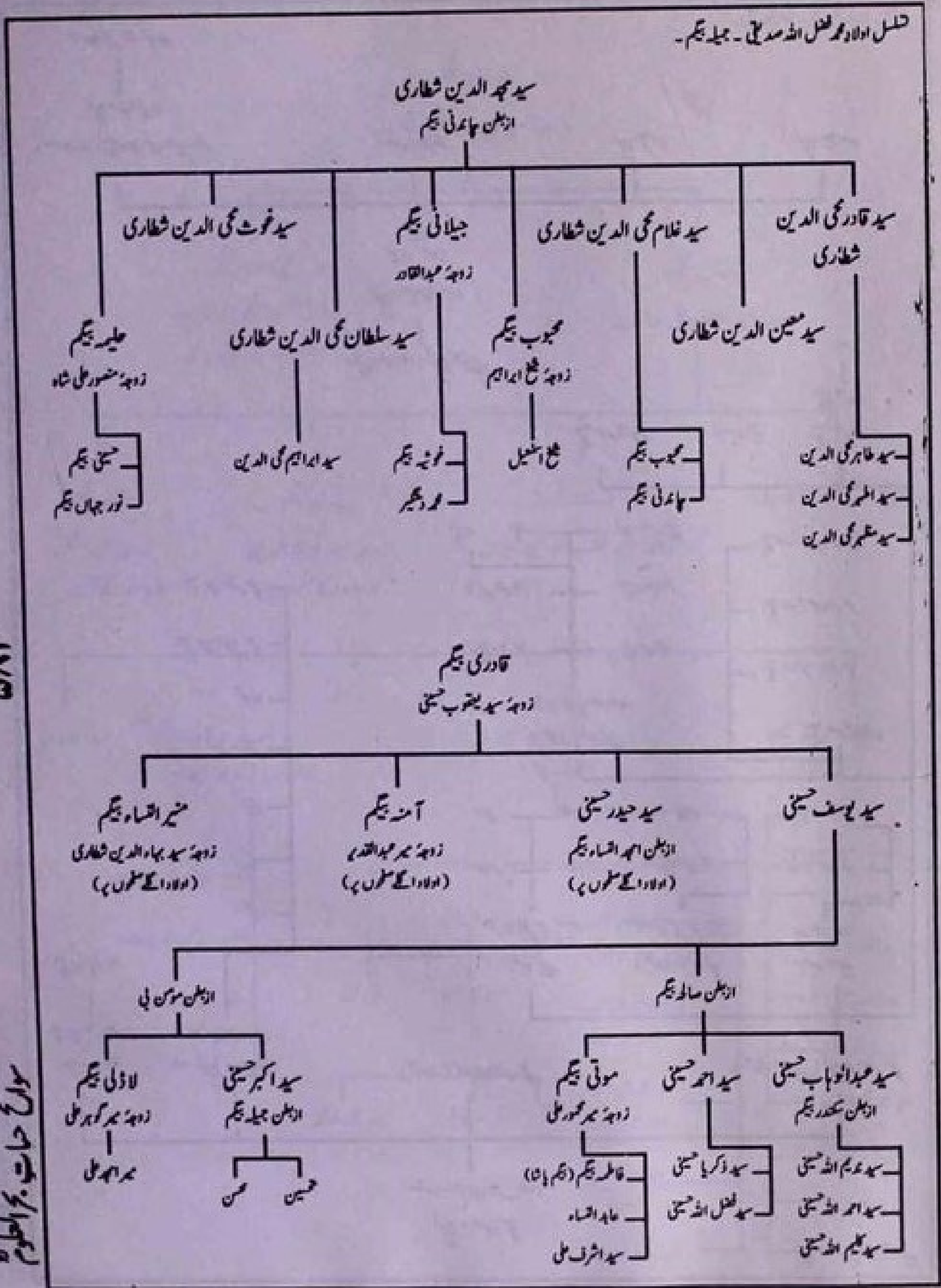
تسلسل ہائے محمد فضل اللہ صدیقی



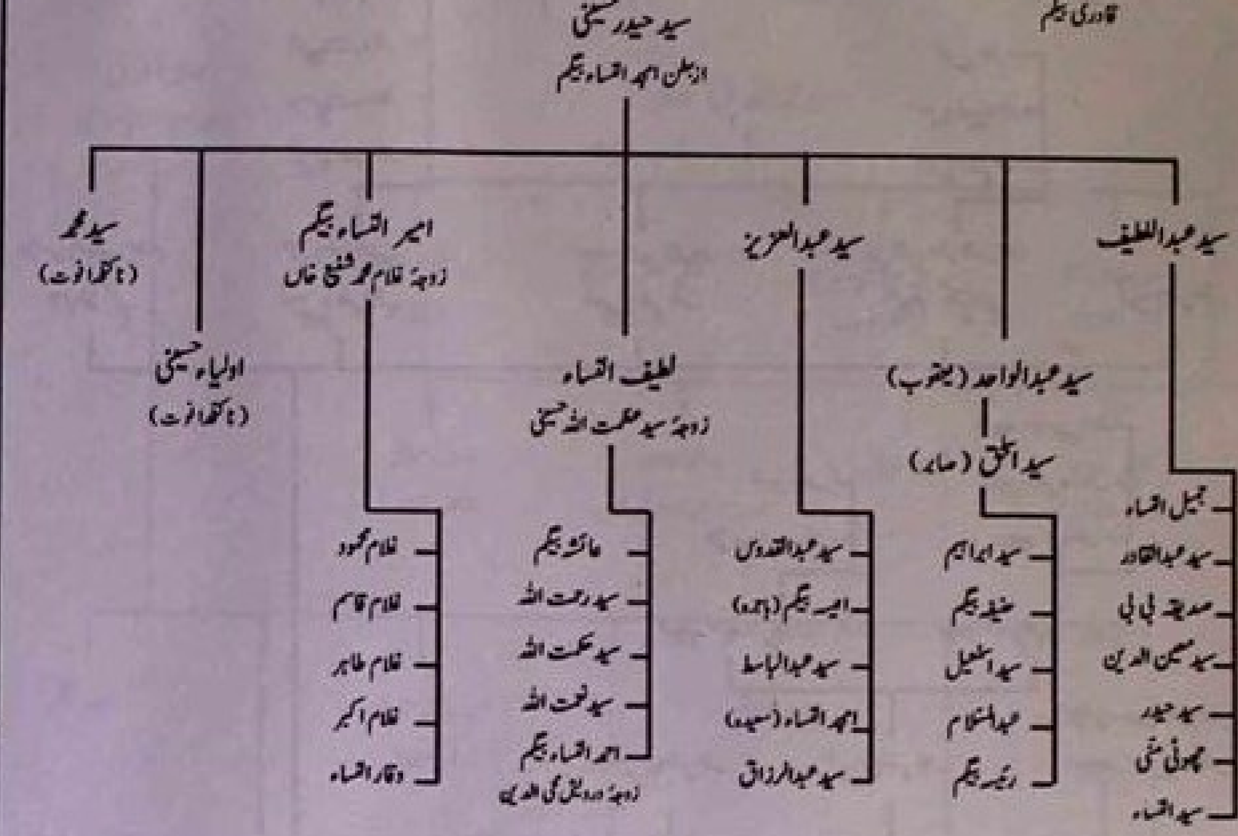


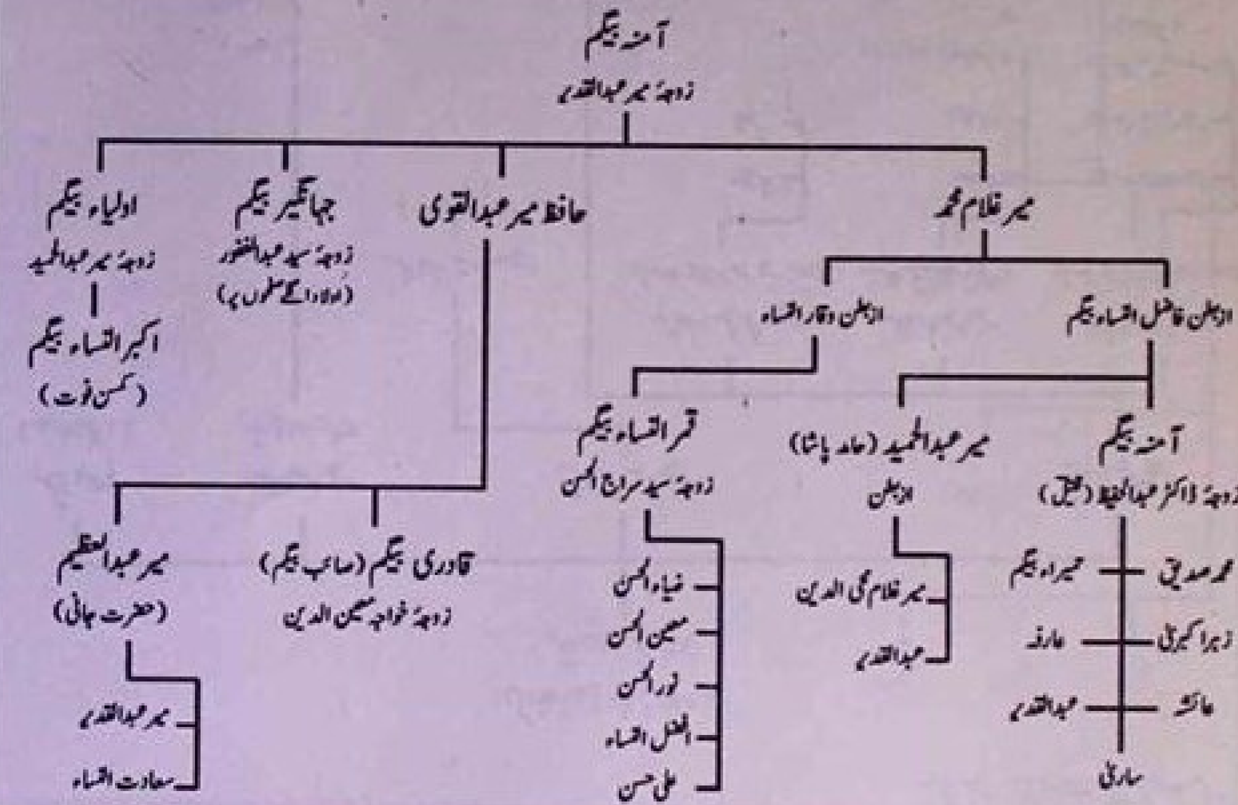



حافظہ جمیلہ بیگم
بنت حضرت محمد فضل اللہ صدیقی
زوجۂ حافظ سید غلام احمد شطاری
سید غلام عسکری شطاری
حافظ سید مجد الدین شطاری
احمدی بیگم
زوجۂ غلام محمد
محمدی بیگم
زوجۂ خواجہ شمس الدین
قادری بیگم
زوجۂ سید یعقوب حسینی
(اولاد آگے صفحوں پر)
سید صلاح الدین شطاری
از بطن قمر جہاں بیگم
(اولاد آگے صفحوں پر)
جمیلہ بیگم
زوجۂ سید اکبر حسینی
حسین
محسن
عائشہ بیگم
زوجۂ سید عبدالغفار شطاری
سید عبدالعلیم
خورشید جہاں
زوجۂ سید عبدالمحسن کلیمی
سید عبدالغفور
سید عبدالعظیم
قمر جہاں
زوجۂ مصباح الدین
ابو الخیر غلام صمدانی
از بطن ہمشیرہ قاسم رضوی
سلطانہ
(بمبئی)
حیدر صمدانی
(اورنگ آباد)
محمودہ
(جدہ)
از بطن زینب بیگم
از بطن چاندنی بیگم
(اولاد آگے صفحوں پر)
سید بہاء الدین شطاری
از بطن مرتبہ اول منیر النساء بیگم
بنت سید یعقوب حسینی
سید علاء الدین شطاری
(لاولد فوت)
فاطمہ بیگم
زوجۂ سید اکبر بادشاہ
سید وہاب الدین شطاری
(لاولد فوت)
امۃ الزہرا بیگم
زوجۂ سید اسمٰعیل حسینی
غوث النساء بیگم
اعظم
سلطان
فاروق
ہاشم
افضل
سید شہاب الدین شطاری
از بطن اقبال بیگم
قیصر
مظفر
اختر
انور
افسر
سید دستگیر بادشاہ
سید ابراہیم حسینی
حاجی بیگم
اشرف بیگم

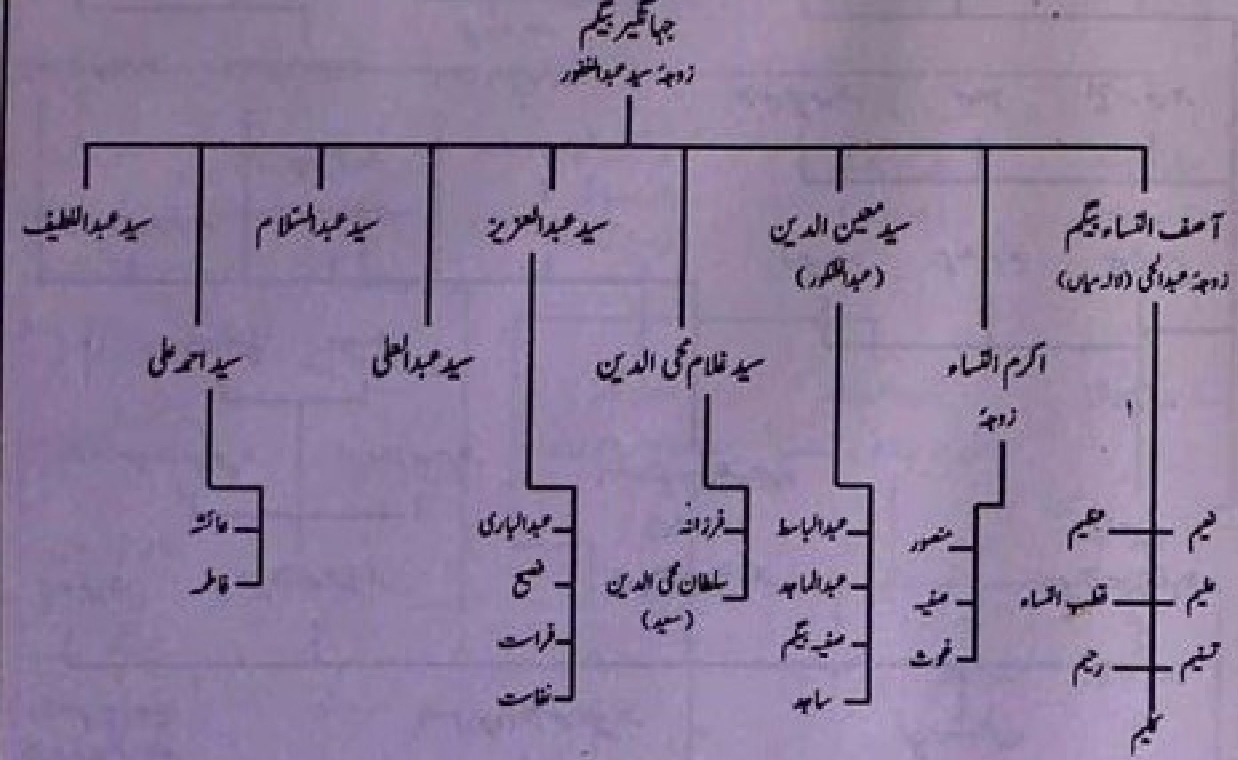

سلسلہ اولاد محمد فضل اللہ صدیقی ۔ جمیلہ بیگم ۔
سید مجد الدین شطاری
از بطن چاندنی بیگم
سید قادر محی الدین شطاری
سید طاہر محی الدین
سید اطہر محی الدین
سید مظہر محی الدین
سید معین الدین شطاری
سید غلام محی الدین شطاری
محبوب بیگم
چاندنی بیگم
محبوب بیگم
زوجۂ شیخ ابراہیم
شیخ اسمٰعیل
جیلانی بیگم
زوجۂ عبدالقادر
محمد بشیر
سید سلطان محی الدین شطاری
سید ابراہیم محی الدین
سید غوث محی الدین شطاری
حلیمہ بیگم
زوجۂ منصور علی شاہ
حسنی بیگم
نور جہاں بیگم
قادری بیگم
زوجۂ سید یعقوب حسینی
سید یوسف حسینی
سید حیدر حسینی
از بطن احمد النساء بیگم
(اولاد آگے صفحوں پر)
آمنہ بیگم
زوجۂ میر عبدالقدیر
(اولاد آگے صفحوں پر)
منیر النساء بیگم
زوجۂ سید بہاء الدین شطاری
(اولاد آگے صفحوں پر)
از بطن صالحہ بیگم
از بطن مومن بی
سید عبدالوہاب حسینی
از بطن سکندر بیگم
سید عزیز اللہ حسینی
سید احمد اللہ حسینی
سید کلیم اللہ حسینی
سید احمد حسینی
سید ذکریا حسینی
سید فضل اللہ حسینی
موتی بیگم
زوجۂ میر محمود علی
فاطمہ بیگم (بیگم پاشا)
عابد النساء
سید اشرف علی
سید اکبر حسینی
از بطن جمیلہ بیگم
حسین
محسن
لاڈلی بیگم
زوجۂ میر گوہر علی
میر احمد علی

تسلسل اولاد محمد فضل اللہ صدیقی ۔ جمیلہ بیگم ۔
قادری بیگم



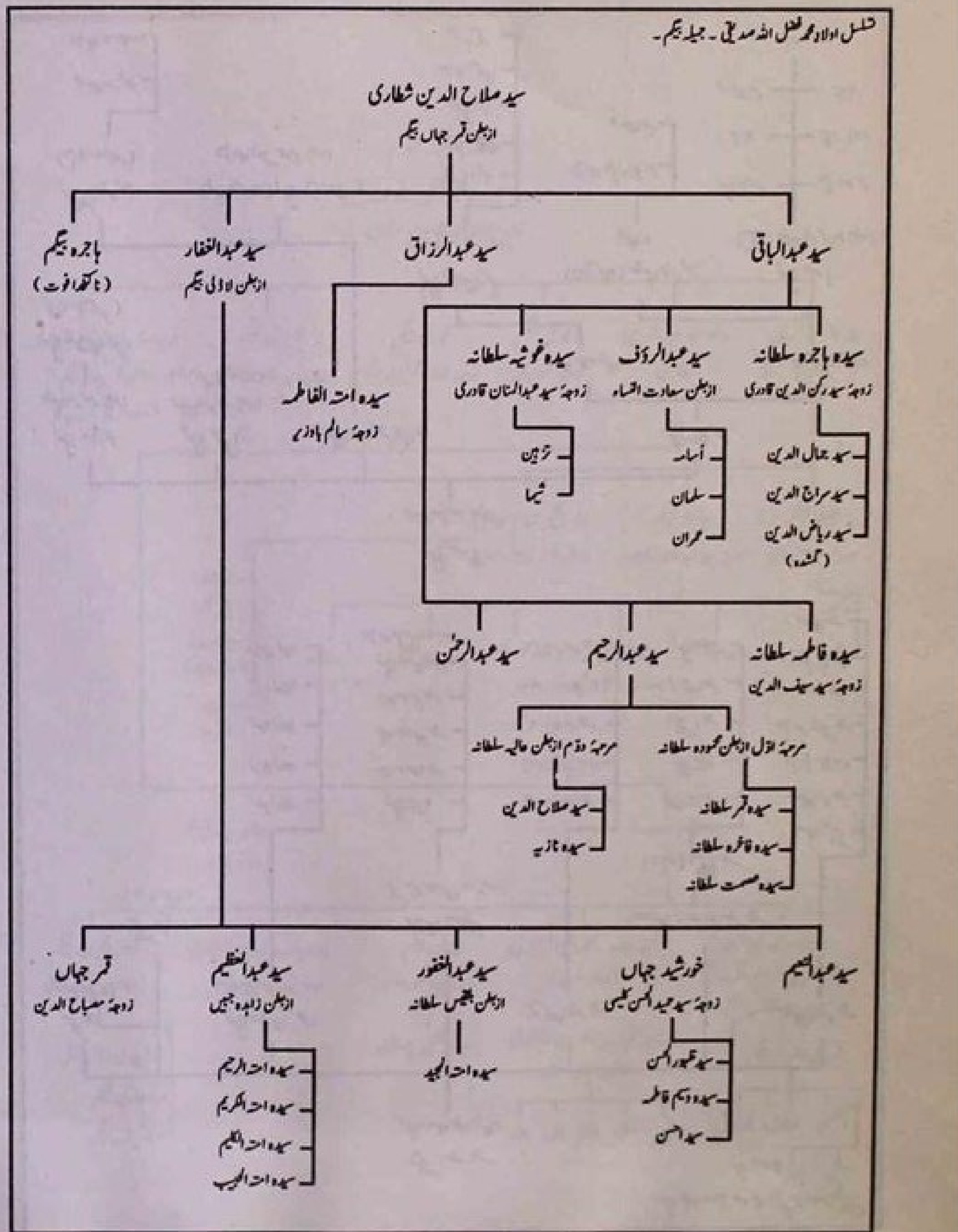


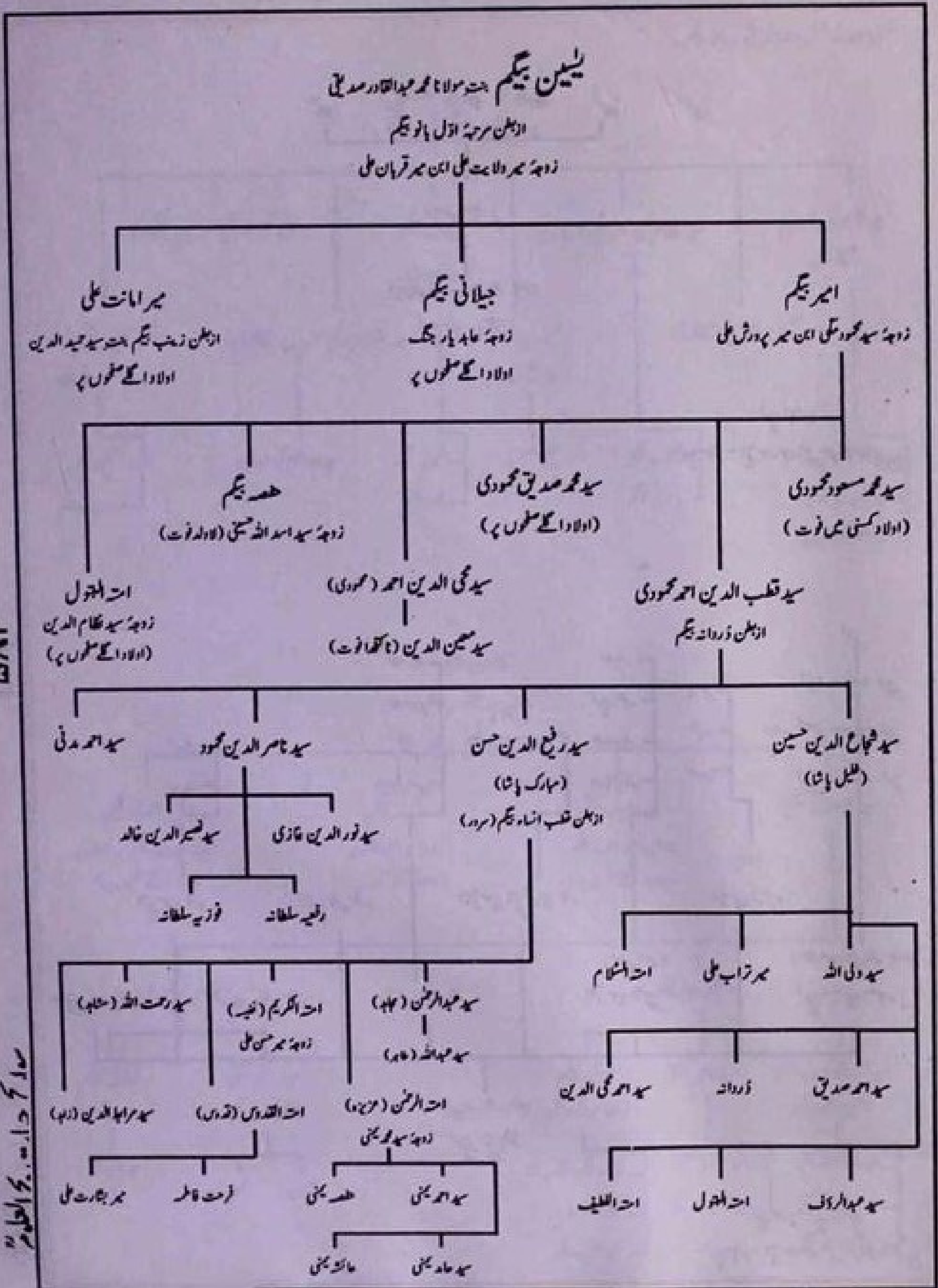
تسلسل اولاد محمد فضل اللہ صدیقی ۔ جمیلہ بیگم ۔
قادری بیگم ۔ آمنہ بیگم

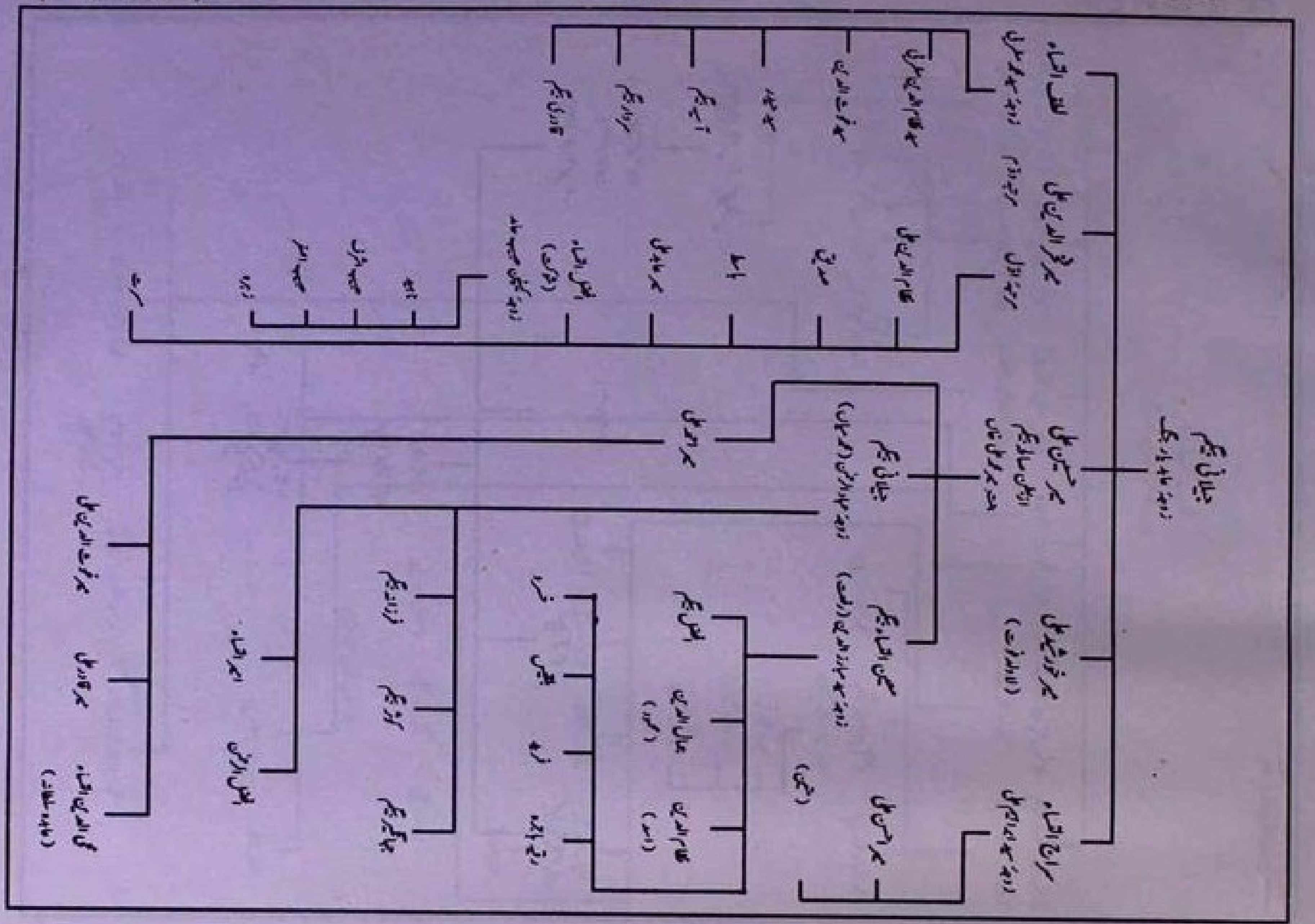


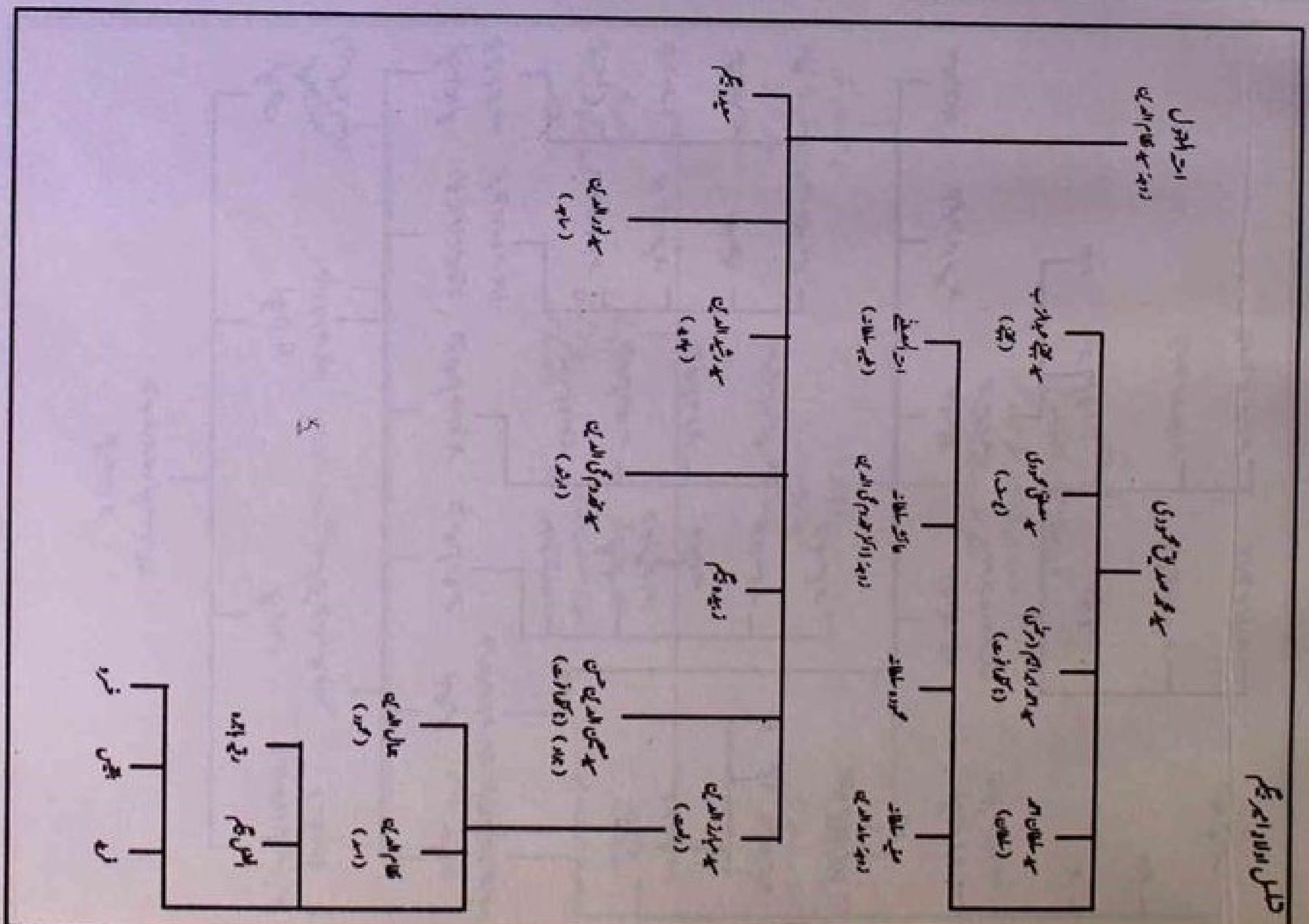
تسلسل اولاد محمد فضل اللہ صدیقی ۔ جمیلہ بیگم ۔
قادری بیگم ۔

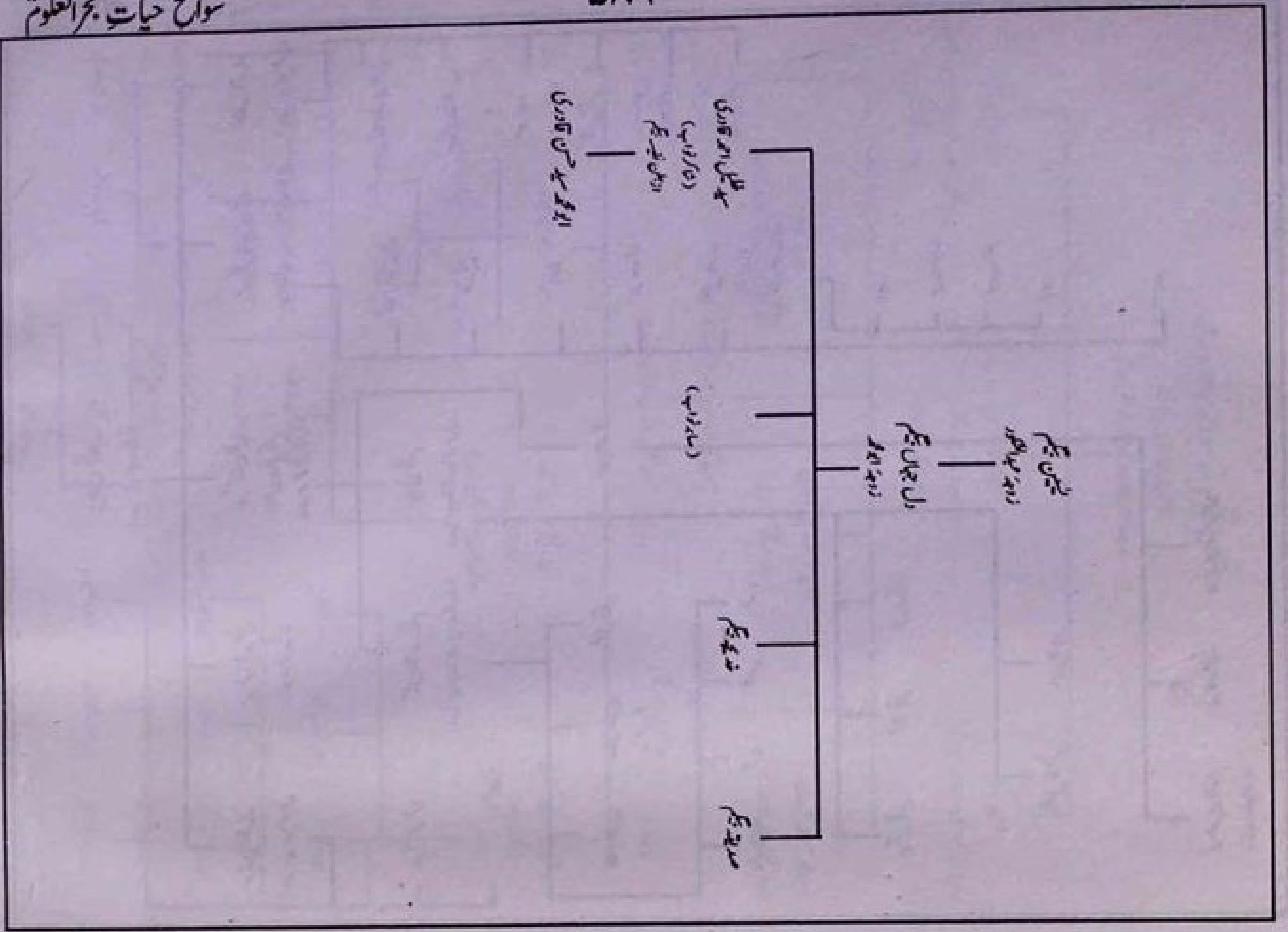


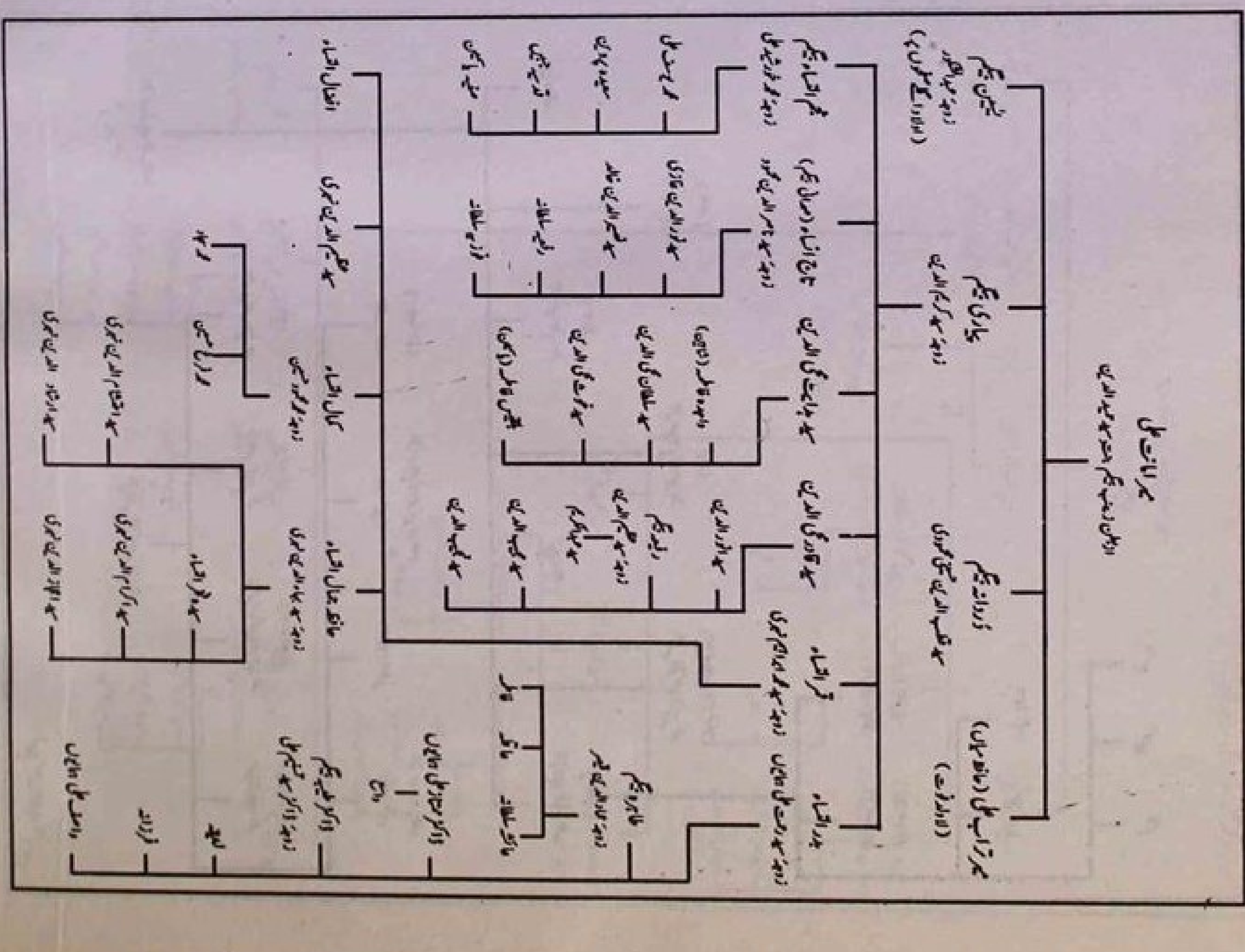

تسلسل اولاد محمد فضل اللہ صدیقی - جیلہ بیگم۔
سید صلاح الدین شطاری
ازبطن قمر جہاں بیگم
سید عبدالباقی
سید عبدالرزاق
سید عبدالغفار
ازبطن لاڈلی بیگم
ہاجرہ بیگم
(نا کتخدا فوت)
سیدہ ہاجرہ سلطانہ
زوجۂ سید رکن الدین قادری
سید عبدالرؤف
ازبطن سعادت النساء
سیدہ غوثیہ سلطانہ
زوجۂ سید عبدالستار قادری
سیدہ امۃ الفاطمہ
زوجۂ سالم باوزیر
سید جمال الدین
سید سراج الدین
سید ریاض الدین
(گمشدہ)
اسامہ
سلمان
عمران
تزئین
شیما
سیدہ فاطمہ سلطانہ
زوجۂ سید سیف الدین
سید عبدالرحیم
سید عبدالرحمٰن
مرحومہ اوّل ازبطن محمودہ سلطانہ
مرحومہ دوم ازبطن عالیہ سلطانہ
سیدہ قمر سلطانہ
سیدہ فاخرہ سلطانہ
سیدہ عصمت سلطانہ
سید صلاح الدین
سیدہ نازیہ
سید عبدالحلیم
خورشید جہاں
زوجۂ سید عبدالحسن کیلی
سید عبدالغفور
ازبطن بلقیس سلطانہ
سید عبدالعظیم
ازبطن زاہدہ جبیں
قمر جہاں
زوجۂ مصباح الدین
سید عبدالحسن
سیدہ وسیم فاطمہ
سیدہ حسن
سیدہ امۃ المجید
سیدہ امۃ الرحیم
سیدہ امۃ الکریم
سیدہ امۃ الحکیم
سیدہ امۃ الحبیب

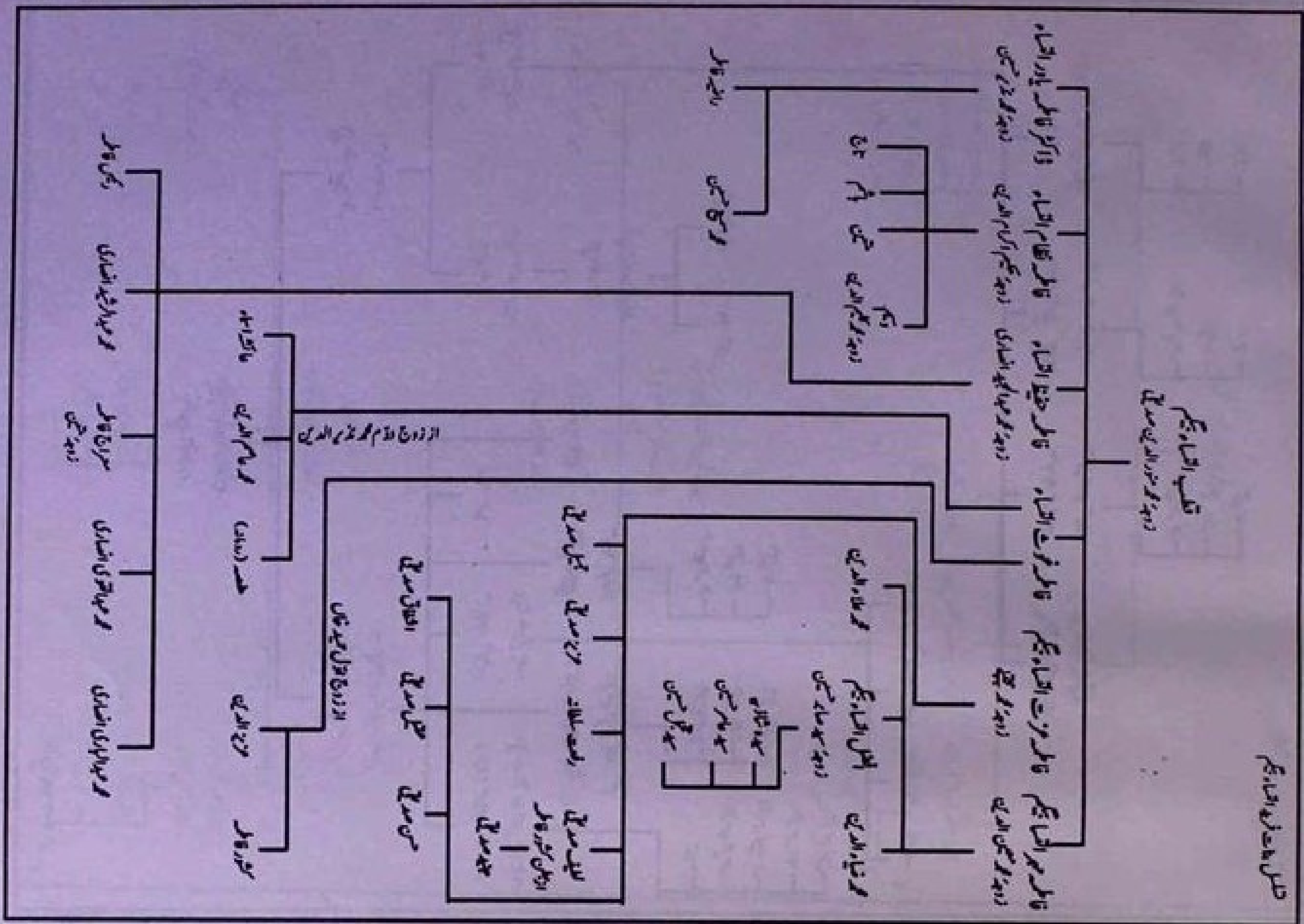

یٰسین بیگم بنت مولانا محمد عبدالقادر صدیقی
ازبطن مرحومۂ اوّل بانو بیگم
زوجۂ میر ولایت علی ابن میر قربان علی
امیر بیگم
زوجۂ سید محمود علی ابن میر پرورش علی
جیلانی بیگم
زوجۂ عابد یار جنگ
اولاد آگے صفحوں پر
میر امانت علی
ازبطن زینب بیگم بنت سید حمید الدین
اولاد آگے صفحوں پر
سید محمد مسعود محمودی
(اولاد کمسنی میں فوت)
سید محمد صدیق محمودی
(اولاد آگے صفحوں پر)
حفصہ بیگم
زوجۂ سید اسد اللہ حسینی (لاولد فوت)
سید قطب الدین احمد محمودی
ازبطن ذروانہ بیگم
سید محی الدین احمد (محمودی)
سید معین الدین (نا کتخدا فوت)
امۃ المتول
زوجۂ سید نظام الدین
(اولاد آگے صفحوں پر)
سید شجاع الدین حسین
(خلیل پاشا)
سید رفیع الدین حسن
(مبارک پاشا)
ازبطن قطب النساء بیگم (سرور)
سید ناصر الدین محمود
سید احمد مدنی
سید نور الدین غازی
سید نصیر الدین خالد
رقیہ سلطانہ
فوزیہ سلطانہ
سید ولی اللہ
میر تراب علی
امۃ السلام
سید احمد صدیق
ذروانہ
سید احمد محی الدین
سید عبدالرؤف
امۃ المتول
امۃ اللطیف
سید عبدالرحمٰن (جاوید)
سید عبداللہ (طاہر)
امۃ الکریم (نیرہ)
زوجۂ میر محسن علی
سید رحمت اللہ (مطاہر)
امۃ الرحمٰن (عزیزہ)
زوجۂ سید محمد یحییٰ
امۃ القدوس (قدسی)
سید سراج الدین (زاہد)
سید احمد یحییٰ
حفصہ یحییٰ
سید حامد یحییٰ
عائشہ یحییٰ
نزہت فاطمہ
میر بشارت علی

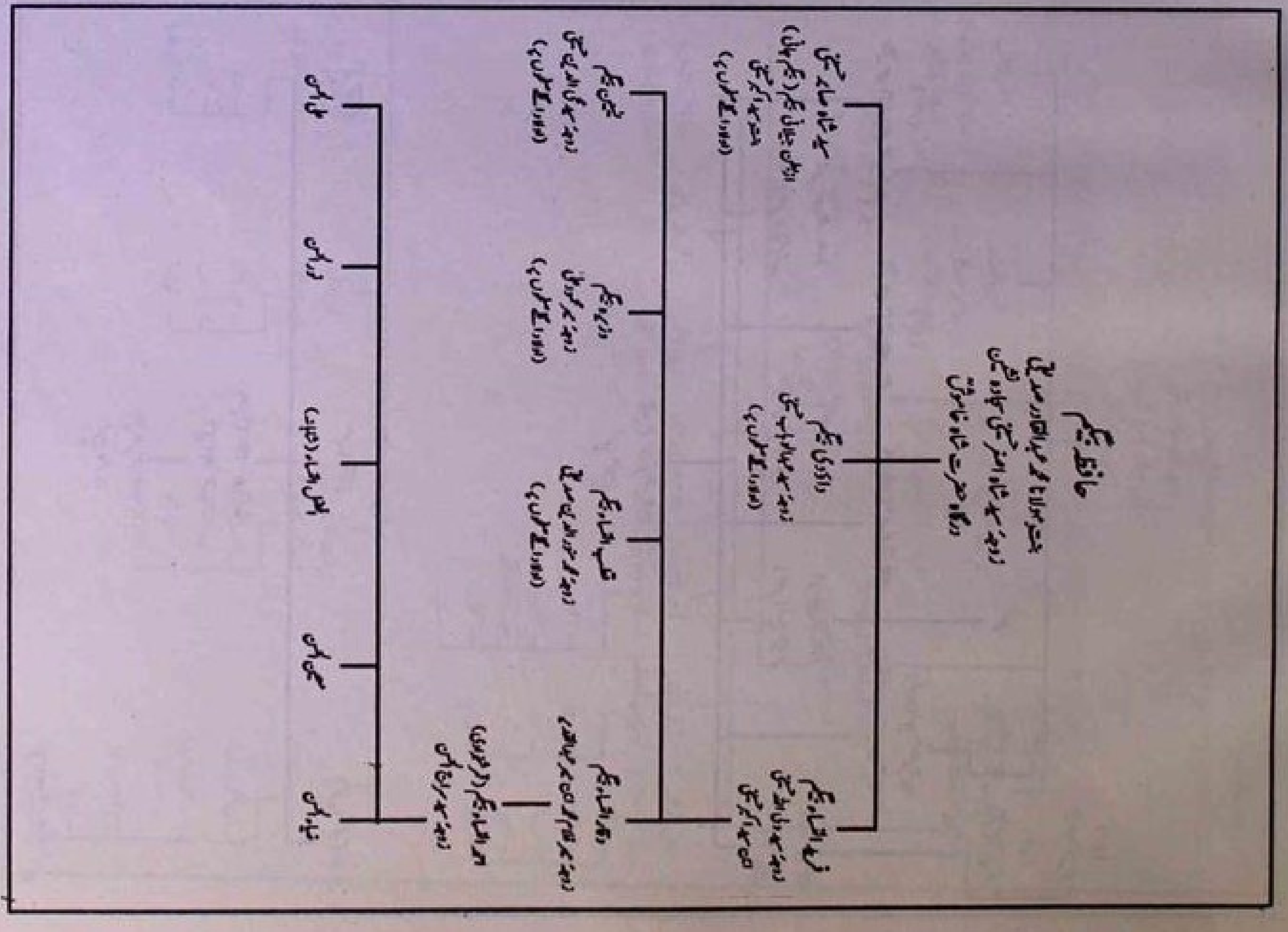


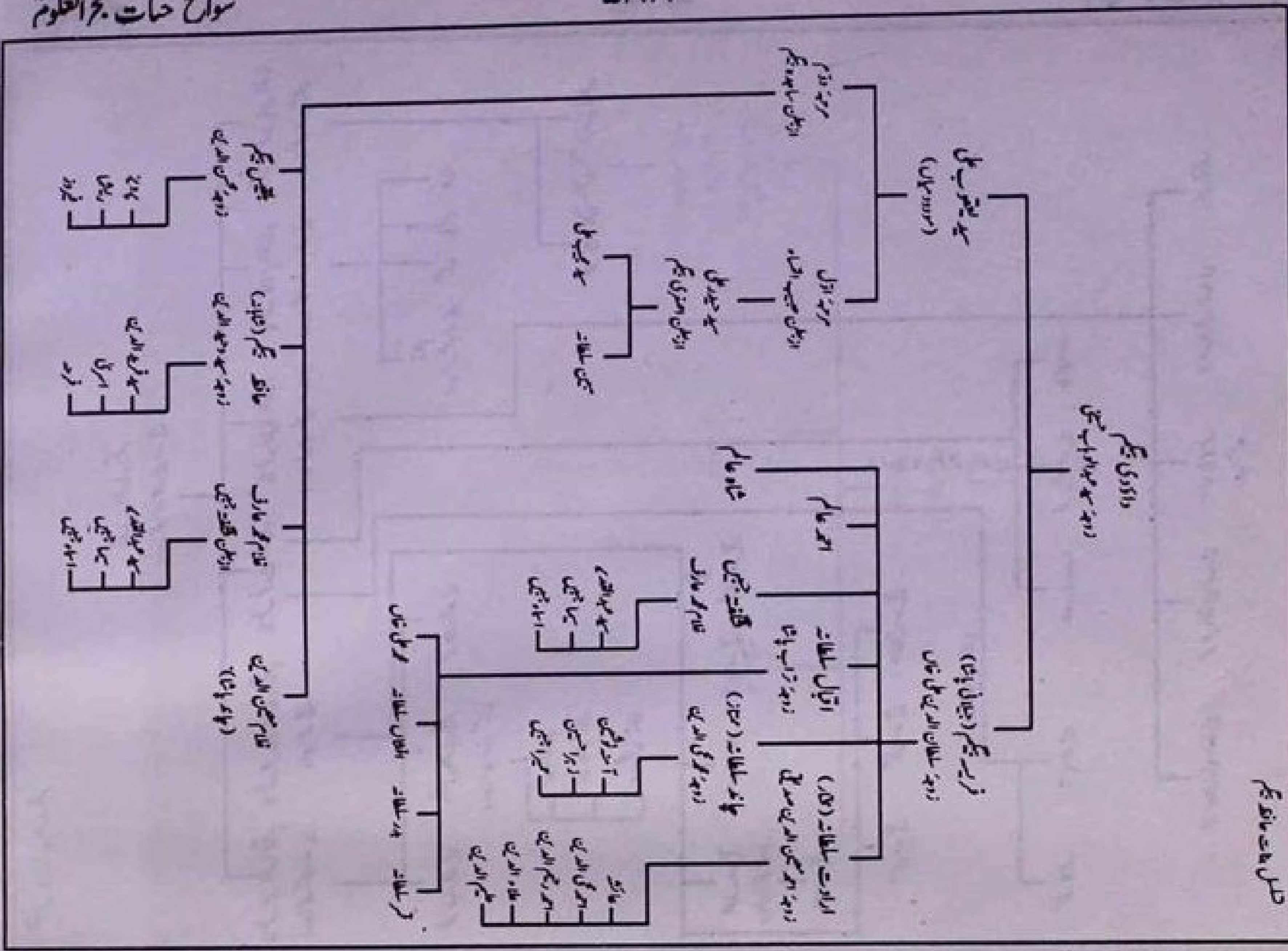


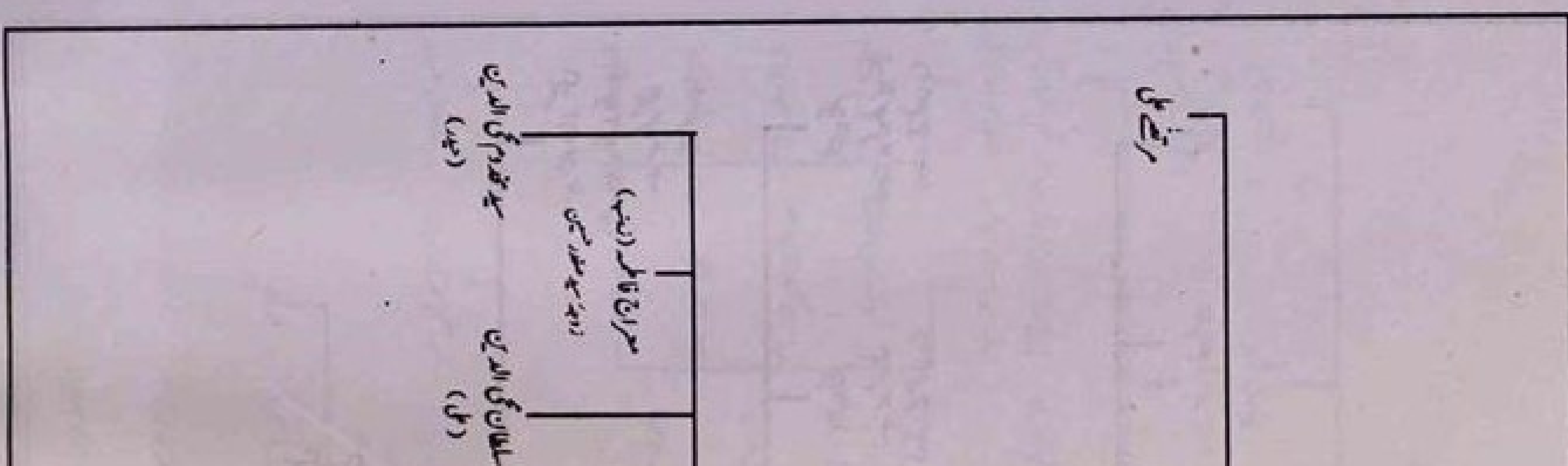


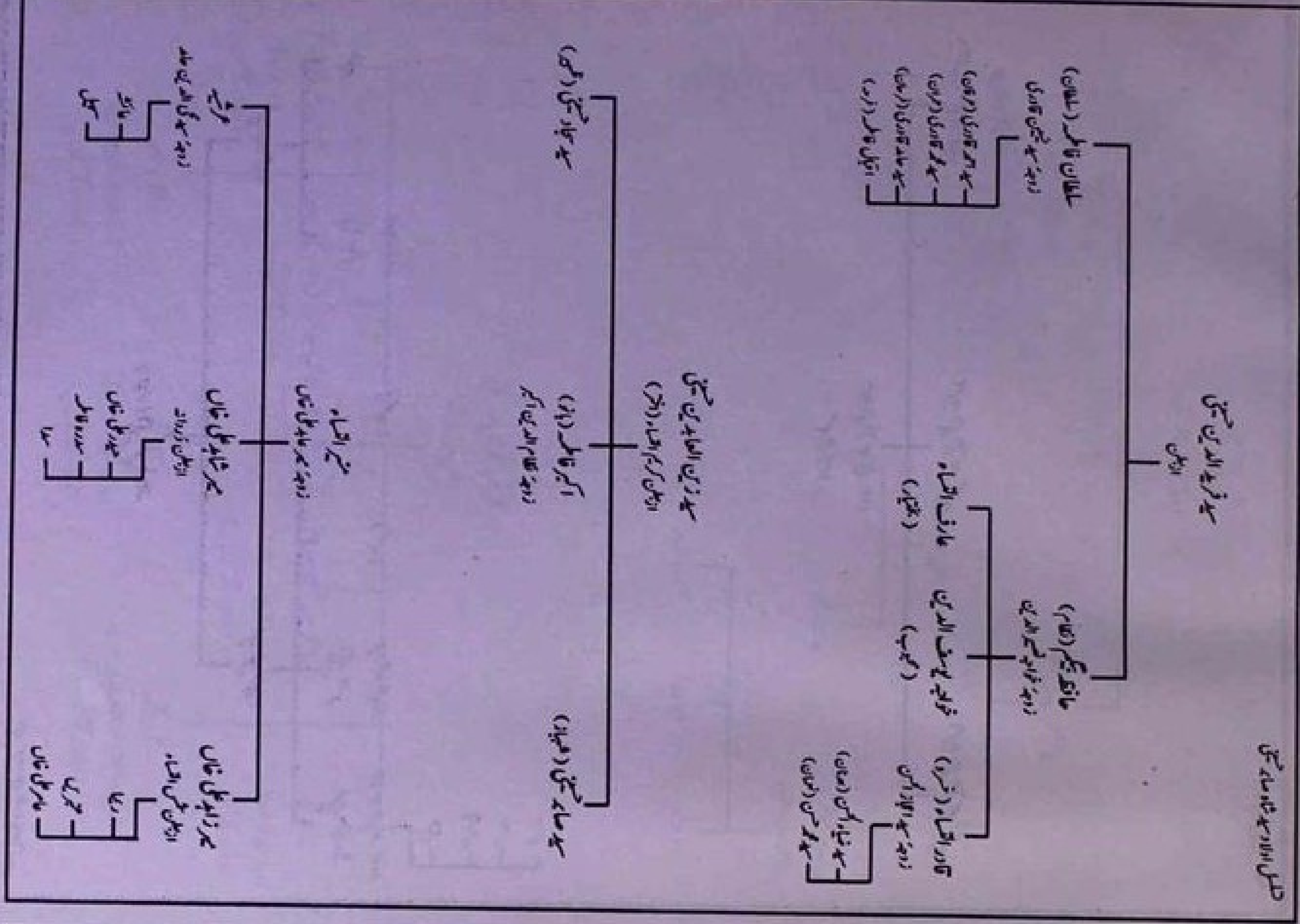


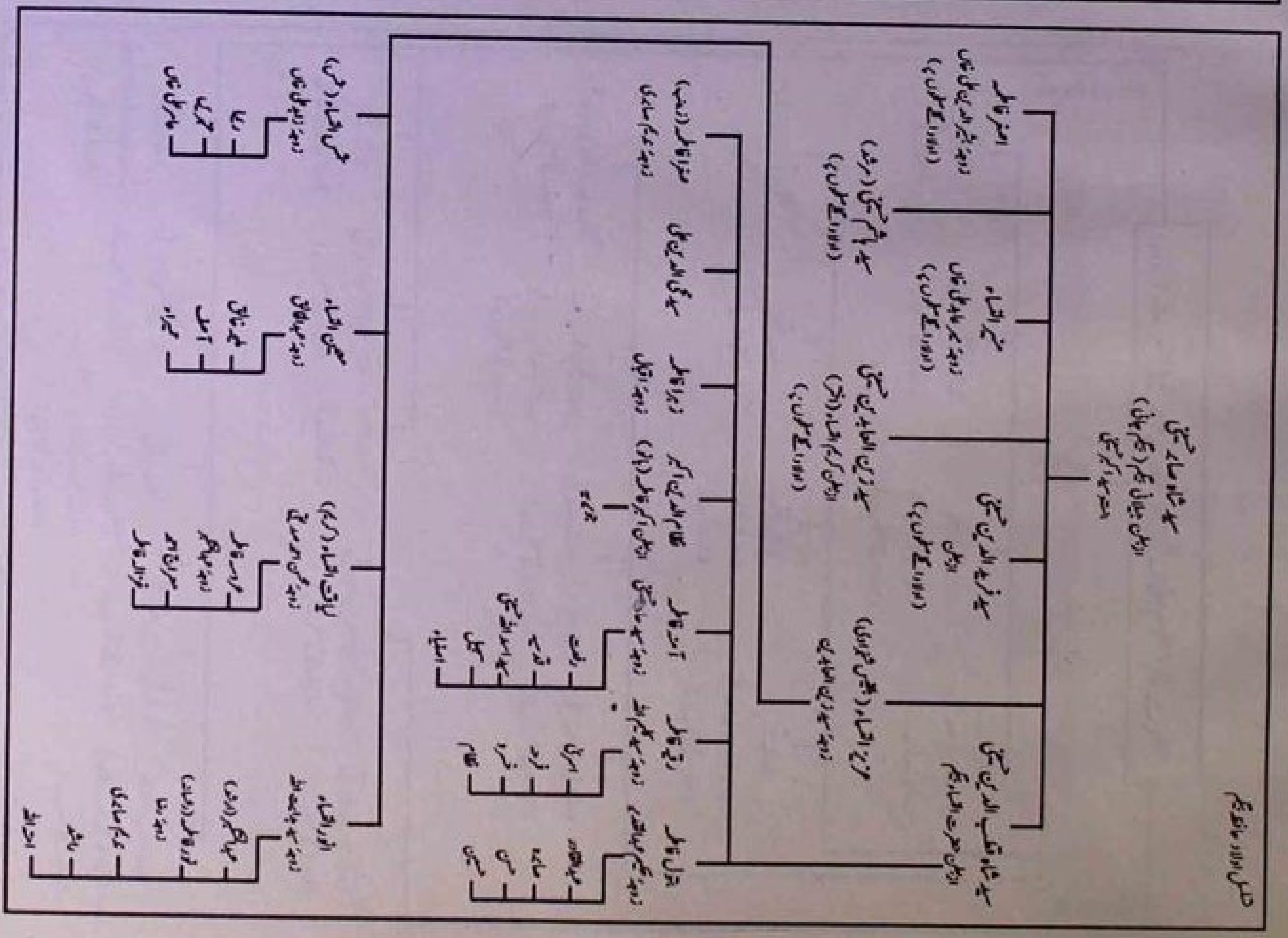


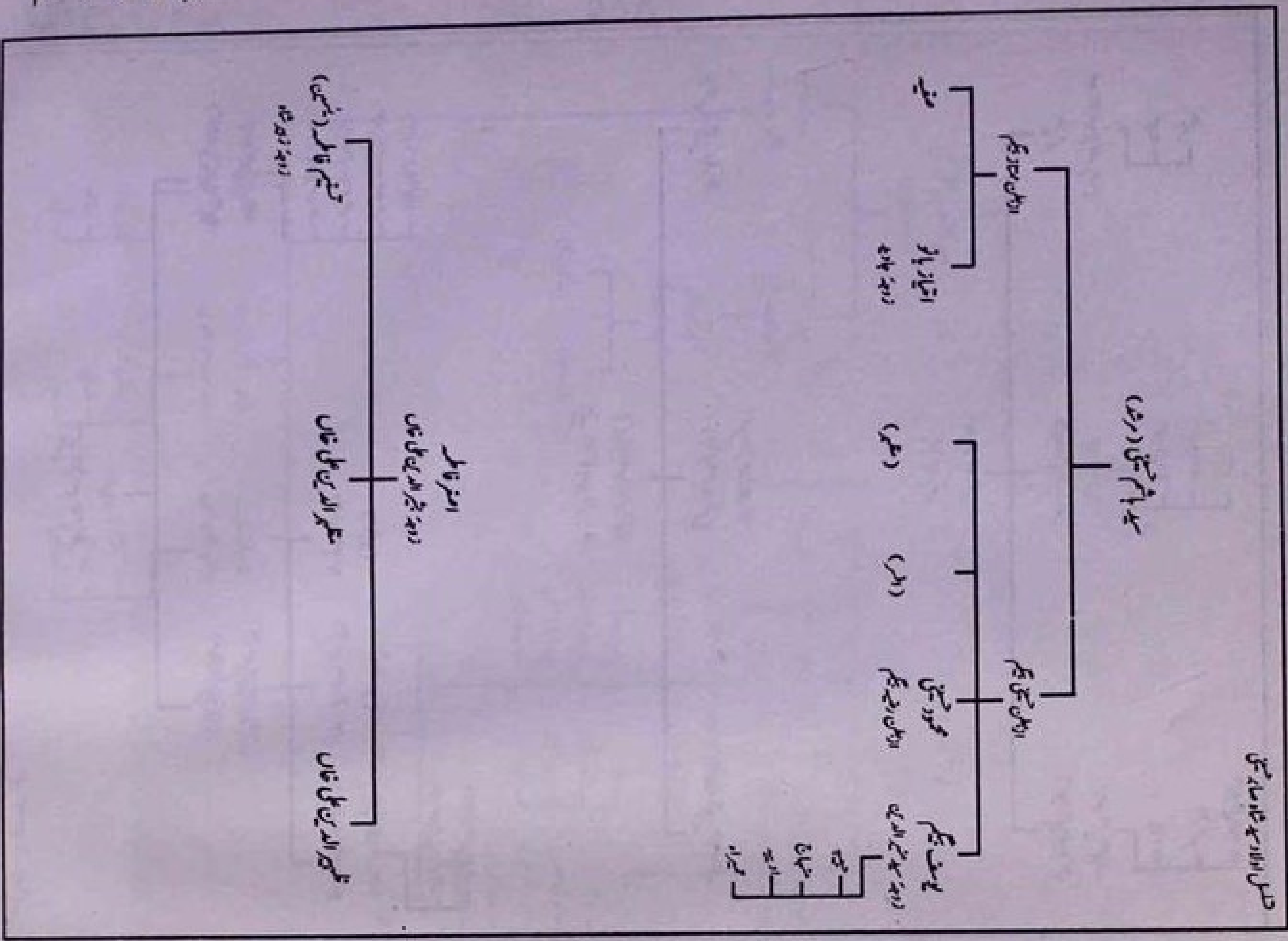


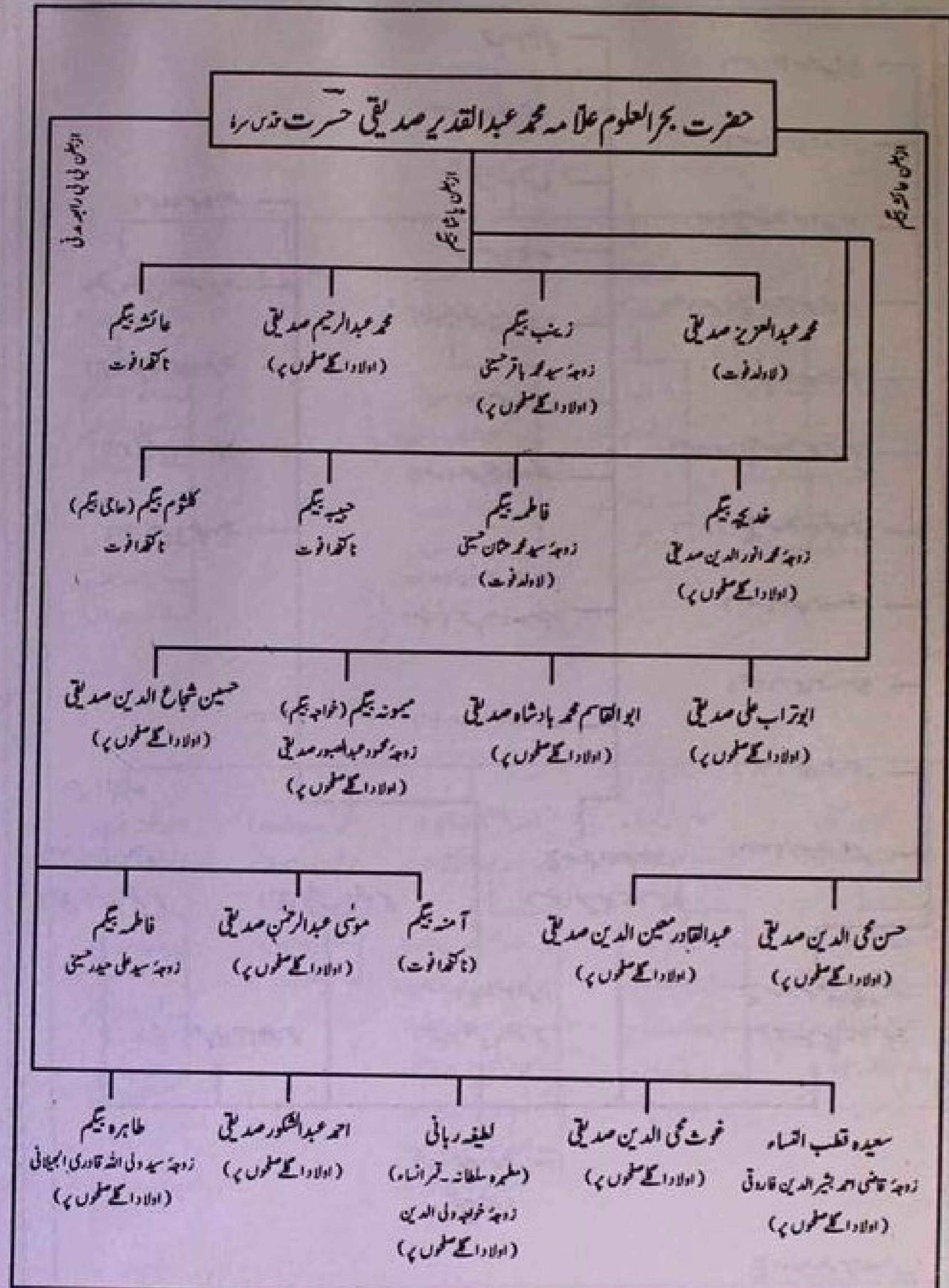


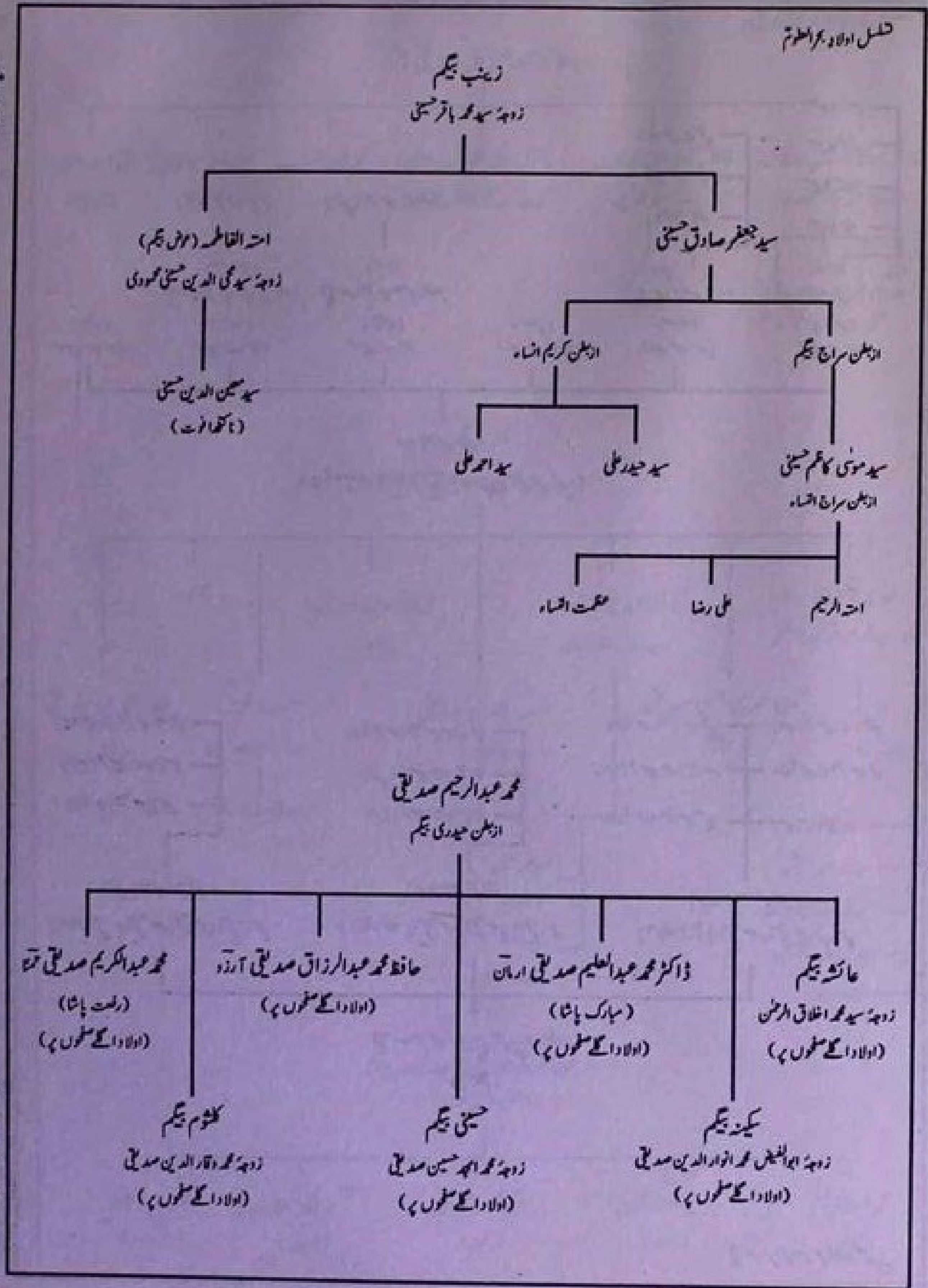







تسلسل اولاد سید شاہ صابر حسینی
سید ہاشم حسینی (مرشد)
از بطن حسینی بیگم
از بطن ممتاز بیگم
یوسف بیگم
زوجۂ سید منیر الدین
محمود حسینی
از بطن رضیہ بیگم
امتیاز بانو
زوجۂ جاوید
منہاج
حمیراء
اصغر فاطمہ
زوجۂ بشیر الدین علی خاں
ظہیر الدین علی خاں
مظہر الدین علی خاں
تسنیم فاطمہ (یاسمین)
زوجۂ زبیر شاہ


حضرت بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ قدس سرہٗ
ازبطن پاشا بیگم
ازبطن بی بی رابعہ مدنی
ازبطن عائشہ بیگم
محمد عبدالعزیز صدیقی (لاولد فوت)
زینب بیگم زوجۂ سید محمد باقر حسینی (اولاد اگلے صفحوں پر)
محمد عبدالرحیم صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
عائشہ بیگم ناکتخدا فوت
خدیجہ بیگم زوجۂ محمد انوار الدین صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
فاطمہ بیگم زوجۂ سید محمد عثمان حسینی (لاولد فوت)
حبیبہ بیگم ناکتخدا فوت
کلثوم بیگم (حاجی بیگم) ناکتخدا فوت
ابوتراب علی صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
ابوالقاسم محمد بادشاہ صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
میمونہ بیگم (خواجہ بیگم) زوجۂ محمود عبدالصبور صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
حسین شجاع الدین صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
حسن محی الدین صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
عبدالقادر معین الدین صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
آمنہ بیگم (ناکتخدا فوت)
موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
فاطمہ بیگم زوجۂ سید علی حیدر حسینی
سعیدہ قطب النساء زوجۂ قاضی احمد بشیر الدین فاروقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
غوث محی الدین صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
لطیفہ ربانی (سلطانہ قمر النساء) زوجۂ خواجہ ولی الدین (اولاد اگلے صفحوں پر)
احمد عبدالشکور صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
طاہرہ بیگم زوجۂ سید ولی اللہ قادری الجیلانی (اولاد اگلے صفحوں پر)


تسلسل اولادِ بحرالعلوم
زینب بیگم زوجۂ سید محمد باقر حسینی
سید جعفر صادق حسینی
امۃ الفاطمہ (عوض بیگم) زوجۂ سید محی الدین حسینی محمودی
سید معین الدین حسینی (ناکتخدا فوت)
ازبطن سراج بیگم
ازبطن کریم النساء
سید موسیٰ کاظم حسینی ازبطن سراج النساء
سید حیدر علی
سید احمد علی
امۃ الرحیم
علی رضا
عفت النساء
محمد عبدالرحیم صدیقی ازبطن حیدری بیگم
عائشہ بیگم زوجۂ سید محمد اخلاق الرحمٰن (اولاد اگلے صفحوں پر)
ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی ارمانؔ (مبارک پاشا) (اولاد اگلے صفحوں پر)
حافظ محمد عبدالرزاق صدیقی آرزوؔ (اولاد اگلے صفحوں پر)
محمد عبدالکریم صدیقی تمنّاؔ (رفعت پاشا) (اولاد اگلے صفحوں پر)
سکینہ بیگم زوجۂ ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
حسینی بیگم زوجۂ محمد احمد حسین صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)
کلثوم بیگم زوجۂ محمد وقار الدین صدیقی (اولاد اگلے صفحوں پر)

سلسلِ اولادِ محمد عبدالرحیم صدیقی

عائشہ بیگم
زوجۂ سید محمد اخلاق الرحمٰن

- فاطمہ امۃ الکریم (خدیجہ)، زوجۂ مصطفیٰ شفیق الدین صدیقی
  - حسین عبدالقدیر (عارف)
  - حسن عبدالمقتدر (عادل)
  - خالدہ امۃ القدیر (ماریہ)
  - زبیدہ امۃ القدیر (سعدیہ)
  - محمد انور الدین صدیقی (محمد نواب)
  - احمد منیر الدین صدیقی (احمد نواب)
  - رقیہ امۃ القدیر (فوزیہ)
  - محمود وجیہ الدین صدیقی (محمود نواب)
  - حامد فیض الدین صدیقی (حامد)
  - آمنہ امۃ القدیر (حفصہ)
  - خواجہ نصیر الدین (حبیب)
- فاطمہ امۃ الرحیم (نجمہ)، زوجۂ محمد بن علی صدیقی
  - احمد عبدالوہاب (احمد میاں)
  - رفیعہ مصباح المنیر (رفیعہ)، زوجۂ سید حسن ابراہیم (جہاں پاشا)
  - سعیدہ سراج المنیر (سعیدہ)
  - ابراہیم خلیل اللہ
  - اسمٰعیل ذبیح اللہ (عرفان)
  - صدیقہ کوکب المنیر
  - فاطمہ بدر المنیر
  - موسیٰ کلیم اللہ (نعمان)
  - خوشیہ نور المنیر
- محمد عبدالرحمٰن (خلیق)، ازبطن خدیجہ بیگم (قدسیہ)
  - سیدہ انور فاطمہ (زہرہ)
  - سید محمد اسد الرحمٰن (محمد بابا)
  - سید محمد اشفاق الرحمٰن (علی)
  - سید محمد حبیب الرحمٰن (حسن)
  - سیدہ فاطمہ (فاطمہ)
- محمد الطاف الرحمٰن (رفیق)
- محمد ضیاء الحسن (عتیق)
- محمد عبدالحلیم (شفیق)، ازبطن ام الخیر (سارہ)
  - ام ہانی (سلمیٰ)

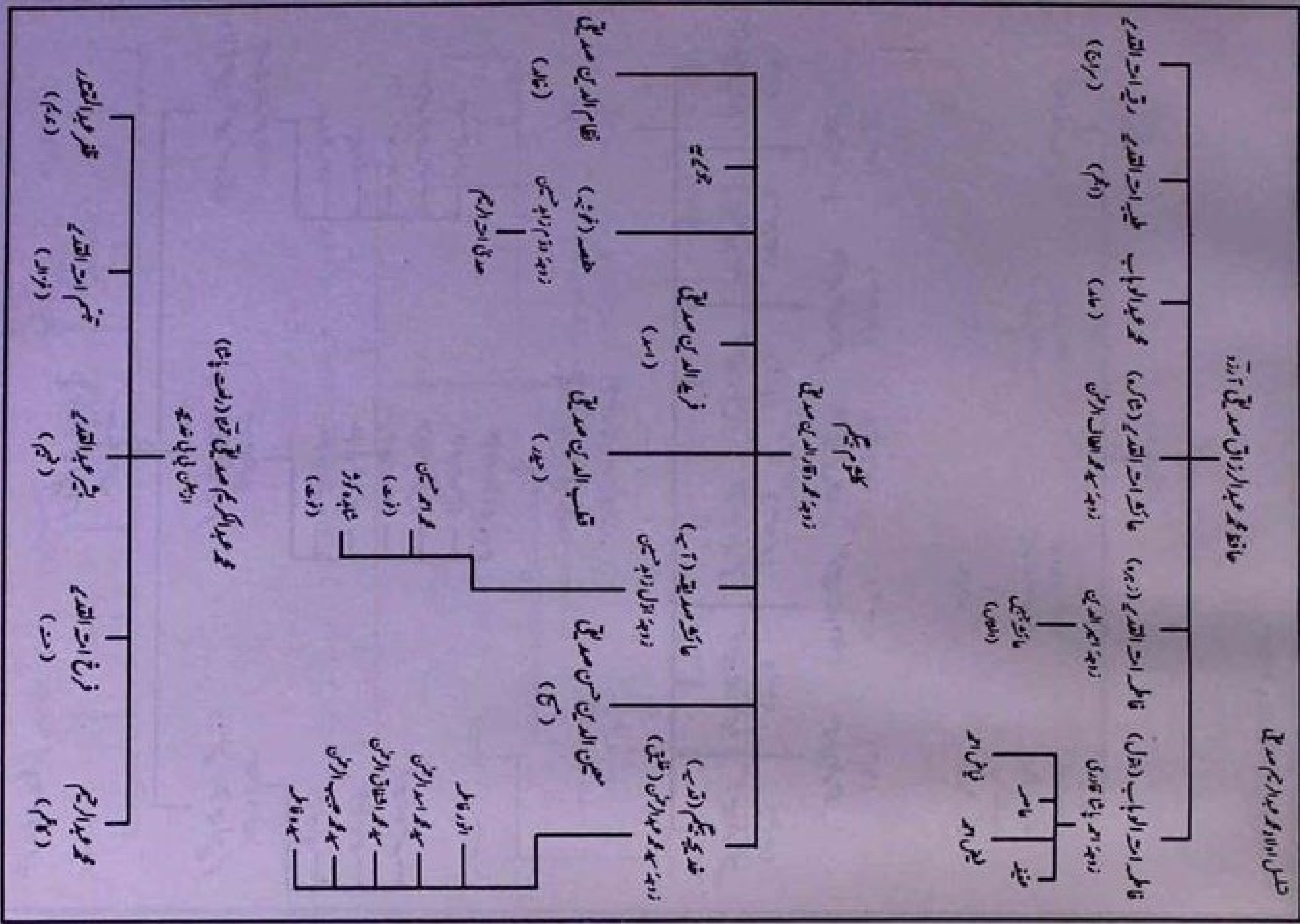
سلسلِ اولادِ محمد عبدالرحیم صدیقی

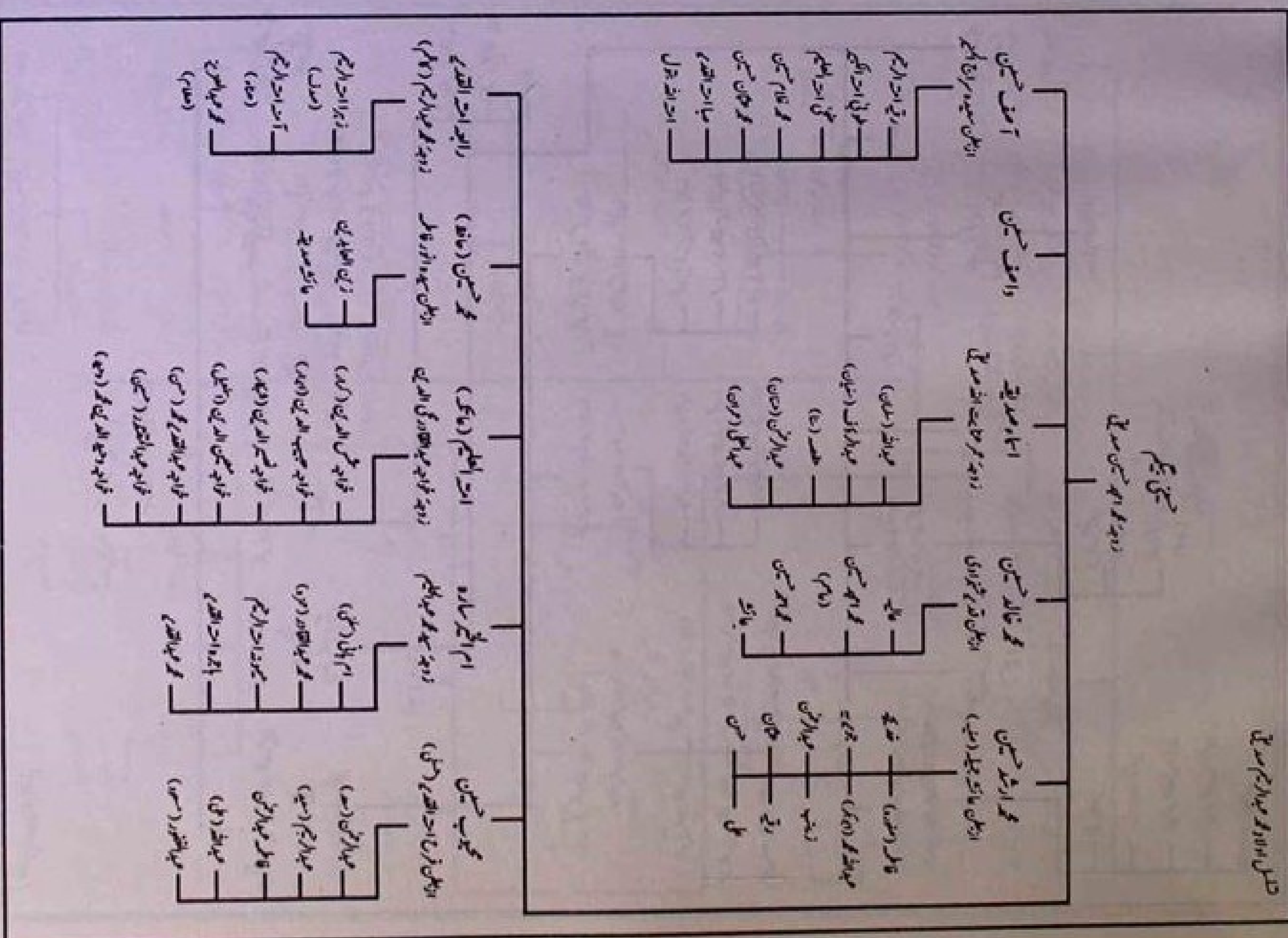
سکینہ بیگم
زوجۂ ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی

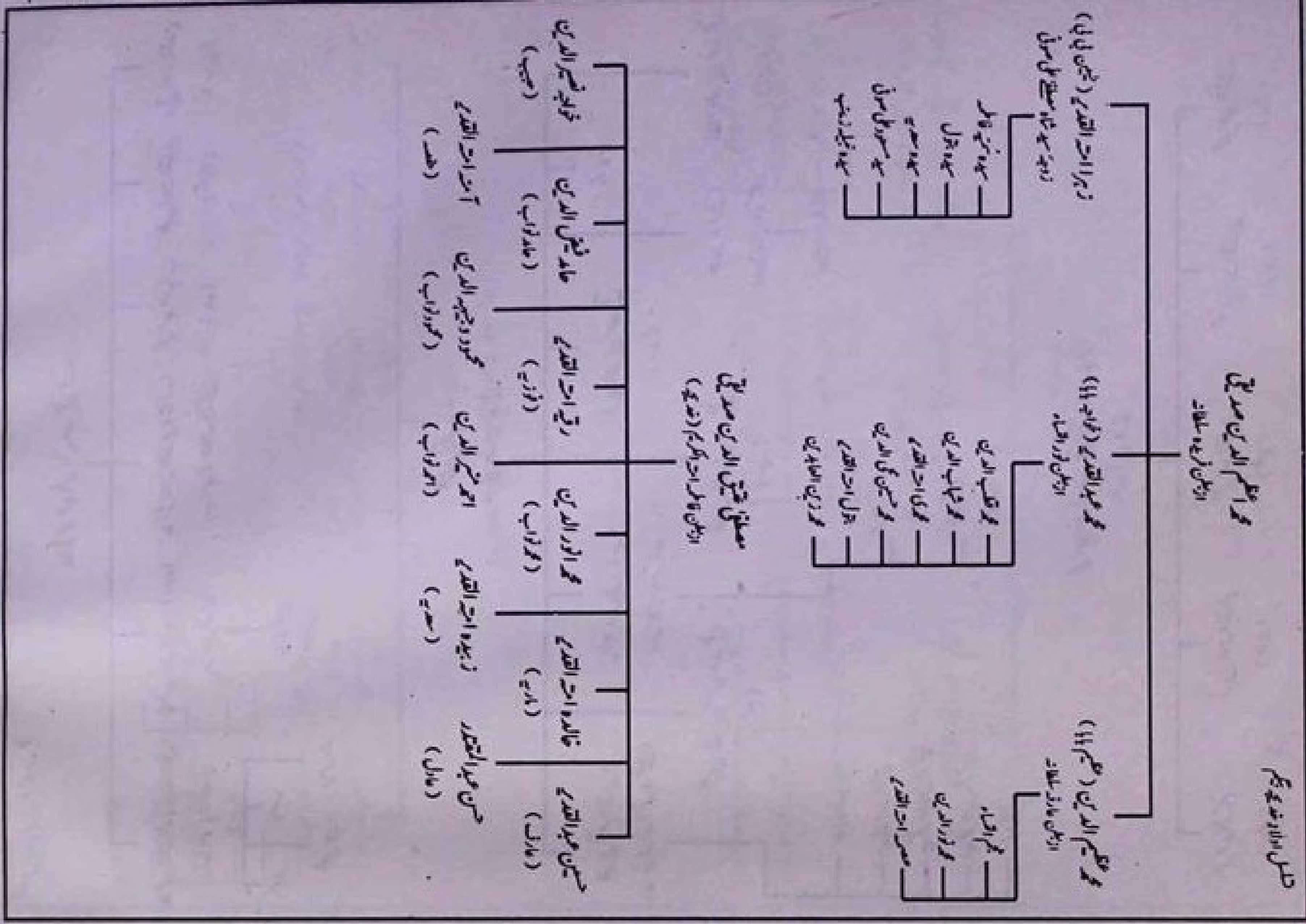
- محمد نجم الدین صدیقی (عزیز میاں)، ازبطن قمر ریحانہ (انجم)
  - اسریٰ امۃ القدیر
  - فیض الدین (انور پاشا)
  - عز الدین (مظفر پاشا)
  - صدیقہ امۃ القدیر (سیما)
  - طیبہ امۃ القدیر (ہما)
  - رکن الدین (منور پاشا)
- محمد بہاء الدین صدیقی (عابد میاں)، ازبطن ممتاز فاطمہ
  - فاطمہ امۃ القدیر (ریم)
  - خدیجہ امۃ القدیر (عمیر)
  - محمد انوار الدین (صدیق پاشا)
- محمد رضی الدین صدیقی (حنفی میاں)، ازبطن حلیم النساء (شکیل)
  - شجاع الدین (محمد پاشا)
  - محمدی امۃ القدیر (منزہ)
  - غیاث الدین (جہانی پاشا)

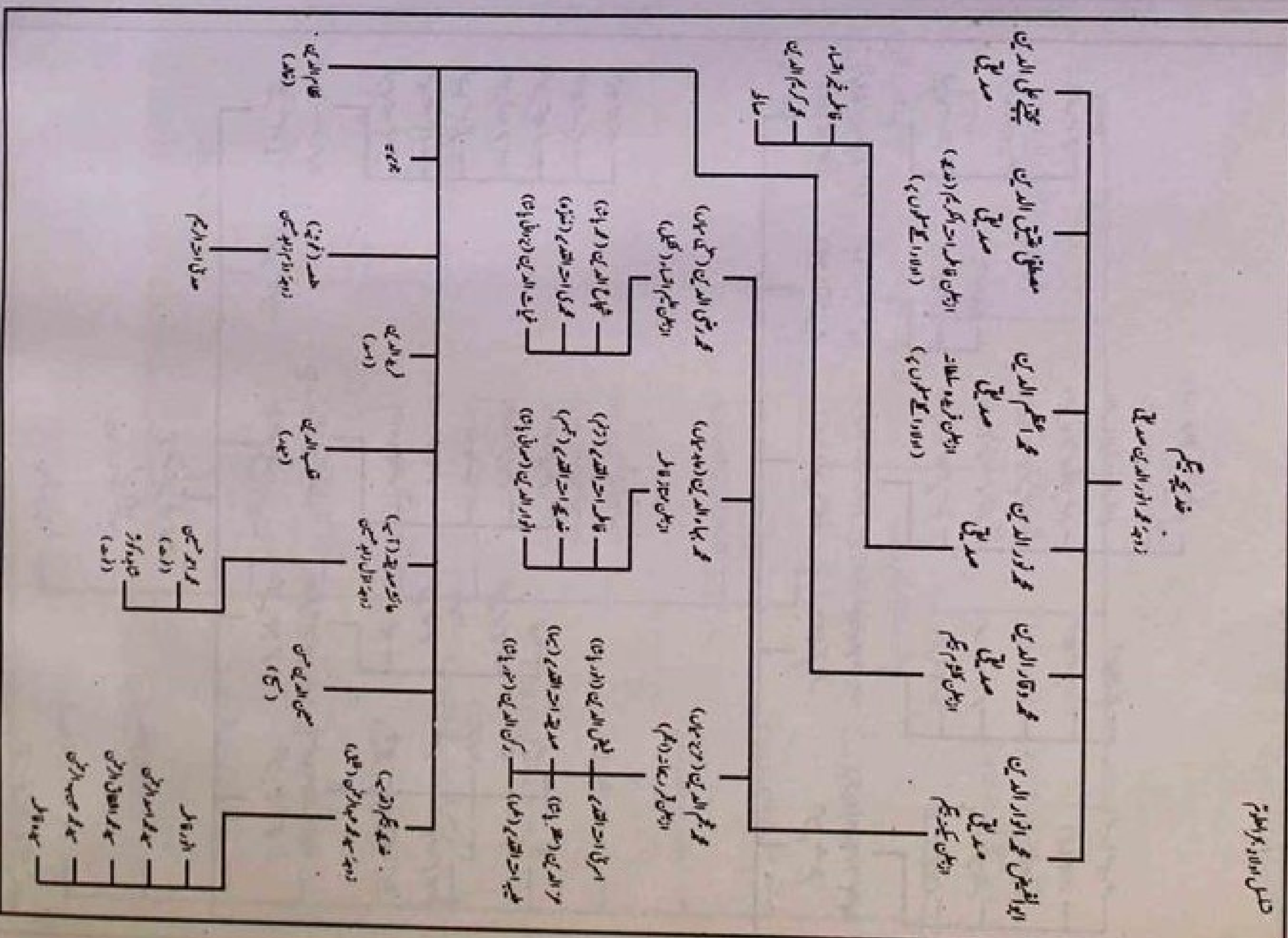
ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی ارمان (مبارک پاشا)
ازبطن معراج بیگم

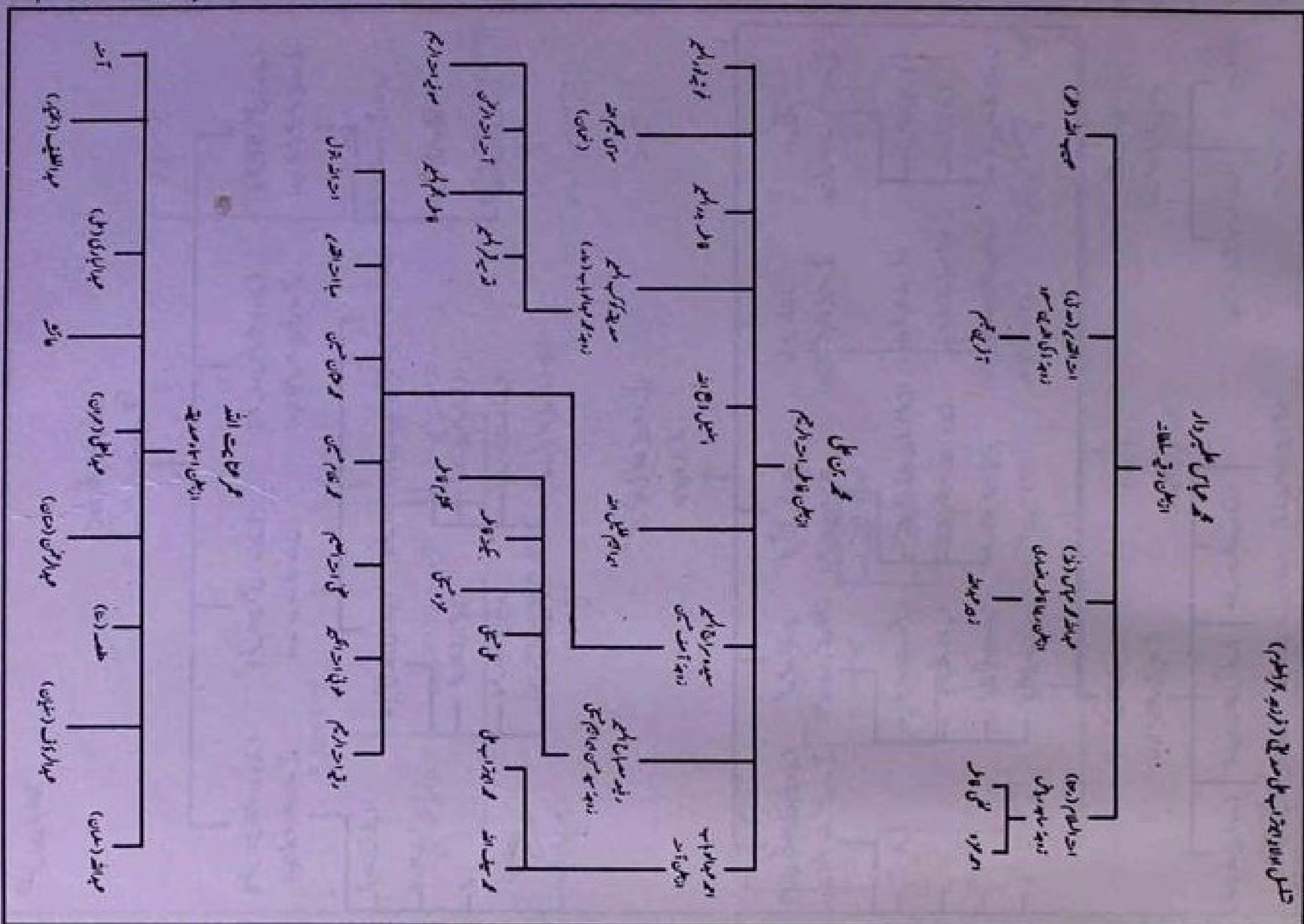
- صالحہ امۃ القدیر (عمیرہ)، زوجۂ اکرم علی خان (جنید)
  - ثناء فاطمہ
  - عائشہ فاطمہ
  - فرحہ فاطمہ
  - صبا فاطمہ
- آمنہ امۃ القدیر (علیمہ)، زوجۂ شہباز احمد خان
  - نبیلہ خان
  - شاذ احمد خان
  - شیراز احمد خان
- عارفہ امۃ القدیر (سمیرا)
- طیبہ امۃ القدیر (بشریٰ)، زوجۂ فرید الدین صدیقی (اسد)
  - مصباح الدین (فیصل)
- وجیہہ امۃ القدیر (وطیبہ)، زوجۂ محمد انور الدین صدیقی (محمد نواب)
  - ابوبکر بن محمد (زید)
- رحمہ امۃ القدیر (حمیدہ)

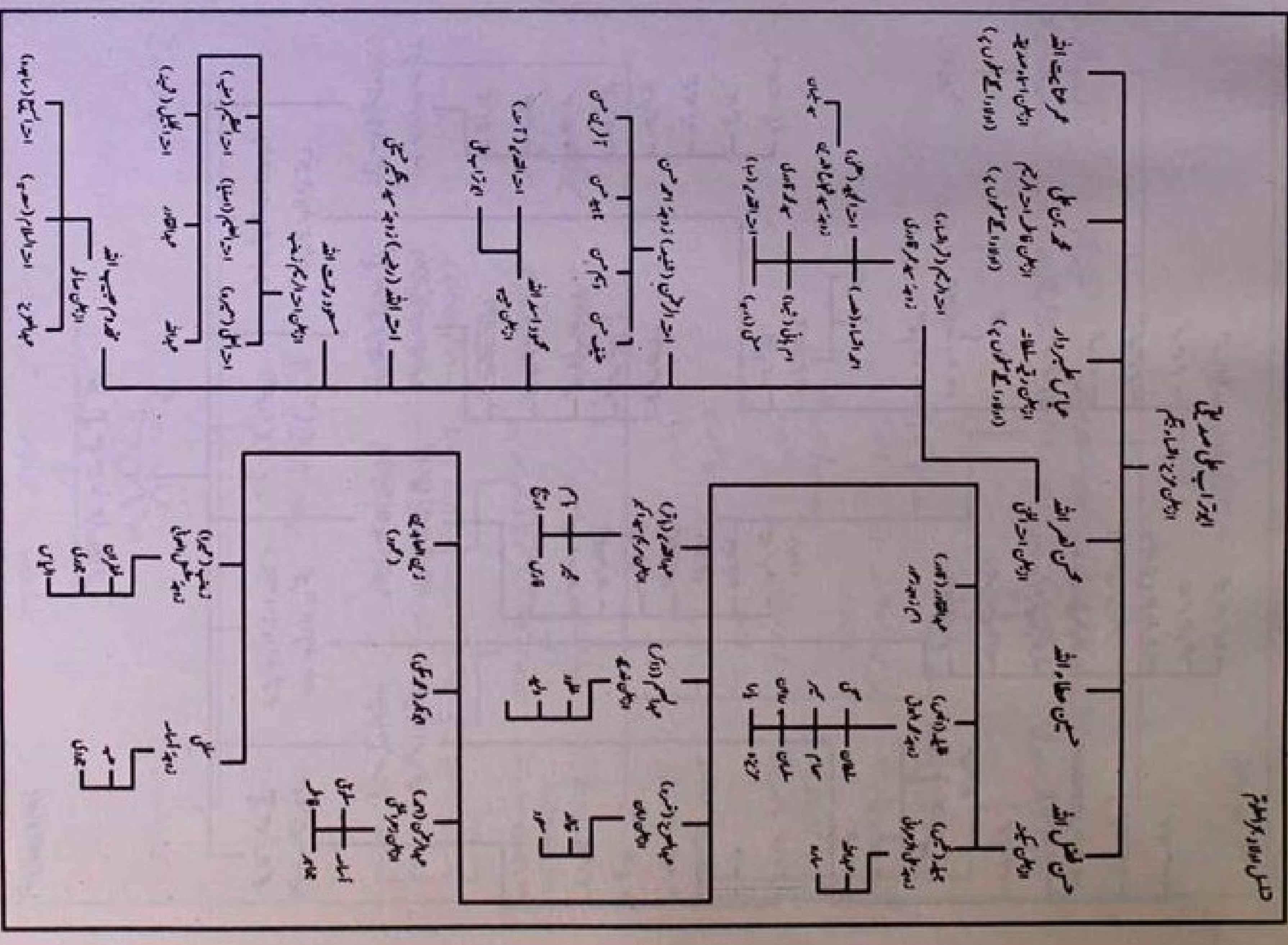


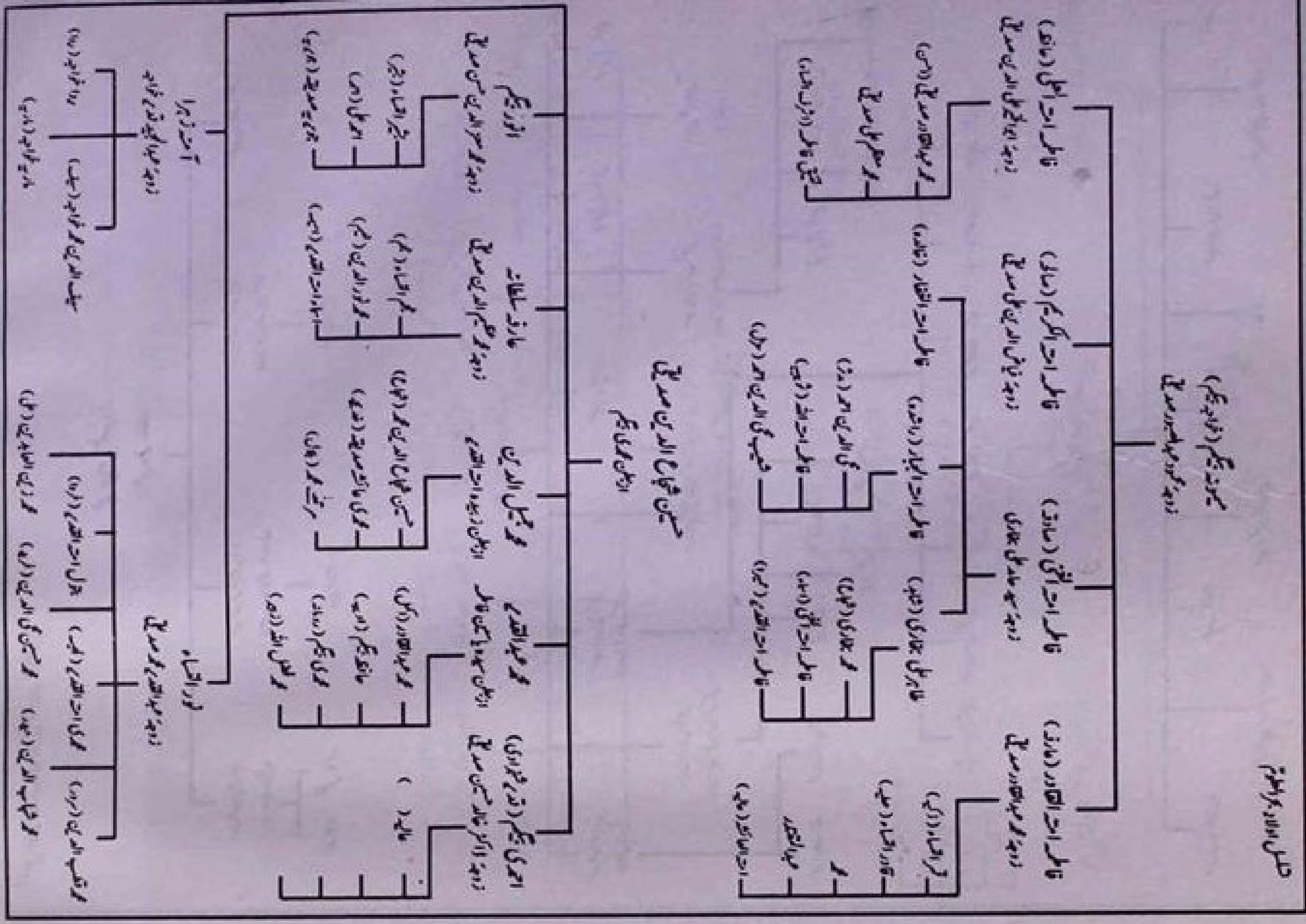


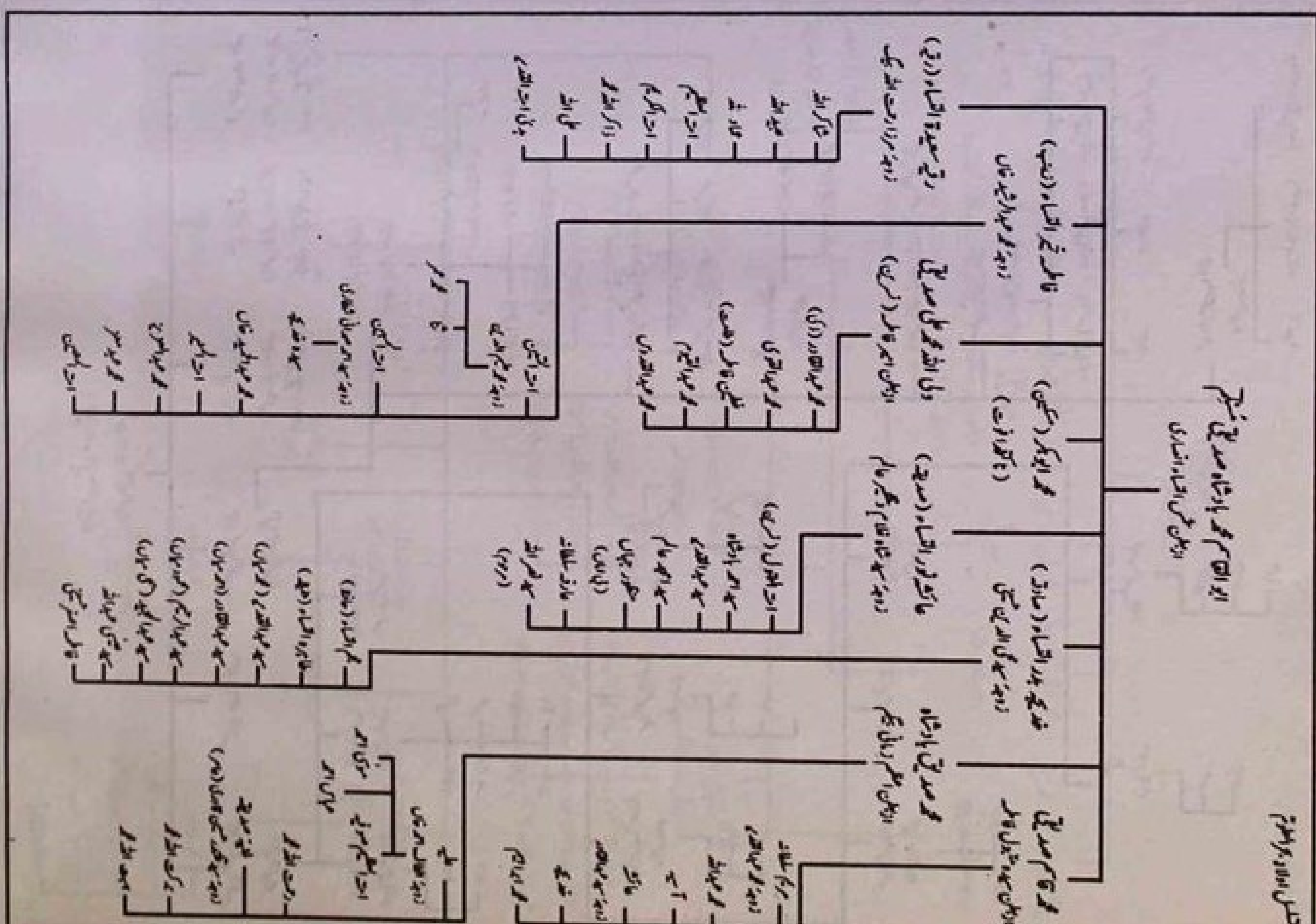


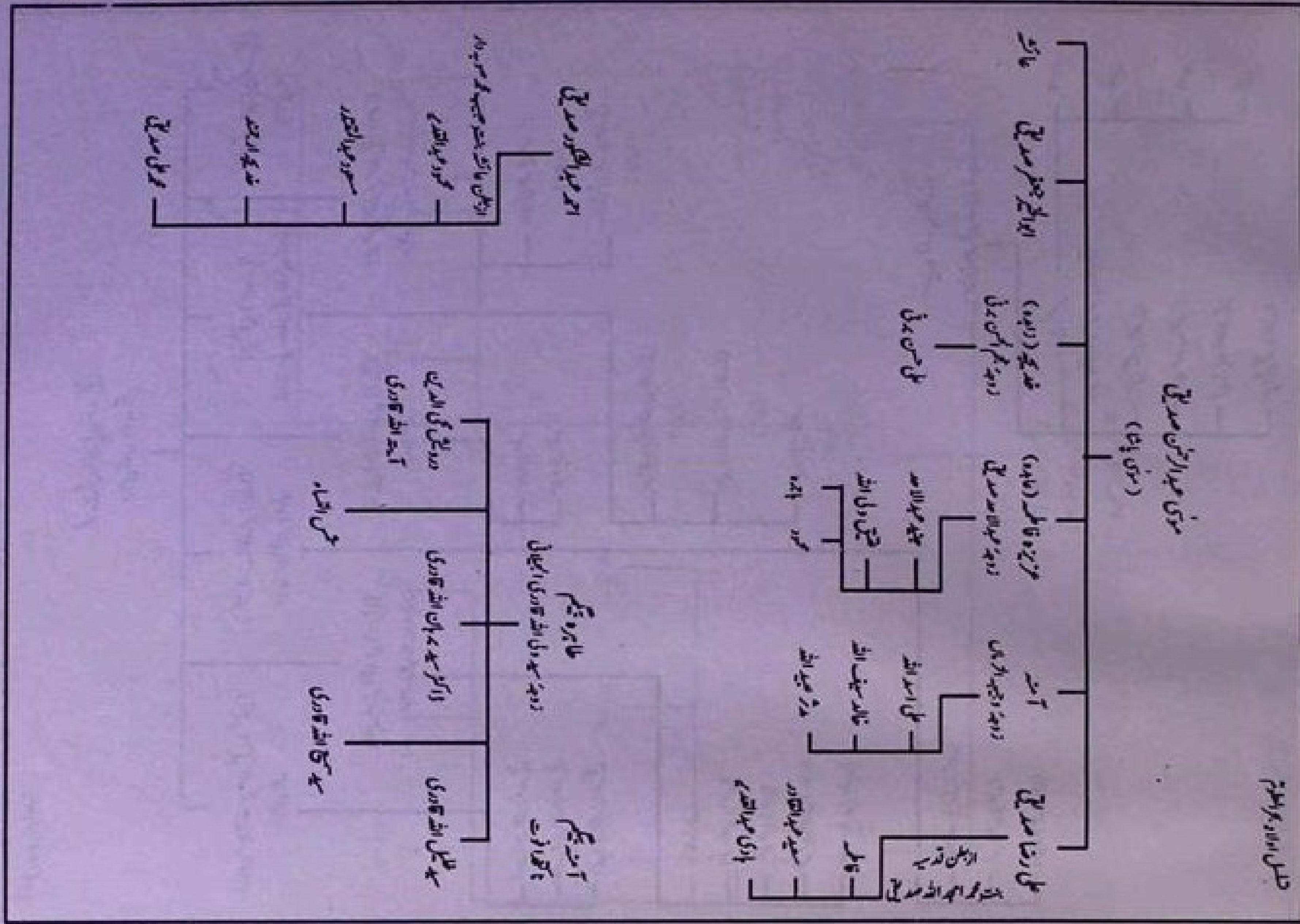


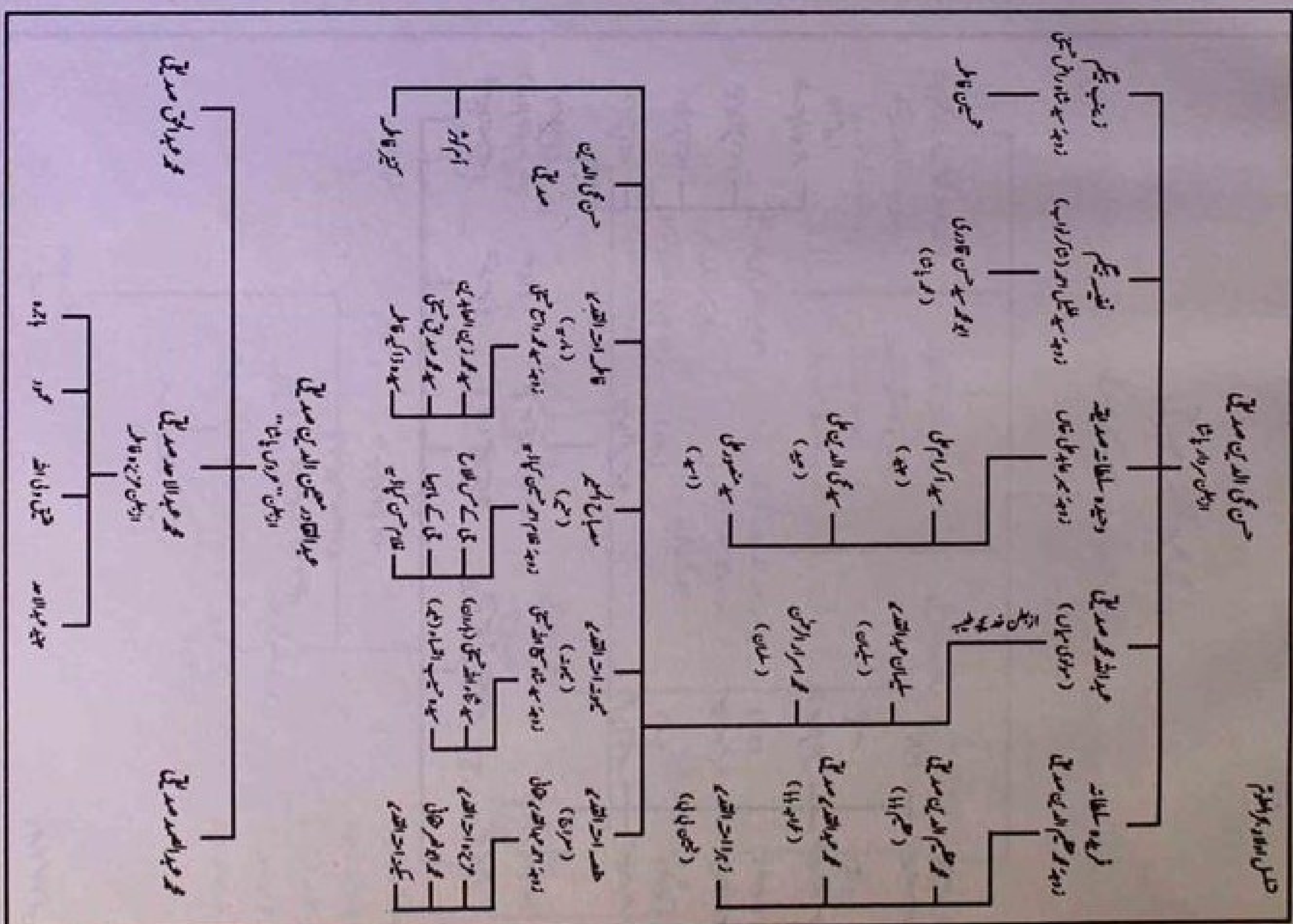


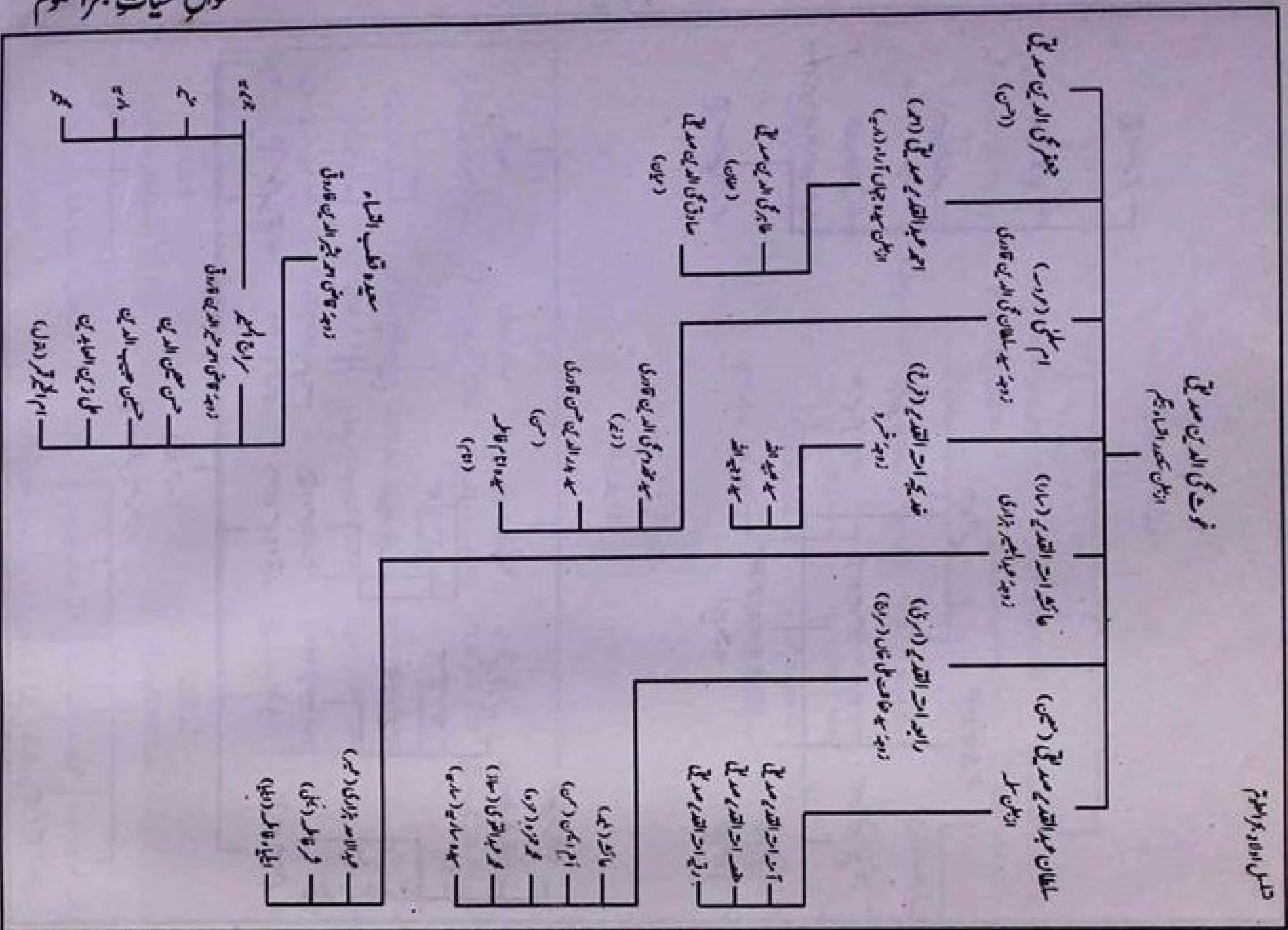


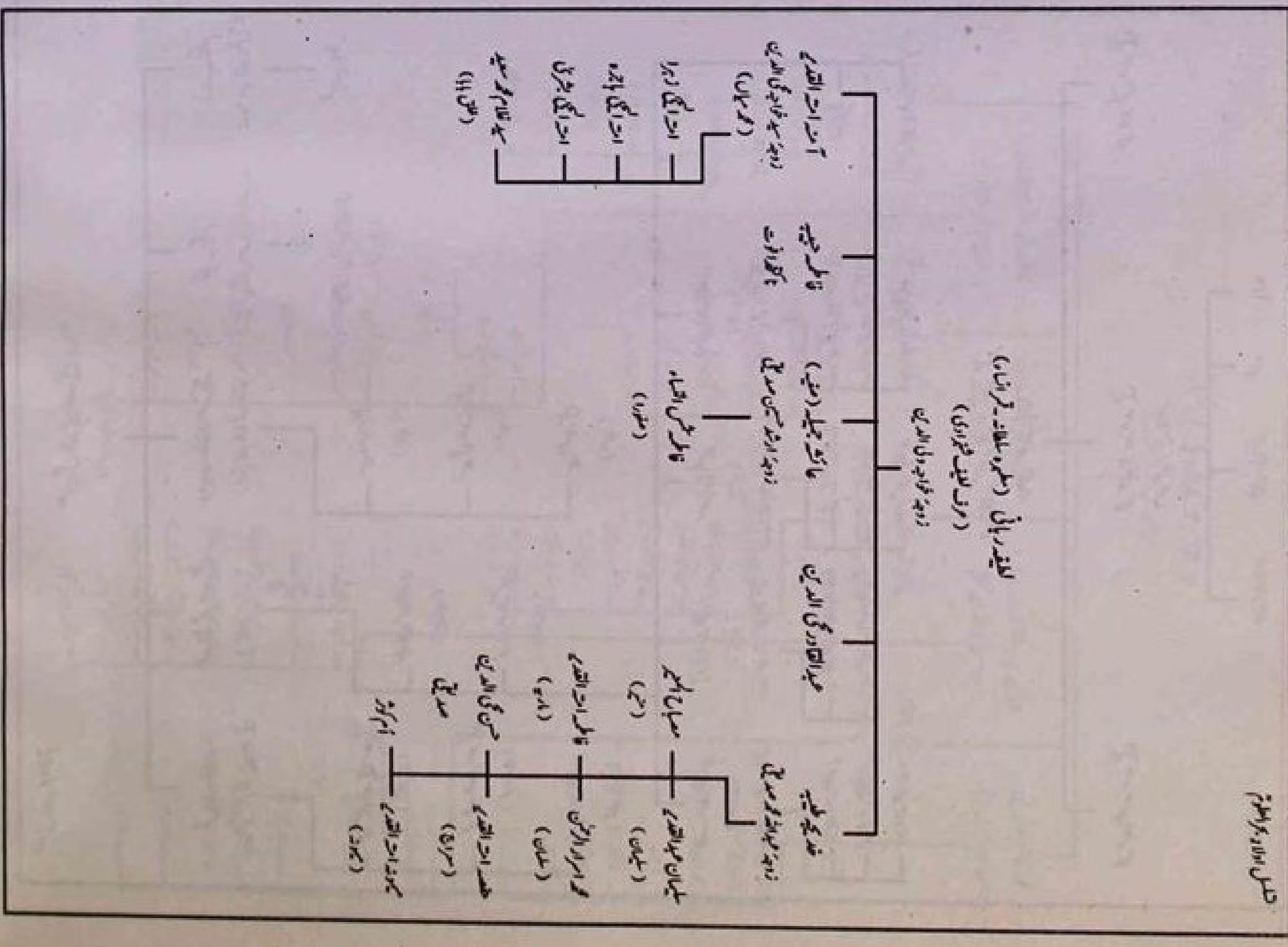


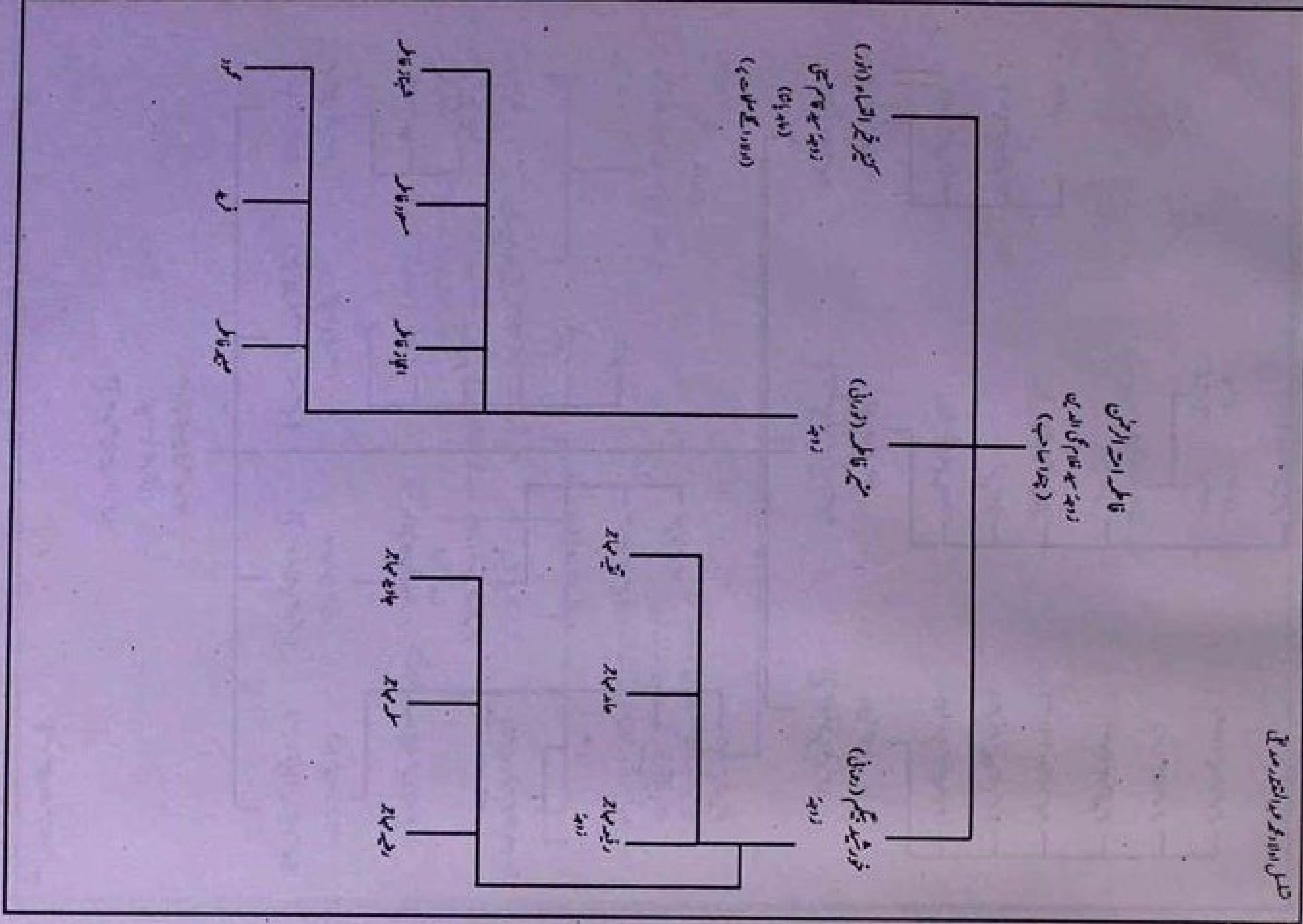


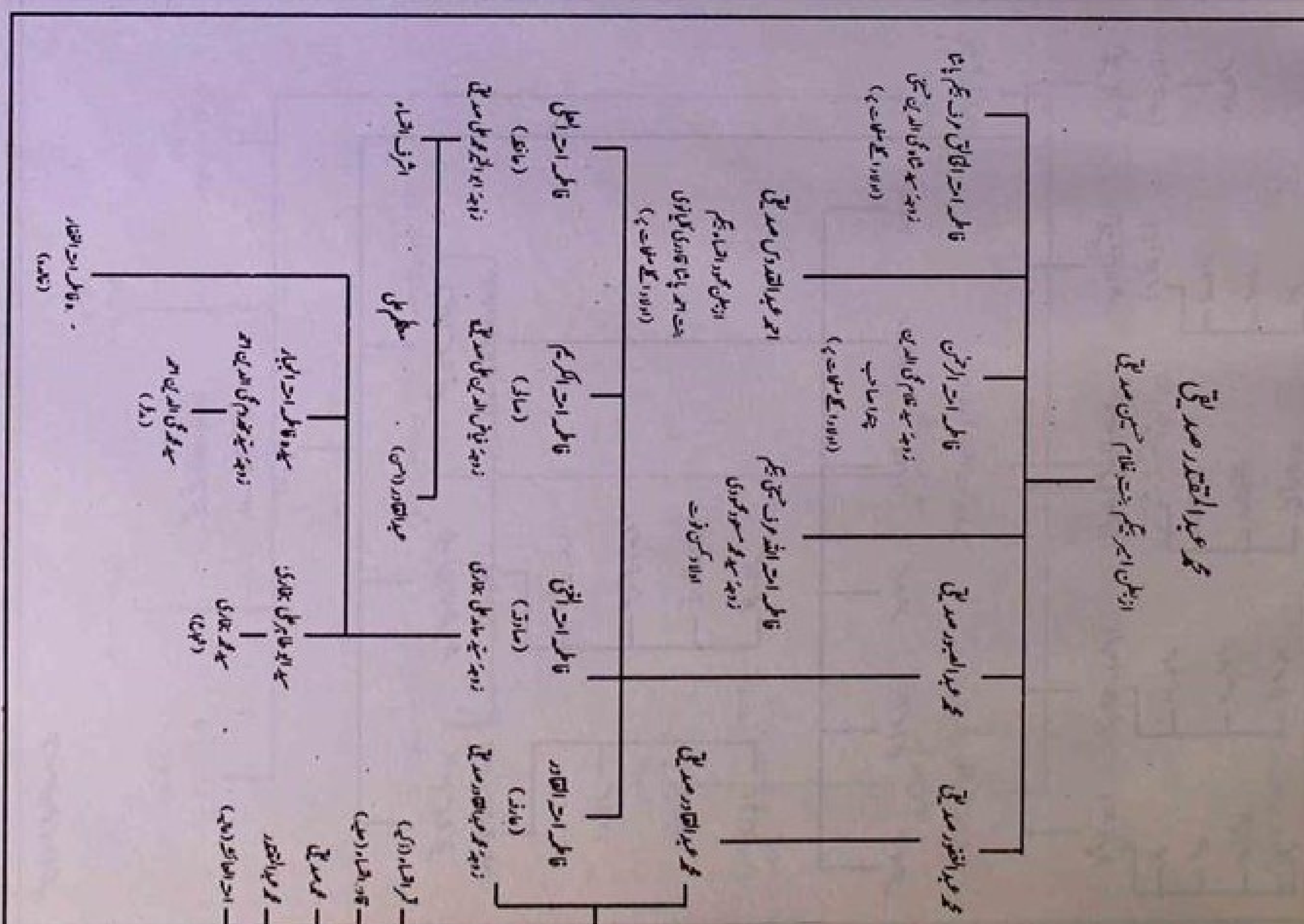


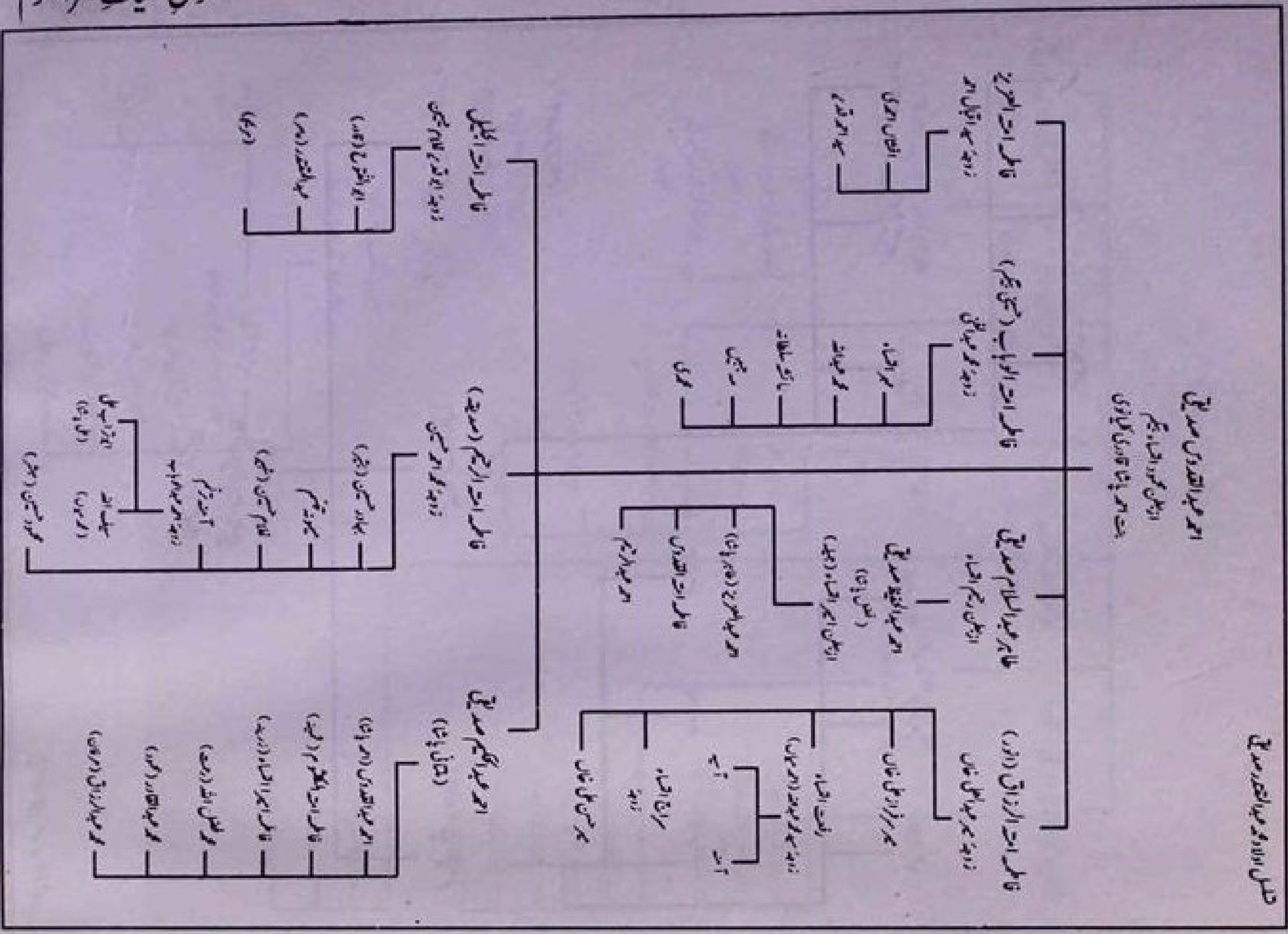


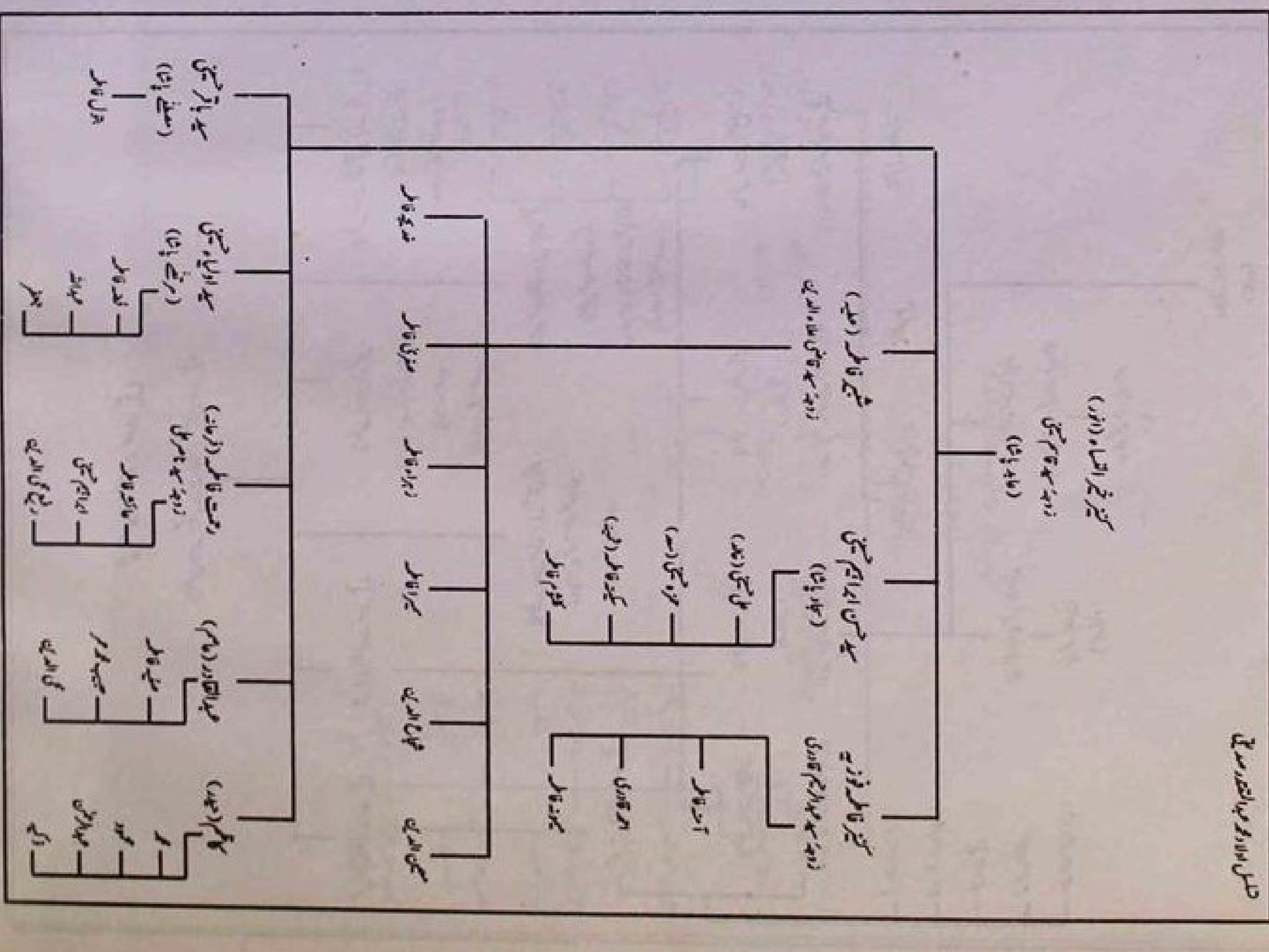


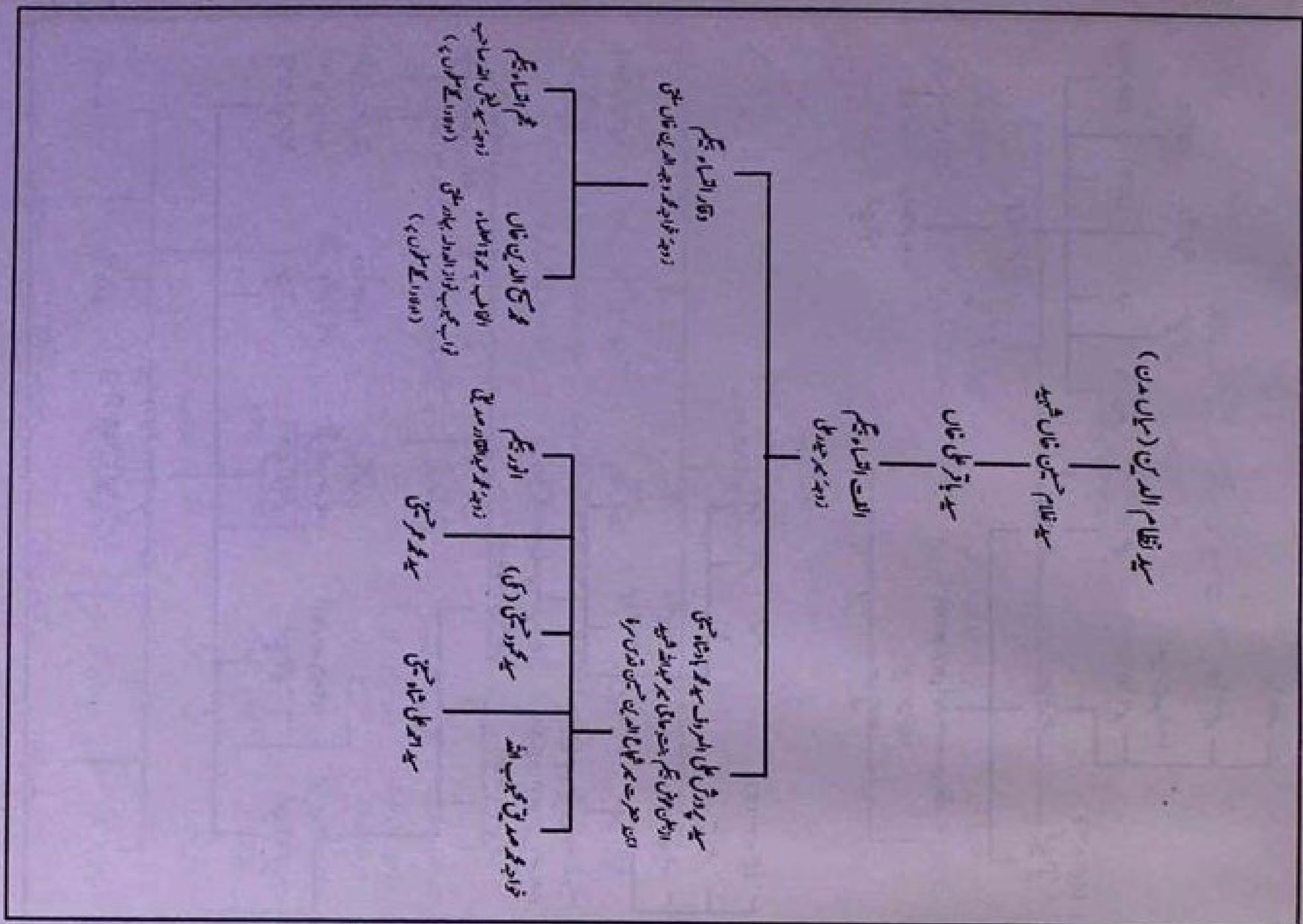


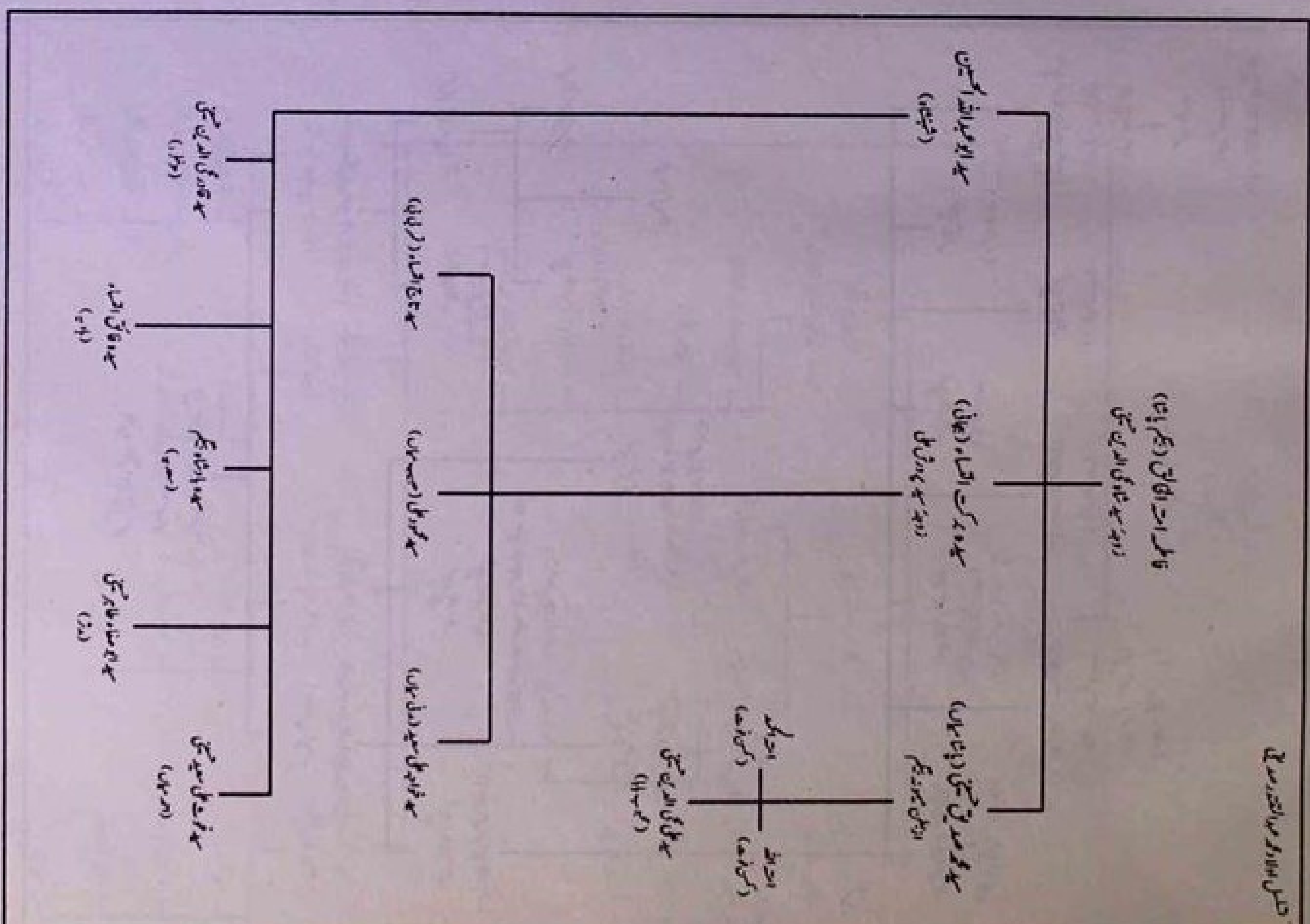


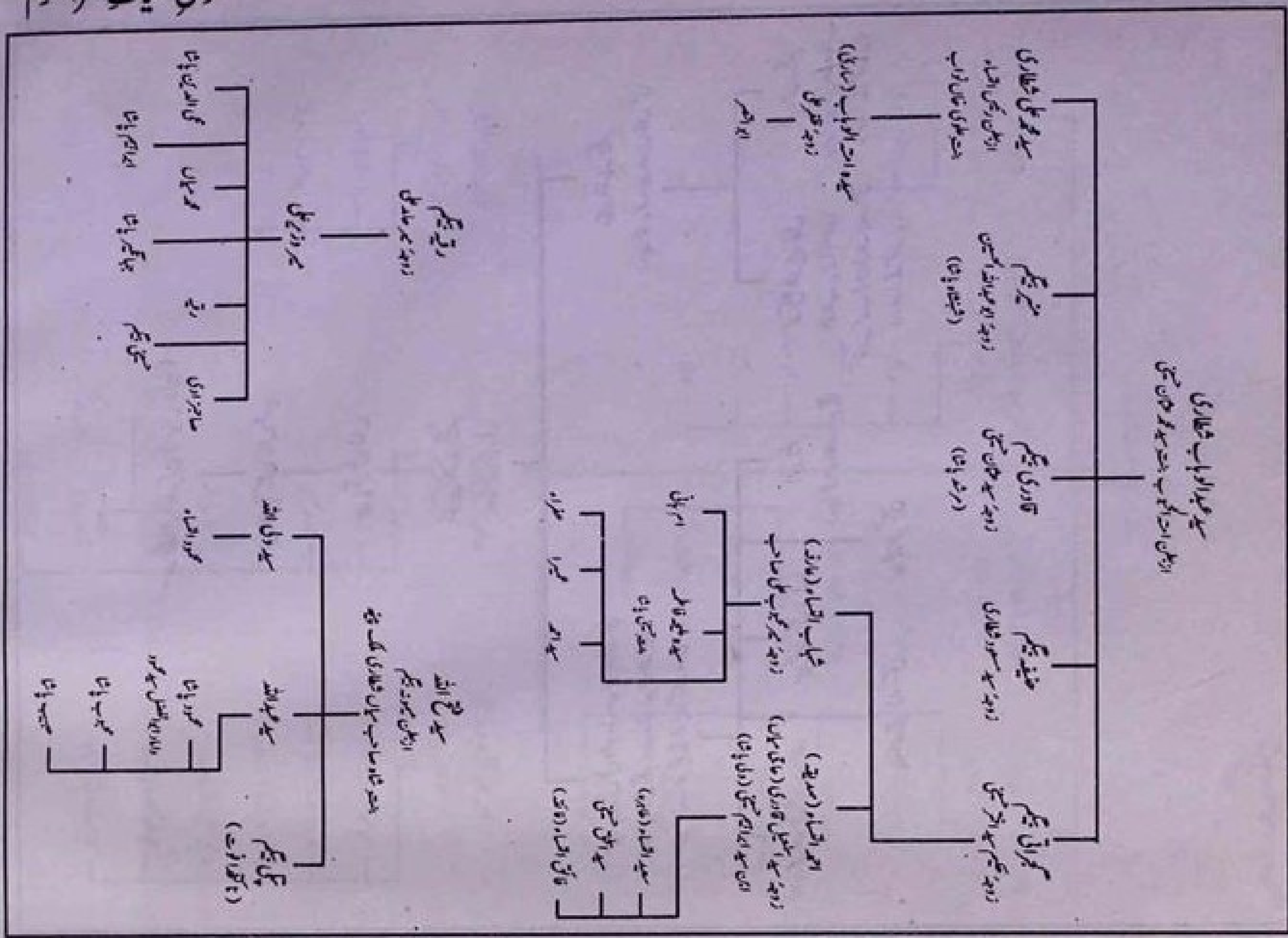


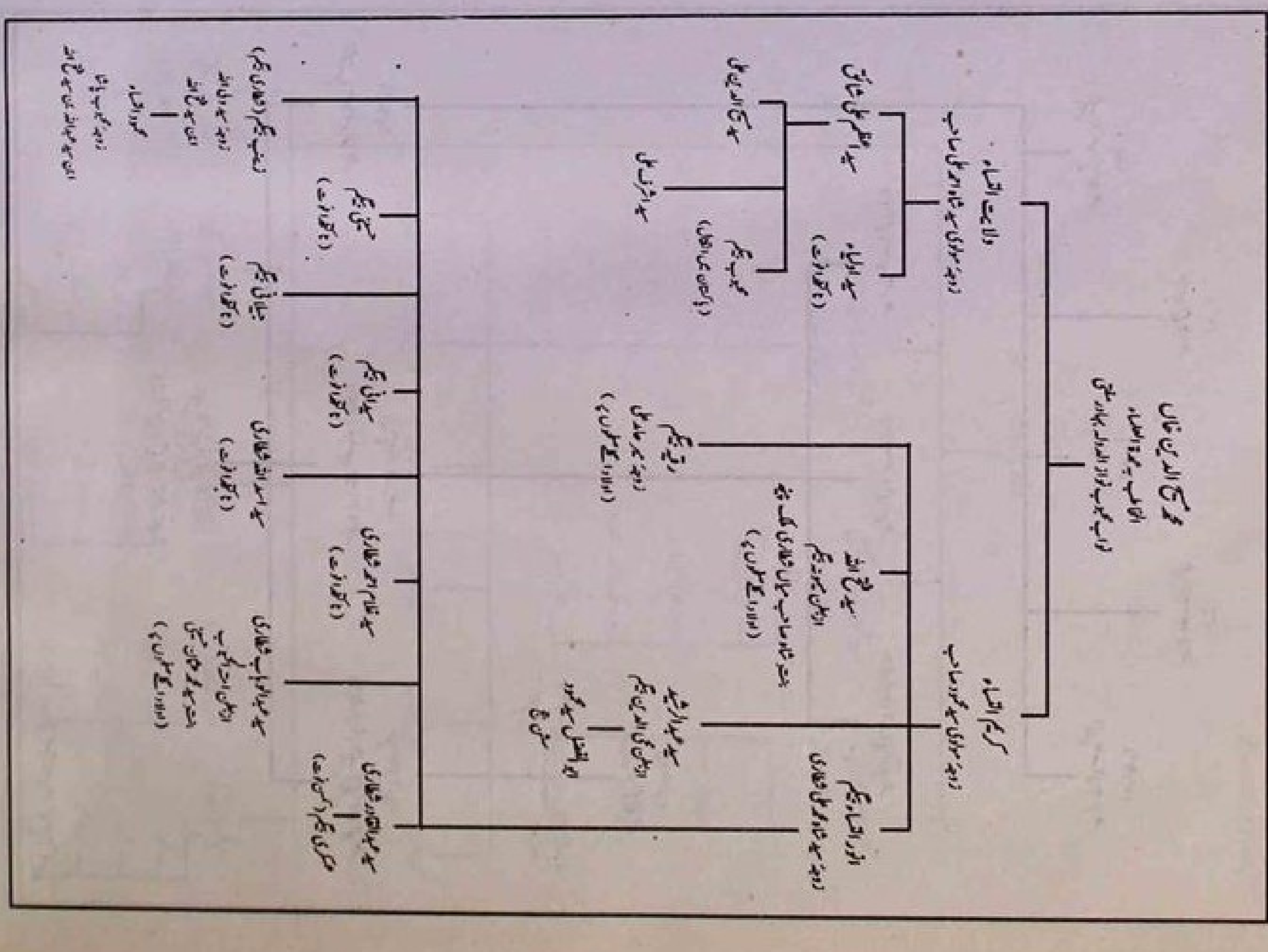


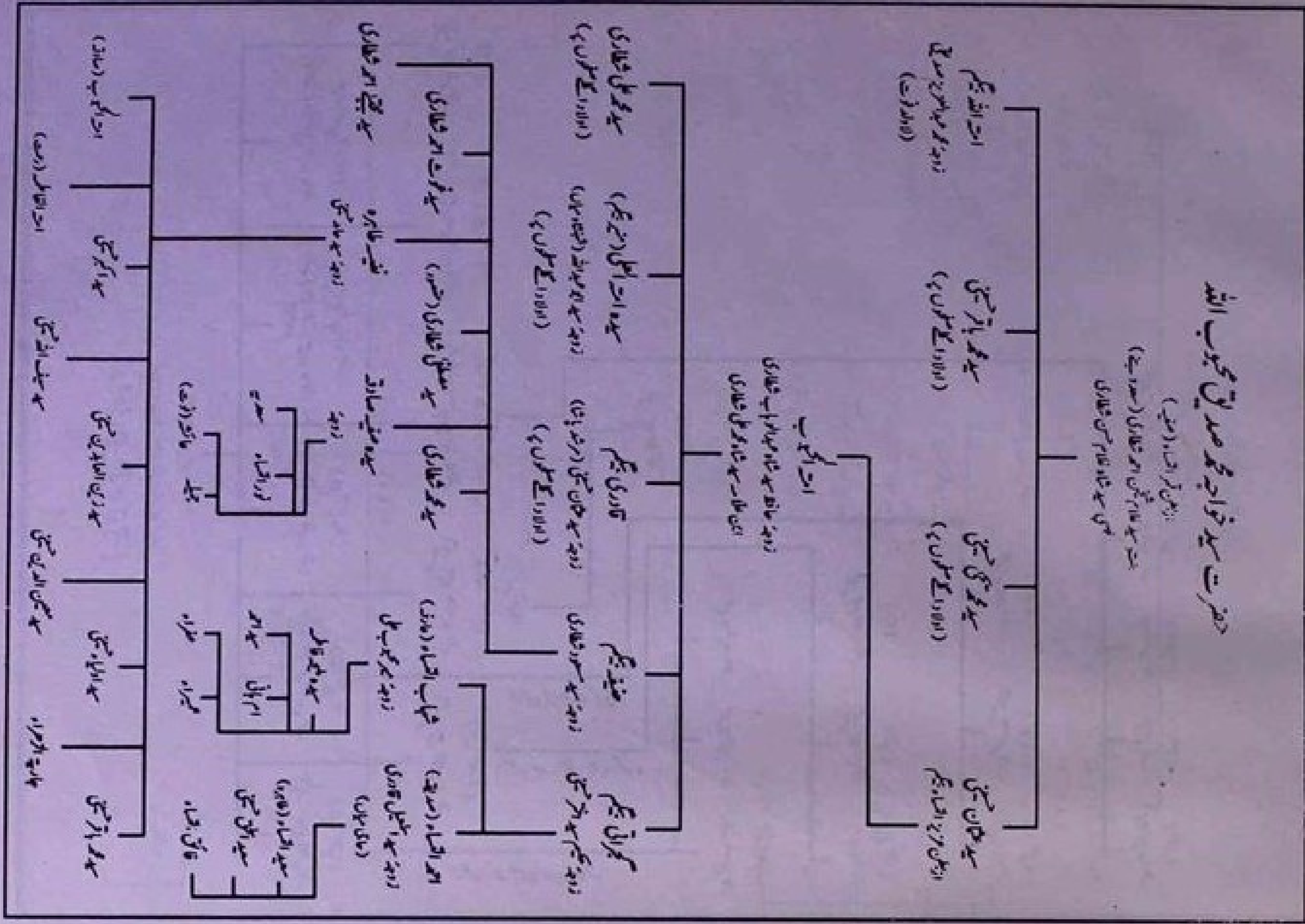


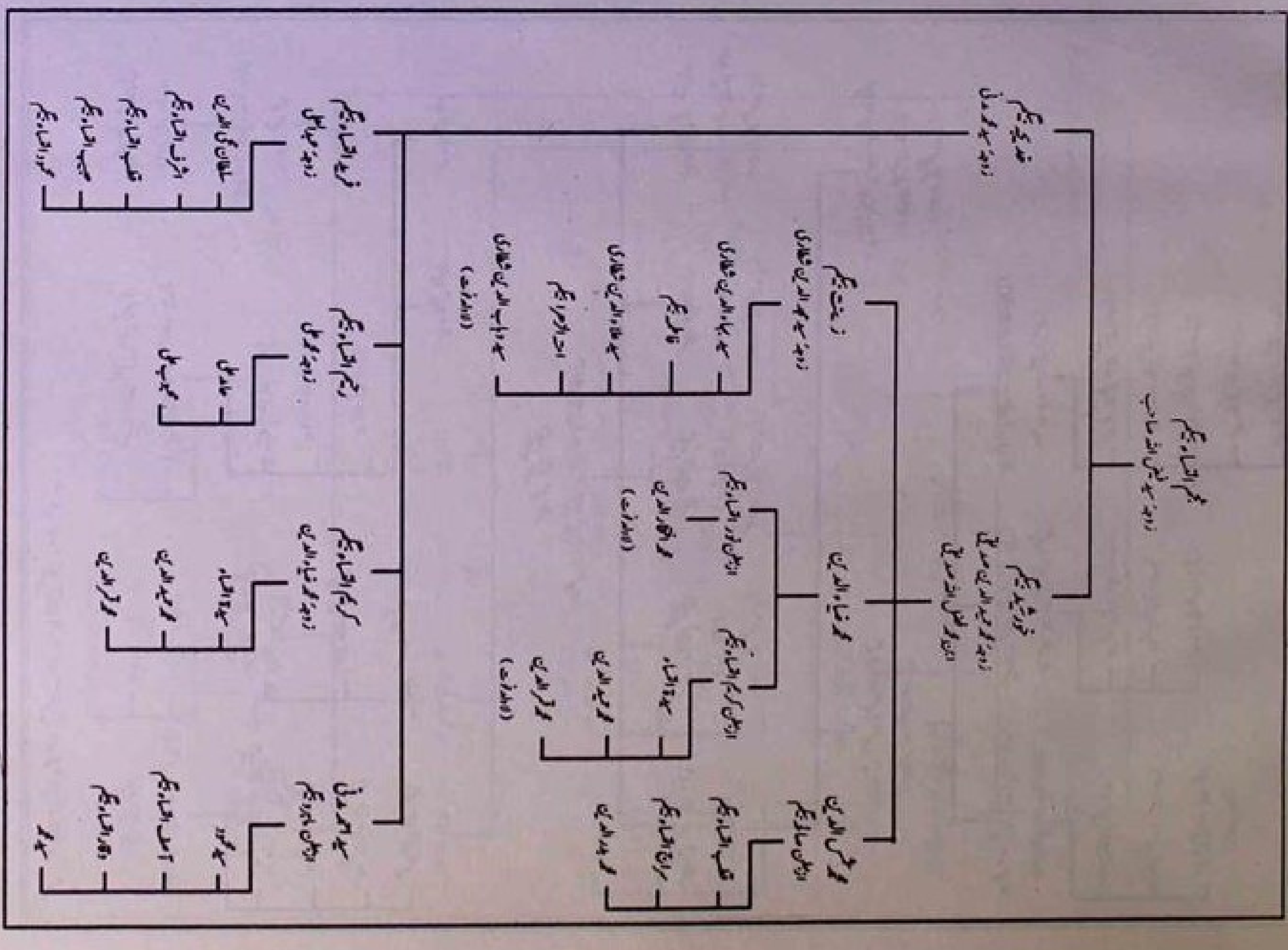


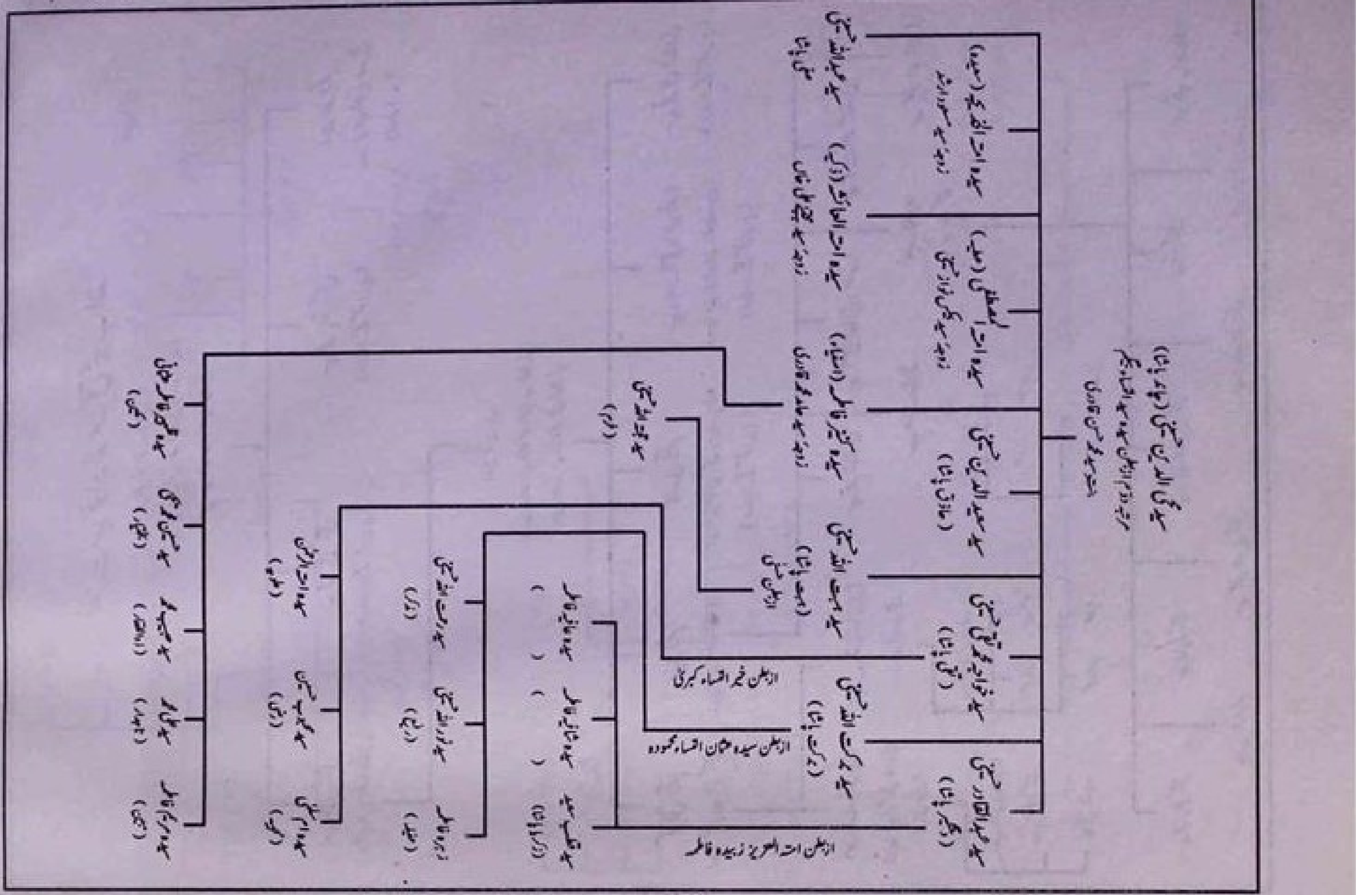


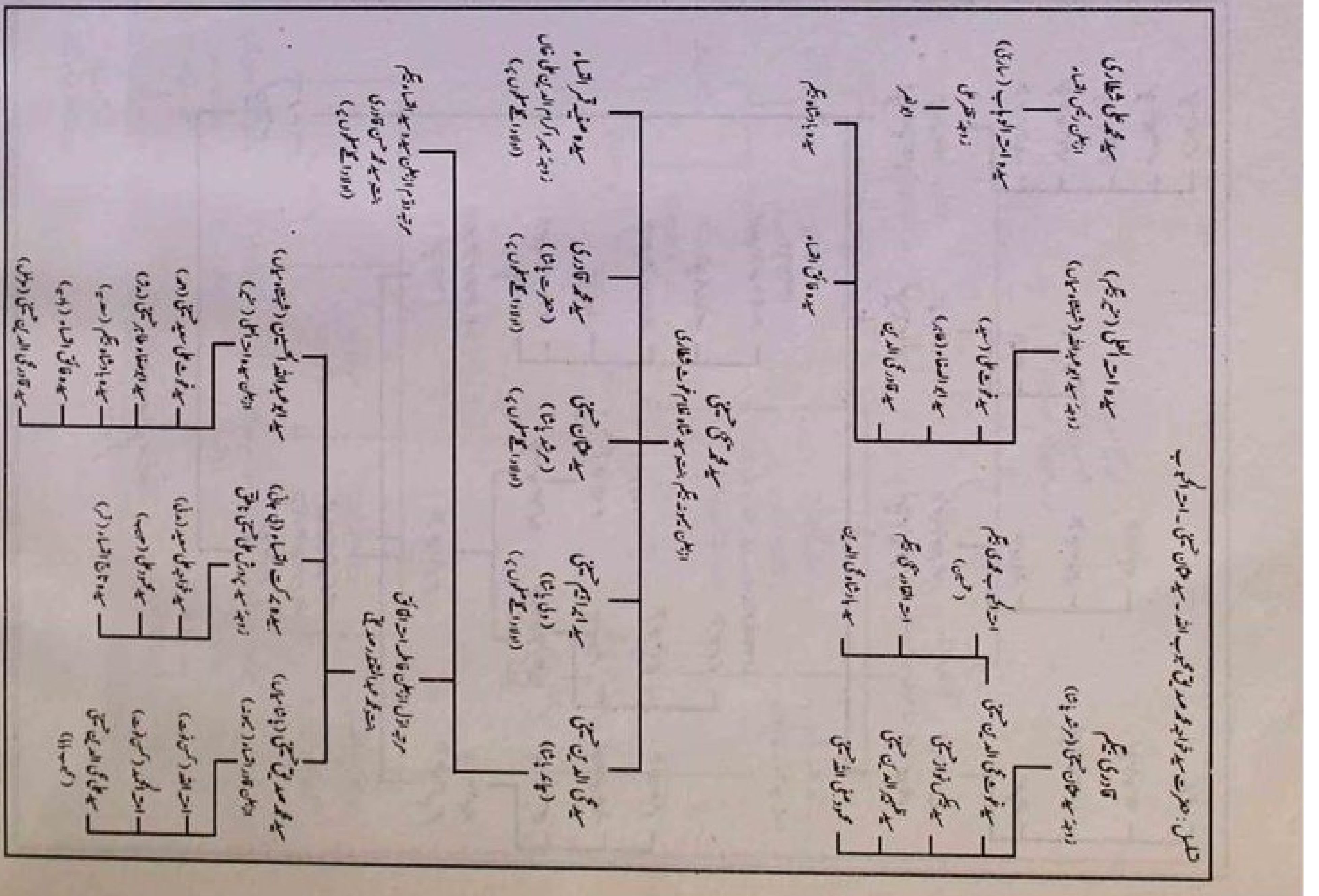


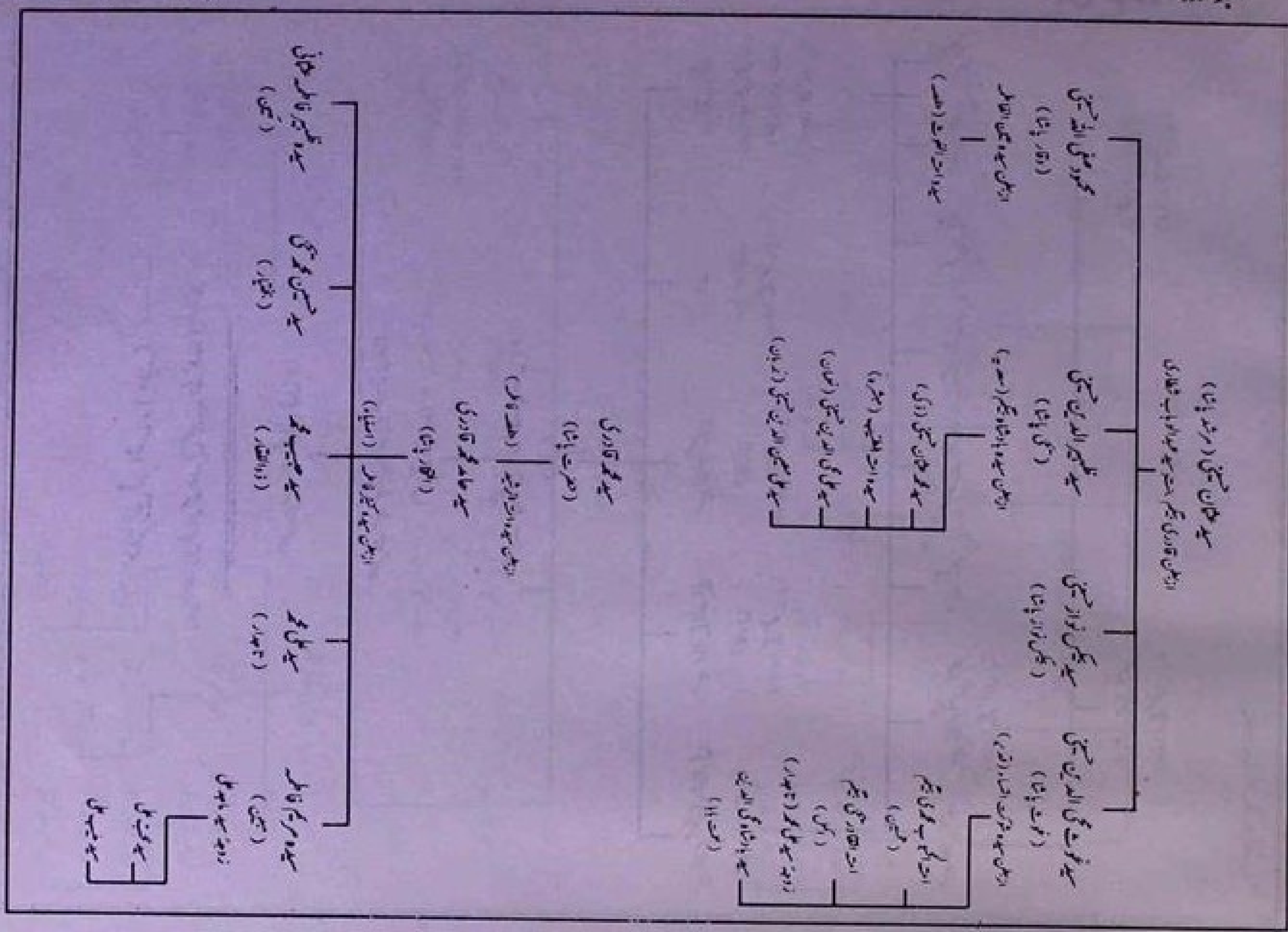


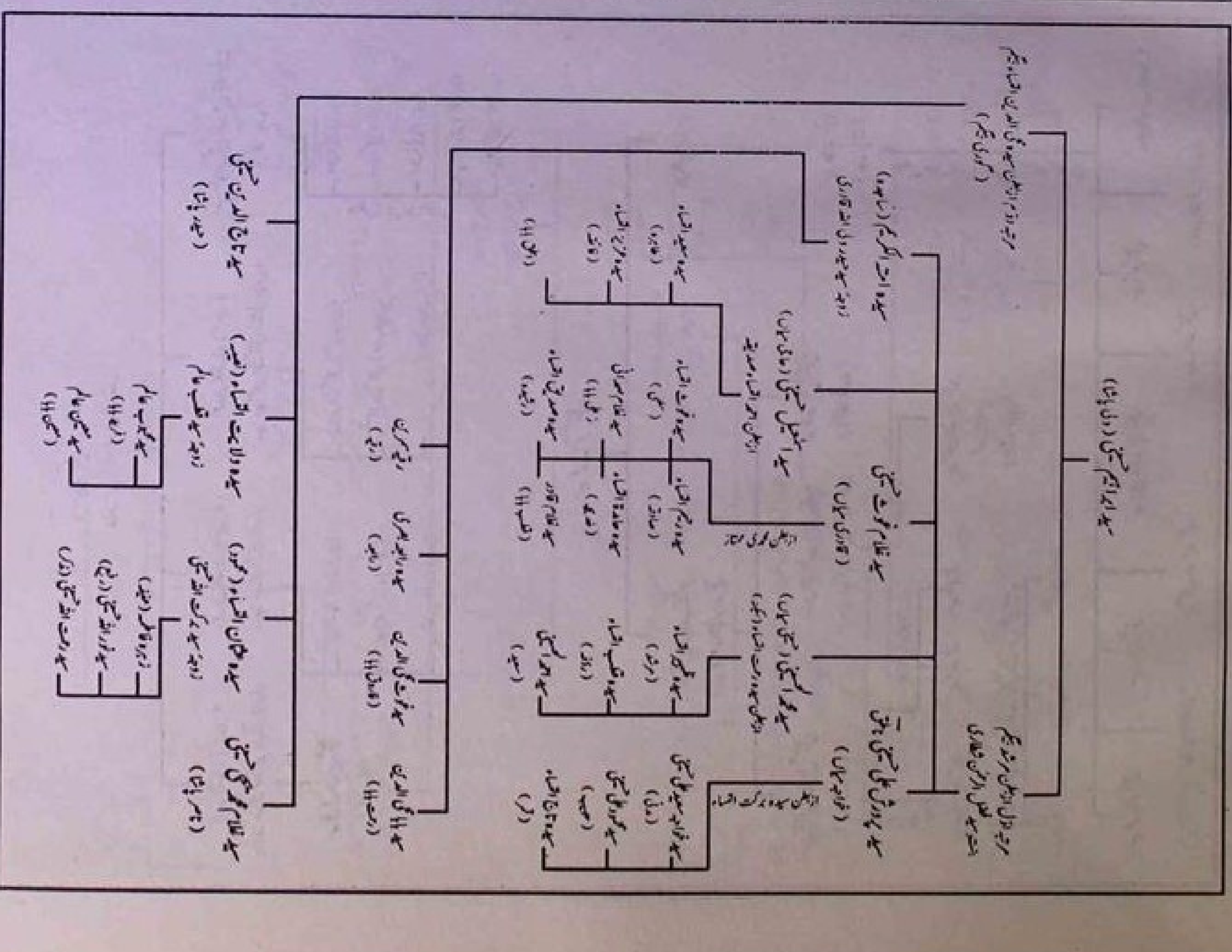


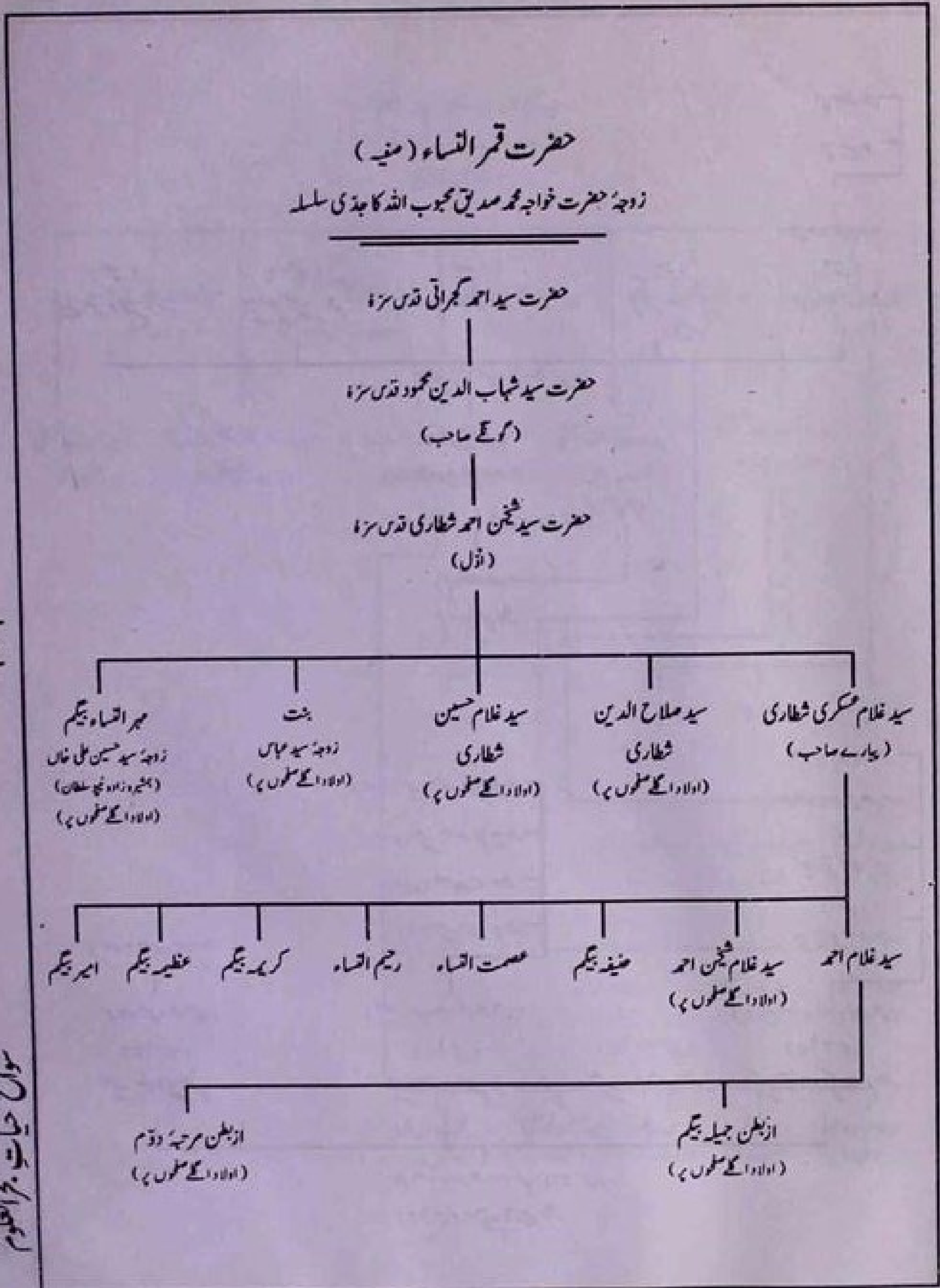


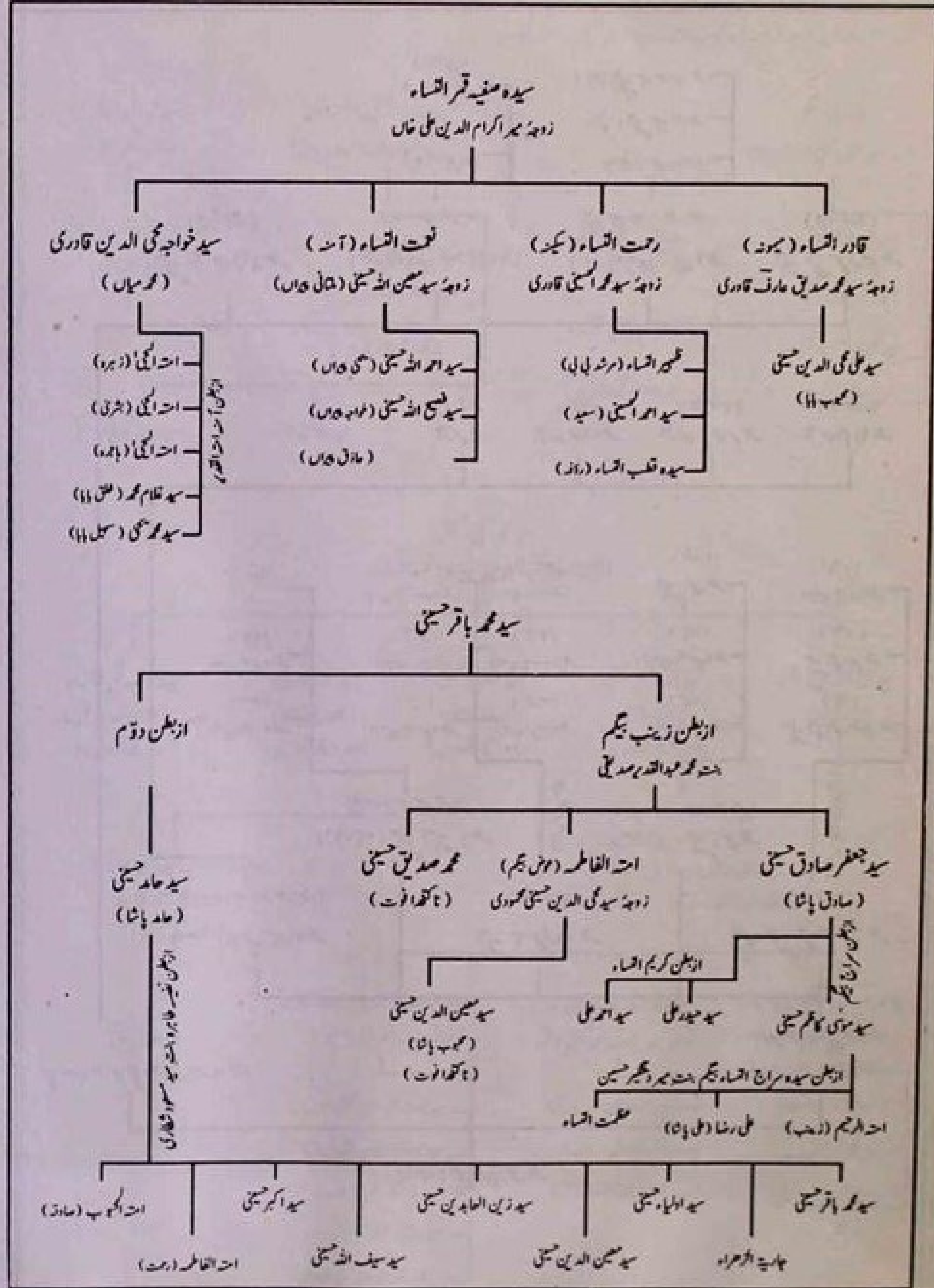


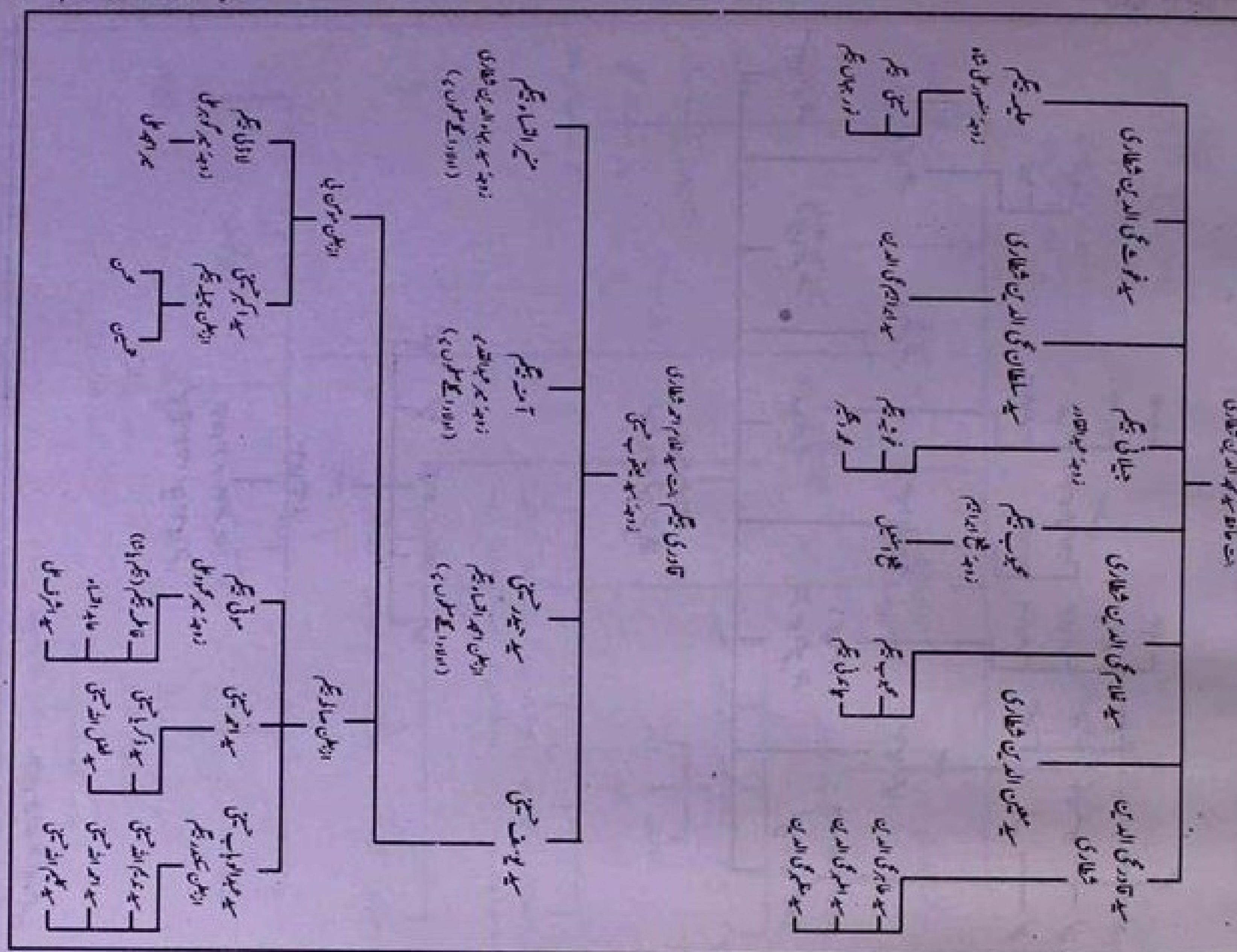


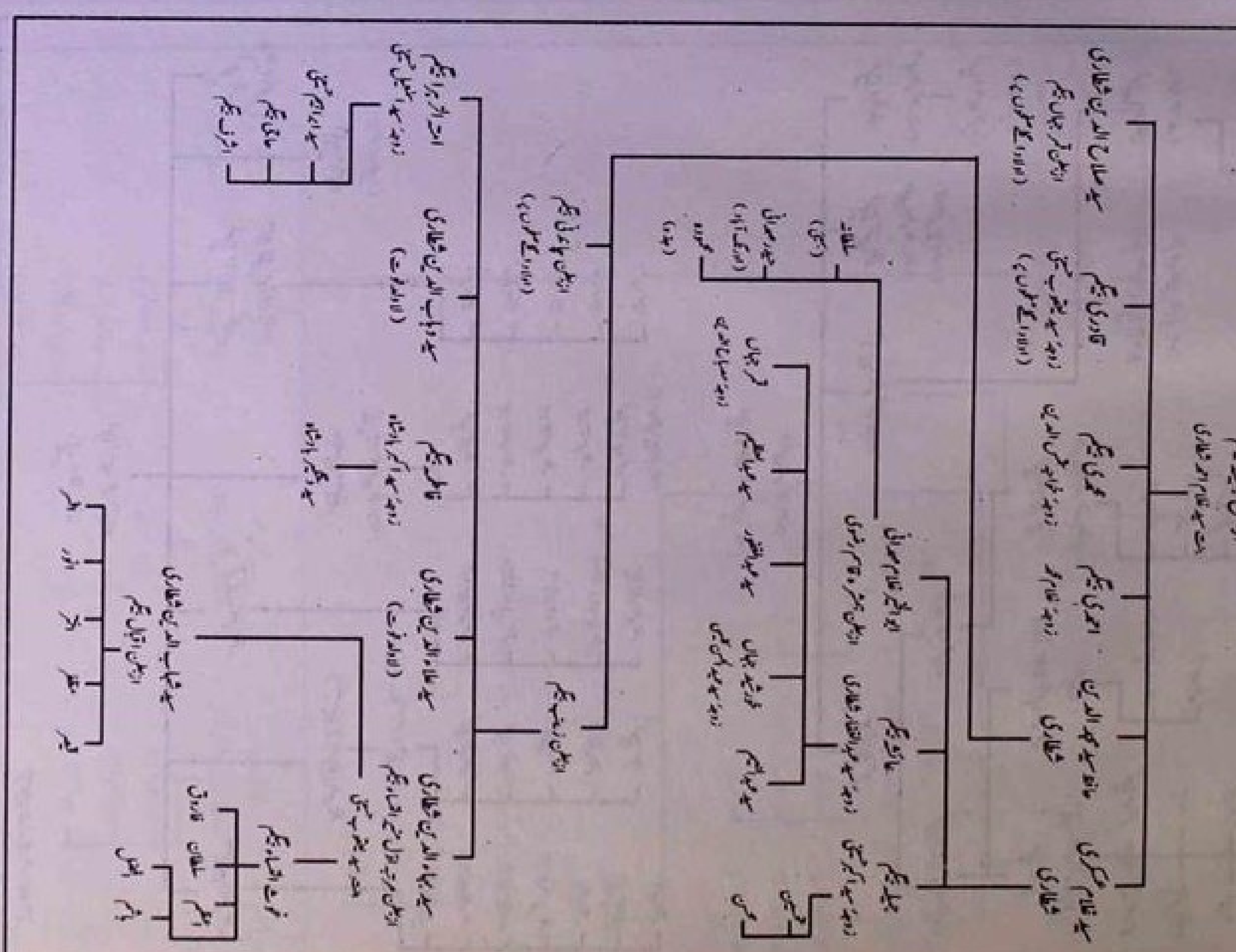


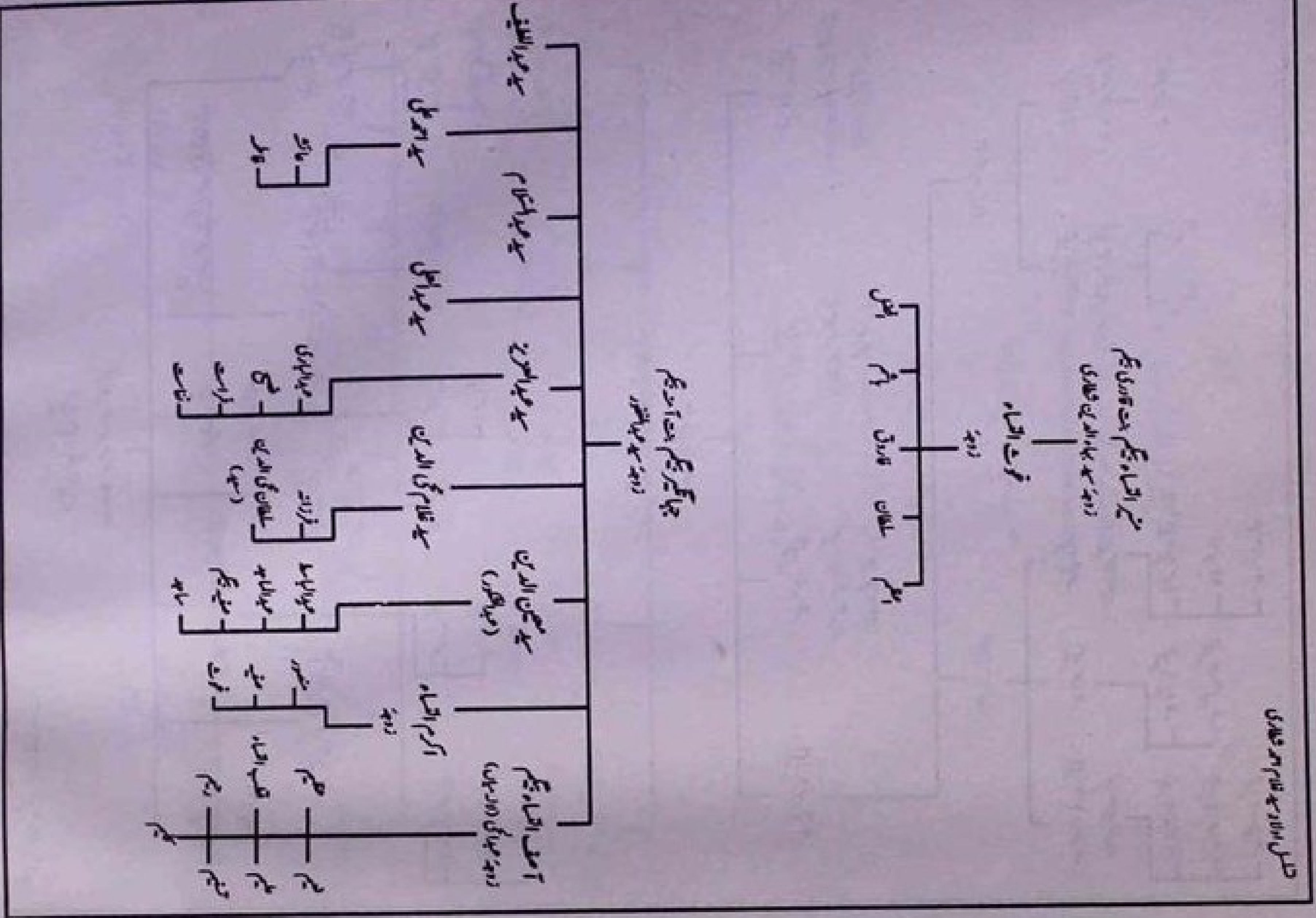


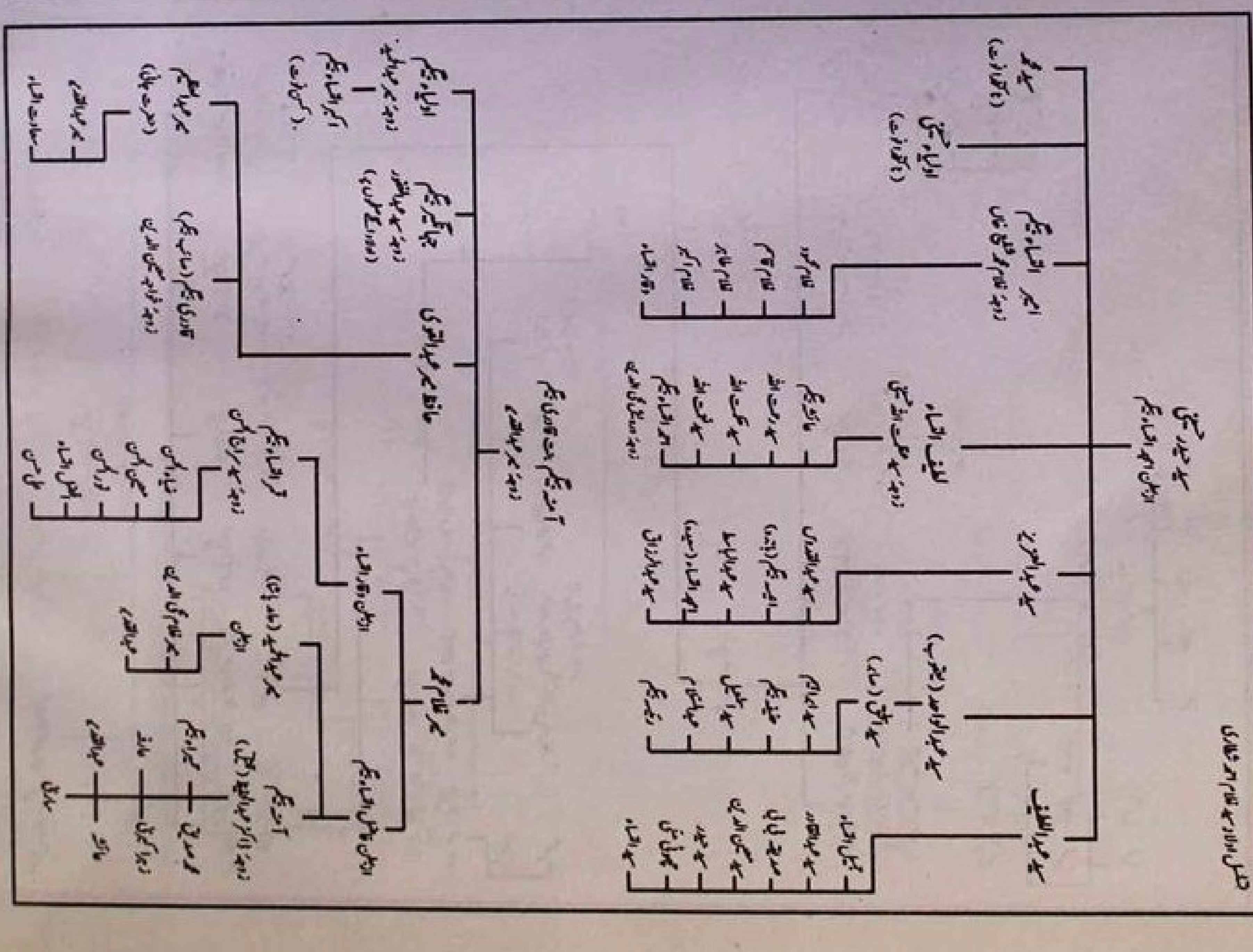

حضرت قمر النساء (منیہ)
زوجۂ حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کا جدّی سلسلہ
حضرت سید احمد گجراتی قدس سرہٗ
حضرت سید شہاب الدین محمود قدس سرہٗ
(گوگجے صاحب)
حضرت سید شجن احمد شطاری قدس سرہٗ
(اوّل)
سید غلام عسکری شطاری
(پیارے صاحب)
سید صلاح الدین
شطاری
(اولاد اگلے صفحوں پر)
سید غلام حسین
شطاری
(اولاد اگلے صفحوں پر)
بنت
زوجۂ سید عباس
(اولاد اگلے صفحوں پر)
مہر النساء بیگم
زوجۂ سید حسین علی خاں
(ہمشیرہ زادہ ٹیپو سلطان)
(اولاد اگلے صفحوں پر)
سید غلام احمد
سید غلام شجن احمد
(اولاد اگلے صفحوں پر)
حنیفہ بیگم
عصمت النساء
رحیم النساء
کریمہ بیگم
عظیمہ بیگم
امیر بیگم
ازبطن جمیلہ بیگم
(اولاد اگلے صفحوں پر)
ازبطن مرحبہ دوم
(اولاد اگلے صفحوں پر)

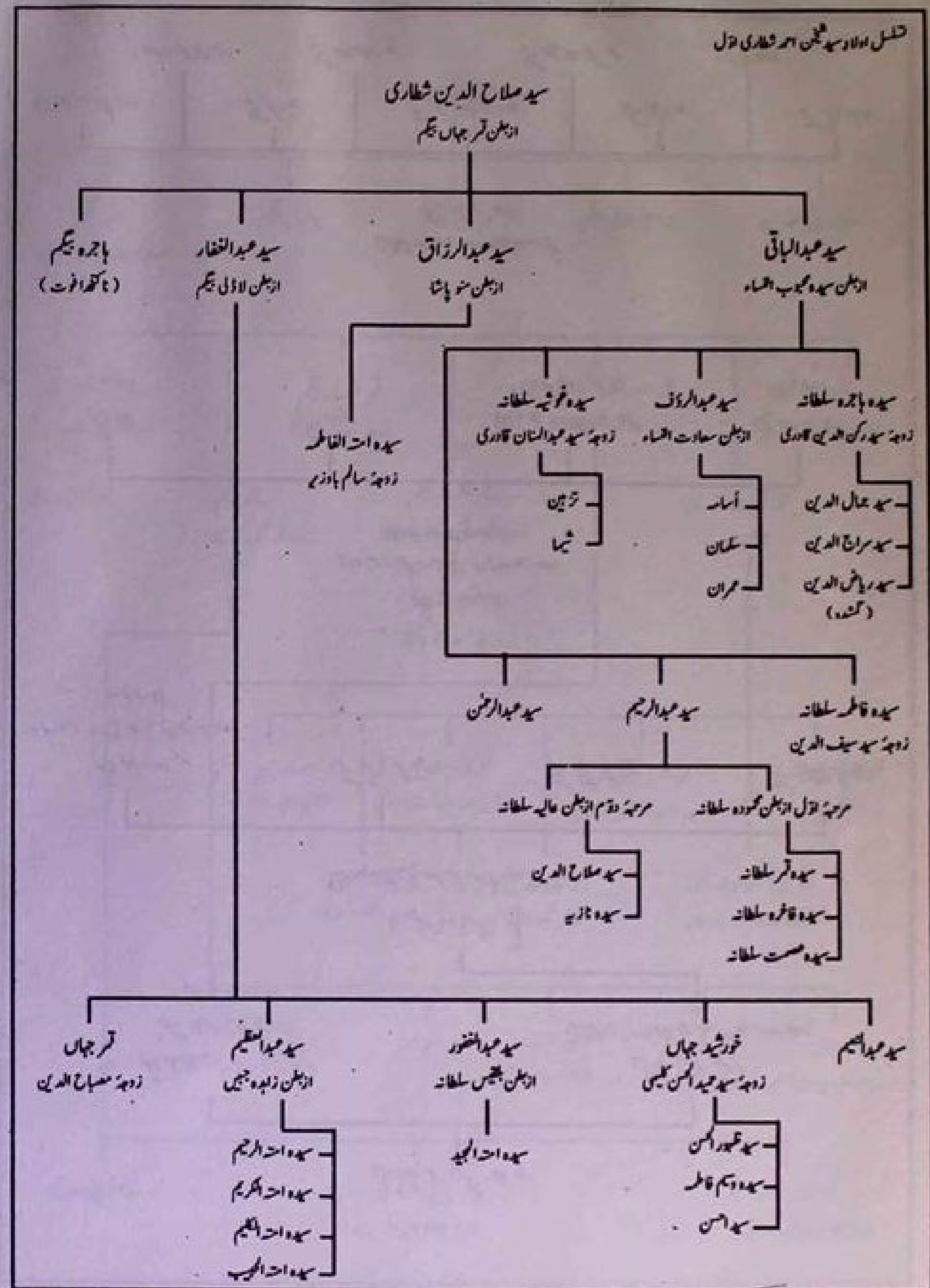

سیدہ صفیہ قمر النساء
زوجۂ میر اکرام الدین علی خاں
قادر النساء (میمونہ)
زوجۂ سید محمد صدیق عارف قادری
رحمت النساء (سکینہ)
زوجۂ سید محمد الحسینی قادری
نعمت النساء (آمنہ)
زوجۂ سید معین اللہ حسینی (منّانی میاں)
سید خواجہ محی الدین قادری
(محمد میاں)
سید علی محی الدین حسینی
(محبوب باا)
ظہیر النساء (مرشد بی بی)
سید احمد الحسینی (سید)
سیدہ قطب النساء (راز)
سید احمد اللہ حسینی (محی میاں)
سید فصیح اللہ حسینی (خواجہ میاں)
(صادق میاں)
امۃ الحی (زہرہ)
امۃ الحی (بشریٰ)
امۃ الحی (ہاجرہ)
سید غلام محمد (عتیق باا)
سید محمد حسینی (سہیل باا)
سید محمد باقر حسینی
ازبطن زینب بیگم
بنت محمد عبداللہ صدیقی
ازبطن دوم
سید جعفر صادق حسینی
(صادق پاشا)
امۃ الفاطمہ (موتی بیگم)
زوجۂ سید محی الدین حسینی محمودی
محمد صدیق حسینی
(ناکتھدا فوت)
سید حامد حسینی
(حامد پاشا)
ازبطن کریم النساء
سید موسیٰ کاظم حسینی
سید حیدر علی
سید احمد علی
سید معین الدین حسینی
(محبوب پاشا)
(ناکتھدا فوت)
ازبطن سیدہ سراج النساء بیگم بنت میر دستگیر حسین
امۃ الرحیم (زینب)
علی رضا (علی پاشا)
عظمت النساء
سید محمد باقر حسینی
سید اولیاء حسینی
سید زین العابدین حسینی
سید اکبر حسینی
امۃ المحبوب (صادقہ)
جاریۃ الزہراء
سید معین الدین حسینی
سید سیف اللہ حسینی
امۃ الفاطمہ (رحمت)



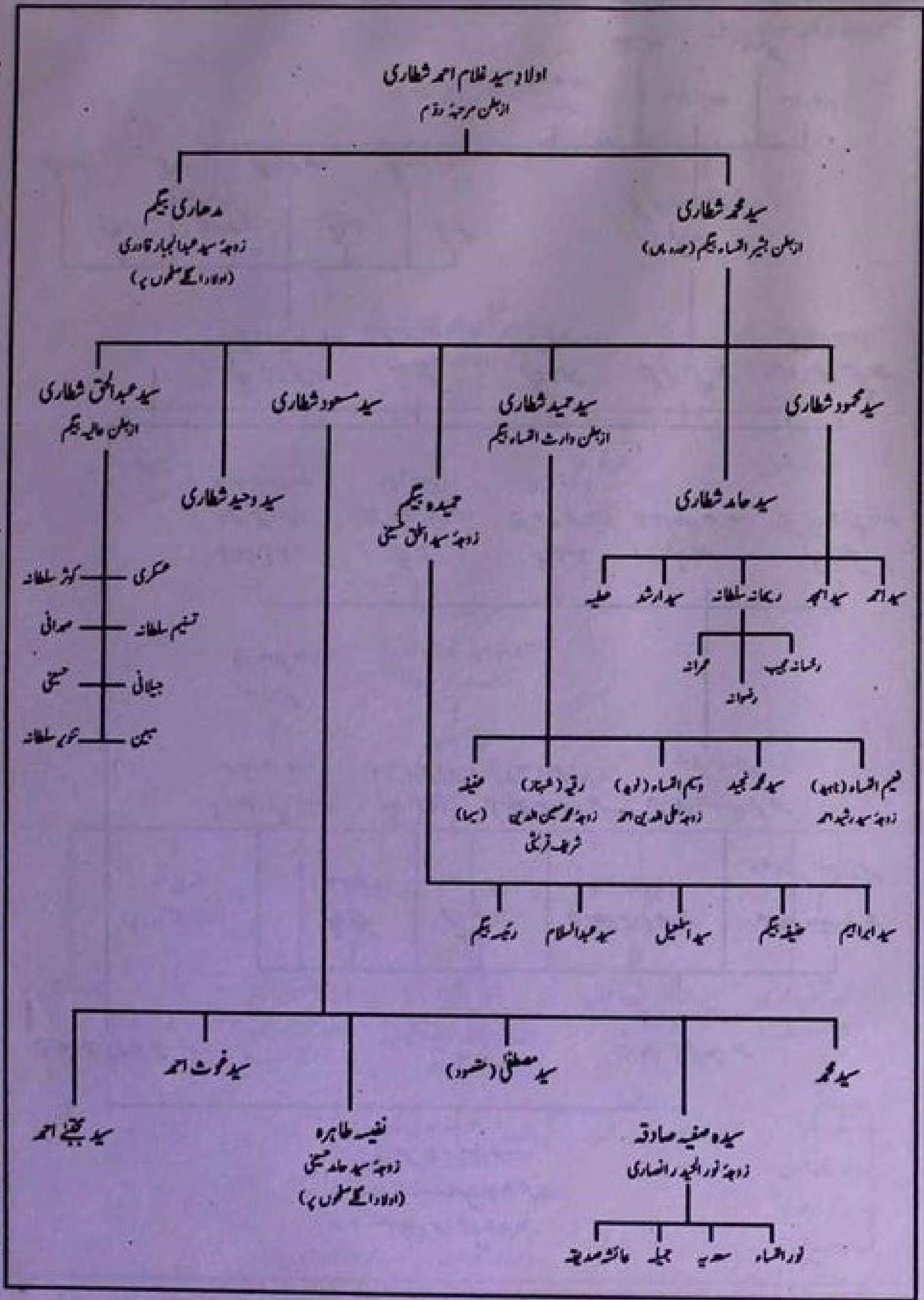




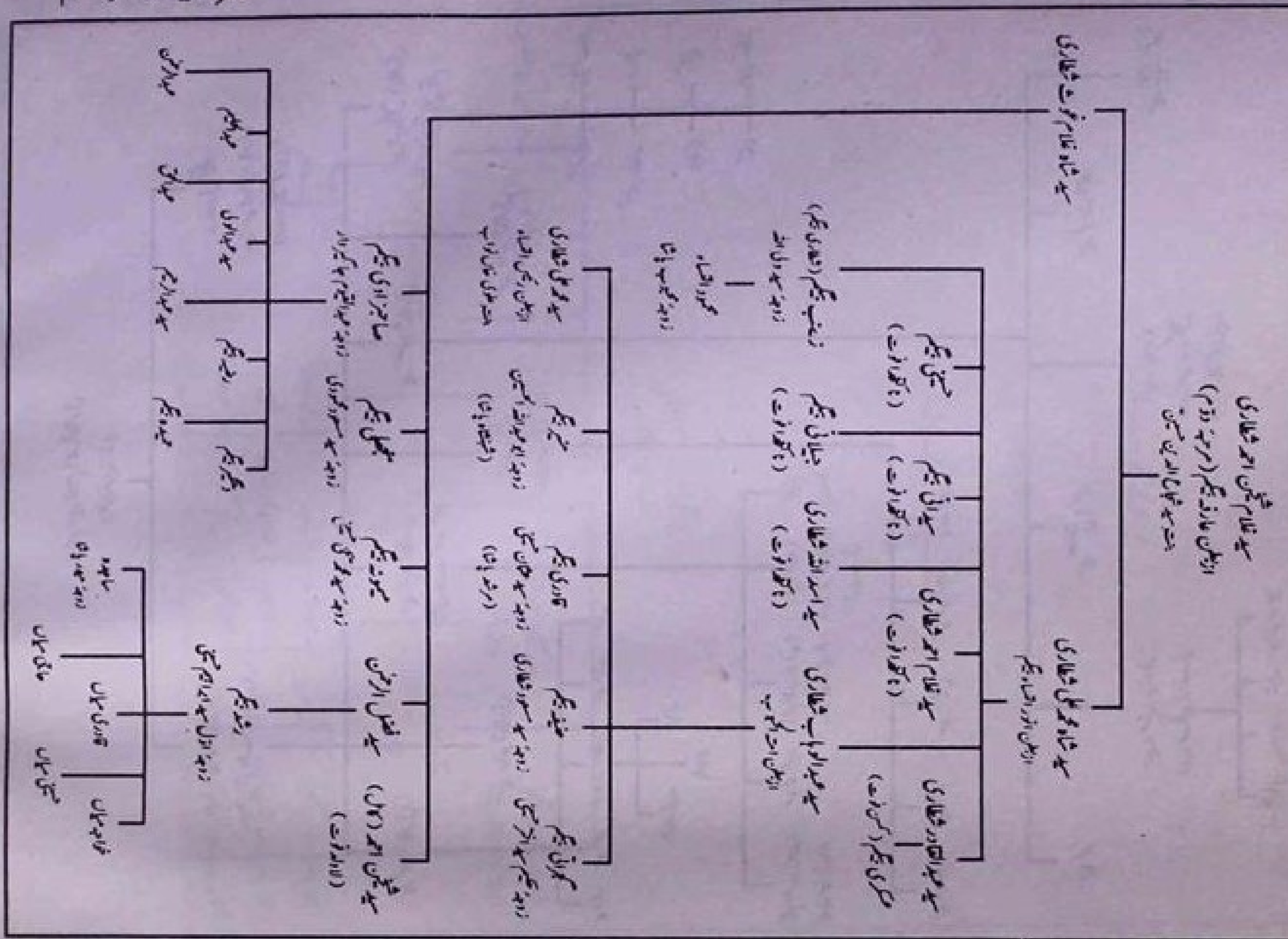


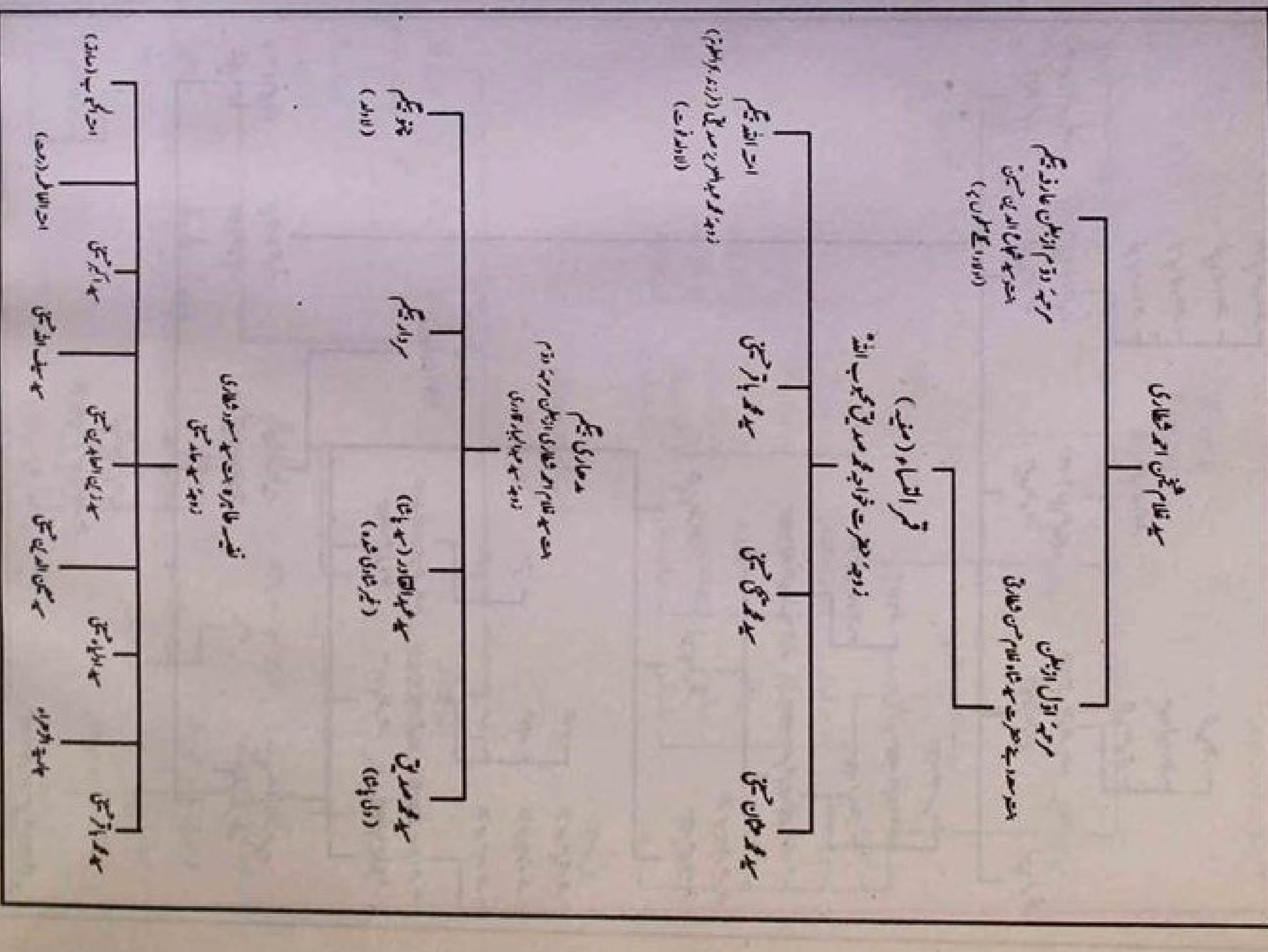


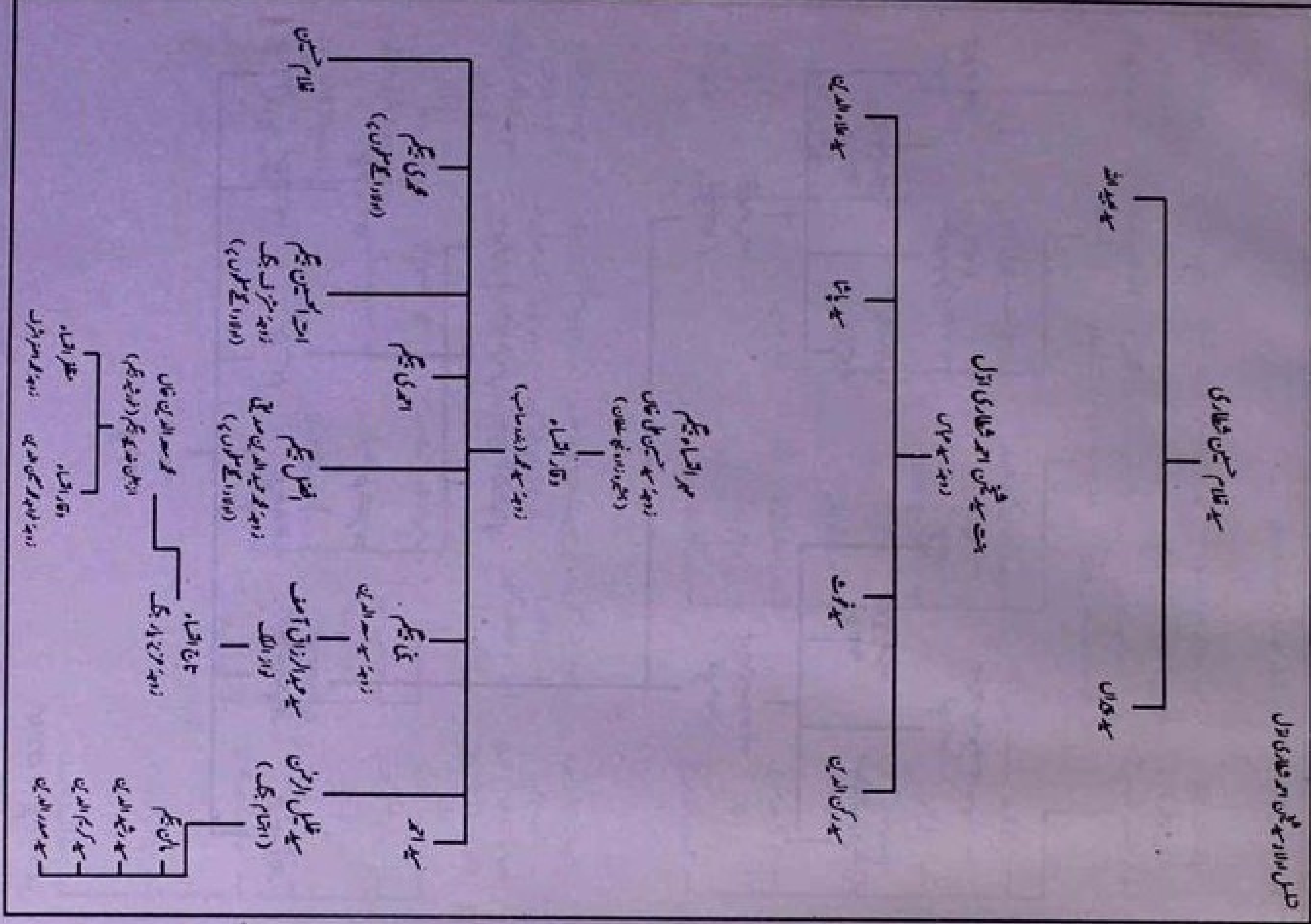
تسلسل اولاد سید محسن احمد شطاری اوّل
سید صلاح الدین شطاری
ازبطن قمر جہاں بیگم
سید عبدالباقی
ازبطن سیدہ محبوب النساء
سید عبدالرزاق
ازبطن منو پاشا
سید عبدالغفار
ازبطن لاڈلی بیگم
ہاجرہ بیگم
(ناکتخدا فوت)
سیدہ ہاجرہ سلطانہ
زوجۂ سید رکن الدین قادری
سید جمال الدین
سید سراج الدین
سید ریاض الدین
(گمشدہ)
سید عبدالرؤف
ازبطن سعادت النساء
اسامہ
سلمان
عمران
سیدہ غوثیہ سلطانہ
زوجۂ سید عبدالمنان قادری
ترئین
شیما
سیدہ امۃ الفاطمہ
زوجۂ سالم باوزیر
سیدہ فاطمہ سلطانہ
زوجۂ سید سیف الدین
سید عبدالرحیم
سید عبدالرحمٰن
مرحبۂ اوّل ازبطن محمودہ سلطانہ
سیدہ قمر سلطانہ
سیدہ فاخرہ سلطانہ
سیدہ عصمت سلطانہ
مرحبۂ دوّم ازبطن عالیہ سلطانہ
سید صلاح الدین
سیدہ نازیہ
سید عبدالحلیم
خورشید جہاں
زوجۂ سید عبدالحسن کلیمی
سید محمود الحسن
سیدہ وسیم فاطمہ
سید احسن
سید عبدالغفور
ازبطن بلقیس سلطانہ
سیدہ امۃ المجید
سید عبدالعظیم
ازبطن زبیدہ جبیں
سیدہ امۃ الرحیم
سیدہ امۃ الکریم
سیدہ امۃ الحلیم
سیدہ امۃ الحبیب
قمر جہاں
زوجۂ مصباح الدین

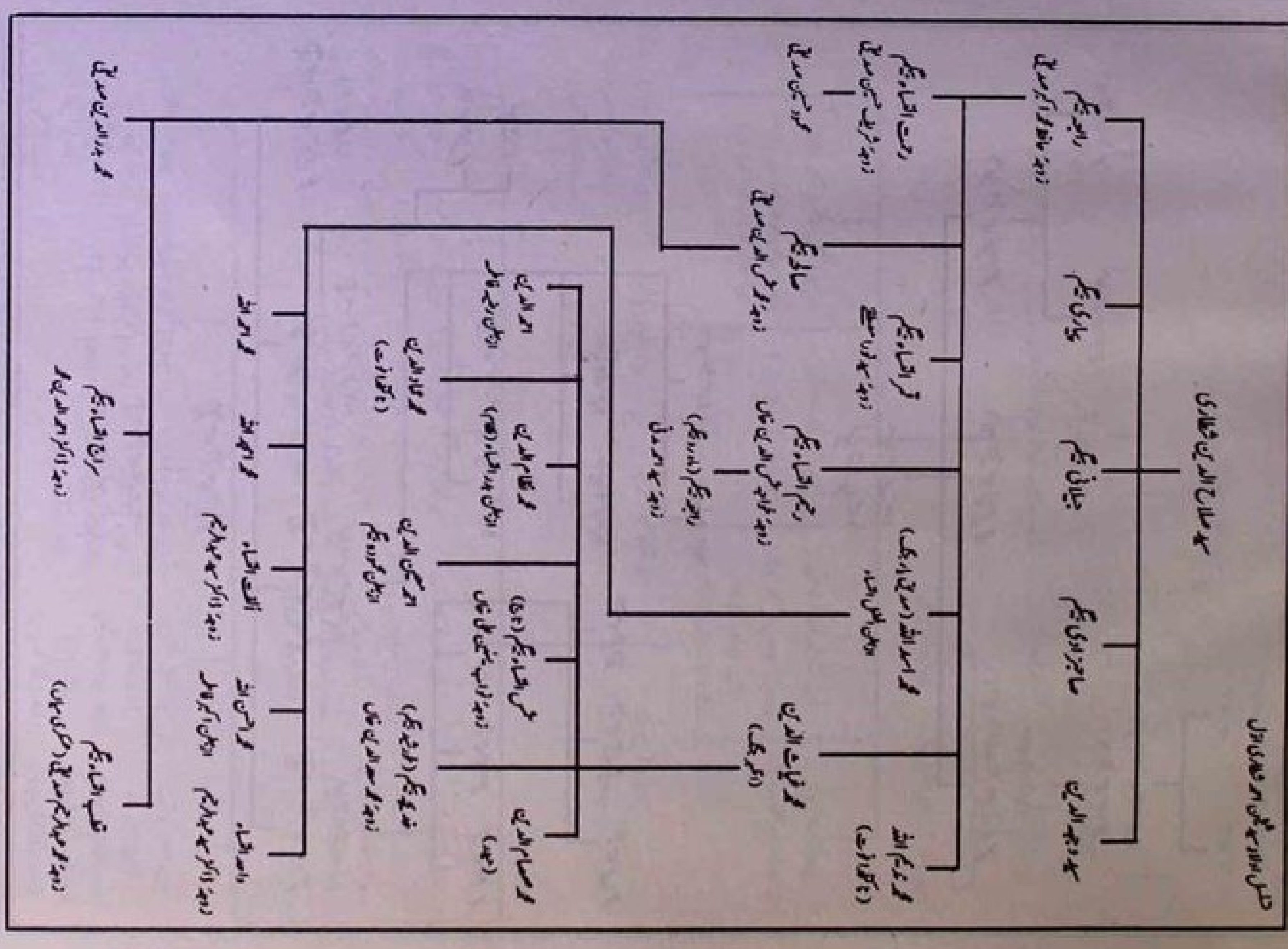


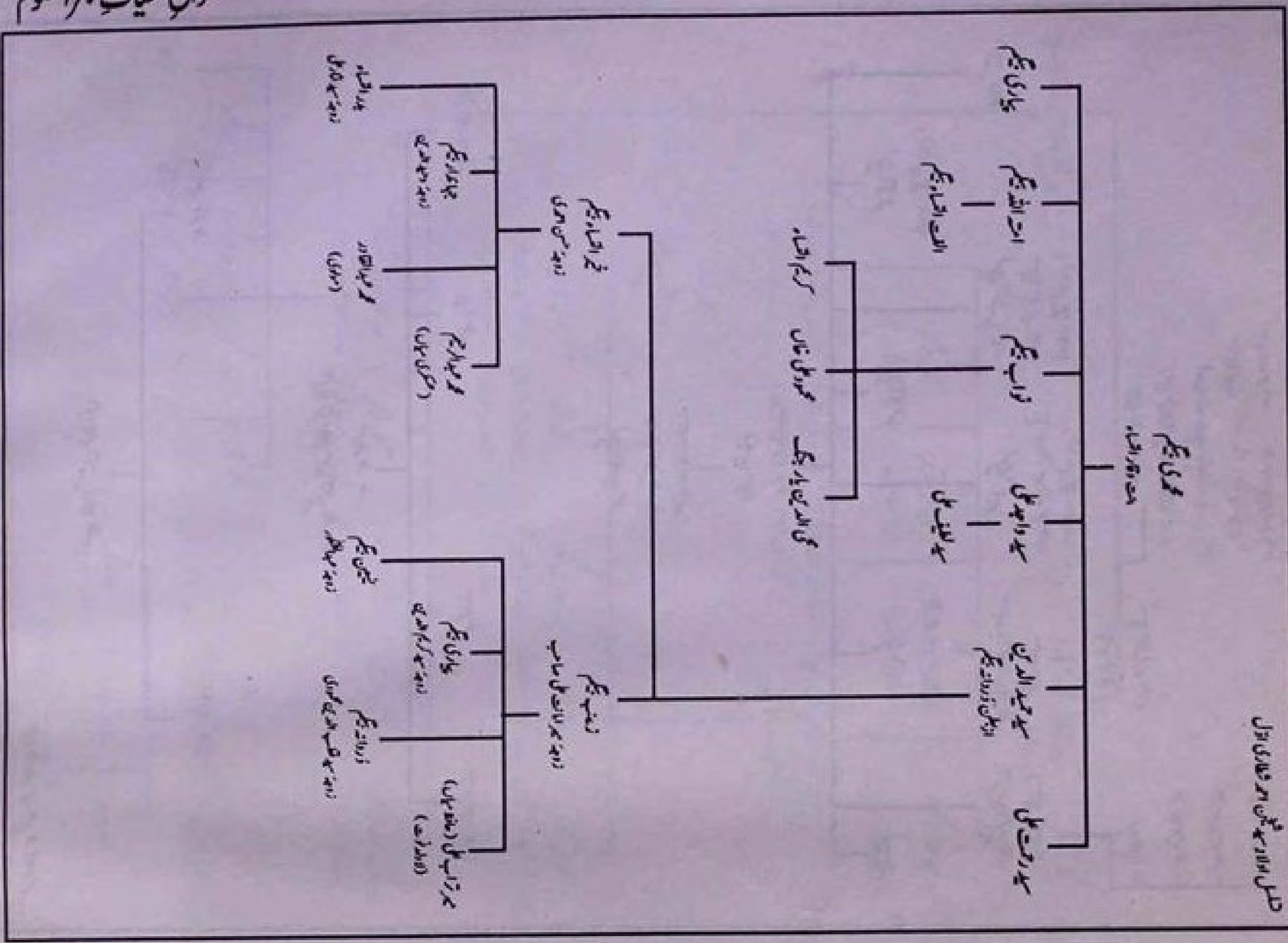
اولاد سید غلام احمد شطاری
ازبطن مرحبۂ دوّم
سید محمد شطاری
ازبطن بشیر النساء بیگم (حیدرآباد)
مدھاری بیگم
زوجۂ سید عبدالجبار قادری
(اولاد اگلے صفحوں پر)
سید محمود شطاری
سید حامد شطاری
سید احمد
سید امجد
ریحانہ سلطانہ
سید ارشد
علیہ
رخسانہ حبیب
رضوانہ
فرحانہ
سید حمید شطاری
ازبطن وارث النساء بیگم
نعیم النساء (بابو)
زوجۂ سید رشید احمد
سید محمد نجید
وسیم النساء (نوہ)
زوجۂ علی الدین احمد
رقیہ (شہناز)
زوجۂ محمد حسین الدین
شریف قریشی
حنیفہ
(سیما)
حمیدہ بیگم
زوجۂ سید الحق حسینی
سید ابراہیم
حنیفہ بیگم
سید اسمٰعیل
سید عبدالسلام
رئیسہ بیگم
سید مسعود شطاری
سید محمد
سید مصطفیٰ (مفقود)
سید غوث احمد
سید یحییٰ احمد
سیدہ صفیہ صادقہ
زوجۂ نور الحمید انصاری
نور النساء
سعدیہ
جمیلہ
عائشہ صدیقہ
نفیسہ طاہرہ
زوجۂ سید حامد حسینی
(اولاد اگلے صفحوں پر)
سید وحید شطاری
سید عبدالحق شطاری
ازبطن عالیہ بیگم
عسکری
کوثر سلطانہ
تسنیم سلطانہ
صمدانی
جیلانی
حسینی
مبین
نور سلطانہ

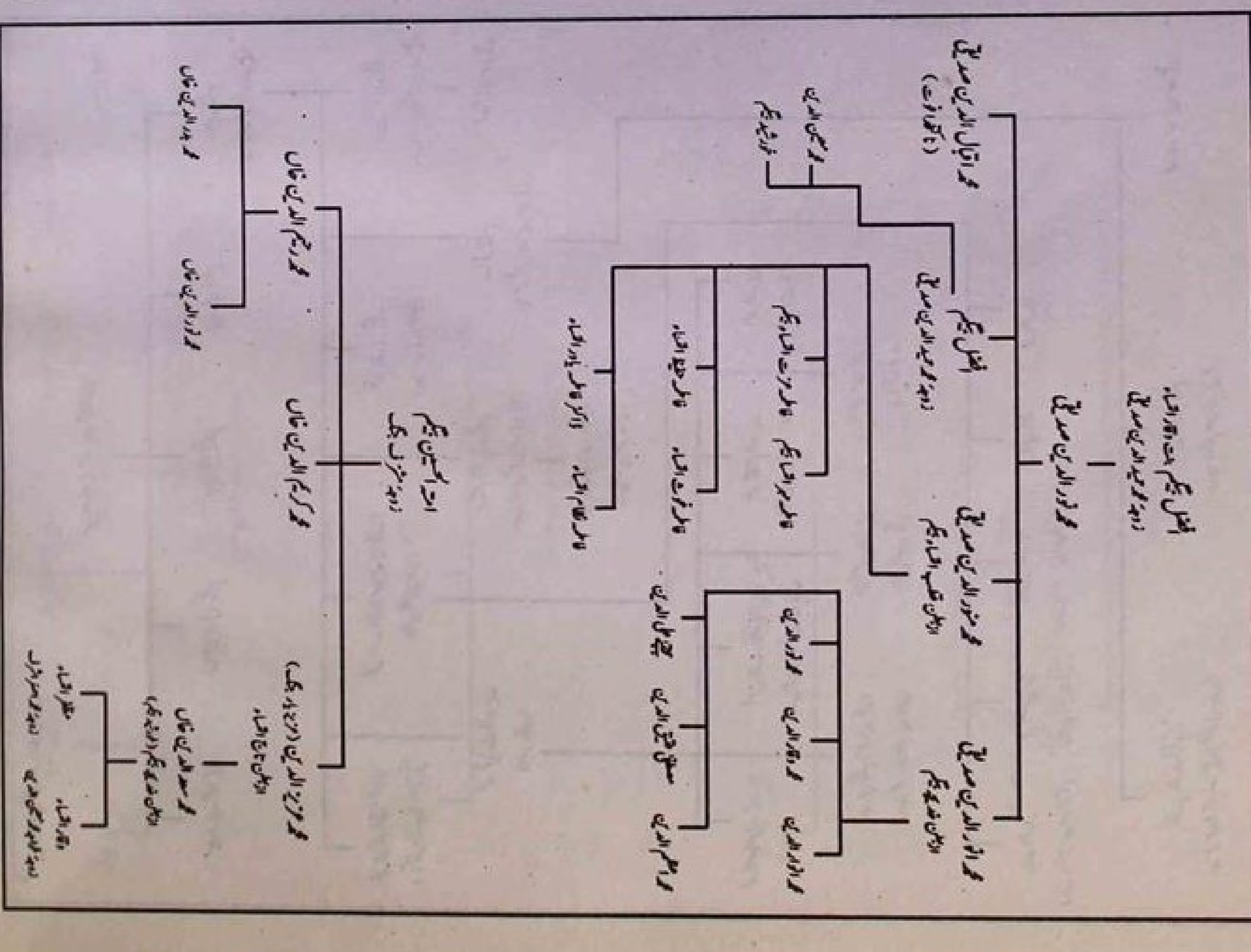




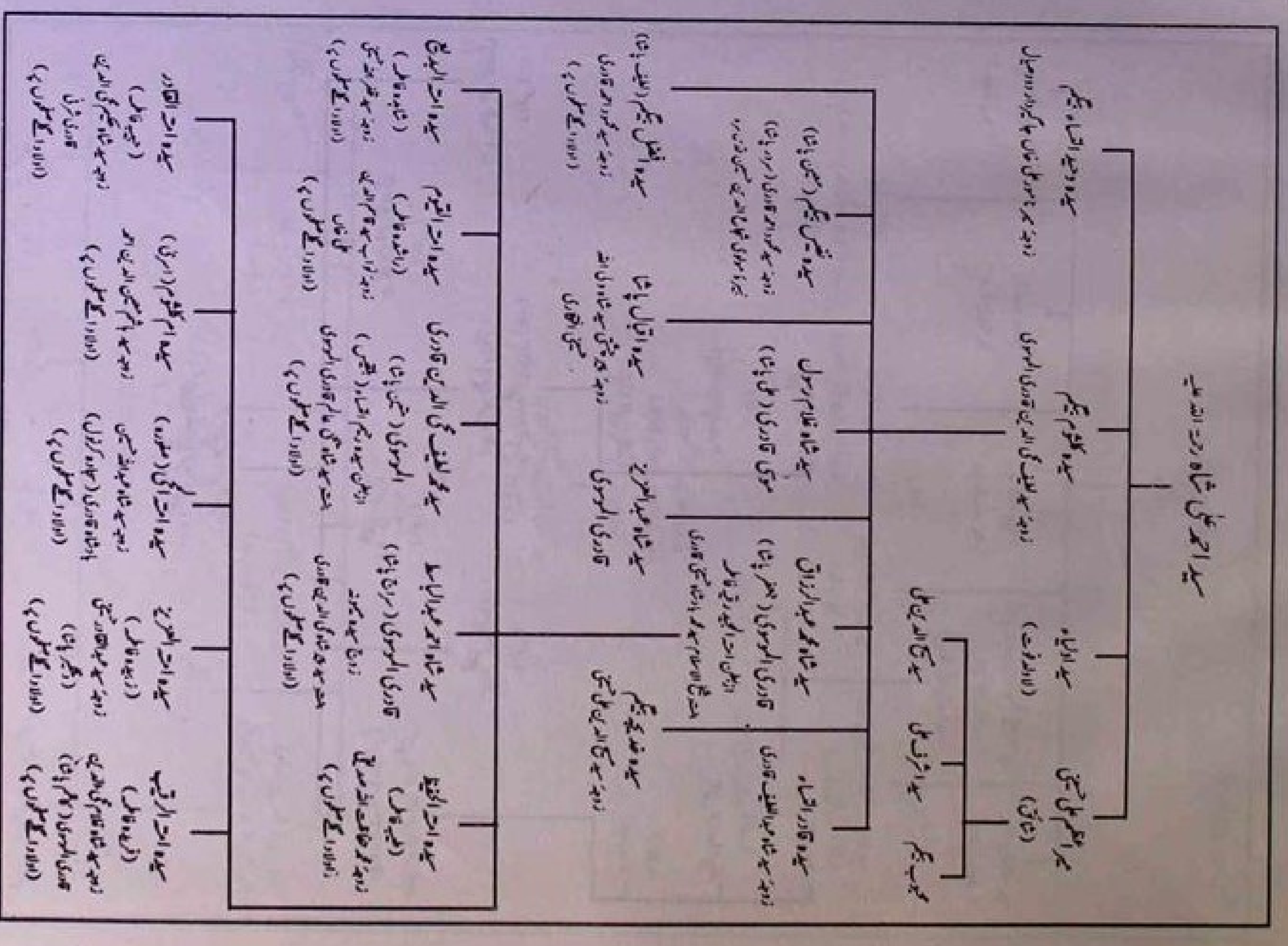


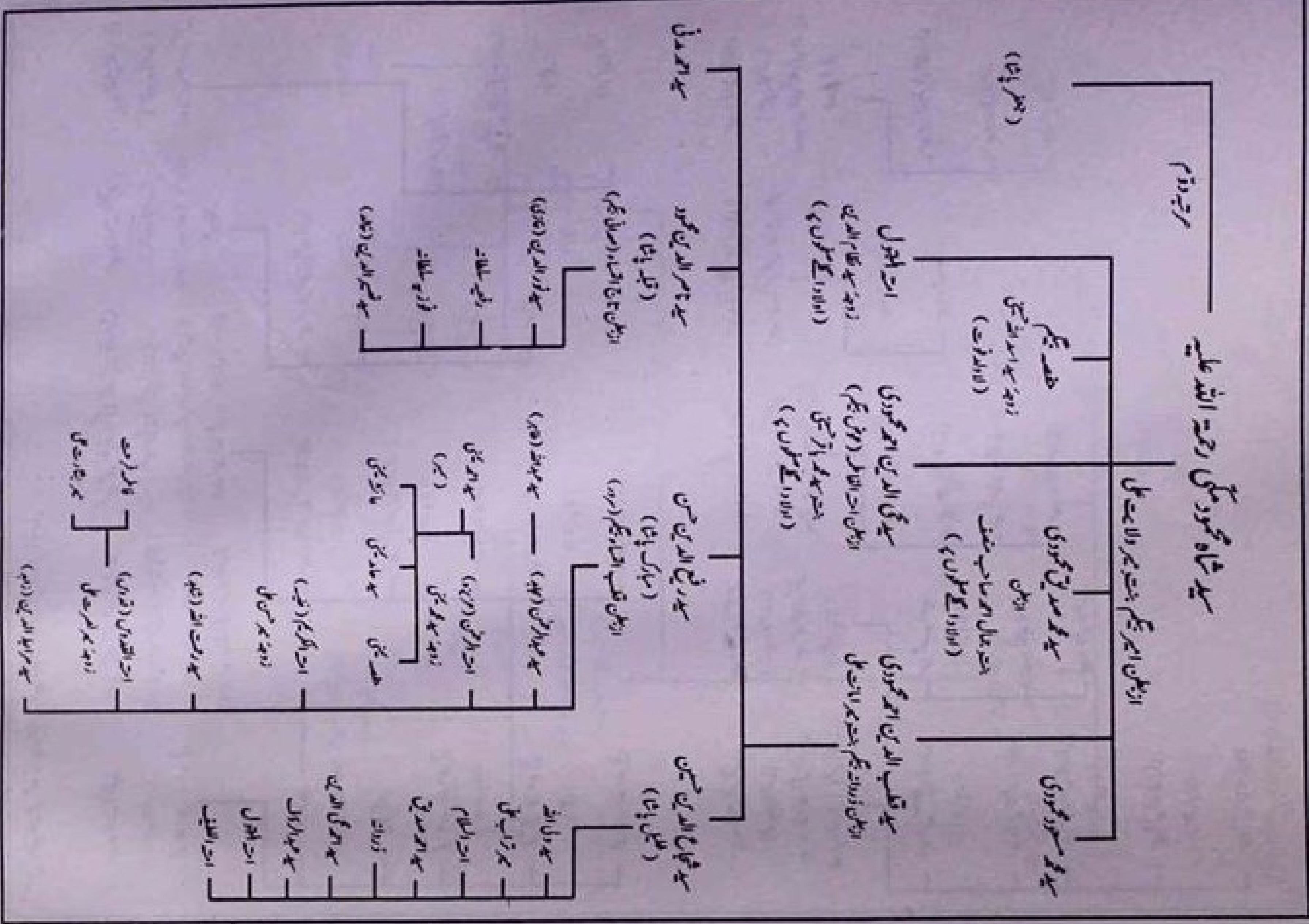


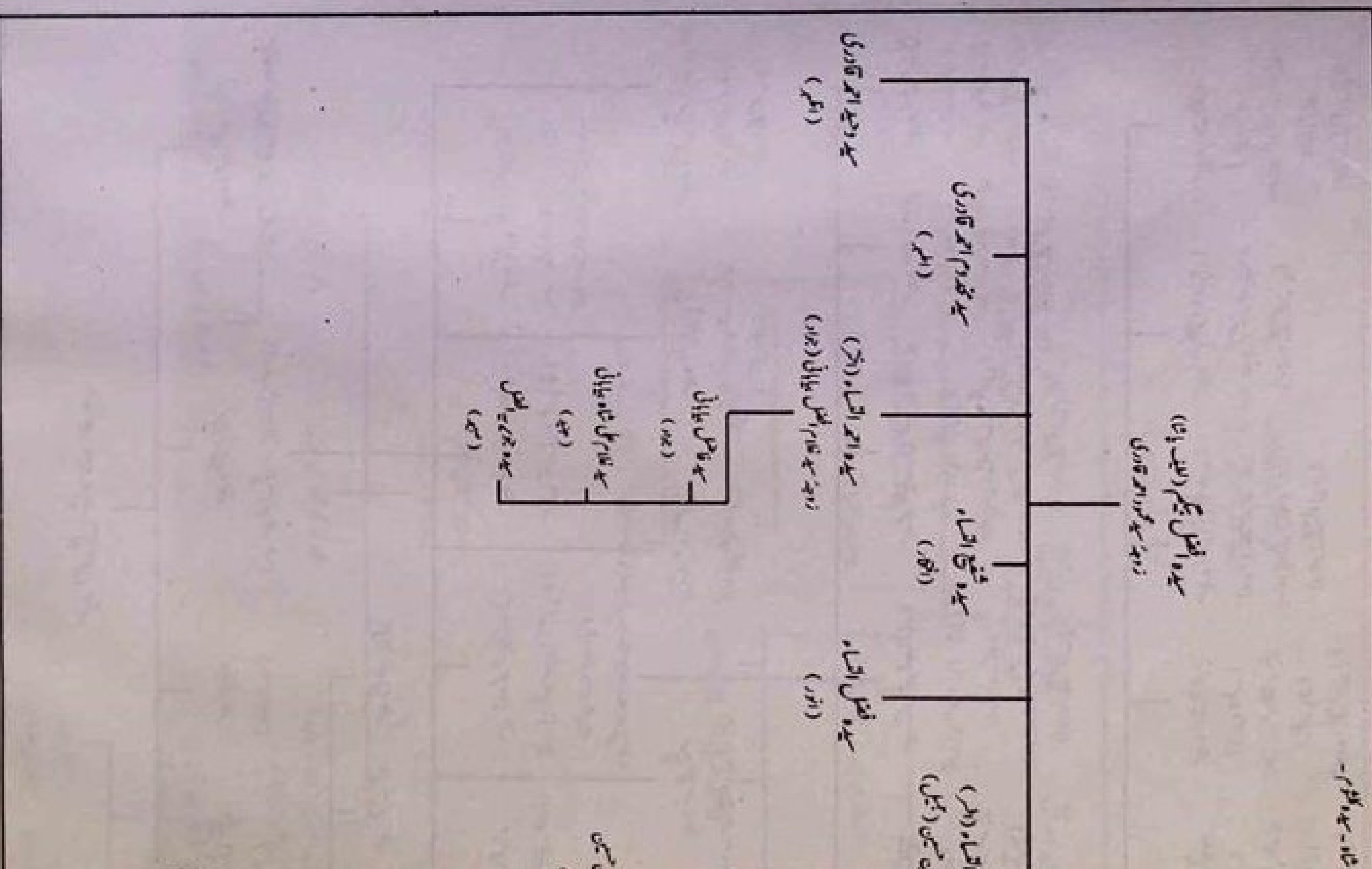












حضرت شیخ الشیوخ سید محمد عمر قادری حسینی

ازبطن امۃ المجید بیگم

بنت سید شاہ اسد اللہ حسینی قادری (مشائخ جمیر پٹا)

- شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادری — ازبطن رحمت النساء بیگم، بنت سید شاہ معین اللہ حسینی چشتی القادری
  - حبیب محمد عمر حسینی قادری — ازبطن قمر جہاں، بنت نواب کرم اللہ خان
    - انیس فاطمہ — زوجۂ ظہیر نواب، ابن نواب انتخاب علی خان
  - سیدہ امۃ المجید رقیہ فاطمہ — زوجۂ سید شاہ محمد عبدالرزاق قادری الموسوی (اولاد اگلے صفحوں پر)
  - سید احمد حسینی قادری — ازبطن محی الدین پاشا (رفیع)، بنت نواب قاسم الدین حسینی
    - صدانی پاشا — زوجۂ خسرو علی خان
    - میمونہ — زوجۂ تاج احمد خان
    - مکرم
    - حشم
    - نازیہ — زوجۂ عبدالقیوم
    - سید محمد بادشاہ حسینی قادری (سیف پاشا)
    - ماہ نور — زوجۂ سید تقی
    - مہ جبیں — زوجۂ سید سراج الدین
    - صفی ناز — زوجۂ سید تقی
    - سید فیض پاشا قادری
  - سیدہ امۃ الرشید حصہ فاطمہ — زوجۂ سید محمد قادری ابن سید محمد علی حسینی (اولاد اگلے صفحوں پر)
  - سیدہ امۃ الحسن بتول فاطمہ — زوجۂ سید محمود قادری، نبیرۂ حضرت مشتاق ربانی (ورنگل) (اولاد اگلے صفحوں پر)
  - سید قاسم حسینی قادری (عابد پاشا) (اولاد اگلے صفحوں پر)
- سید زین العابدین حسینی قادری (لاولد فوت)
- امۃ الفاطمہ — زوجۂ سید فضل الرحمن شطاری، اولاد اگلے صفحوں پر
- امۃ الحمدی — زوجۂ اول مفتی میر اشرف علی حسینی قادری، اولاد اگلے صفحوں پر

تسلسل اولاد سید شاہ محمود حقی

سید محمد صدیق محمودی

ازبطن

بنت جمال احمد صاحب منصف

- سید سلطان احمد (سلطان پاشا)
  - سید احمد ابراہیم (مرتضیٰ پاشا) (ناکتخدا فوت)
- سید مصطفیٰ محمودی (یوسف پاشا) — ازبطن کنیز فاطمہ، بنت عبدالرزاق فاروقی
  - سید مجتبیٰ عبدالرب (مجتبیٰ پاشا)
  - سید محمد صدیق محمودی
  - سید محمد محمودی
- صفیہ سلطانہ — زوجۂ حامد الدین
  - ذکیہ سلطانہ — زوجۂ اکبر علی (مقیم پاکستان)
- محمودہ سلطانہ — غیر شادی شدہ
- امۃ المصطفیٰ (طیبہ سلطانہ)
  - عائشہ سلطانہ — زوجۂ ڈاکٹر مخدوم محی الدین (ارشد) (مقیم امریکہ)

سید محی الدین احمد محمودی — ازبطن امۃ الفاطمہ (عوض بیگم)، بنت سید محمد باقر حسینی

- سید معین الدین حسینی محمودی (ناکتخدا فوت)

امۃ الجول — زوجۂ سید نظام الدین

- سید مبارز الدین (رفعت) — ازبطن معین النساء بنت میر حسین علی
  - نظام الدین اسعد
  - جمال الدین محمود
  - افضل بیگم
  - رقیہ ماجدہ
  - فریحہ
  - بلقیس
  - خسرو
- زبیدہ بیگم
- سید معین الدین حسن (جواد) (ناکتخدا فوت)
- سید مخدوم محی الدین (ارشد) (مقیم امریکہ) — ازبطن عائشہ سلطانہ بنت سید محمد صدیق محمودی
- سید رشید الدین (جاوید)
- سید نور الدین (ساجد)
- سعیدہ بیگم

تسلسل اولاد سید محمد بادشاہ حسینی قادری

- **سیدہ امۃ المجید رقیہ فاطمہ** — زوجۂ سید شاہ محمد عبدالرزاق قادری الموسوی
  - سیدہ امۃ الحفیظ — زوجۂ محمد خالف اللہ صدیقی
  - سیدہ امۃ العزیز — زوجۂ سید عبدالقادر حسینی
  - سید شاہ احمد عبدالباسط
  - سیدہ امۃ الحی — زوجۂ سید شاہ عبداللہ حسینی بادشاہ قادری
  - سید محمد لطیف محی الدین
  - سیدہ امۃ القیوم — زوجۂ نواب سید قاسم الدین علی خاں
  - سیدہ ام کلثوم — زوجۂ سید ہاشم معین الدین احمد
  - سیدہ امۃ البدیع — زوجۂ سید ظفر اللہ حسینی
  - سیدہ امۃ القادر — زوجۂ سید شاہ نعیم محی الدین قادری شرفی
  - سیدہ امۃ الرقیب — زوجۂ سید شاہ غلام محی الدین قادری (کاظم پاشا)
- **سیدہ امۃ الحسن بتول فاطمہ** — زوجۂ سید محمود قادری نبیرۂ حضرت مشتاق ربانی ورنگل
  - سیدہ صبیحہ فاطمہ — زوجۂ سید احمد حسین ظفر
  - سیدہ شیما فاطمہ — زوجۂ سید نعیم الدین فاروقی
  - سیدہ نفیسہ فاطمہ — زوجۂ ظہیر الدین شفیع نواب
  - سیدہ فریسہ فاطمہ — زوجۂ شہاب الدین ہروردی الکاری
  - سیدہ حمیرا فاطمہ — زوجۂ سید عبید اللہ
  - سیدہ اسماء فاطمہ — زوجۂ ہاشم علی خاں
  - سیدہ نجیبہ فاطمہ — زوجۂ باقر علی خاں
  - خسرو قادری — سید جلال الدین
  - سید مصطفیٰ کمال قادری (نبیل پاشا)
- **سیدہ امۃ الرشید حفصہ فاطمہ** — زوجۂ سید محمد قادری ابن سید محمد حنفی حسینی
  - سید حامد محمد قادری (افتخار) — از بطن سیدہ کنیز فاطمہ (اسماء)
    - سید حسین محمد حنفی (بختیار)
    - سیدہ مریم فاطمہ (ہمیں)
    - سیدہ ظہیر فاطمہ عثمانی (ہمیں)
    - سید محمد علی (تابعدار)
    - سید حبیب محمد (ذوالفقار)

تسلسل اولاد سید محمد بادشاہ حسینی قادری

- **سید قاسم حسینی قادری (عابد پاشا)** — از بطن خیر النساء (انور) بنت سید غلام محی الدین قادری (چندا صاحب)
  - کنیز فاطمہ (فوزیہ) — زوجۂ سید عبدالرحیم قادری
    - روشنا فاطمہ
    - سید عمران
    - روبینہ فاطمہ
  - سید حسن ابراہیم (سجاد پاشا) — از بطن رفیعہ مصباح المنیر بنت محمد بن علی صدیقی
  - شبیر فاطمہ (علیہ) — زوجۂ سید قاضی علاء الدین
    - سید قاضی معین الدین
    - سید قاضی شجاع الدین
    - سیرا فاطمہ
  - سید کاظم حسینی (حیدر)
  - سید عبدالقادر حسینی (عاصم)
  - رحمت فاطمہ (فرحانہ) — زوجۂ سید غلام محمد حنفی (ناصر پاشا)
  - سید اولیاء حسینی (مرتضیٰ پاشا)
  - سید باقر حسینی (مصطفیٰ پاشا)

سلاسلِ بیعت

اور

اسماء خلفاء بحرالعلومؒ

فہرست سلاسلِ بیعت

صفحہ

محمد رسول اللہ ﷺ

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ

- ابو محمد امام حسن علیہ السلام
  - سید حسن المثنیٰ
  - عبداللہ المحض
  - موسیٰ الجون
  - عبداللہ جیلی
  - سید موسیٰ
  - داؤد سیف اللہ
  - محمد مورث
  - سید یحییٰ زاہد
  - عبداللہ جیلی
  - ابو صالح موسیٰ جنگی دوست
- ابو عبداللہ امام حسین علیہ السلام
  - امام علی زین العابدین
  - امام محمد باقر
  - امام جعفر صادق
  - امام موسیٰ الکاظم
  - امام علی رضاء
  - شیخ اسد الدین معروف بن فیروز کرخی
  - عبداللہ ابو الحسین سری سقطی
  - ابو القاسم سید طائفہ جنید بغدادی
  - ابوبکر محمد بن خلف شبلی صدیقی
  - ابو القاسم یمنی
  - احمد عبدالعزیز یمنی — شیخ یوسف طرطوسی
  - ابو الحسن علی بن محمد بن یوسف القرشی الہنکاری — قاضی ابو سعید مبارک بن علی مخزومی

غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد سید عبدالقادر جیلانیؒ

محمد رسول اللہ ﷺ

- حضرت انس بن مالکؓ
  - امام محمد بن سیرین
- امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ
  - حسن بصری

ابو محمد حبیب عجمی

ابو سلیمان داؤد بن نصیر طائی

شیخ اسد الدین معروف بن فیروز کرخی

عبداللہ ابو الحسین سری سقطی

ابو القاسم سید طائفہ جنید بغدادی

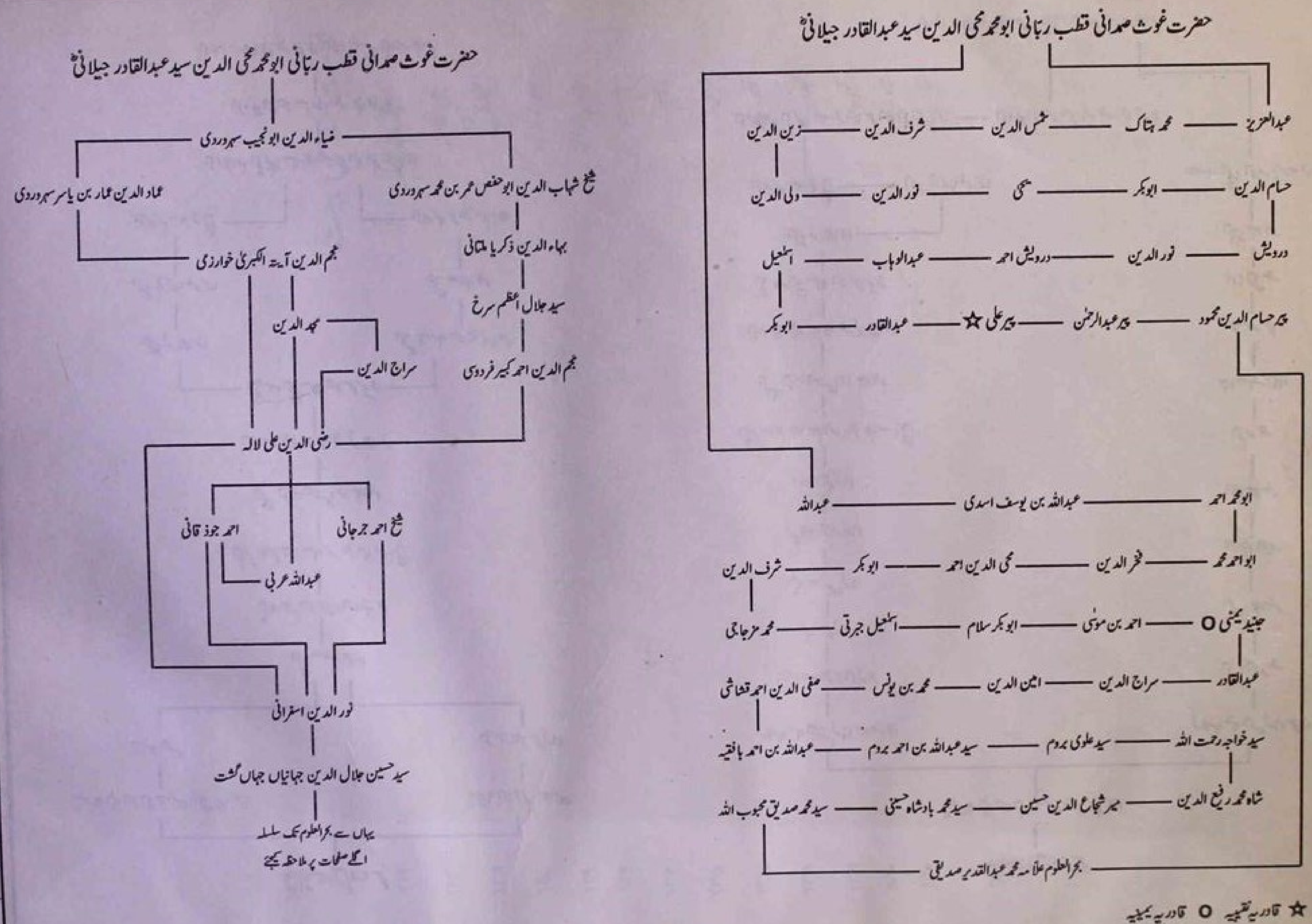
ابوبکر محمد بن خلف شبلی صدیقی

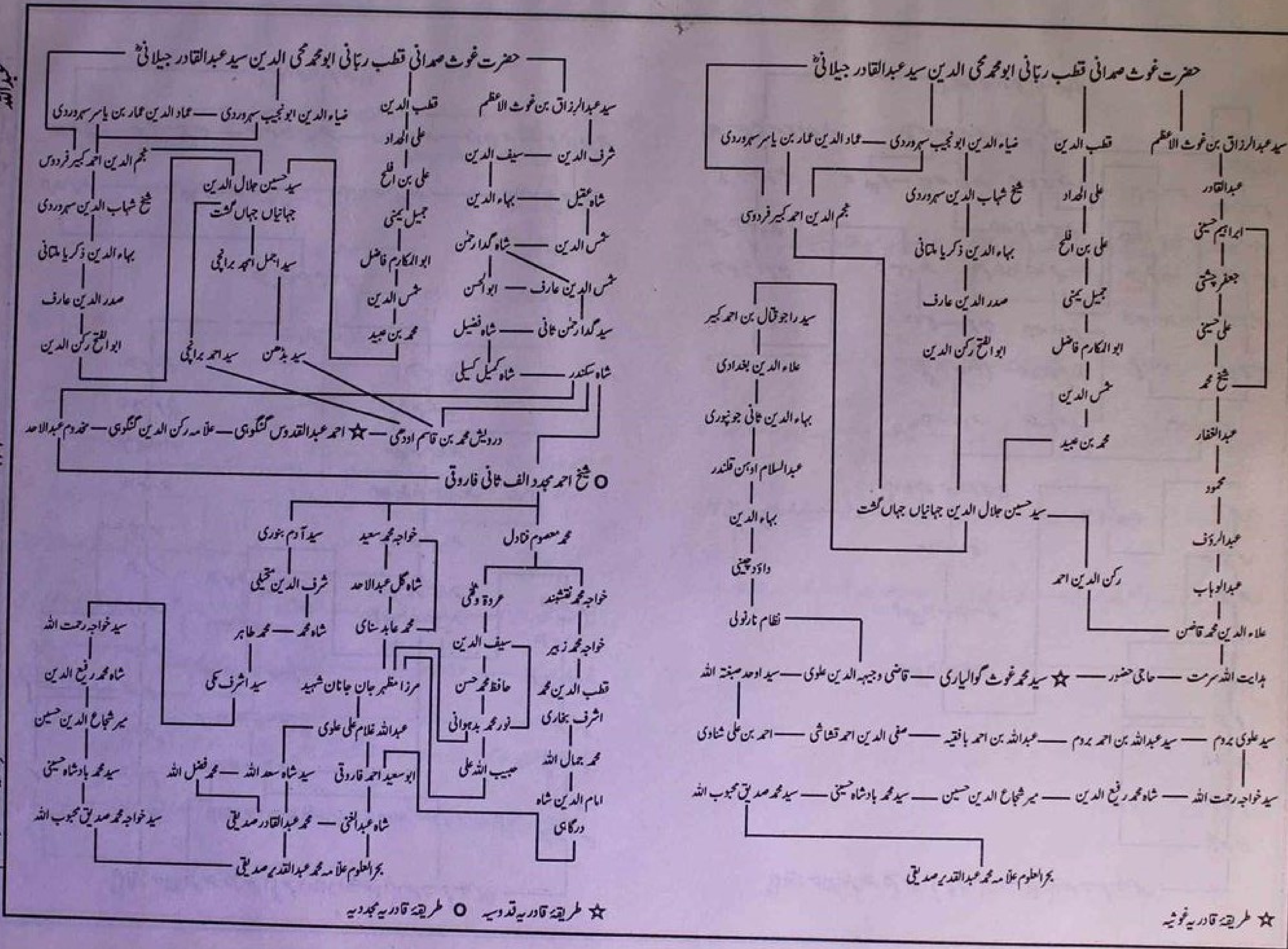
- عبدالعزیز بن حارث تمیمی
  - عبدالواحد تمیمی
  - علاء الدین محمد طرطوسی
- ابو القاسم یمنی
  - احمد عبدالعزیز یمنی
  - شیخ یوسف طرطوسی

ابو الحسن علی بن محمد بن یوسف القرشی الہنکاری

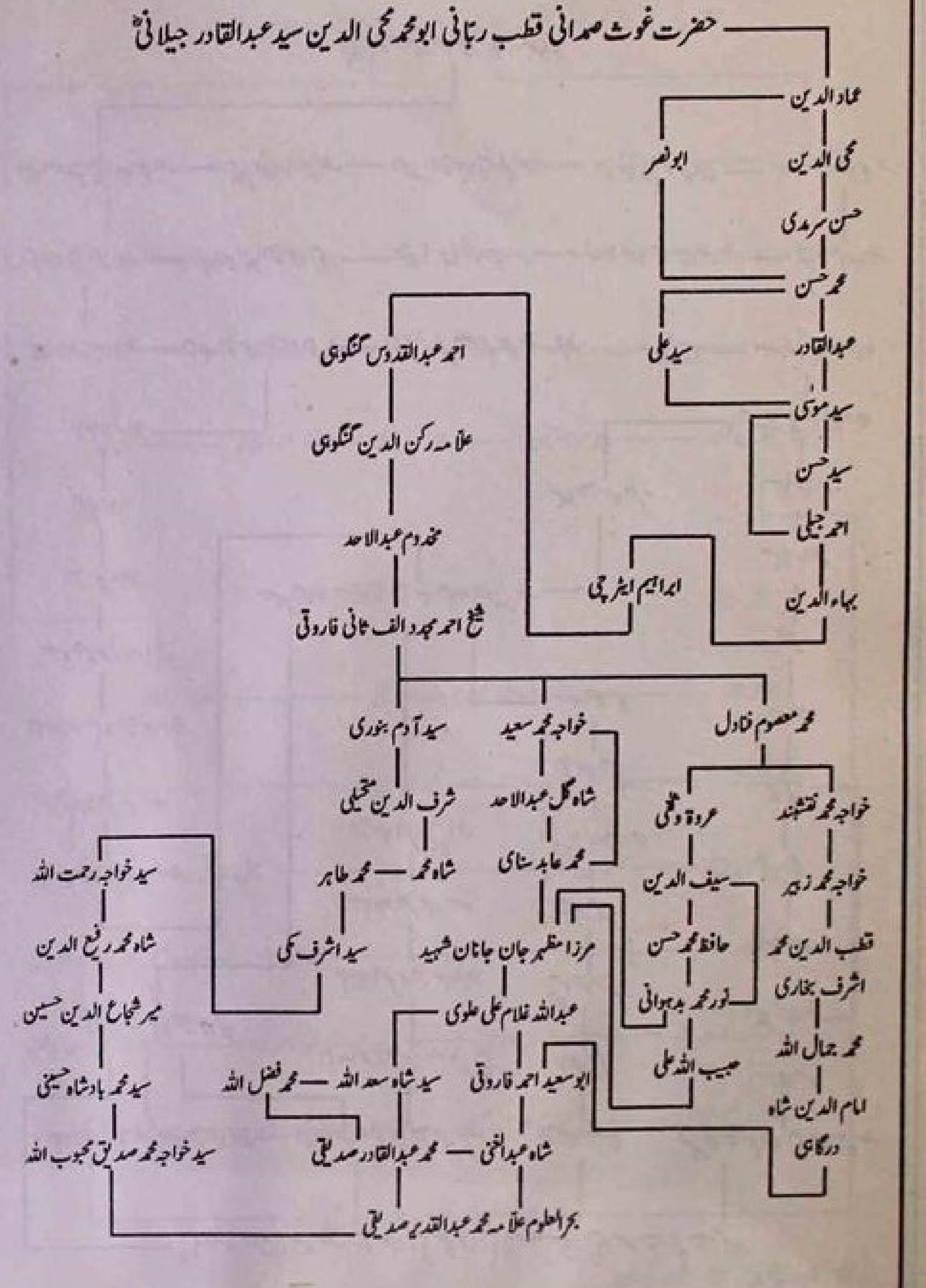
قاضی ابو سعید مبارک بن علی مخزومی

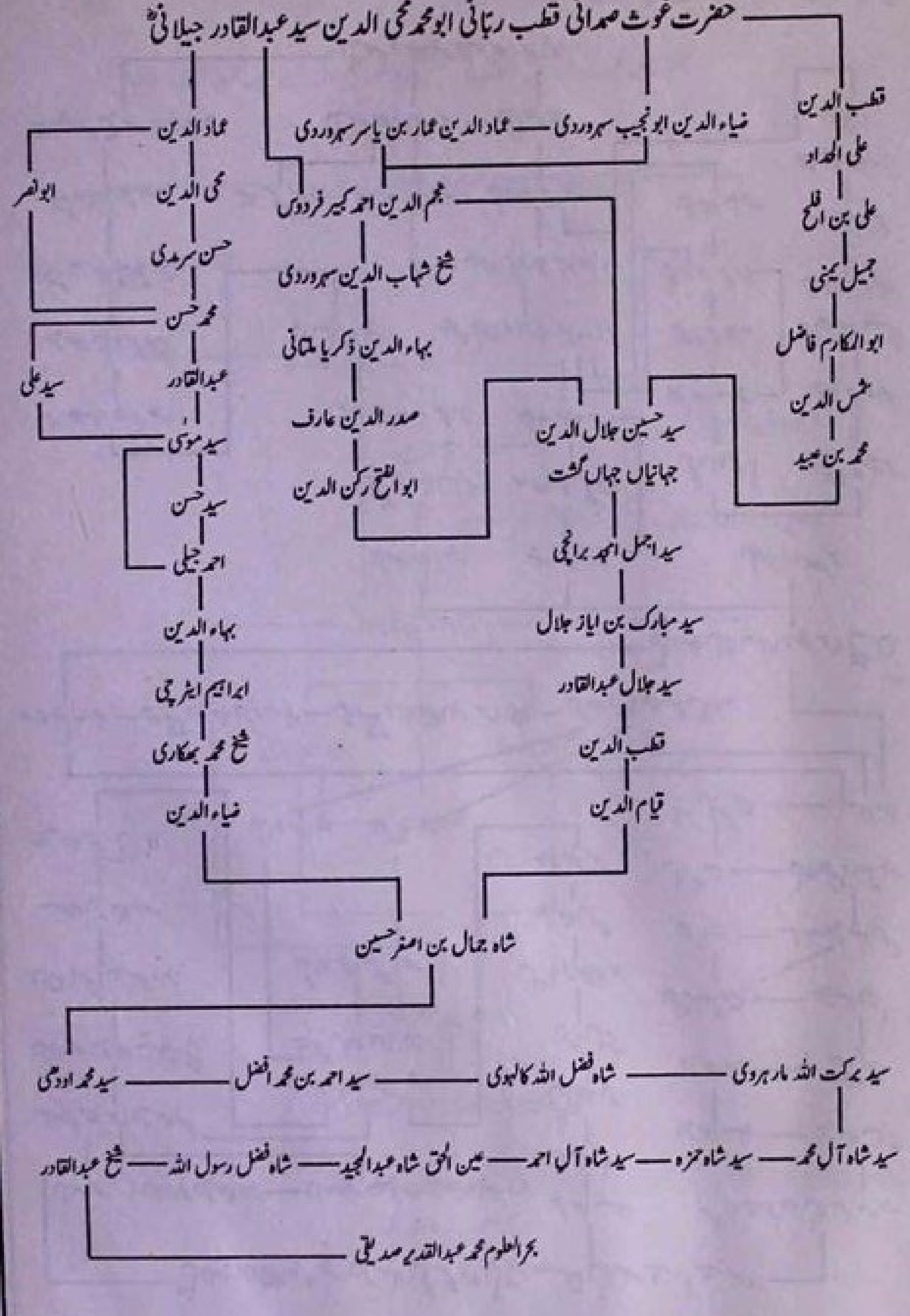
غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد سید عبدالقادر جیلانیؒ

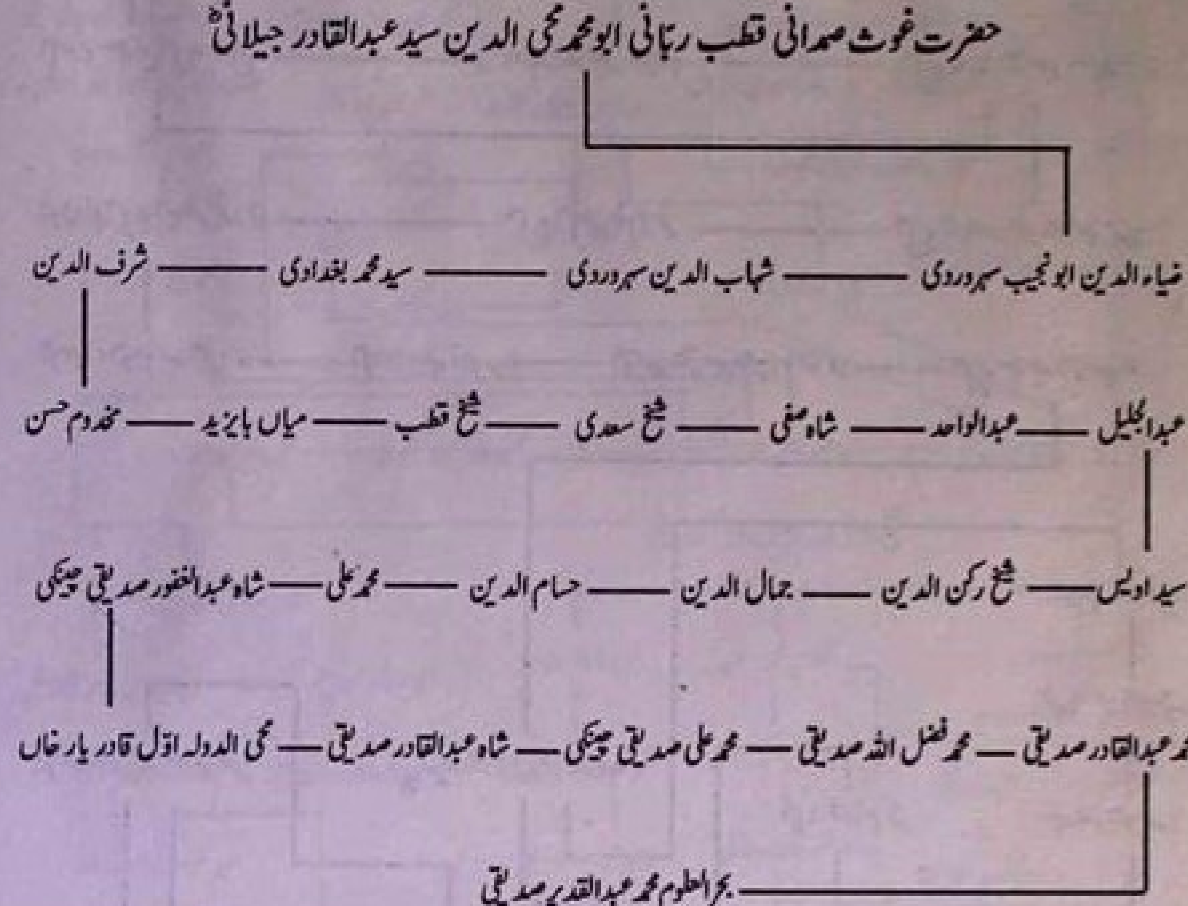

حضرت غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ
عبدالعزیز — محمد ہتاک — شمس الدین — شرف الدین — زین الدین
حسام الدین — ابوبکر — یحیی — نور الدین — ولی الدین
درویش — نور الدین — درویش احمد — عبدالوہاب — اسمٰعیل
پیر حسام الدین محمود — پیر عبدالرحمٰن — پیر علی ☆ — عبدالقادر — ابوبکر
ابو محمد احمد — عبداللہ بن یوسف اسدی — عبداللہ
ابو احمد محمد — فخر الدین — محی الدین احمد — ابوبکر — شرف الدین
جنید یمنی O — احمد بن موسیٰ — ابوبکر سلام — اسمٰعیل جبرتی — محمد مزجاجی
عبدالقادر — سراج الدین — امین الدین — محمد بن یونس — صفی الدین احمد قشاشی
سید خواجہ رحمت اللہ — سید علوی بروم — سید عبداللہ بن احمد بروم — عبداللہ بن احمد بافقیہ
شاہ محمد رفیع الدین — میر شجاع الدین حسین — سید محمد بادشاہ حسینی — سید محمد صدیق محبوب اللہ
بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی
☆ قادریہ تقیمیہ O قادریہ یمنیہ
حضرت غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ
ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی
شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہروردی
عماد الدین عمار بن یاسر سہروردی
بہاء الدین ذکریا ملتانی
نجم الدین آیۃ الکبریٰ خوارزمی
سید جلال اعظم سرخ
مجد الدین
سراج الدین
نجم الدین احمد کبیر فردوسی
رضی الدین علی لالہ
شیخ احمد جرجانی
احمد جوز قانی
عبداللہ عربی
نور الدین اسفرائنی
سید حسین جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
یہاں سے بحرالعلوم تک سلسلہ
اگلے صفحات پر ملاحظہ کیجئے

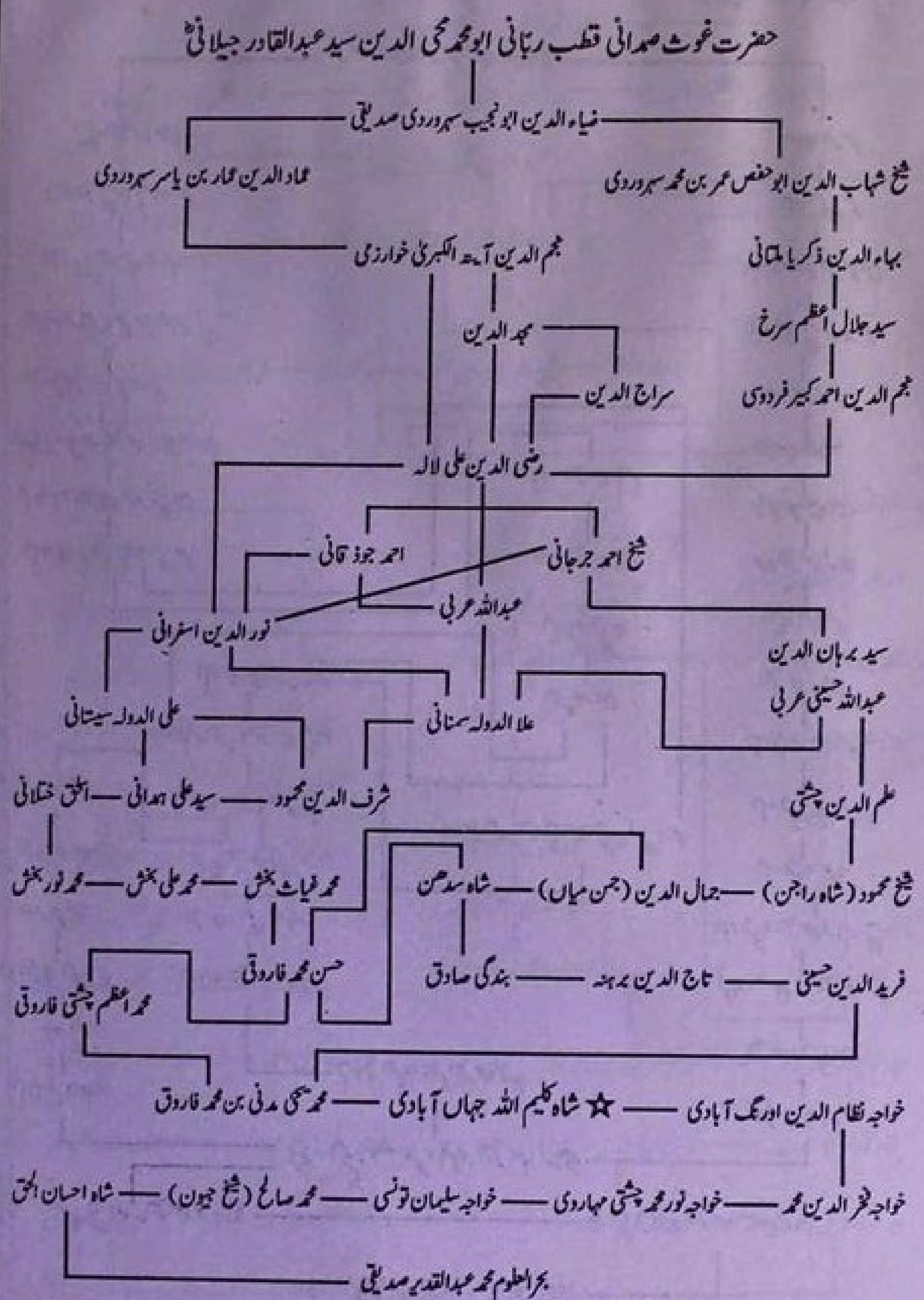


حضرت غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ
سید عبدالرزاق بن غوث الاعظم
قطب الدین
ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی — عماد الدین عمار بن یاسر سہروردی
عبدالقادر
علی الحداد
شیخ شہاب الدین سہروردی
نجم الدین احمد کبیر فردوسی
ابراہیم حسینی
علی بن افلح
بہاء الدین ذکریا ملتانی
جعفر چشتی
جمیل یمنی
صدر الدین عارف
سید راجو قتال بن احمد کبیر
علی حسینی
ابو المکارم فاضل
ابو الفتح رکن الدین
علاء الدین بغدادی
شیخ محمد
شمس الدین
بہاء الدین ثانی جونپوری
عبدالغفار
محمد بن عبید
عبدالسلام اودہن قلندر
محمود
سید حسین جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
بہاء الدین
عبدالرؤف
داؤد چہنی
رکن الدین احمد
عبدالوہاب
نظام نارنولی
علاء الدین محمد قاضن
ہدایت اللہ سرمست — حاجی حضور — ☆ سید محمد غوث گوالیاری — قاضی وجیہہ الدین علوی — سید اوحد صبغۃ اللہ
سید علوی بروم — سید عبداللہ بن احمد بروم — عبداللہ بن احمد بافقیہ — صفی الدین احمد قشاشی — احمد بن علی شناوی
سید خواجہ رحمت اللہ — شاہ محمد رفیع الدین — میر شجاع الدین حسین — سید محمد بادشاہ حسینی — سید محمد صدیق محبوب اللہ
بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی
☆ طریقہ قادریہ غوثیہ
حضرت غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ
سید عبدالرزاق بن غوث الاعظم
قطب الدین
ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی — عماد الدین عمار بن یاسر سہروردی
شرف الدین — سیف الدین
علی الحداد
نجم الدین احمد کبیر فردوس
سید حسین جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
علی بن افلح
شاہ عقیل — بہاء الدین
شیخ شہاب الدین سہروردی
جمیل یمنی
شمس الدین — شاہ گدا رحمن
بہاء الدین ذکریا ملتانی
سید اجمل احمد براہچی
ابو المکارم فاضل
شمس الدین عارف — ابو الحسن
صدر الدین عارف
شمس الدین
سید گدا رحمن ثانی — شاہ فضیل
ابو الفتح رکن الدین
سید احمد براہچی
سید بڈھن
محمد بن عبید
شاہ سکندر
شاہ کمیل کسیلی
درویش محمد بن قاسم اودھی — ☆ احمد عبدالقدوس گنگوہی — علامہ رکن الدین گنگوہی — مخدوم عبدالاحد
○ شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی
محمد معصوم نادل
خواجہ محمد سعید
سید آدم بنوری
خواجہ محمد نقشبند
عروۃ الوثقی
شاہ گل عبدالاحد
شرف الدین تحیلی
سید خواجہ رحمت اللہ
شاہ محمد — محمد طاہر
محمد عابد سنامی
خواجہ محمد زبیر
سیف الدین
شاہ محمد رفیع الدین
سید اشرف مکی
مرزا مظہر جان جاناں شہید
حافظ محمد حسن
قطب الدین محمد
میر شجاع الدین حسین
اشرف بخاری
نور محمد بدہوانی
عبداللہ غلام علی علوی
محمد جمال اللہ
سید محمد بادشاہ حسینی
سید شاہ سعد اللہ — محمد فضل اللہ
ابو سعید احمد فاروقی
حبیب اللہ علی
امام الدین شاہ درگاہی
سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ
محمد عبدالقادر صدیقی — شاہ عبدالغنی
بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی
☆ طریقہ قادریہ قدوسیہ ○ طریقہ قادریہ مجددیہ

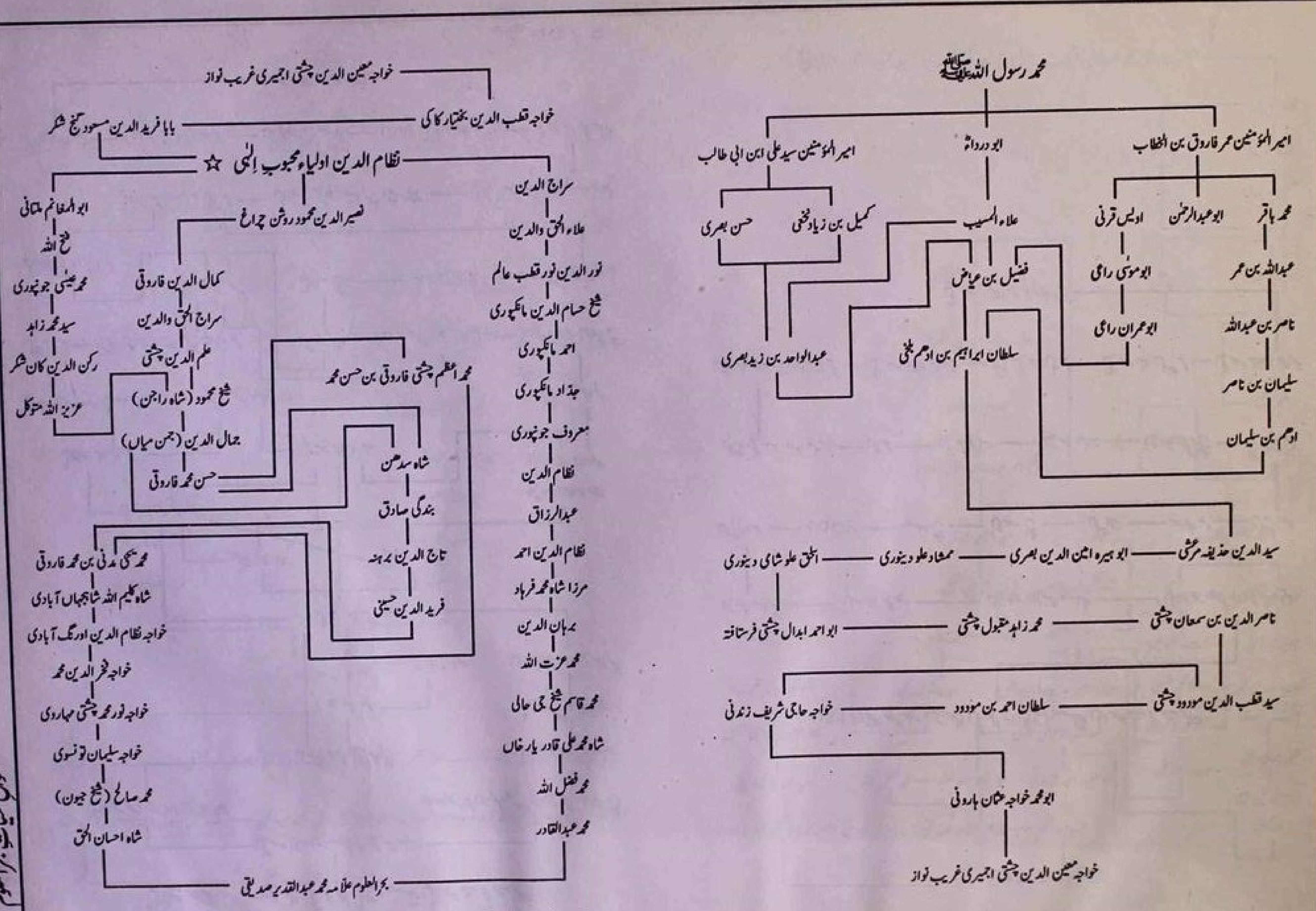

حضرت غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ
عماد الدین
محی الدین
حسن سردی
ابونصر
محمد حسن
عبدالقادر
سید علی
سید موسیٰ
سید حسن
احمد جیلی
بہاء الدین
ابراہیم ایرجی
احمد عبدالقدوس گنگوہی
علامہ رکن الدین گنگوہی
مخدوم عبدالاحد
شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی
محمد معصوم فنادل
خواجہ محمد سعید
سید آدم بنوری
خواجہ محمد نقشبند
عروۃ الوثقیٰ
خواجہ محمد زبیر
سیف الدین
قطب الدین محمد
حافظ محمد حسن
اشرف بخاری
نور محمد بدھوانی
محمد جمال اللہ
حبیب اللہ علی
امام الدین شاہ درگاہی
شاہ گل عبدالاحد
محمد عابد سنامی
شرف الدین متحلی
شاہ محمد
محمد طاہر
سید اشرف مکی
مرزا مظہر جان جاناں شہید
عبداللہ غلام علی علوی
ابوسعید احمد فاروقی
سید شاہ سعد اللہ
محمد فضل اللہ
شاہ عبدالغنی
محمد عبدالقادر صدیقی
سید خواجہ رحمت اللہ
شاہ محمد رفیع الدین
میر شجاع الدین حسین
سید محمد بادشاہ حسینی
سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ
بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی


حضرت غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ
قطب الدین
علی الحداد
علی بن افلح
جمیل یمنی
ابوالمکارم فاضل
شمس الدین
محمد بن عبید
ضیاء الدین ابونجیب سہروردی
عماد الدین عمار بن یاسر سہروردی
نجم الدین احمد کبیر فردوس
شیخ شہاب الدین سہروردی
بہاء الدین ذکریا ملتانی
صدر الدین عارف
ابوالفتح رکن الدین
سید حسین جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
سید اجمل امجد براچی
سید مبارک بن ایاز جلال
سید جلال عبدالقادر
قطب الدین
قیام الدین
عماد الدین
محی الدین
حسن سردی
ابونصر
محمد حسن
عبدالقادر
سید علی
سید موسیٰ
سید حسن
احمد جیلی
بہاء الدین
ابراہیم ایرجی
شیخ محمد بھکاری
ضیاء الدین
شاہ جمال بن اصغر حسین
سید برکت اللہ مارہروی
شاہ فضل اللہ کالپوی
سید احمد بن محمد افضل
سید محمد اودھی
سید شاہ آل محمد
سید شاہ حمزہ
سید شاہ آل احمد
عین الحق شاہ عبدالمجید
شاہ فضل رسول اللہ
شیخ عبدالقادر
بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی

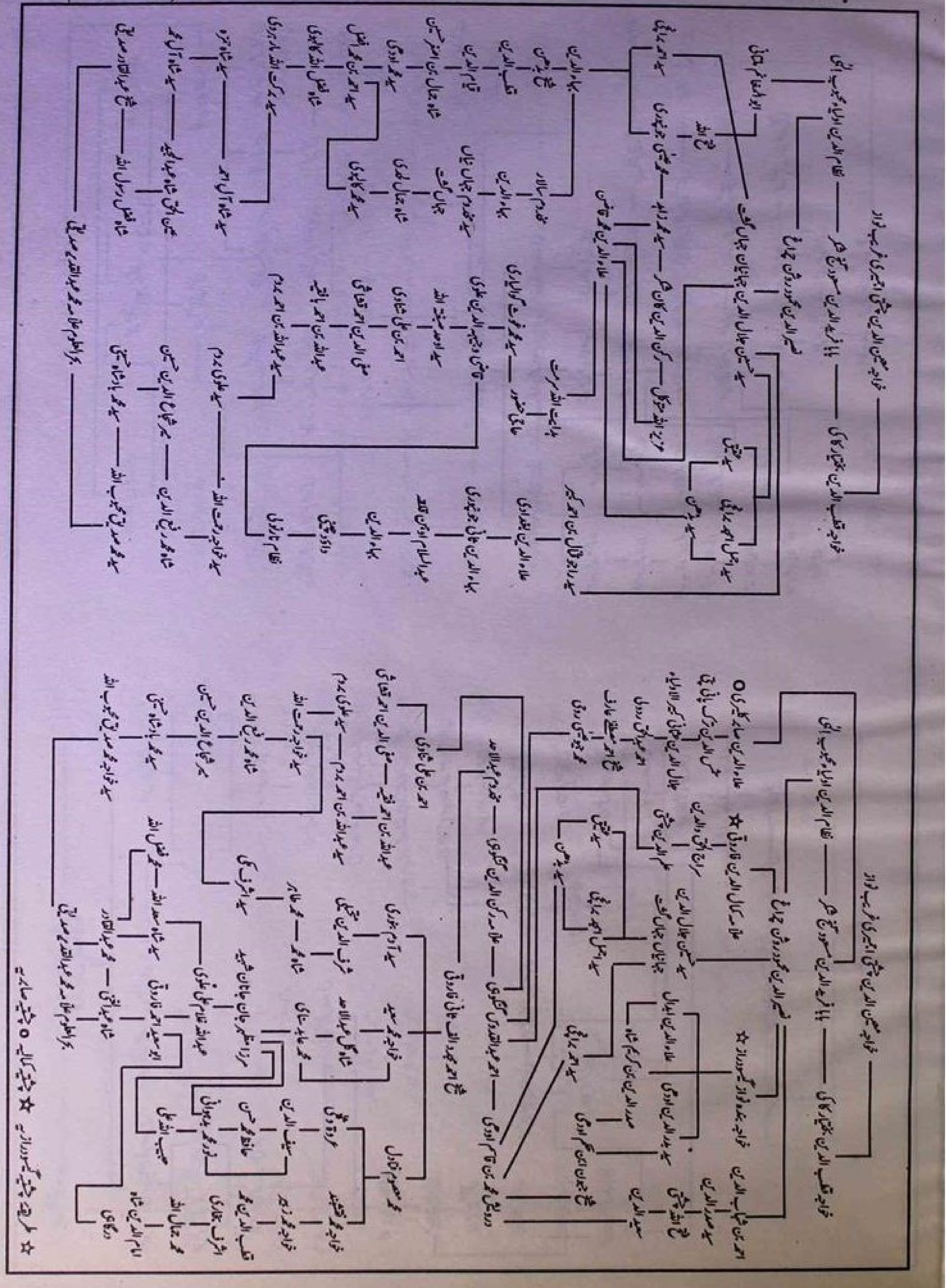


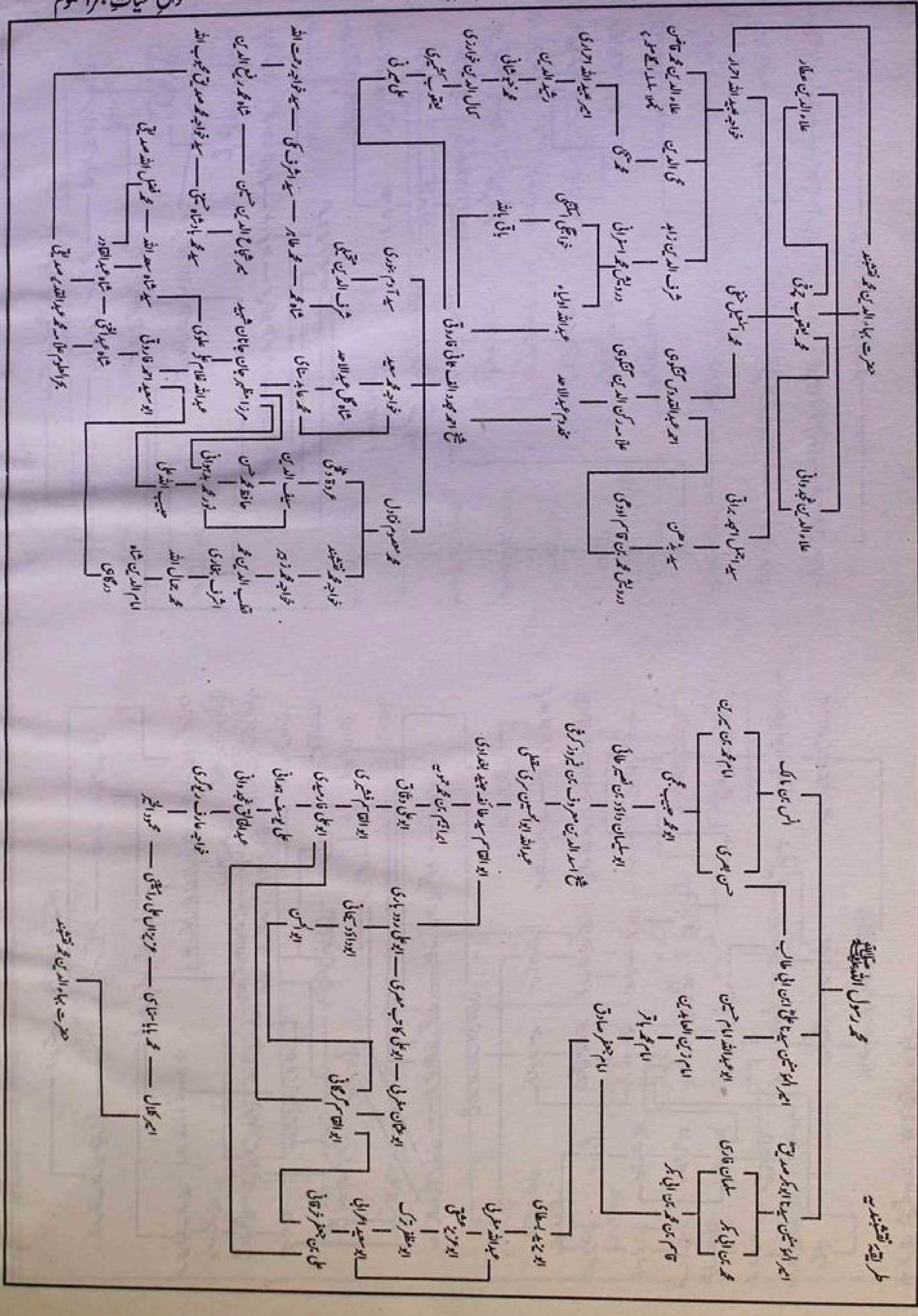


☆ طریقۂ قادریہ کلیمیہ



☆ طریقہ چشتیہ نظامیہ




طریقہ نقشبندیہ
محمد رسول اللہ ﷺ
حضرت بہاء الدین محمد نقشبند

حضرت بہاء الدین محمد نقشبند
- علاء الدین غجدوانی
- علاء الدین عطار

محمد یعقوب چرخی

خواجہ عبید اللہ احرار

محی الدین
محمد یحیی
امیر عبید اللہ احراری
ابو العلا نقشبند
سید دوست محمد
مرزا شاہ محمد فرہاد
برہان الدین
عزت اللہ
محمد قاسم شیخ جی حالی
محمد علی صدیقی چینکی
محمد فضل اللہ صدیقی
محمد عبد القادر صدیقی

علاء الدین محمد قاضی

ہدایت اللہ سرمست
حاجی حضور
سید محمد غوث گوالیاری
قاضی وجیہہ الدین علوی
سید اوحد صبغۃ اللہ
احمد بن علی شناوی
صفی الدین احمد قشاشی
عبداللہ بن احمد باقفیہ
سید عبداللہ بن احمد بروم
سید علوی بروم
سید خواجہ رحمت اللہ
شاہ محمد رفیع الدین
میر شجاع الدین حسین
سید محمد بادشاہ حسینی
سید محمد صدیق محبوب اللہ

بہاء الدین

مخدوم سالار
بہاء الدین
سید مخدوم جہاں نیاں
جہاں گشت
شاہ جمال لحدی
سید محمد کالپوی

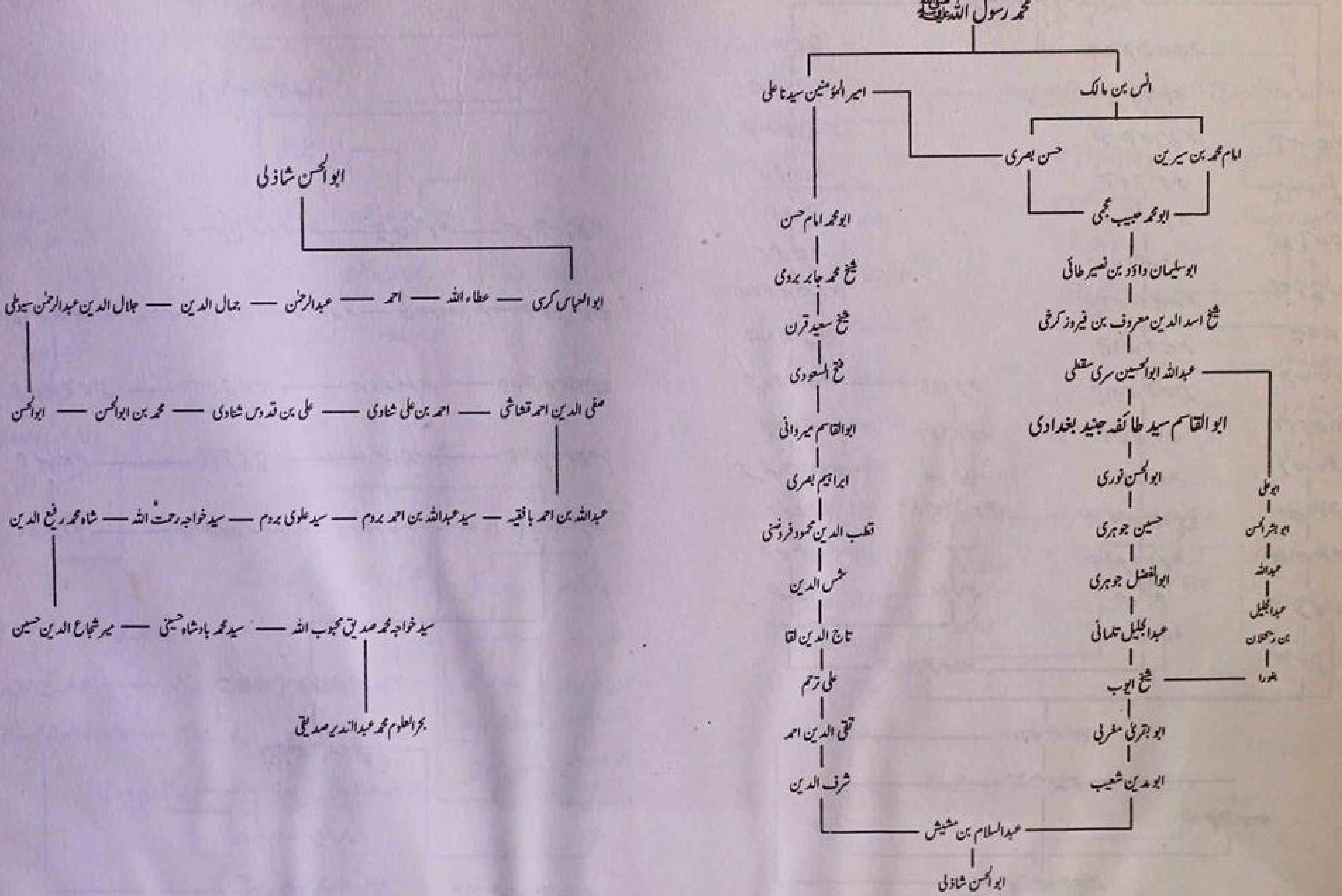
شیخ بڈھن
قطب الدین
قیام الدین
شاہ جمال بن اصغر حسین
سید محمد ادھمی
سید احمد بن محمد افضل
شاہ فضل اللہ کالپوی
سید برکت اللہ مارہروی
سید شاہ آل محمد
سید شاہ حمزہ
سید شاہ آل احمد
عین الحق شاہ عبد المجید
شاہ فضل رسول اللہ
شیخ عبد القادر

بحر العلوم علامہ محمد عبد القدیر صدیقی

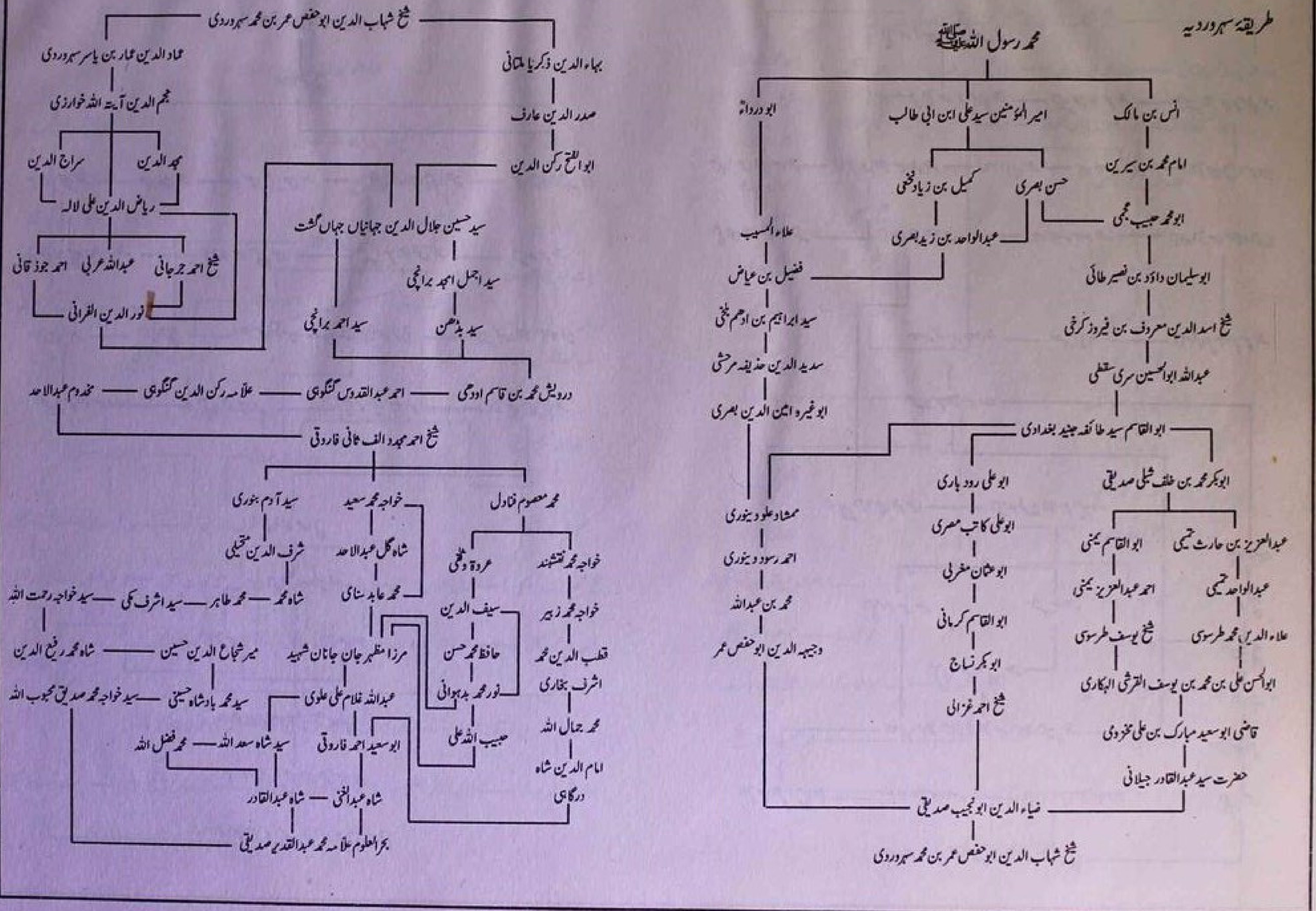
☆ طریقۂ اویسیہ ہرمیہ

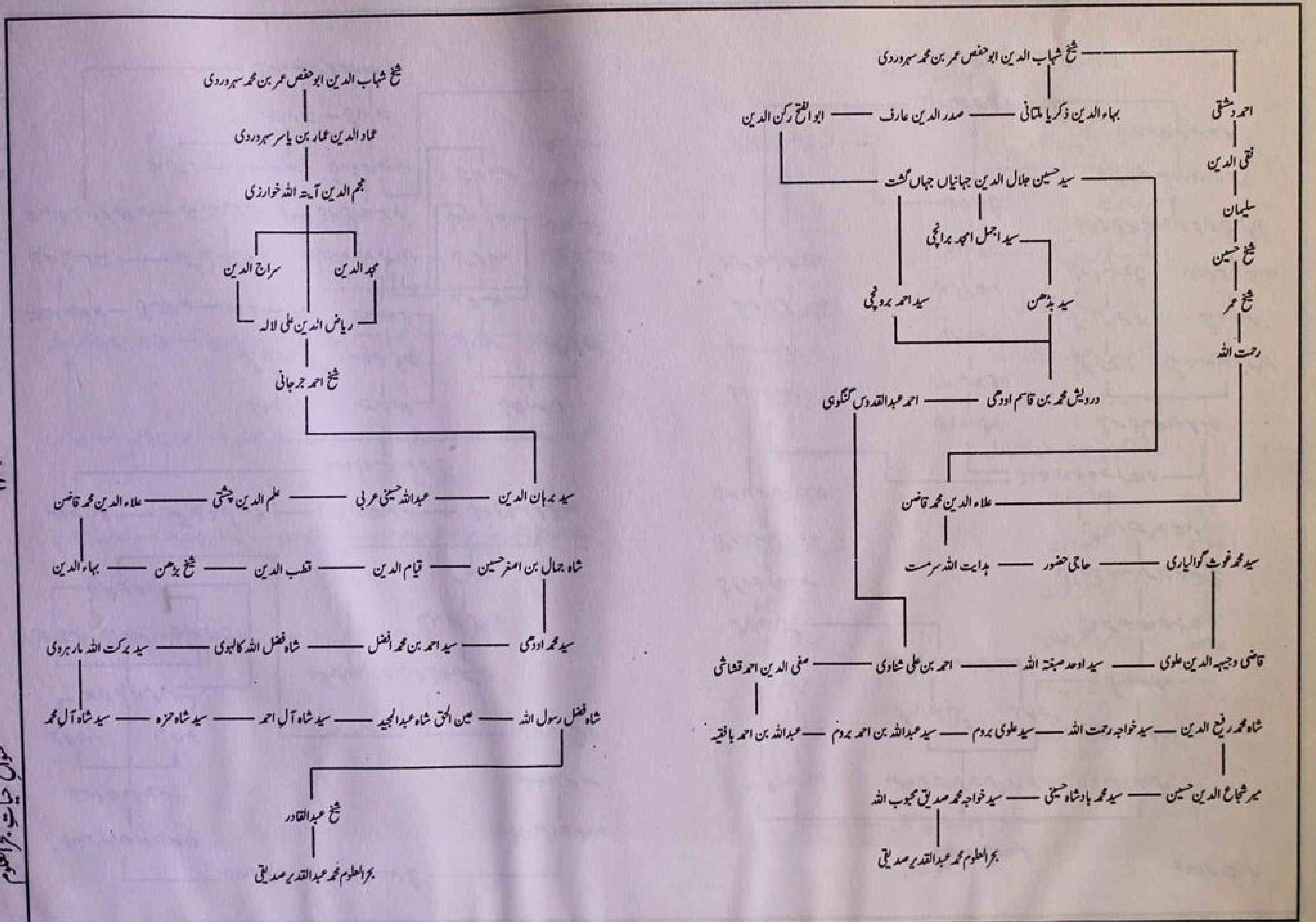
محمد رسول اللہ ﷺ
امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق بن الخطاب
اویس عامر قرنی ☆ — ابو موسیٰ راعی — ابو عمران راعی — ہرم بن حیان
عبداللہ المصری — شیخ علی شیرازی — حاجی حضور — سید محمد غوث گوالیاری
قاضی وجیہہ الدین علوی — سید اوحد صبغۃ اللہ — احمد بن علی شناوی — صفی الدین احمد قشاشی
عبداللہ بن احمد باقفیہ — سید عبداللہ بن احمد بروم — سید علوی بروم — سید خواجہ رحمت اللہ — شاہ محمد رفیع الدین
میر شجاع الدین حسین — سید محمد بادشاہ حسینی — سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ
بحر العلوم محمد عبد القدیر صدیقی

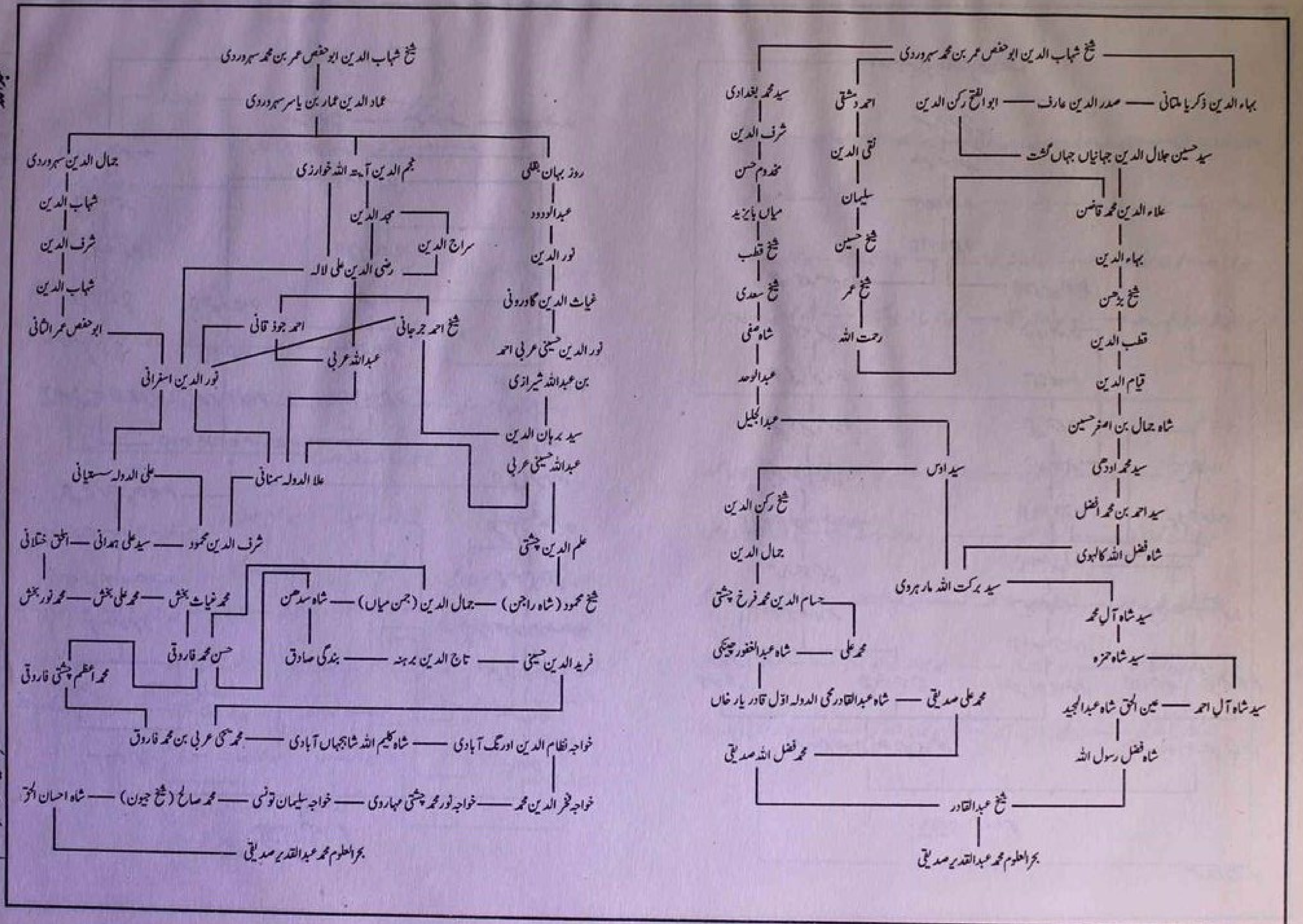
طریقہ جنیدیہ شاذلیہ



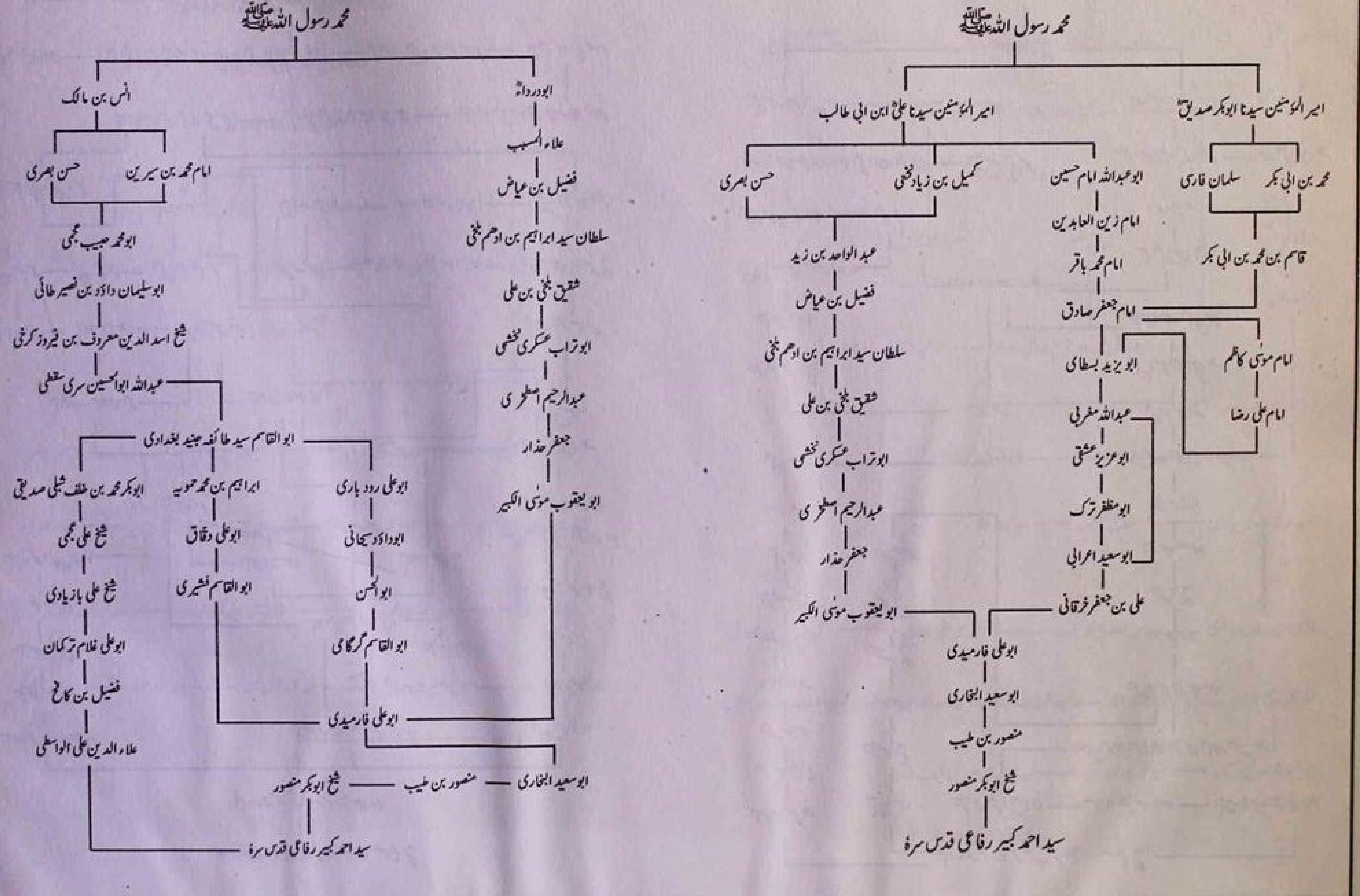
طریقہ سہروردیہ

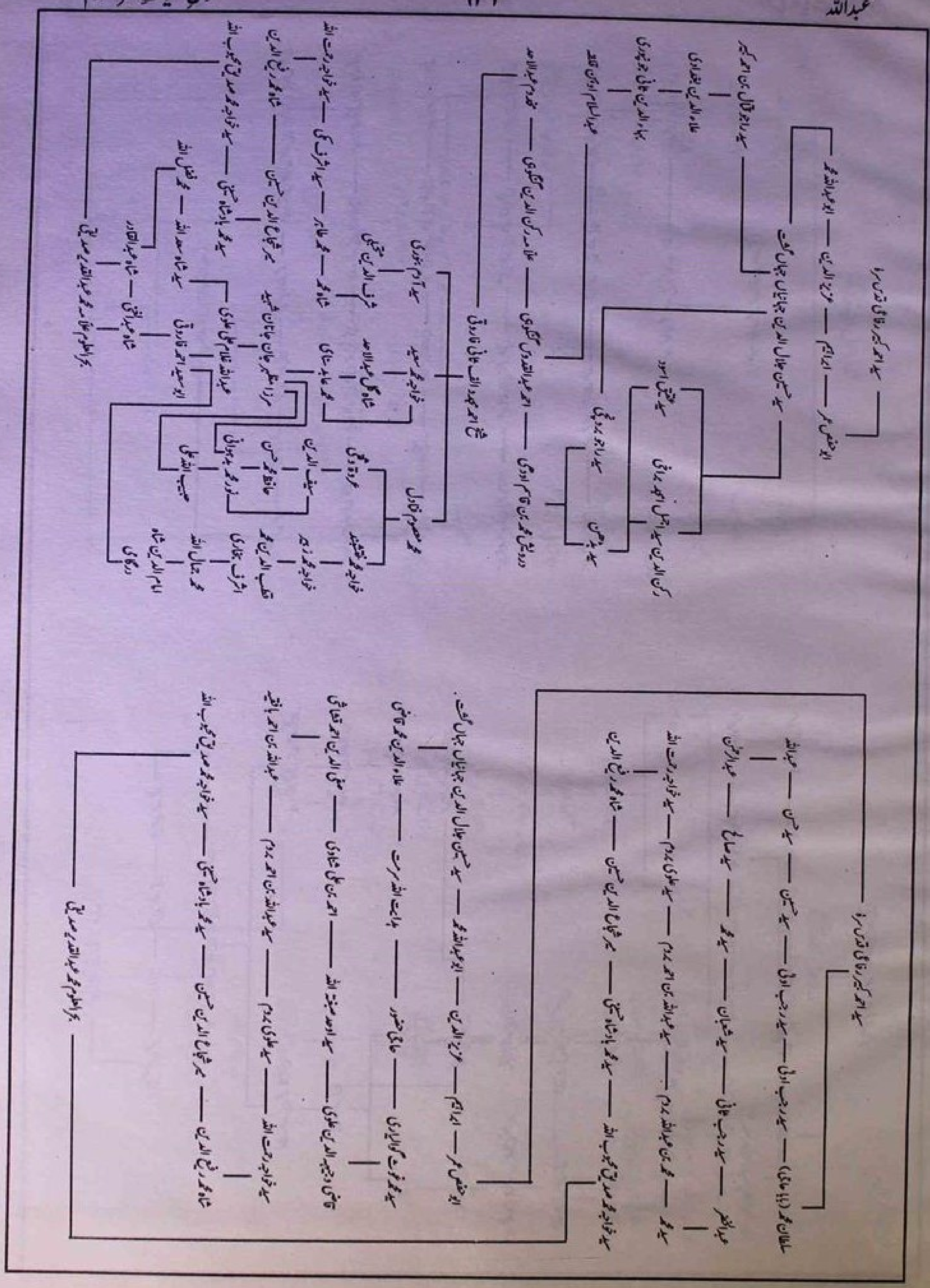


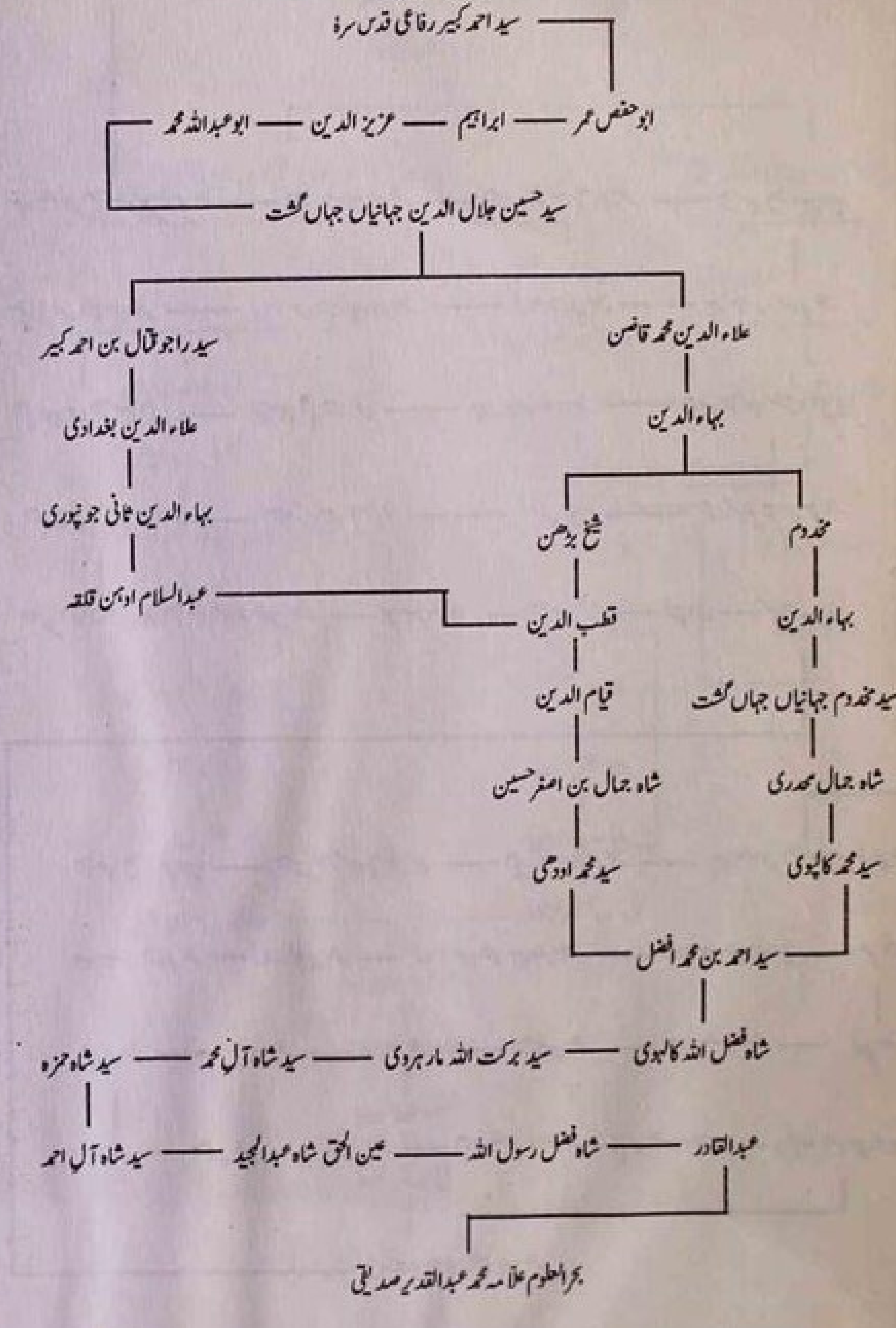

شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد سہروردی
عماد الدین عمار بن یاسر سہروردی
نجم الدین آیۃ اللہ خوارزمی
مجد الدین
سراج الدین
ریاض الدین علی لالہ
شیخ احمد جرجانی
سید برہان الدین — عبداللہ حسینی عربی — علم الدین چشتی — علاء الدین محمد قاضن
شاہ جمال بن اصغر حسین — قیام الدین — قطب الدین — شیخ بڈھن — بہاء الدین
سید محمد اودھی — سید احمد بن محمد افضل — شاہ فضل اللہ کالپوی — سید برکت اللہ مارہروی
شاہ فضل رسول اللہ — عین الحق شاہ عبدالمجید — سید شاہ آل احمد — سید شاہ حمزہ — سید شاہ آل محمد
شیخ عبدالقادر
بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی
شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد سہروردی
احمد دمشقی
نقی الدین
سلیمان
شیخ حسین
شیخ عمر
رحمت اللہ
بہاء الدین ذکریا ملتانی — صدر الدین عارف — ابوالفتح رکن الدین
سید حسین جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
سید اجمل احمد برانچی
سید احمد بروچی
سید بڈھن
درویش محمد بن قاسم اودھی — احمد عبدالقدوس گنگوہی
علاء الدین محمد قاضن
سید محمد غوث گوالیاری — حاجی حضور — ہدایت اللہ سرمست
قاضی وجیہ الدین علوی — سید اوحد صبغۃ اللہ — احمد بن علی شناوی — صفی الدین احمد قشاشی
شاہ محمد رفیع الدین — سید خواجہ رحمت اللہ — سید علوی بروم — سید عبداللہ بن احمد بروم — عبداللہ بن احمد باقفیہ
میر شجاع الدین حسین — سید محمد بادشاہ حسینی — سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ
بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی

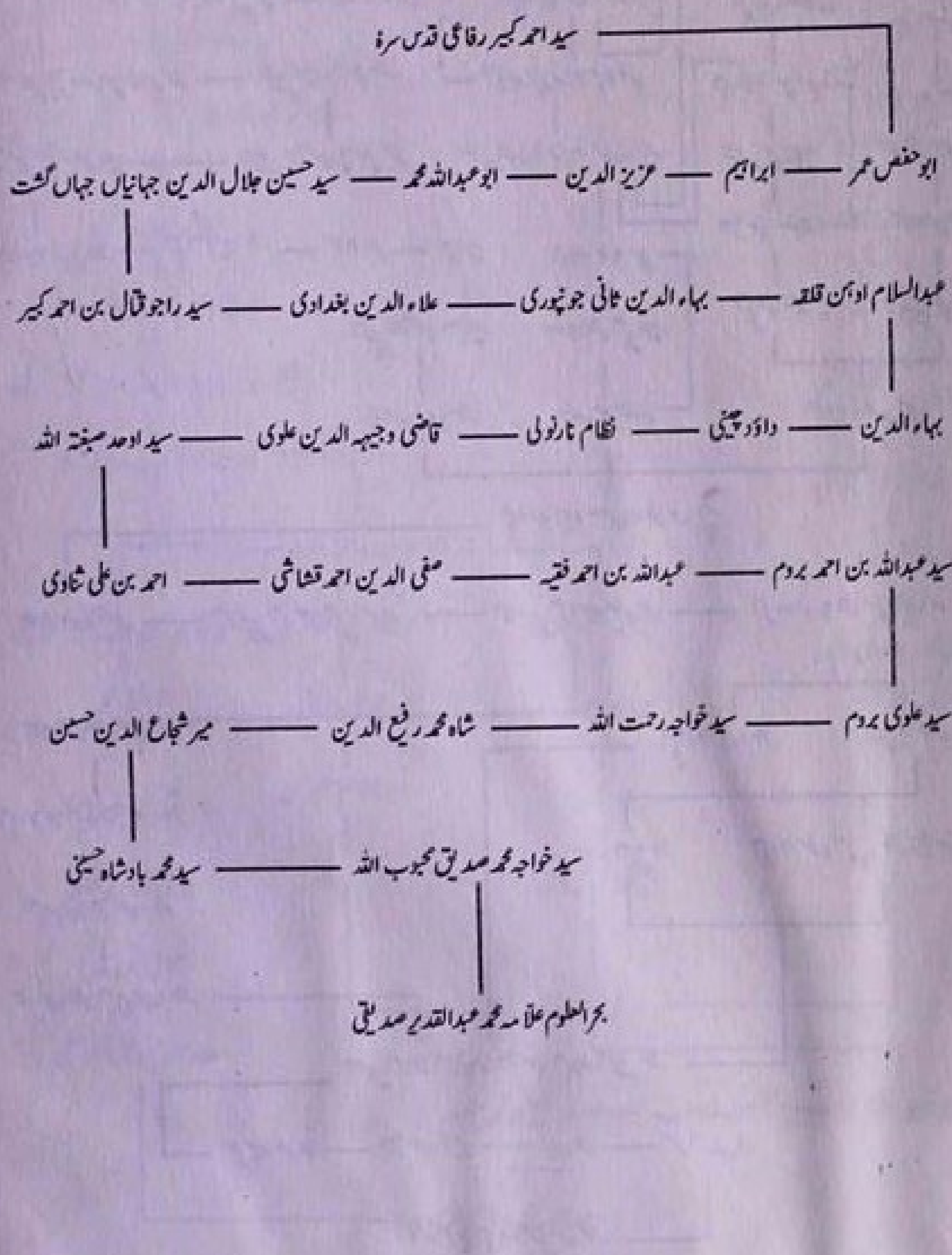

شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد سہروردی
بہاء الدین ذکریا ملتانی — صدر الدین عارف — ابوالفتح رکن الدین
سید حسین جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
علاء الدین محمد قاضن
بہاء الدین
شیخ بڈھن
قطب الدین
قیام الدین
شاہ جمال بن اصغر حسین
سید محمد اودھی
سید احمد بن محمد افضل
شاہ فضل اللہ کالپوی
سید برکت اللہ مارہروی
سید شاہ آل محمد
سید شاہ حمزہ
سید شاہ آل احمد — عین الحق شاہ عبدالمجید
شاہ فضل رسول اللہ
احمد دمشقی
نقی الدین
سلیمان
شیخ حسین
شیخ عمر
رحمت اللہ
سید محمد بغدادی
شرف الدین
مخدوم حسن
میاں بایزید
شیخ قطب
شیخ سعدی
شاہ صفی
عبدالوحد
عبدالجلیل
سید اوس
شیخ رکن الدین
جمال الدین
حسام الدین محمد فرخ چشتی
محمد علی — شاہ عبدالغفور چیکی
محمد علی صدیقی — شاہ عبدالقادر محی الدولہ اول قادر یار خاں
محمد فضل اللہ صدیقی
شیخ عبدالقادر
بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی
شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد سہروردی
عماد الدین عمار بن یاسر سہروردی
جمال الدین سہروردی
شہاب الدین
شرف الدین
شہاب الدین
ابوحفص عمر الثانی
نجم الدین آیۃ اللہ خوارزمی
مجد الدین
سراج الدین
رضی الدین علی لالہ
احمد جوزقانی
شیخ احمد جرجانی
عبداللہ عربی
نور الدین اسفرائنی
روز بہان بقلی
عبدالودود
نور الدین
غیاث الدین گاورونی
نور الدین حسینی عربی احمد
بن عبداللہ شیرازی
سید برہان الدین
عبداللہ حسینی عربی
علی الدولہ سمنانی
علاء الدولہ سمنانی
علم الدین چشتی
شرف الدین محمود — سید علی ہمدانی — اسحٰق ختلانی
محمد نور بخش — محمد علی بخش — محمد غیاث بخش
شیخ محمود (شاہ راجن) — جمال الدین (جمن میاں) — شاہ سدھن
فرید الدین حسینی — تاج الدین برہنہ — بندگی صادق
حسن محمد فاروقی
محمد اعظم چشتی فاروقی
خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی — شاہ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی — محمد یحیٰی عربی بن محمد فاروق
خواجہ فخر الدین محمد — خواجہ نور محمد چشتی مہاروی — خواجہ سلیمان تونسی — محمد صالح (شیخ جیون) — شاہ احسان الحق
بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی

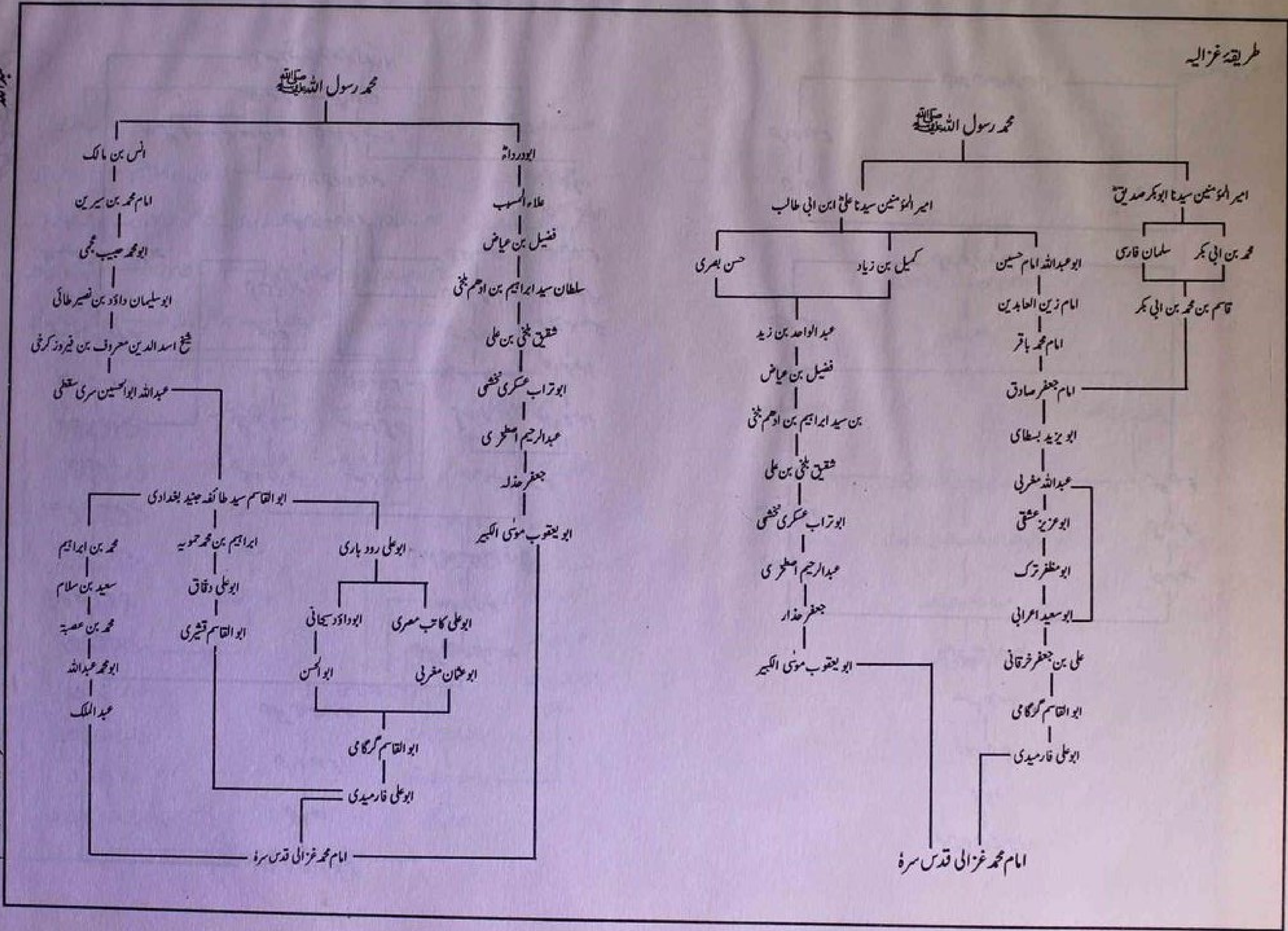
طریقۂ رفاعیہ



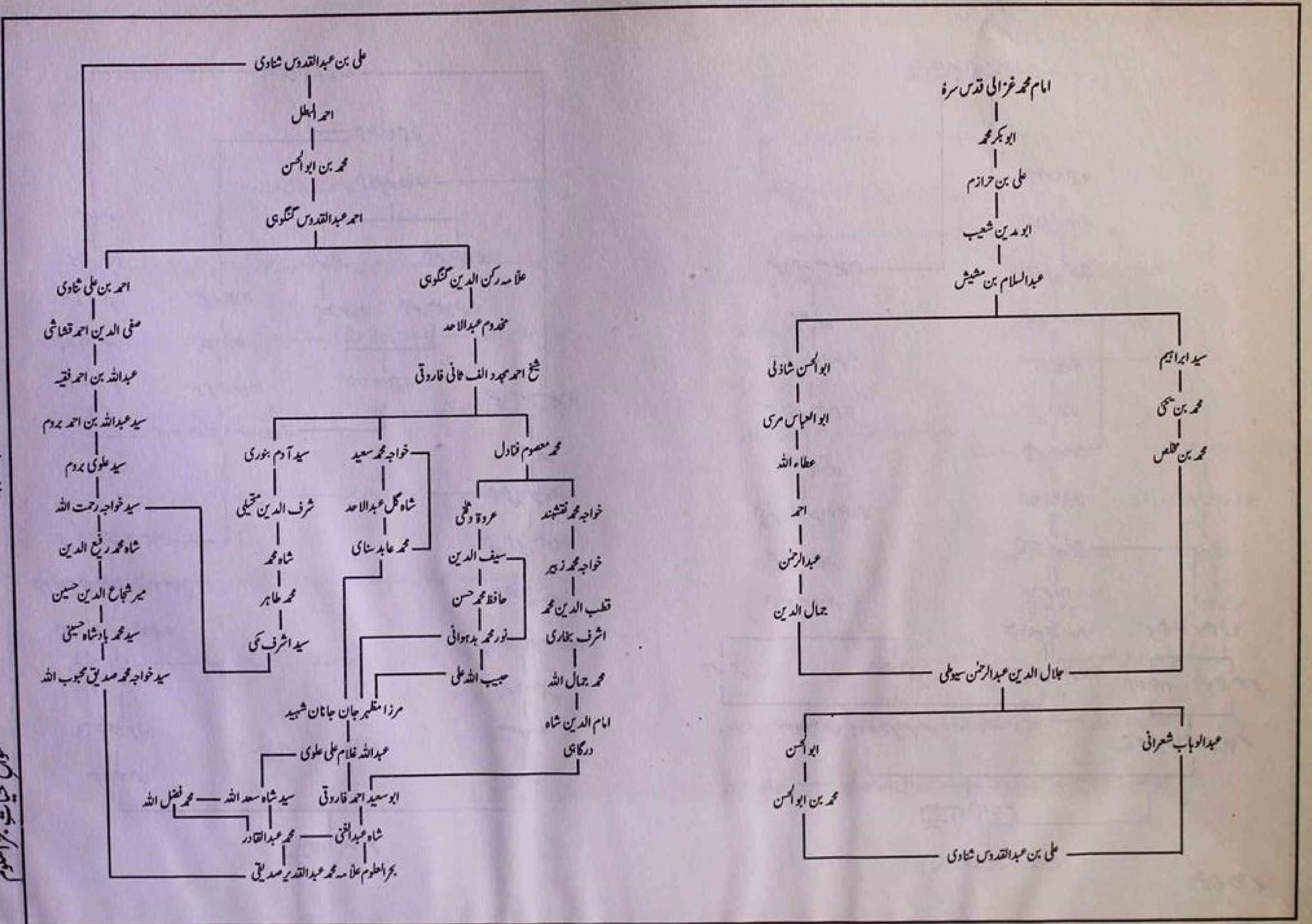



سید احمد کبیر رفاعی قدس سرہ
ابو حفص عمر — ابراہیم — عزیز الدین — ابو عبداللہ محمد
سید حسین جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
علاء الدین محمد قاضی
سید راجو قتال بن احمد کبیر
بہاء الدین
علاء الدین بغدادی
بہاء الدین ثانی جونپوری
مخدوم
شیخ بڑھن
عبدالسلام اودہن قلقہ
بہاء الدین
قطب الدین
سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت
قیام الدین
شاہ جمال بھدری
شاہ جمال بن اصغر حسین
سید محمد کالپوی
سید محمد اودھی
سید احمد بن محمد افضل
شاہ فضل اللہ کالپوی — سید برکت اللہ مارہروی — سید شاہ آل محمد — سید شاہ حمزہ
عبدالقادر — شاہ فضل رسول اللہ — عین الحق شاہ عبدالمجید — سید شاہ آل احمد
بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی

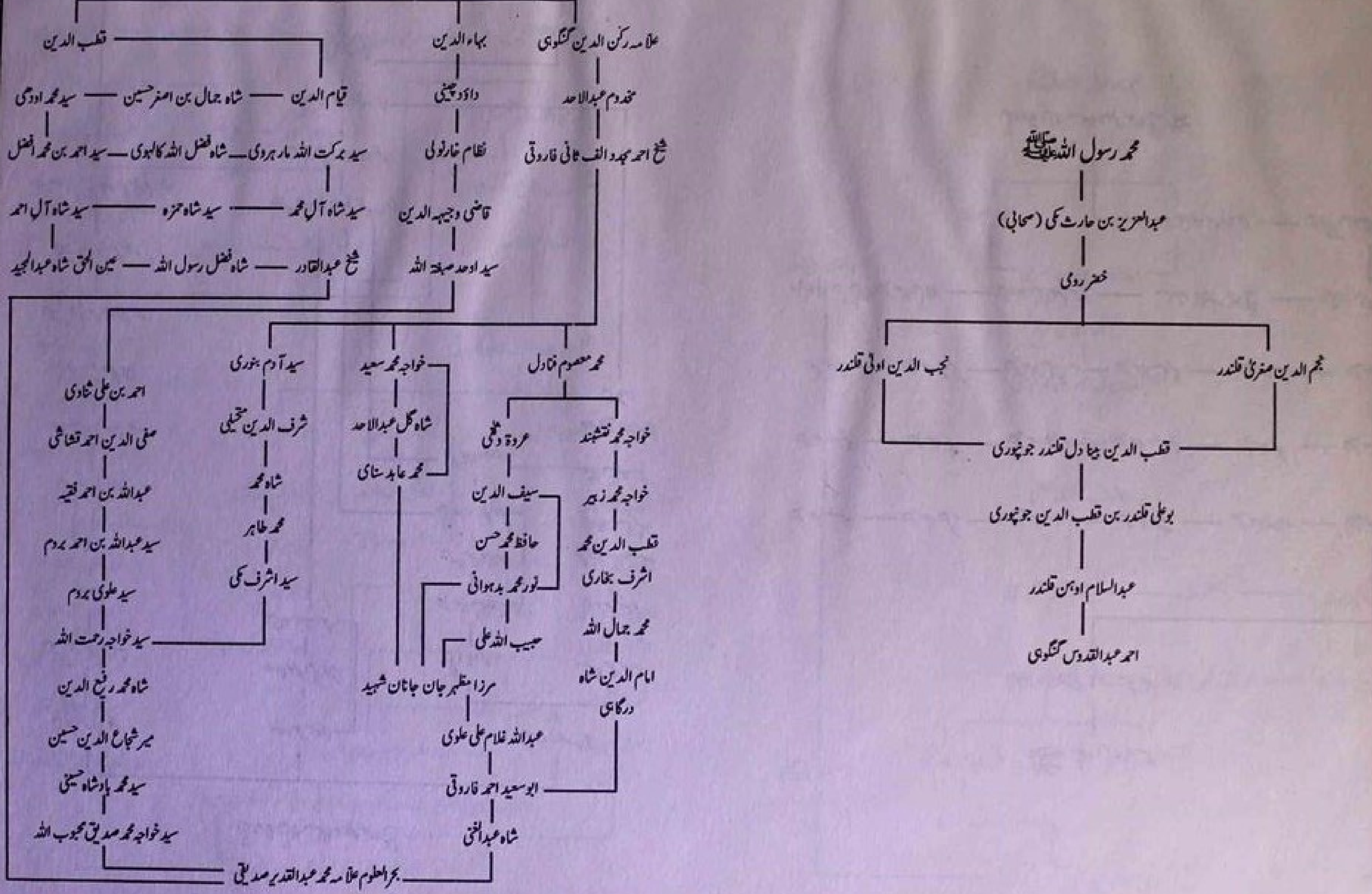

سید احمد کبیر رفاعی قدس سرہ
ابو حفص عمر — ابراہیم — عزیز الدین — ابو عبداللہ محمد — سید حسین جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
عبدالسلام اودہن قلقہ — بہاء الدین ثانی جونپوری — علاء الدین بغدادی — سید راجو قتال بن احمد کبیر
بہاء الدین — داؤد چھچی — نظام نارنولی — قاضی وجیہہ الدین علوی — سید اوحد صبغۃ اللہ
سید عبداللہ بن احمد بروم — عبداللہ بن احمد فقیہ — صفی الدین احمد قشاشی — احمد بن علی شاوی
سید علوی بروم — سید خواجہ رحمت اللہ — شاہ محمد رفیع الدین — میر شجاع الدین حسین
سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ — سید محمد بادشاہ حسینی
بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی

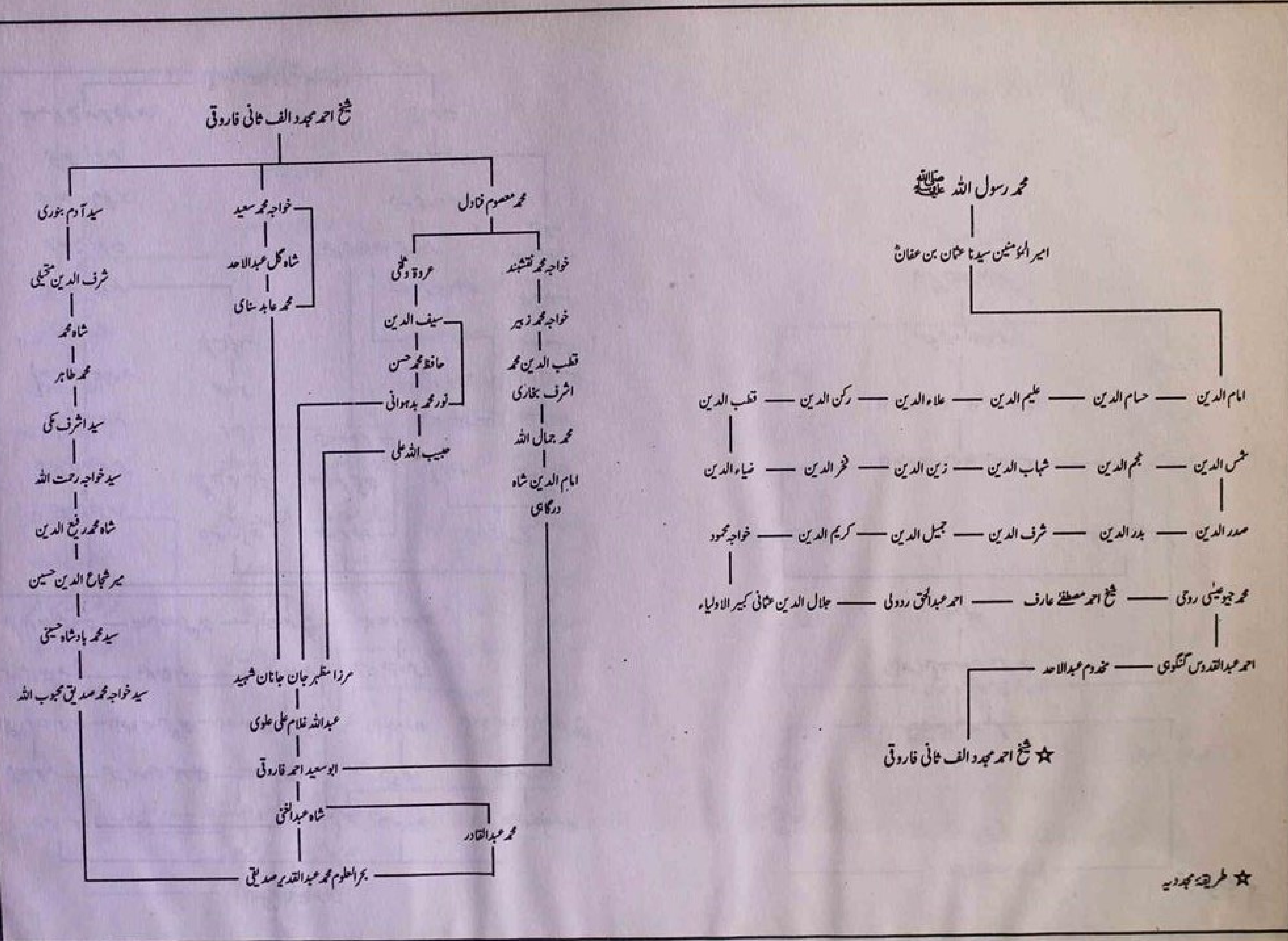


طریقہ غزالیہ
محمد رسول اللہ ﷺ
امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ
محمد بن ابی بکر
سلمان فارسی
قاسم بن محمد بن ابی بکر
امیر المؤمنین سیدنا علیؓ ابن ابی طالب
ابوعبداللہ امام حسین
امام زین العابدین
امام محمد باقر
امام جعفر صادق
ابو یزید بسطامی
عبداللہ مغربی
ابو عزیز عشق
ابو مظفر ترک
ابو سعید اعرابی
علی بن جعفر خرقانی
ابو القاسم گرگانی
ابو علی فارمیدی
کمیل بن زیاد
حسن بصری
عبدالواحد بن زید
فضیل بن عیاض
بن سید ابراہیم بن ادھم بلخی
شقیق بلخی بن علی
ابو تراب عسکری نخشی
عبدالرحیم اصطخری
جعفر حذار
ابو یعقوب موسیٰ الکبیر
امام محمد غزالی قدس سرہٗ
محمد رسول اللہ ﷺ
ابو درداءؓ
علاء المسیب
فضیل بن عیاض
سلطان سید ابراہیم بن ادھم بلخی
شقیق بلخی بن علی
ابو تراب عسکری نخشی
عبدالرحیم اصطخری
جعفر حذاء
ابو یعقوب موسیٰ الکبیر
انس بن مالک
امام محمد بن سیرین
ابو محمد حبیب عجمی
ابو سلیمان داؤد بن نصیر طائی
شیخ اسد الدین معروف بن فیروز کرخی
عبداللہ ابو الحسین سری سقطی
ابو القاسم سید طائفہ جنید بغدادی
محمد بن ابراہیم
سعید بن سلام
محمد بن عصبہ
ابو محمد عبداللہ
عبد الملک
ابراہیم بن محمد حمویہ
ابو علی دقاق
ابو القاسم قشیری
ابو علی رود باری
ابو داؤد دیکہانی
ابو علی کاتب مصری
ابو الحسن
ابو عثمان مغربی
ابو القاسم گرگانی
ابو علی فارمیدی
امام محمد غزالی قدس سرہٗ

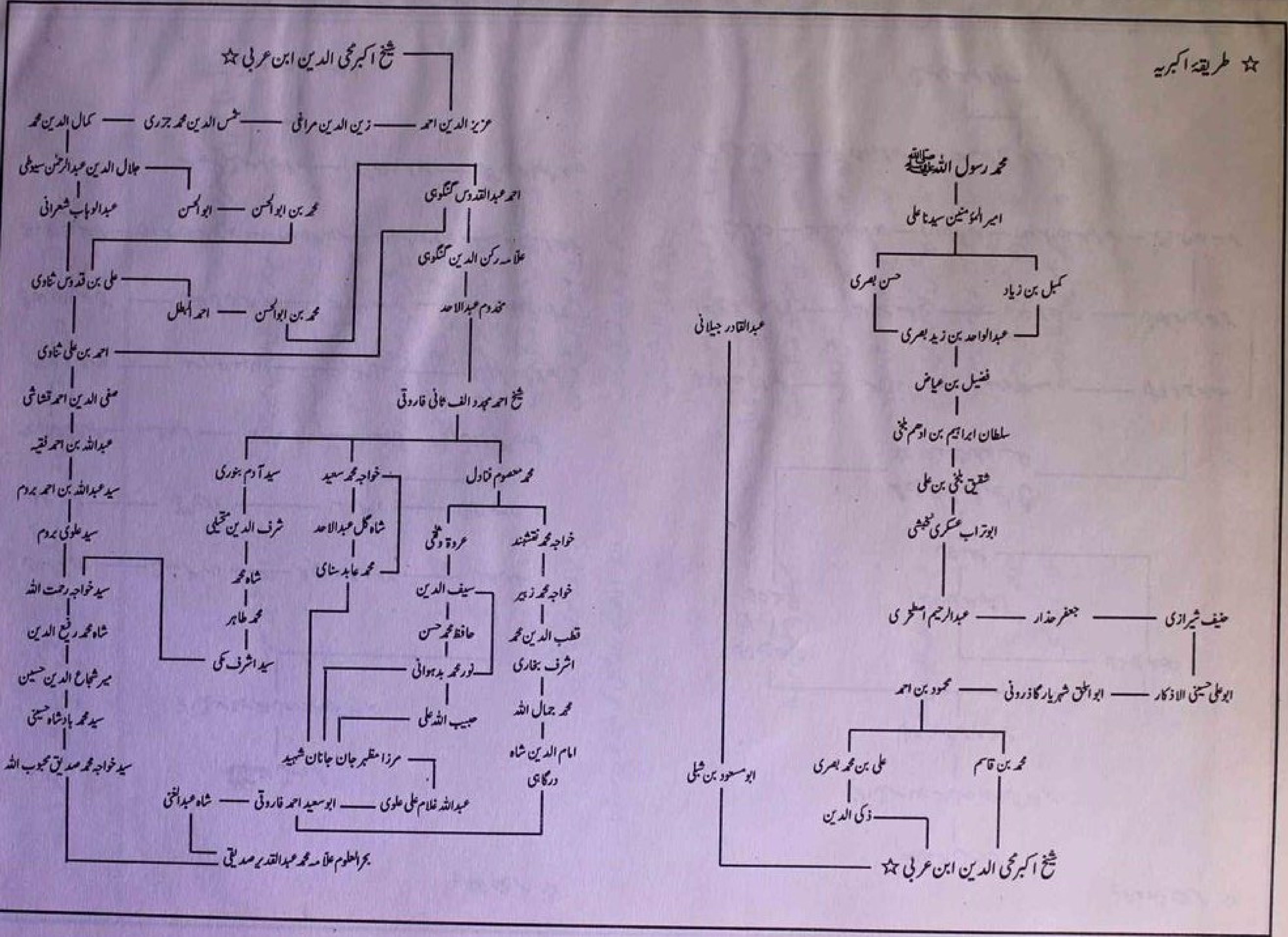

امام محمد غزالی قدس سرہ
ابوبکر محمد
علی بن حرازم
ابومدین شعیب
عبدالسلام بن مشیش
سید ابراہیم
محمد بن یحییٰ
محمد بن خلص
ابوالحسن شاذلی
ابوالعباس مرسی
عطاء اللہ
احمد
عبدالرحمٰن
جمال الدین
جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی
عبدالوہاب شعرانی
ابوالحسن
محمد بن ابوالحسن
علی بن عبدالقدوس شاذلی
علی بن عبدالقدوس شاذلی
احمد الھطل
محمد بن ابوالحسن
احمد عبدالقدوس گنگوہی
علامہ رکن الدین گنگوہی
مخدوم عبدالاحد
شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی
محمد معصوم فاذل
خواجہ محمد سعید
سید آدم بنوری
خواجہ محمد نقشبند
عروۃ وثقیٰ
خواجہ محمد زبیر
قطب الدین محمد
اشرف بخاری
محمد جمال اللہ
امام الدین شاہ
درگاہی
سیف الدین
حافظ محمد حسن
نور محمد بدھوانی
حبیب اللہ علی
شاہ گل عبدالاحد
محمد عابد سنامی
شرف الدین متحلی
شاہ محمد
محمد طاہر
سید اشرف کی
احمد بن علی شاذی
صفی الدین احمد قشاشی
عبداللہ بن احمد فقیہ
سید عبداللہ بن احمد بروم
سید علوی بروم
سید خواجہ رحمت اللہ
شاہ محمد رفیع الدین
میر شجاع الدین حسین
سید محمد بادشاہ حسینی
سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ
مرزا مظہر جان جاناں شہید
عبداللہ غلام علی علوی
ابوسعید احمد فاروقی
سید شاہ سعد اللہ
محمد فضل اللہ
شاہ عبدالغنی
محمد عبدالقادر
بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی

طریقۂ قلندریہ




محمد رسول اللہ ﷺ
امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفانؓ
امام الدین — حسام الدین — علیم الدین — علاء الدین — رکن الدین — قطب الدین
شمس الدین — نجم الدین — شہاب الدین — زین الدین — فخر الدین — ضیاء الدین
صدر الدین — بدر الدین — شرف الدین — جمیل الدین — کریم الدین — خواجہ محمود
محمد جو عیسیٰ روحی — شیخ احمد مصطفےٰ عارف — احمد عبدالحق ردولی — جلال الدین عثانی کبیر الاولیاء
احمد عبدالقدوس گنگوہی — مخدوم عبدالاحد
☆ شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی
☆ طریقۂ مجددیہ
شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی
محمد معصوم فادل
خواجہ محمد سعید
سید آدم بنوری
خواجہ محمد نقشبند
عروۃ وثقیٰ
شاہ گل عبدالاحد
محمد عابد سنامی
شرف الدین متحلی
خواجہ محمد زبیر
سیف الدین
حافظ محمد حسن
نور محمد بدھوانی
حبیب اللہ علی
قطب الدین محمد
اشرف بخاری
محمد جمال اللہ
امام الدین شاہ
درگاہی
شاہ محمد
محمد طاہر
سید اشرف مکی
سید خواجہ رحمت اللہ
شاہ محمد رفیع الدین
میر شجاع الدین حسین
سید محمد بادشاہ حسینی
سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ
مرزا مظہر جان جاناں شہید
عبداللہ غلام علی علوی
ابو سعید احمد فاروقی
شاہ عبدالغنی
محمد عبدالقادر
بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی

☆ طریقہ اکبریہ



☆ طریقۂ شاہ مداریہ

محمد رسول اللہ ﷺ

امیر المؤمنین خلیفۂ رسول اللہ سیدنا صدیق اکبرؓ

عبداللہ عباس علمبردار صحابی

یمین الدین شامی — امین الدین شامی

مین الدین شامی — عبداللہ شامی

طیفور شامی

شیخ الشیوخ بدیع الدین محمد

قطب مدار شاہ مدار ☆

علاء الدین محمد قاضی —— ہدایت اللہ سرمت —— حاجی حضور —— سید محمد غوث گوالیاری

قاضی وجیہہ الدین علوی —— سید اوحد صبغۃ اللہ —— احمد بن علی شناوی —— صفی الدین احمد قشاشی

عبداللہ بن احمد باقفیہ — سید عبداللہ بن احمد بروم — سید علوی بروم — سید خواجہ رحمت اللہ — شاہ محمد رفیع الدین

میر شجاع الدین حسین — سید محمد بادشاہ حسینی — سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ

بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی

☆ طریقۂ شطاریہ

محمد رسول اللہ ﷺ

امیر المؤمنین خلیفۂ رسول اللہ سیدنا صدیق اکبرؓ

سلمان فارسی —— قاسم بن محمد بن ابی بکر —— امام جعفر صادق —— ابو یزید بسطامی

عبداللہ مغربی —— بوعزیز عشق —— بومظفر ترک —— ابو سعید اعرابی

علی بن جعفر خرقانی —— قلی باغدا —— محمد عاشق ماہ —— محمد عارف ماہ — عبداللہ شطار ☆

سید محمد غوث گوالیاری —— حاجی حضور —— ہدایت اللہ سرمت —— علاء الدین محمد قاضی

قاضی وجیہہ الدین علوی —— سید اوحد صبغۃ اللہ —— احمد بن علی شناوی —— صفی الدین احمد قشاشی

عبداللہ بن احمد باقفیہ — سید عبداللہ بن احمد بروم — سید علوی بروم — سید خواجہ رحمت اللہ — شاہ محمد رفیع الدین

میر شجاع الدین حسین —— سید محمد بادشاہ حسینی —— سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ

بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی

فہرست خلفاء جو حضرت کے وصال کے وقت بقید حیات تھے

(الف) اقرباء حضرت

	۱۔	محمد عبدالرحیم صدیقی صاحب حیرت	فرزند و جانشین حضرت
	۲۔	محمد ابوتراب علی صدیقی صاحب خاکی	〃 〃 〃
	۳۔	ابوالقاسم محمد صدیقی صاحب مسلم	〃 〃 〃
	۴۔	حسین شجاع الدین صدیقی صاحب عزت	〃 〃 〃
	۵۔	حسن محی الدین صدیقی صاحب غیرت	فرزند
	۶۔	ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی صاحب	〃 پاکستان
●	۷۔	احمد عبدالشکور صدیقی صاحب	〃 کینیڈا
●	۸۔	غوث محی الدین صدیقی صاحب	فرزند و موجودہ جانشین
	۹۔	محمد انور الدین صدیقی صاحب	داماد (والد ماجد ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی)
	۱۰۔	سید ولی اللہ قادری الجیلانی صاحب	〃
●	۱۱۔	خواجہ ولی الدین صاحب	〃
●	۱۲۔	قاضی احمد بشیر الدین صاحب فاروقی	〃 کینیڈا
	۱۳۔	حسن فضل اللہ صدیقی صاحب	نبیرہ (سعودی عرب)
●	۱۴۔	محمد عبدالرزاق صدیقی صاحب	〃
	۱۵۔	حسین عطاء اللہ صدیقی صاحب	〃
	۱۶۔	ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی	نبیرہ مولف کتاب عبداللہ
	۱۷۔	محمد وقار الدین صدیقی صاحب	〃
	۱۸۔	احمد حسین صدیقی صاحب	برادر نسبتی
	۱۹۔	محمد حسین صدیقی صاحب	فرزندِ برادرِ نسبتی

۶۹۔ سجاد صاحب (رحمت آباد شریف)

۷۰۔ خسر صاحب سجادہ (رحمت آباد شریف)

۷۱۔ میسور حکیم محمد علی خاں

۷۲۔ خواجہ ابوتراب صدیقی

۷۳۔ برہان الدین احمد صاحب

۷۴۔ مظفر حسن خاں صاحب

۷۵۔ محمد یوسف صاحب

۷۶۔ جبیب سالم ●

(ج) وہ خلفاء جو حضرت کی زندگی میں وفات پاگئے۔

۱۔ سدی محبوب صاحب

۲۔ محمد حسین صاحب (أستاد ہنوٹ)

۳۔ علی سعیدی صاحب

۴۔ جبیب محمد العیدروس

۵۔ ڈاکٹر سید ولی الدین صاحب پروفیسر

۶۔ سید اسرار الرحمٰن صاحب

۷۔ سید برہان اللہ صاحب قادری
والد ماجد سید ولی اللہ صاحب قادری

۸۔ میر نصرت علی صاحب (ناظم عدالت)

۹۔ سید شرف الدین صاحب (میکی)

۱۰۔ مرزا حسن بیگ صاحب

۱۱۔ سید نجم الدین گیلانی صاحب

۱۲۔ قاضی احمد منیر الدین صاحب فاروقی

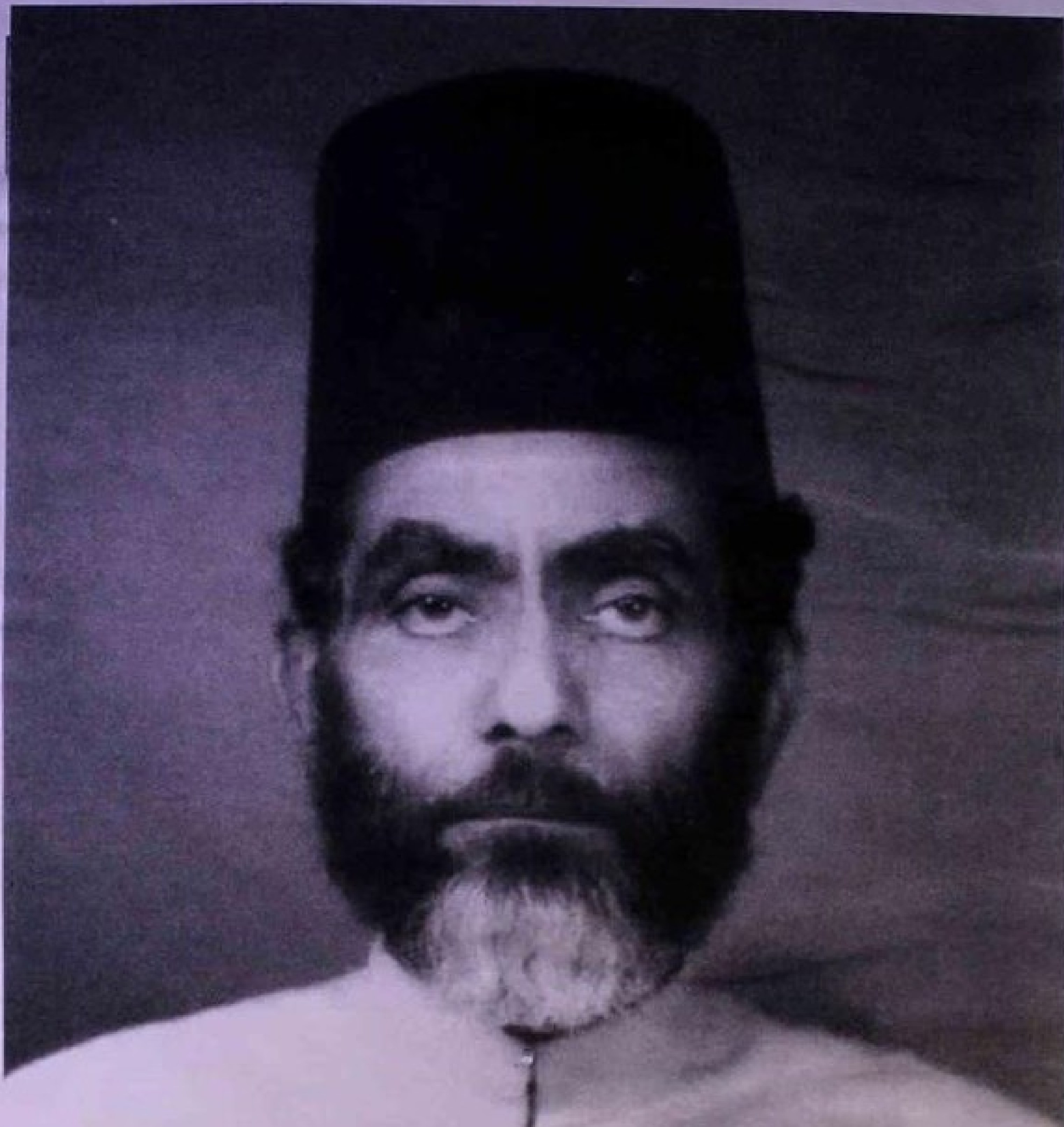
۱۳۔ امین الدین صاحب قادری عرف سرور پاشا

۱۴۔ میر اسد اللہ خاں صاحب

۱۵۔ محمد عبدالقادر معین الدین صاحب
(فرزند حضرت)

۱۶۔ قاضی احمد نصیر الدین فاروقی

نوٹ: جملہ خلفاء کی تعداد (۹۲) تھی۔ حضرت کے وصال کے وقت ۶، خلفاء بقید حیات تھے۔ زیر نظر کتاب عبداللہ کی طباعت کے وقت جو خلفاء بقید حیات ہیں ان کو (●) نشانات سے ظاہر کیا گیا ہے۔ بلالحاظ ترتیبِ خلافت فہرست مرتب کی گئی ہے کیونکہ تاریخ عطیہ خلافت ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہے۔ حضرت کے وصال سے تقریباً ایک سال پہلے میں نے فہرست مرتب کی اور حضرت کے ملاحظہ میں پیش کیا جو نام متروک تھے حضرت نے لکھوادیئے اب یہ فہرست ہر طرح مکمل ہے مزید اضافہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اس کی ایک نقل کرنل جبیب علی صاحب کو بھی دی گئی تھی۔



مولوی محمد انوار الدین صدیقی عمہ و خلیفۂ بحرالعلومؒ
مولف کتاب "عبداللہ"